

قراءات نمبر  
3

قَدْ كَبَّيَّرَتِ الرَّشْدَ مِنَ الْعُزْرِ

قال ابن تيمية رحمه الله

# رشد

ماہنامہ مارچ ۲۰۱۶ء لاہور

لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ الْبَاطِلِ شَيْءٌ  
مَنْ خَلَّفَ تَارِكًا مِنْ  
حَكِيمٍ حَمِيدٍ



مہارت

حافظ عبدالرحمن مدنی

انما خرجت لربك الاذنين وانما لك اذنين



کتابخانہ القرآن کبیر اور الجوامع الاسلامیہ

پیشکش



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

\*\*\* توجہ فرمائیں! \*\*\*

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

\*\*\*

**تنبیہ**

\*\*\*

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر

تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

[webmaster@kitabosunnat.com](mailto:webmaster@kitabosunnat.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

## آئینہ رشد

- ۴ □ تحفظ قراءات اور مجلہ رشد ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
- ۹ □ رشد قراءات نمبر اور منکرین حدیث کی بوکھلاہٹ حافظ نعیم الرحمن ناصف
- حدیث و سنت

- ۲۲ □ احادیث میں وارد حفصؓ کے علاوہ متواتر قراءات حافظ محمد عمر فاروقی
- حجیت قراءات

- ۴۰ □ مشہور شارحین حدیث کا نظریہ قراءات محمد عمران اسلم
- ۵۹ □ فضائل القرآن اور سبعا احرف پر مشتمل احادیث محمد عمران اسلم
- ۷۲ □ تاریخ قراءات متواترہ اور حل اشکالات مفتی ڈاکٹر عبدالواحد
- ۹۱ □ متنوع قراءات کا ثبوت، حفصؓ کی روشنی میں حافظ محمد مصطفیٰ راسخ
- ۱۱۹ □ مصاحف عثمانیہ میں اختلافات قراءات کا جائزہ ادارہ
- ۱۳۲ □ حروف سبعا پر نزول قرآن ..... محمد سعید احمد مجددی

## فتاویٰ جات

- ۱۳۶ □ ثبوت قراءات اور اکابرین اُمت حافظ محمد مصطفیٰ راسخ
- ۱۵۳ □ حجیت قراءات ..... ضمیمہ فتاویٰ جات مولانا محمد اصغر
- ۱۷۱ □ قراءات عشرہ کا تواتر اور سبعا احرف کی تشریح مفتی عبدالقدوس ترمذی
- ۱۸۸ □ ضمیمہ فتاویٰ علمائے عرب نعیم الرحمن ناصف

## تاریخ قراءات

- ۱۹۹ □ بریلوی مکتب فکر کے قراء کی خدمات ڈاکٹر قاری محمد مظفر
- ۲۲۲ □ پانی پت میں علم القراءات ڈاکٹر محمود الحسن عارف

## حدیث سببعہ أحرف

- کیا متنوع قراءات لغت قریش پر مشتمل ہیں؟
- سببعہ أحرف..... تحقیقات و توضیحات
- حدیث سببعہ احرف: متشابہات میں سے؟

## مباحث قراءات

- القراءات والقراء
- مولانا محمد عبدہ الفلاح ۲۶۵
- عصر حاضر سے نبی اکرم ﷺ تک متصل اسانید
- ڈاکٹر یاسر مزروعی ۲۹۵
- الإسناد فی کتب التجوید والقراءات
- قاری محمد ادریس العاصم ۳۱۲
- مشکلات القراءات..... مفہوم اور تعارض کا حل
- قاری رشید احمد تھانوی ۳۲۶
- علم قراءات کی خبری اصطلاحات..... تعارف
- ڈاکٹر محمد نبیل ابراہیم ۳۳۳
- قراءات شاذہ اور ثبوت قرآن کا ضابطہ
- مولانا محمد اسلم صدیق ۳۵۵
- جمع عثمانی..... روایات کے آئینے میں
- حافظ فہد اللہ مراد ۳۸۸

## اعجاز قرآنی کے متنوع پہلو

- علم القراءات اور قواعد نحویہ
- مولانا محمد رمضان سلفی ۴۱۰
- نحوی قواعد کا قرآن سے انحراف اور اسباب
- ساجد علی سبحانی ۴۱۷
- قراءات متواترہ کے فقہی احکام پر اثرات
- مولانا محمد شفیق مدنی ۴۲۷
- معانی و بلاغت پر قراءات کے اثرات
- ڈاکٹر عبد الکریم صالح ۴۳۷
- اوقاف قرآنیہ پر قراءات کے اثرات
- ڈاکٹر عبد الکریم صالح ۴۶۶
- معانی واحکام پر تجوید و ترتیل کے اثرات
- الاستاذ محمد شملول ۴۷۳

## تحقیق و تنقید

- علم روایت میں تقسیم آحاد و تواتر..... ناقدانہ جائزہ
- مولانا ثناء اللہ زاہدی ۴۸۴
- قراء کرام میں تحقیق کا فقدان..... لمحہ فکریہ
- حافظ فہد اللہ مراد ۴۹۶
- آئمہ قراءات کے لیل و نہار
- قاری عبد الباسط منشاوی ۵۰۸
- قراء عشرہ اور ان کے رواۃ کی ثقاہت
- ابن بشیر الحسینوی ۵۲۷
- محافل قراءات..... اعتراضات کا جائزہ
- مفتی جمیل احمد تھانوی ۵۴۰
- جمع قراءات..... مفہوم، ارتقا اور شرعی حیثیت
- ڈاکٹر فتحی العبیدي ۵۵۶

## نقطہ نظر

- اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت
- مفتی محمد طاہر مکی ۵۷۳
- مصاحف کی اشاعت کے خلاف منفی پراپیگنڈہ
- محمد عطاء اللہ صدیقی ۵۷۸
- مولانا اشرف علی تھانوی اور علم تجوید و قراءات
- قاری احمد میاں تھانوی ۶۰۹
- 'جمع کتابی' سے متعلق چند توضیحات
- حافظ فہد اللہ مراد ۶۱۲
- سلیم شاہ اور انور عباسی کی خدمت میں
- حافظ محمد زبیر تیمسی ۶۲۷
- سید سلیم شاہ کے مزعومہ تضادات کا جائزہ
- محمد عمران اسلم ۶۳۵

۶۵۶ اہل اشراق کے قراءت قرآنیہ پر حالیہ اعتراضات محمد عمران اسلم

### انکارِ قراءات

۶۶۵ جمع عثمانی رضی اللہ عنہ اور مستشرقین ڈاکٹر محمود اختر

۷۰۸ آرتھر جیفری اور کتاب المصاحف حافظ محمد زبیر تیمی

۷۵۰ قراءتوں کا اختلاف اور منکرین حدیث پروفیسر رفیق چودھری

۷۵۶ مصاحف عثمانیہ اور مستشرقین کے اعتراضات ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح

۷۷۵ تحریف قرآن، منصف مزاج مستشرقین کی نظر میں محمد مدثر حسین

۷۸۷ قدیم مصاحف قرآنیہ..... ایک تجزیاتی مطالعہ حافظ محمد زبیر تیمی

۸۰۶ مصحف عثمانی کی اشاعت اور شرق و غرب میں منتقلی ڈاکٹر سحر عبدالعزیز سالم

### علومِ قراءات

۸۲۷ جمع قرآن اور تشکیل قراءات کی مختصر تاریخ قاری رحیم بخش پانی پتی

۸۳۶ رسم اور قراءات کے مابین تعلق قاری احمد میاں تھانوی

۸۴۸ إعجاز رسم القرآن من حیث القراءات حافظ محمد مصطفیٰ راسخ

۸۵۷ پاکستان میں ایک معیاری مصحف کی ضرورت حافظ انس نصر مدنی

۸۶۹ علم الفواصل..... توفیقی یا اجتہادی؟ محسن علی

### اشرویو

۸۸۱ حافظ عبدالرحمن مدنی کا تحقیقی اور تعلیمی مشن اشرویو پینل

۹۰۴ شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی سے ملاقات اشرویو پینل

### علمی مکاتیب

۹۲۹ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا مکتوب اور جواب ادارہ

۹۳۱ مولانا عبدالمنان نور پوری کا مکتوب اور جواب حافظ فہد اللہ مراد

### کتابیات

۹۴۰ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ میں علوم قرآن کے مباحث قاری محمد ابراہیم میر محمدی

### سیر و سوانح

۹۴۴ مشاہیر قراء کرام کا تذکرہ قاری محمد یحییٰ رسولنگری

۹۵۳ شیخ الاسلام حافظ ابو عمرو عثمان الدانی رضی اللہ عنہ قاری ابو بکر عاصم

۹۶۷ امام سیوطی اور علم قراءات میں ان کی خدمات فیاض الحسن جمیل ازہری

۹۷۵ الشیخ المقرئ احمد عبدالعزیز الزیات ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی

۹۸۷ شیخ القراء قاری اظہار احمد تھانوی قاری محمد فیاض

### ادارہ

۱۰۰۲ اخبار الجامعہ محمود سیاف

۱۰۰۵ جامعہ سلفیہ میں تقریب تکمیل قراءات عشرہ ارسلان ظفر

۱۰۰۸ تبصرہ جات بر ماہنامہ رُشد قراءات نمبر حافظ محمد عبداللہ

## تحفہ قراءات اور مجلہ 'رشد'

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کلام اور نبی کریم ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ ہے۔ قرآن کریم کے ہر لفظ و ترکیب میں اگر معانی کا جہاں پوشیدہ ہے، تو اس کے پر جلال انداز بیان نے بہت سے بھٹکے لوگوں کو راہ حق کی ہدایت دی ہے، جن میں سیدنا عمر بن خطاب، جبیر بن مطعم اور بہت سے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

اس دور میں قرآن مجید کے اعجاز کے اگر بہت سے پہلو نمایاں ہو رہے ہیں تو اس کی ایک اہمیت اور خوبی تو سرچڑھ کر آشکارا ہو رہی ہے اور وہ ہے: اجنبیت و غربتِ اسلام کے اس دور میں اسلام کی بقا اور اس کا وجود قرآن کی بدولت قائم و دائم ہے۔ غیر مسلم اسلام کے خلاف نت نئے حملے کر رہے ہیں اور ملتِ اسلامیہ عرصہ دراز سے ان کی جارحانہ بربریت کا شکار ہے، لیکن اگر ملتِ بیضا کے فرزند کفر کے مقابلے میں جم کر کھڑے ہیں اور میدانِ جہاد میں دشمنوں کو پے در پے شکست دے رہے ہیں، تو اس کی وجہ ان مجاہدین کے پاس قرآن کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا یوں محفوظ ہونا ہے جس کے ایک ایک لفظ کے منزل من اللہ ہونے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

تہذیب و ثقافت کے میدان میں اسلام کا حلیہ مسخ کیا جاتا ہے تو قرآن حکیم کی آیات بینات کے ذریعے ہر حیلہ جو کے مکر و فریب کا فسوں آخر کار بکھر کر رہ جاتا ہے۔ فکر و نظریہ کے میدان میں آئے روز اسلام پر تحریف و تاویل کے وار کئے جاتے ہیں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی ان کا زور ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم کے منزل من اللہ اور آخری الہامی کتاب ہونے کے ناطے اس پر عمل کرنے والا ہر انسان اپنے اندر خاص ایمانی جذبہ، روحانی قوت اور الہی تائید محسوس کرتا ہے۔ اس ایمان و یقین اور علم و نظریہ کا دُنیا کے کسی بھی جابر و قاهر حکمران کے پاس کوئی تُوڑ موجود نہیں ہے!

قرآن کریم اسلام کا مرکز و محور ہے۔ یہ سچا کہ واقعاتی طور پر قرآن مجید ہمیں ذاتِ اقدس ﷺ کے ذریعے ملا ہے، اور ان پر ایمان کامل ہو، تب ہی قرآن مجید تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن فی زمانہ مسلمان قرآن کے مطالعے سے ہی مقامِ رسالت ﷺ کا شعور اور اتباعِ سنت کا جذبہ مستحکم کرتے ہیں۔ آیات کریمہ نے ہی اتباعِ سنت کی اہمیت کو ہر مسلم کے دل میں جاگزیں کیا ہے۔ قرآن مجید ہی کے سہارے حدیث و سنت کی اتباع کا جذبہ اُمتِ مسلمہ میں کسی لمحے سرد نہیں پڑتا۔ جب تک قرآن کریم محفوظ و مامون شکل میں موجود ہے، اس وقت تک ملتِ اسلامیہ کے علمی و روحانی وجود کو ہزار زخم لگائے جائیں، یہ ملت پھر اپنے مرکز قرآنی سے تائید پا کر احیا کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ ادیان و ملل کے اس مقابلے میں قرآن کریم کو دیگر اقوام پر یہ ایسی نمایاں فوقیت حاصل ہے جس کا خراج اس کے مقابل آنے والی ہر قوم کو ادا کرنا پڑ رہا ہے۔

منعم حقیقی اللہ جل جلالہ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر ملتِ اسلامیہ پر ایک لازوال احسان کیا ہے۔ اس عظیم ذمہ داری کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے نفوسِ قدسیہ تخلیق کئے، جن کی زندگیوں کا مقصد ہی

حفاظت قرآن پڑھنا۔ کتنے مبارک ہیں یہ لوگ جن کے حصے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم ذمہ داری کی تکمیل کی سعادت آئی ہے، اسی لئے روزِ قیامت قرآن کے ایسے ہر محافظ کو اللہ تعالیٰ 'قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا' کی نوید سنا کر بہترین جزا دیں گے۔ [جامع الترمذی: ۲۸۳۸]

قرآن ایمان و اعتقاد کا خزینہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہے۔ نوع انسانی کو درپیش ہر مسئلے کی اس میں براہِ راست رہنمائی نہیں تو اشارہ و کنایہ بہر طور پایا جاتا ہے جس سے سربستہ اُسرار و رموز کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔ یہ سائنس کی کتاب نہیں بلکہ اس کا موضوع انسان کا تصور و مقصدِ حیات ہے لیکن اس میں اس نوعیت کے دعوے جا بجا موجود ہے جن کے انکشاف سے اہل سائنس انگشت بہ دندان اور مجو حیرت ہیں۔ سالہا سال کی تحقیق کے بعد جس سائنسی نکتے کی عقدہ کشائی کی جاتی ہے، وہ بسا اوقات بڑے مختصر اور جامع انداز میں قرآن کے الفاظ میں موجود ہوتا ہے۔ دراصل اس نکتے کی تفصیلات میسر آ جانے کے بعد قرآن کریم کے اس اندازِ بیان کی حقیقت اور گہرائی کا شعور انسان کو ہونا ممکن ہو جاتا ہے۔

قرآن کی عظیم الشان اہمیت کے پیش نظر اس سے متعلق ہر علم کی شان و عظمت دیگر علوم سے بالاتر ہو جاتی ہے۔ یوں تو قرآن حکیم کے ہر پہلو سے علوم کے سوتے پھوٹتے ہیں جو اپنی وسعت و افادیت کے پیش نظر آگے چل کر دریا اور سمندر کا روپ دھار لیتے ہیں لیکن ایسے علوم جن کا تعلق براہِ راست قرآن کریم کے متن سے ہے، ان کی شان و عظمت اس اعتبار سے زیادہ اہم ہے کہ یہ ان مبارک الفاظ کی حفاظت ہے جنہیں اللہ جل جلالہ نے خود ادا فرمایا، اور یہ الفاظ و تراکیب ان بے شمار مبارک و مقدس معانی کے لئے مَظروف کا کام دیتے ہیں جن سے انسانیت کی ہدایت وابستہ ہے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید کے الفاظِ مبارکہ میں اللہ کی صفتِ تکلم کا اظہار اس کو جہاں ایک قہر و جبروت والے خالق کا جاہ و جلال عطا کرتا ہے، وہاں اس کو اللہ کی تمام مخلوقات بشمول انبیاء علیہم السلام پر برتری بھی عطا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے الفاظِ قرآن سے متعلقہ علوم کی اہمیت و معنویت بھی دیگر علوم سے بالاتر ہو جاتی ہے۔

قرآن کے تلفظ و ادا کا علم نہ صرف اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے جبریل روح الامین کے توسط سے نبی آخر الزمان محمد ﷺ کو عطا ہوا ہے، اور لسانِ نبوت سے اُمتِ محمدیہ ﷺ کو منتقل ہوا بلکہ الفاظ کے ساتھ اس کے علم الاداء کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے جیسا کہ ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ [القیامۃ: ۱۷] کی آیت کریمہ سے حفاظتِ قرآن اور تلفظِ قرآن کی الہی ذمہ داری کا بے صراحت علم ہوتا ہے۔ تلفظ و ادا کے اس اُسلوب و انداز کو، جو منزل من اللہ ہے، مسلمانوں نے باضابطہ طور پر علم تجوید و قراءات کا نام دے کر متعدد اُصول و قواعد کی شکل میں محفوظ و مدوّن کر دیا ہے۔

ملتِ اسلامیہ کے زوال کے اس دور میں دیگر علوم اسلامیہ کی طرح مغربی فکر و فلسفہ نے قرآنی الفاظ و تلفظ کے اس علم کی حقانیت کو بھی معرضِ شک و شبہ میں لانے کی بھرپور کوششیں کیں۔ آج ہمیں مسلم معاشروں میں دین پرنت نئے اعتراضات اور اسلامی علمیت کے بارے میں نئے نئے انکشافات آئے روز سننے کو ملتے ہیں، اگر ان گمراہ افکار کا تعاقب کیا جائے تو یہ دراصل مغرب کی تحریکِ استنراق کے برگ و بار اور انہی غیر مسلموں کے پیدا کردہ شبہات ہوتے ہیں جنہیں ہمارے ہاں ان کے فکری جانشین اور خوشہ چین غیروں سے لے کر دُہرا دیتے ہیں۔ اہل مغرب کے

ان چھینکے ہوئے نوالوں کو ہمارے نام نہاد ذفر زندانِ اسلام دوبارہ چپا کر اپنی علم دانی اور نکتہ رسی کا رعب جھاڑتے ہوئے اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ نامعلوم اس وقت خود ایسے معترضین کس مقام پر کھڑے ہوتے ہیں جب وہ قرآن، حدیث نبویہ ﷺ، ائمہ اسلاف رضی اللہ عنہم اور اپنی مستند تاریخ کے خلاف اپنے دشمنوں کی زبان بول کر ان کو تقویت بخش رہے ہوتے ہیں۔ فی زمانہ انکار حدیث، انکار قراءات اور اسلام کے مایہ ناز سیاسی و قانونی اور معاشی و معاشرتی تصورات پر ہمہ نوعی اعتراضات کے ڈانڈے اسی مغربی فکر سے برآمد ہوئے ہیں، جنہیں اپنی محدود دنیوی کامیابی پر ناز، اور اپنی فسادہ زدہ علمیت پر گھمنڈ و غرور ہے۔ خلاق عالم سے انحراف و انکار کے بعد اس کی عطا کردہ صلاحیتوں اور وسائل سے استفادہ نے ان کے غرور و تکبر کو دو چند کر دیا ہے!! بطور مثال

● اجناس گولڈ زیہر

● آرتھر جیفری وغیرہ

عالم مغرب میں مستشرقین اور برصغیر پاک و ہند میں ان کے خوشہ چیں، جنہوں نے اس سے قبل حدیث و سنت کی اہمیت و حجیت سے اعراض کا رویہ اپنایا اور اس میں نت نئے مغالطوں اور شبہات کو جگہ دی، پھر قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے اصل الفاظ میں شبہات ڈھونڈنے شروع کر دیئے حتیٰ کہ قرآن کے معجز الفاظ کو بھی تشکیک کا نشانہ بنایا گیا۔ مسلمانوں کی اسلام اور علوم اسلامیہ سے غفلت کے نتیجے میں قرآن کریم کے بارے میں اتفاقی و اجماعی امور کو شک و شبہ کی نظر سے پیش کیا جانے لگا۔ پھر انہوں نے قرآن کریم کے متعدد اور متفقہ و اجماعی اسالیب تلاوت (قراءات) کی نفی کر کے چودہ صدیوں اور دور حاضر کے ملت اسلامیہ کے اجماعی تعامل کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

یاد رہے کہ قرآن کریم کی ان متنوع قراءات کا انکار کرنے والے لوگ وہی ہیں جو مغربی علم و فلسفہ سے مرعوب اور حدیث و سنت میں تشکیک پیدا کرنے کی 'مخدوش علمی روایت' کے حامل و قائل ہیں۔ مسلمانوں میں جن لوگوں نے انکار یا استتفاف حدیث کا رویہ اپنایا، اس کے 'ثمرہ' کے طور پر آج وہ قرآن مجید کی قراءات کے انکار کے ذریعے اس کے اہم حصہ کے منکر بھی ہو رہے ہیں۔ دراصل یہ وہ لوگ ہیں جنہیں روایت کے لفظ سے چڑھ گئی ہے، کیونکہ مغربی تہذیب روایت کی بجائے پرفتن معقولات پر قائم و منحصر ہے جبکہ اسلام اللہ کی طرف سے نازل شدہ دین ہونے کے ناطے ایک منقول و مروی دین ہے۔ دین میں سے منقولات (اسناد و متن) کو نکال دیا جائے تو کچھ نہیں بچتا اور مسلمان اہل مغرب کی طرح عقل پر انحصار کرنے کی بجائے منقولات کے فہم میں عقل و تجربہ کو بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ قراءات کا تعلق بھی منقولات سے ہے، اس لئے وہ اس کی حجیت تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہیں، جبکہ قرآن بھی دراصل تلقی و ادا کے ذریعے حاصل ہونے والی منقول چیز ہی ہے جس کے مرویات سے بالاتر ہونے کا انہیں بلا جواز و بلا دلیل اندیشہ لاحق ہوا ہے۔

قرآن کریم کی معجزاتی حیثیت اس کے الفاظ میں نمایاں ترین ہے۔ قرآن میں کفار کو اسی جیسی دس سورتیں، ایک سورت یا ایک آیت بنا کر لانے کی کئی بار دعوت دی گئی ہے، جس میں انہیں اپنا پورا لاؤ لشکر اور پوری کائنات میں اپنی قوتوں کو جمع کر کے اس چیلنج کو مشترکہ طور پر پورا کرنے کو بھی کہا گیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آج تک اس قرآنی چیلنج



میں کسی کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اسی طرح قرآن کریم کی ادائیگی (قراءات) کی اللہ تعالیٰ نے سات مختلف اسالیب میں اجازت دی ہے۔ یہ ساتوں اسالیب نبی کریم ﷺ سے براہ راست، بالمتواتر منقول اور مصاحف عثمانیہ میں موجود و محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو انہی اسالیب پر نازل کیا ہے، ان اسالیب قرآن کا عین و مصداق تو واضح اور حتمی ہے، جس کو آج تک پڑھا پڑھایا جاتا ہے، البتہ تفصیل و تدوین کی زبان میں ان اسالیب کو کس کلیہ و اصول کی زبان میں بیان کیا جائے، اس میں علما کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ گویا مصداق میں تو اختلاف نہیں بلکہ تعبیر میں اشکال ہے جیسا کہ اکثر و بیشتر علوم کی تعریف میں اختلاف موجود ہوتا ہے۔ بطور مثال مسلم کا مصداق کیا ہے، یہ تو ایک واضح امر ہے لیکن مسلمان کی جامع و مانع تعریف کیا ہو؟ اس میں ایک سے زیادہ تفصیلات و تعبیرات ہو سکتی ہیں۔ جو شخص قراءات کی تعبیر و تدوین کے مرحلہ میں ہونے والے اختلاف سے بچنا چاہے تو اسے چاہئے کہ نبوی اصطلاح کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں 'احرف' سے تعبیر کر لے، یا احادیث میں ان کے لئے قراءہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اس پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ گویا قرآن کریم میں پائی جانے والی ان قراءتوں کو تلفظ و ادائیگی کی متنوع صورتیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

قراءات قرآنیہ کا انکار کرنے والے مختلف پہلوؤں سے اعتراف کرتے ہیں، حالانکہ وہ اگر قراءات کو صرف اس پہلو سے ہی دیکھیں کہ 'سبعہ احرف' کو بیان کرنے والی احادیث محدثانہ اصطلاح میں متواتر کا درجہ رکھتی ہیں، اور دنیا کے سب سے مستند ذخیرہ فرامین رسالت (احادیث نبویہ ﷺ) میں جا بجا قرآن مجید کی ادائیگیوں میں اختلاف کا ماثر تذکرہ موجود ہے، جن میں قریباً ۱۸۲ احادیث تو صحیح بخاری ہی میں موجود ہیں، اس کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ (مزید وضاحت کیلئے اسی شمارے موجود مضمون 'احادیث مبارکہ میں روایت حفص کے علاوہ دیگر متواتر روایات' ملاحظہ فرمائیں!)

ان احادیث کی بنا پر قراءات قرآنیہ کا شرعی وجود و ثبوت تو مسلم ہے، ان کو اگر علمائے اسلام نے ایک تعریف کی شکل میں متفقہ طور پر تعبیر نہیں کیا، تو اس سے ان مستند و متواتر احادیث پر عمل کے پہلو سے کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ یوں بھی تعریفوں میں اختلاف کا شبہ اڑانے والے بلاوجہ ابہام و اعتراض کو دخل دیتے ہیں، وگرنہ قراءتوں کی ان تعریفات میں تعارض و تضاد کی بجائے تنوع و تفصیل کا ہی اختلاف ہے۔ (دیکھئے اس شمارے میں موجود مضمون 'حدیث سبعہ احرف کا مفہوم، تنقیحات و توضیحات')

یاد رہے کہ مسلمانوں نے علم قراءات کی تدوین کے بعد سے قرآن کریم کے تلفظ و ادائیگی میں یہ گنجائش پیدا نہیں کی تھی، بلکہ وہ دور نبوی ﷺ، دور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم، جن کو بہ زبان رسالت 'خیر القرون' سے تعبیر کیا گیا ہے، میں ہی ان قراءات کو پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں، جن کی قراءت کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں الگ متواتر اسناد موجود ہیں اور خیر القرون کا یہی تسلسل آج تک چلا آتا ہے، جس کی متواتر و مستند احادیث مبارکہ سے تقویت و تائید حاصل ہوتی ہے۔

● قراءات قرآنیہ اعجاز قرآنی کا اہم حصہ ہیں۔ اس سے قرآنی علوم و معارف کے بہت سے پہلو اُجاگر ہوتے ہیں جیسا کہ زیر نظر جملہ کے بعض مضامین قراءات کی اسی علمی افادیت کے موضوع پر لکھے گئے ہیں۔ چودہ صدیوں سے اُمتِ مسلمہ ان کی حقانیت و حجیت پر متفق رہی ہے۔ قراءات کی حجیت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ ہمارے ہاں

پڑھا جانے والا قرآن کریم بھی انہی قراءات میں سے ایک ہے، جیسا کہ اس پر واضح لکھا ہوتا ہے [بروایۃ حفص عن عاصم] کہ یہ امام حفص کی اپنے استاد امام عاصم سے روایت ہے۔

● دورِ عثمانی میں قرآن کریم کو باضابطہ تحریری طور پر مدون و محفوظ کیا گیا، اور قرآن کریم کی مختلف منسوخ و شاذ قراءات اور تفسیری روایات کو ضائع کر کے مستند متن کو محفوظ کر دیا گیا۔ انہی مصاحفِ عثمانیہ کے ذریعے احرفِ سبعہ کو بھی تحریری طور پر محفوظ کیا گیا۔ کسی بھی قراءت قرآنی کے مستند ہونے کے لئے یہ شرط اساسی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ مصحفِ عثمانی کے مطابق ہو۔ یاد رہے کہ ان مصاحفِ عثمانیہ میں اس اُسلوبِ کتابت کی پابندی کی گئی تھی جو اس سے قبل دورِ نبوی ﷺ اور صحابین رضی اللہ عنہم کے ادوارِ خلافت کے صحف میں ملحوظ رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ علم رسم و ضبط کی مستند کتابوں اور مجلس کی لائبریری میں موجود مصحفِ عثمانی کے ایک نادر نسخے (جس کے بعض صفحات کی سکیننگ شمارہ ہذا میں موجود ہے) کے مطالعے سے اس التزام کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

● بعد ازاں تاریخِ اسلامی کی ہزاروں دستاویزات، کتبِ احادیث و فقہ کے مجموعوں حتیٰ کہ کتبِ تفسیر میں ان متعدد قراءات پر مشتمل قرآنی متن کو تحریر کیا جاتا رہا۔ مثلاً

\* تفسیر فتح القدر للشیخ کانہی جس میں نص قرآنی روایتِ ورش عن نافع میں، جبکہ بعض نسخوں میں روایتِ دوری عن ابی عمر میں ہے۔

\* تمام کتبِ احادیث (خصوصاً صحیح بخاری) کے قراءات اور تفسیر کے ابواب

● یہ قراءات بیشتر بلادِ اسلامیہ میں روزِ اوّل سے اس طرح مروّج چلی آرہی ہیں حتیٰ کہ بعض افریقی ممالک میں روایتِ قالون اور روایتِ ورش کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ہمارے ہاں روایتِ حفص عن عاصم کو ہے اور یہ سلسلہ آج تک یوں ہی جاری و ساری ہے۔ اس سلسلے میں بطورِ مثال مغربِ عربی (الجزائر، مراکش، موریتانیہ وغیرہ)، مغربی افریقہ (سینیگال، نائیجر، مالی، نائیجیریا وغیرہ) شمال افریقہ اور مصر، چاڈ، سوڈان کے بعض علاقوں اور تیونس کے مغربی اور جنوبی علاقوں میں روایتِ ورش کا جبکہ لیبیا، تیونس کے اکثر اور مصر اور سوڈان کے بعض علاقوں میں روایتِ قالون کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح سوڈان، صومالیہ، چاڈ، نائیجیریا، اریٹریا، کینیا اور عمومی طور پر سنٹرل افریقہ میں روایتِ دوری عن ابی عمر منتشر ہے۔

● ملتِ اسلامیہ کے نامور قراءان میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ مشہور مصری قاری شیخ عبدالباسط اور شیخ محمد صدیق منشاوی کی تلاوتوں کا عام معمول ہے۔ اسی طرح حرمِ مدنی کے امام الامامہ شیخ علی عبد الرحمن حذیفی کا مکمل قرآن روایتِ قالون میں نشر ہوا جو کہ حرمِ مدنی کے اردگرد تمام مارکیٹوں میں عام میسر ہے۔

● دُنیا بھر کے نشریاتی ادارے مختلف قراءات میں قرآن کریم کو شائع کر رہے ہیں جیسا کہ رُشد کی خصوصی اشاعت، صہبائوں کے صفحہ نمبر ۲۲۰-۲۳۱ میں ان نسخوں کی فوٹو کاپی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

● مسلم ممالک کی وزات ہائے اوقاف و مذہبی اُمور نے سرکاری سطح پر متنوع قراءات پر مشتمل ان مصاحف کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ دیکھیں رُشد کی خصوصی اشاعت، حصہ اول کے صفحہ نمبر ۲۲۰-۲۳۱

● دُنیا بھر کے مدارس اور نامور اسلامی جامعات مثلاً مدینہ منورہ یونیورسٹی اور جامعہ ازہر، قاہرہ وغیرہ میں یہ قراءات

بطور مستقل شعبہ، دینی نظام تعلیم کا اہم حصہ ہیں۔

- ◎ عالم عرب کی بڑی مساجد و مدارس میں ان کے مطابق نمازوں کی امامت کی جاتی ہے۔
  - ◎ علاوہ ازیں مسلمانوں کے تمام علماء، مفتیان حضرات اور دینی ادارے ان کی مشروعبیت پر متفق و مجتمع ہیں، جیسا کہ رشد، حصہ دوم کے صفحہ نمبر ۱۲۴ تا ۱۸۹ پر یہ فتاویٰ بہ تفصیل ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔
- ان حالات میں مسلمانوں میں بعض کم علم لوگوں کا جہالت کا وبال اُمتِ مسلمہ پر یوں نازل ہو کہ وہ ان قراءات کا انکار ہی شروع کر دیں اور انہیں مستشرقین کی ہم نوائی میں جمع حدیث کی طرح کی گنجی سازش قرار دیں تو ان کی اس تہمت و بہتان کا کیا وزن رہ جاتا ہے؟

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

[مدیرِ تعلیم جامعہ لاہور الاسلامیہ و مدیر ماہنامہ 'محدث']



## رشد قراءات نمبرز کی اشاعت پر منکرین حدیث کی بوکھلاہٹ

حالیہ چند سالوں میں دو موقع ایسے آئے ہیں جب منکرین حدیث بری طرح بوکھلاہٹ کا شکار ہوئے ہیں۔ ایک جب ماہنامہ 'محدث' کا فتنہ انکار حدیث نمبرز شائع ہوا اور دوسرا موقع یہ ہے جب قراءات نمبرز مسلسل تین فتنوں میں شائع ہو رہا ہے۔ شاید قارئین کو خیال گزرے کہ منکرین حدیث کا فتنہ انکار حدیث نمبرز پر چلیں بہ چیں ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن قراءات نمبرز کی اشاعت اور ان کی پریشانی میں کیا نسبت؟ تو یہ نسبت بالکل سادہ سی ہے جو منکرین حدیث کے ماہنامہ بلاغ القرآن نے ان الفاظ میں بتائی ہے:

”روایت پرستوں کا جنوں انہیں سکون سے بیٹھنے نہیں دے رہا ان کی تعصبانہ روش انہیں مسلسل اکسار ہی ہے کہ قرآن کے متن میں اختلاف قراءات و روایات کی بنیاد پر تبدیلی کر کے مخالفین کا منہ بند کر دیا جائے کہ اگر کوئی شخص صحاح ستہ کی کسی روایت بالخصوص انزل القرآن علی سبعة احرف پر تنقید کی جسارت کرے تو اسے تبدیل شدہ ایک نہیں بلکہ بیس قرآن دکھا کر خاموش کروایا جاسکے“ [بلاغ القرآن نومبر ۲۰۰۹ء ص: ۳۲]

خلاصہ عبارت یہ ہوا کہ حدیث کو شرعی حجت تسلیم کرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ منکرین حدیث کے وہ تمام چور دروازے بند کر دیے جائیں جن سے کسی بھی پہلو سے انکار حدیث کا امکان ہو۔ یعنی یہ بزرگ شعوری طور پر سمجھتے ہیں کہ رشد قراءات نمبرز فتنہ انکار حدیث نمبرز کا ہی تسلسل ہے جو دفاع حدیث کی غرض سے شائع کیا گیا چنانچہ اسے پروپیگنڈہ کے زور پر روکنا ضروری ہے تاکہ مسٹر پرویز کے قرآن (جو حدیث کی بجائے ہر ایرے غیرے کی تشریح پر مشتمل ہے) کا تحفظ کیا جاسکے۔ اب وہ قرآن جس کی بابت نبی کریم نے فرمایا کہ وہ سات حروف پر مشتمل ہے اس کے تحفظ کی ذمہ داری تو خود اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے اور اس کی حفاظت بخوبی ہو رہی ہے لیکن مسٹر پرویز کے قرآن، جس کا ذکر خیر اوپر ہو چکا ہے، اس کے تحفظ کیلئے دوستوں نے اپنے نام نہاد قرآنی گورکھ دھندے کو مخفی رکھتے ہوئے عوام الناس کو

یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ اہل رشد میں نئے قرآن شائع کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں حالانکہ یہ وہ بات تھی جو دوستوں نے بحث کو منفی رنگ دینے کیلئے غلط طور پر پھیلانی اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا

وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

پھر اس بنیاد پر فرضی سوالات ترتیب دے کر عوام کو بیداری کی دعوت دی گئی کہ اٹھو ورنہ قرآن بھی انجیل کا سا ہو جائے گا اور تم منہ دیکھتے رہ جاؤ گے۔ اس جہالت کا ذکر ہم بعد میں کریں گے کہ کیا مختلف قراءات میں مصاحف شائع ہونے سے قرآن بھی انجیل کی طرح محرف ہو جائے گا؟ سردست ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا واقعی یہ گروہ اس بات پہ آگ بگولا ہوا کہ مختلف قراءات میں قرآن کی اشاعت سے قرآن اور انجیل ایک جیسے ہو جائیں گے؟ یا مسئلہ مصاحف کی اشاعت کی بجائے قراءات کی حجیت کا ہے جس کو انکے بڑے فتنہ عجم کا نام دیتے ہیں جبکہ امت بالا جماع ان کو حجت مانتی ہے۔ ہم اس گروہ کے اس موقف کو صحیح تسلیم نہیں کرتے کہ یہ ہنگامہ مصاحف کی اشاعت کی وجہ سے قرآن کے انجیل کے مترادف ہو جانے کے ڈر سے کھڑا کیا گیا بلکہ اسے دروغ گوئی سے تعبیر کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ انکے اکابرین اس وقت بھی یہی سوال کرتے سنے گئے جب پاکستان میں کہیں مصاحف کی اشاعت یا اس طرح کے پروپیگنڈہ کا نام و نشان تک نہ تھا، دیکھئے مسٹر غلام احمد پرویز کی کتاب 'مقام حدیث' (یہ اسلم جیراچپوری، تمنا عمادی اور خود پرویز کی تحریرات پر مشتمل ہے) جو انہوں نے بیسیوں صدی کے وسط میں لکھی اس وقت پرویز وغیرہ کے اعتراضات کا جواب مولانا محمد گوندلوی نے اپنی کتاب 'دوام حدیث' (جو ان دنوں لکھی جا چکی تھی لیکن باقاعدہ طبع ہو کر مارکیٹ میں حال ہی میں آئی ہے) میں دیا۔ ہم مولانا کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے یہ بات کھل کے سامنے آجائے گی کہ ان حضرات کا پس پردہ مقصد حفاظت قرآن نہیں بلکہ انکار قراءات ہے کیونکہ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو آج سے ساٹھ سال قبل اس مسئلے کا موضوع بحث بنا چہ معنی دارد؟ موصوف فرماتے ہیں:

”ایک عیسائی نے کتاب المصاحف لابن ابی داؤد سے قرآن کے ان نسخوں سے جو روایت بالمعنی کی بنا پر لکھے گئے ہیں، بعض مختلف کلمات نقل کئے ہیں، جو حلال و حرام میں مختلف نہیں۔ اس نے اپنی جگہ قرآن میں تحریف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور منکرین حدیث بھی اپنی خفت مٹانے کیلئے اس اعتراض کا ذمہ دار بھی حدیثوں کو ٹھہرانے لگے ہیں۔ عیسائی تو ایک حد تک معذور ہیں، کیونکہ وہ دراصل مسلمانوں کے اس اعتراض میں لب کشائی کر رہے ہیں کہ انانجیل محرف ہیں۔ اب پھر اس میں تحریف ہو رہی ہے۔ موجودہ انجیل سے بعض آیات نکال دی گئی ہیں، حالانکہ یہ آیات سابقہ مطبوعہ انجیلوں میں بدستور موجود ہیں، کیونکہ انانجیل کا نہ اصل نسخہ موجود ہے، نہ اس کی نقل یا نقل درنقل، جن سے تراجم کی اغلاط معلوم ہو سکیں، جو متزجمین نے اپنے فہم کے مطابق کیے ہیں۔ کیونکہ عیسائی اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ موجودہ انانجیل کس زبان میں لکھی گئیں۔ یونانی میں یا عبرانی میں، کیونکہ یونانی زبان کا پرانا سے پرانا نسخہ عبرانی کی نقل معلوم ہوتا ہے اور عبرانی کا پرانے سے پرانا نسخہ یونانی سے نقل معلوم ہوتا ہے، پھر انانجیل میں واقعات کی کوئی سند بھی نہیں، نہ متواتر، نہ خرواحد، بلکہ انانجیل کے مصنفین تک بھی حدواتر تک نہیں پہنچیں۔

پس جس عیسائی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مختلف مصاحف کا اختلاف انانجیل کے اختلاف کی طرح ہے، وہ احمقوں کی دنیا

میں رہتا ہے، مگر اس کو یہ معلوم ہے کہ میں جس دنیا میں ہوں، اکیلا نہیں ہوں، میرے دوسرے کو دنیا میں قبول کرنے کے لیے اور احق بھی مل جائیں گے۔

چنانچہ جب ہم نے 'مقام حدیث' میں دیکھا کہ منکرین حدیث بھی اس وسوسہ سے متاثر ہو کر اس اعتراض کو معقول سمجھ کر اسکا ذمہ دار حدیث کو ٹھہرا کر بری الزمہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو اس عیسائی کے خیال 'کہ میں اکیلا احق نہیں' کی تصدیق پائی۔ بھلا وہ اختلاف جو کمی بیشی کا ہو، جیسا کہ انابیل میں ہے، اور وہ اختلاف جو لغت کے اعتبار سے ہو، جیسا کہ مختلف قراء توں یا مختلف مصاحف میں ہے، کیسے برابر ہو سکتا ہے؟ اگر سب اختلافات برابر ہوں، تو تراجم کو تحریف ہی کہنا چاہئے۔ منکرین حدیث عیسائی کے اس اعتراض سے بہت خوش ہو رہے ہیں کہ یہ اعتراض روایت کی بناء پر ہے۔ ہم چونکہ روایت کے قائل نہیں، اس لیے یہ اعتراض ہم پر وارد نہیں ہوتا، اور یہ نہیں سمجھے کہ روایت کے حجت ہونے کے انکار سے روایت کے لوازمات سے انکار لازم نہیں ہوتا، کسی روایت کے رد کرنے کے لیے اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ ہم اس کو دینی حجت نہیں مانتے۔ کیوٹر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے انسان دشمن کے وار سے بچ نہیں سکتا۔ بلکہ اس قسم کے لالچی انکار سے دشمن زیادہ دلیر ہو جاتا ہے۔ اس کو اس امر سے بحث نہیں کہ تم مانتے ہو یا نہیں، وہ تو علمی حلقہ میں بیجان پیدا کرنے کے درپے ہے۔ اگر آپ لوگ عیسائی مصنف کو تحقیقی جواب دینا چاہتے ہیں، تو اس کی صورت آپ کے خیال کے مطابق یوں ہونی چاہئے کہ روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ بعض سچی ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی، ہو سکتا ہے کہ یہ جھوٹی ہو۔ ان روایات کا جھوٹا ہونا ہی صحیح ہے، کیونکہ قرآن مجید ایک ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہے، کوئی دوسرا کلام اس سے مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان نسخوں کے جعلی ہونے کی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ:

”قرآن مجید کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے، اس کے الفاظ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہیں، اور باقی نسخے جو اس کے علاوہ ہیں، ان کے الفاظ اس قدر گرے ہوئے ہیں کہ ان کو اس نسخہ کے الفاظ کے مترادف بھی نہیں کہا جا سکتا۔“

یہ تھا اصل جواب! مگر یہ جواب اس وقت درست ہوتا، جب یہ ثابت ہو جاتا کہ قرآنی الفاظ اور ان نسخوں کے مخالف الفاظ میں اس قدر فرق ہے کہ ایک تو معجزہ بن جائے اور دوسرے نسخے معجزہ کی حد کو نہ پہنچیں، مگر اس کے لیے علم کی ضرورت ہے اور یہ لوگ علمی نقصان کو جذبات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اعتراض سے بچنے کے لیے انکار ہی کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ یہ کوئی تحقیق نہیں، بلکہ تلبیس ہے۔“ [ص: ۱۱۶، ۱۱۹]

اندازہ کیجیے کہ کیسا حسن اتفاق ہے کہ آج کے معترضین کے وہی اندیشے اور اشکالات ہیں جو ساٹھ سال قبل ان کے نظریاتی آباد اجداد کے تھے؟ بلکہ قارئین حیران ہوں گے کہ یہ اعتراضات بھی انکے ذہن کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ ان مستشرقین کے اعتراضات کا چر بہ ہیں جن کے نام سے ڈرا کر امت کو قراءات متواترہ سے دور رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ کیا مختلف مصاحف کی اشاعت سے قرآن محرف ہو جائے گا؟

ہمارے خیال میں بات یہاں سے شروع ہونی چاہیے کہ قراءات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ان کی حجیت کا مدار کس بنیادی ماخذ پر ہے اور اس باب میں امت کا اجماعی موقف کیا ہے؟ اگر قراءات کی حجیت پر متواتر اور صحیح احادیث موجود ہیں اور امت کا اجماعی موقف بھی ان کو حجت ماننے کا ہے تو یقیناً مختلف مصاحف کی اشاعت سے قرآن محرف نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب مختلف قراءات کے ثبوت سے قرآن میں تحریف نہیں ہوئی تو ان کی الگ الگ اشاعت سے

کیسے تحریف ہو جائے گی؟

دوسری بات یہ ہے کہ یہ انتہائی لغو اور جہالت پر مبنی سوچ ہے کہ قراءات اور انجیل کا اختلاف ایک جیسا ہے کیونکہ انجیل کا اختلاف تضاد کا ہے جس میں نظریات، مضامین اور عقیدے کا اختلاف ہے جبکہ قراءات کا اختلاف تنوع کا اختلاف ہے جس سے نہ تو مضامین باہم متضاد ہوتے ہیں اور نہ ہی عقیدے میں کوئی حرف آتا ہے بلکہ اگر عقل سلیم میسر ہو تو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگے کہ یہ اختلاف قرآن کریم کا اعجاز ہے نہ کہ تحریف۔ دوسری بات یہ کہ قراءات کا ایک ایک اختلاف صحیح اسناد سے ثابت ہے جبکہ انجیل کی سند حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو دور کی بات ان کے مصنفین تک نہیں پہنچتی کہ ان کے لکھنے والے کون لوگ تھے۔ اور یہ بات عیسائیت کو بھی تسلیم ہے۔ ایک طرف یہ اختلاف کہ انجیل یوحنا عقیدہ تثلیث ثابت کرتی ہے جبکہ باقی تینوں انجیلوں میں یہ بحث ہی موجود نہیں اور دوسری طرف قراءات کا وہ اختلاف جس سے قرآن کریم کے مفہوم میں ذرا برابر فرق نہیں پڑتا کیا ایک جیسا کیسے ہو گیا؟ بہ میں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

اس حوالے سے ان دانش بازوں سے دوسری گزارش یہ ہے کہ ذرا اتنی وضاحت فرمائیے کہ کیا مستشرقین کا اسلام پر مطالعہ اور ان کی معلومات کا حدوداً ربع آپ جتنا ہے جو ان کو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ احادیث میں مختلف قراءات کا ذکر بھی ہے۔ گویا آپ کے خیال میں مستشرقین کو ابھی تک روایت حفص کے علاوہ کسی روایت کا علم نہیں ہے اس لیے وہ آج تک اعتراض نہیں کر سکتے اور جوں ہی دیگر روایات میں مصاحف پاکستان میں منظر عام پر آگئے وہ اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیں گے؟ قارئین اندازہ فرمائیے! یہ ہیں وہ محققین جو رشد قراءات نمبر پر نقد کرنے آئے ہیں اور بھولے اتنے ہیں کہ مستشرقین کے نام سے امت کو ڈراتے ہیں لیکن ان کے کام سے خود جاہل ہیں۔ اگر ہم ان محققین سے پوچھیں سے کہ اگر مستشرقین مصاحف کی موجودگی میں قرآن کریم کے انجیل جیسا ہونے کا کہہ سکتے ہیں تو قراءات کی حجیت پر امت کے اجماعی موقف اور احادیث کی موجودگی کے پیش نظر اب کیوں نہیں؟ کیونکہ اتنی تو بہر حال ان کو خبر ہے کہ امت حدیث نبوی کو دین کا اساسی ماخذ اور حجت مانتی ہے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اعتراض وہ دسیوں سال پہلے کر چکے ہیں اور ان اعتراض کی سطحیت کو علمائے حق خوب واضح کر چکے ہیں یہی وجہ کہ ان کے اعتراضات کی وجہ سے آج تک کوئی فتنہ سامنے نہیں آیا۔ بد قسمتی سے یہ وہی اعتراضات ہیں جنہیں آپ آج تحقیق جدید کے نام سے پیش کر رہے ہیں اور گویا یوں تاثر دے رہے ہیں کہ آج اگر ہم نہ ہوتے تو قرآن کریم محفوظ رہتا۔ یہ تو ہماری بیداری فکر کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اس کے اثرات اتنی دور سے دیکھ کر امت کو بروقت خبردار کر دیا۔

مذکورہ گروہ کی نگارشات کو سامنے رکھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے مستشرقین کا مقابلہ برصغیر سے ہے۔ دنیا میں جو بھی ہو جائے اُن کو اس سے کوئی سروکار نہیں وہ تو اسی تاک میں ہیں کہ برصغیر کے اسلام پر اعتراض کا کب موقع بنے؟ اس لیے باقی امت مسلمہ جو بھی کرے باشندگان برصغیر کو بہر حال محتاط رہنا چاہئے۔ یہ احساس اس لیے ہوا کہ اگر مستشرقین کی نظر پورے عالم اسلام پر ہو تو ایک عرصے سے مختلف ممالک میں مختلف مصاحف کی اشاعت ہو رہی ہے تب سے مستشرقین کہاں ہیں؟ نعوذ باللہ کیوں قرآن انجیل کے مترادف نہیں ہوا؟ کیوں کہیں سے کوئی اعتراض سامنے نہیں آیا؟ اور فرض کریں اگر کوئی اعتراض آ بھی جائے تو جواب دینے کے لیے اہل علم موجود ہیں مقابل میں اہل علم و دانش تو ہیں نہیں جو فوراً قرآن کو نعوذ باللہ انجیل مان لیں گے۔

اے اسلام کے دانا دوستو! میڈیا نے دنیا کو جتنا قریب کر دیا ہے کیا تم ابھی بھی اس خیال میں ہو کہ ہم مستشرقین سے چھپے بیٹھے ہیں؟ آپ کے خیال میں ان کو علم ہی نہیں کہ مختلف اسلامی ممالک میں روایت حفص کے علاوہ دیگر قراءات میں قرآن پڑھا جا رہا ہے؟ اگر انہوں نے یہ سوال کر دیا کہ پاکستان میں روایت حفص پڑھی جاتی ہے جبکہ مراکش میں روایت ورش، کیا پاکستان اور مراکش کے قرآنوں میں فرق ہے تو اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟

اس طرح کے اشکالات عوام الناس کے ہوتے تو ہم ہضم کر لیتے ہمیں تو افسوس اس بات کا ہے کہ خدایا یہ انداز تحقیق ان لوگوں کا ہے جو خود کو اہل علم، اہل دانش، اہل فکر اور مفتی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں اور پھر بے باکی سے اس عقیدے کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ قرآن میں زیر، زبر کا بھی فرق نہیں اور قراءات کو تسلیم کرنے سے قرآن انجیل کی طرح محرف ہو جائے گا۔ یعنی مصاحف کی اشاعت کے بارے میں علماء کا یہ خدشہ کہ جہالت کی وجہ عوام الناس میں انتشار کا خطرہ ہے درست نہیں کیونکہ یہاں تو خود ساختہ مفتیان اور نام نہاد اہل علم و دانش بھی ایسے ہیں جو نہ صرف یہی عوام الناس والا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ قراءات کو تحریف تک کہنے سے نہیں چوکتے، اب پہلے سے بھی مشکل سوال یہ ہے کہ ایسی پڑھی لکھی جہالت کا کیا حل ہو؟

حالانکہ علماء اور مفتیان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا فرمان یوں ہے:

«نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ، الْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَاعْمَلُوا وَمَا جَهِلْتُمْ مِنْهُ فَرُدُّوهُ إِلَىٰ عَالِمِهِ» . [مسند أحمد: (۲/۳۰۰) ۶۷۷]

”قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات کہی کہ اس میں جھگڑنا کفر ہے۔ جس کا علم ہو اسی کے مطابق پڑھ لو اور جس کا علم نہ ہو اسے عالم کی طرف لوٹاؤ۔“ [مسند احمد: ۳۰۰/۱، صحیح ابن حبان: ص ۸۳]

آپ ﷺ عوام الناس کو تلقین فرما رہے ہیں کہ جس قراءات کا علم نہ ہو اس کے بارے میں عالم کی طرف رجوع کریں اور اللہ کی شان ہے کہ پاکستان کے ایک کونے میں نام نہاد عالم یہ کہہ رہے ہیں کہ قراءات تحریف انجیل کے مترادف ہیں۔ کیا ابھی بھی ان کے عالم اور مفتی ہونے کا استحقاق محفوظ ہے؟ کیا ایسی جرأت ایک عالم دین تو دور کی بات ہے عام امتی بھی کر سکتا ہے؟ کیا ایسے شخص کو امت مسلمہ کے حوالے سے بات کرنے کا کوئی حق حاصل ہے؟ کیا ایسا شخص اپنے نام کے ساتھ مفتی کا بڑا سا سابقہ لگا کر اپنے فٹوے عوام الناس کی راہنمائی کے دعویٰ سے بانٹنے کا جواز رکھتا ہے؟ اس ’مفتی‘ کی ذمہ داری تو آپ ﷺ نے راہنمائی امت کی لگائی تھی اور یہ تحریب کاری کرتا پھر رہا ہے پھر بھی بنور مفتی ہے؟

اور اگر مختلف قراءات میں مصاحف کی اشاعت سے قرآن انجیل کی طرح محرف ہو جائے گا، عوام الناس انتشار کا شکار ہو جائیں گے اور امت مسلمہ کا ایک قرآن کا دعویٰ ختم ہو جائے گا تو گزارش ہے کہ عالم اسلام میں یہ مصاحف شائع ہو چکے ہیں تمہارے دیئے گئے نتائج کے مطابق اس بدعت کا ارتکاب ہو چکا ہے، قرآن کریم میں نعوذ باللہ انجیل کی طرح تحریف ہو چکی ہے اور امت کا ایک قرآن کا دعویٰ ختم ہو چکا ہے۔ نہ صرف یہ سب کچھ ہو چکا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس نے یہ کہہ کر ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الجز: ۹] قن قن اس کو ہم نے نازل کیا اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں“ حفاظت قرآن کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے اور اسی حفاظت کے پیش نظر اپنے محبوب نبی ﷺ سے انتہائی انداز میں مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ﴾

زُشد قراءاتِ نمر اور منکرین حدیث کی بوکھلاہٹ

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَبِزِينَ ﴿۲۳۴﴾ [الحاقة: ۲۳۴-۲۳۵] ”اور اگر اس (نبی) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف کوئی بات منسوب کی ہوتی تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم سے کوئی (ہمیں) اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا“ بھی نعوذ باللہ حفاظت قرآن سے عاجز آچکا ہے۔ کیونکہ اس وقت

روایت قالون عن نافع لبديا، تيونس کے اکثر اور مصر کے بعض علاقوں میں

روایت ورش عن نافع مغرب عربي (الجزائر، مراکش، موريطانية وغيره)، مغربي افريقيه (سينيغال، نائيجر، مالي، نائيجيريا وغيره)، شمال افريقيه اور مصر، لبديا، چاؤ، سوڈان کے بعض علاقوں اور تيونس کے مغربي و جنوبی علاقوں میں روایت دوری عن ابی عمر و سوڈان، صوماليه، چاؤ، نائيجيريا، اريثريا، كينيا اور عمومي طور پر سنٹرل افريقيه میں اور روایت حفص عن عاصم یہ مکمل مشرق، برصغير، ترکی، افغانستان اور مصر کے اکثر علاقوں پڑھی جا رہی ہے۔

اس حوالے سے بعض حضرات دعویٰ کرتے ہیں کہ ان ممالک میں ہمارے دوست آتے جاتے رہتے ہیں وہ ہمیں پورے اطمینان سے بتاتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں وہاں بھی وہی قرآن پڑھا جاتا ہے جو ہمارے یہاں پڑھا جاتا ہے۔ مزید براں حرمین میں صرف اسی قرآن کی تلاوت ہوتی ہے جو ہمارے ہاں پڑھا جاتا ہے۔ گزارش ہے جناب ہم بھی آپ کے دوست ہی ہیں ہماری بات ماننے میں کیا حرج ہے؟ اگر دل اطمینان نہیں پکڑتا تو پھر تمام دوستوں کو چھوڑنے کسی وقت میں مصروفیت سے چند دن نکال کے خود صورت حال کا جائزہ لیجیے کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ اگر آپ بوجہ ان ممالک میں نہ جاسکیں تو ہم اتنی راہنمائی کر دیتے ہیں کہ اس ضمن میں آپ انٹرنیٹ سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں مثلاً اگر آپ گوگل پہ جا کر ”أماكن إنتشار القراءات في العالم اليوم“ کے عنوان سے سرچ کریں تو شائی اور تسلی بخش نتائج مل سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ غامدی صاحب جو خود منکر قراءات ہیں، کی تحریریں بھی مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں مثلاً غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”قرآن وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قرأت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قرأت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔“ [میزان: ص ۲۵، ۲۶]

دوسری جگہ رقمطراز ہیں:

”لہذا یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرأت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جو قراءتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا درسوں میں پڑھی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اس فقہی حکم کی باقیات ہیں جس کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ، افسوس ہے کہ محفوظ نہیں رہ سکا۔“ [میزان: ص ۳۳]

انکار قراءات کے باوجود غامدی صاحب بھی اتنا ماننے ہیں کہ چند علاقوں میں دیگر قراءات کی تلاوت کرنے والے موجود ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر ثقاہت کی نسبت سے غامدی صاحب اور دوستوں کا تقابل کیا جائے تو شاید غامدی صاحب ہی اوثق ٹھہریں گے اور غامدی صاحب بہر صورت چند علاقوں کی حد تک مانتے ہیں۔

چنانچہ مختلف قراءات کا مختلف ممالک میں پڑھا جانا اور ان قراءات میں مصاحف کا شائع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی حفاظت سے عاجز آچکے ہیں اور اگر آپ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ اللہ



تعالیٰ جیسی عظیم ہستی کسی کام سے عاجز آجائے تو پھر اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے آپ کو راہ فرار نہیں مل سکتی کہ مختلف مصاحف کا مختلف ممالک کی وزارت اوقاف سے جید علماء و قراء کی زیر نگرانی مسلسل شائع ہونا اور عوام الناس کا انہیں قبول کرنا ان کے قرآن ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اس حوالے سے مزید وضاحت کے لئے دیکھیے عرب علماء کے فتاویٰ جات ’رشد قراءات نمبر دوم میں جناب قاری مصطفیٰ راسخ کے مضمون ”ائمہ اسلاف اور عرب مفتیان کے فتاویٰ“ اور شمارہ ہذا میں راقم کے مضمون ”ضمیمہ فتاویٰ جات عرب علماء“ میں جس سے یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ دنیا ایک ہی قراءت کو قرآن سمجھتی ہے یا دیگر تمام قراءات متواترہ کو بھی قرآن ہی مانتی ہے اور حریم والے مسئلے کی بھی وضاحت ہو جائے گی کہ اس سلسلے میں اہل حریم کیا موقف رکھتے ہیں۔ ان فتاویٰ جات میں سے ایک فتویٰ جو سعودی فتاویٰ کمیٹی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والإفتاء کی طرف سے دیا گیا ہے ہم نقل کرتے ہیں تاکہ حقیقت حال سے کچھ واقفیت ہو سکے:

**سوال:** بعض لوگ کہتے ہیں کہ قراءات قرآنیہ کے متعدد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اختلاف ہے اور وہ کافی وشافی معانی تک دلالت نہیں کرتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا﴾ [الإسراء: ۱۳]

**جواب:** نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”إن القرآن نزل من عند الله على سبعة أحرف“ [صحیح البخاری: ۴۹۹۲، صحیح مسلم: ۸۱۸]

”بیشک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے سات حروف پر نازل ہوا ہے۔“

یعنی آسانی کے لئے عربوں کی سات لغات اور لہجات پر نازل ہوا ہے۔ اور تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ تمام قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ قراءات کا تعدد تحریف و تغیر کا نتیجہ ہے اور نہ ہی ان سے معانی میں التباس، تناقض یا تضاد پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ بعض قراءات بعض قراءات کے معانی کی تصدیق کرتی ہیں۔ بعض قراءات سے متنوع معانی سامنے آتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک معنی مقاصد شریعت اور بندوں کی مصلحتوں میں سے کسی مصلحت کو تحقق کرنے والے حکم پر دلالت کرتا ہے۔

ایسی قراءات میں سے ایک، اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْمَنَهُ طَيْرَةٌ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا﴾ [الإسراء: ۱۳]

اس آیت مبارکہ میں لفظ ”یلقاھا“ میں دو قراءات ہیں۔

① يَلْقَاهُ (بفتح الیاء والقاف مخففة) اس قراءت کی صورت میں اس آیت مبارکہ کا معنی ہوگا کہ ہم روز قیامت انسان کیلئے ایک کتاب نکالیں گے جو اس کے اعمال کا صحیفہ ہوگا اور وہ آدمی اس صحیفے کے پاس اس حال میں پہنچے گا کہ وہ مفتوح (کھلا ہوا) ہوگا۔ اگر وہ شخص جنتی ہوگا تو اسے اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور اگر جہنمی ہوگا تو اسے اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔

② يَلْقَاهُ (بضم الیاء وتشدید القاف) اس قراءت کی صورت میں اس آیت مبارکہ کا معنی ہوگا کہ ہم روز قیامت انسان کے لئے ایک کتاب نکالیں گے جو اس کے اعمال کا صحیفہ ہوگا اور وہ انسان کو اس حال میں دی جائے گی کہ وہ مفتوح (کھلی ہوئی) ہوگی۔

مذکورہ دونوں قراءات کے معانی معمولی سے فرق سے واضح ہوتا ہے کہ بالآخر دونوں کا ایک ہی معنی ہے، کیونکہ کتاب کے پاس جانا یا کتاب کا دیا جانا ایک ہی شے ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ہی وہ کتاب مفتوح ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ [البقرة: ۱۰]

اس آیت مبارکہ میں لفظ یكذبون میں دو قراءاتیں ہیں۔

① يَكْذِبُونَ: (بفتح الياء وسكون الكاف وكسر الذال) اس قراءات کی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مومنوں کی طرف سے جھوٹی خبریں دیتے ہیں۔

② يَكْذِبُونَ: (بضم الياء فتح الكاف وتشديد الذال المكسورة) اس قراءات کی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ وہ رسولوں اور ان کی لائی ہوئی شریعت کو جھٹلاتے ہیں۔

مذکورہ دونوں قراءات کے معنی میں نہ تو تناقض ہے اور نہ ہی تضاد ہے بلکہ دونوں قراءات میں سے ہر ایک نے منافقین کے اوصاف میں سے ایک ایک وصف بیان کیا ہے۔

پہلا وصف: وہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کی اخبار میں جھوٹ بولتے ہیں۔

دوسرا وصف: وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کی دی گئی شریعت کو جھٹلاتے ہیں۔

اور منافقین کے بارے میں یہ دونوں صفات ہی برحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان دونوں صفات (کذب اور تکذیب) کو ہی اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعداد قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکمت کی بناء پر ہے۔ تحریف و تغیر کا نتیجہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی قراءات سے معانی میں التباس، تناقض یا تضاد پیدا ہوتا ہے، بلکہ بعض قراءات بعض قراءات کی تصدیق کرتی ہیں۔

### اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو	عضو	نائب رئيس اللجنة	الرئيس
عبد الله بن قعود	عبد الله بن غديان	عبد الرزاق عفيفي	عبد العزيز بن باز

[فتوى رقم: ۱۹۷۷، ۴، ۱۰]

ثانياً۔ مجمع ملك فهد چار مختلف روایات؛ روایت دوری، روایت قالون، روایت ورش اور روایت حفص میں مصاحف شائع کر چکا ہے جبکہ باقی سولہ روایات پر کام جاری ہے۔

ثالثاً۔ اہل حرین کا تو مسلک ہی قرآن و سنت ہے اور انہیں سے قراءات کا ثبوت ملتا ہے۔

رابعاً۔ یہ عرب علماء کا صرف موقف ہی نہیں بلکہ عملی صورت یہ ہے کہ حرین کے امام شیخ عبدالرحمن حدیفی حفظہ اللہ (جو مسجد نبوی کے سب سے بڑے امام ہیں) کا روایت قالون (جسے دوست قرآن نہیں مانتے) میں مکمل آڈیو قرآن مجمع ملك فهد شائع کر چکا ہے۔

اب کیا اسے جہالت سمجھا جائے یا تجاہل عارفانہ کہ دوست حرین کی بات کرتے ہیں لیکن مسئلہ زیر بحث میں

مفتیان حرم کے موقف سے نااہل ہیں؟ بقضائے حسن نطن ہم اسے جہالت سے ہی تعبیر کرتے ہیں ورنہ صورت ثانوی صریحاً بددیانتی کے زمرے میں آتی ہے جس کا ارتکاب ہم ایسی ہستیوں سے بعید از امکان سمجھتے ہیں۔

جب اہل حرمین بھی اس مسئلہ میں یہی موقف رکھتے کہ قراءات متواترہ قرآن ہیں تو کیا ہم گروہ مذکور کے 'اہل علم و دانش' سے امید رکھیں کہ وہ اب مزید دھکا کرنے کی بجائے اپنی رائے پر اسر نوغور کریں گے؟

اس مسئلہ کو ایک دوسرے زاویے سے یوں سمجھئے کہ روایت حفص، جس کی پاکستان میں تلاوت کی جاتی ہے، کے علاوہ دیگر متواتر روایات کو قرآن کیوں تسلیم نہیں کیا جاسکتا؟ اگر روایت حفص کے علاوہ دیگر روایات کے قرآن نہ ہونے کی وجہ ان روایات میں مصاحف کے قلمی یا مطبوع نسخوں کی سند کا رسول اللہ ﷺ سے عدم اتصال ہے تو روایت حفص کے قلمی یا مطبوع نسخوں کی سند ذرا رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیجیے تاکہ روایت حفص کو امتیازی حیثیت دی جاسکے۔ اگر ایسا ہونا ناممکن ہے اور روایت حفص صرف تعالٰیٰ امت سے ثابت ہو جاتی ہے تو راہنمائی فرمائیے کہ کیا امت مسلمہ صرف برصغیر یا ان ممالک کا نام ہے جہاں روایت حفص رائج ہے؟ اور اگر امت مسلمہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا نام ہے تو جیسے روایت حفص بعض خطوں کے تعالٰیٰ سے ثابت ہو جاتی ہے، اسی طرح دیگر مغربی و افریقی ممالک کے مسلمانوں کے تعالٰیٰ کو مان کر دیگر روایات کیوں ثابت نہیں ہوتیں؟

بات تو حقیقت پسند ہونے اور دلائل و حقائق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی ہے ورنہ تو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہم تب تک نہیں مانیں گے جب تک فرشتے آکر یہ گواہی نہ دیں کہ قراءات متنوع واقعی قرآن ہیں۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ ایسا معجزہ تو اپنی رسالت منوانے کے لئے آپ ﷺ بھی دکھانے سے عاجز و قاصر رہے تھے جب کفار نے یہ مطالبہ کیا کہ لَوْ وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۚ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّجِيلٍ وَعِنَبٌ فَتَقْفِرَ الْآلِثْرَ خَلِيلًا فَتَجْعِلَآ ۚ أَوْ تَسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتِ عَلَيْنَا كَسَفًا أَوْ تَأْتِيَنَا بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۚ

”اور کہنے لگے ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ جاری کر دیں۔ یا آپ کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو تو آپ اس میں جا بجا نہریں بہا دیں۔ یا آپ آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسے آپ کا دعویٰ ہے یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں“ [الاسراء: ۹۰-۹۲]

تو ایسی صورت میں ہم بھی معذور ہیں کہ دلیل و براہان سے سمجھانے کی کوشش کریں اور ویسے بھی اس موضوع پر اتنی ضخیم اور دلائل و براہین سے مزین دو اشاعتوں کے باوجود اگر کوئی میں نہ مانوں کی ضد پر قائم رہے تو پھر ہم دل سے سمجھتے ہیں کہ اس سے بڑا محقق کوئی نہیں ہے۔ ایسی صورت کا سامنا ہمیں حالیہ دنوں میں اس وقت کرنا پڑا جب آزاد کشمیر سے ایسے ہی ایک 'محقق' سید سلیم شاہ صاحب سابق عمید کلیۃ الدعوة آزاد کشمیر کی 'علمی' تحریر ہمارے سامنے آئی۔ موصوف نے بھر پور محنت سے رشد حصہ اول کو حرف بحرف پڑھا اور قارئین کو یہ نتائج دینے کے مذکورہ شمارہ تضادات کا مجموعہ ہے۔ نام کے ساتھ لگے لائق، سابقے یہ تاثر دے رہے تھے کہ موصوف علمی دنیا کے بھیکر اں ہوں گے، لیکن انداز تحقیق اور اسلوب تحریر کی چالاکیوں سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جناب کے اپنے سابقے، لائق بھی ہاتھ باندھے یوں عرض کناں ہیں کہ حضرت! اگر معیار تحقیق یہی ہے تو خواہ مخواہ ہماری حرمت پامال کرنے کی کیا ضرورت

تھی؟ یہ کام تو صرف سلیم لکھنے سے بھی چل سکتا تھا۔ حالانکہ یہ محقق بد قسمتی سے جنہیں رُشد کے تضادات بتلا رہے ہیں وہ اصلاً جناب کے ذہنی انتشار، متعصب نگاہ اور علم قراءات سے لاعلمی کے دلائل اور نتائج ہیں۔ ہمارا یہ سوئے نطن بے سبب نہیں ہے۔ ہم ایسا ہرگز نہ سوچتے اگر جناب نے اس شمارے میں موجود قراءات متنوعہ پر اجماع امت کے دلائل، چاروں مکاتب فکر کے نمائندہ علماء کے فتاویٰ جات اور ثبوت قراءات پر بیسیوں صحیح احادیث پر ذرا سی بھی نظر دوڑائی ہوتی۔ کیا ایک حقیقی محقق کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اساسی دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے نتائج تحقیق عوام الناس کے سامنے لائے؟ اگر یہی حقیقی معیار تحقیق ہے تو پھر تعصب کس جانور کا نام ہے جس کو لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اہل علم کے ہاں جسے گالی کا درجہ حاصل ہے؟

ہمارا سید زادے کے لیے مشورہ ہے کہ آپ نے جس انداز سے رُشد کا مطالعہ کیا ہے اگر اس سے سو درجہ عامیانہ انداز میں مسٹر پرویز کے لٹریچر کو ملاحظہ فرمائیں تو جناب کو اس سے بھی اچھے نتائج مل سکتے ہیں۔ ہم امید کریں گے کہ آنجناب ایک غیر جانبدار محقق ہونے کے ناطے ہمارا مشورہ ماننے میں تامل نہیں کریں گے اور اگر نتائج حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش آئے تو جناب ڈاکٹر محمد دین قاسمی کی کتاب ”جناب غلام احمد پرویز اپنے الفاظ کے آئینے میں“ سے استفادہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمیں آنجناب کے تحقیقی نتائج کا انتظار رہے گا۔

ہمارے خیال میں جناب اس اسلوب تحقیق کی طرف خود مائل نہیں ہوئے بلکہ اس کا سبب ماہنامہ رشد کے قراءات نمبرز میں موجود تمام مضامین کا علمی معیار اور دلائل سے مزین ہونا تھا۔ جب جناب محقق خود کوئی علمی رائے پیش کرنے سے قاصر رہے تو رشد کے تضادات ڈھونڈنے بیٹھ گئے اور ہمیں فاضل محقق جیسے عقابانی نگاہ رکھنے والے ناقدین کے بارے میں علم تھا کہ وہ موجود ہیں۔ لیکن تحقیق کے میدان میں ان کی فضیلت کا علم اب ہوا کہ یہ کسی بھی عبارت کا مفہوم اپنے موقف اور مخصوص مقاصد کے مطابق بدلنے میں یکتائے روزگار ہیں، اصل مدعا سے توجہ ہٹانے میں قدرت کاملہ رکھتے ہیں، ان کے عزم و ہمت کی یہ شان ہے کہ جب وہ نقد کی ٹھان لیں تو اپنی علمی کم مائیگی کو بھی آڑ نہیں بننے دیتے، یہ پہلے خود پروپیگنڈے کا طوفان پھا کرتے ہیں پھر انتہائی معصومیت اور حکمت و دانائی سے اس طوفان میں گری اسلام کی ناؤ کو باہر نکال کر شجاعت کی داستا میں رقم کرتے ہوئے داد تحسین وصول کرتے ہیں۔

بہر صورت یہ تو علمی اسلوب کی بات تھی ہمارے سامنے تو ایسے ناقدین کی تحریریں بھی آئیں جو اس قدر بوکھلائے ہیں کہ حواس باختہ ہو کر آئمہ حدیث پر دشنام درازی شروع کر دی اور یہ بد قسمتی سے تمام تمام کے پرویزی ہیں ہم ان میں سے ایک کو بطور مثال قارئین کے سامنے رکھتے ہیں:

سندھ سے ایک مجاہد پرویزی شخص نے ’قرآن مظلوم کی فریاد‘ کے نام سے ’رُشد قراءات نمبر‘ پر ایک تنقیدی کتابچہ لکھا ہے۔ اس شخص کا علمی محاکمہ کرنے کی بجائے ہم صرف اس کی تحریر کے چند نمونے پیش کریں گے جس سے اس کی خباثت اُبھر کر سامنے آجائے گی اور قارئین محسوس کریں گے کہ واقعی یہ شخص اس قرآنی آیت ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَمًا﴾ [الفرقان: ۶۳] ”اور جب ان سے جاہل مخاطب ہوتے ہیں (جواباً) ان کو سلام کہتے ہیں۔“ کا مصداق ہونے کے ناطے اس قابل نہیں کہ اس کی تحریر کا علمی جواب دے کر وقت ضائع کیا جاسکے۔ پھر بھی اگر موصوف یا اس کے نظریاتی بھائی اصرار کریں کہ نہیں جناب تحریر بڑی مدلل ہے، تو چونکہ موصوف نے انکار

قراءات کی بنیاد انکار حدیث کو بنایا ہے اس لئے ماہنامہ 'محدث' کا فتنہ انکار حدیث نمبر شانی ہوگا۔  
چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

حدیث سبعہ احراف پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

”سوائی حدیثیں امام زہری اور امام بخاری کے جھوٹ نہ ہوں گی تو اور کیا ہوں گی۔“

[قرآن مظلوم کی فریاد: ص ۴۴]

قرآن کریم میں بیان کی گئی اُمثلہ کے کافی ہونے کا ذکر کرتے ہوئے، کہتا ہے:

”اب کسی کو اس قرآن سے باہر بخاری، مسلم، ترمذی یا اور کسی خرافاتی روایات والے اسکول کی طرف قرآن نبی کے لئے جاننا نہیں ہوگا۔“ [حوالہ مذکور: ص ۳۸]

قرآن کریم پر احادیث سے اضافہ کے ضمن میں لکھتا ہے:

لیکن دیوبند کے فاضل مولانا قاری اعظمی صاحب صرف اس پر خوش ہو گئے کہ من ام کے اضافہ سے (مشہور دشمن قرآن) امام شافعی جو علم حدیث کیلئے وحی غیر منلوکی اصطلاح ایجاد کرنے والا ہے، اس کا موقف فقہی سچا ہو گیا [ص: ۲۵]

قرآن کریم اور علم حدیث کا ٹکراؤ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

”میں یہاں قارئین کے لئے قرآن اور مردِ ج علم حدیث کے اندر نظر پاتی ٹکراؤ کی مثال بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

قرآن میں رب پاک نے فتنہ کے لئے فرمایا کہ ان فتنہ باز کفار کو اتنے تک قتل کرو: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ [البقرہ: ۱۹۳] اتنے تک قتل جو فتنہ کی جڑ اکھڑ جائے۔ پھر حدیث کی کتاب بخاری میں کتاب الایمان میں ایک

باب ہے: ”من الدين الفرار من الفتنة“ یعنی فتنوں سے بھاگ کر کہیں دور نکل جانا یہ دین میں سے ہے۔ اسی

باب میں جو حدیث لائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ: قال رسول الله ﷺ «يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ عَنَمٌ

يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِلَدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ». [صحيح البخاری: ۸ سنن ابن

ماجہ: ۳۹۰] یعنی ”ایسا وقت قریب ہے جو مسلم آدمی کا اچھا مال بکریاں ہوں جنہیں وہ فتنہ کے دنوں میں جبل کی

چوٹیوں یا بارش کے چراگا ہوں میں لے کر جا کر رہائش اختیار کرے فتنوں سے بچنے کے لئے۔“

دیکھا جناب قارئین کرام! قرآن نے تو حکم دیا کہ فتنہ کے زمانے میں فتنہ باز لوگوں کو اتنے تک قتل کرو جو ان کی

فتنہ انگیزی ختم ہو جائے اور علم حدیث کہتا ہے کہ فتنہ کے دنوں میں بکریاں لے کر پہاڑوں اور چراگا ہوں میں چلے جاؤ

(تو پیچھے تمہارے ملک اور شہروں پر حدیث ساز امام بخاری کے رشتہ دار منگول اور تاتاری قابض ہو جائیں جو ہو کر

بھی رہے۔) [حوالہ مذکور: ص ۱۳]

یہ شخص اس کتابچے میں ایک بحث کا عنوان یوں دیتا ہے:

”امام مسلم و امام بخاری کی جناب رسول اللہ ﷺ کو گالیں“ [کیا علم حدیث قرآن کی تفسیر کر سکتا ہے: ص ۱۳۷]

آئمہ حدیث پر تبرا بھیج کر آسمان پر تھوکنے کی کوشش کرنے والے لعنتی کردار یہ شخص وہ ہے جس نے ”رشد“ قراءات

نمبر پر نقد کیا ہے۔

یہ تو ہمیں اندازہ تھا کہ دلائل و براہین سے تہی دامن ان منکرین حدیث سے کوئی بات بن نہ پائے گی لیکن بخدا

ہمیں اس بات کا خیال تک نہ تھا کہ یہ لوگ اس اخلاقی گراؤ کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس گروہ ملعونہ کی

اصلیت طشت از بام نہ کرنا ہوتی تو ہم کبھی بھی ان عظیم ہستیوں کے بارے میں استعمال کی گئی بازاری زبان کو رشد کے

صفحات پر نہ لاتے۔ بلکہ اسے دیکھتے ہی یہ کہتے ہوئے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے لہذا بہتان عظیم۔ ہمیں اندازہ ہے کہ منکرین اس چھچھورے پن کا شکار صرف اسلئے ہوئے کہ محدثین کی کوششوں سے حدیث کا ذخیرہ امت میں محفوظ حالت میں پہنچا ہے اور یہ احادیث اس گروہ کی قرآنی چکر بازیوں کے سامنے مضبوط چٹان ہیں۔ اس لیے ہر وہ کاوش جو احادیث کی حجیت پر متوجہ ہو ان کی بوکھلاہٹ میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ حالانکہ جب رشد قراءات نمبر کی اشاعت ہوئی تو منکرین کے ایک ماہنامے نے اپنے ہمنواؤں کو خصوصی طور پر تلقین کی تھی کہ ”یہ جذبات سے زیادہ علمی نوعیت کا کام ہے اہل علم و دانش سے اپیل ہے کہ فکری کاوشوں سے اپنا حصہ ڈالیں اور قرآن کے خلاف اس عالمی و گھناؤنی سازش کو ناکام بنا دیں“۔ [ماہنامہ بلاغ القرآن، نومبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۳]

لیکن ’اہل علم‘ نے علم و فکر کے نام پر جس علمی و فکری افلاس کا ثبوت دیا ہے اس کے جگر پاش مناظر قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمارا یقین محکم ہے کہ ایسی شرانگیز حرکتیں کسی سنجیدہ علمی کام میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے ابھی ان خصوصی اشاعتوں کے دو حصے منظر عام پر آئے تھے کہ عوام الناس، طلباء اور اہل علم نے ہماری توقعات سے بڑھ کر اس میں دلچسپی لی۔ مختلف مدارس نے دونوں حصے امتحانات کے بعد طلباء کو بطور انعام دیئے۔ لوگوں نے باہمی تحائف دینے کے لئے ان کا انتخاب کیا۔ مختلف مدارس، کالج اور یونیورسٹیوں کی لائبریریوں کے لئے خصوصی طور پر ان کی فرمائش کی گئی۔ اور یہ سلسلہ ملک و بیرون ملک ابھی تک جاری ہے۔

اسی طرح اہل علم نے بھی علم قراءات کو دلچسپی کا موضوع بناتے ہوئے اس پر قلم اٹھایا جو اس اشاعت کے خصوصی مقاصد میں شامل تھا، یہی وجہ ہے کہ تیسرے حصے کے لئے ہمارے پاس مختلف اہل علم کے سو کے قریب مضامین جمع ہوئے جن میں سے، بڑھتی ہوئی ضخامت کے پیش نظر ہم تقریباً ۶۵ مضامین اس حصے میں شامل کیے ہیں جبکہ دیگر مضامین ادارہ کی ویب سائٹ [www.kitabosunnat.com](http://www.kitabosunnat.com) پر آن لائن کر دیئے جائیں گے۔

منکرین حدیث اور منکرین قرآن پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ ماہنامہ رشد کے اہداف و مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ قراءات قرآنیہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین و سنن کی حجیت کو ثابت کرنا تاکہ فتنہ انکار قراءات متواترہ اور فتنہ استخفاف و انکار حدیث کی تیج کنی کی جاسکے۔ چنانچہ ان مقاصد کے حصول تک ماہنامہ رشد علمی و فکری میدان میں اپنا کردار ادا کرتا رہے گا جسے کسی فتنہ باز کا فتنہ، کسی شریک پر اپگنڈہ، کسی جاہل کی دشنام طرازی اور کسی نام نہاد مفتی کا فتویٰ روک نہیں پائے گا۔ ہم اہل علم و دانش اور مفتیان عوام کو اپنی مشن کا ساتھی سمجھتے ہیں اور ان کا دل سے احترام کرتے ہیں لیکن ایسے کسی بھی نام نہاد مفتی کے احترام سے معذور ہیں جسے احادیث نبوی کا احترام نہ ہو، ہماری محبت بھی اللہ کے لیے ہے اور بغض بھی اللہ کے لیے۔ بخدا جب ہم نے کراچی سے مفتی محمد طاہر مکی کے فتویٰ کے مندرجات پر نظر ڈالی تو مفتی صاحب کے ’سوخ علمی‘ نے ہمیں حیران کر دیا (مفتی صاحب کی بنیادی علمی غلطیوں کو جاننے کے لیے دیکھئے فہد اللہ مراد کا مضمون ’جمع کتابی کے متعلق توضیحات‘) اور ذاکر حسین کے سوال اور مفتی صاحب کے جواب نے ہمارا ذہن بچوں کے اس کھیل کی طرف موڑ دیا جس میں بچے یہ کہہ کر کھیلنا شروع کرتے ہیں کہ تم بادشاہ اور میں وزیر۔ ہم شعوری طور پر مفتی صاحب کو بادشاہ ہی سمجھتے ہیں، اب فتویٰ مفتی کھیلنے کی اس طفلانہ روش کے بعد اگر موصوف یہ سمجھ بیٹھیں کہ انہوں نے علم و تحقیق کے میدان میں نمایاں کارنامہ سرانجام دیا ہے تو یہ جناب کا خود کے بارے میں اپنا

فیصلہ تو ہو سکتا ہے کسی اہل علم کا نہیں۔

ہماری آج بھی دعوت عام ہے کہ رُشد حصہ سوم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اتریے دلائل و براہین کے میدان میں مجلہ ہذا کے مضامین پر علمی رائے کا اظہار فرمائیے، ہمیں خوشی ہوگی۔ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ اہل علم و دانش اب کی بار علم و دانش کو بروئے کار لاتے ہوئے دشنام طرازی اور جذباتیت کی فضا پیدا کرنے کی بجائے مجلہ ہذا پر علمی رائے کا اظہار فرمائیں گے۔ ہمیں انتظار رہے گا۔

حافظ نعیم الرحمن ناصف

[فاضل کلیة الشريعة، رکن مجلس التحقیق الاسلامی]



### انتساب رُشد قراءات نمبر

شیخ القراء محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ ادارہ رُشد کے تمام ذمہ داران اور ارکان (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی، حافظ انس نصر، ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی، حافظ نعیم الرحمن ناصف، حافظ محمد مصطفیٰ راسخ، حافظ فہد اللہ مراد، حافظ محمد زبیر تیمسی، قاری اختر علی آرشد، کلیم اللہ حیدر اور حافظ محمد عمر فاروقی وغیرہم) کے محترم اُستاد ہیں۔ رُشد قراءات نمبر کی فکر بھی حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر ہی پیدا ہوئی۔ ادارہ تمام قراءات نمبروں کا انتساب شیخ القراء محترم قاری محمد ابراہیم میر محمدی کی طرف کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا عظیم کوقاری

صاحب کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین [ادارہ]

## احادیث مبارکہ میں 'روایتِ حفص' کے علاوہ دیگر متواتر روایات

زیر نظر موضوع کے حوالے سے اس سے قبل 'رشد قراءات' نمبر اول و دوم میں دو تحریریں شائع کی جا چکی ہیں جو بعض عربی مضامین کی تحریروں کے ترجمہ و انتخاب پر مشتمل تھیں، چند ماہ قبل اس موضوع پر نشہ پہلوؤں کو مکمل کرنے کے لیے ادارہ نے مزید کام کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ کتب تسعہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مسند احمد اور مسند دارمی) اور دیگر احادیث و آثار کی معروف کتابوں کو سامنے رکھ کر اس موضوع پر موجود احادیث کی فہرستوں کو مکمل کیا گیا ہے۔ مزید غرض اس مضمون سے یہ بھی ہے کہ مستشرقین اور ان کے خوشہ چین منکرین قراءات کا یہ نظریہ کہ 'اختلافات قراءات سے قرآن کریم میں ٹکراؤ اور تضاد پیدا ہوتا ہے' صرف تلبیسِ ابلیس ہے۔ فہرست میں قراءات کے سرسری جائزہ سے ہی مستشرقین کے اس دعویٰ کا بطلان واضح ہو جاتا ہے۔

قارئین زیر نظر مضمون میں چند امور بطور خاص ملحوظ رکھیں۔ ① قراءات کی اس فہرست میں ہم نے مطب خانوں کے وجود میں آنے سے پہلے کی اصل کتب کو سامنے رکھ کر یہ فہرستیں تیار کی ہیں، ورنہ عصر حاضر میں بعض کتب خانے چونکہ خوبصورتی کے پیش نظر قرآنی آیات کو نائپ کرنے کی بجائے مجمع ملک ہند کے روایتِ حفص میں طبع شدہ مصحفِ مدینہ کی آیات کو مختلف پروگراموں کی مدد سے Paste کر لیتے ہیں، چنانچہ کئی مقامات پر جہاں قرآنی نص دیگر متواتر قراءات میں موجود تھی وہاں ان کتب خانوں نے سہواً روایتِ حفص کی کتابت کو اختیار کر لیا ہے، جو کہ علم و تحقیق کے ضابطوں کے صریح منافی ہے۔ ② حدیث کی تعریف میں چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال (حدیث موقوف) بھی شامل ہیں خصوصاً جب ان میں عقل کا دخل نہ ہو تو انہیں مرفوع شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ قراءات کی ان فہرستوں میں صحابہ کرام کی قراءات بھی مد نظر رکھی گئی ہیں۔ ③ مذکورہ کتب کے حوالے سے ہم نے صرف متواتر قراءات کو ہی سامنے رکھا ہے اور اگر ان فہرستوں میں شاذ قراءات بھی شامل کر لی جائیں تو قراءات کا یہ مجموعہ کئی گنا بڑھایا جاسکتا ہے۔ [ادارہ]

کتاب

کتاب

کتاب

کتاب

کتاب

کتاب

کتاب

نمبر	مصدر	کتاب	رقم	سورت	اختلاف	اختلاف قراءات کے	روایت
شمار				الحدیث و آیت	قراءات	حامل قراءت کرام رضی اللہ عنہم	حفص
۱	البخاری	العلم	باب	الکھف:	تُعَلِّمَنِي	نافع، ابو عمرو، ابو جعفر (وصلاً)	تُعَلِّمَنِي
				۶۶		ابن کثیر اور یعقوب وصلاً ووقفاً	
۲	البخاری	العلم	۷۴	الکھف: ۶۳	أَنْسِنِيْهِ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، کسائی، حمزہ، شعبہ	أَنْسِنِيْهِ



حافظ محمد عمر فاروقی

۳	البخاری	العلم	۷۴	الكهف: ۶۴	نَبَغِيّ	مدنيان، ابو عمرو، كسائي، وصلاً، ابن كثير اور يعقوب وصلاً ووقفاً
۴	البخاری	العلم	۷۸	الكهف: ۶۳	أَنْسِيْنِيْهِ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، حمزه، شعبه
۵	البخاری	العلم	۷۸	الكهف: ۶۴	نَبَغِيّ	مدنيان، ابو عمرو، كسائي، وصلاً، ابن كثير اور يعقوب وصلاً ووقفاً
۶	البخاری	العلم	۱۲۲	الكهف: ۶۳	أَنْسِيْنِيْهِ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، حمزه، شعبه
۷	البخاری	العلم	۱۲۲	الكهف: ۶۴	نَبَغِيّ	مدنيان، ابو عمرو، كسائي، وصلاً، ابن كثير اور يعقوب وصلاً ووقفاً
۸	البخاری	العلم	۱۲۲	الكهف: ۶۶	تُعَلِّمِيْ	نافع، ابو عمرو، ابو جعفر (وصلاً) اور ابن كثير اور يعقوب وصلاً ووقفاً
۹	البخاری	العلم	۱۲۲	الكهف: ۶۶	رَشَدًا	ابو عمرو، يعقوب
۱۰	البخاری	الصلاة	۴۰۲	التحریم: ۵	يُبَدِّلُهُ	نافع، ابو جعفر، ابو عمرو
۱۱	البخاری	مواقبت الصلاة	۵۳۹	النحل: ۴۸	تَتَقَبَّوْا	ابو عمرو وبصري، يعقوب
۱۲	البخاری	الأذان		باب المائة: ۵۸	هَزُّوْا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر
۱۳	البخاری	الجمعة	۱۱۰۱	الأحزاب:	إِسْوَةٌ	عاصم کے علاوہ تمام قراء
۶۱						
۱۴	البخاری	الجمعة		باب المزمّل: ۶	وَطْئًا	ابو عمرو وبصري، ابن عامر
۱۵	البخاری	الجنائز		باب المزمّل: ۶	وَطْئًا	ابو عمرو وبصري، ابن عامر
۱۶	البخاری	الزكاة		باب المعارج:	نُصِبِ	مدنيان، ابن كثير، بصريان، حمزه، شعبه، كسائي، خلف
۴۳						
۱۷	البخاری	الزكاة	۱۴۰۳	آل عمران:	يَحْسِبَنَّ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، كسائي، يعقوب
۱۸۰						
۱۸	البخاری	الزكاة		باب البقرة: ۲۵۴	بَّعَ	ابن كثير، ابو عمرو
۱۹	البخاری	الزكاة		باب البقرة: ۲۵۴	خَلَّةَ	ابن كثير، ابو عمرو
۲۰	البخاری	الحج	۱۶۲۴	الأحزاب:	إِسْوَةٌ	عاصم کے علاوہ تمام قراء
۲۱						

احادیث میں روایت حفص کے علاوہ متواتر قراءات

۲۱ البخاری	الحج	۱۶۳۹ الأحزاب:	إِسْوَةٌ	عاصم کے علاوہ تمام قراء	أُسْوَةٌ
			۲۱		
۲۲ البخاری	الحج	۱۶۴۰ الأحزاب:	إِسْوَةٌ	عاصم کے علاوہ تمام قراء	أُسْوَةٌ
			۲۱		
۲۳ البخاری	الحج	۱۶۴۷ الأحزاب:	إِسْوَةٌ	عاصم کے علاوہ تمام قراء	أُسْوَةٌ
			۲۱		
۲۴ البخاری	الحج	باب المائة: ۹۵	فَجَزَاءٌ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو،	فَجَزَاءٌ
			مِثْلُ	ابن عامر، ابو جعفر	مِثْلُ
۲۵ البخاری	الصوم	البقرة: ۱۸۴	مَسْكِينٍ	ہشام	مَسْكِينٍ
۲۶ البخاری	البيوع	التوبة: ۱۰۶	مُرْجُونَ	ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر،	مُرْجُونَ
				شعبہ، یعقوب	
۲۷ البخاری	الحوالات	باب النساء: ۳۳	عُقِدَتْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو،	عُقِدَتْ
				ابن عامر، ابو جعفر، یعقوب	
۲۸ البخاری	الحوالات	باب النساء: ۲۲۹۲	عُقِدَتْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو،	عُقِدَتْ
				ابن عامر، ابو جعفر، یعقوب	
۲۹ البخاری	تفسير القرآن	باب ق: ۱۳	لَيْكَةَ	نافع	الْأَيْكَةَ
۳۰ البخاری	تفسير القرآن	باب الشعراء: ۱۳۹	فَرِهَيْنَ	نافع	فَرِهَيْنَ
۳۱ البخاری	تفسير القرآن	باب الفجر: ۱۸	تَحْضُونَ	نافع	تَحْضُونَ
۳۲ البخاری	تفسير القرآن	النجم: ۱۲	أَقْتَمَرُونَهُ	حمزہ	أَقْتَمَرُونَهُ
۳۳ البخاری	الحوالات	باب النساء: ۲۲۹۲	عُقِدَتْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو،	عُقِدَتْ
				ابن عامر، ابو جعفر، یعقوب	
۳۴ البخاری	في الاستقراض	باب هود: ۸۷	أَصْلَوْتُكَ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر	أَصْلَوْتُكَ
۳۵ البخاری	المظالم والغصب	باب إبراهيم: ۴۷	تَحْسِبَنَّ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی،	تَحْسِبَنَّ
				یعقوب	
۳۶ البخاری	الشهادات	باب البقرة: ۲۸۲	فَتَذَكَّرَ	ابن کثیر، ابو عمرو، یعقوب	فَتَذَكَّرَ
۳۸ البخاری	الصلح	باب النساء: ۱۶۸	يُصْلِحًا	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو،	يُصْلِحًا
				ابن عامر، ابو جعفر، یعقوب	
۳۹ البخاری	الوصايا	باب المائة: ۱۰۷	اسْتَحَقَّ	حفص کے علاوہ تمام قراء	اسْتَحَقَّ

حافظ محمد عمر فاروقی

۴۰	البخاری	الجهاد والسير	باب الأنفال: ۶۷	تَكُونُ	ابو عمرو، ابو جعفر، يعقوب	يَكُونُ
۴۱	البخاری	بدء الخلق	باب الفرقان: ۴۸	نُشِرَا	نافع، ابو جعفر، ابن كثير، ابو عمرو، يعقوب	بُشِرَا
۴۲	البخاری	بدء الخلق	باب الفرقان: ۴۸	نُشِرَا	ابن عامر شامي	بُشِرَا
۴۳	البخاری	بدء الخلق	الكهف: ۳۲۷۸	أَنْسَيْنِيْهِ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، حمزه، شعبه	أَنْسَيْنِيْهِ
۴۴	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب هود: ۲۷	بَادِي	ابو عمرو	بَادِي
۴۵	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب الصفات:	اللَّهُ رَبُّكُمْ	(ورش) نافع مدني، ابن كثير، ابو عمرو	اللَّهُ رَبُّكُمْ
۴۶	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب الصفات:	وَرَبُّ	ابو عمرو وبصري	وَرَبُّ
۴۷	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب الكهف: ۸۵	فَاتَّبَع	(ورش) نافع، ابن كثير، ابو عمرو	فَاتَّبَع
۴۸	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب الكهف: ۹۶	أَتَتُونِي	شعبه عن عاصم	ءَ اتُونِي
۴۹	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب الكهف: ۹۳	السُّدَّيْنِ	نافع، ابن عامر، حمزه، كسائي	السُّدَّيْنِ
۵۰	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب الكهف: ۹۸	دَكَأَ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر	دَكَأَ
۵۱	البخاری	أحاديث الأنبياء	يوسف: ۳۳۸۹	كُذِّبُوا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر	كُذِّبُوا
			۱۱۰			
۵۲	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب مريم: ۵۱	مُخْلِصًا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر	مُخْلِصًا
۵۳	البخاری	أحاديث الأنبياء	الكهف: ۳۴۰۰	أَنْسَيْنِيْهِ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، حمزه، شعبه	أَنْسَيْنِيْهِ
۵۴	البخاری	أحاديث الأنبياء	الكهف: ۳۴۰۱	أَنْسَيْنِيْهِ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، حمزه، شعبه	أَنْسَيْنِيْهِ
۵۵	البخاری	أحاديث الأنبياء	الكهف: ۳۴۰۱	نَبَّغِي	مديان، ابو عمرو، كسائي، وصلاً، ابن كثير اور يعقوب وصلاً ووقفاً	نَبَّغِي
۵۶	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب الأعراف:	يَعْكُفُونَ	حمزه، كسائي، خلف	يَعْكُفُونَ
			۱۳۸			
۵۷	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب المرسلات: ۳	جَمَلْتُ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو	جَمَلْتُ

أحاديث میں روایت حفص کے علاوہ متواتر قراءات

۵۸	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب	ص: ۲۳	وَلِي	حفص کے علاوہ تمام قراء	وَلِي
۵۹	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب	آل عمران:	وَكَلَّمَهَا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر،	وَكَلَّمَهَا
				۳۷	زَكَرِيَّا	يعقوب، ابو جعفر	زَكَرِيَّا
۶۰	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب	مریم: ۲۰	زَكَرِيَّا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، شعبه، ابو جعفر، يعقوب	زَكَرِيَّا
۶۱	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب	مریم: ۸	عُتِيًّا	مدنيان، ابن كثير، بصريان، ابن عامر، شعبه، خلف	عُتِيًّا
۶۲	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب	آل عمران:	كَفَّلَهَا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، يعقوب، ابو جعفر	كَفَّلَهَا
				۳۷	يَبْسُرُكَ	حمزه، كسائي	يَبْسُرُكَ
۶۳	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب	آل عمران:	تَسْفِطُ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، كسائي، شعبه، خلف	تَسْفِطُ
				۴۵	نَسِيًّا	مدنيان، ابن كثير، بصريان، ابن عامر، كسائي، خلف	نَسِيًّا
۶۴	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب	مریم: ۲۵	تَسَاءَلُونَ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب، خلف	تَسَاءَلُونَ
۶۵	البخاری	أحاديث الأنبياء	باب	مریم: ۲۳	تَحْسِبِينَ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، كسائي، خلف	تَحْسِبِينَ
۶۶	البخاری	المناقب	باب	النساء: ۱	تَعْمَلُونَ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب، خلف	تَعْمَلُونَ
۶۷	البخاری	المغازي	باب	آل عمران:	يُبَدِّلَهُ	نافع، ابو عمرو، ابو جعفر	يُبَدِّلَهُ
۶۸	البخاری	تفسير القرآن		التحریم: ۵	يَعْمَلُونَ	ابن عامر، حمزه، كسائي، خلف، ابو جعفر، روح	يَعْمَلُونَ
۶۹	البخاری	تفسير القرآن	باب	البقرة: ۱۴۴	مَسْكِينٍ	ہشام	مَسْكِينٍ
۷۰	البخاری	تفسير القرآن		البقرة: ۴۵۰۶	كُذِّبُوا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، يعقوب	كُذِّبُوا
۷۱	البخاری	تفسير القرآن		يوسف: ۴۵۲۵	نُنشِرُهَا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابو جعفر، يعقوب	نُنشِرُهَا
۷۲	البخاری	تفسير القرآن	باب	البقرة: ۲۵۹	يَحْسِبِينَ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، كسائي، خلف	يَحْسِبِينَ
۷۳	البخاری	تفسير القرآن	باب	آل عمران:	۱۸۰		

بسم الله الرحمن الرحيم

٧٤	البخاري	تفسير القرآن	٤٥٦٥	آل عمران:	يَحْسِبَنَّ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، كسائي	يَحْسِبَنَّ
			١٨٠				
٧٥	البخاري	تفسير القرآن	باب	آل عمران:	يَحْسِبَنَّ	ہشام	تَحْسِبَنَّ
			١٨٨				
٧٦	البخاري	تفسير القرآن	٤٥٦٧	آل عمران:	يَحْسِبَنَّ	ہشام	تَحْسِبَنَّ
			١٨٨				
٧٧	البخاري	تفسير القرآن	باب	النساء: ٣٣	عَقَدَتْ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	عَقَدَتْ
٧٨	البخاري	تفسير القرآن	باب	النساء: ٣٣	عَقَدَتْ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	عَقَدَتْ
٧٩	البخاري	تفسير القرآن	٤٥٨٠	النساء: ٣٣	عَقَدَتْ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	عَقَدَتْ
٨٠	البخاري	تفسير القرآن	٤٥٨٠	النساء: ٣٣	عَقَدَتْ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	عَقَدَتْ
٨١	البخاري	تفسير القرآن	٤٥٩٢	النساء: ٩٥	غَيْرَ	نافع، ابن عامر، كسائي، خلف،	غَيْرَ
٨٢	البخاري	تفسير القرآن	٤٥٩٣	النساء: ٩٥	غَيْرَ	نافع، ابن عامر، كسائي، خلف،	غَيْرَ
٨٣	البخاري	تفسير القرآن	٤٥٩٤	النساء: ٩٥	غَيْرَ	نافع، ابن عامر، كسائي، خلف،	غَيْرَ
٨٤	البخاري	تفسير القرآن	باب	النساء: ١٤٥	الدَّرِكِ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	الدَّرِكِ
٨٥	البخاري	تفسير القرآن	٤٦٠٢	النساء: ١٤٥	الدَّرِكِ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	الدَّرِكِ
٨٦	البخاري	تفسير القرآن	باب	المائدة: ٦	لَمَسْتُمْ	حمزه، كسائي، خلف	لَمَسْتُمْ
٨٧	البخاري	تفسير القرآن	٤٦٢٧	لقمان: ٣٤	وَيُنزِلُ	ابن كثير، ابو عمرو، يعقوب، حمزه، كسائي، خلف	وَيُنزِلُ
٨٨	البخاري	تفسير القرآن	باب	الأعراف:	نُشِرَا	مدنيان، ابن كثير، بصريان	بُشِرَا
			٥٧				
٨٩	البخاري	تفسير القرآن	باب	الأعراف:	طَيْفٌ	مكي، ابو عمرو، يعقوب، كسائي	طَيْفٌ
			٢٠١				

تَلَقَّفُ	حفص کے علاوہ تمام قراء	تَلَقَّفُ	باب الأعراف:	تفسير القرآن	البخاري	٩٠
		١١٧				
مُرْدَفِينِ	نافع، ابو جعفر، يعقوب	مُرْدَفِينِ	٩: الأنفال:	تفسير القرآن	البخاري	٩١
يُنزَلُ	مکی، ابو عمرو، يعقوب	يُنزَلُ	باب الشوری:	تفسير القرآن	البخاري	٩٢
		٢٨				
ضَعْفًا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، کسائی، يعقوب	ضَعْفًا	باب الأنفال: ٦٦:	تفسير القرآن	البخاري	٩٣
ضَعْفًا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، کسائی، يعقوب	ضَعْفًا	٦٦: الأنفال:	تفسير القرآن	البخاري	٩٤
مُرْجُونَ	ابن كثير، بصريان، ابن عامر، شعبه	مُرْجُونَ	باب التوبة: ١٠٦:	تفسير القرآن	البخاري	٩٥
يُضْهِوْنَ	عاصم کے علاوہ تمام قراء	يُضْهِوْنَ	باب التوبة: ٣٠:	تفسير القرآن	البخاري	٩٦
يَزِيغُ	حفص وجزء کے علاوہ باقی قراء ابو عمرو	تَزِيغُ	باب التوبة: ١١٧:	تفسير القرآن	البخاري	٩٧
بَادِيِ الرَّأْيِ		بَادِيِ الرَّأْيِ	باب هود: ٢٧:	تفسير القرآن	البخاري	٩٨
مَجْرَهَا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، شعبه، ابو جعفر، يعقوب	مَجْرَهَا	باب هود: ٤١:	تفسير القرآن	البخاري	٩٩
عَجِبَتْ	حمزه، کسائی، خلف	عَجِبَتْ	٤٦٩٢: الصفات:	تفسير القرآن	البخاري	١٠٠
		١٢				
حُشْ	ابو عمرو	حُشْ	باب يوسف: ٥١:	تفسير القرآن	البخاري	١٠١
وَلَا	ابن كثير، ابو عمرو، يعقوب	وَلَا	باب إبراهيم:	تفسير القرآن	البخاري	١٠٢
خَلَّلَ		خَلَّلَ	٣١			
أَكْلَهَا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو	أَكْلَهَا	باب إبراهيم: ٢٥:	تفسير القرآن	البخاري	١٠٣
يَتَفَقَّهُوا	ابو عمرو، يعقوب	يَتَفَقَّهُوا	باب النحل: ٤٨:	تفسير القرآن	البخاري	١٠٤
ثَمَرٌ	نافع، ابن كثير، ابن عامر، کسائی، حمزه	ثَمَرٌ	باب الكهف: ٣٤:	تفسير القرآن	البخاري	١٠٥
أَكْلَهَا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو	أَكْلَهَا	باب الكهف: ٣٣:	تفسير القرآن	البخاري	١٠٦
لَكِنَّا	ابن عامر، ابو جعفر، رويس (الف) کے اثبات کے ساتھ)	لَكِنَّا	باب الكهف: ٣٨:	تفسير القرآن	البخاري	١٠٧

حافظ محمد عمر فاروقی

۱۰۸	البخاری	تفسیر القرآن	باب الکہف: ۴۴	الْوَلِيَّةُ	حمزہ، کسائی، خلف	الْوَلِيَّةُ
۱۰۹	البخاری	تفسیر القرآن	باب الکہف: ۴۴	عُقْبًا	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، یعقوب	عُقْبًا
۱۱۰	البخاری	تفسیر القرآن	باب الکہف: ۵۵	قِبَلًا	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، یعقوب	قِبَلًا
۱۱۱	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۵ الکہف: ۶۳	أَنْسَيْنِيَهٗ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، کسائی، حمزہ، شعبہ	أَنْسَيْنِيَهٗ
۱۱۲	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۵ الکہف: ۶۴	نَبَّغِي	مدینان، ابو عمرو، کسائی، وصلأ، ابن کثیر اور یعقوب وصلأ ووقفأ	نَبَّغِي
۱۱۳	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۵ الکہف: ۶۷	مَعِيَ	حفص کے علاوہ تمام قراء	مَعِيَ
۱۱۴	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۵ الکہف: ۶۷	مَعِيَ	حفص کے علاوہ تمام قراء	مَعِيَ
۱۱۵	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۵ الکہف: ۷۴	زَكِيَّةً	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، رولیس	زَكِيَّةً
۱۱۶	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۵ الکہف: ۶۷	مَعِيَ	حفص کے علاوہ تمام قراء	مَعِيَ
۱۱۷	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۶ الکہف: ۶۷	مَعِيَ	حفص کے علاوہ تمام قراء	مَعِيَ
۱۱۸	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۶ الکہف: ۸۱	يُبْدِلُهُمَا	نافع، ابو جعفر، ابو عمرو	يُبْدِلُهُمَا
۱۱۹	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۶ الکہف: ۷۴	زَكِيَّةً	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، رولیس	زَكِيَّةً
۱۲۰	البخاری	تفسیر القرآن	باب الکہف: ۷۷	لَتَّخَذَتْ	ابن کثیر، ابو عمرو، یعقوب	لَتَّخَذَتْ
۱۲۱	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۲۷ الکہف: ۶۷	مَعِيَ	حفص کے علاوہ تمام قراء	مَعِيَ
۱۲۲	البخاری	تفسیر القرآن	باب طہ: ۶۱	فَيَسْحَتُكُمْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، شعبہ، روح، ابو جعفر	فَيَسْحَتُكُمْ
۱۲۳	البخاری	تفسیر القرآن	باب طہ: ۸۷	بِمَلِكِنَا	ابن کثیر، ابو عمرو، یعقوب	بِمَلِكِنَا
۱۲۴	البخاری	تفسیر القرآن	باب طہ: ۵۸	سُوًى	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابو جعفر، کسائی	سُوًى
۱۲۵	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۴۱ الحج: ۲	سُكْرَىٰ	حمزہ، کسائی، خلف	سُكْرَىٰ
				وَمَا هُمْ		وَمَا هُمْ
				بِسُكْرَىٰ		بِسُكْرَىٰ
۱۲۶	البخاری	تفسیر القرآن	باب النور: ۱	فَرَضْنَهَا	ابن کثیر، ابو عمرو	فَرَضْنَهَا

۱۲۷	البخاری	تفسیر القرآن	باب النور: ۱۱	تَحْسِبُوهُ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی، یعقوب
۱۲۸	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۵۰ باب النور: ۱۱	تَحْسِبُوهُ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی، یعقوب
۱۲۹	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۷۷ لقمان: ۳۴	وَيُنزِلُ	ابن کثیر، ابو عمرو، یعقوب، حمزہ، کسائی، خلف
۱۳۰	البخاری	تفسیر القرآن	باب الأحزاب: ۵۱	تُرْجِي	ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، شعبہ
۱۳۱	البخاری	تفسیر القرآن	باب الأحزاب: ۵۱	تُرْجِي	ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، شعبہ
۱۳۲	البخاری	تفسیر القرآن	باب الأحزاب: ۵۱	تُرْجِي	ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، شعبہ
۱۳۳	البخاری	تفسیر القرآن	۴۷۸۹ باب الأحزاب: ۵۱	تُرْجِي	ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، شعبہ
۱۳۴	البخاری	تفسیر القرآن	باب سبأ: ۱۷	يُجْزِي	نافع، ابو جعفر، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، شعبہ
۱۳۵	البخاری	تفسیر القرآن	باب يس: ۵۵	فَكِهُونَ	ابو جعفر
۱۳۶	البخاری	تفسیر القرآن	۴۸۰۷ ص: ۶۳	اتَّخَذْنَهُمْ	ابو عمرو، یعقوب، خلف، حمزہ، کسائی
۱۳۷	البخاری	تفسیر القرآن	باب الزمر: ۲۹	سَلِمًا	ابن کثیر، ابو عمرو، یعقوب
۱۳۸	البخاری	تفسیر القرآن	باب الزخرف: ۳۳	سَقْفًا	ابن کثیر، ابو عمرو، ابو جعفر
۱۳۹	البخاری	تفسیر القرآن	باب الزخرف: ۸۸	وَقِيلَهُ	عاصم وحمزہ کے علاوہ تمام قراء
۱۴۰	البخاری	تفسیر القرآن	باب الزخرف: ۱۸	يَنْشَوُا	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، شعبہ، ابو جعفر، یعقوب
۱۴۱	البخاری	تفسیر القرآن	باب الدخان: ۴۷	فَاعْتَلَوْهُ	نافع، ابن کثیر، ابن عامر، یعقوب

بسم الله الرحمن الرحيم



۱۴۲	البخاری	تفسیر القرآن	۴۸۵۲	ق: ۴۰	وَإِدْبَرَ	نافع، ابن کثیر، حمزہ، خلف، ابو جعفر	وَإِدْبَرَ
۱۴۳	البخاری	تفسیر القرآن	باب	الحديد: ۱۳	أَنْظُرُونَا	حمزہ	أَنْظُرُونَا
۱۴۴	البخاری	تفسیر القرآن	باب	المنافقون:	يَحْسِبُونَ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی، یعقوب	يَحْسِبُونَ
۱۴۵	البخاری	تفسیر القرآن	۴۹۱۱	الأحزاب:	إِسْوَةَ	عاصم کے علاوہ تمام قراء	أُسْوَةٌ
			۲۱				
۱۴۶	البخاری	تفسیر القرآن	باب	التحریم: ۵	يُبَدِّلُهُ	نافع، ابو جعفر، ابو عمرو	يُبَدِّلُهُ
۱۴۷	البخاری	تفسیر القرآن	۴۹۱۲	التحریم: ۵	يُبَدِّلُهُ	نافع، ابو جعفر، ابو عمرو	يُبَدِّلُهُ
۱۴۸	البخاری	تفسیر القرآن	۴۹۲۵	المدثر: ۵	وَالرَّجْزَ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، کسائی، حمزہ، شعبہ، خلف	وَالرَّجْزَ
۱۴۹	البخاری	تفسیر القرآن	باب	المدثر: ۵	وَالرَّجْزَ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، کسائی، حمزہ، شعبہ، خلف	وَالرَّجْزَ
۱۵۰	البخاری	تفسیر القرآن	باب	الإنسان: ۴	سَلْسِيْلًا	نافع، ابو جعفر، ہشام، شعبہ، کسائی	سَلْسِيْلًا
۱۵۱	البخاری	تفسیر القرآن	باب	المرسلات:	جِئِلْتُمْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابو جعفر، روح	جِئِلْتُمْ
۱۵۲	البخاری	تفسیر القرآن	باب	المرسلات:	جِئِلْتُمْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابو جعفر، روح	جِئِلْتُمْ
۱۵۳	البخاری	تفسیر القرآن	۴۹۳۳	المرسلات:	جِئِلْتُمْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابو جعفر، روح	جِئِلْتُمْ
۱۵۴	البخاری	تفسیر القرآن	باب	الغاشية:	بِمُصِيطِرٍ	ہشام	بِمُصِيطِرٍ
			۲۲				
۱۵۵	البخاری	تفسیر القرآن	۴۹۵۴	المدثر: ۵	وَالرَّجْزَ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، کسائی، حمزہ، شعبہ، خلف	وَالرَّجْزَ
۱۵۶	البخاری	تفسیر القرآن	باب	المسد: ۴	حَمَالَةً	عاصم کے علاوہ تمام قراء	حَمَالَةً
۱۵۷	البخاری	تفسیر القرآن	۴۹۷۵	الإخلاص:	كُفْوًا	خلف، حمزہ	كُفْوًا
			۳				

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۵۸	بخاری	النکاح	۵۱۱۳	الأحزاب:	تُرْجِيءُ	ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، شعبہ	تُرْجِيءُ
					۵۱		
۱۵۹	بخاری	النکاح	۵۲۰۶	النساء:	يُصَلِّحًا	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو،	يُصَلِّحًا
					۱۲۸	ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	
۱۶۰	بخاری	الأطعمة	باب	مریم: ۲۵	تَسْقَطُ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر،	تَسْقَطُ
						ابو جعفر، کسائی، شعبہ، خلف	
۱۶۱	بخاری	الذبائح والصيد	باب	الأنعام:	فُضِّلَ	ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر	فُضِّلَ
					۱۱۹		
۱۶۲	بخاری	الذبائح والصيد	باب	الأنعام:	حُرِّمَ	ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، حمزہ،	حُرِّمَ
					۱۱۹	کسائی، خلف	
۱۶۳	بخاری	الأدب	باب	الکھف:	تَزَوَّرُ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابو جعفر	تَزَوَّرُ
					۱۷		
۱۶۴	بخاری	الاستئذان	باب	المجادلة:	الْمَجْلِسِ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن	الْمَجْلِسِ
					۱۱	عامر، حمزہ، کسائی، خلف، ابو جعفر،	
						يعقوب	
۱۶۵	بخاری	الاستئذان	باب	المجادلة:	انْشَرُوا	ابن کثیر، ابو عمرو، حمزہ، کسائی،	انْشَرُوا
					۱۱	خلف، يعقوب	
۱۶۶	بخاری	الاستئذان	باب	المجادلة:	فَانْتَشَرُوا	ابن کثیر، ابو عمرو، حمزہ، کسائی،	فَانْتَشَرُوا
					۱۱	خلف، يعقوب	
۱۶۷	بخاری	الرفاق	باب	المؤمنون:	أَيْحَسِبُونَ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی،	أَيْحَسِبُونَ
					۵۵	يعقوب	
۱۶۸	بخاری	الرفاق	الحج: ۲	۶۵۳۰	سَكْرَى	حمزہ، کسائی، خلف	سَكْرَى
					وَمَا هُمْ		وَمَا هُمْ
					بِسَكْرَى		بِسَكْرَى
۱۶۹	بخاری	القدر	باب	الأنبياء: ۹۵	وَجَرَمٌ	شعبہ، حمزہ، کسائی	وَجَرَمٌ
۱۷۰	بخاری	الفرائض	۶۷۳۷	النساء: ۳۳	عُقِدَتْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو،	عُقِدَتْ
						ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	
۱۷۱	بخاری	الفرائض	۶۷۳۷	النساء: ۳۳	عُقِدَتْ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو،	عُقِدَتْ
						ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	

۱۷۲	البخاری	الإكراه	باب الأحقاف:	كُرْهًا	مدنیان، ابن کثیر، ابو عمرو، ہشام	كُرْهًا
				۱۵		
۱۷۳	البخاری	التعبير	باب يوسف: ۴۷	دَابًّا	حفص کے علاوہ تمام قراء	دَابًّا
۱۷۴	البخاری	باب	القيامة: ۱	لَا أُقْسِمُ	ابن کثیر بخذف الالف	لَا أُقْسِمُ
۱۷۵	البخاری	باب	المنفقون: ۴	خُشِبُ	قبل، ابو عمرو، کسائی	خُشِبُ
۱۷۶	البخاری	الأحكام	باب الفتح: ۱۰	عَلَيْهِ	حفص کے علاوہ تمام قراء	عَلَيْهِ
۱۷۷	البخاری	التوحيد	الكهف: ۷۴۷۸	أَنْسَيْنِيْهِ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، کسائی، حمزہ، شعبہ	أَنْسَيْنِيْهِ
۱۷۸	البخاری	التوحيد	الكهف: ۷۴۷۸	نَبَّغِي	مدنیان، بصری، کسائی و صلا، ابن کثیر اور یعقوب و صلاً و وقتاً	نَبَّغِي
۱۷۹	البخاری	التوحيد	باب الحجر: ۸	تَنْزَلُ	نافع، ابن کثیر، ابن عامر، ابو عمرو، ابو جعفر، یعقوب	تَنْزَلُ
۱۸۰	البخاری	التوحيد	باب المائة:	رِسَالَتِيْهِ	نافع، ابو جعفر، ابن عامر، شعبہ، یعقوب	رِسَالَتِيْهِ
۱۸۱	البخاری	التوحيد	باب الأعراف:	أُبْلِغُكُمْ	ابو عمرو	أُبْلِغُكُمْ
				۶۲		
۱۸۲	البخاری	صلاة المسافرين	۸۶۶ محمد: ۱۵	غَيْرِ	حمزہ (وقتاً یا سے بدلتے ہیں)	غَيْرِ
		وقصرها		عَآسِيْنِ		عَآسِيْنِ
۱۸۳	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰ الكهف: ۲۴	نَبَّغِي	مدنیان، ابو عمرو، کسائی و صلاً، ابن کثیر اور یعقوب و صلاً و وقتاً	نَبَّغِي
۱۸۴	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰ الكهف: ۶۶	تُعَلِّمَنِيْ	نافع، ابو عمرو، ابو جعفر (و صلاً)، ابن کثیر اور یعقوب و صلاً و وقتاً	تُعَلِّمَنِيْ
۱۸۵	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰ الكهف: ۷۴	زُكِيَّةٌ	نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، رولس	زُكِيَّةٌ
۱۸۶	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰ الكهف: ۷۷	لَتَتَّخِذَتْ	کلی، ابو عمرو، یعقوب	لَتَتَّخِذَتْ
۱۸۷	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰ الكهف: ۶۴	نَبَّغِي	نافع، ابو جعفر، ابو عمرو، کسائی و صلاً، ابن کثیر اور یعقوب و صلاً و وقتاً	نَبَّغِي
۱۸۸	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰ الكهف: ۶۶	تُعَلِّمَنِيْ	نافع، ابو عمرو، ابو جعفر و صلاً، ابن کثیر اور یعقوب و صلاً و وقتاً	تُعَلِّمَنِيْ

۱۸۹	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰	الكهف: ۷۴	زَكِيَّةٌ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، رويس
۱۹۰	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰	الكهف: ۸۱	يُبْدِلَهُمَا	نافع، ابو جعفر، ابو عمرو
۱۹۱	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰	الكهف: ۷۷	لَتَّخَذَتْ	مكي، ابو عمرو، يعقوب
۱۹۲	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰	الكهف: ۶۳	أَنْسَنِيَهُ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، حمزه، شعيبه
۱۹۳	مسلم	الفضائل	۲۳۸۰	الكهف: ۶۴	نَبَّغِي	نافع، ابو جعفر، ابو عمرو، كسائي، وصلاً ابن كثير اور يعقوب وصلاً ووقفاً
۱۹۴	مسلم	الفضائل	۳۰۲۵	النساء: ۹۴	السَّلَمَ	نافع، ابن عامر، حمزه، خلف، ابو جعفر
۱۹۵	الترمذي	الجمعة عن رسول الله	۶۰۲	محمد: ۱۵	ءَاسِنِي	حمزه (وقفاً ياء سے بدلتے ہیں) ءَاسِنِي
۱۹۶		القراءات عن رسول الله	۲۹۲۷	الفاطحة: ۴	مَلِكٌ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو
۱۹۷	الترمذي	القراءات عن رسول الله	۲۹۲۷	الفاطحة: ۴	مَلِكٌ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو
۱۹۸	الترمذي	القراءات عن رسول الله	۲۹۲۹	المائدة: ۴۵	وَالْعَيْنِ	ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، ابو جعفر
۱۹۹	الترمذي	القراءات عن رسول الله	۲۹۲۹	المائدة: ۴۵	وَالْعَيْنِ	ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، ابو جعفر
۲۰۰	الترمذي	القراءات عن رسول الله	۲۹۳۰	المائدة: ۱۱۲	تَسْتَطِيعُ رَبِّكَ	كسائي
۲۰۱	الترمذي	القراءات عن رسول الله	۲۹۳۱	هود: ۴۶	عَمَلٌ غَيْرٌ	كسائي، يعقوب
۲۰۲	الترمذي	القراءات عن رسول الله	۲۹۳۲	هود: ۴۶	عَمَلٌ غَيْرٌ	كسائي، يعقوب
۲۰۳	الترمذي	القراءات عن رسول الله	۲۹۳۱	المائدة: ۱۱۲	تَسْتَطِيعُ رَبِّكَ	كسائي

## حافظ محمد عمر فاروقی

۲۰۴	الترمذی	القراءات عن رسول الله	۲۹۳۶ الروم: ۵۴	ضَعَفِ نافع، ابن كثير، ابو عمرو، كسائي، ابو جعفر، يعقوب	ضَعَفِ
۲۰۵	أبو داود	الصلاة	۱۱۷۳ الفاتحة: ۲	ملِك نافع، ابن كثير، ابو عمرو	مَلِك
۲۰۶	أبو داود	الصلاة	۱۱۷۳ الفاتحة: ۲	ملِك نافع، ابن كثير، ابو عمرو	مَلِك
۲۰۷	أبو داود	الفرائض	۲۹۲۱ النساء: ۳۳	عَقَدَت نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	عَقَدَت
۲۰۸	أبو داود	الفرائض	۲۹۲۲ النساء: ۳۳	عَقَدَت نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	عَقَدَت
۲۰۹	أبو داود	الفرائض	۲۹۲۳ النساء: ۳۳	عَقَدَت نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	عَقَدَت
۲۱۰	أبو داود	الفرائض	۲۹۲۳ النساء: ۳۳	عَقَدَت نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، ابو جعفر، يعقوب	عَقَدَت
۲۱۱	أبو داود	الحروف والقراءات	۳۹۷۶ المائة: ۴۵	وَالْعَيْنُ ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، ابو جعفر	وَالْعَيْنَ
۲۱۲	أبو داود	الحروف والقراءات	۳۹۷۷ المائة: ۴۵	وَالْعَيْنُ ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، كسائي، ابو جعفر	وَالْعَيْنَ
۲۱۳	أبو داود	الحروف والقراءات	۳۹۷۸ الروم: ۵۴	ضَعَفِ نافع، ابن كثير، ابو عمرو، كسائي، ابو جعفر، يعقوب	ضَعَفِ
۲۱۴	أبو داود	الحروف والقراءات	۳۹۸۰ يونس: ۵۸	فَلْتَفْرَحُوا شامي، ابو جعفر	فَلْيَفْرَحُوا
۲۱۵	أبو داود	الحروف والقراءات	۳۹۸۱ يونس: ۵۸	فَلْتَفْرَحُوا شامي، ابو جعفر	فَلْيَفْرَحُوا
۲۱۶	أبو داود	الحروف والقراءات	۳۹۸۱ يونس: ۵۸	تَجْمَعُونَ شامي، ابو جعفر	يَجْمَعُونَ
۲۱۷	أبو داود	الحروف والقراءات	۳۹۸۲ هود: ۴۶	عَمِلَ كسائي، يعقوب	عَمَلٌ
۲۱۸	أبو داود	الحروف والقراءات	۳۹۸۳ هود: ۴۶	عَمِلَ كسائي، يعقوب	عَمَلٌ

۲۱۹	أبو داود	الحروف والقراءات	۴۰۰۰ الفاتحة: ۴	مَلِك	نافع، ابن كثير، البوعمرى	مَلِك
۲۲۰	أبو داود	الحروف والقراءات	۴۰۰۱ الفاتحة: ۲	مَلِك	نافع، ابن كثير، البوعمرى	مَلِك
۲۲۱	أبو داود	الحروف والقراءات	۴۰۰۴ يوسف: ۲۳	هَيْت	هشام	هَيْت
۲۲۲	أبو داود	الحروف والقراءات	۴۰۰۶ البقرة: ۵۸	تُغْفَرُ	ابن عامر	نُغْفَرُ
۲۲۳	أحمد	مسند العشرة المبشرين بالجنة	۳۱۳ الأعراف: ۱۷۲	ذُرَيْبَتِهِمْ	نافع، البوعمرى، ابن عامر، يعقوب، ابو جعفر	ذُرَيْبَتِهِمْ
۲۲۴	أحمد	مسند المكثرين من الصحابة	۳۷۵۱ آل عمران: ۱۱۵	تُكْفَرُوهُ	نافع	يُكْفَرُوهُ
۲۲۵	أحمد	مسند العشرة المبشرين بالجنة	۱۱۳۴ الأعراف: ۱۷۲	ذُرَيْبَتِهِمْ	نافع، البوعمرى، ابن عامر، يعقوب، ابو جعفر	ذُرَيْبَتِهِمْ
۲۲۶	أحمد	ومن مسند بنى هاشم	۲۲۴۲ مريم: ۸	عَتِيًّا	نافع، ابن كثير، البوعمرى، ابن عامر	عَتِيًّا
۲۲۷	أحمد	ومن مسند بنى هاشم	۲۳۲۸ مريم: ۸	عَتِيًّا	نافع، ابن كثير، البوعمرى، ابن عامر	عَتِيًّا
۲۲۸	أحمد	ومن مسند بنى هاشم	۲۳۲۸ مريم: ۸	عَتِيًّا	نافع، ابن كثير، البوعمرى، ابن عامر	عَتِيًّا
۲۲۹	أحمد	مسند المكثرين من الصحابة	۳۵۹۶ محمد: ۱۵	عَاسِيْنَ	حمزه (وقفاً ياء سے بدلے میں)	عَاسِيْنَ
۲۳۰	أحمد	مسند المكثرين من الصحابة	۴۱۳۱ الأنعام: ۱۵۳	وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي	حمزه، كسائي، خلف	وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي
۲۳۱	أحمد	مسند المكثرين من الصحابة	۵۲۵۰ الروم: ۵۴	مِنْ ضَعْفٍ	نافع، ابن كثير، البوعمرى، ابن عامر	مِنْ ضَعْفٍ
۲۳۲	أحمد	باقى مسند المكثرين	۸۳۷ المائدة: ۱۲	وَالْعَيْنُ	ابن كثير، البوعمرى، ابن عامر، كسائي، ابو جعفر	وَالْعَيْنُ

## حافظ محمد عمر فاروقی

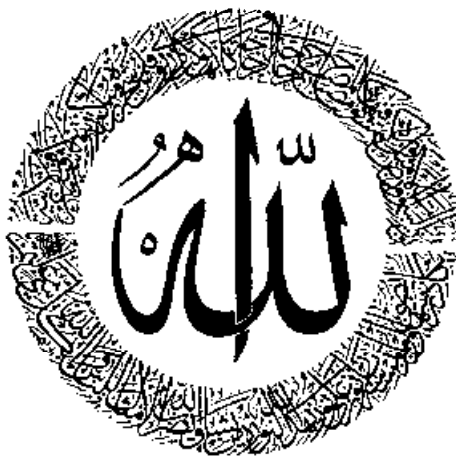
۲۳۳	أحمد	مسند الأنصار	۲۰۷۲۰	الأنبياء:	يُوْحَى	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، حمزه، كسائي، شعبي، يعقوب	نُوْحِي
۲۳۴	أحمد	مسند الأنصار	۲۰۷۲۶	الأعراف:	ذُرِّيَّتِهِمْ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، يعقوب	ذُرِّيَّتِهِمْ
۲۳۵	أحمد	باقى مسند الأنصار	۵۹۷۹	هود: ۴۶:	عَيْرَ	كسائي، يعقوب	عَيْرَ
۲۳۶	أحمد	باقى مسند الأنصار	۲۶۱۹۲	هود: ۴۶:	عَيْرَ	كسائي، يعقوب	عَيْرَ
۲۳۷	أحمد	من مسند القبائل	۲۷۰۳۲	هود: ۴۶:	عَيْرَ	كسائي، يعقوب	عَيْرَ
۲۳۸	أحمد	من مسند القبائل	۲۷۰۳۸	هود: ۴۶:	عَمَلِ	كسائي، يعقوب	عَمَلِ
۲۳۹	أحمد	من مسند القبائل	۲۷۰۵۹	هود: ۴۶:	عَيْرَ	كسائي، يعقوب	عَيْرَ
۲۴۰	مالك	الطلاق	باب المجادلة: ۳:	يطهرون	نافع، ابن كثير، ابو عمرو	يطهرون	يطهرون
۲۴۱	مستدرک	كتاب التفسير	۲۸۸۱	الرعد: ۴:	تُسْفَى	نافع	تُسْفَى
۲۴۲	مستدرک	كتاب التفسير	۲۸۹۶	مريم: ۹۰:	يَنْفَطِرُونَ	حمزه	يَنْفَطِرُونَ
۲۴۳	مستدرک	كتاب التفسير	۳۶۹۷	القمر: ۷:	خُشَعًا	حمزه	خُشَعًا
۲۴۴	مستدرک	كتاب التفسير	۳۷۲۲	الحديد: ۱۶:	تَكُونُوا	رويس	يَكُونُوا
۲۴۵	مستدرک		۲۸۴۸	البقرة: ۴۸:	وَلَا تُقْبَلُ	ابن كثير، ابو عمرو، يعقوب	وَلَا يُقْبَلُ
۲۴۶	مشکل	الأثار	۲۴۳	الكهف: ۷۶:	حُمِيَّةٍ	حمزه	حَمِيَّةٍ
۲۴۷	مشکل	الأثار	۷۷۷	الحجر: ۲۲:	الرِّيحِ	حمزة، خلف	الرِّيحِ
۲۴۸	مشکل	مشکل ماروي في الاثار	۲۶۴۹	الحجرات: ۶:	فَتَشْتَبُوا	حمزه	فَتَشْتَبُوا

أَحْصَنَ	شعبہ، حمزہ، کسائی، خلف	أَحْصَنَ	۳۱۵۰ النساء: ۲۵	مشکل ماروی	مشکل	۲۴۹
				عن رسول الله ﷺ	الأثر	
تَمْسُوهُنَّ	حمزہ، کسائی، خلف	تَمْسُوهُنَّ	۴۶۳۸ البقرة: ۲۳۶	مشکل ماروی	مشکل	۲۵۰
				عن رسول الله ﷺ	الأثر	
يُغَلِّ	نافع، ابن عامر، حمزہ، کسائی، خلف، يعقوب، ابو جعفر	يُغَلِّ	آل عمران: ۱۶۱	باب	مشکل	۲۵۱
					الأثر	
يَصْدُوْنَ	نافع، ابن عامر، کسائی، ابو جعفر، خلف	يَصْدُوْنَ	۸۲۱ الزخرف: ۵۷		مشکل	۲۵۳
					الأثر	
لِنَبِيِّنَهُمْ	حمزہ، کسائی، خلف	لِنَبِيِّنَهُمْ	۲۶۴۹ العنكبوت: ۵۸		مشکل	۲۵۴
					الأثر	
بِضَئِنِ	کئی، بصری، رولیس، کسائی	بِضَئِنِ	۲۴ التکویر: ۵۸		مشکل	۲۵۵
					الأثر	
نَنْسَهَا	ابن کثیر، ابو عمرو	نَنْسَهَا	۱۰۷ البقرة: ۱۰۷		مشکل	۲۵۶
					الأثر	
أَنْصَارَ	نافع، ابو جعفر، ابن کثیر، ابو عمرو	أَنْصَارًا	۲۶۵۳ الصف: ۱۴		مشکل	۲۵۷
اللَّهُ		لِلَّهِ			الأثر	
فَرَقُوا	حمزہ، کسائی	فَرَقُوا	۱۵۸۴ الأنعام: ۱۵۹		مسند	۲۵۸
					ابن جعد	
خَلَقَ	حمزہ، کسائی، خلف	خَلِقُ	۱۲۲۴ النور: ۴۵		مسند	۲۵۹
					ابن جعد	
لَبِثِينَ	حمزہ، روح	لَبِثِينَ	۲۱۵۹ النبأ: ۲۳		مسند	۲۷۰
					ابن جعد	
يَقْقَهُونَ	حمزہ، کسائی، خلف	يَقْقَهُونَ	۷۴۴ الكهف: ۹۳		معجم	۲۷۱
					ابن	
شِقْوَتَنَا	حمزہ، کسائی، خلف	شِقْوَتَنَا	۷۶۲ المؤمنون: ۱۰۶		معجم	۲۷۲
					ابن	
الصَّادِقِينَ	کئی، بصری، شامی	الصَّادِقِينَ	۷۴۳ الكهف: ۹۶		معجم	۲۷۳
					ابن	
					الأعرابي	



حافظ محمد عمر فاروقی

بِمُصْرِحِيَّ	حمزة	إبراهيم: ٢٢	باب الألف	المعجم الأوسط	٢٧٣
نَجْرَةَ	شعبية، حمزة، كسائي، روليس	النزعات: ١١		المعجم الكبير	٣٧٥
		١٢			
الْحَطُونِ	حمزة	الحاقة: ٣٧		شعب الإيمان	٢٧٦
سَدًّا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، شعبية، ابو جعفر، يعقوب	سُدًّا ٩: يس		معجم ابن المقري	٢٧٧
حِفْظًا	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، شعبية، ابو جعفر، يعقوب	يوسف: ٦٤		الأسماء والصفات	٢٧٨
تَفْعَلُونَ	نافع، ابن كثير، ابو عمرو، ابن عامر، شعبية، ابو جعفر، يعقوب	الشورى: ٢٥		اللبيهقي سنن سعيد بن منصور	٢٧٩



☆ عمران اسلم

## مشہور شارحین حدیث کا نظریہ قراءات

علم قراءات وہ جلیل القدر علم ہے جس کے ساتھ تمام فنون کے ماہرین نے ہر دور میں تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ذریعہ تعلق رکھا ہے۔ خاص طور پر اہل الحدیث (محدثین کرام) کا 'اہل القرآن' (قراء عظام) سے یہ مناسبت خصوصی ہے کہ قرآن و سنت دونوں روایت و خبر کے حوالے سے آئندہ زمانوں تک منتقل ہو رہے ہیں اور قراء و محدثین ان کی روایات کا ذریعہ بنے ہیں۔ رشد قراءات نمبر ۳ میں خاص طور پر اس مناسبت کے پیش نظر ہم نے اہل الحدیث کی نمائندگی کیلئے صرف مشہور شارحین کے نظریہ قراءات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس ضمن میں خصوصاً کتب ستہ اور اس کے شارحین کے افکار قراءات پیش نظر ہے۔ اس سلسلہ میں صرف فتح الباری از حافظ ابن حجر، المنہاج شرح صحیح مسلم از امام نووی، عون المعبود از محدث عظیم آبادی اور تفتہ الاحوذی از محدث مبارکپوری پیش نظر ہیں جبکہ سنن ابن ماجہ اور سنن نسائی کی شروحات چونکہ عام طور پر زیادہ معروف نہیں، چنانچہ ان میں پیش کردہ افکار سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

اتمام فائدہ کی غرض سے مشہور محدث اور مفسر حافظ ابوالفداء ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فضائل قرآن سے حدیث سبعہ کے حوالے سے ان کی گزارشات کو بھی ایک مستقل مضمون کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔ تفسیر ابن کثیر کے بعض طبعوں میں اس بحث کو مقدمہ میں خاص طور پر شامل بھی کیا گیا ہے۔ [ادارہ]

### حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ قراءات متواترہ کے بھرپور مؤیدین میں سے ہیں۔ انہوں نے 'فتح الباری شرح صحیح البخاری' میں حدیث سبعہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دیگر علماء کے نقطہ نظر کو بھی بیان کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سمعت هشام بن حکیم یقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله ﷺ فاستمعت لقراءته فإذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرأنيها رسول الله ﷺ فكذت أساوره في الصلاة فانظرت حتى سلم، ثم لبتته بردائه - أو بردائي - فقلت: من أقرأك هذه السورة؟ فقال: أقرأنيها رسول الله ﷺ. فقلت له: كذبت فوالله! أن رسول الله ﷺ أقرأني هذه السورة التي سمعتك تقرأها. فانطلقت أقوده إلى رسول الله ﷺ، فقلت: يا رسول الله! إني سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها وأنت أقرأني سورة الفرقان.

☆ فاضل كلية الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

40

ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

عمران اسلم

فقال رسول الله ﷺ: «أَرْسَلُهُ يَا عُمَرُ! إِفْرَأُ يَا هِشَامُ!». فقراً هذه القراءة التي سمعته يقرؤها. قال رسول الله ﷺ: «هَكَذَا أَنْزَلْتُ»، ثم قال رسول الله ﷺ: «إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ فَافْرَعُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ». [صحیح بخاری: ۲۳۱۹، صحیح مسلم: ۲۷۰، ابوداؤد: ۱۳۷۵، سنن ترمذی: ۲۹۴۳]

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان پڑھتے سنا۔ میں نے جب ان کی قراءت کی طرف کان لگائے تو وہ ایسے بہت سے حروف پر پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر چھپٹ پڑوں، لیکن میں نے انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیر لیا۔ پھر میں نے ان کو ان کی (یا فرمایا اپنی) چادر سے کھینچا اور پوچھا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سورت مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اللہ کی قسم یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے ان کو سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ ہی نے سورۃ الفرقان مجھے پڑھائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا اے ہشام تم پڑھو تو انہوں نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جو آسان ہو وہ پڑھو۔“

أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «أَقْرَأَنِي جَبْرِيلُ عَلَيَّ حَرْفٌ فَرَأَجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ فَبَزَّيْنِي حَتَّى أَنْتَهَيْتُ إِلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ» [صحیح البخاری: ۳۹۹۱]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے جبریل علیہ السلام نے ایک حرف پر قرآن پڑھایا میں نے ان سے تکرار کیا۔ میں ان سے مزید طلب کرتا رہا اور وہ مجھے (اللہ کے حکم سے) مزید دیتے رہے حتیٰ کہ معاملہ سات قراءتوں تک جا پہنچا۔“

مذکورہ بالا احادیث نبویہ صحیح بخاری کی روایات ہیں جن کو امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف جامع صحیح بخاری کی کتاب فضائل قرآن کے باب ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ میں نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ان احادیث نبویہ کی خوب تشریح کی ہے۔ جس کو آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

### حدیث عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شرح

\* أقرأني جبريل علي حرف فراجعتة

صحیح مسلم میں حضرت ابی جبریل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں بار بار جبریل علیہ السلام سے کہتا رہا کہ میری امت پر آسانی کیجئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے ”إن أمتي لا تطيق ذلك“ کہ وہ صرف ایک لہجہ پر قرآن کریم پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مذکور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”فقال لى الملك الذي معي: قل على حرفين ، حتى بلغت سبعة أحرف“

[سنن ابوداؤد: ۱۴۷۷]

”مجھے اس فرشتے نے کہا جو میرے ساتھ تھے، (یعنی حضرت جبریل امین علیہ السلام) کہ اپنی اُمت کو دو حروف پر پڑھنے کا حکم دیجئے۔ حتیٰ کہ وہ سات حروف تک پہنچ گئے۔“

سنن نسائی میں امام نسائی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں: حضرت جبریل امین علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ایک حرف پر قرآن کریم پڑھیے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اس میں اضافہ کروائیے۔ مسند احمد میں بھی حدیث ابی بکرہ انہی الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

### \* ”فلم أزل أستزیده ویزیدنی“ کی شرح

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اُمت قرآن کریم کو دو حروف پر پڑھے۔ پھر تیسری بار آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا اپنی اُمت کو حکم دیجیے کہ وہ قرآن کریم کو تین حروف پر پڑھیں۔ اس کے بعد پھر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اُمت قرآن کریم کو چار حروف پر تلاوت کرے۔ پس تیسری اُمت کے لوگ ان میں سے جس حرف پر بھی پڑھیں گے ان کی قراءت درست ہوگی۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

”علی سبعة أحرف من سبعة أبواب من الجنة“ [طبرانی: ۸۲۱۷]

”کہ قرآن کریم کے سات حروف جنت کے سات ابواب سے ہیں۔“

سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے:

”ثم قال ليس منها إلا شاف كاف إن قلت سمياً عليمياً عزيزاً حكيماً ما لم تختم آية

عذاب برحمة أو آية رحمة بعذاب“ [سنن ابوداؤد: ۱۴۷۷]

”پھر فرمایا: ان میں سے ہر ایک حرف (یعنی ہر ایک قراءت) شافی کافی ہے۔ اگر تو سمیعا، عليمياً، عزيزاً، حكيماً کہے اور جب تک آیت عذاب کو آیت رحمت سے اور آیت رحمت کو آیت عذاب سے غلط نہ کرے۔“

سنن ترمذی میں ایک اور طریق سے یہ روایت منقول ہے۔ جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”يا جبريل إني بعثت إلى أمة أميين ومنهم العجوز والشيخ الكبير والغلام والجارية

والرجل الذي لم يقرأ كتاباً قط .“ [جامع الترمذی: ۲۹۴۳]

”اے جبریل امین علیہ السلام! میں ایسی اُمت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جن میں بوڑھے اور بوڑھیاں، بچے اور بچیاں ہیں اور ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کبھی بھی کتاب نہیں پڑھی۔“

● امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند احمد میں ابوبکرہ کی روایت نقل کی ہے:

”كلها شاف كاف“ ”تمام حروف شافی کافی ہیں۔“ [مسند احمد: ۲۰۴۲۱]

## مذکورہ بالا بحث کا ماحصل

مذکورہ بالا تمام احادیث اس بات کو تقویت دیتی ہیں کہ سب سے سب سے لغات یا سب سے قراءت ہیں۔ یعنی قرآن کریم کا نزول سات لغات یا سات قراءت پر ہوا۔

لفظ احرف، حرف کی جمع ہے۔ جیسے فلس فلس کی جمع ہے۔ اگر احرف سے لغات مراد لی جائیں تو اس کا معنی لغات کی سات وجوہ ہوگا۔ کیونکہ لغت میں حرف کا معنی ”وجہ“ بھی پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ [الحج: ۱۱] اور اگر احرف سے مراد قراءت لی جائیں تو ایسی صورت میں حرف کا اطلاق ’کلمہ‘ پر ہوگا اور یہ اطلاق مجازاً ہوگا۔ کیونکہ حرف کلمے کا جزء ہے یعنی قراءت پورے کلمے اور لفظ کی ہوتی ہے ایک حرف کی نہیں ہوتی۔

## \* دوسری حدیث کی شرح

”فإن رسول الله ﷺ قد أقر أنها“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھایا۔“ اس سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو غلطی اور خطا کا مرتکب قرار دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ آغاز اسلام کے مسلمانوں میں سے تھے اور ان کا اسلام راسخ تھا جبکہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نئے نئے حلقہ گوش اسلام ہوئے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات محسوس کی کہ حضرت ہشام کا ابھی اسلام پختہ نہیں ہے اور ان کی قراءت ابھی اتنی پختہ نہیں ہوگی۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بارے پورا یقین اور ایمان رکھتے تھے کہ جو انہوں نے قراءت کی ہے ایسے ہی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے۔

## سبب اختلاف قراءت عمر و ہشام رضی اللہ عنہما

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سورۃ کو رسول اللہ ﷺ سے بہت دیر پہلے پڑھ اور سیکھ چکے تھے۔ اس کے بعد اس کے خلاف جو کچھ نازل ہوا اسے نہیں سن سکے تھے۔ اور فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو وہ کچھ پڑھایا جو تازہ ترین نازل شدہ تھا۔ یہی وہ سب سے بڑی وجہ اور سبب ہے جس کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت کو اجنبی قرار دینا اور اس کا انکار کرنے میں جلدی کرنا اس بات کا احتمال پیدا کرتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ پہلے نہیں بلکہ اسی موقع پر سنا۔

## \* إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف کی تفصیلی شرح

امام طبری رحمہ اللہ، اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی قراءت سنی تو غصے سے بے قابو ہو گئے اور اس کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ﷺ نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے میں کوئی چیز (یعنی سوسہ) پیدا ہوئی جسے رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرہ

سے پہچان لیا۔ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے پر (اپنا ہاتھ مبارک) مارا اور فرمایا: شیطان عمر سے دور ہو جا۔ آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا:

اے عمر! «القرآن کله صواب، ما لم تجعل رحمة عذابا أو عذابا رحمة».

”قرآن سارے کا سارا ہی درست ہے جب تک آیت عذاب کو آیت رحمت کے ساتھ اور آیت رحمت کو آیت عذاب کے ساتھ خلط نہ کیا جائے۔“

جو واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا اسی طرح کا واقعہ دیگر صحابہ کے درمیان بھی پیش آیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ سورہ نحل کی قراءت میں اختلاف رونما ہوا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور امام طبری رضی اللہ عنہ ابو جہم بن الصمہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

”أن رجلیین اختلفا فی آیة من القرآن کلاهما یزعم أنه تلقاها من رسول الله ﷺ“

[مسند احمد: ۱۷۵۷۷]

”دو آدمیوں کا قرآن کریم کی ایک آیت میں اختلاف ہو گیا۔ ان دونوں کا گمان تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسے پڑھا ہے۔“ پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی پوری حدیث بیان کی۔

● امام طبری رضی اللہ عنہ اور امام طبرانی رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

”جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: أقرأني ابن مسعود سورة أقرأنيها زيد وأقرأنيها أبي بن كعب فاختلقت قراءتهم، فبقراءة أيهم أخذ؟ فسكت رسول الله ﷺ وعليّ إلى جنبه، فقال علي: ليقرأ كل إنسان منكم كما علم فإنه حسن جميل.“ [طبرانی: ۴۹۳۸]

”ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک سورت پڑھائی ہے اور وہی حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھائی ہے تو ان کی قراءت میں اختلاف ہو گیا ہے تو میں کس شخص کی قراءت کے مطابق پڑھوں؟ تو رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے اور آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر انسان کو چاہئے کہ وہ ایسے پڑھے جیسے اسے پڑھایا گیا ہے۔ پس وہی قراءت حسین و جمیل ہوگی۔“

● امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں:

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سورت آل حم پڑھائی۔ میں مسجد کی طرف چلا میں نے ایک آدمی سے کہا۔ اس (سورت) کو پڑھیے تو اس نے وہ حروف پڑھے جو میں نے نہیں پڑھے تھے۔ میں نے اسے کہا: میں نے یہ (سورت) رسول اللہ ﷺ سے پڑھی ہے۔ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”إنما أهلک من کان قبلکم الاختلاف، ثم أسر إلى علي شيتا“

”تم سے پہلے لوگ اختلاف کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔“

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”إن رسول الله ﷺ يأمرکم أن یقرأ کل رجل منکم کما علم“

”رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر آدمی ایسے پڑھے جیسے اسے سکھایا گیا ہے۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

”ہم چلے ہم میں سے ہر آدمی وہ حروف پڑھ رہا تھا جو اس کا ساتھی نہیں پڑھتا تھا۔“ [مسند احمد: ۳۹۸۱]

### \* فاقروا ما تیسر منہ کی شرح

یعنی نازل شدہ قرآن کریم سے جو آسانی سے پڑھ سکو اسے پڑھ لیا کرو۔ اس میں اس کی حکمت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے اور یہ قاری کی آسانی کے لیے ہے۔ یہ اس قول کو مضبوط اور محکم کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ’حرف‘ سے مراد ”تأدیة المعنی باللفظ المرادف“ ”کسی مترادف لفظ سے معنی کا ادا کرنا۔“ اگرچہ وہ ایک ہی لغت سے ہو۔ کیونکہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ دونوں قریشی تھے۔ باوجود اس کے، ان دونوں (حضرت ہشام رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی قراءت میں اختلاف ہو گیا۔

ابو عبید رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں:

”سبعہ آحرف سے مراد لغات کا اختلاف ہے۔ یہ مؤقف ابن عطیہ رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا ہے۔ اس پر تعاقب کرتے

ہوئے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عرب کی لغات تو سات سے کہیں زیادہ ہیں۔“

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ’سبع لغات‘ سے مراد عرب کی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ لغات ہیں۔

ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”نزل القرآن علی سبع لغات“

”قرآن کریم سات لغات میں نازل ہوا ہے۔“

ان میں سے پانچ لغات کا تعلق قبیلہ ہوازن سے ہے اور ہوازن کی شاخوں میں سعد بن بکر، ہشام بن بکر، نصر بن

معاویہ اور قبیلہ ثقیف شامل ہیں۔ گویا یہ تمام قبائل ہوازن سے ہیں اور ان کو علیا ہوازن کہا جاتا ہے۔ اسی لیے تو ابو عمرو

بن العلاء رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

”أفصح العرب علیا ہوازن و سفلی تمیم یعنی بنی دارم۔“ [مقدمہ تفسیر ابن کثیر]

”عرب میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ علیا ہوازن اور سفلی تمیم یعنی بنو دارم کے لوگ ہیں۔“

● ابو عبید رضی اللہ عنہ نے ایک اور طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے:

”نزل القرآن بلغة الکعبین کعب قریش و کعب خزاعة قیل و کیف ذاک؟ قال: لأن الدار

واحدة یعنی أن خزاعة كانوا جيران قریش فسہلت علیہم لغتہم۔“

[الإتقان فی علوم القرآن: فصل فی کیفیت إنزالہ]

”قرآن کریم کعبین یعنی کعب قریش اور کعب خزاعہ کی لغت میں نازل ہوا۔ پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہا کہ ان

کا گھر ایک ہی ہے یعنی خزاعہ والے قریش کے پڑوسی تھے اس لیے قریش کی لغت خزاعہ پر آسان ہو گئی۔“

● ابو حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قرآن کریم قریش، ہذیل، تیم الرباب، ازد، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر کی لغت میں نازل ہوا۔ ابن قتیبہ رضی اللہ عنہ

نے اس کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس کی دلیل دی ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ﴾ [ابراہیم: ۴]  
 ”ہم کسی رسول کو مبعوث نہیں کرتے مگر اس کی قوم کی زبان دے کر۔“

لہذا قرآن فقط قریش کے لغت پر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”نزل القرآن بلغة مضر“ [الإتقان فی علوم القرآن]  
 ”کہ قرآن کریم مضر (قبیلہ) کی لغت میں نازل ہوا ہے۔“

بعض علماء قبائل مضر کو معین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہذیل، کنانہ، قیس، ضبہ، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش قبائل مضر ہیں۔ جن کی طرف سات لغات کی نسبت ہے۔

● ابو شامہ رضی اللہ عنہ نے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے:

”شروع میں قرآن کریم قریش اور فصیح و بلیغ عربی بولنے والے عرب، جو قریش کے پڑوسی تھے، ان کی زبان میں نازل ہوا۔ پھر عربوں کے لیے جائز کر دیا گیا کہ وہ اپنی اپنی لغات میں قرآن کریم کی تلاوت کریں۔ چونکہ ان کے الفاظ اور اعراب میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں سے کوئی تکلف سے کام نہ لے لیتی وہ مشقت کرتے ہوئے اپنی زبان اور لغت سے نکل کر کسی اور کی لغت میں جانے کی کوشش نہ کرے۔“

### خلاصہ

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ اجازت کسی کی اپنی مرضی اور خواہش پر منحصر نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق کلمہ کو لغت میں مترادف لفظ سے بدلتا رہے بلکہ اس کو مانا جائے گا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ حدیث میں ہے: ”أقرأني النبي صلی اللہ علیہ وسلم“ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنا کہ آپ حتیٰ حین، کو لغت ہذیل میں حتیٰ حین، پڑھتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اس سے باز رہیے اور قرآن کو لغت قریش پر پڑھیے، کیونکہ یہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔ اس طرح کا قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

● ابو شامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول ”نزل بلسان قریش“ سے ان کی مراد یہ ہے کہ شروع میں قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر آسانی فرمائی اور ان پر ان کی لغات میں قرآن کریم پڑھنا جائز کر دیا گیا۔“

### کیا قرآن کا کوئی کلمہ سات حروف پر پڑھا جاسکتا ہے؟

● ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”یہ متفق علیہ مؤقف ہے (کہ قرآن کا ہر کلمہ سات وجوہ پر نہیں پڑھا جاتا) بلکہ یہ ناممکن ہے۔ پورے قرآن کریم میں ایک مقام ’عبد الطاغوت‘ کے علاوہ کوئی مقام اور کلمہ بھی سات وجوہ یا سات لغات پر نہیں پڑھا جاتا۔ یہ ایسا کلمہ ہے جو سات وجوہ پر پڑھا جاتا ہے۔ لیکن ابن قتیبہ رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پورے قرآن میں کوئی جملہ اور کوئی کلمہ بھی ایسا نہیں ہے۔“



جبکہ ابن الانباری رضی اللہ عنہ نے ”عبد الطاغوت ، ولا تغفل لهما أف ، وجبریل“ جیسی امثلہ کو پیش کر کے ابن قتیبہ رضی اللہ عنہ کا رد کیا ہے۔

## سبعہ احرف سے مراد

○ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اکثر اہل علم اس چیز کا انکار کرتے ہیں کہ ’احرف‘ سے مراد لغات ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کا قراءت میں اختلاف ہوا تھا حالانکہ ان کی لغت ایک ہی تھی (اگر احرف سے مراد لغات ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) ان (اکثر علماء کرام) کا کہنا ہے کہ اس سے الفاظ مختلفہ کے ساتھ متفق معانی کی سات وجوہ مراد ہیں۔ جیسے اقبل تعال اور ہلم ، کہ ان کے معانی تو متفق ہیں لیکن الفاظ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ابن قتیبہ رضی اللہ عنہ اور دیگر نے سات کے عدد کو وجوہ پر محمول کیا ہے:

- ① حرکات تبدیل ہوں لیکن معنی اور صورت میں تبدیلی نہ آئے مثلاً ﴿وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ﴾ [البقرة: ۲۸۲] کے فتح اور ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔
- ② فعل کے بدلنے سے تبدیلی واقع ہو، جیسا کہ: ﴿بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا﴾ یہ فصل ماضی اور صیغہ طلب دونوں کے ساتھ واقع ہوا ہے۔

③ بعض حروف ہملہ کے لفظوں کا تبدیل ہونا جیسے ہے: ﴿نَنْشُرُهَا﴾ راء اور زاء کے ساتھ۔

④ ابدال حرف کا بدلنا جن کے مخارج قریب قریب ہوں مثلاً ﴿طَلِحَ مَنْضُودٌ﴾ طاء اور عین کے ساتھ۔

- ⑤ تقدیم و تاخیر سے تبدیلی واقع ہونا مثلاً ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ اور زین العابدین رضی اللہ عنہ کی قراءت اس طرح تھی ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ﴾ کمی و بیشی سے تبدیلی واقع ہونا۔ جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى وَالذَّكْرِ وَالْأُنْثَى﴾ یہ کمی کی مثال ہے۔

زیادتی کی مثال: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَرَهْطَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ﴾

- ⑥ مترادفات کا اختلاف مثلاً: ﴿كَالْمَنْفُوشِ﴾ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قراءت اس طرح سے ہے: ﴿كَالْمَنْفُوشِ﴾
- امام ابو الفضل الرازی رضی اللہ عنہ کے وجوہ کی تفصیل:

① اسماء کے واحد، تثنیہ، جمع، مذکر و مؤنث ہونے میں اختلاف۔

② افعال مثلاً ماضی، مضارع اور امر کے بدلنے کا اختلاف۔

③ اعراب کی وجوہ کا اختلاف (حروف کی) کمی، بیشی ہونا۔

⑤ تقدیم و تاخیر کا واقع ہونا۔

② لغات کا اختلاف جیسے کہ فتح، امالہ، ترقیق، تفسخیم، ادغام اور اظہار وغیرہ وغیرہ۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ چیزیں ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی لی گئی ہیں۔

سبعہ اُحرف سے مراد سات وجوہ ہیں، ان سات وجوہ میں سے کسی ایک وجہ پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ مگر اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ قرآن کریم کا ہر کلمہ سات وجوہ سے پڑھا جاسکتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہر ایک کلمہ اور لفظ کی آخری حد سات ہے۔

عام طور پر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے بعض ایسے کلمات ہیں جو سات سے زیادہ وجوہ سے بھی پڑھے جاتے ہیں جبکہ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کے ہر کلمے کی قراءت کی آخری حد سات بتائی ہے۔

③ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لفظ سبعہ آحاد میں کسی چیز کی کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور سبعین کا لفظ عشرات میں کثرت کے لیے مستعمل ہے۔ یعنی سبع مائتہ کا لفظ مئین میں کسی چیز کی کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گویا اس طرح کے عدد سے معین عدد اور محدود تعداد مراد نہیں ہوتی۔ قاضی عیاض اور ان کے اصحاب کا میلان بھی اسی موقف کی طرف ہے۔“

④ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سبعہ اُحرف کے معنی میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ سبعہ اُحرف کے معنی میں ۳۵ اقوال کا ذکر کرتے ہیں۔ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے ان اقوال میں سے اکثر کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن حبان کی صحیح سے ان کی رائے تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن میں ان کے کلام سے واقف نہیں ہو سکا۔

ایک قوم کا یہ موقف ہے کہ سبعہ اُحرف سے مراد کلام کی سات اصناف ہیں اور انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو دلیل بنایا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ ”شروع شروع میں قرآن ایک ہی حرف پر ایک ہی باب سے نازل ہوا پھر قرآن کریم سات ابواب میں، سات حروف پر نازل ہوا۔ وہ سات ابواب یہ ہیں:

① زجر و توجیح ② اوامرو نہی کے احکام ③ حلال ④ حرام ⑤ محکم ⑥ متشابہ ⑦ امثال

اسے امام ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔

⑧ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ حدیث ثابت نہیں ہے، کیونکہ یہ روایت ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔“

مذکورہ حدیث کو امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ لیکن یہ حدیث محل نظر ہے، کیونکہ ابوسلمہ اور ابن مسعود کے درمیان انقطاع واقع ہوا ہے۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے طریق سے امام ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ اور انہوں نے ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مرسل روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مرسل جید ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ حدیث

عمران اسلم

صحیح ہو تو اس کا معنی سات و جوہ ہوگا۔ جن کا ذکر دیگر مختلف احادیث میں ہوا کیونکہ ان احادیث کا سیاق اس چیز کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔

● ابو شامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

یہاں احتمال ہے کہ مذکورہ تفسیر ابواب کی ہونہ کہ احرف کی۔ یعنی یہ کلام کے ابواب میں سے سات ابواب اور اقسام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان اصناف پر قرآن کا نزول کیا ہے اور دوسری کتب کی طرح ایک ہی صنف پر اکتفا نہیں کیا۔

## کیا موجودہ مصاحف سب سے آحرف پر مشتمل ہیں؟

● ابو شامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سلف صالحین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا موجودہ مصاحف سب سے آحرف پر ہیں یا ان میں سے ایک حرف پر؟ امام ابن جریر طبری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ موجودہ مصاحف ایک ہی حرف پر ہیں۔

امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ ابوطاہر بن ابوسمرح سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ میں نے ابن عیینہ رضی اللہ عنہ سے مدینہ والوں اور اہل عراق کی قراءت کے اختلاف کے بارے سوال کیا کہ کیا یہی سات حروف ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ سات حروف مثل اقبل، ہلم اور تعال ہیں کہتے ہیں کہ ابن وہب رضی اللہ عنہ نے مجھے اسی طرح ہی فرمایا۔

## قراءات سب سے آحرف کی شرائط

حافظ ابن جریر عسقلانی رضی اللہ عنہ سب سے آحرف کے بارے طویل بحث کرنے کے بعد امام الکواشی کا قول نقل کرتے ہیں جو شرائط صحت قراءات سب سے آحرف کے حوالے سے ہے۔

● امام الکواشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کل ما صح سندہ واستقام وجهہ فی العربیة ووافق لفظہ خط المصحف الإمام فہو من السبعة المنصوصة فعلى هذا الأصل بنی قبول القراءات عن سبعة كانوا أو سبعة آلاف ومتى فقد شرط من الثلاثة فہو شاذ.“ [فتح الباری: ۳۲۹]

”ہر وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو اور عربی میں کسی ایک وجہ کے مطابق ہو اور اس قراءت کے الفاظ خط مصحف عثمانی کے مطابق اور موافق ہوں۔ جس قراءت میں یہ تین شرائط پائی جائیں خواہ وہ سات سے ہو یا سات ہزار سے ہوں مقبول ہے، اور اگر ان تینوں شرائط میں سے کوئی ایک شرط ساقط ہو جائے تو وہ قراءت شاذ ہوگی۔“

اس قول کے بعد امام ابن جریر عسقلانی رضی اللہ عنہ امام سبکی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں جس میں کافی صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔

● امام سبکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

آپ قراءات شاذہ کے حوالے سے ’شرح المنہاج‘ میں لکھتے ہیں کہ فقہاء کی کثیر تعداد کا یہ کہنا ہے کہ جو قراءات، قراءات سب سے آحرف کے علاوہ ہیں وہ تمام شاذ قراءات ہیں۔ یہ تمام فقہاء سب سے آحرف قراءات کے مشہور ہونے کی وجہ سے اس توہم کا شکار ہوئے ہیں۔

- حقیقت حال یہ ہے کہ جو قراءات، قراءات سبعہ سے خارج ہیں ان کی دو اقسام ہیں:
- ① جو قراءات رسم مصحف عثمانی کے خلاف ہیں وہ قراءات بلا شک و شبہ قرآن نہیں ہیں۔
  - ② ان میں سے وہ قراءات جو رسم مصحف عثمانی کے مطابق ہیں وہ دو قسموں میں منقسم ہیں:
    - ① جو قراءات غریب طریق سے وارد ہوئی ہیں وہ بغیر کسی شک کے قرآن نہیں۔
    - ② وہ قراءات جو ائمہ کے ہاں مشہور ہو چکی ہیں وہ قراءات یعقوب اور قراءات ابو جعفر کی طرح درست ہیں ان قراءات کا کوئی حرج نہیں۔
- اس سلسلہ میں تفصیلی بحث فتح الباری ص ۱۱ تا ص ۳۹ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

### خلاصہ

مندرجہ بالا بحث کے بعد امام ابن حجر رحمہ اللہ کا موقف درج ذیل الفاظ کی صورت میں سامنے آتا ہے:

سبعہ احراف سے مراد سات وجوہ ہیں، ان سات وجوہ میں سے کسی ایک وجہ پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ مگر اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ قرآن کریم کا ہر کلمہ سات وجوہ سے پڑھا جاسکتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہر ایک کلمہ اور لفظ کی آخری حدسات ہے۔

### امام نووی رحمہ اللہ کا موقف

امام نووی رحمہ اللہ قراءات متواترہ کے بھرپور مؤیدین میں سے ہیں۔ انہوں نے المنہاج شرح صحیح مسلم ابن الحجاج، میں حدیث سبعہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس حوالے سے دیگر علماء کے نقطہ نظر کو بھی قلم بند کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

① قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

”سبعہ احراف سے مراد توسع اور تسہیل ہے، حصر مراد نہیں ہے۔ جبکہ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سبعہ کے عدد میں محصور ہے۔“ [المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج: ۳۲۷/۶]

- ② کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے سات معانی مراد ہیں:
- جیسا کہ وعد، وعید، محکم، متشابہ، حلال، حرام، قصص، أمثال، أمر اور نہی وغیرہ۔ [ایضاً: ۳۲۷/۶]
- ③ بعض لوگوں نے رُجحان ظاہر کیا ہے:

”هي أداء التلاوة، وكيفية النطق بكلماتها من إدغام وإظهار، وتفخيم، وترقيق، وإمالة، ومد؛ لأن العرب مختلفة اللغات في هذه الوجوه فيسر الله تعالى عليهم ليقرا كل إنسان بما يوافق لغته، ويسهل على لسانه.“ [ایضاً: ۳۲۷/۶]

”سبعہ احراف آدائے تلاوت اور کلمات کے نطق کی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ ادغام و اظہار، تفخیم، ترقیق، إمالة اور مد وغیرہ۔ چونکہ اہل عرب ان وجوہ میں متعدد لغات کے حامل تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سہولت فرمادی تاکہ ہر انسان باسانی اپنی لغت کے موافق تلاوت کر سکے اور جو اس کی زبان پر سہل ہو۔“

- ④ بعض افراد سبعہ احراف کو الفاظ اور حروف کا نام دیتے ہیں، جبکہ دیگر کا کہنا ہے کہ یہ سات قراءات اور وجوہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

○ ابو عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”یہ عرب کے قبائل یمن اور معد کی سات لغات ہیں اور یہ سب سے زیادہ فصیح اور اعلیٰ لغات ہیں۔ [ایضاً: ۳۳۱/۶: ۳۳۱/۶]

○ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مضر قبیلے کی سات لغات مراد ہیں۔

یاد رہے کہ یہ سات کی سات قرآن کریم میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں کسی ایک کلمہ میں تمام لغات کا وجود نہیں ہے۔

لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بعض قرآنی کلمات جیسا کہ ﴿وَعَبَدَ الطُّغُوتَ﴾ [المائدہ: ۶۰]، ﴿يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ﴾ [یوسف: ۱۳]، ﴿بِعَدُ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ [سبا: ۱۹] اور ﴿بِعَدَابِ بَيْبِيسٍ﴾ [الاعراف: ۱۶۵] میں یہ تمام کی تمام لغات جمع ہیں۔ [ایضاً: ۳۳۱/۶: ۳۳۱/۶]

○ قاضی ابوبکر بن باقلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”الصحيح أن هذه الأحرف السبعة ظهرت واستفاضت عن رسول الله ﷺ، وضبطها عنه الأمة، وأثبتها عثمان والجماعة في المصحف، وأخبروا بصحتها، وإنما حذفوا منها لم يثبت متواترا، وأن هذه الأحرف تختلف معانيها تارة وألفاظها أخرى، وليست متضادة ولا متنافية.“ [ایضاً: ۳۳۱/۶: ۳۳۱/۶]

”صحیح بات یہ ہے کہ موجودہ تمام حروف رسول اللہ ﷺ سے ظاہر اور مشہور ہوئے، آپ ﷺ ہی سے امت نے ضبط کیا، انہی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت نے مصحف میں جمع کیا اور اس کی صحت کی خبر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں سے غیر متواتر کو حذف کر دیا۔ اور یہ حروف بسا اوقات الفاظ اور معانی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور بسا اوقات نہیں ہوتے۔“

○ طحاوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”أن القراءة بالأحرف السبعة كانت في أول الأمر خاصة للضرورة لاختلاف لغة العرب، ومشقة أخذ جميع الطوائف بلغة، فلما كثر الناس والكتاب، وارتفعت الضرورة كانت قراءة واحدة.“ [ایضاً: ۳۳۱/۶: ۳۳۱/۶]

”ابتدائی زمانہ میں احرف سبعہ پر قراءت ایک خاص ضرورت، اہل عرب کی لغات میں اختلاف، کے تحت تھی کیونکہ تمام قبائل کا ایک لغت پر پڑھنا دشوار تھا۔ پھر جب لوگوں کی، اور کاتبین کی تعداد بڑھ گئی اور ضرورت ختم ہو گئی تو پھر ایک قراءت ہی باقی رہ گئی۔“

○ دوادی رضی اللہ عنہ یوں رقمطراز ہیں:

”هذه القراءات السبع التي يقرأ الناس اليوم بها ليس كل حرف منها هو أحد تلك السبعة، بل تكون مفرقة فيها.“ [ایضاً: ۳۳۱/۶: ۳۳۱/۶]

”موجودہ سات قراءت جن کی لوگ تلاوت کرتے ہیں ان میں سے ہر حرف میں سات قراءت موجود نہیں ہیں بلکہ قرآن کریم میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔“

○ ابو عبید اللہ بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”هذه القراءات السبع إنما شرعت من حرف واحد من السبعة المذكورة في الحديث، وهو الذي جمع عثمان عليه مصحف، وهذا ذكره النحاس وغيره.“ [ایضاً: ۳۳۱/۶: ۳۳۱/۶]

”موجودہ سات قراءت جو کہ ایک حرف سے شروع ہوئی ہیں، یہ وہی ہیں جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف میں جمع

کیا اور اسی کا نحاس ﷺ اور دیگر نے تذکرہ کیا ہے۔“  
 علماء کرام کا اس حدیث کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے سات حروف پر نزول سے آسانی اور تسہیل مراد ہے۔ جس کا ثبوت وہ تمام احادیث مبارکہ ہیں جو سرور دو عالم ﷺ کی طرف سے جاری ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: «هَوْنٌ عَلَى أُمَّتِي». ”میری امت پر آسانی کی جائے۔“

### خلاصہ

امام نووی ﷺ کے ہاں سب سے مراد مندرجہ ذیل تشریح ہے جیسا کہ محدث عظیم آبادی نے ’عون المعبود‘ میں بھی اس کی وضاحت کی ہے۔

”ہی أداء التلاوة، وکیفۃ النطق بکلماتها من إدغام وإظهار، وتفخیم، وترقیق، وإماله، ومد؛ لأن العرب مختلفة اللغات في هذه الوجوه فیسر الله تعالى عليهم ليقرا كل إنسان بما یوافق لغته، ویسهل علی لسانه.“ [المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج: ۶/۳۴۰]

”سب سے آسانی اور آسانی کے نطق کی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ ادغام و اظہار، تفخیم، ترقیق، امالہ اور مد وغیرہ۔ چونکہ اہل عرب ان وجوہ میں متعدد لغات کے حامل تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سہولت فرمادی تاکہ ہر انسان آسانی اپنی لغت کے موافق تلاوت کر سکے اور جو اس کی زبان پر سہل ہو۔“

### شمس الحق عظیم آبادی ﷺ

شمس الحق عظیم آبادی ﷺ بھی متنوع قراءات قرآنیہ کو من و عن تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت ان کی کتاب ’عون المعبود شرح سنن أبی داؤد‘ میں موجود وہ تشریح ہے جو انہوں نے سنن أبی داؤد میں موجود احادیث کے ضمن میں پیش کی ہے۔

● حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ۱۲۵] [سنن أبی داؤد: ۳۹۶۲] پڑھا۔

محدث عظیم آبادی بیان کرتے ہیں کہ ذکر کردہ آیت میں موجود لفظ ’وَاتَّخِذُوا‘ میں متعدد قراءات بیان کی گئی ہیں۔ جعفر بن محمد نے صیغہ ’أمر اور مشہور قراءۃ کے مطابق ’وَاتَّخِذُوا‘ پڑھا ہے۔

اس میں ایک قراءت صیغہ ماضی کے ساتھ بھی ہے۔

● سیوطی ﷺ ’الدر المنثور‘ میں فرماتے ہیں:

”أن أصحاب عبد الله كانوا يقرؤون ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ قال أمرهم يتخذوا“  
 ”أصحاب عبد الله ﷺ ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ پڑھتے۔ اور کہتے ہیں کہ مقام إبراہیم کو جائے نماز بنانا أمر تھا۔“

● عبد الملک بن ابی سلیمان روایت کرتے ہیں:

”میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو خاکے کسرہ کے ساتھ ’وَاتَّخِذُوا‘ پڑھتے ہوئے سنا۔ غیث النفع فی القراءات السبع‘ میں ہے کہ نافع رضی اللہ عنہ اور شامی رضی اللہ عنہ نے اسے فعل ماضی کے ساتھ ’وَاتَّخِذُوا‘ پڑھا ہے۔“ [عون المعبود: ۱۱/۸]

● حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

”كان يقرأ ﴿غَيْرُ أُولَى الضَّرِّ﴾ ولم يقل سعيد: كان يقرأ“ [سنن ابی داؤد: ۳۹۶۸]

غیر میں تین حرکات بیان کی گئی ہیں:

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ، حمزہ رحمۃ اللہ علیہ اور عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے رفع کے ساتھ غَیْرُ پڑھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ القاعدون کی صفت ہے اور یہاں پر القاعدون غیر معین ہیں۔  
 نافع رحمۃ اللہ علیہ، ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ اور کسائی رحمۃ اللہ علیہ نصب کے ساتھ غَیْرُ پڑھا ہے۔  
 اور ایک شاذ روایت جر کے ساتھ بھی بیان کی گئی ہے، کیونکہ یہ المؤمنین کی صفت ہے۔ [عون المعبود: ۳۷۱]

○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”رأيت النبي يقرأ «أَيْحَسِبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ» [سنن ابی داؤد: ۳۹۸۸]

تمام نسخوں میں یحسب سے پہلے حرف استفہام ہے۔ لیکن ہم نے کتب تجوید و تفسیر میں اس قراءت کو نہیں پایا بلکہ مشہور قراءت حرف استفہام کے حذف کے ساتھ ہے جیسا کہ منذری کے نسخہ میں ہے۔

○ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الدر المنثور میں رقمطراز ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر سین کے کسرہ کے ساتھ ’يَحْسِبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ‘ پڑھا ہے۔

غیث النفع فی القراءات السبع میں ہے کہ شامی رحمۃ اللہ علیہ، عاصم رحمۃ اللہ علیہ اور حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے سین کے فتح کے ساتھ يَحْسِبُ پڑھا ہے۔

جبکہ باقی قراء نے سین کے کسرہ کے ساتھ يَحْسِبُ پڑھا ہے۔ [عون المعبود: ۱۸۷]

سبعہ احرف سے مراد لغات، قراءات یا مختلف انواع ہیں۔ اور اس کے معنی کی وضاحت میں تقریباً ۴۱ اقوال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے معانی کوئی بھی نہیں جانتا، کیونکہ حرف لغت، کلمہ، معنی اور جہت سب پر صادق آتا ہے۔

علماء کا خیال ہے کہ قراءت قرآنیہ اگرچہ وہ سات سے زائد ہی ہوں ان سے اختلافات کی سات وجوہ مراد ہیں:

① نفس کلمہ میں کمی و زیادتی واقع ہو۔ جیسے ’نَنْشِرُهَا‘ اور ’نَنْشُرُهَا‘ پہلے زامعجمہ کے ساتھ اور دوسرا مہملہ کے ساتھ۔ اور اسی طرح ’نَسَارِعُوا‘ اور ’وَسَارِعُوا‘ سین سے قبل واؤ عاطفہ کے حذف کے ساتھ، اور پھر اس کے اثبات کے ساتھ۔

② واحد اور جمع کی تغیر جیسے ’كُتِبَتْ‘ اور ’كُتِبَتْ‘

③ تذکیر و تانیث کا اختلاف جیسے ’يَكُنْ‘ اور ’تَكُنْ‘

④ صرفی اختلاف، تخفیف و تشدید کا جیسے ’يَكْذِبُونَ‘ اور ’يَكْذِبُونَ‘ اور فتح و کسرہ کا اختلاف جیسے ’يَقْنَطُ‘ اور ’يَقْنِطُ‘

⑤ اعراب کا اختلاف جیسے ’ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ‘ ذال کے رفع اور جر کے ساتھ

⑥ أداة نحو کا اختلاف جیسے ’لَكِنَّ الشَّيْطَانَ لَكِنَّ الشَّيْطَانَ‘ نون کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ

⑦ لغات کا اختلاف جیسے تفخیم اور امالہ وغیرہ

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ان قراءات کا پڑھنا جائز ہے جو رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جس کی دلیل ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ ہے۔ [عون المعبود: ۲۲۳/۴]

● امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں رقمطراز ہیں کہ سب سے متعلق بیان کیے جانے والے اقوال میں سے سب سے زیادہ صحیح اور حدیث کے معنی کے قریب ترین یہ قول ہے:

”سبعة أحرف أداے تلاوت اور کلمات کے نطق کی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ ادغام و اظہار، تفسیم، ترقیق، امالہ اور مد وغیرہ۔ چونکہ اہل عرب ان وجوہ میں متعدد لغات کے حامل تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سہولت فرمادی تاکہ ہر انسان باسانی اپنی لفت کے موافق تلاوت کر سکے اور جو اس کی زبان پر بہل ہو۔“ [المنہاج: ۳۳۱/۲]

● ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لیکن ایسا مطلق طور پر نہیں ہے مثلاً بعض جگہوں پر ادغام جبکہ بعض جگہوں پر اظہار جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دیگر اشیاء کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور لغات کا اختلاف صرف ان وجوہ میں ہی محصور نہیں ہے۔“

[عون المعبود: ۲۲۳/۴]

● ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”سبعة وجوہ سے مراد مختلف الفاظ کے متفق معانی ہیں۔ جیسا کہ أقبل، تعال، عجل، ہلم اور أسمع، پس مترادف الفاظ کا تبادلہ جائز ہے نہ کہ متضاد الفاظ کا۔“

● مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”أنزل القرآن على سبعة أحرف عليما حكيماً غفوراً رحيماً“ [مسند احمد: ۸۴۲۲]

”قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جیسے علیما حکیماً اور غفوراً رحیماً“

● ایک دوسری حدیث میں ہے:

”القرآن كله صواب ما لم يجعل مغفرة عذاباً أو عذاباً مغفرة.“ [مسند احمد: ۱۶۴۱۳]

”قرآن سارے کا سارے کا سارا صحیح ہے جب تک کہ مغفرت کی آیت کو عذاب کے ساتھ اور عذاب والی آیت کو مغفرت والی آیت کے ساتھ نہ بدلا جائے۔“

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآنی آیت ﴿كَلِمًا أَصْنَأَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ﴾ [البقرة: ۲۰] میں مَشَوْا فِيهِ، کی جگہ سَعَوْا فِيهِ، پڑھ لیتے تھے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿انظرونا﴾ کی جگہ پر اَمْهَلُونَا، اور اَخْرُونَا، پڑھتے۔

● ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات بہت بعید ہے، خصوصاً حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے کہ وہ ایسے لفظ کو اپنی طرف سے بدل دیں جس کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت میں اُسے معمول بنایا ہو۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں صحابہ کرام نے یا تو اُسے تفسیر کے طور پر نقل کیا ہے یا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف وجوہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مَشَوْا فِيهِ، اور پھر سَعَوْا فِيهِ، اور ایک جگہ پر ﴿انظرونا﴾ اور کسی اور مقام پر اَمْهَلُونَا، اور اَخْرُونَا، پڑھا ہو۔“

● امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے:



عمران اسلم

”اس میں ان لوگوں کے لیے رخصت ہے جن کے لیے کتابت اور ضبط کے علم سے عدم واقفیت کی بناء پر ایک لفظ پر تلاوت کرنا مشکل ہے۔ اس کے بعد عذر کے زائل ہونے اور حفظ و کتابت میں آسانی کی وجہ سے اسے منسوخ کر دیا گیا۔“ [عون المعبود: ۵/۲۴۴]

● امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حروف سے مراد لغات ہیں۔ یعنی قرآن کریم عرب کی سات لغات میں نازل کیا گیا اور یہ لغات کلام کے اعتبار سے سب سے افضل اور اعلیٰ تھیں۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ لغات قرآن کریم میں متفرق مقامات پر آئی ہیں کسی ایک کلمہ میں جمع نہیں ہیں۔

● قتیبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”لا نعرف في القرآن حرفاً يقرأ على سبعة أحرف.“

”قرآن میں ایک بھی حرف ایسا موجود نہیں ہے جس میں (تمام) سب سے حروف پڑھے جاسکتے ہوں۔“ [أيضاً: ۴/۲۴۴]

● ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ ان کے جواب میں فرماتے ہیں:

”یہ غلط ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ایسے حروف موجود ہیں جن میں سات حروف کی قراءت کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ ﴿وَعَبْدَ الطَّغُوتِ﴾ [المائدة: ۶۰]، ﴿يُرْتَع وَيَلْعَبُ﴾ [يوسف: ۱۲] اور اس کے بعد انہوں نے کئی وجوہ کا تذکرہ کیا ہے گویا کہ انہوں نے ا حروف سب سے والی حدیث کی یہ تاویل پیش کی ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ سات حروف پر نازل ہوا ہے نہ کہ پورے کا پورا قرآن۔“ [أيضاً: ۴/۲۴۵]

● سنہری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا قراءت میں اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکذیب کا نشانہ بناتے ہوئے دیکھا تو انہیں لغت قریش پر جمع کر دیا جس پر سب سے پہلے قرآن کریم نازل ہوا تھا۔“

● امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے:

”المختار أن هذا من المتشابه الذي لا يدرى تأويله، وفيه أكثر من ثلاثين قولاً أوردتها في الإلتقان.“ [أيضاً: ۴/۲۴۵]

”میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ حدیث سب سے ا حروف تشابہات میں سے ہے جس کی تاویل معلوم نہیں ہو سکی، اور اس کی مراد میں تیس سے زیادہ اقوال بیان کیے گئے ہیں جن کو میں نے ’الإلتقان‘ میں ذکر کیا ہے۔“

خلاصہ

مذکورہ بالا تمام بحث سے امام موصوف کا جو موقف سامنے آیا ہے وہ یہ ہے:

”سبع اللغات المشهورة هي: لغة الحجاز والهديل والهوازن واليمن والطي والثقيف وبنی

تميم.“ [أيضاً: ۴/۲۴۵]

”سب سے ا حروف سے سات مشہور لغات حجاز، ہذیل، ہوازن، یمن، طی، ثقیف اور بنی تمیم مراد ہیں۔“

مولانا عبد الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

ثبوت قراءت کے مسئلہ میں علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی سلف صالحین کے متفقہ موقف کے حامل ہیں اور انہوں نے ترمذی کے ابواب القراءت کے ذیل میں احادیث میں مذکور قراءت کی لغوی تشریح بھی فرمائی ہے جس سے ان

کا یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قراءات صرف قراء کی روایات کا ہی نام نہیں بلکہ یہ باقاعدہ اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہیں اور لغت و بیان کے وسیع مروجہ مقابیس پر پوری اترتی ہیں۔ نیز وہ جمیع قراءات کو متواتر اور قرآن تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”کان رسول الله يقطع قراءته يقرأ: الحمد لله رب العالمين . ثم يقف . الرحمن الرحيم . ثم يقف . وكان يقرأها: ملك يوم الدين .“ [جامع الترمذی: ۲۹۲۷، وقال الشيخ الألباني: صحيح]

”رسول اللہ ﷺ قراءت میں انقطاع کرتے تھے۔ آپ ”الحمد لله رب العالمين“ پڑھ کر وقف کرتے، اس کے بعد ”الرحمن الرحيم“ پڑھتے اور وقف کرتے۔ اور ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ پڑھتے تھے۔“

اس حدیث کے ذیل میں علامہ مبارکپوری رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں کہ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بعض قراء نے مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ جبکہ بعض نے الف کے ساتھ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ پڑھا ہے۔ یہ دونوں صحیح اور متواتر قراءتیں ہیں۔

اسی طرح اسے لام کے سکون کے ساتھ مَلِكِ، اور مَلِكِ، بھی پڑھا گیا ہے۔ بعض نے کاف کے اشباع کے ساتھ ”ملکی یوم الدین“ پڑھا ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ کی قراءت منسوب ہے۔ امام زحتری رضی اللہ عنہ نے ”مَلِكِ“ کی قراءت کو ترجیح دی ہے، کیونکہ یہ اہل حرمین کی قراءت ہے۔

● امام بغوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عاصم، کسائی اور یعقوب نے ”مَلِكِ“ جبکہ دیگر قراء نے ”مَلِكِ“ پڑھا ہے۔“ [تحفة الأحوذی: ۱۹۸/۸]

● حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

”أن النبي ﷺ قرأ ”في عين حمئة“ [جامع الترمذی: ۲۹۳۳، وقال الشيخ الألباني: صحيح]

● بغوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ابو جعفر، ابو عامر، حمزہ، کسائی اور ابو بکر نے حمزہ کے بغیر اور ثبوت الف کے ساتھ ”حامیة“ پڑھا ہے۔“

جبکہ بعض نے ثبوت حمزہ اور الف کے بغیر ”حمئة“ پڑھا ہے۔

ابوداؤد میں ”فی عین حمیة“ سے متعلق حضرت ابودر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث ہے:

”میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا اس وقت سورج غروب کے قریب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو یہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”فإنها تغرب في عين حمية“

● ابن جریر رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں:

”والصواب أنهما قراءتان مشهورتان وأيهما قرأ القاريء فهو مصيب .“

”صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں قراءتیں مشہور ہیں، قاری ان میں سے جو بھی پڑھے گا ٹھیک ہوگی۔“

[تحفة الأحوذی: ۱۹۸/۸]

● حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”أنه قرأ على النبي ﷺ: خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ، فقال: مِنْ ضَعْفٍ“

[جامع الترمذی: ۲۹۳۶، قال الشيخ الألبانی: حسن]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ”خَلَفَكُم مِّنْ ضَعْفٍ“ پڑھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضاد کے ضمہ کے ساتھ ’ضُعْفٍ‘ پڑھا۔ ابو داؤد میں عطیہ عوفی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ﷺ اللہ الذی خلقکم مِّنْ ضَعْفٍ“ پڑھا تو آپ نے مجھے ضاد کے ضمہ کے ساتھ ’ضُعْفٍ‘ پڑھایا۔ اور فرمانے لگے کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسی طرح پڑھا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ضمہ کے ساتھ ’ضُعْفٍ‘ پڑھایا۔“

● امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اسے ضمہ اور فتح دونوں طرح پڑھا گیا ہے ضمہ قریش کی جبکہ فتح تمیم کی لغت ہے۔“

● علامہ نسفی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں:

”فتح والی قراءت عاصم اور حمزہ کی ہے اور ان کے علاوہ دیگر تمام قراء ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جبکہ حفص نے دونوں لغات کو اختیار کیا ہے۔“

ان دونوں قراءتوں میں ضمہ والی قراءت زیادہ اقویٰ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہی پڑھائی تھی۔“ [تحفة الأحوذی: ۲۰۷/۸]

● عبدالرحمن مبارکپوری رضی اللہ عنہ سبعا حروف والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”سبعا حروف سے سات و جوہ مراد ہیں اور ان میں سے ہر ایک وجہ پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ہر کلمہ اور جملہ میں سات وجوہ پڑھی جاسکتی ہیں بلکہ اس سے مراد ایک کلمہ میں زیادہ وجوہ کی غایت بیان کرنا ہے، یعنی ایک کلمہ میں زیادہ سے زیادہ سات وجوہ پڑھی جاسکتی ہیں۔“

لیکن اگر کوئی کہے کہ بعض کلمات قرآنی میں سات سے زیادہ وجوہ بھی موجود ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غالب یہی ہے کہ اس قدر زیادتی ثابت نہیں ہے اور اگر ہوگی بھی تو وہ ادا کی کیفیت میں اختلاف کی قبیل سے ہوگی جیسا کہ مد اور امالہ وغیرہ میں ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبعا سے حقیقی عدد نہیں بلکہ تسہیل اور آسانی مراد ہے اور سبعا کے لفظ کا اطلاق صرف اور صرف کثرت کے طور پر ہو رہا ہے۔ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ اور دیگر کا بھی یہی موقف ہے۔“

● قرطبی رضی اللہ عنہ، ابن حبان رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”حرف سبعا کے معنی میں شدید اختلاف کیا گیا ہے اور اس کے متعلق تقریباً ۱۳۵ اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔“

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ اور حافظ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے اپنی کتب میں سبعا حروف سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے شائقین حضرات ان کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ [تحفة الأحوذی: ۲۱۲/۸]

### خلاصہ

علامہ مبارکپوری رضی اللہ عنہ کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سبعا کو ایک خاص متعین عدد کے معنی میں لیتے ہیں نہ کہ اکائیوں میں کثرت کے معنی میں۔ باقی جہاں تک حروف کی تشریح کا تعلق ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ کسی حرف میں اگر زیادہ سے زیادہ وجوہ پائی جاسکتی ہیں تو وہ سات ہیں۔ جس کو بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے:

”أوجه مقروءة لا تزيد عن السبعة“



تبلیغ دین کے لیے مجلس التحقیق الاسلامی کی ایک اور منفرد کاوش

[www.mohaddis.com](http://www.mohaddis.com)

ویب سائٹ کی شاندار کامیابی کے بعد  
ایک قدم اور آگے

[www.kitabosunnat.com](http://www.kitabosunnat.com)

کتاب وسنت ڈاٹ کام

- ✿ اردو زبان میں آن لائن اسلامی لٹریچر پر مبنی سب سے بڑی ویب سائٹ
- ✿ موضوعاتی انڈیکس کے ساتھ ہر موضوع پر جدید علماء کی تصانیف و مضامین
- ✿ کتب اور مضامین کی فری ڈاؤن لوڈنگ کی سہولت
- ✿ شرعی راہنمائی کے لیے آن لائن فتویٰ کی سہولت
- ✿ تلاوت قرآن، نظمیں اور تقاریر و دروس پر مبنی آڈیو، ویڈیو سیکشن
- ✿ مختلف آن لائن اسلامک سافٹ ویئر اور آن لائن لائبریری
- ✿ آن لائن ماہنامہ محدث اور ماہنامہ رشد (مکمل شمارے)

زیر سرپرستی: حافظ عبدالرحمن مدنی (رئیس مجلس التحقیق الاسلامی)

زیر نگرانی: حافظ انس نضر مدنی (انچارج مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور)

حافظ حسن مدنی (مدیر ماہنامہ محدث، لاہور)

ویب ماسٹرز: حافظ اختر علی (انچارج آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ ادارہ ہذا)

[hafi\\_alipk@hotmail.com](mailto:hafi_alipk@hotmail.com), [hfizakhtar2000@yahoo.co.uk](mailto:hfizakhtar2000@yahoo.co.uk)

محمد شاکر (ویب سائٹ ڈیزائنر اینڈ کنٹرولر)

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com), [truemaslak@gmail.com](mailto:truemaslak@gmail.com)

## فضائل القرآن از ابن کثیرؒ میں 'سبعہ احرف' پر مشتمل احادیث

اس میں دورائے نہیں ہیں کہ قرآن کریم کا نزول 'سبعہ احرف' پر ہوا ہے۔ جس کی تائید ان احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے جن سے کتب احادیث و تفسیر بھری پڑی ہیں۔ امام ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر 'تفسیر القرآن العظیم' میں اس سلسلہ میں وارد ہونے والی متعدد احادیث کو یکجا کیا ہے۔ ذیل میں ہم 'تفسیر ابن کثیر' میں سبعہ احرف کے ضمن میں نقل شدہ تمام احادیث کو پیش کرنے کے بعد سبعہ احرف سے متعلق امام موصوف کا موقف واضح کرنے کی سعی کریں گے۔

● حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَيَّ حَرْفٍ فَرَجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَبِزَيْدِي حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ» [صحيح البخاري: ۲۷۰۵]

”مجھے جبریل علیہ السلام نے ایک حرف پر قرآن پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں مزید طلب کرتا رہا اور وہ (قرآن کے حرفوں میں) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حرفوں تک پہنچ گئے۔“

● ابو عبید قاسم بن سلامؒ کے طریق سے ایک روایت:

حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے میرے دل میں اس بات سے زیادہ کھکا کبھی پیدا نہیں ہوا کہ (ایک دفعہ) میں نے ایک آیت تلاوت کی اور دوسرے شخص نے وہی آیت تلاوت کی تو وہ میری قراءت سے مختلف تھی۔ پس میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تو نے یہ رسول اللہ ﷺ سے پڑھی ہے؟ تو اس نے کہا ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے ہی اس طرح پڑھائی ہے۔ پس ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے آئے اور دونوں نے اپنی اپنی قراءت پڑھ کر سنائی۔ آپ ﷺ نے سن کر دونوں کی تائید کی اور فرمایا:

«إِنَّ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ آتِيَانِي فَقَعَدَ جِبْرِيلُ عَن يَمِينِي وَمِيكَائِيلُ عَن بَسَارِي، فَقَالَ جِبْرِيلُ: اقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ، فَقَالَ مِيكَائِيلُ: بَلْ اسْتَزِدُّهُ، حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ وَكُلَّ حَرْفٍ شَافٍ كَافٍ» . [سنن النسائي الكبرى: (۳۲۷۱) حدیث: ۱۰۱۳]

”میرے پاس جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام آئے۔ جبریل علیہ السلام میری دائیں جانب اور میکائیل علیہ السلام بائیں جانب بیٹھ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ ایک حرف پر قرآن کی تلاوت کیجئے۔ میکائیل علیہ السلام کہنے لگے کہ اس پر اضافہ کا مطالبہ کریں۔ حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام سات حرفوں تک جانچنے جن میں سے ہر حرف شافی اور کافی ہے۔“

● ابن جریر طبریؒ کے طریق سے اُبی بن کعبؓ سے ایک روایت یوں منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ» [تفسیر ابن جریر: ۳۲۷۱]

”قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا“

● مسند احمد بن حنبل میں ہے:

”عن أبي بن كعب قال: كنت في المسجد فدخل رجل فقرأ قراءة أنكرتها عليه ثم دخل آخر فقرأ قراءة سوى قراءة صاحبه، فقمنا جميعا، فدخلنا على رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله! إن هذا قرأ قراءة أنكرتها عليه، ثم دخل هذا فقرأ سوى قراءة صاحبه، فقال لهما النبي ﷺ: «أقرأ»، فقرأ، فقال: «أصبتما». فلما قال لهما النبي ﷺ قال: كبر علي ولا إذ كنت في الجاهلية، فلما رأى الذي غشيني ضرب في صدري ففضت عرقا، وكأنا أنظر إلى الله تبارك وتعالى فرقا فقال: «يا أباي! إن ربي تبارك وتعالى أرسل إلي أن أقرأ القرآن علي حرف فرددت إليه أن هو علي أمي، فأرسل إلي أن أقرأه علي حرفين، فرددت إليه أن هو علي أمي، فأرسل إلي أن أقرأه علي سبعه أحرف، ولك بكل ردة مسألة تسألنيها». قال: قلت: «اللهم اغفر لأمي، اللهم اغفر لأمي، وأخرت الثالثة ليوم يربع إلي فيه الخلق حتى إبراهيم عليه السلام». [مسند أحمد بن حنبل: ۲۱۲۵۱]

”حضرت ابي بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہوا اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت سے مختلف ایک اور قراءت پڑھی۔ چنانچہ ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایسی قراءت پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے پہلے کی قراءت کے سوا ایک دوسری قراءت پڑھی۔ اس پر آپ ﷺ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے قراءت کی تو حضور ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے وسوسے آنے لگے کہ جاہلیت میں بھی ایسے خیالات نہیں آئے تھے۔ پس جب رسول اللہ نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر (اپنا ہاتھ) مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہو گیا اور خوف کی حالت میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کو سانس دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے ابا! پروردگار نے میرے پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں دو حرفوں میں پڑھوں، میں نے جواباً پھر درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیے۔ تب اللہ تعالیٰ نے پیغام بھیجا کہ میں سات حرفوں پر پڑھوں۔“

● ابن جریر رضی اللہ عنہ کے طریق سے ابي بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں منقول ہے: رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ وَاحِدٍ، فَقُلْتُ: خَفَّفَ عَنِّي، فَقَالَ: إِقْرَأْ عَلَيَّ حَرْفَيْنِ، فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ رَبِّ! خَفَّفَ عَنِّي، فَأَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَهُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ مِنْ سَبْعَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ كُلِّهَا شَافٍ كَافٍ». [تفسير ابن جرير: ۳۱- (۳۷۸۱)]

”اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حرف پر قرآن کی تلاوت کا حکم دیا۔ میں نے رب سے دعا کی کہ میری امت کے لیے آسانی کی جائے تو رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دو حرفوں پر پڑھو۔ میں نے پھر دعا کی کہ میری امت پر آسانی کی جائے، اس کے بعد مجھے جنت کے سات دروازوں کی طرح سات حروف پر پڑھنے کا حکم ہوا جو کہ سب کا فی اور شافی ہیں۔“

● ابن جریر رضی اللہ عنہ کے طریق سے ابي بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں بھی منقول ہے:

حضرت ابي بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو سورۃ نحل کی مجھ سے مختلف قراءت میں تلاوت کرتے

ہوئے سنا اس کے بعد ایک اور شخص سے اس سے بھی مختلف قراءت سنی تو ہم تینوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں نے ان دونوں کو سورۃ نحل کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے اور ان دونوں کی قراءت اس سے مختلف ہے جو میں نے آپ ﷺ سے پڑھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ان کے پڑھنے پر آپ ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شیطان نے میرے دل میں وسوسہ پیدا کر دیا یہاں تک کہ میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے میری یہ حالت دیکھی تو میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

«اللَّهُمَّ احْسِبِي الشَّيْطَانَ عَنْهُ، يَا أَبِي، أَتَانِي آتٍ مِنْ رَبِّي فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ وَاحِدٍ، فَقُلْتُ: رَبِّ! خَفَّفْ عَنِّي، ثُمَّ أَتَانِي الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفَيْنِ. فَقُلْتُ: رَبِّ! خَفَّفْ عَنِّي، ثُمَّ أَتَانِي الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: مِثْلُ ذَلِكَ، وَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ أَتَانِي الرَّابِعَةَ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ». [صحيح مسلم: ۸۲۳]

”اے اللہ! اُبی سے شیطان کو دور کر دے۔ پھر فرمایا: اے اُبی! اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری طرف ایک آنے والا آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن کریم ایک حرف پر پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، میں نے کہا: اے اللہ! میری اُمت پر آسانی فرمائیے۔ پھر وہ دوسری مرتبہ آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو دو حرفوں پر پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ! میری اُمت پر آسانی فرمائیے۔ پھر وہ تیسری مرتبہ آیا اور اسی طرح کہا میں نے بھی ویسے ہی درخواست کی۔ پھر وہ چوتھی مرتبہ آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو سات حروف پر قرآن پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔“

● عن أبي بن كعب أن النبي ﷺ كان عند أضاة بنى غفار، فأتاه جبريل، فقال: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ». قال: «أَسْأَلُ اللَّهَ مَعْفَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تَطِيقُ ذَلِكَ»، ثم أتاه الثانية، فقال: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفَيْنِ». فقال: «أَسْأَلُ اللَّهَ مَعْفَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ وَإِنَّ أُمَّتِي لَا تَطِيقُ ذَلِكَ». ثم جاءه الرابعة. فقال: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ، فَأَيَّمَا حَرْفٍ قَرَأْتَهُ عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوا». [صحيح مسلم: ۸۲۱]

”حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ بنی غفار کے تالاب کے پاس موجود تھے کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ ﷺ کے لئے حکم خداوندی ہے کہ اپنی اُمت کو ایک لہجہ پر قرآن مجید پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ سے معافی و مغفرت کا طلب گار ہوں، میری اُمت ایک لہجہ پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام دوسری مرتبہ تشریف لائے اور کہا آپ اپنی اُمت کو دو لہجات پر پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی بات دہرائی۔ جبریل علیہ السلام تیسری مرتبہ تشریف لائے اور کہا کہ آپ کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ تین لہجات پر پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی بات دہرائی۔ جبریل علیہ السلام چوتھی مرتبہ آئے اور کہا کہ آپ اپنی اُمت کو سات لہجات میں پڑھائیے۔ ان میں سے جس کے مطابق پڑھیں گے دستی کو پالیں گے۔“

صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں شعبہ کے طریق سے ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

○ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

«يَا أُبَيُّ! إِنِّي أَقْرَأْتُ الْقُرْآنَ فَبَقِيَ لِي: عَلِيٌّ حَرْفٌ أَوْ حَرْفَيْنِ؟ فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِي مَعِيَ: قُلْ: عَلِيٌّ حَرْفَيْنِ. قُلْتُ: عَلِيٌّ حَرْفَيْنِ. فَبَقِيَ لِي: عَلِيٌّ حَرْفَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً؟ فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِي مَعِيَ: قُلْ عَلِيٌّ ثَلَاثَةً. قُلْتُ عَلِيٌّ ثَلَاثَةً. حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ ثُمَّ قَالَ: لَيْسَ مِنْهَا إِلَّا شَافٍ كَافٌ، إِنْ قُلْتَ: سَمِيعًا عَلِيمًا، عَزِيزًا حَكِيمًا، مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ أَوْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ». [صحيح مسلم: ۸۲۰]

”اے اُبی! میں تلاوت قرآن کر رہا تھا کہ مجھ سے کہا گیا ایک حرف پر یا دو حرفوں پر؟ میرے ساتھ موجود فرشتے نے کہا: آپ کہیں کہ دو حرفوں پر، پس میں نے کہا: دو حرفوں پر۔ پھر مجھ سے دریافت کیا گیا دو حرفوں پر یا تین حرفوں پر؟ میرے ساتھ موجود فرشتے نے کہا کہ آپ کہیں تین حرفوں پر۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف پر جا پہنچا۔ پھر کہا گیا: ان میں سے ہر حرف کافی و ثنائی ہے۔ آپ سمیعا علیما پڑھیں یا عزیزا حکیمًا۔ اور عذاب والی آیت کو رحمت والی آیت کے ساتھ یا رحمت والی کو عذاب والی کے ساتھ خلط نہ کریں۔

○ مسند احمد میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جبریل علیہ السلام سے مرآ کے پتھروں کے قریب ملے تو آپ نے ان سے فرمایا:

«إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيئِينَ فِيهِمُ الشَّيْخُ الْفَانِي، وَالْعَجُوزُ الْكَبِيرَةُ، وَالْغُلَامُ» قَالَ: «فَمَرَهُمْ فَلْيَقْرَؤُوا الْقُرْآنَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ». [مسند أحمد: (۱۳۲/۵)، ۲۱۲۸۳، ۲۱۲۸۵]

”میں ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جس میں بوڑھے، کمزور اور غلام لوگ ہیں۔ پس جبریل علیہ السلام کہنے لگے: ان کو حکم دیجیے کہ وہ سات حروف میں قرآن کی تلاوت کر لیں۔“

○ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقِيتُ جَبْرِيْلَ عِنْدَ أَحْجَارِ الْمِرَاءِ، فَقُلْتُ: يَا جَبْرِيْلُ! إِنِّي أُرْسِلْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيَةِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ، وَالْغُلَامِ، وَالْجَارِيَةِ، وَالشَّيْخِ الْفَانِي الَّذِي لَا يَقْرَأُ كِتَابًا قَطُّ». فقال: «إِنَّ الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ». [مسند أحمد: ۴۰۰/۵]

”میں جبریل علیہ السلام سے مرآ کے پتھروں کے پاس ملا، میں نے کہا: اے جبریل! میں ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جس میں عورتیں، بچے، غلام، لونڈیاں، بوڑھے اور ایسے لوگ ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا: بے شک قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔“

○ مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مذکور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جبریل علیہ السلام سے مرآ کے پتھروں کے پاس ملے پس وہ کہنے لگے: «إِنَّ أُمَّتَكَ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ، فَمَنْ قَرَأَ مِنْهُمْ عَلَيَّ حَرْفٍ فَلْيَقْرَأْ كَمَا عَلِمَ، وَلَا يَرْجِعْ عَنْهُ». [مسند الإمام أحمد: ۳۸۵/۵]

○ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«آتَانِي مَلَكَانِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ: أَقْرِءْهُ. قَالَ: عَلَيَّ كَمْ؟ قَالَ: عَلَيَّ حَرْفٍ. قَالَ:



زِدَّهُ، قَالَ: حَتَّى بَلَغَ إِلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ». [مسند الإمام أحمد: ۱۳۵/۵]  
 ”میرے پاس دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا: انہیں پڑھائیے، دوسرے نے کہا: کتنے حروف پر؟ اس نے کہا: ایک حرف پر۔ دوسرے نے مزید کا مطالبہ کیا یہاں تک کہ معاملہ سب سے آٹھ تک پہنچ گیا۔“  
 ◎ اسی طرح سنن نسائی میں بھی سلیمان بن صدوک کی یہی روایت الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔  
 [سنن النسائي الكبرى: ۱۰۵۰۶]

◎ تفسیر ابن جریر میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں مذکور ہے۔  
 اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ میں نے ایک شخص کی قراءت سنی، میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ یہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی ہے۔ پس ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہی قراءت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تو اس اس طرح پڑھائی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قراءت کی بھی تحسین فرمائی۔ پھر میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

”اللَّهُمَّ اذْهَبْ عَنْ أَبِي الشَّكَّ.“ ”اے اللہ! اُبی سے شک کو دور کر دے۔“

حضرت اُبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پسینے میں شرابور ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 «إِنَّ مَلَكَيْنِ أَتَيَانِي، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: إِقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ، وَقَالَ الْآخَرُ: زِدْهُ. فَقُلْتُ: زِدْنِي. فَقَالَ: إِقْرَأْ عَلَيَّ حَرْفَيْنِ، حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ، فَقَالَ: إِقْرَأْهُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ.»

”میرے پاس دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک نے کہا: قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھئے، اور دوسرے نے کہا: اس میں زیادتی کروائیے۔ میں نے کہا اس سے زیادہ کیا جائے۔ تو پہلے نے کہا: دو حرفوں پر پڑھیے۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا۔ تو اس (فرشتے) نے کہا: سات حروف پر تلاوت فرمائیے۔“

◎ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 «أَتَانِي جَبْرِيْلٌ وَمِيكَائِيلُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَ جَبْرِيْلُ: إِقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ وَاحِدٍ، فَقَالَ مِيكَائِيلُ: اسْتَزِدْهُ، قَالَ: إِقْرَأْهُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ، كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ، مَا لَمْ تَحْتَمِ آيَةَ رَحْمَةٍ بَعْدَ آيَةٍ أَوْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ». [مسند أحمد: ۳۱۵/۵]  
 ”جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام میرے پاس آئے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھئے، میکائیل علیہ السلام نے فرمایا: اس میں زیادتی کروائیے۔ تو (جبریل علیہ السلام) نے کہا: سات حروف پر پڑھئے۔ ان میں سے ہر ایک ثانی کافی ہے تا وقتیکہ آپ عذاب کی آیت رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کر دیں۔“

◎ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«انزَلَ الْقُرْآنُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ» [مسند أحمد: ۱۱۳/۵]

”قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔“

◎ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ، الْمَرْءُ فِي الْقُرْآنِ كَفْرٌ - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ

فَاعْمَلُوا وَمَا جَهَلْتُمْ مِنْهُ فَرُدُّوهُ إِلَىٰ عَالِمِهِ» . [مسند أحمد: (۲/۳۰۰) ۷۹۷۶]

”قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا، اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ یہ الفاظ آپ نے تین بار ارشاد فرمائے۔ اس میں سے جس چیز کا تم کو علم ہو جائے اس پر عمل کرو۔ اور جس سے تم نااہل ہو اس کو عالم کی طرف لوٹا دو۔“

● ام ایوب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُنزِلَ الْقُرْآنُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ ، أَيُّهَا قَرَأْتُ أَجْزَأَكَ» . [مسند أحمد: ۲۷۵۵۰]

”قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، تم جس پر بھی پڑھو گے کفایت کر جائے گا۔“

● حضرت ابی جہیم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت

حضرت ابو جہیم رضی اللہ عنہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک قرآنی آیت میں اختلاف ہو گیا، دونوں کا خیال تھا کہ انہوں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہے، لہذا وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ ، فَلَا تَمَارَوْا بِالْقُرْآنِ فَإِنَّ مِرَاءً فِيهِ كُفْرٌ» .

[فضائل القرآن: ۳۳۷]

”یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، تم اس میں جھگڑا مت کرو، بے شک قرآن کریم میں جھگڑنا کفر ہے۔“

● مسند احمد میں ابو جہیم رضی اللہ عنہ کی یہی روایت کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یوں بیان کی گئی ہے:

دو آدمیوں کا قرآن کریم کی آیت میں اختلاف ہو گیا۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا ہے۔ دونوں نے جب آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْقُرْآنُ يَقْرَأُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ ، فَلَا تَمَارَوْا فِي الْقُرْآنِ ، فَإِنَّ مِرَاءً فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ»

[مسند أحمد: ۴/۱۶۹]

”قرآن کریم کو سات حروف پر پڑھا جا سکتا ہے، پس تم قرآن میں جھگڑا مت کرو، کیونکہ اس میں جھگڑنا کفر ہے۔“

● حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں کا قرآن کریم کی ایک قراءت میں اختلاف ہو گیا۔ اور دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہم نے یہ رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا ہے۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ ، فَأَيُّ ذَلِكَ قَرَأْتُمْ أَحْسَنْتُمْ ، فَلَا تَمَارَوْا فِيهِ ،

فَإِنَّ الْمِرَاءَ فِيهِ كُفْرٌ» . [مسند أحمد: ۴/۲۰۵]

”بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس تم (ان میں سے) جو قراءت بھی کرو گے درست ہوگی، قرآن کریم میں جھگڑا مت کرو کیونکہ اس میں جھگڑنا کفر ہے۔“

● مسند احمد میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ والی یہی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے لیکن اس کے اخیر میں

یہ الفاظ ہیں: «فَإِنَّ الْمِرَاءَ فِيهِ كُفْرٌ أَوْ آيَةُ الْكُفْرِ» . [مسند أحمد: ۴/۲۰۵]

”اس میں جھگڑنا کفر ہے یا کفر کی ایک نشانی ہے۔“

● حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«كَانَ الْكِتَابُ الْأَوَّلُ نَزَلَ مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ عَلَيَّ حَرْفٍ وَاحِدٍ، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ مِنْ سَبْعَةِ أَبْوَابٍ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ: زَايِرٌ وَأَمْرٌ وَحَلَالٌ وَحَرَامٌ وَمُحَكَّمٌ وَمُتَشَابِهٌ وَأَمْثَالٌ، فَاجْلُوا حَلَالَهُ، وَحَرِّمُوا حَرَامَهُ، وَأَفْعَلُوا مَا أَمَرْتُمْ، وَأَنْتَهُوا عَمَّا نَهَيْتُمْ عَنْهُ، وَاعْتَبِرُوا بِأَمْثَالِهِ، وَاعْمَلُوا بِمُحَكَّمِهِ، وَأَمِنُوا بِمُتَشَابِهِهِ، وَقُولُوا: ﴿ءَامَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾.»

[المستدرک علی الصحیحین: ۳۱۷/۲]

”پہلی کتاب ایک طریق پر اور ایک ہی حرف پر نازل ہوئی تھی، جبکہ قرآن کریم سات طرق سے، سات حروف پر اس طرح نازل ہوا ہے کہ اس میں امر و نہی اور حلال و حرام اور محکم و متشابہ اور امثال ہیں۔ لہذا تم اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال جانو اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔ قرآن جو تمہیں حکم دیتا ہے وہی بجا لاؤ اور جس سے روکتا ہے اس سے اجتناب کرو اور اس کی دی ہوئی مثالوں سے عبرت پکڑو۔ قرآن کے محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ اور اس امر کا اقرار کرو کہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور ہم اسی پر ایمان لائے۔“

### سبعہ اُحرف سے مراد

● ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سبعہ اُحرف سے متعلق تمام احادیث تواتر کے ساتھ منقول ہیں، سوائے ایک حدیث، جو کہ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَيَّ ثَلَاثَةَ أَحْرَفٍ». [فضائل القرآن: جس ۳۳۹، رواہ أحمد من طریق عفان: ۲۰۳۱۱]

”قرآن تین حروف پر نازل کیا گیا ہے۔“

● ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مشہور اور صحیح روایت سبعہ والی ہے۔ لیکن سبعہ کا قطعی مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک حرف سات وجوہ میں پڑھا جائے، جس کی مثال ناپید ہے۔“

ہمارے نزدیک سبعہ اُحرف سے مراد یہ ہے کہ لغات عرب میں سے سات متفرق لغات پورے قرآن میں نازل کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک حرف ایک قبیلے کی لغت پر، دوسرا حرف پہلے سے مختلف دوسرے قبیلے کی لغت پر اور تیسرا ان دونوں سے مختلف کسی اور قبیلے کی لغت پر مشتمل ہے۔ بقیہ چار حروف کا معاملہ بھی اسی طرح ہے اور ان میں سے بعض لغات پر قرآن کا زیادہ حصہ مشتمل ہے جبکہ بعض پر کم۔

کلبی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَيَّ سَبْعَ لُغَاتٍ، مِنْهَا خَمْسٌ بِلُغَةِ الْعَجْزِ مِنْ هَوَازَنَ»

”قرآن کریم سات لغات پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے پانچ ہوازن میں سے عجز کی ہیں۔“

[فضائل القرآن: جس ۳۳۰، إسناده ضعيف جدا من أجل الكلبي]

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مزید رقمطراز ہیں: عجز میں بنو أسعد بن بکر، جشم بن بکر، نصر بن معاویہ اور ثقیف شامل ہیں، جو کہ علیا ہوازن ہیں۔ ان کے بارے میں ابو عمرو بن العلاء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

تفسیر ابن کثیر میں 'سبعہ' حرف پر مشتمل احادیث

”أفصح العرب عليا هوازن وسفلى تميم يعني بني دارم“  
”سب سے زیادہ فصیح علیا ہوازن اور سفلی تیم یعنی بنی دارم ہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لا يملى في مصاحفنا إلا غلمان قريش أو ثقيف“ [مقدمہ تفسیر ابن کثیر]

ابن جریر رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ یہ دو لغتیں قریش اور خزاعہ ہیں۔ [تفسیر ابن جریر: ۶۱۸]

قتادہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، لیکن ان کی لقاء ثابت نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے متعلق ایک شعر پڑھا۔

یعنی انہوں نے شعر کو قرآن کی تفسیر کے طور پر پیش کیا۔

ہشیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت ﴿وَالْيَلِ وَمَا وَسَقَ﴾ [الإنشاق: ۱۷] تلاوت کی اور اس کے

ساتھ یہ شعر پڑھا:

أَنْ لَا قَلَائِصًا حَقَائِقًا مَسْتَوْسِقَاتٍ لَوْ يَجِدُن سَائِقًا

ایک مقام پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾ [النازعات: ۱۴] کے بارے میں

فرمایا اس سے مراد زمین ہے اور اس کے بعد اُمیہ بن اَبی صلت کا یہ قول نقل کیا:

”عندهم لحم بحر ولحم ساهرة“ [فضائل قرآن: ۳۳۴]

”ان کے پاس سمندر اور زمین (خشکی) کا جانور ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں آیت ﴿فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [الانعام: ۱۴] کا معنی نہیں جانتا تھا

یہاں تک کہ میں نے دو اعرابوں کو ایک کنویں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے سنا، جن میں سے ایک کہہ رہا تھا

’أنا فطرتها‘ یعنی میں نے اس کی ابتدا کی ہے۔ [فضائل قرآن: ۳۳۵]

ابن جریر طبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم عرب کی تمام لغات کی بجائے چند لغات پر نازل کیا گیا۔ جبکہ

معلوم ہے کہ عرب میں لغات سات سے زیادہ رائج ہیں۔ امام صاحب سے دریافت کیا گیا کہ سبعہ اَحرف سے متعلق

آپ نے جو قول اختیار کیا ہے یہ ان اقوال سے مطابقت نہیں رکھتا جن میں کہا گیا ہے کہ سبعہ اَحرف سے مراد امر و

زجر، ترغیب و ترہیب، قصص و مثل اور اس سے ملتے جلتے دیگر اقوال ہیں جبکہ ان کے اختیار کرنے والوں میں آمنہ

سلف اور امت کے بہترین لوگ شامل ہیں۔ طبری رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر ان لوگوں نے سبعہ اَحرف

کے ذیل میں یہ اقوال اختیار کیے ہوتے تو پھر تو یہ ہمارے قول کے مخالف ہوتے، جبکہ انہوں نے سبعہ اَحرف سے

سات وجوہ مراد لی ہیں اور انہوں نے جو امر و زجر کے اقوال اختیار کیے ہیں وہ دراصل اس حدیث کے ذیل میں ہیں

جس میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کو جنت کے سات دروازوں سے نازل کیا گیا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما

روایت کرتے ہیں:

”إن القرآن نزل من سبعة أبواب الجنة.“ [طبري: ۱/۴۷۱]

”بے شک قرآن کریم جنت کے سات دروازوں میں سے نازل کیا گیا ہے۔“

ابن جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت کے سات دروازے دراصل امر نہی، ترغیب و ترہیب اور قصص و مثل کے

عمران اسلم

معانی پر مشتمل ہیں، جب انسان ان کے اوامر و انواہی پر عمل پیرا ہوگا تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔  
اب اس کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے:

بے شک شارح نے امت کو سبوعہ اُحرف پر تلاوت کی اجازت مرحمت فرمائی ہے پھر جب امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا قراءت میں اختلاف ملاحظہ کیا جس سے کلمات کے منتشر ہونے کا شدید خدشہ پیدا ہو گیا تھا، تو انہوں نے تمام لوگوں کو ایک حرف پر جمع کر دیا اور امت نے اطاعت کے ذریعے آپ کی توثیق کی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام رشد و ہدایت کے ساتھ سرانجام دیا ہے، چنانچہ تمام لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں بقیہ چھ حروف کی قراءت ترک کر دی یہاں تک کہ امت میں ان حروف کی معرفت مٹ گئی اور ان کے آثار مفقود ہو گئے۔ تو اب کسی کے لیے کوئی رونا نہیں ہے کہ وہ ان حروف پر مشتمل قراءت کرے۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ اجازت کس نے دی تھی کہ وہ ایسی قراءت کو ترک کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہو اور اس کے پڑھنے کا حکم بھی جاری کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرض یا وجوب کے طور پر نہیں تھا بلکہ رخصت اور اباحت پر محمول تھا، کیونکہ اگر ان تمام حروف کی قراءت واجب ہوتی تو ان میں سے ہر حرف کا علم بھی لازم ہوتا اور اس طرح کا کوئی بھی عذر ختم ہو جاتا اور قراءت کے بارے میں شک زائل ہو جاتا۔ ان حروف کے ترک کرنے سے یہ دلیل واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ قراءت میں اختیار دیا گیا تھا۔ البتہ جو اختلاف، قراءت میں کسی حرف کے رفع، نصب، جر، سکون، حرکت اور ایک حرف کی جگہ پر دوسرے حرف کی صورت میں ہے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: «أَمَرْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ» کے ذیل میں ہے، کیونکہ ایک قول کے مطابق اس طرح کا اختلاف کفر نہیں ہے۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کے مطابق سبوعہ اُحرف میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ [تفسیر ابن جریر: ۳۹۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاستمعت لقراءته فإذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرأها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فكذت أساوره في الصلاة فانتظرت حتى سلم، ثم لبيتته بردائه - أو بردائي - فقلت: من أقرأك هذه السورة؟ فقال: أقرأنيها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم. فقلت له: كذبت فوالله! أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أقراني هذه السورة التي سمعتك تقرأها. فانطلقت أقوده إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، فقلت: يا رسول الله! إنني سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها وأنت أقرأني سورة الفرقان. فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: «أرسلنا يا عمر! أقرأ يا هشام!». فقرأ هذه القراءة التي سمعته يقرأها. قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: «هكذا أنزلت»، ثم قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: «إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فأقرءوا ما تيسر منه».

اس حدیث کو صحیح بخاری [۲۳۱۹]، صحیح مسلم [۲۷۰]، ابوداؤد [۱۴۷۵]، سنن ترمذی [۲۹۴۳] میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان پڑھتے سنا۔ میں نے جب ان کی قراءت کی طرف کان لگائے تو وہ ایسے بہت سے حروف پر پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر چھٹ پڑوں، لیکن میں نے انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیر لیا۔ پھر میں نے ان کو ان کی (یا فرمایا اپنی) چادر سے کھینچا اور پوچھا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی

؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سورت مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اللہ کی قسم یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے ان کو سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ ہی نے سورۃ الفرقان مجھے پڑھائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا اے ہشام تم پڑھو تو انہوں نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جو آسان ہو وہ پڑھو۔“

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے پاس قراءت کی تو آپ پر کچھ تغیرات کے ساتھ پڑھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کہ میں نے جب نبی اکرم ﷺ پر قراءت کی تو آپ ﷺ نے تو مجھے یہ تغیرات نہ بتلائے۔ راوی کہتے ہیں کہ دونوں نبی اکرم ﷺ کے پاس جھگڑا کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ اس شخص نے نبی کریم ﷺ کے سامنے قراءت کی تو آپ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں کچھ کھلنے لگا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عُمَرُ! إِنَّ الْقُرْآنَ كُلَّهُ صَوَابٌ، مَا لَمْ يُجْعَلْ مَغْفِرَةً عَذَابًا أَوْ عَذَابًا مَغْفِرَةً» . [۱۲۴۱۸]

”قرآن (میں) یہ سب عین صواب ہے، جب تک کہ تو رحمت کو عذاب اور عذاب کو رحمت سے نہ تبدیل کرے۔“  
 علماء کے مابین احرف سبعہ کے مفہوم کی تعیین میں شدید اختلاف وقوع پذیر ہوا ہے۔ احرف سبعہ کے مفہوم سے متعلق ابو حاتم محمد بن حبان نے تقریباً ۳۵/۱ احوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے پانچ احوال پیش خدمت ہیں:

① سبعہ احرف سے الفاظ مختلفہ کے ساتھ متقارب معانی کی سات وجوہ مراد ہیں۔

جیسا کہ اقبل، تعال اور ہلم وغیرہ۔ اس قول کو اختیار کرنے والے عبداللہ بن وہب، ابو جعفر ابن جریر اور طحاوی رحمہم وغیرہم ہیں۔

طحاوی رحمہم اللہ اس سلسلہ میں ابو بکرہ کی حدیث نقل کرتے ہیں:

«أَتَانِي جَبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَ جَبْرِيلُ: اقْرَأُ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ وَاحِدٍ، فَقَالَ مِيكَائِيلُ: اسْتَزِدُّهُ، قَالَ: اقْرَأُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ، كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ، مَا لَمْ تُخْتَمِ أَيْةٌ رَحْمَةً بِأَيَّةِ عَذَابٍ أَوْ أَيْةِ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ» . [مسند أحمد: ۴۱/۵]

”جبریل اور میکائیل میرے پاس آئے۔ پس جبریل علیہ السلام نے فرمایا: قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، میکائیل علیہ السلام نے فرمایا: لگے کہ اس میں زیادتی کروائیے۔ تو (جبریل علیہ السلام) نے کہنے لگے: سات حروف پر پڑھیے۔ ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے تا وقتیکہ آپ عذاب کی آیت رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کر دیں۔“

اسی طرح ابي بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ آیت: ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَسِمْ مِنْ نُورِكُمْ﴾ [الحديد: ۱۳] میں للذين آمنوا أمهلونا، للذين آمنوا أخرونا، للذين آمنوا ارقبونا، بھی پڑھتے تھے۔ اور اسی طرح آیت: ﴿كَلِمًا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ﴾ [البقرة: ۲۰] میں مروا فيه، اور سوعوا فيه، پڑھتے۔

○ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لوگوں کے لیے قرآن کریم کو سات لغات پر پڑھنا رخصت کے طور پر تھا اور اس وقت تک تھا جب لوگوں کے لیے لغت قریش پر تلاوت کرنا دشوار تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کتابت، ضبط اور حفظ کے علم سے نابلد ہونے کی بناء پر اس طرح پڑھایا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عمر بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ ہے کہ یہ رخصت ابتدائی زمانہ تک محدود تھی پھر یہ رخصت حفظ میں آسانی، کتابت کے علم سے واقفیت اور ضبط کی کثرت کے باوصف زائل کر دی گئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کر دیا تھا۔ اور انہوں نے پوری اُمت کو ایک قراءت پر اس لیے جمع کیا تھا، کیونکہ لوگ قراءت میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے تھے۔ تو انہوں نے لوگوں کے لیے ایک صحیفہ امام مرتب فرمایا اور یہ اس پر مشتمل تھا جو عرصہٴ اخیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف اور تفرقہ بازی کو ختم کرنے کے لیے اس کے علاوہ بقیہ تمام قراءتوں کی تلاوت سے منع فرمادیا۔“

○ یہ کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن کے تمام الفاظ سات حروف پر نازل کیے گئے ہیں بلکہ کچھ الفاظ کچھ حروف پر مشتمل ہیں اور کچھ الفاظ دیگر حروف پر۔

○ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے ﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوتِ﴾ [المائدہ: ۲۰] اور ﴿يَذَرَعُ

وَيَلْعَبُ﴾ [یوسف: ۱۲] میں سات لغات بیان کی ہیں۔

○ قاضی باقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ قرآن کریم کو لغت قریش میں نازل کیا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ اس لغت پر مشتمل ہے نہ کہ سارے کا سارا قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ﴿قُرْءَانًا عَرَبِيًّا﴾ [یوسف: ۲] فرمایا ہے نہ کہ ’قرشیا‘ اور عرب کا اسم تمام قبائل کو شامل ہے نہ کہ کسی ایک قبیلے کو۔“

○ شیخ ابو عمر بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لأن غير لغة قریش موجودة في صحيح القراءات كتحقيق الهمزات ونحوها، فإن قریشا لا تهمز.“ [تفسیر القرطبي]

”قراءت قرآنہ میں قریش کے علاوہ دیگر لغات کی ایک دلیل تحقیق ہمزات کی موجودگی ہے، حالانکہ قریشی لغت میں ایسا نہیں ہے۔“

قرآن کریم میں قریشی لغت کے علاوہ دیگر لغات کی موجودگی کی ایک اور دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ فرمان ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں ﴿فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [الانعام: ۱۳] کے معنی سے ناواقف تھا، حتیٰ کہ میں نے ایک اعرابی کو ایک کنویں کے بارے میں کہتے ہوئے سنا ’أنا فطرتها‘، اس کی ابتدا میں نے کی ہے۔“

○ یہ کہ قرآن کی سات لغات مضر قبیلے پر منحصر ہیں، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قرآن کریم لغت قریش پر نازل کیا گیا ہے۔ اور اہل نصب کے صحیح قول کے مطابق بنو نضر بن الحارث ہی قریش ہیں۔ جس کی تائید سنن ابن ماجہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

۴) امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ بعض علماء کی طرف سے بیان کرتے ہیں:

”وجوه قراءات سات اشیاء کی طرف لوٹی ہیں، پہلا یہ کہ جس میں حرکت کی، صورت کی اور نہ ہی معنی کی تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے ﴿وَيُضَيِّقُ صَدْرِي﴾ [الشعراء: ۱۱۳] اور يُضَيِّقُ“

دوسرا جس میں صورت میں تبدیلی تو نہ ہو البتہ معنی تبدیل ہو جائے جیسے: ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا﴾ [سبا: ۱۹] اور ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا﴾۔

صورت، معنی اور حرف تینوں میں اختلاف جیسے: ﴿نَنْشُرْهَا﴾ اور ﴿نَنْشُرْهَا﴾

کلمہ کی تبدیلی کے ساتھ معنی تبدیل نہ ہو جیسے ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾ اور ﴿كَالْصُوفِ الْمَنْفُوشِ﴾

کلمہ اور معنی دونوں کی تبدیلی جیسے ﴿وَطَلَعِ مَنْضُودٍ﴾ اور ﴿طَلَعِ مَنْضُودٍ﴾۔

تقدیم و تاخیر کا اختلاف جیسے ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ اور ﴿سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ﴾

زیادتی ہو جائے جیسے: ’تسع وتسعون نعجة أنتى‘، ’وأما الغلام فكان كافرا وكان أبواه

مؤمنين‘ اور ﴿فإن الله من بعد إكرههن لهن غفور رحيم﴾۔

۵) یہ کہ سبعہ احرف سے قرآن کے معانی مراد ہیں اور وہ امر، نبی، وعدہ، وعید، قصص، مجادلہ اور امثال ہیں۔

۶) امام ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ ان کو حروف کا نام نہیں دیا جا سکتا اور اسی طرح اس پر اجماع ہے کہ کسی حلال چیز کو

حلال کرنے اور معانی کی تغیر میں توسع نہیں ہے۔“

۷) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اکثر علماء جیسا کہ داودی اور ابن ابی صفرة وغیرہ کا خیال ہے:

”یہ سات قراءات جو سات قراء کی جانب منسوب کی جاتی ہیں یہ وہ سات حروف نہیں ہیں جن کی صحابہ کرام قراءت کیا کرتے

تھے بلکہ یہ حروف سبعہ میں سے ایک حرف ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف میں جمع فرما دیا تھا۔“ [تفسیر القرطبی: ۳۲۱-۳۷۷]

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

”قراء سبعہ میں سے ہر ایک نے دوسرے قراء کی قراءت میں اجازت دی ہے اور انہیں پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔ یاد

رہے کہ جو قراءات ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں انہوں نے ان کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے نزدیک وہ

قراءات زیادہ اولیٰ اور احسن ہیں۔ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ائمہ قراءات نے قراءات کے سلسلہ میں جو کچھ بیان

کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس کے متعلق بہت سی کتب تصنیف کی گئی ہیں، اس (قراءات) کے درست ہونے پر

اجماع نقل کیا گیا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا حفاظت کتاب کا وعدہ بخوبی پورا ہو گیا ہے۔“

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے موقوف کو بیان کر کے بھر پور انداز میں اس

کی تائید کی ہے۔ [ج: ۱، ص: ۶۱]

سابقہ بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سبعہ احرف کے ضمن میں امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے

موقف کے حامل ہیں اور بھر پور انداز میں اس کی تائید کرنے والے ہیں۔ [ج: ۱، ص: ۶۱] جن کا موقف ہے:

سبعہ احرف سے ایک ہی کلمہ میں مختلف لغات عرب کا اختلاف مراد ہے۔ جسے ہم مترادفات سے تعبیر کرتے ہیں،

یعنی ایک ہی کلمہ میں اس کی جگہ مختلف الفاظ استعمال کرنے کی اجازت تھی جیسے هَلُمَّ، تعال اور اَقْبَلْ وغیرہ۔ نیز امام

طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیال لوگ سبعہ احرف میں سے چھ حروف کے حذف، نسخ یا توقف کے قائل ہیں۔



# مجلس التحقیق الاسلامی..... ایک نظر میں

## [مرکز علم و تحقیق]

عالم اسلام میں بالخصوص اور برصغیر پاک و ہند میں بالعموم فکری گروہوں کے بڑھتے ہوئے انتشار، مذہبی و مسلکی شدت پسندی، فتنہ، جمود و تعصب، بے لگام علم و تحقیق اور جدیدیت کے نام پر مسلمات سے انحرافات نے فکر اسلامی کو بازوچھ اطفال بنا کے رکھ دیا تھا، چنانچہ اسلامی معاشرے میں تعصب کے بالمقابل افہام و تفہیم کی فضا کے قیام، جدید تقاضوں کے مطابق فکر سلف اور فقہائے محدثین کے نچ پر تحقیقی خطوط کی توضیح اور راہ اعتدال کے نقوش کو پھر سے اُجاگر کرنے کے لئے ۱۹۶۸ء میں حافظ عبد الرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور کا قیام عمل میں لایا گیا، جو عرصہ ۴۰ سال سے مذکورہ نچ پر مسلسل خدمات سرانجام دی رہی ہے۔ مجلس التحقیق الاسلامی کے حالیہ انچارج رنٹظم حافظ انس نضر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دنوں 'مجلس' کے تحت مندرجہ ذیل ادارے مصروف عمل ہیں:

### ۱ مراکز تحقیق

- \* کتب لائبریری (عربی، اردو اور انگریزی میں تقریباً ۳۰۰ ہزار مصادری کتب کا ذخیرہ)
- \* رسائل لائبریری (ڈیڑھ صدی میں شائع شدہ ۷۰۰ اردو و عربی مجلات کا مکمل ریکارڈ)
- \* سافٹ ویئر و کیسٹ لائبریری (علوم قرآن و حدیث، جدید مسائل پر لیکچرز، دنیا بھر سے جمع کردہ اسلامک سافٹ ویئرز کا قیمتی ریکارڈ، مشاہیر قراء کی تلاوتیں اور مقررین کی تقاریر)

### ۲ تحقیق و تصنیف

- \* مختلف عالمی موسوعات کی تیاری (موسوعہ قضائیه، موسوعہ اشاریہ جات، موسوعہ قراءات)
- \* جدید موضوعات پر مضامین کی تیاری اور ماہانہ سیمینارز کا انعقاد
- \* تراجم کتب اور متعدد موضوعات پر کتب کی تیاری
- \* محققین کی تیاری (فضلاے مدارس کی تحریری صلاحیتوں کے نکھار کے لیے ایک سالہ کورس)
- \* دارالافتاء کا قیام
- \* مخصوص اوقات میں روحانی علاج معالجہ کا اہتمام

### ۳ نشر و اشاعت

- \* کتب کی طباعت
- \* میگزین کا اجرا (ماہنامہ 'محدث'، ماہنامہ 'رشد')
- \* ویب سائٹس کا قیام ([www.kitabosunnat.com](http://www.kitabosunnat.com), [www.mohaddis.com](http://www.mohaddis.com))
- \* ایف ایم ریڈیو اور موبائل دعوہ سروس

مفتی ڈاکٹر عبدالواحد ☆

## تاریخ قراءات متواترہ اور حل اشکالات

مفتی ڈاکٹر عبدالواحد مدظلہ کی زیر نظر تحریر ان کی ان تحریروں سے ماخوذ ہے جو کہ اس سے قبل جامعہ مدنیہ، لاہور کے آرگن 'انوار مدینہ' میں جولائی تا ستمبر ۱۹۷۷ء کے شماروں میں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن رشد قراءات نمبر حصہ سوم کیلئے موصوف نے کمال محبت و عنایت فرماتے ہوئے اس تحریر کو اضافہ کے ساتھ دوبارہ ترتیب دیا ہے۔ ہم مفتی صاحب کے انتہائی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنی قیمتی مصروفیات سے وقت نکال کر قارئین رشد کیلئے اس خصوصی تحفہ کو پیش فرمایا۔ [ادارہ]

### باب اول: جمع القرآن بین الدفتین

قرآن کا مدار ہمیشہ سے ضبط و حفظ پر ہے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضور نبی کریم رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضور رضی اللہ عنہ کے حکم اور ہدایت کے مطابق اس کو لکھتی رہتی تھی۔ چونکہ قرآن ۲۳ رسال کے عرصہ میں تدریجاً نازل ہوا تھا اس لیے نزول اُن میں سے جو لوگ حاضر ہوتے تھے وہ لکھ لیتے تھے، کیونکہ قرآن ۲۳ رسال کے عرصہ میں تدریجاً نازل ہوا تھا۔ اس طرح قرآن کریم حضور رضی اللہ عنہ کی حیات مبارک میں لکھا جا چکا تھا مگر ایک جگہ جمع نہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل اعتماد حضور رضی اللہ عنہ کی تعلیم اور ضبط پر تھا۔ اُن میں سے بعض کو تمام، بعض کو نصف، بعض کو ربع اور بعض کو اس سے کم یا زیادہ یاد تھا اور ایسا کوئی نہ تھا جس کو چند سورتیں یاد نہ ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۱ھ) میں یمامہ کی لڑائی ہوئی اس میں پانچ سو سے زیادہ قراء قرآن شہید ہو گئے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفات سے قرآن معدوم نہ ہو جائے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ قرآن کو ایک جگہ جمع کرائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے انکار کیا اور کہا کہ جو کام حضور رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا میں اُس کو کیسے کروں؟ مگر پھر پے در پے توجہ دلانے سے آمادہ ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اگر مجھے پہاڑ کے اٹھانے کا حکم دیا جاتا تو اس سے آسان ہوتا“۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے باوجود حافظ ہونے کے ایک ایک آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی سے لکھی اور تمام قرآن کو جمع کر دیا، مگر وہ متفرق صحیفے تھے جو تا حیات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اور آپ کی شہادت کے بعد اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ میں آئے۔

۳۰ ہجری میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ آرمینیا و آذربائیجان کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مسلمان قرآن کی ترتیب وغیرہ کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی قراءت کو دوسرے کی قراءت سے

☆ صدر دارالافتاء، جامعہ مدنیہ لاہور، تلمیذ رشید استاذ القراء قاری عبدالرحمن ڈیروی رٹلہ

بہتر کہتا ہے۔ اس سے جناب موصوف کو بے حد رنج ہوا اور آپ نے مدینہ میں حاضر ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ”اے امیر المؤمنین قرآن کے متعلق اُمت محمدی ﷺ کا تفرقہ مٹائیے اور اس سے قبل کہ اُن میں یہود و نصاریٰ کے مانند اختلاف ہو اُن کی دست گیری کیجئے“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منگوا کر حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ (بعض روایات میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نام ہیں۔ دونوں حضرات حضرت زید رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور اُس وقت جوان تھے، ممکن ہے کہ اُن کو بھی بعد میں شریک و مددگار بنایا گیا ہو۔) قریشین کو اُن کی نقلیں کرنے پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ اگر کسی بات میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور باقی حضرات کے درمیان اختلاف ہو تو اُس کو لغت قریش میں لکھیں کیونکہ قرآن لسان قریش پر نازل ہوا ہے۔ جب باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آٹھ (اکثر اہل نقل چار نسخے بتاتے ہیں اور علامہ دانی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور بعض نے سات بتائے ہیں) نقلیں تیار ہو گئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایک نسخہ مکہ معظمہ، بصرہ، دمشق، کوفہ، یمن اور بحرین میں بھیج دیا اور ایک مدینہ منورہ میں اور ایک خاص اپنے لیے رکھ لیا اُسی کا نام امام ہے اور اسی پر بروقت شہادت آپ کا خون گرا تھا۔ محقق ابن جزری رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اُس کو قاہرہ (سنا ہے کہ اب یہ مصحف قسطنطنیہ میں ہے) میں دیکھا تھا اُس وقت تک اُس پر خون کے نشانات تھے، انہی نقول کو مصاحف عثمانیہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں اور انہی پر اجماع منعقد ہو گیا تھا کہ جو کچھ ان مصاحف میں نہیں ہے وہ قرآن نہیں ہے۔

محقق ابن جزری رضی اللہ عنہم النسر میں فرماتے ہیں:

”ذٰلِكَ لِأَنَّ الْمَصَاحِفَ كَتَبَتْ عَلَى اللَّفْظِ الَّذِي أَنْزَلَ وَهُوَ الَّذِي اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ فِي الْعَرْضَةِ الْأَخِيرَةِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَمَا صَرَحَ بِهِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أُمَّةِ السَّلَفِ كَمُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ وَعَبِيدَةَ السَّلْمَانِيِّ وَعَامِرَ الشَّعْبِيِّ. قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: ”لَوْ وَلَيْتُ فِي الْمَصَاحِفِ مَا وُلِيَ عَثْمَانَ لَفَعَلْتُ كَمَا فَعَلَ.“ [النسر: ٨٧]

”مصاحف اس لفظ پر لکھے گئے جس پر عرضہ اخیرہ میں رسول اللہ ﷺ کو برقرار رکھا گیا تھا۔ (یعنی جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ نہیں ہوئے تھے) بہت سے ائمہ سلف مثلاً محمد بن سیرین، عبیدہ سلمانی اور عامر شعبی رضی اللہ عنہم نے اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ ”مصاحف کے بارے میں جو کچھ عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا اگر مجھے موقع ملتا تو وہی میں کرتا۔“ محقق ابن جزری رضی اللہ عنہم النسر میں لکھتے ہیں:

”ولاشك أن القرآن نسخ منه وغير فيه في العرضة الأخيرة فقد صح النص بذلك عن غير واحد من الصحابة وروينا بإسناد صحيح عن زر بن جبيش قال: قال لي ابن عباس: ”أي القراءة تقرأ؟“ قلت: الأخيرة. قال: فإن النبي ﷺ كان يعرض القرآن على جبريل في العام مرة. قال: فعرض عليه القرآن في العام الذي قبض فيه النبي ﷺ مرتين. فشهد عبد الله يعني ابن مسعود ما نسخ منه وما بدل فقراءة عبد الله الأخيرة.“

إذ قد ثبت ذلك فلا إشكال أن الصحابة كتبوا في هذه المصاحف ما تحققوا إنه قرآن، وما علموه استقر في العرضة الأخيرة وما تحققوا صحته عن النبي ﷺ ما لم ينسخ وإن لم تكن داخله في العرضة الأخيرة، ولذلك اختلفت المصاحف بعض اختلاف إذ لو كان العرضة

الأخيرة فقط ، لم تخلف المصاحف بزيادة نقص وغيره . ذلك وتركوا ما سوى ذلك ولذلك لم يختلف عليهم اثنان حتى أن علي بن أبي طالب لما ولي الخلافة بعد ذلك لم ينكر حرفا ولا غيره مع أنه هو الراوي أن رسول الله ﷺ يأمركم أن تقرؤا القرآن كما علمتم وهو القائل: "لو وليت من المصاحف ما ولي عثمان لفعلت كما فعل ."

ثم إن الصحابة لما كتبوا تلك المصاحف جردوها من النقط والشكل ليحتمل ما لم يكن في العرصة الأخيرة ما صح عن النبي ﷺ وإنما اخلوا المصاحف من النقط والشكل لتكون دلالة الخط الواحد على كلا اللفظين المنقولين المسموعين المتلوين شبيهة بدلالة اللفظ الواحد على كلا المعنيين المعقولين المفهومين ، فإن الصحابة رضوان الله عليهم تلقوا عن رسول الله ﷺ ما أمره الله تعالى بتبليغه إليهم من القرآن لفظه ومعناه جميعا ولم يكونوا ليستقوا شيئا من القرآن الثابت عنه ﷺ ولا يمتنعوا من القراءة به" [النشر: ۱۳۲۱]

”اس میں کوئی شک نہیں کہ عرضہ اخیرہ میں قرآن میں نسخ اور تغیر ہوا۔ اس کی تصریح صحیح سند سے بہت سے صحابہ سے منقول ہے۔ زر بن حبیش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا تم کون سی قراءت پڑھتے ہو تو میں نے جواب دیا کہ آخری والی، پھر یہ وضاحت کی کہ نبی ﷺ جبریل علیہ السلام سے ہر سال میں ایک مرتبہ قرآن پاک پڑھتے تھے اور جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا اس سال آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو بار قرآن سنا تو اس وقت جو کچھ نسخ اور تبدیلی ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے شاہد اور گواہ ہیں اور ان کی قراءت سی آخری قراءت ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو اس میں کچھ اشکال نہیں رہا کہ ان مصاحف میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف وہی کچھ لکھا جس کی ان کو تحقیق تھی کہ وہ قرآن ہے اور جو عرضہ اخیرہ میں قائم رہا تھا اور نبی ﷺ سے جس کی صحت ثابت تھی اور منسوخ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ نے عرضہ اخیرہ میں اس کو پڑھا نہیں تھا۔ اسی وجہ سے مصاحف میں بعض اختلاف نظر آتا ہے، کیونکہ اگر قرآن فقط وہی ہوتا جو نبی ﷺ نے عرضہ اخیرہ میں پڑھا تھا تو مصاحف میں زیادت اور کمی کا اختلاف اور دیگر اختلاف نہ ہوتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے علاوہ کو ترک کر دیا ہوتا۔ اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس عمل پر کسی دو کا بھی اختلاف نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، جو خود اس بات کے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم (میں سے ہر ایک) اس طرح قرآن پڑھو جیسے تم سکھائے گئے ہو، جب انہوں نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو نہ کسی حرف کو غلط کہا اور نہ ہی اس میں کچھ تبدیلی کی اور فرماتے ہیں کہ ”مصاحف کے بارے میں جو کچھ عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا اگر مجھے موقع ملتا تو وہی میں کرتا۔

پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ مصاحف لکھے نفاط و اعراب سے ان کو خالی رکھا تاکہ ان میں وہ قراءتیں بھی شامل ہو جائیں جو اگرچہ عرضہ اخیرہ میں پڑھی نہیں گئیں لیکن نبی ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہیں۔ انہوں نے مصاحف کو نفاط و اعراب سے خالی رکھا تو اس وجہ سے کہ ایک ہی خط کی دلالت دو منقول و مسموع اور متلو لفظوں میں ہو جائے جیسا کہ ایک لفظ کی دو معقول و مفہوم معانی پر دلالت ہوتی ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے وہی کچھ سیکھا جس کو لفظ و معنی سمیت ان تک پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے ثابت قرآن میں سے کچھ ساقط کرنے والے نہیں تھے اور نہ ہی اس کی قراءت سے منع کرنے والے تھے۔“

اشکال

محقق ابن جزری رضی اللہ عنہ نے عرضہ اخیرہ میں قرآن میں نسخ و تغیر ہونے کی تصریح کی ہے اور مولانا تالیقی عثمانی مقدمہ

مفتی ڈاکٹر عبدالواحد

معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ ”اس موقع پر بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں اور صرف وہ قراءتیں باقی رکھی گئیں جو آج تک تو اترا کے ساتھ محفوظ چلی آتی ہیں۔“

نیز علوم القرآن میں فرماتے ہیں۔ ”اس سے صاف ظاہر ہے کہ عرضہ اخیرہ کے وقت بہت سی قراءتیں خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے منسوخ قرار دے دی گئی تھیں۔“ [ص ۱۳۹]

## جواب

ہم کہتے ہیں کہ محقق نے اپنے اس قول میں نہ تو یہ تصریح کی ہے کہ عرضہ اخیرہ میں مرادفات کا نسخ ہوا اور نہ ہی اس کو صراحت سے ذکر کیا ہے کہ اور قسم کی قراءات منسوخ ہوئی تھیں۔ انہوں نے صرف نسخ اور تغیر کا ذکر کیا ہے اور اس کا مصداق مرادفات کا ہونا تو ظاہر ہے، لیکن اور قراءات کو منسوخ ماننا محتاج دلیل ہے۔ زبیر بن جحش رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون سی قراءت پڑھتے ہو تو میں نے کہا آخری۔ اس کو مرادفات کے علاوہ بعض دیگر قراءات کے نسخ پر دلیل بنانا واضح نہیں ہے کیونکہ یہ تو مرادفات پر بھی صادق آسکتا ہے۔

## باب دوم: نقل قراءات حصہ اول: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم میں سے شیوخ قراءات

جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کرام قاری (آج کل قاری اُسے کہتے ہیں جو سب سے پہلے قراءت جانتا ہو اور حافظ سے اُس کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ تصور ہوتا ہے۔ صدر اوّل میں ہر قرآن پڑھنے والے کو قاری کہتے تھے اور حافظ کا درجہ اس سے بہت بلند تھا) بعض حافظ اور بعض خصوصیت کے ساتھ معلم قراءات تھے۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام رضی اللہ عنہ پچھلے مقدس گروہ کے متعلق کتاب القراءات میں کہتے ہیں ”مہاجرین میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابو موسیٰ، حضرت سالم، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن السائب، امہات المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ اور انصار میں سے حضرت ابی، حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء، حضرت زید، حضرت ابو زید، حضرت مجح بن جاریہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وجوہ قراءات منقول ہیں۔“ اسی متبرک گروہ میں سے حضرت عیاش اور آپ کے فرزند ابوالحارث عبداللہ بن عیاش قریشی، حضرت فضالہ بن عبید انصاری اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان میں سے اکثر حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اور بعض نے بالواسطہ قرآن پڑھا تھا اور تمام جماعت روزانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتی رہتی تھی۔ اس برگزیدہ جماعت نے ہر حرکت و اسکان اور حذف و اثبات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ضبط کیا تھا اور جس طرح پڑھا تھا اسی طرح تابعین کو پڑھا دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد قرآن پڑھانے والے تابعین عظام ہیں جو اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں موجود تھے۔ ان میں سے پانچوں اسلامی مراکز میں حسب ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قراءات کے معلم تھے۔

## مدینہ طیبہ

مدینہ طیبہ میں حضرت امام زین العابدین، سید التابعین حضرت سعید بن المسیب، حضرت عروہ بن زبیر،

حضرت سالم بن عبداللہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت سلیمان و حضرت عطا ابنائے یسار، حضرت معاذ بن الحارث معروف بمعاذ قاری، حضرت امام باقر، حضرت عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج، حضرت محمد بن شہاب الزہری، حضرت مسلم بن جندب ہذلی قاضی، حضرت زید بن اسلم، حضرت یزید بن رومان، حضرت صالح بن خوات، حضرت عکرمہ بربری مولیٰ حضرت ابن عباس حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

### مکہ معظمہ

مکہ معظمہ میں حضرت عبید بن عمیر، حضرت عطاء ابن ابی رباح، حضرت طاؤس، حضرت مجاہد بن جبیر، حضرت عکرمہ بن خالد، حضرت ابن ابی ملیکہ، حضرت درباس مولیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

### کوفہ

حضرت علقمہ بن قیس، حضرت أسود بن یزید، حضرت عبیدہ بن عمرو و حضرت عمرو بن شریل، حضرت مسروق بن ابدع، حضرت عاصم بن ضمرہ سلولی، حضرت زید بن وہب، حضرت حارث بن قیس، حضرت حارث بن عبداللہ الاعور ہمدانی، حضرت ربیع بن خثیم، حضرت عمرو بن میمون، حضرت ابو عبدالرحمن سلمی، حضرت زبیر بن جیش، حضرت سعد ابن الیاس، حضرت عبید بن فضیلہ، حضرت ابو زرعة بن عمرو بن جریر، حضرت سعید جبیر والہی، حضرت ابراہیم بن یزید بن قیس، حضرت عامر شعفی، حضرت حمران بن اعین، حضرت ابواسحاق سمیعی، حضرت طلحہ بن مصرف، حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی، حضرت محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی قاضی، حضرت منصور بن معتمر بن مقسم ضبی ضریر، حضرت زائدہ بن قدامہ، حضرت منہال بن عمرو اسدی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

### بصرہ

حضرت عامر بن عبدقیس، حضرت ابوالعالیہ، حضرت ابوالرجاء، حضرت نصر بن عاصم، حضرت یحییٰ بن یسیر، حضرت جابر بن زید، حضرت معاذ، حضرت خواجہ حسن، حضرت محمد بن سرین، حضرت قتادہ، حضرت ابوالاسود دولی واضح نحو، حضرت حطان بن عبداللہ زقاشی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

### دمشق

میں حضرت مغیرہ بن ابی شہاب اور حضرت خلید بن سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ۔  
ان میں سے بعض نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہ راست اور بعض نے بالواسطہ قرآن پڑھا تھا اور ہر حرف کو ضبط کیا تھا اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور مہاجرین و انصار سابقین سے سنتے تھے۔ پھر بعض نے اپنا تمام وقت اور بعض نے اکثر اور بعض نے ایک حصہ خدمت قرآن کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

### باب سوم: نقل قراءات حصہ ثانی صاحب اختیار ائمہ قراءات

انہی تابعین اور تبع تابعین میں سے وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمام چیزوں سے اعراض کر کے اپنے آپ کو خدمت قرآن کے لیے وقف کر دیا۔ حصول قراءات اور ان کے ضبط و حفظ میں اتنی جدوجہد کی کہ جس سے زیادہ ممکن

مفتی ڈاکٹر عبدالواحد

نہیں حتیٰ کہ مقتدائے روزگار ائمہ بن گئے۔ ان میں سے بعض نے کئی کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کرام سے اور بعض نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم سے اور بعض نے صرف تابعین سے اور بعض نے تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے قرآن پڑھا اور ہر شخص نے ان کی تعلیم کردہ وجوہ قراءات میں سے عربیت میں اتویٰ اور موافق رسم وجوہ سے اپنے لیے جدا جدا قراءات اختیار کر لیں اور عمر بھر انہی کو پڑھتے پڑھاتے رہے۔ تمام مفسرین و محدثین اور جملہ فقہاء و مجتہدین ان کی اختیار کردہ قراءتوں کو بلا عذر قبول کرتے تھے اور مندرجہ صدر اسلامی مرکزوں میں سے کوئی شخص ان کے ایک حرف کا بھی انکار نہیں کرتا تھا بلکہ دوسری صدی سے دینائے اسلام میں وہی پڑھی اور پڑھائی جانے لگیں۔ اسلامی ممالک کے بعید ترین علاقوں اور ہر شہر و قصبہ سے طلباء سفر کر کے ان سے پڑھنے آتے تھے اور ان قراءتوں کو ان کے نام سے منسوب کرتے تھے جو آج تک انہی کے نام سے معنون چلی آتی ہیں۔ ان صاحب اختیار حضرات میں سے:

مدینہ منورہ: میں امام ابو جعفر یزید بن قعقاع قاری امام شیبہ بن النصح قاضی اور ان کے بعد امام نافع عبدالرحمن رضی اللہ عنہ۔

مکہ معظمہ: میں امام عبداللہ بن کثیر، امام حمید بن قیس الاعرج، امام محمد عبدالرحمن بن حیصن سہمی رضی اللہ عنہم۔  
 کوفہ: امام یحییٰ بن وثاب أسدی، امام عاصم بن ابی النجود، امام سلیمان بن مهران الأعمش۔ ان کے بعد امام حمزہ بن حبیب الزیات، پھر امام ابولحسن علی الکسائی پھر امام خلف بن ہشام المرزبانی رضی اللہ عنہم۔  
 بصرہ: میں امام عبداللہ بن ابی اسحاق حضرمی، امام عیسیٰ بن عمرو ہمدانی ضریر، امام ابو عمرو بن العلاء البصری، ان کے بعد امام عاصم بن حجاج جحدری، پھر امام یعقوب بن اسحاق حضرمی رضی اللہ عنہ۔  
 دمشق: میں امام عبداللہ بن عامر، امام عطیہ بن قیس کلانی، امام اسماعیل بن عبداللہ بن مہاجر، ان کے امام یحییٰ بن حارث ذماری رضی اللہ عنہم، پھر امام شریح بن زید حضرمی رضی اللہ عنہ مشہور صاحب اختیار ائمہ تھے۔  
 اختیار قراءات کا یہ سلسلہ بے حد وسیع تھا۔ صدیوں جاری رہا اور خدا جانے کہ کتنے صاحب اختیار ائمہ پیدا ہوئے۔

● امام ابو محمد کی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”کتابوں میں ان ستر صاحب اختیار ائمہ کی قراءات مذکور ہیں جو قراء سبعہ سے مقدم تھے۔“ اس سے قیاس کریں کہ ان کے ہم مرتبہ اور ان سے کم اور کمتر کتنے ائمہ ہوں گے۔“

## سلسلہ اختیار کی وجہ

واقعہ یہ ہے کہ کلمات قرآنی کی دو قسمیں ہیں:

- ① متفق علیہ جن کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک طرح پڑھا ہے۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔
- ② مختلف فیہ خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فرش سے ہو جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لغوی اختلاف یا نحوی وجوہ کی بناء پر مختلف طرح پڑھا ہے۔

دونوں اقسام کے الفاظ من اللہ اور حضور نبی ﷺ کے تعلیم کردہ ہیں۔ مثلاً ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے صلہ، اظہار، تسہیل اور فتح سیکھا۔ دوسرے نے بغیر صلہ، اظہار، تسہیل اور فتح۔ تیسرے نے بغیر صلہ، ادغام تسہیل اور امالہ۔ اسی طرح اور بہت

سی شکلیں ہو سکتی ہیں اور چونکہ ان اختلافات کی کوئی ترکیب بعینہ واجب نہ تھی لہذا تابعین رضی اللہ عنہم و تبع تابعین رضی اللہ عنہم نے اپنے آساتذہ کی قراءات سے بہ پابندی شرطی ترتیب سے قراءات اختیار کر لیں اسی وجہ سے صدر اول کی قراءات کا کوئی شمار نہیں بتایا جاسکتا۔ محقق کہتے ہیں ’امام ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، قاضی اسماعیل رضی اللہ عنہ اور امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ، ابن جریر طبری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتابوں میں قراء سبعہ سے مقدم دو سو پندرہ قراءات بیان کی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں پڑھی جاتی تھیں اور جن سے وہ نماز پڑھتے تھے۔

ائمہ کے علاوہ اور رواۃ ان گنت تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کی جانشین ایک قوم بنی جن کی تعداد خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی مصنف کی یہ طاقت ہے کہ ان کا احاطہ کر سکے۔

صاحب اختیار ائمہ قراءات سبعہ کے اپنے ان گنت شاگرد ہیں۔ ہر ایک کے دو دو شاگرد جو زیادہ معروف ہوئے، ذکر کئے جاتے ہیں۔ یہ راوی کہلاتے ہیں اور پھر راویوں سے مثلاً علامہ دانی رضی اللہ عنہ، صاحب تیسیر تک جن واسطوں سے قراءات پہنچیں ان کو طرق کہتے ہیں۔

قاری	راوی	طرق
① نافع مدنی	① قالون	ابو حنیفہ، ابو حسان، ابن بویان، ابراہیم بن عمر مقرئ، جد الباقی، ابو الفتح۔
① ابن کثیر	② ورث	ازرق، نحاس، ابو القاسم خانقانی۔
③ ابو عمر و بصری	① بزی	ابو بعیہ، نقاش، ابو القاسم فارسی
	② قنبل	ابن مجاہد، ابو احمد سامری، ابو الفتح۔
	① دوری	ابن عبدوس، ابن مجاہد، عبد الواحد، ابو القاسم فارسی
	② سوسی	ابن جریر، ابو احمد سامری، ابو الفتح۔
④ ابو عامر شامی	① ہشام	حلوانی، ابن عبدان
	② ابن ذکوان	انفش، نقاش، ابو القاسم فارسی
⑤ عاصم کوفی	① ابوبکر	یحییٰ، صریفینی، ابراہیم بن عبد الرحمن، عبد الباقی، ابو الفتح۔
	② حفص	عبد، شتانی، ہاشمی، ابوالحسن۔
⑥ حمزہ	① خلف	ادریس حداد، ابن بویان، ابوالحسن
	② خلاد	جوہری، ابن شندوذ، ابو احمد سامری، ابو الفتح۔
⑦ کسائی	① ابو الجارث	کسائی صغیر، بطی، زید بن علی، عبد الباقی، ابو الفتح۔
	② دوری	ابو الفضل، ابن جلدنا، عبد الباقی، ابو الفتح۔

### قراءت، روایت اور طریقہ کافرق

اگر دو قراءتوں میں ایسا اختلاف ہے کہ ہر قراءت کے تمام راوی اس پر متفق ہیں تو یہ قراءت ہے، اگر کسی قراءت کے رواۃ میں اختلاف ہے مگر روایت کے طرق متحد ہیں تو یہ روایت ہے اور اگر راوی کے شاگردوں میں اختلاف ہے خواہ کسی طبقہ میں ہو تو یہ طریقہ ہے۔



## باب چہارم: ضابطہ قراءات

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ائمہ کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ اُن گنت تھے۔ اُن میں سے بعض ضبط و اتقان، روایت و درایت وغیرہ میں کامل امام اور جتھے اور بعض میں کسی وصف کی کمی تھی جس سے اختلاف رونما ہونے لگا اور قریب تھا کہ حق و باطل میں التباس ہو جائے کہ وعدہ الہی آڑے آ گیا۔ محقق علمائے امت اور حاذق و مجتہدین ملت خدمت کتاب اللہ کے لیے کھڑے ہو گئے انہوں نے طرق و روایات کو جانچا حروف کی پڑتال کی۔ متواتر کو احاد سے۔ مشہور کو شاذ سے اور صحیح کو فاسد سے ممتاز کیا اُن میں فرق کرنے کے لیے ارکان و اصول مقرر کر دیے اور قبول قراءات کا حسب ذیل ضابطہ بنا دیا۔

جو قراءات عربیت کے موافق ہو اگرچہ یہ موافقت بوجہ ہو۔ (یعنی نحوی وجوہ میں سے کسی وجہ سے موافق ہو خواہ وہ فصیح ہو یا أفصح۔ یہ مراد نہیں کہ نحاة میں سے کوئی اس کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ نحاة نے بعض قراءات کا انکار کیا ہے مگر ائمہ قراءتہ ان کے انکار کی ایک ذرہ کے برابر پرواہ نہیں کرتے، چنانچہ بَارِئُكُمْ۔ يَا مُرْكُم۔ لِسْبِيَا۔ مَكْرُ السَّيِّءِ وغیرہ کے اسکان۔ هَلْ تَرَبَّصُونَ۔ اِذْ تَلْقَوْنَ وغیرہ کے ادغام (بقراءتہ بزی) شَهْرُ رَمَضَانَ، الْعَفْوُ وَاْمُرٌ وغیرہ (بقراءتہ سوسی) فَمَا اسْطَاعُوا (بقراءتہ حمزہ) لَا يَهْدِي کے اجتماع ساکنین كُنْ فَيَكُونُ کے نصب وَالْاَرْحَامِ کے خفض عَنْ سَاقِيهَا کے ہمزہ وَاِنَّ الْيَاسَ کے وصل اور بعض دیگر حروف کا بعض نحوی انکار کرتے ہیں۔ علامہ دانی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَارِئُكُمْ کے اسکان پر سیبویہ کا اعتراض نقل کر کے جامع البیان میں کہتے ہیں۔ ”اسکان نقلاً صح اور اداء اکثر کا مذہب اور میرے نزدیک مختار ہے، میں اسی کو لیتا ہوں۔“ پھر ائمہ کے اقوال نقل کر کے کہتے ہیں۔ ”ائئمہ قراءتہ قرآن کے کسی حرف میں اُس پر عمل نہیں کرتے جو لغت میں زیادہ مشہور اور عربیت میں اَقْسِ ہو بلکہ اُس پر عمل کرتے ہیں جو اثر اُثْبِت اور نقلاً وروایتاً صح ہو اور جب اس طرح کوئی حرف ثابت ہو جائے تو اس کو نہ عربیت کا قیاس رد کر سکتا ہے اور نہ لغت کی شہرت کیونکہ قراءت سنت متبعہ ہے جس کا قبول کرنا واجب اور لازم ہے۔“ اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک (مثلاً ﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ ﴾ [بقرہ: ۱۱۶] مصحف شام میں بلا واو۔ ﴿ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا ﴾ [توبہ: ۱۰۰] مصحف مکہ میں مِنْ کے اضافہ کے ساتھ۔ اور ﴿ فَاِنَّ اللَّهَ الْغَنِيُّ ﴾ [حدید: ۲۴] مصحف مدینہ اور شام میں بغیر ہو مرقوم تھا۔) کے مطابق ہو۔ خواہ یہ مطابقت احتمالاً ہو۔ (احتمالی موافقت سے ہمارے ائمہ کی مراد یہ ہے کہ بعض کلمات میں بعض قراءات رسم کے صریحاً مطابق ہوتی ہیں اور بعض تقدیراً جیسے: مَلِكٌ تمام مصاحف میں بلا الف مرقوم ہے۔ پس قراءتہ حذف صریحاً اور قراءتہ الف احتمالاً موافق ہے اور النشأة بالف مرسوم ہے۔ پس قراءتہ مدصریجاً اور قراءتہ قصر احتمالاً موافق ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہمزہ خلاف قیاسی بصورت الف لکھا گیا ہو اور بعض کلمات میں تمام قراءات احتمالاً موافق ہوتی ہیں جیسے: السَّمُوتُ۔ الصُّلْحَتُ۔ وَاللَّيْلُ۔ الصَّلْوَةُ۔ الزَّكْوَةُ۔ الرَّبُّوَا وغیرہ میں اور جیسے و جَاءَ دو جگہ بالف مرسوم ہے اور بعض کلمات میں تمام قراءات صریحاً مطابق ہوتی ہیں۔ جیسے: اَنْصَارُ اللَّهِ۔ فَنَادَتْهُ۔ تَعْلَمُونَ۔ هَيْتُ۔ اِنْ نَعْفُ۔ نَعْدُبُ وغیرہ کیونکہ مصاحف عثمانی نقاط و اعراب سے مجرد تھے اور اس رسم الخط سے صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ کا فضل عظیم ثابت ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ علم ہجا میں کیسی معرفت تامہ رکھتے تھے اور جب اُن کا رسم میں یہ حال تھا تو تحقیق معانی میں کیا شان ہوگی۔

● امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ نے قرآن، توریت اور انجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی ہے اور ان کے لیے وعدہ کیا ہے جو ان کے بعد کسی اور کے لیے نہیں۔ ان حضرات نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم تک پہنچائی۔ نزول وحی کا مشاہدہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عموم، تخص اور عزم و ارشاد اور سنت میں سے جو کچھ ہمیں معلوم نہیں وہ اُس سب کو جانتے تھے اور ہم سے ہر طرح کے علم، اجتہاد، ورع، عقل اور استنباط میں افضل تھے۔ ان کی رائے ہمارے لیے ہماری رائے سے بدرجہا محمود اولیٰ ہے۔“

● محقق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے الصراط، المصیطرون اور بیصط کو اصل کے خلاف جو باسین تھی صاد سے اسی واسطے لکھا ہے کہ حامل قرآن تین ہو سکے اور یہی رعایت حذف و اثبات میں ہر جگہ رکھی ہے۔ اور سند صحیحہ متصلہ سے ثابت اور ائمہ فن کے یہاں مشہور ہو (مقصود یہ ہے کہ اس قراءت کو عادل ضبط نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے مثل سے روایت کرتے ہوں اور ائمہ ضابطین کے نزدیک مشہور بھی ہو، یعنی غلط اور شاذ نہ سمجھی جاتی ہو۔) وہ قراءت صحیحہ اور ان احراف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا۔“

● محقق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”جو قراءت اس طرح ثابت ہو اُس کا رد و انکار جائز نہیں بلکہ مسلمانوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے خواہ ائمہ سبعہ کی قراءات میں ہو یا عشرہ کی یا فوق عشرہ کی اور اگر ارکان غلطہ میں سے کوئی رکن مختل ہو جائے تو وہ ضعیف شاذ اور فاسد و باطل ہے خواہ سبعہ سے ہو یا فوق سبعہ سے۔ تمام محققین ائمہ سلف و خلف اس تعریف کو صحیح کہتے ہیں۔“

حافظ ابو عمر ودانی رحمۃ اللہ علیہ، اور مہدوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تصریح کی ہے باقی تمام متقدمین کا بھی یہی مذہب ہے اور ان میں سے کوئی اس کے خلاف نہیں۔

● حافظ ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ مرشد الوجیز میں کہتے ہیں:

”ہر اس قراءت کو جو ائمہ سبعہ کی جانب منسوب اور صحیح کہلاتی ہو اسی وقت منزل من اللہ اور صحیح کہہ سکتے ہیں۔ جب وہ اس ضابطہ میں آجائے اور مطابقت ضابطہ کی صورت میں کوئی مصنف اس کی نقل میں منفر د نہیں ہو سکتا اور نہ وہ کسی امام سے مختص ہو سکتی ہے۔ اصل اعتماد ان اوصاف ثلاثہ پر ہے نہ انتساب پر۔ اور بیشک ہر قراءت میں خواہ سبعہ میں سے ہو یا غیر سبعہ سے وجوہ صحیحہ اور شاذ پائی جاتی ہیں۔ البتہ قراءات سبعہ سے بوجہ شہرت اور کثرت وجوہ صحیحہ متفق علیہ طمانیت اور میلان خاطر زیادہ ہوتا ہے۔“

● نیز کہتے ہیں:

”متاخرین مقرر یوں اور ان کے مقلدین کی زبان پر چڑھا ہوا ہے کہ قراءات سبعہ تمام و کمال متواتر ہیں یعنی قراءت سبعہ مشہورہ سے جو حرف منقول ہے وہ متواتر منزل من اللہ اور واجب التسلیم ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں، مگر ان حروف کے بارہ میں جن کو ائمہ سے نقل کرنے میں تمام طرق اور رواۃ متفق ہیں۔ حالانکہ (بعض حروف میں) اختلاف و تفرقہ شائع اور مشہور ہے پس اس حال میں کم از کم ان حروف کے اندر یہ ضابطہ برتنا پڑے گا جن میں تواتر محقق نہیں ہوا۔“

● علامہ جہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”قراءت کے لیے ایک شرط ہے۔ صحت نقل اور باقی دونوں چیزیں لازم ہیں۔ احراف سبعہ کے معلوم کرنے کا یہی ضابطہ

ہے جس کو ناقلین کی معرفت عربیت میں امعان نظر رسم کا اتقان ہو اس کے لیے یہ شبہ خود بخود منکشف ہو جاتا ہے۔“

## بعض متاخرین کا قول کہ صحت قراءت کے لیے تواتر شرط ہے صحیح نہیں ہے

● محقق ابن جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”بعض متاخرین نے صحت قراءت کے لیے رسم و عربیت کی موافقت کے ساتھ تواتر کی شرط لگائی ہے اور صحت سند کو کافی نہیں سمجھا۔ وہ کہتے ہیں کہ تواتر کے بغیر قرآن ثابت نہیں ہو سکتا، مگر ان لوگوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ جب کوئی حرف تواتر سے ثابت ہو جائے تو اس کے لیے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی، بلکہ اُس کا قبول کرنا شرط واجب ہے، کیونکہ وہ قطعاً قرآن ہے لیکن جب ہم ہر حرف کے لیے تواتر کی شرط لگا دیں تو قراءت سببہ کی بہت سی اختلافی وجوہ متفرع ہو جائیں گی۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا مگر جب مجھے اس کی خرابی معلوم ہوئی تو میں نے ائمہ سلف کی رائے کی جانب رجوع کر لیا۔“

حضرت محقق رحمہ اللہ نے متاخرین کی جس رائے کا ذکر کیا ہے وہ چھٹی صدی کے بعد بعض علمائے مصر نے قائم کی تھی جس پر وہ صدیوں قائم رہے۔

● علامہ سید غیث النفع میں کہتے ہیں:

”مذہب اربعہ کے فقہاء، اصولیوں اور تمام محدثین و قراء کا مذہب ہے کہ صحت قراءت کے لیے تواتر شرط ہے۔“

اس کے بعد ضابطہ مندرجہ نقل کر کے بائیں الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں:

”یہ بدعت ہے جس سے غیر قرآن، قرآن سے مساوی ہو جاتا ہے اور اختلاف قراءت سے ثبوت تواتر میں کوئی خرابی نہیں آتی، کیونکہ ایک قراءت کسی کو متواتر آجینگی اور دوسری کو نہیں پہنچی۔ اسی وجہ سے کسی قاری نے دوسرے کی قراءت نہیں پڑھی، کیونکہ وہ اس کو علی وجہ تواتر نہیں پہنچی تھی۔“ الخ۔

پھر کہتے ہیں:

”جو متواتر نہیں وہ شاذ ہے اور اس وقت ماسواء عشرتہ ہر قراءت شاذ ہے۔“

سید رحمہ اللہ کے مزاج میں تشدد ہے، ورنہ بوجوہات ذیل ایسا نہ کہتے:

**اول:** اصولی فقہاء و محدثین کہتے ہیں کہ قرآن متواتر ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ ہر اختلافی وجہ متواتر ہے باقی رہے قراء، اُن میں سے مشاہیر ائمہ کا مسلک اوپر بیان ہوا۔ اور حضرت محقق رحمہ اللہ کی اس تصریح کے بعد کہ، جملہ اسلاف کا یہی مذہب ہے اور اُن میں سے کوئی اس کے خلاف نہیں، سید رحمہ اللہ کا پہلا دعویٰ کہاں تک قابل قبول ہے۔

**دوم:** غیر قرآن قرآن سے کس طرح مساوی ہو سکتا ہے، جبکہ صحت سند اور شہرت کی قید لگی ہوئی ہے اور اگر مساوات فی التعریف مراد ہے تو کیا نماز وغیرہ کی بعض احادیث کو، جو متواتر ہیں، اس لیے متواتر نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کو متواتر کہتے ہیں۔

**سوم:** قراءت سببہ اور عشرہ کی ہر وجہ اختلافی کے متواتر ہونے کا کس نے دعویٰ کیا ہے، وہ ظاہر کیا جائے، جبکہ علامہ دانی رحمہ اللہ وغیرہ کی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں۔

**چہارم:** کسی وجہ کے غیر متواتر ہونے سے یہ کس طرح لازم آ گیا کہ وہ ضرور شاذ ہے جبکہ ان کے درمیان صحیح و مشہور کا مرتبہ موجود ہے۔ خود سید رحمہ اللہ اور دیگر شیوخ مصر نے اپنی کتابوں میں ایسی وجوہ بیان کی ہیں اور سید رحمہ اللہ



کا یہ کہنا کہ کسی قاری نے دوسرے کی قراءۃ اس لیے نہیں پڑھی کہ وہ اسے تواتر انہیں پہنچی، بے معنی بات ہے۔ شاید موصوف رواد اور طرق کے اختلاف کے بارہ میں بھی یہی کہہ دیں، حالانکہ وہاں شیخ ایک ہے اور آیا یہ ممکن ہے کہ جو وجہ عاصم رضی اللہ عنہ و ابن کثیر رضی اللہ عنہ کو تواتر پہنچی ہو وہ بصری رضی اللہ عنہ کو، جو ان کے شاگرد ہیں، نہیں پہنچی اور جو حرف حمزہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا وہ کسائی رضی اللہ عنہ کو نہیں پہنچا۔ یقیناً ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے۔

حق وہی ہے جو ائمہ سلف نے بیان کیا اور نتیجہ بحث یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اُس کی تین قسمیں ہیں:

① بالاجماع متواتر ② ایک جماعت کے نزدیک متواتر

پہلی قسم میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا اور دوسری قسم جن حضرات کو تواتر پہنچی اُن کے طرق کا اُس پر اجماع ہونا چاہئے، ان دونوں اقسام کے حروف کے لیے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی، مگر ناممکن ہے کہ یہ عربیت کی کسی وجہ اور رسم کے احتمالاً مطابق نہ ہوں اور اگر بفرض محال خلاف ہوں تب بھی کوئی پرواہ نہیں۔

③ صحیح و مشہور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقاہ و ضابط و عادل بسند متصلہ روایت کریں اور ائمہ فن کے نزدیک مشہور ہو مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو اُس کو اسی شرط سے قبول کیا جائے گا کہ وہ اس ضابطہ کے موافق ہو اور نہ ضعیف، شاذ، یا باطل ہے۔ کما مرّ

اشکال

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صاحب اختیار تک تواتر شرط نہیں ہے صرف صحت نقل کافی ہے، تو قراءات کو متواترہ کیونکر کہا جاسکتا ہے۔

حل

مناہل العرفان فی علوم القرآن میں عبدالعظیم زرقانی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”إن هذه الأركان الثلاثة تكاد تكون مساوية للتواتر في إفادة العلم القاطع بالقراءات المقبولة. بيان هذه المساواة أن ما بين دفتي المصحف متواتر ومجمع عليه من الأئمة في أفضل عهودها وهو عهد الصحابة، فإذا صح سند القراءة ووافقت قواعد اللغة ثم جاءت موافقة لخط هذا المصحف المتواتر كانت هذه الموافقة قرينة على إفادة هذه الرواية للعلم القاطع وإن كان آحادا. ولا تنس ما هو مقرر في علم الأثر من أن خبر الآحاد يفيد العلم إذا احتفت به قرينة توجب ذلك، فكان التواتر كان يطلب تحصيله في الإسناد قبل أن يقوم المصحف وثيقة متواترة بالقرآن. أما بعد وجود هذا المصحف المجمع عليه فيكفي في الرواية صحتها وشهرتها ما وافقت رسم هذا المصحف ولسان العرب.“

قال صاحب الكواكب الدرية نقلا عن المحقق ابن الجزري ما نصه: قولنا: ”صح سندها“ نعني به أن يروي تلك القراءة العدل الضابط عن مثله، وهكذا حتى ينتهي وتكون مع ذلك مشهورة عند أئمة هذا الشأن الضابطين له غير معدودة عندهم من الغلط أو مما شذ به بعضهم“ [مناہل العرفان فی علوم القرآن: ۴۲۱، ۴۲۰]

”قراءات مقبولہ کے بارے میں (ضابط کے) یہ تین ارکان علم قطعی کا فائدہ دینے میں تواتر کے مساوی ہیں۔ اس

مساوات کا بیان یہ ہے کہ مصحف کے درمیان جو کچھ ہے اس پر سب سے بہتر زمانہ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے ائمہ کا تواتر اور اجماع تھا۔ پھر جب سند صحیح ہو تو قواعد لغت اور مصحف تواتر کی رسم کے ساتھ موافقت، روایت کے علم قطعی کا فائدہ دینے پر قرینہ بن جاتا ہے۔ اگرچہ روایت آحاد میں سے ہو۔ نیز یہ بھی مت بھولو کہ علم حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے خبر واحد علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔

گویا مصحف کے متواتر وثیقہ بننے سے پیشتر تو سند میں تواتر کو طلب کیا جاسکتا ہے، لیکن متفقہ مصحف کے وجود کے بعد روایت کی صحت و شہرت ہی کافی ہے جبکہ وہ رسم خط اور عربی زبان کے موافق ہو۔

کواکب الدرر میں محقق ابن جزری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ روایت کی سند کے صحیح ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ عادل و ضابط اپنے جیسوں سے اس قراءت کو روایت کریں اور اسی طرح یہ سلسلہ آخر تک چلے۔ پھر قراءت ماہرین فن کے نزدیک غلط اور شاذ نہ ہو بلکہ مشہور ہو۔“

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مصحف میں جو کچھ ہے وہ تو اجماعی اور متواتر ہے۔ اب صرف اس کی ادائیگی کا مسئلہ رہ گیا؟ تو اس کی ادائیگی کا کوئی طریقہ اگر سند صحیح ہے، اگرچہ متواتر نہ ہو، تب بھی وہ متواتر کے حکم میں ہے اور اس کا وہی حکم ہوگا جو متواتر کا ہوتا ہے۔ غرض حکم کے اعتبار سے وہ متواتر ہے۔ اس لیے اس کو مطلقاً قراءت متواترہ کہا جاتا ہے۔

## خلاصہ مافی الباب

یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن جن وجوہ پر قرآن پڑھتے تھے وہ سب صحیح اور منزل من اللہ تھیں۔ یعنی ہر صحابی رضی اللہ عنہ کو جو حرف حضور ﷺ نے پڑھایا تھا۔ وہ اُن کے لیے تائید و تصدیق اور بغیر شاہد حجت تھا اور ان کے حق میں شدوذ و ضعف ہرگز نہ تھا۔ پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصاحف عثمانیہ پر اجماع کر لیا تو اُمت کے لیے اُن کا اتباع ضروری ہو گیا۔

حضرات تابعین رضی اللہ عنہم کبار نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن پڑھا اور مصاحف عثمانیہ کے مطابق تابعین رضی اللہ عنہم و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کو پڑھایا۔ ان دونوں متبرک جماعتوں کے متعدد حضرات نے کئی کئی شیوخ سے قرآن پڑھا اور وجوہ مشہورہ کا انتخاب کر کے اپنے لیے جدا جدا قراءت اختیار کر لیں اور اتباع رسم کے ساتھ اپنے اختیار کو آحاد وغیر مشہور سے بچایا کیونکہ ان کے حق میں شدوذ و ضعف پیدا ہو گیا تھا نیز اقویٰ فی العربیت کا بھی لحاظ رکھا۔

قرون ثلاثہ میں ان گنت قراءت پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں اور تیسری صدی تک علماء و ائمہ بعد از مختلف قراءت پڑھتے، پڑھاتے اور روایت کرتے تھے، اور جب تیسری صدی میں سلسلہ تصنیف و تالیف شروع ہوا تو ہر مصنف اپنی کتاب میں ان قراءت کو بیان کرتا تھا جو اس کو بسند صحیح متصل پہنچی تھیں، چنانچہ امام ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور قاضی اسماعیل رضی اللہ عنہ نے ۲۵-۲۵ قراءت بیان کی ہیں۔

## باب پنجم: قراءت میں کمی واقع ہونے کی وجہ

خیر القرون کے بعد سند کی طوالت نے جب اکثر لوگوں میں کسل پیدا کر دیا اور بعض کے ضبط و حفظ میں ضعف اور شوق و ہمت میں فرق آ گیا تو علماء نے تعداد مروجہ میں کمی کر دی۔ چنانچہ امام ابوبکر بن مجاہد مقرئ رضی اللہ عنہ بغداد نے، جو اُس وقت دنیا اسلام میں امام الامۃ تھے، قراءت مروجہ میں سے بوجہ شہرت و کثرت وجوہ صحیحہ و موافقت رسم اور عربیت میں اقویٰ ہونے کی بنا پر ائمہ سبعہ کو منتخب کر کے اُن کی قراءت میں کتاب السبعہ تصنیف کی اور اس کے مطابق

روایات و قراءات پڑھانے لگے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں سبعہ پر اقتصار اور امام نافع رحمہ اللہ کو باقی حضرات سے مقدم بیان کیا گیا ہے یہ امر منجانب اللہ ہے کہ اُن کو ان کے انتخاب کا دھیان آیا ورنہ بقول امام ابو محمد کی ستر ائمہ کی قراءات ان سے مقدم موجود تھیں اور ائمہ ثلاثہ کی قراءات کے برابر تھیں مگر امام موصوف رحمہ اللہ کا یہ اعتقاد ہرگز نہ تھا کہ ان کے سوا دیگر قراءات شاذ یا غیر صحیح ہیں۔

اکثر اولوالعزم معاصرین نے امام موصوف کے اس عمل کو ناپسند کیا اور سات کی تعداد پر تو خاص اعتراض تھا، مگر امام ابن مجاہد رحمہ اللہ کی فقید المثال شخصیت و شہرت اور کتاب، سبعہ قراءات کے رواج کا باعث بن گئی اور باقی قراءات کی تعلیم میں کی آنے لگی۔ پھر امام ابو عبد اللہ قیروانی رحمہ اللہ، امام ابوالقاسم طرسوسی رحمہ اللہ اور امام ابوالعباس رحمہ اللہ مہدوی نے مشرق میں سبعہ کو اور مشہور کر دیا۔

چوتھی صدی کے آخر تک اُنڈس اور بلادِ مغرب میں ان سبعہ قراءات مشہورہ کا رواج نہ تھا۔ سبعہ قراءات سب سے پہلے امام ابو عمر طنکی رحمہ اللہ، اُن کے بعد امام ابو محمد کی قیروانی رحمہ اللہ اور امام العلامہ حافظ ابو عمر ودانی رحمہ اللہ نے مصر وغیرہ سے پڑھ کر اُنڈس میں پہنچائیں۔

اوائل پانچویں صدی تک قراءات سبعہ اکثر روایات و طرق مشہورہ کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں چنانچہ علامہ ودانی رحمہ اللہ نے جامع البیان میں پانچ سو روایات و طرق بیان کئے ہیں۔

### روایات کے کم ہونے کی وجہ

اس کے بعد تیسری اور گھٹ گئیں اور طلباء مزید اختصار کے خواستگار ہونے لگے۔ اس پر علامہ ودانی رحمہ اللہ نے تیسری لکھی۔ اس کے شروع میں خود کہتے ہیں:

”آپ صاحبوں نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں آپ کے لیے قراء سبعہ کے مذاہب پر ایک ایسی مختصر کتاب لکھوں جس کا پڑھنا پڑھانا اور یاد کرنا آسان ہو اور اس میں وہ مشہور روایات و طرق بیان کروں جو تھوڑے زمانہ میں حفظ ہو سکیں۔“

پھر کہتے ہیں:

”پس میں نے آپ کی خواہش کے مطابق یہ کتاب لکھی اور اس میں ہر قاری سے دو دو روایات بیان کی ہیں۔“

تیسری کے بعد ائمہ سبعہ کی دیگر روایات کا رول بھی کم ہو گیا اور چھٹی صدی کے آخر میں امام العلامہ شاطبی رحمہ اللہ نے تیسری کو نظم کر کے اس کی روایات و طرق کو چار چاند لگا دیئے اور چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا۔

جس قراءات کا رواج کم ہوتا گیا وہ مندرس ہو گئیں۔ قراءات ثلاثہ بھی غائب ہو جاتیں، اگر ابن مہران رحمہ اللہ، ابن غلبون رحمہ اللہ، ابن شیطا رحمہ اللہ، ابوہازی قلنسی رحمہ اللہ، حافظ ابوالعلا رحمہ اللہ، اور محقق رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ ان کو پڑھتے پڑھاتے اور تصنیف و تالیف سے (جن کا اجمالی حال آئندہ فصل میں آئے گا) ان کی حفاظت نہ کرتے اور اہل مصر وغیرہ اُن کی خدمت نہ کرتے۔ ائمہ سبعہ کی باقی روایات کی بھی یہی کیفیت ہے کہ وہ بھی تیسری کے بعد مندرس ہو گئیں اور جس طرح ان روایات کے اندر اس کا باعث شدوڈ نہیں، اسی طرح اُن قراءات کے اندر اس کا سبب بھی شدوڈ نہیں ہے۔ بلکہ علماء فوت ہو گئے اور علم اُن کے ساتھ چلا گیا۔ آئندہ کوئی جانشین نہ بنا۔ اب اُمت کے پاس سبعہ مشہورہ متواترہ کی دو

مفتی ڈاکٹر عبدالواحد

دو روایات اور قراءات ثلاثہ متواترہ کی دو دو روایات اور چار دیگر قراءات باقی ہیں۔ یہ چاروں بھی صدیاں گزر گئیں پڑھی پڑھائی نہیں جاتیں صرف کتابوں میں بیان ہوتی ہیں۔ عشرہ پڑھائی جاتی ہیں۔ غرض پڑھنے والوں نے جب لوگوں کا کسل اور ان کی ہمتوں میں قصور و فتور دیکھا تو پہلے سب سے پورا پورا سب سے ایک قلیل حصہ پر قانع ہو گئے۔

## ایک شبہ کا ازالہ

بعض آدمیوں کو اس سے شبہ پیدا ہوگا کہ شاید کوئی حرف قرآن کا فوت و مفقود نہ ہو گیا ہو جس سے تمام امت آثم ہوئی اور نیز وعدہ الہی میں تخلف ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلك اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اختلافات سات قسم کے ہوتے ہیں:

- ① صرف حرکات میں اختلاف ہوتا ہے۔ معنی اور صورت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ جیسے بِالْبَحْلِ اور بِالْبَحَلِ۔ يَحْسَبُ اور يَحْسِبُ وغیرہ اور اسی صورت میں اصولی اختلافات داخل ہیں۔
  - ② حرکات و معنی میں اختلاف ہوتا ہے صورت میں نہیں جیسے: ﴿ءَادَهُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَةٍ﴾ مرفوع و منصوب اور منصوب و مرفوع۔
  - ③ معنی میں اختلاف ہوتا ہے حرکات و صورت میں نہیں جیسے تَبَلُّوْا اور تَتَلَّوْا۔ وغیرہ۔
  - ④ صورت میں اختلاف ہوتا ہے حرکات و معنی میں نہیں جیسے بَصْطَةً اور بَسْطَةً، صِرَاطٍ اور سِرَاطٍ وغیرہ۔
  - ⑤ صورت و معنی دونوں میں اختلاف ہوتا ہے، حرکات میں نہیں جیسے اَشَدُّ مِنْكُمْ ، اَشَدُّ مِنْهُمْ۔
  - ⑥ تقدیم و تاخیر جیسے فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔
  - ⑦ زیادہ و نقصان سے جیسے وَوَصَّى ، وَأَوْصَى ، وَقَالُوا اور قَالُوا وغیرہ۔
- ان کے سوا اور قسم کا اختلاف ہرگز نہیں ہوتا۔ خواہ قراءات متواتر مروجہ ہوں یا غیر مروجہ۔ شاذہ ہوں یا ضعیفہ اور یہ تمام اختلافات علی سبیل البدلیت مروی ہیں۔ یعنی ان میں سے جو پڑھی جائے وہ ہی کافی ہے اور قرآن ہے اور امت کے ہر فرد پر تمام وجوہ کا پڑھنا واجب و لازم نہیں ہے جس کی بین دلیل ﴿فَأَقْرءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ [المزمل: 20] ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ متعدد قراءات و روایات و طرق کے اندر اس سے قرآن علی حالہ باقی ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ البتہ تنوع اور طریقہ ترکیب کا بعض حصہ مندرس ہو گیا۔ فافہم و تدبر۔

## باب ششم: کیا ہم منقول روایات و طرق میں خلط کر سکتے ہیں

خلط قراءات کے بارہ میں ائمہ سے مختلف اقوال مروی ہیں۔ ان میں سے بعض مطلقاً منع کرتے ہیں:

① امام ابوالحسن رضی اللہ عنہما، بخاری جمال القراء میں کہتے ہیں:

”بعض قراءات کا بعض سے ملانا خطا ہے۔“

② امام ابو زکریا نووی رضی اللہ عنہما، تبیان میں کہتے ہیں:

”جب کوئی شخص قراءت سب سے کسی قاری کی قراءت پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ کلام مربوط تک وہ ہی پڑھتا چلا جائے۔ اس کے بعد دوسری قراءت پڑھ سکتا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک ہی قراءت پڑھے۔“

③ علامہ جہم بنی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

اگر ایک کلمہ دوسرے سے متعلق ہو تو ترکیب ممنوع ورنہ مکروہ ہے اور بہت سے ائمہ رحمہم اللہ نے خلط کو مطلقاً جائز رکھا ہے۔ وہ مانعین کو برسر غلطی کہتے ہیں اور بعض اعتدال کی جانب گئے ہیں۔ چنانچہ:

محقق رحمہم اللہ کہتے ہیں: ”ہمارے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ اگر ایک قراءت دوسری پر مرتب ہو مثلاً کوئی شخص ﴿فَنَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾ [بقرہ: ۳۷] کو ءادم اور کلمت دونوں کے رفع یا دونوں کے نصب سے پڑھے یعنی ایک قراءت سے ءادم اور دوسری قراءت سے کلمت کا رفع یا نصب لیوے، یا کوئی شخص ﴿وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ [آل عمران: ۳۷] کو تشدید و رفع یا تخفیف و نصب سے تلاوت کرے یا ﴿وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ﴾ [الحديد: ۸] کو بصیغہ معروف و مرفوع پڑھے۔ چونکہ یہ سب باتیں عربیت اور اس لغت کے خلاف ہیں جس پر قرآن نازل ہوا ہے لہذا ایسی تخلیط بہر صورت حرام ہے۔

اور اگر ایک قراءت دوسری پر مرتب نہ ہو تو مقام روایت میں تخلیط ممنوع ہے، کیونکہ اس سے روایت کی تکذیب اور ایک ثقہ امام کی طرف وہ چیز منسوب ہو جاتی ہے جو اس نے نہیں پڑھی، اور اگر تلاوت میں تخلیط ہو جائے تو بلاشبہ جائز، صحیح اور مقبول ہے کوئی ممانعت و حرج نہیں، کیونکہ ہر وجہ منزل من اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ اور قرآن سے پس جو حرف پڑھا جائے وہ ہی کافی ہے۔ طبرانی، معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

”بعض وجوہ کو بعض وجوہ سے ملا کر پڑھنا خطا نہیں۔ یہ خطا ہے کہ قرآن میں وہ چیز ملا کر پڑھی جائے جو قرآن میں۔“

اگرچہ ماہر طرق و روایات اور عارف اختلاف قراءات کے لیے ہم اس کو بھی بایں وجہ عیب سمجھتے ہیں کہ اس سے علماء اور عوام مساوی ہو جاتے ہیں مگر اس وجہ سے نہیں کہ وہ مکروہ یا حرام ہے۔“

اس بارے میں حضرت محقق رحمہم اللہ کا بہترین فیصلہ ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے اور یہی وہ اصول ہے جس پر صاحب مذاہب ائمہ رحمہم اللہ نے قراءات اختیار کیں۔

### باب ہفتم: قراءات سبعہ تیسیر و شاطیہ میں منحصر نہیں ہیں

اکثر آدمیوں کا خیال ہے کہ قراءات سبعہ تیسیر، شاطیہ وغیرہ میں محصور ہیں۔ یہ بھی تخیل ہے ان مختصرات میں حضرات ائمہ سے دو دوراوی مذکور ہیں۔

ائمہ سبعہ نے ۷۵/سال سے ۹۹/سال تک عمر پائی اور ہر ایک نے ساٹھ برس سے زیادہ خدمت قرآن میں صرف کیے۔ تذکروں اور طمقات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ ان گنت طلباء شریک درس ہوتے تھے۔ امام نافع رحمہم اللہ نماز صبح سے قبل پڑھانا شروع کرتے تھے جو عشاء سے بعد تک جاری رہتا تھا اور ہر شخص کے لیے تیس آیتوں کا وقت مقرر تھا بڑی جدوجہد سے سیدنا ورش کو بعد از تہجد زیادہ وقت ملا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے گرد طلباء کا ازدحام دیکھ کر خواجہ حسن بصری نے تعجب سے کہا تھا کہ کیا علماء ارباب بن گئے؟ امام عاصم رحمہم اللہ سے پڑھنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ امام کسائی رحمہم اللہ سے عرضاً قراءت پڑھنا ناممکن ہو گیا تھا بلکہ کثرت طلباء کی بناء پر دور بیٹھنے والوں کو شکل دیکھنی بھی دشوار تھی۔ اسی وجہ سے امام مدوح ممبر پر بیٹھ کر خود پڑھتے تھے اور شائقین آپ کی قراءت اخذ کرتے جاتے تھے۔ یہی حال دیگر ائمہ کا تھا۔ خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ ان سے کتنی مخلوق نے پڑھا اور استفاضہ کیا۔ دنیائے اسلام کی کوئی ہستی ان کے خوشہ چینیوں اور شاگردوں سے خالی تھی۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے راوی یہی دو دو ہیں۔



◎ امام ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”ان مختصرات میں امام ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کے (جن کی قراءت شام و صبح میں زیادہ مروج ہے) ایک شاگرد یزیدی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے دوری رحمۃ اللہ علیہ و سوسی رحمۃ اللہ علیہ دو راوی درج ہیں اور اہل نقل کے نزدیک ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے یزیدی، شجاع، عبدالوارث، ابن سعید، عباس بن فضل، سعید بن اوس، ہارون الماوراء الخفاف، عبید بن عقیل، حسین الجعفی، یونس بن حمیب نحوی، لؤلؤی، محبوب، خارجہ، الجھضمی، عصمہ، اصمعی اور ابو جعفر رواہی رحمۃ اللہ علیہ۔ سترہ شخص مشہور ہیں۔ پر ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت یزیدی رحمۃ اللہ علیہ پر کیسے منحصر ہو سکتی ہے اور باقی روایات کو جو تعداد میں کثیر، فقہ، ضابطہ اور صاحب داریت تھے بلکہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض یزیدی رحمۃ اللہ علیہ سے علم و اوثق ہوں کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔“

پھر یزیدی سے دوری، سوسی، ابو حمدون، محمد بن احمد بن جبیر، اوقیہ ابو الفتح، ابو خلاد، جعفر بن حمدان سجادہ، ابن سعدان، احمد بن محمد بن یزیدی اور ابو الحارث رحمۃ اللہ علیہ دس شخص مشہور ہیں۔ لہذا دوری و سوسی پر کیسے اقتضار کیا جاسکتا ہے۔ اور باقی جماعت کو کس دلیل سے چھوڑا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض دوری و سوسی سے اوثق و واضع ہوں۔

پھر دوری سے ابن فرح (بالحاء المهملة) ابن بشار، ابو الزعراء ابن مسعود السراج، الکاغذی، ابن برزہ، احمد بن حرب المعبعل اور ابن فرح سے زید بن ابی بلال، عمر بن عبدالصمد، ابو العباس، ابن محرز، ابو محمد قطان اور المطوعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور ہیں اور ہمارے زمانہ تک ہر طبقہ کا یہی حال ہے۔

امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کہ (جن کی قراءت مغرب میں زیادہ مشہور ہے) اور مختصرات میں قالون رحمۃ اللہ علیہ و ورث رحمۃ اللہ علیہ دو راوی مذکور ہیں اور اہل نقل کے نزدیک قالون، ورث، اسمعیل بن جعفر، ابوخلید ابن جاز، خارجہ اصمعی، کردم اور مسیبی رحمۃ اللہ علیہ نو حضرات مشہور ہیں اور باقی ائمہ سب کے تلامذہ کا بھی یہی حال ہے۔ پس کیسے ممکن ہے کہ ان ائمہ کے علم کو دو راویوں میں منحصر سمجھ لیا جائے اور باقی حضرات کی روایت کو معطل کر دیا جائے۔ ان دونوں بزرگوں کو باقی اصحاب پر کیا فوقیت تھی جبکہ وہ سب ایک شیخ کے شاگرد ضابطہ اور ثقہ تھے۔

## باب ہشتم: انکار قراءات کا حکم

التحقیق الذي يؤيده الدليل هو أن القراءات العشر كلها متواترة وهو رأي المحققين من الأصوليين والقراء كابن السبكي وابن الجزري والنويري بل هو رأي أبي شامة في نقل آخر، صححه الناقلون عنه. [مناهل العرفان: ۲۳۴]

”تحقیقی بات جس کی تائید دلیل سے ہوتی ہے یہ ہے کہ قراءات عشرہ سب کی سب متواتر ہیں اور یہی محقق اصولیوں اور قراء مثلاً ابن سبکی، ابن جزری اور نویری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے بلکہ ابو شامہ سے یہ قول بھی منقول ہے اور نقل کرنے والوں نے اس قول کو صحیح کہا ہے۔“

لیکن قراءات کا جو ضابطہ ذکر ہو چکا ہے اس کی رو سے ان کا تواتر دو مرحلوں میں ہے۔ ایک تواتر وہ ہے جو صاحب اختیار ائمہ یعنی قراء عشرہ تک پہنچتا ہے اور دوسرا تواتر وہ ہے جو ان قراء عشرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتا ہے۔

## پہلا مرحلہ

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ قراءات کی چھ انواع ہیں:

**الأول:** التواتر وهو ما رواه مجمع من جمع لا يمكن تواطئهم على الكذب عن مثلهم، مثاله ما اتفقت الطرق في نقله عن السبعة وهذا هو الغالب في القراءات.

**الثاني:** المشهور هو ما صح سندُه بأن رواه العادل الضابط مثله وهكذا وافق العربية ووافق أحد المصاحف العثمانية سواء كان عن الأئمة السبعة أم العشرة أم غيرهم من الأئمة المقبولين واشتهر عنه القراء فلم يعدوه من الغلط ولا من الشذوذ إلا أنه لم يبلغ درجة التواتر مثاله ما اختلفت الطرق في نقله عن السبعة فرواه بعض الرواة عنهم دون بعض وهذان النوعان هما اللذان يقرأ بهما مع وجوب اعتقادهما ولا يجوز إنكار شيء منهما [مناهل العرفان: ۴۳۳]

**پہلی نوع متواتر کی ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کو ایک اتنی بڑی جماعت نے اتنی ہی بڑی جماعت سے نقل کیا ہو کہ جس کا جھوٹ پر اتفاق ممکن نہ ہو۔ اس کی مثال قراءت کا وہ حصہ ہے جس میں تمام طرق متفق ہوں اور قراءت میں اکثر حصہ ایسا ہی ہے۔**

**دوسری نوع مشہور کی ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کو عادل و ضابط نے اپنے جیسے سے نقل کیا ہو اور یہ سلسلہ ایسے ہی چلا ہو۔** علاوہ ازیں یہ عربیت کے موافق بھی ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق بھی، جو خواہ قراء سب سے منقول ہو، عشرہ سے منقول ہو یا دیگر مقبول ائمہ قراء سے۔ پھر قراء میں اس کی شہرت ہوگی ہو اور انہوں نے اس کو غلط یا شذوذ میں سے شمار نہ کیا ہو۔ یہ نوع درجہ متواتر کو نہیں پہنچی اس کی مثال قراءت کا وہ حصہ ہے جس کے نقل میں طرق کا اختلاف ہے۔ یہ دونوں انواع وہ ہیں جن کی تلاوت کی جاتی ہے اور جن پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور ان میں سے کسی شے کا بھی انکار جائز نہیں۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ کے اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ ائمہ قراءت تک تواتر، قراءت کے صرف اتنے حصے میں ہے جن میں طرق کا اتفاق ہے۔ اور جو مختلف فیہ ہے اس میں شہرت تو پائی جاتی ہے تواتر نہیں۔

## دوسرا مرحلہ

قراءات کے بارے میں جو ضابط پہلے ذکر ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب اختیار ائمہ نے اخذ قراءت میں تواتر کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ عربیت اور رسم مصحف کی موافقت کے ساتھ صرف صحت سند پر اکتفا کیا۔ علاوہ ازیں بعض متاخرین نے تواتر کو شرط قرار دیا تو ان کے قول کو رد کر دیا گیا اور علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ نے بھی تواتر کے شرط ہونے کے قول سے رجوع کیا۔

● امام ابو محمد کی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”إن جميع ما روي من القراءات على أقسام: قسم يقرأ به اليوم وذلك ما اجتمع فيه ثلاث خصال، وهن أن ينقل عن الثقات عن النبي ﷺ ويكون وجهه في العربية التي نزل بها القرآن ساغوا ويكون موافقا لخط المصحف.“

”نقل کردہ تمام قراءات کی چند قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کی آج کل قراءت کی جاتی ہے اور یہ وہ ہے جس میں

تین باتیں جمع ہوں۔ وہ تین باتیں یہ ہیں:

- ① وہ نبی ﷺ سے ثقہ لوگوں کے واسطے سے منقول ہو۔
  - ② عربیت، جس میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں اس کی کوئی وجہ بنتی ہو۔
  - ③ خط مصحف کے موافق بھی ہو۔
- ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ فی نفسہ تواتر پایا گیا ہو لیکن جب آئمہ نے ضابطہ میں تواتر کا التزام نہیں کیا تو تواتر کا قول کرنا بہر حال ممکن نہیں بلکہ صحت سند پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔
- مذکورہ بالا دونوں مرحلوں کو جب جمع کیا جائے تو حاصل یہ ہوگا کہ قراءات کی نقل میں تواتر ضروری مفقود ہے۔ البتہ بعد کے قرون میں تواتر اور تلقی بالقبول کے پائے جانے کے باعث چونکہ یہ مفید علم ہے، اس لیے یہ تواتر تقدیری یا تواتر نظری ہے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ مندرجہ ذیل باتیں بھی پیش نظر رہیں۔

- ① قرآن اور چیز ہے اور قراءات اور چیز ہیں۔ قرآن تو اس چیز کا نام ہے جو مصاحف کے اندر ثبت ہے اور رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا اور تواتر سے نقل ہوتا چلا آیا۔ جبکہ قراءات زبان سے اس کی ادائیگی کا نام ہے قرآن ایک ہے اور قراءات متعدد ہیں۔

② منابہل العرفان میں عبدالعظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وتناقش هذا الدليل بأننا لا نسلم أن إنكار شيء من القراءات يقتضي التكفير على القول بتواترها وإنما يحكم بالتكفير على من علم تواترها ثم أنكره. والشيء قد يكون متواترا عند قوم، غير متواتر عند آخرين وقد يكون متواترا في وقت دون آخر. فطعن من طعن منهم يحمل على ما لم يعلموا تواتره منها وهذا لا ينفي التواتر عند من علم به، وفوق كل ذي علم عليم. ويمكن مناقشة هذا الدليل أيضا بأن طعن الطاعنين إنما هو فيما اختلف فيه وكان من قبيل الأداء. أما ما اتفق عليه فليس بموضع طعن، ونحن لا نقول إلا بتواتر ما اتفق عليه دون ما اختلف فيه.“

”بعض بڑے علماء نے قراءات پر طعن کیا ہے حالانکہ اگر قراءات متواتر ہوں تو ان کا طعن موجب تکفیر ہوگا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے منابہل العرفان کے مصنف لکھتے ہیں:

تواتر کے قول کو لیتے ہوئے کسی قراءت کا انکار ضروری نہیں کہ موجب تکفیر ہو، کیونکہ تکفیر اس وقت کی جاتی ہے جب کوئی اس کے تواتر کا علم ہوتے ہوئے انکار کرے جبکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے کے بارے میں کچھ لوگوں کے نزدیک تواتر ثابت نہ ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کا طعن مختلف فیہ میں ہو اور کچھ لوگوں کے نزدیک تواتر ثابت نہ ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کا طعن مختلف فیہ ہو جو ادائیگی کی قبیل سے ہو۔ رہا متفق علیہ تو وہ طعن کامل نہیں ہے اور ہم تواتر کا قول صرف متفق علیہ میں کرتے ہیں مختلف فیہ میں نہیں کرتے۔“

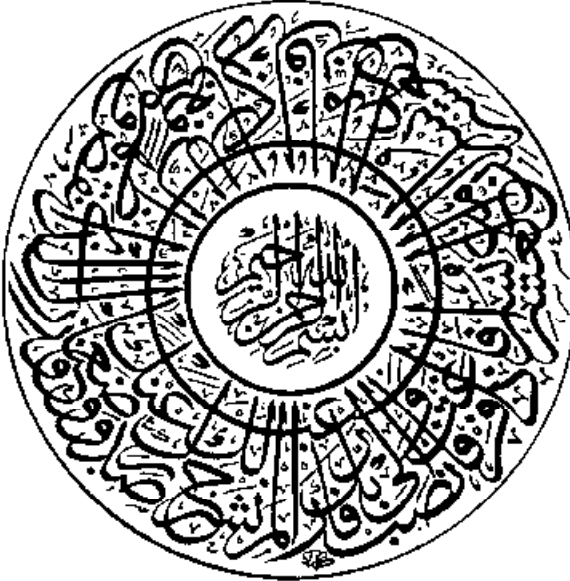
- ③ نبی ﷺ سے منقول اختلافات کی کوئی ترتیب بعینہ واجب نہیں تھی لہذا اصحاب اختیار آئمہ نے شرائط کی پاسداری کرتے ہوئے اپنی اپنی ترتیب سے قراءات اختیار کیں (اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔)

**انکار قراءات کا حکم**

- ① قرآن یا اس کے کسی جز کا انکار کفر ہے۔

- ❶ کوئی تمام قراءتوں کا انکار کرے تو یہ کفر ہے کیونکہ قراءتوں میں قرآن ہی ادا کیا جاتا ہے۔
- ❷ کوئی اگر بعض قراءتوں کو تسلیم کرتا ہو مثلاً روایت حفص کو ماننا ہو اور دیگر کا انکار کرتا ہو تو اس میں مندرجہ ذیل شقیں ہیں:

- ۱۔ کسی محقق کے نزدیک دیگر قراءتوں کا تواتر ثابت نہ ہو اس وجہ سے ان کا انکار کرتا ہو اس پر تکفیر نہ ہوگی۔
- ۲۔ اس کو دیگر قراءتوں کا تواتر سے ثابت ہونا معلوم نہ ہو جیسا کہ عام طور سے عوام کو دیگر قراءتوں کا علم نہیں ہوتا اور صرف انہی لوگوں کو ان کا علم ہوتا ہے جو ان کو پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوں، ایسی لاعلمی کی وجہ سے انکار پر بھی تکفیر نہ کی جائے گی، البتہ ایسے شخص کو حقیقت حال سے باخبر کیا جائے گا۔
- ۳۔ تواتر تسلیم ہونے کے بعد بھی انکار کرے تب بھی تکفیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ حقیقتاً یہ تواتر ضروری نہیں بلکہ قدری و نظری ہے جس پر تکفیر نہیں کی جاتی۔ البتہ یہ سخت گمراہی کی بات ہے، کیونکہ یہ تواتر بھی مفید علم ہوتا ہے۔



## متنوع قراءات کا ثبوت ..... روایت حفص کی روشنی میں

زیر نظر مضمون فاضل مؤلف کی وہ خصوصی کاوش ہے جو انہوں نے مختلف قراءات متواترہ میں موجود متنوع اسالیب اختلاف کو توثیق کی نظر سے دیکھنے والے حضرات کے لیے خاص طور پر ترتیب دیا ہے۔ انہوں نے بڑی محنت سے برصغیر کی قراءات عامہ (روایت حفص) کا اول تا آخر بنظر غائر جائزہ لیا اور روایت حفص میں ہی موجود وہ تمام اختلافات قراءات پیش کر دیئے ہیں جو کہ قراءات عشرہ متواترہ میں الگ الگ پائے جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ روایت حفص میں ان تمام اسالیب اختلاف کے موجود ہونے کی وجہ رُشد قراءات نمبر حصہ اول کے ص ۲۴۴ اور ص ۳۶۱ پر موجود مضامین میں پیش کی جا چکی ہے کہ آسمانوں سے نازل ہونے والے سببہ احرف بعد ازاں دس یا زائد قراءات متواترہ میں اس لیے پھیل گئے کہ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی «فَأَقْرَأُوا مَا تَسْرَرُ» کی وجہ سے خیر القرون نے مختلف حروف سببہ کو اختلاط کے ساتھ پڑھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۴ صدیوں منقول تمام قراءات متواترہ میں سببہ احرف کے جمع اسالیب خلط ملط صورت میں موجود ہیں اور خاص طور پر یہ بات قارئین کیلئے حیرت کا باعث ہوگی کہ روایت حفص میں منزل من اللہ اسالیب سببہ دیگر قراءات کے مقابلہ میں زیادہ بھرپور انداز میں موجود ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے اس بات سے ہزاروں سال قبل واقف تھے کہ اس خطہ ارضی میں فتنہ انکار قراءات (سببہ احرف) وجود میں آئے گا، چنانچہ اللہ کی حکمت بالغہ ہے کہ برصغیر میں راج قراءات عامہ میں سببہ احرف کے جمع اختلافات بھرپور طور پر موجود ہیں تاکہ متنوع قراءتوں کے منکرین کے لیے مجال فرار نہ ہو۔

یاد رہے کہ فاضل مصنف نے روایت حفص کے جائزہ سے متنوع قراءات کے جن اسالیب کی فہرست پیش کی ہے، اس میں مختلف نحووں کے نظریات کے اختلافات پر مشتمل کتب نحو (مثلاً قطر الندی وبل الصدی از امام ابن ہشام اور شروحات الفیہ ابن مالک وغیرہ) اور علم توجیہ القراءات کی کتب سے مزید اضافہ کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ ان کتب میں مختلف اقوال کے دلائل متنوع قراءات سے اور مختلف قراءات کی توجیہ نہایت کے اقوال کے پس منظر میں کی جاتی ہے اور اکثر اوقات روایت حفص میں موجود متنوع اسالیب سے ہی موقف ثابت کیا جاتا ہے۔ [ادارہ]

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وہ عظیم الشان کتاب ہے، جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے سر لی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹]  
قرآن مجید کا ہر حرف، کلمہ، رسم حتیٰ کہ لہجات، قراءات اور آداء بھی محفوظ ہے۔ قرآن مجید چونکہ ایک عالمگیر کتاب

روایت حفص سے متنوع قراءات کا ثبوت

ہے جو ساری کائنات کے لیے رُشد و ہدایت اور روشنی کا باعث ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُمت کی آسانی کے لیے اسے 'سبعہ اُحرف' پر نازل فرمایا: ارشاد نبوی ﷺ ہے: «إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ» [صحیح البخاری: ۴۹۹۲] درج بالا حدیث مبارکہ میں مذکور لفظ 'سبعہ اُحرف' کی تشریح کے بارے میں اہل علم کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور اس میں متعدد اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'الایتنان' میں چالیس (۴۰) اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر اقوال باہم مماثل اور ایک دوسرے کے مترادف ہیں بلکہ اگر کہا جائے کہ مذکورہ تمام اقوال بنیادی طور پر درج ذیل دو اقوال میں سمٹ آتے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

① سبعہ اُحرف بمعنی سبعہ اُوجہ

② سبعہ اُحرف بمعنی سبعہ لغات

اس مضمون کا تعلق مذکورہ دونوں اقوال میں سے پہلے قول (سبعہ اُحرف بمعنی سبعہ اُوجہ) سے ہے۔ یعنی سبعہ اُحرف سے مراد اختلاف قراءات کی سات وجوہ مختلفہ ہیں۔

### سبعہ اُحرف بمعنی سبعہ اُوجہ

متعدد اہل علم 'سبعہ اُحرف بمعنی سبعہ اُوجہ' کے قائل ہیں۔ جن میں سے امام مالک رحمہ اللہ، ابن قتیبہ الدینوری رحمہ اللہ، امام ابو بکر البلقانی رحمہ اللہ اور فن قراءت کے نامور قاری امام ابن الجزری رحمہ اللہ وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

● امام ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولا زلت أستشكل هذا الحديث وأفكر فيه وأمعن النظر من نيف وثلاثين سنة، حتى فتح الله علي بما يمكن أن يكون صواباً إن شاء الله وذلك أنني تتبعت القراءات صحيحها وشاذها وضعيفها ومنكرها فإذا هو يرجع اختلافها إلى سبعة أوجه من الاختلاف لا يخرج عنها.“ [النشر: ۲۶/۱]

”میں تقریباً تیس سال تک مسلسل اس حدیث میں غور و فکر کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کا معنی کھول دیا۔ جو ممکن ہے درست ہو (ان شاء اللہ)۔ وہ یہ ہے کہ میں نے صحیح، شاذ، ضعیف اور منکر سمیت تمام قراءات کو کھنگالا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جملہ قراءات کا اختلاف ان 'سبعہ اُوجہ' سے خارج نہیں ہے۔“

جو اہل علم 'سبعہ اُحرف بمعنی سبعہ اُوجہ' کے قائل ہیں۔ اب ان کے درمیان، سبعہ اُوجہ کی تعیین میں پھر اختلاف پایا جاتا ہے کہ سبعہ اُوجہ سے مراد کون کون سی وجوہ ہیں۔ ہر اہل علم نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق مختلف اُوجہ سبعہ بیان کیں۔ لیکن ان وجوہ میں سے اکثر باہم مماثل اور ایک دوسری کی مترادف ہیں۔ فقط الفاظ کی تعبیر کا اختلاف ہے۔ لیکن زیر نظر مضمون میں ہم آپ کے سامنے ان اُوجہ سبعہ کو بیان کریں گے جو دیگر تمام وجوہ کو محیط ہیں۔

### روایت حفص میں اُوجہ سبعہ کا استقصاء

قراءات عشرہ و دیگر تمام متواتر قراءات 'سبعہ اُوجہ' میں منحصر ہیں یعنی تمام قراءات متواترہ کا جمیع اختلاف، ان وجوہ سبعہ سے خارج نہیں ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ روایت حفص میں مذکورہ اُوجہ سبعہ کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ یعنی جس قسم کا اختلاف قراءات کی ان اُوجہ سبعہ میں پایا جاتا ہے یعنی اس قسم کا اختلاف روایت حفص میں بھی

موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اوجہ سبوعہ (قراءات متواترہ) کا انکار، روایت حفص کے انکار کو مستلزم ہے۔ کیونکہ وہی وجہ سبوعہ، روایت حفص میں بھی پائی جاتی ہیں جو قراءات متواترہ میں موجود ہیں۔ اگر آپ قراءات متواترہ کا انکار کریں گے تو ان وجہ سبوعہ کے روایت حفص میں پائے جانے کی وجہ سے روایت حفص کا بھی انکار ہو جائے گا۔

## اوجہ سبوعہ کی تفصیل

ذیل میں ہم 'اوجہ سبوعہ' میں سے ایک ایک وجہ کو بیان کرتے ہوئے روایت حفص سے اس کی مماثل مثالیں بیان کریں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ اوجہ سبوعہ کی روایت حفص میں بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

### ① تقدیم و تاخیر کا اختلاف

سبوعہ اوجہ میں سے ایک وجہ 'تقدیم و تاخیر کا اختلاف' ہے۔ یعنی قراءات متواترہ میں سے بعض قراءات میں ایک کلمہ مقدم ہے تو دیگر قراءات میں مؤخر ہے۔ جیسے: ﴿وَقْتُلُوا وَ قَاتِلُوا﴾ [آل عمران: ۱۹۵] میں امام حمزہ، کسائی اور خلف العاشر ﴿وَقْتُلُوا وَ قَاتِلُوا﴾، امام ابن کثیر کی ۱۱۱، اور امام ابن عامر شامی ۱۱۱، اور دیگر قراءات کرام ﴿وَقْتُلُوا وَ قَاتِلُوا﴾ پڑھتے ہیں۔

اسی طرح ﴿فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ [توبہ: ۱۱۱] ہے۔ اس جگہ امام حمزہ ۱۱۱، کسائی ۱۱۱، اور خلف العاشر ۱۱۱، ﴿فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ پڑھتے ہیں جبکہ دیگر قراءات کرام ﴿فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ پڑھتے ہیں۔ یاد رہے کہ قراءات عشرہ میں اس نوعیت (تقدیم و تاخیر) کی صرف یہی دو مثالیں ہیں۔

### روایت حفص میں اس کی مثالیں

اوجہ سبوعہ میں سے اس وجہ 'تقدیم و تاخیر کا اختلاف' کی روایت حفص میں متعدد مثالیں موجود ہیں کہ ایک آیت مبارکہ میں کچھ کلمات مقدم ہیں جبکہ دوسری آیت میں مؤخر ہیں روایت حفص میں تقدیم و تاخیر کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

④ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَعَةً وَلَا يُوْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ [بقرہ: ۲۸]

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ [بقرہ: ۱۲۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'عدل' اور 'شفعة' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

④ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بَأْتُهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ [بقرہ: ۶۱]

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا تَفَقَّهُوا إِلَّا حَبْلٌ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٌ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ [آل عمران: ۱۱۴]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'المسكنة' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصْرِيَّ وَالصَّبِيَّيْنَ مِنْ ءَامَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ [بقرہ: ۶۲]  
 ﴿ إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِيَّوْنَ وَالنَّصْرِيَّ مِنْ ءَامَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ [المائدہ: ۶۹]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'النصاری'، الصابون، کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللّٰهُ هُوَ الْهُدَىٰ ﴾ [بقرہ: ۱۲۰]  
 ﴿ قُلْ إِنْ الْهُدَىٰ هَدَىٰ اللّٰهُ ﴾ [آل عمران: ۷۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'هدى الله' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ ءَايَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ﴾ [البقرہ: ۱۲۹]  
 ﴿ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ ءَايَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ [الحجۃ: ۲]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'ويزكئهم' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أَهَلَ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ ﴾ [بقرہ: ۱۷۳]  
 ﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ ﴾ [النحل: ۱۱۵]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'به' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ﴾ [بقرہ: ۲۶۳]  
 ﴿ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ﴾ [ابراہیم: ۱۸]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'مما کسبوا'، علی شئیء، کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بَشْرًا لَّكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴾ [آل عمران: ۱۲۶]  
 ﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بَشْرًا لَّكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ [الانفال: ۱۰]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'به' کی تقسیم و تاخیر واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:



﴿يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ﴾ [آل عمران: ۱۲۹]

﴿يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ﴾ [المائدہ: ۴۰]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں کلمات 'يعذب من يشاء' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَعَابَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسْطِيرُ الْأُولَئِينَ﴾ [مومنون: ۸۳]

﴿لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَعَابَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسْطِيرُ الْأُولَئِينَ﴾ [نمل: ۶۸]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'هذا' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ صَرَفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ [الاسراء: ۸۹]

﴿وَلَقَدْ صَرَفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ [الکہف: ۵۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'الناس' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ﴾ [النساء: ۱۳۵]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾ [المائدہ: ۸]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'بالقسط' اور 'لله' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ [يونس: ۱۸]

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ﴾ [الفرقان: ۵۵]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'ما لا يضرهم ولا ينفعهم' کی تقدیم و تاخیر واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَرَى الْفَلَكَ مَوَاجِرَ فِيهِ وَتَلْتَبِتُونَ مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [النحل: ۱۴]

﴿وَتَرَى الْفَلَكَ فِيهِ مَوَاجِرَ لِتَلْتَبِتُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [فاطر: ۱۴]

## ۲ نقص و زیادت کا اختلاف

سبعہ اوجہ میں سے ایک وجہ 'نقص و زیادت کا اختلاف' ہے، یعنی بعض قراءات میں ایک کلمہ موجود ہوتا ہے جبکہ

دیگر قراءات میں محذوف ہوتا ہے۔ جیسے ﴿وَمَا عَمِلْتُمْ أَيُّدِيهِمْ﴾ [سین: ۳۵] میں امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ، حمزہ رحمۃ اللہ علیہ، کسائی رحمۃ اللہ علیہ اور خلف العاشر رحمۃ اللہ علیہ ﴿وَمَا عَمِلْتُم أَيُّدِيهِمْ﴾ بحذف الہاء پڑھتے ہیں جبکہ دیگر قراءت کرام ﴿وَمَا عَمِلْتُمْ أَيُّدِيهِمْ﴾ بالہاء پڑھتے ہیں۔

اسی طرح ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ﴾ میں امام ابن عامر شامی رحمۃ اللہ علیہ ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ بدون

الواو جبکہ دیگر قراءت کرام ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ﴾ بالواو پڑھتے ہیں۔

روایت حفص سے متنوع قراءات کا ثبوت

## روایت حفص میں اس کی مثالیں

اوجہ سابع میں سے اس وجہ 'نقص و زیادت کا اختلاف' کی بھی روایت حفص میں متعدد مثالیں موجود ہیں کہ ایک آیت مبارکہ میں کچھ کلمات موجود ہوتے ہیں جبکہ دوسری جگہ اسی طرح کی آیت میں محذوف ہوتے ہیں۔ روایت حفص میں نقص و زیادت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ [بقرہ: ۵۷]

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ [آل عمران: ۱۱۱]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'کانوا' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَنزِيلُ الْمُحْسِنِينَ﴾ [بقرہ: ۵۸]

﴿سَنزِيلُ الْمُحْسِنِينَ﴾ [اعراف: ۱۶۱]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حرف 'واو' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ ءَامَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [بقرہ: ۶۲]

﴿مَنْ ءَامَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [مائدہ: ۶۹]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں جملہ 'فلهم اجرهم عند ربهم' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ [بقرہ: ۶۵]

﴿قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ [اعراف: ۱۶۶]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حرف 'ف' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِالْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ﴾ [بقرہ: ۸۳]

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ﴾ [نساء: ۳۶]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حرف 'ب' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا أَتَبَعْتَهُمْ هَوَّاءُ هُمُ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ [بقرہ: ۱۲۰]

﴿وَلَمَّا أَتَبَعْتَهُمْ هَوَّاءُ هُمُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ [بقرہ: ۱۲۵]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'الذی اور من'، ما' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ﴾ [بقرہ: ۱۳۶]

﴿ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ﴾ [آل عمران: ۸۴]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'مَا أُوتِيَ' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ [بقرہ: ۱۸۳]

﴿ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ [بقرہ: ۱۷۵]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'مِنْكُمْ' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَلَوْنَهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ﴾ [بقرہ: ۱۹۳]

﴿ وَتَلَوْنَهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ ﴾ [انفال: ۳۹]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'كُلَّهُ' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَذَّابٍ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَالدِّينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾

[آل عمران: ۱۱]

﴿ كَذَّابٍ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَالدِّينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ

الْعِقَابِ ﴾ [انفال: ۵۴]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا' اور 'كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ﴿ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴾ وارد ہوا ہے مگر ایک جگہ یہی جملہ ﴿ جَنَّتْ

تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴾ [توبہ: ۱۰۰] لفظ من کے بغیر وارد ہے۔

مشارالہ تمام مقامات اور سورۃ توبہ میں حرف 'من' کا نقص و زیادت وارد ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ [المائدہ: ۱۱۹]

﴿ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ [التوبہ: ۱۱۱]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حرف 'وَ' اور 'هُوَ' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴾ [آل عمران: ۵۱]

﴿ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴾ [مریم: ۳۶]

﴿ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا هَذَا صِرَاطَ مُسْتَقِيمٍ ﴾ [زخرف: ۲۴]  
 مذکورہ تینوں آیات مبارکہ میں لفظ 'واؤ' اور 'هو' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا ﴾ [بقرہ: ۱۶۰]  
 ﴿ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ﴾ [آل عمران: ۸۹]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'من بعد ذلك' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا هَلْ كُتِبَ لِمَنْ تَكْفُرُونَ بَايَاتِ اللَّهِ ﴾ [آل عمران: ۷۰]  
 ﴿ قُلْ يَا هَلْ كُتِبَ لِمَنْ تَكْفُرُونَ بَايَاتِ اللَّهِ ﴾ [آل عمران: ۹۸]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'قل' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴾ [آل عمران: ۱۲۶]

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ [انفال: ۱۰]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'لکم' اور 'ان الله' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴾ [آل عمران: ۱۸۳]  
 ﴿ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴾ [فاطر: ۲۵]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حرف 'ب' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ [آل عمران: ۱۸۶]  
 ﴿ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ [لقمان: ۱۷]  
 ﴿ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ [الشوریٰ: ۴۳]  
 مذکورہ تینوں آیات مبارکہ میں سے پہلی میں 'ف' اور تیسری میں 'ل' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ [سبأ: ۲۳]  
 ﴿ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ [احقاف: ۷]

سبحان

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حرف 'واو، إن اور إلا' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَفُورُونَ﴾ [اعراف: ۳۵]

﴿الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَفُورُونَ﴾ [هود: ۱۹]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'هم' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَرَى الْفَلَكَ مَوَاجِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [نحل: ۱۳]

﴿وَتَرَى الْفَلَكَ فِيهِ مَوَاجِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [فاطر: ۱۲]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حرف (واو) کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذَلِكَ بَأْسَ اللَّهِ هُوَ الْحَقُّ وَأَنْ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبُطْلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ [حج: ۲۲]

﴿ذَلِكَ بَأْسَ اللَّهِ هُوَ الْحَقُّ وَأَنْ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبُطْلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ [لقمان: ۳۰]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'هو' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي﴾ [الأعراف: ۱۷۸]

﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي﴾ [الکہف: ۱۷]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حرف 'ی' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْئَلْنِي عَنْ شَيْءٍ﴾ [الکہف: ۷۰]

﴿إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرٌ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [هود: ۳۶]

مذکورہ دونوں آیات میں ایک ہی کلمہ 'تسئلن' بالیاء و بدون الیاء وارد ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ﴾ [بقرہ: ۵۹]

﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ﴾ [اعراف: ۱۲۲]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'منهم' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ﴾ [غافر: ۳۵]

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ﴾ [غافر: ۵۶]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'إن' کا نقص و زیادت واضح ہے۔

روایت حفص سے متنوع قراءات کا ثبوت

### ③ تبدیلی حروف و کلمات (ابدال) کا اختلاف

سبعہ اوجہ میں سے ایک وجہ تبدیلی حروف و کلمات (ابدال) کا اختلاف ہے۔ یعنی قراءات متواترہ میں سے بعض قراءات میں ایک کلمہ ہوتا ہے جبکہ دیگر قراءات میں اس کا متبادل دوسرا کلمہ ہوتا ہے۔ جیسے: ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ﴾ [یونس: ۳۰]  
اس جگہ امام حمزہ، کسائی اور خلف العاشر 'تَبْلُوا' پڑھتے ہیں جبکہ دیگر قراء کرام 'تَبْلُوا' پڑھتے ہیں۔

### روایت حفص میں اس کی مثالیں

اوجہ سبعہ میں سے اس وجہ تبدیلی حروف و کلمات (ابدال) کا اختلاف کی متعدد مثالیں روایت حفص میں موجود ہیں، یعنی ایک آیت میں کچھ حروف و کلمات ہیں جبکہ دوسری آیت میں اس کے بالمقابل دوسرے حروف و کلمات ہیں۔ تبدیلی کلمات کے اختلاف کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ نَجَّيْنَاهُ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ [بقرہ: ۴۹]

﴿وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقْتِلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ [اعراف: ۱۴۱]

﴿إِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ [ابراہیم: ۶]

مذکورہ تینوں آیات مبارکہ میں کلمات 'نَجَّيْنَاهُ'، 'أَنْجَيْنَاكُمْ' اور 'يُدَبِّحُونَ' اور 'يُقْتِلُونَ' کی تبدیلی واضح ہے۔

② ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ [بقرہ: ۵۹]

﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ﴾ [اعراف: ۱۲۲]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'فَأَنْزَلْنَا' اور 'فَأَرْسَلْنَا' وغیرہ کی تبدیلی واضح ہے۔

③ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا أَضْرَبَ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرِبَهُمْ﴾ [بقرہ: ۶۰]

﴿إِنِ اضْرَبَ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرِبَهُمْ﴾ [اعراف: ۱۶۰]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'فانفجرت' اور 'فانبجست' کی تبدیلی واضح ہے۔

④ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾

[بقرہ: ۶۱]

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾  
[آل عمران: ۱۱۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'النبیین' اور 'الانبیاء' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا﴾ [بقرہ: ۲۳]  
﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَاَسْمِعُوا﴾ [بقرہ: ۹۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'واذکروا' اور 'واسمعوا' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ﴾ [بقرہ: ۱۴۰]  
﴿وَإِذْ لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ [بقرہ: ۷۶]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'وإذا خلوا' اور 'وإذا خلا' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَنْ طَهَّرَ آيَاتِي لِلظَّالِمِينَ وَالْعَاقِبِينَ وَالرُّكْعِ السُّجُودِ﴾ [بقرہ: ۱۲۵]  
﴿وَ طَهَّرَ آيَاتِي لِلظَّالِمِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكْعِ السُّجُودِ﴾ [ح: ۲۲]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'والعاقبین' اور 'القائمین' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ [بقرہ: ۱۷۰]  
﴿أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ [المائدہ: ۱۰۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'يعقلون' اور 'يعلمون' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿صَمٌّ بَكْمٍ عَمِيٍّ فَهَمٌّ لَا يَرْجِعُونَ﴾ [بقرہ: ۱۸]  
﴿صَمٌّ بَكْمٍ عَمِيٍّ فَهَمٌّ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [بقرہ: ۱۷۱]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'يرجعون' اور 'يعقلون' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [بقرہ: ۱۹۱]  
﴿وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [بقرہ: ۲۱۷]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'أشد' اور 'أكبر' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَابٍ آلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾  
[آل عمران: ۱۱۳]

﴿ كَذَّبَ آلُ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾ [انفال: ۵۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'کذبوا' بآیاتنا اور کفروا بآیت اللہ وغیرہ کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ ﴾ [ط: ۱۰]

﴿ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبِيرٍ ﴾ [قصص: ۲۹]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'قبس' اور 'خبیر' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ﴾ [انعام: ۵]

﴿ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ﴾ [ت: ۵]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'فقد' اور 'بل' کی تبدیلی واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ ﴾ [ط: ۱۲۸]

﴿ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ ﴾ [السجدة: ۲۶]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں لفظ 'أفلم' اور 'أولم' کی تبدیلی واضح ہے۔

## ۴ ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف

سبعہ اوجہ میں سے ایک وجہ ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف ہے یعنی قراءات متواترہ میں سے بعض قراءات میں حروف نحویہ میں سے ایک حرف ہوتا ہے تو دیگر قراءات میں اس کی جگہ کوئی اور ہوتا ہے۔ جیسے ﴿ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾ [بقرہ: ۱۰۲] اس جگہ امام ابن عامر، حمزہ، کسائی اور خلف العاشر (وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ) پڑھتے ہیں جبکہ دیگر قراء کرام (وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ) پڑھتے ہیں۔

## روایت حفص میں اس کی مثالیں

سبعہ اوجہ میں سے اس وجہ ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف کی روایت حفص میں متعدد مثالیں موجود ہیں یعنی ایک آیت مبارکہ میں ایک حرف نحویہ ہے تو دوسری جگہ اس کے بدلے میں کوئی دوسرا حرف نحویہ موجود ہے۔ روایت حفص میں ادوات (حروف نحویہ) کے اختلاف کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ [بقرہ: ۶۱]

﴿ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ﴾ [آل عمران: ۱۱۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں سے پہلی آیت میں لفظ 'الحق' لام تعریف کے ساتھ معرفہ وارد ہے۔ جبکہ دوسری

آیت مبارکہ میں لفظ 'حق' بدون لام تعریف نکرہ ہے۔



○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ [بقرہ: ۹۵]

﴿وَلَا يَتَمَنَّوْنَ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ [الجمعة: ۷]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حروف نحویہ 'ولن'، اور، 'ولا' کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلٰكِن تَتَّبِعْتْ اَهْوَاَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاَعَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ [بقرہ: ۱۲۰]

﴿وَلٰكِن تَتَّبِعْتْ اَهْوَاَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاَعَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ [بقرہ: ۱۲۵]

﴿وَلٰكِن تَتَّبِعْتْ اَهْوَاَهُمْ بَعْدَ مَا جَاَعَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ [رعد: ۳۷]

مذکورہ تینوں آیات مبارکہ میں حروف بعد الذی، من بعد ما اور بعد ما کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بِلَدًا اٰمِنًا﴾ [بقرہ: ۱۲۶]

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ [ابراہیم: ۳۵]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حروف بلدا اور البلد کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُولُوْا اٰمِنًا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنزِلَ اِلَيْنَا وَ مَا اُنزِلَ اِلَى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبٰطِ وَ مَا اوتِيَ

مُوسٰى وَ عِيسٰى﴾ [بقرہ: ۱۲۶]

﴿قُلْ اٰمِنًا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنزِلَ عَلَيْنَا وَ مَا اُنزِلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبٰطِ وَ مَا اوتِيَ

مُوسٰى وَ عِيسٰى﴾ [آل عمران: ۸۴]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں حروف نحویہ 'اِلینا اور علینا' اور 'الی اور علی' کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ [آل عمران: ۱۲۶]

﴿وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [انفال: ۱۰]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'العزیز الحکیم' اور 'إن اللہ عزیز حکیم' کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَمْ يَهْدِيْهِمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ [ط: ۱۲۸]

﴿اَوْلَمْ يَهْدِيْهِمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ [السجدة: ۲۶]

مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں 'أفلم' اور 'أولم' کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [سبا: ۲۳]

﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [احقاف: ۷]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'اِن، الا' کا اختلاف واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِنُوا نُوْرَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾ [توبہ: ۳۲]

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِنُوا نُوْرَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾ [الصف: ۸]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'اِن يُطْفِنُوا اور لِيُطْفِنُوا' کا اختلاف واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ [اعراف: ۳۳]

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ [يونس: ۴۹]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'وَأَوْ، فَا' کا اختلاف واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَكَدًا﴾ [بقرہ: ۱۱۲]

﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَكَدًا﴾ [يونس: ۶۸]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'وَأَوْ، فَا' کا اختلاف واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَرَى الْفَلَكَ مَوَاجِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [الاحقاف: ۱۳]

﴿وَتَرَى الْفَلَكَ فِيهِ مَوَاجِرَ لِيَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [فاطر: ۱۴]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'وَلِتَبْتَغُوا، لِيَبْتَغُوا' کا اختلاف واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَ لِأَيُّهَا وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ﴾ [الصافات: ۸۵]

﴿إِذْ قَالَ لِأَيُّهَا وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ﴾ [شعراء: ۷۰]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'مَاذِهِ اور مَا' کا اختلاف واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ [انعام: ۲۱]

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ﴾ [الصف: ۷]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'كَذِبًا اور الْكُذِبَ' کا اختلاف واضح ہے۔

● ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ [الانبیاء: ۹۳]

﴿فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ [المؤمنون: ۵۳]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'وَتَقَطَّعُوا اور فَتَقَطَّعُوا' کا اختلاف واضح ہے۔

سید

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَوْ طَآ اِذْ قَالْ لِقَوْمِهِ اَنْتَوْنَ الْفَحِشَةُ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِيْنَ ﴾ [الاعراف: ۸۰]  
 ﴿ وَ لَوْ طَآ اِذْ قَالْ لِقَوْمِهِ اِنْكُمْ لَتَاوْنَ الْفَحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِيْنَ ﴾ [العنكبوت: ۲۸]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'انتون اور انکم لتانوں' کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ اَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِيْنَ ﴾ [الانعام: ۱۱]  
 ﴿ قُلْ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ [النمل: ۲۹]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'ثم انظروا اور فانظروا' کا اختلاف واضح ہے۔

### ۵) صرفی ہیئت کا اختلاف

سبعہ اوجہ میں سے ایک وجہ 'صرفی ہیئت' کا اختلاف ہے۔ یعنی قراءات متواترہ میں سے بعض قراءات میں ایک صیغہ ہوتا ہے جبکہ دیگر قراءات میں کوئی دوسرا صیغہ ہوتا ہے۔ جیسے: ﴿ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴾ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿ [بقرہ: ۱۰] اس جگہ امام نافع رضی اللہ عنہ، ابن کثیر رضی اللہ عنہ، ابو عمرو رضی اللہ عنہ و بصری رضی اللہ عنہ، ابن عامر رضی اللہ عنہ شامی رضی اللہ عنہ، ابو جعفر رضی اللہ عنہ اور یعقوب رضی اللہ عنہ 'يَكْذِبُونَ' مشدود پڑھتے ہیں جبکہ دیگر قراء کرام 'يَكْذِبُونَ' مخفف پڑھتے ہیں۔

### روایت حفص میں اس کی مثالیں

اوجہ سبعہ میں سے اس وجہ 'صرف ہیئت' کا اختلاف کی روایت حفص میں متعدد مثالیں موجود ہیں یعنی ایک آیت مبارکہ میں ایک صیغہ ہے تو دوسری آیت میں دوسرا صیغہ ہے۔ روایت حفص میں صرفی ہیئت کے اختلاف کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِمَّا يٰٓاَتِيْنَكُمْ مِّنِيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ ﴾ [بقرہ: ۳۸]  
 ﴿ فَاِمَّا يٰٓاَتِيْنَكُمْ مِّنِيْ هُدًى فَمَنْ اَتَّبَعَ هُدَاىَ ﴾ [طہ: ۱۲۳]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'تبع اور اتبع' کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ ﴾ [بقرہ: ۴۹]  
 ﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ ﴾ [اعراف: ۱۴۱]  
 ﴿ اِذْ اَنْجَلْنٰكُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ ﴾ [ابراہیم: ۶]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'نجینا کم، انجینا کم، أنجا کم' کا اختلاف واضح ہے۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَّلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ [بقرہ: ۵۷]  
 ﴿ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَّلٰكِنْ اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ [آل عمران: ۱۱۷]

﴿فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ [التوبة: ٤٠]  
 ﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ [النحل: ١١٨]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں ظلمونہ ظلمہم اللہ، لیظلمہم اور ظل منهم کا اختلاف واضح ہے۔

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ [بقرہ: ١٣٤]  
 ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ [آل عمران: ٦٠]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں فلا تکنون اور فلا تکن کا اختلاف واضح ہے۔

② ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ [آل عمران: ١٨٣]  
 ﴿وَإِنْ يَكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ [فاطر: ٢٥]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں کذبوک اور یکذبوک کا اختلاف واضح ہے۔

③ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا جْرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخُسْرُونَ﴾ [سود: ٢٢]  
 ﴿لَا جْرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخُسْرُونَ﴾ [النحل: ١٠٩]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں الأخرسون اور الخسرون کا اختلاف واضح ہے۔

④ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ [کہف: ٤٨]  
 ﴿مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ [کہف: ٨٢]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں نستطع اور تسطع کا اختلاف واضح ہے۔

⑤ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا﴾ [کہف: ٩٤]  
 مذکورہ آیت مبارکہ میں اسطاعوا اور استطاعوا کا اختلاف واضح ہے۔

⑥ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَرِهِمْ جُثْمِينَ﴾ [سود: ٦٤]  
 ﴿وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَرِهِمْ جُثْمِينَ﴾ [سود: ٩٣]  
 مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں واخذ اور أخذت کا اختلاف واضح ہے۔

## ⑦ مفرد اور جمع کا اختلاف

سبعہ اوجہ میں سے ایک وجہ مفرد اور جمع کا اختلاف ہے۔ یعنی قراءات متواترہ میں سے بعض قراءات میں ایک کلمہ مفرد ہے تو دیگر قراءات میں جمع ہے۔ جیسے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ [انعام: ١١٥] اس جگہ امام

عاصم رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ، کسائی رضی اللہ عنہ، یعقوب رضی اللہ عنہ اور خلف العاشر رضی اللہ عنہ بصیغہ مفرد ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ﴾ پڑھتے ہیں جبکہ دیگر قراء کرام بصیغہ جمع ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ﴾ پڑھتے ہیں۔

### روایت حفص میں اس کی مثالیں

اوجہ سابعہ میں سے اس وجہ مفرد اور جمع کا اختلاف کی بھی روایت حفص میں امثلہ موجود ہیں یعنی ایک آیت مبارکہ میں اگر کوئی کلمہ مفرد ہے تو دوسری آیت میں جمع ہے۔ روایت حفص میں اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً﴾ [بقرہ: ۸۰]

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ﴾ [آل عمران: ۲۴]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'معدودات' اور 'معدودات' کا اختلاف واضح ہے۔

② ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قُرُونٍ﴾ [مریم: ۷۷]

﴿أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ﴾ [طہ: ۱۲۸]

مذکورہ دونوں آیات مبارکہ میں 'قرن' اور 'القرون' کا اختلاف واضح ہے۔

### ④ لہجات کا اختلاف

سابعہ اوجہ میں سے ایک وجہ لہجات کا اختلاف ہے۔ یعنی قراءات متواترہ میں سے بعض قراءات میں ایک لہجہ ہے تو دیگر قراءات میں دوسرا لہجہ ہے۔ جیسے تفخیم و ترفیق، فتح و مالہ، مد و قصر، تسہیل و ابدال اور نقل و غیرہ وغیرہ۔

### روایت حفص میں اس کی مثالیں

اوجہ سابعہ میں سے اس وجہ لہجات کا اختلاف کی روایت حفص میں بھی متعدد مثالیں موجود ہیں جو درج ذیل ہیں:

\* تفخیم و ترفیق: قراءت عشرہ میں سے امام ورش رضی اللہ عنہ صاد، طاء اور طاء کے بعد آنے والے لام مفتوح کو موٹا پڑھتے ہیں، جب یہ تینوں حروف مفتوح یا ساکن ہوں۔ جیسے: الصَّلوة، أَظَلَّم۔ جبکہ دیگر قراء کرام ہر حال میں باریک پڑھتے ہیں۔

اسی طرح روایت حفص میں لفظ جلالہ اللہ کے لام کو موٹا پڑھا جاتا ہے، جب اس سے پہلے زبر یا پیش ہو، اور اگر اس سے قبل زیر ہو تو باریک پڑھا جاتا ہے۔ ایسے ہی راء کو متعدد صورتوں میں موٹا پڑھا جاتا ہے اور کئی صورتوں میں باریک پڑھا جاتا ہے۔

\* مد و قصر: قراءت عشرہ میں مد متصل اور مد منفصل کی مدود کو لمبا کرنے کے بارے میں قراءت عشرہ کا اختلاف ہے۔ جن میں امام حفص بھی شامل ہیں۔ امام حفص رضی اللہ عنہ مد متصل اور مد منفصل دونوں میں ہی توسط کرتے ہیں۔

\* فتح و مالہ: قراءت عشرہ میں سے امام حمزہ رضی اللہ عنہ اور امام کسائی رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بکثرت مالہ پایا جاتا ہے۔ اس طرح بعض کلمات میں امام بصری رضی اللہ عنہ اور امام ورش رضی اللہ عنہ بھی مالہ یا تقلیل کرتے ہیں۔

اب اوجہ سابعہ میں سے اس وجہ کی ایک مثال روایت حفص میں بھی پائی جاتی ہے جہاں امام حفص رضی اللہ عنہ امالہ کرتے ہیں۔ وہ لفظ ہے: ﴿مَجْرِبَهَا﴾ [ہود: ۴۳] اس کی راء کو امام حفص رضی اللہ عنہ نے امالہ سے پڑھا ہے۔  
\* نقل حرکت: قراء عشرہ میں سے امام ورش رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بکثرت نقل حرکت پائی جاتی ہے اور وقتاً امام حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔

اوجہ سابعہ میں سے اس وجہ کی ایک مثال روایت حفص میں بھی موجود ہے جہاں امام حفص رضی اللہ عنہ نقل حرکت کرتے ہیں۔ ﴿بَسُّ الْإِسْمِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ [حجرات: ۱۱] یہاں امام حفص نقل حرکت سے پڑھتے ہیں۔  
\* تسہیل: قراء عشرہ میں سے امام نافع رضی اللہ عنہ، مکي رضی اللہ عنہ اور بصري رضی اللہ عنہ کی قراءات میں بکثرت تسہیل وارد ہے۔ اوجہ سابعہ میں سے اس وجہ کی چار مثالیں روایت حفص میں بھی موجود ہیں۔ ایک جگہ صرف تسہیل ہے۔ مثلاً ﴿عَجَبِي﴾ [فصلت: ۴۴] امام حفص رضی اللہ عنہ اس کلمہ کے دوسرے حمزہ میں تسہیل کرتے ہیں جبکہ تین کلمات میں دو وجوہ تسہیل اور ابدال کرتے ہیں۔ وہ تینوں کلمات درج ذیل ہیں:

﴿ءَأَلْتُنَّ﴾ [یونس: ۹۱] ﴿ءَأَلَذَّ كَرِينٌ﴾ [الانعام: ۱۴۳، ۱۴۴] ﴿ءَأَلَلَّهُ﴾ [یونس: ۵۹، نمل: ۵۹]  
مذکورہ تینوں کلمات میں امام حفص رضی اللہ عنہ تسہیل اور ابدال دونوں طرح سے ہی پڑھتے ہیں۔

\* ابدال: قراء عشرہ میں سے امام ورش رضی اللہ عنہ اور سوسی رضی اللہ عنہ کی قراءات میں بکثرت ابدال پایا جاتا ہے۔ جبکہ روایت میں بھی بعض کلمات ایسے ہیں جہاں امام حفص رضی اللہ عنہ کے لیے دو دو وجوہ جائز ہیں وہ کلمات درج ذیل ہیں:  
﴿بَصِطَةٌ﴾ [بقرہ: ۲۴۷] ﴿المُصْطَبِرُونَ﴾ [الطور: ۳۷] ﴿بِمُصْطَبِرٍ﴾ [الغاشیہ: ۲۲]  
ان تینوں کلمات میں امام حفص رضی اللہ عنہ کے لیے سین اور صاد دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کلمات کے اوپر چھوٹی سی (س) لکھ دی جاتی ہے۔

مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سابعہ اوجہ میں پائے جانے والے لہجوں کی مثالیں 'حفص' میں بھی پائی جاتی ہیں۔

## قرآنی قصص میں اسلوبِ بلاغت

مذکورہ اوجہ سابعہ کا اختلاف عموماً ایک ایک کلمہ کے گرد گھومتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف سابقہ اقوام کے قصے نقل کئے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی اقوام کے قصے۔ اگر آپ ان قصص کو غور سے پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ مختلف اسلوب سے کلام کیا ہے اور مختلف مقامات پر مختلف الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو قرآن مجید کے اسلوبِ بلاغت کا ایک معجزہ ہے۔

یاد رہے کہ زیر نظر مضمون میں ہم نے جو سات وجوہ نقل کی ہیں وہ سابعہ احرف کی تعیین میں وارد اہل علم کے اقوال میں سے کسی خصوص قول سے ماخوذ نہیں ہیں بلکہ دو مختلف اقوال سے منتخب کی گئی ہیں "ایک قول سے پانچ اور دوسرے سے دو" اور اس میں ان وجوہ کو منتخب کیا گیا ہے جس کی مثالیں روایت میں بکثرت موجود ہیں۔

ہم اپنی کم علمی کی بناء پر یہی چند ایک امثلہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ذوق اس میدان میں مزید محنت کرے تو یہ امثلہ اس سے کئی گنا زیادہ ہو سکتی ہے۔

امام ابو احمد ابن حسنون  
مترجم: ابوسیف اللہ عتیق الرحمنؒ

## کیا متنوع قراءات محض لغت قریش پر مشتمل ہیں؟

روایت حفص میں لغت قریش کے علاوہ دیگر قبائل (مثلاً کنانہ، طی، کندہ، خثعم، عمان، حمیر، مدین، لخم، غسان، جربہم، ہذیل، خزرج، خزاعہ، تمیم، نبطیہ، ازدشنوہ اور خزیمہ وغیرہ) کی لغات بھی مستعمل ہیں۔ امام عبد اللہ بن الحسین بن حسنون ابو احمد السامری نزیل بغداد (۲۹۵-۳۸۶ھ، ۹۰۸-۹۹۶ء) جو اپنے زمانے کے بہت بڑے قاری، نحوی اور عالم دین تھے انہوں نے اپنی کتاب 'اللغات فی القرآن' میں سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ تک اپنی سند سے قرآن مجید کی ایک روایت حفص میں لغت قریش کے علاوہ دیگر لغات کو ثابت کیا ہے۔ [الأعلام للزركلي: ۷۹/۳]

امام ابن حسنونؒ کی اپنے موضوع پر خصوصی تحریر کا پس منظر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنی اس تحریر کے ذریعے وہ اس موقف کا رد کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا عثمانؓ نے اپنے جمع قرآنی میں لغت قریش کے علاوہ جمع لغات کو ختم کر دیا تھا۔ امام موصوف کا سنہ وفات ۳۸۶ھ ہے جبکہ ابن جریر طبریؒ نے ۳۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف سب سے احرف کے ضمن میں امام ابن جریر طبریؒ کی اس رائے کا بھی رد کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ قراءات عشرہ محض ایک حرف قریش کے متنوع لہجوں پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا بچا اس بات کا بھی مؤید ہے کہ موجودہ قراءات میں مختلف لغات عرب متفرق طور پر موجود ہیں، جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ خیر القرون نے فاقرءوا وما تیسر من القراءان کے مصداق سب سے احرف کو خلط ملط کر کے پڑھا ہے کیونکہ مصنف کی پیش کردہ فہرست صرف ایک روایت حفص کے تجزیہ پر مشتمل ہے۔ [ادارہ]

لغت

معانی

آیات

(سورة البقرة)

لغة كنانة	الجاهل: علم سے بے بہرہ	﴿ اَنْفُومِن كَمَا ءَاَمَنَ السُّفَهَاۗءُ ﴾	۱۳
لغة طيء	الخصب: سیر ہونا/پھل	﴿ رَعَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ﴾	۳۵
لغة عمان	الموت	﴿ فَاَخَذَتْكُمْ الصِّعْقَةُ ﴾	۵۵
لغة طيء	عذابا	﴿ رَجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾	۵۹
لغة كنانة	صاغرین: ذلیل و خوار	﴿ كُوْنُوْا قِرْدًا خُسَیِّیْنَ ﴾	۵۶

لغة جرهم	استوجبوا: مستحق ٹھہرے	﴿ وَبَاءٌ وَبِغْضٍ ﴾	۹۰
لغة السريانية	الجبيل: پہاڑ	﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ ﴾	۶۳
لغة هذيل	باعوا: بیچا	﴿ اشْتَرَوْا الْحَيَاةَ ﴾	۸۶
لغة طيء	خسر: گھٹا	﴿ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ﴾	۱۳۰
لغة طيء	يصيح: چلانا/ چیخ کر پکارنا	﴿ كَمْثِلَ الذَّيْءِ يَنْعِقُ ﴾	۱۷۱
لغة جرهم	ضلال: گمراہی میں	﴿ لَفَى شِقَاقَ بَعِيدٍ ﴾	۱۷۲
لغة جرهم	مالا: مال و دولت	﴿ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ ﴾	۱۸۰
لغة خزرج	جماع: جنسی عمل	﴿ فَلَا رَفَثَ ﴾	۱۹۷
لغة خزاعة	انفروا: نکلنا/ بھاگنا	﴿ ثُمَّ أَفِيضُوا ﴾	۱۹۹
لغة تميم	حسدا: حسد کرتے ہوئے	﴿ بَغِيًّا بَيْنَهُمْ ﴾	۲۱۳
لغة هذيل	حققوا: کسی بات کا سچ کر دکھانا/ پکا کر دینا	﴿ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ﴾	۲۲۷
لغة أزد شنوءة	تحبسوا: روکنا/ قید کرنا/ قبضہ میں رکھنا	﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُمْ ﴾	۲۳۲
لغة نبطية	قطعهن: منقطع کرنا/ کاٹ ڈالنا	﴿ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ﴾	۲۶۰
لغة هذيل	أجر د: خالی کر دینا	﴿ فَتَرَكَهٗ صَدًّا ﴾	۲۶۲

(سورة آل عمران)

لغة جرهم	كأشباه: کی طرح/ اس جیسی	﴿ كَذَّابٍ ءَالَ فِرْعَوْنَ ﴾	۱۱
لغة حمير	الحليم: بردبار	﴿ وَ سَيِّدًا وَ حَصُورًا وَ نَبِيًّا ﴾	۳۹
لغة كنانة	لا نصيب: حصہ	﴿ لَا خَلْقَ لَهُمْ ﴾	۷۶
لغة السريانية	علماء: علم والے	﴿ كُونُوا رِبِّينَ ﴾	۷۹
لغة النبطية	عهدي: وعدہ	﴿ وَ أَخَذْتُمْ عَلَيَّ ذَلِكُمْ إِصْرِي ﴾	۸۱
لغة هذيل	ساعات الليل: رات کی گھڑیاں	﴿ يَتْلُونَ ءَايَاتِ اللّٰهِ ءَانَآءَ اللَّيْلِ ﴾	۱۱۳
لغة عمان	غيا: (بربادی میں) انتہا تک پہنچانا	﴿ لَا يَأْلُوْنَكُمْ حِيَالًا ﴾	۱۱۷
لغة حمير	تجبنا: بزدلی دکھانا	﴿ هَمَّتْ طَائِفَتِن مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ﴾	۱۲۲

(سورة النساء)

لغة قيس عيلان	فريضة: فرض جان کر	﴿ وَ ءَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾	۴
لغة خزاعة	الإفضاء: الجماع: بیوی سے جنسی لغت خزاعة ضرورت پوری کرنا	﴿ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ ﴾	۲۱
لغة سبأ	تخطئوا: غلطی کا ارتکاب کرنا	﴿ وَ يُرِيدُ الذَّيْبِ يَنْتَبِعُونَ الشَّهَوَاتِ ﴾	۲۷
		﴿ أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا عَظِيمًا ﴾	



لغة مزينة	لا تزيديوا: اضافہ کرنا	﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ ﴾	۷۷
لغة النبطية	النصيب: حصہ	﴿ يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا ﴾	۸۵
لغة خزرج	قدير: صاحب قدرت/ اختیار	﴿ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴾	۸۵
لغة أهل اليمامة	ضاق: تنگ ہو گئے	﴿ حَصْرَتْ صُدُورُكُمْ ﴾	۹۰

(سورة المائدة)

لغة بنی حنیفة	العهد: عہد و پیمان	﴿ أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ﴾	۱
لغة هذیل	أحراراً: آزاد	﴿ وَجَعَلَكُمْ مَلُوكًا ﴾	۲۰
لغة مدین	فاقص: فیصلہ فرمادیں	﴿ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴾	۲۵
لغة کنانة	لا تحزن: غمزہ نہ ہوں	﴿ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴾	۲۶

(سورة الأنعام)

لغة هذیل	مُتتَابِعًا: مسلسل / موسلا دھار	﴿ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا ﴾	۶
لغة عُمان	سر بیا: راستہ / سوراخ	﴿ فَإِنِ اسْتَضَعَّتْ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ ﴾	۳۵
لغة کنانة	ثَمَرِهِ: فتح کے ساتھ	﴿ أَنْظُرُوا إِلَىٰ تِمْرَةٍ إِذَا أَثْمَرَ ﴾	۹۹
لغة تميم	ثَمَرِهِ: ضمہ کے ساتھ	﴿ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا ﴾	۱۱۱
لغة تميم	عیانا: آنکھوں کے سامنے، ضمہ کیساتھ	﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ إِمْلَاقٍ ﴾	۱۵۱
لغة لحم	قبلاً: کسرہ کے ساتھ	﴿ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ﴾	۱۵۲
لغة الروم	جوع: بھوک	﴿ وَالْعَدْلَ: انصاف سے	

(سورة الأعراف)

عمداً: جانتے ہو جھتے	﴿ وَطَفِقًا يَخْصِفُ ﴾	۲۲	
لغة غسان	عمد مسحاً: چھپانا / مٹانا	﴿ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ﴾	۲۹
لغة الروم	بالعدل: انصاف سے	﴿ فِي سَفَاهَةٍ ﴾	۶۶
لغة حمير	في جنون: پاگل پن	﴿ كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ﴾	۹۲
لغة جرهم	لم ينعموا: آسودہ ہونا	﴿ إِنَّا هَدَيْنَا إِلَيْكَ ﴾	۱۵۶
لغة العبرانية	تُبنا إليك: رجوع کرنا / توبہ کرنا	﴿ بَعْدَ ابِّ بَيْسٍ ﴾	۱۶۵
لغة غسان	شديد: سخت ترین		

- ﴿ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ﴾ ۱۸۸ اور ہود میں ﴿ بَعْضُ الْهَيْتَتَا بِسُوءٍ ﴾ الجنون: پاگل پن لغت ہڈیل  
 ﴿ إِذَا مَسَّهُمْ طُغْيَانٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ ﴾ ۲۰۱ لُمة: خطره لغت ثقیف

(سورة الأنفال)

- ﴿ يَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا ﴾ ۲۹ مخرجاً: راہ نجات لغت ہڈیل  
 ﴿ إِنَّ هَذَا إِلَّا أَسْطِيرُ الْأُولِينَ ﴾ ۳۱ کلام الأولین: پہلوں کی گفتگو لغت جرہم  
 ﴿ فَشَرَّدَ بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ﴾ ۵۷ نکل: باعث عبرت بنانا لغت جرہم  
 ﴿ وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ ۵۹ يَحْسِبَنَّ: بکسر السین لغت قریش  
 ﴿ يَحْسِبَنَّ: بفتح السین لغت تمیم  
 ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ۶۵ حرص: رغبت دلاؤ لغت ہڈیل

(سورة التوبة)

- ﴿ وَاعْلَمُوا أَنكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ﴾ ۲ سابقی: آگے نکل جانا لغت کنانہ  
 ﴿ وَلِيَجْزِيَ ﴾ ۱۶ بطانہ: بھیدی/خاص دوست لغت ہڈیل  
 ﴿ يَبْشِرُهُم رَّبُّهُمْ ﴾ ۲۱ يَبْشِرُهُم: التخفيف لغت کنانہ  
 ﴿ يَبْشِرُهُم بِالتَّشْدِيدِ ﴾ لغت تمیم  
 ﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ عِيلًا ﴾ ۲۸ الفاقہ: بھوک لغت ہڈیل  
 ﴿ إِلَّا تَنْفَرُوا ﴾ ۳۹ تغزوا: جنگ کرنا لغت کنانہ  
 ﴿ السُّنْحُونَ ﴾ ۱۱۲ الصائمون: روزہ دار لغت ہڈیل  
 ﴿ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ اور النساء الإثم: گناہ لغت ہڈیل  
 ﴿ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ﴾ میں

(سورة يونس)

- ﴿ فَزِيلْنَا بَيْنَهُمْ ﴾ ۲۸ فمیزنا: الگ کرنا لغت حمیر  
 ﴿ وَمَا يَعِزُّبُ عَنْ رَبِّكَ ﴾ ۶۱ یغیب: اوجھل/چھپنا لغت کنانہ  
 ﴿ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ﴾ ۷۱ شہبہ: مشتہ لغت ہڈیل

(سورة هود)

- ﴿ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ ﴾ ۸ شہوۃ: بغض رکھنے والی لغت آزد  
 ﴿ هُمْ أَرَادْنَا ﴾ ۲۷ سفلتنا: کمی کین لغت جرہم  
 ﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا مِمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴾ ۳۶ لا تحزن: غمزدہ ہوں لغت سدوس  
 ﴿ وَيَسْمَاءُ أَقْلَعِي ﴾ ۴۴ احبسی: روک دے

- ﴿ وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ﴾ نقص: کم ہو گیا لغۃ الحبشة ۴۴
- ﴿ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا ﴾ حقیراً: حقیر/سہا ہوا لغۃ حمیر ۶۲
- ﴿ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيئٍ ﴾ ما یشوی بخذ فی الأرض: جو لغۃ العمالقۃ ۶۹
- زمین میں دبا کر بھونا جائے
- ﴿ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ﴾ الدعاء: بہت زیادہ دعا کرنے والا لغۃ النبطیۃ ۷۵
- ﴿ سِيقَهُ بِهِمْ ﴾ کرہم: ناپسند کیا لغۃ غسان ۷۷
- ﴿ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴾ شدید: سخت لغۃ جرہم ۷۷
- ﴿ حِجَابَةٌ مِنْ سِجِّيلٍ مَتَّوودٍ ﴾ من طین: مٹی کے لغۃ الفرس ۸۲
- ﴿ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴾ الأحمق السفیہ: احمق اور بیوقوف لغۃ مدین ۸۷
- ﴿ وَلَا تَرْتَوُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا ﴾ تمیلو: کسی کی طرف ملتفت ہونا لغۃ کنانۃ ۱۱۳

(سورة يوسف)

- ﴿ إِنَّا إِذَا لَخُسْرُونٌ ﴾ لمضیعون: کھودینا لغۃ عیلان ۱۴
- ﴿ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ﴾ ہلم: آؤ لغۃ النبطیۃ ۲۳
- ﴿ وَأَعْتَدتْ لَهُنَّ مُتَّكًا ﴾ الأترج: بڑا لیون لغۃ القبطیۃ ۳۱
- ﴿ وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ ﴾ بعد نسیان: بھولنے کے بعد لغۃ تمیم، ۴۵

(سورة ابراهيم)

- ﴿ وَأَحْلَوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴾ دار الهلاك: ہلاکت کا مقام لغۃ عُمان ۲۸

(سورة الحجر)

- ﴿ مِنْ حَمِيمٍ مُسْنُونٍ ﴾ الحمأ: الطین: مٹی لغۃ حمیر ۲۶
- المسنون: الممتن: بدبودار
- ﴿ إِنَّ دَابِرَ هَوَاءٍ مَقْطُوعٍ ﴾ مستأصل: جڑ سے اکھاڑ دیئے گئے لغۃ جرہم ۶۶

(سورة النحل)

- ﴿ ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا ﴾ صار: ہو گیا لغۃ ہذیل ۵۸
- ﴿ وَأَنْهَمُ مَقْرَطُونَ ﴾ مترکون: کہیں پھینک کر بھلا دیا گیا ہو لغۃ ہذیل ۶۲
- ﴿ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ بَيْنِينَ وَحَفَدَةً ﴾ الحفدة: الأختان: دو بہنیں لغۃ سعد العشیرۃ ۷۲
- ﴿ سَرَابِيلٌ تَقَبَّيْكُمُ الْحَرُّ وَسَرَابِيلٌ تَقَبَّيْكُمُ بَأْسُكُمْ ﴾ الدروع: زرہیں لغۃ کنانۃ ۸۱

(سورة بنی اسرائیل)

- ﴿ وَتَلْعَلْنَ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴾ لتقهرن: غلبہ حاصل کرو گے لغۃ لحم ۴
- ﴿ فَبَاسُوا خَلِلَ الدِّيَارِ ﴾ فتخللوا: ٹھس گئے لغۃ ہذیل ۵
- الأزقة: تنگ جاہیں

لغة أنمار	عملہ: اس کے اعمال	﴿ وَكُلِّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَهُ لَطْفًا فِي عُنُقِهِ ﴾	۱۳
لغة هذيل	المسرفين: فضول خرچ	﴿ إِنَّ الْمُبْدِرِينَ ﴾	۲۷
لغة جرهم	المنقطع: علیحدہ رکٹا ہوا	﴿ فَتَقَعْدُ مَلُومًا مَّصُورًا ﴾	۲۹
لغة حمير	يحر كون: ہلانا/اشارہ کرنا	﴿ فَسَيَنْغُضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ ﴾	۵۱
لغة جرهم	بحیاکتہ: پیشے کے مطابق	﴿ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ ﴾	۸۲

(سورة الكهف)

لغة الروم	الرقيم: الكلب: کتا	﴿ أَنْ أَصْحَبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ ﴾	۹
لغة خثعم	كذباً: جھوٹ	﴿ لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ﴾	۱۳
لغة كنانة	ناحية: جہت/کنارہ	﴿ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ﴾	۱۷
لغة خزرج	بالفناء: صحن/ہال	﴿ بَسِطْ ذِرَاعِيهِ بِالْوَصِيدِ ﴾	۱۸
لغة هذيل	ظناً: گمان/اندازہ	﴿ رَجِمًا بِالْغَيْبِ ﴾	۲۲
لغة هذيل	ملجأ: جائے پناہ	﴿ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴾	۲۷
لغة الفرس	الديباج الغليظ: بھاری ریشم	﴿ وَاسْتَبْرَقِ ﴾	۳۱
لغة حمير	برداً: اولے	﴿ وَيُرْسِلْ عَلَيْهَا حِسَابًا مِنَ السَّمَاءِ ﴾	۴۰
لغة كندة	لا أزول: ثابت قدم رہنا/پٹنا نہیں	﴿ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتْنِهِ لَا أْبْرَحُ ﴾	۶۰
لغة تميم	الصدفين: العجبلين: دو پہاڑ	﴿ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدْقَيْنِ ﴾	۹۶
لغة هذيل	يخاف: ڈرنا	﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ ﴾	۱۱۰

(سورة مريم)

لغة كنانة	قحو لا: بڑھاپے کی بنا پر جلد کا خشک ہو جانا	﴿ وَقَدْ بَلَغَتْ مِنَ الْكِبَرِ عِتْيًا ﴾	۸
لغة كنانة	خصماً: جھگڑالو	﴿ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾	۸۲

(سورة طه)

لغة النبطية	البحر: سمندر	﴿ فَأَقْذَفْتَنِي فِي الْيَمِّ ﴾	۳۹
لغة أشعر	مرة أخرى: دوسری مرتبہ	﴿ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ﴾	۵۵

(سورة الأنبياء)

لغة هذيل	حرم على قرية: حرم علی قریہ	﴿ وَحَرَّمَ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ﴾	۹۵
لغة جرهم	يخرجون: نکلیں گے	﴿ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴾	۹۶

(سورة الحج)

لغة هذيل	مغبرة: غبار آلود	﴿ وَتَرَىٰ الْأَرْضَ هَامِدَةً ﴾	۵
	مقشعرة: پیڑ یاں جمی ہوئی		

( سورة المؤمنون )

- ٢٠ ﴿ تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ ﴾ الجبل: پہاڑ لغة السريانية  
 ٤٢ ﴿ أَمْ تَسْتَلْهُمْ حُرَجًا ﴾ جُعلًا: مقرر شدہ مزدوری (بغير الف) لغة حمير  
 ٤٤ ﴿ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْسُونَ ﴾ آيسون: مایوس لغة كنانة  
 ١٠٨ ﴿ قَالَ اخْسَأْ فِيهَا ﴾ ابعدوا: کنارہ کش ہونا/ایک طرف ہوجانا بلغة عذرة

( سورة النور )

- ٣٥ ﴿ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ ﴾ الكوة: روشندان لغة الحبشية  
 ٣٣ ﴿ فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خَلِيلِهِ ﴾ المطر: بارش لغة جرهم

( سورة الفرقان )

- ٣٨ ﴿ وَأَصْحَابِ الرَّسِّ ﴾ أصحاب البنات: بیٹیوں والے لغة أزد شنوءة  
 ٣٩ ﴿ وَكَلَّا تَبَرَّنَا تَتَّبِعِرًّا ﴾ أهلکنا: ہلاک کرنا لغة سبأ

( سورة الشعراء )

- ٥٢ ﴿ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴾ عصابة: گروہ/جماعت لغة جرهم  
 ١٢٨ ﴿ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ ﴾ طريق: راستہ لغة جرهم

( سورة القصص )

- ٣٢ ﴿ وَأَضْمَمْنَا إِلَيْكَ جَنَاحَ مَنْ الرَّهْبِ ﴾ الجناح: الید: ہاتھ لغة بنی حنیفة  
 الرَّهْبِ: الرهب: الکم: آستین

( سورة الأحزاب )

- ٨ ﴿ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾ موجعا: تکلیف دہ لغة العبرانية  
 ٢٦ ﴿ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَّاصِيهِمْ ﴾ من حصونهم: قلعة لغة قيس عيلان  
 ٣٢ ﴿ قَيْطَمَعٍ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرِيضٌ ﴾ الزنا: صحبت لغة حمير

( سورة السبأ )

- ١١ ﴿ وَقَدَّرَ فِي السَّرْدِ ﴾ المسمار: کرڑی کی ترتیب لغة كنانة  
 ١٢ ﴿ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ﴾ النحاس: تانا لغة جرهم  
 ١٣ ﴿ تَأْكُلُ مِنْسَاتَهُ ﴾ عصاه: لٹھی لغة حضر موت،

- ٥٢ ﴿ وَأَنْتَ لَهُمُ التَّنَاوُسُ ﴾ التناول: گرفت/پکڑ لغة جرهم

( سورة يس )

- ٢٤١ ﴿ يَسَّ وَالْقُرْءَانَ الْحَكِيمَ ﴾ يا إنسان لغة طيء

( سورة الصافات )

- ٩٠٨ ﴿ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا ﴾ دحور: طرد: دھتکارنا لغة كنانة

ت

لغة هذيل	مضىء: روشن / چمکتا ہوا	﴿ فَأَتَبَعَهُ شَهَابٌ ثَائِبٌ ﴾	۱۰
لغة الحجاز	متنا: بالكسر	﴿ أَعِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ﴾	۱۶
لغة تميم	متنا: بالرفع		
لغة كندة	أو يزيدون: بل يزيدون	﴿ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴾	۱۲۳
لغة حمير	بعلا: ربا: پروردگار	﴿ أَتَدْعُونَ بَعْلًا ﴾	۱۲۵

(سورة ص)

وليس حين فرار: اس وقت کوئی بچاؤ	لغة القبطية	﴿ وَآلَاتٍ حِينَ مَنَاصٍ ﴾	۳
نہیں تھا			
لغة النبط	کتابنا: ہمارا لکھا/ تقدیر	﴿ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَا ﴾	۱۶
لغة كنانة، هذيل	المطيع: فرمانبردار	﴿ كُلُّ لَهَّ أَوَّابٌ ﴾	۱۹
وقيس عيلان			
لغة الأزدي وعمان	حيث أراد: جہاں چاہے	﴿ تَجْرِي بِأَمْرِ رُحَاءٍ حَيْثُ أَصَابَ ﴾	۳۶
لغة قریش	سخريا: بالكسر	﴿ اتَّخَذْتَهُمْ سَخِرِيًّا ﴾	۶۳
لغة تميم	سُخْرِيَا: بالضم		
لغة قيس عيلان	فإنك ملعون: تم پر لغت کی گئی ہے	﴿ فَأَخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴾	۷۷

(سورة الزمر)

لغة تميم وأشعر	مالت: متوجہ ہونا/ مائل ہونا	﴿ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ ﴾	۲۵
لغة الفرس، الأنباط	مفاتيح: چابیاں	﴿ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾	۶۳
والحبشة			

(سورة الغافر)

لغة أزد شنوءة	مكرويين: تکلیف چھپانے والے	﴿ كَظِيمِينَ ﴾	۱۸
لغة خثعم	مانع: بچانے والا	﴿ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ﴾	۲۱
لغة قریش واليمن	وجب: واجب ہو گیا	﴿ وَحَاقَ بِأَلْفِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴾	۲۵

(سورة حم السجدة)

لغة تميم	مقشعرة: پیپڑیاں بنی ہوئی	﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْآرْضَ خُشْعَةً ﴾	۳۹
----------	--------------------------	--	----

(سورة الزخرف)

لغة تميم	يكذبون: جھوٹ بولتے ہیں	﴿ إِنَّهُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴾	۲۰
لغة قيس	تكرمون: عزت کیے جاؤ گے۔	﴿ أَنْتُمْ وَأَرْجُومُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴾	۷۰

		(سورة المنافقون)
لغة خزرجية	ذهبوا: نکل جانا/ چلے جانا	﴿حَتَّىٰ يَنْفَضُوا﴾
		(سورة التحريم)
لغة خثعم	مالت: جھکنا/ ماںل ہونا	﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾
		(سورة الحاقة)
لغة أزد شنوءة	غسلين: الحار: گرم	﴿وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسِيلِينَ﴾
		(سورة المعارج)
لغة خثعم	ضجورا: تگ دل/ تھوڑ دلا	﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خَلِيقٌ هَلُوعًا﴾
		(سورة نوح)
لغة جرهم	تغطوا: ڈھانپنا	﴿وَاسْتَعْشُوا شِيَابَهُمْ﴾
لغة هذيل	ألوانا: مختلف رنگوں میں	﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾
		(سورة المزمل)
لغة حمير	شديداً: سختی سے	﴿فَأَخَذْتَهُ أَخْذًا وَبِيلاً﴾
		(سورة القيامة)
لغة النبطية	لا ملجأ: جائے پناہ	﴿كَلَّا لَا وَزَرَ﴾
		(سورة النبأ)
لغة هذيل	نوما: نیند	﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا﴾
لغة هذيل	ملاى: بھرا ہوا	﴿وَنَأْسًا دِهَاقًا﴾
		(سورة النازعات)
لغة همدان	مضطربة: دھڑکتا ہوا	﴿قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ﴾
لغة أنمار وأشعر	أظلم: اندھیرا ہونا/ کرنا	﴿وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا﴾
		(سورة عبس)
لغة كنانة	كتبة: لکھنے والے	﴿بِأَيْدِي سَفَرَةٍ﴾
لغة قيس عيلان	حدائق: بساتين: باغات	﴿وَحَدَائِقَ غُلْبًا﴾
لغة قریش	والغلب: المتلفة: بہت پھل دار	
		(سورة التکویر)
لغة خثعم	جمعت: اکٹھے ہوں گے	﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾
لغة قریش	بضنين: بخیل: کجوس	﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾
لغة هذيل	بظنين: متہمب: تہمت سے بچا ہوا	
		(سورة المطففين)

متنوع قراءات اور لغت قریش

لغة حمير	مختوم: مہرگا	﴿ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴾ ۹
(سورة الطارق)		
لغة کنانة	المضیء: روشن	﴿ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴾ ۳
(سورة الغاشية)		
لغة مدين	الحارة: گرم	﴿ مِنْ عَيْنٍ انِيَّةٍ ﴾ ۵
لغة هذيل	الطنافس: تیلے	﴿ وَزَّابِيٌ مِّبْثُوثَةٌ ﴾ ۱۶
(سورة البلد)		
لغة هذيل	ذی مجاعة: خشک سالی/ قحط	﴿ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴾ ۱۴
(سورة العاديات)		

۲ ﴿ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ﴾ لکفور: ناشکرا  
 مذکورہ مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ روایت حفص میں لغت قریش کے علاوہ دیگر لغات بھی پائی جاتی ہیں، جن کی تفصیل آپ کے سامنے ہے۔ اس سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حرف کو باقی رکھا اور وہ لغت قریش تھا۔ امام ابن حسنون کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ روایت حفص صرف لغت قریش پر مشتمل ہے، حالانکہ روایت حفص میں متعدد لغات موجود ہیں، اگر روایت حفص کے علاوہ دیگر روایات کو بھی دیکھا جائے تو ان میں بھی متعدد لغات ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح مذکورہ کتاب کی روشنی میں یہ بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم نوا علماء کے برعکس موجودہ قراءات عشرہ حفص ایک حرف لغت قریش کے لہجات پر نہیں بلکہ تمام قراءات میں متعدد لغات عرب موجود ہیں۔



### اہل علم کے لیے دعوت عام

منتظمین ادارہ نے اپنی سابقہ پالیسی میں تبدیلی لاتے ہوئے ماہنامہ رشد کو صرف طلباء کی بجائے تمام اہل علم، اساتذہ اور طلباء کیلئے عام کر دیا ہے۔ چنانچہ اہل علم و دانش کو مجلہ مذکورہ میں لکھنے کی بھرپور دعوت دی جاتی ہے۔ نیز علم قراءات سے وابستہ اہل علم، اساتذہ اور طلباء کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ادارہ نے مستقبل میں علم قراءات کیلئے ہر ماہ ایک کالم خاص کر دیا ہے تاکہ تعارف و حجیت قراءات کو مستقل بنیادوں پر آگے بڑھایا جاسکے، البتہ ماہنامہ رشد کا تنہیم ایڈیشن طلبہ جامعہ لاہور کیلئے خاص رہے گا۔ [ادارہ]



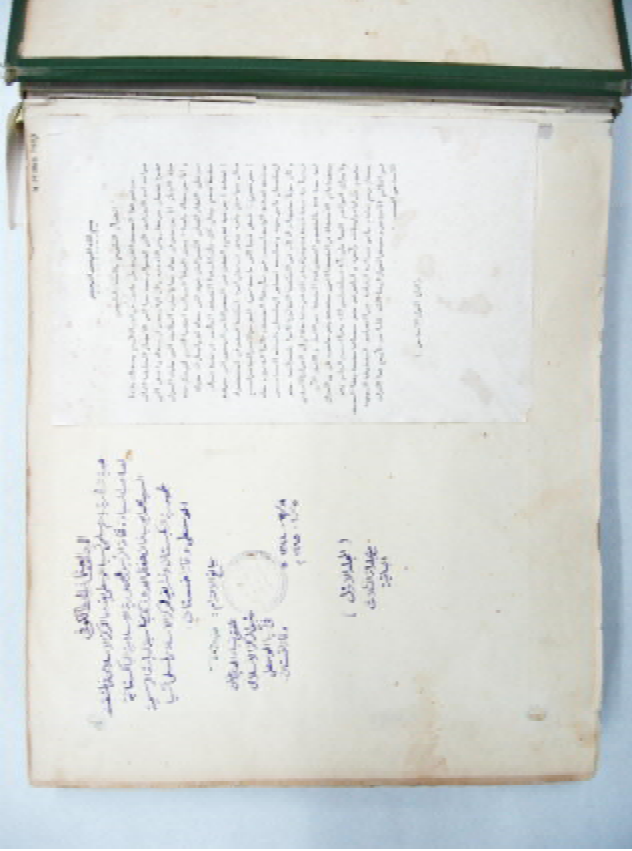
## مصاحفِ عثمانیہ..... اختلافِ قراءات اور رسم کی نوعیت

مستشرقین کے غلط نظریات کے پیش نظر عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومتی سطح پر متفق علیہ مصحف لکھوا کر متنوع قراءات کے معجزہ قرآنی، کو ختم کر دیا تھا۔ رُشد قراءات نمبر ۲ میں قاری نجم الصبیح تھانوی کا مضمون 'متنوع قراءات کا ثبوت مصاحفِ عثمانیہ کی روشنی میں' اس کے رد میں شائع ہوا تھا، جبکہ شمارہ ہذا میں حافظ محمد زبیر کا مضمون شامل اشاعت ہے جس میں قراءاتِ عشرہ پر مشتمل متعدد مصاحفِ عثمانیہ کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لکھوائے گئے ان مصاحف میں متعدد مقامات میں موجود فروق اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ جمع عثمانی متنوع قراءات پر مشتمل تھی۔ محفوظ صورت میں ہم تک پہنچنے والے کئی تاریخی مصاحف، جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں، آج بھی معروف کتب خانوں کی زینت ہیں، جن میں توپ کا پی میوزم کا مصحف، مصر کے مرکزی مکتبہ مخطوطات اسلامیہ کا مصحف اور مصحف تاشقند قابل ذکر ہیں، چند ماہ قبل مصحف توپ کا پی میوزم کو ترکی حکومت نے علمی ورثہ کے طور اصل حالت میں شائع کر دیا ہے۔ اس مصحف کے شروع میں بطور فائدہ مصحف کوئی (روایت حفص) سے تقابل کرتے ہوئے جن جن مقامات پر کوئی رسم کا اختلاف تھا ان کی ایک فہرست بھی شائع کر دی گئی ہے۔ قارئین رُشد کی دلچسپی اور علمی فائدے کیلئے اس فہرست اور مذکورہ مصاحف کے چند صفحات کے عکس پیش خدمت ہیں۔

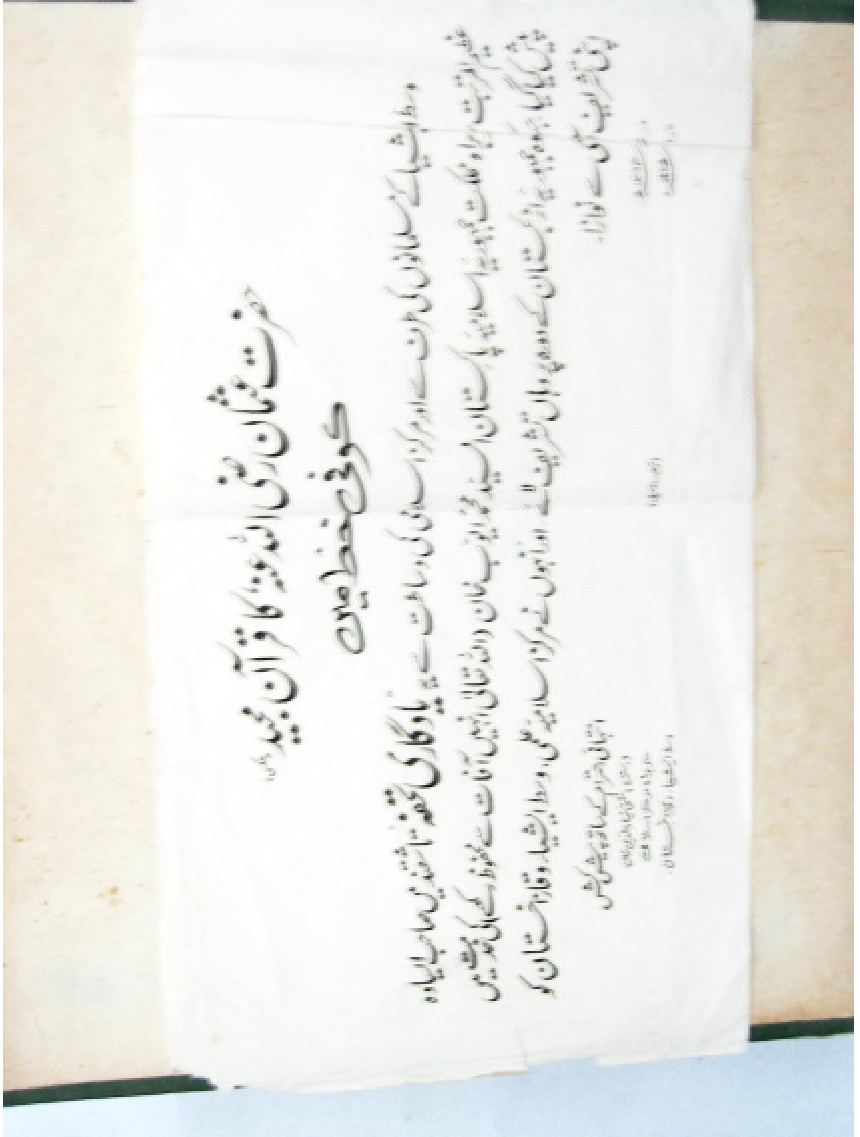


مصحف تاشقند کی جلد



ریشہ

’مرکز اسلامی، تاشقند کی طرف سے صدر محمد ایوب خان کو تحفے میں دیئے گئے مصحف تاشقند کے حوالے کا ٹکس



’مرکز اسلامی‘، تاشقند کی طرف سے صدر محمد ایوب خان کو تحفے میں دیئے گئے ’مصحف تاشقند‘ کے حوالے کے عکس کا اُردو ترجمہ

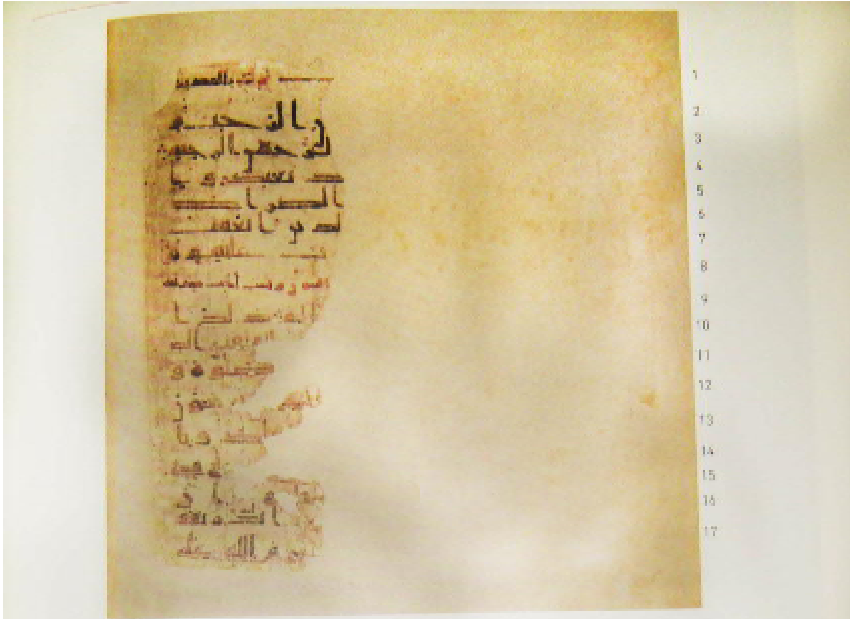


ریشیہ

مصحف تاشقند سے ایک ورق کا عکس (سورة البقرة: ۸۷ تا ۸۹)



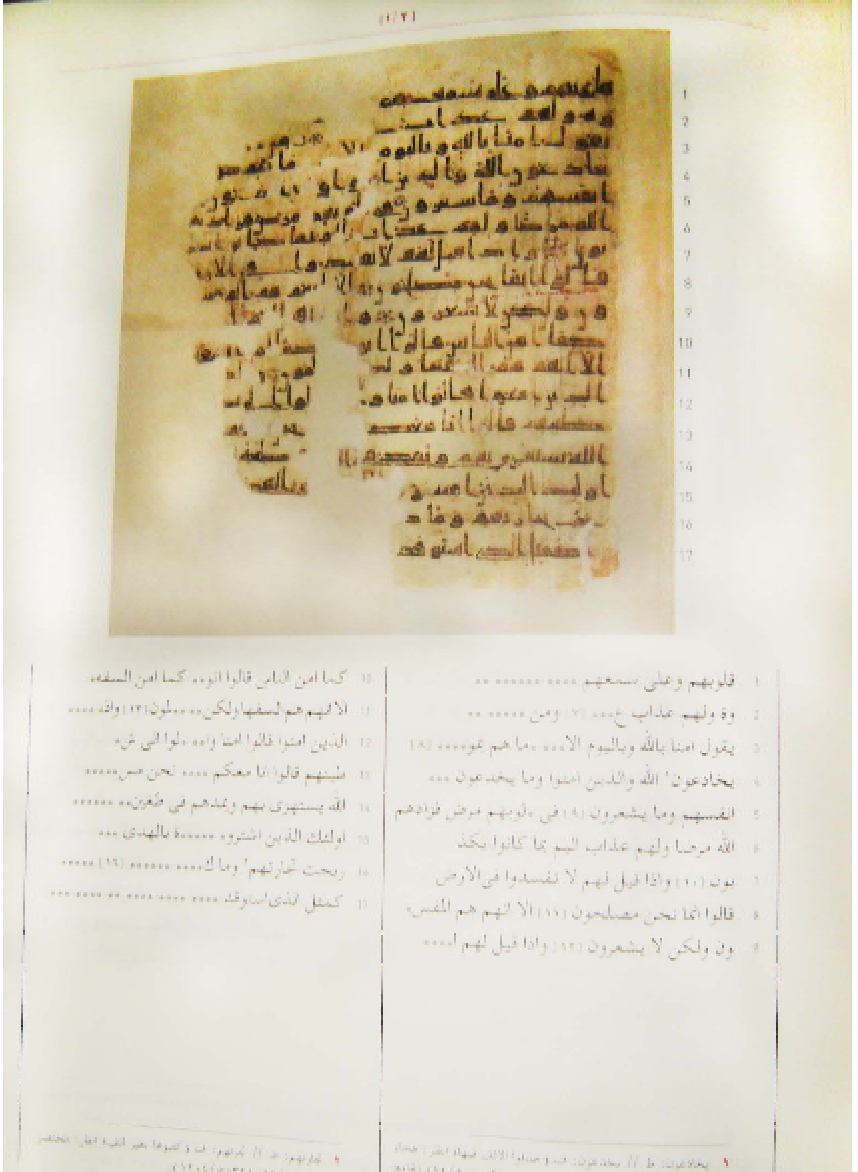
مصحف توپ کاپی میوزم کے سرورق کا عکس



[سورة البقرة - ( ۲ ) - عدد آياتها ۲۸۶]	[سورة الفاتحة - ( ۱ ) - عدد آياتها ۷]
۱ ..... ۱	۱ ..... ۱
۲ ..... ۲	۲ ..... ۲
۳ ..... ۳	۳ ..... ۳
۴ ..... ۴	۴ ..... ۴
۵ ..... ۵	۵ ..... ۵
۶ ..... ۶	۶ ..... ۶
۷ ..... ۷	۷ ..... ۷
۸ ..... ۸	۸ ..... ۸
۹ ..... ۹	۹ ..... ۹
۱۰ ..... ۱۰	۱۰ ..... ۱۰
۱۱ ..... ۱۱	۱۱ ..... ۱۱
۱۲ ..... ۱۲	۱۲ ..... ۱۲
۱۳ ..... ۱۳	۱۳ ..... ۱۳
۱۴ ..... ۱۴	۱۴ ..... ۱۴
۱۵ ..... ۱۵	۱۵ ..... ۱۵
۱۶ ..... ۱۶	۱۶ ..... ۱۶
۱۷ ..... ۱۷	۱۷ ..... ۱۷

مشکل

مصحف توپ کا پی میوزم کی سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی پہلی چھ آیات کا کس



تشریح

مصحف توپ کا پی میوزم کی سورہ بقرہ (آیت نمبر ۷ تا ۱۷) کا عکس

التفرق بين المصاحف العثمانية وبين مصحفي طبرقاني وطشندة

مصحف طشندة	مصحف طبرقاني	مصحف الشام	مصحف مصر	مصحف الكوفة	مصحف مكة	مصحف الداريا	اسماء السور
وقال النجد	وقال النجد	وقال النجد	وقال النجد	وقال النجد	وقال النجد	وقال النجد	الطيرة 2/116
واوصى	واوصى	واوصى	واوصى	واوصى	واوصى	واوصى	الطيرة 2/132
وسار عوا	وسار عوا	وسار عوا	وسار عوا	وسار عوا	وسار عوا	وسار عوا	آل عصم ان 3/133
والزبير والكتاب	والزبير والكتاب	والزبير والكتاب	والزبير والكتاب	والزبير والكتاب	والزبير والكتاب	والزبير والكتاب	آل عصم ان 3/184
الا قبل	الا قبل	الا قبل	الا قبل	الا قبل	الا قبل	الا قبل	النساء 4/66
يقول الذين	يقول الذين	يقول الذين	يقول الذين	يقول الذين	يقول الذين	يقول الذين	الانبية 5/53
من برئده	من برئده	من برئده	من برئده	من برئده	من برئده	من برئده	الانبية 5/54
والدار	والدار	والدار	والدار	والدار	والدار	والدار	الانعام 6/32
لئن احييتنا	لئن احييتنا	لئن احييتنا	لئن احييتنا	لئن احييتنا	لئن احييتنا	لئن احييتنا	الانعام 6/63
شر كانوا هم	شر كانوا هم	شر كانوا هم	شر كانوا هم	شر كانوا هم	شر كانوا هم	شر كانوا هم	الانعام 6/137
ينذركون	ينذركون	ينذركون	ينذركون	ينذركون	ينذركون	ينذركون	الاعراف 7/3
وما كنا ليهتدى	وما كنا ليهتدى	وما كنا ليهتدى	وما كنا ليهتدى	وما كنا ليهتدى	وما كنا ليهتدى	وما كنا ليهتدى	الاعراف 7/43
قال الا	قال الا	قال الا	قال الا	قال الا	قال الا	قال الا	الاعراف 7/75
والا ليهتكم	والا ليهتكم	والا ليهتكم	والا ليهتكم	والا ليهتكم	والا ليهتكم	والا ليهتكم	الاعراف 7/141
تجرى تحيها	تجرى تحيها	تجرى تحيها	تجرى تحيها	تجرى تحيها	تجرى تحيها	تجرى تحيها	التوراة 9/100

مشتعل

مصاحف عثمانیہ، مصحف توپ کاپی میوزیم اور مصحف تاشقند کے مابین رسم اور قراءات کے اختلافات کی فہرست



## رُشْدًا

الفرق بين المصحف العثماني وبين مصحفي طرغماي وطشقند

مصحف طشقند	مصحف طرغماي	مصحف الشام	مصحف البصرة	مصحف الكوفة	مصحف مكة	مصحف المدينة	أسماء السور
_____	الدین اتجارا	الدین اتجارا	الدین اتجارا	الدین اتجارا	الدین اتجارا	الدین اتجارا	9/107
_____	بیشرکم	بیشرکم	بیشرکم	بیشرکم	بیشرکم	بیشرکم	10/22
_____	قل سبحان	قل سبحان	قل سبحان	قل سبحان	قل سبحان	قل سبحان	17/93
_____	خیرا منها	خیرا منها	خیرا منها	خیرا منها	خیرا منها	خیرا منها	18/36
_____	ما مکنی	ما مکنی	ما مکنی	ما مکنی	ما مکنی	ما مکنی	18/95
_____	قل دمی	قل دمی	قل دمی	قل دمی	قل دمی	قل دمی	21/4
_____	اولم بر الدین	اولم بر الدین	اولم بر الدین	اولم بر الدین	اولم بر الدین	اولم بر الدین	21/30
_____	سبحولون لله	سبحولون لله	سبحولون لله	سبحولون لله	سبحولون لله	سبحولون لله	23/87
_____	سبحولون لله	سبحولون لله	سبحولون لله	سبحولون لله	سبحولون لله	سبحولون لله	23/89
_____	قال کم لیسلم	قال کم لیسلم	قال کم لیسلم	قال کم لیسلم	قال کم لیسلم	قال کم لیسلم	23/112
_____	قال ان لیسلم	قال ان لیسلم	قال ان لیسلم	قال ان لیسلم	قال ان لیسلم	قال ان لیسلم	23/114
_____	وزل اللسکة	وزل اللسکة	وزل اللسکة	وزل اللسکة	وزل اللسکة	وزل اللسکة	25/25
_____	فکر کل	فکر کل	فکر کل	فکر کل	فکر کل	فکر کل	26/217
لیانی	لیانی	لیانی	لیانی	لیانی	لیانی	لیانی	27/21
_____	وقال موسی	وقال موسی	وقال موسی	وقال موسی	وقال موسی	وقال موسی	28/37

مصاحف عثمانیہ، مصحف توپ کاپی میوزیم اور مصحف تاشقند کے مابین رسم اور قراءات کے اختلافات کی فہرست

الفرق بين المصاحف العثمانية وبين مصحف طوقاني وطشقند

مصحف طشقند	مصحف طوقاني	مصحف الشام	مصحف البصرة	مصحف الكوفة	مصحف مكة	مصحف المدينة	أسماء السور
وما عملت	وما عملته	وما عملته	وما عملت	وما عملت	وما عملته	وما عملته	يسى 36/35
-----	تأمرونى	تأمرونى	تأمرونى	تأمرونى	تأمرونى	تأمرونى	الزمر 39/64
-----	أشد منهم	أشد منكم	أشد منهم	أشد منهم	أشد منهم	أشد منهم	غافر 40/21
-----	وان يظهر	وان يظهر	وان يظهر	وان يظهر	وان يظهر	وان يظهر	غافر 40/26
فيما كسبت	فيما كسبت	فيما كسبت	فيما كسبت	فيما كسبت	فيما كسبت	فيما كسبت	الطورى 42/30
-----	يعادى	يعادى	يعادى	يعادى	يعادى	يعادى	الزخرف 43/68
-----	ما تشبهه	ما تشبهه	ما تشبهى	ما تشبهى	ما تشبهى	ما تشبهه	الزخرف 43/71
-----	حسنا	حسنا	حسنا	حسنا	حسنا	حسنا	الأحزاب 46/15
-----	ان تأتيهم	ان تأتيهم	ان تأتيهم	ان تأتيهم	ان تأتيهم	ان تأتيهم	محمد 47/18
-----	فوالعصف	والعصف	فوالعصف	فوالعصف	فوالعصف	فوالعصف	الرحمن 55/12
-----	ذى الجلال	ذى الجلال	ذى الجلال	ذى الجلال	ذى الجلال	ذى الجلال	الرحمن 55/78
-----	وكلا وعد الله	وكلا وعد الله	وكلا وعد الله	وكلا وعد الله	وكلا وعد الله	وكلا وعد الله	الحديد 57/10
-----	الغنى	الغنى	هو الغنى	هو الغنى	هو الغنى	الغنى	الحديد 57/24
-----	ولا يخالف	تلا يخالف	ولا يخالف	ولا يخالف	ولا يخالف	ولا يخالف	الشمس 91/15

موشى

مصاحف عثمانیہ، مصحف توپ کاپی میوزیم اور مصحف تاشقند کے مابین رسم اور قراءات کے اختلافات کی فہرست



رَشِيد

صحف مکتبہ مرکزیہ، مصر کے ایک ورق کاغذ (سورۃ البقرہ: ۳۶ تا ۴۰)

إلى حين \* فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه إنه هو التواب الرحيم \* قلنا اهبطوا منها جميعا فإما يأتينكم مني هدى فمن تبع هداي فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون \* والذين كفروا وكذبوا بآيتنا أولئك أصحاب النار هم فيها خالدون يا بني إسرائيل اذكروا نعمتي التي أنعمت عليكم وأوفوا بعهدي أوف بعهدكم



رَسْمٌ

’مصحف سمرقند کے ٹائٹل کا عکس جسے متحدہ عرب امارات کے رئیس  
الشیخ زاید بن سلطان آل نہیان  
نے بڑے اہتمام اور خوبصورتی کے ساتھ شائع کروایا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ  
 أَعْبُدْهُ وَاتَّقِ اللَّهَ الَّذِي تَعْبُدُونَ  
 حَلْفَكُمْ وَالَّذِينَ تَحْلِفُونَ  
 فَلَكُمْ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ  
 اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ  
 الْأَرْضَ فُرْسًا وَالسَّمَاءَ  
 بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
 فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا  
 لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ  
 أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ  
 وَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ  
 مَا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِكُمْ  
 فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ  
 وَإِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ شُرَكَاءُ  
 فَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعْبُدُونَ  
 وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ  
 كَرِيمٌ

رُشْدًا



ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ

## حروفِ سبعہ پر قرآن کا نزول اور تدریجی نزول کی حکمتیں

لفظ نزول کا معنی ہے: ”نقل الشيء من الأعلى إلى الأسفل“ یعنی کسی چیز کا اوپر سے نیچے اترنا۔ یہ نزول اگر دفعتاً واحدہ (یکبارگی) ہو تو إنزال کہلاتا ہے۔ اگر تدریجاً (آہستہ آہستہ) ہو تو تنزیل کہلاتا ہے۔

قرآن حکیم کا نزول یکبارگی بھی ہوا ہے اور تدریجاً بھی۔ قرآن، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے۔ پھر وہاں سے باقتضائے حکمت ایزدی مختلف مراتب نزول سے گزرتا ہوا قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جلوہ گر ہوا۔

### تنزیلات قرآن

**پہلا تنزیل:** اولاً دائرہ اصل اور مرتبہ وجوب سے لوح محفوظ میں نازل ہوا جیسا کہ فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ قُرْءَانٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ﴾ [البروج: ۲۲، ۲۱] ”بلکہ یہ قرآن مجید لوح محفوظ میں“ پھر وہاں سے الفاظ و معانی کی صورت میں اس کا نزول ہوا۔

**دوسرا تنزیل:** لوح محفوظ سے آسمان دنیا (بیت العزت) میں نازل ہوا۔

① ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [القدر: ۱]

② ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ﴾ [الدخان: ۳] میں اس کی صراحت موجود ہے۔

بیت العزت، کعبہ شریف کے محاذات میں آسمان پر ملائکہ کی عبادت گاہ ہے۔ یہ نزول (یکبارگی) لیلۃ القدر میں ہوا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”أنزل القرآن جملة إلى السماء الدنيا في ليلة القدر.“ [سنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۳۰۸]

**تیسرا تنزیل:** بیت العزت سے بواسطہ جبرائیل امین علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس پر نازل ہوا جس کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے: ﴿نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَيَّ قَلْبِكَ... الخ﴾ [الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴]

### تدریجی نزول کی حکمتیں

قرآن مجید سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ہی مرتبہ پورے کا پورا نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تینیس سال کے عرصہ میں اتارا گیا۔

بعض اوقات ایک چھوٹی سی آیت یا اس کا کوئی ایک جزو نازل ہوتا اور بعض اوقات کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں۔ مثلاً قرآن کا سب سے مختصر حصہ جو مستقل طور پر نازل ہوا وہ ﴿غَيْرِ أُولَى الضَّرَبِ﴾ [النساء: ۹۵] ہے جو ایک لمبی آیت کا جزو ہے اور دوسری طرف پوری سورۃ الانعام ایک ہی بار نازل ہوئی ہے۔

☆ مؤسس مجلہ دعوت تنظیم الاسلام گوجرانوالہ..... شارح ’مکتوبات امام ربانی‘

علامہ سعید احمد مجددی

پورے قرآن کو ایک ہی نازل کرنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ اس کی مندرجہ ذیل حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

### پہلی حکمت

یک دم پورا قرآن نازل ہونے کی صورت میں تمام احکام قرآنیہ کی تعمیل و پابندی ہر مسلمان پر فوراً لازم ہو جاتی اور یہ شریعت محمدیہ ﷺ کی ان حکیمانہ مصلحتوں کے خلاف ہو جاتا جو اس میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

### دوسری حکمت

قریش مکہ کی طرف سے سرور عالم ﷺ کو روزانہ نئی آذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں اس لیے بار بار آیات قرآنیہ کا نازل ہونا آپ ﷺ کے دل مبارک کی تقویت کا سبب بنتا تھا۔ جس سے ان آذیتوں کا مقابلہ آسان ہو جاتا تھا۔

### تیسری حکمت

قرآن کا اکثر حصہ لوگوں کے مختلف سوالات اور ان کے جوابات اور مختلف واقعات پر مشتمل ہے لہذا ان آیات کا نزول انہی اوقات میں زیادہ مناسب تھا جن میں وہ سوالات کیے گئے تھے یا جب کہ وہ واقعات و حالات رونما ہوئے تھے۔ اس طریقہ سے اہل اسلام کے جذبہ استقامت اور بصیرت و ہدایت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا اور قرآن کی حقانیت پر اور زیادہ یقین ہو جاتا تھا۔

### چوتھی حکمت

اُمت کے اُمی (ناخواندہ) ہونے کی بنا پر یہی مناسب تھا کہ قرآن تدریجی مراحل میں نازل کیا جاتا تاکہ حفظ قرآن اور فہم قرآن، اُمت پر آسان ہو جائے نیز عادات جاہلیہ ایک ایک کر کے دور ہو جائیں اور عبادت کی عادات، فطری طریقہ سے ان کے قلب و نظر میں جگہ پکڑ لیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

مشرکین مکہ کے اس اعتراض (قرآن تدریجاً کیوں اترا؟) کا جواب قرآن حکیم نے ان الفاظ میں دیا۔

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴾

[الفرقان: ۳۲]

### حروفِ سبعہ پر قرآن کا نزول

صحیح بخاری، کتاب فضائل قرآن کی ایک حدیث میں سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔

«إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ فَأَقْرَأُ مَا تيسَّرَ مِنْهُ» [صحیح بخاری: ۴۹۹۲]

”تحقیق یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس پڑھو اس میں سے اس طریقے پر جو تمہارے لیے آسان ہو۔“

اس حدیث میں سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟

علماء مفسرین و محققین کا اس میں شدید اختلاف ہے اور یہ مسئلہ علوم قرآنیہ میں مشکل ترین مسئلہ شمار کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں پینتیس اقوال نقل کیے ہیں۔ [الزركشي البرهان في علوم القرآن: ۲۱۲/۱]

مذکورہ بالا حدیث، علماء کے نزدیک معنی کے اعتبار سے متواتر ہے جیسا کہ مشہور محدث امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمہ اللہ

اور معروف امام علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے توازی کی تصریح فرمائی ہے اور یہ واقعہ بھی متعدد محدثین نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ پر اعلان فرمایا کہ وہ تمام حضرات کھڑے ہو جائیں جنہوں نے بزبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ (مذکورہ) حدیث سنی ہے چنانچہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہو گئی جس کو شمار نہ کیا جاسکا۔ [النشر فی القراءات العشر لابن الجزری]

## سات حروف پر قرآن پڑھنے کی اجازت کا فلسفہ

سات حروف پر قرآن پڑھنے کی اجازت کا اصل فلسفہ اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تلاوت میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس اُمت کو یہ سہولت عطا فرمائی ہے تاکہ جو شخص ایک طریقہ سے کوئی لفظ نہیں پڑھ سکتا تو دوسرے طریقے سے پڑھ لینے پر قادر ہو جائے۔ چنانچہ اس امر کی وضاحت صحیح مسلم شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنو غنفر کے تالاب کے پاس تھے آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اُمت قرآن کو ایک حرف پر پڑھے آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں میری اُمت یہ طاقت نہیں رکھتی پھر جبریل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کی اُمت قرآن کو دو حرفوں پر پڑھے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں میری اُمت میں اس قدر طاقت نہیں ہے پھر وہ تیسری مرتبہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت کو تین حروف پر قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے آپ نے معافی اور مغفرت طلب کی کہ میری اُمت اس کی طاقت نہیں حتیٰ کہ

سَبْعَ حُرُوفٍ

ثم جاءه الرابعة فقال: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ فَإِنَّمَا حَرْفٌ قَرَأُوا عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوا». [صحیح مسلم: ۱۹۰۶]

پھر وہ چوتھی بار آئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اُمت قرآن حکیم کو سات حروفوں پر پڑھے پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے ان کی قراءت درست ہوگی۔“

## قول رابع

ہمارے علماء محققین کے نزدیک ’قرآن کے سات حروف‘ کی سب سے بہتر تشریح یہ ہے کہ حدیث پاک میں حروف کے اختلاف سے مراد قراءتوں کا اختلاف ہے یعنی قرآن پاک کی جو قراءتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان میں جو باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات قسموں پر مشتمل ہیں اور یہ قول سب سے پہلے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔

## سات اقسام کی تشریح

### ① اَسْمَاءُ كَا اَخْتِلَافِ

جس میں مفرد، بیشنیہ، جمع اور مذکر و مؤنث کا اختلاف داخل ہے جیسا کہ ﴿تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ﴾ جس کو ایک قراءت میں ﴿تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔



## ۲) افعال کا اختلاف

جیسا کہ کسی قراءت میں سینہ ماضی ہو، کسی میں مضارع اور کسی میں امر مثلاً ایک قراءت میں ﴿رَبَّنَا بَعْدُ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ ہے۔ اور دوسری میں ﴿رَبَّنَا بَعْدُ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ ہے۔

## ۳) وجوہ اعراب کا اختلاف

جس میں اعراب یعنی زبر زیر پیش کا فرق ہو۔ مثلاً ﴿لَا يَضَارُّ كَاتِبٌ﴾ کی جگہ ﴿لَا يَضَارُّ كَاتِبٌ﴾ اور ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ کی جگہ ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدِ﴾

## ۴) الفاظ کی کمی و بیشی کا اختلاف

کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو۔ مثلاً ایک قراءت میں ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثَى﴾ ہے اور دوسری میں ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثَى﴾ ہے اور ﴿وَمَا خَلَقَ﴾ نہیں ہے۔

## ۵) تقدیم و تاخیر کا اختلاف

کہ ایک قراءت میں ایک لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً ﴿يُقْتَلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ اور ﴿يُقْتَلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾

## ۶) بدلیت کا اختلاف

کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے مثلاً ﴿نَنْشُرُهَا﴾ اور ﴿نَنْشُرُهَا﴾ اسی طرح ﴿فَتَنبِيئُونَا﴾ اور ﴿فَتَنبِيئُونَا﴾

## ۷) لہجوں کا اختلاف

جس میں اظہار، ادغام، تفخیم، ترقیق، امالہ، قصر، مد، ہمزه وغیرہا کے اختلاف شامل ہیں مثلاً موسیٰ ایک قراءت میں امالہ کے ساتھ ہے اور اسے موسیٰ کی طرح پڑھا جاتا ہے اور دوسری قراءت میں بغیر امالہ کے پڑھا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا تحقیق حضرت امام ابو الفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کے استقراء کے عین مطابق ہے کیونکہ ان کے استقراء میں تمام اختلافات وضاحت کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔ محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تیس برس سے زائد غور و فکر کرنے کے بعد سات حرفوں کو سات وجوہ اختلاف پر محمول کیا ہے اور امام ابو الفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر کے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ [النشر فی القراءات العشر]

( بشکر یہ ماہنامہ دعوت تنظیم الاسلام گوجرانوالہ، نومبر ۲۰۰۴ء )



## ثبوتِ قراءات اور اکابرینِ اُمت

متنوع قراءات کا ثبوت ایسا مسئلہ ہے کہ گذشتہ چودہ صدیوں میں اس کی حجیت کے سلسلہ میں کبھی بھی اختلاف نہیں ہوا۔ امت کے سابقہ تاریخی ادوار میں متعدد اہل علم نے حجیتِ قراءات کے اس دعوئے اجماع کو صراحتاً بیان کیا ہے اور یہ مسئلہ چونکہ ضروریاتِ دین میں سے ہے اور امورِ دین میں بالکل بدیہی ہے اسی لئے کئی نامور شخصیات نے انکارِ قراءات پر فتوئے کفر صادر کیا ہے۔

گذشتہ شمارہ میں ہم نے پاکستان کے جمیع مکاتب فکر کا حجیتِ قراءات کے مسئلہ میں منفقہ مؤقفِ رشد کے صفحات میں شائع کیا تھا۔ زیر نظر مضمون میں فاضل مؤلف نے انتہائی محنت کے ساتھ اسلافِ امت میں سے تقریباً ۱۵۰ ناماندہ علماء کی تحریروں کے 'انتخابات' پر مشتمل یہ قیمتی مضمون ہدیہ قارئین کیا ہے، جس میں انہوں نے علیحدہ سے ان علماء کی وضاحت بھی کر دی ہے جو ثبوتِ قراءات کے مسئلہ کو اجماعی قرار دیتے ہیں اور اسی طرح ان اہل علم کو بھی علیحدہ بیان کر دیا ہے جو انکارِ قراءات کو صریح کفر شمار کرتے ہیں۔ [ادارہ]

اللہ رب العزت نے اُمت کی آسانی کے لئے اپنی عظیم الشان کتاب قرآن مجید کو 'سبعہ' اُحرف پر نازل فرمایا ہے۔ اور پوری اُمت کا اس امر پر اجماع ہے کہ موجودہ قراءاتِ عشرہ انہی سبعہ اُحرف میں سے ہیں اور انہیں اُمت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے، جو نبی کریم ﷺ سے ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچی ہیں، جسے بعد والوں نے پہلوں سے اخذ کیا ہے، جو اپنی نمازوں میں ان کی تلاوت کرتے رہے۔ ان قراءاتِ متواترہ میں سے کسی ایک کا انکار پورے قرآن مجید کا انکار ہے۔ یہ سب قراءات قطعی اور یقینی طور پر قرآن ہیں۔ اور قرآن مجید کے کسی ایک حرف کا انکار باتفاقِ اُمت کفر ہے۔

قراءات کی اسی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر اُمت نے ان کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور اہل علم نے انہیں اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے۔ محدثین کرام نے اپنی کتبِ احادیث اور مفسرینِ عظام نے اپنی تفاسیر میں اس موضوع پر مستقل ابواب قائم کئے ہیں اور تفصیلی بحث کی ہے۔ اکابرینِ اُمت نے قراءات کے تواتر، ثبوت اور دفاع میں اپنے اپنے طور پر بحث کی ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم نے کوشش کی ہے کہ ثبوتِ قراءات کے حوالے سے اکابرینِ اُمت میں سے کم از کم سو کے قریب اقوال جمع کر دیئے جائیں جو ہمارے لئے راہنمائی کا باعث ہوں۔ ہمارا یہ کام سمندر میں سے ایک قطرے کی مانند ہے اور فقط ایک نمونہ ہے۔ ورنہ اگر کتبِ اسلاف اور دیگر مراجع و مصادر کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو یہ اقوال اس تعداد سے کئی گنا زیادہ سامنے آسکتے ہیں جو ثبوتِ قراءات پر اُمت کے اجماع کی دلیل ہیں۔

○ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف اور دیگر ابواب کے تحت تقریباً آٹھ احادیث لائے ہیں۔ جو ثبوتِ قراءات کے حوالے سے ان کے مضبوط مؤقف کی واضح دلیل ہے۔

○ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح فتح الباری میں مذکورہ ابواب کے تحت حدیث، أنزل القرآن علی سبعة أحرف، کی شرح میں قراءات کو ثابت کیا ہے۔ نیز حدیث ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کی شرح میں سورة الفرقان کی مکمل قراءات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ [فتح الباری: ۲۶۲/۱۱]

○ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح میں باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف کے تحت قراءات کو ثابت کیا ہے۔ [فیض الباری: ۴/۱۵۷: ۲۶۲]

○ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح میں مذکورہ باب کے تحت قراءات کو ثابت کیا ہے۔

[إرشاد الساری: ۲۵۰/۷ تا ۲۵۷]

○ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بخاری کی شرح میں مذکورہ باب کے تحت قراءات کو ثابت کیا ہے۔

[عمدة القاری: ۲۰/۲۰۱]

○ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں کتاب فضائل القرآن، باب فی بیان أن القرآن أنزل علی سبعة أحرف کے تحت تقریباً پانچ احادیث نقل کی ہیں جو ثبوتِ قراءات پر ان کے مؤقف کی واضح دلیل ہے۔

[۲۵۰، ۲۵۲ تا ۲۸۰]

○ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کی شرح میں مذکورہ ابواب کے تحت ان احادیث کی شرح میں قراءات کو ثابت کیا ہے۔ [شرح نووی: ۲/۹۸ تا ۱۰۴]

○ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابوداؤد میں کتاب الوتر، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف کے تحت چار احادیث نقل کی ہیں جو ثبوتِ قراءات کے حوالے سے ان کے مؤقف کی واضح دلیل ہے۔ [۱۲۷۵ تا ۱۲۸۱]

○ نیز انہوں نے حدیث سبعة أحرف لانے کے لیے یوں باب قائم کیا ہے۔ أبواب القراءات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سبعة أحرف سے مراد قراءات قرآنیہ ہیں۔

○ علامہ ابوطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابوداؤد کی شرح عون المعبود میں مذکورہ باب کے تحت ان احادیث کی شرح میں قراءات کو ثابت کیا ہے۔ [عون المعبود: ۲/۲۲۲ تا ۲۲۶]

○ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع ترمذی میں ابواب القراءات کے تحت متعدد احادیث نقل کی ہیں جو ثبوتِ قراءات کے حوالے سے ان کے مؤقف کی صریح دلیل ہیں۔ [۲۹۲۷ تا ۲۹۴۳]

○ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جامع ترمذی کی شرح تحفة الأحوذی میں مذکورہ ابواب ابواب القراءات کے تحت قراءات کو ثابت کیا ہے۔ [تحفة الأحوذی: ۱۹۸۸ تا ۲۱۲۲]

○ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن نسائی میں کتاب الافتتاح، جامع ما جاء فی القرآن کے تحت چھ احادیث نقل کی ہیں جو قراءات کے ثبوت کے حوالے سے ان کے موقف کی واضح دلیل ہے۔ [۹۳۷ تا ۹۴۲]

○ مولانا عطاء اللہ بھوجیانی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے سنن نسائی کی شرح تعلیقات سلفیہ میں مذکورہ باب کے تحت

قراءات کو ثابت کیا ہے۔ [التعلیقات السلفية على النسائي: ۱۱۴۱]

● امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”خط اور کتابت کے موافق لغات مختلفہ (یعنی قراءات) کے ساتھ تلاوت کرنے میں وسعت اور گنجائش ہے۔ جسے معروف قراء کرام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل صحیح کے ساتھ پڑھا ہے۔“ [شرح السنة: ۵۱۱/۲]

● امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’السنن الكبرى‘ میں سبعة أحرف پر متعدد احادیث نقل کی ہیں۔

[السنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۴/۲]

● امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف میں کتاب فضائل القرآن، باب اختلاف القراءات کے تحت حدیث أنزل القرآن على سبعة أحرف کو نقل کیا ہے۔

● امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مسند احمد میں مختلف مقامات پر تقریباً بیستیس (۳۵) احادیث نقل کی ہیں جو ثبوت قراءات کے حوالے سے ان کے مؤقف پر واضح دلیل ہے۔ [مسند احمد: ۱۱۴/۵، ۱۶/۵]

● امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک حاکم میں حدیث أنزل القرآن على سبعة أحرف کو متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے، جو ثبوت قراءات کے حوالے سے ان کے مؤقف کی واضح دلیل ہے۔ [مستدرک حاکم: ۲۸۹/۲، ۵۵۳/۱]

● امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’موطا‘ میں باب ماجاء فی القرآن کے تحت مذکورہ حدیث کو نقل کیا ہے جو ثبوت قراءات کے حوالے سے ان کے مؤقف کی واضح دلیل ہے۔ [موطا: ۲۰۱/۱]

● امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ بات تشابہ میں سے نہیں ہے کہ کوئی آیت دو قراءتوں سے پڑھی گئی ہو اور اسم احتمال یا اجمال کی وجہ سے تفسیر کا محتاج ہو، کیونکہ ثابت تو اس سے اسی قدر ہوگا جس کو اسم شامل ہوگا یا تمام ثابت ہوگا اور دو قراءتیں دو آیات کی مانند ہیں دونوں کے موجب پر عمل کرنا ضروری ہے۔“ [الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۱۲/۳]

● نیز فرماتے ہیں:

”پوری ملت اسلامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ جو قراءات ان ائمہ نے روایت کی ہیں یا انہیں کتابوں میں جمع کیا گیا ہے، تمام قابل اعتماد ہیں اور ان کے صحیح ہونے پر ہر زمانہ میں اجماع چلتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو ذمہ اٹھایا تھا وہ پورا ہوا، تمام محققین، فضلاء اور ائمہ سلف مثلاً قاضی ابوبکر بن ابوالطیب رحمہ اللہ اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرہما اس بات کے حامل ہیں۔“ [الجامع لأحكام القرآن: ۴۷۱/۱]

● امام آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أصول قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ دو متواتر قراءتیں جب کسی آیت میں متعارض ہو جائیں تو ان کا حکم دو آیتوں کی طرح ہے۔“ [روح المعانی از آلوسی: ۶۶۶/۶]

● امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”احادیث میں وارد سبعة أحرف سے مراد لغات عرب کی سات وجوہ ہیں۔“ [کتاب المعانی: ۲۲۱]

● امام رازی رحمہ اللہ: (المتوفی: ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

”جب ہم شعر مجہول سے لغت کے اثبات کو جواز فرماہم کرتے ہیں تو قرآن اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ ہم اکثر نسخاۃ کو قرآن مجید میں موجود الفاظ کے بارے میں حیران و ششدر پھرتے دیکھتے ہیں، حالانکہ جب وہ کسی غیر معروف شعر کو

بسم اللہ

بطور استنبہاد پیش کرتے ہیں تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ مجھے ان پر انتہائی تعجب ہوتا ہے حالانکہ مناسب یہ تھا کہ اس شعر کے استدلال کے لیے الفاظ قرآن (یعنی قراءات) سے استنبہاد لیتے۔“ [تفسیر رازی: ۱۹۳/۳]

● محی السنۃ، ابو محمد الحسین بن سعود البغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ’معالم التنزیل‘ میں سورۃ الضحیٰ کی تفسیر کے تحت معروف قاری قرآن امام بزی رحمۃ اللہ علیہ کی تکبیرات کو نقل کیا ہے، جو ثبوت قراءات کے حوالے سے ان کے مؤقف کی واضح دلیل ہے۔ [تفسیر معالم التنزیل: سورۃ الضحیٰ]

● امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں سورۃ الضحیٰ کی تفسیر کے تحت معروف قاری قرآن امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام بزی رحمۃ اللہ علیہ کی تکبیرات کو نقل کیا ہے۔ جو ثبوت قراءات کے حوالے سے ان کے مؤقف کی واضح دلیل ہے۔ [تفسیر ابن کثیر: سورۃ الضحیٰ]

● امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

”ان قراءات کو اہل علم نے کتابوں میں جمع کیا ہے، نماز اور خارج نماز میں ان کی تلاوت کرتے ہیں۔ علماء کے مابین یہ امر متفق علیہ ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی ان قراءات (قراءات عشرہ) کا انکار نہیں کیا۔“

[فتاویٰ ابن تیمیہ مقدمۃ التفسیر: ۱۳/۳۹۳]

● نیز فرماتے ہیں:

”اہل علم میں سے کسی نے بھی قراءات کا انکار نہیں کیا، ہاں جس کو قراءات کا علم نہیں یا وہ قراءات اس کے نزدیک ثابت نہیں جیسے بلاد مغرب کی قراءات، تو ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی تلاوت کرے۔ کیونکہ قراءات سنت متبعہ ہیں، جسے پچھلے، اگلوں سے نقل کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ جس قراءات کا علم نہیں، اس کا انکار کر دیا جائے۔“ [منجد المقرئین: ۱۲۹، ۱۳۰]

● نیز فرماتے ہیں:

”اور دوسری قراءات جو کہ ﴿وَأَكْرَجِلْهُ﴾ زیر کے ساتھ ہے، وہ سنت متواترہ کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ دو قراءتیں دو آیتوں کی مانند ہوتی ہیں۔“ [مجموع فتاویٰ، کتاب الفقہ: ۱۳۱/۲۱]

● علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں:

”ہمارے اس زمانے میں، جن قراءات میں اتصال سند، رسم عثمانی سے موافقت اور نحوی وجہ سے مطابقت کی یہ تینوں شرائط پائی جاتی ہیں، وہ قراءات عشرہ ہیں، جن کو پوری اُمت سے تلقینی بالقبول حاصل ہے، اور ان قراءات عشرہ کو روایت کرنے والے دس امام ابو جعفر، نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، یعقوب، ابن عامر، عاصم، حمزہ، کسائی اور خلف العاشر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔“ [منجد المقرئین: ۱۶]

● نیز فرماتے ہیں:

”ہر وہ قراءات جو عربی کی کسی صورت کے موافق ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، خواہ احتمالاً ہی ہو اور اس کی سند صحیح ہو تو وہ قراءت صحیحہ ہے اس کو رد کرنا یا اس کا انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔“ [النشر: ۹۱]

● امام زکریا رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۹۳ھ) فرماتے ہیں:

”یقیناً قراءات توقیفی ہیں اختیاری نہیں، یعنی قراء نے اپنی طرف سے گھڑی نہیں ہیں۔ قراء سبعہ کی قراءات کی صحت پر، نیز اس بات پر کہ قراءات سنت متبعہ ہیں، جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، اجماع اُمت منعقد ہو چکا ہے، قراءات سنت ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور غیر مقبول وجوہ کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے۔“

[البرهان فی علوم القرآن: ۳۲۱/۱]

○ نیز فرمایا:

”یہ قراءات، جن کو قرآنِ سبعہ نے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہیں اور اسی پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا مصحف تحریر کروایا تھا۔“ [البرهان فی علوم القرآن: ۲۲۷/۱]

○ امام غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مصحف کے دو گوتوں کے درمیان مشہور اُحرف سبعہ پر مشتمل جو چیز تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے اس کا نام کتاب اللہ ہے۔“

○ ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”متواتر کا انکار صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس پر اُمت کا اجماع ہے۔ قراءات کا تواتر ایسے حتمی اُمور میں سے ہے، جن کا جاننا واجب ہے۔“ [الفقہ الاکبر از ملا علی قاری حنفی: ۱۶۷، مجموع فتاویٰ: ۳۹۳/۱۳]

○ نیز فرماتے ہیں:

”جس نے کتاب اللہ کی کسی آیت کا انکار کیا، اس میں عیب نکالا یا قراءات متواترہ کا انکار کیا یا اس نے یہ گمان کیا کہ وہ قرآن نہیں ہے تو ایسا شخص کافر ہے کیونکہ اس نے ایسی شے کا انکار کیا جس پر اجماع ہو چکا ہے۔“ [الفقہ الاکبر: ۱۶۷]

○ امام ابن حزم رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

”علماء کا اس بات پر اجماع کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حق اور ثابت شدہ ہے۔ اگر کوئی شخص ان قراءات متواترہ میں سے کوئی حرف زیادہ یا کم کرتا ہے یا کسی حرف کو کسی دوسرے حرف سے بدل کر پڑھتا ہے، حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو کہ وہ قرآن ہے، لیکن پھر بھی وہ شخص عمداً اس کی مخالفت کرتا ہے، تو وہ کافر ہے۔“ [مراتب الإجماع: ۱۸۳]

○ نیز فرماتے ہیں:

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایسے وقت میں خلیفہ بنے کہ جب تمام جزیرۃ العرب مسلمانوں، قرآنوں، مسجدوں اور قاریوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس طرح مصر، کوفہ اور بصرہ وغیرہ میں اتنے قراء قرآن تھے، جن کا شمار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ کہنا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صرف ایک قراءت پر جمع کیا، تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ آپ اس کام پر قادر نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔ ہاں اُنہوں نے متفق ہو کر چند قرآن لکھے اور ہر سمت ایک ایک بھیج دیا تاکہ اگر وہم کرنے والا وہم کرے اور بدلنے والا بدلنے کی کوشش کرے تو اس متفق علیہ قرآن کی طرف رجوع کر لیا جائے اور یہ کہنا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف منادئیں تھے تو ایسا کہنے والا جھوٹا ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک لحد بھی اسلام میں نہ رہتے اور اسلام سے خارج ہو جاتے۔ یہ ساتوں حروف ہمارے ہاں موجود ہیں۔ جیسے تھے ویسے ہی قائم ہیں۔ مشہور و معقول اور ماثر قراءات میں محفوظ و ثابت ہیں۔ والحمد لله رب العلمین۔“ [الملل والنحل: ۲۱۸، ۲۱۹]

○ نیز (قراءات کے متعلق) نحویوں کے موقف پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس سے عجیب تر بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ اگر اُمراء القیس، زہیر، جریر، حطیثہ، طرماح یا عرب قبائل میں سے اُسد، تمیم یا پورے عرب میں سے کسی کا لفظ شعر یا نثر کی صورت میں مل جائے تو اُسے حتمی لغت بنا لیتے ہیں۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور اگر زبانوں کے خالق اور ان کے اصل اللہ تعالیٰ کا کلام مل جائے تو اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، نہ اسے دلیل بناتے ہیں، اس سے پھر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جو حیثیت بنائی ہے، اسے بدل دیتے ہیں۔“ [الملل والنحل: ۲۹]

○ امام طبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”آپ ﷺ نے اللہ کی اجازت کے ساتھ جو قراءات بھی اَحرف سبعہ میں سے اُمت کو پڑھائیں ہمارے نزدیک صحیح ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قراءات کو پڑھا۔ جب کسی قاری کی قراءت رسمِ صحف کے موافق ہو تو ہمارے لیے جائز نہیں کہ اسے غلط کہیں۔“ [الإبانة: ۶۰]

● امام ابو عمرو دانی رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۴۴۴ھ) فرماتے ہیں:

”قراءات سنت متبعہ ہیں ان کو قبول کرنا ہم پر واجب ہے۔“ [منجد المقرئین: ۲۴۳]

● نیز فرماتے ہیں:

”ائمہ قراءت قرآن مجید میں مشہور لغت اور عربی میں قیاس کے مطابق عمل نہیں کرتے، بلکہ جواثر ثابت ہو، نقل میں صحیح ہو اور روایت سے ثابت ہو تو اسے اختیار کرتے ہیں اور اسے کبھی عربی قیاس یا مشہور لغت کی بنیاد پر رد نہیں کرتے، کیونکہ قراءات سنت متبعہ ہے اسے اختیار کرنا اور اُصول کرنا لازم ہے۔“ [منجد المقرئین: ۲۴۳]

● نیز فرماتے ہیں:

”بلاشبہ قراء سبعہ اور ان کے ہم پلہ دیگر ائمہ کی جملہ قراءات ثابت شدہ ہیں اور ان میں کسی قسم کا شذوذ نہیں ہے۔“

[النشر فی القراءات العشر: ۳۷۱]

● ابواسحاق زجاج رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

”قراءات سنت متبعہ ہیں۔ کسی قاری کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسی قراءت پڑھے، جسے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور ان قراء کرام نے جو مختلف شہروں میں قراءات کے حوالے سے معروف ہیں، نے نہ پڑھا ہو۔“

[معانی القرآن وإعرابه: ۴۸۲]

● امام ابن ماجہ رضی اللہ عنہ (متوفی: ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

”وہ قراءات جو آج کل مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام میں رائج ہیں۔ یہ وہ قراءات ہیں جو انہوں نے پہلوں سے حاصل کی ہیں۔ انہی قراءات کی اشاعت کے لیے ہر شہر میں ایسے لوگ کھڑے ہوئے جنہوں نے تابعین سے وہ قراءات حاصل کیں جن پر تمام کا اجماع ہے۔“ [الإعلام: ۲۶۱/۱، کتاب السبعہ: ۴۹، ۵۲]

● ابن خالویہ رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

”میں نے پانچ معروف شہروں کے ائمہ اربعہ کی قراءات پر ان کی نقل اور چنگی حفظ کے حوالے سے غور و فکر کیا تو ان ائمہ کو الفاظ روایت کی ادائیگی میں ائین پایا۔“ [کتاب الحجۃ: ص ۶۱]

● امام خطابی رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

”حجاز، شام اور عراق کے قراء میں سے ہر ایک کی مختارہ قراءت کسی نہ کسی ایسے صحابی کی طرف منسوب ہے جس نے یہ قراءت رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی ہو، پورے قرآن مجید میں ایک بھی قراءت اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہے۔“

[الإعلام: ۲۷۲/۲]

● قاضی ابوالطیب رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۴۰۳ھ) فرماتے ہیں:

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع قرآن کا مقصد محض ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح قرآن مجید کو دو گتوں میں جمع کرنا نہیں تھا۔ بلکہ ان کا مقصد نبی کریم ﷺ سے منقول متواترہ معروفہ اور ثابتہ قراءات کو جمع کرنا تھا اور جو قراءات متواترہ نہ تھیں ان سے قرآن کو خالی کرنا تھا۔“ [أبحاث فی قراءات القرآن الکریم: ۲۵]

● مکی بن ابی طالب قیس رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۴۳۷ھ) فرماتے ہیں:

”جو قراءات ہمارے ہاں ثابت ہیں وہ ساری کی ساری ایسی سنت سے ثابت ہیں جس کا رد کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔“ [کتاب التبصرة: ۶۰]

● امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۴۷۵ھ) فرماتے ہیں:

”جو قراءات ائمہ قراءات نے نقل کی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق تو اترا ثابت ہیں۔ ان کا انکار کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کے مترادف ہے۔ جس چیز کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی اس کو رد کرنا بھی اس قبیل سے ہے۔“

[امراز المعانی: ۲۷۵]

● امام ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

”قراءات سبعہ بلکہ عشرہ پر متعدد اعرصار و امصار گذر چکے ہیں۔ ان کی نمازوں میں تلاوت کی جاتی تھی کیونکہ یہ اجماع سے ثابت ہیں۔“ [أبحاث قراءات القرآن الکریم: ۲۵، المحرر الوجیز لابن عطیہ: ۹۱]

● علامہ عبدالوہاب سبکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۷۷۱ھ) فرماتے ہیں:

”قراءات سبعہ جنہیں امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور ان کے علاوہ قراءات ثلاثہ، جو ابو جعفر، یعقوب اور خلف العاکشری قراءات ہیں، یہ متواتر اور دین میں اٹل حقیقت ہیں۔ اگر ائمہ عشرہ میں سے کوئی بھی کسی حرف کو نقل کرنے میں منفرد ہوا ہے تو وہ حرف بھی دین کی اٹل حقیقت اور لازمی حصہ ہے کیونکہ وہ حرف بھی آپ پر نازل کردہ حروف میں سے ایک ہے۔“ [أبحاث فی قراءات القرآن الکریم: ۲۶]

● امام ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منزل من اللہ حروف سبعہ کا انکار کرنے والے پر کفر کا حکم لگایا ہے۔“ [المرشد الوجیز: ۱۴۹]

● علامہ ابن عبدالشکور مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:

”اسانید قراءات بالا اجماع صحیح ہیں اور علماء بلکہ اُمت کے ہاں انہیں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اگر ان اسانید کے معارض کوئی سند آجائے تو وہ ناقابل التفات ہے۔ قراءت عشرہ کی اسانید صحیح ترین ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں اُمت کی طرف سے شرف قبولیت بھی حاصل ہے۔“ [فواتح الرحموت: ۱۲]

● امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جان لو! کتاب اللہ سے مراد وہ قرآن ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، مصاحف کے دو گوتوں کے درمیان لکھا گیا ہے اور ہم تک معروف اُحرف سبعہ کے ساتھ پہنچا ہے۔“ [اصول السرخسی: ۲۷۹]

● امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس دور میں ان معروف ائمہ قراءات سے صحیح ثابت قراءات پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ ان ائمہ کرام نے علم قراءات پر متعدد کتب لکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے حفاظت قرآن کا وعدہ پورا ہو گیا ہے۔ قاضی ابوبکر الطیب رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ائمہ متقدمین اور فضلا محققین کا اس قول پر اتفاق ہے۔“ [المحرر الوجیز: ۳۹۱]

● شیخ عبدالخالق عضیمہ فرماتے ہیں:

”قرآن مجید خواہ متواتر ہو یا غیر متواتر عربیت میں ویسے ہی حجت ہے جیسے قراءات شاذہ، جن میں تو اترا کی شرائط اگرچہ مفقود ہیں، لیکن چونکہ ثقہ کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں لہذا لغت اور اسلوب لغت کے معاملہ میں اس کی شان یا حیثیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ لغت میں خبر واحد بھی کافی ہے۔“

[دراسات لاسلوب القرآن: ۲۱]



● امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ہمیشہ سے اہل علم کا یہ معمول رہا ہے کہ، ایسا حرف جسے کوئی قاری پڑھاتا ہے، سے ایسے مسائل اخذ کرتے رہے ہیں جو دوسری قراءت میں نہیں پائے جاتے۔ سو قراءت فقہاء کے نزدیک استنباط مسائل کے لیے حجت ہیں، علماء کرام ان قراءت سے حصول صراط مستقیم کے لیے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔“ [لطائف الارشادات: ۱۷۱: ۱۷۱]

● شیخ زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قراءت سبعہ سے منقول قراءت سبعہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک بطریق تواتر پہنچی ہیں۔“

[غایۃ الوصول شرح لب الأصول: ۳۴]

● ابن ساعاتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قراءت سبعہ متواترہ ہیں، جیسا کہ ملیک اور ملیک۔“ ہاں قرآن کا بعض حصہ غیر متواتر ہے

[بدیع النظام از ابن ساعاتی: ۵۶]

● قراءت محکمہ پر مبرد کے تعاقب میں امام حریری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

”یہ بات بالکل مبرد کا تساہل اور فضول امر ہے، کیونکہ یہ قراءت تو سبعہ متواترہ میں سے ہے۔ اسی طرح بعض نحوی اس غلطی فہمی کا شکار ہوتے ہیں، جن کے ہاں قراءت غیر متواترہ ہیں کہ جیسے چاہو اپنی مرضی سے پڑھ لو، تو یہ مذہب اور نظریہ باطل اور ناقابل التفات ہے۔“ [درۃ الغواص: ۹۵]

● علامہ ابن نمیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۶۳۳ھ) فرماتے ہیں:

”ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ قواعد عربیہ کو سامنے رکھتے ہوئے قراءت کو صحیح کریں بلکہ ہمارا مطلوب تو یہ ہے کہ قراءت کو سامنے رکھتے ہوئے قواعد عربیہ کی تصحیح کی جائے۔“ [الانتصاف علی الکشاف: ۱۷۱: ۱۷۱]

● امام دامامینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۸۲۷ھ) نحاۃ کارڈ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ناقلین قراءت کی تعداد، اقوال و اشعار عربی نقل کرنے والوں سے کم نہیں ہے۔ یہ غیر معروف ناقلین سے تو منقول شیعہ کو قبول کر لیتے ہیں، تو جسے ثقہ لوگ نقل کریں اس کو بالاولیٰ قبول کرنا چاہئے۔“ [المواہب الفتحیۃ: ۵۴۱: ۵۴۱]

● ابوالولید الباجی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر یہ کہا جائے کہ کیا آپ کا قول یہ ہے کہ سبعہ احرف مصحف میں آج بھی موجود ہیں؟ کیونکہ آپ کے نزدیک ان کی قراءت جائز ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ جی ہاں! ہمارا قول یہی ہے اور اس کی سحت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَإِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹] اور قرآن کو اس کی قراءت سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے کہ قرآن تو محفوظ رہے اور اس کی قراءت ختم ہو جائیں۔“ [المنتقى: ۳۷۱: ۳۷۱]

● علامہ سعدی ابو حنیبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جس شخص نے قراءت مرویہ متواترہ محفوظ کے علاوہ قرآن میں ایک حرف زیادہ یا کم کیا یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا، حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو کہ وہ قرآن ہے، تو وہ بالاجماع کافر ہے۔“

[موسوعة الإجماع في الفقه الاسلامي: ۹۰۳۳: ۹۰۳۳]

● مزید فرماتے ہیں:

”اہل اسلام میں سے دو ہندوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ یہ قراءتیں صحیح و حق ہیں، سب کی سب قطعی و یقینی ہیں، امت مسلمہ کی نقل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیان کی ہیں۔“ [موسوعة الإجماع في الفقه الإسلامي: ۹۰۵۳: ۹۰۵۳]

● علامہ دمیاطی علم قراءات کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:  
 ”علم قراءات وہ علم ہے جس میں کتاب اللہ کے ناقلین کا اتفاق و اختلاف جانا جاتا ہے جو کہ حذف، تحریک، اسکان، فصل و صل کے قبیل سے ہو اور نطق کی کیفیت و ابدال وغیرہ بھی جو کہ سماع پر موقوف ہو۔“ [اتحاف فضلاء البشر: ۵]

● علامہ عبد الفتاح القاضی رحمۃ اللہ علیہ علم قراءات کی تعریف میں فرماتے ہیں:  
 ”قراءات کا علم وہ ہے جس میں کلمات قرآنیہ کے نطق کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور کلمات قرآنیہ کی اتفاقی و اختلافی ادا کا طریقہ کار معلوم کیا جاتا ہے، لیکن ہر وجہ کی نسبت اس کے قائل (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہوتی ہے۔“ [البدور الزاهرة: ۷۴]

● ڈاکٹر عبد الہادی الفضلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
 ”علم القراءات وہ علم ہے جس سے قرآنی الفاظ کی وہ آوازیں معلوم ہوتی ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔“  
 [کتاب قراءات القرآن: ۵۶]

● امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:  
 ”قراءات سنت متبعہ (سنت متواترہ) ہے جسے بعد میں آنے والے متقدمین سے حاصل کرتے ہیں۔“  
 [الاتقان فی علوم القرآن: ۷۵/۱]

● قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
 ”مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید سے قصداً ایک حرف ناقص کیا یا ایک حرف دوسرے حرف سے بدلا یا اجماع امت سے ثابت ہونے والے صحیف پر ایک حرف کی زیادتی کی تو وہ کافر ہے۔“  
 [الشفاء فی التعریف بحقوق المصطفیٰ: ۲/۶۳۷-۶۳۸]

● ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
 ”قرآن اللہ کا کلام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ دُتین کے درمیان لکھا ہوا ہے اور اُمت میں متواتر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے بعض (جو سب اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں) الفاظ اور مختلف اُجہات کے ساتھ روایت کیا اور نقل کیا ہے اور بالآخر اُدواء و مخارج کے اعتبار سے سات قراءتیں مقرر ہو گئیں، جن کی نقل متواتر ہوتی آئی اور ہر قراءت پر ایک جم غفیر کی روایت نے شہرت پائی اور اصولاً سات قراءتیں معروف ہوئیں اور سات کے علاوہ بھی کچھ قراءات لاحق ہوئیں جو اتنی قابل اعتماد نہیں۔ البتہ سات قراءات کتب میں معروف ہیں۔“ [مقدمۃ ابن خلدون]

● ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
 ”سبعہ اُحرف سے مراد (پڑھی جانے والی) سات وجوہ ہیں کہ جو الفاظ (یعنی تلفظ و ادا اور نطق میں) مختلف ہیں اور معانی میں متفق ہیں۔“ [عون المعبود: ۵۵۰/۱]

● امام خلیل الفراهیدی النحوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
 ”سبعہ اُحرف سے مراد قراءات ہیں۔“ [البرہان فی علوم القرآن: ۲۱۴/۱]

● امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
 ”حدیث میں سبعہ اُحرف سے مراد، اداء کلمات کی کیفیت ہے، جیسے ادغام، اظہار، تفخیم، ترقیق، امالہ، مد و قصر۔ کیونکہ عربوں کے ہاں مختلف لغات تھیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دے دی کہ جو ان کی لغات کے موافقت ہو وہ پڑھیں، تاکہ ان کی زبانوں پر آسانی ہو۔“ [عون المعبود: ۵۳۹/۱]

سبعہ

① علامہ سندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”سبعہ اُحرف سے مراد سات مشہور فصیح لغات ہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مصاحف میں جمع کیا تاکہ لوگ اختلاف میں نہ پڑھیں، اور قرآن مجید کی تکذیب نہ کریں۔“ [عون المعبود: ۶۵۰/۱]

② کلی بن ابی طالب قیس رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں:

”بے شک وہ سبعہ اُحرف جن پر قرآن نازل ہوا ہے وہ متفرق لغات ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔“ [الإبانة: ۱۷۱]

③ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اہل عرب کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ قراءات کا جو اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہی پڑھا جائے۔ اس میں عموم نہیں تھا بلکہ اس کے لیے تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ اکثر ائمہ سلف و خلف اسی پر ہیں۔“ [تحفة الأحمودی: ۵۵۱/۱]

④ امام ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر اہل عرب ایک لغت پر قرآن مجید پڑھتے تو ان پر یہ امر مشکل تھا اور اس طرح ان کو ایک حرف پر مجبور کرنا فتور کا سبب بن جاتا۔“ [عون المعبود: ۵۵۰/۱]

⑤ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءات کے بارے میں فرماتے ہیں:

”اہل مدینہ کی قراءت سنت ہے۔“ [احسن الاثر: ۱۲]

⑥ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب ان کی پسندیدہ قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اہل مدینہ یعنی امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت کی طرف اشارہ کیا۔ [طبقات القراء از ابن جزری: ۳۱۶/۱]

⑦ امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”دو قراءات دو آیات کی مانند ہیں، ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے۔“ [أحكام القرآن لابن العربي: ۱۳۹/۱]

⑧ امام ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۶۳۶ھ) فرماتے ہیں:

”قراءات سبعہ متواتر ہیں، اگر یہ متواتر نہ ہوں تو قرآن مجید کا بعض حصہ غیر متواتر بن جائے گا۔ جیسے مَلِک اور مَالِک وغیرہ اور ان دونوں قراءات میں سے کسی ایک کی تخصیص کرنا باطل فیصلہ ہے کیونکہ دونوں ہی برابر ہیں۔“ [منتہی الوصول والأمل: ۲۴]

⑨ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

”حاصل کلام یہ ہے کہ جس چیز پر مصحف شریف مشتمل ہے اور مشہور قراء کرام اس پر متفق ہیں تو وہ قرآن ہے اور جس شے میں ان کا اختلاف ہوا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

① مصحف کارم دونوں مختلف قراءتوں کا احتمال رکھتا ہے اور یہ دونوں قراءتیں اعرابی وجہ اور معنی کے مطابق ہیں۔ تو یہ سب بھی قرآن ہے۔

② اگر مصحف کارم ایک کا احتمال رکھے اور دوسری قراءت کا احتمال نہ رکھے تو پھر دو صورتیں ہیں:

**الف:** اگر اس غیر محتمل قراءت کی سند صحیح ہے اور وہ اعرابی وجہ اور معنی عربی کے موافق ہے تو پھر وہ قراءات شاذ ہے۔

**ب:** اور اگر اس غیر محتمل قراءت کی سند بھی صحیح نہ ہو تو پھر وہ قرآن نہیں ہے اور نہ ہی اس کو خبر واحد کے درجہ میں رکھا جائے گا۔“ [إرشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الأصول: ۸۲/۱]

○ نیز فرماتے ہیں:

”کتاب اللہ کی تعریف یہ ہے کہ اس سے مراد وہ کلام ہے جو کہ نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔ مصاحف میں لکھا گیا ہے اور ہم تک تو اترے منقول ہے۔ ہم تک تو اترے منقول ہونے کی شرط سے قراءات شاذہ نکل گئی ہیں اور اس ساری بحث کا حاصل کلام یہ ہے کہ جس پر مصاحف مشتمل ہیں اور معروف قراء کا اس پر اتفاق ہو وہ قرآن ہے۔“

[إرشاد الفحول: ۴۶، ۴۷]

○ امام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ ایک آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اور یہ دونوں قراءتیں ایسی ہیں کہ قرآن مجید ان دونوں کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اُمت نے ان کو رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے۔“ [أحكام القرآن للجصاص: ۳۴۵/۳]

○ علامہ قنوجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”دو قراءتیں دو آیتوں کی مانند ہیں، تو جس طرح ایسی دو آیتوں کے درمیان تطبیق کرنا ضروری ہے، جن میں سے ایک آیت کسی زائد معنی پر مشتمل ہو، اسی طرح دو قراءتوں میں بھی تطبیق و جمع کرنا واجب ہے۔“ [نبیل المرام: ۵۲]

○ نحو کے مشہور و معروف امام، امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سنت ہونے کی وجہ سے قراء کی مخالفت نہیں کی جائے گی۔“ [الکتاب: ۷۱]

○ ابن خالویہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

”تمام لوگوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ جب کوئی لغت قرآن مجید میں آجاتی ہے تو وہ غیر قرآن سے زیادہ فصیح ہے۔

اس میں اختلاف نہیں ہے۔“ [كتاب الحججة لابن خالويه: ۶۱]

○ امام قشیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۷۵ھ) بعض قراءات پر اعتراض کرنے والے زجاج کا تعاقب کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”ائمہ دین کے نزدیک ایسا کلام مردود ہے، کیونکہ ائمہ قراء نے جو قراءات پڑھی ہیں وہ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ ہیں، جس نے ان قراءات کو رد کیا، تحقیق اس نے نبی کریم ﷺ کو رد کیا اور ان کی قراءات کو ناپسند کیا، ایسا کرنا جرم ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ نحو اور لغت کی تقلید نہیں کی جائے گی۔“ [إبراز المعاني لابن شامة: ۲۷۵]

○ نیز فرمایا:

”ایک قوم نے کہا یہ ناپسندیدہ اور محال ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے کوئی قراءات تو اترا کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہی فصیح ہے نہ کہ قبیح۔“ [جامع أحكام القرآن للقرطبي: ۹۳۷]

○ امام حریری رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۱۶ھ) قراءات پر اعتراض کرنے والے مبرد نحوی کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے

ہیں:

”اس کی یہ بات مردود اور بڑی حماقتوں میں سے ہے، یہ قراءات متواتر، سب سے قراءات میں سے ہے۔ تحقیق وہ اور اس جیسے دیگر نحوی ہلاکت میں گر گئے جن کے نزدیک قراءات سب سے غیر متواتر ہیں اور قرآن مجید رائے کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ یہ باطل مذہب اور غلط سوچ ہے۔“ [درة الفواصل: ۹۵]

○ امام ابو حیان رحمہ اللہ، ائمہ کے ہمصرہ میں ابدال والی قراءات کو لحن قرار دینے والے زحمری رحمہ اللہ

[الکشاف: ۱۲۲/۲] کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ لحن کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ بصرہ کے نحویوں کے سردار امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ، مکہ کے قاری امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور مدینہ الرسول ﷺ کے قاری امام نافع رحمہ اللہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔“ [البحر المحيط: ۱۵/۵]

● نیز امام حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک قراءات کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی متواتر قراءات ہے، اُمت کے اَسلاف نے اس کے موافق پڑھا ہے۔ اُکابر قراء صحابہ کرام جیسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب سے بڑے قاری سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔“ [البحر المحیط: ۱۵۷/۳]

● علامہ نقضتازانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قراءات سبعہ متواترہ ہیں، ان پر اعتراض کرنا جائز نہیں، مناسب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مخالف کے قول کی تضعیف و تردید کی جائے اور قراءات کو نحو کے قاعدہ شاذہ کے وقوع و جواز کا شاہد و مستدل قرار دیا جائے۔“

[شرح الشاطبۃ علی القراءات السبعۃ: ۵۹]

● امام ابن الصلاح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جس قراءت کی تلاوت کی جائے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کا قرآن ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر طریق پر منقول ہو، وہ قراءات پر زمانہ میں مشہور و شائع رہی ہو اور اس کو اُمت نے شرف قبولیت بخشا ہو، جیسے مرثبہ قراءات سبعہ ہیں۔ کیونکہ قراءات میں معتبر شیعہ وہ ہونگی جو قطعیت اور یقین سے ثابت ہو۔“ [فتاویٰ ابن الصلاح: ۳۳۲/۱]

● امام ابوالفضل رازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”تینوں ارکان کی جامع قراءات (قراءات عشرہ) مجملہ سبعہ اَحرف کے ہیں۔“

[النشر فی القراءات العشر: ۳۶/۱]

● امام ابن عابدین شامی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جو مصاحف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے شہروں کی جانب روانہ کئے تھے، ان پر ائمہ عشرہ متفق الروایت ہیں۔ یہ حصہ مجموعی، تفصیلی اور افراد و جزئیات یعنی اتفاقی و اختلافی ہر دو قسم کے الفاظ کے لحاظ سے متواتر ہے۔ پس سبعہ سے اوپر عشرہ تک قراءات شاذہ نہیں ہیں، بلکہ شاذہ وہ ہیں جو ماوراء العشر ہیں، یہی بات صحیح ہے۔“ [فتاویٰ شامی: ۳۵۹/۱]

● علامہ سبکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”صحیح بات یہ ہے کہ عشرہ کے علاوہ دیگر قراءتیں شاذ ہیں اور ابو جعفر، یعقوب اور خلف کی تین قراءتوں کو غیر متواتر کہنا انتہائی گرا ہوا قول ہے۔ جس شخص کی بات کا دین میں اعتبار کیا جاتا ہے وہ ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتا اور یہ تینوں قراءات بھی مصحف عثمانی کے رسم کے موافق ہیں۔“ [النشر فی القراءات العشر: ۳۵/۱]

● علامہ قاضی عبدالوہاب ابونصر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”الحمد للہ وہ قراءات سبعہ جن پر شاطبی نے اِحصار کیا ہے، نیز ابو جعفر رضی اللہ عنہ، یعقوب رضی اللہ عنہ اور خلف رضی اللہ عنہ کی قراءات بھی متواتر اور دین کی اُصل حقیقت ہیں۔“ [النشر فی القراءات العشر: ۳۶/۱]

● امام بغوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے قراءت سبعہ اور ابو جعفر و یعقوب کی قراءات اس لیے بیان کی ہیں کہ ان کی تلاوت جائز ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔“ [مقدمہ تفسیر بغوی: ۳۸/۱]

● امام خطابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ان قراءات کی اَسانید متصلہ اور ان کے رجال اَثبات ہیں۔“ [تفسیر قرطبی: ۷۳/۱]

● ابو محمد سبکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:



”جن قراءات میں صحت، سند، موافقت عربیت اور موافقت رسم، یہ تینوں شرائط پائی جائیں گی اس کے نزول من اللہ کی قطعی تصدیق کی جائے گی اور اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔“ [النشر الکبیر: ۱۴۱]

● حسن ضیاء الدین عمر فرماتے ہیں:

”چونکہ سبعاََ حروف پر انزال قرآن کی احادیث متواتر ہیں، اس بناء پر تو اتر کے علم کے باوجود سرے سے سبعاََ حروف ہی کا انکار کر دینا بلاشبہ کفر ہے۔“ [الأحرف السبعة و منزلة القراءات منها: ۱۰۱]

● مصر کے علماء متاخرین میں سے مشہور محقق علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۳۷۱ھ) فرماتے ہیں:

”پہلی رائے (کہ موجودہ قراءات ایک ہی حرف کی مختلف شکلیں ہیں) ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سات حروف ابتداء اسلام میں تھے، پھر عرضہ اخیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں منسوخ ہو گئے اور اب صرف ایک حرف ہی رہ گیا ہے۔ نیز یہی رائے ان حضرات کی بھی ہے جو کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو ایک حرف پر جمع کیا تھا اور مصلحت کی وجہ سے باقی چھ حروف کی قراءت روک دی تھی۔ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف ہے اور بہت سے لوگ ان سے مرعوب ہو کر ان کے پیچھے لگ گئے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک خطرناک اور بڑی سنگین رائے ہے اور علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ’الأحكام‘ اور ’الفصل‘ میں اس پر بڑی سخت نکیر کی ہے۔ جس کا انہیں حق تھا اور دوسری رائے (کہ موجودہ قراءات سبعاََ حروف ہیں) ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہی وہ حروف ہیں جو عرضہ اخیرہ کے مطابق محفوظ چلے آئے ہیں۔“ [مقالات الکوثری: ۲۱، ۲۰]

● دکتور سہمی عبدالفتاح ہلال فرماتے ہیں:

”صدر اوّل سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب تک کوئی قراءت نقل تو اتر سے ثابت نہیں ہو جاتی اس وقت تک نہ تو اسے صحیف میں لکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی بطور قرآن اس کی تلاوت کرنا جائز ہے۔“  
[محاضرات في القراءات الشاذة: ۴۳]

● شیخ سعید افغانی فرماتے ہیں:

”قرآن مجید کے تمام قراءات ہم تک صحت سند کے ساتھ پہنچی ہیں، یہ ایسی دلیل ہیں جن کا کوئی مد مقابل نہیں ہے اور ان قراءات کے طریقہ آدائی بھی اسی قبیل سے ہیں۔“ [أصول النحو: ۲۸، ۲۹]

● شیخ زکریا انصاری فرماتے ہیں:

”قراءات سبعاََ جو قراءت سبعاََ سے منقول ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک بطریق تو اتر پہنچی ہیں۔“

[غایۃ الوصول شرح لب الأصول: ۳۴]

● ابن ابی شریف نے لکھا ہے:

”سروجی حنفی نے اہل سنت والجماعت سے قراءات سبعاََ کا تو اتر نقل کیا ہے۔“ [الدر اللوامع از ابن ابی شریف: ۸۷]

● سید محمد الطباطبائی، جو کہ امامیہ شیعہ کے بہت بڑے عالم ہیں، فرماتے ہیں:

”علماء نے قراءات سبعاََ پر تو اتر نقل کیا ہے اور مطلق طور پر قراءات سبعاََ کے تو اتر کے قائلین میں سے علامہ ابن المطہر رحمۃ اللہ علیہ، ابن فہد رحمۃ اللہ علیہ، محدث حرلی رحمۃ اللہ علیہ اور فاضل جواد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں۔“ [مفتاح الأصول از طباطبائی]

● ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر ہم قراءات سبعاََ میں غور و فکر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قراءت، متواترہ مشہورہ اور (علماء فن کے ہاں) مقبولہ ہے، نسل در نسل لوگوں نے ان کو نقل کیا اور یہ قراءات صحیف عثمانی کے موافق ہیں۔“ [فتح الغفار از ابن نجیم: ۸۷، ۸۸]

- قاضی عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
- ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو صحیف عثمانی پر جمع کیا اور انہوں نے منزل من اللہ متواتر قراءات میں سے کچھ بھی ہم تک پہنچنے سے نہیں روکا۔ قراءات متنوع ثبوت کے اعتبار سے متواتر ہیں جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور صحیح ترین قراءات کا علم حاصل کرنا ہم پر واجب ہے۔“ [المعنی از قاضی عبدالجبار: ۵۹]
- احمد الوتشریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
- ”ہم سب پر واجب ہے کہ منقول قراءات متواترہ پر ایمان لائیں، یہ بات دینی اور عقلی طور پر ناممکن ہے کہ ان میں تصحیف یا تحریف ہوتی ہو۔“ [المعیار المعرب: ۸۷]
- نواب صدیق الحسن خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
- ”اہل اصول کا دعویٰ ہے کہ تمام قراءات سب سے، بلکہ عشرہ متواترہ ہیں۔“ [حصول المامون از صدیق حسن: ۳۵]
- سعودی عرب کے نامور عالم دین اور مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متعدد فتاویٰ میں قراءات کو ثابت کیا ہے۔ [فتاویٰ اللجنة الدائمة: ۴/۱۳۷، ۶/۳۹۶]
- محدث العصر علامہ حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’دوام حدیث‘ میں قراءات کو ثابت کیا ہے اور ان پر گفتگو کی ہے۔ [دوام حدیث: ۱۱۳۱ تا ۱۱۹۲]
- پاکستان کے معروف عالم دین محمد ابراہیم میرسیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مضمون ’قرآن مجید اور فن تجوید‘ میں قراءات پر گفتگو کی ہے۔ جو اثبات قراءات کے حوالے سے ان کے موقف کی واضح دلیل ہے۔
- [ہفت روزہ الحمد حدیث، قرآن مجید اور فن تجوید: جس ۱۳ تا ۱۳، شمارہ نمبر ۲۵، جلد نمبر ۳۷-۳۸ نومبر ۲۰۰۶ء]
- پاکستان کے معروف عالم دین علامہ احسان الہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ایک مضمون ’فن قراءات اور اس کی ضرورت‘ میں قراءات کو ثابت کیا ہے۔
- [ماہنامہ والضحیٰ، فن قراءات اور اس کی ضرورت، جس ۳۲، جلد نمبر ۱۳، ستمبر اکتوبر ۲۰۰۴ء، شمارہ نمبر ۹، ۱۰]
- امام البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’صفة صلاة النبي ﷺ‘ کے صفحہ ۹۰ پر مَالِک کی قراءات بیان کی ہیں جو اثبات قراءات کے حوالے سے ان کے موقف کی دلیل ہے۔ [صفة صلاة النبي: ۹۰]
- علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں قراءات کو نقل کیا ہے۔
- [تفسیر سعدی: ۶۵۶/۱، المائدۃ: ۶۷]
- مولانا حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مضمون میں قراءات کے اثبات کی طرف اشارہ کیا ہے۔
- [ماہنامہ المعارف لاہور، جلد نمبر ۸۔ اگست و ستمبر ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۹ تا ۱۹]
- مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ’معارف القرآن‘ کے مقدمہ میں قراءات کے حوالے سے گفتگو کی ہے:
- ”میں نے اپنی اس تفسیر میں قراءات کی مختلف وجوہ کو بھی بیان کیا ہے۔“ [مقدمہ معارف القرآن: ۶۹/۱]
- جماعت اسلامی پاکستان کے بانی و سابق امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک سوال کے جواب میں اختلاف قراءات کی بھرپور توثیق کی ہے۔ اور ان کا یہ فتویٰ ترجمان القرآن میں چھپ چکا ہے۔
- [ترجمان القرآن: جون ۱۹۵۹ء]

## قراءات متواترہ پر اجماع اُمت

مذکورہ اقوال میں سے بعض 'قراءات متواترہ پر اجماع اُمت' اور 'منکر قراءات کے حکم' سے متعلقہ ہیں فائدے کی غرض سے ان اقوال کو کمر راکھ جگہ اکٹھا بیان کیا جاتا ہے مثلاً:

● امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”پوری ملت اسلامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ جو قراءات ان ائمہ نے روایت کی ہیں یا انہیں کتابوں میں جمع کیا گیا ہے، تمام قابل اعتماد ہیں اور ان کے صحیح ہونے پر ہر زمانہ میں اجماع چلتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو ذمہ اٹھایا تھا وہ پورا ہوا، تمام محققین، فضلاء اور ائمہ سلف مثلاً قاضی ابوبکر بن ابوالطیب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما اس بات کے حامل ہیں۔“ [الجامع لاحکام القرآن: ۱/۴۷۱]

● امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۹۴۳ھ) فرماتے ہیں:

”یقیناً قراءات توقیفی ہیں اختیاری نہیں، یعنی قراء نے اپنی طرف سے گھڑی نہیں ہیں۔ قراء سبعہ کی قراءات کی صحت پر، نیز اس بات پر کہ قراءات سنت متبوعہ ہیں، جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، اجماع اُمت منقطع ہو چکا ہے، قراءات سنت ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور غیر مقبول وجوہ کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے۔“

[البرہان فی علوم القرآن للزرکشی: ۳۲۱/۱]

● ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”متواترہ کا انکار صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس پر اُمت کا اجماع ہے۔ قراءات کا تواتر ایسے حتی امور میں سے ہے، جن کا جاننا واجب ہے۔“ [الفقہ الأکبر: ۱۶۷، مجموع فتاویٰ: ۳۹۳/۱۳]

● امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

”علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حق اور ثابت شدہ ہے۔ اگر کوئی شخص ان قراءات متواترہ میں سے کوئی حرف زیادہ یا کم کرتا ہے یا کسی حرف کو کسی دوسرے حرف سے بدل کر پڑھتا ہے، حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو کہ وہ قرآن ہے، لیکن پھر بھی وہ شخص عدأس کی مخالفت کرتا ہے، تو وہ کافر ہے۔“ [مراتب الاجماع: ۱۸۴]

● امام ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

”وہ قراءات جو آج کل مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام میں رائج ہیں۔ یہ وہ قراءات ہیں جو انہوں نے پہلوں سے حاصل کی ہیں۔ انہی قراءات کی اشاعت کے لیے ہر شہر میں ایسے لوگ کھڑے ہوئے جنہوں نے تابعین سے وہ قراءات حاصل کیں جن پر تمام کا اجماع ہے۔“ [الاعلام: ۲۶۱/۱، کتاب السبعہ: ۵۲، ۴۹]

● امام ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

”قراءات سبعہ بلکہ عشرہ پر متعدد اعصار و امصار گزر چکے ہیں۔ ان کی نمازوں میں تلاوت کی جاتی تھی کیونکہ یہ اجماع سے ثابت ہیں۔“ [امحاث قراءات القرآن الکریم: ۲۵، المحرر الوجیز لابن عطیہ: ۹۱/۱]

● امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس دور میں ان معروف ائمہ قراءات سے صحیح ثابت قراءات پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ ان ائمہ کرام نے علم قراءات پر متعدد کتب لکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے حفاظت قرآن کا وعدہ پورا ہو گیا ہے۔ قاضی ابوبکر الطیب رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ائمہ متقدمین اور فضلاء محققین کا اس قول پر اتفاق ہے۔“ [المحرر الوجیز: ۳۹۱/۱]

● قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:



”مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید سے قصداً ایک حرف ناقص کیا یا ایک حرف دوسرے حرف سے بدلایا اجماع اُمت سے ثابت ہونے والے مصحف پر ایک حرف کی زیادتی کی تو وہ کافر ہے۔“  
[الشفاء فی التعریف بحقوق المصطفیٰ: ۶۴۷/۲-۲۶۴]

● ابن خالویہ رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:  
”تمام لوگوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ جب کوئی لغت قرآن مجید میں آجاتی ہے تو وہ غیر قرآن سے زیادہ فصیح ہے۔ اس میں اختلاف نہیں ہے۔“ [کتاب الحجۃ لابن خالویہ: ۶۱]

● علامہ ابن عبدالشکور مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:  
”آسانید قراءات بالا جماع صحیح ہیں اور علماء بلکہ اُمت کے ہاں انہیں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اگر ان آسانید کے معارض کوئی سندا جائے تو وہ ناقابل التفات ہے۔ قراء عشرہ کی آسانید صحیح ترین ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں اُمت کی طرف سے شرف قبولیت بھی حاصل ہے۔“ [فواخ الحرموت: ۱۲۲]

● علامہ سعدی ابو حسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:  
”جس شخص نے قراءات مرویہ متواترہ محفوظہ کے علاوہ قرآن میں ایک حرف زیادہ یا کم کیا یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا، حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو کہ وہ قرآن ہے، تو وہ بالا جماع کافر ہے۔“  
[موسوعة الإجماع فی الفقہ الاسلامی: ۹۰۳/۳]

● مزید فرماتے ہیں:  
”اہل اسلام میں سے دو بندوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ یہ قراءتیں صحیح و حق ہیں، سب کی سب قطعی و یقینی ہیں، اُمت مسلمہ کی نقل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیان کی ہیں۔“ [موسوعة الإجماع فی الفقہ الاسلامی: ۹۰۵/۳]

● دکتور سامی عبدالفتاح ہلال فرماتے ہیں:  
”صدر اوّل سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب تک کوئی قراءت نقل تو اتر سے ثابت نہیں ہو جاتی اس وقت تک نہ تو اسے مصحف میں لکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی بطور قرآن اس کی تلاوت کرنا جائز ہے۔“  
[محاضرات فی القراءات الشاذة: ۴۳]

## منکر قراءات کی تکفیر

● ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:  
”متواتر کا انکار صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس پر اُمت کا اجماع ہے۔ قراءات کا تواتر ایسے حتمی امور میں سے ہے، جن کا جاننا واجب ہے۔“ [الفقہ الأكبر: ۱۶۷، مجموع فتاویٰ: ۳۹۳/۱۳]

● نیز فرماتے ہیں:  
”جس نے کتاب اللہ کی کسی آیت کا انکار کیا، اس میں عیب نکالا یا قراءات متواترہ کا انکار کیا یا اس نے یہ گمان کیا کہ وہ قرآن نہیں ہے تو ایسا شخص کافر ہے کیونکہ اس نے ایسی شے کا انکار کیا جس پر اجماع ہو چکا ہے۔“ [الفقہ الأكبر: ۱۶۷]

● امام ابن حزم رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:  
”علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حق اور ثابت شدہ ہے۔ اگر کوئی شخص ان قراءات متواترہ

میں سے کوئی حرف زیادہ یا کم کرتا ہے یا کسی حرف کو کسی دوسرے حرف سے بدل کر پڑھتا ہے، حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو کہ وہ قرآن ہے، لیکن پھر بھی وہ شخص عمداً اس کی مخالفت کرتا ہے، تو وہ کافر ہے۔“ [مراتب الإجماع: ۱۸۴]

● قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید سے قصداً ایک حرف ناقص کیا یا ایک حرف دوسرے حرف سے بدلایا اجماع امت سے ثابت ہونے والے مصحف پر ایک حرف کی زیادتی کی تو وہ کافر ہے۔“  
[الشفاء فی التعریف بحقوق المصطفیٰ: ۶۴۷/۲-۲۶۳]

● علامہ سعدی ابو جیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جس شخص نے قراءات مرثویہ متواترہ محفوظ کے علاوہ قرآن میں ایک حرف زیادہ یا کم کیا یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا، حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو کہ وہ قرآن ہے، تو وہ بالاجماع کافر ہے۔“  
[موسوعة الإجماع فی الفقہ الاسلامی: ۹۰۳/۳]

● ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جن قراءات میں صحت سند، موافقت عربیت اور موافقت رسم، یہ تینوں شرائط پائی جائیں گی اس کے نزول من اللہ کی قطعی تصدیق کی جائے گی اور اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔“ [النشر الکبیر: ۱۴۱]

● امام ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منزل من اللہ حروف سبعہ کا انکار کرنے والے پر کفر کا حکم لگایا ہے۔“ [المرشد الوجیز: ۱۳۹]

● حسن ضیاء الدین عمر فرماتے ہیں:

”چونکہ سبعہ احرف پر انزال قرآن کی احادیث متواتر ہیں، اس بناء پر تواتر کے علم کے باوجود دوسرے سے سبعہ احرف ہی کا انکار کر دینا بلاشبہ کفر ہے۔“ [الأحرف السبعة و منزلة القراءات منها: ۱۰]



### قارئین رابطہ کر سکتے ہیں

ماہنامہ رشد قراءات نمبر ۱ کی اشاعت کی وجہ سے پورے ملک میں الحمد للہ علم قراءات کے حوالے سے علمی فضاء پائی جا رہی ہے، عوام الناس کی مباحث قراءات سمجھنے کی جستجو بڑھ رہی ہے۔ اس ضمن میں مختلف سوالات و اشکالات کا ذہن میں اٹھنا فطری امر ہے۔ چنانچہ ان سوالات کے حل کے لیے ذیل میں مختلف نمبر دیئے جا رہے ہیں، قارئین کسی بھی نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

حافظ فہد اللہ مراد- 0321-4893486

حافظ انس نضر مدنی- 0321-8420106

[ادارہ]

قاری مصطفیٰ راسخ- 0346-4422005

## حجیت قراءات ..... ضمیمہ فتاویٰ جات

قراءات نمبر دوم میں ادارہ رُشد نے پاکستان کے جمیع مکاتب فکر (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ حضرات) کی حجیت قراءات کے سلسلہ میں اتفاقی رائے یوں پیش کی تھی کہ ۱۰۰ مفتیان کے مختصر اور تقریباً ۲۰ کبار شخصیات کے تفصیلی فتاویٰ پیش کیے تھے۔ اس سلسلہ میں تاحال جو مختصر یا تفصیلی فتاویٰ جات مزید موصول ہوئے انہیں بھی قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

واضح رہے کہ فتاویٰ جات کے ضمن میں ہم نے خاص طور پر دارالعلوم دیوبند، ہندوستان کے فتویٰ کو بھی حاصل کیا ہے، جس کا پس منظر یہ ہے کہ ادارہ رُشد نے تو جمیع مکاتب فکر سے فتویٰ حاصل کر کے اُمت کے اتفاقی موقف کو سامنے لانے کی سعی کی لیکن کراچی میں 'مکرمین حدیث' کے ایک گروہ نے قراءات نمبر اول و دوم کی تحقیقی و علمی اشاعتوں سے گھبرا کر عوام الناس کو دیوبندی، اہلحدیث فرقہ واریت میں مبتلا کر کے گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کی اور صلیبی طریقہ واردات یوں اپنایا کہ 'ادارہ رُشد' کو انتہاء پسند اہلحدیث اور خود کو دیوبندی مکتبہ فکر ظاہر کرتے ہوئے اجماع مسئلہ کو حنفی اہلحدیث اختلاف کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر 'انکار قراءات' کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ وہ بھی ان کے موقف کے قائل تھے۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ معاملہ کی وضاحت کیلئے دارالعلوم دیوبند، ہندوستان اور دارالعلوم، کراچی کے حجیت قراءات پر فتاویٰ جات نذر قارئین کریں کیونکہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیوبندی مکتبہ فکر کی ترجمانی یہ ادارے بجا طور پر کر سکتے ہیں۔ [ادارہ]

**سوال:** کیا مروّجہ قراءات قرآنیہ کا قرآن و سنت میں کوئی ثبوت موجود ہے؟ ثبوت کی صورت میں اس کے انکاری کے متعلق علمائے اُمت کی کیا رائے ہے؟

**جواب:** قراءات عشرہ دس ائمہ کی ان مرویات کا نام ہے جو قرآن مجید اور اس کی متنوع 'قراءات' کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمت کو منتقل ہوئیں۔ موجودہ قراءات عشرہ صحیح احادیث میں وارد سبعة اُحرف کا حاصل ہیں اور ان کی نسبت ائمہ عشرہ کی طرف ٹھیک اُسی طرح ہے جس طرح محدثین کرام کی مرویات ان کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ تمام متواتر قراءتوں کے الفاظ بالکل قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں، جیسا کہ ان کی حجیت کو کتب احادیث میں محدثین کرام نے مستقل ابواب قائم کر کے ثابت کیا ہے، مثلاً امام ترمذی نے 'کتاب القراءات' اور امام ابوداؤد نے 'کتاب الحروف والقراءات' کے نام سے اپنے مجموعہ ہائے احادیث میں باقاعدہ کتابیں قائم کی ہیں۔ سبعة اُحرف کی مزید وضاحت کچھ یوں ہے کہ قرآن مجید میں متعدد آسالیب تلاوت کے ضمن میں صحیح اور متواتر

روایت «أنزل القرآن على سبعة أحرف» [صحیح بخاری: ۴۹۹۴، ۵۰۳۱، صحیح مسلم: ۱۸۹۶، ۱۸۹۷] اس بات پر بلاشبہ دلالت کرتی ہے کہ دین میں قرآن مجید کو متنوع انداز میں پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ اختلاف قراءات یا بالفاظ دیگر قرآن مجید کو مختلف لہجات میں پڑھنا ہر حال میں ثابت ہے اس کے بارے میں ”لا إله الا الله“ پڑھنے والے کسی بھی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”القراءات السبع التي اقتصر عليها الشاطبي والثلاث التي هي قراءة أبي جعفر وقراءة يعقوب وقراءة خلف، متواترة معلومة من الدين بالضرورة و كل حرف انفرد به واحد من العشرة معلوم من الدين بالضرورة انه منزل على رسول الله ﷺ لا يكابر في شيء من ذلك إلا جاهل وليس تواتر شيء من ذلك مقصوراً على من قرأ بالروايات بل هي متواترة عند كل مسلم يقول: أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، ولو كان مع ذلك عامياً جلفاً لا يحفظ من القرآن حرفاً وحظ كل مسلم وحقه أن يدين الله تعالى وتجزم نفسه بأن ما ذكرنا متواتر معلوم باليقين لا تتطرق الظنون ولا الارياب إلى شيء منه والله تعالى أعلم. [اتحاف فضلاء البشر للدمياطي: ۹/۱]

”وہ سات قراءات جن پر شاطبی نے انحصار کیا ہے اور وہ تین قراءات جو ابو جعفر، یعقوب، اور خلف سے منسوب ہیں، سب کی سب متواترہ ہیں اور دین سے بالضرورہ ثابت و معلوم ہیں۔ حتیٰ کہ ہر وہ حرف، جس کے ساتھ قراءت عشرہ میں سے کوئی قاری منفرد ہو، وہ بھی بالضرورہ دین سے معلوم ہے اور رسول اللہ پر نازل شدہ ہے۔ مذکورہ نقطہ نظر سے انحراف کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے۔ ان قراءات و روایات کا تواتر صرف ماہرین علم قراءات کی حد تک معلوم و ثابت نہیں، بلکہ ہر اس مسلمان کے نزدیک قراءات عشرہ متواترہ ہیں جو اُشہد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله کا قائل ہے، اگرچہ وہ ایسا عامی ہی کیوں نہ ہو جس نے قرآن کریم میں سے ایک حرف بھی حفظ نہ کیا ہو۔ لہذا ہر مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے اور جو کچھ ہم نے پیچھے بیان کیا ہے اس پر یقین رکھے کہ وہ متواترہ ہے اور اس یقین کے ساتھ عقیدہ رکھے کہ ان (قراءات عشرہ) میں شکوک و شبہات پیدا نہیں ہو سکتے۔“

● نواب صدیق حسن خاں بہادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وقد ادعى أهل الأصول تواتر كل واحدة من القراءات السبع بل العشر“

[حصول المأمول: ص ۳۵]

”اصولیوں نے قراءات سبعہ بلکہ عشرہ میں سے ہر قراءت کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔“

● امام زکری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وقد انعقد الإجماع على حجية قراءات العشرة وأن هذه القراءات سنة متبعة لا مجال للاجتهاد فيها..... وقال..... القراءات توقيفية وليست اختيارية خلافاً لجماعة“ [البرهان في علوم القرآن: ۳۲۲، ۳۲۱/۱]

”قراءت عشرہ کی قراءت کی حجیت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، یہ قراءت، سنت متبعہ (یعنی توفیقی) ہیں اور ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے..... اور فرماتے ہیں:..... ایک جماعت کی رائے کے برعکس یہ قراءات اختیاری نہیں بلکہ توفیقی ہیں۔“

● امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حد الكتاب ما نقل إلينا بين دفتي المصحف على الأحرف السبعة المشهورة نقلاً متواتراً“

[المستصفى: ۱۰۱]

”قرآن مجید وہ ہے جو مشہور احرف سبعہ پر نقل متواتر کے ساتھ دو گتوں کے درمیان ہم تک نقل کیا گیا ہے۔“

● امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لم ينكر أحد من العلماء قراءات العشرة“

[مجموع الفتاوى: ۳۹۳/۱۳]

”اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی قراءات عشرہ کا انکار نہیں کیا۔“  
 ◉ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فالمتمواتر لا يجوز انكاره لأن الأمة الإسلامية قد أجمعت عليه۔ وتواتر القراءات من الأمور الضرورية التي يجب العلم بها“ [شرح الفقه الأكبر: ج ۱ ص ۱۶۷]  
 ”تمواتر کا انکار کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور تواتر قراءات امور ضروریہ میں سے ہے جس کا علم ہونا واجب ہے۔“

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”إن أصحاب القراءات من أهل الحجاز والشام والعراق كل منهم عزا قراءته التي اختارها إلى رجل من الصحابة قرأها على رسول الله ﷺ لم يستثن من جملة القرآن شيئاً“ [الإعلام: ۲۷۳/۲]

”بخاری، شامی اور عراقی اصحاب قراءات میں سے ہر قاری نے اپنی اختیار کردہ قراءت کو کسی نہ کسی صحابی رسول کی طرف منسوب کیا ہے۔ جنہوں نے قرآن میں سے کوئی چیز چھوڑے بغیر یہ قراءات نبی اکرم کو سنائی۔“  
 ◉ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وقد أجمع المسلمون في هذه الأعصار على الاعتماد على ما صح عن هؤلاء الأئمة مما رووه ورأوه من القراءات وكتبوا في ذلك مصنفات فاستمر الإجماع على الصواب وحصل ما وعد الله به من حفظ الكتاب وعلى هذا الأئمة المتقدمون والفضلاء المحققون كالقاضي أبي بكر بن الطيب والطبري وغيرهما“

[تفسیر القرطبی: ۴۶۱]

”اس دور میں ان معروف ائمہ قراءات سے صحیح ثابت قراءات پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ ان ائمہ کرام نے علم قراءت پر متعدد کتب تصنیف کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے حفاظت قرآن کا وعدہ پورا ہو گیا ہے۔ قاضی ابوبکر ابن الطیب اور امام طبری جیسے ائمہ متقدمین اور فضلاء محققین کا اس قول پر اتفاق ہے۔“

◉ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ومضت الأعصار والأمصار على قراءة السبعة وبها يصلح لأنها تثبت بالإجماع“ [المححر الوجيز: ۳۹۱]

”قراءات سبعہ پر متعدد ادوار گزر چکے ہیں اور یہ نمازوں میں پڑھی جا رہی ہیں، کیونکہ اجماع امت سے ثابت ہیں۔“  
 ◉ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”سبب تنوع القراءات فيما احتمله خط المصحف هو تجويز الشارع وتسويغه ذلك لهم إذ مرجع ذلك إلى السنة والاتباع لا إلى الرأي والابتداع“

[مجموع فتاوى: ۴۰۲/۱۳]

”خط مصحف میں مختلف قراءات کا احتمال شارع کی طرف سے ہے، کیونکہ اس کا مرجع سنت واتباع ہے۔ اجتہاد دورائے نہیں۔“  
 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أنزل القرآن على سبعة أحرف، المرء في القرآن كقرء...» [مسند احمد: ۴۰۰، صحیح ابن حبان: ۷۳، تفسیر ابن کثیر: ۱۰۲/۲، فضائل القرآن: ۶۳]  
 ”قرآن مجید سببہ احرف پر نازل کیا گیا ہے، قرآن مجید کے بارے جھگڑنا کفر ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ ”أن من كفر بحرف منه فقد كفر به كله“

[تفسیر الطبری: ۵۲/۱، الابحاث فی القراءات: ج ۱ ص ۱۸، نکت الانتصار للباقلانی: ج ۱ ص ۳۶۳]

”جس شخص نے قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار کیا، یقیناً اس نے پورے قرآن کا انکار کیا۔“

◉ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”واتفقوا أن كل ما في القرآن حق وأن من زاد فيه حرفاً ما غير القراء“

ات المرورية المحفوظة المنقولة نقل الكافة أو نقص منه حرفاً أو غير منه حرفاً مكان حرف و قد قامت عليه الحجة أنه من القرآن فتمادى متعمداً لكل ذلك عالمياً بأنه بخلاف ما فعل ، فانه كافر“  
[مراتب الاجماع: ص ۱۷۴]

”اور تمام اہل علم کا اتفاق ہے اس بات پر کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حق ہے اور اس بات پر کہ ان قراءات کے علاوہ جو (مروی) محفوظ (ہیں اور) تواتر کے ساتھ منقول ہیں، جو کوئی اس (قرآن) میں (اپنی طرف سے) کسی ایک حرف کا بھی اضافہ یا کمی کرے یا کسی ایسے حرف کو دوسرے حرف سے تبدیل کر دے جس کا قرآن سے ہونا دلیل (قطعی ضروری) سے ثابت ہو اور وہ تعنت کی بنا پر عمداً (زیادتی، کمی یا تبدیلی) میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرے یہ جانتے ہوئے کے حقیقت اس کے خلاف ہے جو کچھ یہ (کمی، زیادتی یا تبدیلی) کر رہا ہے تو وہ کافر ہے۔“

علامہ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أن الإجماع منعقد على أن من زاد حركة أو حرفاً في القرآن أو نقص من تلقاء نفسه مصراً على ذلك يكفر“ [منجد المقرئين: ص ۹۷، ۲۳۴]

”اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جو کوئی اپنی طرف سے قرآن کریم میں کسی حرکت یا حرف کا اضافہ کرے یا کمی کرے (تنبیہ کیے جانے اور تواتر تسلیم ہو جانے کے باوجود) اس (کمی یا زیادتی) پر مصر ہو تو وہ کافر ہے۔“

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ قراءات قرآنیہ یا الفاظ دیگر قرآن مجید کو پڑھنے کے مختلف سالیب قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور ان پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان سب کا یا کسی ایک کا انکار کرتا ہے تو وہ بالاجماع گمراہ اور سبیل المؤمنین سے ہٹا ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء جامعہ لاہور الاسلامیہ لاہور

حافظ عبدالرحمن مدنی (رئیس دارالافتاء)

حافظ ثناء اللہ مدنی (شیخ الحدیث، جامعہ لاہور الاسلامیہ)

مولانا محمد رمضان سلفی (نائب شیخ الحدیث جامعہ)

مولانا محمد شفیق مدنی (رکن دارالافتاء)

درج ذیل مفتیان کرام نے مذکورہ فتویٰ کی تائید میں فتاویٰ ارسال فرمائے:

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔ انڈیا

مولانا مفتی حبیب الرحمن (مفتی دارالعلوم دیوبند)

مولانا مفتی نصر الاسلام قاسمی (نائب مفتی دارالعلوم دیوبند)

مولانا وقار علی (معاون مفتی)

مولانا فخر الاسلام (معاون مفتی)

دارالافتاء جامعہ غوثیہ رضویہ گلبرگ۔ لاہور

مولانا مفتی لیاقت علی (مفتی جامعہ غوثیہ رضویہ)



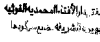
دارالافتاء جامعہ فریدیہ۔ ساہیوال

مولانا مظہر فرید شاہ (نائب مہتمم جامعہ فریدیہ ساہیوال)



دارالافتاء محمدیہ الغوثیہ، بھیرہ۔ ضلع سرگودھا

مولانا مفتی شیر محمد خان (مفتی و شیخ الحدیث دارالعلوم محمدیہ غوثیہ)



دارالافتاء جامعہ ادارۃ الفرقان، اللہ والی مسجد، بندر روڈ۔ سکھر

مولانا مفتی عبدالباری (مفتی دارالافتاء جامعہ ادارۃ الفرقان)

مولانا مفتی عبدالملک

مولانا مفتی عبداللہ یوسفی



دارالافتاء جامعہ غوثیہ رضویہ انوار باہور، وحدت کالونی پروری روڈ۔ کوئٹہ

مولانا مفتی غلام محمد قادری قاسمی (مہتمم و مفتی جامعہ غوثیہ رضویہ)



دارالافتاء جامعہ الشہید عارف الحسینی المعارف الاسلامیہ۔ فیصل کالونی۔ پشاور

مولانا سید محمد جواد ہادی



دارالافتاء جامعہ فیض العلوم نقشبندیہ قادریہ، غریب آباد سی۔ بلوچستان

علامہ مفتی فتح محمد نقشبندی (مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ ہذا)



دارالافتاء جامعہ اسلامیہ خیر المعاد۔ ملتان

مولانا محمد شفیع مظہر الجامدی (مہتمم دارالافتاء جامعہ اسلامیہ خیر المعاد)



معزز مفتیان کے تفصیلی فتاویٰ جات

### معزز مفتیان کے تفصیلی فتاویٰ جات

جواب: الحمد للہ رب العلمین والصلوة والسلام علی أشرف المرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین و بعد!

فطری حقیقت ہے کہ ہر زبان کے بولنے والے انداز بیان اور لہجات میں مختلف ہوتے ہیں ایک ہی نکت بولنے والے متعدد قبائل میں درج ذیل امور کا اختلاف ناقابل انکار حقیقت ہے۔

① ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا۔ ② ایک مسمی کے متعدد اسماء۔

③ حرکات کا اختلاف۔ چنانچہ ایک قبیلہ کسرہ پڑھتا ہے تو دوسرا فتح یا ضمہ۔

ان وجوہ اختلاف کا مشاہدہ برصغیر کی زبانوں میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

قرآن حکیم جزیرۃ العرب کے تمدن مراکز کے انداز بیان میں اُترا جبکہ گردونواح میں کئی قبائل آباد تھے۔ جن کے بولنے کے مذکورہ بالا انداز تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو قبائل عرب سے وفود کی آمد ہونے لگی جن کے لیے تمدن مراکز کی زبان غیر معتاد تھی اور ان کے لیے صحیح تلفظ ممکن نہ تھا، مثلاً قبیلہ ہذیل کا حاء کو عین پڑھتے ہوئے 'حتی حین' کو 'عتی عین' پڑھنا، اور قبیلہ حمیر کا لام تعریف کو میم سے بدلتے ہوئے 'الحممد' کو 'امحمد' پڑھنا، 'الصیام' کو 'امصیام' پڑھنا، تو ایسے لوگوں کو اپنے اپنے انداز میں تلاوت کی اجازت دی گئی البتہ وہ جب درست تلفظ کے عادی ہو گئے تو یہ اجازت منسوخ ہو گئی اور جو کلمات قرآنی فصاحت و بلاغت کے معیار پر اترتے تھے اور ان کے ساتھ تفسیری و لغوی فوائد وابستہ تھے ان کو باقی رکھا گیا۔ تقدیم و تاخیر، حروف کی کمی و بیشی، انداز بیان کا تنوع دیگر زبانوں کی طرح عربی میں بھی تھا ان کا سماع جب رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً یا موقوفاً، قولاً یا سکوتاً و تحسیناً ہوا تو وہ قرآنی اصطلاح میں قراءات کہلانے لگیں اور یہ وجوہ تغیر نقل در نقل اُمت میں چلے آ رہے ہیں اس طرح قراءات کا سلسلہ سماعی ہے آداء اور تلاوت میں قیاس کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ مخصوص ہیں۔ اس پر درج ذیل دلائل بڑے واضح ہیں:

① نبی ﷺ کا بار بار جبریل امین علیہ السلام سے اُمت کی تخفیف کی بابت سوال کرنا۔

② حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان سورۃ فرقان میں اختلاف قراءت ہونا اور حضور ﷺ کا دونوں کی تحسین کرنا۔

③ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اپنے دو احباب کے ساتھ سورۃ نحل کی وجوہ قراءت میں اختلاف ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا دونوں کا تصدیق کرنا۔

④ رسم قرآنی کا عام عربی رسم الخط سے مختلف لکھنا جیسے 'دحی' مشتق ہے 'دحو' سے اور جب کوئی کلمہ معتل الآخر واولی ہو تو اس کو الف سے بدلا جاتا ہے نہ کہ یاء سے جیسے دعو سے دعا۔ لیکن رسم قرآنی میں دحا کی بجائے وحی۔ بالیاء لکھا گیا ہے اور یہ کام صف اول کی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہے۔ قراءت کی بھی رعایت پیش نظر تھی۔ پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس رسم الخط پر اجماع بھی ہے اور اُمت میں اس کو تلقیناً بالقبول بھی حاصل ہے۔ جو از خود حجت ہیں۔

⑤ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ حکمت عملی کہ جہاں رسم الخط میں قراءات مسموعہ کی گنجائش تھی، ان کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نبج پر ہی لکھنا لیکن تقریباً ۴۱ مقامات میں رسم الخط کی یکسانیت میں متعدد قراءات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مختلف مصاحف میں الگ رسم الخط میں لکھنا۔ جیسا کہ مصحف مدنی اور شامی میں سار عو [آل عمران] بغیر واؤ کے اور دیگر مصاحف میں و سار عو واؤ کے ساتھ لکھنا اور ان مصاحف پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

⑥ اُمت میں قراءات کی نسبت جن مشہور قراء عشرہ کی طرف ہے وہ تمام کے تمام بالواسطہ یا بلا واسطہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض یافتہ ہیں۔ جن صحابہ رضی اللہ عنہم پر رسول اللہ ﷺ نے یوں فرما کر اعتماد ہی نہیں کیا کہ ما انا علیہ و اصحابی بلکہ اُمت کو بھی ان کی اتباع کی تلقین کر دی۔ یہ وہ حقائق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءات کا تعلق سماع سے ہے۔ محض لغت سے اُز خود کوئی وجہ نکال کر اس کو قراءت قرار دینا قطعی غلط اور بے بنیاد ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس ان کے ذاتی مصاحف تھے جن میں موجود قراءات کو نظر انداز کر دیا گیا تو یہ سوال لاعلمی



پر مبنی ہے، دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات لکھنا جانتے تھے وہ حضور ﷺ کی مجلس میں قرآنی متن اور تفسیر دونوں سنتے اور لکھتے تھے اس کے بعد دور دراز آسفار میں چلے جاتے تھے۔ اس طرح وہ مصاحف متن کے اعتبار سے بھی مکمل نہ تھے اور دوسرا یہ کہ ان میں اضافات تفسیر یہ بھی تھے جو کسی طور اصطلاح قراءات قرار نہیں دیئے جاسکے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب متن قرآنی کو یکجا کرنے کا فیصلہ کیا تو ظاہر ہے کہ اضافات تفسیر یہ کے لیے اس میں گنجائش نہیں تھی۔ لہذا رسم الخط ایسا اختیار کیا کہ قراءات مسموعہ کی وجوہات پر محیط ہو سکے اور تقریباً ۲۱ مقامات میں ایک رسم الخط کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مصاحف پر تقسیم کر دیا اور شخصی مصاحف کو جلا دیا کہ اُمت کے اندر اختلاف کا باعث تھے۔ اس کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ ایک ماہر قاری بھی بھیجا جو لوگوں کو درست انداز میں پڑھا سکے اور محض لغت سے وجوہ قراءات نکالنے کا سدباب ہو سکے۔ اس پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اگلے دور میں انہیں قراءات مسموعہ کو مدون کیا گیا اور درس و تدریس نیز تالیف کے ذریعہ اخلاف تک منتقل کیا گیا۔ جن میں تفسیری فوائد کے علاوہ لغوی، نحوی اور اشتقاقیات کے حوالے سے بھی استنباط کیا جاسکتا ہے۔ ایسے اجماعی مسئلے سے انحراف کرنا نہ یہ کہ کتاب اللہ کو مشکوک بنانے والی بات ہے بلکہ دین اسلام کی اساس کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرِزْنَا اِتِّبَاعَهُ .

پروفیسر تاج الدین الازہری

شعبہ تفسیر و علوم قرآن

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد



الجواب بعون الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

مختلف قراءات قرآنیہ کا ثبوت موجود ہے، چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

”حدثنا سعيد بن عفير قال: حدثني الليث قال حدثني عقيل عن ابن شهاب، قال حدثني عروة بن الزبير أن المسور بن مخرمة و عبد الرحمن بن عبد القاري حدثاه أنهما سمعا عمر ابن الخطاب يقول: سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله ﷺ فاستمعت لقراءته فإذا هو على حروف كثيرة لم يقرئها رسول الله ﷺ فكذت أساوره في الصلاة، فنتصرت حتى سلم، فلبتته برداء فقلت: من أقرأك هذه السورة التي سمعتك تقرأ؟ قال: أقرأنيها رسول الله ﷺ فقلت: كذبت، فإن رسول الله ﷺ قد أقرأنيها على غير ما قرأت، فانطلقت به أقوده إلى رسول الله ﷺ فقلت: إني سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان على حروف لم تقرأنيها. فقال رسول الله ﷺ: أرسله: اقرأ يا هشام! فقرأ عليه القراءة التي سمعته يقرأ. فقال رسول الله ﷺ: «كَذَلِكَ أَنْزَلْتُ». ثم قال: «أَقْرَأُ يَا عُمَرُ!». فقراءت القراءة التي أقراني، فقال رسول الله ﷺ: «كَذَلِكَ أَنْزَلْتُ أَنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ فَاقْرَؤُوا مَا تيسر منه» .

”حضرت سعید بن عفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ”مجھے حضرت لیث رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت عقیل بن شہاب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، اور وہ فرماتے ہیں: مجھے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، کہ مسور بن

مخرمہ اور عبدالرحمن بن عبدالقاری دونوں نے حدیث بیان کی۔ ان دونوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: میں نے ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں سورت فرقان کی تلاوت کرتے تھے تو جب میں نے ان کی قراءت سنی تو بہت سے ایسے حروف سے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نہیں پڑھائے تھے تو قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر دیتا لیکن بمشکل ضبط کیا حتیٰ کہ انہوں نے نماز سے سلام پھیرا تو میں نے ان کی چادر سے ان کو گھسیٹا اور کہا یہ سورت جو میں نے آپ سے سنی کس نے آپ کو پڑھائی؟ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا تو نے جھوٹ کہا۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کے علاوہ تعلیم دی۔ پس میں ان کو ہانکتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی طرف لے کر چلا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ بے شک میں نے سورت فرقان کو ایسے حروف کے ساتھ سنا ہے جو آپ نے ہمیں نہیں پڑھایا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑ دو۔ اے ہشام! تم پڑھو تو اس نے وہ پڑھا جو میں نے سنا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس طرح اُتارا گیا ہے۔ پھر فرمایا اے عمر! تم پڑھو: تو میں نے وہ قراءت پڑھی جو آپ ﷺ نے ہمیں پڑھائی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس طرح بھی نازل کیا گیا ہے۔ بے شک یہ قرآن سات حروف پر اُتارا گیا ہے جو تمہیں آسان معلوم ہو، پڑھو۔“ [عمدة القاری: ۲۰۵، ۲۹۹: ۲۹۹]

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ عالی بخاری شریف کی احادیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سات حرفوں سے کیا مراد ہے، ابو حاتم محمد بن حبان بستی نے اس مسئلہ میں علماء کے ۳۵ اقوال ذکر کیے ہیں۔“

ان میں پانچ ملخصاً ذکر کیے جاتے ہیں۔

① سات حرفوں سے مراد سات مختلف الفاظ سے متقارب معانی ہیں مثلاً اقبل، تعال اور ہلم ان سب کا معنی ہے آؤ اور اذهب، اُسع ان کا معنی ہے جاؤ۔

② ایک قوم نے یہ کہا کہ سات حرفوں سے مراد عرب کے سات لغات ہیں اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ایک لفظ کو سات لغات پر پڑھا جائے گا، بلکہ یہ سات لغات قرآن مجید میں متفرق ہیں، بعض آیات لغت قریش پر ہیں، بعض لغت ہذیل پر، بعض لغت ہوازن پر اور بعض لغات یمن پر ہیں۔

③ ایک قوم نے یہ کہا کہ یہ سات لغات مضر میں ہیں، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ قرآن لغت مضر پر نازل ہوا ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ قریش، کنانہ، اسد، ہذیل، تمیم، ضبیہ اور قیس یہ سب مضر کے قبائل ہیں اور یہ سات لغات انہی مراتب پر ہیں، البتہ مضر میں بعض شواذ بھی ہیں، کیونکہ قیس میں مؤنث کی ضمیر کی جگہ شین لاتے ہیں۔

④ سات حروف سے مراد سات قراءات ہیں، صاحب الدلائل اور قاضی ابن الطیب رحمہ اللہ نے کہا: ”ہم نے اختلاف قراءات میں تتبع کیا تو یہ سات ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر کلمہ اور ہر آیت میں سات قراءات جاری ہوتی ہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک کلمہ میں قراءات کی زیادہ سے زیادہ سات وجوہ ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض کلمات میں سات سے زیادہ وجوہات قراءات ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور غالب کلمات میں سات سے زیادہ قراءات نہیں ہیں۔“

⑤ سات حرفوں سے مراد قرآن مجید کے سات معانی ہیں اور وہ یہ ہیں:

”امر، نبی، وعد، وعید، نقص، مجادلہ اور امثال۔“

○ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ ان عنوانات کو حروف نہیں کہتے، نیز اس پر اجماع ہے کہ حلال، حرام اور کسی معنی کے تغیر میں وسعت کی گنجائش نہیں۔“ [تفسیر تبيان القرآن: ۱۰۷/۱]

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں قراءات سبعہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”پہلی قراءت میں فی نفسہا کی اور زیادتی ہوتی ہے مثلاً ’نُنشِرُهَا‘ اور ’نُنشِرُهَا‘، ’سَارِعُوا‘ اور ’وَسَارِعُوا‘ اور دوسری میں واحد اور جمع کے اعتبار سے فرق ہے۔ مثلاً ’کُنْتُمْ‘ اور ’کُنْتُمْ‘ اور ’تَسْبِيحُہَا‘ اور تیسری میں تذکیر اور تانیث کے اعتبار سے اختلاف ہے مثلاً ’يُكْنُ‘ اور ’تُكْنُ‘ میں اور چوتھی میں تصریفی اختلاف ہے جیسے مخفف اور مشدد میں مثلاً ’يُكْدَبُونَ‘ اور ’يُكْدَبُونَ‘ فتح اور کسرہ کے اعتبار سے ’يُقْنَطُ‘ اور ’يُقْنَطُ‘ اور پانچویں قراءت اعرابی اختلاف ہے۔ ’دُو الْعُرْشِ الْمَجِيدِ‘ میں دال کے رفع اور اس کے مجرور ہونے کے اعتبار سے اور چھٹی اداۃ کا اختلاف ہے مثلاً ’وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ‘ اور ’وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ‘ ان کے مشدد اور مخفف ہونے میں اور ساتویں قراءت لغت کے اعتبار سے تفسیح اور اِمالہ میں اختلاف ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

”انہی سات قراءتوں میں حصر نہیں بلکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو پڑھنا جائز ہے اس میں اُمت کی آسانی ہے۔“

پنانچہ لکھتے ہیں:

”والحاصل أنه أجاز بأن يقرؤوا ما ثبت عنه صلی اللہ علیہ وسلم بالتواتر بدليل قوله أنزل على سبعة أحرف والأظهر أن المراد بالسبعة التكتير لا التحديد .“

”حاصل کلام یہ ہے کہ جو قراءت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدلیل تواتر کیساتھ ثابت ہے وہ جائز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فرمان کی وجہ سے: کہ قرآن سات احرف پر نازل کیا گیا ہے۔ اظہر بات یہ ہے کہ سبعہ سے مراد کثرت ہے حصر نہیں۔“

مزید اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

”قال ابن عبد البرّ والباقلانی و آخرون: هذا وكأنه عليه الصلاة والسلام كشف له أن القراءة المتواتر تستقر في أمته على سبع وهي الموجودة الآن المتفق على تواترها والجمهور على أن ما فوقها شاذ لا يحل القراءة به .“

”ابن عبد البر، باقلانی اور دیگر نے کہا کہ یہ ایسا ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کشف ہوا کہ قراءت متواتر میری اُمت میں سات ہوں گی، جو کہ ابھی موجود ہیں اور جن کا متواتر ہونا متفق علیہ ہے۔ جمہور اس طرف گئے ہیں کہ جو اس سے زیادہ ہیں ان کے ساتھ قراءت قرآن حلال نہیں۔“

مزید تواتر کا معنی لکھتے ہیں کہ تواتر سے کیا مراد ہے:

”حديث نزول القرآن على سبعة أحرف ادعى أبو عبيدة تواتره لأنه ورد من رواية أحد وعشرين صحابياً ومراده التواتر اللفظي، وإما تواتره المعنوي فلا خلاف فيه .“

[مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن باب اختلاف القراءت و جمع القرآن: ۵]

[۹۱، ۹۰]

”نزول القرآن على سبعة أحرف کے بارے میں ابو عبیدہ نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے، کیونکہ یہ اکیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

مروی ہے اور اس سے ان کی مراد تواتر لفظی ہے جبکہ اس حدیث کے تواتر معنوی میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔“  
یہاں تک تو بحث تھی سات حروف اور قراءات کے تواتر کی اور جہاں تک تعلق ہے ان میں سے کسی قراءات کے  
انکاری کا تو اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ قراءات سبعہ میں سے اگر کوئی کسی ایک کا انکار کرتا ہے تو اس کے منکر کو  
کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ قراءات سبعہ ضروریات دین میں سے نہیں ہیں۔ الفتاویٰ الحدیثیہ میں شیخ الاسلام  
احمد بن محمد بن علی بن حجر رحمہ اللہ سے اس طرح کا سوال کیا گیا لہذا وہ سوال اور جواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں:

”هل القراءات ذات السبع متواتر مطلقاً أو عند القراء فقط، وهل إنكار تواترها كفر أم لا؟  
فأجاب بقوله: هي متواتر عند القراء وغيرهم، واختار بعض أئمة متأخرين المالكية إنها متواترة  
عند القراء لا عموماً، وإنكار تواترها صرح بعضهم بأنه كفر، واعترضه بعض أئمتهم، فقال: لا  
يخفى على من اتقى الله وفهم ما نقلناه عن الأئمة الثقات من اختلافهم في تواترها وطالع كلام  
القاضي عياض من أئمة الدين أنه قول غير صحيح، هذه مسألة البسمة اتفقوا على عدم التكفير  
بالخلاف في إثباتها ونفيها والخلاف في تواتر وجوه القراءة مثله أو أيسر منه، فكيف يصرح فيه  
بالتكفير، وبتسليم تواترها عموماً وخصوصاً ليس ذلك معلوماً من الدين بالضرورة،  
والاستحلال والتكفير إنما يكون بإنكار المجمع عليه المعلوم من الدين بالضرورة والإستدلال  
على الكفر بأن إنكار تواترها يؤدي إلى عدم تواتر القرآن جملة مردود.“ [الفتاوى الحدیثیة:

[۳۲۰، ۳۱۹]

”یہ سوال کہ: کیا قراءات سبعہ مطلقاً متواتر ہیں یا فقط قراء کے نزدیک متواتر ہیں اور آیا ان کا انکار کفر ہے یا نہیں؟“  
اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: یہ قراء کے اور بعض دیگر علماء کے نزدیک متواتر ہیں اور بعض متأخر ائمہ مالکیہ نے اس بات  
کو پسند کیا کہ یہ صرف قراء کے ہاں متواتر ہیں نہ کہ عموماً۔ اور اس تواتر کے منکر کے بارے میں بعض علماء نے کفر کی صراحت کی  
ہے، لیکن بعض ائمہ نے کفر کہنے پر اعتراض کیا اور فرمایا: یہ بات ایسے شخص پر پوشیدہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور ثقہ ائمہ  
کے قراءات کے تواتر میں اختلاف کو سمجھتا ہے جو ہم نے نقل کیا اور جو علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام پر مطلع ہوا، جو ائمہ دین  
سے ہیں، ان کا (قراءات سبعہ کے انکار کو کفر قرار دینے کا) قول درست نہیں۔ اس مسئلہ کی حیثیت ’بسم اللہ‘ کی طرح ہے۔  
جس کے قرآن کا جزء ہونے کے اثبات اور نفی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن تمام علماء (یعنی، جو اس کے جزء  
قرآن ہونے کے قائل ہیں اور جو نہیں ہیں، ان دونوں کی) عدم تکفیر پر متفق ہیں اور قراءات کی وجہ میں اختلاف یا تو اس کی  
مثل ہے یا اس سے بھی آسان ہے تو پھر اس میں کفر کی صراحت کیونکر کی جائے گی؟ اور اگر قراءات کا تواتر عموماً اور خصوصاً تسلیم  
کر بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے، (جن کے انکار پر مطلقاً تکفیر کی جاتی) کیونکہ تکفیر تو اس میں ہوتی  
ہے جس کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہو اور وہ مجمع علیہ (جس پر سب کا اتفاق) ہو اور کوئی اس کا انکار نہ کرے۔ اور قراء  
ات سبعہ کے منکر کو کفر قرار دینے کے لیے اس طرح استدلال کرنا کہ کسی وجہ قراءات کا انکار کرنا قرآن کے عدم تواتر کی طرف  
لے جاتا ہے۔ (قرآن کا انکار ہے) تو یہ جملہ مردود ہے۔“

ان مذکورہ قراءات سبعہ کا ضروریات دین سے نہ ہونا اس بات سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے  
کہ جو قراءات لوگوں میں معروف نہ ہو، وہ قراءات نہ کی جائے تاکہ وہ اس کا انکار کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔

● صدر الشریعہ مولانا مفتی محمد امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ساتوں قراءات جائز ہیں مگر اولیٰ یہ ہے کہ عوام جس سے نا آشنا ہوں وہ نہ پڑھے، کہ ان میں ان کے دین کا تحفظ ہے۔“ [بہار

شریعت: ۳۱، باب: قرآن مجید پڑھنے کا بیان: جس [۱۹]

ضروریات دین کا معاملہ تو یہ ہوتا ہے کہ ان کی حفاظت اور ان پر عمل کرنا عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہوتا ہے: مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور نفس قرآن، مسلمان کو مسلمان کہنا اور کافر کو کافر کہنا، شعائر اللہ کی تعظیم کرنا وغیرہ سب ضروریات دین سے ہیں۔ اگر کوئی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا منکر ہے کہ یہ فرض ہی نہیں، تو وہ کافر ہے، اس لیے کہ اُس نے ضروریات دین کا انکار کیا۔ لہذا اگر قراءات کا تواتر ضروریات دین سے ہوتا تو فقہاء کرام سے کس طرح اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ لوگوں میں غیر معروف قراءات سے منع کریں گے، پس معلوم ہوا کہ یہ تواتر قراءت کے نزدیک ہے اور یہ ضروریات دین سے نہیں ہے اور اس کا منکر کافر نہیں ہے۔ اگر قراءات سب سے انکار کرنے والا جاہل ہو تو اس کو سمجھایا جائے اور اگر بے دینی یا ہٹ دھرمی کی بنا پر انکار کرتا ہو تو وہ گمراہ بے دین اور اہلسنت سے خارج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

**الجواب صحیح** ابوالحسنین مفتی محمد وسیم اختر  
**الجواب صحیح** مولانا مفتی نیب الرحمن  
**الجواب صحیح** مفتی جمیل احمد نعیمی  
**کتبہ** غلام مرتضیٰ مظہری

دارالافتاء فیضان شریعت  
 زیر انتظام: سیلانی ویلفیئر انٹرنیشنل ٹرسٹ  
 جامع مسجد حسام الحرمین، مارٹن روڈ، تین ہٹی، کراچی



محترم جناب ڈاکٹر حافظ حسن مدنی رحمۃ اللہ علیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!  
 قراءات متواترہ سے متعلق آنجناب کی تحریر ملی، آپ کے سوالوں کے جوابات تحقیق و تفصیل طلب ہیں، جس کے لیے طویل دورانیہ چاہئے، جبکہ آنجناب کا تقاضا فوری جواب کا ہے اس لیے ان تین سوالوں کے بارے میں مختصراً تحریر کیا جاتا ہے:

قراءات عشرہ ساری کی ساری متواتر ہیں (اگرچہ قراءات سب سے تواتر پر تو اجماع و اتفاق ہے اور قراءات ثلاثہ کے تواتر میں کسی قدر اختلاف ہے، ”کما صرح بہ حکیم الأئمة العلامة اشرف علی التہانوی فی تنشیط الطبع: ۷، ۱۵“ قرآن مجید کی قراءتوں کا تواتر سے مروی ہونا ہی کافی ہے الگ سے دلیل کی ضرورت نہیں، کیونکہ فرمان ایڑدی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹]

نیز اثبات قراءات، حدیث سب سے آخرف پر موقوف نہیں (بلکہ تواتر ہی کافی ہے، ”وفی شرح الطیبة لأبھی قاسم النویری: ضابط کل قرآنہ تواتر نقلها، ووافقت العربیة مطلقاً ورسم المصحف ولو تقدیراً فہی من الأحرف السبعة، وما لا تجتمع فیہ فشاذ.“ [۱۲۳/۱] اور اقوال شاذہ سے قراءات متواترہ کی نفی عقل اور نقل کے خلاف ہے۔

جہاں تک منکر قراءات کے حکم کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

### انکار قراءات کا حکم

① قرآن یا اس کے کسی جزو کا انکار کفر ہے۔

② کوئی اگر بعض قراءتوں کو تسلیم کرتا ہو مثلاً روایت حفص کو ماننا ہو اور دیگر کا انکار کرتا ہو تو اس میں مندرجہ ذیل شقیں ہیں:

**الف:** کسی محقق کے نزدیک دیگر قراءتوں کا تو اتر ثابت نہ ہو، اس وجہ سے انکار کرتا ہو اس پر تکفیر نہ ہوگی۔

**ب:** اس کو دیگر قراءتوں کا تو اتر سے ثابت ہونا معلوم نہ ہو جیسا کہ عام طور پر عوام کو دیگر قراءتوں کا علم نہیں ہوتا اور صرف ان ہی لوگوں کو ان کا علم ہوتا ہے جو ان کو پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوں، ایسی لاعلمی کی وجہ سے انکار پر بھی تکفیر نہ کی جائے گی، البتہ ایسے شخص کو حقیقت حال سے باخبر کیا جائے گا۔

**ج:** تو اتر تسلیم ہونے کے بعد بھی انکار کرے تب بھی تکفیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ حقیقتاً یہ تو اتر ضروری و بدیہی نہیں بلکہ نظری و حکمی ہے جس کے انکار پر تکفیر نہیں کی جاتی، البتہ یہ سخت گمراہی کی بات ہے۔ [فقہی مضامین: ۱۱۸]

وللتفصیل فلیراجع الی:

① شرح الطیبہ لأبی قاسم النویری رحمہ اللہ ② دافع قراءات از قاری طاہر رحیمی صاحب رحمہ اللہ

③ مقدمہ شرح سبعہ قراءات از امام القراء محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ

الجواب صحیح

آخر محمود اشرف غفر اللہ لہ

خلیل الرحمن غفر اللہ لہ

بندہ اس جواب سے متفق ہے۔ قراءتِ عشرہ کا انکار بڑی گمراہی ہے، لیکن جیسا کہ میں جناب مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب کے نام ایک خط میں لکھ چکا ہوں، کہ قراءتِ حفص کے سوا کسی اور قراءت میں قرآن کریم کے نسخے تیار کر کے چھاپنا ہمارے علاقے میں بالکل مناسب نہیں ہے کہ اس سے تشویش فکر اور انتشار کا اندیشہ ہے۔ رسم عثمانی میں تمام قراءات کی گنجائش پہلے سے موجود ہے۔ اس لیے اس طرح کا کام جس سے انتشار ہو، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ أعلم

محمد تقی عثمانی رحمہ اللہ

دارالافتاء، دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴



**جواب:** قرآن کریم اللہ جل شانہ کا کلام برحق ہے۔ جہاں اس پر عمل کرنا اُمت کے لیے لازم ہے وہاں اس کو تجوید و صحت لفظی کے ساتھ پڑھنا فرائض دین میں سے ہے۔ کسی کتاب کو بشمول کتب احادیث کے اس کے مخرج کے ساتھ پڑھنا لازم نہیں۔ مگر قرآن کریم کی امتیازی شان ہے کہ اس کو اس کے صحیح مخرج کے ساتھ پڑھنا لازم ہے۔ حضور ختمی مرتبت صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرائض منصی میں جہاں تعلیم کتاب، تشریح آیات و تزکیہ قلوب شامل ہے وہاں آپ کے فرائض منصی میں تلاوت آیات و طریق قراءت بھی داخل ہے۔

كما قال الله تعالى شانه:

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [آل عمران: ١٦٤]

ماہنامہ 'رشد' کے ذمہ داران نے علم قرآن کے اس پہلو کو، جو علوم القراءات سے تعلق رکھتا ہے اور امت کی بے اعتنائی کا شکار ہے، سامنے رکھ کر 'رشد' کا قراءات نمبر جاری کیا جس کی جلد دوم میرے پیش نظر ہے۔ میں اس شاندار کارنامے پر ادارے کے ہر مخلص ساتھی کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی یہ علمی و دینی کاوش قبول فرمائے اور امت مسلمہ کو قرآن مجید کی مکمل تلاوت و ذوق مطالعہ کی طرف متوجہ فرمائے۔ آمین

مفتی محمد ابراہیم القادری الرضوی

خادم دارالعلوم اہل سنت و جماعت غوثیہ رضویہ سکھر



**جواب:** غالباً ۱۵ نومبر ۲۰۰۹ء سے ایک دو دن پہلے جامعہ لاہور الاسلامیہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ 'رشد' کا علم قراءات پر خاص نمبر اور مروجہ قراءات قرآنیہ کے متعلق ایک استفتاء بھی موصول ہوا، ماہنامہ میں قراءات پر اچھے خاصے تحقیقی مضامین اور فتاویٰ جات موجود ہیں۔ ہم نے جامعہ دارالعلوم کراچی کے فتوے سے اتفاق کیا ہے، جو درج ذیل ہے۔

قراءات عشرہ ساری کی ساری متواتر ہیں (اگرچہ قراءات سبعہ کے تواتر پر تو اجماع و اتفاق ہے اور قراءات ثلاثہ کے تواتر میں کسی قدر اختلاف ہے۔) کما صرح بہ حکیم الأمة العلامة أشرف علی تھانوی فی تنشيط الطبع [ص: ۱۵، ۷] قرآن مجید کی قراءتوں کا تواتر سے مروی ہونا ہی کافی ہے، الگ سے دلیل کی ضرورت نہیں، کیونکہ فرمان ایزدی ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ﴾ [الحجر: ۹] نیز اثبات قراءات حدیث سبعہ اُحرف پر موقوف نہیں (بلکہ تواتر ہی کافی ہے) (وفی شرح الطیبة لأبی قاسم النویری: [ضابطہ] کل قراءۃ تواتر نقلها ووافقت العربیة مطلقاً ورسوم المصحف ولو تقدیرا فہی من الأُحرف السبعة وما لا تجتمع فیہ فشاذ. [۱۲: ۱۳] اور اقوال شاذہ اور فاذا سے قراءات متواترہ کی نفی عقل اور نقل کے خلاف ہے۔

جہاں تک منکر قراءات کے حکم کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:

- ① قرآن یا اس کے کسی جزو کے انکار کا حکم کفر ہے۔
- ② کوئی اگر بعض قراءتوں کو تسلیم کرتا ہو مثلاً روایت حفص کو ماننا ہو اور دیگر کا انکار کرتا ہو تو اس میں مندرجہ ذیل شقیں ہیں:

**الف:** کسی محقق کے نزدیک دیگر قراءتوں کا تواتر ثابت نہ ہو، اس وجہ سے انکار کرتا ہو اس پر تکفیر نہ ہوگی۔

**ب:** اس کو دیگر قراءتوں کا تواتر سے ثابت ہونا معلوم نہ ہو، جیسا کہ عام طور پر عوام کو دیگر قراءتوں کا علم نہیں ہوتا اور

صرف ان ہی لوگوں کو ان کا علم ہوتا ہے جو ان کو پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہوں، البتہ ایسے شخص کو حقیقت حال سے باخبر کہا جائے گا۔

ج: تو اترا تسلیم ہونے کے بعد بھی انکار کرے تب بھی تکفیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ حقیقتاً یہ ضروری و بدیہی نہیں بلکہ نظری و حکمی ہے جس کے انکار پر تکفیر نہیں کی جاتی، البتہ یہ سخت گمراہی کی بات ہے۔ [فقہی مضامین: ۱۱۸]

وللتفصیل فلیراجع الی:

① شرح الطیبۃ لابی قاسم النورمی رحمۃ اللہ علیہ ② دفاع قراءات از حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

③ مقدمہ شرح سبعہ قراءات از امام القراء محی الاسلام پانی پتی واللہ اعلم بالصواب

أحقر ذوالفقار علی

دارالافتاء جامعہ صدیق اکبر رحمۃ اللہ علیہ، ٹنڈوالہ یار (سندھ)



جواب: قرآن کریم کی قراءات عشرہ متواترہ ہیں، جن کے نقل پر از صحابہ تا مؤلفین کتب اتنی بڑی تعداد میں راوی حضرات موجود ہیں جن کا حصر ناممکن ہے۔ خود سرکار دو عالم رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف لہجوں اور طریقوں سے قرآن کریم پڑھنے کی اجازت عطا فرمائی جس کی تفصیل علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کی النشر فی القراءات العشر وغیرہ میں موجود ہے۔ اس بارے میں ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

«إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ فَأَقْرَأُ وَأَمَّا تَبَسَّرَ مِنْهُ»۔ [صحیح البخاری: ۳۹۸۸]

”یعنی قرآن کریم سات احرف پر نازل ہوا، جو طریقہ بھی آسان لگے اس کے مطابق پڑھو۔“

رہی بات اس ثبوت کی کہ ہر قراءت کسی سند سے منقول ہے یا نہیں، تو اس کا ثبوت علمائے قراءت کے پاس مختلف کثیر آسانید کی صورت میں موجود ہے، اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ احادیث کی سندیں الگ ہیں اور قراءت کی سندیں الگ ہیں اور یہی سندیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ قراءت متواترہ ہیں۔ البتہ آسانی کی غرض سے متاخرین علماء (مثلاً دانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) نے دو، دو راوی ہر قاری کے منتخب کر کے ان کی روایات کو زیادہ پھیلا یا تاکہ لوگ آسانی مختلف قراءات کو یاد رکھیں اور اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جو ان قراءات کا انکار کرے وہ بالاجماع گمراہ ہے اور صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

مفتی حماد رضا نوری

دارالعلوم احسن البرکات

شارع مفتی محمد خلیل خان برکاتی

نزد ہوم اسٹیڈ ہال، حیدرآباد



**جواب:** قراءات سبعہ کا متواتر ہونا باجماع اُمت ثابت ہے۔ اس کا انکار موجب کفر و ضلالت ہے اور بقیہ قراءات ثلاثہ کے متواتر ہونے میں قدرے اختلاف<sup>(۱)</sup> ہے۔

❦ فتاویٰ شامی میں ہے:

”القرآن الذي يجوز به الصلاة بالاتفاق هو المضبوط في مصاحف الأئمة التي بعث بها عثمان إلى الأمصار وهو الذي أجمع عليه الأئمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة وتفصيلاً، فما فوق السبعة إلى العشرة غير شاذ، وإنما الشاذ ما وراء العشرة، وهو الصحيح..... الخ“ [۳۷۶۱۱]

شرح فقہ الاکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

”أو أنكر آية من كتاب الله أو عاب شيئاً من القرآن.....“

قلت وكذا كلمة أو قراءة أو زعم أنها ليست من كلام الله تعالى كقوله كونه من القرآن مجتمعاً عليه..... الخ“ [شرح فقہ الاکبر: ۲۰۵]

والله تعالى أعلم بالصواب وعلمه أتم وأحكم

عبدہ محمد محمد جان النعمی عفی عنہ

دارالافتاء، دارالعلوم مجتہدینہ نعیمیہ،

ملیر کراچی پاکستان

**نوٹ:** (۱) اختلاف کا حوالہ نہیں دیا گیا جبکہ ذیل کے فتاویٰ میں قراءات عشرہ کو متواتر کہا گیا ہے۔ (ادارہ)



**جواب:** قرآن کریم اللہ جل شانہ کا کلام برحق ہے۔ جہاں اس پر عمل کرنا اُمت کے لیے لازم ہے وہاں اس کو تجوید و صحت لفظی کے ساتھ پڑھنا فرائض دین میں سے ہے۔ کسی کتاب کو بشمول کتب احادیث کے اس کے خارج کے ساتھ پڑھنا لازم نہیں۔ مگر قرآن کریم کی امتیازی شان ہے کہ اس کو اس کے صحیح مخارج کے ساتھ پڑھنا لازم ہے۔ حضور ﷺ کے فرائض منصبی میں جہاں تعلیم کتاب، تشریح آیات و تزکیہ قلوب شامل ہے وہاں آپ کے فرائض منصبی میں تلاوت آیات و طریق قراءت بھی داخل ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ جل شانہ:

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [آل عمران: ۱۲۹]

ماہنامہ ”رشد“ کے ذمہ داران نے علم قرآن کے اس پہلو کو جو علوم القراءات سے تعلق رکھتا ہے اور اُمت کے بے اعتنائی کا شکار ہے۔ سامنے رکھ کر ”رشد“ کا قراءات نمبر جاری کیا جس کی جلد دوم میرے پیش نظر ہے۔

میں اس شاندار کارنامے پر ادارے کے ہر مخلص ساتھی کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی یہ علمی و دینی کاوش قبول فرمائے اور اُمت مسلمہ کو قرآن مجید کی کما حقہ تلاوت و ذوق مطالعہ کی طرف متوجہ فرمائے۔ آمین

مفتی محمد ابراہیم القادری الرضوی

خادم دارالعلوم اہل سنت و جماعت غوثیہ رضویہ، سکھر

جواب: قرآن مجید کے انوار و تجلیات سے قلب و ذہن تب منور ہو سکتے ہیں جب اس کتاب مقدس کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھا جائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے تجوید و قرات کے مسلمہ اصولوں سے آشنائی ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ [المزمل: ۴] اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کے متعدد ارشادات بھی تجوید و قراءات کی اہمیت پر شاہد ہیں۔ بلاشبہ اس سلسلہ میں ماہنامہ 'رشد' کے ذمہ داران کی یہ کاوش لائق صد تحسین ہے۔

جو شخص تجوید اور قرات کی اہمیت سے انکاری ہے وہ گمراہ ہے اور اس کا انکار محض ہٹ دھرمی ہے۔

والله تعالى أعلم

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی

دارالافتاء، جامعہ اسلامیہ العربیہ انوار العلوم، ملتان



جواب: مرؤجہ قراءات عشرہ کا نہ صرف یہ کہ اسناد صحیح مشہورہ سے ثبوت ہے بلکہ یہ سب کی سب متواتر ہیں۔ اگرچہ قراءت سب سے تواتر پر تو امت کا اجماع و اتفاق ہے اور قراءت ثلاثہ کے تواتر میں کسی قدر اختلاف ہے جیسا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ نے 'تنشیط الطبع' میں صراحت فرمائی ہے اور جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی بلا تاویل مطلقاً انکار کرے تو وہ متواتر اور مجمع علیہ بات کا منکر ہوگا۔ یہ سخت گمراہی و ضلالت کی بات ہے اس سے ایمان جانے کا بھی خطرہ ہے۔

شرح الفقہ الاکبر میں ہے:

”فالتواتر لا يجوز انكاره لأن الأمة الإسلامية قد اجمعت عليه. وتواتر القراءات من الأمور الضرورية التي يجب العلم بها“ [شرح الفقہ الاکبر للفتاویٰ: ۱۶۷]

والله أعلم بالصواب .

محمد عبداللہ یوسفی

دارالافتاء جامعہ ادارۃ الفرقان، اللہ والی مسجد

الجواب صحیح

مولانا مفتی عبدالباری

بندر روڈ، سکھر



**جواب:** ادارہ رُشد کی طرف سے جاری کردہ فتویٰ کے مندرجات چونکہ اُصول شرعیہ کے مطابق ہیں، اس لیے ہمیں اس سے اتفاق ہے۔ مزید یہ کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ موجودہ دور کے ملحدین جیسے تمنا عمادی اور جاوید احمد غامدی وغیرہ (جنہوں نے قراءت سبعہ کے تواتر کا انکار کیا ہے) کا رد ہونا چاہئے اور ملحدین کے اس فتنہ کا قلع قمع ہونا چاہئے؟ آپ کی یہ کوشش وسعی لائق صد تحسین ہے اور اس نکتہ پر ہم آپ کی بھرپور تائید کرتے ہیں، بلکہ اس سلسلے میں ہمارے شیخ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل اور سلسلہ پانی پتی کے اُستاد الاساتذہ حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب رحیمی قدس سرہ نے دُفاع قراءت نامی کتاب میں تمنا عمادی کی اس یاوہ گوئی کا بھرپور علمی انداز میں تعاقب فرمایا ہے، لیکن اگر آپ کا مقصد یہ ہو کہ اس طرح کی کوشش سے قراءت مخلفہ پر مشتمل متن قرآن شائع کرنے کی راہ ہموار کی جائے..... جیسا کہ ہم نے کئی ایک حضرات سے سنا بلکہ ہمارے پاس اس قسم کے متعدد سوالات بھی آچکے ہیں۔ تو اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔ اس لیے کہ پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں اُمت مسلمہ نے اس طرح کا کوئی کام نہیں کیا اور نہ ہی اس کو مفید سمجھا، بلکہ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک رسم پر قرآن کریم کو مرتب کرایا تھا اور بقیہ تمام لغات کے مصاحف کو اٹھوا دیا تھا ہم بھی رسم عثمانی کی حد تک متن قرآن کی اشاعت کو کافی سمجھتے ہیں، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کتب قرآۃ و تجوید میں اس تحقیق کو زندہ رکھا جائے۔

واللہ أعلم بالصواب

سعید احمد جلال پوری

عالیٰ مجلس تحفظ ختم نبوۃ، پرانی نمائش، کراچی



**جواب:** صورتِ مسئلہ میں آج کل جو مرد وچہ قراءت ہیں ان میں بعض کو قراءت سبعہ کہا جاتا ہے اور بعض کو قراءت عشرہ کہا جاتا ہے، جو قراءت ہم تک پہنچی ہیں ان میں بعض متواتر ہیں، بعض مشہور اور بعض احاد و شاذ کی حد تک پہنچ چکی ہیں، جہاں تک قراءت سبعہ کا تعلق ہے تو یہ قراءت سبعہ سے ثابت ہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت جمہور کے نزدیک حد تواتر تک نہیں پہنچا ہے، جبکہ بعض تواتر کے قائل ہیں، رہی بات قراءت عشرہ کی تو اگرچہ یہ تواتر سے ثابت نہیں مگر اس کا ثبوت حد شہرت کو پہنچا ہوا ہے۔

◉ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اعلم أن القاضي جلال الدين البلقيني قال: القراءة تنقسم إلى المتواتر وأحاد وشاذ، فالمتواتر القرائت السبعة المشهورة والأحاد قرائت الثلاثة التي هي تمام العشر ويلحق بها قراءة الصحابة، والشاذ قراءة التابعين. .... وأحسن من تكلم في هذا النوع إمام القرائة في زمانه شيخ شيوخوا أبو الخير بن الجزري، قال في أول كتابه النشر: كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت أحمد المصاحف العثمانية ولو احتمالا وصح سندها فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها ولا يحل إنكارها، بل

ہی من الأحرف السبعة التي نزل بها القرآن ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الأئمة السبعة أم عن العشرة أم عن غيرهم من الأئمة المقبولين . ..... قال الداني: وأئمة القرائة لا تعمل في شيء من حروف القرآن على الإفشاء واللغة والأقيس في العربية، بل على الأثبت في الأثر والأصح في النقل وإذا ثبتت الرواية لم يرد لها قياس عربية ولا فشو لغة لأن القرائة سنة متبعة يلزم قبولها والمصير إليها . [الإتقان في علوم القرآن: ١/ ١٦٤، ١٦٥] ، النوع الثاني والعشرون، معرفة التواتر والمشهور والأحاديث قرآن كاسات حروف پر نازل ہونا بخاری و مسلم وغیرہ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے جو معنی متواتر ہیں ان سات حروف کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کے متعدد طریقے ہیں اور ان سب پر تلاوت جائز ہے۔

○ امام بخاری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”إن ابن عباس حدثه أن رسول الله ﷺ قال: «أقرأني جبريلُ علي حَرْفٍ فرأجعتُهُ فلم أزلُ أستزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ». ..... وفيه أيضا: قال رسول الله ﷺ: «كَذَلِكَ أَنْزَلْتُ أَنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ فَأَقْرَأُوا مَا تيسَّرَ مِنْهُ»

[بخاری شریف: ٤٣٦٢، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف]

○ مفتی محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

”قرآن کی سات قراءتیں سب سے زیادہ مشہور اور متواتر ہیں ان میں کہیں اختلاف معنی نہیں، وہ سب حق ہیں اس میں اُمت کے لیے آسانی یہ ہے کہ جس کے لیے جو قراءت آسان ہو وہ پڑھے اور حکم یہ کہ جس ملک میں جو قراءت رائج ہے عوام کے سامنے وہی پڑھی جائے جیسے ہمارے ملک میں قراءت عاصم بروایت حفص، کہ لوگ ناواقف کی وجہ سے انکار کریں گے اور یہ معاذ اللہ کفر ہوگا۔ [بہار شریعت، ج ١٣، حصہ اول، عقائد متعلقہ نبوت، شیخ غلام علی لاہوری]

الحاصل یہ کہ صورتِ مسنولہ میں جو قراءتیں متواتر و مشہور ہیں ان کے انکار کی گنجائش نہیں، انکار سے کفر کا اندیشہ ہے بلکہ بعض علماء نے اس انکار کو کفر قرار دیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب .

محمد منور شاہ عفی عنہ

ناظم آباد، کراچی



## قراءاتِ عشرہ کا تواتر اور حدیثِ سبعہ احرف کی تشریح

قراءاتِ نبردوم میں مسلمانوں کے جمیع مکاتب فکر کے جید علماء کرام سے قراءات کے بارے میں حاصل ہونے والے فتاویٰ شائع کیے گئے تھے، کچھ فتاویٰ تاخیر سے پہنچے جو حجیت قراءات..... ضمیمہ فتاویٰ جات کے عنوان سے شمارہ ہذا کی زینت ہیں، ان میں سے جناب مفتی عبدالقدوس ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی فتویٰ اہمیت کے پیش نظر الگ سے شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی قرآن کریم اور قراءات کے بارے میں حجیت کو قبول فرمائے۔ [ادارہ]

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

جامعۃ لاہور الاسلامیہ کا مراسلہ مکتوب گرامی مع فتویٰ بابت قراءاتِ عشرہ موصول ہوا، اُحقر نے اسے بغور پڑھا، جناب فاضل محیب رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف سے اُحقر کو مکمل اتفاق ہے کہ قراءاتِ سبعہ بلکہ عشرہ، متواتر ہیں اور یہ سب قرآن کریم ہیں۔ جہاں تک قراءاتِ عشرہ کے تواتر اور ان کے قرآن ہونے کا مسئلہ ہے تو یہ اس قدر بدیہی اور واضح ہے کہ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، قراءاتِ عشرہ بلاشبہ قرآن ہیں اور ان کا نماز میں پڑھنا بلا اختلاف جائز ہے، ان کی حجیت تواتر اجماع سے ثابت ہے۔ اس قطعی اور بدیہی نظریہ پر اگرچہ مزید کسی کلام یا دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں لیکن تکمیل موضوع کے طور پر چند ضروری امور ذکر کیے جاتے ہیں جن سے قراءاتِ عشرہ کے تواتر اور ان کے قرآن ہونے پر مزید روشنی پڑے گی اور حدیث ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ [صحیح البخاری: ۴۹۹۰] کی پوری وضاحت بھی آجائے گی۔ واللہ الموفق .

### ضابطہ قراءات

ضابطہ قراءات کے متعلق شیخ القراء حضرت قاری محی الاسلام رحمۃ اللہ علیہ، شرح سبعہ قراءات میں تحریر فرماتے ہیں:

”جو قراءات عربیت کے موافق ہو، اگرچہ یہ موافقت بوجہ ہو، اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، خواہ یہ مطابقت احتمالاً ہو، اور سند صحیحہ متصلہ سے ثابت اور ائمہ فن کے یہاں مشہور ہو، وہ قراءت صحیحہ اور ان احرف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا۔ محقق کہتے ہیں جو قراءت اس طرح ثابت ہو اُس کا انکار جائز نہیں بلکہ مسلمانوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے خواہ ائمہ سبعہ کی قراءات میں سے ہو یا عشرہ کی یا ائمہ سبعہ کی، اور اگر ان ارکان ثلاثہ میں سے کوئی رکن مختل ہو جائے تو وہ ضعیف، شاذ اور فاسد و باطل ہے خواہ سبعہ میں سے ہو یا ائمہ سبعہ سے، تمام محققین ائمہ سلف و خلف اس تعریف کو صحیح کہتے ہیں۔ ابو عمرو ودانی رحمۃ اللہ علیہ، ابو محمد کلی رحمۃ اللہ علیہ اور مہدوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تصریح کی ہے۔ باقی تمام متقدمین کا بھی یہی مذہب ہے اور ان میں سے کوئی بھی اسکے خلاف نہیں۔ ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ المرشد الوجیز میں کہتے ہیں:

قرآنت عشرہ کا تواتر.....

”ہر اس قراءت کو جو ائمہ سبعہ کی جانب منسوب ہو اور صحیح کہلاتی ہو اسے اسی وقت منزل من اللہ اور صحیح کہہ سکتے ہیں جب وہ اس ضابطہ میں آجائے..... الخ“ [ص: ۱۰۴]

قرآن میں جو کچھ روایت کیا جاتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:  
 ① جس میں ارکان ثلاثہ مجتمع ہوں اس کی صحت و صدق پر قطعی حکم لگایا جائے گا اور اس کو پڑھا جائے گا، کیونکہ بلحاظ مصحف وہ اجماع سے لی گئی ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

② آحاد (ثقتہ) سے منقول ہو اور عربیت کی کسی وجہ کے مطابق ہو مگر رسم کے خلاف ہو۔ اس کو قبول کیا جائے گا مگر پڑھا نہیں جائے گا، کیونکہ

**أَوْلَى:** تو اس کو اجماع سے نہیں آحاد سے لیا گیا ہے اور خبر واحد سے قرآن ثابت نہیں ہو سکتا۔  
**ثَانِيًا:** وہ اس کے خلاف ہے جس پر اجماع ہو چکا ہے لہذا اس کی صحت کا قطعی حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اور جس کی صحت کا حکم نہ کریں اس کو قرآن میں پڑھ نہیں سکتے اور نہ اس کا منکر کافر ہے مگر بلا شک انکار برائے۔

③ لغت و عربیت سے، جس پر قرآن نازل ہے، بہر وجہ خلاف اگر ثقہ سے مروی ہو، وہ نہ قبول کی جائے گی اور نہ پڑھی جائے گی۔ [ص: ۱۰۶]

④ نیز محقق کہتے ہیں:

”بعض متاخرین نے صحت قراءت کے لیے رسم و عربیت کی موافقت کے ساتھ تواتر کی شرط لگائی ہے اور صحت سند کو کافی نہیں سمجھا وہ کہتے ہیں کہ تواتر کے بغیر قرآن ثابت نہیں ہو سکتا مگر ان لوگوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ جب کوئی حرف تواتر سے ثابت ہو جائے تو اس کے لیے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی بلکہ اس کا قبول کرنا بلا شرط واجب ہے، کیونکہ وہ قطعاً قرآن ہے لیکن جب ہم حروف کے لیے تواتر کی شرط لگا دیں تو قراء سبعہ کی بہت سی اختلافی وجوہ مرفوع ہو جائیں گی پہلے میرا بھی یہی خیال تھا مگر جب مجھے اس کی خرابی معلوم ہوئی تو میں نے ائمہ سلف کی رائے کی جانب رجوع کر لیا۔..... الخ“

نتیجہ بحث یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

① باجماع متواتر۔

② ایک جماعت کے نزدیک متواتر کی پہلی قسم میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا اور دوسری قسم جن حضرات کو تواتراً پہنچی اُن کے طرق کا اس پر اجماع ہونا چاہئے، ان دونوں اقسام کے حروف کیلئے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی، مگر ناممکن ہے کہ یہ عربیت کی کسی وجہ اور رسم کے احتمالاً مطابق نہ ہوں اور اگر بالفرض مجال خلاف ہوں تب بھی کوئی پرواہ نہیں۔

③ صحیح و مشہور، جن کو حضور نبی کریم ﷺ سے ثقات و ضابط و عادل بسند متصل روایت کریں اور ائمہ فن کے نزدیک مشہور ہو مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو۔ اس کو اسی شرط سے قبول کیا جائے کہ وہ اس ضابطہ کے موافق ہو ورنہ ضعیف و شاذ و باطل ہے۔ کَمَا مَرَّ

جمہور اہل ادا اور اکثر ائمہ قراءت نیز فقہاء وغیرہ کے نزدیک قراءت شاذہ سے نماز درست نہیں بلکہ شاذ قرآن اعتقاد کر کے یا باہم قرآنیت پڑھنا بھی حرام ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے تمہید میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

مدونہ میں کہتے ہیں:

مفتی عبدالقدوس ترمذی

”جو شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتا ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں اگر کوئی پڑھ لے تو اعادہ کرے۔ یہی ابن شماسی رضی اللہ عنہ اور ابن حجاج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لیکن احکام شرعیہ اور ادبیت کے لحاظ سے اُن کا پڑھنا اور مدوّن کرنا جائز ہے۔ ا[ح] ص: ۱۰۹]

### حدیث سبعہ اَ حرف کی تفصیلی بحث

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی: «إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ فَأَقْرَأُ مَا تيسَّرَ مِنْهُ». [صحيح البخاري: ۳۹۹۸] حدیث متواتر ہے اور محقق ابن الجزری رضی اللہ عنہ نے اس پر مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے اس حدیث پاک کو حضرت عمر، حضرت ہشام بن حکیم بن حزام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوسعید خدری، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت ابوبکرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت زید بن ارقم، حضرت انس بن مالک، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت عمر بن ابی سلمہ، حضرت ابوجہم، حضرت ابوطلمحہ اور حضرت ام ایوب انصاریہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا میں ان حضرات کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ سنے ہوں «إِنَّ الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ» وہ کھڑے ہو جائیں۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت مسجد میں کھڑی ہو گئی کہ جس کی گنتی نہیں ہو سکتی اور سب نے اس پر گواہی دی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی اس پر گواہ ہوں۔

احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر اُمت کی سہولت کے واسطے قرآن کریم اَ حرف سبعہ پر نازل فرمایا تھا کہ ہر بوڑھا، بچہ، مرد، عورت اپنے اپنے لغت پر تلاوت کر سکے۔ علامہ دانی رضی اللہ عنہ کی تحقیق کے مطابق قراءت کا ایک معنی لغات بھی ہے۔ اکثر محققین اور اہل ادا کے نزدیک اَ حرف کا مقصد لغات مختلفہ ہیں، اور یہ صواب معلوم ہوتا ہے مگر اس پر اجماع ہے کہ ہر حرف سات طرح نہیں پڑھا جاتا اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اس کا مدلول قراءت سبعہ مشہورہ کی قراءت نہیں ہیں، جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔ نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ ان کی قراءت اَ حرف سبعہ میں داخل ہیں، چونکہ عرب کی لغات فصیحہ سات تھیں، اس لیے انہیں اَ حرف سبعہ سے تعبیر کیا گیا جب کہ بعض کے نزدیک خاص عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اَ حرف سبعہ سے مراد قراءت سبعہ کی قراءت ہیں۔ یہ وہم ہے، کیونکہ قراءت سبعہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اقدس میں کوئی وجود نہیں تھا۔ حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ (۲۱ھ) میں، امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ (۲۵ھ) میں، امام عاصم رضی اللہ عنہ بھی اس کے قریب، حضرت امام نافع رضی اللہ عنہ (۷۰ھ) میں اور حضرت امام کسائی رضی اللہ عنہ تقریباً (۱۱۹ھ) میں پیدا ہوئے، ابن عامر رضی اللہ عنہ نے کبار تابعین رضی اللہ عنہم اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور حضرت امام عاصم رضی اللہ عنہ نے کبار تابعین رضی اللہ عنہم سے حضرت ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے تابعین رضی اللہ عنہم اور صفار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام نافع رضی اللہ عنہ نے تابعین رضی اللہ عنہم سے ابو عمر حمزہ نے تابعین رضی اللہ عنہم کے آخری طبقہ سے اور حضرت امام کسائی رضی اللہ عنہ نے تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے قراءت پڑھیں اور ان حضرات کا زمانہ باعتبار اکثر دوسری صدی کا دور ہے۔ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے دور میں ان کی قراءت موجود نہ تھیں۔

قراءت سبعہ جن پر شاطبی نے اقتصار کیا اور قراءت ثلاثہ یعنی ابوجعفر و یعقوب و خلف رضی اللہ عنہم کی قراءتیں متواترہ، معلومہ اور ضرورت دین سے ہیں اور اسی طرح ہر وہ حرف جس کو عشرہ میں سے کوئی روایت کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پر منزل من اللہ اور ضروریات دین سے ہے۔ اور یہ قراءت صرف انہی اشخاص کے لیے متواتر نہیں ہیں جنہوں نے ان کو روایت پڑھا ہو بلکہ ہر مسلمان کے لیے، جو کلمہ ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ کہے خواہ ایسا عامی ہو جس نے قرآن کا ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو، متواتر ہیں۔ [ص: ۱۲۴]

عنایات رحمانی میں امام القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ، اکثر محققین اور جمہور اہل ادا کی رائے کے مطابق سات حروف سے سات لغات مراد ہیں، ان کے خیال کے مطابق ان سات قراء سبعہ کی قراءتیں مراد نہیں ہیں، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات حروف کی حدیث ارشاد فرمائی تھی اس وقت قراء سبعہ تو پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، ان کی قراءتوں کو سب سے پہلے چوتھی صدی میں ابو بکر ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا، قراء سبعہ کی قراءتیں بھی ان سات حروف میں داخل ہیں۔“ [ص: ۲۹، ج: ۱]

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ”تشنیف السمع بمعنی الأحرف السبع“ میں رقمطراز ہیں:

**الف** جبریل علیہ السلام نے اولاً ایک ہی طریقہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھایا۔

**ب** پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اُمت کو بھی اسی طریقہ پر قرآن پڑھائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست کی کہ میری اُمت پر آسانی کی جائے میری اُمت اس سے عاجز ہے۔ تو سات طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ یہ درخواست حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر ہجرت کے بعد کی ہے، جبکہ اہل عرب اسلام میں کثرت سے داخل ہونے لگے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے صرف ایک ہی طریقہ پر قراءت تھی۔

**ج** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں اُمی قوم کی طرف مبعوث ہوا ہوں جن میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے لکھا پڑھا نہیں، اور ان میں بوڑھی عورتیں، بوڑھے مرد اور لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں (جو اپنی زبان کو جلدی نہیں بدل سکتے)۔

**د** اب یہ گفتگو باقی رہی کہ سبعہ اُحرف (یعنی ان سات طریقوں) سے کیا مراد ہے، جن کی ہجرت کے بعد اجازت دی گئی، اور وہ طریقہ کون سا تھا جس پر اولاً قرآن نازل ہوا، سو محققین اُمت کا قول یہ ہے کہ قرآن اولاً قریش کے لغت پر نازل ہوا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی زبان تھی چنانچہ قرآن میں بھی ارشاد ہے۔

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴾ [ابراہیم: ۴]

”ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی ہی زبان میں تاکہ اُن کو سمجھا سکے“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش تھی، پس ضرور ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا اور حدیث میں بھی حضرت عمرو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا قول موجود ہے کہ قرآن لغت قریش میں نازل ہوا ہے۔

پس اولاً قرآن کا نزول لغت قریش میں ہوا اور ہجرت سے پہلے چونکہ اسلام لانے والے زیادہ تر اہل مکہ تھے جو سب قریش تھے یا قریش کی زبان میں تعلم کرنے والے تھے، اس لیے عرب کے دوسرے لغات میں پڑھنے کی ضرورت نہ تھی، پھر ہجرت کے بعد چونکہ دوسرے قبائل عرب بھی اسلام میں داخل ہونے لگے تھے اور گوتام قبائل عرب کی مشترک زبان عربی تھی، مگر تلفظ و اعراب میں بہت کچھ اختلاف تھا مثلاً قریش ’حَتَّىٰ حَبِيبٍ‘ کو حاء سے پڑھتے تھے اور ہذیل ’عَتَّىٰ حَبِيبٍ‘ عین کے ساتھ پڑھتے تھے، قریش ﴿ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكُوْثُرَ ﴾ [الکوثر: ۱] پڑھتے، اور بعض قبائل اَعْطَيْنَا، كُوْاْنَطَيْنَا، پڑھتے یعنی بجائے عین کے نون ادا کرتے تھے، لغت قریش میں حروف مضارع کو فتح یا ضمہ ہوتا ہے بعض قبائل ان کو کسرہ سے پڑھتے تھے مثلاً: ’تَعْلَمُوْنَ‘، ’كُوْتَعْلَمُوْنَ‘، کہتے، لغت قریش میں ہمزہ



بھی ایک حرف ہے اور بعض قبائل ہمزہ بالکل ادا نہ کرتے تھے، (اور اس اختلاف کی نظیر ہر زبان میں موجود ہے، مثلاً دہلی اور لکھنؤ کی اُردو زبان میں اختلاف ہے، ایک کھارا پانی کہتا ہے، ایک کھاری پانی بولتا ہے، کوئی بیٹھا دہی کہتا ہے، کوئی میٹھی دہی، اسی طرح کسی جگہ چھاچھ بولتے ہیں کہیں مٹھا کسی جگہ چھالیہ بولتے ہیں کہیں ڈلی یا سپاری کہتے ہیں، دہلی والے عموماً ہاء بویاء بولتے ہیں، مثلاً میں جار یا تھا میں یہ کہہ ریا تھا اور لکھنؤ والے اس طرح نہیں بولتے) اور قاعدہ ہے کہ مادری زبان کا دفعۃً بدل جانا دشوار ہے، گو پوری کوشش اور اہتمام سے کام لیا جائے تو ممکن ہے، مگر قدرے دشوار ضرور ہے خصوصاً ایسی قوم کے لیے جس میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ ہو، بلکہ محض سننے سنانے پر مدار ہو۔ اور ان کے یہاں قرآن کا مدار محض اسی پر تھا، لکھنے پڑھنے والے بہت کم تھے، بس جتنا قرآن جس کے پاس تھا وہ حفظ ہی میں تھا، اور اس حالت میں دوسرے قبائل اپنے تلفظ ہی کے موافق قرآن کو پڑھتے تھے دفعۃً لغت قریش اور تلفظ قریش کو ادا نہ کر سکتے تھے (جیسا کہ لکھنؤ والا دفعۃً دلی کے محاورات میں گفتگو نہیں کر سکتا، اگر وہ اُردو کا کوئی مضمون لکھ کر دیکھ کر نہ پڑھے بلکہ یادداشت سے پڑھے تو ضرور اپنے لکھنوی تلفظ اور محاورات سے اس کو ادا کرے گا، ہاں کوشش کے ساتھ یاد کرنے سے بہت جگہ دہلی کے محاورات کو ملحوظ رکھنا ممکن ہے، لیکن کہیں کہیں اس کی مادری زبان کا تلفظ بھی ضرور ادا ہوگا۔

اس لیے حضور ﷺ نے اس سے درخواست کی کہ چونکہ اہل عرب زیادہ تر اُمی ہیں اور ان کے تلفظ و اعراب مختلف ہیں تو دفعۃً سب کو لغت قریش کا مکلف کرنے میں اندیشہ ہے کہ ان سے ان میں کوتاہی ہوگی اور اس کوتاہی کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوں گے، اس لیے اس میں توسیع فرمائی جائے، چنانچہ درخواست منظور ہوئی اور سات طریقوں سے قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی اور ان سات طریقوں سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں، جن کے نام بھی روایات میں مذکور ہوئے ہیں، یعنی اس کی اجازت دی گئی کہ جو شخص لغت قریش میں قرآن کا تلفظ نہ کر سکے وہ ان قبائل میں سے کسی قبیلہ کے تلفظ میں قرآن کے الفاظ کو ادا کر لیا کرے اور غالباً سات لغات میں انحصار اس لیے کیا گیا کہ ان کے سوا دوسرے قبائل کا تلفظ فصیح نہ تھا، یا یہ کہ ان قبائل کے تلفظ کے تابع دوسرے قبائل تھے، اس لیے زیادہ توسیع کی ضرورت نہ تھی، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لغت قریش کے علاوہ جو چھ لغات ان میں تھے ان میں ہفتینہ قرآن کا نزول نہیں ہوا، بلکہ حقیقی نزول لغت قریش میں تھا، مگر چونکہ سہولت کے لیے دوسرے چھ قبائل کے تلفظ میں بھی قرآن پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی اس لیے حکماً وہ بھی منزل من اللہ ہو گئے۔

”فکل ما ورد فيه أن القرآن أنزل على سبعة أحرف، أو قال لرجلين قراءتهما مختلفة هكذا أنزلت محمول على التوسع في الكلام بطريق التجوز، أي أن كلهما منزلة حكماً.“

نیز روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سات لغات میں پڑھنا ہر شخص کی رائے پر نہ تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ سے سن کر پڑھنے کی اجازت تھی، حضور ﷺ نے خود دوسرے لغات میں پڑھا کر بتلایا تھا کہ لغت قریش کے سوا ان لغات میں اس طرح بھی پڑھنا جائز ہے۔

— بخاری کی حدیث میں ’فاقرءوا ما تيسر منه‘ سے مفہوم ہوتا ہے کہ لغت قریش کے علاوہ دوسری لغات میں پڑھنا واجب نہ تھا صرف جائز تھا اور اس کا منشاء وہی ہے کہ دوسرے لغات کی اجازت سہولت اور تیسیر کے لیے دی گئی تھی۔

**و** حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم تھا کہ قرآن کا نزول اولاً لغت قریش میں ہوا ہے اور ہجرت سے پہلے زمانہ قیام مکہ میں تیرہ سال تک ایک ہی قراءت اور ایک ہی لغت میں حضور ﷺ کو قرآن پڑھایا گیا اور حضور ﷺ نے بھی ایک ہی لغت میں مسلمانوں کو قرآن سکھلایا، پھر مدینہ میں ہجرت کے بعد حضور ﷺ نے اس میں توسع کی درخواست کی جو منظور ہوئی، ان سب امور کو صحابہ جانتے تھے کہ قرآن کی اصلی لغت، قریش کی لغت ہے اور دوسری لغات کی اجازت عارضی بغرض تیسیر ہے اور جو حکم عارضی کسی خاص غرض کے لیے ہوتا ہے وہ حصول غرض تک محدود ہوتا ہے، پس جب غرض حاصل ہوگئی اور اہل عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج ہو گیا، ادھر دوسرے قبائل کا اختلاط بھی قریش سے زیادہ ہو گیا اور اب سب کو لغت قریش میں قرآن پڑھنا آسان ہو گیا ہے، ادھر یہ دیکھا گیا کہ جن لغات میں قرآن پڑھنے کی اجازت، سہولت و تیسیر کے لیے دی گئی تھی اب ان کا باقی رکھنا موجب اختلاف اور سبب فتنہ بن رہا ہے کہ دوسرے قبائل کے لوگ اپنے ہی طریقہ کو صحیح اور دوسرے طریقوں کو غلط کہتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں تو صحابہ نے اجماع کے ساتھ اس پر اتفاق کر لیا کہ اب دوسری قراءتوں کو باقی رکھنا مناسب نہیں، بلکہ قرآن کو صرف لغت قریش پر جمع کرنا چاہئے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام آجلہ صحابہ کے اتفاق سے صرف ایک قراءت اور ایک ہی لغت پر قرآن جمع کیا گیا کہ یہی قرآن کی اصلی زبان تھی اور بقیہ زبان میں قرآن کا پڑھنا بند کر دیا گیا کہ وہ عارضی زبان تھی جو خاص غرض کے لیے جائز کی گئی تھی اور اب وہ غرض حاصل ہوگئی۔

**ز** اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ احرف سبعہ سے مراد وہ قراءات سبعہ نہیں ہیں جو اس وقت قراء میں رائج اور شاطبیہ وغیرہ میں مدوّن ہیں، کیونکہ یہ قراءات سبعہ سب کے سب لغت قریش کے موافق ہیں، دوسرے لغات عرب ان میں موجود نہیں ہیں۔ رہا یہ سوال کہ لغت قریش میں قراءات سبعہ کیوں ہیں، ایک ہی قراءت کیوں نہ ہوئی، سو اللہ تعالیٰ کے اسرار کو پوری طرح کون سمجھ سکتا ہے۔ لیکن محققین کی برکت سے جو حکمت معلوم ہوتی ہے اس کو عرض کرتا ہوں۔ اس میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ تھوڑے لفظوں میں بہت سے احکام بیان ہو جاتے ہیں، اگر اختلاف قراءات نہ ہوتا تو اس حکم کے لیے جو قراءات کے اختلاف سے ظاہر کیا گیا ہے، مستقل آیت نازل ہوتی، اور اس طرح قرآن بھی انجیل و تورات کی طرح ضخیم کتاب کی صورت اختیار کر جاتا، اور قرآن کے حفظ میں دشواری ہو جاتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام کو ایک ہی آیت میں چند قراءتیں نازل کر کے بیان فرما دیا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ قرآن کو معجزہ قرار دیا گیا تھا اور بلغاء و فصحاء عرب سے اس کی نظیر کا مطالبہ کیا گیا تھا اور عام طور پر انسان کے کلام بلیغ و فصیح کا حال یہ ہے کہ اگر اس میں کچھ تغیر کیا گیا تو اس کی فصاحت و بلاغت میں فرق آ جاتا ہے، اور یہ تو ضرور ہے کہ تغیر کے بعد دونوں میں ایک درجہ کی بلاغت نہیں رہتی بلکہ ایک میں فصاحت زیادہ دوسرے میں کم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہمت پست کرنے کے لیے قرآن میں بعض الفاظ کو کئی کئی طرح استعمال فرمایا اور دکھلا دیا کہ کسی کی فصاحت و بلاغت میں ذرہ برابر فرق نہیں اور جس طرح بھی پڑھا جائے ہر حالت میں یہ کلام معجزہ ہے اور یقیناً یہ امر متکلم کی اعلیٰ درجہ کی قدرت کلامی کی دلیل ہے کہ وہ فصاحت و بلاغت پیدا کرنے میں ایک ہی طرز کا محتاج نہیں بلکہ وہ کئی کئی طرح تکلم کر کے بھی کلام کو ایک ہی درجہ پر فصیح و بلیغ رکھ سکتا ہے۔ رہا یہ کہ وہ خاص خاص الفاظ کہاں کہاں قرآن میں وارد ہیں تو اس کے معلوم کرنے کی ضرورت اب نہیں رہی، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں تمام اہل عرب قرآن کو لغت قریش میں پڑھنے پر قادر ہو گئے تھے اور یہ حالت دیکھ کر صحابہ نے قرآن کو لغت قریش ہی پر جمع کیا اور بقیہ لغات

بسم اللہ

کو جمع نہیں کیا بلکہ ان میں قرآن کے پڑھنے سے لوگوں کو روک دیا گیا، کیونکہ اس کی اجازت عارضی تھی اور اب ضرورت باقی نہیں رہی جیسا کہ اوپر تفصیل کے ساتھ اس کے دلائل مذکور ہو چکے، قراءت منزل من اللہ صرف ایک تھی، یعنی لغت قریش اور حضور ﷺ کی درخواست سے جو دوسرے لغات عرب میں قراءت کی اجازت مل گئی ان کو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حضور ﷺ نے بیان فرما دیا اس لیے وہ بھی حکماً منزل تھیں، حقیقتاً ان کا نزول نہیں ہوا، اور نہ ان کے نزول کی ضرورت تھی، کیونکہ اہل عرب خود جانتے تھے کہ اس لفظ کو قریش کس طرح بولتے ہیں اور دوسرے قبائل کس طرح۔ نیز حضور ﷺ بھی تمام لغات عرب سے واقف تھے کہ وہ کہاں کہاں قریش کے تلفظ سے اختلاف رکھتے ہیں اور اس پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے برابر مخلوق کا کلام نہیں ہو سکتا، پھر کلام الہی میں حضور ﷺ نے کیوں دخل دیا، کیونکہ حضور ﷺ کا یہ دخل خدا تعالیٰ کی اجازت سے تھا، اور اس دخل کا حاصل یہ نہیں تھا، کہ کلام الہی میں زیادت یا کمی کی گئی، بلکہ کلام الہی کے الفاظ میں دوسرے قبائل کو اجازت دی گئی کہ وہ ان کو اپنے تلفظ کے موافق ادا کر لیں، (جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اجازت ہے کہ جب تک ان کا تلفظ صحیح ہو اس وقت تک الحمد کو الہمد اور انعمت کو انامت اور غیر المغضوب علیہم والضالین کو غیر المغذوب علیہم والدوالین پڑھ لیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے غلط تلفظ میں بھی کلام الہی کو ہی پڑھتے ہیں، کوئی اور کتاب نہیں پڑھتے، یہی حال اس تلفظ کا تھا جس کی اجازت حضور ﷺ کی دعا سے ہوئی کہ سات لغات میں قرآن کو پڑھ لو، اتنا فرق ہے کہ اہل عرب کے تلفظ میں کہیں لفظ بدلتا تھا، کہیں اعراب بھی بدلتے تھے۔

رہا یہ سوال کہ قراءت منزل من اللہ میں کیا تکلیف تھی الخ، تو اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس تکلیف کا احساس فرمایا اور اس کو تکلیف سمجھا، ہمیں اگر اس کا احساس نہ ہو تو ہمیں اس کے سمجھنے کی بھی ضرورت نہیں، لیکن پھر بھی میں نے تبرعاً اس کی اُپر مثال لکھ دی کہ جیسے دہلی والوں کے لیے لکھنؤ کا تلفظ اختیار کر لینا دفعتاً سہل نہیں، یہی حال قبائل عرب کا تھا، رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶] تو حق تعالیٰ نے اس تکلیف کا لحاظ کیوں نہیں فرمایا، کہ حضور ﷺ کی دعا کی ضرورت ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک لغت میں سب قبائل کا قرآن پڑھنا گودشوار تھا مگر قدرت و اختیار سے باہر نہ تھا اگر قدرت و اختیار سے باہر ہوتا تو بعد میں سب کو لغت قریش کیونکر آسان ہو گیا اور یقیناً جو کام انسان ایک مہینہ کے بعد کر سکتا ہے وہ پہلے دن بھی اس کے اختیار سے باہر نہیں گو پہلے دن میں اس کا بجالانا زیادہ دشوار ہو، پس حق تعالیٰ کا حکم ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶] کے خلاف ہرگز نہ تھا البتہ حضور ﷺ نے اس میں زیادہ سہولت کی درخواست کی۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ لغت قریش کا دفعہ سیکھ لینا دیگر قبائل کی قدرت سے خارج تھا تب بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶] کے خلاف نہ تھا، کیونکہ اس صورت میں ایک قراءت کے واجب ہونے کا حاصل یہ ہوتا کہ جب تک یہ قراءت صحیح طور پر حاصل نہ ہو اس وقت تک نمازیں درست نہ ہوں گی، بعد میں ان نمازوں کی قضا واجب ہوگی اور یہ قدرت سے باہر نہ تھا ہاں اُمت پر گرانی ہوتی، حضور ﷺ نے اس کو رفع کرنے چاہا۔ یا اس کا حاصل یہ ہوتا کہ جو قبائل قرآن کو قریش کے تلفظ میں ادا نہیں کر سکتے وہ جب تک قریش کے تلفظ کو نہ سیکھ لیں اس وقت تک خود قرآن نہ پڑھیں، نہ ایسا شخص امام بنے، بلکہ ان قبائل کو چاہئے کہ وہ کسی قریشی مسلمان کو اپنے یہاں لے جا کر رکھیں، اس سے قرآن سنا

کریں اور اسی کو امام بنایا کریں۔ یہ قدرت سے باہر تو نہ تھا مگر گراں ضرور تھا۔ حضور ﷺ نے اس مشکل کے رفع کی درخواست کی، جیسا کہ پچاس نمازوں سے پانچ تک تخفیف کی درخواست کی تھی ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶] کے خلاف وہ حکم بھی نہ تھا، کیونکہ پچاس نمازیں قدرت سے باہر نہیں ہاں گراں ضرور ہوتی اسی طرح اس کو سمجھو۔ [امداد الاحکام: ج ۳، ۲۶۳ تا ۲۶۷، ص ۲۶۹ تا ۲۷۱]

## احرف سبعہ سے متعلق ایک دوسرا نظریہ

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ اس تفصیل سے قراءات عشرہ کی حجیت و قطعیت اور قرآنیت واضح ہے اور ساتھ ہی حدیث سبعہ احرف کی جو تشریح آپ نے فرمائی ہے اس کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس سے مراد مختلف قبائل کی لغات ہیں۔ قرآن کریم کا حقیقی نزول اگرچہ ایک ہی لغت، لغت قریش پر ہوا لیکن امت کی تیسیر اور آسانی کے لیے انہیں ابتدا میں دیگر لغات میں پڑھنے کی اجازت بھی دے دی گئی تھی، اس طرح ان کا نزول حکماً تھا۔ بعد میں جب تمام قبائل کے لیے لغت قریش میں پڑھنا ممکن ہوا تو باقی لغات میں تلاوت کی اجازت منسوخ کر دی گئی اور صرف لغت قریش میں پڑھنے کا حکم باقی رکھا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشاورت سے لغت قریش میں ہی جمع فرمایا۔ قراءات سبعہ و عشرہ یہ سب اسی لغت قریش پر ہی ہیں۔ حضرت علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی طرف بھی یہی نظریہ منسوب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں صرف ایک حرف پر قرآن کریم کو جمع فرمایا گیا ہے اور باقی حروف باقی نہیں رہے لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابوالفضل راسی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ، ابن طیب رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (محقق اعظم فی القراءات محمد بن الجزری رحمۃ اللہ علیہ) جیسے علمائے کرام نے اس نظریے سے شدید اختلاف کیا ہے اور وہ اس پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ اور باقی ہیں۔ عرضہ اخیرہ کے وقت جتنے حروف باقی رہ گئے تھے ان میں سے کوئی نہ منسوخ ہوا نہ اُسے ترک کیا گیا بلکہ محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول کو اپنے سے پہلے علماء کا مسلک قرار دیا ہے۔ علمائے متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے نیز مصر کے مشہور مفتی علامہ محمد بختیہ مطیعی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ حضرت میاطی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالعظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے لہذا دلائل سے قطع نظر محض شخصیات سے بھی یہ قول بڑا وزنی ہے۔ [علوم القرآن: ص ۱۳۶]

سبعہ احرف اور اختلاف قراءات کے متعلق بحث کرتے ہوئے حضرت محقق العصر علامہ محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”پورے ذخیرہ احادیث میں ہمیں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے، ایک سات حروف کا اختلاف اور دوسرے قراءتوں کا اختلاف۔ اس کے بجائے بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک چیز ہیں، کیونکہ ایک ہی قسم کے اختلاف پر بیک وقت اختلاف قراءت اور اختلاف احرف دونوں الفاظ کا اختلاف کیا گیا ہے۔“

مثال کے طور پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كنت بالمسجد، فدخل رجل يصلي فقرأ آية أنكرتها عليه، ودخل آخر فقراً فقرأ آية سوى قراءة صاحبه، فلما قضينا الصلوة، دخلنا جميعاً على رسول الله ﷺ. فقلت: إن هذا قرأ

قراءة أنكرتها عليه، ودخل آخر، فقرأ قراءة سوى قراءة صاحبه، فأمرهما رسول الله ﷺ فقرأ فحسب النبي ﷺ شأنهما فسقط في نفسي من التكذيب ولا إذ كنت في الجاهلية، فلما رأى رسول الله ﷺ ما قد غشيني، ضرب في صدري ففضت عرقا، وكأنما أنظر إلى الله فرقا. فقال لي: «يا أباي! إن ربي عز وجل أرسل إلي أن أقرأ القرآن على حرف، فرددت إليه أن هوون على أممي فرد إلي الثانية، إقرأه على حرفين، فرددت إليه أن هوون على أممي، فرد إلي الثالثة، إقرأه على سبعة أحرف.» [صحيح مسلم: ۸۲۰]

”میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا، اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک اور قراءت پڑھی، پس جب ہم نے نماز ختم کر لی تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، میں نے عرض کیا اس شخص نے ایک ایسی قراءت پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک دوسری قراءت پڑھی، اس پر آپ ﷺ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی تو حضور ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی، اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے دوسو آنے لگے کہ جاہلیت میں بھی ایسے خیالات نہیں آئے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہو گیا اور خوف کی حالت میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابی میرے پروردگار نے میرے پاس پیغام بھیجا تھا، کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں، میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں قرآن دو حرفوں پر پڑھوں، میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیے، تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار پیغام بھیجا کہ میں اسے سات حرفوں پر پڑھوں۔“

اس روایت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم دونوں اشخاص کے اختلاف تلاوت کو بار بار اختلاف قراءت سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اسی کو آنحضرت ﷺ نے سات حروف کے اختلاف سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ قراءت کے اختلاف اور حروف کے اختلاف کو عہد رسالت میں ایک ہی چیز سمجھا جاتا تھا اور اس کے خلاف کوئی دلیل ایسی نہیں جو دونوں کی جداگانہ حیثیت پر دلالت کرتی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور جب قراءت کا محفوظ ہونا تو اتر اور اجماع سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ احرف سب سے آج بھی محفوظ ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حروف سب سے آج تک محفوظ چلا آتا ہے، نہ اسے کسی نے منسوخ کیا اور نہ اس کی قراءت ممنوع قرار دی گئی۔ [علوم القرآن: ص ۱۳۸ تا ۱۴۰]

اس پورے بیان سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مصاحف عثمانیہ میں حرف و لغت قریش کے علاوہ دیگر لغات و احرف کو بالکل منسوخ نہ فرمایا تھا بلکہ صرف بالجزئیہ فقط انہی لغات کو موقوف فرمایا تھا جو قریش کے ہاں معتبر و متداول و مستعمل نہ تھے۔ باقی بالاعلیٰ ان احرف و لغات ستہ کو یقیناً ثابت و باقی رکھا تھا جو قریش کے نزدیک معتبر و متداول و مستعمل تھے۔ نیز اس تقریر سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ محض سطحی نظر سے جو بعض علمائے کرام یہ فرما دیا کرتے ہیں کہ عہد عثمانی میں صرف ایک ہی لغت باقی رہ گیا تھا اور باقی سب لغات ختم ہو گئے تھے، اس لیے آج اختلاف قراءت کی گنجائش نہیں، یہ بات سراسر خلاف واقعہ ہے، کیونکہ جملہ قراءت عشرہ لغت قریش اور باقی لغات ستہ فیصیحہ معتبرہ

عند قریش کی روشنی میں عرضہ اخیرہ والے سبب لغات و سبب وجہ اختلاف قراءت کے مطابق مدون ہوئی ہیں، جو حضور ﷺ نے آخری سال وفات میں حضرت جبریل امین ﷺ کے ساتھ ماہ رمضان المبارک میں فرمایا تھا۔ اس مضمون کی مزید تفصیلات و تحقیقات ناچیز راقم کی تازہ ترین تالیف 'دفاع قراءت' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

## ایک شبہ اور اُس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول دور عثمانی میں سببہ اَ حَ ر ف میں سے صرف ایک قریشی حرف ہی کو باقی رکھا گیا تھا اور باقی غیر قریشی چھ اَ حَ ر ف کو موقوف قرار دے دیا گیا تھا پھر سببہ اَ حَ ر ف کی بقائیت کا قول کیونکر درست ہوا؟

**الجواب:** طبری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع عثمانی میں سببہ اَ حَ ر ف میں سے جو صرف ایک ہی حرف قریشی کے بقاء کا قول کیا ہے طبری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں راجح اور آخری تحقیق کے مطابق اس کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں بدوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رعایت رکھتے ہوئے سات کلمات و لغات کی حد تک ہم معنی متبادل کلمہ و لغت پڑھنے کی اجازت تھی۔ لیکن پھر اولاً حضور ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں یہ اجازت ختم کر دی گئی اس کے بعد ثانیاً جمع عثمانی کے وقت ان سببہ مترادفات کی منسوخیت کی مزید اشاعت و تشہیر کی گئی اب خاص اس ایک ہی قریشی کلمہ مترادفہ کے پڑھنے کی اجازت ہے جس کے مطابق اولاً قرآن کریم نازل ہوا تھا مثلاً ہلہم کی جگہ تعال پڑھنے کی اجازت قطعاً موقوف قرار دے دی گئی۔ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ قطعاً اس کے قائل نہیں کہ 'سببہ لغات غیر مترادفات' اور 'سببہ وجہ و انواع اختلاف قراءت' میں سے بھی صرف ایک ہی قریشی لغت اور صرف ایک ہی اختلافی وجہ قراءت پڑھنے کی اجازت ہے اور باقی چھ لغات اور چھ اختلاف وجہ قراءت ختم کر دی گئی ہیں۔ اس کی قوی ترین دلیل یہ ہے کہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نسخ مترادفات سببہ کا باوجود اختلاف قراءت کے یقیناً قائل ہیں۔ جیسا کہ

① تفسیر طبری میں مختلف قراءت کا تذکرہ موجود ہے۔

② نیز طبری مقدمہ کتاب المہانبی ص ۲۳۰ میں فرماتے ہیں:

”إن القراءات التي تختلف بها المعاني صحيحة منزلة من عند الله ولكنها خارجة من هذه السبعة الأحرف.“

یہ سب قراءت جن میں معانی بھی مختلف ہو جاتے ہیں صحیح اور منجانب اللہ نازل شدہ ہیں، لیکن باہر ہمہ یہ ان سببہ اَ حَ ر ف (بمعنی کلمات مترادفہ مختلفہ المادة) سے خارج و جدا گانہ ہیں۔

③ نیز خود طبری قراءتہ حمزہ اور روایت ورش بطور خاص پڑھا پڑھایا کرتے تھے۔ [مقدمہ تفسیر طبری ص ۱۴]

④ بلکہ طبری نے 'الجامع' نامی ایک بڑی کتاب قراءت پر تالیف کی جس میں بیس سے زائد قراءت کا

تذکرہ کیا ہے۔ [النشر: ۳۴۱]

ظاہر ہے کہ یہ تمام قراءتیں 'سببہ لغات' غیر مترادفہ اور 'سببہ انواع اختلاف قراءت' کی روشنی ہی میں مدون ہو کر معرض وجود میں آئی ہیں لہذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ طبری کے یہاں بھی 'سببہ اَ حَ ر ف' بمعنی سببہ مترادفات اور 'سببہ اَ حَ ر ف' بمعنی سببہ لغات غیر مترادفہ اور 'سببہ اَ حَ ر ف' بمعنی سببہ انواع اختلاف قراءت' تین مستقل انواع و اقسام کی احادیث ہیں جن میں سے 'سببہ اَ حَ ر ف' بمعنی سببہ مترادفات' والی احادیث تو صرف ابتدائے اسلام کے زمانے میں

مفتی عبدالقدوس ترمذی

معمول تھیں اور اس کے بعد موقوف و منسوخ ہو چکی ہیں۔ لیکن سب سے آخرف بمعنی سب سے لغات غیر مترادف نیز سب سے آخرف بمعنی سب سے انواع اختلاف قراءت والی احادیث اب بھی یقیناً معمول و باقی ہیں اور یہ لغات و اختلاف قراءت عرضہ اخیرہ اور قریشی لغات کی روشنی میں بدستور موجود ہیں، قطعاً منسوخ نہیں ہیں۔ چنانچہ خود علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ’کتاب القراءت‘ میں اپنی تحقیقی رائے کی ترجمانی یوں فرمائی ہے:

”کل ما صح عندنا من القراءات أنه علمه رسول الله ﷺ لأتمته من الأحرف السبعة التي أذن الله له ولهم أن يقرءوا بها القرآن، فليس لنا أن نخطئ من قرأ إذا كان ذلك به موافقا لخط المصحف.“ [الإبانة: ص ۱۲، ۲۰]

”ہر وہ قراءت جس کے متعلق بروئے صحت یہ بات ہمارے نزدیک ثابت ہو چکی ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی تعلیم دی ہے وہ ان آخرف سب سے ہے جن کے موافق اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی امت کو تلاوت قرآن کی اجازت عنایت فرمائی لہذا جب کوئی شخص ایسی قراءت پڑھے بشرطیکہ وہ رسم عثمانی کی موافقت کرنے والا ہو ہمیں قطعاً اس کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا، واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل۔

[حیات ترمذی مؤلفہ راتم الحروف: ص ۶۸۰ تا ۶۸۲]

## حاصل کلام اور حرف آخر

آخرف سب سے کیا مراد ہے اور یہ کہ اب وہ باقی ہیں یا نہیں اور قراءت سب سے اور عشرہ کا تعلق کس لغت سے ہے تفصیل بالا سے واضح ہے کہ اس میں حضرات اہل علم کے مابین شدید اختلاف پایا جاتا ہے علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ، اکثر محققین اور جمہور اہل ادا کے نزدیک آخرف سب سے مراد مختلف قبائل کی سات لغات ہیں اور علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک آخرف سب سے اب صرف ایک حرف باقی ہے دیگر آخرف ستہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منسوخ ہو گئے تھے، اب وہ باقی نہیں رہے۔ ہمارے اکابر میں سے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی بھی یہی ہے خود احقر کے والد ماجد فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے دور میں ایک چید عالم دین اور عظیم فقیہ و مفسر ہونے کے ساتھ قراءت سب سے بلکہ عشرہ کے باقاعدہ قاری اور حضرت شیخ القراء جناب قاری محی الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلمیذ رشید تھے ان کی رائے بھی یہی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اپنے مقالہ ’حضرت مولانا افغانی کی تفسیری خدمات‘ میں اس کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جمہور علماء کرام کا ایک دوسرا طبقہ جس کا تفصیلی ذکر علوم القرآن کے حوالہ سے گزر چکا ہے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ آخرف سب سے اب بھی باقی ہیں۔ لیکن یہ ایک خالص علمی اور نظریاتی اختلاف ہے اس سے اس حقیقت ثانیہ، کہ قرآن کریم چودہ سو سال سے آج تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدل، اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے تحت محفوظ چلا آ رہا ہے اور اس کی جتنی قراءتیں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں وہ سب صحیح ہیں، پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت علامہ محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں نہایت صائب اور فیصلہ کن بات تحریر فرمائی ہے:

”یہ سارا اختلاف محض نظریاتی نوعیت کا ہے اور عملی اعتبار سے قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کے بعینہ محفوظ رہنے پر اس اختلاف کا کوئی اثر بھی مرتب نہیں ہوتا۔“ [علوم القرآن: ۱۵۶]

سرمدست، ہم اس تحریر پر اکتفاء کرتے ہیں، اُمید ہے کہ حصول مطلوب میں یہ کافی ہوگی۔

## حواشی وحوالہ جات

- ① عن ابن عباس مرفوعا قال: «أقرأني جبريل على حرف فراجعتہ، فلم أزل أستزیدہ ویزیدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف». [أخرجه البخاري: ٤٣٦١٢، م، الحسن]
- ② وفي رواية مسلم عن أبي ابن كعب بلفظ أن النبي ﷺ كان عند أضاة بنی غفار فأتاه جبريل فقال: «إن الله يأمرک أن تقرئ أمتك القرآن على حرف»، فرددت إليه أن هون على أمتي. وفي رواية له إن أمتي لا تطيق ذلك. [صحیح مسلم: ٢٤٣١، م، آرام باغ کراچی]
- ③ وللترمذی من وجه آخر أنه ﷺ قال: «يا جبريل! إنی بعثت إلى أمة أميين منهم العجوز والشيخ الكبير والغلام والجارية والرجل الذي لم يقرأ کتابا قط». الحدیث [جامع الترمذی: ١٣٢٢، م، الحسن]
- ④ وأخرج البخاري عن عمر في قصة طويلة، فقال رسول الله ﷺ: «إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فأقرءوا ما تيسر منه». [صحیح البخاری: ٤٣٤٢، م، الحسن]
- ⑤ وقال تعالى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ﴾ [ابراهيم: ٤]
- ⑥ وأخرج البخاري عن عثمان أنه قال للرهط القرشيين الثلاثة: «إذا اختلفتم وزید بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم». «ففعلو». [صحیح البخاری: ٤٣٦١٢، م، الحسن]
- ⑦ وأخرج أبو داؤد من طريق كعب الأنصاري أن عمر كتب إلى ابن مسعود: «أن القرآن نزل بلسان قريش فأقرئ الناس بلغة قريش، لا بلغة هذيل». وعن عمر أيضا أنه قال: «إذا اختلفتم في اللغة فاكتبوها بلسان مضر». [سنن أبو داؤد: ٣٢٠٢، م، دہلی]
- أخرجه الحافظ في الفتح وعزاه إلى ابن أبي داؤد في المصاحف وزياداته في الفتح صحاح وحسان.
- ⑧ وأخرج البخاري وحذيفة أنه أفزعه اختلافهم في القراءة فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين! أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى. الخ. قال الحافظ: وفي رواية يونس فتذاكروا القرآن فاختلفوا فيه حتى كاد يكون بينهم الخ. وفي رواية عمارة بن عزية أن حذيفة قدم من غزوة، فلم يدخل بيته حتى أتى عثمان، فقال: يا أمير المؤمنين! أدرك الناس. قال: وما ذاك؟ قال: غزوت أرمينية فإذا أهل الشام يقرءون بقراءة أبي بن كعب فيأتون بما لم يسمع أهل العراق، وأهل العراق يقرءون بقراءة عبدالله بن مسعود فيأتون بما لم يسمع أهل الشام، فيكفر بعضهم بعضا. وأخرج ابن أبي داؤد في المصاحف من طريق أبي قلابة، قال: لما كان في

بسم الله الرحمن الرحيم



خلافة عثمان جعل المعلم يعلم قراءة الرجل والمعلم قراءة الرجل فجعل الغلمان يتلقون فيختلفون، حتى ارتفع ذلك إلى المعلمين، حتى كفر بعضهم بعضاً، فبلغ ذلك عثمان، فخطب فقال: أئنم عندي تختلفون فمن نأى مني من الأمصار أشد اختلافاً.

④ وأخرج ابن أبي داؤد بإسناد صحيح من طريق سويد بن غفلة قال: قال علي: "لاتقولوا في عثمان إلا خيراً. فقال: فوالله ما فعل الذي فعل في المصاحف إلا عن ملاء منا. قال: ما تقولون في هذه القراءة فقد بلغني أن بعضهم يقول: إن قراءتي خير من قراءتك وهذا يكاد أن يكون كفراً. قلنا: فما ترى؟ قال: أرى أن نجتمع الناس على مصحف واحد فلا تكون فرقة ولا اختلاف. قلنا: فيعم ما رأيت. [ص ١٢٦ ج ٩، ص ٢٢٣، ٢٢٤، ٢٢٥ ج ٢٠٢ هـ]

قال الحافظ: وذهب أبو عبيد وآخرون إلى أن المراد بالأحرف السبعة اختلاف اللغات وهو اختيار ابن عطية، وتعقب بأن لغات العرب أكثر من سبعة، وأجيب بأن المراد أفصحها فجاء عن أبي صالح عن ابن عباس قال: نزل القرآن على سبع لغات منها خمس بلغة العجز من هوازن قال: والعجز سعد بن بكر وهشيم بن بكر ونصر بن معاوية وثقف وهؤلاء كلهم من هوازن ويقال لهم: "عليا هوازن" ولهذا قال أبو عمرو ابن العلاء: "أفصح العرب عليا هوازن وسفلى تميم" يعني بني دارم. وأخرج أبو عبيد من وجه آخر عن ابن عباس قال: نزل القرآن بلغة الكعبين، كعب قريش وكعب خزاعة. قيل: وكيف ذلك؟ قال: لأن الدار واحدة. يعني أن خزاعة كانوا جيران قريش، فسهلت عليهم لغتهم. قالوا: أبوحاتم السجستاني نزل بلغة قريش..... وهذيل وتميم الرباب والأزد وربيعه وهوازن وسعد بن بكر. ونقل أبو شامة عن بعض الشيوخ أنه قال: أنزل القرآن أولاً بلسان قريش ومن جاورهم من العرب الفصحاء ثم أبيع لسائر للعرب أن يقرء بلغاتهم التي جرت عادتهم باستعمالها على اختلافهم في الألفاظ والأعراب ولم يكلف أحد منهم الانتقال من لغتهم إلى لغة أخرى للمشقة ولما كان فيهم من الحمية ولطلب تسهيل تفهيم المراد.

⑤ قال الحافظ: وتمتة ذلك أن يقال: إن الإباحة المذكورة لم تقع بالتشهي - أي أن كل أحد يفيد الكلمة بمرادها في لغته - بل المراعى في ذلك السماع من النبي ﷺ.

[ص ٢٢٣، ٢٢٤ ج ٩، ص ٢٢٩، ٢٣٠ ج ٢٠٢ هـ]

⑥ وعلى هذا وفيه أيضاً أما من أراد قراءته من غير العرب فالاختيار له أن يقرأه بلسان قريش لأنه الأولى وعلى هذا يحمل ما كتب به عمر إلى ابن مسعود لأن جميع اللغات بالنسبة لغير العربي مستوية في التعبير. فإذا لا بد من واحدة فلتكن بلغة النبي ﷺ.

وأما العربي المجهول على لغته فلو كلف قراءته بلغة قريش لعر عليه التحول مع إباحة الله له أن يقرئه بلغته . ويشير إلى هذا قوله في حديث أبي كما تقدم: «هون على أمتي». قوله: «وإن أمتي لا تطيق ذلك». قال الحافظ: ويدل على ما قرأه (أبوشامة) إنه أنزل أولا بلسان قريش، ثم سهل على الأمة أن يقرأه بغير لسان قريش وذلك بعد أن كثر دخول العرب في الإسلام، فقد ثبت أن ورود التخفيف بذلك كان بعد الهجرة كما تقدم في حديث أبي بن كعب أن جبريل لقي النبي ﷺ عند أضامة بني غفار . الحديث (وهو موضع بالمدينة النبوية) [ص ٢٥٩ ج ٢٣٠ ص ٢٠٢ ط ١]

١٣ قال الجزري في النشر: كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالا وضح إسنادها فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها ولا يحل إنكارها بل هي من الأحرف السبعة التي نزل بها القرآن ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الأئمة السبعة أم عن العشرة أم عن غيرهم من الأئمة المقبولين ومتى احتل ركن من هذه الأركان الثلاثة أطلق عليها ضعيفة أو شاذة أو باطلة سواء كانت عن السبعة أم عن من أكبر منهم . هذا هو الصحيح عند أئمة التحقيق من السلف والخلف صرح بذلك الداني ومكي والمهدوي وأبوشامة . وهو مذهب السلف الذي لا يعرف من أحدهم خلافه .

١٤ وفي الاتقان للحافظ السيوطي أن القراءة أنواع:

• الأول: المتواتر، وهو ما نقله جمع لا يمكن تواطئهم على الكذب من مثلهم إلى منتهاه وغالب القراءة كذلك .

• الثاني: المشهور، وهو ما صح سنده ولم يبلغ درجة المتواتر ووافق العربية والرسم . وأشهر عند القراء فلم يعدوه من الغلط ولا من الشذوذ وقرأه به على ما ذكر ابن الجزري ويفهمه كلام ابن شامة السابق ومثاله ما اختلف الطرق في نقله عن السبعة فرواه بعض الرواة عنهم دون بعض وأمثلة ذلك كثيرة في فرش الحروف من كتب القراءات كالذي قبله .

• الثالث، الأحاد وهو ما صح سنده وخالف الرسم أو العربية أو لم يشتهر إلا اشتهار المذكورة ولا يقرئه به وقد عقد الترمذي في جامعه والحاكم في مستدركه لذلك بابا إخراجا فيه كثيرا صحيح الإسناد . ١٥ ملخصا - [١١٤] ص ٢٤٤ [١٣٤]

١٣ قال في الشامية: القرآن الذي تجوز به الصلاة بالاتفاق، هو المضبوط في المصاحف الأئمة التي بعث بها عثمان إلى الأمصار وهو الذي أجمع عليه الأئمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة وتفصيلا، فما فوق السبعة إلى العشرة غير شاذ، وإنما الشاذ ما وراء

عشر

العشرة وهو الصحيح . ١٥٠ - [شامية: ص ٣٥٨ ج ١، م رشيدية كونه]

١٥٠ قال أبو الخير محمد بن الجزري: أما كون المصاحف العثمانية مشتتة على جميع الأحرف السبعة فإن هذه مسألة كبيرة اختلف العلماء فيها، فذهب جماعات من الفقهاء والقراء والمتكلمين إلى أن المصاحف العثمانية مشتتة على جميع الأحرف السبعة ابنا ذلك على أنه لا يجوز على الأمة أن تهمل نقل شيء من الحروف السبعة التي نزل القرآن بها، وقد أجمع الصحابة على نقل المصاحف العثمانية من الصحف التي كتبها أبو بكر وعمر، وإرسال كل مصحف منها إلى مصر من أمصار المسلمين وأجمعوا على على ترك ما سوى ذلك، قال هؤلاء: ولا يجوز أن ينهى عن القراءة ببعض الأحرف السبعة ولا أن يجمعوا على ترك شيء من القرآن، وذهب جماهير العلماء من السلف والخلف وأئمة المسلمين إلى أن هذا المصاحف العثمانية مشتتة على ما يحتمله رسمها فقط، جامعة للعرضة الأخيرة التي عرضها النبي ﷺ على جبريل متضمنة لها، لم تترك حرفاً منها. قلت: وهذا القول هو الذي يظهر صوابه لأن الأحاديث الصحيحة والآثار المشهورة المستفيضة تدل عليه وتشهد له . [النشر في القراءات العشر: ص ٣١ ج ١]

١٥١ قال العلامة بدر الدين العيني: واختلف الأصوليون هل يقرأ اليوم على سبعة أحرف؟ فمنعه الطبري وغيره وقال: إنما يجوز بحرف واحد اليوم، وهو حرف زيد ونحو إليه القاضي أبو بكر. وقال أبو الحسن الأشعري: أجمع المسلمون على أنه لا يجوز حظر ما وسعه الله تعالى من القراءة بالأحرف التي أنزلها الله تعالى ولا يسوغ للأمة أن تمنع ما يطلقه الله تعالى، بل هي موجودة في قراءتنا مفرقة في القرآن غير معلومة بأعياننا، فيجوز على هذا وبه قال القاضي: أن يقرأ بكل ما نقله أهل التواتر من غير تمييز حرف من حرف، فيحفظ حرف نافع بحرف الكسائي وحزمة ولا حرج في ذلك .

[عمدة القاري كتاب الخصومات: ١٢/٢٥٨]

١٥٢ قال القاضي أبو بكر: والسابع اختاره القاضي أبو بكر وقال: الصحيح أن هذه الأحرف السبعة ظهرت واستفاضت عن رسول الله ﷺ وضبطها عنه الأئمة وأثبتها عثمان والصحابة في المصحف . [البرهان في علوم القرآن: ٢٢٣/١]

وأما قول من قال: "أبطل الأحرف الستة". فقد كذب من قال ذلك، بل الأحرف السبعة كلها موجودة عندنا قائمة كما كانت مثبتة في القراءات المشهورة المأثور .

[ابن حزم، الفصل في الملل والأهواء والنحل: ٤٤٢/٤٨]

١٥٣ قال أبو الوليد الباجي المالكي: فإن قيل هل تقولون إن جميع هذه السبعة الأحرف ثابتة في المصحف فالقراءة بجميعها جائزة قيل لهم كذلك، نقول: والدليل على صحة ذلك

قوله عز وجل: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ٩] ولا يصح انفصال الذكر المنزل من قراءته فيمكن حفظه دونهما، ومما يدل على صحة ما ذهبنا إليه إن ظاهر قول النبي ﷺ يدل على أن القرآن أنزل على سبعة أحرف تيسيرا على من أراد قراءته ليقرأ كل رجل منهم بما تيسر عليه وبما هو أخف على طبعه وأقرب إلى لغته، لما يلحق من المشقة بذلك المؤلف من العادة في النطق. ونحن اليوم مع عجمة ألسنتنا وبعدها عن فصاحة العرب أحوج. [أبو الوليد الباجي، المنتقى شرح المؤطا: ٣٢٤/١]

١٩) قال الإمام الغزالي: ما نقل إلينا بين دفتي المصحف على الأحرف السبعة المشهور نقلًا متواترًا. [المستصفى: ٢٥/١]

٢٠) قال الملا علي القاري: وكأنه عليه الصلوة والسلام كشف له أن القراءة المتواترة تستقر في أمته على سبع وهي الموجودة الآن المتفق على تواترها، والجمهور على أن ما فوقها شاذ، لا يحل القراءة به. [مرفقة المفاتيح: ١٦/٥]

**الانتباه:** وما قال الملا علي القاري والجمهور على أن ما فوقها شاذ..... الخ، ليس بصحيح لأن ما وراء السبعة ليس بشاذ، بل العشرة كلها متواترة، وما فوقها شاذ وهذا ما لا شك فيه كما لا يخفى على أحد، [عبد القدوس ترمذی غفرله]

٢١) قال الشاه ولي الله:

وليل برآنكه ذكر سبعة بجهت تكثير است نه برائے تحديد اتفاق ائمه است برقرانات عشر وهرقرآتے را ازیں عشره دو راوی است وهریکه با دیگرے مختلف است پس مرتقی شده عدد قرآنة تا هیست۔ [المصنفی: ١٨٤]

٢٢) قال العلامة محمد أنور شاه كشمیری: واعلم أنهم اتفقوا على أنه ليس المراد من سبعة أحرف القراءة السبعة المشهورة، بأن يكون كل حرف منها قراءة من تلك القراءات، أعنى أنه لا انطباق بين القراءات السبع والأحرف السبعة كما يذهب إليه الوهم بالنظر إلى لفظ السبعة في الموضوعين، بل تلك الأحرف والقراءة عموم وخصوص وجهي، كيف، وإن القراءات لا تنحصر في السبعة، كما صرح ابن الجزري في رسالة النشر في القراءة العشر، وإنما اشتهرت السبعة على الألسنة لأنها التي جمعها الشاطبي. ثم اعلم إن بعضهم فهم أن بين تلك الأحرف تغايرا من كل وجه، بحيث لا ربط بينها وليس كذلك، بل قد يكون الفرق بالمجرد والمزيد والأخرى بالأبواب، ومرة باعتبار الصيغ من الغائب والحاضر، وطورا بتحقيق الهمزة وتسهيلها، فكل هذه التغييرات يسيرة كانت أو كثيرة حرف برأسه، وغلط من لهم إن هذه الأحرف متغايرة كلها بحيث يتعذر اجتماعها أما إنه كيف عدد السبعة فتوجه إليه ابن الجزري وحقق أن

عشر

مفتي عبدالقدوس ترمذی

التصرفات كلها ترجع إلى السبعة، وراجع القسطلاني والزرقاني، بقي الكلام في أن تلك الأحرف كلها موجودة أو رفع بعضها وبقي البعض فاعلم أن ما قرأه جبريل في العرضة الأخيرة على النبي ﷺ كله ثابت في مصحف عثمان، ولما يتعين معنى الأحرف الستة منها وبقي واحد فقط . [فيض الباري: ٣٢١/٣، ٣٢٢]

٣٣ قال المحقق العلامة محمد زاهد الكوثري: والأول رأى القائلين بأن الأحرف السبعة كانت في مبدء الأمر ثم نسخت بالعرضة الأخيرة في عهد النبي ﷺ فلم يبق إلا حرف واحد ورأى القائلين بأن عثمان جمع الناس على حرف واحد ومنع من الستة الباقية للمصلحة، وإليه نحى ابن جرير وتهيأه ناس فتابعوه لكن هذا رأى خطير، قام ابن حزم بأشد الكبير عليه في الفصل وفي الأحكام، وله الحق في ذلك، والثاني رأى القائلين بأنها هي الأحرف السبعة المحفوظة كما هي في العرضة الأخيرة..... الخ .

[مقالات الكوثري: ص ٢٠، ٢١، مطبعة الأنوار قاهره ١٣٤٢هـ]

فقط والله أعلم

هذا من عندي ولعل عند غيري أحسن من هذا وفي هذا كفاية لمن له دراية والله هو العاصم من الضلالة والغواية وله الحمد في البداية والنهاية .

١٧

كتبه الأحقر عبدالقدوس الترمذي غفر له  
خادم الإفتاء بالجامعة الحقانية  
سأهيوال من مضافات سر جودها  
١٧ من شهر صفر المظفر ١٤٣١هـ

\* ————— \*

مرتب: حافظ نعیم الرحمن ناصف\*  
مترجم: حافظ محمد مصطفیٰ راسخ\*

## ضمیمہ فتاویٰ علمائے عرب

قراءات نمبر دوم میں عالم عرب کے معروف اہل علم و مشائخ کے فتاویٰ جات پیش کیے گئے تھے، شمارہ ہذا میں ان کا ضمیمہ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ فاضل مرتب نے یہ تمام فتاویٰ جات انٹرنیٹ سے حاصل کیے ہیں، لہذا انہوں نے حوالہ جات کے طور پر تمام فتاویٰ کے لنک دے دیئے ہیں۔ [ادارہ]

### ایک حرف پر مصاحف کو جمع کیا جانا؟

**سوال:** کیا یہ بات درست ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو ایک حرف پر جمع کیا تھا اور باقی حروف حذف کر دیئے تھے؟ یا انہوں نے بعض قراءات کو باقی رکھا تھا اور بعض کو حذف کر دیا تھا؟

**جواب:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقروا ما تيسر منه»

[صحیح بخاری: ۲۲۳۱، ۲۶۵۳، صحیح مسلم: ۱۳۵۴، جامع الترمذی: ۲۸۶۷]

محققین اہل علم فرماتے ہیں:

یہ حروف مختلفہ فی الالفاظ اور متقارب فی المعنی ہیں۔ جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے اختلاف کی خبر ہوئی اور سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے جنگ آرمینیا سے واپس آ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

”أدرک الناس“ ”لوگوں کو سنبھالنے“

تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ مشورہ کیا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی مشورہ دیا کہ قرآن مجید کو ایک حرف پر جمع کر دیا جائے تاکہ لوگ اختلاف میں نہ پڑیں۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چار افراد پر مشتمل کمیٹی بنا دی جن کے نگران کا تب وحی سیدنا سید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کو ایک حرف پر جمع کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مصاحف کو مختلف صوبوں میں روانہ کر دیا۔ یہاں تک کہ لوگ ان سرکاری مصاحف پر اعتماد کرنے لگے اور انکے درمیان نزاع ختم ہو گیا۔ قراءات سب سے یا قراءات عشرہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ مصاحف کے اندر ہی موجود تھیں اور قراءات کا سارا اختلاف اس ایک حرف کے اندر ہی داخل تھا جس کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا تھا۔ اس جمع کا مقصد کلام اللہ کی حفاظت اور لوگوں کو اختلاف کرنے سے منع کرنا تھا جو انہیں نقصان دے رہا تھا اور ان کے درمیان فتنے کا سبب بن رہا

☆ فاضل کلیة الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

\* فاضل کلیة القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

تھا۔ اللہ تعالیٰ نے احرف سبعہ پر قراءت کرنا واجب قرار نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَأَقْرُؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ [المزمل: ۲۰] ”اس میں سے جو میسر ہو پڑھو“

چنانچہ لوگ ایک حرف پر جمع ہو گئے، اس کارنیر پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شکر یہ ادا کرنا چاہئے جنہوں نے یہ عظیم الشان خدمت سرانجام دے کر اُمت کو اختلاف اور فتنہ سے بچالیا۔

[فضیلة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز رضى الله عنه]

[http://www.islam-qa.com/ar/ref/125091]

## قراءت عشرہ کا تعارف

سوال: مجھے قراءت عشرہ کے بارے میں بتلائیں۔ یہ دس قراءت کیوں ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سات حروف (سبعہ احرف) پر نازل فرمایا ہے؟

جواب: علم قراءت، اہل علم اور قراء کرام کے نزدیک معلوم ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سات حروف پر نازل فرمایا ہے اور یہ حروف باہم متقارب ہیں۔ ان میں الفاظ اور معنی کا معمولی اختلاف ہوتا ہے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں نے قراءت قرآنیہ میں اختلاف کرنا شروع کر دیا تو امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے قرآن مجید کو ایک حرف پر جمع کر دیا تاکہ اختلاف ختم ہو جائے۔ قراء کرام جنہوں نے قراءت سبعہ یا قراءت عشرہ کا اختلاف کیا ہے۔ ان میں غالباً معنی تبدیل نہیں ہوتا مگر بہت کم، قراءت سبعہ و عشرہ کا اختلاف بہت معمولی اختلاف ہے اور یہ سارے کا سارا اختلاف ایک ہی حرف میں داخل ہے جس پر قرآن مجید نازل ہو۔

[فضیلة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز رضى الله عنه]

[http://www.binbaz.org.sa/mat/11253]

## قراءت سبعہ کا مختصر تعارف

سوال: آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہمیں قراءت سبعہ کا مختصر تعارف کروادیں؟

جواب: قراءت سبعہ اور قراءت عشرہ اہل علم کے ہاں معروف ہیں اور قراء عشرہ بھی معروف ہیں۔ جن کی تفصیلات امام شاطبی رضی اللہ عنہ کی کتاب ’حزب الامانی ووجه التہانی‘ میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں قراءت کا معنی، قراءت ثلاثہ کا تعارف وغیرہ تفصیلاً موجود ہے۔ یہ قراءت، ادغام، اظہار، رفع، نصب، مد اور عدم مد وغیرہ میں مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن ان تمام قراءت کا مرجع اس مصحف کا رسم ہے جسے امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لکھا۔ اگرچہ بعض مقامات میں معمولی سا اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے فَأَزْلَهُمَا، فَأَزْلَهُمَا، قراء کرام کا اختلاف اپنے مشائخ سے نقل کے اعتبار سے ہے۔ اور یہ اختلاف بھی انتہائی معمولی سا ہے۔ جس سے معنی میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ لیکن قاری پر واجب ہے کہ وہ مصحف کے رسم کا التزام کرے تاکہ اس کے ملک میں رہنے والے قراء کے درمیان اختلاف اور نزاع پیدا نہ ہو۔ اگر اس کے ملک میں روایت حفص متداول ہے تو وہ روایت حفص میں ہی تلاوت کرے اور اگر اس کے ملک میں روایت حفص کے علاوہ کوئی دوسری

روایت مثلاً روایت ورش وغیرہ متداول ہے تو وہ اسی روایت میں ہی تلاوت کرے جو اس کے علاقے میں رائج اور متداول ہے تاکہ ان کے درمیان اختلاف اور نزاع پیدا نہ ہو۔ کیونکہ شریعت اختلاف کے اسباب سے منع کرتی ہے اور اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت کے اسباب کی ترغیب دیتی ہے۔

[فضیلة الشيخ عبدالعزيز بن عبد الله بن باز رحمته]

[<http://bayenahsalaf.com/vb/showthread.php?t=1457>]

## تلاوت قرآن مجید میں مصحف پر اعتماد

**سوال:** میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ قراءت سبعہ کی رو سے لفظ کو بدلنا جائز ہے۔ مثلاً ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾ [القارعة: ۵] کو 'كالصوف المنفوش' اور ﴿فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾ [المسد: ۵] کو 'فِي عنقها حبل من مسد' پڑھنا جائز ہے۔ کیا نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں کوئی حکم وارد ہے؟

**جواب:** مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ مصحف شریف اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لکھے گئے رسم پر اعتماد کریں اور اس کے خلاف نہ پڑھیں۔ کیونکہ اس میں تشویش، اختلاف اور تفرقہ بازی کا خدشہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان:

«إن القرآن نزل على سبعة أحرف، فاقروا وما تيسر منه»

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں گنجائش اور وسعت رکھی ہے اور قرآن مجید کو سات حروف پر نازل فرمایا ہے۔ جن کے الفاظ مختلف اور معانی باہم متقارب ہیں۔ جیسے 'عہن' اور 'الصوف' کا معنی متقارب ہے۔ اسی طرح 'فِي جِيدِهَا' اور 'فِي عنقها' کا معنی متقارب ہے۔ لیکن چونکہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے قرآن مجید کو ایک حرف پر جمع کر دیا ہے، تاکہ نزاع اور اختلاف پیدا نہ ہو، لہذا اب مسلمانوں پر بھی واجب ہے کہ وہ بھی اس خدشے کے پیش نظر مصحف پر ہی اعتماد کریں اور اختلاف و نزاع سے بچیں لیکن تفسیر کے باب میں وضاحت معنی کے لیے قراءت بیان کی جاسکتی ہیں۔ قراءت توقیفی ہیں جن کو مصحف کے رسم کے خلاف نہیں پڑھا جاسکتا۔

[فضیلة الشيخ عبدالعزيز بن عبد الله بن باز رحمته]

[<http://www.alathar.net/home/esound/index.php?op=tadevi&id=5096&coi=61781>]

## نزول قرآن

**سوال:** محمود عمر نامی ایک شخص نے خط لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید لغت عرب پر نازل فرمایا ہے۔ لیکن ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ قرآن مجید کو تلاوت کرنے کی متعدد قراءت ہیں۔ ان قراءت میں سے سب سے افضل کون سی قراءت ہے؟ اسی طرح غنہ، مد اور قلقلہ وغیرہ کے بغیر تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟



**جواب:** جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے، قرآن مجید لغت عرب میں ہی نازل ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا﴾ [یوسف: ۲۳۵]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا﴾ [زخرف: ۳]

ایک اور مقام پر اللہ فرماتا ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ، عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾

[اشعراء: ۱۹۳، ۱۹۵]

اور اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید میں متعدد قراءات ہیں، جن میں سے مشہور قراءات، قراءات سبجہ ہیں۔ جو شخص ان قراءات کا عالم ہو اس کے لیے مسنون یہی ہے کہ وہ باری باری تمام قراءات میں تلاوت کرے۔ کیونکہ قراءات سبجہ سب کی سب متواتر اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔ جب یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں تو ان میں بھی یہی مشروع ہے کہ آدمی کبھی کوئی قراءت پڑھے اور کبھی کوئی دوسری قراءت پڑھے۔ جیسا کہ متنوع وجوہ پر مشروع عبادات میں ہم کرتے ہیں کہ کبھی ایک وجہ پر عمل کر لیا اور کبھی دوسری وجہ پر عمل کر لیا تاکہ تمام سنتوں پر عمل ہو جائے۔ لیکن غیر عالم کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ فقط ظن کی بناء پر کوئی قراءت کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پاس موجود مصحف کی قراءت پر ہی اکتفاء کرے۔ باقی رہا سائل کا یہ سوال کہ کیا غنہ، مد اور قلقلہ کے بغیر تلاوت کرنا جائز ہے؟ اس مسئلے میں میرے نزدیک درست رائے یہی ہے کہ قواعد تجوید کے مطابق تلاوت کرنا مستحب اور اکمل امر ہے۔ واجب نہیں ہے۔ لیکن تلاوت میں یہ امر ضروری اور واجب ہے کہ کوئی حرف زیادہ یا کم نہ ہو۔

[فضیلة الشیخ محمد بن صالح العثیمین: ۱۱۷]

[<http://www.sahab.net/forums/showthread.php?t=339393>]

## متنوع قراءات کا سبب

**سوال:** قراءات کے تنوع کا کیا سبب ہے؟ حالانکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کیا تھا؟

**جواب:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک حرف پر مصحف لکھا تھا، لیکن اس وقت مصاحف نقطوں، اعراب اور مدود سے خالی تھے۔ لہذا لوگوں نے اپنے اپنے آساندہ مقرئین سے مختلف لہجات میں پڑھا جس سے قراءات متنوع ہو گئیں اور جب مصاحف پر اعراب لگائے گئے تو ہر شخص نے اپنے اپنے استاد کے پڑھائے ہوئے کے مطابق اعراب لگائے جس سے یہ اختلاف پیدا ہو گیا۔

[فضیلة الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین رضی اللہ عنہ]

[<http://ibn-jebreen.com/ftawa.php?view=vmasal&subid=10209&parent=786>]

## کسی بھی روایت میں تلاوت قرآن

**سوال:** روایت ورش یا قراءاتِ سبعہ میں سے کسی بھی روایت میں قرآن کی تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا روایت حفص کے علاوہ دیگر روایات میں تلاوت کرنا جائز ہے یا ہم صرف روایت حفص عن عاصم پر ہی اکتفا کریں؟

**جواب:** روایت ورش یا قراءاتِ سبعہ میں سے کسی بھی روایت میں تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ورش، مدینہ کے مشہور قاری امام نافع بن ابی نعیم سے روایت کرنے والوں میں سے سب سے معروف راوی ہیں۔ ان کی قراءت طبع ہو چکی ہے اور مغربی ممالک میں مشہور و متداول ہے، جسے کثیر مالکی پڑھتے ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے روایت حفص عن عاصم مطبوع ہے اور عرب ممالک میں مشہور و متداول ہے۔ نیز ہمارے لیے ان دو قراءتوں (ورش اور حفص) کے علاوہ قراءتِ سبعہ یا قراءتِ عشرہ کی قراءات کی تلاوت کرنا بھی جائز ہے۔

[فضیلة الشيخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین رحمۃ اللہ علیہ]

[<http://ibn-jebreen.com/ftawa.php?view=vmasal&subid=4283&parent=786>]

## قراءاتِ شاذہ کی تلاوت کا حکم

**سوال:** قراءاتِ شاذہ کی تلاوت کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** نماز میں قراءاتِ شاذہ کی تلاوت کرنا حرام ہے۔ کتب قراءات میں قراءاتِ شاذہ کو نقل کرنے کا مقصد تفسیر اور وضاحت ہے۔ خواہ وہ کسی کلمہ کی زیادتی سے ہو جیسے ابن مسعود وغیرہ کی قراءت ہے۔ ”فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مُّتَابَعَاتٍ“ یا کسی کلمہ کی کمی سے ہو جیسے بعض صحابہ کی قراءت ہے۔ ”وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى، وَالذِّكْرُ وَالْأَنْثَى“ یا مصاحف عثمانیہ کے کسی کلمہ کی تفسیر سے ہو جیسے سیدنا ابن عباس کی قراءت ہے۔ ”وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوِّقُونَ“ مگر جو قراءات رسم عثمانی کے موافق ہو اگرچہ موجودہ (روایت حفص میں) مطبوعہ مصحف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اسے قراءتِ شاذہ نہیں کہا جائے گا جیسے ﴿فِي عَمْدٍ مُّمدَدَةٍ﴾ [الہمزہ: 9] میں ﴿فِي عَمْدٍ مُّمدَدَةٍ﴾ [الہمزہ: 9] عین اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا۔ واللہ اعلم۔

[فضیلة الشيخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین رحمۃ اللہ علیہ]

[<http://ibn-jebreen.com/ftawa.php?view=vmasal&subid=6615&parent=786>]

## قرآن کریم کا سات لہجوں میں نزول

**سوال:** میں نے یہ پڑھا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تاکہ وہ قرآن مجید اکٹھا کرے، لیکن یہ نص (عثمانی) ایک قراءت پر ہی موجد نہیں، اس لیے کہ پہلے عربی زبان میں حروف علت نہیں تھے، اور اسی طرح کچھ حروف صحیحہ بھی اس شکل میں نہیں تھے، اور مختلف حروف میں فرق کرنے کے لیے کچھ علامات ایجاد کی گئیں، لیکن یہ سب کچھ قرآن مجید کی مختلف قراءات کو نہ روک سکا۔

تو چوتھی صدی کے نصف میں بغداد میں قراءات کے امام ابن مجاہد رضی اللہ عنہ نے اس مشکل کو حل کرنے کے متعلق کہا کہ کلمہ 'الحرف' قراءت کی جگہ لے سکتا ہے اور اس بات کا اعلان کیا کہ ان کے خیال میں قراءتِ سبعہ صحیح ہیں اس

لیے کہ نبی ﷺ کا یہ قول کہ قرآن مجید سات حرفوں میں نازل ہوا ہے، کا معنی یہ ہے: قرآن مجید کی قراءت کے سات طریقے ہیں۔

اور ان دنوں جو قرآن کریم کی مشہور قراءت چل رہی ہیں وہ ورش، نافع اور حفص عن عاصم ہیں۔ آپ سے میری گزارش ہے کہ ان مختلف قراءت کے متعلق بتائیں کہ کیا اس کے متعلق کوئی صحیح احادیث پائی جاتی ہیں؟

**جواب:** آپ کے سوال کے کئی حصے ہیں میں ایک ایک کر کے ان تمام کا جواب دیتا ہوں:

① اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق سے نوازے آپ کو یہ علم ہونا چاہئے کہ شروع میں قرآن مجید صرف ایک ہی حرف (لجہ) میں نازل ہوا لیکن نبی ﷺ جبرئیل علیہ السلام سے زیادہ کا مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے نبی ﷺ کو سات لہجوں میں جو کہ کافی دشانی ہیں قرآن مجید پڑھایا اور اس کی دلیل یہ ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عباس علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جبرئیل علیہ السلام نے مجھے قرآن مجید ایک لہجہ میں پڑھایا تو میں نے ان سے زیادہ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے زیادہ کر دیا تو میں مطالبہ کرتا رہا اور وہ زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ سات لہجوں پر جا کر ختم ہوا۔“

[صحیح بخاری: ۳۰۴۷، صحیح مسلم: ۸۱۹]

## ② الأحراف کا معنی کیا ہے؟

اس کے معنی میں سب سے اچھا اور بہتر قول یہ ہے کہ قراءت کے سات طریقے جو لفظی طور پر مختلف ہیں اور معنی میں متفق اور اگر ان کے معانی میں اختلاف بھی ہے تو وہ اختلاف تنوع اور تغایر ہے نہ کہ اختلاف تعارض اور تضاد۔ اور حرف کا لغوی معنی وجہ کا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اگر کوئی نفع مل جائے تو دلچسپی لینے لگتے اور اگر کوئی آفت آ پڑے تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں، انہوں نے دونوں جہانوں کا نقصان اٹھایا یہ واقعی کھلا نقصان ہے۔“ [الحج: ۱۱]

③ بعض علماء کا کہنا ہے کہ: الأحراف کا معنی لغات ہے، لیکن یہ معنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بنا پر صحیح نہیں وہ کہتے ہیں:

میں نے ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان اپنی قراءت کے علاوہ کسی اور قراءت میں پڑھتے ہوئے پایا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت مجھے پڑھائی تھی، میں قریب تھا کہ اس پر جلد بازی کرتا لیکن میں نے اسے وقت دیا حتیٰ کہ اس نے وہ سورۃ ختم کر لی، پھر میں نے اسے اس کی چادر سے پکڑا اور نبی ﷺ کے پاس لایا اور کہنے لگا اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! میں نے اسے سورۃ الفرقان اس طرح پڑھتے ہوئے پایا جو کہ آپ نے مجھے پڑھائی تھی اس کے خلاف ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے پڑھو تو اس نے اسی طرح وہ پڑھی جس طرح میں نے اسے سنا تھا۔ تو نبی اکرم ﷺ فرمانے لگے اسی طرح نازل ہوئی ہے، پھر مجھے کہنے لگے کہ تم پڑھو تو میں نے بھی پڑھی اور آپ ﷺ فرمانے لگے کہ اسی طرح نازل ہوئی ہے، یقیناً قرآن مجید سات حرفوں (لہجوں) میں نازل کیا گیا ہے تو تم جو بھی اس میں میسر

ہو پڑھو۔ [صحیح بخاری: ۲۲۸۷، صحیح مسلم: ۸۱۸]

اور یہ معلوم ہے کہ سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ قریش میں سے اسدی ہیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قریش میں عدوی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور دونوں ہی قریشی ہیں اور قریش کی تو ایک ہی زبان و لغت ہے، تو اگر حروف کا اختلاف لغات میں اختلاف ہوتا تو یہ دونوں قریشی صحابی آپس میں اختلاف نہ کرتے۔  
اور اس مسئلہ میں علماء کرام نے چالیس کے قریب اقوال نقل کیے ہیں اور ان میں سے راجح قول شائد وہی ہے جو کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

② حدیث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حروف متعدد الفاظ میں نازل ہوئے اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا انکار حروف میں تھا نہ کہ معانی میں اور پھر یہ حروف میں اختلاف، اختلاف تضاد نہیں بلکہ اختلاف تنوع ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح آپ یہ کہیں کہ ہَلُمَّ، اَقْبِلْ، تَعَالَ ان کا معنی ایک ہی ہے۔“

⑤ اب رہی قراءت سبعہ کی تحدید تو یہ تحدید قرآن و سنت میں سے نہیں کی گئی بلکہ ابن مجاہد رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے، بعض لوگ یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ سات حروف سے قراءت سبعہ ہی مراد ہیں اس لیے کہ یہ تعداد میں ایک جیسے ہی ہیں۔

یہ عدد یا تو اتفاقی طور پر یا پھر ان سے قصد سامنے آیا ہے، تاکہ یہ تعداد احرف سبعہ سے مطابقت اختیار کر لے، اور بعض لوگوں کا جو یہ گمان ہے کہ احرف سبعہ سے مراد یہی قراءت سبعہ ہے تو یہ ان کی غلطی ہے، اور اہل علم سے یہ بات معروف نہیں ہے۔

بلکہ قراءت سبعہ، احرف سبعہ میں سے ایک حرف ہے اور یہی وہ حرف ہے جس پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جمع کیا تھا۔

⑥ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب مصحف نسخ کیا تو اسے ایک ہی حرف پر تیار کیا لیکن انہوں نے اس پر نقطے اور اعراب (زیر، زبر وغیرہ) نہ لگائے تاکہ اس کے رسم میں وسعت رہے اور دوسرے لہجات (حروف) کا بھی احتمال رہے تو جو اس میں رہا اس کی قراءت بن گئی اور جو نہ تھا اس کو نسخ کر دیا گیا، اور یہ کام اس لیے ہوا کہ قرائت میں لوگ اختلاف کرنے لگے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک نسخہ پر جمع کر دیا تاکہ اختلاف ختم ہو۔

⑦ آپ کا سوال میں یہ کہنا کہ ابن مجاہد رضی اللہ عنہ کا گمان ہے کہ قراءت حرف کی جگہ میں ہے، تو یہ قول غیر صحیح ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [مجموع فتاویٰ: ۳۱۰/۱۳]  
اور قراءت سبعہ کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

① نافع المدنی رضی اللہ عنہ ② ابن کثیر المکی رضی اللہ عنہ ③ عاصم الکوئی رضی اللہ عنہ ④ حمزہ زیات الکوئی رضی اللہ عنہ

⑤ الکسانی الکوئی رضی اللہ عنہ ⑥ ابو عمرو بن علاء البصری رضی اللہ عنہ ⑦ عبداللہ بن عامر الشامی رضی اللہ عنہ

ان سب میں سے قراءت کی سند کے اعتبار سے قوی نافع اور عاصم ہیں۔

اور ان میں سے فصیح ابو عمرو اور کسائی ہیں۔ اور نافع سے ورش اور قالون روایت کرتے ہیں۔ اور عاصم سے حفص اور شعبہ روایت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نعیم الرحمن ناصف

(فضیلة الشيخ صالح المنجد رحمته الله)

[http://www.islamqa.com/ur/raf/islamqr/5142/print]

## قراءت قرآنیہ

**سوال:** میں نماز کے انتظار میں ایک مسجد میں داخل ہوا، میں نے مسجد میں موجود مصاحف میں سے ایک مصحف کی

تلاوت کرنا شروع کر دی۔ جب میں سورۃ الروم کی آیت ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾ [الروم: ۵۴] پر پہنچا تو بہت پریشان ہوا؟ کیونکہ اس مصحف میں کلمہ 'ضعف'، 'ضعفا'، 'کوتیوں مقامات پر ضاد کے ضمہ (پیش) کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ حالانکہ میں نے مصر میں جو پڑھا اور حفظ کیا تھا وہ ضاد کے فتح (زبر) کے ساتھ تھا۔ اور جامعہ ازہر کی تصدیق کے ساتھ مطبوع مصحف تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ طباعت کی غلطی ہے اور ہندوستان میں شاید مصر کی طرح مصاحف کی تصدیق کا کوئی نظام رائج نہیں ہے۔ آپ سے سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کیا یہ طباعت کی غلطی ہے یا کوئی دوسری قراءت ہے یا آپ کے نزدیک اس کی کوئی دوسری تفسیر موجود ہے۔ وضاحت فرما کر مشکور ہوں؟

**جواب:** میں سب سے پہلے اس نوجوان کا شکر گزار ہوں جو کتاب اللہ پر اتنا غیرت مند اور اس کی تلاوت کا اتنا حریص ہے کہ جو نبی اسے متوجع ملا اس نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی اور پھر اس کے اس امر پر بھی شکر گزار ہوں کہ جب اس کے دل میں شک اور وسوسہ پیدا ہوا تو اس نے حصول اطمینان کے لیے فوراً سوال کر لیا اور ہر مسلمان پر یہی واجب ہے کہ جس چیز کا اسے علم نہ ہو وہ اہل علم سے پوچھ لے۔ حکم لگانے میں جلدی نہ کرے۔

”فانما شفاء العی السوال“

اب میں مسائل کے سوال کی طرف آتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ طباعت کی غلطی نہیں ہے بلکہ ان تینوں کلمات 'ضعف'، 'ضعفا'، 'ضعف' میں فتح اور ضمہ دونوں حرکات ہی صحیح قراءت سے ثابت ہیں۔ امام عاصم اور امام حمزہ کوئی ضاد کے فتح کے ساتھ 'ضعف'، 'ضعفا' پڑھتے ہیں جبکہ دیگر قراء کرام ضاد کے ضمہ کے ساتھ 'ضعف'، 'ضعفا' پڑھتے ہیں۔ قراء کرام کا کہنا ہے کہ ضمہ قریش کی لغت ہے جبکہ فتح تمیم کی لغت ہے۔ [تفسیر القرطبی: ۴/۱۳۶، ۴/۱۳۷]

یہ بات معروف ہے کہ ہمارے ہاں مشرق عرب میں روایت حفص عن عاصم مشہور و متداول ہے اور اسی روایت میں ہی مصاحف کی طباعت ہوتی ہے۔ میرے علم کے مطابق ہندوستان و پاکستان میں بھی یہ روایت حفص عن عاصم ہی مشہور و متداول ہے۔ اس کا تقاضا تھا کہ ہندی مصحف میں یہ کلمہ ضاد کے فتح کے ساتھ 'ضعف'، 'ضعفا' لکھو، ہوتا، کیونکہ امام عاصم کی قراءت بفتح الضاد ہے اور ہم سب (یعنی مصری، ہندوستانی اور پاکستانی) امام عاصم کے شاگرد امام حفص کی روایت پڑھتے ہیں۔ پھر یہ ضمہ کیسے آ گیا؟

امام ابو عمرو دانی رحمته الله کی کتاب 'القراءات السبع' امام ابن الجزری رحمته الله کی کتاب 'النشر فی القراءات العشر' اور دیگر کتب قراءات کا مطالعہ کرنے سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ مصحف ہندی دیگر متداول مصاحف سے مختلف کیوں ہے۔

امام حفص سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عمر سے منقول مرفوع حدیث کی بنیاد پر اس آیت مبارکہ میں اپنے شیخ امام عاصم کی مخالفت کی ہے، اور ان تینوں کلمات 'ضعف'، 'ضعفا' کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔  
 امام حفص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ما خالفت عاصماً فی شیء إلا فی هذا الحرف"  
 "میں نے اس حرف کے سوا امام عاصم کی کسی شے میں مخالفت نہیں کی۔"  
 امام ابن الجزری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام حفص رضی اللہ عنہ سے فتح اور ضمہ دونوں ہی صحیح ثابت ہیں۔  
 امام ابو عمر ودانی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

میں روایت میں حفص دونوں وجوہ (ضمہ اور فتح) کو ہی اختیار کرتا ہوں۔ امام عاصم رضی اللہ عنہ کی قراءت کی متابعت کرتے ہوئے فتح اور امام حفص رضی اللہ عنہ کے اختیار کی موافقت کرتے ہوئے ضمہ پڑھتا ہوں۔  
 امام ابن الجزری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک اس میں دو وجوہ ہیں اور میں ان دونوں کو ہی لیتا ہوں۔ [النشر فی القراءات العشر لابن الجزری، بمراجعة الشيخ علی محمد الضباع: ۲۳۵/۲، ۲۳۶، مصطفیٰ محمد مصر]

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ ہندی مصحف روایت حفص کے موافق ہی ہے۔ اگرچہ امام حفص رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں اپنے استاد امام عاصم کی مخالفت کی ہے اور شاید میرے ہندوستانی بھائیوں نے ضمہ کو اس بنیاد پر ترجیح دی ہو کہ ضمہ، لغت قریش ہے اور لغت قریش دیگر لغات پر افضل ہے۔ نیز اس ضمہ والی قراءت کے ساتھ مرفوع حدیث وارد ہے۔

جسے امام احمد رضی اللہ عنہ، ابوداؤد رضی اللہ عنہ اور ترمذی رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔ عطیہ العوفی سے مروی ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما پر اس آیت مبارکہ کی قراءت کی اور پڑھا ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾ [الروم: ۵۴] (یعنی ضاد کے فتح کے ساتھ پڑھا) تو انہوں نے دوبارہ پڑھا ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾ [الروم: ۵۴] (یعنی ضاد کے ضمہ سے پڑھا) پھر فرمایا ﷺ پڑھیں یہ سب صحیح ہے۔  
 پڑھا تھا۔ جیسے آپ نے مجھ پر پڑھا ﷺ نبی کریم ﷺ مجھے ویسے ہی ٹوکا تھا جیسے میں نے آپ کو ٹوکا ہے۔ (اس حدیث کی سند عطیہ العوفی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اگرچہ ترمذی نے اسے حسن کہا ہے) [مسند احمد: ۵۲۲۷، تحقیق شیخ احمد شاکر: ۱۷۷، ۱۷۸] بہر حال دونوں قراءات (ضمہ اور فتح والی) ہی تواتر سے صحیح ثابت ہیں اور ان دونوں میں سے کسی پر بھی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ کائنات میں قرآن مجید کے علاوہ کوئی ایسی کتاب نہیں پائی جاتی جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے سر لیا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹]۔  
 فضیلة الشیخ محمد یوسف قرضاوی رضی اللہ عنہ

[http://abeerbeauty.com/showthread.php?t=3010]

مصاحف صحابہ

سوال: میں نے (الصدیق ابوبکر) نامی کتاب کے صفحہ ۳۱۶ پر اس آیت کریمہ ﴿حَفِظُوا عَلَيَّ الصَّلَاةَ وَالصَّلَاةَ اَلْوَسْطَى﴾ کے بارے میں پڑھا ہے کہ یہ آیت مبارکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مصاحف میں 'وصلوة العصر' کے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ کتب تھی۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے

ہے؟ کیونکہ ہمارے مصاحف میں یہ آیت مبارکہ ﴿حُفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَى﴾ [البقرہ: ۲۳۸]، 'وصلات العصر' کے الفاظ کے بغیر مکتوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبُطْلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ [فصلت: ۴۲]

**جواب:** بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اپنے مخصوص مصاحف تھے۔ وہ ان مصاحف میں تفسیرات، تعلیقات اور توضیحات وغیرہ لکھ لیا کرتے تھے۔ جن مصاحف کا آپ نے تذکرہ کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مصاحف میں 'وصلات العصر' کے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ مکتوب تھی۔ یہ تفسیری جملے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور متعدد احادیث میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ "صلوة الوسطی" سے مراد "صلوة العصر" ہے اور یہ روایت اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں اصح ترین ہے۔

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی اہل علم کا اختلاف رہا ہے کہ صلوة الوسطی سے کون سی نماز مراد ہے؟ نماز فجر ہے، ظہر ہے یا عصر ہے؟ یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ صحیح ترین رائے یہی ہے کہ وہ عصر کی نماز ہے۔ انکی صراحت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مصحف میں 'وصلات العصر' کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ ان دنوں تفسیر کو اصل متن سے جدا لکھنے کا کوئی معروف طریقہ رائج نہ تھا۔ تو سین (بریکٹیں) معروف نہ تھیں کہ تفسیری جملوں کو ان کے درمیان لکھ دیا جاتا یا الگ رنگ سے لکھ دیا جاتا۔ بعض روایات میں واؤ کے ساتھ 'وصلات العصر' اور بعض روایات میں واؤ کے بغیر 'صلوة العصر' کے الفاظ ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ اضافہ تفسیر کے قبیل سے ہے، اس کا کلام اللہ (قرآن مجید) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اس تفسیری جملے 'وصلات العصر' کو مصحف عثمان اور مصحف امام میں نہیں لکھا گیا کیونکہ مصحف امام میں صرف وہی کلام لکھا گیا ہے جس کا سیدنا جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عرضہ اخیرہ میں دور کیا تھا۔ تفسیرات و توضیحات وغیرہ کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حذف کر دیا تھا اور اس پر صحابہ، تابعین اور تمام مسلمانوں کا طویل زمانے سے اجماع چلا آ رہا ہے۔ اس وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ائمہ، قراء سبعہ، قراء عشرہ اور مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی مصحف عائشہ کے مطابق نہیں پڑھا۔

ہمارے ہاں حجت مصحف عثمان ہے۔ جس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ جسے سلف سے خلف نقل کرتے آ رہے ہیں اور وہ ضروریات دین میں سے ہے۔ مصحف عثمان سے جو کچھ بھی زائد ہے وہ تفسیر کا حکم رکھتا ہے۔ جیسے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں 'فصیام ثلثة أيام متتابعات' مکتوب تھا۔ اہل علم لفظ 'متتابعات' کو تفسیر ہی شمار کرتے ہیں۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے قسم کے کفارہ کی وضاحت کر کے ان الفاظ کا اضافہ کر لیا تھا۔ اگر سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ آج ہمارے اس دور میں ہوتے تو ضرور ان کلمات کو بین القوسین، اصل متن سے مختلف رنگ کے ساتھ یا حاشیہ پر لکھتے۔ لیکن اس زمانے میں ایسی کوئی شئی معروف نہ تھی۔ وہ اپنے قدرتی ملکہ سے ہی اصل متن اور تفسیر کو پہچان لیتے تھے۔ اسی لیے امت اسلامیہ نے ان تفسیرات کو کلام اللہ اور اصل متن شمار نہیں کیا۔ اصل مصحف اور اصل متن وہی ہے جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے جس کے بارے میں اللہ کا وعدہ ہے۔ ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبُطْلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ [فصلت: ۴۲] کائنات میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس کے خادموں کی تعداد کتاب اللہ قرآن مجید کے برابر ہو۔ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹]

[فضیلۃ الشیخ محمد یوسف قرضاوی رحمۃ اللہ علیہ]

[<http://www.burhanukum.com/article83.html>]

## علم قراءات کا ارتقاء

علم قراءت کی ابتداء پہلی وحی کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ جب سیدنا جبریل علیہ السلام لوح محفوظ سے اللہ کی کلام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ اس وحی کا پہلا کلمہ [اقْرَأْ] تھا۔ سیدنا جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت کی کیفیت و ادائیگی سکھائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن مجید نازل ہوا تھا اسی طرح اپنے صحابہ کرام کو سکھلایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی نمازوں اور اپنے گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہے۔ پھر انہوں نے اسے اپنی اولادوں اور ساتھیوں کی طرف منتقل کر دیا اور بعد میں آنے والے تابعین کو سکھلایا۔ یہاں تک کہ ہم تک پہنچ گیا۔

لیکن قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلفظ اور نطق میں عرب قبائل کے لہجات کا خیال رکھتے تھے۔ امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کر دیا۔ پھر عہد عثمانی میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کے مشورے سے قرآن مجید کے سات نئے تیار کیے جن کو مختلف اسلامی علاقوں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

اسلامی لشکر اپنے ساتھ قرآن اٹھائے ہوئے ہوتے تھے اور ہر جگہ اس کی تلاوت کیا کرتے تھے اور حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے نئے قبائل کو سکھلاتے تھے اور ہر گروہ اس کی ویسے ہی تلاوت کرتا تھا جیسے انہوں نے سنا ہوتا یا نقل کیا ہوتا یا وہ رسم عثمانی کے مطابق تلاوت کر لیتے تھے۔ چنانچہ مختلف شہروں کی قراءات بھی مختلف ہو گئیں۔ جیسا کہ ایک ہی لشکر میں متعدد قراءات پڑھنے والے ہوتے تھے۔

چنانچہ حفاظ اور قراء کرام اٹھ کھڑے ہوئے جنہوں نے قراءات کو دقت و تحقیق کے ساتھ ضبط کر دیا، قراءات کے اختلافات کو مدون کیا اور اسے آگے نقل کرنے لگے۔ ان قراء کرام میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی ایک قراءت اور اپنا ایک منہج اختیار کر لیا اور اپنے تلامذہ کو اسی کے مطابق پڑھانے لگے۔ وہ گویا کہ ایک مذہب اور طریق بن گیا جو قراءات کے نام سے معروف ہوا۔ چنانچہ سات قراءات میں سات قراء کرام مشہور ہو گئے اور ان کے ساتھ ساتھ مزید تین قراءات مشہور ہو گئیں جو پہلی سات سے کچھ کم مشہور ہیں۔ وجوہ نادرہ و شاذہ کو شمار کرنے سے مزید چار قراءات سامنے آئیں۔ نتیجے میں مکمل طور پر چودہ قراءات معروف ہو گئیں۔

پس قراءت: سے مراد وہ طریق یا مذہب ہے، جس پر ائمہ قراءات میں سے کوئی امام دیگر کی مخالفت کرتے ہوئے چلتا ہے۔ خواہ یہ مخالفت نطق حروف میں ہو یا نطق ہیئت میں ہو۔ اب ساری قراءات کسی نہ کسی امام اور مقلد کی طرف منسوب ہیں جن کی سند تو اتر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ثابت ہے۔

[دار الفتویٰ فی جمہور اللبنائیۃ]

[<http://www.darfatwa.gov.lb/content.asp?catid=49&divid=div1000&islam=1>]





## بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

ادارہ رشد کی خواہش تھی کہ ”برصغیر پاک و ہند میں تجوید قراءات کے آغاز و ارتقاء“ کے حوالے سے فرقہ وارانہ تعصبات سے بالاتر رہ کر تمام مکاتب فکر کی ہمہ جہت کوششوں کا ایک جائزہ پیش کیا جائے۔ قراءات نمبر اول و دوم میں برصغیر میں ایلحدیث اور دیوبندی قراء کرام کی تجوید قراءات میں خدمات کی تفصیل پیش کی گئی تھی۔ اس ضمن میں بریلوی مکتبہ فکر کے قراء و مجددین کی خدمات بھی قابل ستائش ہیں۔ زیر نظر تحریر میں جناب ڈاکٹر قاری محمد مظفر نے بریلوی مکتبہ کے کبار قراء کرام کی تجوید قراءات میں خدمات کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ جس سے بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں تمام مسالک کی مشترکہ مساعی جمیلہ سے آج یہ علم زندہ و تابندہ ہے۔ [ادارہ]

### حضرت قاری محمد طفیل نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

#### ولادت اور بچپن

”قاری محمد طفیل نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حاجی عبدالرحمن، حیدرآباد سندھ میں اُن کے وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔“

”اُن کی قبر ہالہ ناکہ حیدرآباد کے احاطے میں ہے۔ قاری صاحب کے دادا کا نام حاجی محمد حسین تھا جو امرتسر کی سبزی منڈی میں بیجوں کی تجارت کیا کرتے تھے اور جن کا گھرانہ دینی اور انسانی خدمت کے حوالے سے امرتسر میں ہمیشہ پیش رہا کرتا تھا۔“

”جد امجد حاجی اللہ رکھا رحمۃ اللہ علیہ، ”جنت المعلیٰ“ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ قاری صاحب بچپن میں ہی حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے مختصر عرصے میں قرآن پاک یاد کیا۔ اس وقت قاری صاحب کی عمر دس سال تھی۔ ابتدائی تعلیم قاری کریم بخش شاگرد محمد صدیق شبلی، قاری خدا بخش اور قاری ظفر علی کے شاگرد ہیں، سے حاصل کی روایت حفص عبدالرزاق لکھنوی سے حاصل کی۔“

#### تعلیم و تربیت

”جنگ جرمن (۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۱ء تک) کے عرصے میں قاری صاحب حرمین شریفین میں رہے اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرس شیخ حسن بن ابراہیم الشاعر سے روایت حفص کی تکمیل کی۔ قاری صاحب اپنے شاگردوں کو روایت امام حفص کی جو سند دیتے تھے وہ انہی کے واسطے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔“

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

”قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قراءات سبعہ، مدرسہ فخریہ عثمانیہ مکہ مکرمہ میں قاری محمد اسحاق سے پڑھیں، قاری مجیب الرحمن سے بھی استفادہ کیا۔ بقول قاری محمد سلیمان اعوان، قاری صاحب نے قراءات عشرہ کی تکمیل شیخ حسن بن ابراہیم الشاعر سے کی۔“

قاری صاحب نے اردو خطاطی منشی فیض محمد امترسری سے اور عربی خطاطی ”مدرسہ صولتیہ“ مکہ معظمہ کے قاری امین الدین سے سیکھی۔ فیروز سنز کے کاتب منشی عبدالرشید عادل گڑھی کے پاس بھی خط نسخ کی مشق کی۔ حدیث شریف علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ قاری صاحب اگرچہ کپڑے کی تجارت بھی کرتے رہے، چار پانچ سال آڑھت بھی کی تاہم ان کی توجہ تحصیل علم کی طرف بھی باقاعدہ رہی اور فراغت کے بعد قرآن کریم کی تدریس اور تلاوت میں مصروف رہے اور سینکڑوں حافظ اور قاری تیار کر کے دنیا سے رخصت ہوئے۔“

### تدریس کا آغاز

”قاری صاحب نے ابتداءً امترسری میں تجوید و قراءات کی تعلیم کے لیے مدرسہ قرآنیہ رحمانیہ قائم کیا۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۶ء تک جامع مسجد وزیرخان، لاہور میں رہے۔“

”قاری صاحب ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۶ء تک جامع مسجد وزیرخان لاہور میں نائب خطیب اور مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس عرصے میں غازی کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے دینی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ اسی دور میں جامع مسجد عید گاہ، گڑھی شاہو، لاہور (اب جامعہ نعیمیہ) کے خطیب حضرت مولانا سید امانت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہونہار بیٹے محمد یوسف کو قاری صاحب کے پاس لائے۔ قاری صاحب نے انہیں قرآن پاک حفظ کرایا اور ساتھ ہی خط نسخ (عربی رسم الخط) کی مشق کرائی۔ یہی بچہ بعد میں حافظ محمد یوسف سدیدی کے نام سے فن کتابت کی دنیا میں بے تاج بادشاہ کے طور پر مشہور ہوا اور کتابت کے فن شریف میں بے مثال شاہکار ثابت ہوا۔ قاری صاحب کے ایک دوسرے شاگرد سردار محمد امترسری کاتب نے اردو رسم الخط اور مصوری میں شہرت حاصل کی۔ مولانا عبدالرشید، راولپنڈی کے روزنامہ ”کوہستان“ اور ”تعمیر“ میں ہیڈ کاتب کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔“

### تلاوت قرآن اور نماز تراویح

”اللہ تعالیٰ نے انہیں (قاری محمد طفیل صاحب کو) سوز و گداز اور لحن و داؤدی کی نعمت عطا فرمائی تھی۔ آواز اتنی بلند کہ بڑے سے بڑے اجتماع میں لاؤڈ اسپیکر کے بغیر تمام حاضرین تک پہنچ جاتی تھی۔ انہوں نے بے شمار مذہبی اور سیاسی جلسوں میں قرآن پاک کی تلاوت کی۔ کئی سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آریہ سماج پشیم والا بازار، امترسری میں مسلمانوں اور آریوں میں مناظرے ہوتے۔ آریہ اپنے جلسے کا آغاز ہارمونیم اور طبلہ پر آرنی اُتار کر کرتے، مسلمانوں کے جلسے میں قاری صاحب تلاوت کرتے۔ قرآن کریم کی برکت اور قاری صاحب کی سحر انگیز آواز کا یہ اثر ہوتا کہ بہت سے آریہ مسلمان ہو جاتے۔“

”ڈپٹی عزیز الدین کے صاحبزادے شیخ عبدالجبار وکیل کی دعوت پر قاری صاحب امترسری سے لاہور تشریف لائے اور لاہور ریڈیو کے افتتاح کے موقع پر تلاوت کی۔ ۱۹۴۶ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں مسلم لیگ کا آخری جلسہ سید

ڈاکٹر قاری محمد مظفر

جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب بھی شریک تھے۔ اس اجلاس میں بھی قاری صاحب نے تلاوت کی۔ خطیب احرار حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر تھی۔ شاہ جی نے تقریر کرتے ہوئے کہا: ”کتنے افسوس کی بات ہے کہ اتنا عظیم قاری، اور کپڑے کی دکان پر بیٹھا ہوا ہے۔“ مختصر یہ کہ ان گنت اجلاسوں میں قاری صاحب نے تلاوت کی اور اپنے لحن داؤدی سے حاضرین کو مسحور کیا اور اُن پر وجد کی کیفیت طاری کر دی۔“

”انہیں پاک و ہند کے مختلف شہروں مثلاً دہلی، کلکتہ، مدراس، بمبئی، حیدرآباد دکن، بنگلور، میسور، لاہور، ملتان، حیدرآباد اور کراچی میں تراویح پڑھانے کا موقع ملا۔“

قاری صاحب نے حضرت علامہ محمد عبدالکلیم شرف قادری مؤلف ’عظمتوں کے پاساں‘ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

”فقیر کا ایمان ہے حریم شریفین کے درو دیوار فقیر کی تلاوت کی گواہی دیں گے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں نماز فجر کے بعد فقیر کے ساتھ کافی لوگ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے جاتے تو ہر مقام پر فقیر کی تلاوتیں گونج رہی ہوتیں، لہذا اس پاک سرزمین کے درو دیوار بھی فقیر کی سفارش فرمادیں گے۔ انشاء اللہ“ [تحریر ۱۲- اپریل ۱۹۸۲ء، حوالہ: عظمتوں کے پاساں، صفحہ نمبر ۱۳]

”قاری صاحب، حضرت مولانا محمد اسماعیل غزنوی امرتسری کے ہمراہ شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے محل میں گئے اور تلاوت کی۔ مدینہ منورہ میں معلم حیدر الحدیدی کے ساتھ گورنر مدینہ کے ہاں گئے اور تلاوت کی۔ اسی طرح شاہ فیصل کے سامنے جمعہ کے دن مسجد عباس، طائف میں تلاوت کی۔“

”مکہ معظمہ کے معلم، عمر اکبر نے ۱۹۳۰ء میں قاری صاحب کی اقتداء میں امرتسر میں نماز تراویح ادا کی تھی۔ مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی تو کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پنجاب کے رہنے والے بھی قرآن پاک پڑھنا جانتے ہیں۔“

قاری صاحب نے حضرت علامہ محمد عبدالکلیم شرف قادری کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا:

”مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قدیم باشندے فقیر کی تلاوت سن کر فخر کیا کرتے تھے کہ فقیر کی تلاوت عرب سن رہے ہیں، جو کہتے تھے کہ پنجابوں کو قرآن پڑھنا نہیں آتا۔“

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

[حوالہ: ’عظمتوں کے پاساں‘، صفحہ نمبر ۱۳، ۱۳۸]

## دارالعلوم قرآنیہ رحمانیہ کا قیام

”یہ ادارہ قیام پاکستان سے قبل امرتسر اور لاہور مسجد وزیرخان میں ۱۹۳۶ء تک قائم رہا۔ قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد میں اس ادارے کا قیام عمل میں آیا اور بے سروسامانی کی حالت میں محض اللہ پر توکل کرتے ہوئے شروع کر دیا گیا۔“

”۱۹۵۰ء میں قاری صاحب مسجد مائی خیر، فقیر کا پڑ، حیدرآباد کے متولی مقرر ہوئے تو دارالعلوم اس مسجد میں منتقل کر دیا۔ ۱۹۵۲ء میں قاری صاحب ملتان چلے گئے اور کپڑے کے کاروبار کے ساتھ ساتھ جامع مسجد پتروں والی میں تدریس شروع کر دی۔ اسی جگہ استاذ القراء قاری عبدالرحمن بلوچستانی رحمۃ اللہ علیہ نے قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

کرفن تجوید و قرأت میں کمال حاصل کیا۔ بعد میں پندرہ سال تک انوار العلوم ملتان میں طلبہ کو تجوید پڑھاتے رہے اور رمضان المبارک میں دورہ تجوید و قرأت کا اہتمام بھی کرتے رہے۔

”۱۹۵۸ء میں قاری صاحب پھر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ مسجد مائی خیری میں قائم دارالعلوم قرآنہ رحمانیہ باقاعدہ کام کرتا رہا اور قاری صاحب ہی اس کے مہتمم تھے۔ ۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف قائم ہوا، جس نے مسجد اور مدرسہ اپنی تحویل میں لے لیا۔ قاری صاحب کو اسٹیشن روڈ، حیدرآباد میں ایک وقف بلڈنگ مل گئی۔ ۵ مارچ ۱۹۶۲ء کو اس میں دارالعلوم قرآنہ رحمانیہ کا آغاز کر دیا۔“

”مدرسہ قرآنہ رحمانیہ اسٹیشن روڈ، حیدرآباد میں دیگر بہت سی مساجد میں فی سبیل اللہ قرآن پاک کی خدمت انجام دیتے رہے جن میں

① مسجد مائی خیری فقیر کا پڑ ② مسجد فتح محمد شاہ بخاری کھائی روڈ سرے گھاٹ

③ مسجد ایک مینار حنفیہ گرونگر تالاب نمبر ۳ اور ④ مسجد ریلوے پولیس لائن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔“

”قاری صاحب اپنے قائم کردہ مدرسہ میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے تھے، لیکن مولانا مفتی محمد محمود البوری رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر دارالعلوم رکن الاسلام حیدرآباد میں رہائش اختیار کی اور پچیس تیس سال کا عرصہ اپنے مدرسہ کے ساتھ ساتھ دارالعلوم رکن الاسلام میں بھی پڑھاتے رہے۔ ۱۹۸۴ء میں جناح مسجد، کراچی میں تشریف لے گئے اور تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔“

ڈاکٹر قاری محمد سلیمان اعوان آف سروہ راوی ہیں:

”استاد گرامی کو خوش نوہی کا ایسا ذوق تھا کہ جب میں ایران کے شہر تہران میں چہارمین دورہ مسابقات بین المللی حفظ و قرأت کریم میں شریک مقابلہ ہونے جا رہا تھا تو آپ جناح مسجد، برنس روڈ کراچی میں تجوید و قرأت پڑھاتے تھے، آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ ”ایران میں مشہور خطاط ہیں انہوں نے ”چہل احادیث“ کتابت کی ہیں، جب تم واپس آؤ تو میرے لیے ایک نسخہ پاکستان لیتے آنا۔“

”جب حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ہالینڈ تشریف لے گئے تو جناح مسجد، برنس روڈ، کراچی میں تراویح کے لیے اپنے استاد بھائی الحاج قاری محمد طفیل نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی جگہ پر مقرر فرمایا۔“

قاری صاحب نے ”مسجد نور“ کراچی، ”رحمانیہ مسجد“ طارق روڈ کراچی میں بھی اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں نبھائیں۔ وفات سے دو ماہ قبل ”الانہ مسجد“ رام سواری، نشتر روڈ کراچی میں تدریس شروع کی اور اسی جگہ داعی اجل کو لبیک کہا۔

## وصال مبارک

قاری صاحب کے صاحبزادے چوہدری آفتاب احمد آرائیں کا بیان ہے:

”عید الاضحیٰ کا موقع تھا، ہم لوگ ۸ ذوالحجہ کو والد صاحب کو گھر لانے کے لیے ”الانہ مسجد“ پہنچے تو آپ نے کہا کہ ”کل صبح ۹ بجے مجھے آکر لے جانا، دوسرے دن آپ نے فجر کی نماز ادا کی، وٹائف پڑھے اور کلام پاک کا دور فرمایا۔ اور جب ہم لوگ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کی روح نفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

”استاذ القراء قاری محمد طفیل نقشبندی کی وفات بروز جمعرات بتاریخ ۹ ذوالحجہ ۱۴۰۹ ہجری بمطابق ۱۳ جولائی ۱۹۸۹ء بوقت صبح ۹ بجے ہوئی۔ آپ کی میت بروز جمعہ بتاریخ ۱۴ جولائی ۱۹۸۹ء بمطابق ۱۰ ذوالحجہ ۱۴۰۹ ہجری یعنی عید الاضحیٰ

کے دن دوپہر ایک بجے مسجد بلال نزد پریڈی پولیس اسٹیشن صدر کراچی سے اٹھائی گئی اور نماز جنازہ ’الانہ مسجد‘ رام سوامی، نشتر روڈ کراچی میں بعد نماز جمعہ ادا کی گئی۔ جس کی امامت قاری محمد علی قصوری صاحب نے فرمائی۔ نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت فرمائی۔ آپ کو حسن اسکوائر، سرشاہ محمد سلیمان روڈ، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۱۲، سکیم نمبر ۲۱ کراچی کے نزدمنگوکوٹھ قبرستان میں رحمت الہیہ کے سپرد کر دیا گیا۔“

## ازواج و اولاد

”قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی کا نام خورشید بیگم ہے جو بہ عمر ۹۰ سال تاحال لاہور میں حیات ہیں۔ ان کے بطن سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں۔

① صاحبزادہ کیپٹن عمر فاروق جو پی آئی اے ٹریننگ کالج کے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہیں۔

② صاحبزادی بسم اللہ زوجہ عبدالحمید ہیں۔ یہ صاحبزادی درس و تدریس سے وابستہ ہیں اور ان کے شوہر پنجاب انجینئرنگ کالج کے پرنسپل ہیں۔“

”قاری صاحب کی دوسری زوجہ محترمہ کا نام مہر النساء تھا جنہوں نے ۱۹۵۸ء میں حیدرآباد میں وفات پائی اور ٹنڈو یوسف قبرستان میں مدفون ہیں۔ ان کے بطن سے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تولد ہوئی۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

- ① الحاج چوہدری محمد نواز (مرحوم) ② چوہدری مختیار احمد (مرحوم) ③ چوہدری آفتاب احمد  
④ حاجی چوہدری اعجاز احمد ⑤ حافظ سرفراز احمد ⑥ نجم النساء زوجہ ثار احمد“

## شاگردان رشید (تلامذہ)

”قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پڑھانے کے لیے وقت کی کوئی پابندی نہ تھی۔ دن ہو یا رات، جب بھی کوئی طالب علم حاضر ہوتا، اُسے فیض سے محروم نہ کرتے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے چند تلامذہ کے نام یہ ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے:

- ① قاری عبدالرحمن بلوچستانی ② قاری علی احمد روہتکی ③ حافظ محمد یوسف سدیدی  
④ قاری محمد اکرم ⑤ قاری غلام محمد ⑥ علامہ ڈاکٹر ابوالخیر صاحبزادہ محمد زبیر  
⑦ قاری محمد سلیمان اعوان ⑧ قاری خیر محمد چشتی ⑨ قاری محمد دین  
⑩ قاری محمود الحسن ⑪ قاری محمد اسحاق ⑫ قاری محمد رفیق اشرفی  
⑬ قاری بشیر احمد ملتانی ⑭ قاری محمد افضل ⑮ قاری محمد بخش ازہری  
⑯ قاری نور الحسن چشتی سریالی ⑰ قاری عبدالعزیز نقشبندی ⑱ قاری معین الدین بدایونی  
⑲ قاری خدا بخش ⑳ قاری خادم حسین چشتی ㉑ قاری عبدالغنی اولڈھم  
㉒ قاری عبدالرحیم ㉓ علامہ قاری محمد شریف ㉔ قاری عبدالرزاق  
㉕ قاری محمد ابرار ㉖ قاری نواز نجم بڈیانہ ㉗ قاری محمد ارشد  
㉘ پروفیسر قاری خان گل خان ㉙ قاری غلام جیلانی، بھکر ㉚ قاری شاہ نواز  
㉛ قاری غلام حسن ㉜ قاری مقبول احمد نقشبندی ㉝ قاری عبدالرشید اعوان

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

۳۳ قاری منیر احمد آرائیں ۳۴ قاری لعل حسین مدنی ۳۵ قاری چراغ دین اعوان

### قاری صاحب رحمہ اللہ کے نمایاں طور طریقے

”مولانا قاری محمد طفیل نقشبندی مجددی رحمہ اللہ، تواضع اور حسن اخلاق کا پیکر تھے۔ آپ کے شیدائی تلمیذ رشید، ڈاکٹر قاری محمد سلیمان اعوان سرو بہ اس ضمن میں اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”آپ صوم و صلوة کے زبردست پابند تھے، سنت کے مطابق گڑی زیب سر رکھتے، بالوں میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے۔ پوری زندگی فجر کی نماز کے بعد تین پارے دیکھ کر تلاوت فرماتے رہے۔ رمضان شریف میں سوا پارہ تدویر میں پڑھتے اور جامع مسجد، آزاد میدان، ہیر آباد، حیدر آباد میں تین روزہ تراویح میں پورا قرآن پاک ختم فرماتے تھے، رکن الاسلام میں روزانہ صبح ۸ تا ۱۲ بجے تیل اور تدویر میں طلباء سے تلاوت کراتے اور کتب تجوید زبانی پڑھاتے تھے۔ آپ کو دودھ سے خاص رغبت تھی حتیٰ کہ دورہ تجوید و قراءت میں ہر قاری کے لیے آدھا کلو دودھ مقرر فرماتے تھے اور اس کی یہ توجیہ فرماتے تھے کہ ”شب معراج میں رسول اکرم ﷺ نے سارے پیالوں میں سے دودھ کے پیالے کو پسند فرمایا، اس کے علاوہ جنت کے نیچے دو نہریں ہیں، ایک ہیجان اور دوسری سبحان، یعنی ایک دودھ کی اور دوسری شہد کی۔“

### حضرت علامہ قاری محمد یوسف صدیقی

نام و نسب

آپ کا نام محمد یوسف صدیقی رحمہ اللہ، بن مولانا پیر سید محمد حبیب صدیقی رحمہ اللہ ہے۔

ولادت

۱۷ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو ضلع مانسہرہ کے ایک گاؤں موضع ہاتھی میرا میں پیدا ہوئے۔

خاندانی وجاہت

آپ کے والد گرامی زبردست عالم دین تھے۔ فقہ و تفسیر میں انہیں گہرا شغف تھا۔ آپ کے چچا حضرت مولانا محمد صالحین ہزاروی رحمہ اللہ، اور خسر حضرت مولانا محمد ایاز رحمہ اللہ اپنے دور کے جید علماء میں شمار ہوتے ہیں، ایسے عظیم اور علمی خاندان میں حضرت قاری محمد یوسف صدیقی رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم مروجہ اور خاندانی روایات کے تحت گھر سے حاصل کی۔ فارسی اور عربی علوم و فنون اپنے بلند پایہ والد محترم سے حاصل کی جنہوں نے بڑی توجہ، محنت اور شفقت سے انہیں بالخصوص عربی کی تعلیم کے زیور سے آراستہ فرمایا۔ فقہ اور نحو کے اذق علوم بھی اپنے والد گرامی سے حاصل کئے۔

اعلیٰ تعلیم

مزید تعلیم کے حصول کے لیے مولانا صافی اللہ رحمہ اللہ، سوسل (اوگی ہزارہ) کی خدمت میں حاضری دی۔ چند برس ان

کی خدمت میں حاضر رہنے اور یہاں سے علم کے موتی چننے کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے۔ جہاں اس زمانے کی ممتاز علمی، روحانی اور سیاسی شخصیت جناب مولانا سید ابوالبرکات ڈھلے، علم و عرفان کی شمع روشن کئے ہوئے تھے۔ مولانا ابوالبرکات ڈھلے کی بلند پایہ شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ قاری محمد یوسف ڈھلے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس شاہین کی زبردست تربیت کرنے کی ٹھان لی۔ قاری صاحب ڈھلے نے بھی ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اُستاد شاگرد کی باہمی شفقت و محبت قابل دید تھی۔ مولانا ابوالبرکات ڈھلے ان کی ذہانت و فطانت اور دین سے گہرے شغف اور ان کی درویش صفت شخصیت کے بڑے مداح تھے۔ انہیں اپنے اس منفرد شاگرد پر بڑا فخر تھا۔ ان کے بعد مجاہد تحریک پاکستان مولانا عبدالغفور ہزاروی ڈھلے سے علمی فیض حاصل کیا۔

## علم تجوید کا حصول

علم تجوید کے حصول کے لیے قاری محمد یوسف ڈھلے نے اپنے دور کے ممتاز ترین اُستاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ ان کے اُستادائے گرامی میں جناب اُستاد القراء جناب قاری امیر الدین بجنوری، قاری محمد شاہ کراؤر اور جناب قاری سید حسن شاہ بخاری سرفہرست ہیں۔ قاری محمد یوسف صدیقی ڈھلے فی الحقیقت درویش صفت انسان تھے۔ خاندان میں وراثت کے طور پر انہیں جو کچھ ملا اور وہ چاہتے تو مالی اعتبار سے بہترین زندگی بسر کر سکتے تھے۔ مگر ان کی قلندرانہ جبلت اس طرف نہ آسکی۔ اُن کی تمنا تھی کہ دین کی خدمت کرتے ہوئے عمر بیت جائے۔ لاہور کی انجینئرنگ یونیورسٹی کی شاندار مسجد ان کی کوششوں کا خوبصورت مرقع ہے۔ آپ نے اُسے تعمیر کیا اور خاصا عرصہ یہاں امام و خطیب کے فرائض انجام دیئے۔

## تدریسی دور کا آغاز

۱۹۵۶ء میں انہوں نے کالج پورہ (لاہور) میں 'خدام القرآن' کے نام سے ایک خوبصورت مدرسہ قائم کیا۔ قرب و جوار کے متوسط اور معاشی طور پر تنگ دست لوگوں کی خدمت کرنے میں انہیں دلی خوشی ہوتی تھی۔ وہ نہ صرف لوگوں کے مذہب کی دولت سے مالا مال کرتے بلکہ اُن کی مالی امداد بھی کرتے۔ قاری محمد یوسف صدیقی ڈھلے نے کچھ عرصہ جامع مسجد چوک دا لکراں میں خدمات انجام دیں اور جامعہ نعیمیہ میں مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کے نائب کے طور پر بھی کام کیا۔ گوالمنڈی کی جامع مسجد تاج شاہ اور جامع مسجد انجن شید اس کے علاوہ جامعہ غوثیہ ون پورہ، جامعہ شمسہ فیض العلوم فیض باغ میں بھی درس قراءت دیتے رہے۔

## جامعہ صدیقیہ کا قیام

کیم اپریل ۱۹۶۳ء میں اُستاد القراء جناب قاری محمد یوسف ڈھلے نے لاری اڈہ لاہور کے بالمقابل بیرون مستی گیٹ میں ایک شاندار علمی مدرسے کی بنیاد رکھی جس کا نام آپ کے رفیق عزیز جناب علامہ عبدالنبی کوٹ ڈھلے نے خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے 'جامعہ صدیقیہ سراج العلوم' تجویز کیا۔ جہاں تجوید اور حفظ قرآن کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُن کی علمی اور روحانی شخصیت کے ناطے سے لوگ دھڑا دھڑاپے بچوں کو اس نابغہ روزگار کی درس گاہ میں داخل کرانے لگے۔ اس عظیم مدرسے میں حفظ اور فن تجوید پر خصوصی توجہ دی گئی اور آنے والے وقت میں یہ

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

ادارہ فن تجوید کا عظیم کا مرکز بن گیا۔ وہ لوگ جو جامعہ صدیقیہ سراج العلوم سے فارغ التحصیل ہوتے تو اس بات کا اظہار بڑے فخر اور محبت سے کرتے کہ ہم جامعہ صدیقیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔

## جمعیت علمائے پاکستان سے وابستگی

جمعیت علمائے پاکستان سے آپ کی گہری وابستگی تھی۔ آپ کے قریبی دوست مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالستار نیازی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اکبر ساقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ آپ کی امداد اور دعائیں حاصل کرنے کے لیے قاری یوسف صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جمعیت علمائے پاکستان میں آپ کا کردار نمایاں ہے۔ آپ جمعیت علمائے پاکستان کی کامیابی کے لیے ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

## ائمہ کرام کے کورس میں اوّل پوزیشن

آپ امام القراء تو تھے ہی لیکن اپنی علمی قابلیت کی بنا پر ۱۹۶۷ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے ائمہ کرام کے کورس میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔

## حج بیت اللہ کی سعادت

رب ذوالحجّال نے آپ کو ۱۹۷۶ء میں بعد میں ۱۹۸۶ء میں حج بیت اللہ شریف اور روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف نصیب فرمایا۔ (دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کے موقع پر آپ کی زوجہ محترمہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں)

## تصانیف

آپ عالم صفت قاری تھے اور اپنے علم میں اضافے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے فن تجوید و قراءت کے آپ رحمۃ اللہ علیہ اچھے استاد تھے۔ آپ کی تصنیف 'مقدمہ التجوید اور ضیاء التجوید' تجوید کے اسرار و رموز پر بہترین کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

## اولاد

آپ کے صاحبزادگان قرآن پاک کے نہ صرف حافظ بلکہ زبردست قاری ہیں جن کے اسماء یہ ہیں:

- ① صاحبزادہ قاری غلام مصطفیٰ صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ② صاحبزادہ قاری جمیل احمد مدنی
- ③ صاحبزادہ قاری احمد شکیل صدیقی ④ صاحبزادہ قاری احمد عقیل صدیقی
- ⑤ صاحبزادہ قاری وقاص احمد صدیقی

## تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت کثیر ہے چند مشاہیر درج ذیل ہیں:

- ① قاری غلام مصطفیٰ صدیقی ② قاری جمیل احمد ③ قاری شکیل احمد صدیقی
- ④ قاری عقیل احمد صدیقی ⑤ قاری محمد کرامت اللہ ⑥ قاری احمد دین
- ⑦ قاری محمد بخش کرمی ⑧ قاری محمد ریاض تونسوی ⑨ قاری سید مظفر حسین شاہ بخاری



- ۱۵) قاری غلام عباس  
۱۱) قاری محمد امین  
۱۲) قاری پیر عابد سیفی  
۱۳) قاری محمد اسماعیل  
۱۴) قاری محمد اکرم نظامی  
۱۵) پاکستان کے معروف قاری سید صداقت علی

## شخصی احوال

جمعیت علمائے پاکستان میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

## اندازِ تدریس

چونکہ حضرت قاری صاحب کو مسلک اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی میں امام القراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے آپ ماہر فن تھے اور آپ کا شمار نامور اساتذہ میں ہوتا تھا تو اسی لحاظ سے آپ کا اندازِ تدریس بھی بہت اعلیٰ تھا۔ آپ کا تدریس کا انداز سادہ اور بہت جامع ہوتا تھا ہر طالب علم آسانی آپ کی بات سمجھ جاتا تھا آپ کے ادارہ جامعہ صدیقیہ سراج العلوم میں نماز فجر کے بعد سے لے کر رات گئے تک پڑھائی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آپ مشق، حدیث، تدریس، قوانین اور اجراء وغیرہ ہر چیز پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔

## رحلت

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹/۱۱/۱۹۹۲ء کو وفات پائی اور آپ اپنے مدرسہ جامعہ صدیقیہ سراج العلوم میں مدفون ہیں۔ قاری غلام رسول صاحب، قاری برخوردار سدیدی صاحب، قاری کرامت اللہ۔

## شیخ القراء قاری غلام رسول صاحب لاہور

### نام و نسب

آپ کا نام غلام رسول بن الحاج محمد حسین صاحب ہے۔

### پیدائش

مئی ۱۹۳۱ء کو جی ٹی روڈ سلامت پورہ لاہور میں پیدا ہوئے۔

### ابتدائی تعلیم

ناظرہ اور پرائمری تک ابتدائی تعلیم آپ نے سلامت پورہ لاہور سے حاصل کی۔

### مڈل میٹرک

مڈل میٹرک گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول گنج منگلپورہ لاہور سے کیا۔

### علم تجوید و قرأت کی تکمیل

ابتداء میں آپ نے کچھ عرصہ استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب سے جامعہ تجوید القرآن کنڈی

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

گراں لاہور سے پڑھا اور پھر تجوید و قراءت کا مکمل کورس اُستاز القراء حضرت مولانا قاری عبدالملک صاحب سے جامعہ اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور سے مکمل کیا اور سند فراغت حاصل کی۔

## درس نظامی کی تکمیل

آپ نے درس نظامی کی تکمیل جامعہ حزب الاحناف سے کی ہے۔ جامعہ حزب الاحناف میں آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں:

اُستاز العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب، شیخ القرآن والحديث حضرت مولانا حافظ محمد عالم صاحب، استاذ العلماء حضرت علامہ منور علی شاہ صاحب، استاذ العلماء حضرت مولانا سید محمود احمد رضوی صاحب، استاذ العلماء شیخ القرآن والحديث حضرت مولانا سید ابوالبرکات شاہ صاحب۔

## فاضل عربی

آپ نے سینڈری ایجوکیشن بورڈ لاہور سے فاضل عربی کیا۔

## مقامات تدریس

آپ نے دورہ حدیث شریف کے دوران کچھ عرصہ جامعہ حزب الاحناف لاہور میں علم تجوید و قراءت پڑھایا۔ اس کے بعد آپ نے مسلسل ۱۳ سال جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں علم تجوید و قراءت کی تدریس کی اور تجوید و قراءت کے خوب جوہر لٹائے اور تجوید و قراءت کے طلباء اور کثیر تعداد میں شائقین نے آپ سے بھرپور استفادہ کیا۔ جامعہ نعیمیہ کے بعد آپ نے کنگ آٹو سٹور میکلوڈ روڈ لاہور کی عمارت کی ایک منزل پر تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور عرصہ ایک سال تک وہاں پڑھایا جہاں کثیر تعداد میں طلباء اور لوگوں نے آپ سے علم تجوید و قراءت سیکھا۔

## جامعہ تجوید القرآن کی صدر بازار لاہور میں تدریس

۱۹۵۹ء میں آپ نے صدر بازار لاہور کینٹ میں اپنا ادارہ جامعہ تجوید القرآن قائم کیا اور عرصہ دراز تک وہاں بڑی محنت شاقہ سے تدریس کے فرائض سرانجام دیئے ابھی بھی مختلف اوقات میں آپ تدریس فرما رہے ہیں۔ جب آپ وہاں باقاعدہ پڑھاتے تھے تو طلباء کی کثیر تعداد ہوتی تھی اور جامعہ تجوید القرآن تجوید و قراءت کے مثالی مدارس کی صف میں شامل تھا پورے پاکستان سے طلباء حضرت قاری صاحب کا شہرہ سن کر اس ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔

## جامعہ دارالقرآن نیوگارڈن ٹاؤن لاہور میں تدریس

۱۹۶۷ء میں اپنا ایک اور ادارہ نیوگارڈن ٹاؤن برکت مارکیٹ لاہور میں دارالقرآن کے نام سے قائم کیا یہ ادارہ بڑا عظیم الشان ہے اس ادارہ کی جگہ بڑی وسیع و عریض ہے اور مسجد و مدرسہ کی عمارت بہت وسیع، عظیم الشان اور دیدہ زیب ہے۔ یہ ادارہ رقبہ اور عمارت کے لحاظ سے لاہور کے بڑے اداروں میں شمار ہوتا ہے اس ادارہ میں حضرت قاری صاحب نے عرصہ دراز تک باقاعدہ پڑھایا۔ اور اب بھی آپ مختلف اوقات میں ادارہ ہڈا میں پڑھا رہے ہیں۔

## خطابت

ابتداء میں آپ جامع مسجد گوالمنڈی لاہور میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے اس کے بعد جامع مسجد اشرفیہ چوک سنت نگر لاہور میں پھر اپنے ادارہ کی مسجد، جامع مسجد نورانی ملحقہ تجوید القرآن صدر بازار لاہور کینٹ میں اور پھر اپنے ادارہ دار القرآن برکت مارکیٹ نیوگا رڈن ٹاؤن لاہور میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

## مدارس کا قیام

حضرت قاری صاحب کی آندرون و بیرون ملک بے شمار خدمات ہیں جس طرح اُن کی شخصیت عظیم ہے اسی طرح ان کے کارہائے نمایاں بھی بہت شاندار اور عظیم ہیں۔ انہوں نے عظیم الشان مدارس قائم کئے ہیں جن سے ہزاروں طلباء و طالبات تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور ہزاروں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کے مدارس کی تفصیل یہ ہے۔

- ① جامعہ تجوید القرآن، نورانی مسجد صدر بازار لاہور چھاؤنی۔ قائم شدہ ۱۹۵۹ء
- ② دارالقرآن جامع مسجد غوثیہ۔ ۷ سوک سنٹر نیوگا رڈن ٹاؤن لاہور۔ قائم شدہ ۱۹۶۷ء
- ③ مدرسہ تعلیم القرآن، سلامت پورہ لاہور۔ قائم شدہ ۱۹۷۳ء
- ④ صدر تجوید القرآن بالمقابل نیول ہیڈ کوارٹر اسلام آباد۔ قائم شدہ ۱۹۷۳ء

## تلامذہ

حضرت قاری صاحب کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے جن میں نامور قراء، قاریات اور بڑے بڑے علماء شامل ہیں جو آندرون و بیرون ملک دین حنیف کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ جو قراء و قاریات حضرات بیرون ملک خدمت دین میں مصروف ہیں ان کی تعداد دو صد کے قریب ہے چند مشاہیر تلامذہ کے اسماء درج ذیل ہیں:

- |                                    |   |
|------------------------------------|---|
| ① ڈاکٹر قاری محمد پونس، اسلام آباد | ② علامہ ڈاکٹر قاری محمد سرفراز نعیمی شہید لاہور |
| ③ قاری منظور احمد نعیمی            | ④ قاری محمد اکرم نعیمی                          |
| ⑤ قاری عبدالحفیظ اعوان             | ⑥ قاری محمد مدثر رسول (فرزند)                   |
| ⑦ قاری اللہ بخش نقشبندی            | ⑧ قاری محمد مبشر رسول (فرزند)                   |
| ⑨ قاری محمد مزمل رسول (فرزند)      | ⑩ قاری محمد صادق                                |
| ⑪ قاری عبد الغفار نقشبندی، ملتان   | ⑫ قاری محمد رمضان قادر                          |
| ⑬ قاری بشیر نسیم اعوان             | ⑭ قاری احمد خان باروی                           |
| ⑮ علامہ قاری غافر بخش              | ⑯ قاری اللہ بخش ورق                             |
|                                    | ⑰ قاری خادم حسین چشتی                           |

## اولاد

آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔

- ① قاری محمد مبشر رسول۔ صدر دارالقرآن کینیڈا
- ② قاری محمد مدثر رسول۔ ناظم اعلیٰ، دارالقرآن برکت مارکیٹ نیوگا رڈن ٹاؤن لاہور
- ③ قاری محمد مزمل رسول۔ یہ کینیڈا کے شہر کیلگری میں ہیں اور وہاں دینی مدرسہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

## صاحبزادیاں

آپ کی سات صاحبزادیاں ہیں جن میں سے تین فوت ہو گئی ہیں اور چار حیات ہیں۔ جن میں تین اپنے قائم کردہ مدارس میں شعبہ حفظ و تجوید و قرأت کی تدریس میں مشغول ہیں۔

## تصانیف

حضرت قاری صاحب نے اپنی بے پناہ مصروفیات جن میں درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور بیک وقت کئی کئی محافل میں تلاوت و نعت اور خطابات کے باوجود تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ دی اور ان کے لئے یادگار اور صدقہ جاری ہیں۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

① فن تجوید اور اس کی اہمیت۔ تصنیف کردہ ۱۹۶۳ء

② علم التجوید۔ تصنیف کردہ ۱۹۶۶ء محکمہ تعلیم میں منظور ہے۔

③ حاشیہ المقدمة الجزریہ۔ تصنیف کردہ ۱۹۶۷ء ④ اسوۂ خلیل۔ تصنیف کردہ ۱۹۵۹ء

⑤ ریاض الحجۃ۔ تصنیف کردہ ۱۹۶۱ء ⑥ سیرانی الارض۔ تصنیف کردہ ۲۰۰۹ء

آخر الذکر کتاب حضرت قاری صاحب کے بیرون ممالک دوروں پر مشتمل ہے۔ قاری صاحب نے جن جن ممالک میں جن جن مقامات پر تلاوت کی، نعت شریف پڑھی یا خطابات فرمائے ان سب کا تفصیلاً ذکر ہے۔

## خاندانی وجاہت

حضرت قاری صاحب کے والد گرامی جناب الحاج محمد حسین صاحب نہایت ہی عابد و زاہد اور صوم و صلوة کے پابند تھے اور شریعت مطہرہ اور سنت نبوت کے قیاس تھے اور وہ حضرت بابا جی محمد قاسم صاحب موہڑوی کے خلیفہ تھے۔ الحاج محمد حسین صاحب نے تین مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔

① اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ② اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ

③ اپنے بیٹے محمد طفیل صاحب کے ساتھ۔ سادہ مزاج اور درویش صفت انسان تھے، دینی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، عبادت و ریاضت اور تقویٰ کی وجہ سے اپنے قرب و جوار کے علاقہ جات اور احباب میں بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

## شخصی احوال

حضرت قاری صاحب کا قدر میاں ہے مگر جسم تندرست و توانا ہے، آپ باوقار اور باعرب شخصیت کے مالک ہیں، بہت غیور، خوددار، حق گو اور بہادر انسان ہیں بلکہ شجاعت و بہادری تو آپ کو ورثہ میں ملی ہے کہ آپ کے والد گرامی الحاج محمد حسین صاحب دینی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے اور حضرت قاری صاحب کے بڑے بھائی غازی محمد اسحاق شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا اور جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کی شہادت کا مختصر تذکرہ یوں ہے کہ مسلمانوں نے مسجد شہید گنج لٹڈا بازار لاہور کو سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لئے بھرپور تحریک شروع کی ادھر مسلمانوں کی تحریک زور پر تھی اور ادھر ہندوؤں اور سکھوں کی تحریک زور پر تھی تو مسلمانوں کی

تحریک کے عظیم مجاہد غازی محمد اسحاق شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دوران ایک سکھ پولیس والے کو خنجر گھونپ کر کرنی انبار کیا، پھر جیل میں رہے اور آپ کو پھانسی ہوئی جیل کی کوٹھڑی میں اور بوقت پھانسی اس عظیم مجاہد کے چہرے پر پریشانی نام کی کوئی چیز نہ تھی بلکہ آپ خوش تھے اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ مزید تفصیل کے لئے کتاب ”تحریک مسجد شہید گنج کے گمنام مجاہد غازی محمد اسحاق شہید رحمۃ اللہ علیہ“ کا مطالعہ فرما کر اپنا ایمان تازہ کریں۔

حضرت قاری صاحب سے مل کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اپنے بزرگوں اور آساتذہ کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ آپ عالم اسلام کے مایہ ناز قاری، بہترین مدرس اور عالم باہل ہیں، آپ کا انداز تدریس بہت خوبصورت اور عام فہم ہے۔ آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کی تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے اوصاف اور خوبیوں سے نوازا ہے، آپ بہترین خطیب، بہترین مصنف اور بلند پایہ نعت خواں ہیں۔ آپ کی تلاوت کا کیا کہنا اور پھر نعت شریف پڑھ دینا تو سونے پر سہاگہ ہے اللہ کریم نے آپ کو بہت خوبصورت اور سوز و گداز والی آواز عطا فرمائی ہے، آپ کا شمار قراء کے مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ جہاں تلاوت فرماتے ہیں اور نعت شریف پڑھتے ہیں مجمع عیش کر اٹھتا ہے۔ راقم نے قراء سے سنا ہے کہ جب حضرت قاری صاحب جوانی کے ایام میں کسی محفل میں تلاوت فرماتے یا اپنے شاگردوں کو مشق کرواتے تو لوگ چلتے ہوئے رک جاتے تھے جب تک حضرت کی تلاوت ختم نہ ہوتی لوگ وہاں سے ہلتے نہ تھے۔ آپ براہ راست اُستاز القراء حضرت قاری عبدالملک کے فیض یافتہ ہیں جن کی شاگردی پر قراء ناز کرتے ہیں۔ یہ آپ کیلئے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

اور دوسری بڑے اعزاز کی بات یہ ہے کہ حضرت قاری صاحب نے اپنے عالمی تبلیغی اور قرآنی دوروں پر مشتمل ایک کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام ہے ”سبیرا فی الارض“ اس کتاب میں انہوں نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے مصر کے عظیم شیوخ، الشیخ المقرئ محمود خلیل الحصری، الشیخ المقرئ محمد رفعت، الشیخ المقرئ مصطفیٰ اسماعیل، الشیخ المقرئ السید متولی عبدالعال، الشیخ المقرئ محمد صدیق المنشاوی، الشیخ المقرئ عبدالباسط، عبدالصمد کے ساتھ مختلف محافل میں مصر، پاکستان اور ملائیشیا میں اکٹھے تلاوتیں کیں ہیں یہ اُن کے لئے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔ حضرت قاری صاحب کے بے شمار اعزازات ہیں۔ جتنے اعزازات اور خدمات ملکی اور غیر ملکی سطح پر آپ کی ہیں۔ بہت ہی کم قراء عظام کی اتنی خدمات و اعزازات ہوں گے بڑے سائز کے دس صفحات پر آپ کی ملکی اور غیر ملکی خدمات و اعزازات کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت قاری صاحب کی خود تحریر کردہ کتاب جس کا نام ”سبیرا فی الارض“ ہے جو تقریباً ۴۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں آپ کے غیر ممالک میں تبلیغی اور قرآنی دوروں اور خدمات کا ذکر ہے جو عنقریب چھپ کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ آپ کا تعارف کروانا ایسے ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا، اصحاب علم و فضل آپ کو خوب جانتے ہیں، ملک پاکستان کے شہر شہر، قریہ قریہ، ہستی ہستی اور ریڈیو، ٹی وی پر آپ کی تلاوت، نعت اور خطبات کی آواز گونجتی رہی اور گونج رہی ہے۔ آپ کے فیض یافتہ اندرون و بیرون ممالک دین حنیف کی خدمات میں مصروف ہیں۔ اللہ کریم اس عظیم شخصیت کو صحت و سلامتی عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر قائم فرمائے اور دین حنیف کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ خلق خدا ان کی دینی خدمات سے فیض یاب ہوتی رہے۔

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

## فن تجوید و قراءت کے حوالے سے ملکی سطح پر خدمات و اعزازات

- \* ۱۹۶۱ء سے ریڈیو پاکستان پر ۱۹۶۳ء سے ٹیلیویشن پر قومی پروگرام میں تلاوت کے لئے A-1 کلاس قاری کے اعزاز حاصل کئے۔
- \* ۱۹۶۱ء میں ملتان میں کل مغربی پاکستان حُسن قراءت کے مقابلہ میں اوّل آنے والے تین قاریوں میں شامل ہیں۔
- \* ۱۹۶۱ء میں ریڈیو پاکستان سے روزانہ صبح تلاوت کلام پاک کرنے کے لئے پاکستان مقابلہ قراءت میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔
- \* یکم جولائی ۱۹۶۲ء میں دارالقرآن کراچی کے تحت کل پاکستان مقابلہ قراءت میں گولڈ میڈل حاصل کیا اور قرآن پاک کا نسخہ بدست سفیر ملا یا حاصل کیا۔
- \* ۱۹۶۳ء میں کل پاکستان مقابلہ قراءت برائے خواتین منعقد کیا جس سے خواتین میں قراءت کا شوق پیدا ہوا اور آج ہر سکول اور کالج میں مقابلہ قراءت قائم کیا جا رہا ہے۔
- \* ۱۱ مارچ ۱۹۶۵ء کو ریڈیو پاکستان لاہور کے لئے ٹرانسلیٹر اور ۱۹۔ اگست کو ریڈیو پاکستان لاہور کے نئے براڈ کاسٹنگ ہاؤس کے افتتاح کے موقع پر تلاوت کا شرف حاصل ہوا۔
- \* ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے دوران ریڈیو، ٹیلیویشن اور خود محاذوں پر خود جا کر متعدد بار قرآن پاک پڑھ کر مجاہدین کے حوصلے بڑھانے کے علاوہ تحائف دیتے رہے جس پر سرٹیفکیٹ حاصل کئے۔
- \* ۱۹۶۵ء میں ایجوکیشن کالج برائے خواتین میں سی ٹی اور بی ایڈ کی طالبات کو فن تجوید کی تربیت دینا شروع کی جو اساتذہ بن کر ملک کے مختلف علاقوں کے سکولوں میں اس فن عزیز کی خدمت کر رہی ہیں۔
- \* یکم جولائی ۱۹۶۶ء کو تاریخ میں پہلی مرتبہ بادشاہی مسجد لاہور میں کل پاکستان محفل قراءت منعقد ہوئی جس کا مکمل اہتمام ناچیز نے کیا۔
- \* ۹ فروری ۱۹۶۷ء متحدہ عرب جمہوریہ کے ممتاز قاری الشیخ محمود خلیل الحصرمی بندہ کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے ان کے ساتھ مصر کے قاری عبدالصمد قاری عبدالباسط کے علاوہ چھ اسلامی ممالک کے معروف قراء مختلف مقامات پر محافل قراءت میں شرکت کی۔
- \* ۱۹۶۸ء ہر سال مارچ میں جشن خیبر پشاور، جشن دولی بہاولپور، راولپنڈی، جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، شیخوپورہ، لاکپور، سرگودھا، قصور، بہاولنگر، پاکپتن شریف، بورے والہ، عارف والا، خانیوال، ملتان، ساہیوال، ہارون آباد، خانپور، حیدر آباد اور کراچی میں علاقائی جشن کے موقعوں پر سرکاری سطح پر منعقد ہونے والی محافل قراءت اور مقابلہ میں شرکت کی۔ مذکورہ شہروں اور اس کے علاوہ بھی دوسرے شہروں کے تمام کالجوں میں ہونے والی محافل قراءت اور مقابلہ قراءت میں شرکت و بحیثیت جج شرکت کی۔
- \* جولائی ۱۹۶۷ء میں گورنمنٹ کی طرف سے ناظرہ قرآن کورس منعقد ہوا جس میں ناظرہ قرآن کورس کمیٹی کا ممبر منتخب ہونے کے بعد ۶۶ ہزار معلمین، معلمات کو صحیح قرآن خوانی کی تربیت دینے کا شرف حاصل ہوا۔
- \* اکتوبر ۱۹۶۸ء میں پنجاب پبلک لائبریری بیت القرآن کا افتتاح میری تلاوت سے ہوا جس کا افتتاح گورنر مغربی پاکستان نے کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

- \* مارچ ۱۹۷۲ء میں صدر پاکستان نے لاہور میں تاریخی جلسہ کیا۔ جس کا اسی جلسہ اسی میدان کا نام تبدیل کر کے قذافی سٹیڈیم رکھا۔ اس عظیم المثل مجمع کی کارروائی ناچیز کی تلاوت سے ہوئی۔
- \* ۱۹۷۲ء سے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں بحیثیت قاری تقرر ہوا۔
- \* ۱۹۷۳ء میں نیشنل بک آپ کے لئے قراء کے انتخاب کے لئے قومی قراءت کا ممبر نامزد کیا گیا۔
- \* ۱۹۷۴ء میں اسلامی سربراہی کانفرنس میں افتتاحی تلاوت کی اور بادشاہی مسجد میں کانفرنس کے دن جمعۃ المبارک کے روز ۳۸ ملکوں کے سربراہوں کے رو برو ایک گھنٹہ تلاوت کی۔ جس سے شاہ فیصل پر وجد کی کیفیت طاری تھی۔
- \* ۱۹۷۴ء دسمبر قومی اسمبلی کے تاریخی اجلاس میں افتتاحی تلاوت کی، اس اجلاس میں قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا گیا۔
- \* ۲۴ دسمبر ۱۹۷۴ء کو علی ہجویری کے مزار کا صدر دروازہ سونے اور چاندی سے تیار کر کے لگایا گیا۔ اس تقریب میں افتتاحی تلاوت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔
- \* ۳ جنوری ۷۵ء قائد اعظم محمد علی جناح سیمینار پنجاب صوبائی اسمبلی صدر پاکستان نے کیا جسکی افتتاحی تلاوت کی۔
- \* ۱۹۷۶ء میں پاکستان میں پہلی بار عالمی سیرت کانگریس میں افتتاحی تلاوت کی۔
- \* ۱۹۷۸ء میں اہالیان فیصل آباد نے باسط ثانی کا خطاب اور ایوارڈ دیا۔
- \* مئی ۱۹۷۸ء میں جمعیت قراء سواد اعظم پاکستان کی سپریم کونسل کانگریس کا اعلیٰ منتخب ہوا۔
- \* جون ۱۹۷۸ء میں اکیس دن میں ترتیل سے پورا قرآن پاک شالیمار ریکارڈنگ کمپنی نے میری آواز میں ریکارڈ کیا۔
- \* ٹیلیویشن لاہور اسٹیشن نے مجھے ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء میں ٹی وی ایوارڈ پر نامزد کیا اور تعریفی سند دی۔
- \* ۱۹۸۴ء درس و تدریس کا پروگرام (آئیے قرآن شریف پڑھئے) ریڈیو پاکستان سے قومی پروگرام میں شروع کیا۔
- \* ۱۹ مئی ۱۹۸۵ء کو پاک اصلاحی کمیٹی قصور نے قرآنی خدمات پر بابا اٹھے شاہ ایوارڈ دیا۔
- \* ۱۸ اگست ۱۹۸۵ء پاکستان ٹیلیویشن ایوارڈ (برائے حسن قراءت)
- \* ۱۴ اگست ۱۹۸۵ء کو صدر مملکت نے صدارتی تمغہ حسن کارکردگی (برائے قراءت) کا اعلان کیا۔
- \* ۲۳ مارچ ۱۹۸۶ء صدارتی ایوارڈ۔
- \* ۲۷ نومبر ۱۹۸۶ء پاکستان ٹی وی کے پہلے قاری ہونے کے اعزاز میں گولڈ میڈل۔
- \* جنوری ۱۹۸۸ء ریڈیو، ٹی وی کا بہترین گریجویٹ ایوارڈ۔ منجانب کلچرل ایسوسی ایشن آف پاکستان گریجویٹس۔
- \* ۲۸ ستمبر ۱۹۹۲ء جماعت اہلسنت پاکستان کی طرف سے نعت کانفرنس جناح ہال گولڈن شیلڈ۔
- \* ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور صد سالہ تقریب پر ایوارڈ۔
- \* ۲۳ دسمبر ۱۹۹۲ء غریب نواز ایوارڈ خواجہ صاحب کے یوم پر (انحرہا ہال) انجمن سپاہ مصطفیٰ لاہور۔
- \* ۲۳ دسمبر ۱۹۹۲ء کلچر ایسوسی ایشن پاکستان گریجویٹس کی طرف سے دوسرا گریجویٹس ایوارڈ۔
- \* ۱۷ فروری ۱۹۹۳ء نواز شریف کالج حسن کارکردگی شیلڈ۔
- \* ۱۹ فروری ۱۹۹۳ء روزنامہ جنگ، ہمدرد کتب خانہ حسن کارکردگی شیلڈ ایوارڈ۔
- \* ۱۱ نومبر ۱۹۹۳ء روزنامہ جنگ کی طرف سے حسن کارکردگی برائے قراءت ایوارڈ۔

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

- \* ۲۹ دسمبر ۱۹۹۳ء گریجویٹ ریڈیو ایوارڈ۔
- \* جون ۱۹۹۴ء میں سید اقبال گیلانی ایوارڈ کمیٹی کی طرف سے بدست سید نسیم حسن شاہ صاحب، ریٹائرڈ چیف جسٹس پاکستان سے سے ملک اور بیرون ملک قرآنی خدمات پر ایوارڈ وصول کیا۔
- \* لائف اچیومنٹ ایوارڈ ریڈیو پاکستان ۲۰۰۰ء عطا کیا گیا۔

### فن تجوید و قراءت کے حوالے سے عالمی سطح پر خدمات و اعزازات

- \* ۱۹۶۳ء میں ملایا میں منعقدہ عالمی مقابلہ قرأت میں گولڈ میڈل اور سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔
- \* ۱۹۶۶ء ۲۱ جولائی تا ۲۹ ستمبر ادارہ اصلاح المسلمین کے نائب صدر کی حیثیت سے افغانستان، ایران، اردن، فلسطین اور شام کا پاکستان کی طرف سے غیر سرکاری خیر سگالی دورہ کیا، مسئلہ کشمیر میں پاکستان کی حمایت میں حاصل کی اور قرآن کریم سے عرب ممالک میں عربوں سے داد تحسین حاصل کی۔
- \* ۱۹۶۷ء میں ملایا میں منعقدہ عالمی مقابلہ قرأت میں قرآن مجید کا عظیم تحفہ اور سند حاصل کی۔
- \* ۱۹۶۹ء میں کوالالمپور (ملاییشیا) میں منعقدہ انٹرنیشنل مقابلہ قرأت میں گولڈ شیڈ اور سند حاصل کی۔
- \* ۱۹۷۶ء دسمبر تا جنوری ۱۹۷۸ء ایک سال کا چودہ ملکوں کا قرآنی دورہ کیا جس کے دوران برطانیہ، لیبیا، کویت، جدہ شریف، مدینہ طیبہ، بحرین اور دہلی میں قرآن سنٹر کھولے۔
- \* ۱۹۷۷ء میں ورلڈ اسلامک مشن یو۔ کے، کے شعبہ تجوید و قرأت کے صدر نامزد ہوئے۔
- \* ۸ جولائی ۱۹۷۹ء تا ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء برطانیہ، عراق، ناروے، سعودی عرب اور دوہا، قطر کا قرآنی دورہ کیا۔
- \* ۹ جولائی ۱۹۷۹ء تا ۲۲ فروری ۱۹۸۰ء ایس آر انٹرنیشنل کی دعوت پر برطانیہ میں مکمل قرآن حکیم مع انگلش ترجمہ ریکارڈنگ کرائی۔
- \* ۱۵ جولائی ۱۹۷۹ء برمنگھم (برطانیہ) میں نظام مصطفیٰ کانفرنس میں شرکت اور تلاوت کی۔
- \* ۲۷ نومبر ۱۹۷۹ء تا ۲۹ اپریل ۱۹۸۰ء زیر اہتمام ورلڈ اسلامک مشن بریڈن فورڈ برطانیہ میں علماء کو تجوید و قرأت کی کلاسیں قائم کیں۔
- \* ۱۴ فروری ۱۹۸۰ء لندن میں یو، ایم، او کے زیر اہتمام میلاد ڈنر میں شرکت اور تلاوت کلام پاک کی۔ جس کی صدارت برطانیہ کے ہوم منسٹر نے کی۔ ۲۶ فروری ۱۹۸۰ء آپ کی آواز میں ریکارڈ شدہ قرآن افتتاحی تقریب میں تلاوت کلام پاک کی۔
- \* ۹ اپریل ۱۹۸۰ء کو اسلامک کونسل فار یورپ کے زیر اہتمام ہتھر و ہوٹل لندن میں مسلم اقلیت کے جلسہ میں شرکت اور تلاوت کلام پاک کی۔
- \* ۱۵ تا ۱۷ اپریل ۱۹۸۰ء اسلامک کونسل فار یورپ کے زیر اہتمام The Prophet Mohammad ﷺ and his Message عالمی کانفرنس کی افتتاحی تقریب منعقدہ البرٹ ہال لندن میں تلاوت کی اور منعقدہ تمام اجلاس میں شرکت اور تلاوت کی۔
- \* ۱۳ مئی ۱۹۸۰ء وزیر اوقاف حکومت عراق کی دعوت پر لندن سے عراق کا دورہ کیا جہاں پر وزیر اوقاف سید نور الفیصل صاحب نے میرے لئے عراقی شہریت کا اعلان کیا۔



- \* ۳۰ مئی تا ۶ جولائی ۱۹۸۰ء ناروے میں مقیم مسلمانوں کی تنظیم جماعت اہل سنت کی دعوت پر تبلیغی دورہ کیا۔
- \* ۱۳ جون تا ۱۶ جون ۱۹۸۰ء میں ورلڈ اسلامک مشن کے زیر اہتمام ایمسٹرڈم میں تیسری عالمی کانفرنس میں تلاوت اور تقریر کے لئے شرکت کی۔
- \* ۱۷ جولائی تا ۱۲ ستمبر ۱۹۸۰ء زیارت حرمین شریفین وسعدت حج حاصل کی۔
- \* ۲۸ اکتوبر تا ۳۰ اکتوبر دوہا قطر کا دورہ کیا اور ٹی وی، ریڈیو پر تلاوت کی۔
- \* ۱۸ اگست ۱۹۸۱ء تا ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء حکومت عراق کی دعوت پر عراقی اور سعودی عرب کا دورہ کیا اس موقع پر اپنی آواز میں ریکارڈ شدہ مکمل قرآن پاک مع انگلش ترجمہ صدر صدام حسین کو پیش کیا۔
- \* ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء دمشق میں ہونے والے عالمی مقابلہ قرأت میں بحیثیت حج شرکت کی اس موقع پر اپنی آواز میں ریکارڈ شدہ مکمل قرآن مجید مع انگلش ترجمہ صدر حافظ الاسد کو پیش کیا۔
- \* ۱۸ دسمبر ۱۹۸۳ء تا ۱۷ جنوری ۱۹۸۵ء پاکستان سنٹر ابوظہبی میں کل یو، بی، آئی مقابلہ قرأت اور نعت خوانی میں بطور چیف جج مقرر کیا گیا اور متحدہ عرب امارت و دوہا قطر کا دورہ قرآن کیا۔ ٹی وی، ریڈیو پر تلاوت ریکارڈ کیں۔
- \* ۱۹ اگست ۱۹۸۵ء کوچ پر روانگی۔
- \* ۳۰ ستمبر ۱۹۸۵ء متحدہ عرب امارت اور دوہا قطر کا قرآنی دورہ۔ عرب امارات، دوہا اور قطر کے ٹی وی، ریڈیو پر تلاوتیں۔ محفل حمد و نعت ابوظہبی، شارجہ میں شرکت کی۔
- \* ۷ مئی ۱۹۸۶ء تا ۱۲ جون ۱۹۸۶ء متحدہ عرب امارات کا قرآنی دورہ
- \* ۸ دسمبر ۱۹۸۶ء تا ۲۷ دسمبر ۱۹۸۶ء متحدہ عرب امارات کا قرآنی دورہ۔
- \* ۲۸ دسمبر ۱۹۸۶ء تا ۱۰ جنوری ۱۹۸۶ء عمرہ شریف۔
- \* ۱۱ جنوری ۱۹۸۷ء تا ۱۷ جنوری ۱۹۸۷ء متحدہ عرب کا دورہ قرآنی۔
- \* ۱۸ جنوری ۱۹۸۷ء تا ۷ دسمبر ۱۹۸۷ء متحدہ عرب امارت کا قرآنی دورہ۔

### ① عالمی قرآنی دورہ

- \* ۷ دسمبر ۱۹۸۷ء تا ۱۳ مارچ ۱۹۸۸ء برطانیہ کا قرآنی دورہ کیا اور کل برطانیہ جمعیت قراء کی بنیاد رکھی۔
- \* ۱۵ مارچ ۱۹۸۸ء تا ۷ ستمبر ۱۹۸۸ء امریکہ اور کینیڈا کا قرآنی دورہ اور مکمل قرآن ریکارڈ کیا۔
- \* ۱۸ ستمبر ۱۹۸۸ء تا ۸ نومبر ۱۹۸۸ء برطانیہ قرآنی دورہ۔

### ② عالمی قرآنی دورہ

- \* ۹ نومبر ۱۹۸۸ء تا ۳ دسمبر ۱۹۸۸ء کویت، سعودی عرب، عمرہ شریف اور متحدہ عرب امارات کا قرآنی دورہ۔
- \* ۲۷ مئی ۱۹۸۹ء تا ۱۹ جون ۱۹۸۹ء کینیڈا کا قرآنی دورہ۔
- \* ۲۰ جون ۱۹۸۹ء تا ۱۱ جولائی ۱۹۸۹ء امریکہ قرآنی دورہ۔
- \* ۱۲ جولائی ۱۹۸۹ء تا ۲۲ اگست ۱۹۸۹ء برطانیہ کا قرآنی دورہ۔
- \* ۲۸ ستمبر ۱۹۸۹ء تا ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۹ء بغداد شریف حکومت عراق کی طرف سے قرآنی دورہ۔

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

### ③ عالمی قرآنی دورہ

- \* ۱۸ اپریل ۱۹۹۰ء تا ۱۶ اپریل ۱۹۹۰ء متحدہ عرب امارت کا مکمل قرآنی دورہ۔
- \* ۲۱ اپریل ۱۹۹۰ء تا ۱۱ جون ۱۹۹۰ء امریکہ میں مکمل قرآن ویڈیو کیا
- \* ۱۲ جون ۱۹۹۰ء تا ۲۶ جولائی ۱۹۹۰ء برطانیہ کا قرآنی دورہ اور صوت القرآن لائبریری کی بنیاد رکھی۔

### ④ عالمی قرآنی دورہ

- \* ۱۵ ستمبر ۱۹۹۱ء تا یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء متحدہ عرب امارت
- \* ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۱ء تا ۲۱ مئی ۱۹۹۲ء امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ کا عالمی قرآنی دورہ۔

### ⑤ عالمی قرآنی دورہ

- \* ۱۸ مارچ ۱۹۹۳ء تا ۷ جون ۱۹۹۳ء کینیڈا، امریکہ کا عالمی قرآنی دورہ۔
- \* ۸ جون ۱۹۹۳ء تا ۲۷ جون ۱۹۹۳ء برطانیہ کا قرآنی دورہ۔

### ⑥ عالمی قرآنی دورہ

- \* ۱۵ اگست ۱۹۹۳ء تا ۵ اکتوبر ۱۹۹۳ء کینیڈا، امریکہ کا قرآنی دورہ
- \* ۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء عالمی میلاد النبی ﷺ کمیٹی اور ورلڈ اسلامک مشن کینیڈا، امریکہ کی طرف سے ان ممالک میں قرآنی اور دینی خدمات پر ایوارڈ دیا۔
- \* ۴ اکتوبر ۱۹۹۳ء تا ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۳ء مصر اور سعودی عرب کا قرآنی دورہ اور عمرہ شریف و زیارت حرمین شریفین۔

### ⑦ عالمی قرآنی دورہ

- \* ۲۵ جنوری تا ۲۸ مئی ۱۹۹۴ء عالمی قرآنی دورہ متحدہ عرب امارت کینیڈا، شمالی امریکہ وغیرہ اور دارالقرآن کینیڈا INL کا قیام اور مورخہ ۷ مئی ۱۹۹۴ء کو ٹورانٹو کینیڈا میں دارالقرآن کینیڈا کی تعارفی تقریب کے موقع پر انٹرنیشنل قرآن کانفرنس منعقد کی اور ۲۹ جنوری ۱۹۹۴ء کو ٹورانٹو کینیڈا میں انٹرنیشنل محفل میں شرکت کی۔

### ⑧ عالمی قرآنی دورہ

- \* ۶ ستمبر ۱۹۹۴ء تا ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۴ء متحدہ عرب امارت، کینیڈا اور برطانیہ کا آٹھواں عالمی قرآنی دورہ کیا۔

## أستاذ القراء قاری محمد برخوردار احمد سیدی صاحب

نام و نسب

أستاذ القراء قاری محمد برخوردار احمد بن میاں اللہ داد صاحب رضی اللہ عنہ

## ولادت

آپ ۱۹۵۰ء کو ضلع سرگودھا تحصیل بھلوال کے ایک گاؤں عالم والا میں پیدا ہوئے۔

## ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں عالم والا میں حاصل کی۔ اس کے بعد قرآن کریم حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا تو مولہ میں داخلہ لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تقریباً اڑھائی سال کے عرصہ میں قاری محمد متاع صاحب سے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ تکمیل حفظ قرآن کے پروگرام میں آپ کے والد محترم میاں اللہ داد صاحب تشریف لائے۔ انتہائی خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حسب توفیق طلباء کی دعوت کی اور آساتذہ کرام کی مالی خدمت کی۔

## علم تجوید کی تکمیل

۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء میں جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو سے اُستاذ القراء قاری محمد امیر صاحب سے علم تجوید کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی اس کے بعد اُستاذ القراء قاری عبدالقیوم صدیقی صاحب اور اُستاذ القراء قاری عبدالوہاب کھی صاحب سے اس فن میں استفادہ کیا۔

## تدریس کا آغاز

آپ نے قاری محمد حیات صاحب کی معرفت رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور میں تدریس کا آغاز کیا۔

## قراءات سبعہ کی تکمیل

آپ نے شیخ القراء والموجودین قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قراءات سبعہ میں داخلہ لے لیا۔ اس طرح درس نظامی اور قراءات سبعہ کے اسباق ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

## امامت و خطابت

اسی دوران ۱۹۷۶ء میں جامع مسجد کریمیہ حسن پارک بلال گنج لاہور میں حضرت حاجی محمد علی صاحب کے فرمان کے مطابق امامت و خطابت کی خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔ ۷ نومبر ۱۹۷۶ء میں قراءات سبعہ کی تکمیل کی۔

## درس نظامی کی تکمیل

آپ نے اپنے استاذ محترم حضرت حاجی محمد علی صاحب کی معرفت جامعہ رضویہ فیصل آباد میں شیخ الحدیث حضرت غلام رسول رضوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور ۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء میں دورہ حدیث شریف مکمل کر کے جامعہ رضویہ فیصل آباد سے سند فراغت حاصل کی۔ اسی طرح آپ نے چوٹی کے علماء اہل سنت و جماعت سے علوم دینیہ حاصل کئے۔

## دوبارہ تدریس کا آغاز

قراءات عشرہ اور درس نظامی پڑھنے کے بعد اپنے اُستاذ حضرت مولانا محمد علی صاحب کے حکم پر جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج میں شعبہ تجوید و قراءات کی تدریس شروع کی اور تقریباً تین سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

## جامعہ کریمیہ سدیدہ کا آغاز

۱۹۸۲ء میں انجمن جامع مسجد کریمیہ نے اصرار کیا کہ آپ جامعہ رسولیہ شیرازیہ کی بجائے یہاں پر مدرسہ قائم کریں ہم ہر طرح آپ کے ساتھ تعاون کریں گے تو ان کے مسلسل اصرار پر آپ نے اپنے اُستاد محترم حضرت حاجی محمد علی صاحب سے اجازت طلب کی تو انہوں نے آپ کو بخوشی اجازت عنایت فرمادی اس طرح ۱۹۸۲ء میں جامعہ کریمیہ سدیدہ کا باقاعدہ آغاز کیا اور اسی سال مقامی طلباء کے علاوہ ۳۰ مسافر طلباء نے داخلہ لیا اور حُسن اتفاق سے پہلے سال ہی خواجہ غلام سدید الدین صاحب رُحِمَہُ اللہ تشریف لائے اور اپنے دو پوتے صاحبزادہ حافظ معظم الحق صاحب اور صاحبزادہ حافظ شمس الحق صاحب کو سب سے تجوید و قراءت میں داخل کروایا۔ حضرت خواجہ صاحب نے پہلے دو رکعت نفل ادا کئے۔ اُس کے بعد مدرسہ ہذا کی کامیابی و کامرانی اور ترقی کے لیے خصوصی دعا فرمائی، جامعہ کریمیہ کے ساتھ سدیدہ کا لفظ آپ ہی کی نسبت کی وجہ سے ہے۔ جامعہ ہذا میں شعبہ حفظ و ناظرہ کے علاوہ تجوید و قراءت، قراءات عشرہ اور ابتدائی درس نظامی کے شعبہ جات قائم ہیں۔ جامعہ ہذا علمی میدان میں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

## جامعہ معظمیہ للبنات کا قیام

حضرت قاری صاحب نے جامعہ کریمیہ سدیدہ للبنات حال ہی میں قائم کیا ہے جو آپ کی سرپرستی میں چل رہا ہے۔ اس ادارہ میں شعبہ حفظ و ناظرہ تجوید و قراءت اور درس نظامی کے شعبہ جات قائم ہیں۔

## اولاد

آپ کے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

## صاحبزادگان کے اسماء:

- ① حضرت قاری محمد عبداللہ ثاقب
- ② محمد عبدالرحمن
- ③ حافظ محمد طاہر
- ④ حافظ محمد طیب

## تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے چند مشہور درج ذیل ہیں:

- ① حضرت قاری محمد طیب
- ② حضرت قاری محمد عبداللہ ثاقب
- ③ ڈاکٹر قاری محمد مظفر
- ④ قاری محمد سلیم چشتی
- ⑤ قاری خدا بخش بصری
- ⑥ قاری اعجاز حسین قادری
- ⑦ قاری امجد اقبال مظہری
- ⑧ قاری محمد سیف اللہ سیفی
- ⑨ قاری محمد عثمان
- ⑩ قاری محمد یعقوب

## تصانیف

آپ نے ایک کتاب 'القول السدید فی علم التجوید'، تحریر کی ہے، جو اگرچہ ابتدائی ہے مگر بہت جامع،

عام فہم اور ترتیب کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے، تجوید کے طلباء اور شائقین کے لیے بہترین تحفہ ہے۔

## اُستاذ القراء قاری محمد کرامت اللہ نقشبندی

### نام و نسب

آپ کا نام محمد کرامت اللہ اور والد کا نام حاجی عطا محمد ہے۔ آپ کا تعلق اعوان قبیلہ سے ہے۔

### ولادت

۱۹۶۱ء کو چک ۲۱ شمالی تحصیل بھلووال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔

### حصول تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کی، ناظرہ قرآن مجید سے فراغت پائی اور کئی بزرگوں سے کسب فیض کیا ہے۔

### تکمیل حفظ القرآن

اُستاذ الحفظ قاری محمد یوسف صاحب سے جامعہ مقبولیہ نقشبندیہ گاؤں اللہ شریف تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم میں حفظ قرآن مکمل کیا۔

### تجوید و قراءت کی تکمیل

آپ نے تجوید و قراءت کا علم شیخ القراء والمجودین قاری محمد یوسف صدیقی صاحب رُٹلہ سے جامعہ صدیقیہ سراج العلوم بیرون مستی گیٹ لاہور سے حاصل کیا۔

### قراءت سبعہ کی تکمیل

قراءت سبعہ کی تکمیل استاذ القراء والمجودین قاری مظفر حسین شاہ صاحب رُٹلہ سے جامعہ صدیقیہ سراج العلوم بیرون مستی گیٹ لاہور سے کی۔

### قراءت ثلاثہ کی تکمیل

قراءت ثلاثہ کی تکمیل استاذ القراء والمجودین قاری حسن شاہ بخاری صاحب رُٹلہ سے جامعہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور سے کی۔

### درس نظامی

آپ نے درس نظامی کی تعلیم جامعہ نعمانیہ اندرون ٹیکسالی گیٹ لاہور میں درج ذیل اساتذہ کی زیر نگرانی حاصل کی۔

① شیخ الحدیث علامہ قاضی ارشاد الہی عصامی صاحب رُٹلہ ② علامہ مولانا محمد صدیق صاحب رُٹلہ

بریلوی مکتبہ فکر کے قراء کرام کی خدمات

۳ علامہ مفتی عبداللطیف جلالی صاحب رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ

## تدریسی خدمات

آپ نے فراغت کے بعد ۱۹۸۰ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک عرصہ ۱۶ سال تک جامعہ صدیقیہ سراج العلوم بیرون مستی گیٹ لاہور میں اپنے استاذ محترم شیخ القراء والکجو دین قاری محمد یوسف صدیقی صاحب رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی موجودگی میں اُن کے زیر سایہ تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ فرسٹ ٹائم آپ جامعہ صدیقیہ سراج العلوم میں پڑھانے اور سیکنڈ ٹائم جامعہ جماعتیہ حیات القرآن پاڑمنڈی لاہور میں پڑھاتے۔ ۱۹۸۲ء سے لے کر تاحال آپ اسی مدرسہ میں سیکنڈ ٹائم پڑھا رہے ہیں اور آج کل فرسٹ ٹائم آپ جامعہ خورشیدیہ قادریہ اقبال پارک بالمقابل گیٹ نمبر ۳ متصل لاری اڈا لاہور میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

## مدرسہ کا قیام

آپ نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہے جس کا نام جامعہ عربیہ اسلامیہ کرامت العلوم (برائے طالبات) شاہدرہ لاہور میں واقع ہے جس کی آپ سرپرستی فرما رہے ہیں۔

## امامت و خطابت

کوتوالی پولیس لائن نزد لنڈا بازار کی جامع مسجد میں سرکاری طور پر امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

## شخصی احوال

آپ کا قد درمیانہ ہے اور آپ باوقار شخصیت کے مالک ہیں۔ مضبوط حافظ، بہترین قاری اور بہترین مدرس ہیں اور حق گو انسان ہیں۔ آپ بہت غیور ہیں، سادگی اور عاجزی آپ کا شیوہ ہے۔ آپ ہمیشہ اپنے شاگردوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرتے ہیں اور اہل علم احباب کی بہت قدر کرتے ہیں۔ جہانمیدہ اور خوش طبع انسان ہیں آپ کا شمار مسلک اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی کے تجوید و قراءت کے ماہر اور نامور اساتذہ میں ہوتا ہے۔

## انداز تدریس

حضرت قاری صاحب کا انداز تدریس بہت خوبصورت ہے۔ کتب پڑھانے کا انداز بہت جامع اور عام فہم ہوتا ہے کہ کم صلاحیت رکھنے والے طلباء بھی بہت جلد اور آسانی سے سبق کو سمجھ جاتے ہیں۔ طلباء کی مشق پر توجہ فرماتے ہیں مگر بالخصوص حدر پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔ جتنی توجہ حضرت قاری صاحب طلباء کی حدر پر دیتے ہیں۔ بہت کم اساتذہ اتنی توجہ دیتے ہیں۔ حدر کے دوران طلباء کی ہر ادا پر توجہ رکھتے ہیں۔ طلباء کو تجوید کے مطابق قرآن پاک پڑھنے کی بہت سختی کے ساتھ تاکید فرماتے ہیں۔ بے شمار مساجد و مدارس میں آپ کے شاگرد دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ جن کے پڑھنے پڑھانے میں ان کے استاذ محترم کے فن کی جھلک نظر آتی ہے۔

## اولاد

آپ کے دو صاحبزادے محمد احسان اللہ اور محمد کلیم اللہ ہیں اور سات صاحبزادیاں ہیں۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ مگر چند ایک درج ذیل ہیں:

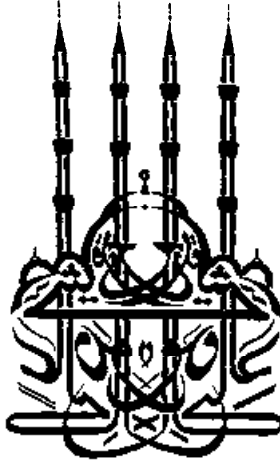
- |                         |   |                            |   |                           |   |
|-------------------------|---|----------------------------|---|---------------------------|---|
| قاری غلام مصطفیٰ        | ③ | قاری خدا بخش بصری لاہور    | ② | قاری فقیر احمد چشتی لاہور | ① |
| قاری محمد رمضان نقشبندی | ④ | قاری محمد عادل نقشبندی     | ⑤ | قاری محمد اعجاز سیالوی    | ③ |
| قاری محمد اکبر لاہور    | ⑨ | قاری محمد عامر خان انگلینڈ | ⑧ | قاری محمد یاسر انگلینڈ    | ⑤ |
|                         |   | قاری محمد اعظم وٹو         | ⑪ | قاری محمد زبیر            | ⑩ |

تصنیفی خدمات

آپ کی ایک تصنیف 'برکاتِ حرمین فی احکام التوجید' زیر طبع ہے۔



رشد



## پانی پت میں علم القراءت

’علم تجوید و قراءت‘ پاکستان میں چار سلسلہ ہائے سند سے منتقل ہوا ہے، جن میں خصوصاً پانی پت کے مشائخ قراءت (شیخ القراء قاری محی الاسلام عثمانی پانی پتی، شیخ القراء قاری فتح محمد اعلیٰ، شیخ القراء قاری رحیم بخش، شیخ القراء قاری طاہر رحیمی وغیرہ) نے جس طرح تدریس و تحریر کے ذریعے اُردو طبقہ میں اس علم کو منتقل کیا وہ پاکستان کی علمی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ماہنامہ رُشد کے صفحات میں اس سے قبل مختلف فقہی مکاتب فکر میں تجوید و قراءت کی نمائندہ شخصیات کا تعارف پیش کیا جا چکا ہے۔ پانی پتی سلسلہ تجوید و قراءت اگرچہ علیحدہ سے کوئی مستقل فقہی مکتب فکر نہیں لیکن ان کی جلیل القدر خدمات کی بنیاد پر ماضی بعید سے ہی ان کا ایک منفرد اور مستقل مقام موجود ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے انہی امور کے پیش نظر مشائخ پانی پت کی خدمات تجوید و قراءت کو زیر نظر مضمون میں موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کا یہ مضمون اس سے قبل ماہنامہ الحسن، لاہور میں شائع ہو چکا ہے، جسے معمولی قطع و برید کے بعد دوبارہ رُشد کے صفحات کی زینت بنایا جا رہا ہے۔

اس سلسلہ کے مشائخ قراءت کی خدمات جلیلہ کو موضوع بحث بناتے ہوئے ڈاکٹر قاری محمد طاہر، مدیر ماہنامہ التجوید نے بھی پاکستان میں عصری اور پانی پتی مکتبہ فکر..... ایک تعارف کے عنوان سے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ پاکستان میں علم تجوید و قراءت..... ماضی، حال، مستقبل سے انتخاب فرما کر ہمیں ایک مضمون ارسال فرمایا تھا لیکن مجلہ کی ضخامت کے پیش نظر ہم اسے شائع نہیں کر رہے۔ شائقین اس مضمون کو ادارہ کی ویب سائٹ [www.Kitabosunnat.com](http://www.Kitabosunnat.com) پر مطالعہ کر سکتے ہیں۔ [ادارہ]

اسلام دین رحمت ہے، یہ دین جہاں جہاں پہنچا، وہاں وہاں علم و فکر کی روشنی اور اُبدی مسرتوں کا پیغام بھی ساتھ گیا اور دکھوں اور پریشانیوں میں مبتلا انسانیت نے سکھ کا سانس لیا:

اللہ اے حسن دوست کی آئینہ دریاں اہل نظر کو نقش بہ دیوار کر دیا (جوش)

علم و فکر اور عقل و دانش کی یہی روشنی ہندوستان میں بھی پہنچی اور اس کی تابانیوں سے مندروں اور جہالتوں کی اس سرزمین کے سارے گوشے جگمگا اُٹھے اور ایک ایک قریہ اس کے جلووں سے دکنے لگا۔ آج ہماری گفتگو کا موضوع اور محور پانی پت یعنی سرزمین ہند کا ایک ایسا قریہ ہے، جو قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کے سبب، دنیائے علم و دانش کا چندے آفتاب و چندے ماہتاب بنا اور اس مادر علمی کے سلسلے میں نکلنے والے فرزند دنیا بھر میں تعلیم و تدریس قرآن کی



خدمت میں جریدہ عالم پر اپنی بقا کی تحریریں مثبت کر رہے ہیں یعنی:

### ثبوت است بر جریدہ عالم دوام ما

تاریخ ہند میں جو بھی خوفناک جنگیں لڑی گئیں، اُن کا مرکز بھی یہی شہر اور اس کا مضافاتی علاقہ رہا۔ بھارت کی تاریخ قدیم کی سب سے خوفناک جنگ کوروں اور پانڈوں کی لڑائی ہے جو اسی کے آس پاس کے میدانوں میں لڑی گئی..... جس میں لاکھوں انسان تہ تیہ ہوئے۔ مسلم عہد میں چھوٹی موٹی کئی جنگوں کے علاوہ سلطان ابراہیم لودھی اور سلطان ظہیر الدین بابر کے مابین ۱۵۳۲/۱۵۲۶ء میں گھسان کا معرکہ اسی میدان میں لڑا گیا۔ جس نے اگلی تین صدیوں تک کے لئے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ مغلوں کے حق میں لکھ دیا۔ [محمد میاں: پانی پت اور بزرگان پانی: ۴۳] سلطان جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں (۱۵۵۶/۱۵۶۲ء) ایک بار پھر، یہیں بساط جنگ کھچی، اس بار مغلیہ تاجدار کے بالمقابل نامور ہندو جرنیل ہیمو بقال تھا۔ اس مرتبہ بھی پانی پت کی سرزمین نے جلال الدین اکبر کے حق میں عزت و اقتدار کا اور ہیمو بقال کے حق میں ذلت و شکست کا فیصلہ لکھا۔ اس جنگ میں بھی یہ سرزمین لاکھوں انسانوں کے خون سے سیراب ہوئی۔

تیسری بار یہ سرزمین اس وقت شہیدوں اور مقتولوں کے لہو سے لالہ زار بنی جب ۱۷۱۵ھ/۱۷۱۶ء میں پانی پت کی آخری، مگر سب سے خوفناک جنگ لڑی گئی، جس میں مرد مجاہد احمد شاہ ابدالی کے مد مقابل مرہٹہ کا ٹڈی دل تھا..... اس جنگ میں بھی، میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ [محمود الحسن عارف، تذکرہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پت]

### تعلیم و تدریس قرآن کے مراکز

ان مادی اور گوشت پرست کی معرکہ آرائیوں کے ساتھ ساتھ، پانی پت کے انہی میدانوں میں شیطانی اور طاغوتی قوتوں کے خلاف بھی معرکہ آرائیاں جاری رہیں۔ جن کا سلسلہ اسی وقت شروع ہو گیا جب پانچویں صدی ہجری / گیارہویں صدی عیسوی میں کئی مسلم خاندانوں کے قافلے اس سرزمین پر اترے اور انہوں نے اس شہر کی آب و ہوا کو موافق پاکر، یہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ جن کا سلسلہ اب تک جاری رہا۔

یوں تو اس مردم خیر شہر سے شاہ بوعلی قلندر (۲۴۴ھ/۱۳۲۳ء)، شیخ شمس الدین ترک شاہ ولایت (۱۱۵ھ/۱۳۱۵ء) مخدوم الہند، شیخ جلال الدین میرالاولیا عثمانی جیسے شہرہ آفاق صوفی، قاضی، محمد ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) اور قاری عبدالرحمان انصاری پانی پتی جیسے محدث، علامہ اظاف حسین حالی اور نواب شاکر الدولہ جیسے ادیب اور عبد الرحمن کازردنی اور نواب لطف اللہ صادق تیمور جنگ سے مجاہد اور غازی پیدا ہوئے، لیکن اس کی شہرت کو چار چاند قراء اور حفاظ کی اس جماعت نے لگائے، جنہوں نے اس شہر میں تعلیم و تدریس قرآن کی ایک نئی روایت کی طرح ڈالی اور اس کو اکناف واقصائے عالم تک پہنچایا۔

### فن تجوید قرآن کی ابتداء

یوں تو مسلمان جب سے، اس شہر میں وارد ہوئے (پانچویں صدی ہجری / گیارہویں صدی عیسوی) اسی وقت سے یہ شہر علم و عرفان کا مرکز رہا، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی جب پیدا (۱۲۴۳ھ/۱۷۴۰ء) ہوئے، تو اسی شہر نے انہیں

پانی پت میں علم القراءت

ابتدائی تعلیم و تربیت مہیا کی۔ [ایضاً]

شعبان ۱۳۱۲ھ/۱۹۹۲ء میں جب حکیم عبداللہ مرحوم نے پانی پت کا سفر کیا تو وہاں ۱۱۴ مساجد، آٹھ سے زیادہ حفاظ اور تدریس قراءت کے متعدد مدرسے موجود تھے۔ [حکیم عبداللہ، دہلی اور اس کے اطراف: ۵۸]

پھر کر نگاہ چار سوٹھری اسی کے رو برو اسی نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا یہاں تدریس قرآن کے حوالے سے جو ایک تحریک پیدا ہوئی اسے اپنے اثرات کے اعتبار سے پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ تفصیل اس طرح ہے۔

### دورِ اوّل ..... دورِ تاسیس

قاری مصلح الدین عباسی پانی پت میں اس روایت کے موسم ہونے کا شرف رکھتے ہیں، انہیں یہ منزل مدینہ منورہ سے ملی، قاری عباسی صاحب مدینہ منورہ کیسے پہنچے؟ اس کا سبب محض ایک اتفاق ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین پہنچنے کے واقعے سے بڑی مماثلت رکھتا ہے۔ اور اگر دنیا کی علمی، سیاسی اور معاشی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو اکثر و بیشتر، اتفاقی حوادث ہی بڑے بڑے واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہوئے ہیں۔

قاری صاحب کے زمانے میں پانی پت میں شب معراج کے موقع پر آتش بازی کے مقابلے ہوتے تھے، قاری مصلح الدین عباسی بھی آتش بازی کے ان مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ان کے ہاتھ سے ایک شخص مہلک طور پر زخمی ہو گیا۔ قاری صاحب اس سے اتنے خائف ہوئے کہ وہ کسی نہ کسی طرح چھپتے چھپاتے حجاز مقدس پہنچ گئے، وہاں ایک نوجوان محمد نسیم رام پوری سے ملاقات ہوئی۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اس آدم کو بمقصد بنانا چاہیے، چنانچہ انہوں نے شیخ القراء قاری عبید اللہ مدنی سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ قاری عباسی اگرچہ بچپن میں قرآن حکیم حفظ کر چکے تھے، لیکن فن تجوید و قراءت سے نا آشنا تھے ”الغرض انہوں نے ۱۵ سالوں میں سبقاً پورے قرآن کریم کو قاری عبید اللہ مدنی سے پڑھا۔ پھر جب اپنے مضمون پر حاوی ہو گئے تو وطن واپس لوٹے اور پانی پت میں قرآن کریم کی تعلیم و تدریس شروع کر دی۔ آپ کی تعلیم و تربیت مروّجہ طریقہ سے ہٹ کر تھی، اس لیے آپ سے بہت تھوڑے لوگوں نے فیضان حاصل کیا، جو لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے ان میں ان کے بیٹے قاری عبید اللہ المعروف قاری لالہ اور ان کی صاحبزادی فضیلتہ النساء عرف بی بی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

آپ کے دوسرے شاگردوں میں حافظ محمد زبیر پانی پتی (۱۱۸۰ھ، ۱۷۶۶-۱۷۵۷ء، ۱۸۳۱ء) قاری قادر بخش پانی پتی کے چھوٹے بھائی اور قاری عبد الرحمن محث کے والد (پیدائش ۱۱۹۷ھ) حافظ اکرام اللہ انصاری، پانی پت کے ایک ذی وجاہت زمیندار (م ۱۱۹۹ھ/۱۲۰۰ء، ۱۷۸۵ء) قاری احمد انصاری پانی پتی (م ۱۲۰۰ھ/۱۲۸۰ء) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

یہاں ایک دلچسپ واقعہ کا تذکرہ مناسب ہوگا، قاری صاحب کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ قاری مصلح الدین عباسی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے، قاری لالہ کے ہمراہ اپنے دوست قاری محمد نسیم رام پوری سے ملنے کے لئے راپور گئے۔ تو قاری نسیم رام پوری رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اجی حضرت یہ تو فرمائیے کہ مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد، پانی پت میں قرآن کی کتنی خدمت کی؟ قاری مصلح الدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے اس عرصے میں آپ کے بھتیجے (قاری

بک

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

لالہ) اور اس کی بہن (فضیلۃ النساء) اور اس کے علاوہ پانچ سات آدمیوں کو قراءت سکھائی ہے۔ یہ سن کر قاری نسیم بولے، افسوس تو نے اپنی عمر بے کار ضائع کر دی میں تو اس عرصے میں صد لوگوں کو قرآن پڑھا چکا ہوں۔ یہ الفاظ سن کر قاری مصلح الدین رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔

اگلے دن قاری نسیم رام پوری رحمۃ اللہ علیہ نے رامپور کے معززین کو مدعو کیا۔ جب وہ آگئے تو اپنے دوست قاری مصلح الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کرایا۔ ان کے صاحبزادے قاری لالہ سے کہا، برخوردار کوئی رکوع سناؤ، تاکہ تمہارے والد کی محنت کا اندازہ ہو سکے۔ قاری لالہ نے تلاوت شروع کی تو حاضرین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب وہ تلاوت ختم کر چکے تو قاری نسیم اٹھے، قاری لالہ کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: میرا اب تک یہ خیال تھا کہ میں نے قرآن کی بہت خدمت کی ہے، لیکن اب قاری لالہ کی تلاوت سن کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قرآن کی اصل خدمت تو قاری مصلح الدین عباسی نے کی ہے، میں نے تو اپنی تمام عمر ضائع کر دی۔ میرے صد شاگردوں میں سے مجھ جیسا پڑھنے والا، ایک بھی نہیں اس کے برعکس، قاری مصلح الدین عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے، قاری لالہ موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا پڑھایا کہ وہ ہم دونوں پر سبقت لے گیا۔

### دوسرا دور..... قاری لالہ کی خدمات

قاری مصلح الدین عباسی..... پانی پتی کی اس روایت کے بانی اور مؤسس ضرور ہیں، لیکن اس روایت اور اس اسلوب کی اشاعت کا شرف ان کے صاحبزادے، قاری لالہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا، ان کے والد محترم چونکہ ان کے استاد اور مربی بھی تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے اس نوجوان صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کچھ اس انداز سے کی، کہ وہ آئندہ دور میں شیخ القراء بنے اور ان کی شہرت نے پورے ہندوستان کو متاثر کیا۔

ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ پندرہ برس کی عمر تک روزانہ ان کے گلے پر جلوہ باندھا جاتا تھا، اور بیس سال کی عمر تک ان کے لئے ہر قسم کی ترش اشیاء ممنوع تھیں۔ حتیٰ کہ پیٹھے آم بھی، ان کے والد محترم کچھے بغیر ان کو نہ کھانے دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے والد محترم نے انہیں کشتی، پٹہ، بنوٹ، تیر اندازی، گھڑ سواری اور دوسری مردانہ کھیلوں اور جسمانی ریاضتوں کی بھی خوب مشق کروائی۔ (دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے یہ واقعہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں اکیلے قاری لالہ ہی نہیں۔ اکثر علماء اور فقہاء مجاہدانہ ریاضتوں کے وصف سے متصف تھے۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید قدس سرہ کی جسمانی ریاضتوں کے واقعات سے کون نابلد ہے۔ ہمارے دینی مدارس کو اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔)

جس کے نتیجے میں ان کی آواز میں اتنا سوز اور اتنی عمدگی پیدا ہو گئی کہ جب وہ تلاوت فرماتے تو درودیوار پر بھی ایک کیفیت طاری ہو جاتی، انہوں نے ۱۲۶۰ھ کو بھوپال میں انتقال فرمایا۔

### تیسرا دور

پانی پتی انداز تدریس کے اس دور میں جن بزرگوں نے خدمات انجام دیں، ان میں قاری نجیب اللہ عثمانی انصاری، قاری قادر بخش انصاری، قاری کبیر الدین، قاری عبدالرحمن انصاری محدث پانی پتی اور قاری محمد پانی پتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

قاری نجیب اللہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ القراء قاری خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور حافظہ رحیم النساء رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے، یعنی ان کی والدہ اور ان کے نانا دونوں پانی پت کی اس روایت کے گل گلستان تھے۔ اس لیے وہ اس روایت کے امین اور وارث بنے۔ انہوں نے اس علم کو گود سے سیکھا اور لحد تک جاری رکھا۔ وہ اپنے نانا قاری قادر بخش کی جگہ قلعہ معلیٰ میں جانشین بنے اور دہلی میں ۱۳۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔

تیسرے دور میں تعلیمی اور تدریسی خدمات انجام دینے والوں میں دوسرا نام قاری کبیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ کرنال میں ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں پانی پت آگئے۔ قادر بخش نے جوہر قابل دیکھ کر، ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی اور انہیں اپنے ساتھ قلعہ معلیٰ لے گئے، انہوں نے بارہ برس مفردات کی مشق کرائی یہی وجہ تھی کہ آپ نے تجوید میں امامت کا درجہ اور مقام حاصل کیا اور ۱۳۰۶ھ میں انتقال فرمایا۔

اسی دور میں تیسرا نام شیخ القراء مولانا قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو قراءت و تجوید کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ علم التفسیر اور علم الحدیث میں بھی مقتدائے عوام و خواص تھے، ان کی پیدائش ۱۲۲۷ھ میں پانی پت میں ہوئی۔ انہوں نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے مولوی رشید الدین خان اور مولانا مملوک علی نانوتوی سے علوم عربیہ، منطق، فقہ، بیان، اصول اور ریاضت پڑھے اور امام الدین نقشبندی امر وہی سے شعبہ قراءات میں باقاعدہ جمع الجمع طریقے سے تلاوت فرماتے، انہیں نحو، قراءات اور تفسیر وغیرہ میں ممتاز درجہ حاصل تھا۔ جب آپ تلاوت فرماتے، تو سامعین پر عجب محویت طاری ہو جاتی، آپ کا طرز بیاں اس قدر سادہ اور عام فہم تھا کہ دس برس کے بچے بھی مضمون کو آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔

علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس کے علاوہ نماز مغرب اور عشاء کے درمیان تجوید اور روایت حفص کی تعلیم دیتے، اس طرح انہوں نے کم و بیش ساٹھ برس تک درس قرآن کا وعظ فرمایا۔ عورتوں کی دینی تعلیم اور شرعی مسائل میں رہنمائی کے لئے مکان کے ایک حصے میں ہر وقت پردہ بڑا رہتا جس کے پیچھے بیٹھ کر عورتیں مسائل دریافت کیا کرتیں۔ مولانا اظاف حسین حالی نے ان کے مواعظ کی بڑی تعریف کی ہے۔ (اس مضمون کی تیاری میں خصوصی طور پر اردو ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مضمون قاریوں اور درویشوں کا شہر پانی پت، سے مدد لی گئی ہے۔)

### چوتھا دور

پانی پت روایت اور اسلوب تدریس کا چوتھا دور قیام پاکستان ۱۹۴۷ء تک جاری رہا، اس دور میں پانی پت کی روایت اور وہاں کا اسلوب تدریس، ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں پھیل گیا اور اس اسلوب تدریس اور انداز تلاوت کو دوسروں سے متمیز کیا جانے لگا۔ اس دور میں جن لوگوں نے تدریسی اور تعلیمی خدمات انجام دیں ان میں قاری عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ، مولوی عبدالسلام انصاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۶ھ) قاری عبدالعلیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۹۱ء)، مولانا قاری ابو محمد محمدی الاسلام عثمانی اور قاری حافظ محمد اسماعیل پانی پتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

قاری حافظ عبدالرحمن اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ، جنہیں شیخ الفرقان ثانی بھی کہا جاتا ہے، ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۶ء میں موضع ماہڑی ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں کسی طرح پانی پت پہنچ گئے۔ ان کی بے جا چارگی دیکھ کر قاری نجیب اللہ عثمانی نے ان کی سرپرستی کی اور بڑی محنت اور توجہ سے قرآن پڑھایا۔ قاری عبدالرحمان محدث سے قرآن پڑھا اور سب سے قراءت

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

سیکھیں۔ اس فن میں مزید مہارت کے لئے عرب کا بھی سفر اختیار کیا۔ انہیں مشہور کتب فنون اس خوبی کے ساتھ یاد تھیں کہ کتاب کا صفحہ اور باب تک بتا دیتے تھے۔ بہت سی کتابوں کا ذخیرہ ان کے پاس جمع رہتا تھا۔ انہوں نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں ۶۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

اس دور کے بڑے قاری مولوی عبدالسلام انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو قاری عبدالرحمان محدث کے تیسرے صاحبزادے تھے ۱۲۷۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ اپنے والد محترم قاری عبدالرحمان محدث کے شاگرد اور ان کے جانشین تھے۔ بہت سے لوگوں کو اپنا علمی فیضان منتقل کیا۔

اس دور کا تیسرا نام قاری عبدالکلیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، ولادت ۱۲۸۴ھ/۱۸۷۶ء میں اور وفات نواح ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں ہوئی۔ دس برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ قراءت و تجوید میں مہارت تامہ حاصل کر کے دہلی کے حکیم حاذق الملک حکیم اجمل خان سے طب سیکھی۔ صبح کو مطب کرتے اور پھر سارا دن طلبہ کو قرآن پڑھاتے۔ انہوں نے ۵۴ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

اس دور کا سب سے معروف اور قابل ذکر نام قاری ابو محمد حنی الاسلام عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابو محمد حنی الاسلام بن قاضی محمد مفتاح الاسلام بن مولوی محمد بدر الاسلام۔ وہ پانی پت میں (۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) میں پیدا ہوئے۔

آپ نے قاری عبدالرحمن اُعی سے قرآن حفظ کیا اور کئی علمائے کرام سے تحصیل علم کی۔ ان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند مکمل طور پر چھپ گئی ہے۔ عمر کے ۷۰/۷۱ برس انہوں نے پانی پت میں بسر کیے۔ بعد میں وہ اڈاکاڑہ میں مقیم ہو گئے، یہیں انہوں نے (۱۳۷۳ھ/۱۹۵۲ء، ۱۹۵۳ء) میں انتقال فرمایا۔

قاری ابو محمد حنی الاسلام عثمانی کی خدمات کی فہرست بہت طویل ہے۔

جن میں قراءت عشرہ کی برسہا برس تک تدریس کے علاوہ مشہور تفسیر، تفسیر مظہری کی طباعت، بھی شامل ہے۔ قاری ابو محمد حنی الاسلام عثمانی ہی نے اس کا مکمل متن تیار کیا اور اس کی چند جلدیں مکمل کر کے شائع کیں۔ (اس کے حواشی 'خصوصاً' قراءت عشرہ کے اعتبار سے تفسیر پر نظر ثانی اہم کام بھی قاری صاحب نے ہی مکمل کیا۔)

## پانچواں دور قیام پاکستان کے بعد کی صورت حال

۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا تو پانی پت سے بھی ہزاروں خاندان نقل مکانی کر کے پاکستان آ گئے۔ مہاجرین کے ان قافلوں میں بہت سے پانی پت کی روایت کے اُمین قراء اور حفاظ بھی شامل تھے۔ جنہوں نے یہاں آ کر، اسی انداز تدریس اور اسی اُسلوب تلاوت کو اپنایا، چونکہ ان کے دلوں میں خلوص اور عمل میں محنت و کاوش کا جذبہ شامل تھا اسی لیے یہاں آ کر اس تحریک کو بہت پذیرائی ملی۔ اس پذیرائی کے پیچھے سب سے زیادہ ہاتھ قاری فتح محمد اُعی اور ان کے نامور شاگرد قاری رحیم بخش صاحب ملتانی کا ہے۔ اوّل الذکر قاری ابو محمد حنی الاسلام عثمانی پانی پتی کے شاگرد رشید تھے۔ ان کی ولادت پانی پت کے قریب ایک قصبے میں ہوئی۔ بچپن ہی میں کس عارضے کے سبب ان کی بینائی جاتی رہی، لیکن ان کا حافظ بے حد قوی تھا۔ وصال سے پہلے وہ مدینہ منورہ چلے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

پاکستان میں اس روایت کی اشاعت اور اس کی مقبولیت کا سہرا قاری رحیم بخش ملتانی کے سر ہے۔ جن کے ذریعے

## برصغیر کے عظیم قراء کا تعارف اور ایمان پر ور واقعات

### تعارف حضرت قاری فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم مبارک فتح محمد والد کا نام محمد اسماعیل، دادا کا نام اللہ دیا اور پردادا کا نام جناب نور محمد ہے۔ والدہ کا اسم گرامی نعمت بی بی ہے۔ وطن مالوف پانی پت ضلع کرنال ہے حضرت کا تعلق آرائیں برادری اور خاندان سے ہے۔

### ولادت

۱۱/۱۲/۱۲۳۲ھ یقیناً ۱۳۲۲ھ بمطابق ۳۱ جنوری ۱۹۰۴ء میں اپنے وطن پانی پت کے محلہ راعیاں عرف آرائیاں چوڑا کنواں پہنچ بستی میں پیدا ہوئے۔ ابھی ڈیڑھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ چچک نکلنے کے سبب قضاء الہی سے نابینا ہو گئے۔ اور حدیث «مَنْ أَذْهَبَتْ كَرِيمَتِيهِ ثُمَّ صَبَرَ وَاحْتَسَبَ كَانَ ثَوَابُهُ الْجَنَّةِ» [مسند أحمد: ۱۳۰۵۳] جو شخص اپنی پیاری آنکھوں کی آزمائش میں ڈالا گیا پھر اس نے صبر کیا اور ثواب کی نیت کی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے، کی بشارت کا مستحق قرار پائے۔

### حیران کن حافظہ

حضرت موصوف نے اپنے بے نظیر حافظہ اور عطیہ خداوندی سے قرآن مجید اور قراءت سبعہ اور عشرہ کی خدمت و اشاعت کا کام بہت خوب لیا۔ چنانچہ حضرت والا نے بچپن ہی میں حفظ قرآن میں ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ اگر کوئی صاحب سوال کرتے کہ بتائیں پورے قرآن مجید میں کل رکوعات کتنے ہیں کل سورتیں کتنی ہیں فلاں حرف قرآن میں کتنی جگہ آیا ہے فلاں متشابہ کتنی جگہ آیا ہے تو آپ فوراً جواب دیتے جس سے سائل حیران رہ جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی آپ سے کسی سورۃ، پارہ یا اور رکوع کو اس کے آخری طرف سے سننا چاہتا تو آپ اس طرح سنا دیتے کہ سب سے پہلے رکوع یا سورۃ کی آخری آیت پڑھتے پھر اس سے اوپر والی پھر اس سے اوپر والی اسی طرح رکوع اور سورۃ کی شروع والی آیت تک پڑھتے اور پڑھنے میں ولا والی اور بغیر ولا والی، تمام آیات کی ترتیب کا پورا لحاظ رکھتے غرض یہ کہ جس طرح کسی رکوع یا سورۃ کو شروع کی طرف سے بلا تکلف پڑھتے تھے اسی طرح آخر کی طرف سے پڑھنے میں بھی آپ کوئی مشکل پیش نہ آتی، بعد میں آپ کو شیخ قاری شیر محمد خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح پڑھنے سے منع فرما دیا تھا۔

### تجوید و قراءت میں آپ کا مقام و مرتبہ

۱۳۶۵ھ میں پہلے حج کے موقع پر مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ القراء مدینہ حضرت الشیخ مولانا قاری محمد حسن الشاعر مصری ثم المدنی سے مسائل قراءت پر گفتگو ہوتی رہی حضرت والا نے آپ کے تمام سوالات کے محققانہ، تشفی بخش اور افادہ جوابات عنایت فرمائے اور خوب مذاکرہ و تکرار ہوتا رہا۔ حضرت شیخ القراء محمد حسن الشاعر نے آپ کو خلوص و تبحر علمی کے سبب 'شیخ الوقت' کا لقب دیا اور قراءت کی سند بھی عطا فرمائی۔

## فنایت فی القرآن تادب بالقرآن

حضرت قاری فتح محمد صاحب کو قرآن مجید کے ساتھ انتہائی درجہ محبت تھی، آپ فنا فی القرآن تھے، قرآن کریم آپ کے رگ و ریشہ میں رچا بسا ہوا اور آپ کی روحانی غذا تھا۔

اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ قاری عبدالملک صاحب، جو حضرت کے شاگردوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ میں جب چھوٹا تھا قاری عباس بخاری صاحب کے پاس مدینہ منورہ میں پڑھا کرتا تھا، اس وقت قاری عباس کا حضرت سے تعارف نہیں تھا۔ قاری عباس مسجد نبوی میں آئے حضرت کو بیٹھے دیکھ کر فرمایا یہ کون صاحب ہیں جن سے قرآن کی خوشبو مہک رہی ہے۔ اللہ اکبر۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا قاری ارشاد احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اقدس رورہ تھے اور کافی دیر تک روتے رہے۔ میں نے عرض کیا: حضرت اتنا کیوں رورہے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

”اپنی محرومی پر رورہا ہوں کیونکہ فالج کی وجہ سے قرآن پڑھنا دشوار ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرآن مجید سے ایسی محبت نصیب فرمادیں۔“ (آمین)

حضور اکرم ﷺ کی امت میں بہت کثرت سے ایسے افراد ہوئے ہیں جو کتاب اللہ کا بے حد ادب کرتے تھے۔ حضرت عکرمہ: قرآن مجید کی تلاوت انتہائی ادب و احترام سے کرتے اور بار بار کہتے: ”ہذا کلام ربی“ اسی طرح قاری فتح محمد صاحب بھی کلام الہی کا بے حد ادب فرماتے تھے ایک دفعہ آپ روزہ سے تھے، آپ کے لئے چائے لائی گئی، آپ نے افطاری کے وقت ایک پیالی پی لی اور باقی تھرماس میں چھوڑ دی۔ نماز مغرب کے آپ سے دوست واحباب ملنے لگے۔ آپ نے فرمایا چائے لاؤ تو تھوڑی سی آپ نے پی اور باقی حاضرین میں تقسیم کرنے کا کہا اس وقت حاضرین کی تعداد تقریباً سات تھی۔ جن میں مولانا منظور احمد چنیوٹی بھی تھے، آپ نے فرمایا ایک طرف سے پلانا شروع کر دیں، چنانچہ چائے کا دور شروع ہوا اسی دوران میں کسی نے قرآن مجید سننے کی فرمائش کر دی تو حضرت والا نے فوراً تلاوت شروع فرمادی، چائے کا دور بھی بدستور جاری رہا۔ حضرت والا نے تلاوت ختم فرمانے کے بعد پوچھا ”کیا جس وقت میں پڑھ رہا تھا آپ حضرات نے چائے کا دور جاری رکھا ہوا تھا“ حاضرین میں سے کسی نے کہا جی ہاں چائے کا دور چلتا رہا۔ اس پر آپ سخت ناراض ہوئے کہ آپ لوگوں کو قرآن مجید کا ادب ملحوظ نہیں اور فرمایا جب قرآن مجید کی تلاوت ہو تو ہمد تن تلاوت کے سننے میں مصروف رہنا چاہیے لیکن آپ لوگ تو چائے پینے میں مصروف رہے ہیں۔ [از مقالہ دینیہ]

## مجدد القراءت، جزئی وقت مولانا قاری رحیم بخش ؒ

ولادت ۱۳۴۱ھ وفات ۱۲ ذوالحجہ بمطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۸۲ عیسوی اللہ پاک نے آپ کی ذات سے اتنا کام لیا جو ایک بڑی جماعت بھی نہیں کر سکتی۔

## ولادت

آپ کا نام رحیم بخش، جس کو بعد میں حضرت والد اللہ نے عطاء الرحیم سے بدل دیا۔ والد گرامی کا نام چوہدری فتح محمد اور دادا کا نام حافظ رحم علی ہے۔ آپ کے دادا موصوف کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے کنوئیں پر سویا کرتے

تھے اور رات کو سوتے وقت قرآن پاک کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ کئی بار چور بیل وغیرہ چوری کرنے کے لئے آئے۔ مگر جب حافظ جی رحمۃ اللہ علیہ کو تلاوت قرآن کرتے سنتے تو لوٹ جاتے۔ کہ حافظ صاحب تو جاگ رہے ہیں۔ کئی دن ایسے گزر گئے تو ایک روز چور دن کے وقت حافظ جی کے پاس آئے اور کہا حافظ جی ساری رات قرآن پڑھتے رہتے ہیں سوتے نہیں ہیں۔ آخر آپ کس وقت سوتے ہیں حافظ جی نے پوچھا آخر بات کیا ہے کہنے لگے ہم کئی دفعہ چوری کرنے آئے مگر آپ کو بیدار پا کر باز رہتے رہے۔ حافظ رحیم علی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اب تک تو میں سویا کرتا تھا اور سونے ہی کی حالت میں تلاوت کیا کرتا تھا۔ البتہ اب اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد نہیں سویا کروں گا اور جاگتا رہا کروں گا۔ حضرت قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت پانی پت ضلع کرنال (ہندوستان) محلہ چوڑا کنواں ماہ رجب ۱۳۳۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر ابھی تین سال کی ہوئی تھی کہ والد کا سایہ اٹھ گیا۔ آپ کی تعلیم آپ کی والدہ صاحبہ کی کوشش سے ہوئی۔ نیز آپ کے برادر بزرگ قاری حافظ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی بچپن میں کفالت فرمائی۔

### حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بے لوثی اور اخلاص

ایک مرتبہ حکیم امیر علی قریشی المدنی حضرت والا کے پاس آئے اور بطور ہدیہ کچھ خوانیاں پیش کیں۔ حضرت والا نے فرمایا جو بچہ میرے پاس تعلیم حاصل کر رہا ہو میں اس بچہ یا اس کے والد کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتا۔ حکیم صاحب نے بہت اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا میں اپنے اُصولوں کو نہیں توڑ سکتا، جس وقت چھٹی ہو جائے آپ خود دروازہ پر کھڑے ہو جانا اور جس کو پسند کریں دے دینا۔ اس واقعہ سے آپ کا بے لوث ہونا اور محض اللہ کی رضا کے لئے دین و قرآن کی خدمت کرنا ثابت ہوتا ہے آپ کسی شاگرد سے جبکہ وہ تعلیم حاصل کر رہا ہوتا ہرگز ہدیہ نہ لیتے تھے فراغت کے بعد اگر وہ طلب صادق کے ساتھ دینا تو قبول کر لیتے۔



### رشدِ تفہیم ایڈیشن

طلبا جامعہ لاہور کی تحریری صلاحیتوں کو نکھارنے کی غرض سے ادارہ نے ایک سال قبل 'رشدِ تفہیم ایڈیشن' کا اجراء کیا تھا جو مسلسل جدوجہد سے علمی ارتقا کی جانب بڑھ رہا ہے۔ دن بدن طلبا کی علمی، فکری اور تحریری صلاحیتیں پروان چڑھ رہی ہیں۔ مجلہ کے منتظمین اس کے علمی معیار اور طلباء کو شوق دلانے کے سلسلے میں خاصی محنت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جلیلہ قبول فرمائے اور مجلہ کے مقاصد کو پورا فرمائے۔ [ادارہ]



## سبوعہ أحرف..... تنقیحات و توضیحات

سبوعہ أحرف سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں قبل ازیں ہم قراءات نمبر کی دو خصوصی اشاعتوں میں نو مضامین شائع کر چکے ہیں، جبکہ شمارہ ہذا میں اس موضوع پر تین مزید مضامین شامل ہیں جن میں سے یہ مضمون پہلے شائع ہونے والے تمام مضامین کی مباحث کو سمیٹتے ہوئے ادارہ کلیۃ القرآن کے ذمہ داران کی آراء کا خلاصہ ہے۔ جو لوگ عملی میدان میں تجوید و قراءات کے فن سے وابستہ ہیں ان کے ہاں یہ بحث زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ کہ وہ اسے محض ایک نظری بحث سمجھتے ہیں، جبکہ عملی پہلو سے تعدد قراءات یا اسالیب تلاوت کا تنوع عہد نبوت (نزول) سے لے کر سلف سے خلف تک ہمیشہ امت میں حقیقتاً موجود رہا ہے۔ بحث صرف اس قدر ہے کہ واقعتاً جس تنوع تلاوت کو سب مانتے ہیں، اس کی زیادہ بہتر توجیہ و تعبیر کیا ہے؟ خیر القرون (صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم) کے دور میں یہ بحث سرے سے موجود ہی نہ تھی کیونکہ ان کے زمانوں میں یہ سب کچھ عرف و عمل میں موجود تھا۔ علوم کی باقاعدہ تدوین کا مرحلہ بعد میں پیش آیا۔ اس طرح واقعے میں موجود عملی اختلاف کو اصطلاحاتی زبان میں کس طرح بیان کیا جائے کہ وہ مسئلہ کی مناسب تعبیر بن جائے، بحث کا بنیادی نکتہ صرف اس قدر ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کی بحثیں تمام شرعی علوم و فنون میں موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل علم نظریات اور ان کی تعبیرات کے ایسے فنی اختلاف کو ہمیشہ لفظی شمار کرتے ہیں۔

اس مرکزی نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے سبوعہ أحرف کی بحث کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیگر تمام علمی آراء کی طرح سبوعہ أحرف کے ضمن میں پیش کردہ ادارہ کی یہ رائے بھی بہر حال ایک رائے ہی ہے جس سے اختلاف کا اہل نظر کو حق حاصل ہے۔ ہم اہل علم سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ مسئلہ کی اسی نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس بحث کو دیکھیں اور جن تعبیرات کو وہ اس بحث میں نشہ محسوس کرتے ہیں ان کے حوالے سے اپنی نگارشات ہمیں ارسال کریں۔ رشد کے صفحات ایسے تھرے کیلئے حاضر ہیں۔ [ادارہ]

انسانیت پر اللہ رب العزت کے لطف و کرم کی برکھا ابتداءً آفرینش سے موسلا دھار اور لگا تار برس رہی ہے۔ خصوصاً خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ پر تو اپنے فیضان ربوبیت کے وہ کرشمے ظاہر فرمائے ہیں کہ صرف اس میں کسی

☆ سرپرست اعلیٰ ماہنامہ رشد و رئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ مجلس التحقیق الاسلامی

\* فاضل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

انسان کی پیدائش ہی دوسری امتوں کے افراد کے مقابلہ میں بے شمار نعمتوں اور لاتعداد رحمتوں کا مستحق بنا دیتی ہے۔ ان انعامات الہیہ میں سے سب سے بڑا انعام قرآن کریم ہے کہ جس کی تابش و وضو سے چہار دانگ عالم کا ذرہ ذرہ چمک دمک رہا ہے۔ قرآن کریم اسی حسن و جمال کے ساتھ چودہ سو سال سے مسلسل اہل ایمان کو حلاوت ایمان، صاحبان فکر و دانش کو ذکاوت اذہان اور گم کردان راہ حق کو ہدایت کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کے کلمات لامتناہی، جس کے عجائبات نہ ختم ہونے والے، جس کی تلاوت اس کے حسن کو دو بالا کرے، علماء کبھی بھی اس سے سیر نہ ہوں، جس نے اسے تکبر اور نخوت کی وجہ سے ترک کر دیا اللہ نے اس کو پاش پاش کر دیا اور جو اس کے علاوہ ہدایت کا منتلاشی ہو اللہ نے اُسے راہ ضلالت پر ڈال دیا۔ یہ دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کا حرف حرف، نقطہ نقطہ اور ہر ایک لہجہ اور طریق بالکل ویسے ہی محفوظ ہے جس طرح آپ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ نے اپنے حُب داروں اور غم خواروں کو پڑھایا۔ اگرچہ بعض عقل و خرد سے عاری، فہم فراست سے بیگانہ افراد حروف قرآن کریم کی صحت و ثبوت کو مشکوک کرنے کے درپے ہیں لیکن باری تعالیٰ نے بھی یہ طے کر دیا:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَنُورِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [الصف: ۸]

علوم قرآن کے معرکتہ الآراء موضوعات میں سے ایک اہم موضوع حدیث: ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ کے مفہوم کا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس کے بارے میں سلف کے تکتہ ہائے نظر اور ان کا تجزیہ مع الدلائل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ راجح موقف کی نشاندہی کریں گے۔

اس سے پہلے کہ ہم علمی بحث شروع کریں قارئین ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ حدیث سبعة أحرف کا ثبوت قراءات کے مسئلہ سے ایک اضافی تعلق ہے، کیونکہ ثبوت قراءات کے لیے دیگر وہ بیسیوں روایات نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں کہ جن میں آپ ﷺ سے مختلف حروف کے موافق قرآن پڑھنا ثابت ہے جو کہ قراءات النبی ﷺ کے نام سے معروف ہیں۔ علاوہ ازیں تمام قراءات کی اسناد بالکل علیحدہ سے تواتر کے ساتھ بالکل اسی طرح نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہیں جس طرح اخبار آحاد و متواترہ کی اسناد آپ ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ سبعة أحرف کی حدیث کی توضیح و تشریح یہ خالصتاً ایک علمی اور تحقیقی مسئلہ ہے جس سے کسی کج فہم کو بہر حال یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ آراء میں اختلاف سے ثبوت قراءات کا مسئلہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے، بلکہ وہ ہر حال میں ثابت ہیں۔

وہ تمام ائمہ جو سبعة أحرف کی تفہیم کے سلسلہ میں کسی بھی موقف کے حامل ہیں، قراءات عشرہ کو قرآن اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔ الحمد للہ ہمارا بھی ان کے قرآن ہونے پر مکمل یقین و اطمینان ہے اور ان کے منکر کو منکر قرآن ہونے کی وجہ سے خارج عن الملتہ سمجھتے ہیں۔

تحقیق تو اس بات کی متقاضی ہے کہ سبعة أحرف کے سلسلہ میں وارد جمیع نصوص اختلاف الفاظ کیساتھ ذکر کی جائیں، لیکن کیونکہ قراءات نمبر حصہ دوم میں وہ تفصیلاً مذکور ہیں اس لیے بغرض اختصار ہم عمداً ان کو ترک کر رہے ہیں۔ البتہ دلائل میں اور اخذ نکات کے سلسلے میں انہیں موقع بہ موقع ذکر کریں گے۔

أمت میں سبعة أحرف کی تشریح کے بارے میں اگرچہ کافی آراء پائی جاتیں ہیں جنہیں امام زکشی رحمۃ اللہ علیہ نے البرہان میں پینتیس<sup>(۳۵)</sup> اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاقان میں چالیس<sup>(۳۶)</sup> تک شمار کیا ہے، لیکن ان میں اکثر ایسے ہیں جن کا حدیث

سبعہ اَحرف سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ ہم صرف ان اقوال کو ذکر کریں گے جنہیں سلف نے سبعہ اَحرف کی تشریح میں درست تسلیم کیا ہے اور بعض اسباب اور دلائل کی بنیاد پر راجح قرار دیا ہے۔  
حدیث «أُنزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرَفٍ» کی تشریح میں سلف و خلف نے درج ذیل چار اقوال کو ترجیحاً اختیار کیا ہے:

- ① سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ وجوہ
- ② سبعہ اَحرف بمعنی أوجه مقروءة لا تزيد عن السبع
- ③ سبعہ اَحرف بمعنی سبع لغات مختلفة الألفاظ متفقة المعاني أي المترادفات
- ④ سبعہ اَحرف بمعنی سبع لغات متفرقة في القرآن  
ذیل میں ہم ان کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

## قول اول

### سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ وجوہ

اس قول کے قائلین میں امام مالک رحمہ اللہ، ابن قتیبہ الدینوری رحمہ اللہ، امام ابو بکر الباقلائی رحمہ اللہ، امام ابن الجزری رحمہ اللہ، عبدالعظیم الزرقانی رحمہ اللہ، محمد علی الصابونی رحمہ اللہ وغیرہم کے نام شامل ہیں۔  
مذکورہ قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ سبعہ اَحرف سے مراد سبعہ وجوہ ہیں لیکن ان کے تعین میں اختلاف ہے۔

### امام مالک بن انس رحمہ اللہ

علامہ نظام الدین تمی نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن میں امام مالک رحمہ اللہ کے حوالہ سے سبعہ اَحرف کی درج ذیل تشریح نقل کرتے ہیں:

- ① مفرد اور جمع کا اختلاف: یعنی ایک قراءۃ میں صیغہ مفرد ہو اور دوسری میں جمع، جیسے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
- ② تذکیر تانیث کا اختلاف: جیسے لَا يُقْبَلُ اور لَا تُقْبَلُ
- ③ وجوہ اعراب کا اختلاف: جیسے هَلْ مِنْ خَلْقِي غَيْرَ اللَّهِ اور غَيْرِ اللَّهِ
- ④ صرنی ہیئت کا اختلاف: جیسے يَعْرِشُونَ اور يُعْرِشُونَ
- ⑤ ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف: جیسے وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ اور وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ
- ⑥ لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں جیسے نُنشِرُهَا اور نَنْشُرُهَا۔
- ⑦ لہجوں کا اختلاف: جیسے تخفیف، تفسخیم، امالہ، مد، قصر، اظہار اور ادغام وغیرہ

### ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقد تدبرت وجوه الاختلاف في القراءات فوجدتها سبعة أوجه.“

”میں نے قراءات کے اختلاف میں غور و فکر کیا تو میں نے سات وجوہ پائیں۔“

### اول: کلمہ کے اعراب کا اختلاف

یعنی حرکات کی ایسی تبدیلی جس سے صورت لفظ نہ بدلے۔ جیسے ”وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكُفُورَ، وَهَلْ يُجَازِي إِلَّا الْكُفُورُ.“

### الثانی

کلمہ کے اعراب کی ایسی تبدیلی جس سے صورت کلمہ تو نہ بدلے البتہ معنی میں تغیر واقع ہو جائے۔ جیسے: ”رَبَّنَا بُعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا“، ”رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا.“

### الثالث

کلمہ کے حروف میں ایسی تبدیلی جس سے صورت کلمہ اور اعراب تو نہ بدلے معنی بدل جائے۔ ”نُنَشِّرُهَا يَا نُنَشِّرُهَا.“

### الرابع

کلمہ میں ایسا اختلاف جس سے صورت کلمہ بدل جائے لیکن معنی میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ جیسے ”كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ اور كَالصَّوْفِ الْمَنْفُوشِ“

### الخامس

کلمہ کا ایسا اختلاف جس سے معنی اور صورت کلمہ دونوں تبدیل ہو جائیں جیسے ”وَطَلَعِ مَنْضُودٍ اور وَطَلَحِ مَنْضُودٍ.“

### السادس

تقدیم و تاخیر کا اختلاف جیسے ”وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ.“

### السابع

نقص و زیادت کا اختلاف ہو، جیسے ”وَمَا عَمِلَتْ أَيْدِيهِمْ اور وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ“، [تاویل مشکل القرآن: ج ۳۲، ۳۸]

### قاضی ابی بکر ابن الطیب الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ

قاضی ابی بکر الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سب سے احرف کی وہی تشریح کی ہے جو امام ابن قتیبہ نے فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ مثالیں بھی وہی دی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف پر ہی ہیں۔

● امام ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ولا زلت استشكل هذا الحديث وافكر فيه وأمعن النظر من نيف وثلاثين سنة حتى فتح الله بما يمكن إن يكون صواباً إن شاء الله و ذلك إني تتبعت القراءات صحيحها و شاذها

وضعیفها ومنکرها فإذا هو يرجع اختلافها إلى سبعة أوجه من الاختلاف لا يخرج عنها”  
[النشر: ۲۶۱]

”میں اس حدیث کے مشکل ہونے کی وجہ سے اس پر مسلسل تیس سال تک غور و فکر کرتا رہا اور اس کے صحیح، شاذ، ضعیف اور منکر جمع طرق کو کھنگالا یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے میرے اوپر کھول دیا کہ اس کی ممکن اور اقرب الی الصواب تشریح کیا ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اختلاف قراءات مندرجہ ذیل سات وجوہ مختلفہ میں منحصر ہے۔“

① حرکات کا ایسا اختلاف جس سے صورت کلمہ اور معنی نہ بدلے جیسے ’البخل‘ کی وجوہ اربعہ اور یحسب کی دو وجوہ۔

② حرکات کی تبدیلی صرف معنی پر اثر انداز ہو۔ جیسے ’فتلقى‘ کا دم من ربہ کلمت‘

③ حروف کی تبدیلی جس سے صورت کلمہ سلامت رہے اور معنی بدل جائے۔ جیسے ’تَبَلَّوْا اور تَبَلَّوْا‘

④ حروف کی ایسی تبدیلی کہ صورت کلمہ تو بدل جائے لیکن معنی نہ بدلے، جیسے: ’بِصْطَه اور بِسْطَه السَّرَط الصَّرَاط‘

⑤ صورت کلمہ اور معنی دونوں ہی بدل جائیں۔ ”فَأَسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ، فَاْمَضُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ اور أَشَدَّ مِنْكُمْ، أَشَدَّ مِنْهُمْ“

① تقدیم اور تاخیر کا اختلاف: جیسے ”فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ اور وِجَاءُ سَكْرَةَ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ“

② نقص و زیادت کا اختلاف: جیسے ”وَأَوْصَىٰ، وَوَصَىٰ اور وَالذِّكْرُ وَالْأَنْثَىٰ“ [النشر، ج ۱، ص ۲۶]

اس کے بعد محقق فرماتے ہیں کہ ان وجوہ سے اختلاف قراءات باہر نہیں ہیں باقی رہا مسئلہ لجات، اظہار، ادغام، روم، اشام، تفسخیم، ترقیق، مد و قصر، امالہ، فتح، فتح تحقیق، تسہیل اور ابدال وغیرہ کا، جنہیں ہم اصول سے تعبیر کرتے ہیں تو اس سے معنی اور صورت کلمہ میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اس لئے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے اگر اس کو آپ شامل کرنا چاہیں بھی تو پہلی قسم کے ذیل میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

## امام ابو الفضل الرازی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو الفضل الرازی رحمۃ اللہ علیہ احرف سبعہ کی تفسیر میں درج ذیل وجوہ سبعہ سے کرتے ہیں:

① اَسْمَاءٌ مِّنْ مَّفْرُودٍ، تَشْدِيدٌ، جَمْعٌ، تَذْكِيرٌ وَتَأْمِينٌ اور مبالغہ وغیرہ کا اختلاف۔

② اَفْعَالٌ مِّنْ مَّاضِيٍّ، مَضَارِعٌ، اَمْرٌ، تَأْمِينٌ وَتَذْكِيرٌ، مَخَاطَبٌ وَتَكْلُمٌ، اِسْنَادٌ اِلَى الْفَاعِلِ اور مفعول کا اختلاف۔

③ وَجُوهُ اِعْرَابٍ کا اختلاف۔ ④ نَقْصٌ وَزِيَادَةٌ کا اختلاف۔

⑤ تَقْدِيمٌ وَتَاخِيرٌ کا اختلاف۔ ⑥ اَيْكٌ كَلِمَةٍ كَيْ جَلَدٌ دُوسْرًا كَلِمَةً يَا اَيْكٌ حَرْفٌ كُو دُوسْرَةٍ سَيِّءٌ بَدَلٌ دِيْنًا۔

⑦ اِخْتِلَافٌ اِلِلَّغَاتٍ مِّثْلًا فَتْحٌ اِمَالَةٌ، تَفْسِيْحٌ، تَرْقِيْقٌ، تَحْقِيْقٌ وَتَسْهِيْلٌ اور ادغام و اظہار وغیرہ۔

جن ائمہ متقدمین نے سبعہ احرف کی تشریح سبعہ وجوہ سے فرمائی ہے ان جمیع اقوال میں سے اشمہل اور احسن قول

امام ابو الفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ہے باقی ائمہ بعض انتہائی بنیادی باتوں سے صرف نظر کر گئے ہیں۔ متاخرین میں سے

اس قول کی تائید کرنے والوں میں عبدالعظیم الزرقانی صاحب مناهل العرفان ہیں۔ انہوں نے ہر طرح سے اس قول

کی توثیق کی۔ اس کے علاوہ محمد علی الصابونی رحمۃ اللہ علیہ نے التبیان میں اور مولانا تقی عثمانی نے علوم القرآن میں اس قول

پر تفصیل سے تائیدی بحث کی ہے۔

## مذکورہ مؤقف کا جائزہ

مذکورہ قول کے قائلین یقیناً اُمت کے بہترین لوگ ہیں جن کی جلالت علمی، ورع و تقویٰ اور خلوص نیت کے بارے میں ادنیٰ سا شک بھی نفاق اور علمی خیانت شمار ہوگا لیکن کسی علمی مسئلہ میں آراء کا اختلاف یہ فکری صحت مندی کی علامت ہے اور اہل علم کی آراء کو مروجہ علمی و عقلی معیارات پر پرکھنا اور کسی مؤقف پر مدلل تنقید کرنا کسی طرح بھی گستاخی یا ان کی شان کے منافی نہیں ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم مذکورہ اقوال کا تنقیدی جائزہ پیش کریں وہ آراء بھی پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو اس کی تائید میں بعض علماء سے منقول ہیں۔

شیخ عبدالعظیم الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان وجوہ کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور محمد علی الصابونی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا خلاصہ ذکر کر دیا ہے جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

فرماتے ہیں کہ: أقرب إلى الصواب قول وهو ہے جیسے ابو الفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس پر اعتماد کیا ہے اور دلائل سے ان کی تائید کی ہے۔ وہ دلائل درج ذیل ہیں:

- ① اس مذہب کی تائید سبعاہ حرف کے سلسلہ میں وارد شدہ احادیث سے ہوتی ہے۔
- ② اس رائے میں ایک کامل استقراء پر اعتماد کیا گیا ہے اور وہ استقراء ایسا ہے جو مجموع اختلاف قراءات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

③ اس رائے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا ہے، جو دیگر اقوال کے اختیار کرنے سے لازم آتا ہے۔ [التبیان: ۲۱۷]

④ مولانا تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

”سبعاہ حرف کی تشریح میں جتنے اقوال حدیث تفسیر اور علوم قرآن کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان سب میں سے یہ قول (کہ سات حروف سے مراد اختلاف قراءات کی سات نوعیتیں ہیں) سب سے زیادہ راجح، قابل اعتماد اور اطمینان بخش ہے اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہ، جنہیں مولانا نے وجوہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کے تناظر میں ذکر کیا ہے، ہم اس تناظر سے ہٹ کر صرف وجوہ ترجیح ذکر کرتے ہیں:

① مذکورہ قول کے مطابق حروف قراءات کو دو الگ الگ چیزیں قرار دینا نہیں پڑتا جبکہ دیگر اقوال ماننے سے یہ الجھن پیدا ہوتی ہے۔

② اس قول کو اختیار کرنے سے سبعاہ حرف کو منسوخ نہیں ماننا پڑتا بلکہ تمام کے تمام آحرف باقی و ثابت رہتے ہیں۔

③ اس قول کے مطابق سات حروف کے معنی بلا تکلف صحیح ہو جاتے ہیں، جبکہ دوسرے اقوال میں یا حروف کے معنی میں تاویل کرنا پڑتی ہے یا سات کے عدد میں۔

④ سبعاہ حرف کے باب میں جتنے علماء کے اقوال ہماری نظر سے گزرے ہیں ان میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور عہد رسالت کے قریب تر ہستی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور وہ علامہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اسی قول کے قائل ہیں۔

⑤ علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ دونوں علم قراءات کے مسلم امام ہیں اور دونوں اسی قول

سبعاہ حرف

کے قائل ہیں اور مؤخر الذکر کا یہ قول گزر چکا ہے کہ انہوں نے تیس سال سے زائد اس حدیث پر غور کرنے کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے۔“

### مذکورہ قول کا تنقیدی جائزہ

اس قول پر ایک تفصیلی نقد ڈاکٹر عبدالعزیز قاری نے فرمایا ہے۔ ہم ذیل میں اپنے اشکالات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبدالعزیز قاری کے اعتراضات بھی نقل کریں گے۔

### پہلا اعتراض

ڈاکٹر عبدالعزیز قاری نے پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ وجوہ کے قائلین کا تعین وجوہ میں اختلاف ہے، یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ تطابق اور توافق ضروری ہے۔ ڈاکٹر قاری کا یہ اعتراض خواہش کی حد تک تو درست ہے کہ وجوہ میں موافقت ہونی چاہیے، لیکن عملاً ایسا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، کہ سارے اہل علم کسی مسئلہ کو ایک ہی نظر سے دیکھیں یا حجج علماء کا استقراء، وسعت مطالعہ اور طرز فکر ایک جیسا ہی ہونا چاہئے تاکہ یکساں نتائج برآمد ہوں۔ البتہ اس ضمن میں جو کمی ہے اس کو ہم آئندہ ذکر کرتے ہیں۔

### دوسرا اعتراض

سبعہ احرف کے نزول کی اہم ترین حکمت یہ تھی کہ ایسے افراد کو رخصت مہیا کی جائے جو پڑھنے لکھنے سے نااہل تھے جبکہ مذکورہ وجوہ کا تعلق طرز اداء کے بجائے زیادہ تر طرز کتابت سے ہے۔ مزید یہ کہ ان انواع مختلفہ کا احاطہ وہ شخص کر سکتا ہے جس کی قراءت قرآنیہ، علم رسم، علم ضبط اور لغت پر گہری نظر ہو، نیز کسی کی وسعت مطالعہ ہی ان وجوہ کو جامعیت کا لبادہ پہنا سکتی ہے۔ لہذا یہ صرف خاص علماء ہی کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے علماء کا وہ طبقہ جو قراءت کے بھی ماہرین ہیں مذکورہ موقف کا حامل ہے اور وہ علماء جن کا میدان قراءت کے بجائے فقہ و حدیث ہے عموماً وہ دوسرے موقف پر ہیں، بنا بریں جب ان وجوہ کا ادراک علماء کے لیے ہی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے تو وہ عرب کے گنوار اور اُمی لوگ کیسے جان سکتے تھے، ان کے لیے تو یہ بجائے سہولت و آسانی کے مزید مشقت میں اضافہ کا باعث ہے کہ پہلے یہ سمجھیں کہ رخصت دی کس شے کی گئی اور بعد میں اس رخصت سے فائدہ اٹھائیں۔

### تیسرا اعتراض

اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات میں سے تیسرا یہ ہے کہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور جزری رحمہ اللہ نے سات انواع تغیر کو ذکر کرتے ہوئے اختلاف لہجات کو تو ذکر بھی نہیں کیا باوجود اس کے کہ وجوہ اختلاف کے ضمن میں یہ وجہ بڑی اہم اور کثرت سے استعمال ہونے والی ہے۔

اس تجربہ سے ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ان انواع تغیر کا انکار کرنے پر مصر ہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان اصحاب علم میں سے ہر ایک کی عبارت دوسرے سے حد درجہ مختلف اور متغایر ہے۔ حالانکہ یہ سب علماء بڑی بحث و تحقیق، قرآن کے متعدد پار مطالعہ اور حد درجہ محنت و مشقت کے بعد اس مقام پر پہنچے کہ ان انواع اختلاف کو اخذ کر سکیں اور بعد میں ان کی تعیین کر سکیں۔ باوجود اس کے کہ اس مسئلہ میں تینوں کی رائے مختلف ہے جس کی وجہ یہی

ہوسکتی ہے کہ ہر ایک نے دوران مطالعہ کسی خاص جہت کو ملحوظ رکھا اور دوسرے کے سامنے کوئی دوسرا پہلو موجود رہا ان تینوں میں سے عبارت میں باریک بینی اور زیادہ مشق و مہارت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا خاصہ ہے۔

ہمارا اختلاف ان سے دراصل دونوعیت کا ہے:

**پہلی بات** تو یہ ہے کہ انہوں نے انواع تغایر کو بھٹکف سات تک محدود کیا ہے تاکہ حدیث میں مذکور تعداد کی موافقت ہو جائے۔

**دوسری بات** یہ ہے کہ انہوں نے جن انواع کو سببہ اَحرف کی تفسیر بنایا ہے اور بڑی مشقت سے حدیث کے مفہوم کی وضاحت کی کوشش کی ہے ان سے ہماری رائے مختلف ہے۔ ان آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ انواع جن کو تینوں اہل علم نے ذکر کیا ہے ان میں دو تو ایسی ہیں جن پر ان کا اتفاق رائے ہے۔ اور ان کی عبارتیں ان کی وضاحت میں یکساں ہیں:

① تقدیم و تاخیر ② زیادتی و نقص

اس کے بعد ابن قتیبہ اور جزری رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کے مابین پانچ انواع ایسی پائی جاتی ہیں جن پر ان میں کافی حد تک اتفاق ہے، بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی نقل کر دیا ہے اور ان میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا۔

لیکن اس کے برعکس جب ہم امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ انواع تغیر کی طرف نظر کرتے ہیں تو وہ جزری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی آراء سے قدرے مختلف ہیں، کیونکہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ انواع کے ضمن میں ان دونوں کی بیشتر انواع بھی آجاتی ہیں اور اس کے علاوہ مزید بھی۔ مثال کے طور پر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول میں انواع تغیر سے تیسری اور چھٹی نوع اس کو قرار دیا ہے:

”اعراب کی وجہ میں اختلاف ..... اور (۶) حروف کا قلب یا بعض حروف کا بعض دوسرے حروف سے ابدال، اسی طرح کلمات کی کلمات سے تبدیلی۔“

اس میں انہوں نے ان تمام قسم کی تبدیلیوں کو علی وجہ العموم دو قسموں کے تحت ذکر کر دیا ہے، لیکن یہی دو اقسام باقی دو ائمہ کے اقوال میں پانچ اقسام میں منقسم ہیں، اگرچہ انہوں نے پانچ اقسام بناتے ہوئے ان اختلافات کی تقسیم میں صورتہ خطی، اختلاف معنی اور کتابت میں اختلاف یا عدم اختلاف کو مد نظر رکھا ہے، لیکن بہر حال مراد دونوں کی قریباً ایک ہی ہے۔ اس کی ایک اور مثال یوں بھی ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی اور دوسری نوع کے تحت اوزان اسماء میں پیش آنے والے اختلافات اور تشریف افعال میں ہونے والے اختلافات کو ذکر کیا ہے جبکہ معمولی سے غور و فکر کے بعد باقی دو حضرات کی ذکر کردہ پہلی پانچ انواع کے ضمن میں یہ دونوں انواع بھی آسکتی ہیں۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ جن زاویوں اور جہات سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اختلافات کی حد بندی کی ہے جزری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقسیم ان زاویوں سے ہٹ کر کچھ اور چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود ایک نوع ایسی بھی ہے جو صرف امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے اور باقی دو اس کی طرف متوجہ نہیں ہو پائے اور وہ نوع ہے ’اختلاف لہجات‘ کی اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہی نوع اس بحث میں اہم تر ہے۔

ان تینوں اقوال کا اہم نتیجہ برآمد کرنا چاہیں تو مختصراً تمام انواع کو کم از کم دس انواع تغیر میں تقسیم کر سکتے ہیں کہ وہ تمام صورتیں جو کلمات میں اختلاف کے ضمن میں آتی ہیں اور ان اقوال سے ثابت ہوتی ہیں، کل دس بن سکتی ہیں۔ لیکن اس

مکتبہ



بات کی کوئی دلیل نہیں کہ آئندہ کوئی اور صاحب علم مزید بحث و استقراء کے بعد اس تعداد میں اضافہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس معارضہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ ان تینوں بزرگ اصحاب علم کی انواع و تغایر و اختلاف کی تعیین ان کو کھینچ تان کر سات حروف کے ضمن میں لانا بے جا تکلف اور مشقت کے سوا کچھ نہیں۔ حتیٰ کہ جب ہم ان کی جدوجہد اور کوشش کے بعد حاصل شدہ انواع کے نتیجے پر پہنچتے ہیں، جس کو انہوں نے حدیث کی مراد تصور کیا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سب سے احراف فی ذاتہا کچھ اور ہیں اور اس میں انواع اختلاف ایک بالکل مختلف چیز، اور اس مقام پر پہنچ کر یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ تمام وہ صورتیں ہیں جو کلمات کے مابین تغیر اور اختلاف کے ضمن میں آتی ہیں نہ کہ حروف سب سے مابین اختلاف ضمن میں۔ اور ایسا بھی ممکن ہے کہ اس تمام بحث کا خلاصہ ان تین نکات میں نکال لیا جائے۔ کہ اختلاف کی تین ہی صورتیں ہیں:

- ① جس میں لفظ مختلف ہو جائیں اور معنی ایک رہے، اس صورت کو لغت میں 'الترادف' سے موسوم کیا جاتا ہے، مثلاً 'ہلم' کی جگہ 'تعال' اور 'أقبل'۔
  - ② جس میں معنی اور لفظ دونوں مختلف ہو جائیں، لیکن یہ اختلاف تضاد کی نوعیت کا نہ ہو، تنوع کی قبیل سے ہو۔ جس طرح قُلْ اور قُلُّ ، بُعِدْ اور بُعِدَ ، مَلِكٌ اور مَلِكٌ ، أَوْصَى اور وَصَى
  - ③ لہجات میں اختلاف، یعنی کسی لفظ کی آدا میں تبدیلی اصل لفظ اور معنی کی بقا کے ساتھ۔ مثال کے طور پر کسی کو جھکا کر یا سیدھا پڑھنا، مد اور قصر، ادغام اور عدم ادغام اسی طرح نرمی سے یا جھکا دے کر پڑھنا۔
- یہاں اختلاف کی ایک قسم اور بھی ہو سکتی ہے کہ بعض اوقات کسی کلام میں تبدیلی لفظ اور معنی کے اختلاف کے ساتھ ساتھ تناقض اور تضاد کی قبیل سے ہوتی ہے۔ سو یہ صورت قرآن کریم میں نہیں پائی جاتی، کیونکہ ان کی موجودگی قرآن میں خلل اور اضطراب و شک کو لازم کرتی ہے حالانکہ قرآن اس سے یکسر منزہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قرآن میں باطل نہ آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے اور یہ اللہ رب العزت حکمت والے کی نازل کردہ (کتاب) [فصلت: ۴۲] ہے۔“ ایک اور مقام پر یہ الفاظ ہیں:

”اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف [النساء: ۸۲] سے ہوتا تو لوگ اس میں جابجا اختلافات اور تناقض پاتے۔“ [انظر النشر: ۴۹/۱]

ان دونوں آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں خلل اور تناقض و تضاد کی سرے سے گنجائش ہی نہیں۔

## چوتھا اعتراض

مذکورہ بالا قول پر ایک اہم اعتراض یہ بھی ہے کہ کیا خود نبی مکرم ﷺ کی ذات سے ایسے قول کا صدور ممکن ہے جو صرف اور صرف ایک منطقی اور ریاضاتی اصول پر متعین کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ذاتی پس منظر اور نبوی طریق دعوت اس اسلوب کا انکاری نظر آتا ہے، کیونکہ شریعت کی عمومی تعلیمات بالکل بدیہی اور انتہائی فطری اسلوب پر مبنی ہیں نہ کہ استقراوی اور منطقی اسلوب پر۔ لہذا مذکورہ وجوہ سے آپ ﷺ کا نہ تو تفسیر کرنا ثابت ہے اور نہ ہی آپ سے اس طرح کے انداز تشریح و دعوت کا امکان ہے۔

## پانچواں اعتراض

صحابہ کے مابین جب مختلف وجوہ قراءت پڑھنے میں اختلاف ہوا تو آپ ﷺ کے صرف یہ فرمانے پر کہ ہکذا أنزلت اور أنزل القرآن علی سبعة أحرف پر صحابہ خاموش ہو گئے اور ان کو سارے معاملے کا علم ہو گیا۔ صحابہ کا فوراً بغیر کسی مناقشہ کے اس کو تسلیم کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ سب سے سببہ احرف کا مصداق ان کے مابین کوئی زیادہ غیر معروف شے نہ تھا، اسی وجہ سے آپ کے چند کلمات ان کے لیے تشفی کا باعث بن گئے۔ لہذا اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کی اس سے مراد وجوہ ہیں جو ایک غیر معروف شے ہے، جس پر ہمارا کندہ بن کئی اشکالات لیے سراپا احتجاج بن جاتا ہے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے عقبی اور ذہین و فطین عناصر کس طرح مطمئن ہو سکتے تھے۔

## چھٹا اعتراض

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے ابی مجھے یہ کہا گیا کہ میں اُمت کو قرآن ایک حرف پر پڑھاؤں، میں نے عرض کی کہ میری اُمت پر آسانی کیجئے تو پھر دو حرف ہو گئے، پھر تین، پھر چار حتیٰ کہ سات تک پہنچ گئے۔“

اس حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حرف پر بھی قرآن بطور قرآن مکمل تھا۔ جب دو کی اجازت دی گئی تب بھی قرآن احکام کے لیے اور تلاوت کے لیے کامل تھا اور اس کی تلاوت ممکن تھی ورنہ اگر ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ بغیر سب سے سببہ احرف قرآن کی تلاوت نہیں ہو سکتی تو اللہ رب العزت کا جبریل علیہ السلام کو بھیجنا یہ ایک نعوذ باللہ فعل عبث تھا اور اللہ کے رسول ﷺ بجائے آسانی کے تکمیل قرآن کی التجا فرما رہے تھے۔

اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے اگر آپ سب سے سببہ وجوہ والے قول کا جائزہ لیں تو اس کی عدم اہمیت کا اندازہ ہوگا مثلاً ان کے ہاں جو قول سب سے راجح ہے اس کے مطابق حرف اول کو ہی لیجئے۔ امام رازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے اُسماء میں تذکیر تانیث، افراد مشنہ و جمع وغیرہ مراد ہیں، تو کیا اس پر تلاوت ممکن ہے؟ اگر سیدنا جبریل علیہ السلام کے لائے ہوئے حرف اول پر تلاوت ممکن تھی تو امام رازی رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے حرف اول پر تلاوت کیوں ممکن نہیں۔ ہماری نظر میں امام رازی رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے ایک حرف پر تو کیا سات حرف کو بھی ملا لیں تو قرآن کی تلاوت کرنا ممکن نہیں۔ اور اس کی مزید تائید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ہو جاتی ہے کہ ”کننا نقرأ علی الحرف الأول“ [فتح الباری: ۳۳۱۱] کہ ”ہم حرف اول پر تلاوت کریں گے۔“ اس کا مطلب بالکل صحیح ہے کہ سب سے سببہ احرف میں سے ہر حرف پر تلاوت ممکن تھی جبکہ مذکورہ قول میں ساتوں پر بھی ممکن نہیں۔

## ساتواں اعتراض

اس پر ایک مزید اعتراض یہ ہے کہ سب سے سببہ احرف کے نزول کا مقصد فقط یہ ہے کہ اُمت مرحومہ کے وہ افراد جو اپنے آبائی لہجے اور لغت کو ترک کر کے کسی دوسری لغت یا لہجے پر نہیں پڑھ سکتے ان کے لیے آسانی پیدا کی جائے، اور انہیں اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنے لہجے اور لغت کے موافق قرآن کو پڑھ سکیں، جبکہ اگر مذکورہ قول کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں کسی مشقت کو رفع کرنا اور مزید کسی آسانی کو پیدا کرنا سرے سے ناقابل لحاظ ہے اور جو آسانی اس قول کے ذریعے اُمت کو دی گئی ہے اس میں سرے سے کسی مشکل کا پہلو موجود ہی نہیں کہ جس میں آسانی

کی خواہش کی جائے۔ مثلاً امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی راجح اور اشمل تشریح کے مطابق سببہ اَ حَ رَف کی پہلی وجہ اَسَاء میں مذکر مؤنث، مفرد جمع کا اختلاف ہے جس کی مثال دیگر ائمہ نے بھی دی ہے مثلاً کلمات کو جمع کے بجائے مفرد یعنی اَمَانَتِهِمْ کو اَمَانَتِهِمْ پڑھنا اگر اس پر غور کریں تو یہی کلمات قرآن کریم میں بعض مقامات پر صرف مفرد اور بعض پر صرف جمع استعمال ہوئے ہیں۔ اب یہ کیسی مشکل ہے کہ اگر ایک جگہ کسی چیز کو مفرد یا جمع پڑھا جائے تو کوئی مشکل نہیں ہے جبکہ دوسری جگہ اس میں مشکل پیدا ہوگئی، جس کی آسانی کے لیے باقاعدہ ایک حرف اتارنا پڑھا۔

اسی طرح دوسری وجہ افعال میں اختلاف کو لیجئے۔ جس کی مثال الزرقانی نے وَلَا يُضَارُّ اور وَلَا يُضَارَّ دی ہے۔ اب یہ مشکل ہے کہ قاری یا عرب کی بوڑھی عورت یا بوڑھا آدمی یضار کی رابر پیش تو پڑھ سکتا ہے لیکن زیر پڑھنا اس کے لیے دشوار ہے یا پھر قرآن میں ایک جگہ یعلمون غیب کے ساتھ پڑھنا دشوار ہے۔ اگرچہ اس کو میسوں جگہ غیب سے پڑھا ہو۔ اسی پر ایک حرف نازل کر دیا گیا ہو۔ اسی طرح تقدیم و تاخیر اور نقص زیادت کا مسئلہ ہے کہ آدمی یقتلون و یقتلون میں پہلے حرف کو معروف اور دوسرے کو مجہول تو پڑھ سکتا ہے لیکن اگر پہلے مجہول آجائے تو دشواری پیدا ہو جائے۔ اسی طرح قرآن میں دسیوں مقامات پر من تحتھا الأذنہ پڑھنا ممکن ہے لیکن سورۃ التوبہ میں ممکن نہیں لہذا اس کے لیے باقاعدہ ایک حرف کو نازل کیا جائے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ البتہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ صرف ایک وجہ ایسی ہے جس میں واقعی دشواری تھی اور یہی حقیقی دشواری نزول احرف کا سبب ہے کہ لجات اور لغات کا اختلاف جس کو سوائے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی شیخ نے ذکر نہیں کیا۔ لہذا سببہ اَ حَ رَف کا مصداق مذکورہ قول کو ٹھہرانا قرین قیاس نہیں ہے۔

اب مناسب ہوگا شیخ عبدالعظیم الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا تاقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ وجوہ تریح کا بھی جائزہ پیش کر دیا جائے۔

## علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی وجوہ تریح

- ① اس مذہب کی تائید سببہ اَ حَ رَف کے سلسلہ میں وارد شدہ احادیث سے ہوتی ہے۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ اس مذہب کی تائید سببہ اَ حَ رَف کے سلسلہ میں وارد شدہ احادیث سے ہوتی ہے۔ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جو دلیل کی بنیاد کے بغیر کیا گیا ہے، ہم نے تو مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مؤلف سببہ اَ حَ رَف کے سلسلہ میں وارد شدہ احادیث تو کیا سببہ اَ حَ رَف کے نزول کی بنیادی حکمت سے ہی متصادم ہے اور بجائے اس کے کہ حکمت سببہ اَ حَ رَف کو سامنے رکھ کر اس کو سمجھنے کی سعی کی جاتی اُسے یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔
- ② اس رائے میں کامل استقراء پر اعتماد کیا گیا، جس نے جمع اختلافات قراءات کا احاطہ کر لیا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات ہی قابل بحث ہے کہ کیا نصوص شرعیہ کی تاویل منطقی استقراءات پر کی جائے گی یا اس کا انداز کچھ اور ہے، کیونکہ استقراء کی کیا حقیقت کہ ایک استقراء دوسرے استقراء کو رد کر دے اور پھر وہ استقراء بھی ایسا جس میں مطلق حکمت شرعیہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہو اور ویسے بھی استقراء کے ذریعہ ان وجوہ کو سات تک پہنچانا بہت بڑا تکلف ہے، کیونکہ اس سے کم یا زیادہ میں بھی وجوہ کا احاطہ ممکن ہے، جیسا کہ اعتراض ثالث میں ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا اس استقراء کا یہ فائدہ تو ہو سکتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ اختلاف قراءات کیا کیا ہیں، نص شرعی کو یہ معنی پہنانا بعید از فہم ہے۔

۱۴ اس قول سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔

یہ بھی ایک دعویٰ ہے، اس سے جو نقصانات لازم آتے ہیں وہ ہم نے ذکر کر دیئے ہیں۔ باقی اگر اس سے یہ نقصان مراد ہے کہ موجودہ قراءات کا انکار وغیرہ لازم آتا ہے تو وہ کسی قول کو بھی اختیار کرنے پر لازم نہیں آتا۔

### مولانا تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وجوہ ترجیح

مولانا تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف میں ہمیں جو بنیادی کی نظر آئی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث سبعہ اُحرف کو بجائے اس کے کہ نص کی علل و حکم کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھا جائے اور اسی کی روشنی میں سلف کے مؤقف کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، انہوں نے اسے صرف ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کے تناظر میں سمجھا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف میں چند ایسے بنیادی نقائص موجود ہیں جن کی بناء پر انہوں نے ابن جریر وغیرہ کے مؤقف کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی بھرپور تائید کی ہے۔

ان کی وجوہ راجحہ کو سبعہ اُحرف کی راجح تشریح کے طور پر لینا تو مشکل ہے۔ البتہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں جو انہوں نے وجوہ ترجیح ذکر کی ہیں، ان کے بارے میں مناسب یہی لگتا ہے کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف، جو ہم دلائل کی روشنی میں سمجھے ہیں، ذکر کرنے کے بعد ہی جائزہ لیں۔

### قول ثانی

#### سبعہ اُحرف بمعنی أوجه مقروءة لا تزيد عن السبع

مذکورہ مؤقف کے مطابق سبعہ اُحرف کا مصداق کسی چیز کو قرار نہیں دیا گیا کہ اوجہ سے مراد کیا ہے۔ نہ ہی انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد سبعہ لغات ہیں اور نہ ہی یہ حضرات سبعہ وجوہ کے قائلین ہیں جیسا کہ جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا ہے۔ لہذا یہ قول بنیادی طور پر ایک ناقص اور نامکمل مؤقف ہے۔ اس کے رد سے پہلے قول کی وضاحت ضروری ہے جو کہ قائلین نے نہیں کی۔

### قول ثالث

#### سبعہ اُحرف بمعنی سبع لغات مختلفة الألفاظ متفقة المعاني أي المترادفات

سبعہ اُحرف سے مراد سبعہ لغات ہیں، اس طرح کہ ان کے الفاظ مختلف اور معانی متحد ہوں۔ جیسے اقبل، تعال، ہلم، عجل، اسر، وانظر، آخر اور أمهل وغیرہ یا جس طرح لفظ 'أف' میں بعض لغات ہیں۔ اس قول کے قائلین میں بہت جلیل القدر علماء شامل ہیں، جن میں امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور مناع القطان شامل ہیں

### امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اُحرف سبعہ کے بارے میں وارد مختلف تشریحات ذکر کرنے اور ان پر رد کرنے کے بعد

راجح قول یوں بیان کرتے ہیں:

”بل الأحراف السبعة التي أنزل الله بها القرآن هن لغات سبع في حرف واحد وكلمة واحدة باختلاف الألفاظ واتفاق المعاني كقول القائل هلم، وأقبل وتعال وإليّ قصدي ونحوي وقربي ونحو ذلك مما تختلف فيه الألفاظ بضرور من المنطق وتنطق المعاني.“ [تفسير طبري: ۲۸، ۲۷/۱]

”ا حرف سبعة جن پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے وہ ایک لفظ اور ایک ہی کلمہ میں سات لغات ہیں، جن کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن معنی متفق ہیں جیسے کوئی کہے ہلم، تعال، اقبل، إلی، قصدي، نحوي اور قربی وغیرہ کہ جو اختلاف الفاظ کے باوجود متفق المعانی ہیں۔“

### حافظ ابن عبدالبرؒ

”إنما معنى السبعة الأحراف سبعة أوجه من المعاني المتفقة المقاربة بألفاظ مختلفة نحو: أقبل وهلم وتعال، وعلى هذا الكثير من أهل العلم.“ [التمهيد لابن عبدالبرؒ: ۲۸۱/۸]

”سبعہ احرف سے مراد متفق المعانی اور مختلف الالفاظ کلمات کی لغات وجوہ ہیں جیسے اقبل، تعال، ہلم اور یہی کثیر اہل علم کا قول ہے۔“

### امام قرطبیؒ

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

”وهو الذي عليه أكثر أهل العلم كسفیان بن عینیة و عبدالله بن وهب والطحاوي وغيرهم، أن المراد سبعة أوجه من المعاني المتقاربة بألفاظ مختلفة، نحو أقبل وهلم وتعال.“ [تفسير قرطبي: ۳۲۱]

”وہ رائے کہ جس پر اکثر اہل علم سفیان بن عینیہ، عبداللہ بن وہب، طبری اور طحاوی وغیرہم ہیں، وہ یہ ہے کہ احرف سبعہ سے قریب المعنی اور مختلف الالفاظ وجوہ سبعہ مراد ہیں۔“

### امام ابن کثیرؒ

امام ابن کثیرؒ نے امام قرطبیؒ کے الفاظ میں ابن جریرؒ کے موقف کو بیان کر کے بھرپور انداز میں اس کی تائید کی ہے۔ (ج: ۱، ۶۱)

ابن جریرؒ اور ان کے ہم خیال حضرات کا موقف ہے کہ سبعہ احرف سے ایک ہی کلمہ میں مختلف لغات عرب کا اختلاف مراد ہے۔ جسے ہم مترادفات سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی ایک ہی کلمہ میں اس کی جگہ مختلف الفاظ استعمال کرنے کی اجازت تھی جیسے ہلم، تعال اور اقبل وغیرہ۔ نیز یہ سبعہ احرف میں سے چھ حروف کے حذف، نسخ یا توقف کے قائل ہیں۔

ہمیں اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا دلائل ان کے اقوال کی تائید بھی کرتے ہیں یا نہیں۔

ابن جریرؒ اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل نصوص ذکر کرتے ہیں۔

① ”عن عبدالرحمن بن أبي بكره ÷ عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: «قَالَ جِبْرِيلُ: اقْرَأُ الْقُرْآنَ

عَلَى حَرْفٍ . قَالَ مِيكَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ : اسْتَزَدَهُ ، فَقَالَ : عَلَى حَرْفَيْنِ ، حَتَّى بَلَغَ سِتَّةً أَوْ سَبْعَةً . فَقَالَ : كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ عَذَابٍ بِآيَةِ رَحْمَةٍ أَوْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِآيَةِ عَذَابٍ .  
 كقولك هلم و تعال . [تفسیر طبری: ۴۴۱/۱]

”سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے کہا: قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیں تو سیدنا میکائیلؑ نے کہا میں طلب کیجئے تو سیدنا جبرئیلؑ نے کہا دو حرفوں پر پڑھیں۔ یہاں تک چھ یا سات حروف تک پڑھنے کی اجازت دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے ہر ایک ثنائی و کافی ہے جب تک رحمت کی آیت کو عذاب پر اور عذاب کی آیت کو رحمت پر ختم نہ کریں جیسے تیرا کہنا ہلم، تعال۔“

① عن الأعمش قال: قرأ أنس هذه الآية: ”إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَصْوَبُ قِيلاً“ فقال قوم: يا أبا حمزة! إنما هي ”وأقوم“ فقال: أقوم وأصوب وأهيا واحد. [تفسیر طبری: ۴۵۱/۱]

”أعمشؒ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ”سیدنا انس بن مالکؓ نے ﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً﴾ میں أقوم کے بجائے أصوب پڑھا تو لوگوں نے کہا کہ اے ابو حمزہ یہاں أقوم ہے تو سیدنا انسؓ نے جواب دیا أقوم، أصوب اور أهيا یہ ایک ہی ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

سیدنا انسؓ کے قول سے مذکورہ بالا حدیث ابی بکرؓ کا مفہوم بھی متعین ہو گیا یعنی ہلم، تعال وغیرہ یہ اس بات کی مثال نہیں ہے کہ قراءات کا اختلاف کوئی تضاد کا اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس بات کی تصریح ہے کہ قرآن کریم میں سب سے مراد مترادفات کا اختلاف ہے۔ یقیناً ایسا اختلاف موجود بھی تھا اور عرصہٴ اخیرہ میں جو قرآن مجید کا بہت سا حصہ منسوخ ہوا ہے، وہ یہی تھا۔ ان مترادفات کی کثرت کس قدر تھی اس پر ایک نظر ڈالنے کے لیے مشہور مستشرق آرتھر جفری کی مقدمتان اور کتاب المصاحف کے تناظر میں تیار کی گئی سورۃ الفاتحہ میں موجود مترادفات کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جس سے مترادفات کی کثرت کا اندازہ ہوگا۔ یاد رہے کہ جفری کی پیش کردہ روایت کی تصدیق تصویب قطعاً مقصود نہیں بلکہ صرف تمثیل منشاء تحریر ہے۔

\* حضرت ابی بن کعبؓ کا اس طرح پڑھنا روایت کیا گیا ہے۔

مالک کی بجائے ملیک، اهدنا کی بجائے ثبتنا اور دلنا .

\* حضرت علی بن ابن طالبؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے۔

مالک کی بجائے ملک یوم یا مالک، اهدنا کی بجائے ثبتنا اور لا کے بجائے غیر .

\* حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس طرح روایت کرنا منقول ہے۔

صراط کی بجائے سراط

\* حضرت عمر بن خطابؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے۔

\* مالک کی بجائے ملک، الذین کی بجائے من اور ولا الضالین کی بجائے غیر الضالین .

\* حضرت عائشہؓ سے مالک کی بجائے ملک .

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مالک کی بجائے ملیک اور عبداللہ بن زبیرؓ سے صراط الذین

أنعمت کے بجائے صراط من أنعمت مروی ہے۔

یحییٰ بن وثاب تابعی نستعین کی بجائے نستعین یعنی نون پر زبر کی بجائے زیر پڑھتے تھے۔ ابوسوار العنوی ایاک نعبد وایاک کی جگہ ہیاک نعبد وہیاک پڑھتے تھے ابوعمر والصراط کی بجائے الصراط پڑھتے۔ جیفری نے تذکرۃ الائمہ مؤلف باقر مجلسی [مطبوعہ تہران: ۱۸] کے حوالہ سے سورۃ الفاتحہ کا درج ذیل متن ذکر کیا ہے۔

”نحمد الله رب العالمين ○ الرحمن الرحيم ○ ملاك يوم الدين ○ هياك نعبد وويك نستعين ○  
ترشد سبيل المستقيم ○ سبيل الذين أنعمت عليهم سوي المغضوب عليهم والضاالين ○“  
اس کے علاوہ خلیل بن احمد کی نسبت سے بھی سورۃ الفاتحہ کا ایک متن منقول ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

”الحمد لله سيد العالمين ○ الرزاق الرحيم ○ ملاك يوم الدين ○ إنا لك نعبد وإنا لك نستعين ○  
أرشدنا سبيل المستقيم ○ سبيل الذين مننت عليهم، سوي المغضوب عليهم ولا  
الضاالين ○“

اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے سورۃ ألم نشرح کی آیات: ”ألم نشرح لك صدرك، وحللتنا عنك وزرك“ کو یوں تلاوت کیا تو آپ کے اس طرح پڑھنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے فرمایا حللتنا، حططنا اور وضعنا ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے مختلف الفاظ ہیں۔

ایک روایت حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مقدمتان میں مروی ہے کہ وہ ایک فارسی نژاد مسلمان کو آیت ﴿إِنَّ شَجْرَةَ الزَّقُّومِ ○ طَعَامُ الْأَثِيمِ﴾ [الدخان: ۴۳] پڑھا رہے تھے۔ وہ ﴿طعام الأثيم﴾ کے بجائے ”طعام الیتیم“ پڑھا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ”الطعام الظالم“ پڑھا دو جو اس نے بآسانی پڑھا لیا۔

ان جملہ امثلہ کے بارے میں ہمارا کامل ایمان اور قطعی یقین واطمینان ہے کہ ان میں سے سوائے وہ امثلہ جو قراءات متواترہ میں موجود ہیں، کوئی بھی شے قرآن میں داخل نہیں ہے۔ البتہ ان کے ذکر سے سوائے اس کے کچھ بھی مطلوب نہیں کہ قرآن مجید میں مترادفات کا اختلاف بہت کثرت سے تھا اور ابن جریر رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل علم، جو ان کے نقطہ نظر سے اتفاق کئے ہوئے ہیں، بہر حال دلائل و براہین کی دنیا میں اجنبی نہیں ہیں بلکہ مروجہ موازین اور مقابیس پر بلا کسی تردد کے پورے اترتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا یہ قول کہ صرف ابن جریر رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور دیگر صاحبان فکر و دانش کے اقوال سے عدم آگہی کی وجہ سے لوگ ان کے نقطہ نظر کے گرویدہ ہیں یہ ایک معقول تحقیقی نہیں بلکہ سطحی رائے ہے۔ کیونکہ جب آپ ان کی جلیل القدر شخصیت سے متاثر نہیں ہوئے تو سلف میں سے ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ، ابن کثیر رضی اللہ عنہ اور قرطبی رضی اللہ عنہ جیسی ہستیاں بغیر کسی معقول بنیاد کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔

○ حافظ ابن جریر رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کام کے بارے میں موقف:

”والآثار الدالة على أن إمام المسلمين وأمير المؤمنين عثمان بن عفان جمع المسلمين نظراً منه لهم وإشفاقاً منه عليهم، ورأفة بهم حذار الردة من بعضهم بعد الإسلام والدخول في الكفر بعد الإيمان إذ ظهر من بعضهم بمحضه وفي عصره التكذيب ببعض الأحرف السبعة التي نزل عليها القرآن مع سماع أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من رسول الله النهي عن التكذيب بشيء منها وأخباره إياهم أن المرء فيها كفر، فحملهم، إذ رأى ذلك ظاهراً بينهم في عصره ولحدائثة عهدهم بنزول القرآن، وفراق رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إياهم بما أمن عليهم مع

عظیم البلاء فی الدین من تلاوة القرآن علی حرف واحد“

”آثار اس پر دال ہیں کہ امام المسلمین اور امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اُمت کو ایک حرف پر اس لیے جمع فرمادیا کہ ان کا مسلمانوں سے ایک الف و محبت اور شفقت و مہربانی کا تعلق تھا کہ کہیں قرآن کا انکار کر کے اسلام سے ارتداد اور ایمان سے کفر کی طرف نہ منتقل ہو جائیں، کیونکہ قرآن کریم کے کسی ایک حرف کی تکذیب یا کسی لفظ کی قرآنیت کے بارے میں جھگڑا کرنا صریحاً کفر ہے۔ انہوں نے جب اپنے زمانہ میں اس قدر اختلاف دیکھ لیا حالانکہ ان کا زمانہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب کا زمانہ ہے تو انہوں نے اُمت کو اس عظیم آزمائش سے بچانے کے لیے ایک عظیم کدواؤں کی۔“

● مزید فرماتے ہیں:

”و جمعہم علی مصحف واحدٍ وحرف واحدٍ و خرق ما عدا المصحف الذي جمعہم علیہ وعزم علی کل من كان عنده مصحف مخالف المصحف الذي جمعہم علیہ أن یحرقہ فاستوفقت له الأمة علی ذلك بالطاعة، ورأت أن فیما ذلك من الرشد والهدایة فتركت القراءة بالأحرف الستة التي عزم علیہا إمامہا العادل فی تركہا طاعة منها له، و نظراً منها لأنفسہا ولمن بعدها من سائر أهل ملتہا حتی درست من الأمة معرفتہا وتعفت آثارہا فلا سبیل لأحد اليوم إلى القراءة بها لدثورها و عفو آثارہا.“ [تفسیر ابن جریر رضی اللہ عنہ: ۵۰/۱]

”سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک مصحف پر جمع فرمادیا اور اس کے علاوہ جو مصاحف کسی کے پاس بھی ان مصاحف کے مخالف تھے انہیں ضائع کر دیا۔ تو اُمت نے اس معاملہ میں ان کی اطاعت کی، کیونکہ اس میں سراسر بھلائی اور ہدایت کا پہلو ظاہر تھا۔ اور احرف ستہ کو کلیتاً ترک کر دیا جس کا امام عادل نے ان سے مطالبہ کیا تھا۔ لہذا اُمت نے اس کو قبول کرنے کے بعد اس پر عمل شروع کر دیا جس سے باقی احرف بالکل ختم ہو گئے اور ان احرف کی عدم دستیابی کی بناء پر ان تک رسائی ممکن نہیں ہے۔“

اسی طرح امام ابن جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں ایک سوال پیدا کیا کہ سائل یہ کہے کہ آپ کے کہنے کے موافق آج ایک ہی حرف باقی ہے تو وہ حروف ستہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے پڑھا، اُس کے پڑھنے کا حکم دیا اور خود اللہ رب العزت نے آسمانوں سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے ہیں۔ کیا وہ اٹھا لیے گئے ہیں؟ یا منسوخ کر دیئے گئے؟ اگر فی الواقع ایسا ہے تو ان کے رفع اور نسخ کی دلیل کیا ہے؟ یا پھر اُمت ویسے ہی اُسے بھول گئی ہے، تو یہ بھولنا تضييع قرآن ہے۔ حالانکہ اس کی حفاظت اُمت کی ذمہ داری ہے۔ تو اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

”لم تنسخ فترفع، ولا ضيعتها الأمة وهي مأمورة بحفظها. ولكن الأمة أمرت بحفظ القرآن، وخيرت في قراءته و حفظه بأي تلك الأحرف السبعة شاءت كما أمرت، إذا هي حنثت في يمين وهي موسرة، بأن تكفر بأي الكفارات الثلاث شاءت: إما بعق، أو إطعام، أو كسوة. فلو أجمع جميعها على التكفير بواحدة من الكفارات الثلاث، دون حظرها التكفير بأي الثلاث شاء المكفر، كانت مصيبةً حكم الله، مؤدية في ذلك الواجب عليها من حق الله. فكذلك الأمة، أمرت بحفظ القرآن وقراءته، وخيرت في قراءته بأي الأحرف السبعة شاءت: فرأت -لعله من العلة أو جبت عليها الثبات على حرف واحد-



قراءتہ بحرف واحد، ورفض القراءة بالأحرف الستة الباقية، ولم تحظر قراءته بجميع حروفه على قارءه، بما أذن له في قراءته به .“

”نو تو قرآن منسوخ ہوا ہے اور نہ ہی اُسے اٹھا گیا ہے اور نہ ہی اُمت، جو کہ اس کی حفاظت پر مامور ہے، اس کے ضیاع کی مرتکب ہوئی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اُمت کو حفاظت قرآن کا حکم دیا گیا ہے اور اُحرف سب سے اور قراءات میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے تم کے کفارے میں عتق غلام، کھانا اور لباس میں سے کسی ایک کے ادا کرنے میں حائل مجیز ہے۔ اور اگر اُمت ان میں سے کسی ایک کے اختیار پر اجماع کر لے اور دوسرے سے منع نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اُمت حفاظت قرآن اور قراءات کی حفاظت کی مکلف ہے لیکن قراءات میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ اُمت نے اسی وجہ سے اسی علت کی بنیاد پر حرف واحد کو اختیار کر لیا باقی حروف ستہ کی قراءت ختم ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ کسی کو باقی اُحرف پر قراءات سے منع کیا جائے گا تو بات ٹھیک نہیں ہے بلکہ قاری کو اجازت ہے جس حرف پر چاہے قراءت کرے۔“

[تفسیر طبری: ۴۸۱]

ابن جریر رضی اللہ عنہ مذکورہ دلیل کے علاوہ چند ایک نصوص مزید اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں:

”عن خارجه بن زيد بن ثابت، عن أبيه زيد، قال: لما قتل أصحاب رسول الله ﷺ باليمامة، دخل عمر بن الخطاب ÷ على أبي بكر ÷ فقال: إن أصحاب رسول ﷺ باليمامة تهافتوا تهافت الفراش في النار، وإنني أخشى أن لا يشهدوا موطننا إلا فعلوا ذلك حتى يقتلوا - وهم حملة القرآن - فيضيع القرآن وينسى، فلو جمعته وكتبته! فنفروا منها أبو بكر وقال: أفعل ما لم يفعل رسول الله ﷺ! فتراجعا في ذلك. ثم أرسل أبو بكر إلى زيد بن ثابت، قال زيد: فدخلت عليه و عمر محزئاً<sup>(۱)</sup> فقال أبو بكر: إن هذا قد دعاني إلى أمر فأبيت عليه، وأنت كاتب الوحي، فإن تكن معه اتبعكما، وإن توافقني لا أفعل. قال: فاقصص أبو بكر قول عمر، و عمر ساكت، فنفرت من ذلك وقلت: نفع ما لم يفعل رسول الله ﷺ! إلى أن قال عمر كلمة: ”وما عليكم لو فعلتما ذلك؟“ قال: فذهبنا ننظر، فقلنا: لا شيء والله! ما علينا في ذلك شيء! قال زيد: فأمرني أبو بكر فكتبته في قطع الأدم وكسر الأكتاف والعصب. فلما هلك أبو بكر وكان عمر، كتب ذلك في صحيفة واحدة، فكانت عنده. فلما هلك، كانت الصحيفة عند حفصة زوج النبي ﷺ. ثم إن حذيفة بن اليمان قدم من غزوة كان غزاها بمرج أرمينية، فلم يدخل بيته حتى أتى عثمان بن عفان فقال: يا أمير المؤمنين! أدرك الناس! فقال عثمان: ”وما ذلك؟“ قال غزوت مرج أرمينية، فحضرها أهل العراق وأهل الشام، فإذا أهل الشام يقرؤون بقراءة أبي بن كعب، فيأتون بما لم يسمع أهل العراق، فتكفرهم أهل العراق. وإذا أهل العراق يقرؤون بقراءة ابن مسعود، فيأتون بما لم يسمع به أهل الشام، فتكفرهم أهل الشام. قال زيد: فأمرني عثمان بن عفان أكتب له مصحفاً، وقال: إني مدخل معك رجلاً لبيباً فصيحاً، فما اجتمعتما عليه فاكتاباه، وما اختلفتما فيه فارفعاه إلي. فجعل معه أبان بن سعد بن العاص، قال: فلما بلغنا ﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ﴾ [البقرة: ۲۴۸] قال: زيد فقلت: ’التابوه‘ وقال أبان بن سعيد: ’التابوت‘ فرفعنا

ذلك إلى عثمان فكتب: 'التابوت' قال: فلما فرغت عرضته عرضة، فلم أجد فيه هذه الآية: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَن يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الاب: ۲۳] قال: فاستعرضت المهاجرين أسألهم عنها، فلم أجدها عند أحد منهم، ثم استعرضت الأنصار أسألهم عنها، فلم أجدها عند أحد منهم، حتى وجدتھا عند خزيمه بن ثابت، فكتبتها، ثم عرضته عرضة أخرى، فلم أجد فيه هاتين الآيتين: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ [التوبة: ۱۲۸، ۱۲۹] فاستعرضت المهاجرين، فلم أجدھا عند أحد منهم، ثم استعرضت الأنصار أسألهم عنها فلم أجدھا عند أحد منهم، حتى وجدتھا مع رجل آخر يدعى خزيمه أيضاً، فأثبتھا في آخر 'براءة' ولو تمت ثلاث آيات لجعلتها سورة على حدة۔ ثم عرضته عرضة أخرى، فلم أجد فيه شيئاً، ثم أرسل عثمان إلى حفصة يسألها أن تعطيه الصحيفة، وحلف لها ليردنها إليها فأعطته إياها، فعرض المصحف عليها، فلم يختلفا في شيء۔ فردھا إليها، وطابت نفسه، وأمر الناس أن يكتبوا مصاحف۔ فلما ماتت حفصة أرسل إلى عبدالله بن عمر في الصحيفة بعمزة، فأعطاهم إياها فغسلت غسلًا۔“

”زيد بن ثابت رضي الله عنه فرماتے ہیں، جب شیخ نبوت ﷺ کے پروانے یمامہ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے تو سیدنا عمر بن خطاب رضي الله عنه جناب ابوبکر رضي الله عنه کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اصحاب محمد ﷺ نے ناموس رسالت ﷺ پر اس طرح جانیں بچاؤ کر لی ہیں، جس طرح شیخ پر پروانے قربان ہوتے ہیں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹنے کی بجائے اس وقت تک گستاخان نبوت کے خلاف برسر پیکار رہیں گے جب تک جام شہادت نوش نہیں کر لیتے اور وہ سارے کے سارے وہ لوگ ہیں جو حاملین قرآن ہیں ان کی شہادت سے قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، کیوں نہ ہو کہ ہم قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کر لیں اور لکھ لیں۔ ابوبکر رضي الله عنه اس کام کو کرنے سے بچچائے اور کہا کہ میں وہ کام کیسے کروں جو آنجناب ﷺ نے نہیں کیا، شبخین کے مابین اس موضوع پر گفتگو جاری رہی۔ پھر حضرت ابوبکر رضي الله عنه نے زید بن ثابت رضي الله عنه کو بلایا۔ سیدنا زید رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ جب میں ان کے ہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ جناب عمر رضي الله عنه پریشان حال بیٹھے ہیں تو سیدنا ابوبکر رضي الله عنه نے کہا: کہ یہ مجھے ایک کام کے بارہ میں اصرار کرتے ہیں جبکہ میں نے انکار کر دیا ہے۔ آپ کاتب وحی ہیں اگر آپ ان کے ساتھ متفق ہیں تو میں آپ کا ساتھ دوں گا لیکن اگر آپ میری رائے سے اتفاق کریں تو تب میں یہ کام نہیں کروں گا۔ زید بن ثابت رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ہم وہ کام کیسے کریں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ تب سیدنا عمر رضي الله عنه نے ایک کلمہ کہا: ”اگر تم یہ کر لو تو تم پر کیا بوجھ آ پڑے گا“ زید رضي الله عنه کہتے، کہ ہم نے غور و خوض کی غرض سے مجلس برخواست کر دی۔ جب ہم نے اس کے جملہ پہلوؤں پر نظر دوڑائی تو پتہ چلا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ تب حضرت ابوبکر رضي الله عنه نے مجھے جمع کرنے کا حکم دیا جسے میں نے سمجھ کر چٹوں، ہڈیوں، چمڑے اور کاغذ کے ٹکڑوں میں سے جمع کر لیا۔ جب سیدنا ابوبکر رضي الله عنه راہی آخرت ہوئے اور خلافت سیدنا عمر رضي الله عنه کے سپرد ہوئی تو انہوں نے دوبارہ اُسے ایک صحیفہ میں لکھوایا اور اپنے پاس محفوظ رکھا۔ آپ رضي الله عنه کی وفات کے بعد وہ حضرت حفصہ رضي الله عنها کے ہاں منتقل ہو گیا۔ پھر ایک روز سیدنا حدیفہ بن یمان رضي الله عنه اچانک آرمینیا کی جنگ سے لوٹے اور اپنے گھر جانے کے بجائے سیدہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضي الله عنه کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ اے امیر المؤمنین، لوگوں کی خبر لیجئے، سیدنا عثمان رضي الله عنه نے پوچھا ماجرا کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا میں ابھی ابھی مرج آرمینیا

سے لوٹا ہوں جہاں اہل شام اور اہل عراق جہاد میں مشغول ہیں۔ اہل عراق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءات پڑھتے ہیں اور اہل شام جناب اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءات پر ہیں جبکہ دونوں نے ایک دوسرے کی قراءات کو سنا تو اس کا انکار کر دیا اور بات اس قدر بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا کر اپنے لیے ایک مصحف لکھنے کا کہا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم بطور معاون آپ کو ایک فصیح اللسان اور ذہین شخص فراہم کریں گے، جس پر تم دونوں متفق ہو جاؤ اُسے لکھ لو اور جس پر تمہارا اختلاف ہو جائے تو میری طرف رجوع کرو۔ لہذا انہوں نے ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو میرا معاون مقرر کیا، جب ہم ﴿إِنَّ آيَةَ مَلِكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ﴾ [البقرہ: ۲۴۸] پر پہنچے تو میں نے کہا: ﴿التابوہ﴾ جبکہ ابان رضی اللہ عنہ نے کہا: ﴿التابوت﴾ ہے۔ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے التابوت تائے طویلہ کے ساتھ لکھا۔ کہتے ہیں کہ جب میں کتابت سے فارغ ہوا تو میں نے پورے مصحف کی مراجعت کی تو میں نے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ﴾ آیت نہ پائی۔ تو میں نے مہاجرین سے کہا کہ کسی کے پاس یہ آیت موجود ہے؟ تو ان کے پاس نہ پایا پھر میں نے انصار سے سوال کیا تو خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مل گئی جسے میں نے لکھ لیا اور دوسری بار پھر مراجعت کی تو سورۃ توبہ کی دو آخری آیات نہیں تھیں۔ مہاجرین اور انصار سے اس بارے میں دریافت کیا تو ان کے پاس نہ پائیں بالآخر خزیمہ نامی صحابی کے پاس مل گئیں جسے میں نے درج کر لیا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی تین آیات مجھ مل جاتیں تو میں ایک علیحدہ سورۃ بنا دیتا۔ اس کے بعد میں نے مزید ایک دفعہ مراجعت کی تو میں نے ہر طرح سے مکمل پایا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ سے مصحف منگوا لیا اور وعدہ کیا کہ یہ واپس لوٹا یا جائے گا۔ پھر ان دونوں مصاحف کا موازنہ کیا گیا۔ اور دونوں کو متفق پایا تو مطمئن ہو گئے اور لوگوں کو اس کے مطابق سیکھنے کا حکم دے دیا۔ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئی تو انہوں نے یہ مصحف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تو انہوں نے حکام کے حوالے کر دیا جسے بعد میں یہودیا گیا۔

”عن أبي قلابه، قال: لما كان في خلافة عثمان، جعل المعلم قراءة الرجل، والمعلم يعلم قراءة الرجل، فجعل الغلمان يلتقون فيختلفون، حتى ارتفع ذلك إلى المعلمين. قال أيوب: لا أعلمه إلا قال: حتى كفر بعضهم بقراءة بعض. فبلغ ذلك عثمان، فقام خطيباً فقال: ”أنتم عندي تختلفون فيه وتلحنون، فمن نأى عني من أهل الأمصار أشد فيه اختلافاً وأشد لحناً، اجتمعوا يا أصحاب محمد! فاكتبوا للناس إماماً.“

قال أبو قلابه: فحدثني أنس بن مالك قال: كنت فيمن أُملي عليهم، فرمبا اختلفوا في الآية فيذكرون الرجل قد تلقاها من رسول الله ﷺ، ولعله أن يكون غائباً أو في بعض البوادي، فيكتبون ما قبلها وما بعدها، ويدعون موضعها، حتى يجيء أو يرسل إليه. فلما فرغ من المصحف، كتب عثمان إلى أهل الأمصار: ”إني قد صنعت كذا وكذا، ومحوت ما عندي، فامحوا ما عندكم.“

”ابن قلابہ سے مروی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں باقاعدہ معلم مقرر کئے گئے، ایک معلم کسی ایک صحابی کی قراءات سکھاتا جبکہ دوسرا کسی دوسرے صحابی کی، ہوا یہ کہ بچوں نے اختلاف شروع کر دیا اور یہ بات معلمین تک پہنچ گئی۔ ایوب راوی حدیث کہتے ہیں کہ شاید ابو قلابہ نے یہ بھی کہا کہ بعض نے بعض کی قراءات کا انکار شروع کر دیا۔ جب یہ بات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ تم میرے پاس ہوتے ہوئے غلطیاں کرتے ہو اور اختلاف میں پڑے ہوئے ہو، یقیناً وہ لوگ جو ہم سے دور ہوں گے وہ زیادہ غلطیاں کرتے ہوں گے اور شدید اختلاف کا شکار ہوں گے، انہوں نے کہا کہ اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لیے ایک ایسا مصحف لکھو جو امام

کے درجہ پر فائز ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو قرآن کی کتابت کر رہے تھے۔ ہمارے درمیان بعض دفعہ کسی آیت میں اختلاف ہوتا تو ہمیں کہا جاتا کہ اسے فلاں ہستی میں رہنے والے صحابی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ سنا ہے تو ہم یوں کرتے کہ اس آیت سے پہلی اور بعد والی آیات لکھ دیتے اور اس کی جگہ خالی چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ وہ آدمی خود آجاتا یا اسے بلا لیا جاتا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب مصاحف کی کتابت سے فارغ ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں کی جانب لکھ دیا کہ میں نے یہ کام کیا ہے اور اس کے علاوہ جو میرے پاس تھا اُسے ختم کر دیا ہے لہذا جو تمہارے پاس ہے اُسے تم بھی ختم کر دو۔“

عن أنس بن مالك الأنصاري أنه اجتمع في غزوة أذربيجان وأرمينية أهل الشام وأهل العراق، فتذاكروا القرآن، واختلفوا فيه حتى كاد يكون بينهم فتنة. فركب حذيفة بن اليمان -لما رأى اختلافهم في القرآن- إلى عثمان، فقال: "إن الناس قد اختلفوا في القرآن، حتى إنني والله لأخشى أن يصيبهم مثل ما أصاب اليهود والنصارى من الاختلاف." قال: ففزع لذلك عثمان فزعا شديداً، فأرسل إلى حفصة فاستخرج الصحيفة التي كان أبو بكر أمر زيداً بجمعها، فمسح منها مصاحف، فبعث بها إلى الآفاق.

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ آذربائیجان اور آرمینیا کے غزوہ میں اہل عراق اور اہل شام کے ساتھ شامل تھے ان کے مابین قرآن کے بارے میں گفتگو شروع ہو گئی جو اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ فتنہ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے بارے میں اختلاف دیکھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ لوگ قرآن میں اس قدر اختلاف کر رہے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ ان کی حالت یہود و نصاریٰ سی ہو جائے گی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو بہت زیادہ پریشان ہو گئے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مصحف منگوا لیا اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن کو جمع کرنے اور اس کی نقلیں تیار کرنے کا حکم دیا اور اس کو آفاق عالم میں پھیلا دیا۔“

”عن أنس بن مالك أن عثمان دعا زيد بن ثابت وعبدالله بن الزبير وسعيد بن العاص وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فمسحوها في المصاحف وقال عثمان للرهط القريشيين الثلاثة: "إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم" ففعلوا ذلك. [صحیح البخاری: ۳۲۲۳]

”سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ مصحف ابو بکر کی کاپیاں تیار کریں اور قریشیوں کو یہ بھی کہا کہ جب تمہارے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مابین کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اُسے لغت قریش میں لکھو، کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔“

ترمذی کتاب التفسیر باب تفسیر سورة التوبة میں ”فإنه نزل بلسان قريش“ کے الفاظ بھی موجود ہیں یعنی وہاں حصر نہیں ہے۔

امام ابن جریر رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان جمیع اختلافات اور نزاعات کو سامنے رکھتے ہوئے اُمت کو ایک حرف پر جمع کر دیا تھا اور یہی آپ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی وجہ سے آپ کو جامع القرآن کے عظیم لقب سے نوازا گیا ہے اور آپ کے اس کام کی بدولت اُمت میں جو قرآن کریم کے معاملہ میں فتنہ پیدا ہو رہا تھا، فرو ہو گیا۔ یہ تو ہم بعد میں واضح کریں گے کہ امام ابن جریر رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ دلائل کس حد تک اس کے

مؤقف کی تائید کر رہے ہیں اس سے پہلے ہم ذرا ان ائمہ کے اقوال بھی پیش کرنا چاہیں گے جو امام ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف کے کسی نہ کسی طرح مؤیدین ہیں تاکہ جمیع آراء اور نصوص سامنے رکھتے ہوئے ان پر ایک جامع تجزیہ پیش کیا جاسکے۔

### امام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ

”وكانت هذه السبعة للناس في هذه الحروف لعجزهم عن أخذ القرآن على غير ما مما لا يقدرون عليه لما قد تقدم ذكرنا له في هذا الباب وكانوا على ذلك حتى كثر من يكتب منهم وحتى عادت لغاتهم إلى لسان رسول الله ﷺ فقرءوا بذلك على تحفظ القرآن بألفاظه التي نزل بها فلم يسعهم حينئذ أن يقرءوه بخلافها وبأن بما ذكرنا أن تلك السبعة الأحرف إنما كانت في وقت خاص لضرورة دعت إلى ذلك ثم ارتفعت تلك الضرورة فارتفع حكم هذه السبعة الأحرف وعاد ما يقرأ به القرآن على حرف واحد“ [مشكل الآثار: ٩١/٢، ١٩٠]

”لوگوں کے لیے حروف سب سے نازل کیا گیا تھا کہ وہ ان حروف کے بغیر اخذ قرآن سے ہی قاصر تھے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے اس وقت وہ ان حروف کو تلاوت کرتے رہے جب تک ان کے لیے مشکل تھا۔ لیکن جب یہ آپ ﷺ کی زبان کثرت سے لکھنا شروع ہو گئے اور ان کی زبانیں بولنے کی عادی ہو گئیں تو پھر ان کو دوبارہ اللہ کے رسول ﷺ کی لغت کے مطابق پڑھنے کا حکم دے دیا گیا تاکہ وہ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری ادا کر سکیں اور دیگر احرف پر پڑھنے کی وسعت ختم کر دی گئی۔ گویا کہ ا حروف سب سے پر تلاوت قرآن کی اجازت، خاص وقت اور خاص ضرورت کی بنا پر تھی جب ضرورت ختم ہو گئی تو اجازت بھی اٹھائی گئی اور حرف واحد کی قراءت شروع ہو گئی۔“

**نوٹ:** امام ابن جریر رحمہ اللہ اور طحاوی رحمہ اللہ کے مؤقف میں ایک فرق ہے اگرچہ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ا حروف سب سے کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے اندیشہ سے باجماع صحابہ مؤقف کر دیا تھا لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کی اجازت ایک وقتی ضرورت کی بناء پر تھی جب یہ پوری ہو گئی تو وہ اجازت بھی خود بخود ختم ہو گئی یعنی انتہاء الحکم بانتہاء العلة کی ایک شکل تھی۔

### امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سوال کہ آیا قراءت سب سے حروف سب سے پر مشتمل ہیں یا حروف سب سے کسی ایک پر؟ کے جواب میں فرمایا:

”فالذي عليه جمهور العلماء من السلف والأئمة أنها حرف من الحروف السبعة بل يقولون: إن مصحف عثمان هو أحد الحروف السبعة، وهو متضمن للعرضة الآخرة التي عرضها النبي ﷺ على جبريل. والأحاديث والآثار المشهورة المستفيضة تدل على هذا القول.“ [مجموع الفتاوى: ٣٨٩/١٣]

”سلف میں سے جمہور اہل علم اور ائمہ اس بات کے قائل ہیں کہ موجودہ قراءت سب سے یہ ا حروف سب سے میں سے صرف ایک حرف پر مشتمل ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ مصحف عثمانیہ بھی اسی ایک حرف پر ترتیب دیئے گئے ہیں جو آپ ﷺ نے عرضہ اخیرہ میں سیدنا جبرئیل رضی اللہ عنہ سے مدارسہ کرتے ہوئے تلاوت فرمایا تھا، نیز احادیث مستفیضہ اور آثار مشہورہ بھی اسی قول کے مؤید نظر آتے ہیں۔“

## مولانا قاری طاہر رحمی رحمۃ اللہ علیہ

انسان کے علم میں وقت کے ساتھ ساتھ وسعت اور گہرائی آتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ کے مؤقف ایک وقت تک اور رہے جبکہ بعد ازاں ان کا رجحان کسی دوسری طرف ہو گیا۔ جن کی مثالیں کتب فقہ میں مذہب قدیم اور جدید کے نام سے معروف ہیں۔ بالکل اسی طرح حضرت مولانا قاری طاہر رحمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ یا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے سب سے سب سے تشریح کی تھی کبھی بھی ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف سے نہیں فرمائی۔ کیونکہ وہ کشف النظر میں سب سے سب سے تشریح سب سے لغات عرب سے فرماتے ہیں اور اس قول کے قائلین ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ، ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی وغیرہ کو قرار دیتے ہیں اور جب مزید تفصیل میں جاتے ہیں تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی طرف میلان نظر آتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احرف سب سے منسوخ ہو چکے ہیں اور آج صحف صرف قریش پر ہے۔ [کشف النظر: ۸۸۱، ۸۷۷]

لیکن دفاع قراءات میں جب اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے تو ابن جریر کے مؤقف کو مرجوح قرار دیا ہے اور اس پر بارہ اعتراض کئے ہیں جو ان شاء اللہ ہم نقل کریں گے۔

ان کے علاوہ متابع القطن نے بھی ابن جریر ہی کے مؤقف کو اختیار کرتے ہوئے اسے راجح قرار دیا ہے۔ مزید کوئی اضافی بات نہیں کی جو لائق ذکر ہو۔

## ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کا تجزیہ اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہنا کہ یہ ایک بالکل ناقابل فہم مؤقف ہے، درست نہیں ہے۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے منزل من اللہ اختلافات کی صرف ایک جہت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن حالات میں مصاحف مرتب کروائے تھے، اور ان کے مرتب اور شائع ہوجانے کے بعد اختلاف کا ختم ہوجانا انہیں اس طرف لے گیا ہے کہ انہوں نے شاید ایک حرف ہی باقی رکھا تھا۔ البتہ یہ کہنا مشکل امر ہے کہ سب سے سب سے صحیح ترین تشریح یہی ہے، کیونکہ اس مؤقف پر وارد ہونے والے اعتراضات اس رائے کو اختیار کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

## مذکورہ مؤقف پر وارد ہونے والے اعتراضات

سب سے پہلے ہم مولانا تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مؤقف پر اعتراضات کو ایک نظر دیکھتے ہیں۔

① اس مؤقف پر حروف اور قراءات کو دو الگ الگ چیزیں قرار دینا پڑتا ہے۔ یقیناً یہ الجھن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف میں باقی رہتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ سب سے سب سے وجہ والا مؤقف راجح ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کے نقص کو واضح کرنے کے لیے کسی ایسے مؤقف کو قطعاً اختیار نہیں کیا جاسکتا جو خود کئی اشکالات لیے ہوئے ہو، جو ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

② ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سات حروف میں سے چھ منسوخ یا متروک ہو گئے اور صرف حرف قریش باقی رہ گیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف میں واقعی یہ کمی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ صرف حرف قریش باقی ہے دیگر منسوخ ہو گئے ہیں۔ لیکن سب سے وجہ کے قائلین نے یہ کب کہا ہے کہ حرف قریش کے علاوہ دیگر لغات بھی اس میں موجود

ہیں، انہوں نے تو ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی۔ بلکہ ہماری رائے کے مطابق مذکورہ حضرات (جزری وغیرہ) بھی یہ مانتے ہیں کہ موجودہ قراءات صرف حرف قریش ہی کی وجہ مختلفہ ہیں، کیونکہ سب سے پہلے وجہ کا موقف اختیار کرنے والوں کے سرخیل ابن قتیبہ رحمہ اللہ ہیں جن کے بارے میں امام ابن جزری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابوالفضل رازی رحمہ اللہ کا موقف، جو اوجہ سب سے بہتر تشریح ہے، ابن قتیبہ کے موقف کی ہی توضیح ہے۔ ان سے نصاً منقول ہے کہ قرآن کریم صرف اور صرف لغت قریش میں نازل ہوا ہے اس کے علاوہ کسی دوسری لغت پر قطعاً نازل نہیں ہوا۔

۳) ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف پر ایک اعتراض یہ ہے کہ ابن جزری وغیرہ کے موقف کے حاملین بہت ہی جلیل القدر علماء ہیں۔ یہ بات تو شاید وجہ ترجیح نہ بن پائے، کیونکہ دوسری طرف بھی بہت ہی نابغہ روزگار شخصیات ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ تحقیق کی دنیا میں شخصیات کے بجائے دلائل کی قوت پر ہی بات ہونی چاہئے۔ البتہ مولانا نے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے موقف پر ایک معتدل اور مدلل تنقید کی ہے جس کو ہم واقعی ایک وزنی اور مسکت تنقید سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ہم انہی کے الفاظ نقل کرتے ہیں:

### حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کا نظریہ اور اس کی قباہتیں

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے چونکہ اپنا یہ نظریہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بڑی تفصیل اور جزم و وثوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس لیے یہ قول بہت مشہور ہو گیا اور آج کل حروف سب سے کی تشریح عموماً اسی کے مطابق کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیشتر محقق علماء (ان علماء کے آسماء گرامی آگے آرہے ہیں) نے اسے اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ کیونکہ اس قول پر متعدد الجھنیں ایسی کھڑی ہو جاتی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے۔ اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض تو وہی ہوتا ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں 'حروف' اور 'قراءات' کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ ایک طرف تو یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ ساتوں حروف منزل من اللہ تھے۔ دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے چھ حروف کی تلاوت کو ختم فرما دیا حالانکہ اس بات کو باور کرنا بہت مشکل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان حروف کو یکسر ختم کرنے پر متفق ہو گئے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر امت کی آسانی کے لیے نازل فرمائے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بیشک دین میں حجت ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ جس چیز کا قرآن ہونا تو اتر کے ساتھ ثابت ہو، اُسے وہ صحیح رہستی سے منادینے پر متفق ہو جائیں۔

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ دراصل امت کو قرآن کریم کی حفاظت کا حکم ہوا تھا اور اسے ساتھ ہی یہ اختیار بھی دے دیا تھا کہ وہ سات حروف میں سے جس حرف کو چاہے اختیار کر لے، چنانچہ امت نے اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اجتماعی مصلحت کی خاطر چھ حروف کی تلاوت چھوڑ دی اور ایک حرف کی حفاظت پر متفق ہو گئی۔ اس اقدام کا منشاء نہ ان حروف کو منسوخ قرار دینا تھا اور نہ ان کی تلاوت کو حرام قرار دینا تھا، بلکہ اپنے لیے اجتماعی طور پر ایک حرف کا انتخاب تھا۔

لیکن یہ جواب بھی اس لیے کمزور معلوم ہوتا ہے کہ اگر صورت یہی تھی تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ امت اپنے عمل کے

لیے خواہ ایک حرف کو اختیار کر لیتی، باقی چھ حروف کا وجود سرے سے ختم کرنے کے بجائے اُسے کم از کم کسی ایک جگہ محفوظ رکھتی، تاکہ اُن کا وجود ختم نہ ہو، قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَكٰفِيظُونَ ﴾ [الحجر: 9]

”بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

جب ساتوں حروف قرآن تھے تو اس آیت کا صاف تقاضا یہ ہے کہ وہ ساتوں حروف قیامت تک محفوظ رہیں گے اور کوئی شخص ان کی تلاوت چھوڑنا بھی چاہے تو وہ ختم نہیں ہو سکیں گے، حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس کی نظیر میں یہ مسئلہ پیش کیا ہے کہ قرآن کریم نے جنھوں نے قسم کھانے کے کفارے میں انسانوں کو تین باتوں کا اختیار دیا ہے، یا تو وہ ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو کپڑے دے۔ اب اگر اُمت باقی صورتوں کو ناجائز قرار دیئے بغیر اپنے عمل کے لیے ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر لے تو یہ اُس کے لیے جائز ہے، اسی طرح قرآن کے سات حروف میں سے اُمت نے ایک حرف کو اجتماعی طور پر اختیار کر لیا، لیکن یہ مثال اس لیے درست نہیں کہ اگر امت کفارہ بئین کی تین صورتوں میں سے ایک صورت اس طرح اختیار کر لے کہ باقی صورتوں کو ناجائز تو نہ کہے لیکن عملاً ان کا وجود بالکل ختم ہو کر رہ جائے اور لوگوں کو صرف اتنا معلوم رہ جائے کہ کفارہ بئین کی دو صورتیں اور تھیں جن پر اُمت نے عمل ترک کر دیا، لیکن وہ صورتیں کیا تھیں؟ اُن کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہے تو یقیناً اُمت کے لیے ایسے اقدام کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ باقی چھ حروف کو ترک کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں ان حروف کے اختلاف کی وجہ سے شدید جھگڑے ہو رہے تھے۔ اس لیے حضرت عثمان نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان سب کو ایک حرف پر متحد کر دیا جائے، لیکن یہ بھی ایسی بات ہے جسے باور کرنا بہت مشکل ہے۔ حروف کے اختلاف کی بناء پر مسلمانوں کا اختلاف تو خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی پیش آیا تھا، احادیث میں ایسے متعدد واقعات مروی ہیں کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو مختلف طریقے سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا تو باہمی اختلاف کی نوبت آ گئی، یہاں تک کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے گلے میں چادر ڈال کر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تھے۔ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حروف کا یہ اختلاف سن کر میرے دل میں زبردست شکوک پیدا ہونے لگے تھے، لیکن اس قسم کے واقعات کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حروف سب کو ختم کرنے کے بجائے انہیں حروف کی رخصت سے آگاہ فرمایا، اور اس طرح کوئی فتنہ پیدا نہیں ہو سکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بعید ہے کہ انہوں نے اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے بجائے چھ حروف ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

پھر عجیب بات ہے کہ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم نے چھ حروف تو اختلاف کے ڈر سے ختم فرمادیئے اور قراءتیں (جو اُن کے قول میں حروف سے الگ ہیں) جوں کی توں باقی رکھیں، چنانچہ وہ آج تک محفوظ چلی آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ افتراق و اختلاف کا جو اندیشہ مختلف حروف پر قرآن کی تلاوت جاری رکھنے میں تھا کیا وہی اندیشہ قراءت کے اختلاف میں نہیں تھا؟ جبکہ ان قراءتوں کی روشنی میں بعض مرتبہ ایک ایک لفظ میں مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے؟ اگر چھ حروف ختم کرنے کا منشاء یہی تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو اور وہ سب ایک



طریقہ سے قرآن کی تلاوت کیا کریں تو قراءتوں کے اختلاف کو آخر کیوں ختم نہیں کیا گیا؟ جب قراءت کے اختلاف کو باوجود مسلمانوں کے انتشار کو روکا جاسکتا تھا اور مسلمانوں کو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ان تمام طریقوں سے تلاوت جائز ہے تو یہی تعلیم سبعہ کے باب میں فتنہ کا سبب کیوں سمجھ لی گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر 'حروف سبعہ' اور 'قراءت' کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ایسی حیرت انگیز دو عملی منسوب کرنا پڑتی ہے جس کی کوئی معقول توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اتنے بڑے اقدام کی نسبت کسی صریح اور صحیح روایت کی بناء پر نہیں بلکہ بعض مجمل الفاظ کی قیاسی تشریح کے ذریعہ کی گئی ہے۔ جن روایات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے چھ حروف کو ختم فرما دیا تھا بلکہ اس کے خلاف دلیلیں موجود ہیں جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اب کسی صحیح اور صریح روایت کے بغیر یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان چھ حروف کو بالکل بے نشان کر دینا گوارا کر لیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار فرمائش پر بذریعہ وحی نازل ہوئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جمع و ترتیب قرآن کے نیک کام میں محض اس لیے تامل رہا ہو کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، جنہوں نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو محفوظ رکھنے میں اپنی عمریں کھپائی ہوں اور جنہوں نے منسوخ التلاوة آیات تک کو محفوظ کر کے اُمت تک پہنچایا ہو، اُن سے یہ بات بے انتہا بعید ہے کہ وہ سب کے سب چھ حروف کو ختم کرنے پر اس طرح متفق ہو جائیں کہ آج ان حروف کا کوئی نام و نشان تک باقی نہ رہے، جن آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں بھی کم از کم تاریخی حیثیت میں باقی رکھ کر ہم تک پہنچایا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ 'حروف' جن کے بارے میں حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ منسوخ نہیں ہوئے، بلکہ محض مصلحیہ اُن کی قراءت و کتابت ختم کر دی گئی، اُن کی کوئی ایک مثال کسی ضعیف روایت میں بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

یہی وجہ ہے کہ بیشتر محقق علماء نے حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تردید فرمائی ہے۔ [علوم القرآن: ۱۱۹، ۱۲۱] اس کے علاوہ متعدد علماء نے اس پر کئی ایک اعتراضات کئے ہیں۔ شیخ الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے مناہل العرفان میں کہا ہے کہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے موقف پر بارہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں، جنہیں مولانا قاری طاہر رحیمی صاحب نے دفاع قراءات میں بھی درج کیا ہے ہم شیخ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات کو قاری طاہر رحیمی کی زبانی نقل کرتے ہیں:

① اس قول کا رجوع، لفظی اختلاف کی سات انواع تو گنجا اُن میں سے صرف ایک کامل نوع کی طرف بھی نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک نوع کے بعض حصے یعنی ابدال کلمہ باخریٰ علیٰ شرط الترادف ہی کی طرف ہوتا ہے تو قراءات متواترہ مکتوبہ بین دفتی المصحف کی اس نوع کے علاوہ دیگر متعدد انواع جو تا قیامت باقی ہیں اُن انواع کے احاطہ سے یہ قول، قاصر اور اُن کے لیے غیر جامع ثابت ہوا۔ [مناہل: ۱۶۸]

② قول ہذا کے قائلین کے نزدیک اس وقت سبعہ احرف میں سے صرف ایک حرف باقی ہے اور باقی چھ احرف کا قطعی کوئی وجود نہیں لیکن یہ حضرات کسی بھی دلیل سے اُن چھ احرف کی منسوخیت یا مرفوعیت قطعاً ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔

③ اس مسلک کے قائلین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک حرف کے ثبوت اور بقیہ چھ

احرف کے ترک پر اجماع منعقد ہو چکا ہے لیکن اجماع کا یہ دعویٰ قطعاً بے دلیل ہے۔

④ ان حضرات کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ”عہد عثمانی میں عثمانی مصاحف کا لکھوانا اُمت کی جانب سے احرف ستہ کے ترک اور صرف اُس ایک حرف کی بقاء و اقتصار پر اجماع ہے جو عثمانی مصاحف میں لکھا گیا ہے“ باوجود یہ کہ دلائل سے یہ امر ثابت ہے کہ عثمانی مصاحف میں حرفاً حرفاً ساتوں احرف باقی ہیں۔

⑤ ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ ”عہد عثمانی میں اختلاف قراءات کی وجہ سے اُمت کا اس حد تک تنازع ہوا کہ بعض نے بعض کی تکلیف تک شروع کر دی اور اس فتنہ پردازی کے خوف سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اُس وقت کے بقیہ حیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مناسب سمجھا کہ سب لوگوں کو ایک ہی حرف پر جمع کر کے باقی چھ احرف کو ترک کر دیا جائے۔“ لیکن ان حضرات کی توجہ اس جانب مبذول نہ ہو سکی کہ تعدد وجود قراءات تو درحقیقت منجانب اللہ اُمت محمدیہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہے اور ان وجود کا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کر کے تخفیف کی درخواست فرمائی تھی اور متعدد وجوہ قراءات کا حوالہ دے کر ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزاع و جدال کا عقدہ حل فرمایا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے تسلیم کرنے پر آمادہ کیا تھا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس فعل و سلوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت و تخفیف والے اُس دروازے کو کیونکر بند کر سکتے تھے جس کو ذات خُداوندی نے خاص اُمت اسلامیہ کے لیے مفتوح فرمایا تھا۔ [صفحہ: ۱۶۹]

⑥ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل کے ذریعہ اس امر کی تقریر فرمائی ہے کہ کوئی بھی شخص، احرف سبعہ نازلہ میں سے کسی بھی حرف کے موافق پڑھے اُسی میں وہ حق و صواب طریقہ پر پہنچے گا۔ اور کسی بھی شخص کے لیے قطعاً یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی بھی شخص کو احرف سبعہ نازلہ میں سے کسی بھی حرف کے موافق پڑھنے سے منع کرے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف قراءات کی بابت باہم اختلاف کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک صحابی سے یہی فرمایا ہکذا أنزلت، أصبت، أحسنت، نیز جب اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اختلاف قراءات کے تسلیم کرنے کے بارے میں کچھ تردّد لاحق ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سینے پر دست مبارک مار کر اُن کے تردّد کو دور فرما دیا۔ علی ہذا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: «فَأَيُّمَا حَرْفٍ قرءُوا عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوا» نیز روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں فرمان عالی ”کلا کما محسن“ اور روایت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: «فَأَيُّ ذَلِكَ قرَأْتُمْ أَصَبْتُمْ» نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا، اختلاف قراءات کا مقدمہ لے کر حاضر خدمت ہونے والے کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ (عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہما) کے معارضہ پر ان کی موافقت نہ فرمانا بلکہ ان کی تردید فرما کر ہر دو طرق اختلاف قراءات کی تصدیق فرمانا، نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: «فَلَا تَمَارُوا فِيهِ فَإِنَّ الْمَرْءَ فِيهِ كُفْرٌ». یہ تمام اُمور بلا ریب اس امر کی دلیل ہیں کہ کسی بھی شخص کو نازل شدہ احرف سبعہ میں سے کسی بھی حرف کے موافق تلاوت کرنے سے منع کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔ ایسی صورت حال میں یہ کہنا کیونکر درست ہے کہ ”عہد عثمانی میں صرف ایک حرف کو باقی رکھ کر باقی چھ حروف کو متروک قرار دے دیا گیا تھا“ [صفحہ: ۱۴۳]

⑦ مصاحف عثمانیہ رضی اللہ عنہم کو اُن صحف بکر یہ سے نقل کیا گیا تھا جو اختلاف حروف قراءات کے سبب اقطار اسلام میں نزاع و شقاق کی صورت حال پیدا ہونے سے پہلے لکھے گئے تھے اور صحف بکر یہ ساتوں احرف کے جامع و حامل

ب  
س  
ع

تھے، کیونکہ اُس وقت تک نزاع و شقاق کی وہ صورت حال پیدا نہ ہوئی تھی جو ان حضرات کے خیال کے مطابق صرف ایک حرف پر اقتضار و اکتفاء کی متقاضی و باعث بنی اور یہ بات کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں کہ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صحف بکرہ میں سے کسی ایک حرف کو بھی ترک کیا ہو چہ جائیکہ پورے چھ کے چھ احرف ہی کو ان حضرات نے اڑا دیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ چیز ہم تک متواتر منقول ہوتی باوجود یہ کہ غیر متواتر طریق سے بھی یہ چیز ثابت نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ عہد عثمانی میں چھ احرف کی متروکیت کا قضیہ قطعی بے بنیاد ہے۔ [صفحہ: ۱۷۰]

۸) اگر قائلین مسلک ہذا کے قول کے مطابق عہد عثمانی میں اُمت چھ احرف کے ترک اور صرف ایک ہی حرف کے ابقاء پر متفق ہوگی، تو ناممکن ہے کہ اس کے بعد بھی علماء خواہ مخواہ ان احرف سببہ کی تفسیر کے متعلق چالیس اقوال کی حد تک باہم اختلاف کرتے اور قائلین مسلک ہذا کے علی الرغم یہ سب علماء اس امر پر متفق الراء ہو جاتے کہ یہ ساتوں احرف باقی و ثابت ہیں جبکہ اجماع علماء، حجت ہے لہذا ان ساتوں ہی احرف پر باقی و ثابت تسلیم کرنا ہوگا۔

۹) اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ بزمانہ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ، اقطار الارض میں نزاع مسلمین کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس بات پر مجبور ہو گئے تھے کہ سب مسلمانوں کو تلاوت قرآن کے بارے میں صرف ایک ہی حرف پر جمع کر دیا جائے تو پھر بھی یہ اشکال ہے کہ بقاعدہ الضرورة تقدیر بقدرہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسی صورت حال میں صرف قراءات کی حد تک تو ان چھ احرف کی ممانعت کر دیتے مگر کم از کم تاریخ کے صفحات میں تو ان کے تذکرہ کو ضرور برقرار رکھتے باوجود یہ کہ یہ احرف ستہ تلاوت منسوخ ہیں نہ حکماً اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و سلف صالحین و اکابر عظام نے تو ان سے بھی کمتر چیزیں مثلاً آیات منسوخہ، قراءات شاذہ، احادیث منسوخہ بلکہ احادیث موضوعہ تک اوراق تاریخ میں محفوظ کر دی ہیں۔ پس جب تاریخ میں بھی ان احرف ستہ متروکہ کا کوئی ذکر موجود نہیں تو لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قراءات متداولہ میں بھی یہ سب کے سب احرف ثابت و باقی ہیں (معلوم ہوا کہ احرف سببہ، کلمات متروکہ کے معنی میں نہیں بلکہ سببہ لغات وغیرہ ان احرف سببہ کے مصداق ہیں۔) [صفحہ: ۱۷۱]

۱۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفاع قرآن اور محافظت قراءات میں اس قدر متصلب و بیدار مغز و محتاط تھے کہ جہاں کہیں کوئی معمولی سی نئی بات بھی اپنے اُخذ کردہ طریقہ ادا کے برخلاف سنتے فوراً پوری ہمت و تندہی کے ساتھ اس کے خلاف برسرا پیکار ہو جاتے اپنے موقف پر انتہائی سختی و مضبوطی کامل جرأت و قوت کے ساتھ جم جاتے اور کامل تشفی و تسلی ہوئے بغیر قطعاً اس سے ہٹنے کا نام نہ لیتے۔ دیکھئے! ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنی قراءات میں بی الواقع حق پر تھے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وہ یہ بھی کہتے جارہے تھے کہ مجھے یہ قراءات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے مگر اس کے باوجود عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُن کی ایک نہ سنی اور ان کو کشاں کشاں خدمت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لے آئے اور فیصلہ کے خواستگار ہوئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءات کی تصویب فرما دی تب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑا۔ ایسی صورت حال میں یہ قطعاً ناممکن و مستبعد ہے کہ عہد عثمانی رضی اللہ عنہم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چھ احرف کے ترک پر اجماع کر لیا ہو۔ [مناہل: ۱۳۳، ۱۳۵]

۱۱) قراءات حاضرہ متداولہ میں الفاظ متروکہ نیز لغات قبائل وغیرہ کی قسم سے مختلف انواع کا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس مذہب کے قائلین کی رائے کے موافق، باوجود اس قدر کثرت و وسعت کے پورے کے پورے اختلاف

کار جوع صرف ایک ہی حرف کی طرف ہو رہا ہے، جو باطل ہے۔

۱۴) احرف سبعہ کی حکمت، قرآنی اداء میں اُمت اسلامیہ کو تخفیف و آسانی کا مہیا کرنا ہے اور یہ حکمت تبھی باقی رہ سکتی ہے جبکہ پورے کے پورے سبعہ اُحرف کو باقی مانا جائے لہذا چھ احرف کی متروکیت کا قول غلط ہے۔

[منابہل: ۱۷۲]

ان کے علاوہ مزید چند ایک اعتراضات ایسے ہیں جو ابن جریر رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی تریح میں ہمارے سامنے حائل ہیں:

① اس بارے میں ایک اہم دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا پروگرام مرتب کیا تو سب سے پہلے صحابہ کو خطاب فرمایا جس میں صحابہ سے اس بات کا اقرار لیا گیا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن سبعہ اُحرف پر اترا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ اتنے صحابہ نے ہاتھ کھڑے کر کے گواہی دی کہ ان کا شمار مشکل تھا۔

اس حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اگر حروف ستہ کو منسوخ کرنا تھا، جیسا کہ ابن جریر رضی اللہ عنہ کا مؤقف ہے، تو صحابہ سے نزول سبعہ اُحرف کے باب میں تائید کی ضرورت ہرگز نہ تھی بلکہ سوال یوں کرتے کہ کیا تم جانتے ہو کہ سبعہ اُحرف کو اللہ رب العزت نے انسانوں کی آسانی کی خاطر اتارا تھا اور اُمت کو یہ اختیار بخشا تھا کہ اس میں سے جس کو چاہے اختیار کر لیں۔ اور آج چونکہ اُمت میں ایسا اختلاف پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ضروری ہے کہ اُحرف ستہ کو ختم کر دیا جائے اور ایک حرف کو باقی رکھ کر اختلاف کا سدباب کیا جائے، اس پر مجھے جمع اصحاب کی رائے درکار ہے۔ اور صحابہ اس پر اتفاق کر لیتے۔ یہ صورت تھی کہ وہ صحابہ سے مشورہ کرتے اور اُمت کے سامنے واضح ہو جاتا کہ واقعی اُحرف ستہ جو کہ صرف مترادفات کا اختلاف ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باجماع صحابہ ختم فرمادے تھے۔

اس کے برعکس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا صحابہ سے یہ پوچھنا کہ سبعہ اُحرف کا واقعی نزول ہوا ہے؟ تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ سبعہ اُحرف کی بقاء کے لیے اور اس کے مطابق مصاحف تیار کرنے کے لیے صحابہ سے بھی مہر توثیق ثبت کروانا چاہتے تھے۔ لہذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکورہ عمل ہی اُحرف ستہ کے عدم تنسیخ و توقیف پر ظاہر و باہر ہے چہ جائیکہ مزید خارجی قرآن بھی اس کے مؤید ہوں۔

② امام ابن جریر رضی اللہ عنہ کے مؤقف کے مطابق اُحرف سبعہ سے مراد صرف مترادفات کا اختلاف ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ جو اختلاف آج کل موجود ہے وہ کیا اُحرف سبعہ کے نزول سے پہلے کا ہے؟ اور اگر پہلے کا ہے تو کیا صرف قریش کے لیے ان جمیع لہجات کو نازل کیا گیا تھا؟ یعنی امالہ بھی ان کے لیے نازل کیا گیا اور تحقیق بھی؟ ابدال بھی ان کی مشکل کو رفع کرنے کے لیے اتارا گیا اور تسہیل کے نزول کی بھی یہی غرض تھی؟ اور یہی مسئلہ ادغام و اظہار وغیرہ کے نزول میں پیش نظر تھا؟ تو یہ بات تو عملی طور پر ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے افراد کئی ایک لہجات کے حامل ہوں جبکہ علماء لغت اور ائمہ قراءات نے اس بات کی صراحت بھی کی ہے کہ فلاں طرز ادا کا تعلق فلاں قبیلے سے تھا مثلاً حمزہ کے بارے میں یہ قول معروف ہے کہ قریش حمزہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ ابدال کرتے تھے وغیرہم۔ اور اگر یہ کہا

جائے کہ نہیں یہ جمع اختلافات بعد ازاں نازل ہوئے ہیں تو کب نازل ہوئے؟ اور ان کے بطور قرآن نزول کی تاریخ اور دلیل کیا ہے؟ آپ انتہائی محنت اور جانفشانی سے ذخیرہ حدیث کھنگال لیں تو سوائے ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ کے، ایسی کوئی ایک روایت بھی نہ ڈھونڈ سکیں گے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان کا نزول ہو گیا تھا تو پھر باقی جمع احرف کو ختم کر کے صرف انہی اختلافات کو باقی رکھنے کی کیا دلیل ہے؟ یقیناً مذکورہ سوالات کا اس کے علاوہ کوئی بھی جواب ممکن نہیں ہے کہ یہ جمع اختلاف قراءات سب سے احرف کے ہی ذیل میں داخل ہیں اور سب سے احرف ہی کے ذریعہ ان کا نزول ہوا ہے اور انہیں اختیار کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ لہذا سب سے احرف کی جو تشریح حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے وہ ایک ناقص، مرجوح اور ناقابل فہم تشریح ہے جو اپنے اندر بے شمار لائٹل پیچیدگیاں لیے ہوئے ہے۔

### سب سے احرف بمعنی سبع لغات متفرقة فی القرآن

اس قول کے قائلین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ قاسم بن سلام رضی اللہ عنہ، ابن عطیہ رضی اللہ عنہ، امام بیہقی رضی اللہ عنہ، ابو حاتم السجستانی رضی اللہ عنہ، ثعلب رضی اللہ عنہ، احمد الازہری رضی اللہ عنہ اور امام دانی رضی اللہ عنہ وغیر ہم شامل ہیں۔

#### حضرت عمر رضی اللہ عنہ

”نزل القرآن بلغة مضر“ [فتح الباری: ۲۷۹/۹]

”قرآن کریم مضر کی لغت میں نازل کیا گیا ہے۔“

● حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

”وعین بعضهم فيما حكاه ابن عبد البر السبع من مضر أنهم هذيل وكنانة وقيس وضبة وتيم الرباب وأسد بن خزيمه وقريش فهذه قبائل مضر تستوعب سبع لغات .“  
”بعض لوگوں نے لغات مضر کی تعین بھی کی ہے۔ جیسا کہ ابن عبد البر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مضر کی سات لغات سے ہذیل، کنانہ، ضبہ، قیس، تيم الرباب، اسد بن خزيمه اور قریش مراد ہیں۔“

#### حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

”نزل القرآن على سبع لغات منها خمس بلغة العجز من هوازن والعجز سعد بن بكر وجشم ابن بكر ونصر بن معاوية وثقيف وهؤلاء كلهم من هوازن ويقال: هم عليا هوازن .“  
[فتح الباری: ۲۷۸/۱۸]

”قرآن کریم سبع لغات پر نازل کیا گیا ہے جن میں پانچ عجز ہوازن سے ہیں جن میں سعد بن بكر، جشم بن بكر، نصر بن معاوية اور ثقیف کی لغات شامل ہیں، انہیں علیا ہوازن بھی کہا جاتا ہے۔“

#### ابو عبیدہ قاسم بن سلام رضی اللہ عنہ

سب سے لغات کے قول کی نمائندہ شخصیت ابو عبیدہ ہی ہیں، فرماتے ہیں:

”نزل القرآن على سبعة أحرف والأحرف لا معنى لها إلا اللغات .“ [فضائل القرآن: ۱۷۵/۲۰]  
”قرآن سب سے احرف پر نازل ہوا ہے اور سب سے احرف کا معنی صرف اور صرف لغات ہیں۔“

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”لیس معنی تلك السبعة أن يكون الحرف الواحد يقرأ على سبعة أوجه هذا شيء غير موجود ولكنه عندنا إنه نزل على سبع لغات متفرقة في جميع القرآن من لغات العرب فيكون الحرف منها بلغة قبيلة والثاني بلغة أخرى سوى الأولى والثالث بلغة أخرى سواهما كذلك إلى السبعة وبعض الأحياء أسعد بها وأكثر حظاً فيها من بعض.“

[فضائل القرآن: ۹۶۳، ۱۶۸]

”سبعہ اَ حَ رَ ف کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ایک ہی حرف میں سات وجوہ پائی جائیں ایسا بالکل موجود نہیں۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن سبع لغات پر نازل ہوا ہے جو متفرق طور پر قرآن میں موجود ہیں۔ ایک حرف ایک لغت پر، دوسرا دوسری پر اور تیسرا ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری لغت پر ہے یہاں تک کہ سات لغات مکمل ہو جائیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام قبائل کی لغات ایک ہی تناسب سے موجود ہوں بلکہ بعض قبائل اس میں زیادہ سعادت مند ٹھہرے ہیں کہ ان کی لغات پر قرآن کا زیادہ حصہ نازل ہوا ہے۔“

### امام ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ

● امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نزل بلغة قریش وهذیل وتمیم والأزد وربیعة وهوازن وسعد بن بكر.“  
”قرآن کریم لغت قریش، ہذیل، تمیم، ازد، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر پر نازل ہوا ہے۔“

[الاتقان: ۹۵/۱، فتح الباری: ۲۷/۹]

### ابن عطیہ رحمہ اللہ

ابن عطیہ رحمہ اللہ بھی سبعہ اَ حَ رَ ف کی تشریح سبعہ لغات سے کرتے ہیں اور اس پر انہوں نے المحرر الوجیز کے مقدمہ میں تفصیلی بحث کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ قرآن کریم کو سبعہ لغات پر ہی کیوں اتارا گیا ہے، ذیل میں ہم صرف ان کا سبعہ اَ حَ رَ F بمعنی سبعہ لغات کے باب میں تائیدی قول پیش کرتے ہیں:

”إن القرآن منزل على سبعة أحرف من اللغات والإعراب وتغيير الأسماء والصور وإن ذلك متفرق في كتاب الله ليس بموجود في حرف واحد وسورة واحدة.“

[المحرر الوجیز: ۳۹، ۴۰/۱]

”بلاشبہ قرآن کریم لغات کی سات اقسام پر نازل کیا گیا ہے جس میں اعراب، أسماء اور الفاظ کی شکل کی تبدیلی کا اختلاف شامل ہے جو کسی ایک کلمہ میں نہیں بلکہ پورے قرآن میں پھیلا ہوا ہے۔“  
دوسری جگہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وأنا أخص الغرض جهدي بحول الله، فأصل ذلك وقاعدته قریش ثم بنو سعد بن بكر لأن النبي ﷺ قرشي و استرضع في بني سعد و نشأ فيهم ثم ترعرع وعقت تائمه وهو يخالط في اللسان كنانة وهذیلا وثقيفا و خزاعة وأسدا و ضبة و أالفها لقبهم من مكة و تكررهم عليها ثم بعد هذه تميماً و قيساً و من إنضاف إليهم وسط الجزيرة العرب فلما بعثه الله تعالى و يسر عليه أمر الأحرف أنزل عليه القرآن بلغة هذه الجملة المذكورة.“

[المحرر الوجیز: ۴۲/۱]

”میں پوری بحث کو یوں دیکھتا ہوں کہ بنیادی زبان، جس پر قرآن نازل ہوا، قریش ہے اور پھر بنو سعد بن بکر۔ کیونکہ

آپ ﷺ خود قریشی ہیں اور آپ ﷺ نے پرورش اور نشوونما بنو سعد میں پائی ہے اسی طرح آپ کی زبان میں کنانہ، حذیل، ثقیف، خزاعہ، اسدان کے حلقا کی ملاوٹ ہے نیز آپ ﷺ قبیلہ قسیم و تمیم اور وسطی جزیرۃ العرب کی لغات کے بھی امین ہیں۔ لہذا جب اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو قرآن کو ان جملہ عرب کے فصیح لہجوں کی پوشاک پہنائی۔“

● امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان میں فرماتے ہیں:

”إنه الصحيح أي المراد اللغات السبع“ [البرهان: ۱۱۰۶]

”صحیح ترین مذہب یہی ہے کہ آحرف سبعہ سے مراد لغات سبعہ ہیں۔“

اسی طرح امام محمد الازہری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب التہذیب میں فرماتے ہیں:

”مختار مذہب یہی ہے کہ آحرف سبعہ سے مراد سبعہ لغات ہی ہیں۔“ [البرهان: ۲۰۹۶]

ان کے علاوہ احمد بن الثعلب النحوی اور صاحب قاموس فیروز آبادی کا بھی یہی مذہب ہے کہ سبعہ آحرف کی صحیح

تشریح سبعہ لغات ہی ہیں۔

## مذکورہ قول پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کا تجزیہ

مذکورہ قول پر ابھی تک جو اعتراضات کئے گئے وہ تین سے زیادہ نہیں ہیں۔ ذیل میں ہم ان اعتراضات کو پیش

کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی علمی اور عقلی حیثیت واضح کرتے ہیں:

## پہلا اعتراض

اس قول پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس کے حاملین نے سبعہ لغات کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ سیدنا ابن

عباس رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے سبعہ لغات کا مصداق جن قبائل کو ٹھہرایا ہے

وہ مختلف ہیں۔ لہذا سبعہ آحرف کی یہ تشریح قابل قبول نہیں ہے۔

اس اعتراض کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ جمیع حضرات دو باتوں میں متفق ہیں۔ پہلی بات یہ کہ سبعہ

آحرف کی تشریح لغات عرب سے ہی کی جائے گی اور سبعہ لغات عرب کوئی مترادفات کی قسم کا اختلاف نہیں ہے بلکہ

سبعہ لغات قرآن مجید میں نکھری ہوئی ہیں۔ اب اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ وہ کون سے فصیح ترین قبائل ہیں

جن کی لغات پر قرآن نازل ہوا ہے۔ اس بارے میں ہر ایک شخص، جو لغت و لسانیات کا ماہر اور عالم ہے، کا اپنا مشاہدہ

ہے۔ اور آدمی کے کسی چیز کو دیکھنے کے خاص زاویے ہوتے ہیں جن کے مطابق وہ کسی چیز کو پرکھتا ہے۔ اس لیے تعیین

قبائل میں مختلف الاقوال ہونا اس کے ضعف کا باعث نہیں ہے۔ اور اس سے قول کی بنیادی صحت پر کوئی زد نہیں پڑتی،

کیونکہ وہ بہر حال سبعہ لغات قبائل عرب ہی ہیں۔

## دوسرا اعتراض

اس قول پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں تو تقریباً جمیع قبائل عرب کی لغات موجود ہیں جو کہ عملاً

ثابت بھی ہو چکا ہے۔ تو پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ سبعہ آحرف سے مراد سبعہ لغات عرب ہیں۔

یہ اعتراض یقیناً ایک اہم اعتراض ہے کہ استقرائاً عملاً اس بات کا انکار کر رہا ہے کہ قرآن مجید فقط لغات سبعہ پر

ہی منحصر ہو۔ یقیناً یہ بات اسی طرح ہی ہے کہ قرآن مجید میں دیگر قبائل عرب کی لغات بھی موجود ہیں جن کی تعداد سات سے بہت زیادہ ہے لیکن اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم سات لغات سے زائد پر اترے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اگر کسی لغت کے ایک دو حرف موجود ہیں تو اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم میں باقاعدہ اس لغت کا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ قرآن کریم میں جن لغات کا زیادہ حصہ موجود ہے تو ان میں سے بھی ان کی وہی لغات منتخب کی گئی ہیں جو فصیح تھیں اور ان کے جو استعمالات غیر فصیح اور ردی قسم کے تھے ان کا یکسر خیال نہیں کیا گیا۔ اور جن لغات کے ایک دو الفاظ موجود ہیں وہ ان لغات سے نہیں لیے گئے بلکہ وہ لغت قریش سے ہی ماخوذ ہیں کیونکہ قریش مرجع الخلاق تھے۔ ان کے پاس جمع عرب کی آمدورفت رہتی تھی اور وہ کسی بھی لغت کے بہترین الفاظ جو انہیں پسند آتے، اختیار کر لیتے تھے اور ان کا عام بول چال میں استعمال شروع کر دیتے تھے۔ لغت قریش کے افضح اللغات ہونے کی بھی بنیادی وجہ یہی ہے۔ جس کا اظہار کئی ماہرین لغت و بیان نے بھی کیا ہے۔ جیسا کہ قاری طاہر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

① لغت قریش اپنے ماحول کی بہت سی لغات سے متاثر ہوئی۔ دوسری لغات کے بہت سے الفاظ اور صیغے چن کر قریش نے اپنی لغت میں شامل کر لئے تھے جس کے متعدد عوامل و مواقع انہیں مہیا ہوتے تھے مثلاً وہ بیت اللہ کے مجاورین اور مرجع الخلاق تھے، سردی و گرمی میں قریش دو اسفار کرتے تھے، عرب میں متعدد بازار لگتے تھے، شعر و نقد ادب عربی کی مختلف مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔ پس جب ہم لغت قریش بولتے ہیں تو گویا ہم اس سے وہ پوری لغت عربیہ مشترکہ مراد لیتے ہیں جو عرب کے ان جملہ چیدہ چیدہ فصیح ادباء، شعراء، خطباء، کہمشتز کہ زبان تھی جنہیں قرآن نے اپنے مثل صرف ایک سورت یا صرف ایک جملہ ہی بنا کر پیش کرنے کا چیلنج کیا تھا۔ [حیات ترمذی: ۶۷۷]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

② وکانت قریش أجد انتقاداً للأفصح من الألفاظ وأسهلها على اللسان عند النطق وأحسنها جرساً وإيقاعاً في السمع وأقواها إبانة عما يختلج في النفس من مشاعر وأحاسن وأوضحها تعبيراً عما يجول في الذهن من فكر ومعان لذلك غدت قریش أفصح العرب . [الصاحبي في فقه اللغة: ۲۳]

”قریش“ دیگر قبائل کے لغات و لہجات میں سے انتخاب و چناؤ کے بارے میں سب سے زیادہ باذوق واقع ہوئے تھے کہ وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے جو انتہائی فصیح ہوتے، بولتے وقت زبان پر بہت آسان، سننے میں پر شوکت، اندرونی جذبات و احساسات کے اظہار میں سب سے قوی اور ذہنی افکار و معانی کی تعبیر میں انتہائی واضح ہوتے تھے لہذا قریش افضح العرب قرار پائے۔“

③ قال الفراء: كانت العرب تحضر الموسم في كل عام وتحج البيت في الجاهلية، وقریش يسمعون لغات العرب فما استحسوه من لغاتهم تكلموا به فصاروا أفصح العرب وختل لغتهم من مستبشع اللغات ومستقبح الألفاظ. وذهب ثعلب في إماليه مذهب الفراء. [المزهر: ۲۱۱، ۲۲۱]

”فراء کہتے ہیں کہ عرب ہر سال موسم میں آتے اور جاہلیت کے طریقہ پر چرچ کرتے تھے، قریش اس موقع پر سب عرب کی لغات سنتے اور جو لغت انہیں اچھی لگتی اسے بولنا شروع کر دیتے تھے۔ اس طرح وہ افضح العرب بن گئے اور ان کی لغت کریمہ و فصیح الفاظ سے خالی و محفوظ ہو گئی۔ امالی میں ثعلب نے بھی یہی فراء رضی اللہ عنہما کی تقریر کی ہے۔“



۲ علامہ ابن عبد البرؒ کا ارشاد ہے:

”قول من قال: إن القرآن نزل بلغة قريش معناه عندي ”في الأغلب“ -والله أعلم- لأن غير لغة قريش موجودة في صحيح القراءات من تحقيق الهمزات ونحوها وقريش لا تهمز.“  
[تفسير القرطبي: ۳۳۱]

”جس قائل نے یہ کہا ہے کہ ”قرآن لغت قریش میں نازل ہوا ہے“ میرے نزدیک اس کا مقصد یہ ہے کہ ”اکثر و بیشتر ایسا ہی ہے“ واللہ اعلم۔ وجہ یہ ہے کہ قراءات صحیحہ میں غیر لغت قریش بھی موجود ہے مثلاً ہمزات وغیرہ کی تحقیق (بلغة تمییم) باوجودیکہ قریش تحقیق نہیں کرتے (بلکہ ابدال کرتے ہیں)“ [حیات ترمذی: ۶۷۸]

## تیسرا اعتراض

اس قول پر تیسرا اعتراض جو اکثر کیا جاتا ہے اور عموماً اسی کی بنیاد پر اس قول کو مرجوح بھی قرار دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں جو حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ کا قصہ مذکور ہے وہ اس بات کا انکار کرتا ہے کہ سبعہ اُحرف سے مراد سبعہ لغات ہیں، کیونکہ اس قول سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ قبائل عرب کو سبعہ اُحرف کے ذریعہ جو آسانی دی گئی وہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنی اپنی لغت میں تلاوت کرے تاکہ اُسے قرآن پڑھنے میں مشکل نہ ہو، جبکہ سیدنا عمرؓ اور ہشامؓ دونوں قریشی ہیں۔ ان کا اختلاف اس قول کے موافق اس بات کا متقاضی ہے کہ حضرت ہشامؓ کسی دوسری لغت پر تلاوت کر رہے ہیں یا پھر حضرت عمرؓ کو آپؐ نے کسی دوسری لغت کے مطابق قرآن سکھایا تھا۔

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ یا ہشامؓ نبی اکرمؐ کے پاس موجود ہوں اور آپؐ کسی کو دوسری لغت کے مطابق قرآن پڑھا رہے ہوں۔ انہوں نے سن کر یاد کر لیا ہو اور اسی کے مطابق پڑھنا شروع کر دیا ہو، یہ جواب اس لیے اطمینان بخش نہیں ہے کہ خود الفاظ حدیث اس کا انکار کر رہے ہیں کیونکہ ہشام اس بات کے مدعی تھے کہ مجھے رسول اللہؐ نے ایسے پڑھایا ہے جبکہ سیدنا عمرؓ کا کہنا تھا مجھے نبی کریمؐ نے ایسے نہیں پڑھایا یعنی صرف یہ ساعت کی بنیاد پر تلاوت نہیں ہو رہی تھی بلکہ خود نبی کریمؐ نے انہیں پڑھایا تھا۔

اس کا ہماری نظر میں صحیح اور قرین قیاس جواب یہ ہے کہ نہ تو حضرت ہشامؓ لغت قریش کے خلاف پڑھ رہے تھے اور نہ ہی حضرت عمرؓ نے لغت قریش کے علاوہ کسی دوسری لغت پر قرآن کریمؐ سیکھا تھا بلکہ دونوں ہی لغت قریش پر تلاوت کرتے تھے، اور مذکورہ مسئلہ جس کی وجہ سے ان کے مابین نزاع ہوا ہے یہ اختیارات کا مسئلہ تھا نہ کہ لغات کا۔ وہ اس طرح سے کہ اللہ رب العزت نے خود نبی کریمؐ کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ کوئی بھی شخص اپنی پسند اور اختیار کے مطابق قراءت کر سکتا ہے، یعنی ترتیب (Set) اپنی مرضی سے بنائی جاسکتی ہے۔ جس کو اس مثال سے زیادہ سمجھنا آسان ہے کہ سیدنا اُبی بن کعبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ اور سیدنا ابن مسعودؓ وغیرہم یہ جمع انصاری صحابہ ہیں، لیکن تمام کے قرآن پڑھنے کے انداز مختلف تھے جو حرف ابیؓ، حرف ابن مسعودؓ، حرف زید بن ثابتؓ اور حرف ابو موسیٰؓ اشعریؓ کے نام سے معروف ہیں اور ان کی قراءت میں خاصا اختلاف تھا جیسا کہ کتب میں موجود ہے۔ اور یقیناً یہی مسئلہ سیدنا ہشام بن حکیمؓ اور سیدنا عمر بن خطابؓ کے مابین اختلاف کا تھا یعنی لغت کا اختلاف نہیں بلکہ اختیارات کا اختلاف تھا۔ اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ حروف تو صرف سات اترے تھے

اور آج جو صحیح اور متواتر روایات اور طرق ہیں، جس کے مطابق قرآن پڑھنا درست ہے، ان کی تعداد آٹھی ہے تو یہ سب بھی اختیارات کی بنیاد پر ہوا ہے۔

## راجح مؤقف

ہمارے فہم میں راجح مؤقف امام ابو عبید اللہؓ وغیرہم کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اَ ح ر ف کی تشریح کسی ریاضیاتی اور استقرائی قول کی بنیاد پر نہیں کرنی پڑتی جس کا صدور آپ ﷺ کے احوال و ظروف میں ممکن ہی نہ ہو اور ایک بے جا تکلف محسوس ہو، اور نہ ہی اس کی ایسی تشریح کی جاسکتی ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں ویسے ہی سب سے اَ ح ر ف، جو اللہ رب العزت کا اُمت محمدیہ پر بہت بڑا احسان اور عنایت ہیں، سے ہی ہاتھ دھونا پڑیں، اور نعوذ باللہ صحابہ کے ذمہ ہم ایسی بات ڈالیں جو ان کے بارے میں سوچنا ہی مشکل ہے کہ انہوں نے سب سے اَ ح ر ف کو ویسے ہی ختم کر دیا تھا۔ اور امام ابو عبید اللہؓ وغیرہ کے قول کے موافق سب سے اَ ح ر ف کا مفہوم بھی حل ہو جاتا ہے اور کسی غیر منطقی تاویل کا سہارا بھی نہیں لینا پڑتا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ مذکورہ جمیع تشریحات، اقوال اور اختلافات کا نفس قراءت پر بھی کوئی اثر پڑتا ہے تو یقیناً اس کا جواب نفی میں ہوگا کیونکہ مذکورہ جمیع علماء اور ان کے علاوہ اہل السنۃ والجماعۃ کے دیگر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ قراءت عشرہ جو تواتر کے ساتھ ہماری طرف منقول ہیں، تمام کی تمام ثابت ہیں اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے اور جو شخص ان کے انکار کا مرتکب ہوگا وہ انکار قرآن کا مرتکب ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 ۱۳۲۶

## القراءات والقراء

اُستاد الاساتذہ شیخ الحدیث والنفسیر مولانا محمد عبدہ کا یہ مضمون مجلہ تعلیم الاسلام ماموں کا جن میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن مؤلف کی بلند پایہ شخصیت اور موضوع کی مناسبت سے قارئینِ رشد کیلئے خاص طور پر اس تحریر کو شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ موصوفِ عملی طور پر متنوع قراءات کے مکمل طور پر قائل تھے لیکن فکری طور پر سب سے سبب احرف کی متعدد تشریحات میں سے دیگر اہل علم کی طرح امام ابن جریر طبری کی رائے کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ چنانچہ اس تحریر کے مطالعہ کے ضمن میں قارئین کو پچھلے دو شماروں میں سب سے سبب احرف کی تفریح و تعبیر کے حوالے سے مطبوع دیگر مضامین کا عموماً اور اس شمارہ میں موجود قاری فہد اللہ رسولنگری کے مضمون 'سبب احرف..... توضیحات و تحقیقات' کا خصوصاً جائزہ لینا چاہیے جن میں سبب احرف کے ضمن میں راجح رائے کا تعین اور امام ابن جریر کے موقف کی توضیح کی کوشش کی گئی ہے۔ [ادارہ]

۳۱

علم القراءات میں تالیف کی ابتداء تو دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں ہی شروع ہو گئی تھی۔ اس کے بعد یہ موضوع وسعت اختیار کرتا گیا اور اس علم پر ہزاروں کتابیں تالیف ہوتی گئیں۔

اس فن پر قدیم کتابوں میں 'افواج القراء' بہت اہم ہے جو ابو الحسن احمد بن جعفر ابن المتناوی (م ۳۳۶ھ) کی تالیف ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اس سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اور فہرست ابن الندیم میں مذکور محمد بن الحسن بن زیاد النقاش (م ۳۵۱ھ) کی کتاب 'المعجم الکبیر فی اسماء القراء والقراءات' (تراجم قراء اور قراءات کے حوالے سے) ایک معروف کتاب ہے۔ ابن الندیم لکھتے ہیں:

وقد سمع منه ابن مجاهد شيئاً من الحديث [الفہرست: ۵۶۲]

تراجم قراء پر لکھنے والوں میں سے امام عثمان بن سعید ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ (م ۴۴۱ھ) امام ابو بکر احمد بن الفضل رحمہ اللہ (م ۴۶۰ھ) ہیں ان سے قبل خلف بن ہشام رحمہ اللہ (م ۲۲۹ھ) نے 'کتاب القراءات' مرتب کی تھی۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے 'الإعلان بالتوہیح' میں اور ابن الندیم نے 'الفہرست' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

[الإعلان: ۵۶۴، الفہرست: ۳۵]

ابو طاهر عبد الواحد بن عمر بن محمد بن ابی ہاشم البزازی رحمہ اللہ (م ۳۴۹ھ) البغدادی نے 'کتاب البیان' لکھی جو کہ مفقود ہو چکی ہے۔ ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ (م ۴۴۱ھ) اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور پھر ذہبی کے تلامذہ نے اس فن کو فروغ دیا۔ پھر ابن الجزری رحمہ اللہ نے ذہبی کی کتاب کو بنیاد بنا کر اس پر اضافے کیے ہیں اور طبقات القراء کے نام سے

☆ شیخ الحدیث والنفسیر، اُستاد الاساتذہ، محشی اشرف الحواشی و مصنف کتب کثیرہ

بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔

القراءة کو حرف بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

”ان القرآن أنزل على سبعة أحرف“ [صحیح بخاری: ۳۹۹۲]

حرف کے معنی جانب یا جانب کے ایک حصہ کے ہیں اور حروف تہجی چونکہ کلمہ کا جزو بنتے ہیں اس لیے ان کو حروف کہا جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں حرف کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

**الف:** قرآن سات لہجات مختلفہ پر نازل ہوا پس یہاں حرف بمعنی وجہ ہے اور لغت میں حرف بمعنی وجہ آتا ہے

جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْبِدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ﴾ [الحج: ۱۱]

یعنی بعض لوگ ایک وجہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یعنی جب تک ان کو خیر و نعمت حاصل ہوتی رہتی ہے تو عبادت کرتے رہتے ہیں اور جب کبھی سختی اور شدت سے دوچار ہوتے ہیں تو عبادت ترک کر دیتے ہیں اسی معنی کے اعتبار سے مختلف قراءات کو آحرف کہا گیا ہے اور یہ موضوع تفصیل طلب ہے۔

**ب:** قراءات کو آحرف کہنا توسع کے طور پر ہے جب کہ کل کا نام جز پر رکھ دیتے ہیں چونکہ کلمہ ایک حرف کے تبدیل ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے اس لیے قراءات کو آحرف کہا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے۔

”يقرأ سورة الفرقان على حروف لم يقرئنيها رسول الله“ [صحیح بخاری: ۲۴۱۹]

”کہ یہ سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھا رہا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے۔“

اس تمہید کے بعد اب ہم اصل موضوع کو شروع کرتے ہیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم و تعلم کو سب سے افضل عمل گردانا ہے صحیح بخاری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”خيركم من تعلم القرآن و علمه“ [صحیح بخاری فضائل القرآن مع الفتح: ۳۵۰/۱۰]

”کہ تم میں بہتر وہ ہیں جو قرآن کی تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے ہیں۔“

یہ حدیث سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جو طبرانی نے اسناد جید کے ساتھ روایت کی ہے اور شعب الایمان بیہقی میں ہے۔

”أشراف أمتي حملة القرآن و أصحاب الليل“

[فصل فی تنویر موضع القرآن، أشراف أمتي: ۲۵۸۹]

”حفاظ قرآن اور رات کو قیام کرنے والے میری امت کے اشراف ہیں۔“

ابو عبد الرحمن المسلمی جلیل القدر تابعی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تلمذ آرشد تھے انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بیان کردہ حدیث کی وجہ سے ہی میں چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک کوفہ کی جامع مسجد میں قرآن پڑھا رہا ہوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نے سلمیٰ سے ہی قرآن پڑھا تھا چنانچہ بخاری میں ہے:

”وأقرأ أبو عبد الرحمن في امرأة عثمان حتى كان الحجاج قال: وذلك الذي أقعدني مقعدى“

هذا“ [النشر: ۸، واخرجه الترمذی مع تحفه: ۵۳۰، ۵۲۴]

”اور سلمیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امارت میں قرآن پڑھانا شروع کیا اور کوفہ میں حجاج کے زمانہ امارت تک پڑھاتے رہے اور انہوں نے کہا۔ اس حدیث کی وجہ سے ہی میں اس جگہ پر بیٹھا ہوں۔“

● حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

اگر اوّل خلافت عثمان رضی اللہ عنہ سے آخر ولایت حجاج کی مدت شمار کی جائے تو تین ماہ کم ۲۷ سال بنتی ہے اور آخر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ سے ابتداء ولایت حجاج کی مدت لی جائے تو ۳۸ سال بنتی ہے اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ سلمیٰ نے تدریس قرآن کس سنہ سے شروع کی اور کس سنہ تک پڑھاتے رہے۔ [جامع الترمذی: ۵۳۴]

اور ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کو قرآن نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر دیا اس کو میں تمام سالوں سے بہتر دیتا ہوں۔ [تحفۃ الاحوذی بحوالہ فتح الباری]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

”أفضل العبادۃ قراءة القرآن“ [شعب الایمان]

”کہ قرآن کی تلاوت ہی بہترین عبادت ہے۔“

الغرض متعدد احادیث میں تلاوت قرآن کی فضیلت آئی ہے اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قرآن فہم کے ساتھ پڑھا جائے یا بلا فہم دونوں صورتوں میں تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

اور یہی سوال کسی نے حافظ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ سے کیا کہ اگر تلاوت کے لیے نہیں بلکہ علمی طور پر تحقیق و مطالعہ کے لیے قرآن پڑھا جائے تو کیا اس کا ثواب ملتا ہے؟ تو شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سبق کے طور پر پڑھنا بھی اس میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں غور و فکر کا حکم دیا ہے اور یہ صرف قرآن کی فضیلت ہے کہ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی قراءت و حفظ کو کھل کر دیا گیا ہے قرآن کے سوا دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جو کئی ملین لوگوں کو زبانی یاد و حتیٰ کہ پانچ سے دس سال کے مسلمان بچے بھی الحمد سے والناس تک روانی سے پڑھتے ہیں۔ صحیح مسلم کی قدسی حدیث میں ہے۔

”ومنزل عليك كتاباً لا يغسله الماء“ [صحیح مسلم: ۵۱۰۹]

”اور تجھ پر ایسی کتاب نازل کر رہا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔“

تو یہ حفظ ہی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جو کتاب محض اوراق میں ہو وہ تو پانی سے دھوئی جاسکتی ہے مگر جو صدور و قلوب میں محفوظ ہو اس کو پانی سے دھو ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کے حفظ میں غیر معمولی دلچسپی لی اور ایک ایک حرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا حتیٰ کہ حرکات و سکنات اور اثبات و حذف کو بھی محفوظ کر لیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قراءت قرآن کی معتدبہ تعداد موجود تھی جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے مگر چار صحابہ کرام وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو اسی کام کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے۔

”خذوا القرآن من أربعة من عبد الله بن مسعود و سالم بن معقل (مولیٰ ابی حذیفہ) و معاذ

بن جبل و ابی بن کعب“ [صحیح بخاری مع الفتح: ۲۲۲/۱۰]

”چار صحابہ سے قرآن حاصل کرو، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ“  
تاہم وجوہ قراءۃ متعدد صحابہ سے محفوظ ہیں۔ ابو عبید قاسم بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب القراءات میں جن صحابہ کا ذکر کیا ہے ان میں بیس مہاجرین اور سات انصار بھی شامل ہیں۔

- |  |   |
|--|---|
| ① حضرت ابوبکر الصدیق <small>رضی اللہ عنہ</small>     | ② حضرت عمر فاروق <small>رضی اللہ عنہ</small>                |
| ③ حضرت عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small>             | ④ حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small>                      |
| ⑤ حضرت طلحہ <small>رضی اللہ عنہ</small>              | ⑥ حضرت سعد <small>رضی اللہ عنہ</small>                      |
| ⑦ حضرت ابن مسعود <small>رضی اللہ عنہ</small>         | ⑧ حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ <small>رضی اللہ عنہ</small>     |
| ⑨ حضرت حذیفہ <small>رضی اللہ عنہ</small>             | ⑩ حضرت ابن عمر <small>رضی اللہ عنہ</small>                  |
| ⑪ حضرت ابو ہریرہ <small>رضی اللہ عنہ</small>         | ⑫ حضرت ابن عباس <small>رضی اللہ عنہ</small>                 |
| ⑬ حضرت عمرو بن العاص <small>رضی اللہ عنہ</small>     | ⑭ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص <small>رضی اللہ عنہ</small> |
| ⑮ حضرت معاویہ <small>رضی اللہ عنہ</small>            | ⑯ حضرت عبداللہ بن الذبیر <small>رضی اللہ عنہ</small>        |
| ⑰ حضرت عبداللہ بن السائب <small>رضی اللہ عنہ</small> | ⑱ حضرت عائشہ صدیقہ <small>رضی اللہ عنہ</small>              |
| ⑲ حضرت حفصہ <small>رضی اللہ عنہ</small>              | ⑳ حضرت أم سلمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>                  |

ان تمام کا تعلق مہاجرین سے ہے انصار میں سات قراء مشہور ہیں:

- |  |  |
|--|--|
| ① حضرت ابی بن کعب <small>رضی اللہ عنہ</small>    | ② حضرت معاذ بن جبل <small>رضی اللہ عنہ</small>   |
| ③ حضرت ابوالدرداء <small>رضی اللہ عنہ</small>    | ④ حضرت زید بن ثابت <small>رضی اللہ عنہ</small>   |
| ⑤ حضرت ابوزید انصاری <small>رضی اللہ عنہ</small> | ⑥ حضرت مجمع بن جاریہ <small>رضی اللہ عنہ</small> |
| ⑦ حضرت انس بن مالک <small>رضی اللہ عنہ</small>   |  |

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو فتنہ ارتداد اور پھر جنگ یمامہ میں سات سو کے قریب نامور صحابہ کرام شہید ہو گئے جن میں قراء قرآن بھی تھے تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے تو تامل کیا مگر بالاخر صحابہ کرام کے مشورہ سے طے پایا کہ قرآن کو یکجا کر دیا جائے کیونکہ صحابہ کے پاس مختلف صحف تھے۔ مگر یکجا کسی کے پاس نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کمیٹی مقرر کر دی اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے محنت شاقہ کے بعد قرآن کا ایک نسخہ تیار کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ نسخہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحویل میں رہا اور پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس امانت رہا۔

[صحیح بخاری باب جمع القرآن، فتح الباری: ۱۰/۳۸۴]

## مصاحف عثمانی

۳۰ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آرمینیا اور آذربائیجان کے علاقہ فتح ہوئے۔ فاتحین میں عراقی اور شامی فوج جمع تھی۔ ان میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ قرآن

محمد عبده الفلاح

میں اختلاف کر رہے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنی قراءت کو ترجیح دے رہے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اہل کوفہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف پر متفق تھے اور اہل بصرہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مصحف کو اختیار کیے ہوئے تھے اور اہل دمشق مقداد بن اسود کے مصحف پر مجتمع تھے اور اہل شام کے پاس ابی بن کعب کا مصحف تھا اور مذکورہ مصاحف ترتیب اور بعض حروف میں مختلف تھے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

”یا أمیر المؤمنین! أدرك هذا الأمة، قبل أن یختلفوا فی الكتاب اختلاف اليهود و النصارى“ [صحیح بخاری باب جمع القرآن: ۳۰۲۹]

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کر دی جو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ پر مشتمل تھی ان میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ تھے اور بقیہ تینوں قریشی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو متعلقہ مواد جمع کر کے دے دیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو نسخہ تھا وہ بھی منگوا لیا اور ان کو ہدایت کر دی کہ قرآن کے کچھ نسخے تیار کریں جو مراکز اسلامی میں بھیجے جائیں اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ اگر کسی کلمہ میں ان کا باہم اختلاف ہو جائے تو قریش کے رسم الخط پر لکھا جائے کیونکہ قرآن انہی کے لہجہ پر نازل ہوا ہے۔ (چنانچہ ترمذی میں ہے کہ لفظ التابوت اور التابوۃ کے رسم میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ’التابوۃ‘ لکھنا چاہتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ معاملہ پہنچا تو انہوں نے قریشی لہجہ کے مطابق ’التابوت‘ لکھنے کا حکم دیا۔)

چنانچہ سرکاری ہدایت کے مطابق قرآن کے نسخے تیار کر دیئے گئے جن کو مصاحف کا نام دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مصحف مدینہ میں رکھا جسے ’الإمام‘ کہا جاتا ہے اور دوسرے پانچ یا چھ مصاحف مختلف بلاد اسلامیہ میں بھیج دیئے۔ (مصاحف کے متعلق مشہور تو یہی ہے کہ ان کی تعداد پانچ تھی جیسا کتاب المصاحف لابن ابی داؤد میں ہے مگر ابن ابی حاتم نے سات بتائی ہے جو مندرجہ ذیل مراکز میں بھیجے گئے۔ کوفہ، بصرہ، مکہ، شام، یمن اور بحرین اور ہر مصحف کے ساتھ ایک مرقی مقرر کیا گیا تاکہ صحیح طور پر قرآن پڑھا جائے۔)

[فتح الباری: ۳۹۵/۱۰، کتاب المصاحف للسجستانی: ۲۴]

ابن سیرین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ کئی کمیٹی بنائی تھی جن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ سب سے خوشخط کون ہے؟ تو لوگوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نام لیا پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ فصیح کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ [فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مصاحف جستجانی کا حوالہ دیا ہے۔ راجع [۳۹۳/۱۰] اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لو كان المملى من هذيل والكاتب من ثقیف لم يوجد فيه لحن“ [کتاب المصاحف لابن ابی

داؤد، باب المصاحف العثمانية]

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ مملی ہوگا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تب ہوگا۔ کیونکہ سعید

بن العاص رضی اللہ عنہ کا لہجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ کے مشابہہ تھا۔ [طبقات ابن سعد]

بعض روایات میں سعید کی بجائے ابان بن سعید بھی مروی ہے۔ خطیب لکھتے ہیں یہ عمارہ بن غزویہ کا وہم ہے کیونکہ ابان تو شام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی قتل ہو چکا تھا۔

ابو بکر جستانی نے بقیہ ارکان کی فہرست بھی دی ہے جو یہ ہے:

⑤ مالک بن ابی عامر رضی اللہ عنہ امام مالک کے جد امجد

⑥ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں بارہ رکنی کمیٹی سے یہ کُل نو آدمی معلوم ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”لا یملین فی مصاحفنا الا علماء قریش أو ثقیف“ [کتاب المصاحف لابن ابی داؤد، باب جمع عمر

بن الخطاب]

لیکن مذکورہ کمیٹی میں کوئی بھی ثقفی نظر نہیں آتا بلکہ قریشی یا انصاری ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً تو سعید رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ نے کی پھر ثقی مصاحف کی تیاری کے لیے دوسرے لوگ بھی شامل کر لیے گئے اور اہل املاء میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مدد لی گئی۔

### حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی برہمی

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہ تو چار رکنی کمیٹی کا رکن بنایا گیا اور نہ ہی بارہ رکنی کمیٹی میں شامل کیے گئے اس لیے انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”یا معشر المسلمین! أعزل عن نسخ کتابة المصاحف یتولها رجل والله! أسلمت

وإنه لفی صلب رجل کافر.“ [جامع الترمذی: ۳۱۰۴]

اور مصاحف ابن ابی داؤد جستانی میں ہے کہ انہوں نے کہا:

”ولقد أخذت من فی رسول الله ﷺ سبعین سورة وإن زید بن ثابت لصبی من

الصبیان.“

ابو اؤل کی روایت میں بضع و سبعین سورة بھی آیا ہے۔ [فتح الباری: ۱۰]

### حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت کی جاسکتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو فہ میں تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی آمد تک اتنا بڑا اہم منصوبہ معرض التواء میں نہیں ڈال سکتے تھے، کیونکہ یہ ہنگامی قسم کی ضرورت تھی اور حالات کا فوری تقاضا تھا نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے موجودہ صحف کو ایک صحف کی شکل دینا تھی تاکہ حروف کا اختلاف ختم ہو جائے۔ اور پہلے صحف کو چونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا لہذا دوبارہ لکھنے کے لیے بھی یہی موزوں تر تھے۔ ترمذی کی روایت کے آخر میں ہے:

”فکره ذلك من مقالة عبدالله بن مسعود بن رجال من أفاضل الصحابة.“ [جامع الترمذی:

۳۱۰۴]

ب  
م  
ا



## ایک اہم سوال

لیکن یہاں پر ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تو وہ مصاحف حضرت حفصہؓ کو واپس کر دیئے تھے تو بعد میں ان کا انجام کیا ہوا؟

حافظ ابن حجرؒ نے جستجانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد مروان نے وہ صحف ضائع کر دیئے تھے تاکہ مروار ایم کے ساتھ کسی قسم کا نزاع پیدا نہ ہو۔ لیکن اولاً تو ان تختیوں کا ضیاع الہیہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں لکھی گئی تھیں اور پھر ان صحف کا ضیاع بڑا الہیہ ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے دور میں جمع کئے گئے تھے۔ یہ اظہارِ افسوس کسی شک و شبہ کی بناء پر نہیں ہے، بلکہ ایک دستاویز کی اصل شکل ضائع ہونے کی بناء پر ہے اور موجودہ دور کے تقاضوں اور اصل مخطوطوں کی اہمیت کو سامنے رکھا جائے تو ان صحف کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، خصوصاً جب تحقیق کے لیے اصل شہادۃ بھی آثارِ قدیمہ ہی رہ گئے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کی اس حدیث کے آخر میں ہے:

”وَأَمْرٌ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ وَمَصْحَفٍ أَنْ يَحْرَقَ“

[بخاری شریف مع الفتح: ۳۹۵/۱۰]

”حضرت عثمانؓ نے اس کے سوا تمام صحف اور مصاحف کو جلا ڈالنے کا حکم دیا۔“

اس حکم کے تحت عراق میں بھی مصاحف جلا ڈالے گئے لیکن بہت سے لوگوں نے اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اور اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ کو ’محرقت مصاحف‘ کہا لیکن حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے دفاع کیا اور کہا:

”لَا تَقُولُوا لِعِثْمَانَ فِي تَحْرِيقِ الْمَصَاحِفِ إِلَّا خَيْرًا.“

اس وقت صحابہ کی بہت بڑی جماعت موجود تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس بناء پر ابن بطال اس فقہی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فِي هَذَا الْحَدِيثِ جَوَازُ تَحْرِيقِ الْكُتُبِ بِالنَّارِ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ.“

کیونکہ اس طریق سے پرانے اور بوسیدہ کاغذات بے ادبی سے بچ جاتے ہیں لیکن علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جلا ڈالنے سے دھوڑا نازا زیادہ بہتر ہے (نی زمانہ کاغذ سازی میں پرانے قرآن کے کاغذات اسی طریق سے استعمال کیے جاتے ہیں، جو کہ جائز ہے اور اس مسئلہ پر راقم کا ایک فتویٰ بھی شائع ہو چکا ہے)

حضرت عثمانؓ نے جن پرائیویٹ مصاحف کو جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا ان میں حضرت حفصہؓ والے صحف شامل نہیں تھے بلکہ تمام صحابہ کے مصاحف محفوظ رہے تھے جیسا کہ مصاحف جستجانی سے معلوم ہوتا ہے۔

[المصاحف للسنجستانی وفتاویٰ ابن تیمیہ: ۴۲۰/۱۳]

لیکن مروان نے حضرت حفصہ والے صحف ضائع کر دیئے تھے (حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمن بن عوفؓ میں سے ہر ایک کے پاس اپنے مصاحف موجود تھے جو حضرت عثمانؓ کے رسم مصاحف سے مختلف تھے۔)

بہر حال اب مصاحف عثمانی میں جو کچھ ہے وہی قرآن ہے اور اس میں نقص و زیادہ یا حذف و ابدال جائز نہیں ہے، کیونکہ اُمت مرحومہ کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ یہ مصاحف اختلاف کو ختم کرنے کے لیے سب سے اہم حروف کی بجائے ایک حرف پر لکھے گئے تھے اور وہ بھی عرضہ اخیرہ والا حرف ہاں نقاط اور اعراب سے مجرحتے اور ان میں یہ گنجائش تھی کہ جو قراءۃ صحابہ کرام کی نقل سے ثابت ہو اور سند صحیح ہو تو اس پر بھی پڑھا جاسکے۔

### تابعین کرام کا دور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین رضی اللہ عنہم نے قرآن کی تعلیم و تعلم کو زندہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو قراءات و حروف منقول تھے ان کی پوری حفاظت کی۔ اس دور میں چونکہ سلسلہ تلمذ بہت وسیع ہو جاتا ہے اس لیے ہم ہر مرکزی شہر کے تابعین کا ذکر کرتے ہیں جن سے سلسلہ اسناد قائم رہا۔  
ابن الجزری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

### مدینۃ النبی کے قراء

مدینۃ طیبہ میں حسب ذیل تابعین قراء مشہور ہوئے۔

- ① سعید بن مسیب القرشی المخزومی رضی اللہ عنہ المتوفی ۹۳ھ
- ② عروہ بن زبیر أبو عبد اللہ القرشی رضی اللہ عنہ عالم المدینۃ و احد الفقہاء السبعۃ (المتوفی ۹۳ھ) (۶۷ھ)
- ③ سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۰۱ھ)
- ④ عمر بن عبد العزیز الأموی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد (۱۰۱ھ)
- ⑤ سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ (۱۰۷ھ) ⑥ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ (۱۰۳ھ)
- ⑦ معاذ بن الحارث المعروف بمعاذ القاری رضی اللہ عنہ
- ⑧ عبد الرحمن بن ہرمز رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۱۷ھ) کاتب المصاحف و شیخ نافع بن ابی نعیم
- ⑨ ابن شہاب الزہری رضی اللہ عنہ (۹۲ھ) ⑩ مسلم بن جندب رضی اللہ عنہ (۱۳۰ھ)
- ⑪ زید بن أسلم رضی اللہ عنہ (۱۲۶ھ)

### مکہ مکرمہ کے قراء

- ① عبیدۃ بن عمیر رضی اللہ عنہ (۹۲ھ) ② عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ (۱۱۰ھ)
- ③ طاؤس رضی اللہ عنہ (۱۰۶ھ) ④ مجاہد بن جبیر أبو الحجاج المکی رضی اللہ عنہ (۱۰۳ھ)
- ⑤ عکرمہ رضی اللہ عنہ (۱۱۵ھ) ⑥ ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ

### کوفہ کے قراء

- ① علقمہ رضی اللہ عنہ (۶۲ھ) ② أسود رضی اللہ عنہ (۷۵ھ)
- ③ مسروق رضی اللہ عنہ (۷۳ھ) ④ عبیدۃ بن عمرو السلمانی رضی اللہ عنہ (۷۳ھ)

- ۵ عمرو بن شرحبیل فی آیام عبید اللہ بن زیاد رضی اللہ عنہ
- ۶ عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ (۷۷۵ھ) ۷ ربیع بن حیشم رضی اللہ عنہ توفی قبل (۹۰ھ)
- ۸ عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ (۷۷۵ھ) ۹ أبو عبدالرحمن السلمی رضی اللہ عنہ (۹۶ھ)
- ۱۰ زر بن حبیش رضی اللہ عنہ (۸۲ھ) ۱۱ عبید بن نضلۃ فی حدود رضی اللہ عنہ (۷۷۵ھ)
- ۱۲ أبو زرعه بن عمرو بن جریر رضی اللہ عنہ ۱۳ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ (۹۵ھ)
- ۱۴ ابراہیم بن یزید أبو عمران النخعی رضی اللہ عنہ (۹۶ھ)
- ۱۵ امام شعبی رضی اللہ عنہ (۱۰۵ھ) ۱۶ عامر بن شرحبیل رضی اللہ عنہ

### بصرہ کے قراء

- ۱ عامر بن عبد قیس رضی اللہ عنہ (۱۰۰ھ) ۲ أبو العالیۃ رفیع بن مهران الریاحی رضی اللہ عنہ (۹۳ھ)
- ۳ أبو رجاء أوطار دی رضی اللہ عنہ (۱۰۵ھ) ۴ نصر بن عاصم رضی اللہ عنہ (۱۰۰ھ یا ۹۰ھ)
- ۵ یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہ قبل (۹۰ھ) ۶ معاذ بن معاذ رضی اللہ عنہ (۱۰۶ھ)
- ۷ أبو الشعثاء جابر بن یزید رضی اللہ عنہ (۹۳ھ) ۸ حسن بن سیرین رضی اللہ عنہ (۱۱۰ھ)
- ۹ قتادہ بن دعامة السدوسی رضی اللہ عنہ (۱۱۸ھ)

### شام کے قراء

- ۱ مغیرة بن أبی شهاب المخزومی صاحب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۹۱ھ)
- ۲ خلیل بن سعد صاحب أبی الدرداء رضی اللہ عنہ

### ان تابعین میں بعض کے مصاحف بھی مشہور ہیں

- ۱ مصحف عبید بن عمیر اللیثی رواہ عنہ عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ
- ۲ مصحف عطاء بن أبی رباح رواہ عنہ طلحة رضی اللہ عنہ
- ۳ مصحف عکرمہ رواہ عنہ عاصم الأحول رضی اللہ عنہ
- ۴ مصحف مجاہد رواہ عنہ حمید رضی اللہ عنہ
- ۵ مصحف سعید بن جبیر رواہ عنہ أبو بشر رضی اللہ عنہ
- ۶ مصحف أسود بن یزید وعلقمہ بن قیس رواہ عنہما النخعی رضی اللہ عنہ
- ۷ مصحف محمد بن أبی موسیٰ الشامی رواہ عنہ داؤد بن أبی ہند رضی اللہ عنہ
- ۸ مصحف حطان بن عبد اللہ الرقاشی رواہ عنہ أبو ہارون الغنوی رضی اللہ عنہ
- ۹ مصحف صالح بن کیسان مدینی رواہ عنہ ابن عیینہ رضی اللہ عنہ
- ۱۰ مصحف طلحة بن مصرف الأیامی رضی اللہ عنہ
- ۱۱ مصحف سلیمان بن مهران الأعمش رواہ أبو نعیم رضی اللہ عنہ

## تج تابعین اور دیگر ائمہ

ان کے بہت سے علماء کلیۃً اسی کام میں لگ گئے اور ضبط قراءۃ میں انہوں نے اعتناء سے کام لیا حتیٰ کہ اس فن کے امام مشہور ہوئے اور ہر شہر میں اہل علم نے ان کی قراءۃ کو تلقی بالقبول کا شرف بخشا اور قراءات ان کی طرف منسوب ہوئیں۔

مثلاً مدینہ میں ابو جعفر یزید بن القعقاع شیبہ بن نصح رضی اللہ عنہ اور پھر نافع بن ابی نعیم رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کو شہرت حاصل ہوئی اور مکہ میں عبداللہ بن کثیر رضی اللہ عنہ، حمید بن قیس الاعرج رضی اللہ عنہ اور محمد بن محیصن رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کو اور کوفہ میں یحییٰ بن وثاب الاسدی رضی اللہ عنہ، عاصم بن ابی النجود رضی اللہ عنہ، سلیمان الاعمش رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ اور الکسانی رضی اللہ عنہ کو شہرت ہوئی۔ اور بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق رضی اللہ عنہ، عیسیٰ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابو عمرو بن العلاء رضی اللہ عنہ، عاصم الجحدری رضی اللہ عنہ اور یعقوب الحضرمی رضی اللہ عنہ مشہور ہوئے۔

اور شام میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، عطیہ بن قیس الکلابی رضی اللہ عنہ، اسماعیل بن عبداللہ بن المهاجر رضی اللہ عنہ، یحییٰ بن الحارث الذماری رضی اللہ عنہ اور شرح بن یزید الخصرمی رضی اللہ عنہ نے شہرت حاصل کی۔ پھر ان کے بعد تو قراء کثرت سے بلاد اسلامیہ میں پھیل گئے اور ان میں اضافہ در اضافہ ہوتا گیا ان میں بعض متقن (ماہر) فی التلاوۃ اور روایت و درایت میں مشہور تھے اور بعض ان اوصاف میں قاصر تھے۔

اس وجہ سے ان میں اختلاف کا پیدا ہونا یقینی تھا لہذا جہادہ اور ضادید ائمہ نے نہایت اجتہاد سے کام لے کر حروف و قراءات کو جمع کیا اور مشہور اور شاذ میں فرق کی وضاحت کی اور ان کے اصول و ارکان مقرر کیے۔ دوسرے فنون کی طرح علم القراءۃ میں بھی ارتقاء ہوا اور آخر کار اس نے ایک فن کی حیثیت اختیار کر لی، قراءات کے ضبط اور قراء کے تراجم پر مستقل کتابیں مرتب ہوئیں۔

## قراءۃ صحیحہ کا ضابطہ

جو قراءۃ قواعد عربیہ کے موافق ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے بھی مطابق ہو اور صحت سند کے ساتھ ثابت ہو وہ قراءۃ صحیحہ میں داخل ہے۔ اس کو رد کرنا یا اس کا انکار کرنا جائز نہیں ہے اس کو ان احرف سبعہ میں شمار کیا جائے گا جن پر قرآن نازل ہوا۔ وہ قراءۃ خواہ قراء سبعہ سے منقول ہو، قراء عشرہ سے یا پھر ان کے علاوہ دوسرے ائمہ سے۔

محققین ائمہ سلف اور خلف نے 'قراءۃ صحیحہ' کی یہی تعریف کی ہے ابو عمرو الدانی رضی اللہ عنہ، ابو محمد الحکی رضی اللہ عنہ اور ابو العباس احمد عمار المہدوی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتابوں میں متعدد مواضع میں اس کی تصریح کی ہے۔

① علامہ ابو شامہ رضی اللہ عنہ 'المرشد الوجیز' میں لکھتے ہیں:

اعتماد ان اوصاف ثلاثہ کے جمع ہونے پر ہے نہ کہ ان قراء میں سے کسی ایک قاری کی طرف منسوب ہونے پر، کیونکہ قراء سبعہ اور دوسرے قراء کی طرف جو قراءات منسوب ہیں دو قسم پر ہیں:

① مجمع علیہا

② شواذ

③ علامہ الجعبری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”اصل شرط صحت نقل ہے اور دوسری دونوں شرطیں اس کو لازم ہیں۔“

● ابو محمد المکیؒ بیان فرماتے ہیں:

”قرآن میں جو قراءات مروی ہیں وہ تین قسم کی ہیں جو نبی زمانہ راجح ہیں اور ان میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں۔

① ثقات نبی ﷺ سے روایت کریں۔ ② عربیت کی رو سے صحیح ہو۔

③ رسم مصحف کے مطابق ہو۔

اگر وہ قراءت ان تین اوصاف کی حامل ہو تو اس کے مطابق پڑھا جائے گا اور اس کی صحت پر قطعی حکم لگایا جائے گا اس کے منکر کو کافر کہا جائے گا۔“

● علامہ سیوطیؒ اللہ الاقان میں لکھتے ہیں کہ قراءات چھ قسم پر ہیں:

### ① المتواتر

جو ایک جماعت دوسری جماعت سے نقل کرے کہ ان کا تواطؤ علی الکذب عاۃً محال ہو (جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو) اور وہ قراءت جسے سبعہ یا عشرہ روایت کریں۔

### ② المشہور

جو صحت سند کے ساتھ ثابت ہو اور مصاحف عثمانی میں کسی ایک مصحف کے مطابق ہو، عام ہے کہ اس کو سبعہ یا عشرہ نقل کریں یا کسی دوسرے قاری سے منقول ہو۔ لیکن حد تو اترا تک کو پہنچی ہو۔ یہ دونوں قسم کی قراءات نماز میں جائز ہیں۔

### ③ ماصح سندہ

یعنی جو صحت سند کے ساتھ ثابت ہو لیکن رسم المصحف یا عربیت کے خلاف ہو، یا اسے شہرت حاصل نہ ہوئی ہو اس نوع کی قراءت نماز میں جائز نہیں ہے اور نہ اس کی قرآنیت کا اعتقاد واجب ہے جیسا کہ ابوبکرہؓ کی قراءت میں ہے۔

عَلَى رِفَارِفٍ خُضِرٍ وَعَبَّاقِرِي حَسَانٍ [الرحمن: ۷۶]

یا حضرت فاطمہؓ کی قراءت میں ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ [التوبة: ۱۲۸]

### ④ الشاذة

اس سے مراد وہ قراءات ہے جو صحت اسناد کے ساتھ ثابت نہ ہو جیسا کہ ابن السمیع؟؟؟ کی قراءت میں

ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ [يونس: ۹۲]

یعنی حامہملہ کے ساتھ۔

## ⑤ الموضوع

جو کسی طرف بلا اسناد منسوب ہو جیسا کہ وہ قراءات جو محمد بن جعفر الخزامی نے جمع کر کے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیں۔

## ⑥ المدرج

جو مدرج حدیث کی مثل ہو یعنی وہ قراءات جو بطور تفسیر اضافہ کی گئی ہو۔ [الاتقان: ۱۳۲۱، ۱۳۱] مثلاً مصحف عائشہ میں 'و الصلاة الوسطى، صلاة العصر' کی ہے اور عبداللہ بن مسعود کی منفرد قراءات اسی قسم سے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پہلی قسم کی قراءات صحیح کی ہیں اور باقی اقسام اربعہ غیر صحیح کی ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب

## قراءات شاذة اور ائمہ اسلام

قراءات کے تسلسل میں آسانید کو بہت بڑا دخل ہے جس طرح کوئی حدیث صحت سند کے بغیر معتبر نہیں اسی طرح اگر کوئی قراءت اسناداً متصل نہ ہو تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہے۔ [التیسیر للدانی: ۸] اور پھر قراءات تو قیفاً ہیں اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔ بایں وجہ علامہ زختری رضی اللہ عنہ کا یہ قول قابل التفات نہیں ہے:

”قراءات محض اختیاری ہیں اور جو عربی قواعد کے مطابق اور انسب ہو اسے پڑھا جاسکتا ہے اور یہ فصحاء وبلغاء کے اختیار و اجتہاد پر دائر ہے۔“ [الاتقان: ۳۲۱]

پس جو قراءات صحت سند کیساتھ منقول نہ ہو، وہ خواہ قواعد عربیہ اور رسم الخط کے موافق ہی کیوں نہ ہو، مقبول نہیں ہے۔ بلکہ وہ مردود کے حکم میں ہوگی۔

متعدد قراءات وہ ہیں جن کا علماء نحو انکار کرتے ہیں مگر ان کے انکار کو کچھ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ مثلاً ﴿بَارِكُمْ﴾ اور ﴿يَا مَعْزُومُ﴾ میں ہمزہ اور راء کو ساکن کرنا اور ﴿وَالْأَحْجَامُ﴾ کی میم کو جر دینا اور ﴿لِيَجْزِيَ قَوْمًا﴾ میں میم کو نصب اور ﴿تَقْتُلُ أَوْلَادَهُمْ شُرَكَائِهِمْ﴾ میں مضاف الیہ کے درمیان فصل لانا وغیرہ۔ [البرهان للزركشي: ۳۲۱]

## ابوبکر بن مقسم کی مخالفت

یہی وجہ تھی کہ قراء کرام نے ابوبکر بن مقسم کی قراءت کو ممنوع قرار دے دیا، کیونکہ ابن مقسم ہر اس قراءت کو جائز رکھتے جو عربیت کے اعتبار سے صحیح ہو خواہ نقل روایت اور رسم مصحف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح قراء نے ابن شبنوذ سے توبہ کروانے کے لیے مجلس قائم کی جو کہ حضرت اُبی بن علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق لکھوانا چاہتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ قراء نے اعمش کی قراءت کو غیر مقبول قرار دیا، کیونکہ وہ حضرت اُبی بن علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کی اتباع کرتا [المصاحف للسنجستانی: ۹۱] اور اسی وجہ ان کی قراءت کا نام شاذة رکھا گیا۔ ابن خالویہ نے القراءات الشاذة پر ایک مستقل تصنیف کی ہے جس کا نام 'المحتسب فی القراءات الشاذة' ہے اور ابوالبقاء العبرکی نے بھی اس موضوع پر ایک مفصل کتاب لکھی جس کا نام 'إملاء ما من به الرحمن من وجوه الإعراب والقراءات فی جمیع القرآن' رکھا۔

اس بناء پر علماء نے بلا تردید یہ بات کہی ہے کہ قراءات شاذہ کی توجیہ بلحاظ قواعد قراءات مشہورہ کی توجیہ سے زیادہ قوی ہے۔ [البرہان: ۳۳۱/۱] اور شاذۃ کی توجیہ صحت تاویل پر معاون ہے۔ مثلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ﴿فَأَقْضُوا آيَاتِهِمَا﴾ [المائدة: ۳۸] ہے، جس سے حدیث میں قطع کی توضیح ہوجاتی ہے۔ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت ولہ أخ أو أخت من أم سے واضح ہوجاتا ہے کہ اگر ماں کی طرف سے بھائی ہوں تو پھر ہر ایک کے لیے سدس ہے یعنی خاص قسم کے إخوة مراد ہیں۔ اور زید بن علی کی قراءت اللہ نُورَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ہے جو معنی کے اعتبار سے نُورَ السَّمَوَاتِ سے زیادہ واضح ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ پڑھتے، یعنی اللہ تعالیٰ علماء کی تعظیم و تکریم فرماتے ہیں۔

چنانچہ زکشی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”إن الخشية هنا بمعنى الإجلال والتعظيم لا الخوف.“

پس ان قراءات شاذہ سے کم از کم صحت تاویل ضرور مستفاد ہوتی ہے لیکن بعض قراءات شاذہ میں بظاہر تکلف اور بشاعت (کراہت) پائی جاتی ہے تاہم تاویل صحیح ہونے کی بناء پر بشاعت و کراہت رفع ہوجاتی ہے مثلاً ﴿هُوَ اللَّهُ الْخَلِيقُ الْبَدَائِيُّ الْمُصَوِّرُ﴾ [الحشر: ۲۴] کہ مصور اسم مفعول کا صیغہ ہے اور الباری کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اللذی براء المصور [البرہان: ۳۳۱/۱] تاہم کسی کے نزدیک بھی شاذہ کے کلام اللہ ہونے کا اعتقاد واجب نہیں ہے۔

## قراءات شاذہ کے احکام

جب اس کا قرآن ہونا صحیح نہیں ہے تو نماز میں بھی اس کی قراءت جائز نہیں ہے۔

● علامہ نووی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”لا يجوز القراءة في الصلاة بالقراءة الشاذة لأنها ليست بقرآن لأن القرآن لا يثبت إلا بالمتواتر والشاذة ليست بمتواترة ومن قال غيره فغالط، أو جاهل فلو خالف وقرأ بالشاذة أنكر عليه القراءات في الصلاة وغيرها“۔ [البرہان: ۳۳۳/۱]

”شاذ قراءت نماز میں جائز نہیں، کیونکہ وہ قرآن نہیں، اس لیے کہ قرآن تواتر کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اور قراءت شاذۃ تواتر سے ثابت نہیں ہوتیں۔ اور جس نے اس بات کے علاوہ کہا اس نے غلطی کی یا جاہل ہونے کا ثبوت دیا، اگر وہ اس کی مخالفت کرتے ہوئے نماز میں یا نماز کے علاوہ اس کی قراءت کرتا ہے تو اس قراءت کا اس پر انکار کیا گیا ہے۔“

ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے نماز میں عدم جواز پر اجماع نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس قاری کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے جو نماز میں قراءت شاذہ پڑھتا ہے۔

اس طرح امام مالک رضی اللہ عنہ نے بھی عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے [البرہان: ۲۲۲/۱] اور کہا ہے:

”من قرأ في صلاة بقراءة ابن مسعود وغيره من الصحابة مما يخالف المصحف لم

يصل وراءه .“

”جس شخص نے نماز میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کی (منفرد یا مخصوص) قراءت کو پڑھا جو مصحف کے خلاف ہے اس کے پیچھے (امامت میں) نماز نہ پڑھی جائے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے متعلق علماء کا یہ موقف اس بناء پر ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کے قرآن ہونے کے قائل نہیں تھے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو دم کیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف ان دونوں سے خالی ہے۔ [الانقان: ۱۳۷، ۱۳۸]

اسی طرح حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف کے آخر میں دعاء الإستفتاح اور دعائے قنوت کو بمنزلہ دو سورتوں کے جمع کر رکھا تھا۔ [البرهان: ۱۲۸/۲] حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہ تھی لیکن علامہ الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ابن مسعود، ابی، زید، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم یا ان کی آل و اولاد میں سے کسی کی طرف یہ نسبت جائز نہیں ہے کہ انہوں نے مصحف جماعت کے خلاف کوئی قراءت درج کی ہو یا اخبار آحاد کی بناء پر کسی قسم کی تبدیلی کی ہو ایسی بات ایک ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ آئمہ کی طرف منسوب کی جائے۔ [البرهان: ۱۲۹۱]

### قراء سبعہ

اب ہم قراء سبعہ عشرہ اور اربعہ عشرہ کا تعارف کرواتے ہیں تاکہ قراءت کی آسانید معلوم ہو سکیں۔ سبعہ کی اصطلاح سب سے پہلے ابن مجاہد نے متعارف کرائی لہذا تمہید کے طور پر ابن مجاہد کا تعارف پیش خدمت ہے۔

### ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ

ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ مصنف ’کتاب سبعۃ‘ کا پورا نام و نسب یہ ہے: أبوبکر أحمد بن موسیٰ بن العباس ابن مجاهد البغدادي (المولود ۲۳۵ھ المتوفی ۳۲۳ھ) قراءت کے امام، محدث، نحوی اور شیخ المقرئین کے لقب سے معروف تھے۔ [تاریخ بغداد: ۱۴۲۵]

سعدان بن نصر، الرمادی، محمد بن عبداللہ المخرمی، محمد بن اسحاق صانغانی اور ان کے ہم طبقہ سے سماع کیا قبیل الکی اور ابو الزعراء بن عبدوس پر قرآن کی تلاوت کی اور حروف ایک جماعت سے عرضاً حاصل کیے۔ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے غایۃ النہایۃ میں ان کے نام بالاستیعاب ذکر کیے ہیں خلق کثیر نے اس پر قراءت کی جن میں منصور بن محمد القرار اور شہبوزی بھی شامل ہیں۔

● علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”انتهی إلیہ علم هذا الشأن وتصدر مرة .“ [النبلاء: ۲۷۱۵]

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ، ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ اور ابوبکر بن شاذان رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کی ہے۔

● ابو عمرو الدرائی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”فاق ابن مجاهد سائر نظائره مع اتساع علمه وبراءة فهمه وصدق لهجته وظهور

نطقه .“ [طبقات سبکی: ۵۸/۳]

● ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ غایۃ النہایۃ میں لکھتے ہیں:



”آپ نے نہایت مشہور و معروف اور آپ کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع تھا آپ نے اپنے اقران و نظراء سے بازی لے گئے اور محمد یحییٰ الکسائی کی زندگی میں ہی صدر مجلس بن گئے۔“

ابن ابی ہاشم کا بیان ہے کہ کسی نے ابن مجاہد سے پوچھا:

”لم لا تختار حرفا لنفسك .“

”تم اپنے لیے ایک قراءت کو کیوں نہیں پسند کرتے ہو۔“

تو انہوں نے فرمایا:

ہمارے ائمہ نے جو حروف (قراءت) اختیار کیے ہیں ان کی حفاظت زیادہ ضروری ہے اس کی بجائے کہ ہم

اپنی قراءت اختیار کریں۔ [الطبقات للسیبکی: ۵۸/۳]

موصوف طبعی طور پر لطافت و ظرافت کے ماہر تھے۔ [تاریخ بغداد: ۵/۱۳۷] ان کے حلقہ درس میں مجلس کنٹرول کرنے

کے لیے ۸۴ مقرر موجود رہے۔ [غایۃ النہایۃ: ۱۳۲/۱]

## کتاب السبعة

ابن مجاہدؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ’کتاب السبعة‘ لکھی ورنہ اس سے پہلے یہ اصطلاح متعارف نہ تھی۔ موصوف نے سات مشہور قراءت کی قراءت جمع کر کے اس کا نام ’کتاب السبعة‘ رکھا۔ یہ قراءت گو فقہ و امانت اور ضبط و ملازمت قراءت میں مشابہت تھے تاہم یہ انتخاب کسی معیار کے مطابق نہ تھا بلکہ حسب اتفاق جمع کر دیئے گئے تھے۔

[البرہان للزرکشی: ۳۲۷/۱]

پھر انہوں نے کتاب السبعة لکھ کر اس فن کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے اور کوتاہ نظر یہ سمجھنے لگے کہ حدیث ’أنزل القرآن علی سبعة أحرف‘ سے یہی سات قراءت مراد ہیں۔ جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے اس لیے ابو العباس عمار، ابن مجاہد کو ملامت کرتے اور کہتے:

”لیتہ اقتصر ، نقص عن السبعة أو زاد لیزیل الشبهة“

”کاش کہ وہ رک جاتے سات سے کم یا زیادہ لکھتے تاکہ شبہ ختم ہو جاتا۔“

اسی طرح ابوشامہ اپنی کتاب المرشد الوجیز میں لکھتے ہیں:

”بعض لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ حدیث ’أنزل القرآن..... الخ‘ سے قراءت سبعہ مراد ہیں، حالانکہ یہ اجماع اہل

علم کے خلاف ہے یہ محض جہالت کا گمان ہے۔“ [الإتقان: ۱۳۸/۱، الزرقانی: ۱۳۲/۱، الوجیز: ۱۴۶]

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب علماء نے قراءت پر کتابیں لکھنا شروع کیں تو اس وقت ’سبعہ‘ کی اصطلاح بلاد

اسلامیہ میں قطعی متعارف نہ تھی مثلاً ابو عبیدہ قاسم بن سلامؒ، صاحب الشافعی، أبو جعفر الطبریؒ اور

أبو حاتم السجستانیؒ کی کتابوں میں بہت سی قراءت مذکور ہیں لیکن ان میں ’سبعہ‘ کی اصطلاح کا نام

ونشان تک نہیں ہے اندازہ ہے کہ ابن مجاہدؒ کی اس کتاب کے بعد اس اصطلاح کا تعارف ہوا اور اس وقت لوگوں

نے ائمہ کی قراءت پر اکتفاء کرنا شروع کر دیا تھا۔

● علامہ زرکشیؒ ’البرہان‘ میں لکھتے ہیں:

”إن القراءات لم تكن متميزة عن غيرها إلا في قرن الأربعمئة جمعها أبو بكر ابن مجاهد ولم يكن متسع الرواية والرحلة كغيره، والمراد بالقراءات السبع المنقولة عن الأئمة السبعة.“  
الغرض علماء نے ابن مجاہد رحمہ اللہ کی اس کوشش کو بنظر استحسان نہیں دیکھا یہ کتاب دکتور شوقی ضیف کی تحقیق سے طبع ہو چکی ہے۔

### مصادر ومراجع

تاریخ بغداد: ۱۲۴/۵، ۱۲۸۔ المنتظم: ۲۸۲/۶، ۲۸۳۔ معجم الأدياء: ۶۵، ۷۳۔ معرفة القراء: ۲۱۶/۱، ۱۱۸۔ العمر: ۲۰۱/۲۔ شذرات: ۳۰۲/۲۔ النجوم الزاهرة: ۲۵۸/۳۔ طبقات السبكي: ۵۷/۳، ۵۸۔ الوافي: ۲۰۰/۸۔ غاية النهاية: ۱۳۹/۱، ۱۳۲۔ البداية النهاية: ۱۸۵/۱۱۔  
آب ہم قراء سبعہ کا مفصل تعارف کرواتے ہیں جس میں ان کے سلسلہٴ اسناد پر بھی بحث کریں گے۔  
علامہ زرکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وہ ائمہ سبعہ یہ ہیں:

- ① عبدالله بن كثير المكي القرشي
- ② نافع بن عبد الرحمن بن أبي نعيم
- ③ عبدالله بن عامر بن يزيد
- ④ أبو عمرو بن العلاء البصري
- ⑤ عاصم بن أبي النجود الكوفي
- ⑥ حمزة بن حبيب بن عمار الكوفي
- ⑦ أبو علي الكسائي الكوفي
- ⑧ ابو محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مامون الرشيد کے زمانہ میں ابو علی الکسائی رحمہ اللہ کو یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ کی بجائے ساتواں قرار دیا گیا، کیونکہ الکسائی رحمہ اللہ مامون کا مودب تھا اور یہ سبب، دو یعنی ابن عامر رحمہ اللہ اور ابو عمرو رحمہ اللہ کے سوا سب کے سب عجمی ہیں بعض نے لکھا ہے کہ ان کے سبب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف سبعة، لکھ کر بھیجے تھے تو قراء بھی مصاحف کے مطابق سات قرار دیئے گئے اور بعض نے ’انزل القرآن علی سبعة أحرف‘ کے ساتھ مربوط کیا ہے جو بے معنی بات ہے۔ ابن حبيب المقري رحمہ اللہ، جو ابن مجاہد رحمہ اللہ سے متقدم ہیں، نے قراءات میں اپنی کتاب کا نام ’كتاب الخمسة‘ رکھا ہے اور اس میں صرف پانچ قراء کا ذکر کیا ہے اور بعض نے ’كتاب الثمانية‘ لکھی ہے اور یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ کا اضافہ کر دیا ہے اور بعض نے ’كتاب العشرة‘ الغرض ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق انتخاب کیا ہے۔ ’وللناس فيما يشقون مذاهب‘

### ① عبدالله بن كثير الدارمي رحمہ اللہ التونسي ۱۲۰ھ

یہ تابعی ہیں اور مکہ میں بھی ان کی قراءت کو خاص شہرت حاصل تھی صحابہ کرام میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابویوب الناصری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ثابت ہے بعض نے ان کا نسب یوں لکھا ہے:  
”عبدالله بن كثير بن عمرو بن عبدالله بن زاذان بن فيروزان بن هرمز الإمام أبو معبد المكي الدارمي إمام أهل مكة في القراءات.“

الداری عطار کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں بحرین میں 'دارین' مقام سے عطر لایا جاتا تھا اس لیے عطار کو الداری کہا جاتا تھا۔ لیکن بعض نے لکھا ہے کہ یہ بنی عبدالدار بن ہانی تمیم الداری کی نسل سے تھے۔ اس لیے ان کو الداری کہا جاتا ہے۔ [التاریخ الكبير: ۱۸۱/۵]

پہلی وجہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ ابناء فارس سے تھے جیسا کہ بیان کردہ نسب سے ظاہر ہے اور عبداللہ بن کثیر القرشی اور عبداللہ بن کثیر القاری میں التباس کی وجہ سے دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا گیا ہے۔  
ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ھ کو مکہ میں پیدا ہوئے اور مکہ میں مذکور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور درباس مولیٰ ابن عباس سے ملاقات کی اور ان سے روایت کا شرف بھی حاصل کیا۔

● حافظ ابو عمر والدانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے:

”صاحب ترجمہ نے عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے عرضاً قراءت حاصل کی۔ اس قول کو گو ابو العلاء الہمدانی نے ضعیف کہا ہے لیکن اس میں ضعف کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد صحابہ کو پایا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔“

● ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے اس کو صراحتاً ذکر کیا ہے ان کے تلامذہ میں اسماعیل بن القسط رحمۃ اللہ علیہ، جریر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ، اسماعیل بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں جو ان سے قراءت کے راوی بھی ہیں۔ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے قریباً تیس راویوں کے نام ذکر کئے ہیں جن میں سفیان بن عیینہ اور حماد بن سلمہ بھی شامل ہیں۔“ [غایۃ النہایۃ: ۴۴۳/۱]

● ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ابن کثیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے عربیت میں فائق تھے ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کتاب السبعۃ میں لکھتے ہیں:

”ولم یزل عبداللہ هو الإمام المجتمع علیہ فی القراءات بمکة حتی توفي سنة عشرين ومائة.“

## ② نافع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۶۹ھ

● علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”الإمام، حبر القرآن، أبو رويم..... ويقال: أبو الحسن ويقال: أبو نعیم مولیٰ جعونۃ ابن شعوب اللبثی، حلیف حمزة عم رسول الله ﷺ أصله أصبهاني.“  
نافع معمر میں میں شمار ہوتے ہیں ۹۵ھ میں قراءت اخذ کی اور ۱۲۰ھ کو مسند قراءت پر متمکن ہوئے جب کہ ان کے اکثر مشائخ زندہ تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، نافع رحمۃ اللہ علیہ کو امام الناس فی القراءات کا لقب دیتے اور یہ بھی فرمایا کرتے: ”قراءة نافع سنة“

مدینہ منورہ میں ان کی قراءت نے خصوصی شہرت حاصل کی ستر تابعین سے قراءت حاصل کی جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے تھے۔

● ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے نافع رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۴۴ طرق ذکر کئے اور لکھا ہے:

”وأما قراءة نافع من روايتي قالون وورش عنه.“  
 ”امام نافع رضي الله عنه سے قالون رضي الله عنه اور وورش رضي الله عنه نے روايت نقل کی ہے۔“  
 پھر دونوں سے روايات نقل کی ہیں اور آسانید صحیحہ سے تمام طرق کا احصاء کیا ہے۔ اولاً قالون رضي الله عنه سے روايات ذکر کر کے آخر میں لکھا ہے:

”فهذه ثلاث وثمانون لقالون من طريقي الحلواني وأبي نسيط.“  
 ”حلوانی اور ابو نسیط کی سند سے قالون کی تراسی اسناد ہیں۔“  
 اور پھر وورش رضي الله عنه تک طریق بیان کیے ہیں اور لکھا ہے:  
 ”فهذه إحدى وستون طريقاً لورش.“  
 ”ورش رضي الله عنه کی اسیٹھ اسناد ہیں۔“

اور یہ دونوں نافع رضي الله عنه کے تلمیذ ہیں جو کل ۱۴۴ طرق (اسناد) نافع تک پہنچتے ہیں ان میں سے پانچ کی قراءت مشہور ہے:

- عبد الرحمن بن هرمز الأعرج صاحب أبي هريرة ÷
- أبو جعفر يزيد بن القعقاع أحد القراء العشرة
- شبیة بن نصح مقرئ المدينة ومولى أم سلمة + توفي ۱۳۰ھ
- مسلم بن جندب الهذلي
- يزيد بن رومان

### حالات

النبلاء: ۳۱۶/۱۰، إرشاد الأريب: ۱۰۳/۶، شذرات: ۲۸/۲، النجوم الزاهرة: ۳۱۵/۲، العبر: ۳۱۸/۱، معرفة القراء الكبار: ۱۲۸/۱، طبقات القراء للجزري  
 اور ان خمسے نے مقرئ المدینہ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ رضي الله عنه پر بھی قراءت کی ہے۔  
 ● ابن عدی الکامل میں نافع رضي الله عنه کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں:  
 ”له نسخة عن الأعرج (يروها عنه ابن أبي فديك وعنه أحمد صالح) تبلغ مائة حديث، وله نسخة أخرى عن أبي الزناد وله من التفاريق (عما يحدث به عنه جماعة من أهل البيت) قدر خمسين حديثاً ولم أر له شيئاً منكراً. (فأذكره وأرجو أنه لا بأس به)“  
 ● علامہ ذہبی رضي الله عنه لکھتے ہیں:

”بہتر ہے کہ اس کی حدیث حسن شمار کی جائے۔“ [النبلاء: ۳۳۸/۷ و طبقات القراء]

### حالات امام نافع کے مصادر

التاريخ الكبير: ۷۸/۸، مشاهير علماء الأمصار: ۱۴۱، الكامل لابن عدی: ۲۵/۵، تهذيب التهذيب: ۹/۴، ميزان الاعتدال: ۲۴/۴، العبر للذهبي: ۲۵۷/۱، شذرات: ۲۷۰/۱، غاية النهاية:

رسالہ شاطبیہ اور التیسیر میں ان تک سات طرق ذکر ہوئے ہیں صاحب التیسیر نے آسانید ذکر کی ہیں جو نافع رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہیں اور الشاطبیہ میں الدانی رضی اللہ عنہ تک آسانید مذکور ہیں دوسرا طریق ابن بویان تک الہدایہ میں ابن شریح اور المہدوی سے مذکور ہے تیسرا طریق ابوالحسن بن علی العلان کا ہے جو ابن السوار نے ذکر کیا ہے چوتھا طریق ابوبکر بن مہران کا ہے جو کتاب النہایہ سے منقول ہے۔

ابن الجزری رضی اللہ عنہ نے ان تک اپنی آسانید ذکر کی ہیں اور ابن بویان تک ۲۳ طریق ذکر کیے ہیں اور القرازتک ۱۱ طرق اور القرازا اور ابن بویان دونوں قاضی ابوحسان کے تلمیذ ہیں یہ طریق ابن الجزری رضی اللہ عنہ نے ذکر کیے ہیں۔

### حالات

أبونشيط ۲۵۸ھ، الحلواني ۲۵۰ھ، ابن بويان ۳۴۲ھ، ابن أبي مهران: ۲۸۹ھ، جعفر بن محمد ۲۹۰ھ، الزرق ۲۴۰ھ، الأصبهاني: ۲۹۶ھ۔

ابوشیخ محمد بن ہارون الامام امقری، الموجود المروزی البغدادی قرء علی عیسیٰ بن مینا بحرف نافع ہم بیان کر آئے ہیں کہ نافع رضی اللہ عنہ نے ستر تابعین پر قرآن کی قراءت کی ہے جن میں ابو جعفر رضی اللہ عنہ، محمد ابن ہرمز الاعرج رضی اللہ عنہ، مسلم بن جنبد رضی اللہ عنہ، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری رضی اللہ عنہ، صالح بن خوات رضی اللہ عنہ اور یزید رضی اللہ عنہ مشہور تر ہیں۔

اور عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی رضی اللہ عنہما کی ہے اور مسلم بن جنبد رضی اللہ عنہما اور ابن رومان رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہما کے بھی تلمیذ ہیں اور نافع رضی اللہ عنہ کے آساتذہ میں ایک شیبہ بن نصاح رضی اللہ عنہما بھی ہیں جنہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے قراءت کی اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما وابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عیاش رضی اللہ عنہما تینوں تلمیذ ہیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہما پر بھی قراءت کی ہے اور یہ تینوں صحابہ (یزید رضی اللہ عنہما، ابی رضی اللہ عنہما اور عمر رضی اللہ عنہما) بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں۔

### ۳) عبداللہ بن عامر الیحصبی رضی اللہ عنہما المتوفی ۱۰۸ھ

ان کی قراءت شام میں رائج ہوئی۔ یہ حضرت مغیرہ بن شہاب المخزومی رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور مغیرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے علاوہ آریں ان کو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما اور واثلہ بن الاسقع سے بھی لقاء حاصل ہے۔ بعض نے ان کو بلا واسطہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا شاگرد گردانا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے قراءت کی ہے۔

[طبقات القراء: ۲۳۳/۱، ۲۲۵]

● ابن الجزری رضی اللہ عنہ نے ان کا پورا نسب لکھا ہے:

”عبدالله بن عمر بن یزید بن تمیم بن ربیعہ بن عامر بن عبداللہ بن عمران الیحصبی۔“

[غایة النہایة: ۲۳۳/۱، الجرح والتعدیل: ۱۲۲/۵]

یعنی یہ عربی ہیں ان کی کنیت ابو عمران ہے قراءت میں اہل شام کے امام مانے جاتے ہیں۔

● ابو عمرو الدانی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”أخذ القراءة عرضاً عن أبي الدرداء وعن المغيرة بن أبي شهاب صاحب عثمان بن عفان، وقيل: عرض على عثمان نفسه.“ [میزان الاعتدال: ۴/۲۳۹]

”انہوں نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اور مغیرہ بن ابی شہاب رضی اللہ عنہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں ان سے قراءت حاصل کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے براہ راست حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قراءت حاصل کی ہے۔“

● ابن الجزری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”قلت وقد ورد في إسناده تسعة أقوال أصحها أنه قرأ على المغيرة“

”میں کہتا ہوں کہ اس کی اسناد کے متعلق نو اقوال مروی ہیں سب سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ انہوں نے مغیرہ رضی اللہ عنہ پر قراءت کی ہے۔“

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پورا قرآن تلاوت کرنا بعید سا ہے اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تلمذ کی نسبت بھی صحیح نہیں ہے بعض نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر قراءت کو بھی بعید سا شمار کیا ہے۔ لیکن ان پر استبعاد کی کوئی وجہ نہیں ہے اور ابن مجاہد رضی اللہ عنہ کا انکار بے معنی ہے۔

الغرض ابن عامر رضی اللہ عنہ کی قراءت صحیح اور معتمد ہے اور اس پر طعن صحیح نہیں۔ خصوصاً جبکہ ابن مجاہد رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ وہ قراءت میں اہل شام اور جزیرہ کے اُستاد ہیں۔

● ابوعلی الاہوازی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”كان إماماً عالماً ثقة فيما آتاه، حافظاً لما رواه، من أفاضل المسلمين وخيار التابعين وأجلة الراويين.“

”جو چیز انہیں میسر ہوئی ہے اس میں یہ عالم ثقہ امام ہیں۔ مرویات کے محافظ ہیں یاد رکھنے میں بلا کے حافظ تھے مسلمانوں میں فاضل تابعین میں پسندیدہ اور روایت کرنے والوں میں جلیل القدر تھے۔“

جامع دمشق کے امام رہے جب کوئی بدعت دیکھتے تو اس کو مٹا دیتے۔ ۲۱ھ کو پیدا ہوئے وہ دو سال کے تھے جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے اور دمشق کی فتح کے وقت نو سال کے تھے۔ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے سماع حاصل ہے جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، واخلة بن اسقع رضی اللہ عنہ، اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ ان سے قراءت کے روای حسب ذیل ہیں۔

- |  |                                   |
|--|-----------------------------------|
| ① يحيى بن الحارث رضی اللہ عنہ                      | ② عبدالرحمن بن عامر رضی اللہ عنہ  |
| ③ ربيعة بن يزيد رضی اللہ عنہ                       | ④ جعفر بن ربيعة رضی اللہ عنہ      |
| ⑤ إسماعيل بن عبيد الله بن أبي المهاجر رضی اللہ عنہ | ⑥ سعيد بن عبد العزيز رضی اللہ عنہ |
| ⑦ خلاء بن يزيد بن صبيح المري رضی اللہ عنہ          | ⑧ يزيد بن ابي مالك رضی اللہ عنہ   |
- دمشق میں ۱۱۸ھ کو وفات پائی۔

### حالات

التاريخ الصغير: ۱۰۰، الجرح والتعديل: ۱۲۲/۵، تهذيب الكمال: ۶۹۷، ميزان الاعتدال: ۴/۲۳۲، خلاصة تهذيب الكمال: ۲۰۲، سير أعلام النبلاء: ۱۹۲/۵

## ۴) ابو عمرو زبان بن العلاء بن عمار الخزاعی التمیمی المعدی العدنانی رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۵۳ھ

ابن الجزری رضی اللہ عنہ نے اس کو امام السید لکھا ہے اور اس کا نسب مالک بن عمرو بن تمیم کے واسطے سے مضرب بن معد بن عدنان تک پہنچتا ہے۔ آپ ۶۸ھ کو پیدا ہوئے اور حرین میں قراءت حاصل کی پھر کوفہ اور بصرہ پہنچ کر قراءت کی ایک جماعت سے قرآن پڑھا اس لیے قراء سبعہ میں ان کے شیوخ سب سے زیادہ ہیں پہلے حرین میں مجاہد بن جبیر رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے قراءت حاصل کی جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلمیذ ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ [طبقات القراء: ۱/۲۸۸، ۲۹۲]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل ہے۔ اور مندرجہ ذیل سے قراءت اخذ کی:

- ۱) الحسن بن ابی الحسن البصری رضی اللہ عنہ ۲) حمید بن قیس الأعرج رضی اللہ عنہ
- ۳) أبو العالیہ رفیع بن مهران الریاحی رضی اللہ عنہ ۴) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ
- ۵) شیبہ بن نصح رضی اللہ عنہ ۶) عاصم بن ابی النجود رضی اللہ عنہ
- ۷) عبد اللہ بن ابی إسحاق المخضرمی رضی اللہ عنہ ۸) عبد اللہ بن کثیر المکی رضی اللہ عنہ

وكان أعلم الناس بالقرآن والعربية مع الثقة والصدق

”قرآن کریم اور عربی زبان کو لوگوں سے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ قابل وثوق اور صاحب صدق وزہد تھے۔“  
 ● ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”كانت دفاتر أبي عمرو ملء بيت الى السقف“

”ابو عمرو رضی اللہ عنہ کے رجسٹرانے تھے کہ گھر چھت تک بھرا ہوا تھا۔“

● وہب بن جریر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ شعبہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا:

”تمسك بقراءة أبي عمرو فإنها ستصير للناس إسنادا.“

”ابو عمرو رضی اللہ عنہ کی قراءت حاصل کیجیے کیونکہ وہ لوگوں کے لیے سند کی حیثیت رکھتی ہے۔“

چنانچہ شعبہ کا یہ قول صحیح ثابت ہوا اور اب شام و حجاز اور مصر و یمن میں ابو عمرو رضی اللہ عنہ کی قراءت ہی مشہور ہے شام میں ۵۰ھ تک ابن عامر رضی اللہ عنہ کی قراءت مقبول رہی لیکن اس کے بعد اہل شام نے بھی ابو عمرو بن العلاء رضی اللہ عنہ کی قراءت اختیار کر لی۔ پس یہ بات شعبہ کی کرامت شمار ہوتی ہے۔

ابو عمرو رضی اللہ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے، بصرہ میں تربیت پائی اور کوفہ میں فوت ہوئے ان کی وفات ۱۵۵ھ یا ۱۵۷ھ میں ہے۔

## ترجمہ

التاریخ الكبير والکنی: ۵۵/۹، وفيات: ۳۶۶/۳، تہذیب الکمال: ۱۶۲۶، تاریخ اسلام: ۳۲۲/۶، تہذیب: ۲۲۵/۳

## ۵) یعقوب بن اسحاق بن زید الحضرمی ۲۰۵ھ

یہ بھی بصرہ کے قاری ہیں اور سلام بن سلیمان الطویل سے روایت کرتے ہیں جو کہ ابو عمرو رضی اللہ عنہ اور عاصم رضی اللہ عنہ سے

روایت کرتے ہیں۔

موصوف نے حسب ذیل قراء سے عرضاً قراءت اخذ کی:

- ① سلام بن سلیمان الطویل أبو المنذر المزني الكوفي
- ② مهدي بن ميمون أبو يحيى البصري
- ③ سلمة بن محارب
- ④ أبو الأشهب العطاردی جعفر بن حیان البصري
- ⑤ شهاب بن شرنفة الجاشعي البصري
- ⑥ عصمة بن عروة فقيمي البصري
- ⑦ روی عنه الحروف يعقوب بن إسحاق
- ⑧ يونس بن عبيد أبو عبدالله البصري

ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قراء فقہاء اور صلحاء میں سے کوئی بھی اس کی قراءت کا انکار نہیں کرتا تھا۔ [غایۃ النہایۃ: ۱۵۱۲] ان کے شیوخ میں مسلم بن محارب رحمہ اللہ، ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ ابن الجزری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مجھے ابوالاشہاب عن ابی الرجاء عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ روایت حاصل ہے جو نہایت ہی عالی ہے۔ [غایۃ النہایۃ: ۱۲۰]

اور یعقوب حضرمی رحمہ اللہ سے بہت سے ائمہ نے روایت کی ہے۔

● ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”هو أعلم من رأيت بالحروف والاختلاف في القرآن وعلله ومذاهب ومذاهبه النحو، وأروى الناس بحروف القرآن ولحديث الفقهاء.“ [معرفة القراء الكبار: ۱۵۸/۱] ”جن کو میں نے دیکھا ہے ان میں سب سے زیادہ قراءت و قراءت کی تشریح اور اس کے مختلف طرق نیز قواعد نحو کے مختلف اصولوں کو بیان کرنے والے تھے اور قرآن کی قراءات اور فقہاء کے اقوال کو نقل کرنے والے تھے۔“

● سعیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”كان يعقوب أقرأ أهل زمانه وكان لا يلحن في كلامه وكان أبو حاتم السجستاني من بعض تلاميذه.“ [معرفة القراء الكبار: ۱۵۸/۱]

”يعقوب اپنے زمانہ میں بڑے قاری تھے جو اپنی گفتگو میں غلطی نہ کرتے تھے جستانی ان کے شاگردوں سے تھے۔“

● مزید لکھتے ہیں:

”كان يعقوب من أعلم زمانه بالقرآن والنحو وغيره وكذا أبو جندب.“ ”يعقوب اپنے زمانہ میں قرآن اور نحو کے سب سے بڑے عالم تھے اسی طرح اس کے آباؤ اجداد بھی عالم تھے۔“ جن علماء نے یعقوب کی قراءت کو شواذ میں شمار کیا ہے ان میں ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ پہلا شخص ہے۔ اور ائمہ متقدمین نے اس کی مخالفت کی ہے۔

الغرض موصوف قرآن، عربیت کے بہت بڑے عالم تھے۔

● ابو حاتم السجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جو علوم قرآن عربی زبان بے شمار روایات اور قراءات اور فقہ کو جاننے والے



تھے اور بہت بڑے قاری نیز قرآن کریم کی قراءات اور فقہاء کی باتوں کو نقل کرنے والے تھے۔“  
امام بخاریؒ کے مطابق ہجر ۸۸ سال ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے ان کے والد اور جد امجد بھی اسی عمر میں فوت ہوئے۔

ترجمہ

بغیة الوعاة: ۳۲۸/۳، شذرات: ۱۴۲، طبقات القراء للجزري: ۳۸۶/۲، تہذیب التہذیب: ۳۸۲/۱۱، معرفة القراء الکبار: ۱۳۰/۱، التاريخ الصغير: ۲۱۹، معجم الأدباء: ۵۲/۲، طبقات ابن سعد: ۳۰۴/۷، التاريخ الكبير: ۳۹۹/۸

## ② حمزہ بن حبيب الزيات مولیٰ عکرمۃ بن ربیع التیمیؒ المتوفی ۱۸۸ھ

سلسلہ آئندہ یہ ہے:

”قرأ علی سلیمان بن مهران علی یحییٰ بن وثاب علی زر بن حبیش علی عثمان وعلی وابن مسعود.“

”حمزہ حبيب الزياتؒ نے سلیمان بن مهرانؒ انہوں نے یحییٰ بن وثابؒ انہوں زر بن حبیشؒ انہوں نے عثمانؒ علیؒ اور عبد اللہ بن مسعودؒ سے تلاوت کی۔“

● ابن الجزریؒ ان کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

”هو حمزة بن حبيب بن عمارة بن إسماعيل، الإمام الحبر أبو عمارة الكوفي التيمي مولا هم الزيات أحد القراء السبعة.“

۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ عمر کے اعتبار سے بعض صحابہ کے زمانہ کو پایا ہے ممکن ہے بعض کی روایت بھی کی ہو۔ حسب

ذیل سے قراءۃ آخذ کی:

- ① سلیمان الأعمشؒ
- ② جعفر بن محمد الصادقؒ
- ③ عمران بن الحسینؒ
- ④ أبو إسحاق السبيعيؒ
- ⑤ محمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى
- ⑥ علقمه بن مصرفؒ
- ⑦ منصور بن زاذانؒ
- ⑧ لیث بن أبي سليمؒ
- ⑨ مغیره بن مقسمؒ

● علی بن مدینیؒ لکھتے ہیں:

بعض نے لکھا ہے کہ اعمشؒ پر پورا قرآن نہیں پڑھا بلکہ کچھ حروف کی قراءت کی اور یہ بھی قول ہے کہ حمزہؒ نے قرآن تو حمران سے شروع کیا اور پھر اعمشؒ ابی اسحاق اور ابن ابی لیلیٰ پر پیش کیا ان میں سے اعمشؒ، ابن مسعودؒ کے حروف کو ادا کرتا اور ابن ابی لیلیٰ حضرت علیؒ کے حرف کا ماہر تھا اور ابو اسحاق دونوں کے حروف ادا کرتا اور حمران کے متعلق مشہور ہے۔

”كان يقرأ قراءة ابن مسعود ولا يخالف مصحف عثمان يعتبر حروف معاني

عبدالله ولا يخرج من مصحف عثمان وهذا كان اختيار حمزة قرأ عليه.“

حمزہ رضی اللہ عنہ سے بہت سے آئمہ قراء نے قراءت حاصل کی اور روایت کی ہے ابن الجزری رضی اللہ عنہ نے بالاستیعاب ان کے تلامذہ کے نام ابجدی ترتیب سے لکھے ہیں اور لکھا ہے۔  
ان اصحاب میں سلیم بن عیسیٰ رضی اللہ عنہ تھے اور سب سے جلیل القدر علی بن حجر الکسائی رضی اللہ عنہ تھے اور نعیم بن یحییٰ رضی اللہ عنہ السعیدی اور یحییٰ بن زیاد رضی اللہ عنہ بھی ان کے اصحاب میں داخل ہیں۔  
الغرض حمزہ بن حبیب الزیات رضی اللہ عنہ عاصم رضی اللہ عنہ اور اعمش رضی اللہ عنہ کے بعد کوفہ میں قراء کے امام بن گئے۔ امام حجت ثقفہ اور اثبت تھے۔“

”کان قیما بکتاب اللہ بصیرا بالفرائض عارفا بالعربیة حافظا للحدیث فإننا نجدہ عدیماً النظر .“

● امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”حمزہ رضی اللہ عنہ دو چیزوں میں ہم پر سبقت لے گئے جن کو ہم بلا نزاع تسلیم کرتے ہیں۔ قراءت القرآن و علم الفرائض۔“

● اعمش رضی اللہ عنہ جب حمزہ رضی اللہ عنہ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے تو کہتے:

”هذا حبر القرآن .“

بعض نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے حمزہ رضی اللہ عنہ کی قراءت کی قراہت نقل کی ہے۔ تو یہ قراہت صرف اس قراءت کے بارے میں ہے جو امام احمد رضی اللہ عنہ نے دوسروں سے سنی ہے۔

● چنانچہ ابن الجزری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”وأما ما ذكر عن عبد الله بن إدريس وأحمد بن حنبل من كراهة قراءة حمزة فإن ذلك محمول على قراءة من سمع منه ناقلاً حمزة وما أفته الأخبار إلا رواها .“

حمزہ رضی اللہ عنہ سنہ ۱۵۶ھ یا ۱۵۷ھ میں فوت ہوئے ان کی قبر حلوان میں معروف ہے۔

وقال الثوري: ما قرأ حمزة حرفاً من كتاب الله إلا بأثر وقال الذهبي: قد انعقد الإجماع بأخرة على تلقي قراءة حمزة بالقبول والإنكار على من تكلم فيها فقد كان من بعض السلف في الصدر الأول فيها مقال۔ والله أعلم .

ترجمہ:

ابن الجزری: ۲۹۱/۱، ۲۹۳، شذرات: ۲۴۶/۱، تہذیب التہذیب: ۲۷/۳، وفيات الأعيان: ۲۱۶/۲،

میزان الاعتدال: ۲۸۴/۱

④ عاصم بن ابی النجود رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۲۷ھ

اسنادہ: قرأ علی زر بن حبیش علی عبد اللہ بن مسعود وأبی عبد الرحمن السلمی وهو معدود فی صغار التابعین .

● ابن الجزری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”هو عاصم بن بهدله أبي النجود، أبو بكر الأسدي مولا هم الكوفي الحنات، شيخ

الأقراء بالكوفة وأحد القراء السبعة .  
یہ قراءہ کے مسلم امام ہیں ابو عبد الرحمن السلمی کے بعد رئاسة الأقراء ان تک منتهی ہوتی ہے۔ فصاحت و بلاغت اور تحریر و تقریر کے جامع تھے اور بہترین آواز کے ساتھ قرآن پڑھتے۔

○ أبو إسحاق السبيعي فرماتے ہیں:

“مارأيت أحدا أقرأ للقرآن من عاصم بن أبي النجود .  
نہایت فصیح و بلیغ تھے جب کلام کرتے تو بڑے باوقار لہجہ میں کلام کرتے تابعین میں شمار ہوتے ہیں ابو رمنۃ رفاعۃ تمیمی اور حارث بن حسان بکری سے روایت کی ہے اور یہ دونوں صحابی ہیں ابو رمنہ کی روایت مسند احمد بن حنبل میں ہے اور حارث کی روایت ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب میں ہے۔

○ نعیم بن حماد عن سفیان عن عاصم نقل کرتے ہیں کہ عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا:

“قرأت على أنس بن مالك ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ فقال: أن لا يطوفا بهما .  
پھر میں نے کئی بار اس کلمہ کو لوٹایا مگر اس نے وہی جواب دیا عاصم نے عرضاً بہت سے قراء سے قراءت حاصل کی جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

① زر بن حبیش رضی اللہ عنہ ② أبو عبد الرحمن السلمی رضی اللہ عنہ

③ أبو عمرو الشیبانی رضی اللہ عنہ

بعض کا بیان ہے کہ عاصم رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا:

“ما كان من القراءة التي أقرأتک فهي القراءة التي قرأت بها علی أبي عبد الرحمن السلمی  
وما كان من القراءة التي بها أبابکر بن عیاش فهي القراءة التي كنت أعرضها علی زر بن  
حبیش عن ابن مسعود = .”

○ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

“اصل قراءۃ تو اہل مدینہ کی ہے اور اس کے نہ ملنے کی صورت میں عاصم کی قراءۃ پسند کرتا ہوں۔“  
عاصم رضی اللہ عنہ، وغیرہ حروف مقطعات کو آیت شمار نہ کرتا اس کے برعکس کوئی اس کو آیت شمار کرتے ہیں۔ ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ کو فوت ہوا اور سماوۃ میں مدفون ہے۔

④ علی بن حمزہ الکسانی رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۸۹ھ

ابن مجاہد رضی اللہ عنہ نے یعقوب الحضرمی رضی اللہ عنہ کی بجائے ساتواں قاری علی بن حمزہ الکسانی رضی اللہ عنہ کو شمار کیا ہے جو کوئی ہیں جبکہ یعقوب بصری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن مجاہد رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے ایک ہی قاری پر اکتفاء کیا ہے جبکہ کوفہ کے تین قراء کو شامل کیا ہے یعنی حمزہ رضی اللہ عنہ، عاصم رضی اللہ عنہ اور الکسانی رضی اللہ عنہ اور پھر ان قراء میں خالص عربی صرف دو قاری ہیں ابن عامر رضی اللہ عنہ اور ابو عمرو رضی اللہ عنہ باقی عجمی اور موالی ہیں کما أشرنا إليه فیما مضی۔

ان قراء سبعہ کی قراءت کو بہت شہرت حاصل ہوئی حتیٰ کے بعض نے ازراہ جہالت یہ باور کر لیا کہ حدیث ”أنزل القرآن علی سبعة أحرف“ سے یہی سات قراءت مراد ہیں۔ پھر شہرت تو قراءت عشرہ اور اربع عشرہ کو بھی

حاصل ہے لہذا مذکورہ قراء کے ساتھ خلف بن ہشام اور یزید بن قعقاع کو ضم کر دیا جائے تو یہ کل دس بن جاتے ہیں۔ پھر ان دس کے ساتھ حسن بصری، محمد بن عبدالرحمن، یحییٰ بن مبارک الیزیدی اور ابوالفرج محمد بن أحمد الشنبوذي کو بھی ملا لیا جائے تو یہ کل ۱۴ قراء بن جاتے ہیں۔ سات قراء کا تعارف تو ہم بیان کر چکے ہیں بقیہ سات قراء کے تراجم اور آسانید پیش خدمت ہیں۔

### ① علی بن حمزہ الکسائی

ان کا پورا نام و نسب یہ ہے: علی بن حمزہ بن عبداللہ بن بہمن بن فیروز الاسدی مولا ہم ابوالحسن الکسائی

● ابوبکر السجستانی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”کوفہ میں ریاست اقراء ان پر ختم ہے حمزہ کے بعد یہ رئیس الاقراء شمار کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے حمزہ الزیات پر چار مرتبہ قرآن پیش کیا اور اسی پر وہ اعتماد کرتے ہیں اس کے علاوہ محمد بن ابی لیلیٰ، عیسیٰ بن عمر الہمدانی سے عرضا قراءت حاصل کی اور ابوبکر بن عیاش سے حروف روایت کیے اسماعیل اور یعقوب کے واسطے سے عرضا قراءت حاصل کی اور ابوبکر بن عیاش سے حروف روایت کیے اسماعیل اور یعقوب کے واسطے سے قراءت اخذ کی لیکن بلا واسطہ نافع سے قراءت ثابت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں چند اصحاب سے استفادہ کیا ہے۔ بصرہ میں خلیل سے لغت حاصل کی۔“

### تلامذہ

إبراهيم بن زاذان، إبراهيم العريش، أحمد بن جبیر اور دیگر بہت سے علماء نے ان سے استفادہ

کیا۔

● ابو عمرو الدانی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”عبداللہ جب دمشق میں آئے تو انہوں نے الکسائی سے حروف کا سماع کیا اور النقاش کا بیان ہے کہ ابن ذکوان الکسائی رضی اللہ عنہ کے پاس چار ماہ ٹھہرے رہے اور متعدد بار ان پر قرآن پیش کیا لیکن نقاش کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔“

ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ نے بھی الکسائی سے روایت کی ہے۔

● امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

”من أراد أن يتبحر في النحو فهو عيال على الكسائي.“

● ابو عبید کتاب القراءات میں لکھتے ہیں:

”كان الكسائي يتخير القراءات فأخذ من قراءة حمزه ببعض وترك بعضها كان من

أهل القراءة وهي كانت علمه وصناعته.“

در اصل یہ علم النحو کے ماہر، غریب القرآن کے اُستاذ اور قرآن پر یکتا تھے موصوف ہمیشہ الکساء اور ہتے اس لیے

الکسائی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ یہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ غریب القرآن میں معانی القرآن اور نحو میں

کتب النوادر الثلاثة معروف ہیں۔ ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے اور عجیب اتفاق ہے کہ کسائی اور امام محمد بن الحسن

دونوں ہارون الرشید کے ساتھ سفر میں ایک ساتھ فوت ہوئے۔

### ② خلف بن ہشام التوفی ۲۳۹ھ

● ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”هو أبو محمد الأسدي البغدادي أحد الرواة عن سليمان عن حمزة المولود ١٥٠ هـ والمتوفى ٢٢٩ هـ.“ [غاية النهاية: ٢٤٢١]

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور تیرہ سال کی عمر میں طلب علم شروع کی نہایت ثقہ، زاہد، عابد اور عالم تھے حمدان بن ہانہ المقمري نے کہا کہ میں نے ان سے سنا کہ نحو کا ایک باب مجھ پر مشکل ہو گیا چنانچہ میں نے ۸۰ ہزار درہم خرچ کئے حتیٰ کہ حفظ کر لیا۔

کوفہ میں سلیم کے پاس آیا انہوں نے ابو بکر بن عیاش کے پاس بھیج دیا لیکن بعض وجوہ کی بناء پر اس پر قراءت نہ کر سکا چنانچہ میں نے عاصم کی قراءت یحییٰ بن آدم سے ضبط کر لی۔

### سلسلہ آئندہ

امام مسلم رحمہ اللہ نے الصحیح میں اور ابوداؤد نے سنن میں ان سے روایت کی ہے:

عن سليمان عن عيسى' وعبدالرحمن بن أبي حماد عن حمزه يعقوب بن خليفة الأعشى وأبي زيد سعيد بن أوس عن المفضل الضبي .

علاوہ ازیں إسحاق المسیبی، إسماعیل بن جعفر، عبدالوہاب بن عطاء اور یحییٰ بن آدم سے کچھ حروف روایت کیے۔ وسمع من الكسائي الحروف ولم يقرأ عليه القرآن مشهور یہی ہے کہ أبوعلی الأھوازي کی روایت کے مطابق الكسائي پر بھی قراءت کی ہے۔

الكسائي سے أعمش عن زائدة بن قدامة نے روایت کی ہے اور اس سے احمد بن ابراہیم الوراق نے سماعاً و عرضاً روایت کی ہے جو اس کا وراق بھی تھا۔

● ابن اشنہ لکھتے ہیں:

”كان خلف يأخذ بمذهب حمزة إلا أنه خالفه في مائة وعشرين أو مائتي حرف .“ ۲۲۹ھ کو بغداد میں فوت ہوئے، جبکہ جہمیہ کے خوف سے روپوش تھے۔

● علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وله اختيار في الحروف صحيح ثابت ليس بشاذ أصلاً ولا يكاد يخرج فيه عن القراءات السبع ، وأخذ منه خلق لا يحصون .“

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اس کو ثقہ لکھا ہے اور دارقطنی نے عابد اور فاضل کہا ہے امام، حماد بن زید، ابوعمانہ شریک القاضی، ابوالاحوص اور دیگر ائمہ سے سماع حدیث کی اور احمد بن یزید الحلوانی، سلمہ بن عاصم اور عمر بن جہم اسمری نے ان سے عرضاً قراءت کی۔

### ترجمہ

طبقات ابن سعد: ۳۲۸/۷، تاریخ بغداد: ۳۲۲/۸، معرفة القراء الکبار: ۱/۱۷۱، العبر: ۴۰۴/۱، غایۃ النہایۃ: ۲۸۲/۱، تہذیب التہذیب: ۱۵۶/۳، شذرات: ۶۸/۲، التاریخ الکبیر: ۱۹۶/۳، الجرح

والتعديل: ۳۷۲۳

## ۳۰ یزید بن القعقاع ابو جعفر ؓ المتوفی ۱۲۷ھ

هو یزید بن القعقاع الإمام أبو جعفر المخزومي المدني القاري، أحد القراء العشرة في حروف القراءات، تابعي مشهور كبير القدر. بعض نے لکھا ہے کہ ان کا نام جناب بن فیروز ہے انہوں نے اپنے مولیٰ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی پر قرآن پیش کیا نیز عبداللہ بن عباس ؓ اور ابو ہریرہ ؓ سے قراءت کی جو کہ ابی بن کعب ؓ کے شاگرد تھے اور ان دونوں سے روایت بھی کی ہے، بعض نے لکھا ہے کہ زید بن ثابت ؓ پر بھی قرآن پڑھا لیکن علامہ ذہبی ؓ نے لکھا ہے۔ لم یصح ذلك ولم یدرکہ .

ابن الجزري نے وروينا عنه کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بچپن میں حضرت ام سلمہ ؓ کے پاس آیا فمسحت رأسه ودعت له بالبركة

حضرت ابن عمر ؓ کیساتھ نماز پڑھی اور واقعہ حرہ سے قبل لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔

نافع بن ابی نعیم، سلیمان بن مسلم بن جماز، عیسیٰ بن وردان، ابو عمرو عبدالرحمن ابن زید بن أسلم وغیرہ نے اس پر قراءت کی۔

◎ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

“كان إمام أهل المدينة في القراءة فسمي القاري بذلك، وكان ثقة قليل الحديث .” ابن ابی حاتم نے صالح الحدیث کہا ہے اور اپنے دور میں عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج پر مقدم سمجھے جاتے تھے۔ ذہبی ؓ کا قول ہے:

”ابو جعفر ؓ کی قراءت کا مدار احمد یزید الحلوانی پر ہے یعنی أحمد بن یزید عن قالون عن عیسیٰ بن وردان عن ابی جعفر“

◎ ابن الجزری ؓ لکھتے ہیں:

أستاذ أبو عبدالله القصاع نے اپنی کتاب المغنی، میں ابو جعفر کی قراءت کو نافع کی روایت سے بالاسناد بیان کیا ہے، لہذا ان کی قراءت پر طعن اور اس کو شاذ کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ سب سے معیار پر ہے۔

◎ چنانچہ ابن الجزری المحدث ؓ لکھتے ہیں:

”والعجب ممن يطعن في هذه القراءة ويجعلها من الشواذ وهي لم يكن بينها وبين غيرها من السبع فرق كما بيناه في كتابنا النجد .“

ترجمہ

طبقات ابن سعد: ۳۵۲۶، تاریخ خلیفہ: ۲۰۵، تاریخ الكبير: ۳۵۳۸، الجرح والتعديل: ۲۸۲/۷، تہذیب الکمال: ۱۵۹۳، وفيات: ۲۷۲/۶، طبقات القراء: ۳۸۲/۲، تہذیب التہذیب: ۵۸/۱۲

## ۳۱ الحسن البصری ؓ الامام المشہور المتوفی ۱۱۰ھ

هو أبو سعيد الحسن بن أبي الحسن يسار البصري مولیٰ أنس بن مالك من كبار

التابعين .

علم و عمل میں اپنے زمانے کے امام ہو گزرے ہیں قراءت میں ان کی آسانید معروف ہیں۔

① أعطان بن عبدالله الرقاشي عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه

② أبي العالية عن أبي وزيد بن ثابت وعمر بن الخطاب رضي الله عنه

تلامذہ

- ① أبو عمر بن العلاء رضي الله عنه ② سلام بن سليمان الطويل رضي الله عنه  
 ③ يونس بن عبيد رضي الله عنه ④ عاصم الجحدري البصري رضي الله عنه

### إسناد الأهوزي

عن شجاع البلخي قرء على عيسى بن عمر النحوى وهو على الحسن ابن الجزرى  
 لکھتے ہیں:

”شجاع کا عیسیٰ سے سماع ثابت ہے اور عیسیٰ کا حسن سے لیکن یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے قرآن بھی ایک دوسرے پر پیش کیا ہے یا نہیں عین ممکن ہے کہ روایتاً سماع ہو عرضاً روایت نہ ہو۔“  
 ① امام شافعی رضي الله عنه حسن بصری رضي الله عنه کی فصاحت و بلاغت کی تعریف لکھتے ہیں:  
 ”میں کہہ سکتا ہوں کہ قرآن حسن بصری کی زبان پر نازل ہوا ہے۔“

ترجمہ

طبقات القراء: ۲۳۵/۱، طبقات ابن سعد: ۱۵۶/۷، تاریخ البخاري: ۲۸۹/۲، أخبار القضاة: ۳/۲،  
 طبقات القراء للشيرازي: ۸۷

### ⑤ محمد بن عبد الرحمن المعروف بابن المحيصة رضي الله عنه المتوفى ۱۳۳ھ

هو محمد بن عبد الرحمن بن محيصة السهمي مولا هم المكي مقرئ أهل مكة مع ابن كثير  
 ثقة روى له مسلم .

مجاہد بن جبر، درباس مولیٰ بن عباس اور سعید بن جبیر رضي الله عنه پر قرآن پیش کیا۔ شبلی بن عباد رضي الله عنه، ابو عمرو بن العلاء رضي الله عنه ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اسماعیل بن مسلم رضي الله عنه، عیسیٰ بن عمر رضي الله عنه نے اس سے کچھ حروف حاصل کیے۔  
 ① ابن مجاہد رضي الله عنه لکھتے ہیں:

”كان لم تجرد القراءة وقام بها في عصر ابن كثير .“

② ابن الجزرى رضي الله عنه لکھتے ہیں:

”ولولا ما فيها من مخالفته المصحف لا لحفت بالقراءات المشهورة .“

ابن محيصة قریشی اور نحوی تھے۔ انہوں نے ابن مجاہد پر قرآن کی قراءت کی ابو عبید کتاب القراءات میں لکھتے ہیں:

”مکہ میں تین قاری تھے عبداللہ بن کثیر رضي الله عنه، حمید بن قیس رضي الله عنه اور محمد محيصة رضي الله عنه ان میں سے ابن محيصة عربیت میں سب پر قائل تھے۔“

یہ مذاہب عربیہ کے مطابق قراءات اختیار کرتے اس لیے اہل بلد کے اجماع سے تجاوز کر گئے چنانچہ لوگوں نے ان کی قراءات سے بے رغبتی کی اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت پر اجماع کر لیا۔ ۱۲۳ھ کو مکہ میں فوت ہوئے۔

ترجمہ

غایۃ النہایۃ: (۱۶۷/۱)

### ۱ ابو الفرج محمد بن احمد الشیبونی رحمہ اللہ: المتوفی ۳۸۸ھ

یہ اصل میں بغدادی ہیں پھر مصر میں سکونت اختیار کر لی ابوطاہر بن ابو ہاشم سے قراءت حاصل کی اور اس کی کتابوں کا سماع کیا اور حسب ذیل سے روایت کی۔

① أبو بکر أحمد بن سلمه أختلی ② وعسلج بن أحمد بن دعلج السجستاني

③ أبو محمد عبید اللہ محمد بن علی المروزی المعروف بابن الجرادی

علاوہ ازیں معانی الزجاج کا علی بن حسن الجصاص سے سماع کیا۔ ۳۹۵ھ کو شام میں فوت ہوئے۔

ترجمہ

غایۃ النہایۃ: (۶۰۲)

### ۲ یحییٰ بن المبارک بن المشیرۃ العدوی الامام ابو محمد الیزیدی المقرئ المعروف بالیزیدی

یہ اصل میں بصری ہیں بغداد میں سکونت اختیار کی ان کا شمار قراء فضحاء میں ہوتا ہے جو عربی ادب اور نحو کے عالم تھے اور قراءۃ میں ابو عمرو بن العلاء رحمہ اللہ کے خلف بنے۔ بعض تالیفات بھی یادگار چھوڑیں ۲۰۲ھ میں فوت ہوئے۔ حمزہ کے سامنے کھڑے ہو کر ایک ہی مجلس میں قرآن ختم کیا ابن ماجہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم الیزیدی کی اسی لیے قدر کرتے ہیں حالانکہ ابو عمرو رحمہ اللہ کے اصحاب میں ان سے جلیل القدر لوگ موجود ہیں، کیونکہ وہ سب سے زیادہ مضبوط تھے یزید بن منصور الحمیدی رحمہ اللہ کے مصاحب رہنے کی وجہ سے یزیدی مشہور ہو گئے۔

ترجمہ

تاریخ بغداد: ۱۳۶/۱۳، معجم الأدباء: ۳۰/۲۰، وفيات: ۱۸۳/۶، العبر: ۳۸/۱، طبقات القراء:

۳۷۵/۲، النجوم الزاهرة: ۱۷۳/۲، شذرات: ۴۲



### موسوعہ قراءات

مستقبل میں ادارہ رشد قراءات نمبر کے چاروں حصوں (تین قراءات نمبر اور ایک ان کا اشاریہ نمبر) پر مشتمل موسوعہ قراءات شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے شائع ہوتے ہی قارئین کو ان شاء اللہ مطلع کر دیا جائے گا۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔ [۱۵/۵]



ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی\*  
ترتیب: قاری اختر\*، علیم اللہ\*

## عصر حاضر سے نبی کریم ﷺ تک متصل اسانید قراءات

زیر نظر مضمون میں عالم اسلام کے تمام بڑے ممالک کے اساتذہ قراء کرام کی سندوں کو جمع کر کے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ قرآن مجید اور قراءات قرآنیہ کس طرح اسانید سے ہم تک موصول ہوئیں اور ان کے ثبوت میں کثرت روایات سے کس طرح 'علم قطعی' کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

اسانید قرآن کو جمع کرنے کا یہ عظیم کارنامہ دولة الکویت میں وزارة الاوقاف کے تحت مشروع رعاية القرآن الکریم کے مدیر ڈاکٹر یاسر مزروعی ﷺ نے سرانجام دیا ہے۔ انہوں نے ان اسانید کو جمع کرنے کیلئے کویت سے باہر عالم اسلام کے کئی ملکوں کے بے شمار سفر کیے اور انتھک محنت سے اس کا عظیم کو مکمل کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا جامعة الأزهر سے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ بھی اسی موضوع پر ہے۔

انسانی کاوش میں چونکہ ہمیشہ کمزوریاں باقی رہ جاتی ہیں، یہی وجہ ہے متعدد علمی شخصیات سے ناواقفیت کی بنا پر انہوں نے پاکستان کے صرف دو سلسلہ ہائے اسناد کو پیش کیا ہے۔ شیخ القراء قاری اور لیس العاصم ﷺ چونکہ اپنے شیخ قاری اظہار احمد تھانوی کی تالیف 'شجرة الاساتذہ' میں اسانید پر کچھ کام کر چکے ہیں چنانچہ ہماری گزارش پر انہوں نے معروف پاکستانی قراء کا اس سند میں اضافہ کرتے ہوئے تشنہ چیزوں کی تکمیل فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں قاری صاحب ﷺ نے ڈاکٹر مزروعی کے کام پر مزید اضافہ یہ کیا کہ علم تجوید و قراءات کے حوالے سے لکھے گئے قدیم مصادر سے مؤلفین حضرات کی اسانید پر مشتمل ایک مستقل مضمون مزید تحریر فرما دیا ہے۔ جس کا شیخ مزروعی کے کام سے فرق یہ ہے کہ انہوں نے صرف وہ اسانید جمع فرمائیں جو کہ آج بھی دنیا میں جاری و ساری ہیں جبکہ حضرت شیخ نے اپنے مضمون میں کئی وہ اسانید بھی ذکر کر دی ہیں جو بعد ازاں مختلف وجوہ سے جاری نہیں رہ سکیں۔ [ادارہ]

واضح رہے کہ یہ اسانید صرف روایت حفص کی ہیں، علاوہ ازیں موضوع کے حوالے سے چند باتیں ملحوظ رکھیں:

- ① ایرو (تیر) کا نشان جس طرف جا رہا ہو اس سے مراد استاد ہے، شاگرد نہیں۔
- ② مصری قراء کی اسناد میں اختصار کے پیش نظر انہی پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ کثرت اسناد کا اندازہ ہو سکے۔
- ③ ایک قاری نے کئی کئی قراء کرام سے بھی پڑھا لیکن اس کی تمام اسناد کو بیان نہیں کیا گیا۔
- ④ ہماری محنت صرف پاکستانی قراء کے حوالے سے ہے جبکہ صاحب لوحہ کی زیادہ محنت شامی اور مصری قراء پر رہی کویت و سعودیہ کے سلسلے پر توجہ نہیں دی گئی، مؤلف نے ۱۱۶ اسانید جمع کی ہیں، جبکہ ۱۱۵ اسناد ہمارا اضافہ ہیں۔

\* کویت کے معروف محقق قراءات، مدیر مشروع رعاية القرآن الکریم وزارت اوقاف، کویت

☆ فاضل کلیة القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ، رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

قراء الہند و پاکستان

قاری طاہر رحیمی

↓

رحیم بخش پانی پتی

↓

فتح محمد پانی پتی

↓

حفظ الرحمن برتاب نگری

↓

شیخ قراء الہند عبدالرحمن الالہ آبادی

↓

عبداللہ المکی

↓

شیخ قراء مکہ ابراہیم سعد المصری

↓

حسن بدیر الجریسی الکبیر

↓

احمد الدراہتہامی

↓

↓

احمد المتولی

↓

باقی سند آخر میں متولی کی سند میں بیان ہے

محمد عاشق الہی

↓

محمد سلیمان الدیوبندی

↓

ضیاء الدین الالہ آبادی

↓

محمد صدیق حنیف بنگالی

↓

غلام محمد الدہلوی

↓

غلام محمد الدہلوی

↓

عبدالغفور الدہلوی

↓

عبدالخالق المصوفی

↓

محمد بن قاسم البقری

↓

محمد بن قاسم البقری

فتح محمد پانی پتی

↓

محمی الاسلام العثمانی

↓

عبدالرحمن الاعمی پانی پتی

↓

عبدالرحمن الحمدث پانی پتی

↓

امام الدین الامروہی

↓

کرم اللہ الدہلوی

→

عبدالجمید الدہلوی

↓

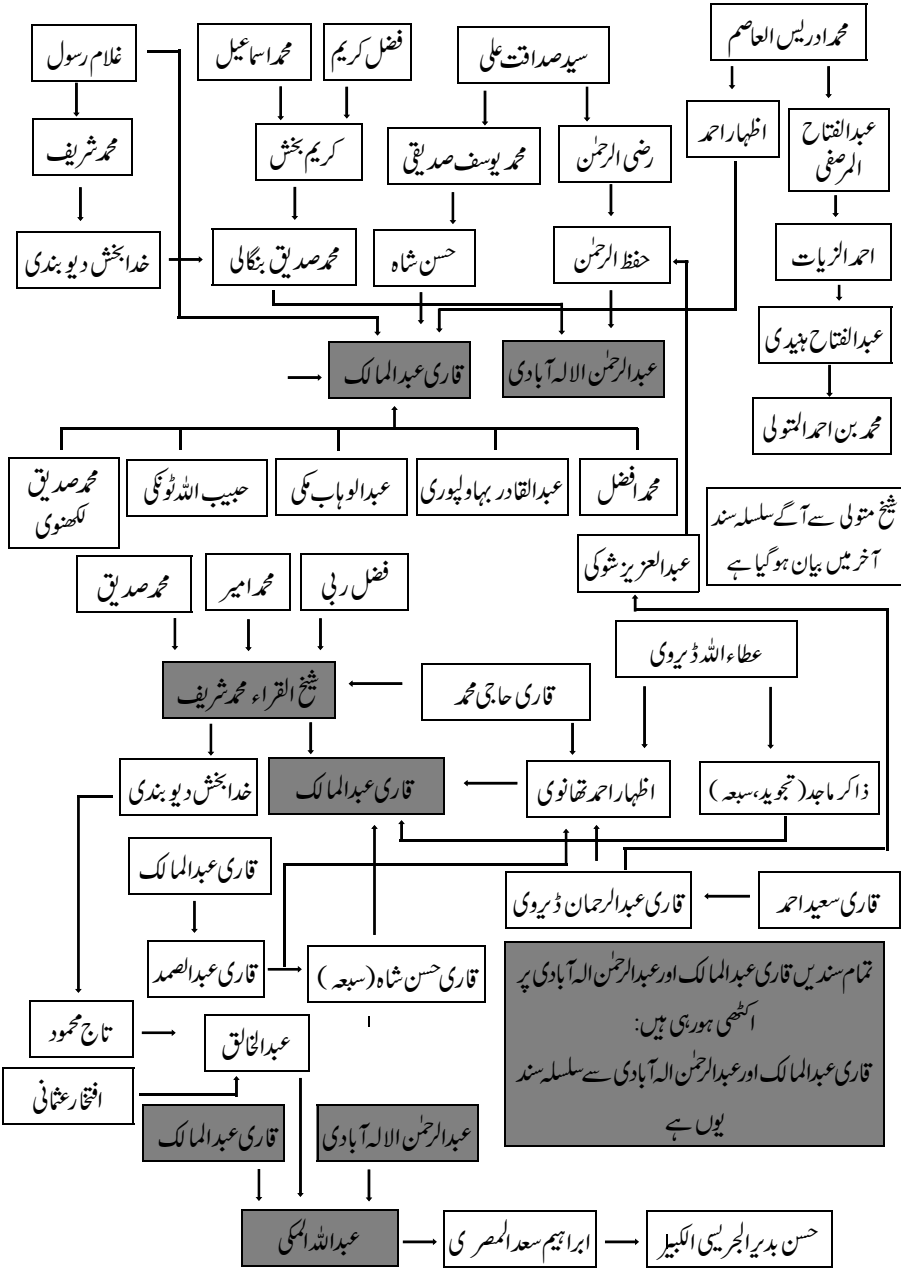
غلام مصطفی اتھائیسری

→

محمد بن قاسم البقری سے آگے سلسلہ سند آخر میں متولی کی سند میں بیان ہو گیا ہے

سند



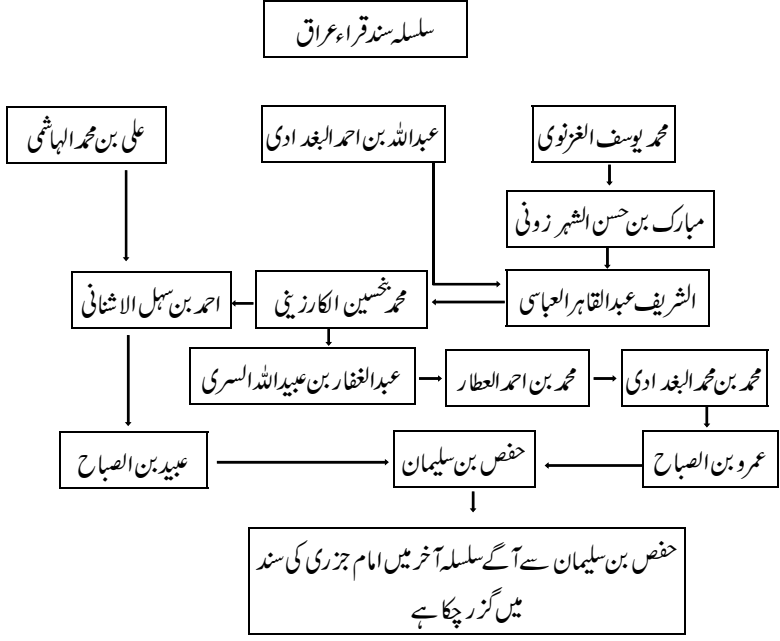


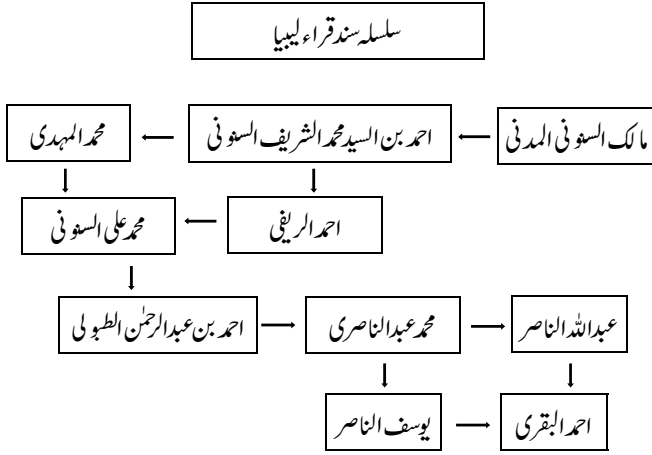
شیخ متولی سے آگے سلسلہ سند آخر میں بیان ہو گیا ہے

تمام سندیں قاری عبدالملک اور عبدالرحمن الہ آبادی پر اکٹھی ہو رہی ہیں:  
قاری عبدالملک اور عبدالرحمن الہ آبادی سے سلسلہ سند یوں ہے

حسن بدیر الجریسی الکبیر سے آگے سلسلہ سند آخر میں متولی کی سند میں بیان ہو گیا ہے

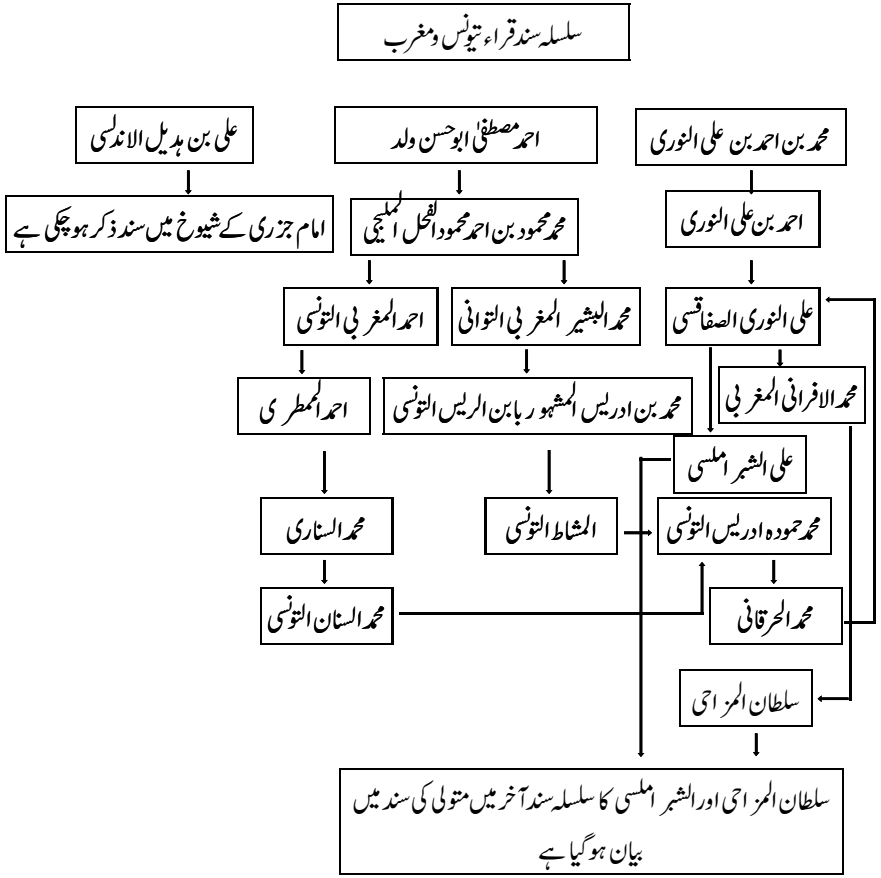
سید



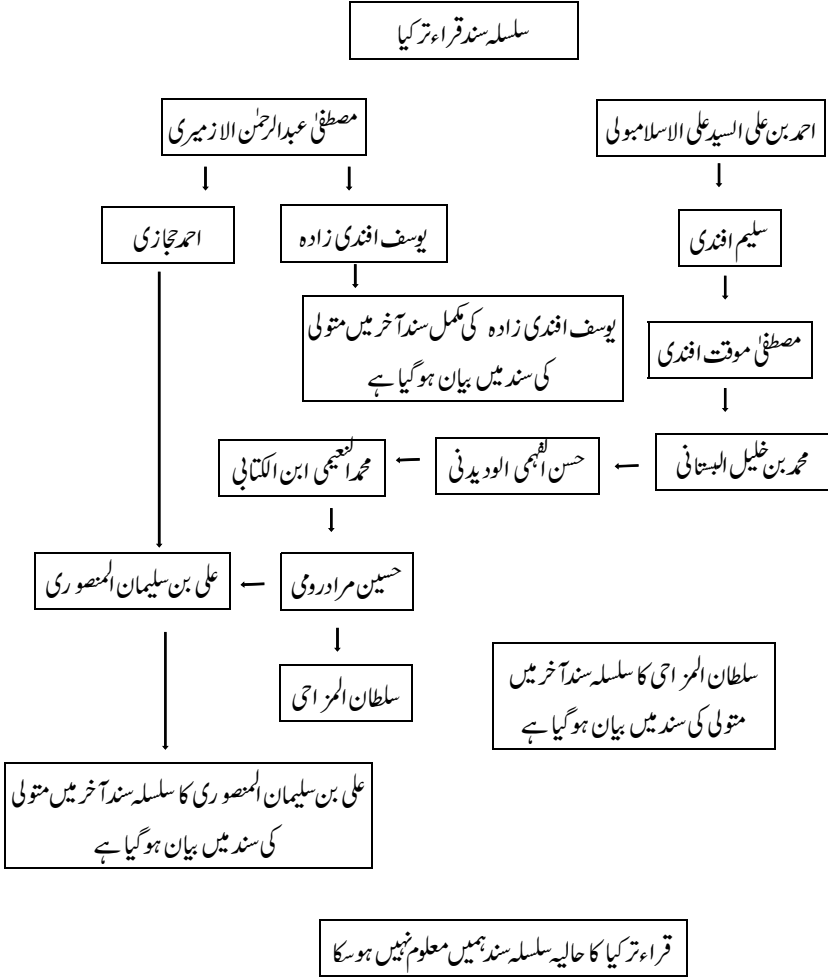


احمد البقری کا سلسلہ سند متولی کی سند میں آخر میں بیان ہو گیا ہے

بقری



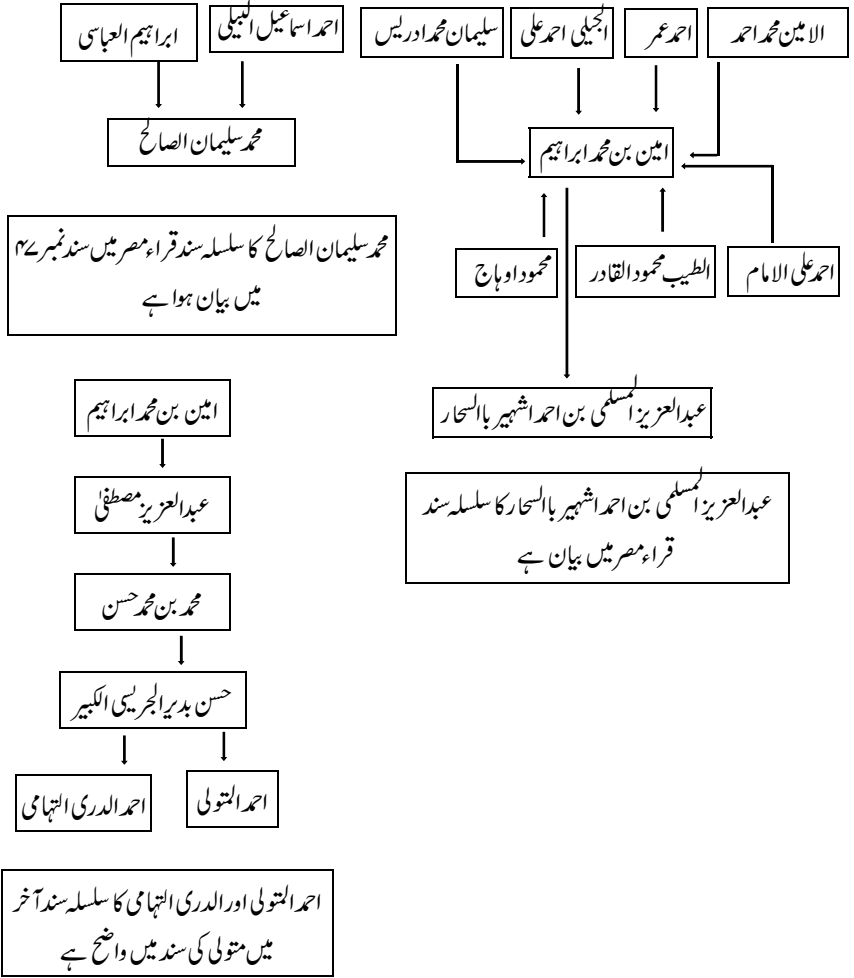
سند



سلسلہ سند

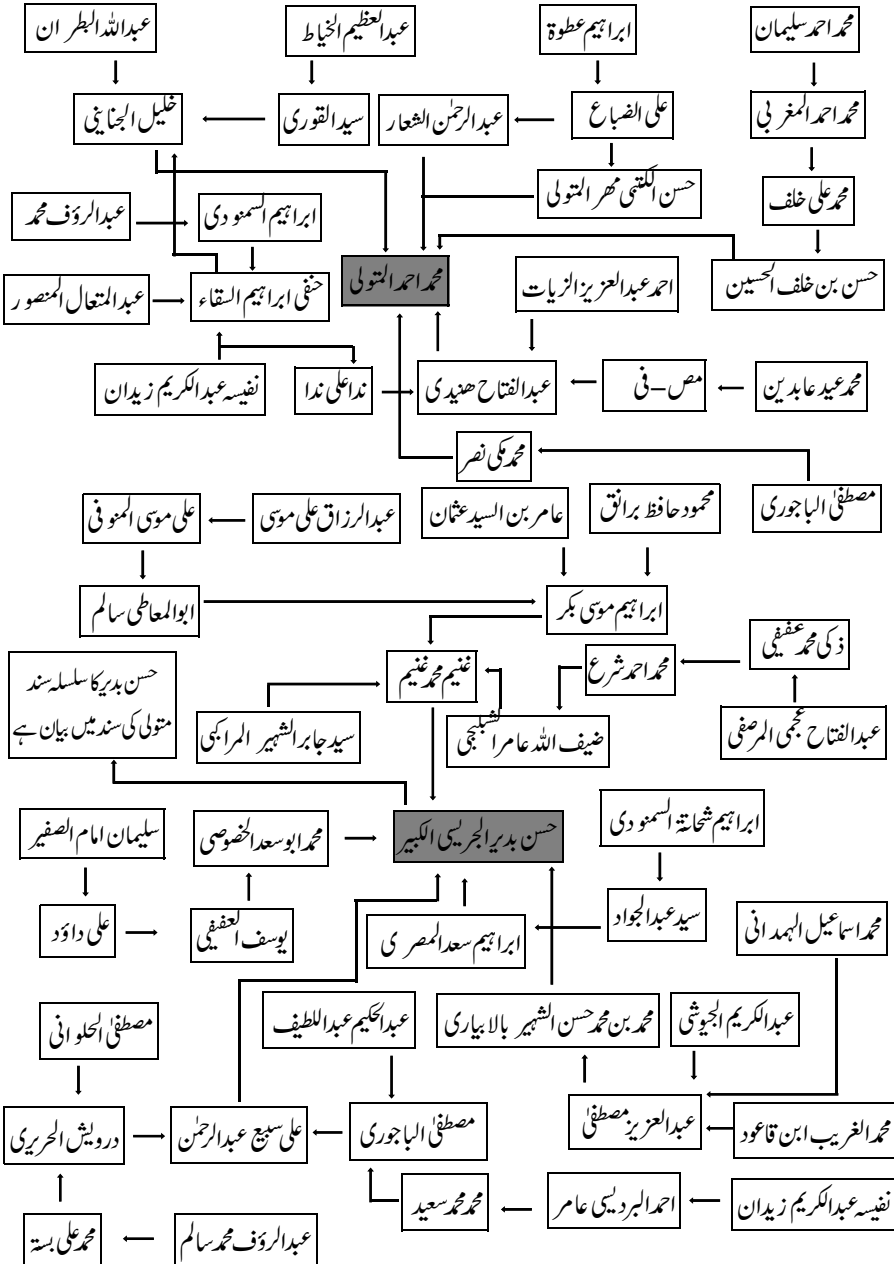


سلسلہ سند قراء سوڈان

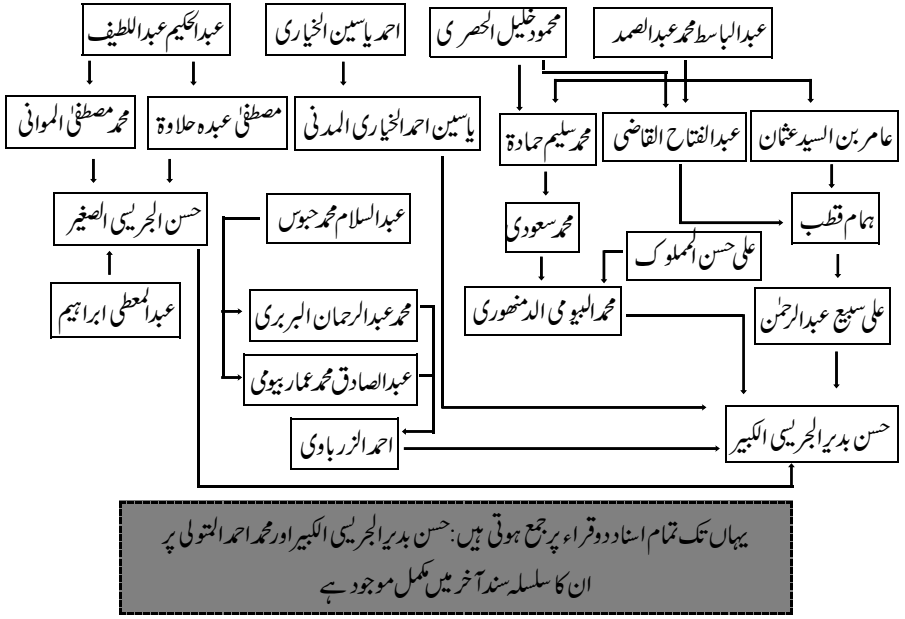


سند

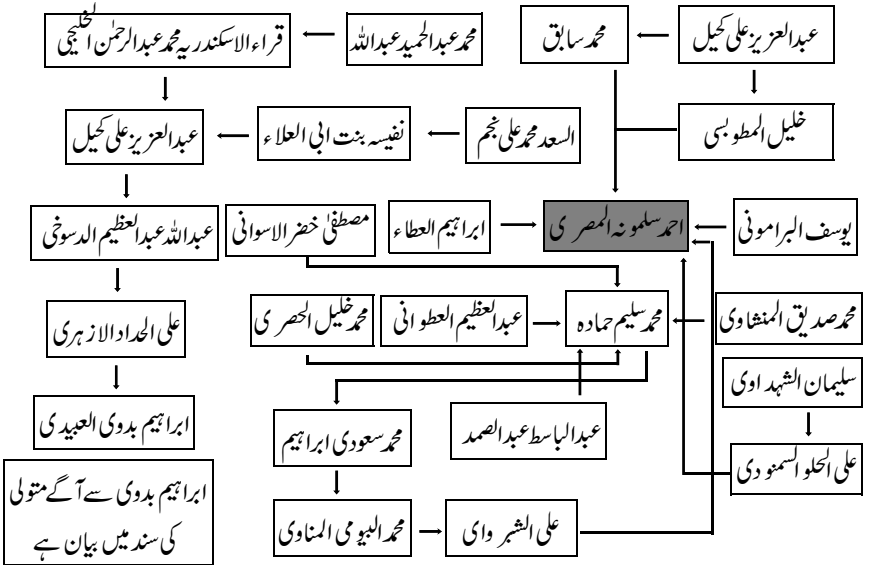
سلسلہ سند مصری قراء



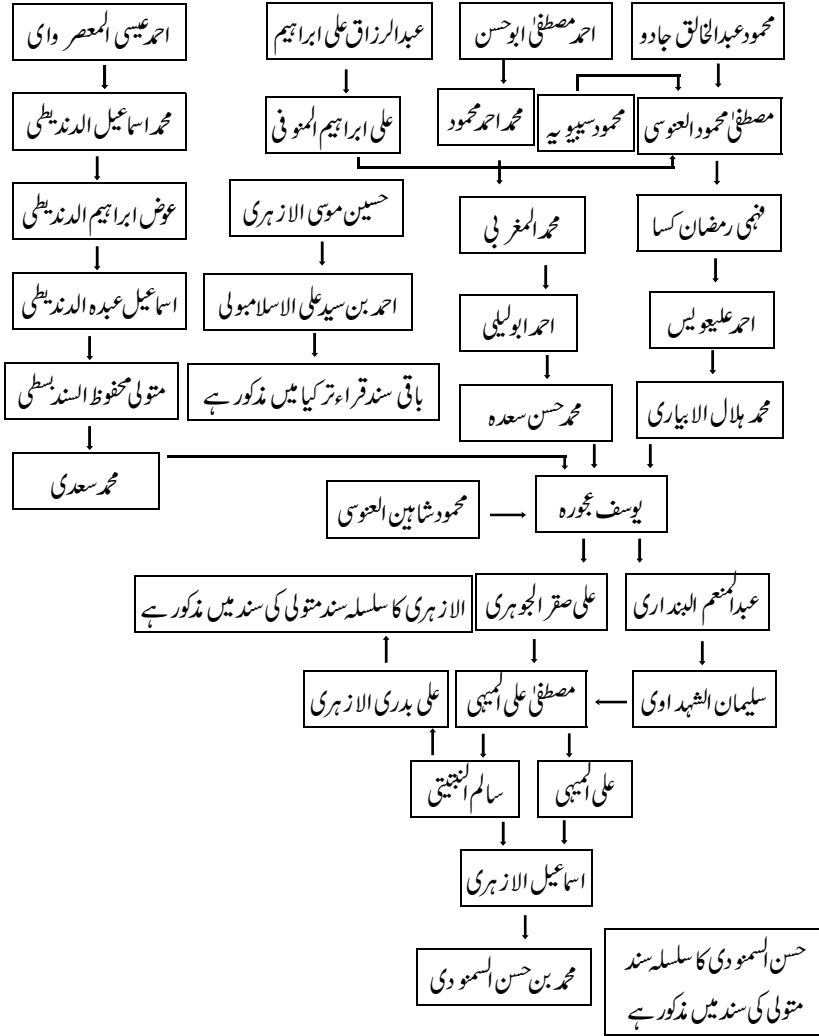
سلسلہ



۱۰۱

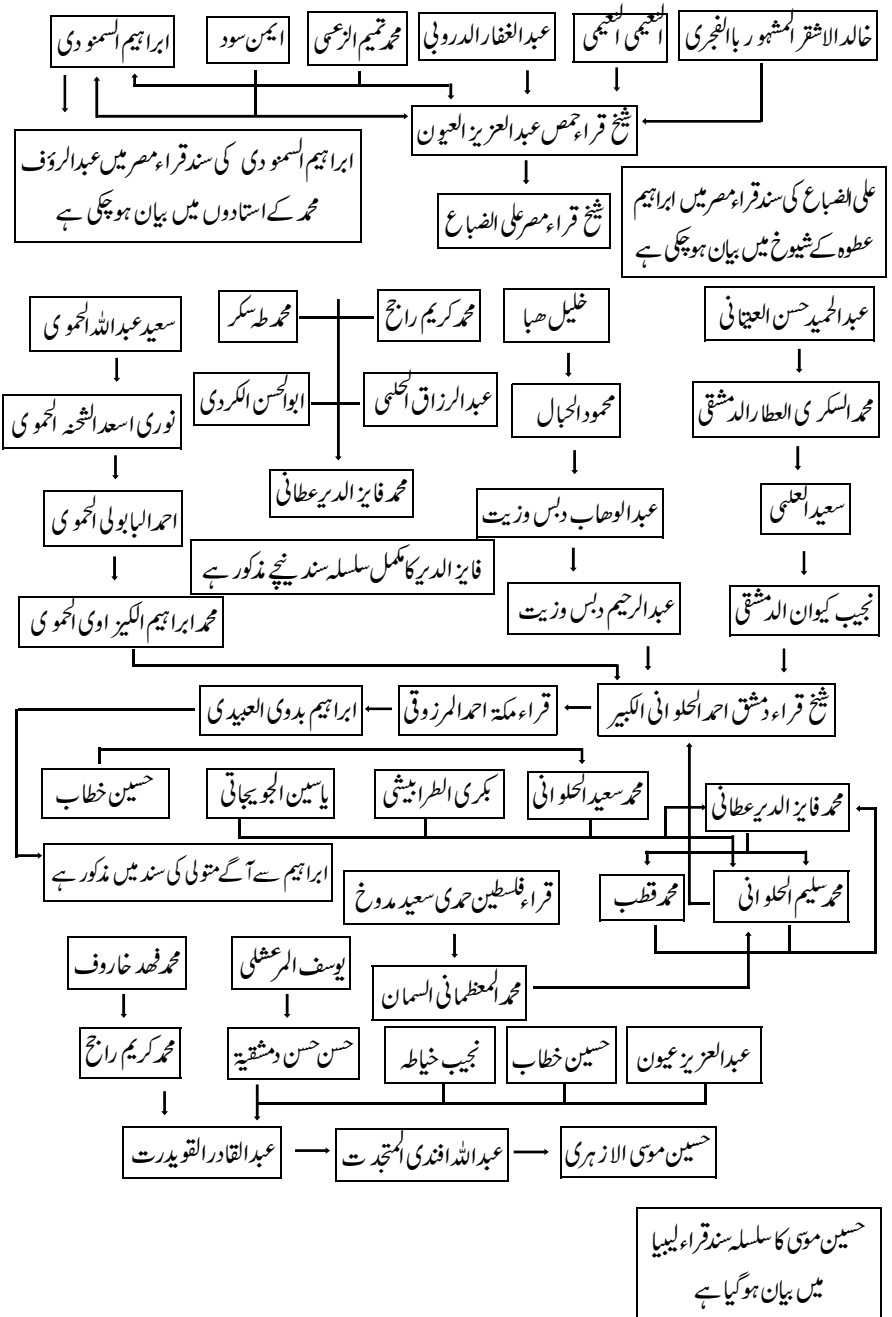


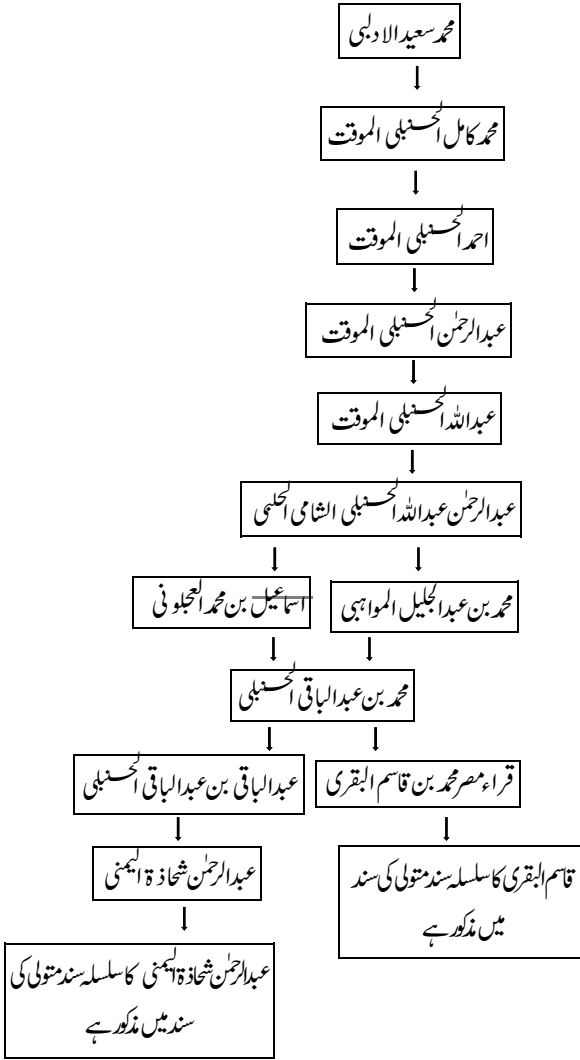
احمد سلمو نہ المصری سے آگے سلسلہ سند متولی کی سند میں مذکور ہے



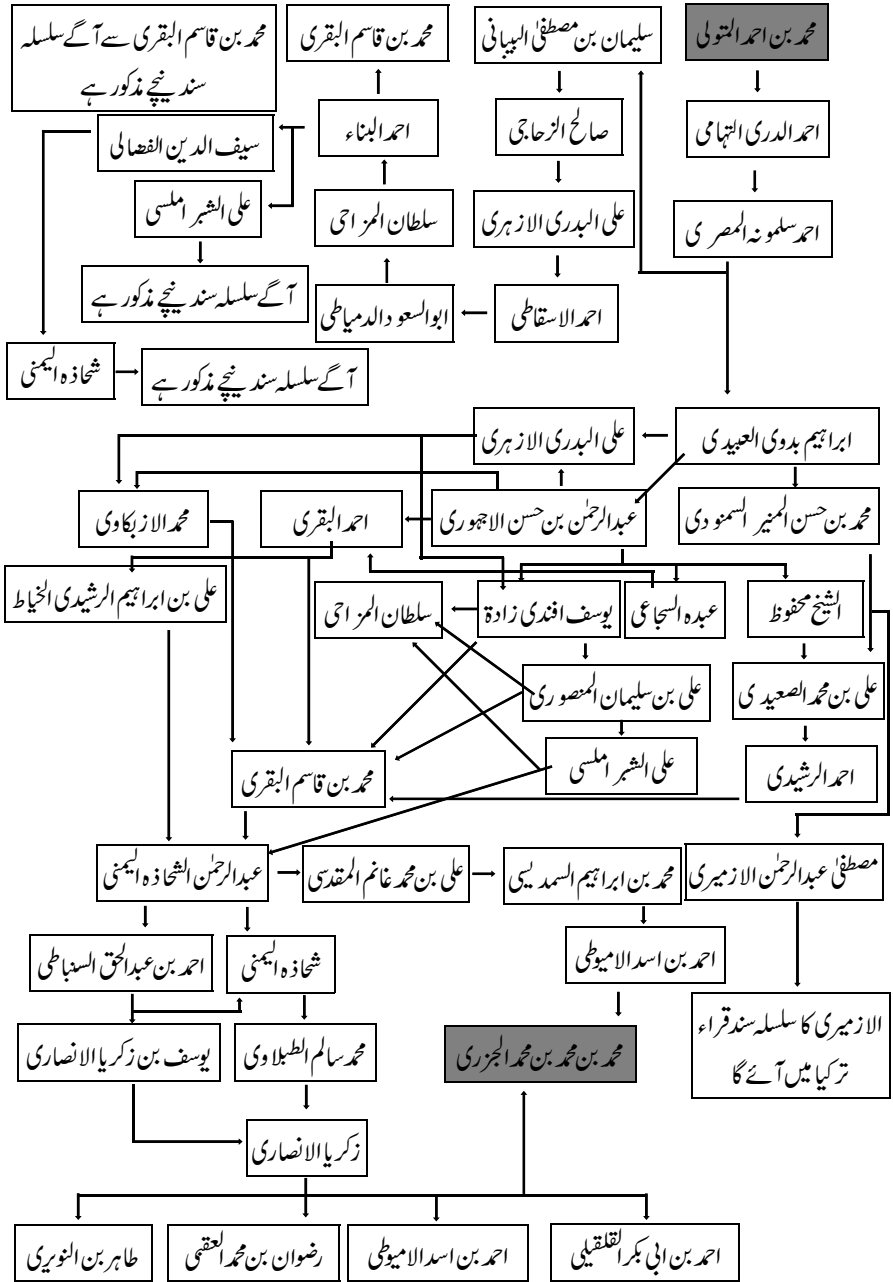
سیدنا محمد

قراء شام

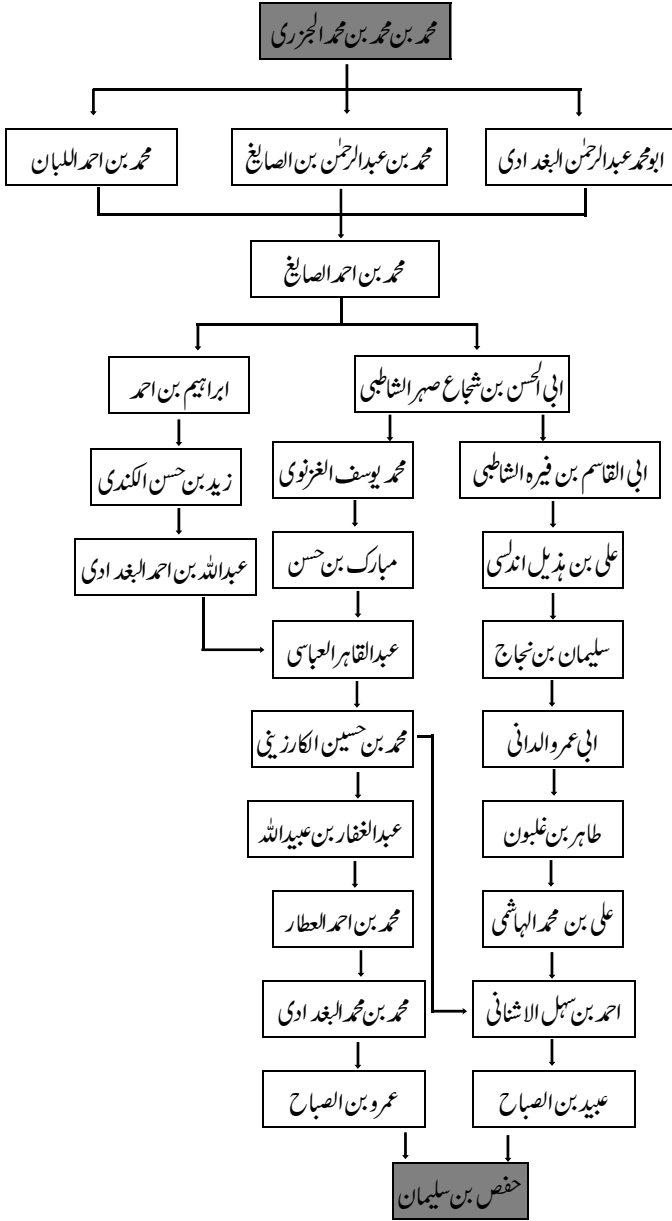




سیدنا محمد ﷺ

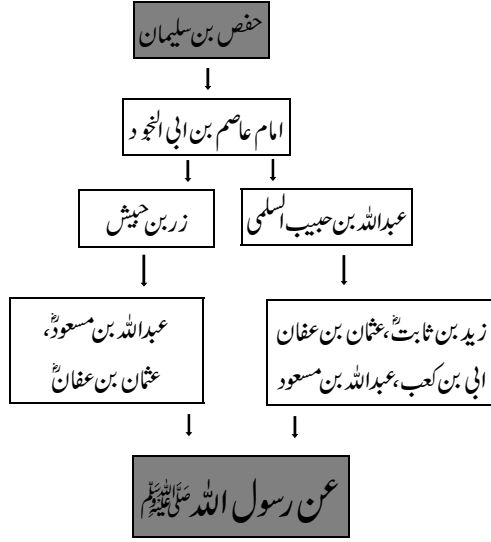


شہاد



سنة





تمت بالخیر

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

قاری اور لیس العاصم\*

## الإسناد في كتب التجويد والقراءات

تمام کتب سماویہ میں قرآن مجید کی عظمت و عزت عیاں اور نمایاں ہے۔ اپنی اصل شکل میں اس وقت اگر کوئی صحیح اور کامل آسمانی کتاب ہے تو وہ قرآن مجید ہے اسی کو عالمگیرییت کا درجہ حاصل ہے۔ قرآن مجید سے پہلی کتابیں مخصوص زمانہ اور مخصوص اقوام تک محدود تھیں، ان کتب کی حفاظت کا نہ تو خالق کائنات نے ذمہ اٹھایا اور نہ ہی ان کے محفوظ رہنے کا کوئی اعلان کیا۔ اس کے برعکس قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا اور ساتھ ہی اعلان بھی کر دیا۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: 9]

”بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

اس مقصد حفاظت کی تکمیل کے لیے رب العالمین نے ایک ایسا ذریعہ فرمایا جو روز قیامت تک جاری و ساری رہے گا وہ ہے ناقلین قرآن کا سلسلہ سند۔

اللہ تعالیٰ نے قرآء کے اذہان و قلوب کو اس کام کے لیے تیار کیا۔ ہر وقت امت میں اتنے حفاظ و قرآء موجود رہے کہ جن کو احاطہ شمار میں لانا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ ہر زمانہ میں ناقلین قرآن آنے والوں تک اپنے علم کو منتقل کرتے رہے حتیٰ کہ موتیوں کی طرح پروٹی ہوئی راویوں کی ایک لڑی بن گئی، جس کو سند کا نام دیا جاتا ہے اور سند کا دوسرا نام ’سلسلۃ الذہب‘ بھی ہے۔

### سند کی لغوی تعریف

اہل لغت لفظ ’سند‘ کے کئی معنی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ٹیک لگانا، اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا، سہارا وغیرہ۔

[مصباح اللغات: ۴۰۰]

### اصطلاحی تعریف

نبی ﷺ تک پہنچنے کا طریقہ یعنی رستہ۔ (مراد ایک راوی کا اپنے سے اُوپر والے راوی سے بات نقل کرنا) اس کو سند کہتے ہیں۔

مثلاً راقم الحروف نے پاکستان میں روایت حفص اور قراءات سبعہ کی سند اُستادہ الاساتذہ الشیخ المقرئ قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، انہوں نے امام القراء حضرت قاری عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے الشیخ قاری محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے (اور قاری عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ نے قراءات عشرہ قاری عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی الہ آبادی سے، انہوں نے اپنے بھائی قاری عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی ہے) ایک لحاظ وہ دونوں اُستاد بھائی اور دوسرے لحاظ سے اُستاد شاگرد۔ قاری عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے روایت حفص کی سند حاصل کی الشیخ ابراہیم سعد بن علی المصری سے انہوں نے الشیخ

☆ استاذ القراء، صدر مدرس المدرسۃ العالیۃ تجوید القرآن، مسجد لسوڑیاں والی اہلحدیث، لاہور..... مصنف کتب کثیرہ

حسن بدیر سے انہوں نے علامہ محمد بن احمد المتولی سے..... اس سے آگے سند مشہور و معروف ہے۔ اسی طرح راقم الحروف نے قراءات عشرہ صغریٰ و کبریٰ مدینہ یونیورسٹی سعودیہ میں اُستاذ الاساتذہ المقبری القاری عبد الفتاح السید عجمی المرصفي سے حاصل کیں۔ انہوں نے امام القراء الشیخ عبدالعزیز الزیات سے انہوں نے الشیخ عبدالفتاح ہنیدی سے انہوں نے علامہ محمد المتولی سے..... اس سے آگے سند مشہور و معروف ہے۔

اسی طرح راقم الحروف نے بخاری پڑھی شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد سے انہوں نے امام المحدثین حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے امام العلماء حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ سے..... آگے سند مشہور ہے۔ بات سمجھنے کی یہ ہے کہ میں نے جن شیوخ کا نام ذکر کیا ان میں سے ہر ایک اپنے سے مقدم راوی سے اخذ علم کو ثابت کر رہا ہے اسی طرح کے سلسلہ روایت کو سند کہتے ہیں۔

### امام حزم رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف سند

جس بات کو ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے اس طرح نقل کیا ہو کہ وہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے کہ ان میں سے ہر ایک اس کا نام و نسب بھی بتائے کہ جس نے اُسے خبر دی ہے، سب کی حالت و شخصیت اور عدالت و زمانہ اور مقام معلوم ہو۔ [الملل والنحل (مترجم): ۳۲۳]

گویا کہ دینی علوم میں سند کی بے حد اہمیت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی سند اللہ رب العزت نے اپنے ہی کلام میں ذکر فرمائی ہے۔

○ ارشاد بانی ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾

[الشعراء: ۹۲، ۹۳]

”بے شک وہ (قرآن) رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اسے امانت وافرشتہ لے کر آیا ہے یہ (قرآن) آپ کے دل پر اترا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔“

### اہمیت سند

#### ① ناقلمین قرآن و حدیث کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

”ہر آنے والا اپنے سے پہلے عادل لوگوں سے یہ علم (قرآن و حدیث) نقل کرے گا وہ شخص غلو کرنے والوں، باطل لوگوں اور جاہلوں کی تاویل سے اس علم کو محفوظ کرے گا۔ [التمہید لابن عبدالبر: ۵۹]

#### ② امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ

قال یحییٰ: ”الإسناد من الدین“ ”اسناد دین میں سے ہیں“ [التمہید: ۵۷]

③ امام اوزاعي رضي الله عنه

”ما ذهاب العلم إلا بذهاب الإسناد“ ”جب اسناد ختم ہو جائے گا“ [التمهید: ۵۷]

④ امام عبداللہ بن مبارک رضي الله عنه

قال المروزي: سمعت عبدالله بن المبارك يقول:

”لو لا الإسناد لقال كل من شاء ما شاء“ ”اگر اسناد نہ ہو تو ہر کوئی جو چاہتا کہہ دیتا۔“

[التمهید: ۵۶]

⑤ امام شعبہ رضي الله عنه

قال يحيى: سمعت شعبه يقول: ”إنما يعلم صحة الحديث بصحة الإسناد“  
”امام یحییٰ بن سعید رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ میں نے شعبہ رضي الله عنه سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یقیناً حدیث کی صحت کا علم تب ہوتا ہے جب اس کی سند صحیح ہو۔“

⑥ امام محمد بن سیرین رضي الله عنه

عن ابن سيرين قال: لم يكونوا يسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا: سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم.  
”ابن سیرین رضي الله عنه نے کہا کہ پہلے زمانہ میں کوئی حدیث بیان کرتا تو اس سے سند نہ پوچھتے، پھر جب فتنہ پھیلا (یعنی گمراہی شروع ہوئی اور بدعتیں رواج اور خوارج، مرجعہ اور قدریہ کی شائع ہوئیں) تو لوگوں نے کہا اپنی اپنی سند بیان کرو دیکھیں گے اگر روایت کرنے والے اہل سنت ہیں تو ان کی روایت قبول کریں گے، اور جو بدعتی ہیں تو ان کی روایت قبول نہیں کریں گے۔“ [مقدمہ صحیح مسلم، ۱۵۱، باب فی أن الإسناد من الدين]

⑦ امام مالک رضي الله عنه

عن ابن أبي يونس سمعت مالكا يقول: ”إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذونه“  
”ابن ابی یونس کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رضي الله عنه سے کہتے ہوئے سنا: بے شک یہ علم دین کا حصہ ہے پس دیکھو تم کس سے حاصل کر رہے ہو؟“ [سیر اعلام النبلاء: ۳۳۵]

⑧ امام یحییٰ بن سعید رضي الله عنه

قال محمد بن عبدالله بن عمار قال يحيى بن سعيد: ”لا تنظروا إلى الحديث، ولكن انظروا إلى الإسناد، فإن صح الإسناد وإلا فلا تغتروا بالحديث إذا لم يصح الإسناد“  
”محمد بن عبداللہ بن عمار کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے کہا ہے کہ حدیث کو نہ دیکھو بلکہ اس کی اسناد کو دیکھو اگر اسناد صحیح نہ ہوں تو حدیث سے دھوکہ نہ کھاؤ (یعنی اُسے چھوڑ دو) اگر سند صحیح ہے تو حدیث کو قبول کر لو۔“

[سیر اعلام النبلاء: ۱۸۸/۹]

اہمیت سند پر متعدد کتب میں اقوال بکثرت ملتے ہیں۔ البتہ ہم انہی اقوال پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سند کے بغیر دین کا کوئی علم ثابت نہیں ہوتا اور صحیح سند پر دین کا دارومدار ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں کے ثبوت کے لیے سند صحیح ہونا ضروری ہے۔

زیر نظر مضمون میں ہم انشاء اللہ تجوید و قراءات کی وہ مشہور کتب بیان کریں گے جن میں مصنفین نے اپنی اسناد ذکر

قاری محمد ادریس العاصم

کی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر زمانہ میں تجوید و قراءات کے ناقلین و مصنفین نے اُناد کو بیان کیا ہے البتہ بعض نے اپنی کتابوں میں اُناد حذف کر دی ہیں اور ایسا صرف اختصار کی غرض سے کیا۔ مثلاً امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدۃ الشاطبیہ میں اسناد ذکر نہیں کیں حالانکہ جس کتاب ”یعنی التیسیر فی القراءات السبع“ کو اصل قرار دیتے ہوئے امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تالیف کی ہے۔ اس میں اسناد کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

التیسیر فی القراءات السبع امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ہے۔ اسی طرح امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”طبیبۃ النشر فی القراءات العشر“ اور ”الدردۃ المضمینۃ فی القراءات الثلاث“ میں اُناد حذف کر دی ہیں، البتہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”النشر فی القراءات العشر“ میں اُناد ذکر کرنے کے ساتھ ان پر خوب بحث بھی کی ہے، جن مصنفین نے اُناد ذکر کی ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا انداز ہے مثلاً بعض نے اپنی اُناد کو قراءۃ عشرہ تک اور متاخرین میں سے بعض نے امام جزری رحمۃ اللہ علیہ تک اور کئی ایک نے امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ تک یا علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ تک اور بعض نے امام حفص رحمۃ اللہ علیہ تک اور اکثر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل اُناد بیان کی ہیں۔

### ① کتاب السبعۃ فی القراءات

مصنف: امام ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ: (۲۳۵ھ الی ۳۲۴ھ)

یہ وہ کتاب ہے جس میں مروجہ قراءۃ سبعہ کی قراءات کو سب سے پہلے جمع کیا گیا، امام ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے جلیل القدر امام تھے۔ اس کتاب میں امام ابن مجاہد نے اپنے سے لے کر قراءۃ سبعہ تک مختلف طرق کے ساتھ اُناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق الدکتور شوقی ضیف نے کی ہے اور یہ ایک جلد میں شائع ہوئی۔ اسے مکتبہ دارالمعارف القاہرہ مصر نے طبع کیا ہے۔

### ② جامع البیان فی القراءات السبع المشہورۃ

مصنف: امام ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی رحمۃ اللہ علیہ: (۳۲۴ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اُناد اور طرق بیان کرنے کا انداز اس طرح اپنایا ہے کہ اپنے سے لے کر مختلف روایات و طرق قراءۃ سبعہ تک ذکر کیے ہیں اور پھر قراءۃ سبعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اُناد ذکر کی ہیں۔ علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کے محققین کی صف میں شامل ہیں۔ آپ علم قراءات کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) کتب کے مصنف ہیں جن میں اکثر قراءات پر ہیں اس کتاب کی تحقیق الحافظ المقری محمد صدوق الجزائری رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان نے اسے شائع کیا ہے یہ ایک جلد میں شائع ہوئی۔

### ③ الإختیار فی القراءات العشر

مؤلف: امام ابو محمد عبداللہ بن علی الحنبلی البغدادی المعروف بسبط الخياط رحمۃ اللہ علیہ: (۲۶۴ھ الی ۵۴۱ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک دس قراءات کی سند ذکر کی ہے۔ امام سبط الخياط رحمۃ اللہ علیہ علم

القراءات میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب النشر فی القراءات العشر میں آپ کی خوبصورت آواز کی بے حد تعریف کی ہے اس کتاب کی تحقیق عبدالعزیز بن ناصر السمر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں مکتبہ ملک فہد (الریاض) نے طبع کی ہے۔

### ④ إرشاد المبتدی و تذكرة المنتهي في القراءات العشر

#### ⑤ الكفاية الكبرى في القراءات العشر

مؤلف: امام ابوالعزم محمد بن حسین بن بُندار الواسطی القوانسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۴۱ھ)

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں دس قراءات کو جمع کیا گیا ہے۔ مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک مختلف طرق ذکر کیے ہیں اور پھر قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ ایک ایک جلد میں طبع کی گئیں ہیں اس کتاب کی تحقیق عثمان محمود غزال نے کی ہے۔

#### ⑥ التلخیص فی القراءات الثمان

مؤلف: امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۷۸ھ)

اس کتاب میں آٹھ قراء کی مرویات کو جمع کیا گیا ہے مصنف کا شمار اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء ثمانیہ (یعنی نافع، مکی، بصری، شامی، عاصم، حمزہ، کسائی، یعقوب رحمۃ اللہ علیہم) تک مختلف طرق کے ساتھ اسناد ذکر کی ہیں یہ بھی ایک جلد میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی تحقیق محمد عقیل موسیٰ نے کی ہے الجماعۃ الخیریۃ لتحفیظ القرآن الکریم (جدہ) نے اسے طبع کیا ہے۔

#### ⑦ التذکرۃ فی القراءات الثمان

مؤلف: امام أبو الحسن طاهر بن عبدالمنعم بن غلبون المقري الحلبي رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۹۹ھ)

یہ بھی آٹھ قراءات میں ہے یعنی جو قراء پیچھے گزرے ہیں وہی مراد ہیں، اس میں مؤلف نے اپنے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں۔ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے اپنی کتاب قصیدۃ الشاطبیہ میں دو جگہ ابن غلبون طاہر کا نام ذکر کیا ہے۔ وہ ایک جگہ باب المد والقصر میں اور دوسرے باب الهمز المفرد میں۔

باب المد والقصر میں ہے:

﴿وعاداً الأولى﴾ ابن غلبون طاہر: بقصر جميع الباب قال وقولا

باب الهمز المفرد میں ہے:

﴿وباره كم﴾ بالهمز، حال سکونہ، وقال ابن غلبون: بیاء تبديلا

التذکرۃ کی تحقیق امین رشدی نے کی ہے اور یہ کتاب دو جلدوں میں ہے الجماعۃ الخیریۃ لتحفیظ القرآن الکریم (جدہ) نے شائع کی ہے۔

#### ⑧ الإقناع في القراءات السبع

مؤلف: امام ابو جعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف الانصاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۴۰ھ)

قاری محمد ادریس العاصم

اس کتاب میں مصنف نے پہلے اپنے سے لے کر قراء سبعۃ تک اسناد ذکر کی ہیں پھر قراء سبعۃ سے نبی ﷺ تک اسناد بیان کی ہیں۔

کتاب کی تحقیق شیخ احمد فرید المزیدی نے کی ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں طبع ہوئی ہے اور دوسرا نسخہ دو جلد میں ہے جامعہ أم القری مکہ مکرمہ نے طبع کروایا ہے۔ اُس کی تحقیق الدكتور عبدالحمید قظامش نے کی ہے۔

### ⑨ المبہج فی القراءات السبع

مؤلف: عبداللہ بن علی بن احمد بن عبداللہ المعروف بسبسط الخياط ٭ (۵۴۱ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر قراء سبعۃ تک کثیر تعداد میں طرق اور روایات کا ذکر کیا ہے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ اس مضمون میں پہلے بھی ہو چکا ہے۔ المبہج کی تحقیق سید کسروی حسن نے کی ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے شائع کیا ہے یہ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

### ⑩ غایۃ الاختصار فی القراءات العشر

مؤلف: امام ابوالعلاء الحسن بن احمد بن الحسن الهمدانی العطار ٭ (۵۶۹ھ)

اس کتاب میں مصنف نے پہلے قراءات عشرہ کی اسناد نبی ﷺ تک بیان کی ہیں پھر اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک مختلف طرق کے ساتھ اسناد ذکر کی ہیں۔ تحقیق الدكتور اشرف محمد فواد طلعت نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اور اسے الجماعة الخیر یہ لتحفیظ القرآن الکریم (جدہ) نے طبع کیا ہے۔

### ⑪ التیسیر فی القراءات السبع

مؤلف: امام ابو عمرو عثمان بن سعید الدرائی ٭

صاحب جامع البیان کی کتاب ”التیسیر“ قراءات سبعۃ میں مشہور و معروف ہے۔ امام شاطبی ٭ نے اسی کتاب کو اصل بناتے ہوئے اپنی کتاب حرز الأمانی و وجہ التہانی تحریر فرمائی ہے۔ علامہ دانی ٭ کا اسناد ذکر کرنے کا انداز اس طرح ہے کہ پہلے قراء سبعۃ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں، بعد میں اپنے سے لے کر قراء سبعۃ تک سندیں بیان کی ہیں یہ بھی ایک جلد میں ہے۔ دارالکتب العربی بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

### ⑫ المصباح الزاہر فی القراءات العشر البواہر

تالیف: امام أبو کریم المبارك بن الحسن أشهر زوري ٭ (۵۵۰ھ)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ تالیف دس قراءات پر مشتمل ہے اس میں امام نے قراء عشرہ کا مختصر تعارف اور پھر ان کی اسناد نبی ﷺ تک بیان کی ہیں، بعد میں متعدد طرق کے ذریعے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک اسناد بیان کی ہیں اس کتاب کی تحقیق الشیخ عبدالرحیم الطرہونی نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے شائع کی ہے۔



### ⑬ إعراب القراءات السبع وعللها

تأليف: ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر ابن خالويه الاصبهاني رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (٦٠٣هـ)  
اس میں امام نے اپنے سے لے کر قراء سبعہ تک کئی ایک واسطوں کے ذریعے اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق ابو جعفر الاسیوطی نے کی ہے یہ ایک جلد میں ہے اسے دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے طبع کیا ہے۔

### ⑭ المکرر فیما تواتر من القراءات السبع و تحریر

مؤلف: امام ابو حفص عمر بن قاسم بن محمد المصری الانصاری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (٩٠٠هـ)  
اس کتاب میں مصنف نے قراء سبعہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں، تحقیق احمد محمود عبد السبع شافعی نے کی ہے۔ یہ کتاب بھی ایک جلد میں ہے۔ اسے دارالکتب العلمیہ نے شائع کیا ہے۔

### ⑮ النشر فی القراءات العشر

مؤلف: امام محمد بن محمد الجزری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (٨٣٣هـ)  
امام جزری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا علم قراءات کی نقل و روایت اور تحقیق میں وہ مقام ہے جو حدیث میں امام بخاری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا ہے آپ اعلیٰ درجہ کے حافظ، متقن اور محقق تھے۔ ایک لاکھ حدیث کے حافظ تھے۔ آپ نے النشر فی القراءات العشر میں اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

### ⑯ المبسوط فی القراءات العشر

مؤلف: ابوبکر احمد بن الحسن بن مهران الاصبهانی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (٣٨١هـ)  
اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ ابن مهران قراءات کے بہت بڑے عالم تھے اس کتاب کی تحقیق سبع حمزہ حاکمی نے کی ہے، یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ دارالقبلۃ للثقافتہ الاسلامیہ جدہ نے طبع کیا ہے۔

### ⑰ الغایة فی القراءات العشر

ابوبکر احمد بن مهران نیشاپوری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (٣٨١هـ)  
مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک۔ کتاب کی تحقیق محمد غیاث الجنباز نے کی ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔

### ⑱ الكنز فی القراءات العشر

مؤلف: امام شیخ عبداللہ بن عبدالمؤمن ابن الوجیہ الواسطی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (٣٠٦هـ)  
مصنف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں، تحقیق ہناء الحمصی نے کی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم



### ۱۹) کتاب الموضع فی وجوه القراءات وعللها

مؤلف: امام نصر بن علی بن محمد ابو عبد اللہ الشیرازی الفارسی القسوی الحوی المعروف بابن ابی مریم رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۵ھ)  
اس کتاب میں امام نے آٹھ قراءت کی قراءات ذکر کی ہیں۔ مؤلف نے اس میں ان قراءت کے روایت کا تذکرہ کیا ہے اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق الدكتور عمر حمدان الکبیسسی نے کی ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے اور اسے الجماعة الخیریة لتحفیظ القرآن الکریم (جدہ) نے طبع کیا ہے۔

### ۲۰) فتح الوحید فی شرح القصید المعروف شرح الشاطبیه

مؤلف: امام علم الدین علی بن محمد ابی الحسن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ (۶۴۳ھ)  
امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں۔ انہوں نے قصیدہ شاطبیہ کی شرح لکھی اور اس میں اپنے سے لے کر قراء سبعۃ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق احمد عدنان الزعمی نے کی ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اسے مکتبہ دار البیان دولة الکویت نے طبع کیا ہے اور دوسرا نسخہ چار جلدوں پر مشتمل ہے جسے مکتبۃ الرشید (الریاض) نے طبع کیا ہے اس کی تحقیق محمد الادریسی الطاہری نے کی ہے۔

### ۲۱) المستنیر فی القراءات العشر

مؤلف: امام ابو طہر احمد بن علی بن عبید اللہ بن عمر بن سوار البغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۳۹۶ھ)  
امام نے اپنی کتاب میں اپنے سے قراء عشرہ تک مختلف طرق کے ذریعے اسناد ذکر کی ہیں اور پھر قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق دکتور عمار امین الدرونی نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور دار البحوث للدراسات الإسلامیة، إحياء التراث الإسلامی، الإمارات العربیة المتحدة دبی نے طبع کیا ہے۔

### ۲۲) شرح الدرر اللوامع فی أصل مقرأ الإمام نافع

مصنف: امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد الملک بن المنثور القیسی رحمۃ اللہ علیہ (۸۳۳ھ)  
الدرر اللوامع نظم میں ہے امام ابن بری (۷۳۰ھ) نے تالیف کی ہے اور یہ صرف امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں ہے شارح نے ناظم سے لے کر امام نافع تک ایک جگہ اور دوسری جگہ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں اس شرح کی تحقیق استاذ الصدیقی سیری فوزی نے کی ہے۔ یہ کتاب بھی دو جلدوں میں ہے۔

### ۲۳) الروضة فی القراءات الإحدى عشرة

مؤلف: امام ابو علی الحسن بن محمد بن ابراہیم البغدادی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۴۳۸ھ)  
ابو علی مالکی نے اپنے زمانہ کے مختلف اساتذہ سے قراءات حاصل کیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الروضة میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں۔ الروضة کی تحقیق الدكتور مصطفیٰ عدنان محمد سلمان نے کی ہے اور مکتبۃ العلوم والحکم نے مدینہ منورہ سے اور دارالعلوم والحکم نے شام سے شائع کیا ہے یہ کتاب دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

### ۳۳ شرح الهداية

مصنف: امام ابو العباس احمد بن عمار المهدوي رحمته اللہ علیہ (۲۳۰ھ)

یہ کتاب توجیہات القراءات کے نام سے مشہور ہے۔ امام مہدوی اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء میں شامل ہیں۔ امام شاطبی رحمته اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب قصیدۃ الشاطبیہ میں باب الاستعاذہ کے آخری شعر میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وإخفاؤه فصل أباه وعاتنا وكم من فتى كالمهدوي فيه أعملا  
یہ کتاب دو جلدوں میں ہے، اس کی تحقیق الدكتور حازم سعید حیدر نے کی ہے اور محقق نے آپ کے چند شیوخ قراءات کا تذکرہ بھی کتاب کے شروع حصہ میں کیا ہے۔ مکتبۃ الرشید (الریاض) نے اسے طبع کیا ہے۔

### ۳۴ إعراب القراءات السبع وعللها

مصنف: امام ابو عبد اللہ الحسین بن احمد بن خالویہ الہمدانی النحوی الشافعی رحمته اللہ علیہ (۳۷۰ھ)

آپ امام ابن ماجہ رحمته اللہ علیہ کے براہ راست شاگرد ہیں۔ علم قراءات میں اعلیٰ ترین مقام رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے سے قراء سبعہ تک کئی اسناد ذکر کی ہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد بیان کی ہیں، اس کتاب کی تحقیق الدكتور عبدالرحمن بن سلیمان العثیمین نے کی ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ مکتبۃ الخانجی القاہرہ، مصر نے طبع کیا ہے۔

### ۳۵ کتاب معاني القراءات

مؤلف: امام ابو منصور محمد بن احمد الازہری رحمته اللہ علیہ (۳۷۰ھ)

امام کی یہ کتاب آٹھ قراء کی مرویات پر مشتمل ہے، سات شاطبیہ والے اور ایک ثلاثہ والے امام یعقوب۔ امام ابو منصور نے اپنے سے لے کر آٹھ قراء تک اسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق الشیخ احمد فرید المریدی نے کی ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے اور دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے شائع کی ہے۔

### ۳۶ الكتاب الأوسط في علم القراءات

مؤلف: امام ابو محمد الحسن بن علی بن سعید المقرئ العماني (۴۱۳ھ)

یہ کتاب قراء سبعہ کی مرویات پر مشتمل ہے۔ امام العماني جلیل القدر علماء کی صف میں شامل ہیں۔ اس کتاب میں آپ نے قراء سبعہ سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں اور قراء سبعہ کے حالات بھی قلمبند کیے ہیں۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ اس کی تحقیق الشیخ عزہ حسن نے کی ہے۔ یہ کتاب مکتبۃ دار الفکر دمشق نے طبع کی ہے۔

### ۳۷ المستطاب في التجويد المسمى 'هداية القراء'

تالیف: امام شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (۹۲۳ھ)

امام قسطلانی کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ شارح بخاری ہیں۔ آپ کی ایک کتاب ”لطائف الإشارات لفنون القراءات“ بھی ہے آپ نے المستطاب میں قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی



تحقیق السید یوسف احمد نے کی ہے یہ ایک جلد میں ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

### ۴۵) تقریب النشر في القراءات العشر

تالیف: الامام المقرئ الحافظ محمد بن محمد الحسري الشافعي الدمشقي (۸۳۳ھ)  
یہ النشر في القراءات العشر کا اختصار ہے۔ اس کتاب میں امام نے قراء عشرہ اور ان کے روایات اور چند طرق کا ذکر کیا ہے اس کتاب کی تحقیق علی عبدالقدوس عثمان الوزین نے کی ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے۔ داراحیاء التراث بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

### ۴۶) الجعبری ومنهجه في كنز المعاني في شرح حرز الأمانی ووجه التهانی

دراستہ۔ الاستاذ احمد الیزیدی  
اس میں احمد الیزیدی نے علامہ جعبری کی سند امام شاطبی تک اور امام شاطبی کی سند بواسطہ علامہ دانی قراء سبعۃ تک بیان کی ہے۔

### ۴۷) تقریب النفع وتیسیر الجمع بین القراءات السبع ومعہ المقدمة المسماة أعلام أهل القرآن

مؤلف: السید نیل بن ہاشم بن عبداللہ الغمری آل باعلوی۔  
مؤلف نے اس کتاب میں اپنے استاذ الہی بن عبدالسلام بن مکی بن کیران (۱۳۳۱ھ-۱۳۲۱ھ) کی اسناد قراء سبعۃ تک اور پھر نبی ﷺ تک ذکر کی ہیں اور اپنے استاذ کی سند حدیث بھی نبی ﷺ تک ذکر کی ہے۔  
دار البشائر الإسلامیة (بیروت) نے اس کو طبع کیا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

### ۴۸) ہدایة القاری إلى تجوید کلام الباری

مؤلف: استاذی وسیدی امام القراء والمجددین الشیخ عبدالفتاح السید عجمی المرصفی (۱۴۰۹ھ)  
علم تجوید کے حوالہ سے یہ کتاب مرجع ومصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں شیخ نے اپنی اسناد نبی ﷺ تک ذکر کی ہیں۔

### ۴۹) الرسالة الترمسیة في إسناد القراءات العشریة

مؤلف: الشیخ محمد محفوظ بن عبداللہ الترمسی (۱۳۳۰ھ)  
آپ نے قراء کی اسناد پر تفصیلی کام کیا ہے اور اسناد پر ایک رسالہ (کفایة المستفید فیما علا من الأسانید) بھی تالیف کیا ہے۔

### ۵۰) الإمام المتولی و جهوده في علم القراءات

مؤلف: الشیخ الدكتور ابراهیم بن سعید بن احمد الدوسری نے تالیف کیا ہے۔  
جس میں اسناد کا بیان بہت عمدہ اور دلنشین انداز میں کیا ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ مکتبۃ الرشید (الریاض)

نے اسے طبع کیا ہے۔

### ④ شیخ علی محمد الضباع

موجودہ دور میں بڑے محقق مانے جاتے ہیں۔ مختلف کتب کے مصنف ہیں۔ فن تجوید و قراءات پر کئی ایک کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بعض متون کی شروع لکھی ہیں۔ انہوں نے قصیدہ شاطبیہ کی تصحیح کی ہے اور آخر میں اپنے سے لے کر امام شاطبی تک سند ذکر کی ہے اور اس کی تصدیق شیخ محمد علی خلف الحسینی شیخ المقاری المصریہ نے کی ہے۔ طبع بمطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر .

### ⑤ تصحیح قصیدہ شاطبیہ

کاوش: إمام القراء القاری المقری إظهار أحمد التهانوی (۱۲۱۲ھ بموافق ۱۹۹۱ء)  
شیخ نے اس فن پر مختلف کتب تالیف فرمائیں جو کہ مرجع و مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ جامع العلوم تھے۔ آپ نے قصیدہ شاطبیہ کی تصحیح فرمائی اور اس میں اپنی سند امام شاطبی تک ذکر فرمائی ہے۔

### ⑥ قواعد التجويد علی رواية حفص عن عاصم بن أبي النجود

مؤلف: الشيخ عبدالعزیز القاری رحمہ اللہ  
قواعد تجوید پر بڑی عمدہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں شیخ نے اپنی سند کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے اور مکتبہ العلمیہ مدینہ منورہ نے اسے طبع کیا ہے۔

### ⑦ الدر الفريد في شرح قواعد التجويد

مصنف: الشيخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)  
متن اور شرح دونوں آپ کی تصانیف ہیں۔ ان کے اور علامہ جزری کے مابین دو واسطے ہیں۔ آپ نے اپنی سند علامہ جزری رحمہ اللہ تک بیان کی ہے۔

لکھتے ہیں:

قرأت قرآن العظيم على عدة من المشائخ الأجلَاء المقراء والمجودين، من أعلامهم سناً، الشيخ العلامة المقري المجود محمد بن إبراهيم السمديسي المصري وهو على الشيخ المقري أحمد الديموطي المصري وهو عن الشيخ الإمام شمس الدين محمد ابن الجزري، شيخ القراء والمجودين وسنده إلى النبي صلی اللہ علیہ وسلم مشهور في الكتاب والسنة مذکور في بعض مصنفاته ..... انتھی

”میں نے بہت سے اجل مشائخ و قراء اور مجودین سے قرآن پڑھا ہے، جو ان میں عمر اور مرتبے میں زیادہ بڑے ہیں۔ وہ ہیں شیخ العلامة، المقری المجود محمد بن إبراهيم السمدیسی المصری اور انہوں نے شیخ المقری أحمد الديموطی المصری سے انہوں نے شیخ الإمام شمس الدین محمد بن الجزری شیخ القراء والمجودین سے۔ آپ کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کتاب و سنت میں مشہور ہے اور آپ کی بعض تصنیفات میں بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ انتھی“

### ۳۸) المرشد في مسائل التجويد والوقف

مصنف: استاذی امام القراء والمجودین المقری اظہار احمد التھانوی رحمۃ اللہ علیہ  
سوال و جواب کی شکل میں تجوید پر نہایت شاندار کتاب ہے۔ بڑے آسان فہم انداز میں مسائل تجوید بیان کیے گئے ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۹ پر اپنی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی ہے۔

### ۳۹) عذار القرآن

مؤلف: شیخ القراء قاری محمد اسماعیل پانی پتی  
یہ تجوید کی کتاب ہے۔ مسائل تجوید پر عمدہ روشنی ڈالتی ہے۔ بعض جگہوں پر تجویدی اشعار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ موصوف نے اپنی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی ہے۔

### ۴۰) کمال الفرقان شرح جمال القرآن

مؤلف: الشیخ القاری محمد طاہر رحیمی رحمۃ اللہ علیہ  
اچھی شرح ہے۔ جمال القرآن مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے جو مسائل تجوید پر ہے۔ اور القاری محمد طاہر رحیمی نے اپنی سند اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی ہے اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حفص رحمۃ اللہ علیہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سند ذکر کی ہے۔

### ۴۱) زینة المصحف

### تجیر التجوید

یہ دونوں کتابیں راقم الحروف کی ہیں اور علم التجوید پر ہیں۔ ان میں راقم الحروف نے اپنے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک روایت حفص کی سند ذکر کی ہے۔ قراءات الکیڈمی اردو بازار لاہور نے طبع کی ہیں۔

### ۴۲) شجرة الأساتذہ فی أسانید القراءات العشر المتواترة

اس میں اسانید کی مفصل بحث دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب میرے محترم استاد ذی وقار امام القراء والمجودین المقری القاری حضرت الشیخ اظہار احمد التھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کی۔ لیکن اُسے مکمل کیے بغیر جہان فانی سے رحلت فرما گئے، راقم الحروف نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا اور جا بجا حاشیہ بھی لکھا۔ والحمد للہ علی ذلك.

### ۴۳) الوجوه المثنائی فی القراءات السبع

مؤلف: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ  
موصوف نے اس کتاب کے آخر میں اپنے تمام علوم کی اسناد کا مختصر بیان کیا ہے۔ وہاں اپنی تجوید کی سند بھی ذکر کی ہے۔ یہ تفسیر بیان القرآن کے آخر میں ہے۔

### ۴۴) شجرة سبع قراءات

مؤلف: شیخ القراء المجودین ابو محمد محی الإسلام پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۷۲ھ)

موصوف نے بڑی وضاحت کے ساتھ قراءات سبعہ کی اسناد کو نبی ﷺ تک بیان فرمایا ہے (یہ شجرہ) شرح سبعہ قراءات کی پہلی جلد میں ہے، شرح سبعہ دو جلدوں میں ہے۔ یہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور نے طبع کی ہے۔

### ⑤ کتاب التبصرة في القراءات السبع

مؤلف: امام القراء المقرئ ابو محمد کی بن ابی طالب القسبی ؒ (م ۲۳۷ھ)

آپ علامہ شاطبی ؒ سے پہلے کے ہیں۔ یہ کتاب آپ نے سات قراء کی مرویات پر لکھی ہے۔ آپ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی کتب کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ اس میں امام نے اپنے سے قراء سبعہ تک مختلف طرق اور قراء سبعہ کی نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کو الدار السلفیہ بمبئی ہندوستان نے طبع کیا ہے۔

### ⑥ خلاصة البيان في تجويد القرآن

مؤلف: شیخ القراء القاری محمد ضیاء الدین احمد صدیقی ؒ

علم التجويد پر عمدہ کتاب ہے۔ موصوف نے اپنے سے لے کر نبی ﷺ تک سند ذکر کی ہے۔

### ⑦ هدية الوحيد في علم التجويد

مؤلف: شیخ القراء القاری عبدالوہید الہ آبادی

علم تجويد پر موصوف کی اچھی کاوش ہے۔ مختصر انداز بیان کے ساتھ مسائل تجويد ذکر کیے گئے۔ اس میں شیخ نے اپنی سند ذکر کی ہے۔

### ⑧ ضوابط نبلاء التجويد

مؤلف: شیخ القراء قاری محمد عبدالعزیز

یہ تجويد پر ایک رسالہ ہے۔ موصوف نے اس میں اپنی سند ذکر کی ہے۔

### ⑨ توضیح العشر في شرح طيبة النشر

مؤلف: شیخ القراء القاری محمد عبداللہ مراد آبادی

یہ ایک جلد میں ہے۔ علامہ جزری ؒ کی کتاب جو دس قراء کی مرویات پر مشتمل ہے اور شعر میں ہے اس کی شرح ہے۔ اس میں مراد آبادی صاحب نے اپنی سند ذکر کی ہے۔

### ⑩ جمال القراء وكمال الإقراء

مؤلف: امام علم الدین علی بن محمد السخاوی ؒ (م ۶۳۳ھ)

امام سخاوی ؒ، امام شاطبی ؒ کے خاص تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ امام ابوشامہ مقدسی کے شیخ ہیں۔ امام سخاوی ؒ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ سیوطی ؒ نے 'الانتقان' میں بارہا آپ کی اس کتاب کے حوالے پیش کیے ہیں۔ جمال القراء میں آپ نے قراء سبعہ سے لے کر نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قاری محمد ادریس العاصم

میں ہے۔ ایک نسخے کی تحقیق الدكتور علی حسین البواب نے کی ہے اور مکتبۃ التراث مکہ مکرمہ نے اسے طبع کیا ہے۔ اور دوسرے نسخے کی تحقیق عبدالحق عبدالدائم سیف القاضی نے کی ہے۔ اور مؤسسة الکتب الثقافیۃ بیروت لبنان نے طبع کیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے شروع مضمون میں یہ ذکر کیا تھا کہ سند کے بغیر نہ قرآن ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی حدیث۔ اور بعض لوگوں کو عدم علم اور ناقص تحقیق کی بنا پر سنگین غلطی لگ گئی کہ قراءات کی کوئی سند نہیں اور بعض نے یہ کہہ دیا کہ قراء سبعہ یا عشرہ کی اسناد نبی ﷺ تک تو ٹھیک ہیں۔ البتہ بعد والوں کی اسناد قراء سبعہ یا عشاہ تک نہیں پہنچتی۔ چنانچہ یہ امر اس بات پر دلیل ہے کہ انہوں نے نہ تو کسی شیخ قراءات کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل کیا نہ کتب قراءات کی ورق گردانی کی۔ ہم نے اختصار کی غرض سے چند کتب کا تذکرہ کیا ورنہ بیسیوں ایسی کتب ملتی ہیں جن میں اُستاد کا ذکر ہے اور ان ناقلین کی عدالت و ثقاہت اور امامت پر امت کا مکمل اعتماد ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ قراءات بغیر سندوں کے یا کمزور اسناد کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں بالکل فضول بات ہے۔ دُعا ہے کہ احکم الحاکمین حق کو پرکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



رشد



## مشکلات القراءات

اہل علم کے ہاں مشکل القرآن، مشکل الحدیث اور مشکل الاثار وغیرہ کے عنوان پر لکھی جانے والی کتب غیر معروف نہیں۔ ان کتب کے لکھنے کا پس منظر یہ ہے کہ قرآن و سنت چونکہ انسانوں کیلئے اللہ کی ابدی ہدایت پر مشتمل ہیں اور ان کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات اعلیٰ صفات ہے چنانچہ ان کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ﴿وَكُتُبًا مِّنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ [النساء: ۸۲]

علم القراءات کی نسبت بھی چونکہ قرآن کریم سے ہے یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں جس طرح قرآن کی کسی آیت کا تعارض دوسری آیت سے ممکن نہیں اسی طرح قراءات متنوعہ متواترہ بھی باہم متعارض نہیں ہوتیں۔ مختلف قراءات کا باہمی اختلاف تنوع کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے جس سے معانی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

زیر نظر مضمون میں فاضل مقالہ نگار نے مشکل القراءات یا بالفاظ دیگر مختلف القراءات کو موضوع بحث بنایا ہے اور بظاہر متعارض نظر آنے والی قراءات کے حل کا طریقہ متعین کرتے ہوئے اس سلسلہ میں منکرین و مقررین قراءات کی طرف سے عمومی طور پر پیش کی جانے والی متعارض قراءات کا بھی مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ [ادارہ]

اصول فقہ کی بحثوں میں شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک دلیل کسی حکم کی متقاضی ہو، اور اسی مسئلہ کے بارے میں دوسری دلیل شرعی دوسرا حکم چاہتی ہو۔ یعنی شرعی احکام میں تعارض سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک شرعی دلیل جس حکم کی متقاضی ہو، کوئی دوسری شرعی دلیل اس کے خلاف دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو۔ یا کسی حکم کے دلائل میں اس طرح عدم مطابقت ہونا کہ جو امر ایک دلیل سے ثابت ہو وہ دوسری دلیل سے ثابت نہ ہوتا ہو۔ علماء نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

”التعارض أن يقتضي كل من الدليلين عدم ما يقتضيه الآخر“ [أصول الفقه: ۳۵۸]

”تقابل الدليلين على سبيل الممانعة.“

[إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول: ۲/۲۵۸]

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی احکام میں تعارض سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک شرعی دلیل جس حکم کی متقاضی ہو، کوئی دوسری شرعی دلیل اس کے خلاف دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو یا یوں کہیے کہ دلائل سے حاصل ہونے والے احکام کا ایک دوسرے کے خلاف اس طور پر ہونا کہ ایک پر عمل کرنے سے دوسرے کا چھوڑنا لازمی ہو۔ بعض معاصر علماء تعارض کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

☆ أستاذ القراءات، دارالعلوم الاسلامیہ، کامران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور



”والتعارض بين الدليلين الشرعيين معناه في اصطلاح الأصوليين: اقتضاء كل واحد منهما في وقت واحد حكماً في الواقعة يخالف ما يقتضيه الدليل الآخر فيها مثلاً: قوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيُذَرُونَ أَوْجَاءً يَتَرَبِّصْنَ أَنْفُسَهُنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [البقرة: ۲۳۳]، هذا النص يقتضي بعمومه، أن كل من توفي عنها زوجها تنقضي عدتها بأربعة أشهر وعشرة أيام، سواء أكانت حاملاً أم غير حامل.

وقوله تعالى: ﴿وَأُولُوا الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۴]، هذا النص يقتضي بعمومه أن كل حامل تنقضي عدتها بوضع حملها، سواء كانت متوفى عنها زوجها أم مطلقة فمن توفي عنها زوجها وهي حامل، واقعة يقتضي النص الأول أن تنقضي عدتها بتربص أربعة أشهر وعشرة أيام، ويقتضي النص الثاني أن تنقضي عدتها بوضع حملها، فالنصان متعارضان في هذه الواقعة“ [أصول الفقه: ۴۰۸]

پہلی آیت بتلائی ہے کہ جس عورت کا خاندان فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اس میں حاملہ وغیر حاملہ عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن دوسری آیت بتلائی ہے کہ جس عورت کا خاندان مرجائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ یعنی بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

یہ تعارض دراصل تعارض نہیں ہے کیوں کہ تعارض حقیقت میں تو محال ہے، لیکن مجتہدین کی رائے اور ان کی نظر کے اعتبار سے یہ محال نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک مجتہد ظاہر میں یہ سمجھے کہ کسی مسئلہ میں ایک دلیل دوسرے کے مخالف ہے، اور اس کا یہ سمجھنا اس کی کم فہمی، ادراک کی کمزوری، اور مسئلہ کے تمام دلائل اور پہلوؤں سے ناواقفیت کے سبب سے ہو۔ اس لئے یہ تعارض ظاہر میں ہوتا ہے، نہ کہ حقیقت میں۔ ان معنی میں شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض کا تصور فی الواقع کیا ہی نہیں جاسکتا۔ کیونکہ شریعت میں دلیلیں احکام کو بتانے کے لئے قائم کی گئی ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کے متقاضی پر عمل ممکن ہے، اور تکلیف کی شرط پوری ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جب تک مکلف عاقل بالغ ہو اس کے لئے شرعی احکام کا جاننا ممکن ہے۔ اس صورت میں یہ بات محال ہے کہ دلائل ایک دوسرے کے مخالف ہوں، اور ان کا مقصود ہی مبہم اور غیر واضح ہو جائے۔ کیونکہ تعارض کا مطلب دلائل کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا، ان سے جاہل رکھنا، مقصود مبہم رکھنا، شرط تکلیف کا فوت ہونا۔ اسلامی شریعت میں یہ سب امور جائز نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ جو شارع حکیم ہے اس کے لئے شریعت میں ایسے دلائل مقرر کرنا محال ہے۔ [أصول الفقه الإسلامي: ۱۱۷۴]

● امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اعلم بأن الحجج الشرعية من الكتاب والسنة لا يقع بينهما التعارض والتناقض وضعا لأن ذلك من أمارات العجز والله تعالى عن أن يوصف به وإنما يقع التعارض لجهلنا بالتاريخ فإنه يتعد به علينا التمييز بين الناسخ والمنسوخ“ [أصول السرخسي: ۱۲۲]

”فرماتے ہیں کہ دلائل شرعیہ یعنی کتاب وسنت میں تعارض اور تناقض واقع نہیں ہوتا کیوں کہ یہ عاجزی کی علامات میں سے ہے اللہ تعالیٰ ان صفات سے منزہ اور پاک ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو یہ ہماری کوتاہ فہمی یا ناسخ و منسوخ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔“

● ملا جیون لکھتے ہیں:

”وقد يقع التعارض بين الحجاج فيما بيننا لجهلنا بالناسخ والمنسوخ وإلا فلا تعارض في نفس الأمر لأن أحدهما يكون منسوخاً والآخر ناسخاً وكيف يقع التعارض في كلامه تعالى لأن ذلك من إمارات العجز، تعالى الله عن ذلك علواً كبيراً“

[نور الأنوار في شرح المنار: ۱۹۳]

”اگر چہ حقیقی تعارض تو محال ہے لیکن ان دلائل کے بارے میں مجتہدین کے فہم و ادراک میں تفاوت کی بناء پر ظاہری تعارض ممکن ہے جسے دور کرنے اور متعارض دلائل میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لئے علمائے اصول نے کچھ اصول و ضوابط وضع کئے ہیں۔ ان قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ مجتہد کو ناسخ و منسوخ کا علم ہونا چاہئے اور الفاظ کی دلالت کی ترجیح کے طریقوں سے واقف ہونا چاہئے۔“

## تعارض رفع کرنے میں احناف اور شوافع کا طریقہ

ایک حنفی مجتہد تعارض رفع کرنے کے لئے بالترتیب مندرجہ ذیل مراحل طے کرتا ہے۔

① نسخ ② ترجیح ③ جمع و تطبیق

④ دونوں دلائل سے صرف نظر اور ان سے کم تر درجے کی دلیل سے استدلال

ایک شافعی مجتہد رفع تعارض کے لئے حسب ترتیب مندرجہ ذیل مراحل سے گزرتا ہے:

① جمع و تطبیق ② ترجیح ③ نسخ

④ دونوں دلائل سے صرف نظر اور ان سے کم تر درجے کی دلیل سے استدلال

[أصول الفقه الإسلامي: ۶/۲، ۱۱۷، ۱۱۸۳]

## جمع اور تطبیق

اگر دو متعارض نصوص میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہو کہ کونسی نص ناسخ ہے، اور جو ترجیح کے طریقے ہم نے اوپر ذکر کئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہ ہوتا ہو اور دونوں نصوص قوت میں یکساں ہوں، تو اس صورت میں مجتہد کو چاہئے کہ ان دونوں متعارض نصوص کے درمیان جمع، تطبیق کے اصول کے ذریعے موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اس طرح دونوں نصوص پر عمل کرے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

④ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرٍ الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرہ: ۱۸۰]

”تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آ جائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کی جائے۔“

④ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي آوَالِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِلثَلَاثِ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِلْأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينٍ ؕ أَلْبَاءُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ

لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمُ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿النساء: ۱۱﴾

”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ اور اگر اولاد میت صرف لڑکیاں ہی ہوں یعنی دو یا دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی ہے۔ اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا نصف ہے۔ اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ ہے۔ بشرطیکہ میت کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ ہے۔ اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہوگا اور یہ تقسیم ترکہ میت کی وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمہ ہو عمل میں آئے گی تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے“

● خلاف کہتے ہیں:

”قوله تعالى في سورة البقرة: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ۱۸۰]۔ وقوله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ مِثْلِ الْإُنثَى﴾ [النساء: ۱۱]، على آخر آية الموارث. الآية الأولى توجب على المورث إذا قارب الموت أن يوصي من تركته لوالديه وأقاربه بالمعروف، والآية الثانية توجب لكل واحد من الوالدين والأولاد والأقربين حقاً من التركة بوصية الله لا بوصية المورث فهما متعارضان ظاهراً ويمكن التوفيق بينهما بأن يراد في آية سورة البقرة الوالدان والأقربون الذين منع من إرثهم مانع كاختلاف الدين.“ [علم أصول الفقه: ۲۳۰-۲۳۱]

پہلی آیت یہ بتلاتی ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے معروف طریقہ سے وصیت کرنا واجب ہے۔ دوسری آیت یہ بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین، اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے لئے میراث میں سے حصے مقرر فرمادیئے ہیں، اور مورث کے صوابدید پر نہیں چھوڑا۔ اس لئے یہ دونوں آیتیں متعارض ہیں۔ لیکن ان دونوں کے درمیان مطابقت اور موافقت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلی آیت کو اس حکم پر محمول کیا جائے کہ والدین اور رشتہ دار کسی مانع کے سبب میراث میں سے حصہ نہ پاسکیں، مثلاً کسی کے والدین یا بعض رشتہ دار مسلمان نہ ہوں تو ان کے حق میں وصیت کرنا واجب ہے۔ اور دوسری آیت کو اس حکم پر محمول کیا جائے کہ اس آیت میں جن وراثہ کے حصے مقرر ہیں ان کو اس طرح دیدیئے جائیں۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو:

”قوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يَتوفُونَ مِنكُمْ وَيَدْرُونَ أَرْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [البقرة: ۲۳۴]

وقوله تعالى: ﴿وَأُولُو الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۴]

ويمكن التوفيق بينهما بأن الحامل المتوفى عنها زوجها تعدد بأبعد الأجلين، فإن وضعت حملها قبل أربعة أشهر وعشرة أيام من تاريخ الوفاة، ترصدت حتى تتم أربعة أشهر وعشرة أيام، وإن أمضت أربعة أشهر وعشرة أيام قبل أن تضع حملها ترصدت حتى تضع حملها.“ [أيضاً ص: ۲۳۱]

یہ دونوں مثالیں ڈاکٹر عبدالکریم الیزیدان نے بھی نقل کی ہیں۔ [الوجیز فی أصول الفقه ۳۹۶، ۳۹۷]

● اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنكُمْ وَيَدْرُونَ أَرْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِمْ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [البقرہ: ۲۲۴]

● دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَأُولَئِ الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۴]

کچھ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کو ایسی حاملہ عورت کی نسبت، جس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو، منسوخ نہیں کیا۔ اس لئے ان فقہاء نے ان دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق پیدا کی ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس عورت کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو اور وہ حاملہ ہو تو وہ وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں جو مدت زیادہ ہو اس عرصہ تک عدت گزارے۔ اگر یہ مدت گزر جائے اور اس کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو تو وضع حمل تک عدت گزارے۔

جمع وتوفیق کے قاعدہ میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک نص عام ہو اور دوسری خاص یا ایک مطلق ہو اور دوسری مقید، تو خاص سے عام کی تخصیص کریں گے۔ اور جو خاص جس چیز کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس پر اسی حد تک عمل کریں گے، اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں عام پر عمل کریں گے۔ اسی طرح مطلق کو مقید پر محمول کریں گے یا مقید پر اپنے موقع پر عمل کریں گے۔ [الوجیز فی أصول الفقه: ۳۹۷]

”ومن طرق الجمع والتوفيق: اعتبار أحد النصين مخصصاً لعموم الآخر، أو مقيداً لإطلاقه، فيعمل بالخاص في موضعه وبالعام فيما عداه، ويعمل بالمقيد في موضعه وبالمطلق فيما عداه.“ [علم أصول الفقه: ۲۳۱]

توفیق کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کی اس طرح تاویل کی جائے کہ وہ دوسری کی معارض نہ ہو۔ جیسے متاخرین علماء نے صفات سے متعلق بعض آیات کی تاویل کی ہے۔

فأما المخلص بطريق الحال فبإيهانه في قوله تعالى: ﴿وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ بالتخفيف في إحدى القراءتين وبالتشديد في الأخرى، فبينهما تعارض في الظاهر لأن حتى للغاية وبين امتداد الشيء إلى غاية وبين قصوره دونها منافاة، والإطهار: هو الاغتسال، والطهر يكون بانقطاع الدم فبين امتداد حرمة القربان إلى الاغتسال وبين ثبوت حل القربان عند انقطاع الدم منافاة ولكن باعتبار الحال ينتفي هذا التعارض وهو أن بالتخفيف على حال ما إذا كان أيامها عشرة لأن الطهر بالانقطاع إنما يتيقن به في تلك الحالة فإن الحيض لا يكون أكثر من عشرة أيام فأما فيما دون العشرة لا يثبت الطهر بالانقطاع بيقين لتوهم أن يعاودها الدم ويكون ذلك حيضاً فتمتد حرمة القربان إلى الإطهار بالاغتسال.

وكذلك قوله تعالى: ﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ فالتعارض يقع في الظاهر تحمل القراءة بالتشديد على حال ما إذا كان أيامها دون العشرة والقراءة بين القراءة بالنصب الذي يجعل الرجل عطفاً على المغسول، والقراءة بالخفض الذي يجعل الرجل عطفاً على المسحوق (ثم) تنتفي هذه المعارضة بأن تحمل القراءة بالخفض على حال ما إذا كان لا بسا للخلف بطريق أن الجلد الذي استتر به الرجل يجعل قائماً مقام بشرة الرجل فإنما ذكر الرجل عبارة

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عنه بهذا الطريق والقراءة بالنصب على حال ظهور القدم فإن الفرض في هذه الحالة غسل الرجلين عينا . [أصول السرخسي: ٢٠٢٢]

﴿ وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَىٰ فَاعْتَزِلُوا مِنَ النِّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ [البقرة: ٢٢٢]

”وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ تکلیف ہے، لہذا حیض کے دوران تم عورتوں سے دور رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں غسل نہ کر لیں، ان کے قریب نہ جاؤ۔ پھر جب وہ بالکل پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اس طرح آؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔“

## آیت کا معنی و مفہوم

اس آیت میں حیض کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یعنی دوران حیض بیوی سے صحبت جائز نہیں ہے۔ البتہ جماع کے علاوہ ساتھ رہنا، کھانا، پینا وغیرہ جائز ہیں۔ نیز یہ بھی بیان ہے کہ حائضہ عورت حیض سے کب پاک شمار ہوگی۔

## اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ یطہرن میں دو قراءتیں ہیں:

① يَطْهَرْنَ شعبہ، حمزہ، کسائی، خلف۔

② يَطْهَرْنَ باقی سب قراء۔ [مصحف القراءات العشر، سورة البقرة: ٢٢٢]

## معنی قراءات

دونوں قراءتوں کا معنی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

④ امام جصاص حنفی رحمہ اللہ (٣٢٠م) لکھتے ہیں:

”فنقول إن قوله: ﴿ يَطْهَرْنَ ﴾ إذا قرئ بالتخفيف فهو مستعمل على حقيقته فيمن كانت أيامها عسرا. فيجوز للزوج استباحة وطئها بمضي العشر. وقوله ﴿ يَطْهَرْنَ ﴾ بالتشديد وقوله: ﴿ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ ﴾ مستعملان في الغسل إذا كانت أيامها دون العشر .

[الجصاص، أحكام القرآن: ٣٥٠/١]

”پس ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ’يَطْهَرْنَ‘ جب مخفف پڑھا جائے تو وہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔ اس عورت کے حق میں جس کا خون دس دن پر بند ہوا ہو اس کے شوہر کے لئے دس دن گزرنے پر اس کے قریب جانا جائز ہوگا۔ یعنی عورت کیلئے جماع سے پہلے غسل ضروری نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول ’يَطْهَرْنَ‘ تشدید کے ساتھ اور اسی طرح ’فإذا تطهرن‘ غسل کے معنی میں استعمال ہوں گے، جب اس عورت کا خون دس دن سے کم پر بند ہوا ہو۔“

## مسئلہ کی دو صورتیں

پہلی صورت میں یہ عورت حیض سے پاک ہوگئی ہے، اور اس کا حکم اب حالت جنابت والا ہے۔ یعنی وہ نماز کیلئے تو غسل کرے گی لیکن صحبت کیلئے غسل ضروری نہیں۔ لیکن اگر دس دن سے کم پر خون بند ہوا ہو تو اس عورت کو صحبت سے

قبل غسل کرنا ضروری ہوگا۔ اس میں دراصل امام جصاص رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ دونوں قراءتوں کو اپنے معنی حقیقی پر استعمال کیا جا سکتا ہے لہذا معنی حقیقی ہی مراد لیا جائے گا۔

چنانچہ آگے لکھتے ہیں:

”ولا يكون فيه استعمال واحد من الفعلين على المجاز، بل هما مستملان على الحقيقة في الحالين“ [أيضا]

”اور اس میں دونوں فعلوں میں سے کسی ایک کا بھی مجازی معنی مراد نہیں ہوگا، بلکہ یہ دونوں اپنے حقیقی معنی میں دو مختلف حالتوں میں استعمال ہوں گے۔“

### تطبيق کا اصول اور طریقہ

دو متعارض دلیلوں کو دو حالتوں پر محمول کرنا تطبیق کا ایک طریقہ ہے، چنانچہ اصول السرخسی میں ہے:

”فأما المخلص بطريق الحال، فبيانه في قوله تعالى: ﴿وَلَا تُقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ﴾ بالتخفيف في إحدى القراءتين وبالتشديد في الأخرى، فبينهما تعارض في الظاهر، لأن حتى للغاية وبين امتداد الشيء إلى غاية وبين قصوره دونها منافاة..... ولكن باعتبار الحال ينتفي هذا التعارض.“ [أصول السرخسي: ۱۳۲-۱۹، نیز أصول الشاشي: ۵۰]

یعنی طریق حال کے ذریعہ سے تعارض کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اس اصول کے پیش نظر احناف کا مذہب بالکل واضح ہے۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

”اگر خون دس دن کے بعد منقطع ہو تو غسل سے پہلے بھی مباشرت جائز ہے، کیونکہ حیض دس دن سے زیادہ نہیں ہوا کرتا۔ البتہ غسل سے پہلے مباشرت کرنا مستحب اور مستحسن امر نہیں۔ کیونکہ قراءتہ تشدید کے مطابق ممانعت موجود ہے۔“

﴿وَلَا تُقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ﴾ جب تک کہ خوب پاک نہ ہو جائے، نفاظت و پاکیزگی کا کمال غسل ہی ہے۔“

[الهداية للمرغيناني: ۵۰/۱، ۵۱]

● مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

”جمع الحنفية بين القراءتين، وجعلهما كالأيتين..... ولما رأى سادتنا الحنفية أن ههنا قراءتين..... واحتاجوا للجمع بجعل كل واحد منهما آيةً مستقلةً، فحملوا الأولى على الانقطاع بأكثر المدة، والثانية لتمام العادة التي ليست أكثر مدة الحيض.“

[أحكام القرآن: ۴۱۴/۱]

”حنفیانے دو قراءتوں کو جمع کیا ہے اور ان کو دو آیتوں کی طرح شمار کیا ہے۔ اور جب ہمارے حنفی ائمہ نے دیکھا کہ اس مقام پر دو قراءتیں ہیں... اور وہ محتاج ہوئے اس بات کی طرف کہ دونوں قراءتوں کو مستقل آیت بنا کر جمع کیا جائے، تو انہوں نے پہلی قراءت کو اکثر مدت پر خون کے بند ہونے پر محمول کیا، اور دوسری قراءت کو اس عادت کے انقطاع پر محمول کیا جو اکثر مدت سے کم ہو۔“

لیکن امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں عورت کا جماع سے پہلے غسل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ

کتاب الأم میں ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قاری رشید احمد تھانوی

”وَأَبَانُ عَزْوِجِلٍ أَنْهَا حَائِضٌ وَأَمْرٌ أَنْ لَا تَقْرُبَ حَائِضٌ حَتَّى تَطَهَّرَ وَلَا إِذَا طَهَّرَتْ حَتَّى تَتَطَهَّرَ بِالْمَاءِ“ [كتاب الأم للشافعي: ۵۹/۱]

”اور اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ وہ عورت حائضہ ہے، اور یہ حکم دیا ہے کہ حائضہ سے جماع نہ کیا جائے، یہاں تک کہ وہ بالکل پاک نہ ہو جائے، نہ کہ اس وقت کہ جب اس کا صرف خون بند ہو جائے، یہاں تک کہ وہ غسل نہ کر لے۔“ نتیجہ قراءت یہ ہے کہ اس مقام پر دو قراءتوں کی بنا پر فقہی اختلاف پیدا ہوا ہے۔ احناف نے ان کو دو مختلف صورتوں پر محمول کیا ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قراءتوں کو ایک ہی معنی پر محمول کیا ہے۔

### ۳ وضوء میں پیر دھونے یا مسح کا مسئلہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدہ: ۶]

”اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو دھولو۔“

### اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ وَأَرْجُلَكُمْ میں دو قراءتیں ہیں:

- ۱ وَأَرْجُلَكُمْ 'نصب کے ساتھ' نافع۔ ابن عامر، کسائی، یعقوب، حفص۔
- ۲ وَأَرْجُلِكُمْ 'جر کے ساتھ' ابن کثیر، البوعمر، شعبہ، حمزہ، ابو جعفر، خلف [النشر لابن الجزري: ۲۵۲/۲]

### معنی قراءات

نصب والی قراءت پر اس آیت کا معنی بالکل واضح ہے۔ جروالی قراءت میں یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں أَرْجُلِكُمْ کا عطف کلمہ قرآنی برئوسکم پر ہو تو پیروں کا مسح مراد ہونا چاہیے۔ ائمہ اربعہ سمیت جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جروالی قراءت سے بھی پیروں کا دھونا ہی مراد ہے، مسح مراد نہیں ہے۔

[كتاب الفقه على المذاهب الأربعة للجزيري: ۸۵/۱-۱۰۳]

تاہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ملتا ہے کہ جروالی قراءت سے مسح علی الخفین مراد ہے۔

[تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۲۴۲-۲۴۹]

صرف اہل تشیع نے جروالی قراءت سے پیروں کا مسح ثابت کیا ہے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۷ھ) لکھتے ہیں:

”ومن أوجب من الشيعة مسحهما كما يمسح الخف فقد ضل وأضل، وكذا من جوز

مسحهما وجوز غسلهما فقد أخطأ.“ [ابن کثیر: ۲۶۱۲]

”اور شیعوں میں سے جنہوں نے پیروں کا مسح واجب کیا ہے، جیسے موزے پر مسح کیا جاتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور اسی طرح جنہوں نے مسح اور غسل دونوں کو جائز رکھا انہوں نے بھی غلطی کی ہے۔“

البتہ اگر پیروں پر موزے پہنے ہوئے ہوں تو جروالی قراءت سے مسح علی الخفین مراد ہو سکتا ہے۔

● امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”ہی محمولۃ علی مسح القدمین إذا كان عليهما الخفان قاله أبو عبد الله الشافعي .“ [ابن کثیر، حوالہ مذکور]

”اور بعض لوگوں نے اس کو مسح علی القدمین پر محمول بتایا ہے بشرطیکہ پیروں پر موزے پہنے ہوئے ہوں، یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔“

● امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

”ونحن نقرؤها وأرجلكم على معنى: فأغسلوا وجوهكم وأيديكم وأرجلكم وأمسحوا برؤوسكم“  
[کتاب الأم للشافعی: ۱/۲۷، نیز أحكام القرآن للشافعی: ۴۲۱]

”ہم اس کو نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس معنی میں کہ تم اپنے چہروں، ہاتھوں، اور پیروں کو دھوؤ، اور سروں کا مسح کرو۔“  
آگے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فاحتمل أمر الله تبارك وتعالى بغسل القدمين: أن يكون على كل متوضيء، واحتمل أن يكون على بعض المتوضئين دون بعض. فدل مسح رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على الخفين أنها على من الأخرين عليه إذا هو لبسهما على كمال طهارة.“ [الشافعی، حوالہ مذکور: ۵۰۱]

امام شافعی رحمہ اللہ نصب والی قراءت کی صورت میں مسح علی الخفین کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:  
”اللہ تعالیٰ کو پیروں کو دھونے کا حکم دو احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ حکم ہر وضو کرنے والے کیلئے ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ بعض وضو کرنے والوں کے لئے غسل کا حکم ہو اور بعض کیلئے نہ ہو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خفین پر مسح کرنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسح والا حکم اس آدمی کیلئے ہے، جس نے موزے پہن رکھے ہوں، بشرطیکہ ان کو کمال طہارت پر پہنا گیا ہو۔“

گویا امام شافعی رحمہ اللہ اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں نصب والی قراءت میں پیروں کو دھونے کا حکم ہے، لیکن یہ حکم تمام وضو کرنے والوں کیلئے نہیں ہے لہذا مسح علی الخفین کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

امام نسفی رحمہ اللہ (۷۱۰ھ) نے جر والی قراءت کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ پیروں کو دھوتے وقت پانی کا اسراف عام طور پر ہو جاتا ہے۔

لہذا اس کو مسموح پر معظوف کیا گیا اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ پیروں کو دھونے میں میانہ روی سے کام لیا جائے، اسراف نہ کیا جائے۔ [مدارك التنزيل للنسفي: ۴۳۰/۱]

● مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ (م ۱۴۲۱ھ) أحكام القرآن میں لکھتے ہیں:

”فالدليل على أن المراد الغسل دون المسح اتفاق الجميع على أنه إذا غسل فقد أدى فرضه.“ [أحكام القرآن: ۳۷۶/۱]

”غسل مراد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص پیروں کو دھولے اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔“



## دونوں قراءتوں میں تطبیق کا طریقہ

● امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”يجب استعمالهما على أعمهما حكماً وأكثرهما فائدة وهو الغسل.“ [أحكام القرآن

للجصاص: ۳۴۶/۲]

”یہ ضروری ہے کہ ان دونوں قراءتوں کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو حکم کے اعتبار سے زیادہ عام ہو، اور اس میں فائدہ

زیادہ ہو، اور وہ پیروں کا دھونا ہی ہے۔“

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

”بين القراءتين تعارض ظاهراً والحكم فيما ظاهراً تعارضاً إن أمكن العمل بهما وجب، وإلا عمل بالقدر الممكن، ولا يتأتى الجمع بين الغسل والمسح في عضو واحد في حالة واحدة؛ لأنه يؤدي إلى تكرار المسح لأن الغسل يتضمن المسح. والأمير المطلق لا يقتضي التكرار، فبقي أن يعمل بهما في حالتين توفيقاً بين القراءتين وعملاً

بالقدر الممكن.“ [فتح الباری لابن حجر: ۳۵۶/۱]

”دونوں قراءتوں میں ظاہری تعارض ہے، اور ظاہری تعارض والی چیز کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں پر عمل ممکن ہو تو یہ ہی

واجب ہوگا، ورنہ بقدر امکان دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہاں ایک عضو میں ’غسل‘ اور ’مسح‘ کو ایک ہی حالت میں

جمع نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس مسح کا تکرار لازم آتا ہے اس لئے کہ ’غسل‘، ’مسح‘ کو بھی شامل ہوتا ہے، جبکہ امر مطلق

تکرار کا تقاضا نہیں کرتا؛ لہذا یہی صورت باقی رہی کہ دونوں قراءتوں پر دو (مختلف) حالتوں میں عمل کیا جائے تاکہ

دونوں قراءتوں میں موافقت ہو اور بقدر امکان عمل بھی ہو جائے۔“

● اصول الشاشی میں ہے:

”ومنها أن النص إذا قرئ بقراءتين أو روي بروائيتين، كان العمل به على وجه يكون عملاً بالوجهين. أولى، مثاله: في قوله تعالى: ﴿وَأَرْجُلَكُمْ﴾ قرئ بالنصب عطفاً على

المغسول، وبالخفض عطفاً على الممسوح. فحملت قراءة الخفض على حالة

التخفيف، وقراءة النصب على حالة عدم التخفيف. وباعتبار هذا المعنى قال البعض:

جواز المسح ثبت بالكتاب.“ [أصول الشاشي: ۵۰]

یعنی نصوص کی مراد معلوم کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی آیت دو قراءتوں سے پڑھی جائے یا

کسی حدیث میں دو روایتیں ہوں، تو اگر اس طرح عمل کیا جائے کہ دونوں وجہ کے مطابق عمل ہو سکے تو یہ بہتر ہے۔ مثلاً:

قرآن شریف میں وامسحوا براء و سکم وأرجلكم دو طرح پڑھا گیا ہے۔ وارجلکم کلام کے زیر سے

پڑھا جائے تو مغسول پر عطف ہوگا اور لام کی زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو مسوح پر عطف ہوگا۔ پس حمل کیا قراءت

کسرہ کو موزہ پہننے کی صورت پر اور قراءت نصب کو جب کہ پاؤں میں موزہ نہ ہو اس پر۔ اسی بناء پر بعض مشائخ نے کہا

ہے کہ موزہ پر مسح کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔

## نتیجہ قراءت

کی اکثر مفسرین نے یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں جر جواری یعنی پڑوس اور قرب کی وجہ سے ہے۔

[مدارك التنزيل للنسفی: ۴۳۰/۱]

### ۴) عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹنے کا مسئلہ

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً صَبِغُوا طَيِّبًا فَمَا مَسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ﴾ [النساء: ۴۳]

”اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں، یا تم میں سے کوئی شخص جائے ضرورت سے آیا ہے، یا تم عورتوں کے پاس گئے پھر تمہیں پانی نہ ملے، تو پاک زمین کا ارادہ کرو پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ملو۔“

### اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ لمستم میں دو قراءتیں ہیں:

۱) لَمَسْتُمْ امام نافع ابن کثیر مکی۔ ابو عمرو بصری ابن عامر شامی، امام عاصم۔

۲) لَمَسْتُمْ امام حمزہ، کسائی اور امام خلف۔ [النشر لابن الجزری: ۲/۲۵۰]

ایک قراءت مجرد سے ہے اور ایک قراءت باب مفاعله سے ہے، جو کہ جانبین سے ہوتا ہے۔

### توجیہ قراءات

● امام ابن خالویہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

”فالحجة لمن أثبتها (أى الألف) أنه جعل الفعل للرجل والمرأة، ودليله: أن فعل الاثنين لم يأت عن فصحاء العرب إلا 'بفَاعَلْتُ' وبالمفاعلة. وأوضح الأدلة على ذلك قولهم: جامعَتُ المرأة، ولم يُسمع منهم جَمَعْتُ. والحجة لن طرفها: أنه جعلها فعلا للرجل دون المرأة. ودليله قوله تعالى: ﴿إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [الأحزاب: ۴۹] ولم يقل: ناكحتنم“ [الحجة لابن خالويہ: ۶۲]

”جنہوں نے اس کو اثبات الف سے پڑھا ہے۔ ان کے نزدیک یہ مرد و عورت کا فعل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فصیح عربوں کے ہاں دو افراد کا فعل باب مفاعله سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس پر واضح ترین دلیل عربوں کا قول جامعَت المرأة ہے۔ اس صورت میں جمع کسی سے نہیں سنا گیا۔ اور جن لوگوں نے الف کو حذف کر کے پڑھا ہے، ان کے نزدیک یہ صرف مرد کا فعل ہے، عورت صدور فعل میں شامل نہیں۔ اور اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: 'إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ' [الأحزاب: ۴۹] ہے۔ اس آیت میں بھی فعل کی نسبت صرف مرد کی طرف کی گئی ہے، اور باب مفاعله سے تعبیر نہیں کیا گیا۔

### لمس کا مرادى معنى

اس آیت میں کلمہ لامستم کے مرادى معنى میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔ لہذا عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹتا ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے بالکل وضوء نہیں ٹوٹتا۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے ہر حال میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب قریب قریب

قاری رشید احمد تھانوی

ہے اور وہ یہ کہ اگر شہوت کے ساتھ عورت کو چھوا جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اور اگر بغیر شہوت کے چھوا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ [أحكام القرآن: ۲۷۲، کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة: ۱۳۳۱، ۱۳۸]

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے:

”لگنے اور چھونے سے بطور کنایہ جماع مراد ہے... اس صورت میں جنابت بمعنی انزال ہوگا بمعنی جماع نہ ہوگا۔ وگرنہ عطف صحیح نہیں ہوگا۔ امام اعظم کے مسلک پر آیت کا توضیحی مطلب اس طرح ہوگا کہ اگر تم جنبی ہو یا تم کو انزال ہو گیا ہو، بیماری کی حالت ہو یا سفر کی یا بول و براز وغیرہ سے تمہارا وضو ٹوٹ گیا ہو، یا بغیر انزال کے تم نے جماع کیا ہو تو تیمم کر سکتے ہو۔“ [تفسیر مظہری: ۱۰۰/۳]

اسی طرح کتاب الأم للشافعی میں ہے:

”وإذا أفضى الرجل بيده إلى امرأته أو ببعض جسده إلى بعض جسدها لا حائل بينه وبينها، بشهوة أو بغير شهوة وجب عليه الوضوء ووجب عليها، وكذلك إن لمسته هي ووجب عليه وعليها الوضوء“ [كتاب الأم للشافعی: ۱۶، ۱۵۱]

”اور جب کوئی آدمی اپنا ہاتھ اپنی بیوی کو لگا دے یا اپنے جسم کو اس کے جسم سے ایسے لگائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، شہوت کے ساتھ یا بغیر شہوت کے، تو دونوں پر وضو واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت مرد کو چھوئے تو بھی دونوں پر وضو واجب ہو گیا۔“

## معنی قراءات

● مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹۴ھ) لکھتے ہیں:

”وأما قوله تعالى: ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ فأرجح التفسيرين له هو الجماع وهو مروي عن حبر الأمة بحر الملة سيدنا عبد الله ابن عباس .“ [أعلاء السنن لظفر أحمد عثمانی: ۱۱۰/۱]

اس کی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں:

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سویا کرتی تھیں اور میرے پاؤں قبلے کی طرف ہوتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، تو مجھے دبا دیتے تو میں اپنی ٹانگیں پھینچ لیتی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو میں ان کو دوبارہ پھیلا لیتی۔“

[الجامع الصحيح للبخاري: ۵۶۱]

گو یا بس سے مراد اگر ہاتھ سے چھونا ہوتا تو پھر تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ وضو فرماتے۔

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول منقول ہے:

”الملاسة ما دون الجماع بأن مس الرجل جسد امرأته بشهوة ففيه الوضوء .“

[أحكام القرآن للقرطبي: ۲۲۴/۵]

اس کے بارے میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وقد اختلف في الاحتجاج به .“ [ظفر أحمد عثمانی: حوالہ مذکور]

”اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔“



نیز ایک روایت میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔“ [ایضاً: ۱/۱۰۹، نیز آثار السنن لمحمد

بن علی النیموی: ۳۶]

اس مذکورہ آیت کے کلمہ المستم میں فقہاء احناف کے نزدیک دونوں قراءتوں سے جماع ہی مراد ہے۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہوتی ہیں۔ اور یہاں ان دونوں قراءتوں کا معنی بھی مختلف ہے، لہذا ان دونوں معانی میں تطبیق ہونی چاہیے۔

① امام بھصا رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں۔

”إن حملہ علی الجماع یفید معنیین: أحدهما إباحة التیمم للجنب فی حال عوز الماء، والآخر أن إلتقاء الختانیین دون الإنزال یوجب الغسل. فكان حملہ علی الجماع أولى من الاقتصار به علی فائدة واحدة وهو كون اللمس حدثا.“ [أحكام القرآن للجصاص: ۳۷۲، ۳۷۳]

”اس لفظ کو جماع کے معنی پر محمول کرنا دو معانی کا فائدہ دیتا ہے:

① جنبی کیلئے تیمم کا جواز پانی نہ ملنے کی صورت میں۔

② اگر إلتقاء ختانیین انزال کے بغیر ہو جائے تو اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

لہذا اس کو جماع پر محمول کرنا ایک فائدے پر (جو کہ لمس عورت کا ناقض وضوء ہونا ہے) اکتفا کرنے سے بہتر ہے۔“

آگے امام بھصا رحمہ اللہ نے دونوں قراءتوں کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ جو قراءت مفاعله سے ہے اس کا حقیقی معنی تو جماع ہی بنتا ہے۔ البتہ مجرد والی قراءت دو معانی کا احتمال رکھتی ہے:

**الف:** لمس بالید (ہاتھ سے چھونا) **ب:** جماع (ہم بستری کرنا)

لہذا اس قراءت کو بھی مفاعله والی قراءت کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان دونوں قراءتوں کو دو آیتوں کے طور پر دو الگ الگ معنی پر محمول کرنا چاہیے۔ یعنی ایک قراءت سے جماع کا ناقض وضوء ہونا ثابت ہو جائے، اور دوسری قراءت سے لمس بالید کا ناقض وضوء ہونا ثابت ہو جائے۔ اس کا جواب امام بھصا یوں دیتے ہیں:

”فقہاء کو یہ معلوم تھا کہ یہاں دو متواتر قراءتیں ہیں اس کے باوجود کسی نے بھی اس مقام پر اس کا اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ قراءت کوئی بھی ہو دو معانی میں سے ایک ہی مراد ہے۔“ [الجصاص: حوالہ مذکور]

کیونکہ تفسیر اصول ہے کہ متشابہ کو محکم کے اوپر محمول کیا جاتا ہے۔ [ایضاً]

## نتیجہ قراءات

اس مقام پر دو قراءتیں ایک ہی معنی پر محمول ہوں گی۔ اور باب مفاعله والی قراءت کا معنی چونکہ متعین ہے اور مجرد والی قراءت کا معنی محتمل ہے۔ لہذا باب مفاعله والی قراءت پر ہی حکم کا مدار ہوگا۔

## ⑥ مسجد حرام میں قتل و قتل کا مسئلہ

﴿وَلَا تُقْتَلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا فِيهِ فَإِنْ قُتِلُوا فَتَمَتُّوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ﴾

[البقرة: ۱۹۱]

”اور تم مسجد حرام میں مشرکین سے قتال نہ کرو (یعنی حرم کے پاس) جب تک کہ وہ تم سے نہ لڑیں اس جگہ، پس اگر وہ لڑیں تو تم ان کو قتل کرو، یہ ہی نافرمانوں کی سزا ہے۔“

## اختلاف قراءات

اس آیت میں صیغہ قتال چار دفعہ استعمال ہوا ہے جن میں سے پہلے تین میں دو دو قراءتیں ہیں:

- ۱ باب مفاعلہ سے حمزہ، کسائی، خلف کے علاوہ سب قراء
- ۲ باب نصر مجرد سے حمزہ، کسائی، خلف۔ [النشر لابن الجزری: ۲/۲۲۷]

## معنی قراءات

صیغہ مجرد والی قراءت کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں: اس تقدیر پر یہ الفاظ قتل سے ہونگے مقاتلہ سے نہ ہونگے اور معنی یہ ہونگے کہ مت قتل کرو بعض کفار کو جب تک وہ قتل کریں تم میں سے بعض کو۔ باقی قراء نے اول کے تین مقامات میں الف سے پڑھا ہے اور آخر میں الف کے بغیر پڑھا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ بلد حرام میں قتال کی ابتداء کرنا حلال نہ تھی پھر اس آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ [البقرة: ۱۹۳]

”اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد۔“

آگے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اس آیت کا حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے۔ قتال کی ابتداء کرنا حرام میں

اب بھی ویسے ہی حرام ہے۔ [تفسیر مظہری: ۳۶۲/۱]

اس قول کی تائید یہ حدیث کرتی ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دن باحرمت کیا ہے۔ اس لئے قیامت تک اللہ کا حرام کردہ حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کو اس میں قتل و قتال کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے واسطے بھی دن کی ایک ساعت کے لئے صرف حلال ہوا ہے اس کے بعد بدستور قیامت تک حرام ہے یہاں کی گھاس، کاٹا وغیرہ نہ کاٹا جائے، نہ یہاں کا شکار بھگا جائے۔“ [صحیح البخاری: ۲۳۷۱/۱]

● امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

”فَإِنْ قُرِئَ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ فَالْمَسْأَلَةُ نَصٌّ، وَإِنْ قُرِئَ وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ فَهُوَ تَنْبِيْهُ؛ لِأَنَّهُ إِذَا نَهِيَ عَنِ الْقِتَالِ الَّذِي هُوَ سَبَبُ الْقِتَالِ كَانَ دَلِيلًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلَى النِّهْيِ عَنِ الْقِتَالِ.“

[أحكام القرآن للقرطبي: ۳۵۲/۲]

یعنی اگر اس صیغہ کو مجرد سے پڑھا جائے تو پھر معنی بالکل واضح ہے۔ اور یہ معنی مندرجہ ذیل آیت کے بالکل موافق

ہے: ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ [آل عمران: ۹۷]

اور اگر اس صیغہ کو مفاعلہ سے پڑھا جائے تو پھر بقول امام قرطبی رحمہ اللہ یہ آیت اس بات کے اوپر تنبیہ ہے کہ مسجد حرام میں قتال ممنوع ہے، جو کہ قتل کا سبب بنتا ہے، تو قتل بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔ چنانچہ اس بارے میں تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد حرام میں قتال ممنوع ہے لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام میں حدود اور قصاص کی بنا پر قتل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام میں قصاص لینا جائز ہے اور حد کے طور پر قتل کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حرم میں حدود نافذ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ان کا یہ مذہب مذکورہ آیت میں مجرد والی قراءات کے بالکل موافق ہے۔

[فتح القدیر للشوکانی: ۱۹۱/۱]

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو مذکورہ آیت کی دوسری قراءت سے تائید ملتی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة: ۱۹۱]

### نتیجہ قراءات

اس آیت میں دو قراءتوں کی بناء پر حکم میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے جو رائے اختیار کی ہے اس میں اختلاف قراءات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔



### قراءات ثلاثہ سے متعلق وضاحت

ماہنامہ رشد حصہ دوم میں ڈاکٹر صلاح الدین ثانی نے اپنے مضمون 'قراءات کی حجیت، اہمیت اور اُمت کا تعامل' میں قراءات ثلاثہ کو شاذ قرار دیا ہے۔ یہ موقف اجماع اُمت کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں صحیح موقف جاننے کیلئے مجلہ ہذا میں مولانا محمد اسلم صدیق کے مضمون 'قراءات شاذہ اور ثبوت قرآن کا ضابطہ' کی طرف رجوع کیا جائے۔ [۱۵: ۵]

## شائقین قرآن کے لیے عظیم خوشخبری

كلية القرآن الكريم والعلوم الإسلامية (جامعہ لاہور الاسلامیہ) کا

خدمات قرآن کے سلسلہ میں ایک اور نمایاں قدم

مدیر کئیۃ القرآن الکریم ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی آواز میں دنیا بھر میں

اپنی نوعیت کا منفرد قراءات عشرہ متواترہ پر مشتمل پہلا ریکارڈ شدہ قرآن

### المصحف المرتل بالقراءات العشر

سعودی عرب، کویت اور مصر سے اشاعت کے بعد اب پاکستان میں بھی سی ڈی کی صورت میں دستیاب ہے۔

یہ مصحف موصوف کی دولة الكويت میں صلوة التراويح وقيام الليل میں تلاوت کے دوران ریکارڈ کیا گیا، جو درحقیقت مشروع الجمع الصوتی الأول للقرآن الکریم بالقراءات العشر کی تمہیدی کاوش ہے۔

مذکورہ مشروع پر پچھلے تین سال سے کویت میں کام جاری ہے، جو کہ ۲۰ متعدد روایات پر مشتمل قرآن کریم کی مکمل ریکارڈنگ کی صورت میں آئندہ چند سالوں میں منظر عام آجائے گا۔ ان شاء اللہ

#### برائے رابطہ

دفتر کئیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

۹۹ رجبے بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور

## اعلانِ مسرت

جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)، نیوگا رڈن ٹاؤن لاہور میں شیخ القراء قاری محمد یحییٰ رسولنگری، شیخ القراء قاری محمد ادریس العاصم اور شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی عرصہ سات ماہ قبل قراءات عشرہ کبریٰ (عہدہ طریقہ الطیبیہ) کی تدریس کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے۔ درس نظامی کے آٹھ سالوں میں دیگر علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سال میں تجوید، آئندہ چار سالوں میں قراءات عشرہ صغریٰ بمع علوم القراءات اور آخری دو سالوں میں قراءات عشرہ کبریٰ کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔ جامعہ میں تدریس قراءات عشرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ حصول سند کے لیے مکمل قرآن کریم کے اجراء کو جمع الجمع کے ساتھ مکمل کرنا ضروری ہے۔

### نصاب

- \* طیبۃ النشر از حافظ ابن جزری کی مکمل تحلیل و تشریح
- \* تحریرات متوتی کے ساتھ عشرہ کبریٰ میں مکمل قرآن کریم کا اجراء
- \* تنقیح فتح الکریم از الشیخ احمد عبدالعزیز زیات کی مکمل توضیح و تشریح

منجانب: حافظ عبدالرحمن مدنی، رئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ..... ڈاکٹر حافظ حسن مدنی، مدیر التعليم



ڈاکٹر نبیل ابراہیم

ڈاکٹر نبیل ابراہیم\*  
ترجمہ و اضافہ: عمران اسلم\*

## دعلم قراءات کی خبری اصطلاحات؛..... ایک تعارف

دین کتاب و سنت پر مشتمل ہدایت نامہ کا نام ہے، جسے اہل نقل نے اپنی روایت کے ذریعے ہم تک پہنچایا ہے۔ ناقلین قرآن کی روایت تلقینی و تلاوت کے ذریعے اور ناقلین حدیث کی روایت تخیل و ادا کے ذریعے ہم تک موصول ہوئی ہے۔ نقل قرآن کو اصطلاح قراء میں 'قراءۃ' اور نقل سنت کو اصطلاح محدثین میں 'حدیث' کہا جاتا ہے۔ اہل علم نے روایت کو پرکھنے کے حوالے سے جو فن پیش کیا ہے اس میں کتاب و سنت اور سلف صالحین کے متفقہ تعامل میں ذکر کردہ تصورات کو اصطلاحات کی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ علم روایت کی حدیثی اصطلاحات سے تو اہل علم واقف ہیں ہی، البتہ نقل قرآن یعنی علم القراءات کی روایتی اصطلاحات سے علماء عام طور پر واقف نہیں ہوتے۔ قراء کرام کی نقل و روایتی اصطلاحات علوم القرآن کی متعدد کتب میں متفرق طور پر موجود ہیں۔ اس موضوع کے حوالے سے زیر نظر تحریر ڈاکٹر نبیل ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب علم القراءات نشأتہ، أطوارہ، أثرہ فی العلوم الشرعیۃ سے ماخوذ ہے، جس میں مترجم نے الإتقان فی علوم القرآن از جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے چند اصطلاحات کا مزید اضافہ بھی کر دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصطلاحات المحدثین کی طرح قراء کرام کی خبری اصطلاحات کو بھی کوئی صاحب علم یکجا کر کے علم و تحقیق کی دنیا میں پیش فرمائے۔ [ادارہ]

اس مضمون کا بنیادی موضوع چونکہ متنوع قراءات قرآنیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ احرف سبعہ، قراءات اور ان سے متعلقہ اساسی 'خبری و نقلی اصطلاحات' کی تعریفات کو یکجا کیا جائے، چنانچہ ہم اختصار کے ساتھ قراءات اور اس سے متعلقہ 'نقلی و خبری اصطلاحات' کو جمع تعریفات ذکر کرتے ہیں۔

### قرآن

**لغۃ:** لفظ قرآن مادہ ق ر ا سے مشتق ہے۔ یہ فعلان کے وزن پر قراءۃ کے مرادف مصدر ہے۔ اس کے دو معانی بیان کیے گئے ہیں:

① الجمع والضم بمعنى قراءۃ ② التلاوة

**اصطلاحاً:** علماء کرام کی طرف سے قرآن کریم کی متعدد تعریفات سامنے آئی ہیں ان میں سے اقرب الی

الصواب یہ ہے:

"هو كلام الله تعالى المعجز المنزل بواسطة جبریل علی محمد المحفوظ فی الصدور،

المکتوب فی المصاحف، المنقول بالتواتر، المتعبد بالتلاوة، المبدوء بسورة الفاتحة، المختوم بسورة الناس۔ [إرشاد الفحول: ۲۹، مناہل القرآن: ۲۴۱/۱۷۱]

”قرآن کریم ایسا معجزانہ کلام ہے جو بواسطہ جبریل علیہ السلام پر نازل ہوا، سینوں میں محفوظ ہے، مصاحف میں مکتوب ہے اور تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے، سورة الفاتحة سے اس کی ابتداء ہوتی ہے اور سورة الناس پر خاتمہ ہوتا ہے۔“

## أحرف سبعة

**لغة:** أحرف حرف کی جمع ہے اور یہ مادہ ح ر ف سے مشتق ہے۔ یہ لفظ وجہ اور کنارے کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ فرمان الہی ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ [الح: ۱۱]

”اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔“ یہاں پر حرف سے مراد کنارہ ہے۔ لفظ سبعة بھی مادہ س ب ع سے مشتق ہے جو دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے:

① یہ کہ سبعة سے معین عدد سات ہی مراد ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَبِئْسَ الَّذِي سَبَعَهُ إِذَا رَجَعْتَ إِلَىٰ كَوْمِكَ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ [البقرة: ۱۹۶]

”جو تم میں سے حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اٹھائے، وہ حسب مقدور قربانی دے، اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات گھر پہنچ کر، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔“

② یہ کہ اس سے تعدد اور کثرت مراد ہے: قوله تعالى:

﴿إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ [التوبة: ۸۰]

”(اے نبی ﷺ!) اگر تم ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔“

**اصطلاحاً:** علماء کرام کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا نزول سات حروف پر ہوا ہے، کیونکہ متعدد احادیث مبارکہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ البتہ سبعة أحرف کے مفہوم و معنی میں اختلاف رونما ہوا ہے۔ (اس حوالہ سے تفصیلی مضامین رشد قراءات نمبرز میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں)

## قراءات

’قراءات‘ قراءۃ کی جمع ہے اور لغةً لفظ قراءۃ مادہ ق ر ا سے مشتق، اور ’فعالة‘ کے وزن پر ہے۔ قراءات کی متعدد تعریفات ذکر کرنے کے بعد صاحب مضمون نے قراءات کی وضاحت میں دو مذاہب بیان کیے ہیں۔

① يعتبر أن القراءات ذات مدلول واسع، فهي تشمل الحديث عن ألفاظ القرآن المتفق عليها والمختلف فيها.

”قراءات کا مدلول بہت وسیع ہے، جس میں متفق علیہ اور مختلف فیہ الفاظ قرآنی شامل ہیں۔“

اس مذہب کے قائل ابن الجزری رحمہ اللہ وغیر ہم ہیں۔

② أن مفهوم القراءات مقصور على ألفاظ القرآن المختلف فيها.

”قراءات کا مفہوم قرآن کریم کے الفاظ مختلفہ تک منحصر ہے۔“

## الروایات

**لغۃ:** روایت کی جمع ہے اور یہ کلمہ مادہ ’ر و ی‘ سے مشتق ہے۔ یہ لفظ دو طرح کی دلالت کے لیے استعمال ہوتا ہے:

① حمل الشیء ② النقل

**اصطلاحاً:** ہی کل خلاف مختار ینسب للراوی عن الإمام مما اجتمع علیہ الرواة.

[سراج القاری، لابن القاصح: ۱۳، والإتحاف: ۱۸، ۱۷]

”اس سے اختیار کردہ وہ اختلاف مراد ہے جو امام سے راوی کی طرف منسوب ہو اور اس پر تمام رواۃ جمع ہوں۔“  
روایات کا مصدر وحی ہے روایات میں قراء کرام کے لیے صرف اور صرف نقل ہے۔

## الطرق

**لغۃ:** طرق طریق کی جمع ہے اور یہ کلمہ مادہ ’ط ر ق‘ سے مشتق ہے اور یہ لفظ ایسے وسیع راستے کے لیے بولا جاتا ہے جس پر سے لوگ گزرتے ہیں۔

**اصطلاحاً:** کل خلاف مختار ینسب للآخذ عن الراوی [الشر: ۱۹۹/۲]

”اسی سے وہ مختار اختلاف مراد ہے جو راوی سے آخذ کرنے والے کی طرف منسوب ہو۔“  
یاد رہے کہ طرق کا مصدر بھی وحی ہی ہے۔

## أوجه

**لغۃ:** أوجه وجہ کی جمع ہے جو کہ ’وج‘ سے مشتق ہے اور یہ لفظ ظہور، بدور، جانب، جہت، ناحیہ، نوع اور قسم کے لیے بھی مستعمل ہے۔

**اصطلاحاً:** اس سے مراد وہ اختلاف ہے جو قراء کے اختیار کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ [الاتقان: ۲۰۹/۱]

## الإختیار

**لغۃ:** یہ لفظ مادہ ’خ ی ر‘ سے مشتق ہے۔ اور اصطفاء، انشاء اور تفضیل پر دلالت کرتا ہے۔

**اصطلاحاً:** اس سے مراد ایسی صورت یا وجہ ہے جس کو قاری نے مرویات یا راوی نے مسموعات یا راوی سے آخذ کرنے والے نے محفوظات میں سے اختیار کیا ہو۔ یہ تمام لوگ اپنے اختیار میں مجتہد ہیں۔ حقیقی طور پر قراء، رواۃ اور ان سے آخذ کرنے والے جمع مرویات سے اُسے اختیار کرتے ہیں جس کو انہوں نے سنا ہوتا ہے۔

## قراءات کی اقسام

قراءات قرآنیہ کو مختلف اعتبارات سے متعدد اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہم ان میں سے قبول ورد، سند اور معنی کے یکساں اور مختلف ہونے کے اعتبار سے اہم اقسام کی وضاحت پیش کرتے ہیں:

### ① قبول ورد کے اعتبار سے قراءات کی اقسام

قبول ورد کے اعتبار سے قراءات کی دو قسمیں ہیں:

علم قراءات کی خبری اصطلاحات

① قراءت مقبولہ ② مردودہ

① مقبولہ

**الف تعریف**

اس سے مراد ہر وہ قراءت ہے جس کی سند صحیح ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کے موافق ہو اگرچہ وہ موافقت احتمالاً ہی ہو، اور لغت عرب میں کسی وجہ کے موافق ہو۔

امام ابن جزری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

فَكُلُّ مَا وَافَقَ وَجَهَ نَحْوِ  
وَصَحَّ إِسْنَادًا: هُوَ الْقُرْآنُ  
وَحَيْثُمَا يَخْتَلُ رُكْنٌ أَثْبِتْ  
وَكَانَ لِلرَّسْمِ احْتِمَالًا يَحْوِي  
فَهَذِهِ الثَّلَاثَةُ الْأَرْكَانُ  
شُدُودُهُ لَوْ أَنَّهُ فِي السَّبْعَةِ  
[طبيعة النشر: ۳]

**ب قراءات مقبولہ کے ضوابط**

علماء کرام نے قراءات مقبولہ کے لیے چند معیارات اور ضوابط وضع کیے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے قراءات کی اس قسم کو دیگر اقسام سے ممتاز کیا جاسکے۔ قراءات مقبولہ کے ضوابط مقرر کرنے والوں میں ابن مجاہد، ابن خالویہ، مکی بن ابی طالب، ابوشامہ، کواشی اور ابن الجزری رحمہم اللہ جیسے نام شامل ہیں۔

علماء کے وضع کردہ قواعد کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا کلام تین قواعد پر مشتمل ہے۔

① ضابطۃ السند ② ضابطۃ الرسم ③ ضابطۃ العربیۃ

① ضابطۃ السند

علماء قراءات نے قراءت کو قبول کرنے کا ایک ضابطہ یہ مقرر کیا ہے کہ اس کا صحت اسناد کے ساتھ ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں بعض علماء تواتر کی شرط لگاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو تواتر یا شہرہ کو شرط قرار دیتے ہیں جبکہ بعض علماء تواتر، شہرت یا اس کے آحاد ہونے کو شرط گردانتے ہیں۔ میرے خیال میں تواتر کی شرط ہی صحیح شرط ہے۔

② ضابطۃ الرسم

علماء قراءات نے قراءت کو قبول کرنے کی ایک شرط یہ مقرر کی ہے کہ وہ مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے موافق ہو، اگرچہ وہ موافقت احتمالاً ہی ہو۔ کیونکہ یہ موافقت بسا اوقات صریح اور ظاہر ہوتی ہے اور بسا اوقات احتمالی یا مقدر۔

اس کی ایک مثال فرمان الہی: ﴿مَلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ﴾ [الفاتحہ: ۳] کی ہے۔ اس میں کلمہ 'مَلِكٌ' الف کے بغیر پڑھا جاتا ہے۔ یہ قراءت مصحف کے خط صریح اور ظاہراً موافق ہے، جبکہ الف کے ساتھ قراءت مصحف کے ساتھ

احتمالی طور پر موافقت رکھتی ہے۔ [النشر لابن جزری: ۱۱۷]

### ۳ ضابط العربیة

علماء قراءات نے قراءت کے قبول کے لیے عربی کی کسی ایک وجہ کی موافقت کو بھی لازمی شرط قرار دیا ہے۔ برابر ہے کہ یہ وجہ فصیح ہو یا ایسی اُفح جس پر اجماع کیا گیا ہو یا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارئِكُمْ﴾ [البقرة: ۵۳] کی ہے، کلمہ 'بَارئِكُمْ' کی قراءت ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ قراءت ابن کثیر، نافع، عاصم، ابن عامر، حمزہ اور کسائی کی ہے۔ اور عربی میں یہ وجہ مشہور ہے جبکہ 'بَارئِكُمْ' ہمزہ کے سکون اور اختلاس الحركۃ کے ساتھ یہ قراءت ابو عمرو کی ہے۔ یہ وجہ پہلی وجہ سے کم مشہور ہے۔ اس قاعدے کی رو سے دونوں مذکورہ قراءتیں صحیح اور مقبول ہیں۔

یاد رہے کہ ہمارا عربی کی کسی وجہ کی موافقت کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم نے لغت عرب کو قرآن پر حاکم بنا دیا ہے۔ لیکن قرآن لغت عرب پر نازل ہوا ہے اور یہ محال ہے کہ اس میں کسی ایسی چیز کا وجود ہو جو مجمع علیہ قواعد اصلیہ کے مخالف ہو۔

### ج قراءات مقبولہ کی اقسام

① قراءات متواترہ ② قراءات مشہورہ

ایسی قراءات آحاد جو عربی وجہ کے موافق ہوں، ان کی سند صحیح ہو اور اس میں کسی قسم کا علت و شذوذ نہ ہو اور رسم کے مخالف نہ ہو۔

### د اس کا حکم

قراءات متواترہ اور مشہورہ بالاتفاق قرآن ہیں، نماز میں، اور بطور عبادت ان کی تلاوت کی جائے گی اس میں معجزہ اور چیلنج کا پہلو پایا جاتا ہے اور ان کا انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا۔  
ایسی قراءات آحاد جو عربی وجہ کے موافق ہو، اس کی سند صحیح ہو، اس میں کسی قسم کا علت و شذوذ نہ ہو اور رسم صحف کے مخالف ہو۔ یہ قراءت مقبولہ ہوگی اور آحاد ہونے کی وجہ سے اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ اس رسم کے مخالف ہے جس پر اجماع منعقد ہوا ہے، اور اس کی صحت کو قطعیت حاصل نہیں ہے۔ ایسی قراءت کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے انکاری کو کافر بھی نہیں کہا جائے گا۔ [الإبانۃ للمکی: ۵۷، ۵۹، والتشر لابن جزري: ۱۲۱] ان تمام انواع کی امثلہ سند کے اعتبار سے قراءات کی اقسام کے ذیل میں ذکر ہوں گی۔

### ② قراءت مردودہ

### الف تعریف

ایسی قراءت جس میں قراءت مقبولہ کے قواعد میں سے کوئی قاعدہ ٹوٹ جائے وہ قراءت مردودہ کہلائے گی۔

### ب قراءت مردودہ کے ضوابط

قراءت مردودہ کے ضوابط قراءت مقبولہ کے ذکر کردہ ضوابط کے برعکس اور مخالف ہیں۔

## الف ضابط السند

ایسی قراءت جس کی سند غیر صحیح ہو وہ قراءت مردودہ ہے، کیونکہ اس میں صحت سند کی شرط ناپید ہے۔ اس کی مثال حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی قراءت 'ملك يوم الدين' کی ہے۔ [مختصر فی شواذ القرآن: ۷۰]

## ب ضابط المتن

ہر وہ قراءت جو مصاحف عثمانیہ کے رسم کے مخالف ہو یا لغت عرب کی کسی وجہ کے مخالف ہو یا اس کا معنی کسی مقبول قراءت سے متضاد ہو تو وہ مردودہ قراءت کہلائے گی۔

مصاحف عثمانیہ کے رسم پر مخالفت کی مثال: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَبْحَةً وَجِدَّةً﴾ [یس: ۵۳] کی بجائے 'إِنْ كَانَتْ إِلَّا زَقِيَّةً وَاحِدَةً' کے الفاظ ہیں۔

لغت عرب کی کسی وجہ کی مخالفت کی مثال: فرمان الہی ہے: ﴿وَإِنْ أَدْرَىٰ أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۹] یہاں ابن بکار ایوب سے وہ بیگی سے وہ ابو عامر سے روایت کرتے ہوئے یاء کے فتح کے ساتھ 'أَدْرَىٰ أَقْرَبُ' پڑھتے ہیں۔

معنی کے اعتبار سے تسلیم نہ کی جانے والی قراءت کی مثال: وہ قراءت جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءَ" [فاطر: ۲۸] "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ علماء سے ڈرنے والے ہیں۔"

یہ قراءت معنی و مراد کے ہی خلاف ہے، کیونکہ علماء کرام ہی اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے لوگ ہیں نہ کہ خدائے بزرگ و برتر۔ جیسا کہ سلف صالحین کی جانب سے ذکر کیا گیا ہے کہ "من كان بالله أعرف كان منه أخوف" "جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ جاننے والا ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔"

## ج قراءت مردودہ کی اقسام

قراءت مردودہ کے قواعد کو قائم بند کرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی درج ذیل اقسام ہیں:

- ① قراءت آحاد جس کی لغت عرب میں کوئی وجہ نہ بنتی ہو۔
  - ② قراءت شاذہ ③ قراءت مدرجہ ④ قراءات موضوعہ
- جن کی تعریفات اور امثلہ بعد میں ذکر ہوں گی۔

## د قراءت مردودہ کا حکم

قراءت مردودہ کو قرآن شریف میں شمار نہیں کیا جائے گا اور صحیح رائے کے مطابق نہ تو اس کو نماز میں تلاوت کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے علاوہ عبادت کے طور پر۔ اور جمہور علماء کی رائے کے مطابق اسے نصوص کی تفسیر، احکام کے استنباط اور مدلول پر عمل کے اعتبار سے قبول کیا جائے گا، جب وہ سند کے اعتبار سے مقبول ہوگا، لیکن متن کی جہت سے اس کا رد کیا جائے گا۔ اسی طرح ان کا لغوی قضایا میں قبول کرنا جائز ہے۔ اور ان سے لغوی قواعد کا استنباط بھی درست ہے، کیونکہ یہ کم از کم ان اشعار سے تو زیادہ ثقہ ہیں جن کے قائلین مجہول ہیں۔ [النشر: ۱۲/۱، ۱۷، منجد المقرئین: ۱۲]

بسم اللہ

## قراءت کی اقسام

قراءت چھ اقسام میں منقسم ہے:

- |           |          |          |
|-----------|----------|----------|
| ① متواترہ | ② مشہورہ | ③ آحادیہ |
| ④ شاذہ    | ⑤ مدرجتہ | ⑥ موضوعہ |

ان کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

### ① قراءت متواترہ

**لغۃً:** تواتر کا معنی متتابع یعنی تسلسل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا﴾ [المؤمنون: ۲۴] ”پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔“ یعنی تسلسل کے ساتھ ایک ایک کر کے۔  
**اصطلاحاً:** ایسی قراءت جس کو شروع سے لے کر اخیر تک اتنی بڑی جماعت نے روایت کیا ہو جس کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو۔ [الاققان: ۲۴۱/۱]

### ② قراءت مشہورہ:

مشہورہ مادہ ’ش ہ ر‘ سے مشتق ہے اور اس کا لغوی معنی واضح اور ظاہر کرنا ہے۔  
**اصطلاحاً:** ایسی قراءت جس کی سند صحیح ہو لیکن درجہ تواتر کو نہ پہنچے اور عربی وجہ اور رسم مصحف کے موافق ہو۔ یہ قراءت کرام میں مشہور ہو اور انہوں نے اُسے غلط اور شذوذ میں سے شمار نہ کیا ہو۔ [الاققان: ۲۴۱/۱]  
مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا أَشْهَدُ تَهُمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [الکہف: ۵۱] اور ایک مشہور قراءت ﴿مَا أَشْهَدُ تَهُمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کی ہے۔  
اور ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَخَذُ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا﴾ [الکہف: ۵۱] میں ایک قراءت تاء کے فتح کے ساتھ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَخَذُ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا﴾ کی ہے۔ یہ دونوں قراءتیں ابو جعفر المدنی کی ہیں۔ اور یہ نوع بھی بلا اتفاق قرآن ہے۔

### ③ قراءت آحادیہ

آحاد لغۃً احد کی جمع اور مادۃ ’و ح د‘ سے مشتق ہے جس کا معنی اکیلا اور تنہا ہے۔  
**اصطلاحاً:** ایسی قراءت جس کی سند صحیح ہو، مصحف کے رسم یا عربیت میں سے ایک یا دونوں کے مخالف ہو اور قراءت کے ہاں مشہور نہ ہو۔  
سند صحیح اور رسم مصحف کی مخالفت کی مثال: جحدری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ہے: ”متکئین علی روفارف خضر و عباقری حسان“ [مختصر فی شواذ القرآن: ۱۵۰]  
صحت سند اور عربیت کی مخالفت کی مثال:

”ولقد مکنکم فی الأرض وجعلنا لکم فیہا معائش“ [مختصر فی شواذ القرآن: ۲۲]

یہاں ہمزہ کو باء سے بدلا گیا ہے، اصل لفظ ’معایش‘ کے ہیں۔

جس کی سند صحیح ہو لیکن شہرت حاصل نہ ہو: ”لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم“ فاء کے فتح اور سین کے کسرۃ

کے ساتھ۔

ان تینوں اقسام کو بطور عبادت تلاوت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ احتمال ہے کہ یہ عرضہ اخیرہ میں منسوخ کردی گئی تھیں یا پھر اجماع صحابہ کے ساتھ مصحف عثمانی میں رقم نہیں کی گئی تھیں۔ [الاتقان: ۲۳۰/۱]

ایسی قراءت جس کی سند صحیح ہو اور لغت عرب کی کسی وجہ کے موافق ہو لیکن رسم مصحف کے مخالف ہو، کی مثال: "والذکر والأنتیٰ" اور "وکان" "امامہم" ملک یاخذ کل سفینة "صالحة" غصباً، کی ہے۔ [النثر: ۱۴۶/۱]

**خلاصہ:** خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسی قراءت آحاد جو صحت سند کے ساتھ اور لغت عرب کی کسی وجہ کی موافقت کے ساتھ آئے، برابر ہے کہ رسم کے موافق ہو یا مخالف، تو یہ مقبول ہوگی اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جس (قراءت) کی سند صحیح ہو یا ضعیف لیکن عربیت میں اس کی وجہ موجود نہ ہو تو اگر وہ رسم مصحف کے موافق بھی ہوگی تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

### ۳ قراءات شاذہ

شذوذ مادہ "ش ذ ذ" سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی منفرد ہونے یا الگ ہونے کے ہیں۔

**اصطلاحاً:** اصطلاحی طور پر ایسی قراءت کو قراءت شاذہ کا نام دیا جاتا ہے جس کی سند صحیح نہ ہو یا رسم مصحف کے مخالف ہو یا پھر عربی لغت میں اس کی کوئی وجہ موجود نہ ہو۔ [الاتقان: ۲۳۲/۱]

اس کی مثال غیر ثقہ رواة ابن السمیعیف اور ابی السمال کی وہ قراءت ہے جس میں انہوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّیْكَ بَدَنًا﴾ [یونس: ۹۲] میں لفظ "نُنَجِّیْكَ" کو پہلے نون کے ضمہ دوسرے کے فتح اور حاء کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ "نُنَجِّیْكَ" پڑھا ہے۔

مخالفت عربیت اور رسم کی امثلاً گزر چکی ہیں۔ اس قسم کی قراءت کی بطور عبادت تلاوت نہیں کی جاسکتی، کیونکہ یہ ایسے طریق سے ہم تک نہیں پہنچی کہ اس پر اعتماد کا اظہار کیا جاسکے۔

### ۵ القراءۃ المدرجۃ

لغوی طور پر دراج 'درج' سے مشتق ہے جس کے معنی داخل کرنے کے ہیں۔

**اصطلاحاً:** قراءت مدرجہ سے مراد ایسی عبارت ہے جو کلمات قرآنیہ کے درمیان بطور تفسیر یا تعبیر داخل کی جائے۔ [الاتقان: ۲۳۳/۱]

اس کی مثال: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے: "وله أخ أو أخت "من أم"، "جامع البیان فی تفسیر القرآن: ۱۹۷/۴] یہاں 'من أم' کے الفاظ زائد ہیں۔

دوسری مثال: "لیس علیکم جناح أن تبتنغوا فضلاً من ربکم فی مواسم الحج" یہاں کلام ابن عباس میں فی مواسم الحج کے الفاظ مدرج کی مثال ہیں۔ اس قسم کو قراءت شمار نہیں کیا جائے گا اس کا اعتبار صرف راوی کی نسبت سے ہوگا۔



## ① قراءت موضوعہ

الوضع مادة 'وضع' سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی گھڑنے اور ایجاد کرنے کے ہیں۔  
**اصطلاحاً:** اس سے مراد ایسی قراءت ہے جو اس کے قائل کی طرف بغیر اصل یعنی مطلق طور پر بغیر سند کے منسوب کی جائے۔ یا ایسی جھوٹی، خورد ساختہ اور من گھڑت روایت جو اس کے قائل کی طرف افتراء منسوب کی جائے۔

[الاتقان: ۲۳۳/۱]

مثال: اس کی مثال وہ قراءت ہے جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے جسے ابو محمد جعفر الخزازی نے جمع کیا اور ان سے ابوالقاسم الہذلی نے نقل کیا کہ انہوں نے ”إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“ [فاطر: ۲۸] لفظ 'اللہ' پر رفع اور 'العلماء' کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ درست قراءت ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر: ۲۸] ہے۔ اس قسم کو قراءت شاعرانہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے مفہوم میں دخول کی کوشش کی جائے گی اسے صرف راوی کی نسبت سے قراءت کا نام دیا جائے گا۔

## معنی کے متحد اور مختلف ہونے کے اعتبار سے قراءت کی اقسام

معنی کے اتحاد اور اختلاف سے متعلق قراءت کی دو قسمیں ہیں:

- ① قراءت متحدة المعنى  
 ② قراءات متعددة المعنى

## ① قراءت متحدة المعنى

اس سے مراد ایسی قراءت ہیں جن کے الفاظ مختلف اور معنی متفق ہیں۔ اس قسم میں اصول کے اعتبار سے مختلف قراءت شامل ہیں جیسا کہ مد کا اختلاف، تخفیف، ہمزات اور اظہار و ادغام وغیرہ اور اس طرح وہ قراءت جن میں فرقی اختلاف ہوتا ہے۔

اصول میں اختلاف کی امثلہ: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ [البقرة: ۳] یہاں پر 'يُؤْمِنُونَ' ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور ابدال کے ساتھ بھی۔

فرش میں اختلاف کی امثلہ: ﴿وَإِنْ يَأْتِوكُمْ أُسْرَىٰ تَفْدُوهُمْ﴾ [البقرة: ۸۵] یہاں پر امام حمزہ نے ہمزہ کے فتح، بغیر الف سین کے سکون کے ساتھ 'أُسْرَىٰ' پڑھا ہے، جبکہ ہمزہ کے ضمہ اور سین کے بعد الف والی قراءت باقی تمام عشرہ قراءت کی ہے۔

## ② القراءات المتعددة المعنى

یہ ایسی قراءت ہیں جن کے الفاظ اور معانی دونوں مختلف ہوں اور اس نوع میں معانی کا اختلاف تنوع کے باب سے ہے نہ کہ تضاد کے اختلاف کے باب سے، کیونکہ اختلاف تضاد قرآن کریم کی صریح نص کی نفی کرتا ہے۔

إرشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَقْلًا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانُوا مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾

[النساء: ۸۲]

”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔“

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ”لَوْ جَدُّوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا“ سے متعلق لکھتے ہیں:

”اس میں تین طرح کے اقوال ہیں:

- ① یہ کہ اس سے مراد تناقض ہے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کا موقف ہے۔
- ② یہ کہ اس سے مراد جھوٹ ہے۔

③ کلام کی بلاغت کے اعتبار سے نقص موجود ہوتا، کیونکہ جب کلام طویل ہو جائے تو عموماً اس میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ جبکہ قرآن بین فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار ہے۔ [زاد المسیر لابن جوزی: ۱۴۲، ۱۴۵]

اُرتنوع کا اختلاف صرف فرش میں موجود ہے اور زیادہ تر فرش بھی اسی نوع سے ہے۔

امثلہ: قوله تعالى: ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُونَ﴾ [الزخرف: ۵۷] یہاں پر نافع، ابن عامر اور کسائی کی قراءت صاد کے ضمہ کے ساتھ يُصِدُونَ ہے جبکہ باقی قراءت کی قراءت کسرہ کے ساتھ ہے۔

**پہلی قراءت کا معنی:** وہ اپنے غیر سے ان کے ایمان سے متعلق جھگڑا کرتے ہیں۔

**دوسری قراءت کا معنی:** کہ وہ اپنے نفس میں جھگڑا کرتے ہیں۔

اس قراءت سے یہ دونوں معانی مستنبط ہوتے ہیں۔ [حجۃ القراءات: ۶۵۲]

دوسری آیت: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ﴾ [ابراہیم: ۳۰] ہے۔

یہاں پر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے ”لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ“ یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

ان تمام تعریفات کے ذکر کرنے کے بعد ہم سند عالی اور سند نازل کی معرفت کی طرف چلتے ہیں اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں سند عالی اور سند نازل کی وضاحت ملاحظہ کرتے ہیں:

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اصحاب حدیث نے عالی اور نازل سند کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

① ایسی سند صحیح جو ضعف سے محفوظ ہو، اور اس میں عدد کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب ہو، یہ علوی سب سے بہتر قسم ہے۔ موجودہ دور میں سند عالی کی اس قسم میں ۱۴ واسطے موجود ہیں۔ اس کی نظیر قراءت میں، سیدنا ابن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ کی امام ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ یا ۱۵ واسطے موجود ہیں، قراءت میں اس کی مثال قراءت عاصم بروایت حفص اور قراءت یعقوب بروایت روایں ہیں۔

② محدثین کے ہاں علوی کی دوسری قسم ائمہ حدیث میں سے کسی امام کی طرف قرب ہے، جیسے أعمش رحمۃ اللہ علیہ، ہشیم رحمۃ اللہ علیہ، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ علم قراءت میں اس کی مثال امام نافع رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن عامر شامی رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ہے، جس میں ان ائمہ تک ۱۲ واسطے ہیں۔

③ محدثین کے ہاں تیسری قسم ہے کتب ستہ میں سے کسی ایک کی روایت کرنے کی نسبت کا علوی۔ وہ یوں کہ اگر ایک محدث کسی حدیث کو کتب ستہ کے طریق سے بیان کرتا ہے تو وہ نازل ہو اور اگر ان کے علاوہ کسی طریق سے بیان کرے تو وہ عالی ہو۔ قراءت میں اس کی مثال کتب معروفہ: تیسیر اور شاطیہ وغیرہ میں۔

موافقات، ابدال، مساوات اور مصافحات علوی کی اس قسم کے قبیل سے ہیں:

**موافقت:** یہ ہے کہ اصحاب کتب میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی دوسرے طریق سے (جو نسبتاً کم واسطوں والا ہو) سے اس کے شیخ پراکٹھا ہونا۔ صاحب کتاب اگر اسے اپنے طریق سے بیان کرتا، تو وہ سند عالی نہ بنتی۔ کبھی اس فن میں اس کی مثال نہیں بھی ملتی۔ علم قراءت میں سیدنا بزی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کئی رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق ابن نبان بواسطہ ابو ربیعہ روایت کیا ہے، اس کو حافظ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے بواسطہ کتاب المفتاح از ابو منصور محمد بن عبدالملک بن خیرون رحمۃ اللہ علیہ سے اور کتاب المصباح از ابوالکرم شہر زوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں حضرات یعنی ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ اور شہر زوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قراءت عبدالسعید بن عتاب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کا ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریق کے مطابق نقل کرنا، اصول حدیث کی روشنی میں 'موافقت' کہلائے گا۔

**بدل:** یہ ہے کہ کسی مصنف کے استاد کے ایک یا زیادہ اساتذہ تک اس مصنف کی سند کے علاوہ کسی ایسی سند کے ساتھ پہنچنا جس میں واسطہ کم ہوں۔ یہ صورت کبھی عالی نہیں ہوتی یا بالفاظ دیگر اس کی مثال نہیں ملی۔ یہاں ہم اس کی مثال میں امام ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت، جو دوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مجاہد بواسطہ ابوالعزرا رحمۃ اللہ علیہ نقل کی، پیش کرتے ہیں۔ اس قراءت کو امام دانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ سے بواسطہ ابن مجاہد نقل کیا ہے اور کتاب المصباح سے اس طرح نقل کیا ہے کہ اس قراءت کو ابوالکرم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالقاسم یحییٰ بن احمد البستی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوالحسن حامی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کا اس قراءت کو بطریق مصباح نقل کرنا امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد کے لئے بدل کہلائے گا۔

**مساوات:** اکثر طور پر روایت کے رواۃ عدد میں برابر ہوں تو اسے مساوات کہتے ہیں، گویا کہ وہ راوی صاحب کتاب سے ملے ہیں، اس سے مصافحہ کیا اور یہ روایت نقل کی ہے۔ اس کی مثال امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ہے، جسے امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبداللہ محمد بن علی نقری رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابو عبداللہ بن غلام رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے سلیمان بن نجاح رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے، انہوں نے ابو عمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوالفتح فارس بن احمد رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوالحسن بن بویان بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابراہیم بن عمر مقرئ رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابو حیض بن بویان رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوبکر بن اشعث رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابو جعفر الریعی المعروف ابوشیظ رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے سیدنا قالون رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے امام نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔

اسی قراءت کو امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر خیاط رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابو محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے، انہوں نے صائغ رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے کمال بن فارس رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوالیمن کندی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوالقاسم ہبیت اللہ بن احمد حریری رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوبکر خیاط رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے غرضی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابن بویان رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ یہ امام ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مساوات ہے، کیونکہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن بویان رحمۃ اللہ علیہ کے مابین سات واسطے ہیں۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کے مابین بھی اتنے ہی واسطے ہیں، تو جس نے امام جزری رحمۃ اللہ علیہ سے قراءت حاصل کی، گویا اس نے امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا۔

## باعتماد سند قراءت کی تقسیم اور اس طرح کے دیگر مسائل

مذکورہ تقسیم تو علماء حدیث کے ہاں تھی۔ قراءت کرام کے ہاں اسناد کی تقسیم، قراءت، روایت، طریق اور وجہ کو سامنے

رکھ کر کی جاتی ہے۔

**قراءت:** اگر اختلاف ائمہ سبعہ یا عشرہ میں سے کسی ایک سے منقول ہو اور تمام طرق و روایات اس اختلاف کو نقل کرنے میں متفق ہوں، تو اسے اصطلاحاً 'قراءت' کہا جائے گا۔

**روایت:** اگر اختلاف کی نسبت امام کے راوی کی طرف ہو تو اسے 'روایت' کہا جائے گا۔

**طریق:** اگر اختلاف کی نسبت راوی کے شاگرد یا اس کے شاگردوں میں سے نیچے تک کسی ایک کی طرف منسوب ہو تو اسے 'طریق' کہا جائے گا۔

**وجہ:** اگر اختلاف کی نسبت شاگرد کے استاد کی طرف اس طرح ہو کہ وہ اختلاف اس کے لئے اختیاری ہو تو اسے 'وجہ' کہتے ہیں۔

④ علو کی چوتھی قسم یہ ہے کہ شیخ کی وفات کا اپنے ساتھی، جس سے راوی نے اخذ کیا ہے، مقدم ہونا۔ مثلاً تاج بن مکتوم رضی اللہ عنہ سے اخذ کرنا، ابوالعالی بن اللبان رضی اللہ عنہ سے اخذ کرنے میں اعلیٰ ہے، اور ابن اللبان رضی اللہ عنہ سے نقل کرنا برہان شامی رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے سے اعلیٰ ہے، اگرچہ یہ تینوں ابو حیان رضی اللہ عنہ سے نقل میں برابر ہیں، لیکن پہلے کی وفات دوسرے سے اور دوسرے کی وفات تیسرے سے مقدم ہے۔

⑤ علو شیخ کی موت کی وجہ سے ہو، نہ کہ کسی اور امر یا دوسرے استاد کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے۔ یہ علو کب حاصل ہوتا ہے؟ بعض محدثین کا خیال ہے کہ مسند کو علو کا یہ درجہ اس وقت حاصل ہوگا، جب اس سند سے روایت کرتے ہوئے شیخ کی موت کو پچاس برس بیت چکے ہوں۔ امام ابن مندہ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق پچاس کے بجائے تیس سال گزر چکے ہوں۔ اس قول کی بناء پر ابن جزری رضی اللہ عنہ کے وہ شاگرد، جن کا تعلق ۸۶۳ھ سے ہے، کا نقل کرنا عالی ہے، کیونکہ ابن جزری رضی اللہ عنہ آخری شخص ہیں، جن کی سند عالی ہے اور ۸۶۳ھ تک ان کی موت کو تیس سال گزر چکے ہیں۔ [الإتقان: ۱/۲۰۴ تا ۲۱۰، اکیسویں نوع، کچھ اختصار اور تصرف کے ساتھ]

قراءت کی اسانید کو تسلسل کو سامنے رکھتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ قراءت تو یقینی ہیں۔

(البرہان للزرکشی: ۳۲۱/۱)

علامہ ابن عبد الشکور رضی اللہ عنہ 'مسلم الثبوت' میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اسانید قراءت بالاجماع صحیح ہیں اور علماء بلکہ امت کے ہاں انہیں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ مزید لکھتے ہیں اگر ان اسانید کے معارض کوئی سند آجائے تو وہ ناقابل التفات ہے۔ قراء عشرہ کی اسانید صحیح ترین ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں امت کے ہاں شرف قبولیت بھی حاصل ہے۔“ (فوائد الرجوحات: ۱۰/۲)

علماء نے قراءت کے تو یقینی ہونے اور ان کے متعلق عدم توازن والے شبہات کو دور کرنے کے لئے سندوں کا اہتمام کیا تھا۔ جو بھی قراءت کے معاملہ میں متبع اور تحقیق کرے گا، اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ قراء کرام اپنی قراءت کی نسبت صحت سند کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں۔

**نوٹ:** علم القراءات کی مذکورہ 'خبری اصطلاحات' کی دیگر تفصیلات کے لیے شائقین امام سیوطی رضی اللہ عنہ کی کتاب 'الإتقان فی علوم القرآن' کی نوع اکیس تا اٹھائیس ملاحظہ کر سکتے ہیں۔



## قراءاتِ شاذہ اور ثبوتِ قرآن کا ضابطہ

مقالہ نگار مولانا محمد اسلم صدیق، جو جامعہ لاہور الاسلامیہ، کلیۃ الشریعہ کے فاضل ہیں، نے چند سال قبل شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب سے علوم اسلامیہ میں ڈاکٹر حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ موصوف کے مقالہ کا عنوان 'قراءاتِ شاذہ اور ان کے تفسیر و فقہ پر اثرات' تھا۔ بہترین مقالہ ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی نے اسے بعد ازاں کتابی صورت میں طبع کروادیا۔

زیر نظر مضمون اسی مقالہ کی بعض فصلوں کا انتخاب ہے جن میں فاضل مقالہ نگار نے 'ثبوت قرآن کا ضابطہ اور قراءات متواترہ و شاذہ کے مابین حد فاصل' پر تفصیلاً بحث کی ہے۔ ہم اس بحث کو قارئینِ رشد کے سامنے اس احساس کے تحت پیش کر رہے ہیں کہ کتب احادیث و تفسیر میں موجود صحیح السنہ 'قراءاتِ شاذہ' کی تلاوت اور انہیں بطور قرآن قبول کرنے میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف معلوم کیا جاسکے۔ نیز یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ صحتِ سند سے ثابت ہونے کے باوجود بھی سلف صالحین انہیں بطور قرآن قبول کیوں نہیں کرتے؟ [ادارہ]

کسی قراءت کو متواترہ یا شاذہ قرار دینا اس لحاظ سے ایک اہم، دقیق اور حساس مسئلہ ہے کہ اس کا تعلق قرآن مجید کے ساتھ ہے۔ قراءات کی تقسیم کی بنیاد پر ہی یہ فیصلہ ہوگا کہ قراءت کی کونسی قسم قرآن ہے اور کونسی قسم قرآن نہیں ہے۔ کس قراءت کی تلاوت جائز اور کس کی تلاوت جائز نہیں، کون سی وہ قراءات ہیں جو عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رکھی گئیں اور کونسی وہ قراءات ہیں جن کی تلاوت منسوخ کر دی گئی؟ یہ فیصلہ کرنے کے لئے نقل و روایت اور سلف صالحین کی تقلید و اتباع ضروری ہے۔ اگر اس سلسلہ میں ہم ائمہ قراء اور علماء سلف کی آراء اور نصوص شرعیہ سے بے نیاز ہو کر اجتہاد کی وادی پر خار میں قدم رکھنے کی کوشش کریں گے تو یقیناً آوارگی کے خاستگان میں الجھ کر رہ جائیں گے، جس کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ گمراہی کے اس خطرہ سے اُمت کو بچانے کے لئے نصوص شرعیہ کی روشنی میں ائمہ قراء نے آغاز سے ہی ایسے ضوابط اُصولیہ اور معیارات قائم کر دیئے تھے جن کی بنیاد پر انہوں نے قراءاتِ شاذہ کو قراءات متواترہ سے ہمیشہ کے لئے الگ کر دیا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُمت کو فتنہ اور گمراہی سے بچانے کے لئے ایک اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے تمام وہ قراءات جو عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رکھی گئیں تھیں، انہیں الگ ایک رسم کے تحت مصاحف کی شکل میں جمع کر دیا اور ان تمام قراءات کو الگ کر دیا جو عرضہ اخیرہ کے وقت یا اس سے پہلے منسوخ کر دی گئیں تھیں یا وہ تفسیری کلمات جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مصاحف کے حواشی میں درج کر

رکھے تھے۔ پھر انہوں نے یہ مصاحف ماہرین قراءۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مختلف علاقوں میں بھیج دیئے اور باقی تمام مصاحف کو جلانے کا حکم دے کر اس فتنہ کا ڈروازہ بند کر دیا۔<sup>①</sup>

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کا ایک جم غفیر جب ان قراءات کو سیکھ کر اپنے علاقوں میں پہنچا تو ان سے سیکھنے والے ظاہر ہے کہ عدل و ثقاہت اور حفظ و اتقان میں ایک جیسے نہیں تھے۔ بعض جو عدالت و حفظ کے اس معیار پر نہ تھے انہوں نے بعض قراءات شاذہ اور ضعیفہ کو قرآن سے ملانا شروع کر دیا، بعض نے اجماع اُمت سے ہٹ کر اپنے اپنے معیار بنائے تو ایک دفعہ پھر اختلاف اُمت کا خطرہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ، جس نے حفاظت قرآن کا ذمہ خود اٹھایا ہے، اُمت میں ایسے ائمہ عظام پیدا کیے جنہوں نے قرآن کو غیر قرآن سے الگ کرنے اور قراءات متواترہ کو قراءات شاذہ سے ممتاز کرنے کے لئے گہرے غور و خوض اور دقت نظری کے بعد چند ضوابط اصولیہ اور معیاریات مقرر کر دیئے۔ جن کے اسباب و عوامل کا تذکرہ ہم ابن جزری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں۔

[النشر في القراءات العشر: ۹/۱]

یہ ضوابط تصنیف و ارتقا کے مختلف مراحل سے گزر کر آخر کار سلف و خلف کے بذریعہ تمشق علیہ معیار قرار پائے۔ ابو عبید قاسم بن سلام رضی اللہ عنہ سے لے کر امام ابن الجزری رضی اللہ عنہ تک متعدد ائمہ نے ان ضوابط کا تذکرہ کیا، کسی نے ان ضوابط کی تشریح کر دی، کسی نے ویسے ہی نقل کر دیا، کسی نے ان پر تنقید کی اور کسی نے مزید وضاحت سے بیان کر دیا<sup>②</sup> اور امام سیوطی رضی اللہ عنہ کے بقول جس شخص نے اس سلسلہ میں سب سے خوبصورت اور عمدہ تحقیق پیش کی ہے، وہ اپنے دور کے امام القراء اور شیخ الشیوخ ابو الجیر ابن الجزری رضی اللہ عنہ ہیں، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے، ضوابط کے سلسلہ میں انہیں کے کلام کو یہاں پیش کر دیا جائے وہ فرماتے ہیں:

”كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالا وضح سندها (وتواتر نقلها، هذه القراءة المتواترة المقطوع بها) [منجد المقرئين: ص ۱۵] فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها ولا يحل إنكارها بل هي من الأحرف السبعة التي نزل

① چنانچہ امام داہی فرماتے ہیں:

أن امير المؤمنين عثمان ومن بالحضرة من جميع الصحابة ... طرحوا حروفا وقرآءات باطلة غير معروفة ولا ثابتة بل منقولة عن الرسول ﷺ نقل الأحاديث التي لا يجوز إثبات قرآن وقرآءات بها [الأحرف السبعة للقرآن ۶۱، تحقيق، عبد المهيمن طحان]

② واضح رہے کہ یہ ضوابط متاخرین کی ایجاد نہیں ہیں بلکہ یہ ضوابط اس وقت سے موجود ہیں جب صحابہ کرام نے قرآن مجید کو سیکھا تھا۔ اور صحیحہ الروایۃ اور رسم سے موافقت کا معیار اس وقت بھی موجود تھا جب دور عثمانی میں مصاحف تحریر کر کے قراء صحابہ کی معیت میں مختلف علاقوں میں ارسال کیے گئے تھے اور یہ اس وقت سے ہیں جب زغرلی زبان کے قواعد وضع ہوئے تھے اور نہ باقاعدہ کتب کے اندر تدوین قراءات کا آغاز ہوا تھا۔

جب ہم تاریخ کے تناظر میں جھانکتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں واضح طور پر اس طرح کے ضوابط کا تذکرہ ابو عبید قاسم بن سلام کے ہاں ملتا ہے۔ جس کا ذکر ابن الانباری نے اپنی کتاب [إيضاح الوقف والابتداء: ۳۱۱/۱] میں کیا ہے۔

(دیکھئے: رسم المصحف، ص ۶۳، دراسة لغوية، تاريخية، غانم قدروي الحمد)

اس کے بعد ابن جریر طبری (ت ۳۱۰ھ) کے ہاں ملتا ہے (الإبانة ص ۶۰، منقول از کتاب القراءات لطریمی پھر ابن خالوی رضی اللہ عنہ (ت ۳۷۰ھ) نے اپنی کتاب القراءات میں، اس کے بعد کنی بن ابی طالب القسبی (ت ۴۳۷ھ) نے [الإبانة، ص ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵] میں اور اس کے بعد ابو العباس احمد بن مہر المہدوی نے کیا ہے۔ [دیکھئے، النشر: ۹/۱] اس کے بعد ابو عمر والدانی (ت ۴۴۳ھ) نے [النشر: ۹/۱]، اس کے بعد ابی شامہ المقدسی (ت ۶۲۵ھ) نے، اس کے بعد الکواشی الموصلی (ت ۶۸۰ھ) نے اس کے بعد ابن الجزری (ت ۸۳۳ھ) وغیرہ نے اس ضابطہ کا ذکر کیا ہے۔ [دیکھئے: النشر: ۹/۱]

بها القرآن ووجب على الناس قبولها ... هذا هو الصحيح عند أئمة التحقيق من السلف والخلف... وهو مذهب السلف الذي لا يعرف عن أحد منهم خلافة. [النشر: ۹/۱]

”ہر وہ قراءات جو لغت عربی کی کسی وجہ سے موافق ہو، مصحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے موافق ہو (اور وہ موافقت خواہ حقیقی ہو یا تقدیری) اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءت صحیح ہے۔“ (وہ بذریعہ تواتر منقول ہو تو یہ قراءت متواتر اور قطعی ہے) اس کا انکار جائز نہیں، بلکہ یہ حروف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا تھا، لوگوں پر اس کو قبول کرنا واجب ہے..... اور جب کسی قراءت میں مذکورہ تین ارکان میں سے کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا تو اس قراءت پر ضعیف، شاذہ یا باطلہ کا اطلاق ہوگا۔ یہی مذہب سلف و خلف ائمہ تحقیق کے نزدیک صحیح ہے۔ اس کی وضاحت امام دانی رحمہ اللہ، مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ، ابن عمار المہدوی رحمہ اللہ اور ابو شامہ رحمہ اللہ نے کی ہے اور یہی سلف کا مذہب ہے۔ ان میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں ہے۔

مذکورہ تین ارکان کو ابن جزری رحمہ اللہ نے شعر کی زبان میں اس طرح بیان کیا ہے:

فكل ما وافق وجه نحوى وكان للرسم احتمالاً يحوي  
وصح إسنادا هو القرآن وهذه الثلاثة الأركان  
وحیثما یختل ركن أثبت شذوذه لو أنه في السبعة

[متن طيبة النشر لابن الجزري: ص ۳]

”ہر وہ قراءت جو کسی نحوی وجہ کے مطابق ہو، رسم صحیفہ اس کا متحمل ہو اور وہ سند کے لحاظ سے صحیح ہو تو وہ قرآن ہے اور قراءت کو پرکھنے کے لئے یہ تین ارکان ہیں۔ جس قراءت میں کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا، اس کا شذوذ و ظاہر ہو جائے گا۔“

یہ وہ معیار ہے جو ائمہ قراء نے قراءات شاذہ کو متواترہ سے الگ کرنے کے لئے قائم کیا ہے کہ جس قراءت میں ان تین ارکان میں سے کوئی ایک بھی ناپید ہوگا، اسے شاذ قرار دیا جائے گا۔

### مذکورہ تین ارکان کی تشریح

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قراءات شاذہ کو معلوم کرنے کا معیار مذکورہ تین ارکان ہیں۔ ان ارکان کی اس اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان ارکان کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے، تاکہ شاذہ کو پہنچانے میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔

### پہلا رکن: مصحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ موافقت<sup>①</sup>

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف نقل کر کے مختلف علاقوں میں قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں بھیجے تھے، وہ قراءت ان میں سے کسی ایک کے رسم کے مطابق ہو۔ اور یہ مطابقت حقیقی طور پر بھی ہو سکتی ہے اور احتمالی و تقدیری طور پر بھی ہو سکتی ہے۔

① اور یہ شرط متاخرین کی خود ساختہ و پرداختہ نہیں، بلکہ اس کی پشت پر ایک مضبوط بنیاد ہے وہ یہ کہ حضرت عثمان نے مہاجرین و انصار کے مشورہ سے جب تمام امت کو ایک رسم پر جمع کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا کہ مصحف کا رسم ان تمام حروف پر مشتمل ہو جو عرضاً اخیرہ کے وقت باقی رکھے گئے تھے، اسی وجہ سے ہی تو مصحف کے درمیان بعض الفاظ کے رسم میں اختلاف تھا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ رسم عثمانی اس قراءت کا متمثل ہو، کیونکہ سبجہ اَحرف کی رعایت کی وجہ سے مصاحف عثمانیہ کے رسم میں بعض جگہ اختلاف تھا۔<sup>①</sup>

موافقت حقیقی کی مثال: سورۃ توبہ میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت: ﴿جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ [التوبة: ۱۰۰] من کے اضافہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ اس مصحف میں ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ کی طرف بھیجا تھا۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں نافع رضی اللہ عنہ، ابن عامر رضی اللہ عنہ اور ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی قراءت: ﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ﴾ [البقرة: ۳۲] کی بجائے 'وَأَوْصَى بِهَا' ہے اور یہ قراءت مصحف شامی اور مصحف مدنی کے مطابق ہے، اور باقی قراءت کی قراءت ﴿وَوَصَّى بِهَا﴾ ہے اور یہ اس مصحف کے مطابق ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے رکھا تھا۔

**موافقت تقدیری کی مثال:** سورہ فاتحہ کی آیت: ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ [الفاتحة: ۴] کے لفظ 'مَلِك' میں دو قراءتیں ہیں: الف کے ساتھ یعنی مَالِك اور الف کے بغیر، یعنی مَلِك، لیکن یہ لفظ تمام مصاحف عثمانیہ میں الف کے بغیر لکھا ہوا ہے۔ اب اس میں مَلِك کی قراءت تو رسم عثمانی کے ساتھ واضح اور حقیقی طور پر موافق ہے، جبکہ مَالِك کی قراءت ت تقدیری طور پر موافق ہے۔

چنانچہ جو قراءت ان مصاحف میں سے کسی بھی مصحف کے رسم کے مطابق نہیں ہوگی، وہ شاذ تصور ہوگی، خواہ اس کی سند صحیح ہو اور وہ کسی عربی وجہ کے مطابق ہو۔

مثلاً: ﴿فَالصَّلٰتُ قُنْتُ حِفْظُ لِلْغَيْبِ﴾ [النساء: ۳۳]

اس میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن مطرف کی قراءت: 'فَالصَّلٰتُ حِوَاظُ لِلْغَيْبِ' ہے چونکہ کسی بھی مصحف کا رسم اس کا متمثل نہیں ہے، لہذا یہ قراءت شاذ ہے۔

[دیکھئے: الکشاف: ۵۲۴/۱، معانی القراء: ۲۶۵/۱، تفسیر الرازی: ۸۸/۱۰، المحتسب: ۲۸۸/۱]

اسی طرح سورۃ بقرہ کی آیت: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَأَسْمِعُ لِرَبِّنَا﴾ [البقرة: ۱۲۵] ابن مجاہد رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یہ آیت اس طرح ہے: 'وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَيَقُولُونَ رَبَّنَا'۔ یہ بھی رسم عثمانی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ اسی

① ڈاکٹر محمد سالم محیسین نے اپنی کتاب فی رحاب القرآن الکریم میں نہایت دقت نظر سے تمام مصاحف عثمانیہ کے تقابل کے بعد ان کے رسم میں باہمی اختلاف کا ایک خاکہ پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے مصحف عثمانی کے رسم کا مصحف مدنی کے ساتھ ۱۱۳ الفاظ میں اختلاف ذکر کیا ہے، اسی طرح مصحف عثمانی کا مصحف حجازی، شامی اور عراقی سے ۱۱۰ الفاظ میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ [فی رحاب القرآن الکریم: ص ۱۹۴-۱۹۵]

اسی طرح امام ابو سعید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں وہ زائد حروف جو رسم عثمانی کے مخالف ہیں، کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے، اس میں انہوں نے بعض صحابہ اور تابعین کی قراءت میں سے ایسی سو (۱۰۰) روایات ذکر کی ہیں جو رسم مصحف سے خارج ہیں۔ بعض روایات میں ایک لکھ کی جگہ دوسرا لکھ ہے اور بعض میں کوئی لفظ زائد ہے۔ مثلاً سعید بن جبیر کی قراءت ﴿كَالْبُهَيْنِ الْمُنْفُوشِ﴾ کی بجائے 'كَالْبُهَيْنِ الْمُنْفُوشِ' ہے۔ اسی طرح ابن عباس کی قراءت: "أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ" ہے۔ اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس کی قراءت "وَالصَّلٰوةُ الْوَسْطَى صَلَوةُ الْعَصْرِ" اور حضرت عثمان کی قراءت "يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةً غَضْبًا"۔ [فضائل القرآن و معالمہ وآدابہ: ۱۳۵، ۱۰۵/۲] یہ تمام قراءت رسم عثمانی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائیں گی، کیونکہ یہ شرط اسی وجہ سے ہی قائم کی گئی تھی کہ اخبار آحاد اور قراءات شاذہ، قراءات متواترہ سے الگ ہو جائیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبد الباقی نے فرماتے ہیں:

"إن اشتراط مطابقتة لمصاحف الأئمة كان وقاية من دخول القراءات الأحادية والشاذة في إطار القراءات المتواترة التي تجوز القراءة بها." [القراءات القرآنية: ص ۱۱۳]

② اُبی بکب کی قراءت بھی اسی طرح ہے۔ دیکھئے: الجامع لأحكام القرآن: ۱۲۶/۲، البحر المحیط لأبی حیان: ۳۸۸/۱



محمد اسلم صدیق

طرح ﴿يَطْلُبُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [هود: ۱۶] اس میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت 'و باطلا ما کاناو یعملون' ہے۔ یہ بھی خلاف رسم ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔

[دیکھئے: المحتسب: ۴۳۲/۱، إعراب القرآن للنحاس: ۲۵۲/۱، البحر المحيط: ۲۱۰/۵]

ابوبکر الانباری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اجتماع القراء علی ترک کل قراءت مخالف المصحف .

[البحر المحيط: ۲۶۰/۷]

”تمام ائمہ قراء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر وہ قراءت متروک (شاذ) قرار پائے گی جو رسم عثمانی کے مخالف ہوگی۔“

چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم سے اس سلسلہ میں مصاحف عثمانیہ کے مخالف جتنے بھی حروف مروی ہیں، وہ تمام کے تمام شاذ قرار پائیں گے۔

### دوسرا رکن: عربی وجہ کے ساتھ موافقت ①

دوسرا رکن جو قراءات شاذہ کو قراءات متواترہ سے الگ کرنے کے لئے ائمہ قراء نے شرط قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ قراءت کسی عربی وجہ کے موافق ہو، یعنی وہ قراءت کسی فصیح یا فصیح ترین نحوی وجہ کے مطابق ہو، خواہ وہ نحو یوں کے ہاں متفق علیہ ہو یا اختلافی ہو، لیکن ایک شرط ہے کہ وہ قراءت تواتر سے ثابت ہو اور ائمہ قراء کے نزدیک اسے تعلق بالقبول کا درجہ حاصل ہو۔ اور رسم عثمانی اس کا متحمل ہو تو اس صورت میں ضعیف نحوی وجہ بھی ہوتو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ بنیادی رکن تو یہی دو ہیں۔ مثلاً امام حمزہ رضی اللہ عنہ کی قراءت ﴿ وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ﴾ اس میں لفظ 'الأرحام' جبری حالت کے ساتھ ہے اور یہ کیوفیوں کے مذہب کے مطابق ہے کہ ضمیر مجرور پر عطف ہے، یا بصریوں کے مذہب کے مطابق حرف جار کو دوبارہ لوٹایا گیا ہے، لیکن معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ یا ارحام کی تعظیم اور صلہ رحمی کی ترغیب دینے کیلئے قسم کی بناء پر زیدی گئی ہے۔ تو یہاں امام حمزہ رضی اللہ عنہ کی قراءت میں دونوں وجہیں لغت کے اعتبار سے درست ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی قراءت کا تواتر سے ثابت ہونا ہی اصل بنیاد اور مضبوط رکن ہے اس کی موجودگی میں عربی لغت کا کوئی قاعدہ اور قانون کسی قراءت کو رد نہیں کر سکتا۔

② امام ابو عمرو دوانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وأئمة القراءة لا تعتمد في شيء من حروف القرآن على الأفضى في اللغة وأقيس في العربية بل على الأثبت في الأثر والأصح في النقل والرواية لأن القراءة سنة متبعة يلزم قبولها والمصير إليها. ① [جامع البيان في القراءات السبع: ق: ۱۷۷/ب]

① ضابطہ کا یہ رکن بھی پہلی صدی ہجری سے ماخوذ ہے، ابن الانباری نے اپنی کتاب 'نزهة الباري' میں واقع نقل کیا ہے کہ دور فاروقی میں ایک اعرابی کو کسی نے سورۃ براءت کی یہ آیت: ﴿ إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ ﴾ لفظ 'رسوله' کے لام کے سرہ کے ساتھ پڑھادی تو اس نے کہا! کیا اللہ اپنے رسول سے بری ہے؟ اگر ایسے ہے تو مجھے بدرجہ اولیٰ ان سے بری ہونا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے اعرابی کو بلایا اور اسے صحیح قراءت پڑھایا اور اس کے بعد یہ فرمان جاری کیا کہ قرآن صرف وہی پڑھائے جو لغت کا عالم ہو۔

[معجم القراءات القرآنية: ص ۱۰۰، بحوالہ نزهة الباري: ص ۸]

② لفظ 'بارئکم' کے ضمن میں، اس منظوم دار الکتب والوثائق القومية، قسم التصوير: ۱۹۶۸ میں موجود ہے۔ اس فلم کی فونوگرافی المغزی محمد ابراہیم صاحب میرٹھی کی لائبریری میں موجود ہے۔

”ائمہ قراء حروف قرآن کے سلسلہ میں اس پر اعتماد نہیں کرتے کہ وہ لفظ لغوی لحاظ سے عام مستعمل ہے یا عربی قاعدہ کے زیادہ مطابق ہے، بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ حرف نقل و روایت کے اعتبار سے صحیح ترین اور ثبوت کے اعلیٰ معیار پر ہو۔“

نیز امام بیہقی رحمہ اللہ (ت ۲۸۵ھ) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول: القراءۃ سنۃ متبعۃ <sup>①</sup> کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”قال البيهقي: أراد (أي زيد بن ثابت) أن اتباع من قبلنا في الحروف سنة متبعة لا يجوز مخالفة المصحف الذي هو إمام، ولا مخالفة القراءات التي هي مشهورة وإن كان غير ذلك سائغا في اللغة.“

[سنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۵/۲، مطبعة مجلس، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد دکن

(الهند)]

”اس سے زید بن ثابت کی مراد یہ ہے کہ حروف کے سلسلہ میں ہم سے قبل اسلاف کی اتباع سنت متبعہ ہے مصحف عثمانی، جسے مصحف امام کی حیثیت حاصل ہے کی مخالفت جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان قراءات کی مخالفت جائز ہے جن کو قبول عام حاصل ہے، خواہ ان کے علاوہ دیگر قراءات لغت عربی میں زیادہ مستعمل ہوں۔“

② امام ابن جزری رحمہ اللہ نے اس حقیقت کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

”إذ هو الأصل الأعظم والركن الأقوم وهذا هو المختار عند المحققين في ركن موافقة العربية، فكم من قراءة أنكروها بعض أهل النحو أو كثير منهم ولم يعتبر إنكارهم بل أجمع الأئمة المقتدى بهم من السلف على قبولها.“ [النشر: ۱۰۶]

امام زرقانی رحمہ اللہ کا اس حوالہ سے جامع تبصرہ یہاں بیان نقل کر دینا شاید فائدہ سے خالی نہ ہوگا، وہ فرماتے ہیں: ”وهذا كلام وجيه فان علماء النحو إنما استمدوا قواعدهم من كتاب الله تعالى وكلام رسوله وكلام العرب، فإذا ثبت قرآنية القرآن بالرواية المقبولة كان القرآن هو الحكم على علماء النحو وما قعدوا من قواعد أن يراجعوهم بقواعدهم إليه لا أن نرجع نحن بالقرآن إلى قواعدهم. المخالفة نحكمها فيه وإلا كان ذلك عكسا للآية وإهمالا للأصل في وجوب الرعاية. [مناهل العرفان في علوم القرآن: ۳۲۲]

”یہ بہت عمدہ کلام (ابن جزری اور امام دانی کے اقوال کی طرف اشارہ ہے) ہے، کیونکہ علماء نحو نے نحو کے قواعد کتاب اللہ، کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام عرب سے ہی تو حاصل کیے ہیں۔ جب مقبول روایت سے قرآن کی قرآنیث ثابت ہو چکی ہے تو یقیناً اسے علماء نحو اور ان کے قائم کردہ قواعد پر اتھارنی کی حیثیت حاصل ہوگی اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قواعد سمیت کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں، نہ کہ ہم ان کے قرآن کے مخالف قواعد کی طرف رجوع کریں۔“

بعض لغویوں اور نحویوں نے اس شرط کی بنیاد پر بعض قراءات متواترہ کا جو انکار کیا ہے ابن جزری نے ان لوگوں کا

① سنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۵/۲، كتاب السبعة في القراءات: ۴۹ لابن مجاهد، اس میں ’القراءۃ سنۃ‘ کے الفاظ ہیں۔

② اسی طرح دکتور احمد کی اپنی کتاب الدفاع عن القرآن ضد النحويين والمستشرقين میں فرماتے ہیں: ”وهي قراءة صحيحة متواترة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولكن طائفة من النحاة الطغاة سامحهم الله وقفوا مواقف المعارضة من هذه الآية الكريمة في أعلى قراءاتها وهي القراءة السبعية... فهذا أبو زكريا الفراء يحكم عليها بالبطلان وهذا أبو علي الفارسي يحكم عليها بالقبح... وكذلك فعل الإمام ابن خالويه، حين قال: ”وهو قبيح في القرآن وإنما يجوز في الشعر.“ إلى غير ذلك من أوصاف الضعف والشذوذ والرداء وأكثر من هذا أنهم نسبوها إلى اللحن وأنها زلة من زلات ابن عامر [حاشية المحتسب: ۱۰۵/۱]

سخت رد کیا ہے۔ [منجد المقرئین: ص ۶۴ وما بعد ہا]

چنانچہ موافقت عربی کی اس شرط کا مقصد بھی وہی ہے جو رسم عثمانی کی موافقت کو شرط قرار دینے کا ہے کہ کہیں کوئی قراءۃ شاذہ، متواترہ قراءات کے دائرہ میں داخل نہ ہو جائے، کیونکہ کوئی بھی متواتر قراءۃ ایسی نہیں ہو سکتی جو کسی عربی وجہ کے مطابق ہو، بلکہ کسی قراءۃ کا تواتر سے ثابت ہونا ہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ قراءۃ بذات خود ایک عربی وجہ اور نحوی قانون ہے۔ لہذا کسی نحوی یا لغوی کا اس کو قواعد نحویہ کے مخالف قرار دینا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ گویا کسی قراءۃ کا تواتر سے ثابت ہونا ہی بحیثیت معیار کافی تھا۔ لیکن کسی عربی وجہ سے موافقت کی شرط بطور اطمینان اور احتیاط کے اس لئے لگائی کہ قراءات شاذہ کا قراءات متواترہ سے آمیزش کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔

اور موافقت عربی کی اس شرط کو اس لحاظ سے تو ایک ضابطہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ جو قراءۃ دیگر دو ضوابط کی حامل ہوگی وہ لازماً کسی نہ کسی عربی وجہ کے بھی مطابق ہوگی، لہذا جو قراءۃ کسی بھی عربی قاعدہ کے مطابق نہ ہو تو وہ شاذ تصور ہوگی۔ چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ صحیح سند سے ثابت قراءۃ کسی نہ کسی عربی وجہ کے ضرور مطابق ہوگی، بلکہ وہ خود ایک عربی وجہ ہو گی، لیکن اگر وہ کسی بھی عربی وجہ یا نحوی قانون کے مطابق نہیں ہے تو وہ شاذ تصور ہوگی مثلاً ﴿وَعَلَىٰ آبْرِهِمْ غَشْوَةٌ﴾ [البقرة: ۹۰] لفظ غشوة کو علماء قراءۃ نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے تین طرح نقل کیا ہے۔ ایک عین کے پیش کے ساتھ، دوسری عین کے زبر کے ساتھ اور تیسری عین کے پیش کے ساتھ۔ اس میں تیسری وجہ یعنی (غشوة) امہات کتب لغت میں سے کسی میں بھی نہیں ہے، لہذا یہ لغت عرب کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائے گی۔

[حول القراءۃ الشاذة: ۲۳]

اسی طرح ﴿خَطُّوتٌ﴾ [البقرة: ۱۶۸، ۲۰۸] سے حسن بصری رضی اللہ عنہ نے خاء کی فتح اور طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، حالانکہ امہ لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خطوة (حاء کی فتح اور طاء کے سکون کے ساتھ) کی جمع خطوات؛ خاء اور طاء دونوں کے فتح کے ساتھ آتی ہے، لہذا یہ بھی لغت عرب کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائے گی۔ [ایضاً: ۲۴]

اسی طرح ﴿لَا يَفْلَحُ الْكُفْرُونَ﴾ [المؤمنون: ۱۱۷] سے حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اسے يُفْلَحُ، یعنی یاء اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، حالانکہ کتب لغت میں فلاح، أفلح کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ ایسی تمام قراءات لغت عربی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائیں گی۔ [ایضاً: ۲۵]

### تیسرا رکن: صحت سند

اس سے مراد یہ ہے کہ اس قراءۃ کو روایت کرنے والے شروع سند سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک عادل اور ضابط ہوں، اس میں کسی قسم کا شذوذ اور کوئی ایسی علت نہ ہو جو باعث جرح ہو۔ [النشر: ۳۳]

یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے، لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا رواۃ کے عادل اور ضابط ہونے کے ساتھ یہ کافی ہے کہ وہ قراءۃ اس فن کے ماہرین کے نزدیک اس قدر مشہور و مستفیض ہو کہ اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے اور وہ محض بالقرائن بھی ہو یا اس کے لئے تواتر کا ہونا ضروری ہے۔

تمام علماء اصول، مذاہب اربعہ کے فقہاء، محدثین اور اکثر قراء کرام کا موقف یہ ہے کہ قراءت متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کے لئے اصل معیار تواتر ہے۔ چنانچہ امام نویری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ کہنا کہ (قراءت کے لئے) تواتر شرط نہیں ہے، یہ قول فقہاء و محدثین اور دیگر علما کے اجماع کے خلاف ایک خود ساختہ قول ہے، کیونکہ جمہور علماء مذاہب اربعہ کے نزدیک قرآن وہ ہے جو محقق کے دو گتوں کے درمیان بذریعہ تواتر ہم تک پہنچا ہے۔ چنانچہ جس نے بھی قرآن کی تعریف کی ہے، اس نے قرآن کے لئے تواتر کو شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن حاجب رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن کے لئے متواتر ہونا ضروری ہے۔ ابن عبدالرہمن رحمہ اللہ، ابن عطیہ رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، امام زرکشی رحمہ اللہ، امام سبکی رحمہ اللہ، امام اسنونی رحمہ اللہ، اور امام اوزاعی رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ علما کی اکثریت نے اسی بات کی تصریح کی ہے اور اسی بات پر قراء کا اجماع ہے۔ متاخرین <sup>①</sup> میں سے اس کی مخالفت کمی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے کی ہے اور بعض دیگر نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔ [شرح طیبۃ النشر للنویری: ۱۱۹/۱، اتحاف فضلاء البشر: ص ۶۲] اس کے علاوہ امام غزالی رحمہ اللہ [المستصفی فی علم الأصول: ۱۹۳/۱، أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی (۲۵۰ھ، ۵۰۵ھ)] ابن قدامہ رحمہ اللہ [روضۃ الناظر وجنۃ مناظر: ۳۳ بمع الشرح نزهۃ الخاطر: ۱۳۹/۱، مکتبۃ الکلیات الأزهریۃ، القاہرۃ] ابن حاجب رحمہ اللہ [مختصر المنتہی الأصولی: ۲۲۲، امام ابن حاجب المالکی، دار الکتب العلمیۃ] اور صدر الشریعہ رحمہ اللہ [التوضیح فی حل عوامض التنقیح: ۲۶۱، صدر الشریعۃ: عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن أحمد المحجوبی البخاری الحنفی (ت ۷۴۸ھ)] وغیرہ نے بھی تواتر کو شرط قرار دیا ہے۔“

نیز قراء کرام میں سے امام الدانی رحمہ اللہ (ت ۴۴۳ھ) امام ابو القاسم ہندی رحمہ اللہ (۳۶۵ھ) امام ابوالقاسم الصفراوی رحمہ اللہ (ت ۶۳۶ھ) امام ابوالحسن السخاوی رحمہ اللہ (ت ۹۰۲ھ) اور ان کے علاوہ متعدد کبار قراء نے تواتر کو شرط قرار دیا ہے۔ [شرح طیبۃ النشر للنویری: ۱۲۲/۱-۱۲۹]

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وہ کتاب جو کائنات کے لئے راہبر اور صراط مستقیم اور دینِ قیم کی اصل بنیاد ہے اور اتنا عظیم معجزہ ہے کہ جن و انس مل کر بھی اس جیسی ایک سورۃ کیا ایک آیت بھی نہیں بنا سکتے۔ ایسی کتاب کے لئے عادتاً یہ مجال ہے کہ وہ تواتر سے ثابت نہ ہو، جبکہ اس کی تمام تر تفصیل کا بذریعہ تواتر منقول ہونے کے بے شمار اسباب و عوامل موجود ہیں لہذا جو قراء حد تواتر کو نہیں پہنچے گی، یقینی بات ہے کہ وہ شاذ تصور ہوگی اور اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ [المستصفی للغزالی: ۱۹۳/۱، البرہان فی علوم القرآن: ۳۵۳-۳۵۲، الإیتقان فی علوم القرآن: ۷۷، علاوہ ازیں اصول کے بے شمار کتب میں اس کی تصریح موجود ہے۔]

### کمی بن ابی طالب رحمہ اللہ اور ابن جزری رحمہ اللہ کا موقف

کمی بن ابی طالب رحمہ اللہ اور ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جمہور کے برعکس تواتر کو شرط قرار نہیں دیتے جیسا کہ امام نویری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں ان کا موقف واضح طور پر بیان کر دیا جائے۔

① کمی بن ابی طالب کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے کیونکہ ان کی پیدائش ۳۵۵ھ اور وفات ۴۳۷ھ ہے لہذا امام نویری رحمہ اللہ کا انہیں متاخرین میں سے قرار دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

محمد اسلم صدیق

جہاں تک مکی بن ابی طالب ﷺ کا معاملہ ہے تو ان کے بارے میں ان کی صرف اس عبارت: 'القراءة الصحيحة ما صحح سندہ' [الإبانة: ۱۰۳] کی بنیاد پر یہ کہنا کہ وہ تواتر کو شرط قرار نہیں دیتے، درست نہیں ہے، کیونکہ قراءۃ کے اس رکن کے سلسلہ میں ان سے مختلف الفاظ مروی ہیں، مثلاً ایک جگہ 'ما صحح سندہا' کے الفاظ ہیں تو ایک جگہ 'أن ينقل عن الثقات' [الإبانة: ۵۸] کے الفاظ ہیں اور ایک دوسرے مقام پر 'اجتماع العامة علیہا' [الإبانة: ۱۰۰] کے الفاظ ہیں۔

یہاں لفظ ثقات جو جمع ہے اسی طرح 'اجتماع العامة علیہا' جس سے ان کی مراد وہ قراءۃ ہے جس پر اہل مدینہ اور اہل کوفہ، یا جس پر اہل حرین متفق ہوں [الإبانة: ص ۱۰۱] کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ قراءۃ متواترہ کے لئے صرف صحیح سند کو کافی قرار نہیں دیتے، نیز ان کی درج ذیل عبارت ان کے موقف کو مزید واضح کرتی ہے:

ما صح نقله في الأحاد... فهذا يقبل ولا يقرأ به لعلتين؛ إحداهما: أنه لم يؤخذ بإجماع، وإنما أخذ بأخبار الأحاد ولا يثبت قرآن يقرأ به بخبر الواحد. [الإبانة: ۵۸]

”جو قراءۃ بذریعہ اخبار آحاد صحیح سند سے منقول ہو... تو ایسی قراءۃ کو قبول تو کیا جائے گا، لیکن دو وجوہات کی بناء پر اس کی تلاوت جائز نہیں ہے۔ ایک یہ کہ وہ بذریعہ اجماع منقول نہیں ہے، بلکہ اخبار آحاد کے ذریعہ سے منقول ہے اور قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہو سکتا۔“

یہاں اجماع کے مقابلہ میں اخبار آحاد کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ مکی بن ابی طالب ﷺ صرف صحیح سند کو کافی قرار نہیں دیتے، بلکہ ان کی اس سلسلہ میں ساری بحث کے تناظر میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ قراءات متواترہ کے لئے تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک محقق ابن جزری ﷺ کا تعلق ہے تو ان کا موقف یہ ہے کہ قراءات متواترہ کی ہر وجہ کے لئے تواتر سندی شرط نہیں ہے، بلکہ اگر وہ قراءۃ اس فن کے ماہرین کے نزدیک مشہور و مستفیض ہو اور ائمہ کے نزدیک اسے قبول عام کا درجہ حاصل ہو جائے اور ساتھ وہ رسم عثمانی اور لغت عربی کے موافق بھی ہو تو یہ بھی قوت میں متواتر کی طرح قطعی اور یقینی ہوگی اگرچہ وہ تواتر (سندی) کی حد کو نہ بھی پہنچے۔

[لمنجد المقرئين: ۱۶، النشر في القراءات العشر: ۱۳]

ابن جزری ﷺ کی دلیل یہ ہے:

① اگر کوئی قراءۃ تواتر سے ثابت ہو جاتی ہے تو وہ قطعی طور پر قرآن ہے اور اسے قبول کرنا واجب ہے خواہ رسم عثمانی اور لغت عربی کے موافق ہو یا مخالف، گویا اس صورت میں دیگر دو ارکان کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم ہر اختلافی وجہ قراءۃ میں تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں تو متعدد ایسی اختلافی وجوہ خارج ہو جائیں گی جو ائمہ صحیح اور دیگر ائمہ سے ثابت ہیں۔ [النشر: ۱۳]

اگر اس ساری بحث کے تناظر میں غور کیا جائے تو یہ اختلاف محض لفظی معلوم ہوتا ہے اور درحقیقت جمہور اور ابن جزری کے موقف میں نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

① اور من حیث الجوع قرآن اور قراءات عشرہ قطعی اور تواتر سے ثابت ہیں، کیونکہ ان کی نقل و روایت کا اصل انھما صحیفوں اور اوراق میں رقم کرنے کے علاوہ دلوں اور سینوں میں محفوظ کرنے پر ہے اور قرآن اور قراءات متواترہ کے حافظین کی تعداد ہر دور میں اس قدر رہی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے قراءات عشرہ کے متواتر ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

درحقیقت فقہاء و محدثین نے قرآن یا ثبوت قراءت کیلئے تو اتر سندی کی شرط لگائی ہے تو وہ قرآن کے مجموعہ<sup>①</sup> کے اعتبار سے ہے، وگرنہ اگر تمام اختلافی وجوہ کے ہر ہر فرد اور ہر ہر ادا کے لئے تو اتر کو شرط قرار دیا جائے تو بہت سی اختلافی وجوہ کو رد کرنا پڑے گا، حالانکہ ان میں سے بعض ائمہ سبعہ سے منقول ہیں اور وہ جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک بھی متواترہ ہیں۔ امام قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کی صراحت کی ہے۔

[تفسیر القاسمی: ۲۹۶/۱]

لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ بعض قراء نے ضابطہ قراءات میں موافقت رسم عثمانی اور لغت عرب کے ساتھ صرف مشہور و مستفیض اور تلقی بالقبول کو ہی کیوں کافی قرار دیا ہے، تو اتر کی شرط کیوں نہیں لگائی، حالانکہ قرآنیت کے ثبوت کے لئے تو اتر کا ہونا ضروری ہے؟

درحقیقت ہر ہر اختلافی وجہ کے لئے تو اتر کی شرط لگانا یہ جمہور کا مذہب نہیں ہے، بلکہ یہ بعض متاخرین کا مذہب ہے، جیسا کہ ابن جزری رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے، ورنہ ابن جزری ائمہ فقہاء کی قرآن کی تعریف میں شرط تو اتر کی واضح تصریحات کے باوجود اسے بعض متاخرین کا مذہب کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ اور امام نویری رحمہ اللہ نے جو تو اتر کو شرط قرار نہ دینے والوں کا رد کیا ہے تو انہوں نے دراصل ان حضرات کا رد کیا ہے جو صرف صحت سند کو کافی قرار دیتے ہیں، مشہور و مستفیض اور تلقی بالقبول کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس موقف کو انہوں نے کئی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے تو ہم گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ وہ بھی قرآن اور قراءات متواترہ کے لئے جمہور کی طرح تو اتر کو ضروری سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ابن جزری رحمہ اللہ بھی قراءات مقبولہ کے لئے تو اتر کو شرط قرار دیتے ہیں، مجد المقرین میں انہوں نے ان لوگوں کا سختی سے رد کیا ہے جو فرس کو متواتر قرار دیتے ہیں، لیکن اصول کو متواتر قرار نہیں دیتے۔ [منجد المقرئین: ص ۵۷] تو ثابت ہوا کہ کئی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی طرح ابن جزری رحمہ اللہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔

لیکن یہ سوال کہ پھر ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ ضابطہ قراءات میں باقی دو ارکان کے ساتھ تو اتر کی شرط کیوں نہیں لگاتے؟ تو اس کا سبب درج ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:

① ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ نے قراءات شاذہ اور متواترہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک ضابطہ بیان کیا ہے، قرآن کی تعریف نہیں کی۔ تو اتر کو قرآن کی تعریف میں کم از کم ایک شرط کے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن ضابطہ میں اسے ملحوظ نہیں رکھا گیا، کیونکہ ضوابط میں جو چیز قابل معافی ہوتی، وہ تعریفات میں قابل معافی نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ تعریفات میں کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، اس کی تمام تر جزءات کا احاطہ مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی تعریف میں ایسا ممکن ہو سکتا ہے، لیکن ضابطہ میں کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کی بجائے اس کی ہر جزئی کو پرکھنا اصل مقصد ہوتا ہے، لہذا کسی چیز کا ضابطہ اور معیار مقرر کرتے وقت یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ ایسا جامع اور مانع ہو کہ حقیقت و ماہیت کی کوئی جزئی اس سے خارج نہ ہونے پائے۔

② ضابطہ میں تو اتر کو شرط قرار نہ دینے کی دوسری وجہ طالب علم کے لئے قراءات متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے آسانی پیدا کرنا مقصود تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ طالب علم محض اس ضابطہ کی بنیاد پر بغیر کسی دشواری کے

ماہنامہ

محمد اسلم صدیق

قراءات متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے۔ اگر (تعریف کی طرح) ضابطہ میں بھی تواتر کی شرط عائد کر دی جاتی تو اس کے لئے یہ امتیاز نہایت مشکل ہوتا، کیونکہ اس صورت میں اسے قراءات کی ہر جزئی کو پرکھنے کے لئے اتنی بڑی تعداد کی طرف رجوع کرنا پڑتا جن کا روایت کے ہر طبقہ میں جھوٹ پر مجتمع ہونا محال ہو اور آپ خود اندازہ کریں کہ یہ ایک طالب علم کے لئے کتنا مشکل کام ہوتا۔

۳۲ وہ قراءۃ جو مشہور و مستفیض ہو اور تلقی بالقبول کا درجہ حاصل کر لے اور وہ مختلف بالقرآن بھی ہو، نیز جو کچھ مصحف کے دو گتوں کے درمیان ہے، جس پر صحابہ کے افضل ترین دور میں امت کا اجماع تھا اور اس کے متواتر ہونے پر پوری امت متفق ہے، اس کے رسم کے مطابق ہو اور ساتھ لغت عرب کی موافقت بھی حاصل ہو جائے اور ہر دور میں فن قراءۃ کے ماہرین نے اس کو قبول کیا ہو۔ جب کوئی قراءۃ ان شرائط پر پوری اترتی ہو وہ قراءۃ یقیناً قطعی ہے اور وہ قوت میں تواتر سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ [مناہل العرفان: ۴۲۷/۱]

نیز جمہور سلف و خلف کے نزدیک خبر واحد جب امت میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل کر لے یا اس کے ساتھ ایسے قرآن مل جائیں جو اس کی قطعیت پر واضح دلیل ہوں تو وہ علم یقینی کا فائدہ دے گی اور قوت میں متواتر کے برابر تصور ہوگی۔ [مجموع الفتاویٰ: ۴۸، ۴۱/۱۸، التحریر والتنویر: ۵۳/۱]

ان دلائل کی بنیاد پر یہ بات بالجزم کہی جاسکتی ہے کہ ثبوت قرآن کے لئے تواتر کو شرط قرار دینے والے جمہور فقہاء و محدثین اور قراءۃ متواترہ و شاذہ کے درمیان امتیاز کے لئے تین ارکان مقرر کرنے والے قراء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام زرقانی رحمہ اللہ اس حوالہ سے اپنی گفتگو کے آخر میں فرماتے ہیں:

وهذا التوجيه الذي وجهنا به الضابط السالف يجعل الخلاف كأنه لفظي ويسير بجماعات القراء على جدد الطريق في تواتر القرآن "ومن سلك الجدد آمن العثار". [مناہل العرفان: ۴۲۷/۱]

”مذکورہ ضابطہ کی جو توجیہ ہم نے بیان کی ہے، اس کے پیش نظر یہ اختلاف محض لفظی رہ جاتا ہے اور وہ قرآن کے تواتر کے سلسلہ میں قراء کو نئے راستوں سے آشنا کرتا ہے۔“ اور جو نئے راستوں پر گامزن ہوا وہ ٹھوکروں سے محفوظ رہتا ہے۔“

ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بات پر تقریباً امت کا اجماع ہے کہ جو قراءۃ مذکورہ تین ارکان کی حامل ہوگی، وہ متواتر ہے اور جس میں کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا، وہ شاذ قرار پائے گی۔

لیکن ابن مقسم <sup>①</sup> کے متعلق منقول ہے کہ اجماع امت کے برعکس اس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر وہ قراءۃ جو رسم عثمانی اور کسی عربی وجہ کے مطابق ہو، اس کی تلاوت جائز ہے، خواہ اس کی کوئی سند ہو یا نہ ہو۔

علماء امت نے اس نظریہ کو انتہائی گمراہ کن قرار دیا۔ اور ایسی قراءۃ کو قرآن تو درکنار خبر واحد کی حیثیت بھی نہیں دی، بلکہ ایسی قراءۃ کو قابل رد قرار دیا ہے، اس شخص کو بغداد میں وقت کے حکمران کے سامنے پیش کیا گیا اور اس دور کے فقہاء و قراء کی ایک بہت بڑی مجلس میں اس نے اپنے اس فاسد نظریہ سے رجوع کیا اور وہیں اس کی توجہ کا محضر نامہ

① أبو بكر محمد بن حسن بن يعقوب بن الحسن بن الحسين بن محمد بن سليمان بن داؤد بن عبيد الله بن مقسم الإمام المقرئ النحوي، (۳۵۴ھ)، غاية النهاية: ۱۳۳/۱

لکھا گیا۔ [غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء: ۱۳۲۱ - تاریخ بغداد: ۲۸۰۶] اسی طرح ایک شخص ابن شنبوذ بغدادی (ت ۳۲۸) کا نظریہ یہ تھا کہ وہ قراءۃ صحیح سند سے منقول ہو، خواہ رسم عثمانی کے مخالف ہی ہو، اس کی قراءت جائز ہے۔ تو ابو بکر بن مجاہد (ت ۳۲۳ھ) نے سلطان راضی باللہ (ت ۳۲۹ھ) سے مطالبہ کیا کہ وہ امت کے اجماعی موقف کے خلاف ابن شنبوذ سے رجوع کروائیں، چنانچہ سلطان کے حکم پر وزیر محمد بن علی بن مقلہ (ت ۳۲۸ھ) کے دربار میں قضاة، فقہا اور قراء کی ایک مجلس منعقد ہوئی، جہاں ابن شنبوذ سے اس کے موقف پر دلیل طلب کی گئی، لیکن یہ کوئی قوی یا ضعیف دلیل بھی پیش نہ کر سکا۔ آخر سزا کے بعد اس نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا۔ [غایۃ النہایۃ: ۵۵، ۵۴۱ - تاریخ بغداد: ۲۸۰۶ - فی رحاب القرآن الکریم: ۴۳۲۱] قراءات شاذہ کی تلاوت کے حکم کے ضمن میں ہم اس باطل نظریہ پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

### قراءات شاذہ کو قراءات متواترہ سے ممتاز کرنے کا دوسرا ضابطہ

علماء قراءات نے ارکان ثلاثہ کی بنیاد پر قراءات شاذہ کو قراءات متواترہ سے الگ کر دیا ہے، چنانچہ علمائے تواتر اور عدم تواتر کے اعتبار سے قراءات کی تین اقسام کی ہیں۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں:

- ۱ قراءات سبعہ کے تواتر پر سب کا اتفاق ہے۔
- ۲ بقیہ تین قراءات کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے۔
- ۳ قراءات عشرہ کے علاوہ چار قراءات کے شذوذ پر سب کا اتفاق ہے۔ [لطائف الإشارات: ۱۷۰۱]

### سبعہ قراءات

ان کے متواتر ہونے کے بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ [اتحاف فضلاء البشر: ۷] ابن سبکی دمج الجوامع میں فرماتے ہیں:

”قراءات سبعہ مکمل طور پر تواتر سے ثابت ہیں یعنی انہیں رسول اللہ ﷺ سے اتنی بڑی جماعت نے نقل کیا کہ ان کا جھوٹ پر مجتمع ہونا محال ہے اور یہ تواتر شروع سند سے آخر سند تک موجود ہے۔ سبعہ قراءات متواتر ہیں مد بھی متواتر ہے اور اہل مد بھی متواتر ہے اور یہ سب واضح ہے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ [مناہل العرفان: ۴۳۶۱]

### بقیہ تین قراءات

صحیح بات یہی ہے کہ سبعہ قراءات کے علاوہ ابو جعفر رضی اللہ عنہ، یعقوب رضی اللہ عنہ اور خلف رضی اللہ عنہ کی قراءات یعنی تمام قراءات عشرہ متواترہ ہیں۔ [اتحاف فضلاء البشر: ۷] تمام محققین اصولیین اور قراء، مثلاً مکی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ابو عمرو الدانی رضی اللہ عنہ، ابو بکر ابن العربی رضی اللہ عنہ، شیخ الشافعیہ ابو عمرو عثمان بن الصلاح رضی اللہ عنہ، شیخ المالکیہ ابن الحجاج رضی اللہ عنہ، [البرہان فی علوم القرآن: ۲۸۱/۱] ابو العلاء الحسن بن احمد بن الحسن الصمدانی رضی اللہ عنہ، ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ، ابن حبان رضی اللہ عنہ، وغیرہ [النشر: ۳۷۱، ۳۷۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱] نیز حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ کا موقف بھی یہی ہے۔ [الموسوعة الفقهیة: ۴۳۳۳] ابن سبکی رضی اللہ عنہ، ابن جریر رضی اللہ عنہ، امام نووی رضی اللہ عنہ، بلکہ ابو شامہ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے ہے، مقرئ

صحیح بات یہ ہے کہ ابن شامہ کے متعلق قراءات عشرہ کی بعض وجوہ کے عدم تواتر کا قول ان کی کتاب میں وسیع کاری ہے۔ یا پھر یہ ان کا شروع میں موقف تھا لیکن بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ [مناہل العرفان: ص ۴۳۶۱]



اور فقیہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں قراءات عشرہ کے تواتر پر اجماع نقل کیا ہے۔ [تفسیر بغوی: ۳۰۶، ۳۱] اسی طرح ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی القضاة ابو نصر عبدالوہاب اور الاستاذ اسماعیل بن ابراہیم کا قراءات عشرہ کے متواتر ہونے پر فتویٰ ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بقیہ تین قراءات کے عدم تواتر کا قول منسوب کرنا غلط ہے۔ [النشر: ۴۵۱، ۴۶، ۴۷] ہاں ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ درست ہے کہ وہ فروش کو متواتر مانتے ہیں، لیکن اصول کو متواتر تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے اس موقف کا ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے سخت رد کیا ہے۔ [منجد المقرئین: ۵۷] اور ابن سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءات عشرہ کے ہر حرف کو متواتر، منزل من اللہ اور دین کا لازمی جز قرار دیا ہے۔ [النشر: ۴۶۱]

اور اگر ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر نے بعض قراءات کے عدم تواتر کی بات کی ہے تو اس کی بنیاد ان کا یہ وہم ہے کہ جب کوئی قراءت کسی معین شخص کی طرف منسوب ہو جائے تو وہ خبر واحد بن جاتی ہے، حالانکہ انہوں نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا کہ ہر وہ قراءت جو مشہور قراء میں سے کسی قاری کی طرف منسوب ہے، اس کو پڑھنے والے، اس قاری کے زمانہ میں یا اس سے پہلے ایک بہت بڑی تعداد تھی، بلکہ وہ اس کے دور سے کئی گنا زیادہ تھی۔ [المنجد: ۶۸]

ابن سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کی ہے اور کہا ہے:

”اگر قراء کی آسانیاں آحاد بھی ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر قراءات متواترہ کی آسانیاں مخصوص افراد کی طرف منسوب ہو گئی ہیں تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگوں نے قراءات کو نقل نہیں کیا، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ ہر امام کی قراءت کو ایک جم غفیر نے اس امام کے اہل علاقہ کے ایک جم غفیر سے روایت کیا۔ اور اسی طرح ہر طبقہ میں یہ تعداد بڑھتی رہی۔ ائمہ کی طرف اور ان کی آسانیاں میں موجود روایات کی طرف ان قراءات کے منسوب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان قراءات کو ضبط کیا تھا اور اپنے شیوخ سے ان قراءات کو مکمل طور پر یاد کیا تھا۔ [مناہل العرفان: ۴۳۶، ۴۳۷]

یہی بات ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ابو المعالی محمد بن احمد بن اللیبان رحمۃ اللہ علیہ (ت ۷۶۷ھ) نے نہایت واضح انداز میں کہی ہے۔ [المنجد: ۷۰]

اور ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ بعض نے اگرچہ ان قراءات کے طرق کے تواتر میں اختلاف کیا ہے، کیونکہ وہ ان کے نزدیک کیفیات ادا سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی اس سے قرآن کے تواتر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ [تفسیر القاسمی: ۳۰۶، ۳۰۷]

اس وضاحت کے بعد ہم بالجزم کہہ سکتے ہیں کہ قراءات عشرہ کے تواتر پر امت کے تمام علماء و فقہاء اور قراء متفق ہیں اور ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے درحقیقت عدم تواتر کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ امام ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الذي وصل إلينا اليوم متواتراً وصحيحاً مقطوعاً به قراءات الأئمة العشر ورواتهم المشهورين هذا الذي تحرر من أقوال العلماء وعليه الناس بالشم والعمراق ومصر والحجاز. [المنجد المقرئین: ۲۳]

”وہ قراءات جو آج ہم تک تواتر اور قطعی ذریعہ سے پہنچی ہیں، وہ ائمہ عشر اور ان کے مشہور روایات کی قراءات ہیں۔ یہی بات علماء کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے اور اسی پر آج اہل شام، عراق، مصر اور اہل حجاز کا اجماع ہے۔“

امام البناء دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ قراءات عشرہ کو متواتر قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں:

وهو الصحيح المختار الذي تلقيناه من عامة شيوخنا وأخذنا به عنهم وبه ناخذ.  
[اتحاف فضلاء البشر: ۷]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی قراءات عشرہ کے تواتر پر اجماع نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”تمام امصار کے مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان ائمہ نے جو قراءات روایت کی ہیں یا انہیں تصنیفات میں تحریر کیا ہے ان پر اعتماد کیا جائے گا اور ان قراءات کے صحیح ہونے پر ہر زمانہ میں مسلسل اجماع چلا آ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا ہوا ہے۔ تمام محققین فضلاء اور تمام ائمہ سلف جیسے ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور قاضی ابی بکر بن ابی الطیب رحمہ اللہ وغیرہ اسی موقف کے حامل ہیں۔“

ابن مجاہد رحمہ اللہ کے سات قراءات کو جمع کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ صرف یہی سات قراءات متواترہ ہیں، مجدد، مجتہد العصر، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ اور کسی عالم کا بھی یہ اعتقاد نہیں تھا کہ سب سے مراد یہی سب سے قراءات ہیں، بلکہ انہوں نے سات قراءات کو اس لئے جمع کیا تھا کہ جن حروف پر قرآن نازل ہوا، اس کے ساتھ لفظی موافقت ہو جائے۔

اس کے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”علماء سلف اور ائمہ دین نے اس بارے میں کبھی اختلاف نہیں کیا کہ یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ تمام علاقوں میں صرف یہی سات قراءات ہی پڑھی جائیں گی، بلکہ جس شخص کے نزدیک اعمش رحمہ اللہ اور یعقوب حضرمی رحمہ اللہ وغیرہ کی قراءت امام حمزہ رحمہ اللہ اور کسائی رحمہ اللہ کی طرح ثابت ہو جائے تو وہ ان کی قراءت کر سکتا ہے۔ اس پر تمام معتبر ائمہ کا اتفاق ہے..... اسی وجہ سے ائمہ اہل عراق جن کے نزدیک دس یا گیارہ قراءات ان سات قراءات کی طرح صحیح ثابت ہیں، وہ انہیں کتب میں جمع کرتے اور نماز اور غیر نماز میں تلاوت کرتے ہیں اور یہ بات علماء کے درمیان متفق علیہ ہے، کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔“ [النشر: ۳۹۱، ۴۰]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ چنانچہ ہم قطعی اور یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سات حروف (وجوہ) پر نازل ہوا ہے اور دلائل سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ قراءات عشرہ کے علاوہ سب منسوخ ہو گئیں تھیں۔ لہذا یہ قراءات اپنے ثبوت میں قطعی ہیں اور قرآن کریم کا لازمی حصہ ہیں اور جب تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ قرآن اپنے اجزاء اور ابعاض سمیت سب کا سب تواتر سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن کا ہر جز تواتر سے ثابت ہے کیونکہ کل، جز کو مستلزم ہے، مثلاً ’الصرط‘ میں ایک قراءت سین کے ساتھ اور ایک ضاد کے ساتھ ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قراءات متواتر اور قرآن ہیں، کیونکہ دونوں ایک ہی ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں اور اگر ہم یہ کہیں کہ ایک متواتر ہے اور دوسری متواتر نہیں حالانکہ دونوں کا طریق ورود ایک ہے تو یہ محض ضد اور دو باہم مساوی چیزوں کے درمیان امتیاز نہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور جب پورا قرآن متواتر ہے تو پھر اس کے ایک جز کو غیر متواتر قرار دینا گویا پورے قرآن پر عدم اعتماد کا اظہار ہے جو کہ سراسر باطل ہے۔

تمام عقلی و نقلی دلائل اور علماء سلف کے اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قراءات عشرہ ہی متواتر ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب شاذ ہیں اور ہم نے قراءات عشرہ کے تواتر کے ثبوت کو اس لئے اہمیت دی ہے، تاکہ شاذ قراءات کے امتیاز میں کوئی دشواری باقی نہ رہے اور ان لوگوں کا رد ہو جائے جو چودہ قراءات کو متواتر کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ’تعرف الأشياء بأضدادها‘

تسلسل

## قراءات عشرہ درج ذیل طرق سے مروی ہیں

رقم	قراءة	روایت	طریق
۱	نافع المدني	قالون ورش	محمد بن ہارون أبي يعقوب يوسف
۲	ابن كثير المكي	البيزي قنبل	محمد بن إسحاق أبي بكر أحمد بن مجاهد
۳	أبي عمر البصري	الدوري السوسي	عبدالرحمن بن عبدوس موسى بن جرير
۴	ابن عامر الدمشقي	هشام ابن ذكوان	أبي الحسن أحمد بن يزيد هارون بن موسى
۵	عاصم الكوفي	شعبة حفص	أبي زكريا يحيى بن آدم عبيد بن الصلاح النهشلي
۶	حمزه الكوفي	خلف خلاد	أبي الحسن ابن بويان عن إدريس بن عبدالكريم الحداد أبي بكر محمد بن شاذان الحوري
۷	علي الكسائي الكوفي	أبو الحارث الدوري	محمد بن يحيى البغدادي (الكسائي الصغير) أبي الفضل جعفر بن محمد النصيبي
۸	أبي جعفر المدني	ابن وردان ابن جمامز	فضل بن شاذان أبو أيوب الهاشمي
۹	إمام يعقوب بن إسحاق	رويس روح	التمار محمد ابن وهب
۱۰	إمام خلف بن هشام	اسحاق إدريس	ابن شاذان المطوعي

## قراءات عشرہ کے علاوہ چار قراءات شاذہ ہیں

بعض نے قراءت عشرہ کے علاوہ بھی بعض قراءات کو متواتر کہا ہے، لیکن فن قراءت کے امام ابن جزری رحمہ اللہ نے نہایت وضاحت سے یہ ذکر کر دیا ہے کہ صرف قراءات عشرہ ہی ارکان ثلاثہ پر پوری اترتی ہیں اور ان کے علاوہ آج کوئی متواتر قراءت موجود نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں:

أن الذي جمع في زمننا هذه الأركان الثلاثة هو قراءة الأئمة العشرة التي أجمع الناس على تلقيها بالقبول. أخذها الخلف عن السلف إلى أن وصلت إلى زماننا. فقراءة أحدهم

كقراءة الباقيين في كونها مقطوعا بها . أما قول من قال: إن القراءات المتواترة لا حد لها، فإن أراد القراءات المعروفة في زماننا فغير صحيح لأنه لا يوجد اليوم قراءة متواترة وراء القراءات العشر . وإن أراد ما يشمل قراءات الصدر الأول فمحمول . [المنجد المقرئين: ص ١٦، ١٥]

”وہ قراءات جو ہمارے دور میں ان تین ارکان کی جامع ہیں، وہ دس ائمہ کی قراءت ہے جن کے قبول عام پر تمام لوگوں کا اجماع ہے۔ انہیں خلف نے سلف سے حاصل کیا، یہاں تک کہ یہ ہم تک پہنچیں، ان میں ہر ایک سے قراءت دیگر قراءت کی طرح قطعی ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ قراءات متواترہ کی کوئی حد معین نہیں ہے، اگر تو اس کی مراد ہمارے دور کی معروف قراءات ہیں تو یہ بات صحیح نہیں کیونکہ آج قراءات عشرہ کے علاوہ کوئی قراءت متواتر نہیں ہے اور اگر اس سے مراد صدر اول کی قراءات ہیں تو اس میں احتمال ہے۔“

● علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”القرآن التي تجوز به في الصلاة بالانفاق هو المضبوط في المصاحف التي بعث بها عثمان إلى الأمصار، وهو الذي أجمع عليه الأئمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة و تفصيلاً فما فوق السبعة إلى العشرة غير شاذ وإنما الشاذ ما وراء العشرة وهو الصحيح .“

[ردالمحتار على درالمختار المعروف بحاشية ابن عابدین: ١٦٣/٢، تحقيق وتخريج محمد صبحي

حسن حداد عامر حسين، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان، ]

”وہ قرآن جس کے ساتھ بالاتفاق نماز جائز ہے، وہ ہے جو ان مصاحف میں تحریر ہے، جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیا تھا اور یہ وہی ہے جس پر ائمہ عشرہ کا اجماع ہے اور یہ اجماعی اور تفصیلی ہر لحاظ سے متواتر ہے۔ سات سے دس تک قراءات شاذ نہیں ہیں، بلکہ شاذ وہ ہیں جو دس کے علاوہ ہیں اور یہی بات صحیح ہے۔“

آخر میں ہم امام زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کلام سے یہ سلسلہ گفتگو ختم کرتے ہیں جنہوں نے قراءات شاذہ اور متواترہ کے درمیان ایک واضح ضابطہ متعین کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

”والمعروف أنها، أي القراءة الشاذة ما وراء السبعة والصواب ما وراء العشر وهي ثلاثة آخر يعقوب وخلف وأبو جعفر يزيد بن القعقاع . فالقول بأن: هذه الثلاثة غير متواترة ضعيف جدا .“ [البحر المحيط: ٢٤٢/١]

”معروف یہ ہے کہ قراءات سب کے علاوہ سب قراءات شاذہ ہیں (یہ نظریہ غلط اور فاسد ہے) [النشر: ٢٤٥/١] صحیح یہ ہے کہ قراءات عشرہ، یعنی قراءات سب اور ان کے ساتھ یعقوب، خلف اور ابو جعفر کی تین قراءات کے علاوہ باقی شاذ ہیں اور یہ قول کہ یہ تین قراءتیں متواتر نہیں ہیں، انتہائی ضعیف ہے۔“

ان تمام عقلی و نقلی دلائل اور علمائے سلف کے اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قراءات عشرہ ہی متواتر ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب شاذ ہیں اور ہم نے قراءات عشرہ کے ثبوت کو اس لئے اہمیت دی ہے، تاکہ شاذ قراءات کے امتیاز میں کوئی دشواری باقی نہ رہے اور ان لوگوں کا رد ہو جائے جو چودہ قراءات کو متواتر کہتے ہیں، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ تعرف الأشياء بأضدادها ”اشیاء کی معرفت ان کی اضداد سے ہوتی ہے۔“ لہذا قراءات شاذہ کے تعین

① عبدالوہاب بن السبکی فرماتے ہیں: ”والصحيح إنما وراء العشر فهو شاذ وما يقابل الصحيح إلا فاسد .“

کے لیے ضروری تھا کہ پہلے قراءات متواترہ کی صحیح کیفیت پیش کی جائے تاکہ قراءات شاذہ پر نقد کی زد میں قراءات متواترہ کے آنے کا شبہ نہ رہے کیونکہ قراءات متواترہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ وہ کلام الہی (قرآن کریم) ہی کی متنوع صورتیں ہیں جو عالم اسلام میں مروج چلی آ رہی ہیں۔\*



## قراءاتِ شاذہ کی مختلف اقسام

گزشتہ صفحات میں مذکور قراءتِ شاذہ کی تعریف اور ضوابط اصولیہ کی بنیاد پر ہم قراءاتِ شاذہ کو درج ذیل اقسام میں منحصر کر سکتے ہیں:

① وہ قراءتِ جس کی سند صحیح ہو اور کسی عربی وجہ کے بھی مطابق ہو اور رسم عثمانی کے بھی موافق ہو، لیکن نہ تو بطریق تواتر ثابت ہو اور نہ ہی ایسے طریق سے جو قوت میں تواتر کے مساوی ہو، مثلاً ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت: «إِمَّا تَأْتِيَنَّكُمْ رِسَالٌ مِّنكُمْ» (تائے تائین کے ساتھ ہے۔) [المحتسب: ۲۲۷/۱] اس کے علاوہ اس کی متعدد مثالیں کتبِ قراءات میں موجود ہیں۔

② وہ قراءتِ جس کی سند صحیح ہو اور لغتِ عرب کی کسی وجہ کے موافق ہو، لیکن مصاحف عثمانیہ میں کسی مصحف کے رسم کے مطابق نہ ہو۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی قراءت: «وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ» (والذكر والأنثى)۔ [اللیل: ۳۰/۱] صحیح البخاری: [۳۹۳۳]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت: «وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَضَبًا وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا» [الکہف: ۷۹، ۸۰] صحیح البخاری: [۴۷۲۶، ۴۷۲۵]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی قراءت: «يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِقُوهُنَّ» [الطلاق: ۱] (فی قبل عدتھن)۔ [صحیح مسلم: ۱۴۷۱-الموطأ: ۵۸۷۲-جزء فی قراءات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (إمام الدوری): ۱۶۲-المستدرک للحاکم: ۲۵۰۲]

امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن میں اور امام حاکم رضی اللہ عنہ نے المستدرک میں قراءتِ اس کی اس قسم کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اور متعدد امثلہ ذکر کی ہیں۔ [الاتقان: ۷۷۷/۱] اسی طرح ابو عبید القاسم بن سلام رضی اللہ عنہ نے بھی رسم عثمانی کے مخالف حروف کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور رسم عثمانی کے مخالف تقریباً ۱۰۰ روایات ذکر کی ہیں۔

[فضائل القرآن: ۱۴۵۱/۵/۲]

قراءاتِ شاذہ کی یہی دو اقسام ہیں، جن کے متعلق ہم آئندہ صفحات میں یہ بحث کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک ان کی کیا حیثیت ہے؟

① اس میں متواتر قراءت: «إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رِسَالٌ مِّنكُمْ» ہے۔

۱۳ وہ قراءۃ جس کی سند صحیح ہو، رسم عثمانی کے مطابق ہو اور لغت عربی کے مخالف ہو، امام ابن جزری رحمہ اللہ کے بقول یہ قسم بہت ہی کم ہے، بلکہ مفقود ہے۔ اگر اس کی کوئی مثال ہے بھی تو وہ سہو، غلطی اور عدم ضبط کا نتیجہ ہے، جس سے ائمہ محققین اور حفاظ قراءۃ واقف ہیں، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی قراءۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور پھر لغت عرب کے مطابق نہ ہو۔

بعض نے خارجه عن نافع کی روایت: «معائش» ہمزہ کے ساتھ <sup>①</sup> اسی طرح ابن بکار عن ایوب عن یحییٰ عن ابن عامر کی روایت: «أدری أقریب» ہمزہ اور یا کے فتح کے ساتھ۔ اسی طرح ابوعلی العطا کی روایت عن العباس عن أبي عمر: «ساحران تظاہراً» (ظا کی تشدید کے ساتھ) کو اسی قبیل سے قرار دیا ہے۔ ایسی تمام قراءت سہو، غلطی اور عدم ضبط کا نتیجہ ہیں، لہذا قابل رد ہیں۔ [النشر: ۱۶۱]

۱۴ بعض قراءت ایسی بھی ہیں جن کی اسناد صحیح ہیں، لیکن درحقیقت وہ قرآن نہیں ہیں، بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوران تلاوت کسی لفظ کی تفسیر اور تشریح کیلئے بعض کلمات کا اضافہ کر دیتے تھے اور بعض ساتھ لکھ بھی دیتے تھے، جس کے لئے 'مدرج' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ چونکہ وہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حاصل کر رہے تھے، قرآن کے متن کو خوب جانتے تھے، اس لئے ان الفاظ کے اضافہ سے قرآن کے متن میں اضافہ کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ ایسے ہی بعض تابعین نے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے کیا۔ [أيضاً: ۳۲/۱، الاتقان: ۷۹/۱] مدرج قراءۃ کی مثال سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: «وله أخ وأخت من أم» میں «من أم» کے لفظ ہے، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیری اضافہ ہے۔

۱۵ وہ قراءۃ جس کی سند صحیح نہ ہو، خواہ وہ رسم عثمانی اور لغت عرب کے موافق ہو یا مخالف، ایسی قراءۃ بالاتفاق ضعیف اور قابل رد شمار ہوگی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان تمام قراءت کو موضوع قرار دیا ہے۔ [الاتقان: ۷۷/۱] امام مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے کتب شواذ میں موجود قراءت کی غالب اکثریت کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [النشر فی القراءات العشر: ۱۶۱]

مثال کے طور پر ابن السمیفع <sup>②</sup> اور ابو السمال <sup>③</sup> وغیرہ کی قراءت «نَنْجِيكَ بِبَدَنِكَ» کی بجائے «نَنْجِيكَ بِبَدَنِكَ» اور «لَتَكُونَنَّ لِمَنْ خَلَقَكَ ءَايَةً» کی بجائے «خَلَقَكَ» لام کی نخ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح وہ قراءت جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ <sup>④</sup> کی طرف منسوب ہیں۔ ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی نے یہ قراءت ایک کتاب میں جمع کر کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیں اور اس سے پھر ابو القاسم البہذلی

① ابن ماجہ نے القراءات السبعة: ۲۷۸ میں اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔ اسی طرح علی النوری الصفاقی نے اپنی کتاب غیث النفع میں کہا ہے کہ «معائش تمام قراءت کے نزدیک ہمزہ اور مد کے بجائے یا کے ساتھ ہے اور خارجہ، نافع سے ہمزہ کے ساتھ روایت کرنے میں مفرد اور شاذ ہیں اور یہ وجہاً بھائی ضعیف ہے، بلکہ بعض نے اسے منکر قرار دیا ہے»۔ [غیث النفع علی حاشیہ سراج القاری: ۲۲۱]

② ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن بن السمیفع الیمانی: اس کا قراءۃ کے بارے میں اجماع امت سے الگ ضابطہ تھا۔ یہ اسمعیل بن مسلم کی کے حوالہ سے قراءت بیان کرتا ہے جو کہ مجہول اور ضعیف ہے، لہذا اس کی قراءت ضعیف شمار ہوں گی۔ [غایۃ النہایہ: ۱۶۱/۲، ۱۶۲]

③ ابو السمال ثعلب بن یوسف العدوی البصری: اس کا بھی قراءۃ میں اجماع امت سے الگ ضابطہ تھا۔ یہ جس سند سے قراءۃ بیان کرتا ہے، وہ ضعیف ہے۔ [غایۃ النہایہ: ۲۷۲]

④ نعمان بن ثابت بن زوطا (ت. ۱۵۰ھ) انمار ابو میں سے مشہور امام ہیں، عراق کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ [غایۃ النہایہ: ۳۲۲/۲]

نے انہیں نقل کیا۔ ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ابو العلاء واسطی نے کہا ہے کہ میں نے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اور علما کی ایک جماعت کی تحریرات دیکھیں، جن میں یہ صراحت تھی کہ یہ کتاب موضوع اور خود ساختہ ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان میں سے ایک قراءۃ: «إنما یخشی اللہ عباده العلماء» لفظ 'اللہ' کی رفی حالت اور لفظ 'العلماء' کی نصی حالت کے ساتھ ہے۔ یہ قراءۃ اکثر مفسرین کے ہاں رائج ہو گئی ہے، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس سے بری الذمہ ہیں۔ [النشر فی القراءات العشر: ۱۶۸]

اسی طرح وہ قراءات جو شاطبیہ کے بعض شارحین نے وقفِ حمزہ کے بارے میں ذکر کی ہیں، وہ بھی قراءات شاذہ کی ان دو مؤخر الذکر مردود اقسام میں شامل ہوں گی۔

مثال کے طور پر اسمایہم، اولیک (ہمزہ کی بجائے یا) شرکاوہم، أحباوہ (ہمزہ مرفوعہ کی بجائے واؤ) بداکم، أخواہ (ہمزہ کی بجائے الف) اسی طرح مرأی کی بجائے مرا اور تری کی بجائے ترا اور اشمأزت کی بجائے اشمزت اور فادآتم کی بجائے فاداتم، ان تمام الفاظ میں ایک ایک کلمہ حذف کیا گیا ہے، جسے وہ تخفیف رسی کا نام دیتے ہیں۔ یہ تمام قراءات کسی بھی عربی وجہ کے مطابق نہیں ہیں، لہذا اگر یہ ثقہ رواۃ سے منقول ہوں تو بھی ان کو قبول نہیں کیا جاسکتا ہے اور اگر یہ غیر ثقہ سے منقول ہیں تو پھر یہ رد کے زیادہ لائق ہیں۔ [ایضاً: ۱۶۸-۱۷۰]

حقیقت یہ ہے کہ ان قراءات کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ابن جزری فرماتے ہیں: ”جستوئے بسیار کے باوجود بھی مجھے کسی صحیح یا ضعیف طریق سے ان کی نص نہیں مل سکی۔“ [ایضاً: ۱۷۸] اگر حقیقت ایسے ہی ہے جیسا کہ ابن جزری نے بیان کیا ہے تو پھر وقفِ حمزہ کی طرف منسوب ان الفاظ کو درج ذیل آخری قسم میں شمار کیا جانا چاہئے۔

۱ جھٹی قسم ان قراءات کی ہے جو رسم عثمانی اور لغتِ عرب کے موافق تو ہیں، لیکن سرے سے ان کی کوئی سند ہی نہیں ہے۔ ایسی قراءات کو شاذہ کی بجائے 'مکذوبہ' کہا جائے گا اور ایسی قراءات کو قرآن کہنے والا کافر قرار دیا جائے گا۔ [منجد المقرئین: ۱۷- لطائف الإشارات: ۷۲]

## قراءت شاذہ کی حیثیت و مقام

جب ہم گزشتہ باب پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو درج ذیل نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

- ۱ تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ثبوت قرآن کے لئے تواتر اور نص قطعی کا ہونا شرط ہے۔
- ۲ ہر وہ قراءۃ متواتر ہوگی جو مذکورہ تین ارکان کی جامع ہوگی۔
- ۳ صرف قراءاتِ عشرہ ہی متواتر ہیں جو ان تین ارکان پر پورا اترتی ہیں، ان کے علاوہ باقی سب قراءات احادیہ اور شاذہ ہیں۔

۴ وہ قراءات جو رسم عثمانی کے مطابق ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں، لیکن وہ تواتر اور قبول عام کے مقام پر فائز نہیں ہیں، دراصل یہ وہ قراءات تھیں جو سببِ حروف کا حصہ تھیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل کے آخری دور قرآن میں بعض مصالح کے پیش نظر انہیں منسوخ کر کے دائرہ قرآن سے نکال دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تواتر کے ذریعہ ہم تک نہیں پہنچیں۔

۵ وہ قراءات جو بطریق احاد ثابت ہیں، لیکن رسم عثمانی کے مخالف ہیں، دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو یہ قرآن تھیں

لیکن عرضہ اخیرہ کے وقت منسوخ کردی گئیں یا یہ شروع سے ہی قرآن نہیں تھیں، بلکہ یہ آیات کی تفسیر تھیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں۔ جن حضرات نے ان قراءات کو بطور قرآن بیان کیا ہے، اس سے ان کا مقصود یا تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ پہلے یہ قرآن تھیں، یا انہوں نے غلطی سے انہیں قرآن سمجھ لیا، حالانکہ وہ قرآن کی تفسیر تھی یا عرضہ اخیرہ کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ان کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہو سکا، البتہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں جمع قرآن کے وقت سب صحابہؓ ان قراءات کے عدم قرآن ہونے پر متفق ہو گئے۔

① ان کے علاوہ جتنی بھی قراءات ہیں، سب باطل اور ضعیف ہیں جن کو بعض اسلام دشمن عناصر نے اپنے اہداف کو بروئے کار لانے کے لئے گھڑا تھا یا پھر وہ سہولت اور لغت عرب سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔ ان کو امت نے کسی بھی حیثیت سے قبول نہیں کیا، لہذا یہ ہماری اس بحث سے خارج ہیں۔

یہاں ہمارے زیر بحث صرف وہ قراءات شاذہ ہیں جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں کہ آیا ان قراءات شاذہ کو قرآن قرار دیا جاسکتا ہے؟ نماز یا اس کے علاوہ ان کی تلاوت کا حکم کیا ہے؟ اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ کیا استنباط احکام میں فقہاء اور مفسرین نے ان کو قبول کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو کس حیثیت سے، بطور قرآن یا خبر واحد؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ یہ وہ موضوع ہے جس پر ہم آئندہ صفحات میں بحث کریں گے۔

گذشتہ باب کے نتائج کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے اگر ہم غور کریں تو یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ قراءۃ شاذہ قرآن نہیں ہے، کیونکہ اس میں وہ تمام شرائط مفقود ہیں، جو ثبوت قرآن کے لئے ضروری ہیں، لہذا پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ قراءۃ شاذہ قرآن نہیں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں اس حقیقت پر تمام مکاتب فکر اسلامیہ کے اقوال پیش کر دیئے جائیں، تاکہ اعدائے اسلام اور مستشرقین کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

② امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ قراءۃ شاذہ کے قرآن نہ ہونے پر امت کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اعلم بأن الكتاب هو القرآن المنزل على رسول الله ﷺ، المكتوب في دفات المصاحف المنقول إلينا على الأحرف السبعة المشهورة نقلاً متواتراً؛ لأن ما دون المتواتر لا يبلغ درجة العيان ولا تثبت بمثله القرآن مطلقاً؛ ولهذا قالت الأمة: لو صلي بكلمات تفرد بها ابن مسعود لم تجز صلواته؛ لأنه لم يوجد فيه النقل المتواتر. وباب القرآن باب يقين وإحاطة فلا تثبت بدون النقل المتواتر كونه قرآناً.“

[أصول السرخسي، أبو بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي: ٢٤٩/١-٢٨٠]

”جان لیجئے! قرآن کریم وہ کتاب ہے، جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی۔ جلدوں کے درمیان مصاحف میں لکھی ہوئی ہے۔ مشہور سات حروف کے مطابق تو اتر کے ذریعے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے، اس لئے کہ جو متواتر کے علاوہ ہے، وہ قطعیت اور عین یقین کے درجہ کو نہیں پہنچتا، اور ایسی چیز سے قرآن کا ثبوت ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے امت اس بات پر متفق ہے کہ اگر کوئی شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی شاذ قراءۃ کو نماز میں پڑھے گا، اس کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں نقل تو اتر موجود نہیں ہے۔ اور جو متواتر نہیں ہے، اسے قرآن نہیں کہا جاسکتا۔“

③ امام زکشی رحمۃ اللہ علیہ نے الکیا طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس پر علما کا اتفاق نقل کیا ہے ان کا بیان ہے:



”القراءة الشاذة مردودة لا يجوز إثباتها في المصحف، وهذا لا خلاف فيه بين العلماء.“

[البحر المحيط في أصول الفقه: ٢٤٥/١، ايڈٹ: عبد الستار أبو غده]

”قراءة شاذة قابل رد ہیں، ان کو مصحف میں شامل کرنا ممنوع ہے اور علما کے درمیان اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔“  
صاحب مسلم الثبوت فرماتے ہیں:

”جو قراءات بذریعہ آحاد نقل ہوئی ہیں، وہ قطعاً قرآن نہیں ہیں۔ [مسلم الثبوت لعبد العلي الهندي: ١٥٠]“  
① امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قراءات شاذہ کو قطعی طور پر قرآن سے الگ قرار دیا ہے۔

[أصول الفقه الإسلامي للدكتور وهبه الزحيلي: ٢٢٤/١]

② عبد العلي الانصاري رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

”القراءة الشاذة ليست من القرآن اتفاقاً.“ [فواتح الرحموت لعبد العلي: ١٢٢]

”قراءة شاذة بالاتفاق قرآن نہیں ہے۔“

مالکیہ کے بہت بڑے فقیہ امام باجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متواتر کے علاوہ کسی خبر کو قرآن میں لکھنے کی ممانعت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ [المنتقى: ٢٢٢/١]

اسی طرح حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے قراءتہ شاذہ کی تلاوت، اور نماز میں قراءتہ شاذہ کی تلاوت کرنے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر امت مسلمہ کے تمام علما کا اجماع نقل کیا ہے اور جن چند افراد نے اس سے اختلاف کیا ہے، انہیں امت کے اجماعی موقف سے منحرف قرار دیا ہے۔ [التمهيد لابن عبد البر: ٢٩٣/٨]

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ قراءات شاذہ کے عدم قرآن ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”من العجب احتجاجكم بهذه الزيادة التي أنتم مجتمعون معنا على أنها لا يحل لأحد أن يقرأ بها ولا أن يكتبها في مصحفه.“

”تعجب ہے کہ تم قراءتہ شاذہ کے اس اضافہ کو استدلال کی بنیاد بناتے ہو، حالانکہ ہمارا اور تمہارا اس بات پر اجماع ہے کہ قراءتہ شاذہ کی تلاوت اور ان کو مصحف میں لکھنا جائز نہیں ہے۔“ [المحلى لابن حزم: ٢٥٥/٣]

قراءات شاذہ کے قرآن نہ ہونے کی اہم دلیل یہ ہے کہ ان کو قبول عام اور تواتر حاصل نہیں ہوا۔ اگر یہ قرآن ہوتیں تو یقیناً بطریق تواتر مقبول ہوتیں اور امت میں ان کو بھی قراءات متواتر کی طرح قبول عام حاصل ہوتا، کیونکہ قرآن جس نے پوری دنیا کو ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنانے کا چیلنج دیا، لیکن عرب کے ماہ ناز بلغا و فصحا سورت تو کیا ایک آیت بھی بنا کر نہ لاسکے تو ایسا عظیم معجزہ جو آج تک پوری انسانیت کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے اور ہر دور میں اس کے بذریعہ تواتر نقل ہونے میں متعدد اسباب کا رفرما رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کوئی چیز قرآن ہو اور چند افراد کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ ہو؟ چنانچہ ثابت ہوا کہ تواتر کی شرط مشقود ہونے کی وجہ سے قراءتہ شاذہ پر قرآن

① ابو الوليد سليمان بن خلف بن سعد القرظي الباهلي (٢٤٣هـ) مالکیہ کے بہت بڑے فقیہ اور عظیم محدث تھے۔ اندلس کے شہر باجہ (Beja) میں پیدائش کی وجہ سے باجی کہلائے۔ حصول علم کے لئے اندلس سمیت بغداد، موصل، دمشق اور حلب کا سفر کیا۔ اندلس کے بعض علاقوں میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ علوم اسلامیہ پر انہوں نے متعدد کتب تصنیف کیں۔ [الأعلام: ١٨٦/٣]

② محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم الحلی الشافعی (ت ٨٢٦هـ) عظیم مفسر اور اصولی گزرے ہیں۔ ابن العمان نے انہیں عرب کا تفتازانی قرار دیا ہے۔ نہایت خودار آدمی تھے، کوئی حکمران ملنے آتا تو ملنے سے انکار کر دیتے۔ حکومت وقت کی طرف سے چیف جسٹس کے عہدہ کی پیش کش ہوئی تو ٹھکرادیا۔ [الأعلام: ١١٠/٣]

کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ شہاب الدین القسطلانی اس پر علما کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أجمع الأصوليون وغيرهم على أن الشاذ ليس بقرآن لعدم الصدق لفظ القرآن عليه أو شرطه وهو التواتر.“ [لطائف الإشارات: ۷۲]

جمع الجوامع کے شارح جلال الدین المحلی<sup>(۱)</sup> فرماتے ہیں:

”قراءة شاذة اس لئے قرآن نہیں ہے کہ وہ متواتر نہیں ہے، (اگر یہ قرآن ہوتی تو یقیناً بذریعہ تواتر منقول ہوتی) حالانکہ قرآن دنیا کے لئے ایک عظیم معجزہ ہونے ناطے بذریعہ تواتر منقول ہونے کے لئے متعدد اسباب کا حامل ہے۔“ [حاشیۃ العطار: ۲۹۵-۲۹۷]

① امام شربنی رحمۃ اللہ علیہ جلال الدین المحلی کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”فلو كان ما نقل آحاداً لتواتر نقله.“

”اگر قرآنت شاذہ قرآن ہوتیں تو یقیناً بذریعہ تواتر منقول ہوتیں“ [شرح الشربینی علی جمع الجوامع: ۱/۲۹۷]

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جب ثبوت قرآن کے لئے تواتر ضروری ہے تو پھر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قراءۃ شاذہ قرآن نہیں ہے، کیونکہ وہ متواتر نہیں ہے۔“

نیز امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ [البرهان فی أصول الفقه: ۱/۲۶۸]، امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ [قواطع الأدلة فی الأصول: ۱/۳۱۵]، تحقیق: محمد حسین إسماعیل الشافعی [اور این حزم رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت پر زور دلائل سے قراءۃ شاذہ کا قرآن نہ ہونا ثابت کیا ہے اور کہا کہ اگر قراءۃ شاذہ قرآن ہوتیں تو یقیناً اس کے ماننے والے اس کی حفاظت اور آئندہ نسلوں کی طرف منتقل کرنے کے لئے اپنی تمام مساعی بروئے کار لاتے، کیونکہ قرآن عظیم معجزہ، اسلام کے تمام اصولوں اور قوانین کا منبع اور اہل اسلام کے لئے سرمایہ حیات ہونے کے ناطے اسی کا مقتضی تھا۔

زید یہ کا موقف بھی یہی ہے کہ جو چیز بطریق آحاد منقول ہے، وہ یقیناً قرآن نہیں ہے۔

[البحر الزخار: ۱۱۶۰۱، أحمد بن يحيى بن المرتضى]

پھر دور عثمان رضی اللہ عنہ میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ قرآن صرف ان دو گتوں کے درمیان ہے، اس کے علاوہ جو کچھ تھا، قرآن سے الگ کر دیا گیا تھا۔ آج چودہ سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود اسکے ایک حرف پر بھی کسی نے انگشت نمائی نہیں کی اور اعراء اسلام ہزار ہا کوششوں کے باوجود بھی اس میں ذرا بھر تحریف ثابت نہیں کر سکے۔

اس کے علاوہ مذاہب اربعہ کے تمام فقہا، مفسرین اور اصولیین اس بات پر متفق ہیں کہ نماز میں قراءت شاذہ کی تلاوت جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز میں قرآن کے علاوہ کسی چیز کی تلاوت بطور قرآن جائز نہیں اور ایسا شخص جو قراءۃ شاذہ کو قرآن سمجھتا ہے، اس کے متعلق علمائے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے اور اس وقت تک سخت سزا دی جائے، جب تک کہ وہ اپنے اس موقف سے رجوع نہ کر لے۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ فصل میں مذاہب اربعہ اور دیگر مکاتب فکر کی آراء کی روشنی میں پیش کریں گے۔ یہاں مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ علمائے امت کا نماز

① یہ دراصل جمع الجوامع کی شرح از جلال الدین محلی پر حسن العطار کا حاشیہ ہے۔

② عبد الرحمن بن محمد بن أحمد الشربینی (ت ۱۳۲۶ھ) شافعیہ کے فقیہ اور اصولی تھے، نہایت متقی اور زاہد آدمی تھے، اصول فقہ میں تقریر علی جمع الجوامع اور بلاغہ میں فیض الفتاح ان کی معروف کتب ہیں۔ [الأعلام: ۶/۲۳۰]

محمد اسلم صدیق

میں قراءۃ شاذہ کی تلاوت کو ممنوع قرار دینا اور قراءۃ کی تلاوت پر اصرار کرنے والے کیلئے انتہائی سخت رویہ اختیار کرنا قراءۃ شاذہ کے قرآن نہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اور ابن مقسم اور ابن شہبوز کا واقعہ قراءۃ شاذہ کے قرآن نہ ہونے پر امت مسلمہ کے اجماع کی روشن مثال ہے۔ اس وقت بغداد عالم اسلام کا مرکز اور دار الخلافہ تھا، وہاں حکومت کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا اور حکومت نے وقت کے تمام فقہاء، قراء وغیرہ کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو تمام علما و فقہانے متفقہ طور پر قراءۃ شاذہ کے قرآن نہ ہونے کا فیصلہ دیا اور واضح کیا کہ قراءات شاذہ کی تلاوت حرام، ان کو قرآن سمجھنے والا اور ان کی تلاوت کرنے والا شخص سخت سزا کا مستوجب ہے۔ یقیناً مرکز اسلام میں حکومتی سطح پر ہونے والے اس دور کے جید فقہاء، علما اور قراء کے اس فیصلہ کی خبر پورے عالم اسلام میں پہنچی، لیکن لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی مملکت اسلامیہ کے کسی گوشہ سے اس فیصلہ کے خلاف ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی۔ اجماع کی اس سے بڑی مثال شاید پیش نہیں کی جاسکتی۔

مذکورہ تمام حقائق واضح دلیل ہیں کہ قراءۃ شاذہ عرضہ اخیرہ سے لے کر آج تک نہ کبھی قرآن تھی اور نہ آج ہے، لہذا مستشرقین کا قراءۃ شاذہ کی بنیاد پر قرآن میں اختلاف ثابت کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

### ابن مقسم، ابن شہبوز اور ابن دقیق العید رضی اللہ عنہم کے نظریات کا جائزہ

گزشتہ صفحات میں پیش کئے گئے تمام امت کے اجماعی موقف کے خلاف ابن مقسم، ابن شہبوز اور ابن دقیق العید نے قراءۃ شاذہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا تھا۔ زیر نظر سطور میں ان کے نظریات اور دلائل کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد تفصیل سے اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

### ابوبکر ابن مقسم رضی اللہ عنہ (ت ۳۵۴ھ یا ۳۶۲ھ) کا نظریہ

یہ شخص اپنے دور میں کوفیوں کی نحو کا سب سے بڑا حافظ اور مشہور، غریب و شاذ قراءات کا بہت بڑا عالم تھا۔ علوم القرآن پر اس نے متعدد کتب تصنیف کیں۔ قراءات کے متعلق اس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر وہ قراءۃ جو مصحف اور کسی عربی وجہ کے مطابق ہو، اس کی قراءت جائز ہے، خواہ اس کی کوئی سند نہ بھی ہو۔ [غایۃ النہایۃ: ۱۲۴۲] تمام علمائے ان کے اس نظریہ کو باطل اور خود ساختہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ابوطاہر بن ابوبہشم فرماتے ہیں:

”بدعة أضل بها عن قصد السبيل .“ [النشر: ۱۷۱]

”یہ ایسی بدعت ہے، جس نے اس شخص کو راہ راست سے گمراہ کر دیا ہے۔“

اپنے اس باطل نظریہ کی بنیاد پر یہ شخص قراءات میں دور از کار و وجوہ کا استخراج کرتا تھا۔ اور تصحیف کلمات کی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو اس نے آثار سے قطع نظر محض اپنی رائے اور اجتہاد سے اختیار کر رکھی تھیں، حالانکہ ان کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ کسی نے انہیں پڑھا ہے اور نہ روایت کیا ہے۔ اس کی خود ساختہ قراءات کی ایک مثال یہ ہے کہ یہ ﴿قَلَمًا اسْتَبَسَّوْا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ کو أنجباء [یوسف: ۸۰] پڑھتا تھا۔

اس کی یہ قراءۃ اجماع کے مخالف اور معنوی لحاظ سے بھی مضحکہ خیز ہے، کیونکہ ناامیدی کے ساتھ نجات کی کوئی بھی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔ مصطفیٰ صادق الرافعی اس قاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کا شمار قراءات کے بہت بڑے علما میں سے ہوتا تھا، پھر اس کے ذہن میں یہ سودا سما یا کہ وہ بھی کوفہ کے ائمہ نحاۃ

سے کم نہیں ہے۔ یہی احساس تعلّی اس کے بگاڑ کا سبب بنا اور اس نے اجماع کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی قراءات کیلئے نئی و جودہ اختراع کیں، اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا اسْتَمْتَعُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ اس کو یہ احمق 'انجباء' پڑھتا تھا اور اس طرح اس نے عربی کی فصیح و بلیغ اور خوبصورت ترین وجہ کو ترک کر کے منفرد قسم کی وجہ ایجاد کی اور اس نے نہیں سوچا کہ وہ کیا کر رہا ہے! [اعجاز القرآن والبلاغة النبوية: ۱۴۷]

جب اس کے اس باطل نظریہ کی خبر اہل علم کو پہنچی تو انہوں نے اسے زبردست تنقید کا نشانہ بنایا، آخر کار معاملہ حاکم وقت تک پہنچا۔ حاکم وقت نے اسے طلب کیا اور علما کی ایک مجلس بلائی پھر اسے مجلس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے اس کے اس نظریہ کی صحت پر دلیل طلب کی گئی، لیکن یہ شخص کوئی قابل ذکر قوی یا ضعیف دلیل بھی پیش نہ کر سکا۔ چنانچہ اسے سخت سزا سے دوچار کرنے کا فیصلہ ہوا، آخر اس نے قرآن اور فقہا کے سامنے اپنے اس نظریہ سے توبہ کی، پھر اس کی توبہ کا محضر نامہ لکھا گیا جس پر تمام حاضرین نے دستخط کیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اپنے اس نظریہ اور خود ساختہ قراءات سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ [معجم الأدياء: ۱۵۴۸]

اور بیان کیا جاتا ہے کہ بعض نیک لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ تمام لوگ مسجد میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن ابن مقسم کعبہ کی طرف پیٹھ کئے کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ اس واقعہ کو علما نے اس کے سیدھے راستے سے بھٹک جانے اور امت کے اجماع سے انحراف سے تعبیر کیا ہے۔

مذکورہ تاریخی حقائق ثابت کرتے ہیں کہ یہ نظریہ اور اس بنیاد پر اس کی ایجاد کردہ قراءات اس کے اپنے ذہن کی اختراع تھیں، جس کی تہہ میں نام و نمود، حصول جاہ اور احساس برتری کا مرض کارفرما تھا۔ امت نے اسے باطل کی اتباع اور حق سے انحراف قرار دیا اور کسی نے بھی اس کے نظریہ کو قبول نہ کیا۔ آخر یہ نظریہ اس کی موت کے ساتھ ہی دفن ہو گیا، کیونکہ قراءات کی اصل نقل ہے، لیکن اس کے نظریہ کی بنیاد عقل و رائے اور ذہنی مرض تھا۔ یہ تاریخی حقیقت قراءات شاذہ کے قرآن نہ ہونے پر ساری امت کے اجماع کی بہت بڑی دلیل ہے۔

### ابن شنبوذ اور اس کا نظریہ

ابن شنبوذ یا ابن شنبوذ [غایۃ النہایۃ: ۲/۱۲۵] چوتھی صدی ہجری کا ایک بہت بڑا قاری تھا۔ یہ شخص رسم عثمانی کے مخالف قراءۃ شاذہ کی تلاوت کو جائز سمجھتا تھا۔ [النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة: ۳/۲۲۸، جمال الدین

① ابن شنبوذ نے دوران تفتیش درج ذیل رسم صحف کے خلاف قراءات کا اقرار کیا تھا جن کی یہ تلاوت کرتا تھا:

- ﴿فَامضُوا﴾ ﴿إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [المجمعة: ۹]
  - ﴿وَكَانَ وَرَاءَهُ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيهَةٍ﴾ ((صالحه)) ﴿غَضِبًا﴾ [الكهف: ۴۹]
  - ﴿كَ﴾ ((الصوف)) ﴿الْمُنْفُوشِ﴾ [القارعة: ۵]
  - ﴿تَمَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ (وقد) ﴿تَبَّ﴾ [لهب: ۱]
  - ﴿فَالْيَوْمُ﴾ ((ننحيك)) ﴿بِمَدِّكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً﴾ [يونس: ۹۲]
  - ﴿وَتَجْعَلُونَ﴾ ((شكركم)) ﴿أَنْكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ [الواقعة: ۸۲]
  - ﴿وَالْبَلِّ إِذَا يُعْشَىٰ﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ﴿(والذكر والأنى)) [الليل: ۳]
  - ﴿(فقد كذب الكافرون))﴾ ﴿سَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾ [الفرقان: ۷۷]
  - ﴿إِلَّا تَعْلَمُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً وَفَسَادًا﴾ ((عريض)) [الأنفال: ۷۳]
  - ﴿فَلَمَّا خَرَّ﴾ ((تبيتن الإنسان أن الجن)) ﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا﴾ [سبا]
- معرفة القراء الكبار على الطبقات والأعصار: ۲۲۳/۲۲۴ - غایۃ النہایۃ: ۵۵۲

محمد اسلم صدیق

یوسف بن تغری بردی الأتابکی (ت ۸۷۴ھ) اس باطل نظریہ کی بنیاد پر اس نے کچھ حروف اختیار کر لئے، جن کو وہ محراب میں پڑھتا تھا، لوگوں کو ان کی تعلیم دیتا تھا اور اس پر لوگوں سے مناظرے کرتا تھا۔ یہ وہ قراءات تھیں جو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی تھیں اور رسم مصحف کے خلاف تھیں۔<sup>(۱)</sup> [تاریخ بغداد: ۲۸۰۱] تو ابو بکر الانباری اور کئی دیگر علما نے اس کے رد میں کتب تصنیف کیں۔

چنانچہ جب اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا اور امت میں فتنہ کا اندیشہ پیدا ہوا تو علما نے اس کا سخت رد کیا۔ امام ابن مجاہد رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے یہ معاملہ حاکم وقت کے سامنے پیش کیا۔ حاکم وقت نے اپنے ایک وزیر محمد بن مقلہ کو یہ مسئلہ حل کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ چنانچہ ۳۲۳ھ ماہ ربیع الآخر کے شروع میں ابن شبنو ذکو اس الزام کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۷ ربیع الاول کو محمد بن مقلہ نے ابن شبنو ذکو کے معاملہ کو حل کرنے کے لئے بغداد کے علماء، فقہاء اور قراء کا ایک اجلاس بلایا، [معرفۃ القراء الکبار: ۲۷۸-۲۷۹] جس میں اس دور کے سب سے بڑے عالم اور مفتی ابو بکر الابرہی رضی اللہ عنہ الشفاء بالتعریف بحقوق الصطفی: ۲۶۶/۲، العلامة القاضی أبو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض (ت ۵۴۳ھ) عمر بن محمد بن یوسف القاضی اور امام القراء ابن مجاہد [معرفۃ القراء الکبار: ۲۲۴، ۲۲۵] بھی موجود تھے۔

اس کے بعد مجلس کی کاروائی کا آغاز ہوا، علما نے دلائل سے اس کے نظریہ کو غلط ثابت کیا، لیکن ابن شبنو ذکو نے اپنے موقف سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا اور مقابل علما کو کم علم ہونے کا طعنہ دیا اور کہنے لگا کہ تمہیں حصول علم کیلئے سفروں کی وہ مشقتیں برداشت نہیں کرنا پڑیں جو مجھے کرنا پڑی ہیں۔ آخر بغداد کے ان تمام علما نے متفقہ طور پر زبردستی اسے اس کے مذہب سے رجوع کروانے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ اس نے کوڑوں کی سخت سزا اٹھانے کے بعد اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور پھر ابن میمون کی تحریر سے اس کے رجوع کا یہ محضر نامہ لکھا گیا:

يقول محمد بن أيوب المعروف بابن شبنوذ:

”وقد كنت أقرأ حروفاً تخالف ما في مصحف عثمان بن عفان - رضي الله عنه - المجمع عليه، والذي اتفق أصحاب النبي ﷺ ورضي عنهم على تلاوته، ثم بان لي أن ذلك خطأ فأنا منه تائب وعنه مقلع وإلى الله بريء، إذ كان مصحف عثمان هو الحق الذي لا يجوز خلافه، ولا أن يقرأ بغير ما فيه.“

اور اس کے بعد خود ابن شبنو ذکو نے اس محضر نامہ میں اپنے خط سے یہ الفاظ تحریر کیے:

”يقول محمد بن أحمد بن أيوب بن شبنوذ: ما في هذه الرقعة صحيح وهو على قولي واعتقادي وأشهد الله عز وجل وسائر من حضر على نفسي بذلك.“ [معرفۃ القراء الکبار للذهبی: ۲۲۴/۱]

نیز اس نے یہ لکھا:

”اگر میں اس کی مخالفت کروں یا مجھ سے اس محضر نامہ کے خلاف کسی بات کا ظہور ہو تو امیر المؤمنین کے لئے میرا خون حلال ہے...“ [معجم الأدباء لياقوت الحموی: ۱۷۱/۱۷-۱۷۲/۱۷] وفيات الأعيان: ۳/۲۷

اس کے بعد اجلاس میں موجود ابن مجاہد رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام علما نے قرآن نے محضر نامہ پر لکھا کہ ابن شبنو ذکو نے محضر

میں موجود ہر بات کا اقرار کیا ہے اور اس کے بعد انہوں نے اپنے دستخط کئے۔ ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ وزیر ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو محافظ دستہ کے ساتھ رات کو گھر بھیجا کہ کہیں مشتعل عوام اسے قتل نہ کر دیں۔ پھر دو ماہ کے لئے انہیں خفیہ طور مدائن بھیج دیا۔ اس کے بعد جب اسے واپس بلا یا تو یہ عوام سے چھپ کر اپنے گھر میں داخل ہوا۔

## حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی کوشش

بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو اس کی کمرنگی کر کے اس پر سات درے لگوائے تو اس نے ابن مقلہ کے خلاف یہ بددعا کی کہ اس کے ہاتھ کٹ جائیں اور اس کا خانہ خراب ہو۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور وہی ہوا جو اس نے بددعا کی تھی۔ امام ابو شامہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

”میں نے ہارون بن مامون کی تاریخ میں یہ بات پڑھی کہ راضی باللہ کے دور میں ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو قراءۃ شاذہ کی تلاوت کی وجہ سے سات درے لگائے تھے، جس پر ابن شنبوذ نے اس کے خلاف بددعا کی کہ ”اس کے ہاتھ کٹیں، اس کا معاملہ درہم برہم ہو...“ چنانچہ اس کے بعد ابن مقلہ کو معزول کر دیا گیا اور ابن شنبوذ کے واقعہ کے ایک سال بعد اس پر مصیبت آن پڑی، وہ عتاب کا شکار اور سخت مار اور ذلت سے دوچار ہوا اور انجام کار اس کا ہاتھ اور زبان کاٹ دی گئی۔“ [حاشیۃ الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ: ۳۷۵/۱]

ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وزیر کے خلاف ابن شنبوذ کی بددعا قبول ہوئی، اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، گھر برباد ہو گیا اور وہ ایک مدت تک انتہائی بری حالت میں پس زندان رہا۔“ [غایۃ النہایۃ: ۵۵۲]

ان واقعات سے بظاہر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ابن شنبوذ کی رائے درست تھی اور عدالت نے اس پر ظلم کیا، جیسی تو اس کی دعا قبول ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہی تاثر پیدا کر کے ابن شنبوذ کو مظلوم ثابت کرنے اور حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اس دور کی تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو ابن مقلہ کی معزولی و عتاب اور ابن شنبوذ کی دعاؤں کے درمیان کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جو شخص اسلام کا سرچشمہ اور اللہ کی کتاب میں پیدا ہونے والے ایک فتنہ کا دروازہ بند کرنے کیلئے اقدام کرے، اس دور کے علما، فقہا اور قرا کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی ہم نوا ہوا اور وہ کسی ایسے شخص کی بددعا کا شکار ہو جائے جو اجماع امت کے خلاف ایک باطل نظریہ کا پیروکار تھا۔ نیز یہاں اس بات کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے کہ ابن شنبوذ کو اس انجام تک پہنچانے والے تو بغداد کے علما و فقہا تھے اور اس کی سزا کا فیصلہ کرنے والے تو علما و قرا تھے، وزیر نے تو اس سزا کو نافذ کروایا ہے تو پھر یہ وزیر ہی بددعا کا شکار کیوں ہوا؟ علما پر اس کی زد کیوں نہیں پڑی؟ جبکہ بغداد کے اصل ظالم، تو علما تھے۔ تو معلوم ہوا کہ ابن مقلہ پر حکومت کے عتاب کو ابن شنبوذ کی بددعا کا نتیجہ قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

اس دور کے حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس عتاب کی حقیقی وجہ سیاسی کشمکش معلوم ہوتی ہے، عروج و تنزل و انحطاط سیاست کا لازمی حصہ ہیں، کبھی تخت اور کبھی تختہ اور کبھی جیل کی کال کوٹھڑیوں کے بعد دوبارہ آن بان کے ساتھ حکومت کی زمام کار مل جاتی ہے۔ دور حاضر کی سیاست میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ اور ابن مقلہ بھی درحقیقت

محمد اسلم صدیق

سیاست کے اسی کھیل کا شکار ہوا تھا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ۳۱۶ھ میں ابن شہبوز کے واقعہ سے سات سال پہلے خلیفہ مقتدر کے دور میں ابن مقلہ وزارت کے منصب پر فائز ہوئے اور خلیفہ کا قلمدان انہیں ملا، لیکن صرف دو مہینہ کے بعد ہی اسے اس گھر میں قید کر دیا گیا اور ۳۱۸ھ میں یہ شخص کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا۔ دجلہ کے کنارے مقام 'زاہر' میں اس کا شاندار محل، جس پر اس نے ۲ ہزار دینار خرچ کئے تھے، جلا دیا گیا اور وزارت سے پہلے یہ جن گھروں میں مقیم تھا، وہ سب بھی جلا دیئے گئے اور جو کچھ باقی بچا تھا وہ لوگوں نے لوٹ لیا، [صلۃ تاریخ الطبری: ۶۹، ۲، عرب بن سعد القرطبی] لیکن پھر زمانہ نے کروٹ لی اور ابن مقلہ دوبارہ خلیفہ کا منظور نظر بن گیا۔ ابن مقلہ اپنے عروج و زوال کی اس داستان کو ان اشعار میں بیان کرتا ہے:

تحالف الناس و الزمان فحیث کان الزمان کانوا  
عادنی الدهر نصف یوم فانکشف الناس لی و بانوا  
یا ایہا المعروضون عنی عودوا فقد عاود الزمان  
”لوگوں نے زمانے سے ایکا کر لیا ہے، چلے ادھر کو جدھر کی ہوا ہو۔ آدھے دن کے لئے زمانہ میرا دشمن بنا تو وہی لوگ جو میری محبت کے گیت گاتے تھے، یکا یک چھٹ گئے۔ اے مجھ سے منہ موڑنے والو! واپس آ جاؤ! اب زمانہ واپس آ گیا ہے۔“

اب بتائیں! ابن شہبوز کے واقعہ سے سات سال پہلے اس کے ساتھ جو یہ المناک واقعات پیش آئے، اس کی آپ کیا توجیہ کریں گے؟

اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ابن مقلہ کا انجام ابن شہبوز کی بد عاؤں کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس دور کی ہنگامہ خیز سیاست کا تقاضا تھا، جس نے متعدد سیاستدانوں اور وزراء کو اپنی بھیٹ چڑھایا تھا، خصوصاً ابن مقلہ جیسا شخص جو کرسی وزارت کا حریص و لالچ اور اپنے مخالفین کے ساتھ بغض و عداوت کا جذبہ رکھتا تھا اور سیاست میں اس کا اہم مقام تھا اور پھر اس نے قرآن کے متعلق ایک فتنہ کا دروازہ بند کر کے پورے بغداد کی ہمدردیاں حاصل کر لیں تھیں۔ ایسے میں عموماً انسان کے حاسدین میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن مقلہ بہت سی خوبیوں کا مالک انسان تھا، اس کی تحریر خوبصورتی میں ضرب المثل تھی۔ امام ثعلبیؒ نے لکھا ہے کہ:

”اس کی کتابت دنیا کی خوبصورت ترین کتابت میں سے تھی، جو دیکھتا محو ہو جاتا، اس وقت خوشحالی میں کوئی شخص بھی اس کا ہم پہلہ نہ تھا۔“ اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

”ایسے نفیس ہاتھ عموماً کاٹ دیے جاتے ہیں۔“ [ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب: ۲۱۱]

نیز عباسی دور کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس دور میں وزارت کی کرسی اور جیل کا چوٹی دامن کا ساتھ تھا، چنانچہ صلاح الدین المنجد نے اپنے ایک مضمون 'دور عباسی میں بغداد کی جیلیں' میں اس دور کی سیاست کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

”وزارت کا انجام اکثر جیل کی کال کوٹھڑی ہوتا تھا، بہت کم ایسا ہوتا کہ کوئی شخص منصب وزارت پر فائز ہوا ہو، اور پھر اسے جیل کا منہ نہ دیکھنا پڑا ہو۔ کبھی وہ قتل کر دیا جاتا اور قید سے بچ جاتا اور کبھی جیل اور اس کے بعد گردن زدنی اس کا مقدر ہوتی تھی۔“ [الجمع الصوتی الأول للقرآن: ۲۳۳، بحوالہ: سجون بغداد زمن العباسیین: ۱۰۸۹]

نیز مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اس کی بعض لوگوں کے ساتھ سیاسی رقابت بھی تھی۔ درج ذیل واقعہ اس حقیقت کی واضح نشاندہی کرتا ہے اور لگتا ہے کہ یہی واقعہ ابن مقلہ کے عتاب کا سبب بنا۔ ابو الفدا صاحب حماة نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن مقلہ نے ابن رائق کو گرفتار کروانے کی کوشش کی، لیکن ابن رائق اور خلیفہ راضی باللہ کے درمیان مضبوط تعلق داری تھی، جس کی وجہ سے خلیفہ نے ابن مقلہ کو قید میں ڈال دیا۔ پھر کچھ دیر بعد اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ ابن مقلہ نے علاج کروایا اور ٹھیک ہو گیا اور حصول وزارت کے لئے کوشش کرنے لگا۔ یہ اپنے کئے ہوئے ہاتھ سے قلم باندھ لیتا اور لکھتا رہتا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کی زبان کاٹ دینے کا حکم صادر ہوا، چنانچہ اس کی زبان کاٹ کر اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔ [الجمع الصوتی الأول للقرآن: ۲۳۰، بحوالہ: المختصر فی أخبار البشر: ۸۵۲]

یہ تمام تاریخی حقائق صاف بتاتے ہیں کہ ابن مقلہ کے معتب ہونے کا سبب ابن شبنو کی بددعا نہیں تھی، بلکہ ابن رائق کے ساتھ دشمنی مول لینا جیل جانے کا سبب ہوا۔ پھر اس نے زور قلم کے زور سے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کروانے کی کوشش کی تو دشمنوں اور حاسدوں کو اس کی یہ ادا بھی پسند نہ آئی اور خوشحالی کی اعلیٰ مثالیں رقم کرنے والا نفیس ہاتھ بدن سے جدا کر دیا گیا۔ امام شجاعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو وہ اس کو دیکھ کر روتا تھا اور ان الفاظ میں نوحہ غم کرتا تھا:

”اس ہاتھ سے میں نے تین دفعہ خلافت کی خدمت انجام دی۔ اس کے ساتھ دو دفعہ قرآن لکھا اور آج اس طرح کاٹ دیا گیا، جس طرح چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔“ [ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب: ۲۱۱]

اور پھر اسے یہ داستان ظلم لوگوں کو سنانے سے روکنے کے لئے اس کی زبان بھی کاٹ دی گئی۔ عباسی دور میں ایک ابن مقلہ کی ہی مثال نہیں ہے، بلکہ اس دور کی پوری تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ خاندان براء اور بنو عباس کا نہایت معتمد خاص مختار ثقفی جس خوفناک انجام سے دوچار ہوئے، اس کی ہم کیا توجیہ کریں گے؟ یہ سب سیاست کا کھیل تھا، جہاں ہزاروں میں ایک بازی ہارنے والا ابن مقلہ بھی تھا۔ ابن شبنو کی دعاؤں کا اس میں کوئی کردار نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے ساتھ جو ہوا بہت مناسب ہوا اور اچھا ہوا کہ دور عثمانی رضی اللہ عنہ کے بعد پینپنے والے اس فتنہ کو اٹھنے سے پہلے ہی دبا دیا گیا۔

### ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قراءۃ شاذہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ قراءات شاذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق آحاد منقول ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قراءات کی تلاوت کی ہے، اگرچہ اس کی تعیین نہیں ہے۔ [النشر فی القراءات العشر: ۱۵۱]

### ان کے اعتراضات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن دقیق العید، ابن شبنو اور ابن مقسم کے دلائل کا خلاصہ ذکر کر کے دلائل سے اس کا تجزیہ کیا جائے۔ بنیادی طور ان کے درج ذیل تین دلائل ہیں:

- ① کسی قراءۃ شاذہ کا صحیح سند سے ثابت ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھا ہے۔
- ② نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے قراءۃ شاذہ کو نماز میں پڑھا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن



مسعودی کی قراءۃ کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ [أيضاً - مجموع الفتاوى: ۱۳/۳۹۲]   
 ۱۲ مسلمان قراءۃ شاذہ کے قرا حسن بصری رضی اللہ عنہ، طلحہ بن مطرف رضی اللہ عنہ، اعمش رضی اللہ عنہ وغیرہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے   
 ، لیکن کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔ [شرح الکوکب المنیر: ۲/۱۳۷]

### جواب:

ان اعتراضات کا سبب دراصل قراءۃ شاذہ کی حقیقت سے ناواقفیت ہے۔ گزشتہ صفحات میں بیان کردہ ان کی حقیقت کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو تمام اعتراضات خود بخود دفع ہو جاتے ہیں۔

۱۳ جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان قراءات کو پڑھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ صحیح سند سے ثابت قراءات شاذہ زبان نبوت سے صادر ہوئی ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے انہیں بطور قرآن ہی پڑھا ہو، بلکہ اس میں درج ذیل دو احتمال ہیں، جن کو رد نہیں کیا جاسکتا:

① بعض قراءات شاذہ کے بارے میں یہ امکان موجود ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن کی تلاوت کے دوران کسی آیت یا لفظ کی تفسیر کی ہو اور سننے والے صحابی رضی اللہ عنہ نے اسی پیرائے میں اسے بطور قرآن نقل کر دیا ہو، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مصاحف میں تفسیری حواشی بھی نقل کر رکھے تھے اور یہ ممکن ہے کہ ان کے شاگردوں نے ان تفسیری کلمات کو بطور قراءۃ نقل کر دیا ہو۔

② اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی قراءۃ ہو، تو اس کے بارے میں ہم یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ قراءۃ عرضہ اخیرہ کے وقت منسوخ ہو گئی تھی، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جس سال آپ ﷺ نے داعی اجل کو لبیک کہا ہے، اس سال جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دو دفعہ دور کیا تھا، نیز صحیح روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ عرضہ اخیرہ کے وقت کچھ قراءات منسوخ کر دی گئی تھیں اور عرضہ اخیرہ سے مراد زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قراءۃ ہے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ اسی عرضہ اخیرہ کے مطابق خلفائے راشدین کے حکم اور مشورہ سے قرآن کو مصاحف میں مدون کیا گیا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اجماع کیا تھا، تو قراءۃ شاذہ کا قرآن میں موجود نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ قراءات عرضہ اخیرہ کے وقت منسوخ ہو گئیں تھیں، وگرنہ یہ ضرور صحائف ابو بکر رضی اللہ عنہ اور مصاحف عثمان رضی اللہ عنہ میں موجود ہوتیں۔

۱۴ نیز یہ اعتراض کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قراءات کو پڑھا ہے، تو اس کی وجہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے کہ بعض وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو عرضہ اخیرہ کے وقت حاضر نہیں تھے، انہیں ان قراءات کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہو سکا تھا، اس لئے وہ انہیں پڑھتے رہے، لیکن جب مصحف کی تدوین کے وقت انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ قراءات منسوخ ہو چکی ہیں تو انہوں نے ان قراءات کی تلاوت ترک کر دی اور اس کی دلیل تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اجماع ہے کہ قرآن صرف وہی ہے جو ان دو گوتوں کے درمیان ہے۔

اس حقیقت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بعض قراءات جو ان سے صحیح ثابت ہیں، لیکن

قراءات شاذہ اور ثبوت قرآن کا ضابطہ

وہ مصحف عثمانی میں موجود نہیں ہیں، اگر وہ منسوخ نہ ہوئی ہوتیں تو کم از کم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں ضرور قرآن میں شامل کرواتے، کیونکہ وہ خود قرآن کو جمع کروا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض قراءات بھی اس میں شامل نہیں ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ حقیقت ہے کہ جمع عثمانی پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر یہ فرمایا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنی قراءات کو قرآن میں شامل نہ کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس سے مکمل اتفاق کرنا، اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ ان کی یہ قراءات عرضہ اخیرہ کے وقت منسوخ ہو گئیں تھیں، اور جمع عثمانی کے بعد کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے قراءت شاذہ کی تلاوت بحیثیت قرآن نماز میں کی ہو۔ ہاں وہ تعلیم و تعلم کیلئے انہیں ضرور پڑھتے رہے، کیونکہ ان کا حکم باقی تھا، صرف تلاوت منسوخ ہوئی تھی۔

❦ اسی طرح یہ اعتراض کہ ”بعض قراءات شاذہ وہ ہیں، جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔“

امام کمال بن ہمام رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کو ذکر کرنے کے بعد اس کا نہایت مسکت جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”یہ قراءات شاذہ ان کے پہلے مصحف میں تھیں جو عرضہ اخیرہ سے پہلے لکھا گیا تھا۔ جب عرضہ اخیرہ کے وقت یہ منسوخ ہو گیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی قراءت کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عرضہ اخیرہ والی قراءت کو اختیار کر لیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل کوفہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس قراءت کو پڑھتے ہیں، وہ ان کی یہی دوسری قراءت ہے جو امام عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی عرضہ اخیرہ کے مطابق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محل ترغیب بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ آخری قراءت ہی تھی۔ امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی بات ذکر کی ہے۔“ [التقریر والنصحیہ: ۲۱۵:۲]

❦ باقی رہا یہ اعتراض کہ بعض تابعین انہیں نمازوں میں پڑھتے تھے تو یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ، اعمش رضی اللہ عنہ اور ابن محیصن رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے رسم عثمانی کے مخالف قراءات شاذہ کو بحیثیت قرآن نمازوں میں پڑھا ہو۔ ہاں بعض تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان قراءات کو نقل ضرور کیا ہے۔

باقی رہیں ان کی وہ قراءات جو رسم عثمانی کے مطابق ہیں، تو وہ زیادہ تر جمہور کی قراءت کے مطابق ہیں اور بعض جو اختلاف ہے، انہیں وہ اس لئے پڑھتے تھے کہ وہ انہیں سبعة أحرف کا حصہ سمجھتے تھے، لیکن ہم ان قراءات کے متعلق بالجزم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یا تو وہ قراءات ہی نہیں تھیں، بلکہ وہ رواۃ کے عدم ضبط اور سہواً نتیجے میں یا پھر وہ عرضہ اخیرہ کے وقت منسوخ ہو گئی تھیں، اگر وہ منسوخ نہ ہوئی ہوتیں تو یقیناً ان قراءات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچتیں، جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ بھیجا تھا۔

❦ اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ ممکن ہے کوئی قراءت شاذہ پہلے مشہور اور متواتر ہو، پھر اسے ترک کر دیا گیا اور وہ شاذ ہو گئی ہو۔

امام سخاوی رضی اللہ عنہ اور امام جوینی رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کا نہایت عمدہ جواب دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ کہ اُمت

بسم اللہ

محمد اسلم صدیق

محمد یہ ﷺ نے نبی ﷺ کے ہر قول، فعل اور وصف کو اپنے عمل اور قول سے جس طرح اہتمام سے آئندہ نسلوں تک منتقل کیا اور وہ اس میں کس قدر حریص تھے! دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال آج تک پیش نہیں کر سکی، کیونکہ اس کے پیچھے یہ عوامل کار فرما تھے کہ پیغمبر ﷺ نے ان کو «بَلِّغُوا عَنِّي وَكُلَّ آيَةٍ» کا حکم دیا تھا۔ انہیں قرآن کی اتباع اور اس کے سیکھنے سکھانے کی تعلیم دی تھی اور اس پر ان سے عظیم انعامات کا وعدہ کیا تھا۔ اپنے پیغمبر ﷺ کی ہر ہر ادا اور اشارہ ابرو کو محفوظ کر دینے والے ہر دور میں لاکھوں علمائے امت کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قرآن کی کسی قراءت کو ترک کر دیتے اور وہ شاذ بن جاتی۔ یہ تو قرآن کا معاملہ تھا جو منبع شریعت اور تمام قوانین و اصول کی بنیاد تھا، اس نے پوری دنیا کو یہ چیلنج دیا تھا کہ ایک آیت بنا کر لے آؤ، ایسا عظیم معجزہ کہ متعدد اسباب اس کے بطریق تواتر منقول ہونے پر موجود تھے، پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن کی کوئی قراءت ہو اور پوری امت کے ایک دو افراد کے سوا کسی کو اس کا پتہ نہ ہو؟ ہرگز نہیں! ایسا ہونا محال اور ناممکن ہے۔

[جمال القراء وكمال الإقراء: ۲۸۷/۱ - البرهان في أصول الفقه: ۶۶۷/۱ - قواطع الإدلة في الأصول: ۳۱۴/۱، ۳۱۵]

اس بحث سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قراءت شاذہ کی تلاوت جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ قرآن نہیں ہیں۔



ش

# إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ

ماہنامہ رشد کی اشاعت خاص

## حرمت رسول نمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

- \* انتہائی دیدہ زیب فورکلر ٹائٹل
- \* جید علمائے دین اور ممتاز اسکالرز کے علمی مضامین
- \* معروف مفتیان کرام کے فتاویٰ جات
- \* حرمت رسول کے متعلق مضامین کا اشاریہ
- \* ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ضخیم اشاعت، قیمت صرف 30 روپے

دفتر رابطہ: ۹۹ رجبہ بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور، پاکستان

فون: 5866396, 5866476

طالبانِ علومِ نبوت کیلئے عظیم خوشخبری

## جامعہ لاہور الاسلامیہ (نیو کیمپس) میں

امتحانات سے فارغ طلباء کیلئے داخلہ جاری ہے

بمقام خیابان جناح، لنک رائے ونڈ روڈ، لاہور (نزد شوکت خانم کینسر ہسپتال)

### خصوصیات

- \* مین روڈ پر ۱۲ کنال اراضی پر مشتمل خوبصورت اور وسیع و عریض عمارت
- \* کشادہ اور خوبصورت ترین جامع مسجد البیت العتیق
- \* بہترین چارپائیوں اور سیف الماریوں کا انتظام
- \* مطعم میں کرسیوں اور میزوں کا اہتمام اور معیاری ترین کھانا
- \* مشفق اور قابل ترین اساتذہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت کے مواقع
- \* درس نظامی کے ابتدائی چار سال کی اعلیٰ معیار پر تعلیم کا اہتمام
- \* درس نظامی کے ساتھ ساتھ تجوید و قرأت سب سے کا چار سالہ مکمل نصاب
- \* شعبہ حفظ القرآن کی بہترین تعلیم
- \* تمام طلبائے شعبہ کتب کے لیے سکول کی لازمی تعلیم (نہم تا ایف۔ اے)
- \* کمپیوٹر لیب اور کتب لائبریری
- \* علاج و معالجہ کی معیاری سہولت
- \* عمارت کے اندر کینٹین کا انتظام
- \* کھیل کیلئے وسیع اور کھلے میدان

منجانب: حافظ عبدالرحمن مدنی، رئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ..... ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی، مدیرِ تعلیم

## جمع عثمانی روایات کے آئینے میں

جمع عثمانی کے سلسلہ میں عام طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ حدیث بروایت سیدنا حدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے جس میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ صحف جو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے، کی مزید نقول تیار کروا کر حکومتی سطح پر نشر کر دی تھیں لیکن روایات کی تفصیلی جائزہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف نقول ہی نہیں تھیں بلکہ ایک باقاعدہ جمع تھی۔ زیر نظر مضمون میں جمع عثمانی کی حقیقی نوعیت، جو روایات کے تناظر میں سامنے آتی ہے، کی وضاحت کی گئی ہے، یقیناً صاحبان فکر و دانش مسئلہ کے اس پہلو پر بھی غور فرمائیں گے اور اپنی موافق آراء سے مطلع فرمائیں گے۔ [ادارہ]

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ» . [صحیح البخاری: ۲۶۵۲] پر جب نظر پڑتی ہے تو سراسر احسان و نیاز مندی کے ملے جلے تاثرات سے جھک جاتا ہے کہ واقعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کا زمانہ خیر القرون تھا، کیونکہ اس میں بنی نوع انسان کی راہ روی اور اسلام کی سر بلندی کے لیے وہ محنتیں اور کوششیں ہوئی ہیں کہ جس کی مثال آئندہ جمیع قرون میں پیش کرنا مشکل ہے۔ یقیناً وہ لوگ اس قابل تھے کہ انہیں یہ ذمہ داری سونپی جاتی کہ وہ دین الہی اور شرع اللہ کو اپنی مکمل تشریحات کے ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل کریں، بلاشبہ وہ طائفہ فائزہ اپنے اس مقصد میں باامراد ہوا ہے۔

ان جملہ ذمہ داریوں میں سے اہم ترین ذمہ داری یہ تھی کہ ہدایت سماوی کے آخری ربانی صحیفہ کو محفوظ اور غیر متبدل شکل میں ہم تک پہنچایا جائے۔ ہمارا یہ قطعی ایمان ہے کہ وہ پیام آیزدی آج اپنی سو فیصد اصلی اور حقیقی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔ الحمد للہ علی ذلك .

اس سلسلہ میں خیر القرون میں جو سب سے اہم کام ہوا ہے وہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ اس کام کی تفصیلی نوعیت کیا تھی۔ ذیل میں آپ کے گوش گزار کرتے ہیں۔

### روایات کے آئینہ میں جمع عثمانی کی حقیقت

جمع عثمانی کے سلسلہ میں کتب فنون میں کئی ایک روایات منقول ہیں۔ ہم ذیل میں صرف انہی روایات کا تذکرہ کریں گے، جن میں دیگر کے مقابلہ میں کچھ زائد فوائد ہوں گے۔ تاکہ روایات میں موجود بحث کا ہر پہلو سامنے آجائے۔ تکرار سے حتی المقدور اجتناب کریں گے اور ہر روایت کو ذکر کرنے کے بعد یہ التزام کریں گے کہ اس روایت سے حاصل شدہ اضافی نکات کو آخر میں ذکر کر دیں۔

① عن أنس بن مالك قال: إن حذيفة بن اليمان قدم على عثمان وكان يغازي أهل الشام في فتح آرمينية وآذربيجان مع أهل العراق فافزع حذيفة اختلافهم في القراءة. فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين! أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى. فأرسل عثمان إلى حفصة أن أرسلني إلينا بالصحف ننسخها في المصاحف ثم نردها إليك، فأرسلت بها حفصة إلى عثمان. فأمر زيد بن ثابت وعبدالله ابن زبير وسعيد بن العاص وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف، وقال عثمان للرهط اللقيشين الثلاثة: "إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم". ففعلوا حتى إذا نسخوا الصحف في المصاحف رد عثمان الصحف إلى حفصة فأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق.

[صحيح البخاري: ۴۹۸۷]

”جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے وہ آرمینیا اور آذربيجان کے محاذ پر مسلمانوں کی ہمراہ جنگ میں شریک تھے۔ اہل عراق کے قراءت میں اختلاف نے ان کو شدید خوف زدہ کر دیا، تو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! اس امت کی خبر لیجئے اس سے پہلے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف شروع کر دیں۔ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ وہ صحف کو میرے پاس بھیج دیں۔ ہم اُسے مصاحف میں نقل کر کے لوٹا دیں گے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیئے۔ آپ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ انہوں نے اُسے مصاحف میں نقل کر دیا اور ساتھ تین قریشی صحابہ کو کہا کہ جب تمہارے اور زید کے مابین اختلاف ہو تو لسان قریش میں لکھو، کیونکہ قرآن انہی کی لغت میں اُتر ہے۔ لہذا انہوں نے ایسا ہی کیا اور صحف سے قرآن کریم کو مصاحف میں منتقل کر دیا اور صحف سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو لوٹا دیئے اور باقی جمع مصاحف کو جلانے کا حکم دے دیا۔“

**فوائد:** مذکورہ روایت میں جمع عثمانی کی اجمالی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ جس سے درج ذیل باتیں سامنے آئی ہیں:

① آرمینیا اور آذربيجان کے موقع پر مسلمانوں کا قراءت میں اختلاف رونما ہونا دوبارہ جمع کا محرک بنا ہے۔

② اس میں معیار صحف ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا ہے۔

③ کاتبین حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن حارث بن

ہشام رضی اللہ عنہ تھے۔

④ ان مصاحف کو مرتب کرنے کے بعد دیگر جمع غیر مصدقہ اور ذاتی مصاحف کو جلا دیا گیا۔

⑤ عن زيد بن ثابت قال: فقدت آية من سورة الأحزاب حين نسخنا المصاحف قد كنت أسمع من رسول الله ﷺ يقرأ بها فالتمسناها فوجدناها مع خزيمة بن ثابت الأنصاري: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ فآلحقتناها في سورتها في المصحف.

[صحيح البخاري: ۴۹۸۸]

”زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سورۃ الاحزاب کی آیت (نمبر ۲۳) ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ کو گم پایا۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا۔ ہم نے اس کی مزید تلاش و بسیرا کی تو بالآخر یہ ہمیں خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس مل گئی۔ پس ہم نے اُسے مصحف میں شامل کر لیا۔“

**فائدہ:** مذکورہ روایت میں صرف یہ بات مذکور ہے کہ دوران جمع کوئی بھی فرد سورۃ احزاب کی مندرجہ بالا آیت نہیں لایا تھا۔ جسے بعد میں خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے اخذ کیا گیا۔

۱۲ عن أنس بن مالك الأنصاري أنه اجتمع لغزوة أذربيجان وأرمينية أهل الشام وأهل العراق قال: فتذاكروا القرآن فاختلّفوا فيه حتى كاد يكون بينهم فتنه. قال: فركب حذيفة ابن اليمان -لما رأى من اختلافهم في القرآن- إلى عثمان فقال: إن الناس قد اختلفوا في القرآن حتى والله أخشى أن يصيبهم ما أصاب اليهود والنصارى من الاختلاف. قال: ففرع لذلك عثمان فزعاً شديداً، فأرسل إلى حفصة فاستخرج الصحيفة التي كان أبو بكر أمر زيداً بجمعها فنسخ منها مصاحف فبعث بها إلى الآفاق فلما كان مروان أمير المدينة أرسل إلى حفصة يسألها الصحف ليحرقها وخشي أن يخالف بعض الكتاب بعضاً فمنعته آياه. [كتاب المصاحف: ۷۴]

”مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل شام اور اہل عراق آرمینیا اور آذربایجان کے غزوہ پر اکٹھے ہوئے۔ ان کی قرآن کریم پر باہم گفتگو ہوئی جس سے اختلاف اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ بہت بڑے فتنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ لوگ قرآن کریم میں باہم مختلف ہو گئے ہیں۔ بخدا اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہو جائیں گے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سنا تو بہت زیادہ پریشان ہو گئے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیج کر، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم پر زید کے جمع کردہ، صحائف منگوائے۔ اُن سے مزید مصاحف تیار کرائے اور ہر طرف بھیج دیئے۔ جب مروان مدینہ کے امیر مقرر ہوئے تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحف ابی بکر کے متعلق کہا کہ مجھے ارسال کر دیں تاکہ انہیں جلا دیا جائے اور مخالفت کتاب کا ڈر ختم کیا جائے۔ لیکن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اُسے تلف کرنے سے روک دیا۔“

**فائدہ:** اس روایت میں بخاری والی روایت کی طرح جمع عثمان کا اجمالی تعارف اور اس کے اسباب مذکورہ ہیں۔ اضافہ صرف اس بات کا ہے کہ مروان نے اپنے دور خلافت میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بغرض تلف صحف ابی بکر کو منگوائے لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔

ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبد اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں تو مروان بن حکم نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وہ مصاحف منگوائے اور انہیں تلف کر دیا۔ [كتاب المصاحف: ۷۳]

۱۳ عن أبي قلابة قال: لما كان في خلافة عثمان جعل المعلم يعلم قراءة الرجل والمعلم يعلم قراءة الرجل فجعل الغلمان يلتقون فيختلفون، حتى ارتفع ذلك إلى المعلمين قال: حتى كفر بعضهم بقراءة بعض، فبلغ ذلك عثمان فقام خطيباً، فقال: أنتم عندي

بسم الله الرحمن الرحيم



تختلفون وتلحنون، من نأى عني من الأنصار أشد فيه اختلافاً ولحنناً، اجتمعوا  
يا أصحاب محمد! فاكتبوا للناس إماماً.

[کنز العمال في سنن الأفعال: ۵۸۲۲، طرخمیہ، مؤسسة الرسالة]

”ابن قلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں معلمین قرآن مختلف افراد کی قراءت سکھلاتے، بعد میں جب بچے آپس میں ملتے تو قراءت میں اختلاف کرتے حتیٰ کہ یہ بات معلمین تک پہنچ گئی۔ ایوب، راوی حدیث کہتے ہیں کہ مجھے یقینی علم نہیں ہے کہ انہوں نے کہا ہو کہ معلمین نے آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر شروع کر دی۔ جب یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ تم میرے پاس رہ کر اس قدر اختلاف کا شکار ہو گئے ہو اور قرآن میں غلط باتیں کہتے ہو تو وہ لوگ جو مجھ سے دور ہوں گے ان کی کیا حالت ہوگی وہ تو تم سے بھی زیادہ اختلاف اور غلطیوں کا شکار ہوں گے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لیے ایک مصحف امام لکھ دو۔“

فوائد

① مدینہ میں بھی معلمین کے مابین قراءت کے اختلاف رونما ہوئے تھے۔ جمع قرآن کے اسباب میں سے یہ بھی ایک سبب ہے۔

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے اجماع سے یہ کام سرانجام دیا۔

③ دور اور قریب کے جمع بلاد میں شدت سے اختلافات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔

④ قال أبو قلابة حدثني مالك قال: كنت فيمن أملي عليهم فربما اختلفوا في آية فيذكرون الرجل قد تلقاها من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولعله أن يكون غائباً أو في بعض البوادي فيكتبون ما قبلها وما بعدها ويدعون موضعها حتى يجيء أو يرسل إليه، فلما فرغ من المصحف كتب إلى أهل الأمصار: ”أني قد صنعت كذا، محوت ما عندي، فامحوا ما عندكم.“ [كتاب المصاحف: ۷۵]

”ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ مجھے مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں موجود تھا جو مصحف کی املاء کرواتے تھے۔ جب کبھی کسی آیت میں اختلاف ہوتا تو پھر اس فرد کا ذکر کرتے جس نے اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ لیا ہوتا۔ اگر وہ غائب ہوتا یا شہر سے باہر بادیہ میں ہوتا تو اس سے ما قبل اور مابعد لکھ لیا جاتا اور اس جگہ کو چھوڑ دیا جاتا یہاں تک کہ وہ آدمی خود آ جاتا یا اسے بلا لیا جاتا۔ جب اس تمام کام سے فارغ ہو گئے تو اسے جمع امصار میں بھیج دیا گیا۔ اور ساتھ یہ لکھا کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ میرے پاس اس کے علاوہ جو کچھ موجود تھا میں نے اسے ختم کر دیا ہے تم بھی ختم کر دو۔“

فوائد

① کاتبین مصحف میں جناب مالک بن انس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

② جب کاتبین وحی کے مابین اختلاف ہو جاتا تو اس شخص کا انتظار کیا جاتا جس نے وہ آیت بالمشافہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لی ہوتی۔ یعنی پوری طرح تصدیق کرنے کے بعد آیت کو درج کیا جاتا۔

جمع عثمانی روایات کے آئینے میں

۳) امیر المؤمنین کی طرف سے تمام اُمصار و بلاد کی طرف باقاعدہ فرمان جاری کیا گیا کہ مصاحفِ عثمانیہ کے علاوہ دیگر جمع مصاحف کو ختم کر دیا جائے۔

۶) عن مصعب بن سعد قال: قام عثمان فخطب الناس فقال: "أيها الناس عهدكم بنبيكم منذ ثلاث عشرة وأنتم تمترون في القرآن، وتقولون قراءة أبيّ وقراءة عبدالله؟! يقول الرجل: والله! ما تقيم قراءتك فأعزم على كل رجل منكم ما كان معه من كتاب الله شيء لما جاء به، فكان الرجل يجيء بالورقة والأديم فيه القرآن، حتى جمع من ذلك كثرة، ثم دخل عثمان فدعاهم رجلاً رجلاً فناشدهم لسمعت من رسول الله ﷺ وهو أملاه عليك؟ فيقول: نعم، فلما فرغ من ذلك عثمان، قال: من أكتب الناس؟ قالوا: كاتب رسول الله ﷺ زيد بن ثابت، قال: فأبي الناس أعراب؟ قالوا: سعيد بن العاص، قال عثمان: فليمل سعيد وليكتب زيد، وكتب مصاحف ففرقها في الناس، فسمعت بعض من أصحاب محمد ﷺ يقول قد أحسن."

[المصاحف لابن أبي داود: ۸۱/۱]

”مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا: اے لوگو! تمہارے نبی ﷺ کو گئے تو ابھی صرف تیرہ برس گزرے ہیں، تم نے ابھی سے قرآن میں شک کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور کہتے ہو قراءتِ اُبی، قراءتِ عبداللہ اور ایک آدمی کھڑا ہو کر کہتا ہے میں تمہاری قراءت کو درست نہیں مانتا۔ انہوں نے ان میں سے ہر شخص کو قسم دی کہ اس کے پاس قرآن کی صورت میں جو کچھ بھی موجود ہے لے آئے۔ تو لوگ ورق اور چمڑے کی ٹکڑے وغیرہ لے کر حاضر ہوتے رہے۔ جب قرآن بکثرت جمع ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور ہر ایک کو بلا کر اس سے قسم لی کہ کیا تو نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور آپ ﷺ نے تجھے املاء کروایا ہے؟ تو وہ شخص ہاں میں جواب دیتا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کام سے فارغ ہوئے تو کہا۔ لوگوں میں سب سے بڑا کاتب کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: اللہ کے رسول ﷺ کے کاتب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ پھر پوچھا سب سے بہتر عربی دان کون ہے؟ عوام نے جواباً کہا: سعید بن عاص رضی اللہ عنہ۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا سعید املاء کروائیں اور زید لکھیں۔ چنانچہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو لکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسے لوگوں میں پھیلا دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے بعض صحابہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کام کیا ہے۔“

فوائد

① لوگوں میں انکار قراءت کا فتنہ پرورش پارہا تھا۔  
② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع صحابہ کو قسم دے کر کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ قرآن ہے لے آؤ۔ تو لوگ سب کچھ لے کر حاضر ہو گئے۔

③ جب وہ لوگ لے کر حاضر ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرداً فرداً ہر ایک سے قسم لی کہ کیا یہ تم نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے اور آپ ﷺ نے تمہیں اس کی املاء کروائی ہے؟ تو وہ اثبات میں جواب دیتے۔

④ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بہترین کاتب اور عربی دان کون ہے لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔

- ⑤ بعد ازاں ان مصاحف کو سرکاری سطح پر بلاد اسلامیہ میں پھیلا دیا گیا۔  
 ⑥ دیگر صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کام کی تحسین فرمائی ہے۔

⑦ عن كثير بن أفلح قال: لما أراد عثمان أن يكتب المصاحف جمع له اثني عشر رجلاً من القریش والأَنْصار، فيهم أبي بن كعب و زيد بن ثابت، قال: فبعثوا إلى الربعة التي في بيت عمر فجيء بها. قال: وكان عثمان يتعاهدهم، فكانوا إذا تدارءوا في شيء أخروه. [تفسير ابن كثير: ٣٢١]

”کثیر بن اَفْلَح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتابتِ مصاحف کا ارادہ کیا تو قریش اور اَنْصار میں سے بارہ افراد جمع کیے، جن میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ راوی کہتے ہیں، وہ سب (افراد) اُن صحائف کی طرف بھیجے گئے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پڑے ہوئے تھے۔ ان کو لایا گیا، کثیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان پر نگرانی کر رہے تھے اور کاتبین جب کسی مسئلہ میں فیصلہ نہ کر پاتے تو اُسے مؤخر کر دیتے۔“

### فوائد

① قریش اور اَنْصار کے بارہ لوگوں کو کتابت کے لیے منتخب کیا گیا تھا جن میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کام کی باقاعدگی نگرانی فرما رہے تھے۔

③ بعض دفعہ کسی آیت میں اختلاف ہو جاتا تھا جس پر مزید تصدیق کے لیے اس کی کتابت مؤخر کر دی جاتی۔  
 ④ جمع و تدوین کا یہ کام انتہائی جانچ پڑتال کے ساتھ پوری نگرانی میں ہو رہا تھا۔

⑧ عن خارجه بن زيد بن ثابت، عن أبيه زيد، قال: لما قتل أصحاب رسول الله ﷺ باليمامة، دخل عمر بن الخطاب على أبي بكر فقال: إن أصحاب رسول ﷺ باليمامة تهافتوا تهافت الفرائش في النار، وإنني أخشى أن لا يشهدوا موطناً إلا فعلوا ذلك حتى يقتلوا. وهم حملة القرآن. فيضيع القرآن و ينسى، فلو جمعتهم و كتبته! فنفر منها أبو بكر وقال: أفعال ما لم يفعل رسول الله ﷺ! فتراجعا في ذلك. ثم أرسل أبو بكر إلى زيد بن ثابت، قال زيد: فدخلت عليه و عمر محزئاً <sup>(1)</sup> فقال أبو بكر: إن هذا قد دعاني إلى أمر فأبيت عليه، وأنت كاتب الوحي. فإن تكن معه اتبعتكما، وإن توافقني لا أفعال. قال: فاقترض أبو بكر قول عمر، و عمر ساكت، فنفرت من ذلك، و قلت: نفع ما لم يفعل رسول الله ﷺ! إلى أن قال عمر كلمة: ”وما عليكم لو فعلتما ذلك؟“ قال: فذهبنا ننظر، فقلنا: لا شيء والله! ما علينا في ذلك شيء! قال زيد: فأمرني أبو بكر فكتبته في قطع الأدم و كسر الأكتاف و العسب. فلما هلك أبو بكر و كان عمر، كتب ذلك في صحيفة واحدة، فكانت عنده. فلما هلك، كانت الصحيفة عند حفصة زوج النبي ﷺ. ثم إن حذيفة بن اليمان قدم من غزوة كان غزاها بمرج أرمينية، فلم يدخل بيته حتى أتى عثمان بن عفان فقال: يا أمير المؤمنين! أدرك الناس! فقال عثمان: ”وما

ذکر؟“ قال غزوت مرج أرمينية، فحضرها أهل العراق وأهل الشام، فإذا أهل الشام يقرؤون بقراءة أبي بن كعب، فيأتون بما لم يسمع أهل العراق، فتكفرهم أهل العراق. وإذا أهل العراق يقرؤون بقراءة ابن مسعود، فيأتون بما لم يسمع به أهل الشام، فتكفرهم أهل الشام. قال زيد: فأمرني عثمان بن عفان أكتب له مصحفاً، وقال: إني مدخل معك رجلاً لبيباً فصيحاً، فما اجتمعتما عليه فاكتبه، وما اختلفتما فيه فارفعاه إلي. فجعل معه أبان بن سعيد بن العاص، قال: فلما بلغنا ﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ﴾ [البقرة: ٢٤٨] قال: زيد فقلت: ”التابوه“ وقال أبان بن سعيد: ”التابوت“ فرفعنا ذلك إلى عثمان فكتب: ”التابوت“ قال: فلما فرغت عرضته عرضة، فلم أجد فيه هذه الآية: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَن يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الاحزاب: ٢٣] قال: فاستعرضت المهاجرين أسألهم عنها، فلم أجدها عند أحد منهم، ثم استعرضت الأنصار أسألهم عنها، فلم أجدها عند أحد منهم، حتى وجدت عند خزيمة بن ثابت، فكتبتها، ثم عرضته عرضة أخرى، فلم أجد فيه هاتين الآيتين: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ [التوبة: ١٢٨، ١٢٩] فاستعرضت المهاجرين، فلم أجدها عند أحد منهم، ثم استعرضت الأنصار أسألهم عنها فلم أجدها عند أحد منهم، حتى وجدت مع رجل آخر يدعى خزيمة أيضاً، فأثبتها في آخر ”براءة“ ولو تمت ثلاث آيات لجعلتها سورة على حدة. ثم عرضته عرضة أخرى، فلم أجد فيه شيئاً، ثم أرسل عثمان إلى حفصة يسألها أن تعطيه الصحيفة، وحلف لها ليردنها إليها فأعطته إياها، فعرض المصحف عليها، فلم يختلفا في شيء. فردها إليها، وطابت نفسه، وأمر الناس أن يكتبوا مصاحف. فلما ماتت حفصة أرسل إلى عبدالله بن عمر في الصحيفة بعزيمة، فأعطاهم إياها فغسلت غسلًا.“

”زيد بن ثابت رضي الله عنه فرماتے ہیں، جب شیخ نبوت ﷺ کے پروانے پیام میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے تو سیدنا عمر بن خطاب رضي الله عنه جناب ابوبکر رضي الله عنه کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اصحاب محمد ﷺ نے ناموس رسالت ﷺ پر اس طرح جانیں نچھاور کی ہیں، جس طرح شیخ پر پروانے قربان ہوتے ہیں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹنے کی بجائے اس وقت تک گستاخان نبوت کے خلاف برسہا برس پیکار رہیں گے جب تک جام شہادت نوش نہیں کر لیتے اور وہ سارے کے سارے وہ لوگ ہیں جو حاملین قرآن ہیں ان کی شہادت سے قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، کیوں نہ ہو کہ ہم قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کر لیں اور لکھ لیں۔ ابوبکر رضي الله عنه اس کام کو کرنے سے ہچکچائے اور کہا کہ میں وہ کام کیسے کروں جو آنجناب ﷺ نے نہیں کیا، شیخین کے مابین اس موضوع پر گفتگو جاری رہی۔ پھر حضرت ابوبکر رضي الله عنه نے زید بن ثابت رضي الله عنه کو بلا لیا۔ سیدنا زید رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ جب میں ان کے ہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ

تاریخ

حافظ فہد اللہ مراد

جناب عمر رضی اللہ عنہ پریشان حال بیٹھے ہیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ یہ مجھے ایک کام کے بارے میں اصرار کرتے ہیں جبکہ میں نے انکار کر دیا ہے۔ آپ کا تب وجہ ہی اگر آپ ان کے ساتھ متفق ہیں تو میں آپ کا ساتھ دوں گا لیکن اگر آپ میری رائے سے اتفاق کریں تو تب میں یہ کام نہیں کروں گا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ہم وہ کام کیسے کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ کہا: "اگر تم یہ کر لو تو تم پر کیا بوجھ آ پڑے گا؟" زید رضی اللہ عنہ کہتے، کہ ہم نے غور و خوض کی غرض سے مجلس برخواست کر دی۔ جب ہم نے اس کے جملہ پہلوؤں پر نظر دوڑائی تو پتہ چلا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے جمع کرنے کا حکم دیا جسے میں نے کھجور کے پتوں، ہڈیوں، چمڑے اور کاغذ کے ٹکڑوں میں سے جمع کر لیا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ راہی آخرت ہوئے اور خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو انہوں نے دوبارہ اُسے ایک صحیفہ میں لکھوایا اور اپنے پاس محفوظ رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں منتقل ہو گیا۔ پھر ایک روز سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اچکا چکا آرمینیا کی جنگ سے لوٹے اور اپنے گھر جانے کے بجائے سیدھے امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ اے امیر المؤمنین، لوگوں کی خبر لیجئے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا ماجرا کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا میں ابھی ابھی مرج آرمینیا سے لوٹا ہوں جہاں اہل شام اور اہل عراق جہاد میں مشغول ہیں۔ اہل عراق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتے ہیں اور اہل شام جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پر ہیں جبکہ دونوں نے ایک دوسرے کی قراءت کو سنا تو اس کا انکار کر دیا اور بات اس قدر بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا کر اپنے لیے ایک صحیفہ لکھنے کا کہا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم بطور معاون آپ کو ایک فصیح اللسان اور ذہین شخص فراہم کریں گے، جس پر تم دونوں متفق ہو جاؤ اُسے لکھ لو اور جس پر تمہارا اختلاف ہو جائے تو میری طرف رجوع کرو۔ لہذا انہوں نے ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو میرا معاون مقرر کیا، جب ہم رضی اللہ عنہ "إِنَّ كَايَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ" [البقرہ: ۲۴۸] پر پہنچے تو میں نے کہا: ﴿التابوہ﴾ جبکہ ابان رضی اللہ عنہ نے کہا: ﴿التابوت﴾ ہے۔ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے التابوت تائے طویلہ کے ساتھ لکھا۔ کہتے ہیں کہ جب میں کتابت سے فارغ ہوا تو میں نے پورے صحیفہ کی مراجعت کی تو میں نے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ﴾ آیت نہ پائی۔ تو میں نے مہاجرین سے کہا کہ کسی کے پاس یہ آیت موجود ہے؟ تو ان کے پاس نہ پایا پھر میں نے انصار سے سوال کیا تو خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مل گئی جسے میں نے لکھ لیا اور دوسری بار پھر مراجعت کی تو سورۃ توبہ کی دو آخری آیات نہیں تھیں۔ مہاجرین اور انصار سے اس بارے میں دریافت کیا تو ان کے پاس نہ پائیں بالآخر خزیمہ نامی صحابی کے پاس مل گئیں جسے میں نے درج کر لیا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی تین آیات مجھے مل جاتیں تو میں ایک علیحدہ سورۃ بنا دیتا۔ اس کے بعد میں نے مزید ایک دفعہ مراجعت کی تو میں نے ہر طرح سے مکمل پایا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیفہ منگوا اور وعدہ کیا کہ یہ واپس لوٹایا جائے گا۔ پھر ان دونوں مصاحف کا موازنہ کیا گیا۔ اور دونوں کو متفق پایا تو مطمئن ہو گئے اور لوگوں کو اس کے مطابق سیکھنے کا حکم دے دیا۔ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئی تو انہوں نے یہ صحیفہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تو انہوں نے حکام کے حوالے کر دیا جسے بعد میں دھو دیا گیا۔“

**نوٹ:** جمع عثمان کے سلسلہ میں سب سے تفصیلی روایت یہی ہے۔ ہم جمع ابوبکر کی تفصیلات کو قصداً حذف کر رہے ہیں:

① جمع کا سبب آرمینیا اور آذربائیجان کے موقع پر صحابہ کا اختلاف ہوا۔

② زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو جمع کے لیے مقرر کیا گیا۔ ثانی الذکر انتہائی

فصیح اللسان شخص تھے۔

۳ التابوت کی تاء کے رسم میں اختلاف ہوا زید گول اور ابن عاص لمبی لکھنے کے قائل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لغت قریش کے موافق تائے طویلہ کے ساتھ لکھوایا۔

۴ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تکمیل مصحف کے بعد دوبارہ مراجعت کی تو سورۃ احزاب کی آیت (نمبر ۲۳) ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا﴾ گم پائی۔ تلاش کے بعد خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مل گئی۔ دوسری مرتبہ پھر مراجعت کی تو سورۃ توبہ کی آخری دو آیات گم پائیں جو دوسرے صحابی ابو خزیمہ نامی شخص سے ملیں۔ تیسری مرتبہ مراجعت کی تو مکمل پایا۔

۵ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے مصحف منگوا کر اس سے موازنہ کیا گیا تو دونوں کو یکساں پایا۔

۶ اس مصحف کو آئندہ تعلیم و تعلم کے لیے مقرر کر دیا گیا۔

۷ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اس مصحف ابو بکر کو حکام کے حوالے کر دیا گیا، جنہوں نے اُسے دھو ڈالا۔

روایات مذکورہ کے علاوہ ہمیں کوئی بھی ایسی روایت نہیں مل سکی جس میں جمع عثمانی کی نوعیت کے بارے میں کچھ

مزید بحث موجود ہو۔

## روایات کی روشنی میں جمع عثمانی کی حقیقت

### جمع عثمانی کے اسباب و محرکات

جمع عثمانی کے اسباب و محرکات میں دو چیزیں گذشتہ روایات میں مذکور ہیں۔

**پہلا سبب** تو یہ سامنے آتا ہے کہ آرمینہ اور آذربجان کے محاذ پر عراق اور شام کے مسلمان جمع تھے۔ اہل عراق چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتے تھے جبکہ اہل شام نے قرآن کریم کی تعلیم سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے لے تھی، اس لیے وہ ان کی قراءت کے موافق پڑھا کرتے تھے۔ اور مذکورہ دونوں حضرات کے اختیارات مختلف تھے، جس وجہ سے لوگ دو طرح سے تلاوت کرتے۔ یہی چیز ان کے اختلاف کا سبب بنی کہ انہوں نے اپنی قراءت کو دوسری پر ترجیح دینا شروع کر دی، حالانکہ کسی بھی متواترہ قراءت کو دوسری پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ شامی کہنا شروع ہو گئے کہ ہماری قراءت بہتر ہے اور عراقی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پر اظہار فخر کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کا یہ اختلاف اس قدر شدید ہو گیا کہ ایک دوسرے کی تکفیر پر اتر آئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، جنہیں صاحب السر ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے، ان کے درمیان موجود تھے۔ انہوں نے جب یہ معاملہ دیکھا تو فوراً دربار خلافت کا قصد کیا اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ کی حساسیت سے آگاہ کیا اور کہا کہ اس امت کا کچھ کیجئے ورنہ یہ بھی کلام اللہ کے بارے میں بیہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگے گی۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا ارادہ فرمایا۔

**دوسرا سبب** یہ ہے کہ مدینہ میں مختلف معلمین بچوں کو قرآن کریم سکھانے کے لیے مقرر کیے گئے تھے، جو مختلف صحابہ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے ان کی قراءت (اختیارات) کے موافق قراءت کرتے تھے۔ بعد ازاں جب بچے اکٹھے ہوتے اور ایک دوسرے کو قرآن سناتے تو ان کی قراءت میں فرق ہوتا جس پر ہر ایک اپنی قراءت کے بہتر

جمع عثمانی

ہونے پر اصرار کرتا۔ یہ بات جب معلمین تک پہنچی تو وہ بھی اس فتنہ کا شکار ہو گئے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خطبہ دیا اور لوگوں کو تنبیہ کی کہ یہ غلط کام ہو رہا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صحابہ کی جماعت تم اکٹھے ہو کر لوگوں کے لیے ایک مصحف امام لکھ دو، تاکہ مسلمان اس فتنہ سے بچ سکیں۔

بہر حال اندرونی سطح پر مدینہ میں بھی اختلاف موجود تھا اور دیگر امصار میں بھی، جہاں ایک سے زیادہ اختیارات کے موافق تلاوت ہو رہی تھی، یہ بات سامنے آئی۔ یہ بات ہم نے اس لیے نقل کی ہے کہ عراق اور شام میں تلاوت قرآن مجید میں کوئی اختلاف رونما نہ ہوا تھا، کیونکہ عراق میں عوام الناس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پر تھے۔ اور شام میں بھی اس لیے رونما نہ ہوا، کیونکہ وہاں تو صرف اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق تلاوت ہو رہی تھی۔ اختلاف اس وقت ہوا جب اہل شام اور اہل عراق آذربچان میں جمع ہوئے۔ اور مدینہ میں بھی اختلاف کا سبب کئی ایک صاحب اختیار قراءت کی موجودگی تھی۔

یہاں ایک اور بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ اختلاف انکار قرآن کا نہیں بلکہ اولاً ترجیح قراءت کا تھا، اگرچہ تھا یہ بھی غلط، پھر جب اختلاف شدت اختیار کرنے لگا تو انکار کی شکل پیدا ہوئی اور یہ عموماً کم علمی کی بنیاد پر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ہمارے معاشرے میں بیسیوں ایسے اختلافات موجود ہوتے ہیں۔

### امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عملی اقدام

آپ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حالت دیکھی تو جمع صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ سب سے پہلے یہ پوچھا کہ آیا قرآن سب سے آحرف پر نازل ہوا ہے تو اتنے لوگوں نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ [تجزیہ اعمال]

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لیے ایک ایسا مصحف تیار کر دو جو امام کی حیثیت اختیار کر لے۔ جب سارے صحابہ نے ان کی جمع مصاحف کی رائے کی تائید کی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم سے ہر ایک شخص کو قسم دیتا ہوں کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی بطور قرآن موجود ہے وہ لے آؤ۔ لوگ واپس گھروں کو گئے اور انہوں نے قرآن کی صورت میں جو کچھ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لا کر جمع کر دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر شخص کو قسم دے کر گواہی لی کہ کیا تو نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اِلاء کروائی۔ آپ نے اس طرح جمع کیے ہوئے پورے قرآن کی چھان پھنگ کی۔

### کتابت قرآن

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے سلسلہ میسر جمع مواد کو ایک جگہ پوری تصدیق کر کے اکٹھا کر لیا تو پھر لوگوں سے سوال کیا کہ تم میں سے بہترین کاتب کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ پھر دریافت کیا کہ بہترین عربی دان کون ہے؟ تو جواب دیا گیا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اِلاء کروائے اور زید رضی اللہ عنہ لکھیں اور بخاری کی روایت کے مطابق مزید دو حضرات عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہ کو بھی مقرر کیا اور ان تینوں قریشی صحابہ یعنی ابن عاص رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہ کو کہا کہ جب تمہارے اور زید رضی اللہ عنہ کے مابین کسی چیز کا اختلاف ہو تو مجھے اطلاع دو۔ یعنی رئیس اللجنۃ کی ذمہ داری خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھارے تھے۔ جیسا کہ ایک موقع پر سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ میں

اختلاف ہوا جس کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا فاکتبا بلغة قريش فإنما نزل بلسانهم۔ لیکن محمد ابن سيرين نے اپنی کئی ایک روایات میں کہا ہے کہ کاتبین جمع عثمانی کی تعداد بارہ تھی۔ جیسا کہ کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”لما أراد عثمان أن يكتب المصاحف جمع له اثني عشر رجلا من قريش والأنصار فيهم أبي بن كعب وزيد بن ثابت.....“

”کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتابت مصاحف کا ارادہ کیا تو اس کے لیے بارہ افراد کو جمع کیا جن میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔“

ان میں سے کچھ کے نام تو روایات میں موجود ہیں۔ جیسا کہ محمد بن سيرين رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ’حدثني كثير بن أفلح أنه كان يكتب لهم‘، یعنی کثیر بن افلح بھی کاتبین میں سے تھے۔ [کتاب المصاحف: ۳۱۳/۱]

● امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كان جدي مالك بن أبي عامر ممن قرأ في زمان عثمان و كان يكتب المصاحف .“

[کتاب المصاحف: ۲۱۵/۱]

”میرے دادا مالک بن ابی عامر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن پڑھا اور وہ مصاحف کی کتابت بھی کیا کرتے تھے۔“

● محمد بن سيرين رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”أن عثمان جمع اثنتي عشر رجلاً من قريش والأنصار فيهم: أبي بن كعب، وأبو عامر جد مالك بن أنس، وكثير بن أفلح وأنس بن مالك وعبدالله بن عباس وعبدالله بن عمرو بن العاص“ [نكت الانتصار للباقلاني: ۳۵۸، لطائف الإشارات للقسطلاني: ۱/۲۱۱]

”عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قریش اور انصار میں سے بارہ افراد کو کتابت قرآن کے لیے جمع فرمایا۔ جن میں اُبی بن کعب، ابو عامر مالک بن انس کے جد امجد، کثیر بن افلح، انس بن مالک، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شامل تھے۔“

ابن سيرين رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے مطابق کاتبین مصاحف عثمانیہ کی کل تعداد گیارہ بنتی ہے، جو درج ذیل ہیں:

① زید بن ثابت رضی اللہ عنہ      ② ابن بن کعب رضی اللہ عنہ      ③ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

④ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ      ⑤ عبد الرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ

⑥ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ      ⑦ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ      ⑧ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

⑨ کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ      ⑩ مالک بن انس رضی اللہ عنہ      ⑪ مالک بن ابو عامر رضی اللہ عنہ

مصر کے مشہور محقق قاری شیخ علی محمد الضباع نے اپنی کتاب سمیر الطالبین فی رسم و ضبط کتاب المبین میں بارہ افراد کے نام ذکر کیے ہیں جن میں مذکورہ گیارہ کے ساتھ ایک بارہوی شخص ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو شامل کیا ہے۔ [سمیر الطالبین: ۱۱]

ہمارے علم کے مطابق شیخ الضباع نے ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کا نام عمارۃ بن غزیہ کی روایت، جسے ابن جریر طبری رضی اللہ عنہ نے تخریج کیا ہے، کی بنیاد پر شامل کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں اسے عمارۃ بن غزیہ کا وہم قرار دیا



ہے، فرماتے ہیں:

”ووقع في رواية عمارة بن غزبية‘ أبان بن سعيد بن العاص بدل سعيد‘ قال الخطيب: ووهم عمارة في ذلك لأن أبان قتل بالشام في خلافة عمر ولا مدخل له في هذه القصة والذي أقامه عثمان في ذلك هو سعيد بن العاص ابن أخي أبان المذكور.“ [فتح الباری: ۲۳۱/۱]

”عمارة بن غزبية رضی اللہ عنہ کی روایت میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کے بارے میں خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ عمارة کو اس بارے میں وہم ہوا ہے، کیونکہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام کے محاذ پر شہید ہو گئے تھے مذکورہ واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جن کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع مصاحف کے لیے مقرر فرمایا تھا وہ ابان کے بھتیجے سعید ہیں۔“

ہماری نظر میں اگر بارہ افراد کی اس کمیٹی میں کاتبین اور ان کے معاونین تمام شامل ہیں تو ایک ایسے شخص کو شامل کیا جاسکتا ہے جو باقاعدہ کاتب تو نہیں البتہ ان کی بھرپور معاونت کرتا رہا ہے۔ وہ شخص ہانی ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے بارے میں ایک روایت امام ابو سعید فضائل القرآن میں لائے ہیں:

”عن هانئ مولى عثمان قال: كنت الرسول بين عثمان وزيد بن ثابت، فقال زيد: سله عن قوله: لم يتسن، أو لم يتسنه، فقال عثمان: اجعلوها في الهاء.“ [فضائل القرآن لابن عمير: ۱۰۲۰]

”ہانی مولیٰ عثمان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے درمیان (جمع کے دوران) قاصد تھا مجھے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو کہ لم يتسن کو ہاء کے ساتھ لکھنا ہے یا بدون ہاء؟ تو انہوں نے فرمایا ہاء کے ساتھ لم يتسنہ لکھو۔“

لہذا اگر اس کمیٹی میں کوئی بطور معاون بارہواں فرد شامل ہو سکتا ہے تو یہ ہانی مولیٰ عثمان ہیں، ورنہ بارہویں فرد کے بارے میں روایات خاموش ہیں۔

### ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور جمع عثمانی

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جمع عثمانی میں شریک نہیں تھے، کیونکہ ان کی وفات کے بارے میں روایات مضطرب ہیں جیسا کہ دکتور غانم قدوری نے رسم المصاحف میں لکھا ہے۔ امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے سیر أعلام النبلاء میں ان روایات کو جمع کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

محمد بن عمر الواقدي نے کہا ہے کہ روایات اس پر دال ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئے۔ میں نے ان کے اہل اور دیگر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ آپ ۲۲ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ ان کی وفات پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج سید المسلمین دنیا سے چلے گئے ہیں۔

واقدي آگے ذکر کرتے ہیں:

”قد سمعنا من يقول: مات في خلافة عثمان سنة ثلاثين.“

”ہم نے ایک شخص کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ۳۰ ہجری خلافت عثمان میں فوت ہوئے ہیں۔“

اس کے بعد واقدي اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”وهو أثبت الأقوال عندنا وذلك أن عثمان أمره أن يجمع القرآن.“

”۳۰ ہجری) والی روایت تمام اقوال میں مضبوط قول ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جمع قرآن کا

حکم دیا تھا۔“

واقدی کے اس تبصرے کے بعد امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو لائے ہیں جس کی طرف واقدی نے اشارہ کیا ہے اور بعد میں کہا ہے کہ یہ روایت سنداً قوی ہے لیکن مرسل ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میرا گمان یہی ہے کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں شامل نہیں تھے اگر ہوتے تو بجائے زید کے ان کی شہرت ہوتی۔ لہذا ظاہر یہ ہی ہے کہ ان کی وفات خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ ہیشم بن عدی وغیرہ نے تو ان کی وفات ۱۹ ہجری قرار دی ہے۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر رضی اللہ عنہ، ابو سعید رضی اللہ عنہ اور ابو عمر والضریر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ۲۲ ہجری میں وفات پائی ہے۔ ذہبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ طبعیت اسی کی طرف مائل ہے۔

[سیر أعلام النبلاء: ۴۰۰/۱]

امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے اپنا میلان اس طرف ظاہر کیا ہے کہ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ ۲۲ ہجری میں ہی وفات پا چکے ہیں جس کی سب سے اہم دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے جمع عثمانی میں موجودگی کے بارے میں جو روایت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے وہ مرسل ہے لہذا قابل حجت نہیں۔ دیگر اقوال میں سے واقدی کی رائے کے مطابق سب سے ثابت ترین قول یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ۳۰ ہجری میں وفات پائی ہے۔

● حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وصحح أبو نعیم أنه مات في خلافة عثمان . سنة ثلاثين واحتج له بأن زر بن حبیش ، لقيه في خلافة عثمان .“ [الإصابة: ۱۸۲/۱]

”ابو نعیم نے یہ صحیح قرار دیا ہے کہ آپ کی وفات خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں ۳۰ھ کو ہوئی ہے، کیونکہ زر بن حبیش رضی اللہ عنہ نے آپ سے خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں ملاقات کی ہے۔“

بغوی حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل جمعہ کے روز فوت ہوئے۔

[الإصابة: ۱/ ۱۸۲]

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی وفات خلافت عثمان میں ہی قرار دی ہے۔

ہماری نظر میں یہی بات درست ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی فوت ہوئے ہیں۔ اور امام ذہبی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کی روایت مرسل ہے، درست نہیں۔ کیونکہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو سیدنا کثیر بن أفلح رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔

”عن محمد بن سيرين عن كثير بن أفلح قال: لما أراد عثمان أن يكتب المصاحف جمع له اثني عشر رجلاً من قريش والأَنْصار ، فيهم أبي بن كعب وزيد بن ثابت.....“

[كتاب المصاحف: ۲۱۳/۱]

مذکورہ روایت اس پر دال ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جمع عثمانی میں موجود تھے بلکہ آپ اس کمیٹی کے ایک اہم رکن تھے۔ باقی جمع اقوال کی صحیح اور منصل روایت کی موجودگی میں کوئی حشیت نہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ امام ذہبی رضی اللہ عنہ ان کی وفات کو خلافت عمر بابت ۲۲ ہجری کیوں قرار دیتے ہیں تو اس کی واضح دلیل موجود ہے کہ ان کی اس مرفوع روایت تک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسائی نہیں ہو پائی۔

## فقہ آیات کا مسئلہ

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب مسلمانوں کے مجمع عام سے خطاب فرمایا اور اختلاف قرآن کے متعلق لوگوں کی صورت حال سے آگاہ کیا تو مجمع صحابہ نے جمع قرآن پر آپ کی موافقت فرمائی اور اپنے پاس لکھا ہوا جمع قرآنی مواد لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قسم دے کر ان سے شہادت لیتے اور بطور قرآن اُسے محفوظ کر لیا جاتا جب سارا مواد جمع ہو گیا تو صحابہ کی رائے کے موافق کاتبین کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اُسے ترتیب دے دیا۔ تکمیل قرآن کے بعد جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی دوبارہ مراجعت کی تو آپ نے بعض آیات کو نہ پایا۔ اب مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ وہ آیات کون سی تھیں۔ اس بارے میں کئی ایک روایات ذخیرہ احادیث میں موجود ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”فقدت آية من سورة الأحزاب حين نسخنا المصحف كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأ بها ما التمسناها فوجدناها مع خزيمة بن ثابت الأنصاري ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَن يَنْتَظِرُ﴾ فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سورتها في المصحف.“

[صحيح البخاري: ۳۷۴۳]

”میں نے سورۃ احزاب کی آیت (نمبر ۲۳) ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَن يَنْتَظِرُ﴾ کو گم پایا جسے ہم نے تلاش کیا تو خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مل گئی تو ہم نے اُسے مصحف میں شامل کر دیا۔“

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں چار مقامات پر نقل کیا ہے:

- ① کتاب الجہاد والسیر باب قول اللہ عزوجل: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا.....﴾
- ② کتاب المغازی باب غزوة أحد
- ③ کتاب تفسیر القرآن باب ﴿مِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ.....﴾
- ④ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن

مذکورہ چاروں مقامات پر جو روایات نقل ہوئی ہیں ان میں چند ایک باتیں مشترک ہیں۔

**پہلی بات** یہ ہے کہ یہ واقعہ جمع عثمانی کا ہے نہ کہ جمع صدیقی کا کیونکہ اس میں نسخ مصحف کے وقت کا ذکر ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نسخ مصحف (یعنی فوٹو کاپی) کا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے کیونکہ باب جمع القرآن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو جمع صدیقی کے متعلق حضرت زید رضی اللہ عنہ کے الفاظ نقل کیے ہیں وہ فتنبع القرآن فأجمعه، کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تلاش و بسیر سے قرآن کو جمع کر دو اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔ فتنبع القرآن فأجمعه کہ میں نے پوری طرح تلاش کیا اور اس کو جمع کر دیا جبکہ جمع عثمانی میں جو کام ہوا اس کے متعلق حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ’حین نسخنا المصحف‘، کہ جب ہم مصحف کو نقل کر رہے تھے، لہذا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان چاروں روایات میں واقعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کا بیان ہو رہا ہے نہ کہ جمع صدیقی۔

**دوسری بات** یہ ہے کہ سب میں یہ بھی موجود ہے کہ آیت مفقودہ سورۃ الاحزاب کی آیت تھی۔

**تیسری بات** یہ ہے کہ اس آیت کو لانے والے سیدنا خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ بخاری کی جمع روایات میں مکمل نام خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ مذکور ہے سوائے ایک روایت کے جو کتاب تفسیر القرآن کی ہے اس میں صرف خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہے یعنی صرف صحابی کا نام ہے والد کا نام نہیں ہے۔ جبکہ جو شخص سورۃ التوبہ کی آیات لایا تھا اس کا نام ابو خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہے یعنی خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ و الشہادتین ہیں جو کہ جمع عثمانی میں آیت احزاب کو لے کر آئے تھے اور جمع صدیقی میں جو شخص سورۃ التوبہ کی آیت لے کر آئے تھے وہ ابو خزیمہ حارث بن خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ابن داؤد نے کتاب المصاحف میں اور حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں اس کی صراحت کی ہے۔

ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے عباد بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

”أتى الحارث بن خزيمه بهاتين الآيتين: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ إلى قوله: ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ إلى عمر، فقال: من معكم على هذا؟ فقال: لا أدري والله! إلا أني أشهد أني سمعتها من رسول الله ﷺ ووعيتها وحفظتها، فقال عمر: وأنا أشهد لسمعتها من رسول الله ﷺ. [كتاب المصاحف: ٩٤/١]

”کہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ دو آیات ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ .....﴾ [التوبة: ١٢٨] الی قولہ ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ دوسرا گواہ کون ہے تو انہوں نے کہا میں نہیں جانتا مگر میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور یاد کی ہیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔“

مذکورہ روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ابو خزیمہ جو آیات سورۃ توبہ لے کر آئے تھے وہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ تھے جن کے نام کی صراحت اس روایت میں آگئی ہے۔

اس بارے میں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یعنی سورۃ الاحزاب کی آیات لانے والے جناب خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی وضاحت فرمادی ہے کہ جمع صدیقی میں سورۃ التوبہ کی آیات کا مسئلہ تھا اور جمع عثمانی میں سورۃ الاحزاب کی آیت مفقودہ تھی۔ [فتح الباری: ٣٣٩/١٠]

البتہ بخاری میں مذکورہ روایات جو جمع صدیقی کے متعلق ہیں ان میں یہ اختلاف موجود ہے کہ سورۃ توبہ کی آیات لانے والے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے یا ابو خزیمہ تھے۔ کتاب التفسیر میں موجود روایت میں ہے کہ یہ خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ تھے جبکہ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں سورۃ التوبہ کی آیات لانے والے ابو خزیمہ تھے اس کے علاوہ بخاری میں دوسرے مقامات پر ان دونوں روایات کے متابعات اور شواہد بھی موجود ہیں۔

یعنی بخاری میں جمع صدیقی کی روایات دونوں ناموں خزیمہ اور ابو خزیمہ سے موجود ہیں اور ترمذی کی روایت صیغہ شک کے ساتھ ہے جس میں خزیمہ أو ابو خزیمہ کے الفاظ ہیں۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے راجح اس بات کو قرار دیا ہے کہ جمع صدیقی میں آیت توبہ لانے والے اکیلے صحابی سیدنا ابو خزیمہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ہیں اور جمع عثمانی کے

ب  
ک  
م  
ن

موقع پر سورۃ الاحزاب کی آیت لانے والے صحابی سیدنا خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ [فتح الباری: ۱۸/۱۱]  
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا مؤقف کو ترجیح تو دی ہے لیکن اس کا سبب ذکر نہیں کیا یعنی وجہ ترجیح موجود نہیں ہے۔ ہماری نظر میں اس کی دو توجیہات ہو سکتی ہیں:

① امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری میں جس جگہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جمع عثمانی کے متعلق احزاب والی آیت کا تذکرہ کیا ہے ان جمیع روایت میں صیغہ جزم کے ساتھ یہ منقول ہے کہ اس آیت کے لانے والے سیدنا خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ ہے۔ البتہ شک کا اظہار سورۃ التوبہ والی آیت میں ہے لہذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ بات تو طے ہے کہ سورۃ الاحزاب والی آیات لانے والے صحابی سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جس سے دوسری روایات کا مفہوم بھی آرزو متعین ہو جاتا ہے کہ وہ سیدنا ابو خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیات کے بارے میں جو روایت ابن ابی داؤد کتاب المصاحف میں لائے ہیں اس میں خزیمہ یا ابو خزیمہ کے بجائے ایک صحابی کا نام مذکور ہے الفاظ یوں ہیں اُتی الحارث ابن خزیمہ بہاتین الآيتين، یعنی سورۃ التوبہ کی آیات لانے والے صحابی حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ تھے اور یہی وہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ہیں جس کی کنیت ابو خزیمہ ہے اور وہ کنیت سے معروف تھے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

### عمارة بن غزیه کی روایت کا مسئلہ

جمع عثمانی کے سلسلہ میں اگر کوئی مفصل ترین روایت ہے تو وہ تفسیر طبری میں مذکور عمارة بن غزیه کی روایت ہے جسے ہم نے نمبر ۱ پر ذکر کیا ہے۔ لیکن اُس روایت کا مسئلہ یہ ہے کہ اس میں راوی کو بعض مقامات پر شدید وہم ہوا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ویسے بھی اس نے کئی ایک طرق کو جمع کر دیا ہے جس میں ایک بات تو ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں کہ انہوں نے جمع عثمانی کے کاتبین میں ابان بن سعید کو شمار کیا ہے جو کہ راوی کا وہم ہے دوسری بات جو یہاں ذکر کرنا مطلوب ہے وہ یہ کہ اس روایت میں فقہ آیات کے مسئلہ کو صرف اور صرف جمع عثمانی کا مسئلہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ دونوں جمع عثمانی میں نہیں ملی تھیں جبکہ یہ بات درست نہیں جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ آیت توبہ جمع صدیقی میں اور آیت احزاب جمع عثمانی میں مفقود تھی مزید ایک بات یہ بھی قابل بحث ہے کہ انہوں نے لانے والے دونوں صحابہ کو خزیمہ ہی کہا ہے کسی کی کنیت ذکر نہیں کی بلکہ دوسری آیت کے موقع پر کہہ دیا ہے وہو يدعى خزيمه حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ آیات توبہ لانے والے ابو خزیمہ تھے جبکہ آیت احزاب خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ملی تھی۔

### تعداد مصاحف کا مسئلہ

تعداد مصاحف کے بارے میں بھی کئی ایک اقوال پائے جاتے ہیں جن میں چار، پانچ، چھ، سات تک کے اقوال موجود ہیں۔ کتاب المصاحف میں ابن ابی داؤد اس بارے میں دو روایات لائے ہیں۔

① فرماتے ہیں:

”حمزة الزيات يقول: كتب عثمان أربعة مصاحف، فبعث بمصحف منها إلى الكوفة فوضع عند رجل من مراد، فبقي حتى كتبت مصحفني عليه.“ [كتاب المصاحف: ۱۱۵/۱]

”امام حمزہ الزیات رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار مصاحف لکھوائے جن میں سے ایک مصحف کوفہ روانہ کیا جسے آل مراد کے ایک شخص کے پاس پر رکھا گیا۔ (امام حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے اپنا مصحف بھی اسی سے لکھا۔“

① امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لما كتب عثمان المصاحف حين جمع القرآن كتب سبعة مصاحف فبعث واحداً إلى مكة وآخر إلى الشام وآخر إلى اليمن، وآخر إلى البحرين وآخر إلى البصرة وآخر إلى الكوفة وعين بالمدينة واحداً.“ [تاریخ دمشق: ۱/۱۹۸]

”جمع قرآن کے وقت جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف لکھوائے ان کی تعداد سات تھی۔ ان میں سے ایک مکہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک کوفہ اور ایک اہل مدینہ کے لیے رکھ لیا۔“

اس روایت کے مطابق مصاحف کی تعداد سات بنتی ہے۔

② امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دونوں روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

”وصحح القرطبي أنه إنما نفذ إلى الآفاق أربعة مصاحف وهذا غريب.“ [ابن کثیر: ۱/۳۰]

”امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ مصاحف جن کا نفاذ ہوا ہے وہ چار ہیں لیکن یہ بات غریب ہے۔“

③ امام ابو عمرو الدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی چار والے قول کو ہی صحیح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

”أكثر العلماء على أن عثمان بن عفان ÷ لما كتب المصحف جعله على أربع نسخ وبعث إلى كل ناحية من النواحي بواحدة منهم، فوجه إلى الكوفة إحداهن وإلى البصرة أخرى، وإلى الشام الثالثة، وأمست عند نفسه واحدة. وقد قيل: أنه جعله سبع نسخ ووجه من ذلك أيضاً نسخة إلى مكة ونسخة إلى اليمن ونسخة إلى البحرين. والأول أصح وعليه الأئمة.“ [المقنع في رسم المصاحف الأمصار: ۳]

”اکثر علماء اسی طرح ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار نسخے تیار کروائے تھے جن میں ایک کوفہ، ایک شام، ایک بصرہ اور ایک اپنے پاس رکھ لیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سات نسخے تھے جو مذکورہ چار شہروں کے علاوہ باقی مکہ، یمن اور بحرین بھیجے گئے تھے۔ (امام دانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) پہلی بات درست ہے اور اسی پر ائمہ ہیں۔“

یعنی امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے خلاف ہے، امام دانی رحمۃ اللہ علیہ چار مصاحف کے قائل

ہیں، جبکہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سات مصاحف کی ترسیل کو درست قرار دیتے ہیں۔ ہماری نظر میں دونوں کی دلیل مذکورہ بالا امام حمزہ رضی اللہ عنہ اور امام بھجتانی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال ہیں۔ ان کے علاوہ شاید ان آراء کے رجوع کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ہماری نظر میں مصاحف کی تعداد جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آفاق آرض کی طرف ارسال فرمائے تھے، پانچ ہے اور کل مصاحف کی تعداد چھ ہے۔ وہ اس لیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصاحف روانہ فرمائے تھے تو ہر مصحف کے ساتھ

باقاعدہ ایک قاری روانہ کیا تھا اور جن قراء کے نام روایات میں موجود ہیں وہ پانچ ہیں جیسا کہ منابہل العرفان میں ہے:

”روي أن عثمان ÷ أمر زيد بن ثابت أن يقرئ بالمدني، وبعث عبدالله بن السائب مع المكي، والمغيرة بن أبي شهاب مع الشامي وأبا عبد الرحمن السلمي مع الكوفي وعامر بن عبد القيس مع البصري.“ [منابہل العرفان: ۲۰۱]

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مصحف مدنی پڑھائے، عبدالرحمن بن سائب رضی اللہ عنہ کو مکی، مغیرہ بن شہاب رضی اللہ عنہ کو شامی، ابو عبدالرحمن السلمی رضی اللہ عنہ کو کوفی اور عامر بن قیس رضی اللہ عنہ کو بصری مصحف

کے ساتھ روانہ کیا۔“

لہذا وہ مصاحف جو عوام الناس کے لیے مختص کیے گئے وہ پانچ تھے، جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے، فرماتے ہیں:

”واختلفوا في عدة المصاحف التي أرسل بها عثمان إلى الآفاق فالمشهور أنها خمسة.“  
”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو آفاق ارض کی طرف مصاحف ارسال فرمائے ان کی تعداد میں اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ ہیں۔“

یعنی جو مصاحف عامۃ المسلمین کے لیے تھے وہ پانچ ہی تھے اور چھٹا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خاص فرمایا تھا جسے مدنی خاص کہا جاتا ہے۔

● ابن عاشر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں:

”والصواب أنها ستة: المكي الشامي والبصري والكوفي والمدني العام الذي سيره عثمان من محل نسخة إلى مقره والمدني الخاص به الذي حبسه لنفسه وهو المسمى الإمام“

[مناهل العرفان: ۴۰۳]

”صحیح بات یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ چھ تھے جن میں مکی، شامی، بصری، کوفی، مدنی عام جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محل نسخ یعنی مدینہ والوں کی قراءت کے لیے خاص کیا تھا اور مدنی خاص جسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خاص فرمایا تھا۔“  
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عاشر کا قول میں کوئی منافات نہیں ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مصحف امام کا ذکر ہی نہیں کیا یعنی فقط لفظی اختلاف ہے۔

نیز امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں:

”اختلف في عدة المصاحف التي أرسل بها عثمان إلى الآفاق، فالمشهور أنها خمسة“

[الإتقان: ۱۲۱/۱]

”جو مصاحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف بلاد میں روانہ کیے تھے انکی تعداد میں اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ ہیں۔“

## کیا آیات اور سورہ کی ترتیب توقیفی ہے؟

آیات کی ترتیب کے بارے میں تو اُمت مسلمہ کا اجماع ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔

● امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”الإجماع والنصوص المترادفة على أن ترتيب الآيات توقيفي لا شبهة في ذلك. أما الإجماع فقله غير واحد منهم: الزركشي في البرهان وأبو جعفر بن الزبير في مناسباته، وعبارته: ترتيب الآيات في سورها واقع بتوقيفه وأمره من غير خلاف في هذا بين المسلمين“ [الإتقان: ۱۲۱/۱]

”اجماع اُمت اور نصوص مترادفہ اس پر دال ہیں کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے، اس پر کئی ایک نے اجماع نقل کیا ہے جن میں زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے برهان میں اور ابو جعفر بن الزبیر نے مناسبات میں کہا ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب یہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتائی ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے جس میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

● امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فأما الآيات في كل سورة وضع البسملة أوائلها فترتيبها توقيفي بلاشك، ولا خلاف فيه.“ [البرهان: ۲۵۳/۱]

”ہر ایک سورت کی آیات اور ان کے شروع میں بسملہ لکھنا تو قرآن کریم کی جو ترتیب ہے یہ بغیر کسی شک کے نبی مکرم ﷺ کی طرف سے ہے اور اس بارے میں کسی قسم کا بھی اختلاف نہیں۔“

● مکی بن ابی طالب القیسسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ترتيب الآيات في السور هو من النبي ﷺ ولما لم يأمر بذلك في أول براءة تركت بلا بسمله.“

”آیات کی ترتیب یہ نبی مکرم ﷺ کی طرف سے ہے اسی وجہ سے سورۃ براءۃ کو بغیر بسملہ کے لکھا گیا ہے کہ آپ نے وہاں لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔“

● قاضی ابوبکر الباقلائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ترتيب الآيات أمر واجب وحكم لازم فقد كان جبريل يقول: «ضَعُوا آيَةَ كَذَا فِي مَوْضِعِ كَذَا». [البرهان: ۲۵۳/۱]

”آیات کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب اور لازم ہے خود سیدنا جبریل علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ فلاں آیت کو فلاں جگہ رکھو۔“

امام زرکشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب المدخل اور دلائل النبوة میں اس کی دلیل حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث دی:

”كنا حول رسول الله ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع. إذ قال: «طُوِيَ لِلشَّامِ». فقيل له: ولم؟ قال: «إِنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمَنِ بَاسِطَةَ أَجْنِحَتِهَا عَلَيْهِمْ». [البرهان: ۱۵۴/۱]

”کہ ہم اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کے ارد گرد قرآن کریم کو ترتیب دے رہے تھے جب آپ نے کہا کہ شام والوں کے لیے خوشخبری ہو، آپ ﷺ سے کہا گیا کیوں اللہ کے رسول ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا: رحمن کے فرشتے شام پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔“

لہذا ترتیب آیات توفیقی ہونے کے متعلق اُمت مرحومہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے ساری کی ساری اُمت اس بات پر متفق ہے کہ یہ توفیقی ہی ہیں۔

### ترتیب سور کا مسئلہ

سورتوں کی ترتیب آیا توفیقی ہے یعنی بذریعہ وحی مقرر کی گئی ہے یا پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے مقرر فرمائی ہے اس بارے میں علماء کی تین آراء ہیں:

① قرآن کی ترتیب اجتہادی ہے یعنی صحابہ نے خود اپنے اجتہاد سے مقرر فرمائی ہے یہ جمہور علماء کی رائے ہے امام مالک رضی اللہ عنہ اور قاضی ابوبکر الباقلائی رضی اللہ عنہ اپنے ایک قول میں ان کے ساتھ ہیں۔ [الاتقان: ۱۲۴/۱]

② علماء کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ آیات کی طرح سور کی ترتیب بھی توفیقی ہے یعنی خود نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہے۔

③ اس بارے میں تیسری رائے یہ ہے کہ قرآن کا بعض سور کی ترتیب توفیقی ہے اور بعض کی صحابہ رضی اللہ عنہم نے مقرر فرمائی۔ [البرهان: ۳۵۴/۱]



ہماری نظر میں درست اور صحیح مذہب یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان سورتوں کی ترتیب تو نبی مکرم ﷺ کی مقرر کردہ جس کی طرف آپ نے خود اشارہ بھی فرمایا ہے۔ جبکہ دیگر سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے۔ تو یقینی کہنے والوں کے دلائل درج ذیل ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”عن وائلة بن الأسقع أن النبي ﷺ قال: «أُعْطِيَتْ مَكَانَ التَّوْرَةِ السَّبْعَ الطَّوَالِ، وَأُعْطِيَتْ مَكَانَ الزَّبُورِ الْمُئِنَّينِ وَأُعْطِيَتْ مَكَانَ الْإِنْجِيلِ الْمُثَانِيْنِ وَفُضِّلَتْ بِالْمُفْصَلِ»

[مسند أحمد: ۱۲۳۶۸، سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني: ۱۲۸۰]

”واہلہ بن اسقع روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے تورات کے بدلے سبع طوال، زبور کے بدلے متین، انجیل کے بدلے مثنائی عطا کی گئی ہیں اور مجھے مفصل سورتوں کے ساتھ فضیلت عطا کی گئی ہے۔“

اس روایت کے بارے میں امام ابو جعفر انجاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”المختار علی أن تألیف السور علی هذا الترتیب من رسول الله ﷺ لحدیث وائلة وأعطیت مکان التوراة السبع الطوال.“ [مناهل العرفان: ۳۵۵/۱، الإیتقان: ۱۷۲/۱]

”واہلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث ”أعطیت مکان التوراة السبع الطوال“ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے اور یہی پسندیدہ مذہب ہے۔“

پھر فرماتے ہیں:

”فهذا الحدیث يدل علی أن تألیف القرآن مأخوذ عن النبي ﷺ.“ [المرجع السابق]

”یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ سورۃ کی ترتیب یہ نبی مکرم ﷺ سے ہی ماخوذ ہے۔“

● ابن الحصار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ترتیب وضع الآیات علی مواضعها إنما کان بالوحي.“

”سورتوں اور آیات کی ترتیب یہ صرف اور صرف وحی کی بنیاد پر ہے۔“

● ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ترتیب بعض السور علی بعضها أو معظمها لا یمتنع أن یكون توفیقاً؛ ومما يدل علی أن ترتیب المصحف کان توفیقاً ما أخرجه أحمد، وأبوداؤد وغيرهما عن أوس بن أبي أوس حذیفة الثقفی . قال: ”كنت فی الوفد الذین أسلموا من ثقیف.....“ الحدیث . وفیه، فقال لنا رسول الله ﷺ: «طراً علی حزبی من القرآن فأردت أن لا أخرج حتى أقضیه». فسألنا عن أصحاب رسول الله ﷺ قلنا: کیف تحزبون القرآن؟ قالوا: نحزبه ثلاث سور وخمس سور وسبع سور وتسع سور، وإحدى عشرة، وثلاث عشرة، وحزب المفصل من ق حتى تختم، فهذا يدل علی أن ترتیب السور علی ما هو فی المصحف الآن کان فی عهد النبي ﷺ.“ [الإیتقان: ۱۲۶/۱]

”بعض سورتوں کی بعض کے ساتھ جو ترتیب ہے اس بارے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ اسے توفیقی قرار دیا جائے اور ان کی توفیقیت پر مسند احمد اور ابوداؤد کی یہ حدیث دال ہے۔“ حذیفة الثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس وفد میں شامل تھا جو ثقیف میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچانک مجھے، قرآن کی تلاوت کرنا یاد آ گیا اور

میں نے ارادہ کیا کہ اس کی تکمیل کر کے ہی نکلوں: کہتے ہیں کہ ہم نے صحابہ سے سوال کیا کہ تم کس طرح قرآن کے حزب بناتے ہو۔ انہوں نے کہا، پہلا حزب تین سورتیں، دوسرا پانچ سورتیں، تیسرا سات سورتیں، چوتھا نو سورتیں، پانچواں گیارہ سورتیں، چھٹا تیرا سورتیں اور سورۃ ق سے آخر تک۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی مصحف کی یہی ترتیب تھی۔“

● امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ومما يدل على أنه توقيفي كون الحواميم رتبت ولاء وكذا الطواسين ولم ترتب المسبحات ولاء، بل فصل بين سورها وفصل (طسم) الشعراء و(طسم) القصص (طس) مع أنها أقصر منهما ولو كان الترتيب اجتهادياً لذكرت المسبحات ولاء، وأخرت طس عن القصص.“ [الإتقان: ۱۲۶/۱]

”قرآن کریم کی سورتوں کے توفیقی ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ تمام سورتیں جو حم اور طس سے شروع ہوتی ہیں انہیں اکٹھا ذکر کیا گیا ہے اور مسبحات کے درمیان کئی دیگر سورتیں بھی موجود ہیں نیز یہ کہ سورۃ قصص اور شعراء کے درمیان سورۃ النمل کو لایا گیا ہے حالانکہ وہ دونوں سے چھوٹی ہے اگر ترتیب اجتہادی ہوتی تو پھر مسبحات کو اکٹھا ذکر کرنا چاہئے تھا اور قصص اور شعراء کے درمیان نمل کو لانے کی بجائے اسے قصص سے مؤخر کرنا چاہئے تھا۔“

● امام ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”عن سليمان بن بلال قال: سمعت ربيعة يسأل: لم قدمت البقرة وآل عمران وقد نزل قبلهما بضع وثمانون سورة بمكة، وإنما أنزلنا بالمدينة. قال: قدمتا وألف القرآن على علم ممن ألفه به.“ [الإتقان: ۱۲۳/۱]

”سليمان بن بلال کہتے ہیں میں نے ربیعہ سے سنا کہ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا کہ بقرہ اور آل عمران کو کیوں مقدم کیا گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے اسی زیادہ سورتیں نازل ہوئی ہیں تو انہوں نے کہا کہ ان کو اسی ذات کے علم کی وجہ سے مقدم کیا گیا جس نے قرآن کی ترتیب لگوائی ہے۔“

ائمہ کے ان اقوال کے علاوہ بعض مزید مرفوع احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أقرءوا الزهراوين؛ البقرة وسورة آل عمران.» . [صحیح مسلم: ۱۳۳۷]

”دو چمکنے والی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھا کرو۔“

اس حدیث میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ ترتیب کے موافق سورۃ بقرہ اور آل عمران کے اثناء ذکر فرمائے ہیں۔

● امام محمود کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ترتیب السور هكذا هو عند الله وفي اللوح المحفوظ وهو على هذا الترتيب كان يعرض على جبريل كل سنة ما كان يجتمع عنده، وعرض عليه في السنة التي توفي فيها مرتين.“ [مباحث في علوم القرآن: ۱/۱۲۵]

”سورتوں کی ترتیب موجودہ ترتیب کے موافق اللہ کی طرف سے متعین کردہ ہے اور لوح محفوظ میں بھی اسی طرح ہی موجود ہے اسی ترتیب کے موافق ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا جبریل علیہ السلام سے ہر سال جتنا قرآن ان کے پاس جمع ہوتا

دور کرتے اور ایسے ہی عام وفات میں آپ ﷺ نے دو مرتبہ دور فرمایا۔“  
 مذکورہ احادیث اور ائمہ کے اقوال کے باوصف چند ایک دلائل ایسے ہیں جو سورتوں کی ترتیب کے توفیقی ہونے میں  
 حائل ہیں۔ جس میں ایک دلیل صحابہ کے وہ مصاحف ہیں کہ جن میں سور کی ترتیب موجودہ ترتیب عثمانی کے خلاف  
 ہے۔ جس کی تفصیل ’الإنقان‘ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کی دوسری دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جس میں  
 آپ نے سورۃ انفال اور توبہ کو اپنے اجتہاد سے ترتیب دیا۔ نیز بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابن  
 مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات بھی اس کے خلاف دلیل ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”وما يضرك أية قرأت قبل ، إنما نزل أول ما نزل منه سورة من المفصل ، فيها ذكر الجنة  
 والنار.....“ [فتح الباری: ۱۱/۴۷]

جبکہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”لقد تعلمت النظائر التي كان النبي يقرؤها في كل ركعة فقام عبدالله ودخل معه  
 علقمة وخرج علقمة فسألناه فقال: عشرون سورة من أول المفصل على تأليف ابن مسعود  
 آخرهن الحواميم حم الدخان وعم يتساءلون.“ [فتح الباری: ۱۱/۴۷]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن کی ترتیب مقرر نہیں کی تھی ایسے  
 ہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترتیب قرآن کے، جس میں سورۃ دخان مفصل میں شامل ہے یہ ظاہر کرتی ہے قرآن کریم کی  
 ترتیب اجتہادی ہے نہ کہ توفیقی۔ ان دلائل کی موجودگی میں یہ کہنا مشکل ہے کہ مکمل قرآن کریم کی ترتیب توفیقی ہے  
 البتہ ان سورتوں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی ترتیب توفیقی ہے جس کے بارے میں نبی مکرم ﷺ نے خود  
 ارشاد فرمایا اور پھر مصحف عثمانی میں ان کو اسی ترتیب کے موافق لکھا گیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب .



### ضروری وضاحت

بجلی کی شدید لوڈ شیڈنگ اور دیگر بعض وجوہات کی بناء پر رسالہ ہذا ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۹ء سے مارچ ۲۰۱۰ء تک  
 مشتمل ہے۔ قارئین کرام نوٹ فرمائیں۔ [ادارہ]

## علم القراءات اور قواعد نحویہ

قرآن کریم وہ معجزہ کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، اگر اللہ رب العزت چاہتا تو قرآن کریم کو بنی بنائی اور سلی سلوائی کتاب کی صورت میں یکبار بھی اُتار سکتا تھا، تاکہ ہر شخص جیسے چاہتا اسے پڑھ لیتا اور اسے اس سے جو سمجھ آتا اسے مراد الہی جان کر اس پر عمل پیرا ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل و خرد سے نوازا ہے اور فہم و فراست اور عقل و دانش کے میدان میں کچھ لوگ ایسے بھی گذرے ہیں جو بڑے عالی دماغ اور بال کی کھال اُتارنے والے تھے وہ چاہتے تو قرآن کریم کو اپنی تاویل کی عینک سے وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھال سکتے تھے، اور ہر دور کے لوگوں کو ان کی مرضی کے مطابق قرآنی مفاہیم و مطالب مہیا کر سکتے تھے۔

لیکن اللہ علام الغیوب نے ایسا نہیں کیا کہ قرآن کریم کے مفاہیم و مطالب کو اہل عقل و شعور کی فہم و فراست پر چھوڑ دیا ہو، بلکہ نزول قرآن کے لئے ایسے رسول کا انتخاب فرمایا ہے جسے خاتم النبیین کے منصب پر فائز کیا اور تعلیم کتاب کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ نبی الفاظ الہی سے مراد الہی کو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے واضح کر دے، یوں کتاب الہی اہل عقل کی مختلف تعبیرات سے بازیچہ اطفال بننے سے محفوظ ہو جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۝﴾ [نحل: ۴۴]

” (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کی طرف اس نصیحت نامہ کو اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے ان کی طرف نازل کردہ کتاب کی وضاحت کریں۔“

اور کتاب و حکمت کی تعلیم کا فریضہ صاحب قرآن ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۚ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَتُؤْتِيهِم مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُقْبَلُونَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۶۴]

”اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جبکہ ان میں اپنا رسول ان میں سے ہی بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتا اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں حکمت سے مراد بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث و سنت ہے۔ [الرسالہ: ۱]

تلاوت آیات اور تعلیم کتاب قرآنی مفاہیم و معارف کی وضاحت و صراحت کو شامل ہے۔ ایسے ہی قراءات سبعہ و عشرہ کی تعلیم و تلاوت بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ ائمہ قراء جن قراءات سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں وہ سب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، اور ان قراءات اور لہجات کی وجہ عرب کے مختلف قبائل تھے جیسے قریش، بنو ہذیل، بنو ثقیف، ہوازن، کنانہ اور بنو تمیم اور بنو آسد وغیرہ۔ ان میں سے ہر قبیلہ کا لہجہ اور قراءت قرآن کریم کے بعض کلمات دوسرے قبائل سے مختلف تھے اور رسول کریم ﷺ کے کاتبین وحی بھی کسی ایک قبیلہ سے تعلق نہ رکھتے تھے، بلکہ

آپ پر نازل ہونے والی وحی کے لکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق مختلف قبائل سے تھا اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی قراءت اور لہجہ پر قرآن کریم کو پڑھنے کی اجازت خود رسول اللہ ﷺ نے بذریعہ وحی عنایت فرمائی تھی۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَأَجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَبِيدُهُ وَبِزَيْدِنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ». [صحيح البخاري مع الفتح: ٢٩٩١]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک قراءت پر قرآن کریم پڑھایا میں نے ان سے اس بارہ مراجعت کی اور ان سے (اپنی اُمت کی آسانی کی خاطر) قراءت قرآن میں اضافے کا مطالبہ کرتا رہا یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سات قراءت تک پڑھنے کی اجازت دے دی۔“

مذکورہ قبائل میں سے ہر ایک کو اگر ایک ہی لغت پر پڑھنے کا پابند بنا دیا جاتا اور جس قراءت کا وہ عادی ہے اس پر قراءت کرنے سے اُسے روک دیا جاتا تو یہ اس کے لئے مشکل اور دشوار ہوتا، اور قراءت کا یہ اختلاف ایسا نہیں جس سے حلال و حرام پر اثر پڑتا ہو یعنی ایک قراءت سے ایک چیز حلال قرار پاتی ہو اور دوسری قراءت سے حرام بن جاتی ہو ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ اختلاف اِمالہ کرنے نہ کرنے، کسی حرف کو پُر کرنے یا باریک پڑھنے یا ایک حرف کو تشدید کے ساتھ پڑھنے یا تخفیف سے پڑھنے کے متعلق تھا، جس میں لفظی تغیر کے باوجود معنی ایک ہی رہتا ہے، نبی کریم ﷺ سے اخذ کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مختلف تھے۔ بعض وہ تھے جنہوں نے ایک حرف پر آپ سے قرآن کریم کو اخذ کیا تھا، بعض نے دو حرفوں پر اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے زائد حرفوں پر آپ سے قرآن کریم سیکھا تھا اور وہ اس طرح مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری تحویل میں مختلف مصاحف نقل کروا کر متعدد اسلامی ملکوں اور شہروں میں بھیجے تو ہر مصحف کے ساتھ اس صحابی کو بھی مبلغ بنا کر بھیجا جس کی قراءت اس ملک یا شہر کی قراءت کے موافق تھی۔ اس طرح تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کی قراءت اسی طرح مشہور ائمہ قراءت تک پہنچیں، جنہوں نے اپنے آپ کو فن قراءت کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

## قواعد عربیہ قراءت قرآن کے تابع ہیں

بعض منتورین (روشن خیال طبقہ) جو علم القراءات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے وہ علم نحو و صرف کے قواعد پر قرآنی قراءتوں پر حاکم بنا دیتے ہیں اور ان کے خیال میں جو قراءت نحو و صرف کے قواعد کے خلاف ہو، اسے یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ قواعد عربیت کے خلاف ہے، اور یہ بہت بڑی جسارت ہے کہ غیر قرآن کو قرآن کریم پر حاکم بنا دیا جائے، اور وحی پر مبنی قراءت کی صحت و سقم کا فیصلہ ایسے علوم سے کیا جائے جو سراسر انسانی سعی و کوشش کا نتیجہ ہیں، جبکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض یہ بنتا ہے کہ قواعد لغت کی تصحیح قراءت قرآنیہ سے کریں، اس کے برعکس قراءت کی تصحیح قواعد عربیت سے کرنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ قواعد لغت کا انحصار قراءت قرآنیہ اور نصوص سنت پر ہے، اور قراءت کا دار و مدار سماع پر ہے اجتہاد و استنباط پر نہیں، متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قراءت کا سماع نبی کریم ﷺ سے کیا، اور ان سے تابعین رضی اللہ عنہم نے اخذ کیا، اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم تک ہوتا ہوا یہ علم ائمہ قراءت تک پہنچا اور انہوں نے اسے آگے روایت کیا۔ لہذا علم قراءت کے سلسلہ میں ائمہ لغت یا علماء نحو کی تقلید نہیں کی جاسکتی،

اس لئے کہ اس فن کا تمام تر دار و مدار رسول اللہ ﷺ سے سماع پر ہے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”القراءة سنة متبعة أن يأخذها الآخر عن الأول.“ [السنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۵]

یعنی ”فن قراءت لائق اتباع ایسی سنت نبویہ ہے جسے بعد میں آنے والا اپنے پیشرو سے اخذ کرتا ہے۔“

یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ قراء کرام کی قراءات کا دار و مدار نحوی قواعد یا فقہی مسائل کی طرح اجتہاد اور قیاس و استنباط پر نہیں ہے بلکہ قراءات قرآن صرف رسول اکرم ﷺ سے سماع پر موقوف ہے ہیں۔

● امام قرطبی رحمہ اللہ، قشیری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”القراءات التي قرء بها أئمة القراء ثبتت عن النبي ﷺ تواترا يعرفه أهل الصنعة وإذا ثبت شيء عن النبي ﷺ فمن رد ذلك فقد رد على النبي ﷺ واستقبح ما قرء به.“ [الجامع لأحكام القرآن: ۱۵۷۳]

”یعنی قرآن کریم کے قاریوں کی قراءات نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جیسے فن قراءات کے علماء نحوی جانتے ہیں، کسی قراءت کے نبی کریم ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہو جانے کے بعد اس کا انکار کرنے والا نبی کریم ﷺ پر انکار کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ اس چیز کو قبیح سمجھتا ہے جسے نبی کریم ﷺ نے شرف قراءت بخشا ہے۔“

وہ مزید فرماتے ہیں:

”وهذا مقام محذور ولا يقلد فيه أئمة اللغة والنحو فإن العربية تتلقى من النبي ﷺ ولا يشك أحد في فصاحته.“ [المرجع السابق]

”یعنی قراءت قرآن کا مقام بڑا نازک ہے، جس میں اہل لغت اور نحویوں کی تقلید نہیں کی جاسکتی، کیونکہ لغت عربیہ بھی رسول کریم ﷺ سے ہی لی جائے گی، اور آپ کی فصاحت و بلاغت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔“

● شیخ عبدالعظیم زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فإن علماء النحو إنما استمدوا قواعدهم من كتاب الله تعالى وكلام رسوله وكلام العرب فإذا ثبت قرآنية الرواية المقبولة كان القرآن هو الحكم على علماء النحو وما قعدوا من قواعد ووجب أن يراجعوهم بقواعدهم إليه، لا أن نرجع نحن بالقرآن إلى قواعدهم المخالفة نحكمها فيه وإلا كان ذلك عكسا للآية وإهمالا للأصل في وجوب الرعاية.“ [مناهل العرفان: ۳۲۲۱]

”علماء نحو نے اپنے نحوی قواعد قرآن کریم، کلام رسول (حدیث نبوی ﷺ) اور کلام عرب سے حاصل کئے ہیں۔ لہذا جب معتبر اور مقبول روایت کے ساتھ قرآن کی قرآنیت ثابت ہو جائے تو وہی علماء نحو بنائے ہوئے قواعد کا فیصلہ کرے گی۔ اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قواعد کی تصحیح کے لئے کلام اللہ (قرآن کریم) کی طرف رجوع کریں، یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے بعض خلاف قرآن بنائے ہوئے قواعد کو قرآن کریم پر حاکم بنا دیا جائے، ورنہ اس طرز عمل سے اس اصول کا ترک لازم آئے گا جس کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور یہ آیت قرآنی کے خلاف ہوگا۔“

عقل و قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ قراءات کو قواعد عربیہ پر حاکم بنایا جائے اور قراءات کے ذریعہ سے قواعد کی صحت و سقم کا فیصلہ کیا جائے، کیونکہ قرآن و سنت قواعد عربیہ کے لئے اصل اور مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ قواعد نحویہ قراءات قرآن سے اخذ کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ عافر آیت ﴿لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابِ أَسْبَابِ السَّمَوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ

﴿سورة نافر: ۳۶، ۳۷﴾ میں فَاَطَّلِعْ، کو حفص کی قراءت میں منصوب پڑھا گیا ہے اور اس سے نجات نے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے۔

### قاعده

تمنی یا ترحی کے جواب میں فعل مضارع پر فَا آجائے تو اس فا کے بعد 'اُن' مصدر یہ مقدر ہوتا ہے جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے۔

جبکہ حفص رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی قراء کرام فا کو عاطفہ بناتے ہیں اور 'اُبْلَغْ' پر عطف ڈالتے ہوئے فَاَطَّلِعْ، کو مرفوع پڑھتے ہیں۔

اسی طرح قاری عاصم رضی اللہ عنہ نے سورة عیس کی آیت ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزْكِي ۙ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهٗ الذِّكْرٰى ۗ﴾ [سورة عیس: ۳۰، ۳۱] میں فَاَطَّلِعْ، منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس میں مضارع پر فَا لعل کے جواب میں ہے، اور یہاں بھی فعل مضارع پر فا کے بعد 'اُن' ناصبہ مقدر ہے۔

جبکہ عاصم رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی قراء نے 'یزکی' پر عطف ڈالتے ہوئے فَاَطَّلِعْ، کو مرفوع پڑھا ہے۔

### قاعده

اسی طرح علماء نحو کے ہاں یہ قاعدہ بھی معروف ہے کہ افعال رجبہا "ظن، حسب، خال اور نعم" کے بعد فعل مضارع پر آنے والا 'اُن' ناصبہ بھی ہو سکتا ہے اور مخففہ من المثقلہ بھی، اور دوسری صورت میں فعل کو مرفوع پڑھا جائے گا۔

اور یہ قاعدہ سورة المائدہ کی آیت ﴿وَحَسْبُوْا اَلَّا تَكُوْنُ فِتْنَةً﴾ [سورة المائدہ: ۱۷] سے لیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں ابو عمرو بن علاء، حمزہ اور الکسانی نے 'تکون' کو رفع سے پڑھا ہے، اور 'اُن' کو مخففہ من المثقلہ بنایا ہے، جبکہ ان کے علاوہ باقی قراء نے 'تکون' کو نصب سے پڑھا ہے اور 'اُن' کو مصدر یہ (ناصبہ) بنایا ہے۔

یاد رہے کہ کلام عرب میں 'اُن' چار اقسام پر ہے۔

- ① اُن مصدر یہ جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے، اور یہ معروف ہے جیسے: "أريد أن تخرج"
- ② اُن مخففہ عن المثقلہ: اور یہ افعال شک و یقین کے بعد آتا ہے جیسے: ﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى﴾ [المزمل: ۲۰]
- ③ اُن تفسیر یہ اور یہ ایسے فعل کے بعد آتا ہے جو قول کے معنی میں ہو جیسے: ﴿وَنَدِيْنَهٗ اَنْ يَّابِرْ هِيْمَ﴾

[الصافات: ۱۰۴]

④ اُن زائدہ اور یہ تین مقامات میں تاکید کے لئے زائد آتا ہے:

- ① لَمَّا کے بعد جیسے ﴿فَلَمَّا اَنَّ جَاءَ الْبَشِيْرَ﴾ [يوسف: ۹۶]
- ② قسم اور 'لو' کے درمیان جیسے واللہ اَنْ لو قمت قمت
- ③ كاف جارہ اور اس کے مجرور کے درمیان بھی اُن زائدہ آتا ہے جیسے كان ظبية [حجۃ القراءات ابو زرعة: ۲۳۳]

## قاعدہ

علماء تصریف کے ہاں یہ مشہور قاعدہ ہے کہ ہر کلمہ کو اپنی وقتی صورت پر لکھا جاتا ہے اور اسم منقوص پر وقف کی حالت میں یا کو برقرار رکھنا جائز ہے۔

اور یہ قاعدہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت سے اخذ کیا گیا ہے، انہوں نے سورۃ رعد کی آیت ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ [سورۃ الرعد: ۷] میں وقف کی صورت میں یا کو برقرار رکھا ہے، جبکہ دیگر قراء اس پر وقف کے وقت یا کو حذف کرنے کے قائل ہیں۔

## قاعدہ

ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف حرف جر دہرائے بغیر جائز ہے۔

یہ قاعدہ کوئی نحاۃ کی نزدیک مسلم ہے اور بعض مصری علماء بھی اس کی حمایت کرتے ہیں اور انہوں نے اس کو قرآن کریم میں سورۃ النساء کی آیت ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾ [سورۃ النساء: ۱] سے اخذ کیا ہے، کیونکہ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے 'بہ' کی ضمیر مجرور پر عطف ڈالتے ہوئے 'الأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھا ہے اور حرف جر کا اعادہ نہیں ہوا۔

لیکن جو علماء ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کو عطف میں حرف جر کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں اور بغیر اعادہ جاروہ اس عطف کو جائز نہیں سمجھتے، وہ حمزہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ قراءت پر تین طرح کے اعتراض کرتے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے اور وہ اعتراض حسب ذیل ہیں:

- ① یہ قراءت معنوی اعتبار سے درست نہیں ہے۔
- ② 'والأرحام' کی جر کی صورت میں اس پر با مقدر ہوگی جو کہ با قسمیہ ہوگی اور معنی ہوگا 'رشتہ داریوں کی قسم'، اور یہ جائز نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا حرام ہے۔
- ③ یہ قراءت عربی قاعدے کے خلاف ہے۔

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے، تو یہ جملہ معنوی اعتبار سے بالکل درست ہے، کیونکہ معطوف میں با مقدر ہے جس پر معطوف علیہ کی بادلات کرتی ہے، لہذا یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے 'کیف أصبحت؟' تو اس کے جواب میں کہا جائے 'بخیر' را کی جر کے ساتھ اصل میں ہوگا 'بخیر' ای أصبحت بخیر' اور مذکورہ آیت کا معنی ہوگا: "تساءلون بالأرحام"۔

را دوسرا اعتراض تو وہ سرے سے باطل ہے، کیونکہ یہاں با قسمیہ نہیں بلکہ با قسمیہ ہے یعنی وہ رشتہ داریاں جن جن کی وجہ سے تم سوال کرتے ہو، گویا یہ سوال بالرحم کے قبیل سے ہے۔ قسم کے قبیل سے نہیں ہے، اور کسی چیز کے سبب کے ذریعہ سے سوال کرنا اور کسی کی قسم اٹھانا دو مختلف چیزیں ہیں اگر کہا جائے "باللہ لتفعلن کذا" تو یہاں با قسمیہ ہے، لیکن اگر کہا جائے "أسألك باللہ أن تفعل کذا" تو یہ اللہ کے حق کے واسطے سے سوال ہے، قسم نہیں ہے۔

اور اگر با قسمیہ مان بھی لیا جائے تو بھی قسم اٹھانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھا سکتا ہے، جبکہ غیر اللہ کی قسم اٹھانے کی ممانعت تو مخلوق کے لئے ہے، مخلوقات میں سے کسی کو اجازت نہیں



ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم اٹھائے۔

ربا یہ اعتراض کہ 'الأرحام' کی قراءت جر کے ساتھ ہو تو یہ عربی لغت کے خلاف ہے، کیونکہ ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف حرف جر کو معطوف میں دہرانے کے ساتھ صحیح ہوتا ہے، اور آیت مذکورہ میں حرف جر کو دوبارہ نہیں لایا گیا، لہذا 'والأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھنا اور بغیر اعادہ جار کے اس کا عطف ضمیر مجرور پر ڈالنا عربی قواعد کے خلاف ہے۔ یہ اعتراض بھی لغو اور باطل ہے، کیونکہ حمزہ ڈالنے کا 'والأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھنا ہی اس قراءت کے لغت عرب کے موافق ہونے کے لئے بطور دلیل کافی ہے، وہ لغت عربیہ کے بھی ماہر تھے، اور اس قراءت کو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے، گویا یہ قراءت منزل من اللہ ہے۔ لہذا بعض علماء لغت کا اس قراءت پر انکار کرنا ویسے ہی مردود ہے جیسے جمہور وغیرہ کا نصوص صفات کا انکار کرنا مردود ہے، کیونکہ وہ ان کی عقلی قیاس آرائیوں کے خلاف ہیں۔

حقیقی بات یہ ہے کہ ضمیر مجرور پر حرف جرد ہرائے بغیر اسم ظاہر کا عطف جائز ہے، اور قراءت حمزہ ڈالنے قواعد عربیہ کے خلاف نہیں ہے، اس بارہ میں ہم بعض ان نحاۃ کے اقوال ذکر کرتے ہیں جن کے ہاں عطف مذکور مطلقاً جائز ہے۔ علم نحو کے مشہور و معروف عالم ابن ہشام ڈالنے ضمیر مجرور پر عطف کے وقت اعادہ حرف جر کے عدم وجوب کا فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ولا يجب ذلك خلافاً لأكثر البصريين .“ [شرح شذور الذهب: ۲۳۹]

یعنی اکثر بصریوں کے خلاف عطف مذکور میں حرف جر کا دوبارہ لانا، کوئی ضروری نہیں ہے۔

شرح جامی میں ہے:

”وهو الذي ذكرناه أعني لزوم إعادة الجار في حالة السعة والاختيار مذهب البصريين ،

ويجوز تركها اضطراراً وأجاز الكوفيون ترك الإعادة في حال السعة .“ [شرح جامی: ۱۹۶]

”یعنی حرف جر کا دوبارہ لانا بصریوں کے نزدیک ضروری ہے، اگرچہ وہ بھی ضرورت کے وقت اسے لازم نہیں سمجھتے اور اس کے ترک کی اجازت دیتے ہیں، ان کے برعکس سب کوئی نحاۃ کے ہاں ضمیر مجرور پر عطف کے وقت حرف جر کا دوبارہ لانا کسی صورت میں بھی ضروری نہیں ہے۔“

ابن مالک ڈالنے جن کی عربی قواعد میں مایہ ناز کتاب الفیہ (جو عربی نظم میں) ہے فرماتے ہیں:

وعود خافض لدي عطف على ضمير خفص لازماً قد جعلنا

وليس عندي لازماً إذ قد أتى في الشر والنظم الصحيح مثبتاً

[الفیہ: ۸۹]

یعنی ضمیر مجرور پر عطف کے وقت حرف جر کا اعادہ بصری نحاۃ کی طرف سے ضروری بتا دیا گیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ لازم اور ضروری نہیں کیونکہ یہ عطف اعادہ جار کے بغیر صحیح ثابت نظم و نثر میں مستعمل ہے۔

جبکہ 'المساعد' میں ہے 'والصحيح الجواز مطلقاً' [۴۷۰/۲]

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ عطف بہر صورت جائز ہے خواہ حرف جر دوبارہ لایا جائے یا نہ لایا جائے۔

کوئی نحاۃ نے اپنے موقف پر قرآن کریم کی متعدد آیات قرآنیہ سے بھی استدلال کیا ہے جن سے قراءت حمزہ ڈالنے کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكُفِّرْ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ [البقرة: ۱۲۷] میں اسم ظاہر کا عطف 'به' کی ضمیر مجرور پر ہے اور حرف جر دوبارہ نہیں لایا گیا، اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقِينَ﴾ [الحجر: ۲۰] اس میں 'من' اسم موصول کا 'لکم' کی ضمیر مجرور پر بغیر اعادہ کے عطف ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ اللَّهُ يفتيكم فيهنَّ لَومًا يَتلى عَلَيْكُمْ...﴾ [النساء: ۱۲۷] اس میں 'ما' موصول کا 'فيهنَّ' کی ضمیر مجرور پر حرف جر دوبارہ لائے بغیر عطف ہے۔

ذکر کردہ چند مثالوں سے یہ بات ثابت کرنا مقصود ہے کہ قواعد لغت قراءات قرآنیہ سے اخذ کیے گئے ہیں، اور قراءات ان قواعد سے مقدم ہیں، اس لیے قراءات کو قواعد پر حاکم بنانا اور ان کی صحت و سقم کا فیصلہ قراءات سے کرنا جو قواعد ان کے مطابق ہو اسے قبول کرنا اور جو خلاف ہو اس میں ترمیم کر کے قراءت قرآن کے موافق بنانا ہی قرین قیاس ہے، اس کے برعکس قواعد عربیہ کو قراءات پر حاکم بنا دینا اور قراءات کی صحت و سقم کو قواعد لغت کے تابع بنا دینا تو ایسے ہی ہے جیسے فروع کو اپنے اصول پر حاکم بنا دیا جائے اور یہ درست نہیں بلکہ عدل و انصاف کے اصول کے خلاف ہے۔ لہذا قراءات کو قواعد سے پرکھنا بھی علمی دیوالیہ پن کی علامت ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ہر علم کے بارہ میں ان علماء کی طرف مراجعت کی جائے گی جنہیں اس علم میں تخصص اور مہارت حاصل ہو مثلاً فن حدیث میں أصحاب الحدیث کی بات ہی معتبر ہوگی، اگر کوئی شخص احادیث پر یا احادیث صحیح بخاری پر رائے زنی کرے جو اس فن کا ماہر نہ ہو تو اس کی بات کا عدم سنجھی جائے گی اور اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوگی بنا بریں احادیث صحیح بخاری کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں لائق التفات نہیں ہیں کیونکہ ان کو پرکھنے والے حضرات فن حدیث سے نااہل ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقہ حنفی کے مسائل کے بارہ میں فقہاء حنفیہ کی بات کو جو وزن حاصل ہوگا اس فن کے بارہ میں وہ وزن دوسروں کی بات کو خاص نہیں ہوگا، کیونکہ بعض علماء ایک فن میں ماہر ہوتے ہیں اور دوسرے علمی فنون میں انہیں کوئی دسترس خاص نہیں ہوتی، مثال کے طور پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ عقلیات کے امام ہیں لیکن احادیث و آثار کے میدان میں تہی دامن ہیں اس طرح کبھی رحمۃ اللہ علیہ اور عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ حدیث و آثار کے امام ہیں لیکن علم طب سے واقفیت نہیں رکھتے، ہیسویہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ لغت عربیہ کے امام ہیں لیکن فن حدیث کو نہیں جانتے، حفص رحمۃ اللہ علیہ و حمزہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ قراء کرام قراءت قرآن کے امام ہیں لیکن علم فقہ کے ماہر نہیں ہیں۔ اس لیے قراءت قرآن کی صحت کے فیصلے کے لئے قراء کرام کی طرف رجوع کیا جائے گا، آئمہ لغت کی طرف نہیں..... کیونکہ یہ ان کا فن نہیں ہے، اسی لیے کہا گیا ہے "لکل مقام مقالٌ ولکل فنٌ رجالٌ"۔



### اظہار معذرت

رشد قراءت نمبر دوم کے صفحہ ۸۲۳ پر ڈاکٹر قاری محمد طاہر کا نام غلطی سے محمد طاہر قادری شائع ہو گیا ہے جس پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔ قارئین تصحیح فرمائیں۔ [ادارہ]

## نحوی قواعد کا قرآن سے انحراف اور اس کے اسباب

دنیا نے علم و ادب میں عربی گرامر ایک ایسی منفرد گرائمر ہے جس کے مصادر و منابع کے طور پر سرفہرست قرآن کریم جیسی عظیم آسمانی کتب کا نام لیا جاتا ہے۔ [السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر: الاقتراح فی علم اصول النحو، تحقیق و تعلق أحمد محمد القاسم: ۲۸]

جو خالق کائنات کی جانب سے بنی نوع انسان کے واسطے ایک ابدی پیغام ہدایت ہونے کے ساتھ فصاحت و بلاغت زبان سے لبریز ایک ایسا زندہ معجزہ ہے کہ عربی زبان کے نابغہ روزگار ادباء کو بھی اس کے بے مثل اور خدا کا کلام ہونے کا اعتراف کرنا پڑا یہاں تک کہ جب لبید بن ربیعہ (جن کا شمار معلقات سبعہ کے شعراء میں ہوتا ہے) سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شعر سننے کے لیے کہا تو انہوں نے سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران نازل ہونے کے بعد مجھے شعر کہنا پسند نہیں رہا۔

[ابن قتیبہ، عبد اللہ بن مسلم: الشعر والشعراء: ۱۲۹]

یہ ٹھیک ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں عربی گرامر کے قواعد و مدون نہیں کئے گئے تھے اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی، کیونکہ اہل زبان کو قواعد جاننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مگر یہ تو یقینی ہے کہ عربوں کا کلام عربی زبان کے طبعی قواعد کے مطابق ہوتا تھا لہذا ان کا فصاحت و بلاغت قرآن کا اعتراف اس بات کی تین دلیل ہے کہ ان کی نگاہ میں کلام الہی کا کوئی حصہ قواعد عربیہ کے خلاف نہ تھا ورنہ وہ اس اعتبار سے اسے ضرورتاً تنقید کا نشانہ بناتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عرب قرآن کریم کو زبان کی صحت و سقم کے لحاظ سے Authority سمجھتے تھے اسی وجہ سے نحاة و Grammarians نے بھی قواعد عربیہ کی تائیس میں قرآن کریم اور اس کی قراءات کو بہت اہمیت دی ہے اور مختلف مقامات پر ان سے استدلال کیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کو اس قدر اہمیت دینے کے باوجود کچھ ایسے عربی قواعد بھی تدوین کئے گئے ہیں جن میں قرآن کریم اور اس کی قراءات سے انحراف Deviation پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نحوی قواعد کے مطابق جب فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو صیغہ فعل کو مفرد لانا ضروری ہے چاہے فاعل مفرد ہو یا متثنیہ و جمع۔ [السیوطی، ہمع الہوامع: ۱۲۰۵ھ، ۱۲۰۶]

لہذا قام الیذون کہنا صحیح ہے اور قاموا الیذون کہنا غلط ہے یعنی فعل کے ساتھ علامت جمع (واو) کا الحاق صحیح نہیں ہے۔ جبکہ قرآنی اسلوب کے مطابق یہ الحاق صحیح ہے جیسا کہ آیت کریمہ:

﴿وَأَسْرُو النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [سورۃ الانبیاء: ۳]

میں فعل (أسروا) کے ساتھ واو ملحق ہے حالانکہ اس کا فاعل اسم ظاہر (الذین) ہے۔

نحوی قواعد کا قرآن سے انحراف اور اسکے اسباب

سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے بعض نحوی قواعد میں قرآن کریم سے انحراف کا مسئلہ پیش آتا ہے؟ قرآن کریم اور عربی گرائمر کا مطالعہ اس مسئلے کے درج ذیل چار اسباب کی نشاندہی کرتا ہے۔

### ① نحوی تعصب

عربی گرائمر کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں مختلف مکاتب فکر Schools of thought پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں بصری، کوئی، بغدادی، اندلسی اور مصری مکاتب فکر کو شہرت حاصل ہے۔ ہر مکتب فکر مخصوص طرز تفکر کا حامل ہے۔ ان میں سب سے پہلے بصری مکتب معروض وجود میں آیا اور عربی گرائمر کی تدوین کا سہرا اپنے سر لیا۔ اس کے تقریباً ایک صدی بعد کوئی مکتب فکر سامنے آیا۔ [نشأة النحو وتاریخ أشهر النحاة: ۴، ۱۹۵۴، ۲۶: ۲۶]

بصرہ اور کوفہ عراق کے دو اہم شہر شمار ہوتے ہیں۔ یہ دو شہر شروع ہی سے تعصب کا شکار رہے۔ خاندانی اور مدنی تعصب تو زمانہ تائیس سے موجود تھا۔ [فتوح البلدان: ۱، ۴۱۲، ۱۶۷، ۱۶۸، ۲۰۹، ۲۱۰] جبکہ جنگ جمل نے مذہبی تعصب میں بھی اضافہ کر دیا۔ دیگر شعبہ ہائے حیات کے ساتھ علوم و فنون بھی تعصب کی زد میں آگئے۔ چنانچہ قرآنی قراءت، شاعری اور عربی گرائمر بھی اس سے متاثر ہوئی۔

[تاریخ العرب قبل الإسلام: ۲۱۳، ۲۳۰]

مختلف نحوی قواعد میں بصری اور کوفی نحاة کے درمیان اختلاف کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ابن الانباری نے اپنی کتاب میں ایک سواکس (۱۲۱) ایسے نحوی قواعد جمع کیے ہیں جن میں ان کے درمیان اختلاف پائے جاتے ہیں۔

[الإنصاف في مسائل الخلاف، أدب الحوزة: ۸۳۸، ۸۵۶]

اس کے علاوہ ان کے مناظرے اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کی مجالس بھی اس تعصب کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اسی طرح ملاحظہ کیجئے کہ کسائی کے بعد کوئی مکتب فکر کے بڑے علمدار ابو زکریا فراء، بصری نحو کے امام سبویہ کے خلاف کتنا تعصب رکھتے تھے۔ ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ مرتے وقت ان کے سر ہانے کے نیچے سبویہ کی نحوی تصنیف 'الکتاب' رکھی ہوئی تھی۔ اور زندگی میں بھی ہمیشہ ان کے پاس رہتی تھی، کیونکہ وہ ان کی نحوی غلطیاں تلاش کرنے میں اس حد تک سرگرم رہتے تھے کہ ہر نحوی قاعدے میں ان کی مخالفت کو کارثواب سمجھتے تھے۔

[مراتب النحویین: ۱۳۹]

یہ حقیقت ہے کہ بصری اور کوفی نحاة کے درمیان اختلاف کے کئی اسباب ہیں البتہ کلبتی تعصب کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس نحوی تعصب کی وجہ سے عربی گرائمر میں ایسے قواعد شامل ہوئے جن میں قرآن کریم اور اس کی قراءت سے عدول پایا جاتا ہے۔ [النحو القرآنی، مطابع أبو الفتح: ۲۷]

اور جب نحاة نے ملاحظہ کیا کہ ان کے وضع کردہ بعض نحوی قواعد اور قرآن کریم میں تضاد پایا جاتا ہے تو ان میں سے بعض نحاة قواعد کی مرکزیت کے قائل ہوئے اور مخالف آیات و قراءت کی یا تو تاویل کی اور یا انہیں کسی نہ کسی طرح تنقید کا نشانہ بنا یا۔ [البحث اللغوی عند العرب: ۳۰]

اور اس روش سے کوئی نحوی مکتب فکر مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی بنیاد بصری نحاة نے رکھی ہے۔ اور پھر ان کی پیروی دیگر ماہرین نحو و لغت اور ارباب تفسیر و قراءت نے کی ہے۔ [دراسات لأسلوب القرآن الکریم: ۱۹۸]

تعمیر

تعصب کی یہ حالت تقریباً ایک صدی تک برقرار رہی یہاں تک کہ دونوں فریق بغداد میں جمع ہوئے اور عربی گرائمر میں ایک تیسیر مکتب فکر 'بغدادی' منظر عام پر آیا۔ جس کے نتیجے میں بصری اور کوفی نحاۃ کے درمیان تعصب میں قدرے کمی واقع ہوئی۔

## ② عربی گرائمر کے مصادر میں بنیادی اختلاف

عربی گرائمر کو دوسری زبانوں کی گرائمر سے ایک امتیاز اس لحاظ سے حاصل ہے کہ اس کے مصادر یعنی قرآن کریم، حدیث شریف، شاعری اور نثر میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ شاعری شاعر کے وجدان اور باطن کی ترجمانی کرتی ہے اس کا اسلوب جذبات و احساسات پر قائم ہوتا ہے خیال (Imagination) اس کی شناخت ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ شاعری فکر و سوچ سے بالکل خالی ہوتی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر شاعر اپنے افکار کو شاعری کے قالب میں ڈھالنا چاہے تو بھی شاعری خصوصیات اس پر غالب ہوتی ہیں۔ چنانچہ جذبات سے امتزاج، شعور اور ذاتی تجربات اس کے افکار پر چھائے رہتے ہیں۔

شاعری کی لینگویج وزن اور قافیہ کی پابند ہوتی ہے جس سے اس میں شعری موسیقی (Poetic Music) بھی شامل ہوتی ہے۔ لیکن نثر (Prose) شاعری سے بالکل مختلف ہے۔ صحیح فکر و سوچ، آزاد کلام، الفاظ و جملات کی خاص ترکیب، مناسب طریقے سے ابتداء اور خاتمہ نثر کی خصوصیات میں سے شمار ہوتے ہیں۔ یہ خصوصیات ایک ادیب کی پہچان ہیں اور انہی سے کسی کے ادبی مقام کا تعین کیا جاتا ہے۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو اسکی Language عربی شاعری اور نثر سے یکسر مختلف ہے۔ نہ تو وہ شاعری کی طرح وزن قافیہ کی پابند ہے اور نہ نثر کی طرح بالکل آزاد کلام بلکہ وہ ایک ایسا لگانہ روزگار کلام ہے جو نہ شعر ہے اور نہ نثر۔ وہ بیک وقت کلام عرب کے تمام اسالیب حسنہ کی جامع ہے۔ قرآن کریم شاعری اور نثر سے بالکل مختلف ہے وہ آیات کا ایسا مجموعہ ہے جس کی ہر آیت کی انتہاء ایسے مقطع پر ہوتی ہے جس کے بارے میں ذوق سلیم گواہی دیتا ہے کہ وہی کلام کلام کا عنایتاً اختتام ہے۔ [ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، المقدمة: ۲۷/۲]

نتیجہ کلام یہ کہ جس طرح شاعری اور نثر میں مذکور اختلاف کو مد نظر رکھ کر قواعد عربیہ کی تائیس کے مرحلے میں ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

[A. Shapitlar: Arabic in Linquistica Smetica present c. Futuro, Roma. 1961. Vol:2, p.126]

اسی طرح اس مقام پر ان دونوں اور قرآن کریم میں بھی فرق کرنا لازم ہے لہذا جو قواعد شعر اور عام نثر کی بنیاد پر بنائے گئے ہوں ان کو قرآن کریم پر لاگو کرنا صحیح نہیں ہے۔ ان میں بھی فرق کرنا لازم ہے کیونکہ قرآن کریم عربی زبان کا صرف ادبی شاہکار نہیں بلکہ ایسا معجزانہ کلام ہے جو عربی شاعر اور نثر کے اسالیب و اغراض میں بھی تبدیلی کا باعث بنا۔ اور اسی نے عربی زبان کو ایک living language کے طور پر باقی رکھا ہے۔ [الفصحی لغة القرآن: ۳۵، ۳۴]

نحاۃ نے شعر اور نثر سے قرآن کریم کے اس فرق کو مد نظر نہیں رکھا اور ایسے قواعد بنا ڈالے جن میں قرآن کریم سے عدول و انحراف پایا جاتا ہے۔

نحوی قواعد کا قرآن سے اخرف اور اسکے اسباب

### ۳) شاعری کو قرآن کریم پر مقدم کرنا

ہر زبان کا ادب و دھوون شاعری اور نثر پر مشتمل ہوتا ہے اور شاعری ہر زبان کے ادب میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ قرآن کریم جو معجزۃ الہیہ ہونے کے ساتھ عربی ادب کا بے مثل شاہکار بھی ہے اس کے فہم میں بھی عربی زبان کے شاعری ادب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیات کریمہ کی تفسیر میں دور جاہلیت سے بھی مدد لیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآنی آیات کے معانی و تفسیر پوچھی جاتی تو وہ زمانہ جاہلیت کی شاعری سے استشہاد کرتے ہوئے تفسیر کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھے گئے وہ دو سو پچاس (۲۵۰) سوالات نقل کئے ہیں جن میں نافع بن ازرق نے ان سے متعدد آیات کریمہ کے معانی کے بارے میں استفسار کیا اور انہوں نے جاہلی شعراء کی شاعری کی روشنی میں جوابات دیئے۔

[الإتقان في علوم القرآن: ۳۰۱، ۳۳۷]

قرآن فہمی میں عربی شاعری کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”جب تم مجھ سے قرآن کے غریب الفاظ (غیر واضح) کی تفسیر پوچھنا چاہو تو اسے شعر میں تلاش کرو، کیونکہ شاعری عرب کا دیوان ہے۔“

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قرآن فہمی میں عربی شاعری کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

”اے لوگو! تم پر زمانہ جاہلیت کی شاعری کی طرف رجوع لازم ہے کیونکہ اس میں تمہاری کتاب (قرآن) اور تمہارے کلام کے معانی کی تفسیر ہے۔“ [نفس المرجع]

تاہم اور توجہ تابعین کا بھی قرآن فہمی کے سلسلے میں یہی طریقہ رہا اور مفسرین کرام نے بھی اپنی تفاسیر میں اس روش پر چلتے ہوئے بہت سی آیات کریمہ کی وضاحت میں عربی شاعری سے مدد لی۔ اسی اہمیت کے پیش نظر نحاۃ نے بھی قواعد کی تالیف میں عرب شعراء کے کلام سے بہت زیادہ استدلال کیا ہے بلکہ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض اسباب کی وجہ سے شاعری کو قرآن کریم پر مقدم گردانا ہے۔ چنانچہ امام الخو سیبویہ کی ’الکتاب‘ کو ملاحظہ کیجئے اس میں ذکر شدہ آیات کریمہ کی تعداد تقریباً تین سو تہتر (۳۷۳) ہے۔ جبکہ اشعار کی تعداد تقریباً ایک ہزار ساٹھ (۱۰۶۰) ہے۔

[سیبویہ، عمرو بن عثمان بن قنبر، الکتاب، تعلیق و تحقیق، أمیل بدیع یعقوب: ۲۶، ۳۰، ۷۵]

صرف یہ نہیں بلکہ قواعد میں لفظ ’شاہد‘ کا استعمال نحاۃ کے ہاں شعر سے مختص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ’شواہد‘ کی کتب میں صرف اشعار کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر ادبی اقسام کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔

شاعری کو باقی ادبی اقسام پر مقدم کرنے میں کوئی نحاۃ کا طریقہ کار اس حد تک مبالغہ آمیز رہا کہ اگر وہ نحوی اصول کے خلاف شعر کا ایک بیت بھی سنتے تو اسی کو اصل قرار دیتے اور اسی کے مطابق قاعدہ بناتے۔ [نشأة النحو: ۸۴]

### نحوی قواعد میں شاعری کو نثر پر مقدم کرنے کے اسباب

شاعری کو نثر پر مقدم کرنے کے کئی اسباب ہیں:

- ① اس کی تدوین بہت پہلے ’معلقات سبعہ‘ کی شکل میں ہوئی ہے۔
- ② شاعری عربوں کی خالص فطری زبان کی ترجمان ہے۔

- ۳) اس میں 'ضرورت' کا باب کھلا ہے اور وزن و قافیہ کی خاطر از باب ضرورت قواعد کی مخالفت کو جائز سمجھتا جاتا ہے۔
- ۴) فطری طور پر عربوں کو شاعری سے بہت لگاؤ ہے اس لیے کہا گیا ہے 'الشعر دیوان العرب' شاعری عرب کا دیوان ہے، ان کے کارناموں کی کتاب ہے۔ چنانچہ شاعری ان کی ثقافت کی ترجمان ہے۔ ان کے عقائد، افکار و خیالات اور رہن سہن کے طور طریقے اسی سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔
- ۵) نحاۃ ایک مسلمان کی طرح قرآن کریم اور حدیث شریف کا غیر معمولی احترام کرتے ہیں جیسا کہ اصمعی زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے قرآن و حدیث میں سے جواب نہیں دیتے تھے اور اگر لغت کا کوئی لفظ قرآن کریم میں ہوتا تو اس کی لغوی تفسیر کرنے سے گریز کرتے تھے۔ [مراتب النحوین: ۸۳]
- ۶) شعر میں وزن اور قافیہ ہونے کی وجہ سے اعراب کی تمام صورتیں ممکن ہو جاتی ہیں۔
- مذکورہ بالا اسباب دنیائے ادب میں شعر کی اہمیت کو تو ضرور اجاگر کرتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کرتے کہ قواعد کی تاسیس میں شاعری کو اولیت اور قرآن کریم کو ثانوی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ قرآن سے بڑھ کر عربی زبان میں کوئی باوثوق نص Reliable text نہیں ہے۔

### ۴) قرآنی فواصل کی رعایت نہ کرنا

قرآن کریم کی انفرادیت کا ایک سبب اس کے فواصل ہیں۔ قرآنی فواصل آیات کریمہ کے اواخر کو کہا جاتا ہے یہ شعر میں قافیہ اور نثر میں مقاطع کی طرح آیات کریمہ میں تناسب وزن اور حسن پیدا کرتے ہیں۔ ان کے بغیر قرآن کے معانی کا سمجھنا اور اس سے شرعی دلیلوں کا استنباط ممکن نہیں ہے۔ [الإتقان فی علوم القرآن: ۲۱۱]

ادبی اعتبار سے قرآنی فواصل بعض مقامات پر نحوی قواعد کی مخالفت کا سبب بنتے ہیں لیکن یہ چونکہ قرآن کا ایک خاص اسلوب شمار ہوتا ہے اس لیے اس کی وجہ سے وہ فصاحت و بلاغت کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا۔ ان کے مقامات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

#### ① حذف و بقاء

قرآنی فواصل کی خاطر جہاں کسی حرف کو حذف کرنا چاہیے تھا لیکن اسے باقی رکھا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

#### ① فرمان الہی ہے:

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعَبَادِي فَأَضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفْ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ﴾ [طہ: ۷۷]

قراءت کے ماہرین کی اکثریت نے 'لَا تَخَافُ' کو حالت رفع کے ساتھ اس بنا پر پڑھا ہے کہ وہ جملہ خبریہ بن کر یا تو 'اضرب' میں فاعل کی ضمیر کے لئے حال ہے اور یا جملہ ابتدائیہ ہے۔ [الکتاب: ۱۱۳۳]

پھر 'وَلَا تَخْشَىٰ' کو بھی حالت رفعی میں الف کے ساتھ قراءت کر کے اسے 'لَا تَخَافُ' پر عطف کیا ہے۔ جبکہ قراءت عمش، حمزہ اور ہارون ابن ابی لیلیٰ نے 'لَا تَخَفُ' کو جزمی حالت کے ساتھ الف کو حذف کر کے اس بنا پر پڑھا ہے کہ وہ یا تو امر 'اضرب' کے جواب میں ہے، اور جب فعل مضارع امر کے جواب میں واقع ہو تو وہ مجروم ہوتا ہے، یا وہ نبی کا صیغہ ہے۔ پھر اس پر 'وَلَا تَخْشَىٰ' پڑھنا چاہیے کیونکہ حالت جزمی میں فعل ناقص سے الف کو حذف کیا جاتا

نحوی قواعد کا قرآن سے انحراف اور اسکے اسباب

ہے۔ لیکن سورۃ کی اکثر آیات کا فاصلہ چونکہ الف ہے اس لیے 'وَلَا تَحْشَى' میں بھی الف کو حذف نہیں کیا گیا۔

[مجمع البيان: ۳۶۷]

۲) اسی طرح آیت کریمہ ﴿سَنَقُرْكَ فَلَآ تُنْسِي﴾ [الأعلى: ۶]

میں 'فَلَآ تُنْسِي' میں بھی فواصل کے سبب الف کو باقی رکھا گیا ہے حالانکہ ایک قول کے مطابق اس پر لائے نبی

داخل ہے جس کی وجہ سے جزئی حالت میں الف نہیں لاتے ہیں۔ [البحر المحيط: ۲۳۵/۸]

۳) آیت کریمہ ﴿وَالْيَلِ إِذَا يَسِرُّ﴾ [الغجر: ۴۰] میں اکثر قراء نے 'يَسِرُّ' کو وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر یا

کے پڑھا ہے۔ [الكتاب: ۲۹۷/۴۰] حالانکہ اس پر حروف جازمہ 'لم'، 'لما'، 'لام امر'، لائے نہیں، ان

شرطیہ میں سے کوئی جازم داخل نہیں ہے۔ لہذا قاعدے کے مطابق 'یسری' ہونا چاہیے لیکن فواصل آیات کی وجہ

سے بغیر یا کے پڑھا گیا ہے۔

۴) قاعدہ یہ ہے کہ جب اسم منقوص پر 'ال' تعریف داخل ہو تو اس سے یا کو حذف نہیں کیا جاتا۔ جیسے 'القاضی' لیکن

قرآنی اسلوب کے مطابق یا کو باقی رکھنا جائز ہے جیسا کہ آیت کریمہ

﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ﴾ [الرعد: ۹]

میں المتعال سے یا کو فواصل کی خاطر حذف کیا گیا ہے۔ [المرجع السابق: ۲۹۸]

حالانکہ قاعدے کے مطابق المتعالی ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح آیت کریمہ

﴿وَيَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ﴾ [غافر: ۳۲]

میں کلمہ 'التناد' سے یا فاصلہ کی خاطر حذف ہے۔ [المرجع السابق]

۵) قاعدے کے مطابق کلام میں جو معنی مقصود ہے اس کے لیے لفظ کو ذکر کیا جائے اور اسے حذف نہ کیا جائے اور

حذف کرنے کے، نحوی علماء نے، خاص موارد بیان کیے ہیں لیکن قرآن کریم میں صرف فواصل کی خاطر مفعول بہ کو

حذف کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ

﴿فَأَمَّا مَنْ أُعْطِيَ وَاتَّقَى﴾ [اللیل: ۵]

یعنی 'أعطى' مما أتاه الله و اتقاه، [البحر المحيط: ۲۸۰/۸] اس میں فعل 'اتقى' کا مفعول فواصل 'الشتی'،

'الحسنی' اور 'اللیسری' کی خاطر نہیں لایا گیا ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ

﴿مَّا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ [الضحی: ۳]

یعنی 'وما قلاک' منذ اصطفاک، [مجمع البيان: ۷۰۵/۱۰]

اس میں بھی مفعول 'ک' کو فواصل 'سجی'، 'الأولی'، 'فترضی' کی خاطر نہیں لایا گیا۔

۲) تقدیم و تاخیر

۱) گرائمر کے مطابق معمول اپنے عامل کے بعد لایا جاتا ہے۔ جیسے مفعول کو فعل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اگر

اس کے برعکس کیا جاتا ہے تو اس کے کچھ عوامل ہوتے ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی قرآن کریم میں فواصل کی خاطر



مفعول کو فعل سے پہلے لایا گیا ہے مثلاً آیت کریمہ

﴿أَهْوَلَاءُ أَيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ [سباء: ۴۰]

میں 'ایَّاكُمْ' کو اپنے عامل 'يَعْبُدُونَ' پر مقدم کیا گیا ہے، کیونکہ 'يَعْبُدُونَ' کا فاصلہ ہے۔

[البحر المحيط: ۳۷۹/۷]

① اصل یہ ہے کہ مفعول کو فاعل کے بعد لایا جائے لیکن آیت کریمہ

﴿وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذْرُ﴾ [القم: ۴۱]

میں مفعول 'آلَ فِرْعَوْنَ' کو فاعل 'النُّذْرُ' کے بعد لایا گیا ہے، کیونکہ 'النُّذْرُ' فاصلہ ہے۔

② قاعدہ یہ ہے کہ 'کان' کی خبر کو اس کے اسم کے بعد ذکر کیا جائے لیکن آیت کریمہ

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ [الانعام: ۳]

میں اس کے برعکس لایا گیا ہے کیونکہ 'أحد' فاصلہ ہے۔

③ جس لفظ کا معنی وجود خارجی میں زماناً متاخر ہے اسے قاعدے کے مطابق اس لفظ کے بعد لانا چاہیے جس کا معنی

متقدم ہے مگر آیت کریمہ

﴿فَلِلَّهِ الْأَخِرَةُ وَالْأُولَىٰ﴾ [النجم: ۲۵]

میں کلمہ 'الأولیٰ' کو 'الأخرۃ' سے پہلے لایا گیا ہے حالانکہ 'أولیٰ' سے مقصود دنیوی زندگی ہے جسے مذکورہ قاعدہ

کے مطابق 'الأخرۃ' سے پہلے آنا چاہیے مگر اس ترتیب کی رعایت فاصلہ کی خاطر نہیں کی گئی۔

[البحر المحيط: ۳۳۲/۸]

اس طرح اللہ تعالیٰ سے استعانت (مدد طلب کرنا) پہلے اور عبادت اس کے بعد معرض وجود میں آتی ہے مگر آیت

کریمہ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحہ: ۵]

میں عبادت کو پہلے اور استعانت کو اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کیونکہ 'نَسْتَعِينُ' قرآنی فاصلہ ہے۔

④ قاعدے کے مطابق ضمیر غائب اپنے مرجع کے بعد آتی ہے مگر آیت کریمہ

﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ﴾ [طہ: ۶۷]

میں کلمہ 'مُوسَىٰ' فعل 'فَأَوْجَسَ' کے لئے فاعل ہے اور 'فِي نَفْسِهِ' ضمیر غائب 'مُوسَىٰ' کی طرف پلٹتی ہے لیکن

اسے فاصلہ کی خاطر ضمیر کے بعد لایا گیا۔

⑤ جار و مجرور کو فعل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے جبکہ آیت کریمہ

﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ [البقرہ: ۳]

میں 'مِمَّا' جار و مجرور کو فعل 'يُنْفِقُونَ' سے پہلے لایا گیا، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔

⑥ صفت و موصوف کے باب میں مفرد صفت کو جملہ پر مقدم کیا جاتا ہے لیکن قرآن کریم میں جملہ و صفیہ کو مفرد صفت

پر مقدم لایا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ

﴿وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا﴾ [الاسراء: ۱۳]

ت

نحوی قواعد کا قرآن سے انحراف اور اسکے اسباب

میں 'یلقہ' کو پہلے اور 'منشور' اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔

### ۳۱ انصراف

جس طرح ضرورت شعری کی خاطر غیر منصرف کو منصرف پڑھا جاتا ہے اسی طرح فاصلہ قرآنی کی خاطر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ

﴿ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۖ قَوَارِيرًا مِنْ فِضَّةٍ قَدَرُهَا تُقَدِيرًا ۖ ﴾

[الدھر: ۱۵، ۱۶]

میں 'قواریر، قواریر، نافع، ابوبکر، کسائی نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ حالانکہ پہلا 'قواریر' جمع المنتہی المجموع کا صیغہ ہے اور وہ غیر منصرف ہے جس پر تنوین نہیں آسکتی۔ مگر اسے منصرف پڑھا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔ اور جہاں تک دوسرے 'قواریر' کو منصرف پڑھنے کا تعلق ہے حالانکہ وہ آیت کی ابتداء میں ہے تو اسے پہلے 'قواریر' سے تناسب کی خاطر منصرف پڑھا گیا ہے۔

### ۳۲ نیابت

ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی جگہ اس کے نائب کے طور پر لانا۔ اس کے درج ذیل موارد ہیں۔

① اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لانا، جیسا کہ آیت کریمہ

﴿ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ۖ ﴾ [الاعراف: ۱۷۰]

میں 'أجرهم' کے بجائے 'المصلحین' اسم ظاہر لایا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے، جیسا کہ اسی سورۃ میں 'تعقلون، تتقون، اور غافلین' بھی فواصل ہیں۔

② فاعل کی جگہ مفعول کا صیغہ لانا، مثلاً آیت کریمہ ﴿ حِجَابًا مُسْتَوْرًا ۖ ﴾ [الاسراء: ۴۵]

میں 'ساترا' کے بجائے 'مستورا' لایا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔ جیسا کہ اسی سورۃ میں 'غفورا، نفورا اور مسحورا' فواصل ہیں۔

③ مفعول کے بجائے فاعل کا صیغہ ذکر کرنا، جیسا کہ آیت کریمہ

﴿ فَهَوِّنِيْ عَيْشَةً رَّاضِيَةً ۖ ﴾ [الحاقة: ۲۱]

میں 'راضیة' کے بجائے 'راضیة' کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ زندگی راضیہ نہیں بلکہ مرضیہ (پسندیدہ) ہوتی ہے۔ مگر وہ فاصلہ واقع ہے جیسا کہ 'عالیة، دانیة' اور 'خالیة' بھی فواصل ہیں۔ [البحر المحیط: ۲۵۶/۸]

④ ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ پر لانا، مثلاً آیت کریمہ

﴿ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا ۖ ﴾ [الزلزال: ۵]

میں نعل 'أوحى' اگرچہ مشہور ہے کہ 'إلی' سے متعدد ہوتا ہے مگر اسے (لام) سے متعدی لایا گیا ہے، کیونکہ 'لها' فاصلہ ہے جیسا کہ عجاج بن ربیع نے بھی 'أوحى' کو 'لها' سے متعدی پڑھا ہے۔

أوحى لها الرءاء فاستقرت وشدھا بالراسيات الثبت

[البحر المحیط: ۷۱۰/۸]

⑤ عدد

- ① صیغہ جمع کے بجائے صیغہ مفرد لانا مثلاً آیت کریمہ ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهْرٍ﴾ [القدر: ۵۴] میں 'انہار' کے بجائے 'نہر' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔ [مجمع البيان: ۲۹۵/۱۰]
- ② صیغہ مفرد کے بجائے صیغہ جمع ذکر کرنا مثلاً آیت کریمہ ﴿لَا يَبْعُ فِيهِ وَلَا يَخْلُلُ﴾ [ابراہیم: ۳۱] میں 'لاخل' کے بجائے 'لاخلل' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے جیسا کہ 'البوار'، 'القرار' اور 'الانہار' بھی فواصل ہیں۔

③ مفرد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ لانا، مثلاً آیت کریمہ

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ﴾ [رؤن: ۴۶]

میں 'جنت' کے بجائے 'جنتان' فاصلہ ہونے کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ایک شاعر نے بھی جنت کے بجائے جنتین پڑھا ہے۔

يسعى بكيداء ولهذمين قد جعل الأروطة جنتين

[معاني القرآن: ۲۶/۳]

④ جنس (مذکر، مؤنث)

① مذکر کے بجائے مؤنث لانا مثلاً آیت کریمہ

﴿كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرٌ﴾ [المدثر: ۵۴]

میں قاعدے کے مطابق 'تذکیر یا تذکار' کے بجائے (تذکرۃ) تاء تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے کیونکہ وہ 'الأخرۃ'، 'المغفرة' کی طرح فاصلہ ہے۔

② اسم جنس کی صفت لاتے وقت اس میں تذکیر اور تانیث میں سے ہر ایک کا اعتبار کرنا جائز ہے لیکن فاصلہ قرآنی کی خاطر کبھی اس کی تذکیر کو ترجیح دی جاتی ہے جیسا کہ آیت کریمہ

﴿أَعْجَازُ نَخْلٍ مَنْقَعٍ﴾ [القدر: ۲۰]

میں 'منقعر'، 'أعجاز' کے لئے صفت ہے اور 'مستمر'، 'نذر'، 'مدکر'، فواصل کی خاطر اسے بھی 'منقعر' بغیر تاء تانیث کے ذکر کیا گیا ہے۔ [أبو حیان، البحر المحيط: ۲۵۵/۸]

اور بعض مقامات پر فاصلہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے صفت میں صیغہ مؤنث لایا گیا ہے مثال کے طور پر آیت کریمہ ﴿أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [الحاقة: ۷]

میں 'خاویۃ'، 'أعجاز' کے لئے صفت ہے اور دوسرے فواصل یعنی 'کاتبہ'، 'باقیۃ' کی طرح اسے تاء تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے۔ [الزمخشری، جارا لله بن محمد بن عمر، المفصل في صناعة الأعراب: ۲۶/۳]

⑤ امالہ

امالہ یہ ہے کہ الف کو کسرہ کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے تاکہ اس سے یا کی آواز پیدا ہو اب الف کلمہ کے آخر میں ہو تو فعل ہونے کی صورت میں اس میں مطلقاً امالہ جائز ہے جیسے دعا، رضی، اور اگر اسم کے آخر میں ہو تو اگر وہ یا

نحوی قواعد کا قرآن سے انحراف اور اسکے اسباب

سے بدلا ہوا نہ ہو اور تیسری جگہ واقع ہو تو امالہ جائز نہیں اور چوتھی جگہ واقع ہو تو امالہ جائز ہے۔ تو اس قاعدے کے تحت 'الضحیٰ' میں امالہ جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن قرآنی فاصلہ کی خاطر آیت کریمہ

﴿وَالضُّحٰی ۝﴾ [الضحیٰ: ۱]

میں 'الضحیٰ' کے الف کو 'سجی'، 'قلی'، 'اولی' میں الف کی طرح امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

## ۸) عدول

فاصلہ قرآنی کی وجہ سے سینہ ماضی کے بجائے صیغہ مضارع لایا جاتا ہے مثلاً آیت کریمہ

﴿فَفَرِیْقًا كَذَبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝﴾ [البقرة: ۸۷]

میں 'تقتلتم' کے بجائے 'تقتلون' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ واقع ہے۔ [أبو حیان: البحر المحیط: ۱/۳۳۵]

## ۹) فصل

جن کلمات کے درمیان قاعدے کے مطابق کسی دوسرے لفظ کا فاصلہ ڈالنا صحیح نہیں ہوتا قرآنی فاصلہ کی خاطر وہ جائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل موارد میں ہے۔

① معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فاصلہ ڈالنا مثلاً آیت کریمہ

﴿وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ۝﴾ [ط: ۱۲۹]

میں ظاہراً 'أجل مسمیٰ' کا (گلمہ) پر عطف ہے۔ [المرجع السابق: ۱/۳۵۷]

اس کے باوجود ان کے درمیان 'سبقت' کو ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ 'مسمیٰ'، 'نہی'، 'ترضیٰ' اور 'أبی' کی طرح فاصلہ قرآنی ہے۔

② قاعدے کے مطابق ذوالحال اور حال کے درمیان کسی لفظ کا فاصلہ نہیں ڈالا جاتا لیکن فاصلہ قرآنی اسے جائز قرار دیتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ

﴿وَالَّذِیْ اُخْرِجَ الْمَرْعٰی ۝ فَجَعَلَهُ غُثَاءً اُحْوٰی ۝﴾ [الاعلیٰ: ۵]

اس میں 'أحوی'، 'مرعی' کے لئے حال ہے اور ان دونوں کے درمیان 'فجعلہ غثاء' کا فاصلہ ڈال کر 'أحوی' کو آخر میں لایا گیا ہے، کیونکہ وہ قرآنی فاصلہ ہے۔ [المرجع السابق: ۱/۶۲۵]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم سے نحوی عدول کے مذکورہ چار اسباب یہ ثابت کرنے کے لئے تو کافی ہیں کہ نحو کے بعض قواعد میں قرآن کریم سے عدول و انحراف پایا جاتا ہے لہذا فی طور پر چونکہ قرآن کریم نحو کا بنیادی مصدر اور زبان کی صحت و سقم پر کھنے کا معیار ہے اس لیے ضروری ہے کہ جو قواعد قرآنی اسلوب کے خلاف ہیں انہیں اس طریقہ سے Modify کیا جائے کہ وہ اصل سے ہم آہنگ ہو جائیں اور جس مقصد کے لئے نحو کی تدوین کی گئی ہے وہ حاصل ہو سکے۔ اور یہ علمی اعتبار سے ہرگز صحیح نہیں ہے کہ ہم اس کے برعکس، معاذ اللہ یہ کہیں کہ قرآن کریم میں نحوی غلطیاں (Grammatical errors) پائی جاتی ہیں۔



## قراءات متواترہ کے فقہی احکام پر اثرات

یہ بات تو اترا سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سات حروف میں نازل فرمایا ہے۔ اور اس میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جن میں سے قرآن کریم کو پڑھنے والوں کے لیے آسانی بہم پہنچانا اور قرآنی الفاظ کے ترجمہ و تفسیر، معنی و مفہوم اور احکام و مسائل کے اخذ و استنباط میں اُمت مرحومہ کے لیے وسعت اور آسانی کی راہیں ہموار کرنا خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ قرآن مجید کو فقہ اسلامی میں اصل الاصول اور ماخذ اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے ہر دور میں قرآن کی متعدد قراءات پڑھنے، علم قراءات سیکھنے اور بوقت ضرورت قراء کی طرف رجوع کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے تاکہ قراءات متواترہ اور غیر متواترہ کے درمیان فرق کرنے کے ساتھ ساتھ ان قراءات سے شرعی احکام پر استدلال اور مختلف قراءات پر مرتب ہونے والے فقہی اثرات کی نشاندہی کر سکیں۔

قرآن کریم سے احکام کے استنباط کرنے میں فقہائے کرام نے قراءات متواترہ کے ساتھ بعض مسائل میں شاذہ قراءت کو پیش نگاہ رکھا ہے لیکن قراءت متواترہ کے بارہ میں فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ اس قراءت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ قراءت متواترہ اور قرآن کریم دراصل ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس لیے مختلف متواتر قراءات نماز میں تلاوت اور احکام کے استنباط کرنے میں بالکل برابر کی حیثیت رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اُمت کے مختلف مکاتب فکر کے فقہاء کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بعض قراءات قرآنیہ متعدد اور مختلف معانی کا احتمال رکھتی ہیں۔

لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے کہ متنوع قراءات قرآنیہ کی وجہ سے احکام فقہ میں اوامر و نواہی اور حلال و حرام میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یعنی اختلاف تضاد اور تناقض ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی لفظ میں ایک قراءت کے مطابق کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہو اور دوسری قراءت کے مطابق تقاضا ممانعت کا ہو یا ایک قراءت میں کسی چیز کو حلال اور دوسری قراءت میں حرام قرار دیا گیا ہو۔ جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سب سے اُحرف والی حدیث میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ سب سے اُحرف کی اجازت صرف ایسے امر میں تھی جس میں حلال و حرام کا اختلاف واقع نہ ہو۔ کیونکہ کسی لفظ کے متعدد اور متنوع معانی سے ان کا باہمی تضاد لازم نہیں آتا بلکہ بعض مقامات پر ایک قراءت کا معنی دوسری قراءت کے معنی میں وسعت اور گہری مناسبت پیدا کر دیتا ہے۔ اور دونوں معانی کا انطباق ایک ہی ذات یا چیز پر ہو رہا ہوتا ہے۔

جیسا کہ سورت فاتحہ میں ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ میں دوسری قراءت ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ ہے۔ ایک قراءت

کا معنی روز جزاء کا مالک اور دوسری قراءت کا معنی روز قیامت کا بادشاہ ہے۔ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں دونوں قراءتوں نے مل کر معنی و مطلب میں وسعت اور مزید نکھار پیدا کر دیا۔ اور بعض دیگر مقامات پر ایک قراءت دوسری قراءت کے ساتھ بغیر تضاد اور ٹکراؤ کے نیا فائدہ اور مختلف حکم ثابت کر رہی ہوتی ہے۔ اور کبھی دو قراءتوں کے درمیان ظاہری تعارض بھی واقع ہو جاتا ہے اس لیے فقہاء کے نزدیک کسی لفظ میں دو متواتر قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں انہیں دل سے قرآن تسلیم کرنا اور ان کے مقتضی کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور ان کا معنی و مفہوم اس طرح بیان کیا جائے گا جس طرح کسی ایک مسئلہ میں نازل ہونے والی دو آیات کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر دو متواتر قراءتوں میں ظاہری تعارض نظر آئے تو ان کے درمیان جمع و تطبیق کی کوئی صورت نکالنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح دو آیتوں کے درمیان ظاہری تعارض کی صورت میں نکالی جاتی ہے۔

جیسا کہ امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ وضوء میں پاؤں کی طہارت کے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں؛ ایک میں دھونے کا حکم ہے اور دوسری میں مسح کرنے کا۔ کیونکہ ان میں دونوں معانی کا احتمال ہے اس لیے اگر بالفرض اس کے بارے میں دو آیتیں نازل ہو جائیں، ایک کا معنی دھونا ہوتا اور دوسری کا مسح کرنا تو دھونے کے حکم مسح کے مقابلہ میں چھوڑنا جائز نہ ہوتا۔ [احکام القرآن: ۳۴۶/۲]

● امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أما القراءة الأخرى وهي قراءة من قرأ وأرجلکم بالخفض فهي لا تخالف السنة المتواترة إذا القراءتان كالأيتين.“ [مجموع الفتاوى: ۳۱۲/۲]

”اور دوسری قراءت جو کہ أرجلکم کے لام کے زیر کے ساتھ ہے وہ سنت متواترہ کے مخالف نہیں ہے اس لیے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں۔“

● علامہ صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”وقد تقرر أن القراءتين بمنزلة الآيتين فكما أنه يجب الجمع بين الآيتين المشتملة إحداهما على زيادة العمل بتلك الزيادة كذلك يجب الجمع بين القراءتين.“ [نبيل المرام: ص ۵۲]

”یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں؛ جس طرح ایسی دو آیتوں کے درمیان تطبیق دینا ضروری ہے جن میں سے ایک زاد عمل پر مشتمل ہو؛ اسی طرح دو قراءتوں کے درمیان بھی تطبیق ضروری ہے۔“

● حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں:

”بين القراءتين تعارض ظاهر والحكم فيما ظاهره التعارض أنه إن أمكن العمل بهما وحب وإلا عمل بالقدر الممكن، ولا يتأتى الجمع بين الغسل والمسح في عضو واحد في حالة واحدة لأنه يؤدي إلى تكرار المسح لأن الغسل يتضمن المسح والأمر المطلق لا يقتضي التكرار، فينبغي أن يعمل بهما في حالين توفيقا بين القراءتين وعملا بالقدر الممكن.“

[فتح الباری: ۳۴۶/۱]

”دو قراءتوں کے درمیان ظاہری تعارض ہے اور ظاہری تعارض والے دلائل کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو یہی ضروری ہوگا ورنہ ممکن حد تک دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہاں (آیت وضو میں) ایک عضو میں اس کا دھونا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور اسی پر مسح کرنا ایک ہی حالت میں جمع نہیں ہو سکتے؛ کیونکہ اس سے مسح کا تکرار لازم آتا ہے۔ کیونکہ پاؤں کو دھونا مسح کرنے کو بھی شامل ہے جبکہ اس میں امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ چنانچہ جو صورت باقی رہی وہ یہ ہے کہ دونوں قراءتوں پر دو مختلف حالتوں میں عمل کیا جائے تاکہ دونوں قراءتوں کے درمیان تطبیق ہو جائے اور بقدر امکان عمل بھی ہو جائے۔“

ذیل میں ہم چند ایسی آیات کا بطور مثال ذکر کرتے ہیں جن میں ایک سے زائد قراءتیں ثابت ہیں؛ تاکہ ان قراءات پر مرتب ہونے والے فقہی احکام کی وضاحت ہو سکے۔

### مثال نمبر ۱: مقام ابراہیم علیہ السلام پر نماز پڑھنے کا حکم

ارشاد الہی ہے:

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهٖمَ مُصَلِّیًّا﴾ [البقرة: ۱۲۵]

اس آیت کریمہ میں لفظ ﴿وَاتَّخِذُوا﴾ میں دو قراءتیں ثابت ہیں امام نافع اور امام ابن عامر شامی نے اسے خاء کے فتح یعنی فعل ماضی کے صیغہ سے پڑھا ہے۔ جو خبر کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولاد ابراہیم نے مقام ابراہیم کو جائے نماز بنایا تھا اور اس میں دوسری قراءت ﴿وَاتَّخِذُوا﴾ صیغہ امر کے ساتھ ہے۔ یہ باقی قراءت کرام کی قراءت ہے۔ جس کی رو سے اُمت محمدیہ کو مقام ابراہیم پر نماز ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ چونکہ صیغہ امر ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

امام مالک، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ نے اپنے ایک قول میں اس کو سنت کہا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ نے دوسرے قول میں اس کو واجب کہا ہے۔

فقہاء کے مابین اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں قراءت متواترہ باہم مختلف ہیں؛ جن فقہاء نے صیغہ خبر والی قراءت سے استدلال کیا ہے انہوں نے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز کو سنت قرار دیا ہے اور جنہوں نے صیغہ امر والی قراءت سے استدلال کیا ہے انہوں نے اسے واجب کہا ہے لیکن کسی فقیہ نے مقام ابراہیم پر نماز کو ممنوع قرار نہیں دیا بلکہ سب کا اس کی مشروعیت پر اتفاق ہے۔

### مثال نمبر ۲: مسجد حرام میں لڑائی کا حکم

ارشاد الہی ہے:

﴿وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقَاتِلُوْكُمْ فِیْہِ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ [البقرة: ۱۹۱]

اس آیت کریمہ میں تین افعال ﴿تُقَاتِلُوْهُمْ﴾، ﴿یُقَاتِلُوْكُمْ﴾، ﴿قَاتَلُوْكُمْ﴾ میں دو متواتر قراءتیں ہیں۔

قرائے عشرہ میں سے امام کسائی، امام حمزہ اور خلف نے 'الف' کو حذف کر کے انہیں فعل ثلاثی سے پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء کرام نے 'الف' کے اثبات کے ساتھ باب مفاعلة سے پڑھا ہے۔

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسجد حرام میں قتال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور کسی مسلمان کے لیے کافر یا مشرک سے قتال کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ کوئی کافر مسلمان سے قتال کی ابتداء نہیں کرتا کیونکہ ایسی حالت میں مسلمان صرف دفاعی پوزیشن میں ہوگا۔ 'الف' کے اثبات والی قراءت اس مسئلہ میں بہت واضح ہے۔ البتہ فقہاء کا اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ مسجد حرام میں حدود و قصاص کے طور پر مشرک یا کافر کو قتل کرنا جائز ہے یا کہ نہیں، امام مالک رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

فقہاء کے اس اختلاف کا سبب۔ آیت کریمہ میں قراءت متواترہ کا تنوع ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ نے دوسری قراءت سے یہ مسئلہ مستحب کیا ہے کہ اس کافر مشرک کو حدود حرم میں بھی قتل کیا جاسکتا ہے جو موجب قتل کام کر کے مسجد حرام میں پناہ گزین ہو جائے۔ جبکہ باقی فقہاء نے پہلی قراءت کو بنیاد بنا کر اس سے منع کر دیا ہے۔ دونوں قراءتوں کے معانی میں ظاہری تعارض کو بعض علماء نے اس طرح رفع کیا ہے کہ حرم میں عام حالات میں تو کسی کافر کا خون بہانا یا اس پر حد لگانا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی کافر مسلمانوں کو مجبور کر دے کہ ان کی کوشش کے باوجود مسجد حرام سے باہر نکل رہا ہو، بلکہ فتنہ و فساد اور مسلمانوں سے قتال اور ان کا قتل شروع کر دے تو مسلمانوں کیلئے بھی اس سے قتال اور اس کا قتل جائز ہوگا جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ اور صنعانی رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

[نبیل الأوطار: ۱/۴، سبیل السلام: ۲۲۴-۷۳]

### مثال نمبر ۳: حائضہ عورت سے استمتاع کا حکم

فقہائے کرام کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہے کہ ایام حیض کے دوران بیوی سے ہم بستری کرنا بالکل حرام ہے البتہ اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ، کیا حیض کا خون منقطع ہونے کے بعد اور غسل سے قبل عورت سے صحبت کی جاسکتی ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ جمہور فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ فقہاء کے مابین اختلاف کا سبب، قراءت متواترہ کا باہمی اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ [البقرة: ۲۲۲]

اس آیت کریمہ میں دو قراءتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک قراءت ﴿يَطْهَرْنَ﴾ میں طاء کی تخفیف کے ساتھ ہے یہ جمہور قراء کی قراءت ہے جبکہ دوسری قراءت امام حمزہ، کسائی اور خلف کی ہے۔ جس میں ﴿يَطْهَرْنَ﴾ کو طاء اور رھا کی تشدید اور فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جمہور کی قراءت سے استدلال کر کے طہارت سے مراد انقطاع دم لیا ہے اور بعد والے لفظ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ کا معنی بھی انقطاع دم کر دیا ہے، جبکہ جمہور فقہاء نے امام کسائی رحمہ اللہ وغیرہ کی قراءت کی بنیاد پر غسل حیض تک جماع کی اجازت نہیں دی خواہ خون آنا بند ہو چکا ہو۔ اور انہوں نے تخفیف



والی قراءت کو شد والی قراءت کے معنی میں کر کے دونوں قراءتوں کا معنی ایک کر دیا ہے اور ان کے نزدیک دونوں قراءتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ بھی ہے کہ شد والی قراءت کا معنی انقطاع دم ہی کر لیا جائے، لیکن شوہر کے لیے غسل سے قبل بیوی سے صحبت جائز نہیں ہوگی کیونکہ بعد میں ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ کی شرط اس پر دلالت کرتی ہے اور احناف نے دونوں قراءتوں کے ظاہری تعارض کو دور کرنے کے لیے تخفیف والی قراءت کو دس دنوں کے بعد انقطاع دم پر محمول کیا ہے اور شد والی قراءت کو دس دنوں سے کم مدت میں خون منقطع پر محمول کیا ہے۔

اور احناف کے نزدیک کبھی شد والی قراءت کی بناء پر غسل سے قبل بیوی سے وطی کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن یہ عمل استحباب کے خلاف ہے۔

### مثال نمبر ۴: کاتب اور گواہ کیلئے ایذا رسانی کی ممانعت

اسلام نے جہاں مالی معاہدات کو لکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے وہاں ایک دوسرے کو تکلیف دینے سے بھی منع کر دیا ہے۔

ارشاد الہی ہے: ﴿لَا يُضَارُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ﴾ [البقرہ: ۲۸۲]

لفظ 'يضار' کو ابن کثیر اور بصری قراء کرام نے راء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا کہ اس میں لائے نافیہ ہے اور فعل مضارع مرفوع ہے۔ باقی قراء کرام نے اس کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک یہ لائے نافیہ ہے اور فعل مضارع مجزوم ہے۔ رفع والی قراءت میں حکم کا تعلق صاحب حق سے ہوگا کہ وہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچائے یعنی انہیں کتابت اور گواہی میں مصروف رکھ کر ان کے ضروری کام متاثر نہ کر دے جبکہ منسوب قراءت میں حکم کا تعلق کاتب اور شہید سے ہوگا۔ یعنی گواہ گواہی چھپا کر یا جھوٹی گواہی دے کر صاحب حق کو نقصان نہ پہنچائے اور کاتب ضرورت کے وقت لکھنے سے انکار کر کے یا لکھوائی جانے والی بات میں تبدیلی کر کے صاحب حق پر ظلم نہ کرے۔

لیکن دونوں قراءتوں کے معانی مختلف ہونے کے باوجود ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ دونوں قراءتیں دوسرے شخص کی ضرر رسانی کی حرمت پر متفق ہیں اور اسلام میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ وہ ضرر اور نقصان کی کسی صورت کی اجازت نہیں دیتا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ» . [سنن ابن ماجہ: ۲۳۳۱، قال الشيخ الألبانی: صحيح]

اور اس پر تمام فقہاء بھی متفق ہیں۔

### مثال نمبر ۵: مسلم میں داخل ہونا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً.....﴾ [البقرہ: ۲۰۸]

اس آیت کریمہ کے کلمہ [السِّلْم] میں دو متواتر قراءتیں وارد ہیں:

ابن کثیر مکی اور کسائی رحمۃ اللہ علیہما نے اسے سین کے فتح اور لام کے سکون سے [السِّلْم] سے پڑھا ہے اور باقی قراء کرام

قراءت قرآنیہ کے فقہی احکام پر اثرات

اسے سین کے کسرہ اور لام کے سکون سے [السَّلْم] پڑھتے ہیں۔

بعض علماء کے ہاں دونوں قراءتیں ہیں جن کا معنی ایک ہی ہے، جبکہ دیگر بعض علماء کے ہاں ہر قراءت کا معنی دوسری قراءت سے مختلف ہے۔

سین کے کسرہ والی قراءت [السَّلْم] سے مراد اسلام ہے یعنی اس کا معنی یہ ہوگا کہ اے ایمان والو! اسلام میں اس طرح داخل ہو جاؤ کہ اس کی تمام تعلیمات، احکام و آداب اور اوامر و نواہی کے ذمہ دار اور پابندی کرنے والے بن جاؤ۔ اور سین کے فتنہ والی قراءت [السَّلْم] سے مراد صلح اور امن ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مؤمنو! تمہارے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ تم دین کی مدد کیلئے آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہو اور ایک دوسرے سے دشمنی اور علیحدگی اختیار کرنے کی بجائے صلح جو اور امن پسند بن کر زندگی گزارو۔

واضح رہے کہ دونوں قراءتوں کے درمیان یہ ظاہری تعارض تناقض نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ فتنہ والی قراءت سے ثابت ہو رہا ہے کہ بعض دفعہ دشمن سے صلح کرنے میں اسلام کا بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے اور اس سے یہ مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ مسلمان قتل و غارت سے اور ان کا مال اور وطن ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ اور سین کے کسرہ والی قراءت کے مطابق اسلام میں مکمل طریقے سے داخل ہونے بھی بہت بڑی مصلحت ہے کیونکہ اللہ کی اطاعت اور اس کی رضا کے مطابق عمل کرنا ہم سب پر واجب اور ضروری ہے۔

### مثال نمبر ۶: عورت کو چھونے سے وضو کا حکم

فقہاء کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا کہ نہیں؟ حنفیہ کا خیال ہے کہ محض عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ شافعیہ کا خیال ہے کہ مطلقاً عورت کو مس کرنے سے ہی وضو ٹوٹ جائے گا۔ مالکیہ کے نزدیک اگر لذت کی غرض سے ہاتھ لگاتا ہے تو وضو ٹوٹے گا جبکہ حنابلہ کہتے ہیں کہ شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

فقہائے کرام کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں مختلف قراءت پائی جاتی ہیں۔

إرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [المائدة: ۶]

اس آیت کریمہ میں دو قراءتیں ہیں۔ امام حمزہ، کسائی اور خلف نے ﴿لَمَسْتُمُ﴾ کو الف کے بغیر ﴿لَمَسْتُمُ﴾ پڑھا ہے جبکہ جمہور قراء کرام نے اس کو الف کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔ فقہائے حنفیہ نے جمہور کی قراءت کی بنا پر اس کی تفسیر جماع کے ساتھ کی ہے۔ شافعیہ نے امام حمزہ وغیرہ کی قراءت کی رو سے ہر قسم کے لمس کو ناقص وضو قرار دیا ہے۔ جبکہ فقہائے مالکیہ اور فقہائے حنابلہ کے نزدیک اس سے ہر قسم کا لمس مراد نہیں ہے بلکہ وہ لمس مراد ہے جو وضو کے لئے ناقص ہو یعنی جس میں لذت یا شہوت پائی جاتی ہو۔ بہر حال اس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد دراصل قراءت کے اختلاف پر ہی ہے۔

س

## قراءتِ شاذہ کے فقہی احکام پر اثرات

جس قراءت میں قراءتِ متواترہ کی تمام شرائط نہ پائی جائیں وہ قراءت، قراءتِ شاذہ کہلاتی ہے۔ گویا جس قراءت کی سند صحیح نہ ہو، یا وہ رسم عثمانی کے موافق نہ ہو، یا لغتِ عربی جس کا احتمال نہ رکھتی ہو، یا جس کی سند میں تو اثر نہ پایا جاتا ہو، وہ قراءت، قراءتِ شاذہ ہوگی۔ البتہ ایسی قراءت جو لغتِ عرب اور رسم عثمانی کے موافق ہیں لیکن ان کی سند میں موجود نہیں ہیں ان کو شاذہ کے بجائے مکذوبہ یا موضوعہ کہا جاتا ہے۔ قراءتِ شاذہ کو قرآن نہ سمجھتے ہوئے خبر واحد یا تفسیر کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔ اور ان سے احکامِ شریعہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے یا کہ نہیں؟ فقہائے اربعہ کے مابین اس کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ استنباط احکام کے سلسلہ میں فقہائے احناف قراءتِ شاذہ سے استدلال اور اس کی حجیت پر متفق ہیں۔ البتہ ان کے نزدیک اس کی سند کا صحیح ہونا اس پر عمل کرنے کی شرط ہے اور جناب لہ کے نزدیک بھی قراءتِ شاذہ حجت ہے۔ اس لیے نے اُن کے ہاں بھی احناف کی طرح قسم کے کفارہ میں روزے مسلسل رکھنے ضروری ہیں کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں نِصِیامِ ثلاثہ اَیام متتابعات کے الفاظ ہیں ان کے ہاں اگر یہ قرآن نہیں تو مرفوع خبر ضرور ہے جسے راوی نے قرآن سمجھ لیا ہے لہذا اس کا رتبہ خبر واحد کا ہے اور یہ قرآنی آیت کی نبوی تفسیر ہے، مالکیہ میں قراءتِ شاذہ کی حجیت اور عدم حجیت پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے، یہی حال شافعیہ کا بھی ہے۔ ان دونوں مکاتب فکر میں استنباط احکام پر دو دو آراء پائی جاتی ہیں۔ تاہم اُمثلہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی قراءتِ شاذہ سے مسائل کے استنباط میں بھرپور استفادہ کیا ہے۔ لیکن جہاں مالکیہ نے شاذہ قراءت سے استدلال کو رد کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تائید دیگر اخبار سے نہیں ہوئی یا اس قراءت کے معنی پر انہیں اطمینان حاصل نہیں ہوا اور جہاں قراءتِ شاذہ قوی سند سے ثابت ہے اور کسی دلیل سے اس کے معنی کی تائید ہوتی ہے تو اُسے وہ قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ اُخِیانی بھائیوں کی وراثت کے مسئلہ میں انہوں نے شاذہ قراءت پر عمل کیا ہے کیونکہ اس کی تائید اجماع سے ہو رہی ہے۔

اسی طرح شافعیہ بھی تفسیری قراءتِ شاذہ کو قبول کرتے ہیں اور اس کے مقتضی کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں بشرطیکہ اُس کی سند صحیح اور کوئی صحیح روایت اس کے معارض نہ ہو۔ اس اجمالی بحث سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ائمہ اربعہ اور مذاہب اربعہ کے فقہاء کرام بعض شرائط کے ساتھ قراءتِ شاذہ کی حجیت کے قائل ہیں۔ فقہ اسلامی پر قراءتِ شاذہ کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اور فقہائے کرام نے ان سے کیسے استدلال کیا ہے؟ ذیل میں چند اُمثلہ اس ضمن میں پیش کی جا رہی ہیں۔

### مثال نمبر: صلوٰۃ وسطیٰ کا مسئلہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز پنجگانہ کی پابندی کرنے پر متنبہ فرمایا ہے۔ اس ضمن میں ساتھ ہی صلوٰۃ وسطیٰ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد کون سے نماز ہے جس کی

قراءت قرآنیہ کے فقہی احکام پر اثرات

تاکید نماز پنجگانہ کے متصل بعد ہی کر دی گئی ہے؟

صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ مالکیہ میں سے ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ صلوٰۃ وسطیٰ سے بعض فقہاء کے نزدیک فجر کی نماز مراد ہے۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔ فقہاء کے مابین اس اختلاف کا سبب قراءت شاذہ ہے۔

ارشاد الہی ہے: ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ [البقرة: ۲۳۸]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصاحف میں 'و الصلوٰۃ الوسطیٰ' کے بعد 'وہی صلوٰۃ العصر' کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ فقہاء میں اختلاف کا سبب یہی الفاظ ہیں جو قراءت شاذہ کے قبیل سے ہیں۔ جن فقہاء کے ہاں اس سے مراد نماز عصر ہے وہ اس مقام پر 'واؤ' کو عاطفہ کہتے ہیں اور جن کے نزدیک اس سے عصر کی نماز مراد نہیں ہے انہوں نے 'واؤ' کو مغایرت کا نام دیا ہے۔

### مثال نمبر ۲: روزوں کی قضائی کا حکم

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے رمضان المبارک میں دو یا دو سے زیادہ روزے رہ جائیں تو ان کی قضاء کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ آیا یہ روزے مسلسل رکھے جائیں گے یا ان کے درمیان وقفہ بھی کیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے روزوں کی فرضیت کے بعد ان کی قضا کا بیان بھی کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرة: ۱۸۳-۱۸۴]

قضائے صیام کے مسئلہ میں فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ قضائے صیام میں تسلسل کو شرط قرار دیتے ہیں۔ داؤد ظاہری کے نزدیک تسلسل شرط نہیں بلکہ واجب ہے۔ اس کے برعکس ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ قضائے صیام میں تسلسل شرط نہیں ہے البتہ مستحب ضرور ہے۔

فقہاء کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف کی ایک وجہ قراءت شاذہ ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ 'فعدة من أيام آخر متتابعات' اس میں متابعات کا اضافہ ہے۔ جبکہ قراءت متواترہ کے ظاہر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی قضا میں تسلسل شرط نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان وقفہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قراءت شاذہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قضائے صیام میں تسلسل شرط ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قراءت متواترہ میں قضائے صیام کا حکم مطلق تھا لیکن قراءت شاذہ نے اس مطلق حکم کو مقید کر دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### مثال نمبر ۳: وجوب عمرہ کا مسئلہ

شریعت اسلامیہ کی رو سے زندگی میں ایک دفعہ صاحب حیثیت مکلف انسان پر حج بیت اللہ کی ادائیگی کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ کیا عمرہ بھی زندگی میں ایک دفعہ ادا کرنا فرض ہے یا کہ نہیں؟ اس مسئلہ کے بارہ میں فقہاء کے درمیان دو مؤقف پائے جاتے ہیں۔ پہلا مؤقف شافعیہ اور حنابلہ کا ہے۔ جو عمرہ کوچ کی مانند فرض قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرا مؤقف حنفیہ اور مالکیہ کا ہے۔ جن کے نزدیک زندگی میں ایک دفعہ عمرہ ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

فقہاء کے مابین اس اختلاف کی ایک وجہ قراءت شاذہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ [البقرة: ۱۹۶]

اس آیت کریمہ میں قراءت متواترہ کے پیش نگاہ ﴿الْعُمْرَةَ﴾ کو نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے جبکہ اس کو رفع کے ساتھ پڑھنا ایک شاذ قراءت ہے۔ عمرہ کو فرض قرار دینے والے فقہاء نے نصب والی متواتر قراءت سے استدلال کیا ہے کہ عمرہ کے لیے بھی فعل امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ عمرہ کو فرض قرار دیا جائے جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ﴿الْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ میں ایک جملہ خبریہ کا بیان ہے کہ جس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ عمرہ خالص اللہ کے لیے ہے اور اس میں مشرکین کی مانند بتوں کو شریک کرنا درست نہیں ہے۔ لہذا عمرہ فرض نہیں ہے۔

### مثال نمبر ۴: چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم

اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مال مسروقہ اسلام کے مقرر کردہ نصاب تک پہنچ جائے گا تو چور کا دایاں ہاتھ کاٹیں گے یا بائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس آیت مبارکہ میں حد سرقہ بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ [المائدة: ۳۸]

یہ آئمہ عشرہ کی قراءت ہے۔ جو متواترہ ہے جس کی رو سے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ بیان نہیں کیا گیا کہ اس کا کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا؟

لیکن فقہائے اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب پہلی دفعہ کسی شخص پر چوری کا جرم ثابت ہو جائے اور چوری کا سامان بھی مقررہ نصاب تک پہنچ جائے تو چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس اجماع کی ایک دلیل قراءت شاذہ کا ورود ہے۔

یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

«وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْمَانَهُمَا». [السنن الكبرى للبيهقي: ۲۷۰۸]

اس کا مطلب یہ ہے کہ قراءت متواترہ میں چور کا مطلق ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اور یہ تید نہیں ہے کہ کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن قراءت شاذہ دائیں ہاتھ کے کاٹنے کو متعین کر رہی ہے۔ گویا اس حکم کا مدار اجتہاد پر نہیں بلکہ نص پر ہے۔

قراءات قرآنیہ کے فقہی احکام پر اثرات

## مسئلہ نمبر ۵: آغاز عدت کا مسئلہ

شریعت اسلامیہ میں شوہر کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طہر کی حالت میں طلاق دے گا۔ لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیام عدت کا آغاز طلاق دینے کے فوراً بعد شروع ہو جائے گا، یا آیام عدت کی گنتی طلاق کے بعد آنے والے حیض سے شروع ہوگی؟

فقہاء کرام کے ہاں یہ ایک معرکہ آرا مسئلہ ہے۔ جس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ثلاثۃ قروء میں قرء سے مراد حیض ہے یا طہر ہے؟ اس بارہ میں دو آراء پائی جاتی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد طہر ہے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں قروء سے مراد حیض ہے۔

ارشاد الہی ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ﴾ اس میں ایک شاذ قراءت 'فطلِّقُوهُنَّ بِقَبْلِ عَدَّتِهِنَّ' بھی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے شک تھا کہ عدت میں اعتبار حیض کا ہوگا یا طہر کا؟ لیکن اس قراءت شاذہ کے بعد میرا شک رفع ہو گیا۔ لہذا عدت سے مراد طہر ہی ہے۔ یعنی طلاق کے فوراً بعد عدت کا آغاز ہو جائے گا۔ لہذا طہر ہی کو قروء کی تفسیر سمجھنا چاہئے کیونکہ اگر ہم حیض کو عدت قرار دیتے ہیں تو طہر کی حالت میں دی جانے والی طلاق عدت کے آغاز میں نہیں ہوگی بلکہ طہر کے اختتام کے بعد عدت کا حیض سے آغاز ہوگا جو قراءت شاذہ کے الفاظ کی رو سے صحیح نہیں ہے۔



## رشد قراءات نمبر (حصہ چہارم)

'ماہنامہ رشد' قراءات نمبر سوم کی ضخامت بڑھنے کی وجہ سے بہت سارے علمی و معیاری مضامین اس میں شامل نہیں ہو سکے اور طبعاتی اخراجات کی وجہ سے ان کو الگ نمبر کی صورت میں بھی شائع کرنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ ذیل میں ان مضامین کی فہرست دی جا رہی ہے۔ شائقین ان کا مطالعہ ادارہ کی ویب سائٹ

www.Kitabosunnat.com پر کر سکتے ہیں۔ [ادارہ]

- ☆ 'اختلاف قراءات اور احادیث نبویہ' از پروفیسر محمد یونس مظہر صدیقی
- ☆ 'علم تجوید و قراءات ..... ایک تعارف' از پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی، جمع و ترتیب: نعیم الرحمن ناصف
- ☆ 'التیسیر لللدانی پر امام شاطبی کے زیادات ..... تحقیقی مطالعہ' از شیخ عمر الم آبی، مترجم: قاری صفدر
- ☆ 'مسئلہ اختیارات قراءت از ڈاکٹر نبیل ابراہیم، مترجم: قاری فہد اللہ مراد
- ☆ 'علم القراءات ..... ایک تعارف' از قاری رشید احمد تھانوی
- ☆ 'دعوت قرآنی میں روایت و روش اور حفص کا کردار' از محمد فیروز الدین شاہ کھلہ
- ☆ پاکستان میں مصری اور پانی پتی قراء کے مکاتب از ڈاکٹر قاری محمد طاہر
- ☆ منار السبیل فی مسائل التکبیر از قاری فتح محمد، ترتیب و تہذیب: قاری محمد ابراہیم میر محمدی
- ☆ المدخل الی علم الوقت از شیخ القراء قاری محمد نفی الاسلام، تہذیب و تلخیص: قاری محمد ابراہیم میر محمدی
- ☆ قراءات متواترہ، صحیحہ اور شاذہ کا حکم از امام ابن جزری، مترجم: قاری محمد ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## معانی و بلاغت پر قراءات کے اثرات

سبعہ احرف کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے متنوع اسالیب تلاوت کی جو آسانی دی، عرضہ اخیرہ میں 'مترادفات' کے منسوخ ہو جانے کے بعد اب اس کی دو صورتیں باقی ہیں: پہلی صورت قرآن کریم میں متعدد لہجات عرب کی اجازت سے تعلق رکھتی ہے جسے اصطلاح میں 'اصولی اختلافات' کا نام دیا جاتا ہے، جبکہ دوسری صورت معانی کی وضاحت کیلئے کلمات کے اختلافات پر مشتمل ہے جسے 'فرضی اختلافات' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس دوسری صورت کو قبول کرنے میں بعض حضرات تاہل کا شکار ہوتے ہیں، حالانکہ قراءتوں کی نوعیت کا یہ دوسرا اختلاف قرآن مجید کی وضاحت و بلاغت سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ بات کو مختلف اسالیب میں بیان کرنا علم فصاحت و بلاغت ہی کا دوسرا نام ہے۔ معلوم نہیں کہ جو لوگ متنوع قراءات کا انکار کرتے ہیں وہ اختلاف قراءت کی اس نوعیت سے کیوں تشویش رکھتے ہیں حالانکہ بذات خود روایت حفص میں ایک بات کو مختلف مقامات پر دو، تین یا اس سے بھی زیادہ اسالیب سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقع موضوع پر مطالعہ کیلئے شمارہ ہذا میں ادارہ کے فاضل رکن قاری مصطفیٰ راسخ کے مضمون 'متنوع قراءات کا ثبوت..... روایت حفص کی روشنی میں' کی طرف بھی رجوع کرنا چاہئے تاکہ زیر بحث موضوع کے جمیع پہلوؤں کا احاطہ ہو سکے۔ [ادارہ]

قرآن کریم ایک معجزہ ہے جو عرب کے بت پرستوں (جن کو اپنی زبان دانی، فصاحت و بلاغت پر فخر تھا، ان) کی تیز چلنے والی زبانوں کو بند کرنے کے لیے، بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لانے کے لیے، بیماروں کو شفا یابی اور زنگ آلود لوگوں کے زنگ کو دور کر کے سونے کی طرح چمکتا ہوا بنانے کے لیے نازل کیا گیا۔ اس کتاب کی دیگر کتب سے انفرادیت یہ ہے کہ یہ اپنے اندر کئی اعجازات کو لیے ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک مہیر العقول اعجاز یہ ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے کئی معانی اور مفہوم ہیں اور ان معانی و مفہوم کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط اور تعلق ہوتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں ان مفہوم و معانی کو قراءات کہا جاتا ہے۔ ہر مسئلے کے لیے کوئی نہ کوئی نص اور دلیل ہوتی ہے لیکن وہ صرف اسی مسئلے کے مؤید اور ثابت کرنے والی ہوتی ہے جبکہ قرآن کی ایک ایک نص (آیت) کو کئی مسائل کی دلیل اور مؤید بنایا جاسکتا ہے۔ ایک قراءت کے مطابق پڑھیں تو اس میں ایک مسئلہ ثابت ہوگا اور جب اسی آیت یا لفظ کی

\* اسٹنٹ پروفیسر کلیہ القرآن الکریم، جامعہ ازرہ، رکن لجنہ مراجعۃ المصحف بمجمع البحوث الإسلامیة

☆ متعلم کلیہ الشریعہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ

☆ فاضل کلیہ الشریعہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ، متعلم کلیہ الحدیث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

دوسری قراءت کو دیکھیں تو اس سے دیگر مسائل بھی ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قراءات کا اعجاز ہے جو قرآن کے کلام الہی ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قرآن کریم اپنے مضامین اور معانی و مفہیم کے اعتبار سے تو معجزہ ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ الفاظ و کلمات، اُسلوب نگارش اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی اس قدر عظیم معجزہ ہے کہ قیامت تک آنے والے جن و انس اس کی ایک آیت جیسا کلام بھی بنانے پر قادر نہیں۔

بہت سے غیر مسلم اور مستشرقین یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں کہ قرآن حکیم بھی دیگر کتب سماویہ کی طرح محرف ہے۔ انہی کے پیدا کردہ اشکالات کا شکار ہو کر کچھ مسلمان مجددین اور کم علم لوگ یہ سمجھنے لگے کہ قرآن کریم میں اضافہ ہو چکا ہے (جو کہ تحریف کی ہی ایک شکل ہے) اور پوری اُمت جن قراءات متواترہ میں قرآن کریم کو پڑھ رہی ہے یہ دراصل فتنہ عجم کی باقیات اور عجمیوں کا کیا ہوا اضافہ ہے۔ چنانچہ ایک نئے مجدد جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔“

مزید فرماتے ہیں:

”مدرسہ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔“ [المیزان، باب اصول و مبادی: ۲۹]

گویا جناب جاوید احمد غامدی روایتِ حفص کے علاوہ باقی تمام قراءات متواترہ کا حکم کھلا انکار کرتے ہیں۔ ان کو انکار قراءات (جو کہ دراصل انکار قرآن ہے) اور استخفاف حدیث کا علم ان کے اُستاد اُمین احسن اصلاحی سے ورثہ میں ملا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کئے بغیر ممکن نہیں۔“ [تذکر قرآن: ۸۸]

ان دعاوی کا علمی اعتبار سے جائزہ لینے سے پہلے ہم چند ایک اصولی باتیں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو کہ قارئین کے ملحوظ نظر رہنی چاہئیں۔

① دنیا بھر میں قرآن کریم مختلف قراءات میں پڑھا جاتا ہے مثلاً مراکش اور افریقہ کے وسطی علاقوں میں امام ورش کی روایت میں، اور لیبیا اور تیونس کے علاقوں میں روایتِ قالون میں۔ مزید برآں پوری دنیا کے دینی مدارس اور عرب یونیورسٹیوں میں قراءات متواترہ پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ سعودی عرب کی حکومت کے تحت ادارہ ’شاہ فہد قرآن کمپلیکس‘ مختلف قراءات میں قرآن کریم کو طبع کر رہا ہے۔ اگر یہ قراءات منزل من اللہ نہیں ہیں اور اس کے باوجود یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ حفاظت قرآن باطل ثابت ہو گیا اور قرآن میں تحریف ہو چکی ہے (العیاذ باللہ) حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے کہ قرآن کریم میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی ہوئی ہے۔

② جو لوگ قراءات کے منکر ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی علم قراءات حاصل نہیں کیا۔ علم قراءات تو درکنار



عبدالکریم ابراہیم صالح

روایت حفص جسے یہ لوگ قراءت عامہ اور اصل قرآن سمجھتے ہیں وہ بھی ٹھیک طرح سے پڑھنے پر قادر نہیں۔ پھر ایک جاہل شخص کسی علم کی صحت و سقم پر کیونکر بحث کر سکتا ہے۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی نابینا صرف اپنے اندھے پن کی وجہ سے کسی چیز کے وجود کا ہی انکار کر دے حالانکہ ان اشیاء کے وجود و عدم کا فیصلہ بینا شخص ہی کر سکتا ہے۔ اور علم طب سے نابلد کوئی شخص کسی دوا کے خواص پر بحث کرے حالانکہ اس کا حقدار تو صرف ایک ماہر طبیب ہی ہو سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح قراءت کی حجیت و عدم حجیت کا فیصلہ بھی صرف ماہرین قراءت ہی کر سکتے ہیں۔

③ قراءت متواترہ کی قطعیت پر اُمت کا اجماع ہے اور چونکہ یہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں لہذا ان کے ثبوت کے بارہ میں بحث کرنا بعید از علم اور مبنی بر جہل فعل ہوگا۔

④ قراءت متواترہ کو بلاغت قرآن کے خلاف کہنے والے اپنے دعویٰ پر ایک بھی دلیل پیش نہیں کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی کہ جس میں قراءت کی وجہ سے، قرآن کی بلاغت، معنویت یا حکمت مجروح ہونے کا ثبوت ہو۔ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور باطل ہے۔

ہم اپنے اس مضمون میں انشاء اللہ یہ ثابت کریں گے کہ قراءت متواترہ قرآن کریم کی بلاغت کے منافی نہیں بلکہ اس کے اعجاز بیان میں مزید اضافہ کرتی ہیں لیکن اس سے پہلے ہم جناب غامدی صاحب کی عربی دانی سے پردہ اٹھاتے ہیں تاکہ قارئین موصوف کے علمی مقام کو پہچان سکیں اور یہ جان جائیں کہ وہ بلاغت قراءت پر جرح کرنے کے کس قدر حقدار ہیں۔

سہ ماہی 'ساحل' کے شمارہ جات اپریل، جولائی ۲۰۰۷ء میں فاضل مضمون نگار جناب ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب نے جناب غامدی کی عربی تحریروں کا جائزہ پیش کیا اور ثابت کیا ہے کہ جناب غامدی ایک جملہ بھی صحیح عربی زبان میں لکھنے پر قادر نہیں۔ یہاں ہم انہی مضامین میں سے چند ایک مثالیں بطور "مشتے نمونہ از خروارے" پیش کر رہے ہیں۔

غامدی صاحب کی تحریر "الوضع السياسي للأمة المسلمة" کے چند "بلاغی شاہکار" درج ذیل ہیں:

درست

غلط

- |   |                                  |
|---|----------------------------------|
| ①..... لم يكن الزعماء السياسيين                   | لم يكن الزعماء السياسيون         |
| ②..... لم يبق لهم الدعوة                          | لم يبق / لم تبق لهم الدعوة       |
| ③..... أن السياسة بالنسبة له مجالاً ثانوياً للعمل | أن السياسة بالنسبة له مجال ثانوي |
| ان کی تحریر "مبداء الجهاد" سے چند نمونے:          |                                  |

- |                                  |                               |
|----------------------------------|-------------------------------|
| ① فينهزم المنكرين                | فينهزم المنكرون               |
| ② وجعلها في موقع مختلفة          | وجعلها في موقع مختلف          |
| ③ فالمقاتلين فيها أفضل على غيرهم | فالمقاتلون فيها أفضل من غيرهم |
| ④ قال به النبي ﷺ بأسلوب الجميل   | بأسلوب جميل                   |

۵) **إِن لِّجَمِيعِ الْحَرَمَاتِ قِصَاصٌ** **إِن لِّجَمِيعِ الْحَرَمَاتِ قِصَاصاً**  
 ۶) **إِن كَانَ قَوْمٌ يَظْلِمُ مُسْلِمِينَ وَهُمْ مُعَاهِدِينَ وَهُمْ مُعَاهِدُونَ**  
 درج بالا شہ پاروں کو دیکھ کر قارئین بخوبی جان چکے ہوں گے کہ جو شخص علم نحو کے بالکل ابتدائی قواعد کو نہیں جانتا وہ علم بلاغت (جو کہ دراصل علم نحو کی ارتقائی صورت ہے) سے کتنا واقف ہوگا کہ بلاغت قراءات پر جرح کر سکے۔  
 ان قراءات قرآنیہ کے اعجازات کا شریعت کے کئی مسائل میں اثر نمایاں اور واضح ہے۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

### ۱) قراءات قرآنیہ کا عقیدہ کے مسائل پر اثر

اس میں چار قسمیں شامل ہیں:

- |                   |                        |
|-------------------|------------------------|
| ۱) توحید کے متعلق | ۲) افعال عباد کے متعلق |
| ۳) نبوت کے متعلق  | ۴) سمعیات کے متعلق     |

### ۱) قراءات قرآنیہ کے توحید پر اثرات

توحید کا ثبوت مختلف طریقوں سے: مثلاً ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ [الفاتحہ: ۴] میں پہلی قراءت اسم فاعل کے وزن پر ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ ہے یہ قراءت عاصم، کسائی، یعقوب اور خلف العاشر سے نقل کی گئی ہے۔ [النشر: ۲۷۱/۱، فتح الوحید للسخاوی: ۱۷۵]

دوسری قراءت: ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ الف کو گرانے اور حَذِرِ کے وزن پر عاصم، کسائی، یعقوب اور خلف العاشر کے علاوہ باقی قراءت سے نقل کی گئی ہے۔ [النشر: ۲۷۱/۱، فتح الوحید للسخاوی: ۱۷۵]

### استدلال

۱) اگر مَلِكِ (اسم فاعل کے وزن پر) پڑھیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے جو اپنی تمام مملوکہ اشیاء میں اپنی منشاء سے تصرف کرتا ہے، اور قیامت کے دن کرے گا جس دن کسی کو کسی چیز میں تصرف کرنے اور حکم چلانے کی اجازت نہ ہوگی۔

۲) اگر مَلِكِ ہو تو مفہوم یہ ہوگا کہ ایسا حاکم جو اپنی ملکیت میں اوامر و نواہی کے ساتھ تصرف کرے۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دنیا کے دیگر بادشاہوں کی نسبت ارفع و اعلیٰ اور عزت و تکبر میں ہوگا جبکہ یہ دنیا کے بادشاہ اور حکمران دنیا کے برعکس (ذلیل و خوار) ہوں گے۔

### ۲) قراءات قرآنیہ کے اعجاز کا افعال عباد میں اثر

قراءات قرآنیہ کا افعال عباد میں گہرا اثر ہے۔ اگر قرآن کریم کے ایک لفظ کو پڑھ کر کسی کم فہم شخص کے ذہن میں کوئی اعتراض اٹھتا ہے تو اس کو کیا تو اس قراءت سے جواب دیا جائے گا، یا پھر کسی دوسری قراءت سے اس لفظ کا معنی کھل کر سامنے آجائے گا اور معترض کے اعتراض کا جواب بھی مل جائے گا۔

مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ [مریم: ۱۹]

اب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں دو قراءتیں ہیں۔

① ﴿لَا هَبَ﴾ ہمزہ کے ساتھ یہ باقی قراءت کی قراءت ہے۔

② ﴿لِيَهَبَ﴾ 'یا' کے ساتھ یہ ورش، ابو عمرو، یعقوب اور قالون کی قراءت ہے۔

[إيزار المعاني: ۵۸۲، الشتر: ۳۱۷/۲]

## درج بالا دو قراءتوں کی توجیہ

**پہلی قراءت کی توجیہ:** جو قراءت ہمزہ ﴿لَا هَبَ﴾ کے ساتھ ہے یہ ایک ظاہری اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے

کہ اولاد دینے والا تو مالک کائنات ہے جو کہ بے اولادوں کو اولاد بہہ کرتا ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں جبریل علیہ السلام و بہیت اولاد کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں۔

**جواب:** جبریل علیہ السلام کا ﴿لَا هَبَ لَكَ﴾ کہنا مجاز عقلی کے طریق سے ہے نہ کہ معنی حقیقی کے اعتبار سے۔ گویا

﴿لَا هَبَ لَكَ﴾ کہنے سے ایک و بہیت اولاد کے سبب کی طرف اشارہ کر دیا جو کہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور فعل کی نسبت

سبب کی طرف کرنا عام ہے۔ قرآن کریم میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا بتوں کے بارے

میں یہ فرمان ہے: ﴿رَبِّ اِنَّهُمْ اَصْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ [ابراہیم: ۳۶]

**دوسری قراءت کی توجیہ:** دوسری قراءت ﴿لِيَهَبَ لَكَ﴾ 'یا' کے ساتھ اس میں و بہیت اولاد کی نسبت حقیقی

واہب (جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہے) کی طرف کی گئی ہے۔ اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ﴿لِيَهَبَ﴾ 'یا' والی قراءت اس

بات کی صراحت کرتی ہے کہ اولاد دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جبریل علیہ السلام نہیں ہیں وہ تو سبب ہیں۔ یہی محل اتفاق

ہے اہلسنت و الجماعت کے ہاں۔ پھر دوسری قراءت اس لیے لائی گئی تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ افعال کی نسبت مجازاً

مخلوق کی طرف کرنا جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے کوئی بندہ ایسا نہیں کر سکتا۔

[الكشف بمكي: ۸۶۲، ۸۷، روح المعاني: ۷۷/۱۶]

## ③ تنوع قراءت (جو کہ اعجاز قرآن کی وجہ میں سے ایک وجہ ہے) کا نبوت کے ساتھ تعلق

تنوع قراءت انبیاء کی نبوت، خاص کر محمد الرسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کو مختلف اسالیب کے ساتھ ثابت

کرتی ہیں۔ جس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾ [التکویر: ۲۳] میں دو متواتر قراءتیں ہیں:

① ﴿بِضَنِيْنٍ﴾ 'ضاد' کے ساتھ یہ جمہور کی قراءت ہے۔

② ﴿بِظَنِيْنٍ﴾ 'ظاء' کے ساتھ ہے۔ یہ ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی اور رويس جو کہ یعقوب سے روایت کرتے

ہیں کی قراءت ہے۔ [الاختیار فی القراءات العشر: ۲۷۱/۳، الشتر: ۳۹۸/۲]

## درج بالا قراءتوں کی توجیہ

**پہلی قراءت کی توجیہ:** جمہور کا 'بضنین' ضاد کے ساتھ پڑھنا یہ ماخوذ ہے 'الضن' سے۔ جس کا معنی ہے بجل

(کنجوسی) قاموس میں ہے 'ضن بہ علیہ۔ ضنا و ضنانه' کسی کے ساتھ کسی چیز میں انتہائی بجل کرنا۔ صاحب

مصباح فرماتے ہیں یہ باب 'ضرب'، 'بضرب' سے بھی آتا ہے اور اس وقت اس کا معنی ہوگا "محمد ﷺ اس چیز میں بخیل نہیں ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے علم عطا فرمایا ہے بلکہ وہ کھلے دل سے قرآن میں سے تصرف کرنے والے ہیں۔ [الکشف: ۳۶۴/۲]

**نوٹ:** لفظ 'الغیب' سے مراد قرآن کریم ہے:

**دوسری قراءت کی توجیہ:** 'بظمنین' طاء والی قراءت یہ ماخوذ ہے 'الظن' سے جس کا معنی 'تہمت' ہے اور اس وقت اس کا معنی ہوگا "اور محمد ﷺ غیب (جو کہ قرآن مجید ہے) پر تہمت لگانے والے نہیں ہیں۔" بلکہ وہ ثقہ، امین ہیں اور وہ اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا کر نہیں لاتے نہ کسی قرآنی حرف کو کسی دوسرے حرف سے اور ایک معنی کو دوسرے معنی کے ساتھ بدلتے ہیں، کیونکہ ان سے پوری زندگی میں جھوٹ بولنا ثابت ہی نہیں ہوا۔

### ۴) تنوع قراءات کا اعجاز اور اس کا اثر سمیعیات (غیبیات) میں

قراءات قرآنیہ کا اثر سمیعیات (غیبیات) میں واضح ہے۔ غیبیات مطلب ہے ایسے امور کا جن کے ہونے کا ایمان کامل کے ساتھ عقیدہ رکھنا اور محض کتاب و سنت اور اجماع کے ثابت کرنے سے ان کو مان لینا اگرچہ انسانی عقل ان غیبیات کے موافق ہو یا نہ ہو۔

غیبیات کیا ہیں؟ غیبیات میں بہت سی چیزیں ہیں جن میں ملائکہ، جن، موت کے بعد کے حالات، حشر و حساب اس کے علاوہ وہ چیزیں جن کا تذکرہ کتاب و سنت میں موجود ہے۔ قراءات میں ان غیبیات کو مختلف اسالیب کے ساتھ اور معنوں کو بدل کر بیان کیا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے تو قرآن کریم کی اس آیت کی سمجھ ہی نہیں آئی تھی۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿هٰنَالِكَ تَتْلَوْنَ كُلُّ نَفْسٍ مَّا سَلَفَتْ وَرَدُّوا إِلَى اللَّهِ مُوَلِّهِمُ الْحَقِّ﴾ [یونس: ۳۰]

﴿تبلوا﴾ میں دو متواتر قراءتیں ہیں۔

۲) ﴿تتلوا﴾ دو تاؤں پہلی متحرک اور دوسری ساکن کے ساتھ۔ یہ قراءات حمزہ، کسائی اور خلف العاشری ہے۔

۲) بانی قراءت ﴿تبلوا﴾ پڑھا ہے۔ [السبعة لابن مجاهد: ۳۲۵، النشر: ۲۸۳]

### درج بالا قراءتوں کی توجیہ

**پہلی قراءت:** اس کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک جان طلب کرے گی اور اتباع کرے گی اس چیز سے جو اس نے اپنے اعمال میں سے آگے بھیجا، یا یہ کہ ہر نفس اپنے اچھے برے اعمال کو قیامت کے دن ایک صفحے میں لکھا ہوا پائے گی اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿وَكُلُّ إِنْسَانٍ لَّزَمْنَهُ طَائِفَةٌ فِي عَهْدِهِ وَنَحْرِهِ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ۝ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ [الاسراء: ۱۳]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ﴿تتلوا﴾ کی قراءت سے معنی طلب، تتبع اور تلاوت (پڑھنا) کے ہوں گے۔

**دوسری قراءت:** ﴿تبلوا﴾ پڑھیں تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ ہر جان کو اس کے اچھے اور برے اعمال کی خبر ملے گی یا دی

جائے گی۔ [الکشف: ۵۱۷/۱، شرح ہدایہ: ۳۳۹/۲]

## ۲) تنوع قراءات کا شرعی احکام میں انجاز

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علوم اسلامیہ اور عربیہ کا اتصال اور ربط ہے۔ ان علوم سے مراد علم قراءات اور تشریح اسلامی کا علم ہے اسی وجہ سے ان دونوں علوم کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق اور مضبوط ناٹھ ہے جس کی دلیل تفسیر کی کتب کا مطالعہ کرنے سے کھل کر قاری کے سامنے آ جاتی ہے۔ ان کتب تفسیر میں

① الجامع القرآن للجصاص الحنفی ② الجامع لأحكام القرآن للامام القرطبی

③ احکام القرآن لابن العربی ④ زاد المسیر فی علوم التفسیر لابن الجوزی

اسی طرح علم القراءات اور تشریحی احکام کے علم کے آپس میں ربط کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قراءات قرآنیہ کا تذکرہ کئی احکام شرعیہ اور اصول فقہ کی کتب میں ملتا ہے جو کہ الإتصال فی علوم القراءات و تشریح الإسلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کی مثالیں

① مفاتیح الأصول ② شرح الفقه الأكبر للقاری۔ میں موجود ہیں۔

● امام نویری رحمہ اللہ کی کلام کا حاصل، فرماتے ہیں:

”ایک فقیہ کو قاری کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسے ہی قاری فقیہ کا محتاج ہوتا ہے۔ تاکہ قاری قراءات کے متعلق

اس کی کچھ راہنمائی کر سکے اور اس چیز کو بیان کرے جس پر قراءات کے احکام کے اختلاف کی بنا رکھی جاتی ہے۔“

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ علماء کرام مختلف قراءات سے متعدد معانی اور مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ اور اس کو

حجت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ [اتحاف فضلاء البشر: ۶۷۱]

## مثال

جس طرح کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مختلف قراءات سے مختلف مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم

اس کی مثال دیتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ [البقرہ: ۲۲۲]

”اور نہ تم قریب جاؤ اپنی بیویوں کے (حیض ایام میں) حتیٰ کہ وہ طہارت حاصل کر لیں۔“

اللہ تعالیٰ کے اس قول میں دو قراءتیں ہیں:

① ﴿حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ طاء اور ’ہا‘ کے فتح اور دونوں کی تشدید کے ساتھ۔ یہ قراءت شعبہ، حمزہ، کسائی اور خلف

العاشر کی ہے۔

② ﴿حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ ’ط‘ کے سکون اور ہائے مضمومہ کے ساتھ۔ یہ قراءت (نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر،

یعقوب، ابو جعفر اور حفص کی ہے۔ [البشر: ۲۷۱، ۲۷۲، اتحاف فضلاء البشر: ۴۳۸]

## درج بالا قراءتوں کی توجیہ

پہلی قراءت کی توجیہ، مشرد: ﴿حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ ”اپنی بیویوں سے مجامعت کرنے سے بچو

حتیٰ کہ حیض کا خون رُک جائے اور وہ پانی کے ساتھ غسل کر لیں۔“

دوسری قراءت، تخفیف: ﴿حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم ان بیویوں سے جماع نہ کرو حتیٰ کہ ان سے

معانی و بلاغت پر قراءات کے اثرات

حیض کا خون رُک جائے۔

اسی وجہ سے فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے:

① **جمہور فقہاء:** جمہور (مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ) قراءات تشدیدہ کا اعتبار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کا حیض ختم ہو جانے کے بعد وہ اپنے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ پانی کے ساتھ اچھی طرح غسل نہ کر لے۔ [الجامع لأحكام القرآن: ۸۸/۳، التفسیر الکبیر: ۳۲۹/۶] وہ دلالت یہ ہوگی کہ تشدید کا صیغہ فائدہ دیتا ہے و جب مبالغہ کا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ عورتوں پر حیض کے بعد طہارت حاصل کرنے میں مبالغہ کرنا ضروری ہے جو کہ غسل کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔

**قاعدہ:** 'زیادة المبني تدل على زيادة المعنى'، کہ مابانی کی زیادتی معانی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ لہذا یہ حیض کے خون سے متعلقہ جگہ کی مکمل طور پر طہارت کا زیادہ تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے اس عورت کے ساتھ وطی کرنے کے لئے حیض کے بعد غسل کرنا واجب ہوا۔

② امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: قراءت خفیفہ کا اعتبار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'طہر' سے مراد مطلق انقطاع دم ہے نہ کہ غسل۔ لہذا ثابت ہوا کہ آدمی اپنی بیوی سے حیض کا خون رُک جانے کے بعد اور غسل کرنے سے قبل وطی کر سکتا ہے۔ دلیل: قراءت خفیفہ قراءت تشدیدہ، جو کہ انقطاع دم ہے، سے زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ حیض کے خون کا رُکنا تمام کے ہاں طہارت کی پہلی شرط ہے۔

راج

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اکثر علماء نے ضعیف کہا ہے جیسا کہ امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
ما قاله الإمام أبو حنيفة: "من غرائب التفسير وعجائب التأويل"

[غرائب التفسير وعجائب التأويل لتاج القراء محمود بن حمزة الكرمانی: ۲۱۳/۱]

لہذا اللہ تعالیٰ کے اس قول:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ [البقرة: ۲۲۲] کے تحت 'حتیٰ یطہرن' کا مطلب انقطاع دم کے بعد غسل ہوگا۔ اور یہ واجب ہوگا۔

③ **قراءات متواترہ کا اعجاز بیانی**

ہمارے مضمون کا تعلق اعجاز کی اسی قسم کے ساتھ ہے باقی گفتگو ضمنی اور تمہیدی تھی۔ اب ہم "قرآن کریم کے اعجاز بیان اور اس میں متعدد قراءات متواترہ کا اثر" کے متعلق کچھ چیزیں احاطہ تحریر میں لاتے ہیں:

① نحوی بحث ② صرفی بحث ③ بلاغی بحث

ان تینوں اقسام میں سے ہماری مراد تیسری قسم ہے۔

**قرآن کریم کا اسلوب بلاغی اور قراءات متواترہ کا اس پر اثر**

ناقدین و قارئین اس بات سے روز روشن کی طرح آگاہ رہیں کہ تنوع قراءات اسلوب بلاغی کی ہی مختلف

عبدالکریم ابراہیم صالح

صورتوں میں سے ہے اور ان کا قرآنی اعجاز پر نمایاں اثر ہے۔ قرآن کریم واضح عربی زبان میں نازل ہوا اور ایسی قوم پر اترا جو فصاحت و بلاغت اور بیان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے اپنے بیان کے ساتھ ان کو حیران کر کے رکھ دیا اور کئی طرق سے ان کو مقابلہ سے عاجز و ناتواں بنا دیا ان کی فصاحت و بلاغت بکھیرنے والی زبانی گنگ ہو گئیں حتیٰ کہ انہوں نے قرآن کریم کے اسلوب بیان کی انفرادیت کو تسلیم کر لیا۔ اس قرآن کا ہر کلمہ اپنے اندر ایک شیرینی اور مٹھاس رکھتا ہے اور اس کے مختلف خوشے ہیں جو لہلا رہے ہیں اور اس کے موتی بکھرے ہوئے ہیں جو چھنے کے قابل ہیں اور اس کے جملوں کا اوّل و آخر آپس میں مربوط ہے۔ ان تمام خوبیوں کی بنا پر اس کتاب نے ہدایت اور نور کے لیے عقل اور وجدان کی کھڑکیوں کو کھول دیا۔ اسی بناء پر علماء قرآن کے اعجاز کے اسرار کو تلاش کرنے لگے۔ ان اسرار میں سے ایک راز اعجاز بلاغی ہے بلکہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ بلاغت کے اسالیب اور وسائل حقیقت میں یہی قرآن کے معجزہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

● امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قراءات کتاب اللہ کی وجہ اعجاز میں سے ایک وجہ ہے۔ ہر قراءت سے الگ مسئلہ ثابت ہونا اس کے جملہ فوائد میں سے ایک فائدہ ہے۔ کسی چیز کے اعجاز میں مبالغہ اس کے کم حروف اور زیادہ معانی میں ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ زیادتی الفاظ، زیادتی معانی کا فائدہ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قراءت بمنزلہ آیت کے ہے۔“

[الائقان: ۵۴۲]



اسی بنا پر قراءات بلاغت کی وجہ میں سے ایک ایسی وجہ ہے جو کہ واضح بیان کے ذریعے قرآن کے اعجاز کو ثابت کرتی ہے۔ ان تمام خصائل حسنہ کی وجہ سے قراءات کا بلاغت کے ساتھ ایک ناختم ہونے والا تعلق ہے۔ اب ہم موصوف کے دعویٰ کا علمی جائزہ لیتے ہیں کہ آیا واقعی قراءات قرآن کریم کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کرتی ہیں یا یہ دعویٰ مدعی کی جہالت کا مظہر ہے۔ اس کے لیے پہلے ہم بلاغت کی تعریف ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اعتراض کا جواب مثالوں سے دیں پہلے ہم بلاغت کی تعریف پیش کرتے ہیں۔

## بلاغت کی لغوی تعریف

لغوی طور پر یہ ’بلغ، بلاغۃ، فصیح و بلیغ ہونا۔ ہو بلیغ بلغاء۔ أبلغۃ الشیء پہنچانا، خبر دینا، اطلاع دینا۔

[القاموس: ۱۷۹]

## بلاغت کی اصطلاحی تعریف

بلاغت کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

### ① پہلی تعریف

اس کی دو قسمیں ہیں:

**الف بلاغت کلام:** کلام کا فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ مقتضائے حال کے مطابق ہونا۔ یعنی جو بات مقام و شخص

معانی و بلاغت پر قراءات کے اثرات

کے مطابق ہو۔

**ب بلاغت متکلم:** وہ ملکہ و صلاحیت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے مقصود کو کلام بلیغ کے ساتھ تعبیر کرنے پر قادر ہو جائے۔

## ۲) دوسری تعریف

”کون الکلام مطابقاً لمقتضی الحال“

”بہترین قسم کے معانی کو واضح اور صحیح عبارت کے ساتھ ادا کرنا۔ اس قسم کی عبارت جو دلوں پر چھا جائے، متکلم کی حالت کے مطابق ہو، اس کی ذہنی کیفیات کے مطابق ہو اور سامعین کی قوت فہم اور موقع محل کے مطابق ہو۔“

تنبیہ

اب وہ معترض جو یہ اعتراض کرتا ہے کہ قراءات قرآن کریم کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کرتی ہیں اس کو اعتراض کرنے سے قبل اس بات سے آگاہ رہنا چاہئے کہ کلام کے فصیح و بلیغ ہونے کے لیے جن امور کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان سے واقفیت مختلف علوم کے ذریعے ہوتی ہے۔ معترض کو اعتراض کرنے سے قبل ان علوم کا علم ہونا چاہئے ورنہ وہ اعتراض کرنے کا حقدار نہیں ہے۔

① تعقید معنوی کو علم البیان کے ذریعے جانا جاسکتا ہے۔

② علم لغت: جس کے ذریعے غرابت کلمات کا علم ہو سکتا ہے۔

③ علم معانی: یہ احوال و مقتضیات کو جاننے کا ذریعہ ہے۔

④ علم نحو: ضعف تالیف اور تعقید لفظی کو جاننے کے لئے۔

⑤ علم صرف: مخالفت قیاس کو جاننے کے لئے۔

⑥ تافر خواہ حروف کا ہو یا کلمات کا، اس کا ادراک ذوق سلیم سے ہوتا ہے جو مذکورہ بالا علوم میں طہارت سے

پیدا ہوتا ہے۔

بلاغت کی کتب کثیرہ میں عموماً تین علوم کا تذکرہ ملتا ہے:

① علم بیان ② علم معانی ③ علم بدیع

① علم بیان کے ضمن میں تشبیہ، حقیقت و مجاز، استعارہ اور کنایہ کی بحث ہوتی ہے۔

② علم معانی میں، کلام کی تقسیم خبر و انشاء کی طرف، پھر کلام خبری کی تعریف، تقسیم و اغراض کلام انشائی کی تعریف و تقسیم، وصل و فصل، قصر و ایجاز، اتناہ مساوات سے بحث کی جاتی ہے۔

③ علم بدیع میں محسنات لفظیہ و معنویہ کی بحث ہوتی ہے جن میں اقتباس، تخیل، تشابہ، مقابلہ، حسن تعلیل، اسلوب حکیم، طور یہ اور اطباق وغیرہ کی مباحث ہوتی ہیں۔

بلاغت کے عناصر لفظ اور معانی ہیں اور تالیف الفاظ انہیں قوت تاثیر اور حسن بخشی ہے۔ پھر کلمات کا انتخاب حسب مقام و مخاطب کیا جاتا ہے اور مخاطبین کے جذبات کا خیال رکھا جاتا ہے۔

درحقیقت بلاغت ایک فن ہے۔ جس کا دار و مدار استعداد فطری، دقت ادراک اور ضعف اسالیب کے امتیاز پر



عبدالکریم ابراہیم صالح

ہے۔ بلیغ اور مصور میں بس اتنا فرق ہے کہ بلیغ مسموعات کو لیتا ہے اور مصور مبصرات کو لیتا ہے اس کے علاوہ دونوں برابر ہیں۔ مصور جب کسی چیز کی تصویر بناتا ہے تو پہلے مناسب رنگوں کا انتخاب کرتا ہے پھر ان رنگوں کی آمیزش کی فکر کرتا ہے تاکہ وہ تصویر جازب نظر اور دلکش بن جائے۔

بلیغ جب کوئی قصیدہ، خطہ یا مقالہ تالیف کرنا چاہتا ہے تو ان کے اجزاء پر غور کرتا ہے اور خفیف ترین الفاظ کو لیتا اور موضوع کے مطابق جامع اور حسین ترین الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔

جب درجہ بالا تمام چیزوں سے واقفیت حاصل کر لی جائے تو پھر قراءات قرآنیہ کے متعلق اٹھنے والے اعتراضات کا جواب مل جاتا ہے اور انسان اپنے عقیدہ کی سالمیت اور اعتراضات سے اجترازیت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے، کیونکہ عقیدہ کی سالمیت ہی حقیقت میں ایمان کی سالمیت ہے جس کا عقیدہ صحیح ہوگا اس کا ایمان بھی صحیح ہوگا۔ جس طرح صوم و صلوات کی سالمیت کے لیے ایمان کی سالمیت ضروری ہے ایسے ہی ایمان کی سالمیت کے لیے عقیدے کی سالمیت ضروری ہے اور عقیدے کی سالمیت اس وقت حاصل ہوگی جب ہم قرآن و سنت پر یقین رکھیں گے اور ان پر عمل کریں گے۔ چونکہ قراءات کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہے اس لیے جو ان کو مکمل طور پر مانے گا اس کا عقیدہ اسلامی سالم ہوگا بصورت دیگر اس کو اپنے عقیدہ کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔

بلاغت کے متعلق ہم اوپر جتنی چیزیں بیان کر آئیں ہیں قرآن کریم میں وہ ساری کی ساری موجود ہیں ان کو ثابت کرنے کے لیے اب ہم قرآن مجید سے چند آیات پیش کرتے ہیں جن میں مختلف قراءات بھی ہیں اور ان قراءات سے قرآن کریم کی نہ تو بلاغت مجروح ہوتی ہے اور نہ معنویت و حکمت میں کوئی فرق پڑتا ہے۔

## تراکیب بلاغی اور فصاحت کلمہ میں قراءات کا اثر

اس میں دو چیزیں ہیں:

- ① قراءات کی تبدیلی مذکورہ مونث کے اعتبار سے۔
- ② قراءات کی تبدیلی حروف کے معانی کے اعتبار سے۔

## ① قراءات کی تبدیلی مذکورہ مونث کے اعتبار سے

اسلوب بلاغی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ یہ قراءات تذکیر تانیث کے مابین متغیر ہوتی رہتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا قرآن کریم کی اعجازی وجوہات پر الگ سے ایک اثر ہے۔

## مثالیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ [الإسراء: ۳۸]  
 ”یہ تمام (اور بیان ہونے والی) باتیں تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔“  
 اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿سَيِّئُهُ﴾ میں دو قراءاتیں ہیں:

- ① ﴿سَيِّئُهُ﴾ ہمزہ اور ہاء کے ضمہ کے ساتھ اور ’مذکر‘ کے ساتھ۔ یہ قراءت کوئیوں اور ابن عامر شامی کی ہے۔
- ② ﴿سَيِّئَةٌ﴾ ہمزہ کے فتح اور تاء تانیث مفتوحہ کے ساتھ۔ یہ قراءت ابو جعفر، نافع، ابن کثیر، ابو عمرو و بصری،

یعقوب کی ہے۔

## درج بالا قراءتوں کی توجیہ

یہ دونوں قراءتیں تو اتر کے ساتھ بغیر کسی تعارض کے منقول ہیں۔

جن قراء نے تذکیر کے ساتھ تنوین کو گرا کر ﴿سَيِّئَةٌ﴾ پڑھا ہے انہوں نے اس کو ایسا اسم پڑھا ہے جو ہائے ضمیر کی طرف مضاف ہو رہا ہے جو کہ ﴿كُلُّ ذَلِكَ﴾ کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس ﴿ذَلِكَ﴾ اسم اشارہ کا مشار الیہ یعنی اس ﴿كُلُّ ذَلِكَ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے سابقہ اوامر و نواہی کی طرف جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَٰهًا﴾ سے لے کر ﴿كُلُّ ذَلِكَ سَيِّئَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ [سورۃ الاسراء: ۱۷، الايات ص ۲۳ سے ۳۸ تک] تک بیان ہوئے ہیں۔

**اوامر میں سے:** صرف اللہ کی عبادت کی جائے، والدین کے ساتھ احسان کرنا اور ان کے سامنے عاجزی و انکساری اور نرمی کا پہلو اختیار کرنا، دعائے مغفرت کرنا، قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرنا، صلہ رحمی کرنا، سیدھی سادی گفتگو کرنا، ناپ تول میں ترازو اور توازن کو برقرار رکھنا۔ اور عہد کو پورا کرنا وغیرہ۔

## نواہی میں سے:

① ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرُهُمَا﴾ [الاسراء: ۲۳] ”والدین کو اُف بھی نہ کہا جائے اور نہ ان کو ڈانٹا جائے۔“

② ﴿وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا﴾ [الاسراء: ۲۶] ”اور نہ فضول خرچی کر، فضول خرچی کرنا۔“

③ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ﴾ [الاسراء: ۲۹] اسے کنجوسی کی طرف اشارہ کر کے کنجوسی اور بخل سے منع کرنا۔

④ ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ [الاسراء: ۲۹] اس کے ساتھ فضول خرچی کی طرف اشارہ کر کے اس سے منع فرمادیا۔

⑤ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشِيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ [الاسراء: ۳۱] اس بیان سے اولاد کے قتل سے منع کر دیا اور ساتھ بتا دیا کہ جس رزق کی وجہ سے تم اولاد کو قتل کر رہے ہو وہ رزق ہم تم کو اور تمہاری اولاد کو بذات خود دیتے ہیں۔

⑥ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ﴾ [الاسراء: ۳۲] اس قول کے ساتھ زنا، اور اس کے لوازمات سے منع فرمادیا۔

⑦ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [الاسراء: ۳۳] آپس میں قتل و غارت سے منع کر دیا اور قصاص لینے کا حکم دیا۔

⑧ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [الاسراء: ۳۴] اس کے ساتھ یتیم کا ناجائز مال کھانے سے روک کر ساتھ کھانے کے جائز ذرائع کی طرف اشارہ کر دیا۔

⑨ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [الاسراء: ۳۶] اس نبی کے ساتھ لایعنی فضول یا بے مقصد باتوں کے پیچھے پڑنے سے منع فرمادیا۔

⑩ ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا.....﴾ [الاسراء: ۳۷] اس سے تکبر اور غرور کرنے سے منع فرمایا اور ساتھ

تفسیر

اس کے ناممکن ہونے کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔

آخر میں فرمایا:

﴿كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ [الاسراء: ۳۸] کہ اوپر بیان ہونے والے تمام امور میں سے ہر ایک کا بُرا پہلو تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

### تطبیق

نو ابھی کا ارتکاب کرنا تو گناہ ہے ہی اور ناپسندیدہ بھی، لیکن اوامیر میں سے جن کو بجا نہ لایا جائے وہ اس کا بُرا پہلو ہے اور ناپسندیدہ ہے۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے خبر دی کہ بے شک ﴿سَيِّئَةٌ﴾ حقیقت میں منہی عنہ ہی ہے جو کہ تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہے گویا کہ یہ ایک خیر ہے۔

اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ سے لے کر ﴿كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئَةً﴾ تک تمام بیان ہونے والی خصائل قبیحہ جو کہ اوامرو نواہی کے مفہوم سے واضح ہوتی ہیں، جن کی تعداد تقریباً ۲۵ ہے یہ تمام تیرے رب کے ہاں مکروہ یا ناپسندیدہ ہیں۔ یعنی غصہ دلانے والی اور اس کی روکی ہوئی ہیں جن کے ارتکاب پر وہ پکڑ کرے گا۔

لغوی بحث: جس نے 'سَيِّئَةٌ' کو تانیث، نصب و تنوین کے ساتھ ﴿سَيِّئَةٌ﴾ پڑھا ہے وہ اس بنا پر کیونکہ 'سَيِّئَةٌ'، 'مکان' کی خبر ہے اور اس کا اسم وہ ضمیر ہے جو 'کل' پر لوٹ رہی ہے اور اسم اشارہ اس قراءت میں لوٹنے والا ہے ان منہیات کی طرف جو سابقہ آیتوں میں صریحاً یا ضمناً ذکر ہو چکی ہیں اور 'عند ربك' یہ متعلق ہے 'مکروہا' کا اور مکروہاً خبر بعد الخبر ہے۔

اس قراءت پر معنی کیا ہوگا؟

گذشتہ بیان ہونے والی تمام منہیات جیسے شرک، عقوق الوالدین، اولاد کا قتل آخر تک یہ سبیئہ میں داخل ہیں اور تیرے رب کے ہاں مکروہ، اور عتاب و غضب کی موجب ہیں۔

### تنوع قراءتین سے مرتب ہونے والی اعجازی وجہ

جیسا کہ ہم گذشتہ کلام میں ذکر کر آئے ہیں کہ بے شک قراءت تنوین 'سَيِّئَةٌ' یہ فائدہ دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول 'کل ذلك' اوامر کے علاوہ منہیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اور رہی دوسری قراءت اضافت کے ساتھ 'سَيِّئَةٌ' کی تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ 'ذلك' میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اوامر کی نافرمانی اور نواہی کے ارتکاب سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہ ہے اعجاز بیان کی وجوہ میں سے ایک وجہ۔

### قراءت اور حروف و معانی کی تبدیلی اور مختلف دلائل میں اس کا اثر

بے شک قضیہ تناوب (ایک حرف کا دوسرے کو نائب بنانا اور معنی کا معنی کو) ان قضیوں میں سے ہے جن میں لغت

کے جدید و قدیم دونوں قسم کے علماء مشغول رہے ہیں۔

① اکثر بصری نحوی اس بات کے قائل ہیں کہ حرف میں اصل یہ ہے کہ وہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے جس کے لیے وہ وضع کیا گیا ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسرے معنی پر دلالت نہیں کرتا۔ [الإنصاف في مسائل الخلاف: ۲۸۱/۲]

② کوئی علماء نحو کہتے ہیں کہ حرف کو ایک معنی پر منحصر کرنا صحیح نہیں (یا محال ہے) اور انہوں نے استدلال کیا ہے ان مثالوں سے جو قرآن کریم یا کلام عرب میں وارد ہوئی ہیں۔

[الإنصاف أيضاً، معاني القرآن للأخفش: ۵۱۱، الکامل: ۲۳۲/۶]

یہ دونوں قول محل نظر ہیں۔ جس نے ایک حرف کو ایک معنی پر منحصر کر دیا ہے اس نے تاویل (جو اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں) میں اسراف سے کام لیا ہے اور جس نے مطلق طور پر اجازت دے دی ہے اس نے لازمی طور پر اس مثال: 'سرت إلى فلان وهو يقصد معه' کو جائز قرار دے دیا ہے۔ جب معاملہ ایسا ہے تو ایسی وجہ سے ابن جنی البصری نے ایک باب باقاعدہ اس عنوان سے قائم کیا ہے: 'باب في استعمال الحرف بعضها مكان البعض'، یہ باب ہے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف لانے کا، اور اس میں یہ ذکر کیا کہ اس قاعدے یا اصول کو لوگوں نے عاریۃً بڑی باریک بینی سے قبول کیا ہے اور بطور شواہد باقاعدہ اس میں ایسی مثالیں ذکر کیں جن میں معانی حروف کے درمیان ایک دوسرے کے نائب بنتے ہیں۔

پھر ابن جنی نے قرآن اور اشعار کے ان اسالیب (جن میں حروف اپنے موضوع لہ معنی کے علاوہ استعمال ہوئے ہیں) کا حل بھی بتایا ہے۔

فرماتے ہیں: حرف جو عنقریب تیرے سامنے آئے گا اس کو اس کے باب سے نکال کر دوسرے باب میں استعمال کیا گیا ہے۔ [الخصائص: ۲۶۵/۲، الجني الداني: ۲۳۱]

اب ہم اس مثال کو پیش کرتے ہیں جس میں حروف و معانی کا تناسب ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک پر ایک اعجازی وجہ مرتب ہوتی ہے۔

## مثال

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿أَوْ أَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يُلْعَبُونَ﴾ [الاعراف: ۹۸]

”یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا (مضبوط ہاتھ) عذاب یکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کھیل رہے ہوں گے؟“

پس اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿أَوْ أَمِنَ﴾ میں دو قراءتیں ہیں:

① ﴿أَوْ أَمِنَ﴾ واؤ کے سکون کے ساتھ یہ قراءت مدنی قراء ابن کثیر کی اور ابن عامر شامی کی ہے۔

② ﴿أَوْ أَمِنَ﴾ واؤ کے فتح کے ساتھ یہ باقی قراءت کی قراءت ہے۔ [کتاب السبعة: ۲۸۶، النشر: ۲۷۰/۲]

## درج بالا قراءتوں کی توجیہ

① جب سکون والی قراءت کا اعتبار کیا جائے واؤ حرف عطف اس وقت اس کے معنی ہوگا تقسیم اور تنويع کا اور معنی اس وقت ہوگا ”کیا بہت سی بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس رات کے وقت ہماری پکڑ آئے

عبدالکریم ابراہیم صالح

اس حال میں کہ وہ سوئے ہوئے ہوں یا وہ اطمینان میں ہیں اس بات سے کہ ان پر ہمارا عذاب دن میں اس وقت آئے جب یہ کھیل رہے ہوں۔ یعنی کیا وہ ان دونوں پکڑوں میں سے کسی ایک سے اطمینان پکڑ بیٹھے ہیں۔ اب ہم ان کے انکار کی دونوں وجوہ کو بیان کرتے ہیں:

② اگر حرف عطف مانیں تو معنی ہوگا کہ کیا وہ بے خوف ہیں رات یا دن کے وقت عذاب کے آنے سے۔

[اتحاف فضلاء البشر والنشر: ۵۴۱۲، المحرر الوجیز: ۴۳۲۲]

یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی اباحت و تخیر کا کیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَلَا تَطْعَمُ مِنْهُمْ كَيْفًا أَوْ كَفُورًا﴾ [الانسان: ۲۴]

”یعنی نہ تو اطاعت کر اس قسم کے لوگوں کی (جن کی طرف اشارہ ہے)“

معنی ہوگا ”اگر تم ایک پکڑ سے اطمینان پکڑ لو گے تو دوسری سے بھی اطمینان مت پکڑو۔“

[الحجة لأبي علي: ۵۴/۴، الجامع الأحكام القرآن: ۲۵۳/۷]

② ﴿أَوْ﴾ واؤ کے فتح کے ساتھ۔

یہ واؤ عاطفہ ہے اور اس پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہے جیسا کہ وہ ’ثم‘ پر داخل ہو جاتا ہے۔ مثال اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿إِنَّكُمْ إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنٌ مِنْكُمْ بِهِ﴾ [یونس: ۵۱]

ثم حرف عطف پر ہمزہ جو ہم معنی استفہام انکاری ہے، داخل ہوا ہے۔

اسی کی مثل: ﴿أَوْ كَلَّمَا عَهْدًا وَعَهْدًا نَبَدَا فَرِيقًا مِنْهُمْ﴾ [لقمہ: ۱۰۰]

﴿أَوْ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتُونَ الْكُرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا﴾ [الاعراف: ۱۰۰]

تو ان تمام مثالوں کے پیچ نظر ’أَوْ‘ امن اهل القرى..... کا معنی ہوگا کہ کیا وہ دونوں (لیل و نہار) کی پکڑ سے بے خوف ہو گئے ہیں۔

## درج بالا قراءتوں کی توجیہ

پہلی قراءت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہمزہ ہے جو کہ عاطف کا ایسا جزء ہے جو استفہام کا فائدہ دیتا ہے۔ اس وجہ سے یہ لیل و نہار کے عذاب میں سے ایک کے امن سے انکار کرنے کا فائدہ دیتی ہے۔

دوسری قراءت میں ہمزہ استفہام کا ہے جو کہ واؤ عاطفہ پر داخل ہوا ہے۔ اسی بنا پر یہ قراءت عذاب کی دونوں ضربوں (لیل و نہار) کے برابر ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔

اسی بنا پر اس کی یہ دلالت اعجاز بیانی پر دلالت عزمیہ ہے جو کہ قراءت متواترہ سے ثابت ہوتی ہے۔

## ① تنوع اسالیب بیان

مختلف اغراض و مقاصد کے لیے مختلف اسالیب بیان کا استعمال عربی زبان کا طرہ امتیاز ہے۔ یاد رہے کہ لغت عرب میں جملے کی اس اعتبار سے دو قسمیں ہوتی ہیں:

① جملہ خبریہ ② جملہ انشائیہ

### ① جملہ خبریہ

قرآنی استعمال سے قطع نظر جملہ خبریہ ایسے جملے کو کہتے ہیں جس میں سچ اور جھوٹ دونوں احتمال موجود ہوں۔

### ② جملہ انشائیہ

جس کلام میں صدق و کذب دونوں احتمالات نہ ہوں اسے انشائیہ جملہ کہتے ہیں۔ لیکن جملے کی اس تقسیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مذکورہ دونوں اسالیب کلام ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال نہیں کئے جاسکتے بلکہ یہ تو کلام عرب کی خصوصیت ہے اور کائنات کا مبلغ ترین کلام اس کا بہترین شاہد ہے۔ چنانچہ مختلف قراءات میں مختلف اسالیب استعمال ہوتے ہیں، کیونکہ ہر اسلوب کا ایک خاص مقام اور تاکید ہوتی ہے لہذا ایک ہی آیت میں مختلف قراءات سے تنوع اسالیب پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے واضح ہے۔

### قراءۃ اور تنوع اسالیب بیان میں اس کا اثر

اس میں درج ذیل چیزیں ہیں:

- ① اسلوب خبر و استفہام کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔
- ② اسلوب خبر و امر کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔
- ③ اسلوب خبر و نہی کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔
- ④ فعل کے مفرد، جمع کی طرف مسند ہونے کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔
- ⑤ صیغہ خطاب کی صیغہ متکلم کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔

### ① خبر و استفہام کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی

#### مثال نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَلَا تَوْمَنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [آل عمران: ۷۳]

”اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم دیئے گئے ہو، یا یہ کہ یہ تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے اسے دے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ﴾ میں دو قراءتیں ہیں:

① ﴿أَنْ يُؤْتَىٰ﴾ ایک ہمزہ کے ساتھ یہ جمہور قراءت کی قراءت ہے۔

② ﴿أَنَّ يُؤْتَىٰ﴾ وہ ہمزہ کے ساتھ یہ ابن کثیر کی قراءت ہے۔ [السبعة لابن مجاهد: ۲۰۷، النشر: ۶۲۱/۲]

## درج بالا قراءتوں کی توجیہ

جمہور کی قراءت خبر کا فائدہ دیتی ہے۔ ابن کثیر کی قراءت استفہام کا فائدہ دیتی ہیں۔ اس خبر و استفہام کی دلالت ایسی تو بیخ اور انکار پر ہے جو کہ ملتئیں ہے اس نبی کو جو آیت کریمہ کی ابتداء میں آئی ہے۔

امام زحتری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿أَنْ يُّؤْتَى﴾ متصل ہے رسول کے مقولہ ”قُلْ إِنْ أَلْهَدَى اللَّهُ هَدَى اللَّهُ“ کے ساتھ اس کا معنی یہ ہوگا: ”أَنْ مَا بَكُمْ فِي الْحَسَدِ وَالْبَغْيِ - أَنْ يُّؤْتَى أَحَدٌ مَثَلٌ مَا أَوْتَيْتُمْ فِي فَضْلِ الْعِلْمِ وَالْكِتَابِ دَعَاكُمْ إِلَى أَنْ قَلْتُمْ مَا قَلْتُمْ“ یعنی اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب و علم کی صورت میں فضل مل گیا ہے تو تم حسد اور بغاوت پر کیوں اتر آئے ہو، اور جب اس رسول نے تم کو اس کتاب و علم کی دعوت دی تو تم نے وہ کچھ کہا جو تم کہہ سکتے تھے۔“

اس پر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ﴿أَنْ يُّؤْتَى أَحَدٌ﴾ دلیل ہے۔

مخاطبت اور تو بیخ کے لیے ہمزہ استفہام زیادہ کر دیا گیا۔ [الکشاف: ۱/ ۳۷۴، البحر المحیط: ۲/ ۴۹۴]

## وجہ اعجازی

گذشتہ صفحات میں بھی ہم بیان کر آئے ہیں کہ تنوع قراءت اعجازات کی وجہ میں سے ایک وجہ ہے جو اسلوب قرآنی سے ظاہر ہوتی ہے۔ جمہور کی قراءت نے یہ فائدہ دیا ہے کہ اگر ادوات استفہام کو سیاق پر دلالت کرنے کے بعد حذف کر دیا جائے تو کلام پھر بھی استفہام انکاری کا فائدہ دیتی ہے۔

ابن کثیر کی قراءت نے جمہور کی قراءت میں پانے جانے والے استفہام کے انکار میں مکمل طور پر تاکید کا فائدہ دیا۔

## مثال نمبر ۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ﴾ [الاعراف: ۱۱۳]

اس آیت مبارکہ میں ﴿إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا﴾ کو دو طرح پڑھا جاتا ہے۔

**الف** ﴿إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا﴾ (اسلوب خبر کے ساتھ)

**ب** ﴿إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا﴾ (اسلوب استفہام کے ساتھ)

دونوں قراءت تو اتر کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور دونوں کے معنی میں کسی قسم کا تناقض نہیں۔ ہمارے ہاں معروف قراءت اسلوب خبر والی ہے جس سے جادوگروں کی خود اعتمادی واضح ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری قراءت سے پتہ چلتا ہے کہ جادوگروں نے فرعون سے پوچھا کہ اگر وہ غالب آجائیں تو انہیں کیا انعام ملے گا؟ اس قراءت سے اس آیت کا اگلی آیت کے ساتھ ربط زیادہ واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ فرعون نے جواب میں ”نعم“ کہا تھا: ﴿قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ اور ”نعم“ سوال کے جواب میں ہی کہا جاتا ہے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ تبدیلی قراءت سے قرآن کی معنویت اور حکمت مجروح نہیں ہوتی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

## ۲ اسلوب خبر و نبی کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی

### مثال نمبر ۱

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ [البقرة: ۱۱۹]

اس آیت مبارکہ میں ﴿وَلَا تُسْئَلُ﴾ کو دو طرح پڑھا جاسکتا ہے۔

**الف** ﴿وَلَا تُسْئَلُ﴾ (اسلوب خبر کے ساتھ)

**ب** ﴿وَلَا تُسْئَلُ﴾ (اسلوب نبی کے ساتھ)

**پہلی قراءت** کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ کی ذمہ داری محض ابلاغ ہے اگر یہ نہیں مانتے تو آپ ذمہ دار نہیں۔

**جبکہ دوسری قراءت** کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو اتمام حجت کے لیے بھیجا ہے اگر یہ لوگ نہیں مانتے

تو جہنم میں جائیں گے۔ اور نہ پوچھیں جہنم میں ان کی حالت کس قدر بُری ہوگی جیسا کہ ہمارے ہاں جب کوئی

شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اس کے متعلق خبر دینے والا کہتا ہے: ”نہ پوچھو اس کی حالت کیسی ہے“ گویا پہلی

قراءت سے محض رسول اللہ ﷺ کا بری الذمہ ہونا ثابت ہوتا ہے جبکہ دوسری قراءت سے کفار کی ہٹ دھرمی کی

وجہ سے ان کے انجام بد کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ جو کہ پیغمبر علیہ السلام کے لیے مزید تسلی کا باعث تھا۔

### مثال نمبر ۲

ارشاد ربانی ہے:

﴿مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ [الکہف: ۲۶]

﴿وَلَا يُشْرِكُ﴾ میں دو متواتر قراءات ہیں۔

**الف** ﴿وَلَا تُشْرِكُ﴾ (صیغہ مخاطب کے ساتھ) (اسلوب نبی کے ساتھ) یہ ابن عامر شامی کی قراءت ہے۔

**ب** ﴿وَلَا يُشْرِكُ﴾ (صیغہ غائب کے ساتھ)۔ (اسلوب خبر کے ساتھ) یہ باقی قراءت کی قراءت ہے۔

[التبصرة لمکی: ۲۳۸، الاتحاف: ۲۱۳/۲]

### درج بالا قراءتوں کی توجیہ

**پہلی قراءت** خطاب میں ’لا‘ نہی کا ہے اور نہی کا تعلق ہر شرعی مکلف کے ساتھ ہے اور ’منہی عنہ‘ شرک ہے۔

اس وقت معنی ہوگا: ”اے مکلف انسان اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو شریک مت بنا“ اور یہ نبی صرف نبی ﷺ

کے لیے نہیں بلکہ دیگر تمام لوگوں کو شامل ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: ”إياك أعني واسمعي يا جاره فيكون ماله

إلى ذلك“

اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ اس سے مراد نبی ﷺ کی ذات لی جائے اس وقت یہ معطوف ہوگا اللہ تعالیٰ کے

قول ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا﴾ [الکہف: ۲۳] یا اس کا عطف ہوگا اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ﴿واذکر

ربک إذا نسیت﴾ [الکہف: ۲۳]



عبدالکریم ابراہیم صالح

جب ایسا ہے تو پھر معنی ہوگا اے محمد ﷺ! آپ کسی ایک سے سوال نہ کریں ان چیزوں کے بارے میں جو کہ اصحاب کہف کے قصہ میں سے ہیں۔ [الجامع لأحكام القرآن: ۳۸۸/۱۰، فتح القدیر للشوکانی: ۲۷۹/۳]

**دوسری قراءت** (صیغہ غائب کے ساتھ) ہو تو اس میں ’ہو‘ ضمیر مقرر ہوگی جو کہ ’یُشْرِكُ‘ کا فاعل ہوگا۔ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف لوٹے گی: ﴿قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا﴾ [اکہف: ۲۶]

گویا یہ ایک ایسا جملہ ہے جس کا نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کو ادا کریں۔ کلام غیبی بت کے طریق سے اس وجہ سے لائی گئی، کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ﴾ ہے۔ اس قراءت کے مطابق اس آیت کا معنی ہوگا۔

○ عزاج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جب اللہ تعالیٰ علم و قدرت والے ہیں تو پھر وہ اپنے عالم الغیب کی انفرادیت اور واحدانیت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔“

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ [الجن: ۲۶، معانی القرآن و اعرابہ: ۲۸۰/۳]

○ سدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ کا مطلب ہے۔

”ولا يشاور في أمره وقضائه أحداً“۔ [حجة القراءات لابن زنجلة: ۲۱۵]

## بلاغی اعجاز

- ① قراءت ابن عامر میں اسلوب خطابي ہے جس میں انسانوں کو مخاطب کر کے شرک سے منع کیا گیا ہے۔
- ② جمہوری قراءت میں اسلوب خبر ہے۔ جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے ”کہ وہ رب العالمین کی نفی کر رہے ہیں اس بات کی کہ میرے ساتھ میرے حکم و قدر میں کوئی شریک نہیں اور نہ میں پسند کرتا ہوں کہ کسی کو اپنے حکم میں شریک کروں۔“

لہذا ان دونوں قراءت سے قرآن کریم کا اعجاز بلاغی ثابت ہو رہا ہے جو کہ معترضین کے منہ پر ٹھانچا ہے۔ ثابت ہوا کہ قراءت قرآنیہ سے قرآن کی معنویت اور حکمت مجروح نہیں ہوتی بلکہ متحقق ہوتی ہے۔

## ③ اسلوب خبر و امر کے اعتبار سے قراءت کی تبدیلی

کبھی قراءت میں تبدیلی اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ ایک سے مطلق خبر دینا جبکہ دوسری سے ’امر‘ مراد ہوتا ہے۔

## مثال نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلِ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ [انبیاء: ۴]

لفظ ﴿قُلِ﴾ میں دو قراءت ہیں۔

**الف** ﴿قُلْ﴾ (اسلوب خبر کے ساتھ)

**ب** ﴿قُلْ﴾ (اسلوب امر کے ساتھ)

پہلی قراءت میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی بات کو نقل فرمایا ہے، جبکہ دوسری قراءت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دیا تھا کہ میرا رب آسمانوں اور زمین میں ہونے والی ہر بات کو جانتا ہے۔ دونوں قراءات کے معنی میں کوئی تضاد نہیں بلکہ دوسری قراءت سے واقعہ مزید واضح ہو جاتا ہے، وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی اکرم ﷺ کو مذکورہ بات کہنے کا حکم دیا تو پھر محمد ﷺ نے یہ کلمات ادا فرمائے اور پتہ چلا کہ رسول اکرم ﷺ وحی کے بغیر نہیں بولتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہی کلام فرمایا کرتے۔ جبکہ ہمارے ہاں پہلی قراءت زیادہ معروف ہے۔

### ’انجاز بلاغی‘

ان دونوں قراءات میں اگر صیغہ امر کا اعتبار کریں تو پھر معنی ہوگا کہ ان مشرکین نے اس قول ﴿قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ [الانبیاء: ۴] کو چھپایا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مطلع کر دیا اور حکم دیا کہ اے محمد ﷺ آپ ان کو کہیں: ﴿قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ ”کہ میرا رب تو آسمانوں و زمین کی باتوں کو جانتا ہے۔“ [الجامع لاحکام القرآن: ۲۷/۱۱، فتح القدیر للشوکانی: ۳۹۸/۳]

### خلاصہ کلام

ان دونوں قراءتوں کو نبی ﷺ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے پڑھا لہذا یہ دونوں بمنزلہ دو آیتوں کے ہیں۔ فائدہ: نبی ﷺ کو حکم دیا گیا اور آپ ﷺ نے ’قال کما أمر‘، کہا جس طرح حکم دیا گیا۔

### مثال نمبر ۲

إرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ﴾ [الانبیاء: ۱۱۴]

اس میں دو قراءتیں ہیں:

**الف** ﴿قُلْ رَبِّ﴾ (صیغہ فعل ماضی کے ساتھ)

یہ قراءت حفص عن عاصم ہے۔

**ب** ﴿قُلْ رَبِّ﴾ (صیغہ امر حاضر کے ساتھ)

یہ قراءت حفص کے علاوہ باقی قراءت کی ہے۔

### درج بالا قراءتوں کی توجیہ

صیغہ فعل ماضی کے ساتھ ’قال‘ پڑھنے والوں نے اس قول کو اُرسلنک کی ضمیر کا مسند بنایا ہے جس کا ذکر گذشتہ آیتوں میں گذر چکا ہے۔

إرشاد ربانی ہے:

عبدالکریم ابراہیم صالح

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴾ [الانبیاء: ۱۰۷]

اگر اس قول کا اعتبار کیا جائے تو پھر یہ خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی جس کو اس کے رسول نے اپنی دعا میں کہا:

رَبِّ أَحْكَمْ بِالْحَقِّ [معانی القراءات: ۱۷۳/۲]

دوسری قراءۃ (صیغہ امر حاضر) کے ساتھ۔

اس میں یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم ﷺ کو ہوگا کہ وہ کہہ دیں «رَبِّي أَحْكَمْ بِالْحَقِّ» "اے

اللہ! میرے اور ان جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کر دے اور ان کے خلاف میری مدد فرما۔"

[معانی القرآن وإعرابه للزجاج: ۸/۳، الجامع لأحكام القرآن: ۳۵۱/۱۱]

## اعجازِ بلاغی

ہر قراءت میں ایک ایسی دلالت ہوتی ہے جو بلاغت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس درجہ بالا مثال میں بھی جمہور کی قراءۃ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ کہیں «رَبِّي أَحْكَمْ بِالْحَقِّ» اور حفص کی قراءۃ میں 'فقال' امر کونفل ماضی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۷ فعل کے مفرد و جمع کی طرف مسند ہونے کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی:

## مثال نمبر ۱

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَعْيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يَنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا

اللَّهِ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾ [المائدہ: ۱۱۳]

﴿ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ ﴾ میں دو متواتر قراءات ہیں۔

**الف** ﴿ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ ﴾ (صیغہ غائب کے ساتھ)

**ب** ﴿ هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبُّكَ ﴾ (صیغہ خطاب کے ساتھ)

**پہلی قراءت** کے مطابق معنی یہ بنتا ہے کہ حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا آپ کا رب آسمان سے ہمارے لیے دسترخوان نازل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کامل یقین رکھتے تھے لیکن انہوں نے یہ مطالبہ اس لیے کیا تا کہ ایمان مزید پختہ ہو جائے۔

**جبکہ دوسری قراءت** میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعظیم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں استطاعت کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف

کی گئی ہے اور حواریوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے پیش نظر ایسا کیا۔ حالانکہ ہمارے ہاں پہلی قراءت زیادہ معروف ہے۔

## مثال نمبر ۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَتَرَكِبْنَ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴾ [الانشقاق: ۱۹]

اس میں دو قراءتیں ہیں۔

**الف** ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ (باء کے ضمہ کے ساتھ)

یہ قراءت بصری، مدنی، قراء اور ابن عامر، عاصم کی ہے۔

**ب** ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ (باء کے فتح کے ساتھ)

یہ قراءت ابن کثیر، کسائی، حمزہ اور خلف العاشری کی ہے۔

[المبسوط في القراءات العشر: ۴۰۰، النشر: ۳۹۹/۲، اتحاف: ۶۰۰/۲]

## درج بالا قراءتوں کی توجیہ

**پہلی قراءت** میں ضمہ لانے کے ساتھ جنس کو متوجہ کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِرٌ﴾ [الانشقاق: ۶۱] میں موجود باء، حرف ندا کا تعلق جنس کے ساتھ ہے۔ اس لفظ کا اصل ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ ہے۔ پس دوسرا کن اکٹھے ہوئے واؤ کو حذف کر دیا بقاء کو ضمہ دیا، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہاں واؤ موجود تھی۔ اور یہ 'لَتَرْكَبُنَّ' ہو گیا۔ معنی اس وقت ہوگا "لَتَرْكَبُنَّ أَيُّهَا النَّاسُ طَبَقًا عَن طَبَقٍ" یعنی 'حالا بعد حال' اے لوگو! تمہیں ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرتے چلے جانا ہے۔"

'عن' یہاں بمعنی 'بعد' ہے۔ یعنی تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں ہو گے۔ اور لفظ 'عن' 'مجاوزہ' گزرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی 'لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا مَجَاوِزًا مِّنْ طَبَقٍ' البتہ تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرنے والے ہو۔

**دوسری قراءت:** (باء کے فتح کے ساتھ)

یہ اسلوب خطابی کے قبیل سے ہے۔ اس میں خطاب کن لوگوں کو ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

**جمہور:** اس سے مراد نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے اور وہ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، جو کہ مجاہد رضی اللہ عنہ ان سے نقل کرتے ہیں، میں فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ﴾ ای 'حالا' کہ طَبَقٍ بمعنی حالت کے ہے اور اس سے مراد نبی ﷺ کی ذات اقدس یعنی آپ ﷺ کی زندگی مطہرہ ہے۔

② دوسرا معنی یہ بھی بیان کیا ہے کہ اے نبی ﷺ تم کفار کے ساتھ مقابلہ میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف درجہ بدرجہ گذرتے چلے جاؤ گے۔"

③ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے اللہ کا اپنے نبی ﷺ سے فتح و نصرت کا وعدہ ہے۔ معنی اس وقت ہوگا 'لَتَرْكَبُنَّ مِّنْ فَتْحٍ إِلَى فَتْحٍ' البتہ تم ایک فتح کے بعد دوسری فتح کی طرف بڑھو گے 'وَلتصيرن من نصر إلی نصر' اور تم ایک مدد کے بعد دوسری مدد کے جاؤ گے"

امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'لَتَرْكَبُنَّ سَمَاءً بَعْدَ سَمَاءٍ' "تم درجہ بدرجہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاؤ گے۔"

اس میں واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ اور بھی بے شمار معانی علماء، مفسرین نے بیان کئے ہیں جن کو ہم اختصار کے پیش نظر چھوڑ رہے ہیں۔

بسم اللہ

عبدالکریم ابراہیم صالح

آخر میں امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ (ت: ۶۰۶ھ) کا قول بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: ”کہ دوسری قراءت میں آسمان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس وقت متنی ہوگا لترکبن السماء یوم القيامة حالة بعد حالة، کہ قیمت کے دن آسمان درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتا چلا جائے گا۔“ پھر اس کے بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت یوں بیان کی: ”یہ اس وجہ سے ہے، کیونکہ پہلے آسمان میں شغاف پیدا ہوں گے۔“

ارشاد ربانی ہے: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ [الانشقاق: ۱] ”پھر وہ پھٹ پڑے گا۔“  
 ارشاد ربانی ہے: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ [الانفطار: ۱] ”پھر وہ لال چھڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔“  
 ارشاد ربانی ہے: ﴿وَرُدَّةٌ كَاللِّهَانِ﴾ [الرحمن: ۳۷] ”یہ ہے آسمان کا درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جانا“ اور یہ وجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [التفسیر الکبیر: ۳۰۵/۳۱]  
**نوٹ:** جب آسمان مراد لیے جائیں تو اس وقت لترکبن میں تاء تانیث کی ہوگی۔

## اعجاز بلاغی

گذشتہ دونوں قراءتوں میں سے ہر ایک نے دوسری سے الگ فائدہ دیا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر قراءت میں کئی دلائل اور اعتبارات کا احتمال رہتا ہے۔ اگر صرف ایک لفظ کا اعتبار کیا جاتا اور دوسری قراءت کو چھوڑ دیا جاتا تو پھر ایک آیت سے ایک ہی دلالت ثابت ہوتی لہذا قرآن کا اعجاز بلاغی کھل کر معترضین کے سامنے آ گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ قراءت قرآن کی معنویت اور حکمت کو مجروح نہیں کرتیں بلکہ مزید تقویت دیتی ہیں اور پڑھنے، سننے والے کے سامنے قرآن کا مقصود اور سیاق و سباق واضح ہو جاتا ہے۔

## ۵ صیغہ خطاب کی صیغہ متکلم کے اعتبار سے قراءت کی تبدیلی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ﴾ [الصافات: ۱۲]

﴿بَلْ عَجِبْتَ﴾ میں درج ذیل دو قراءات ہیں۔

**الف** ﴿بَلْ عَجِبْتَ﴾ (صیغہ خطاب کے ساتھ)

**ب** ﴿بَلْ عَجِبْتُ﴾ (صیغہ متکلم کے ساتھ)

**پہلی قراءت** میں تعجب کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے صریح دلائل کے باوجود انکار آخرت پر تعجب کرتے ہیں اور وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جبکہ صیغہ متکلم والی قراءت میں تعجب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جس سے ان کے انکار آخرت کے جرم کی سنگینی اور بڑھ جاتی ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صفت تعجب کی نسبت جائز ہے لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ کا دیکھنا، سنا، کلام کرنا وغیرہ اور دیگر صفات ہمارے جیسی نہیں۔ ایسے ہی اس کا تعجب بھی ہمارے تعجب کی طرح نہیں۔ چونکہ قرآن و حدیث سے اللہ تعالیٰ کی طرف صفت تعجب کی نسبت ثابت ہے لہذا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو ماننا واجب ہے البتہ ہم

اس کی کیفیت بیان نہیں کرتے اور نہ ہی اسے بندوں کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔  
احادیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت تعجب کا اثبات ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:  
”فَقَالَ ﷺ: «ضَحِكَ اللَّهُ اللَّيْلَةَ أَوْ عَجِبَ مِنْ فَعَالِكُمَا» . [صحیح بخاری: ۳۷۹۸]

## ۲) کلام کی صفت ایجاز اور قراءات

### ایجاز کی تعریف

کثیر معانی کو تھوڑے الفاظ میں اس طرح سمودینا کہ مقصود بھی پوری طرح واضح ہو جائے۔  
کسی کے کلام میں ایجاز کا ہونا اس کے کمال، عقلی برتری اور زبان و فکر پر اس کی قدرت کی دلیل ہوتا ہے۔  
ایجاز کی ضد اطباب ہے یعنی قلیل معانی کو کثیر الفاظ میں بیان کرنا۔ دونوں اسالیب کا استعمال موقع و محل کی  
مناسبت سے کلام کو بلوغ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک جاہل شخص سے بات کرتے ہوئے ایجاز کا استعمال اور ایک عالم کے  
ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اطباب کو اختیار کرنا کلام کا نقص ہوگا۔

قراءات سے قرآن کریم میں یہ دونوں صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور ایک ہی لفظ کو دو مختلف قراءات میں پڑھنے  
سے دو مستقل مفاہیم حاصل ہوتے ہیں۔ متعدد قراءات سے پیدا ہونے والے یہ تمام مفاہیم ہی معتبر اور موقع و محل کے  
مطابق ہوتے ہیں۔

ذیل میں ہم مثالوں سے وضاحت کرتے ہیں کہ قراءات کس طرح ان دونوں اسالیب کو قرآن کریم میں جمع  
کر کے اس کی بلاغت میں اضافہ کرتی ہیں:

## ۱) مضارع کے صیغہ خطاب کی صیغہ غائب سے تبدیلی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكِن قَاتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَتَّمْ لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ [آل عمران: ۱۵۷]  
﴿مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ میں دو قراءتیں ہیں۔

**الف** ﴿مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (صیغہ غائب کے ساتھ)

**ب** ﴿مِمَّا تَجْمَعُونَ﴾ (صیغہ خطاب کے ساتھ)

دونوں قراءات کو جمع کرنے سے معنی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور  
رحمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جنہیں تم یا وہ (جہاد پر نہ آنے والے) جمع کرتے ہیں۔ فعل کو کبھی ”تا“ اور کبھی  
”یا“ کے ساتھ پڑھنا ”ایجاز“ کی ہی صورت ہے، کیونکہ اس طرح دونوں فریقوں کو الگ الگ الفاظ کے ساتھ متعین  
کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ چنانچہ صیغہ غائب کے ساتھ پڑھنے سے معنی یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان! اگر تم جنگ و  
جہاد میں شہید ہو جاؤ یا تم جہاد کی تمنا رکھنے کے باوجود موقع نہ پاسکو اور تمہیں طبعی موت آ جائے، دونوں صورت  
میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت ہے جو اس متاع حیات دنیوی سے کہیں بہتر ہے جس کو جمع کرنے کی  
خاطر تم میں سے کچھ لوگ جہاد کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جبکہ صیغہ خطاب والی قراءت کا معنی یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان!

عبدالکریم ابراہیم صالح

موت کا سبب صرف جہاد ہی نہیں، بلکہ یہ تو ہر حال میں آ کر ہی رہے گی لیکن اگر یہی موت تمہیں راہِ خدا میں آگئی تو اس کے بدلے میں تمہیں جو اللہ کی مغفرت، رحمت اور شہادت ملے گی وہ دنیا کے ان عارضی فوائد سے حد درجہ بہتر ہے جن کو جمع کرنے کی خاطر تم تک دو اور محنت و مشقت کرتے ہو۔

## ۲ نفل کے کسی حرف کو مشدود یا مخفف پڑھنے کی تبدیلی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَمِلْنَا أَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى

السَّامِرِيُّ ﴾ [طہ: ۸۷]

لفظ ﴿ حَمِلْنَا ﴾ میں دو قراءتیں ہیں۔

**الف** ﴿ حَمِلْنَا ﴾ (صیغہ مجہول اور میم مشدود کے ساتھ)

**ب** ﴿ حَمِلْنَا ﴾ (صیغہ معروف اور میم مخفف کے ساتھ)

**پہلی قراءت** کا معنی یہ بنتا ہے کہ قوم موسیٰ کو سامری نے مجبور کیا اور ابھارا تھا کہ وہ زیورات اکٹھے کریں تاکہ پھٹرا بنایا جاسکے۔

**جبکہ دوسری قراءت** کا معنی یہ ہے کہ قوم موسیٰ کے لوگوں نے خود ہی زیورات اکٹھے کئے۔

ان دونوں معنایں میں تناقض نہیں بلکہ ان کو جمع کرنے سے معنی یہ بنتا ہے کہ سامری نے انہیں اس کام پر تیار کیا وہ اس کے دھوکے میں آگئے اور برضا و رغبت یہ کام کیا۔ لہذا دونوں قراءات واقعہ کی وضاحت اور تفصیل میں باہم معاون ثابت ہوتی ہیں۔

بلاشبہ ان تمام تفصیلات کو ایک ہی لفظ میں سمودینا ایجاز کی ہی صورت ہے جس کا حصول اس لفظ کو دونوں قراءتوں کے ساتھ پڑھے بغیر ممکن نہیں تو ثابت ہوا کہ قراءات اپنے اس ایجاز کی وجہ سے اعجاز قرآنی کا مظہر ہیں۔

## ۳ قراءات اور ”التفات“

ساح کے مزاج میں تازگی اور نشاط پیدا کرنے کے لیے عام طور پر عرب لوگ اپنی باتوں میں رنگینی پیدا کرتے ہیں اور اچانک کلام کا رخ غیابت سے حضور کی طرف اور حضور سے تکلم کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

① ﴿ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَثَبِيرٌ سَحَابًا فَسَقَطَتْهُ ..... ﴾ [فاطر: 9]

”اللہ ذات ہے جو ہواؤں کو چھوڑتا ہے۔ پس وہ بادل اٹھاتی ہیں۔ پس ہم اس کو کسی مردہ شہر کے لیے ہانک دیتے ہیں۔“

امراء القیس کا ایک شعر ہے:

تطاول	لیلک	بالأحمد	و نام الخلی ولم ترقد
وبات	وباتت	له لیلۃ	کلیلة ذی العائر الأرمد
وذلك	من نبیا	جاءنی	و خبرته عن أبی الأسود

”اے میری جان مقام اٹھ میں تیری رات بڑی طویل ہو گئی ہے۔ محبت سے خالی لوگ تو سوچکے ہیں لیکن تو جاگ رہا ہے۔ اور اس نے رات بسر کی اور اس کی رات نے بھی۔ جس طرح آنکھ میں تنکا پڑنے والا اور آشوب چشم میں مبتلا شخص کرتا ہے۔ اور یہ خبر میرے پاس آئی ہے اور مجھے ابولا سود کی موت کی خبر دی گئی ہے۔“

### درج بالا قراءتوں کی توجیہ

لیلک میں شاعر اپنے نفس سے خطاب کرتا ہے۔ بات میں شاعر اپنے آپ کو غائب قرار دیتا ہے۔ جاءنی میں شاعر اپنے کو متکلم بناتا ہے۔

### التفات کی صورتیں

جمہور بلاغین التفات کو چھ صورتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔  
جیسا کہ ہم جمل طور پر پہلے بیان کر آئے ہیں اب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

### ① غیبوت سے حضور کی طرف

کبھی لغت عرب میں کلام کرتے کرتے غائب کو حاضر بنا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری:  
﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے لے کر ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحہ: ۱، ۵۰] تک ہے۔ اسی صورت کے ضمن میں امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بیضاوی میں إمراء القیس کے اشعار بطور استشہاد کے پیش کرتے ہیں جن کو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

### ② خطاب سے غیبوت کی طرف

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِّ وَجْرَمِمْ بِهَمْ بَرِيحٌ طَيِّبَةٌ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ...﴾ [یونس: ۲۲]

### ③ غیبوت سے تکلم کی طرف

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَهُ﴾ [فاطر: ۹]

### ④ تکلم سے غیبوت کی جانب

اس کی مثال باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلاَّ هُوَ يُحْيِي وَ يُمِيتُ فَتَمَنُّوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الأَمِيِّ﴾ [الاعراف: ۱۵۸]

### ⑤ کبھی التفات تکلم سے خطاب کی طرف ہوتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا لِي لَأَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [بئین: ۲۲]

بلاغت



## ⑥ خطاب سے تکلم کی جانب التفات

اس کے بارے میں شاہد کے طور پر ہم امراء القیس کا شعر ذکر کر آئے ہیں۔

### التفات کا قراءت میں پایا جانا

اگر قرآنی قراءت میں التفات کو دیکھنا چاہیں تو یہ ہم کو حروف مضارع میں تبدیلی (جو کہ نون، تاء اور یاء) کی صورت میں نظر آئے گا اور ان حروف کی تبدیلی سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ 'نون' متکلم کے لیے ہے، 'یاء' غائب کے لئے اور 'تاء' خطاب کے لیے ہے۔

ذیل میں ہم قراءت میں اس اسلوب کے استعمال کی مثالیں ذکر کرتے ہیں:

## ① صیغہ غائب سے خطاب کی طرف التفات

جب غائب سے خطاب کی طرف التفات کیا جائے اور منقولہ ایہ چیز مذموم ہو تو اس التفات کے عموماً درج ذیل مقاصد ہوتے ہیں:

① زجر و توبیخ ② خوشخبری دینا ③ منقول عنہ سے منقولہ ایہ کو ممتاز کرنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ﴾ [آل عمران: ۱۱۵]

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل دو قراءتیں ہیں:

**الف** ﴿وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ﴾ (صیغہ غائب کے ساتھ)

**ب** ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ تُكْفَرُوهُ﴾ (صیغہ خطاب کے ساتھ)

**پہلی قراءت کا** معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی بھی نیکیوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان میں سے نیک لوگوں کو اچھا اور بُروں کو بُرا بدل دے گا۔ لیکن اہل کتاب سے مراد یہاں مومن اہل کتاب ہیں۔ اس قراءت کے الفاظ سیاق کے مطابق ہیں۔

**جبکہ دوسری قراءت** میں اللہ تعالیٰ نے مومن اہل کتاب کو خوشخبری سنانے کے لیے خطاب کا رخ ان کی طرف موڑ کر براہ راست انہیں مخاطب کیا ہے۔ جس سے معنی میں مزید سُسن پیدا ہو جاتا ہے اور مومن اہل کتاب کی مزید حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

## ② خطاب سے غائب کی طرف التفات

اس قسم کا التفات مخاطب کو یہ احساس دلانے کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اس خطاب کا اہل نہیں یا بعض اوقات مخاطب کے ادب کے پیش نظر ایسا کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا﴾

[الکہف: ۷۱]

اس میں دو قراءتیں ہیں:

**الف** ﴿لِيَعْرِقَ أَهْلَهَا﴾ (صيغة خطاب کے ساتھ)

**ب** ﴿لِيَعْرِقَ أَهْلَهَا﴾ (صيغة غائب کے ساتھ)

دوسری قراءات میں اسلوب التفات استعمال کیا گیا ہے۔

گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی ڈوبنے کی نسبت ادب کی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف نہیں کی۔ جبکہ پہلی قراءت صیغہ خطاب کے ساتھ ہے جو کہ ماقبل اَخْرَجْتَهَا اور مابعد لَقَدْ جِئْتُ کے موافق ہے۔

### ۳۱ صیغہ غائب سے متکلم کی طرف التفات

اس قسم کا التفات عموماً معنی میں تعظیم پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے، کیونکہ اس میں التفات نون متکلم کی طرف ہوتا ہے جس سے کسی ذات کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے نحوی نون متکلم کو نون تعظیم بھی کہتے ہیں۔ البتہ موقع و محل کی مناسبت سے اس التفات کے دیگر معانی مثلاً ثواب کا وعدہ یا عذاب کی وعید وغیرہ بھی مقصود ہوتے ہیں۔

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ [آل عمران: ۴۸]

اس میں درج ذیل دو قراءتیں ہیں۔

**الف** ﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ﴾ (صيغة غائب کے ساتھ)

**ب** ﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ﴾ (صيغة متکلم کے ساتھ)

**پہلی قراءت** سیاق کے مطابق ہے۔ جبکہ **دوسری قراءت** میں اسلوب التفات استعمال ہوا ہے اور اس میں زیادہ معنویت پائی جاتی ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فعل، فاعل اور مفعول کو ایک ہی لفظ میں جمع کر کے اشارہ فرما دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام محبوب نہیں بشر ہیں۔

### ۳۲ صیغہ متکلم سے غائب کی طرف التفات

اس قسم کے التفات کا مقصد سامع کی توجہ مبذول کرانا ہوتا ہے۔

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَعُدِّبْهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا..... وَأَمَّا الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ

أُجُورَهُمْ﴾ [آل عمران: ۵۶، ۵۷]

﴿فَيُوَفِّيهِمْ﴾ میں دو قراءتیں ہیں۔

**الف** ﴿فَيُوَفِّيهِمْ﴾ (صيغة غائب کے ساتھ)

**ب** ﴿فَيُوَفِّيهِمْ﴾ (صيغة متکلم کے ساتھ)

**پہلی قراءت** میں صیغہ متکلم سے غائب کی طرف التفات کیا گیا ہے، تاکہ عذاب کی نسبت اپنی طرف کر کے اس کی شدت کو مزید واضح کیا جائے۔

**دوسری قراءت** سیاق کے مطابق ہے، حالانکہ یہ قراءت ہمارے ہاں زیادہ معروف نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ۴) قراءات اور ”وصل و فصل“

### وصل و فصل کی لغوی تعریف

لغت میں فصل سے مراد دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ ڈالنا ہے اور وصل اس کی ضد ہے۔

### اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں وصل سے مراد دو جملوں کو عطف کے ذریعے جوڑنا اور فعل سے مراد دونوں کو الگ الگ مستقل جملے بنانا ہے۔

کلام میں وصل و فصل کا خیال صرف وہی شخص رکھ سکتا ہے جس کے پاس علم بلاغت کا حظ وافر ہو، وہ طبعی طور پر اس کے محاسن کو جانتا اور عمدہ گفتگو کا ذوق رکھتا ہو کیونکہ یہ ایک انتہائی اہم، گہری اور پیچیدہ بحث ہے۔ علم بلاغت میں اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ادیب سے بلاغت کی تعریف پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا:

”بلاغت وصل و فصل کی معرفت کو کہتے ہیں۔“

[دلائل الإعجاز للجر جانی: ۲۲۲، الإيضاح في علوم البلاغة، للقرظوبني: ۹۷]

بعض اوقات ایک قراءت میں لفظی رابط موجود ہوتا ہے اور دوسری میں محذوف۔ قراءت میں اس تبدیلی کا بلاغت قرآنی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ درج ذیل مثال سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

**مثال:** ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ﴾ [البقرہ: ۱۱۶]

﴿ وَقَالُوا ﴾ میں دو قراءتیں ہیں۔

**الف** ﴿ قَالَوَا ﴾ (حذف رابط لفظی کے ساتھ)

**ب** ﴿ وَقَالُوا ﴾ (اثبات رابط لفظی کے ساتھ)

اس سے پچھلی آیات میں چونکہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لیے عطف والی قراءت میں اصلاً یہ قول اہل کتاب کا ہی ہوگا اور باقی تمام مشرک تبعاً اس میں شامل ہوں گے۔ جبکہ حذف واؤ والی قراءت میں سبھی مشرک لوگ اصلاً شامل ہوں گے۔

امید واثق ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد قارئین کے سامنے آغا ز مضمون میں مذکور منکرین کے دعاوی کا بطلان بالکل واضح ہو چکا ہوگا۔ آخر میں ہم تمام منکرین قراءت سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے کور چشم کی وجہ سے سورج کے وجود کا انکار کرنے کی بجائے اپنی جہالت کا دوائے علم سے علاج کریں تاکہ وہ انکار قراءت کے اس سنگین جرم سے بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہی سے بچائے۔ (آمین)



ڈاکٹر عبدالکریم صالح\*  
مترجم: نصیر الرحمن\*

## اوقاف قرآنیہ پر قراءات کے اثرات

اللہ رب العزت نے قرآن کریم کو سات حروف پر اس لیے نازل فرمایا تاکہ پوری اُمت، خصوصاً اہل عرب کو اس کی تلاوت میں آسانی مہیا ہو سکے، کیونکہ عرب کے مختلف قبائل تھے جن کے مابین لہجات، آوازوں کے اتار چڑھاؤ اور الفاظ کی آداہنگی میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ ان تمام کو عام عربی یکجا کرتی تھی جس کے ذریعے اہل عرب ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتے تھے، چنانچہ اگر قرآن کو بھی ایک قراءت میں نازل کر دیا جاتا تو اہل عرب کے لیے اس کی تلاوت اور اس کا فہم مشکل ہو جاتا۔

● محقق ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن کا سات حروف میں نزول کا مقصد بطور شرف، اُمت پر آسانی اور تخفیف کرنا، اس اُمت کی فضیلت کا اظہار کرنا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول کرنا ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ عَلَى حَرْفٍ»، فقال صلی اللہ علیہ وسلم: «أَسْأَلُ اللَّهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ فَإِنَّ أُمَّتِي لَا تَطِيقُ ذَلِكَ». [صحيح مسلم: ۱۳۵۷]

مزید یہ کہ قرآن کو مختلف قراءات کے ساتھ پڑھنے سے متنوع احکام اور متنوع معانی کا ظہور ہوتا ہے، تنوع قراءات سے قرآن کریم کے مخفی معانی و مفاہیم کی وضاحت اس بات کی گواہی ہے کہ یہ منزل من عند اللہ ہیں۔ لہذا قرآن کریم کو چاہے کسی بھی قراءت میں پڑھا جائے وہ اپنے اندر قرآنیت کا ایجاز رکھتا ہے اور تعدد وجود تعدد ایجاز پہ دلالت کرتی ہیں۔

### خلاصہ

تنوع قراءات تعدد آیات کی طرح ہے اور یہ بلاغہ کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اس کا آغاز جمال ایجاز اور اس کی انتہا کمال ایجاز ہے۔

اختلاف قراءات کا اثر اوقاف پر بھی ہوتا ہے جس سے معنی میں ردوبدل بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ وقف بھی اس قراءت کے تابع ہوگا جس میں تلاوت کی جارہی ہے۔ تو قاری کو چاہئے کہ جب وہ کسی قراءت میں تلاوت قرآن کر رہا ہو تو اس قراءت کے ضمن میں مقامات و قوف کا خیال بھی رکھے کہ کہاں پر رکنا ہے اور کہاں سے آغاز کرنا ہے۔ درج ذیل مثالیں اس کی اثر انگیزی کی وضاحت کرتی ہیں:

☆ اسٹنٹ پروفیسر کلید القرآن الکریم، جامعہ آزرہ، رکن لجنة مراجعة المصحف بمجمع البحوث الإسلامية  
\* متعلم رابعة كلية الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ

## پہلی مثال

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ [البقرة: ۱۱۹]

اس آیت میں کُتْمَلُ؛ بصیغہ نہی پڑھا جائے تو 'نذیراً' پر وقف کافی ہوگا۔ تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ ان کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرما رہے ہیں جس سے ان کے کثرت عذاب اور زیادتی عقاب کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

یعنی "لا تسأل یا محمد عن أصحاب الجحیم ، فقد بلغوا غاية العذاب التي ليس بعدها مستراد" "اے نبی ﷺ تو اصحاب جحیم کے متعلق نہ پوچھ، کیونکہ وہ انتہائی عذاب کو پہنچ چکے ہیں کہ جس کے بعد مزید عذاب کی گنجائش نہیں۔"

اور اگر اس آیت میں وَلَا تُسْئَلُ پڑھا جائے تو اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

① یہ ہے کہ نذیراً پر وقف کرتے ہوئے ہم اس کے معنی کی مناسبت سے رفع دیں گے کہ 'ولست تسأل' تجھ سے ان کے متعلق مواخذہ یا سوال نہیں ہوگا۔ اس طرح یہ ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ سے الگ ہوگا اور 'نذیراً' پر وقف بھی کیا جائے گا۔

② یہ کہ نذیراً پر وقف نہیں کریں گے بلکہ پہلے سے متعلق ہونے کی بناء پر ملا کے پڑھیں گے۔ اس وقت معنی یہ ہوگا کہ اے نبی نہ ہی تو مسائل عنہم ہے اور نہ ہی مسؤول عنہم ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے کفر کو (انذار کے باوجود) جانتا ہے تو ان کے متعلق سوال کرے۔ لہذا تجھے سوال کا حق نہیں۔ اور تیرے ان کو ڈرانے اور خوشخبری دینے کے باوجود بھی اگر وہ 'أصحاب جحیم' میں سے ہوئے تو تجھ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ تو نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔

## دوسری مثال

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا مِنَ النِّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ [البقرة: ۲۲۲]

اب اس آیت میں قراءات کے اختلاف کی وجہ سے ﴿حَتَّى يَطْهُرْنَ﴾ پر وقف کے بارے میں بھی اختلاف ہو گیا۔ نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر اور حفص کے مطابق عاصم کے نزدیک 'يَطْهُرْنَ' ہوگا کیونکہ اس قراءت کے مطابق طہر سے مراد حیض کے خون کا رک جانا ہے۔ اب اس قراءت کے مطابق 'يَطْهُرْنَ' پر وقف ہوگا کیونکہ اس آیت میں دو چیزوں کے متعلق کلام کیا گیا ہے۔

حزہ، کسائی (اور ابو بکر کے مطابق عاصم) کے نزدیک يَطْهُرْنَ ہے۔ کہ یہاں طہر سے مراد ایام حیض کے بعد کا غسل ہے کہ آدمی اپنی عورت سے غسل حیض کے بعد وحلی کرے اس صورت میں يَطْهُرْنَ پر وقف جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ اور اس کے بعد والا ایک ہی کلام ہے۔

## تیسری مثال

﴿لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَإِنْ تُبَدُّوا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْا يَحٰسِبِكُمْ بِهٖ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

وَيَعْدِبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿البقرة: ۲۸۴﴾

اس آیت میں عاصم، ابن عامر، یعقوب، ابو جعفر اور حسن کے نزدیک اگر فَيَعْفُرُ اور وَيَعْدِبُ پڑھا جائے تو ﴿يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ پر وقف کافی ہوگا اس لیے کہ یہ دونوں مستأنفہ ہیں اور نافع، ابو عمر، ابن کثیر، کسائی، حمزہ اور اعش کے نزدیک اگر فَيَعْفُرُ اور وَيَعْدِبُ پڑھا جائے تو پھر ﴿يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ میں لفظ جلالہ یہ وقف نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں جو اب شرط پر معطوف ہیں لہذا ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں جائے گا بلکہ ملا کے بغیر وقف کے پڑھا جائے گا۔

### چوتھی مثال

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَمْرِئُؤُمَّ اتَى لَكَ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [آل عمران: ۳۷]

اس آیت میں قراءات کے اختلاف کی بدولت 'حسنًا' پہ وقف اور عدم وقف کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ اگر 'وکفلها' بغیر تشدید الفاء پڑھا جائے تو حسنًا پہ وقف ہوگا، کیونکہ حسنًا اور وكفلها دو الگ کلام ہیں وہ اس طرح کہ حسنًا تک اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی پیدائش کا ذکر کیا اور پھر 'کفلها' سے اس بات کی توضیح کی کہ کفالت زکریا نے کی۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ذیشان ہے کہ ﴿إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾

[آل عمران: ۴۳]

تو پھر لوگوں نے مریم علیہا السلام کی کفالت کی ذمہ داری پہ آپس میں جھگڑا اور اختلاف کیا اور ہر کوئی اپنے آپ کو مریم علیہا السلام کی کفالت کے لیے موزوں سمجھتا تھا چنانچہ انہوں نے قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کی تو اللہ کے فیصلے کے مطابق زکریا علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکل آیا۔ لہذا مریم علیہا السلام کی کفالت زکریا علیہ السلام نے کی۔

اس میں اگر 'كفَّلَهَا زَكَرِيَّا' پڑھا جائے تو 'کفلها' کا فاعل 'زکریا' بنتا ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ حسنًا تک اللہ تعالیٰ کے فعل کا ذکر ہے کہ اللہ نے مریم علیہا السلام کی پیدائش ٹھیک ٹھاک طریقے سے کی اور 'کفلها زکریا' الگ جملہ ہے۔

اور اگر 'كفَّلَهَا زَكَرِيَّا' پڑھا جائے تو 'حسنًا' پہ وقف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مکمل ایک کلام ہے کہ جس میں فاعل صرف اللہ ہے کہ جس نے مریم علیہا السلام کو پیدا کیا اور پھر اس کی کفالت زکریا سے کروائی گویا زکریا اور مریم علیہا السلام دونوں مفعول ہیں۔

علامہ سجاوندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ایک جملے کا دوسرے جملے پہ عطف ڈالا جائے تو بھی بعض کے نزدیک وقف جائز ہے۔

### پانچویں مثال

﴿وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَسِعَ عَلَيْهِمْ﴾ [آل عمران: ۷۳]

اس آیت کریمہ میں 'هدى الله' پہ وقف کی بناء ہوگی۔ اس کو بعد والے کے ساتھ ملانے کے بارے میں قراءات

ڈاکٹر عبدالکریم صالح

اختلاف ہے۔ جو 'اُن یوتی' کو خبر پہ محمول کرے گا وہ 'ہدی اللہ' پہ وقف نہیں کرے گا، کیونکہ 'اُن یوتی' میں اُن مفعول ہے 'ولا تؤمنوا' کا۔ یا کُل جر میں ہے۔

### حاصل کلام

اگر اس آیت کا معنی یہ کیا جائے:

”ولا تصدقوا ولا تقروا بان یوتی أحد مثل ما أوتیتم من العلم والحكمة إلا لمن اتبع دینکم.“  
”یعنی نہ تم صدیق کرو اور نہ اقرار کرو اس بات کا کہ ان کو بھی تمہاری طرح علم و حکمت دی جائے گی، مگر وہ لوگ کہ جو تمہارے دین کے تابع ہوئے۔“

یا یہ معنی کیا جائے:

”أو لا تؤمنوا إلا لمن تبع دینکم ولا تؤمنوا أن یوتی أحد مثله ولا تصدقوا أن یحاجوکم.“  
”نہ تم یقین کرو مگر ان لوگوں کا جو تمہارے دین کے تابع ہوئے اور نہ تم یقین رکھو اس بات کا کہ وہ بھی تمہارے مثل دیئے جائیں گے اور نہ تم صدیق کرو اس بات کی کہ وہ تم سے جھگڑیں گے۔“

اس صورت میں 'ہدی اللہ' پہ وقف نہیں ہوگا اور اگر کوئی 'اُن یوتی' سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر مان کے پڑھے یعنی "تأن یوتی أحد مثل ما أوتیتم لا تؤمنون۔"

یہ استفہام انکاری ہے اور علماء یہودی کی طرف سے ان کے عوام یہ ڈانٹ ڈپٹ ہے تاکہ وہ ان کے طریقے کے ساتھ چھٹے

رہیں۔

تو اس صورت میں 'ہدی اللہ' پر وقف ہوگا، کیونکہ 'ءَأَنْ' سے نئے جملے کا آغاز ہو رہا ہے۔

### چھٹی مثال

﴿وَكَايْنٌ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۷۶]

اس آیت میں قُتِلَ کے اندر دو قراءتیں ہیں۔

① نافع، ابن کثیر ابو عمر اور یعقوب کے نزدیک قُتِلَ ہے۔ الف کے بغیر مبنی للمفعول۔

② حمزہ، کسائی، ابن عامر اور عاصم کے نزدیک قَاتَلَ ہے۔ الف کے ساتھ مبنی للفاعل

چنانچہ قراءت میں اختلاف کی بدولت وقف کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔

پس جس نے 'قُتِلَ' پڑھا تو اس سے نبی کا قتل مراد ہے اور جو اس نبی کے اصحاب تھے انہوں نے نبی کے قتل کے باوجود کمزوری نہیں دکھائی۔ چنانچہ اس صورت میں ﴿وَكَايْنٌ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتِلَ﴾ پہ وقف ہوگا اور ﴿مَعَهُ رِبِّيُونَ كَثِيرٌ...﴾ سے اگلی بات کا آغاز ہوگا چاہے اس میں قتل کا مفعول صرف نبی ہو یا پھر نبی اور رِبِّيُونَ دونوں۔ اور جب 'قَاتَلَ' پڑھیں گے تو وقف جائز نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں معنی ہوگا کہ

”کم من نبی قاتل معہ ربیون وقتل بعضهم فما وهن الباقون لقتل من قتل منهم.“

”کتنے ہی انبیاء تھے کہ جن کے اصحاب میں سے بعض قتل ہو گئے لیکن پھر بھی باقی بچ جانے والوں نے کمزوری نہ دکھائی“

## ساتویں مثال

﴿ وَقَفِينَا عَلَىٰ عَائِزِهِمْ بَعْثَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَءَاتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴾ [المائدة: ۴۶]

اس آیت میں 'للمتقين' پر وقف و عدم وقف کے بارے میں اختلاف ہے۔

جس نے 'وَلِيْحِكْمُ' کو 'وَلِيْحِكْمُ' لام مکسور اور میم مفتوحہ کے ساتھ پڑھا وہ اس کو 'وَأْتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ' سے متعلق مانتے ہوئے وقف نہیں کریں گے۔ اس صورت میں معنی ہوگا:

”وَأْتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ لِكِي يَحْكُمُ أَهْلَهُ بِمَا فِيهِ مِنْ حُكْمِ اللَّهِ“

● امام مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”چونکہ نزول انجیل پیدائش صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہے لہذا 'ولیحکم' سے ابتدا نہیں کی جائے گی۔ بعض نے تقدیری

عبارت یہ مانی ہے:

”ولیحکم أهل الأنجيل بما أنزل الله فيه أنزلناه عليهم“

امام دانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو صحیح مانا ہے اور ان کے نزدیک 'للمتقين' پر وقف جائز ہے اور 'ولیحکم' سے ابتدا ہوگی

اور جس نے 'ولیحکم' (لام کے سکون اور میم کے جزم کے ساتھ) پڑھا اس کے نزدیک للمتقين پر وقف ہوگا،

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ وَلِيْحِكْمُ أَهْلُ الْإِنجِيلِ ﴾ استیثناف کو مستلزم ہے اس لیے 'ولیحکم' سے ابتدا

کی جائے گی۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ

”إن الله يأمر أهل الإنجيل بالحكم بما أنزل في الإنجيل كما أمر النبي صلی اللہ علیہ وسلم بالحكم

بما أنزل الله عليه“

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِن أَحْكُمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ... ﴾ [المائدة: ۴۹]

## آٹھویں مثال

﴿ قُلْ إِنَّمَا أَلَايْتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ [الأنعام: ۱۰۹]

اس آیت میں 'وما يشعركم' پر وقف کے متعلق اختلاف ہے۔ چنانچہ جس نے 'إنها' کو ہمزہ مکسورہ کے

ساتھ 'إنها' پڑھا اس کے نزدیک 'وما يشعركم' پر وقف ہوگا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی

طرح پڑھا ہے۔ لہذا وما يشعركم پر وقف کرتے ہوئے 'إنها إذا جاءت'..... سے ابتدا کی جائے گی، کیونکہ

یہاں سے اللہ تعالیٰ کی خبر سے جملے کی ابتداء ہو رہی ہے کہ جب ان کے پاس آیت آئے تو وہ ایمان نہیں لاتے اور

تمہیں ان کے انکار کا شعور نہیں ہے۔

اور اگر 'إنها' ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو وقف نہیں ہوگا۔ یہ مؤقف نافع، حمزہ اور کسائی کا ہے۔ یعنی

'إنها' پڑھنے والوں کے نزدیک 'وما يشعركم' پر وقف نہیں ہوگا۔

ابن انباری اور ابن النحاس کے نزدیک جب أنها کے بعد 'نفلها' کو محذوف مانیں گے تو اس سے پہلے وقف جائز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



ہے، کیونکہ اس میں جواب ہے۔

### نویں مثال

﴿يَبْنِي نَاكِمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَكِّرُ سَوْنًا تَكْمُ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ نَّائِبِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ [الأعراف: ۳۶]

اس آیت میں اگر ’ولباس‘ کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو ’ذٰلِكَ‘ اس سے بدل یا عطف بیان ہوگا اور ’خیر‘ اس کی خبر ہوگی۔ اس صورت میں ’وریشا‘ پر وقف ہوگا۔ اس قراءت کے قاری ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم اور حمزہ ہیں۔ اور اگر نصب کے ساتھ ’ولباس‘ پڑھا جائے تو ’وریشا‘ پر وقف نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا مابعد ’لباسا‘ پر معطوف ہو رہا ہے۔ اور تقدیری عبارت یوں ہوگی۔

’أَنْزَلْنَا لِبَاسًا وَأَنْزَلْنَا لِبَاسِ التَّقْوَىٰ‘ لہذا اس کلام کا بعض حصہ بعض کے ساتھ متصل ہے تو نافع، ابن عامر اور کسائی کے مطابق اس میں ’وریشا‘ پر وقف نہیں ہوگا۔

### دسویں مثال

﴿مِنْ زُخْرَفٍ أَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقَيْبِكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُ، قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ [الإسراء: ۹۳]

اس آیت میں ’نقرؤہ‘ پر وقف تام اور کافی کے متعلق اختلاف ہے۔ نافع، ابو عمرو، عاصم، حمزہ اور کسائی کے نزدیک ’قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي‘ یعنی امر کے صیغہ کے ساتھ پڑھیں گے تو ’نقرؤہ‘ پر وقف تام ہوگا، کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو یہ بات کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

اس صورت میں معنی یہ ہوگا:

”قل لهم يا محمد! ما أنا إلا بشر رسول، أتبع ما يوحى إلي من ربي، ولا أقدر على شيء مما سألتهموني وليس لي أن أتخير على ربي، ولم تكن الرسل قبلي يأتون أمهم بكل ما يريدونه ويغون، وسيلي سليلهم، ويفعل ما يشاء من هذه الأشباه التي ليست في قدرة البشر.“

اور اگر خبر پر محمول کرتے ہوئے ’قَالَ سُبْحَانَ رَبِّي‘ پڑھا جائے، جیسا کہ ابن کثیر اور ابن عامر نے پڑھا ہے اس صورت میں نقرؤہ پر وقف کافی ہوگا، کیونکہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے متعلق خبر دی جا رہی ہے۔

### گیارہویں مثال

﴿ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ﴾ [مريم: ۳۳]

اس آیت میں ’قول‘ کو منصوب پڑھا جائے تو ’مريم‘ پر وقف کافی ہوگا، کیونکہ قول مصدر ہے جو کہ اپنے سے ماقبل مضمون جملہ کی تاکید کے لیے آیا ہے یہ قراءت عاصم اور ابن عامر کی ہے۔

اسی طرح اگر ’قول‘ رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو ’مريم‘ پر وقف کافی ہوگا۔ کیونکہ قول خبر بن رہا ہے مبتدأ محذوف کی ’أَي ذٰلِكَ قَوْلَ الْحَقِّ‘ یعنی یہی بات حق اور سچ ہے یا یہی کلام سچا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے، جیسا کہ نصاریٰ کا گمان ہے۔

اوقاف قرآنیہ پر قراءات کے اثرات

اور اگر 'قول' کو 'عیسیٰ' سے بدل بنائیں تو وقف نہیں ہوگا، کیونکہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان وقف کے ساتھ فاصلہ نہیں آسکتا۔ یہ قراءۃ نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی کی ہے۔

### بارہویں مثال

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَكَرُوا نَفُورًا﴾ [الفرقان: ۶۰]

اس آیت میں 'تأمرنا' میں اختلاف قراءات کی بدولت 'الرحمن' پر وقف کے بارے اختلاف ہے۔ اگر 'ئی' کے ساتھ 'یأمرنا' پڑھیں تو 'وما الرحمن' یہ وقف ہوگا اور 'أنسجد' ابتداء ہوگی۔ اسی 'أنسجد' لما یأمرنا محمد بالسجود له، چونکہ یہاں استیناف آ گیا کہ وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا ہم محمد ﷺ کے کہنے پہ سجدہ کریں۔ لہذا یہاں وقف ہوگا۔ یہ قراءۃ حمزہ اور کسائی کی ہے۔

اور اگر 'تأمرنا' ت کے ساتھ پڑھیں تو 'وما الرحمن' پر وقف نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا مابعد، ما قبل، 'وإذا قیل لهم.....' سے متعلق ہے یہ قراءت نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر اور عاصم کی ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہوگی کہ 'تأمرنا' میں تا خطاب کی ہے جو کہ ان کافروں کی طرف سے نبی ﷺ کے لیے ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے ان کی دعوت اور اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! کیا ہم تیرے کہنے پر سجدہ کریں؟ چونکہ اس میں قول اور مقولہ کے درمیان فاصلہ جائز نہیں اس لیے وقف نہیں ہوگا۔

### تیرہویں مثال

﴿كَذَلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [الشوری: ۳]

اس آیت میں 'من قبلك' یہ وقف کے متعلق 'یوحی' کی وجہ سے اختلاف کیا گیا ہے۔ لہذا اگر 'یوحی' حاء کے فتح کے ساتھ ہو تو وقف ہوگا، کیونکہ اس صورت میں یہ فعل مجہول ہوگا۔ یہ قراءت ابن کثیر کی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ

"كذلك يوحى إليك يا محمد، مثل ما أوحى إلى الأنبياء قبلك."

اور ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے:

"إن الله أعلم مُحمداً أن هذه السورة أوحيت إلى من قبلك."

اور اگر 'یوحی' حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو وقف نہیں ہوگا۔ وقف ہوگا تو صرف اور صرف رأس الایۃ یعنی 'الحکیم' پر ہوگا۔

اس صورت میں فعل کا فاعل 'اللہ' ہوگا۔ لہذا نہ تو فاعل کو چھوڑ کر فعل پر وقف ہوگا اور نہ ہی فاعل پر۔ یہ قراءت ابن کثیر کے علاوہ باقی تمام قراء کی ہے۔



### نوٹ

یہ تخریروں اکثر عبد الکریم صالح رحمہ اللہ کی کتاب الوقف والابتداء وصلتهما بالمعنی فی القرآن الکریم کی بحث القرائات واثرها علی الوقوف القرآنیۃ کا ترجمہ ہے۔

## معانی و احکام پر ترتیل قرآن کریم کے اثرات

رب کائنات سبحانہ و تعالیٰ نے جہاں ہمیں عبادات (نماز و صیام، زکاۃ و حج) وغیرہ کی تعلیم دی وہاں ہمیں ہماری ناقص عقل، حواس یا وجدان کا مکلف نہیں بنایا بلکہ خود ہی طریقہ عبادت کی بھی تعیین فرمادی۔ اسی طرح تلاوت قرآن، جو کہ افضل ترین عبادت ہے، کا طریقہ تلاوت بھی شارع نے خود متعین فرمایا ہے، دیگر عبادات کی طرح اس کو بھی اگر نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے ہٹ کر انجام دیا جائے گا تو اجر و ثواب میں کمی یا مکمل محرومی بلکہ گناہ بننے کا اندیشہ ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، دیگر کلاموں کے آثار چڑھاؤ اور مد و جزر میں پنہاں معنویت کی طرح اس میں یہ خاصہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر مشہور مصری محقق الاستاذ محمد شملول ﷺ کی تصنیف 'اعجاز رسم القرآن و إعجاز التلاوة' کی ایک محث کو فاضل مترجمین نے اُردو قالب میں ڈھالا ہے جو اپنے موضوع پر ایک اچھوتی تحریر ہے۔

یاد رہے کہ اس قسم کے بعض علمی نکات پر التصویر الفنی فی محاسن القرآن از سید قطب رحمہ اللہ، اللغات فی تفسیر سورة الکہف از شیخ عدنان عبدالقادر رحمہ اللہ اور اثر القراءات القرآنیة فی الفہم اللغوی از ڈاکٹر مسعود علی حسن عیسیٰ رحمہ اللہ اور دیگر بعض کتب میں بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔ ان نکات کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ ان سے دین متین میں ہدایت کے کسی پہلو کا تو بہر حال اضافہ نہیں ہوتا لیکن تفسیر بالرائے محمود کے ضمن میں اعجاز قرآنی کے بعض نئے پہلو ضرور اجاگر ہوتے ہیں جو بہر صورت قابل ستائش کاوش ہے۔ [ادارہ]

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ ہے۔ اس کو اس طرح پڑھنا واجب ہے جس طرح یہ نازل ہوا۔

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْءَانَهُ﴾ [القیامۃ: ۱۸]

”جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت تم اس کی قراءت کو غور سے سنا کرو۔“

② وقال تعالیٰ: ﴿وَرَتَّلِ الْقُرْءَانَ تَرْتِيلًا﴾ [المزمل: ۴]

”اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔“

\* ممتاز مصری محقق عالم دین

☆ متعلمین رابعۃ کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ

معانی واحکام پر ترتیل قرآن کریم کے اثرات

۳۱ ارشاد نبوی ﷺ

«إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُقْرَأَ الْقُرْآنَ كَمَا أُنزِلَ»

”بیشک اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اس طرح پڑھا جائے جس طرح نازل کیا گیا تھا۔“

اس لئے ہم پر واجب ہے کہ قرآن کریم کی اس طرح تلاوت کریں جس طرح یہ آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور جس طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطمینان اور ترتیل کے ساتھ پڑھایا۔ آپ ﷺ حروف کو کما حقہ صفات اور مخارج کی آداہنگی کے ساتھ آدا فرماتے اور مد، غنہ، اظہار، ادغام، انخفاء، تفسخیم، ترقیق، حروف کی خوبصورتی اور ابتداء و انتہاء کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔

اس سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت قواعد کے مطابق بالکل ایسی ہونی چاہئے جیسے یہ نازل ہوا ہے تاکہ نصوص قرآنی کے حقیقی معانی کھل کر سامنے آجائیں۔

یہ ایک ایسا موضوع ہے جو اسلامی مفکرین کی توجہ کا مستحق ہے اور بھرپور بحث و مطالعہ کا محتاج ہے۔ یقیناً یہ موضوع قرآن کے عجائبات میں سے ہے جس کی گہرائی تک پہنچنا چند افراد کے بس میں نہیں ہے۔ البتہ اس میں غور و فکر کرنا ہر صاحب علم پر واجب اور ضروری ہے۔

کیونکہ ارشاد باری ہے:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْءَانَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ [محمد: ۲۴]

”یہ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔“

ہم اس بارے میں مقدمہ کے طور چند مثالوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

## مدات کے معانی پر اثرات کی مثالیں

کلمات قرآنیہ پر مد کرنا حروف کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے، اور زیادتی حروف معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ لہذا آٹھ تائے تلاوت بعض کلمات قرآنی پر مد اصل سے بڑھ کر مد کرنا، اس کلمہ کی عظمت اور اس کے معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

ذیل میں ہم قرآن کے وہ کلمات پیش کرتے ہیں جن پر مد کرنا واجب ہے، اور یہ مد بیکار نہیں ہے، بلکہ کلمہ کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایسے کلمات قرآن کریم میں بہت زیادہ ہیں مگر ہم صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں، جیسے:

① 'الطَّامَةِ' ... ﴿فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَى﴾ [النازعات: ۳۴]

”پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آجائے گی۔“

② 'السَّمَاءِ' ... ﴿وَالسَّمَاءِ بِنَاءً﴾ [البقرة: ۲۲]

”اور آسمان کو چھت بنایا“

③ 'جَانُ' ... ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ﴾ [الرحمن: ۳۹]

”اس دن کسی انسان اور جن سے اس کا گناہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔“

④ 'الطَّائِفِينَ' ... ﴿أَنْ طَهَّرْنَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ﴾ [البقرة: ۱۲۵]

مُحمّد شمول

”اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔“

جب ہم ان کلمات پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کسی بہت بڑی چیز پر دلالت کر رہے ہیں نہ کہ عام چیز پر، لہذا ثابت ہوامد زیادتی معنی کے لیے آتی ہے۔ ہم ’الطّامة‘ کا مقارنہ اسکے قریب المعنی کلمہ ’القارعة‘ کے ساتھ کرتے ہیں جس میں مد نہیں پائی جاتی۔ (اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسمیں مد کیوں نہیں حالانکہ یہ بھی تو بڑی چیز پر دلالت کرتا ہے) اسکا جواب یہ ہے کہ ’القارعة‘ کے معنی میں جس شدت کو پیدا کرنا مطلوب ہے وہ یہ ہے تقعر اذان الناس (یعنی لوگوں کے کانوں کو کھٹکھٹانا) اور یہ ایک ایسی شے جو زمانے کو مستلزم نہیں، بلکہ اس کا اچانک وقوع ہوتا ہے اور یہ کسی مدیامت کی محتاج نہیں ہے۔

اسی طرح جب ہم سورۃ کافرون میں غور کرتے ہیں تو ﴿مَا تَعْبُدُونَ﴾ و ﴿مَا عِبُدْتُمْ﴾ میں ’ما‘ پر مد نہیں پاتے۔ کیونکہ ان کے معبودان باطلہ کی حقارت مقصود ہے جبکہ ﴿مَا عِبُدْتُمْ﴾ پر مد ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے معبود کی عظمت کو ثابت کر رہی ہے۔

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمُ﴾ [البقرہ: ۱۳۱]

”جب کبھی انہیں ان کے رب نے کہا فرمانبردار ہو جا انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی۔“ اور یہ مد رب سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت پر دال ہے۔

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا ..... الخ﴾ [الانعام: ۹۱]

”اور ان لوگوں نے اللہ کی کیسی قدر پہچانا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی“ اور یہ لمبی مد رب سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کی عظمت پر دلالت کرنے کے لیے آئی ہے: مد لازم مشغل کی مثال

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ [الفاتحة: ۷]

”ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی“

یہاں ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ میں مد لازم کمی مشغل ہے جو چھ حرکات کبیر ابرہیچی جاتی ہے، جبکہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ پر مد نہیں ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کے مصداق ﴿النصیری﴾ ہیں یہ مد ان کی کثرت تعداد پر دال ہے۔

اور ﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ کے مصداق صرف یہود ہیں یہاں عدم مد ان کے قلت پر یہ دلالت کرتا ہے۔

## نون ساکنہ و تنوین کے احکام کا معانی پر اثر

### الاظہار

اصطلاح قراء میں اظہار کا معنی

نون ساکنہ یا تنوین کے بعد اگر حروف حلقی ء ھ ع ح غ خ میں سے کوئی حرف آجائے تو وہاں اظہار ہوگا قرآن

کریم قرآن کریم میں اس کی بے شمار امثلہ موجود ہیں۔ جب ہم اس پر غور و فکر کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ

اظہار میں چونکہ نون ساکن کے بعد حرف کو بہت جلد ادا کرنا ہوتا ہے اس لیے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مابعد کلمہ کا اس سے اس قدر شدید الصاق ہوتا ہے کہ وہ کسی فاصل کا محتمل نہیں ہوتا جیسا کہ سورۃ الزلزال میں ہے:

﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴾ [الزلزال: ۷] ﴿ اَلَّذِي جَسَّدَ نَفْسًا لَّيْسَ لَهُ كَفْرًا يُرَى ﴾ [الزلزال: ۸] ﴿ اَلَّذِي جَسَّدَ نَفْسًا لَّيْسَ لَهُ كَفْرًا يُرَى ﴾

ہم دیکھتے ہیں ﴿ ذرۃ خبیراً یرہ ﴾ اظہار بلا غنہ ہے، کیونکہ اس کے بعد والا کلمہ حرف ’خ‘ سے شروع ہوتا اور یہ حروف حلقی میں سے ہے۔ ’مِثْقَالَ ذَرَّةٍ‘ کو خبیرا کے ساتھ ملانے سے معنی سمجھ آتا ہے۔ کہ ایک ذرا برابر بھی خیر انسان کے ساتھ ملحق رہے گی اور کبھی الگ نہیں ہوگی۔

جبکہ دوسری آیت میں مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اور شراً میں غنہ کے ذریعے فاصل لایا گیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جب کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو توبہ کے ذریعے موقع دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس برائی کو اپنے سے جدا کر سکے۔

﴿ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴾ ﴿ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴾ ﴿ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴾ ﴿ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴾

[القارۃ: ۹، ۱۰]

”اور پھر جس پلڑے بھاری ہوگی وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا، اور جس کے پلڑے ہلکی ہوگی پس اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“

﴿ مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴾ میں غنہ نون سے اس اطمینان و راحت کی وضاحت مطلوب ہے جس سے اہل جنت بہرہ مند ہوں گے اور ﴿ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴾ کے نون میں حروف حلقی ’خ‘ آنے کی وجہ سے غنہ نہیں ہے اور یہ سرعت اللہ رب العزت کے سر بیع الحساب والعقاب ہونے کی وضاحت کر رہی ہے۔

﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾ ﴿ اللَّهُ الصَّمَدُ ﴾ ﴿ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ﴾ ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾

[الإخلاص: ۱۰۱]

”اور کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔“

اس پوری سورۃ مبارکہ میں کسی جگہ بھی غنہ کا عدم وجود اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توحید الہی ایسے امور قطعہ میں سے ہے جو زمانے کی مسافتوں سے ماوراء ہے یعنی ہر زمان و مکان میں یہ ثابت و قائم ہے۔

﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ [البقرہ: ۳۸] ”پس ان پر کوئی خوف نہیں۔“

یہاں عدم غنہ اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی خوف نہیں کرنا چاہیے۔

﴿ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَءَاَمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ﴾ [قریش: ۴] ”جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف میں امن و امان دیا۔“

من جوع کے نون کا غنہ اس بات پر دال ہے کہ بھوک تب ہی متحقق ہوگی جب کھانا کھائے ہوئے کچھ وقت لگا ہو اور من خوف میں غنہ اس لیے نہیں ہے کہ خوف اور برداشتی کی حالت میں انسان اس بات کا متنبی ہوتا ہے کہ اگلے

بسم اللہ

ہی لمحے بڑی سرعت کے ساتھ خوفِ امن میں بدل جائے۔

﴿وَمَا اللَّهُ بِغَفْلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ [البقرہ: ۷۴] ”اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔“

قرآن کریم میں نو مقامات پر وارد ہوا ہے اور اس کے بعد حرفِ حقیقے ہونے کی وجہ سے یہاں اظہار ہے جو اس کی اطلاع دے رہا ہے کہ باری تعالیٰ ایک لحظہ بھر اپنے بندوں کے اعمال سے غافل نہیں ہوتے لیکن جب اس لفظ کی نسبت بندوں کی طرف ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا﴾ [الأنبياء: ۹۷] ”پھر بھی وہ بے خبری میں پھیرے ہوئے ہیں۔“

تو یہاں تنوین کے بعد غنہ ہو رہا ہے جو وضاحت کر رہا ہے کہ انسان بہت دیر تک غفلت میں مبتلا رہتا ہے۔

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [البقرہ: ۱۸۶]

”جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں۔“

یہاں بھی (قریب اور اجیب) کے درمیان میں غنہ نہیں ہے جو اللہ رب العزت کی سرعتِ اجابت پر دلالت کرتا ہے۔

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذَبٌ فَرَأَتْ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ [الفاطر: ۱۲]

”اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بھاتا ہے پینے میں خوشگوار اور دوسرا کھاری ہے کڑوا۔“

پہلے تینوں الفاظ میں نون تنوین پر غنہ کر کے پڑھیں گے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ میٹھی اور ذائقہ دار چیز کو راحت اور سکون سے پیتے ہیں اس میں وقت لگتا ہے، اور کھاری کڑوا ہوتا ہے اس کو جلدی پینے کی کوشش کرتے ہیں، اس میں وقت نہیں لگتا۔

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ [آل عمران: ۷]

”وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔“ یہاں ’محکمات‘ اور ’ہن‘ کے درمیان اظہار کی وجہ سے جلدی پڑھیں گے، کیونکہ یہ قطعی امر ہے اور آیات ’محکمات‘ متشابہات کی وضاحت و تفسیر میں ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ [آل عمران: ۳۷]

”پس اس سے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اس سے بہترین پرورش دی۔“

قبولِ حسن اور نباتِ حسن کے درمیان اس لیے غنہ نہیں ہے کہ دونوں چیزیں حضرت سیدہ مریم کے حق میں قطعی ہیں۔ ﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ﴾ [آل عمران: ۶۲] ”اور کوئی معبود برحق نہیں باوجود اللہ تعالیٰ کے۔“ یہ بھی امر قطعی ہے جو بلا فاصلہ واقع ہوا ہے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ [النساء: ۳]

”اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لوٹری۔“

یہاں بھی امر قطعی ہے جس سے نون تنوین میں غنہ نہیں ہوا۔

﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [البقرہ: ۲۲۸]

”اللہ غالبِ حکمت والا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [آل عمران: ۳۳]

معانی واحکام پر ترتیل قرآن کریم کے اثرات

”اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

﴿ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ [المائدہ: ۵۴]

”اللہ تعالیٰ وسع علم والا ہے۔“

یہ تمام آسمائے قطعیہ ہیں۔ جن کے درمیان کوئی بھی فاصلہ غنہ کی شکل میں نہیں۔

## ایک باریک نکتہ

مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لفظ کا اپنے مابعد اور ما قبل حرف سے کس قدر گہرا اور معجزاتی تعلق ہے جو یہ یقین مزید پختہ کر دیتا ہے کہ یہ واقعی کلام اللہ ہے۔

## سورة الفلق

﴿ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴾

یہاں حاسد پر اظہار ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ 'عین الحاسد' اچانک اور فجاء لگ جاتی ہے۔

## سورة الناس

جب ہم اس سورة پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس سورة کی ہر آیت میں غنہ موجود ہے تو یہ اللہ رب العزت کی وسعت رحمت کا پتہ دے رہی ہے، کیونکہ جس شر سے پناہ مانگی جا رہی ہے وہ اس قدر بڑا اور نفوذ پذیر ہے کہ اللہ رب العزت کے تین ناموں کا واسطہ دیا گیا ہے۔ یعنی ﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ﴿ لہذا یہاں ہر آیت میں غنہ اس اللہ رب العزت کے وسعت حفظ اور شیطانوں کے وسعت شر پر دال ہے۔

## ادغام کے معانی پر اثرات

نون ساکن و تنوین کے قواعد میں سے ایک ادغام بھی ہے جس کا معنی ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف میں اس طرح داخل کرنا کہ پڑھتے وقت یوں محسوس ہو کہ ایک ہی حرف ہے۔ نون کا ادغام چھ حروف ی، ر، م، ل، و، ن میں ہوتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں۔

① ادغام ناقص ② ادغام کامل

ناقص کا مفہوم یہ ہے کہ دوران ادغام 'ن' کی صفت غنہ باقی رہے یہ 'یو من' کے چار حروف میں ہوتا ہے اور کامل کا مطلب یہ ہے کہ نون کو بدون غنہ ادا کیا جائے اور یہ مابعد حروف میں تبدیل ہو جائے 'یل' اور 'راء' میں ہوتا ہے۔ ان دو اقسام میں سے ہر ایک کے فوائد ہیں ادغام کامل تبیین اور وضاحت کا فائدہ دیتا ہے جبکہ ادغام ناقص وسعت معنی کے لیے آتا ہے۔۔ مثلاً ﴿ وَكَلَّمَ يَكُنُّ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ میں یکن لہ کا ادغام کامل اس بات میں قطعیت کا فائدہ دے رہا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی برابری کی کسی میں قوت نہیں ہے۔ اسی طرح ﴿ وَكَلَّاخِرَةً خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى ﴾ یہاں 'خیر لک' کا ادغام تام اس کا بیان ہے کہ خیر کا آپ کے ذات کے ساتھ الصاق کامل ہے۔ کبھی بھی آپ سے منفصل نہیں ہو سکتی۔

نیز ﴿ وَيَلِّ لِكُلِّ هَمْزَةٍ لَمْزَةً ﴾ یہاں ویل لکل اور همزة لہمزة کا ادغام تام اس امر میں نص ہے کہ چغل



مُحَمَّد شَمْلُول

خور اور غیبت کرنے والے کے ساتھ عذاب اس طرح مصلق ہو گیا ہے کہ گویا اس کی ذات کا جزء بن گیا ہے۔ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اس آیت میں ادغام ناقص کے ذریعے عمل کے بقاء اور استمرار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

## صفات حروف کے معانی پر اثرات

ہر حرف کے لیے ایک متعین مخرج ہے جس سے وہ ایک خاص کیفیت کے ساتھ ادا ہوتا ہے اس کیفیت کو صفت الحروف کہتے ہیں صفات سے بھی معانی پر کئی اثرات مرتب ہوتے ہیں جو کہ توضیح و تفسیر میں نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

## حروف استعلاء

’س‘ حروف استعلاء میں سے نہیں جبکہ ’ص‘ حروف استعلاء میں سے ہے جس کا مفہوم ارتقاء اور بلندی ہے۔ ان دو حروف کو درج ذیل دو آیات میں دیکھنے سے صفات کے اثرات کا اندازہ ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصِطْرُونَ﴾ [الطور: ۳۲]  
 ﴿لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصِطِرٍ﴾ [الغاشیہ: ۲۲]

لفظ المصیطرون اور المصیطر قرآن کریم میں بلحاظ اصل ’س‘ کے ساتھ مکتوب ہونا چاہیے لیکن کیونکہ حرف س حروف استعلاء میں سے نہیں ہے اور وہ معنی مقصود صحیح انداز میں نہیں ادا کر پاتا اس لیے کی دوسری قراءت بصاد یعنی المصیطر بھی نازل کر دی گئی تاکہ معنی کی تمیین کا حق ادا ہو سکے۔

## حروف قلقلہ و حروف امتداد

قلقلہ سے مراد یہ ہے کہ حروف کو بحالت وقف قدرے جنبش دے کر پڑھنا یا پانچ حروف ہیں:

ق، ط، ب، ج، د۔ حرف امتداد فقط ضاد ہے۔ یہاں امتداد کا مفہوم یہ ہے کہ زبان کی ابتداء سے انتہاء تک آواز کو اس طرح دراز کرنا کہ تحریک و تقلیل کا شائبہ نہ ہو۔

جب ہم حروف قلقلہ پر غور کرتے ہیں خصوصاً جب قلقلہ کبریٰ ہو تو وہ کلمہ وسعت اور زیادتی کے معنی دے رہا ہوتا ہے یا پھر یہ حروف تاکید کا فائدہ دیتے ہیں، کیونکہ قلقلہ میں قدرے حرف کے تکرار کا احساس ہوتا ہے اور تکرار حرف تاکید کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ [العلق: ۲۰] مذکورہ آیت میں خلق کا ’ق‘ اپنے قلقلہ کی بدولت اللہ رب العزت کی وسعت تخلیق کی غمازی کر رہا ہے جبکہ علق میں جنبش حرف سے منی کے قطرات میں موجود Sperms کی کثرت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اسی طرح العذاب، الحق، والأسباط، الأحزاب، أزواج، الميعاد۔ یہ بھی اپنے معنی میں وسعت رکھتے ہیں۔

حرف ضاد کی خصوصیت یہ ہے کہ سکون کی حالت میں اس میں کسی چیز کو قوت کے ساتھ روک رکھنے کے معنی پائے جاتے ہیں اور عدم قلقلہ کی بناء پر کسی طرح کی حرکت اور جنبش کے لیے مانع ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ قَبْضْنَا إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا﴾ [الفرقان: ۳۶]

یہاں حرف ضاد کا سکون اور عدم قلقلہ لفظ ’القبض‘ کے معنی میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔

ان

معانی واحکام پر ترتیل قرآن کریم کے اثرات

## حروف تفخیم وترقیق

بعض حروف کی تفخیم اس کی زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے اسی طرح ترقیق حروف بھی بعض لطیف اشیاء کی گرہ کشائی کرتی ہے۔ حروف تفخیم دراصل حروف استعلاء ہی ہیں لیکن بعض حالات میں را بھی مفخم پڑھی جاتی ہے۔ نیز لفظ الجلالہ سے ما قبل فتح یا ضمہ ہو تو اسے پر پڑھا جاتا ہے۔ جیسے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ [الاخلاص: ۱] ﴿وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ [ابراہیم: ۲۷] البتہ ما قبل کسرہ ہو تو باریک ہوتا ہے جیسے بسم اللہ، الحمد للہ۔ میرا یہ اعتقاد ہے کہ یہ وسیع دراستہ کا محتاج ہے جس میں حروف کے اصول اور ان سے وجود پانے والے کلمات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

## ادغام مثلین، متجانسین اور متقاربین کے معانی پر اثرات

**ادغام مثلین:** دونوں حروف صفات اور مخرج میں متحد ہوں۔

**ادغام متجانسین:** دونوں حروف مخرج میں متحد ہوں اور صفات میں مختلف ہوں۔

**ادغام متقاربین:** دونوں حروف مخرج اور صفات میں مختلف ہوں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ ادغام کامل معاملے کی قطعیت پر اور کسی زمانی یا مکانی فاصلہ کے عدم وجود پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا ہم چند مزید مثالیں ذکر کر رہے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہو جائے۔

## ادغام مثلین

ارشاد باری ہے: ﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾ [النساء: ۷۸]

دوران تلاوت یدرککم کے کاف اول کا ثانی میں اس طرح ادغام کریں کہ وہ حرف مشدد ہو جائیں یہ ادغام اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جب کسی پر موت کا وقت آچنچے تو پھر اس کے واقع ہونے میں بے انتہا سرعت سے کام لیا جاتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَذْهَبُ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِيهِ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ [الزلزلہ: ۲۸]

یہاں اذہب بکتابی میں باء کا ادغام یہ اشارہ کر رہا ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ہدہ کو بہت سرعت اور تیزی کے ساتھ خط پہنچانے کا حکم دیا تھا۔

## ادغام متجانسین

یہ تاء، دال، طاء، ذال، اور میم میں ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرہ: ۲۵۶]

قد تبين، میں تاء کا دال میں ادغام اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ قطعی طور پر ہدایت کا بیان ہو چکا ہے اور الغی (گمراہی) کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

قال الله تعالى: ﴿قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا﴾ [يونس: ۸۹]  
 کلمہ مذکورہ میں تاء کا دال میں ادغام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کے حواریوں کے خلاف بددعا کے جلد قبول ہو جانے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

### ادغام متقاربین

یہ چار حروف ل، ر، ق اور ک میں ہوتا ہے جیسے ﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طہ: ۱۱۴]  
 قل رب میں لام کا راء میں ادغام تام یہ بیان کر رہا ہے کہ بندہ مؤمن کو اللہ رب العزت سے اضافہ علم کی دعا میں جلدی کرنی چاہیے۔

إرشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ [النساء: ۱۵۸]  
 بل رفع الله إليه کا ادغام رفع عیسیٰ علیہ السلام کے سرعت کا متقاضی ہے۔

### اشام

اشام یہ ہے کہ ہونٹوں کو اس طرح ملانا گویا کہ قاری ضمہ کے پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن حقیقت میں وہ فتح پڑھے یہ قرآن کریم میں سورۃ یوسف میں آیا ہے۔ إرشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالُوا يَا بَانَ مَالِكٍ لَّا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ﴾ [يوسف: ۱۱]  
 لا تأمننا میں اشام ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح سامع کو تردد ہوتا ہے کہ آیا قاری فتح پڑھے

رہا ہے یا ضمہ اسی طرح جب اخوان یوسف علیہ السلام اجازت طلب کر رہے تھے تو ان کے قول میں تردد جھلک رہا تھا، کیونکہ وہ بظاہر تو یوسف علیہ السلام کے ناصح ہونے کا اعلان کر رہے تھے لیکن حقیقت میں وہ خائن تھے اسی طرح عملی تردد کی طرف اشام اشارہ کر رہا ہے۔

### سکنت کے معانی پر اثرات

مصحف مدینہ میں موجود ہے کہ امام حفص سے بطریق شاطبی متفق علیہا سکنت کی تعداد پانچ ہے جو درج ذیل

ہیں:

① عوجاً <sup>سکتہ</sup> [سورۃ کہف: ۱]

② مرقداً <sup>سکتہ</sup> [البین: ۵۲]

③ من <sup>سکتہ</sup> راق [سورۃ قیامت: ۲۷]

④ بل <sup>سکتہ</sup> دان [المطففين: ۱۳]

⑤ مالمیة <sup>سکتہ</sup> [الحاقہ: ۲۸]

جب ہم آیات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مقامات پر اگرچہ ایک لمحہ کے لیے ہی ٹھہرا جائے، ٹھہرنا ضرور چاہیے، کیونکہ یہ امور ہیں ہی کچھ ایسے کہ تدبر، تفحص اور تحقیق کا تقاضا کرتے ہیں۔

مثلاً: ﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۚ قَيِّمًا﴾ [کہف: ۱]

معانی واحکام پر ترتیل قرآن کریم کے اثرات

مذکورہ آیت میں عوجاً کا سکتہ اس لیے ہے کہ کچھ لحظہ ٹھہر کر غور و فکر کر لو کہ اس کتاب کی کیا قدر و منزلت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھ پن نہیں ہے بلکہ یہ ایک مستقیم کتاب ہے۔

ارشاد ایزدی ہے: ﴿مَنْ يَعْتَنَّا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۖ هَذَا مَا...﴾ [سین: ۵۴]

یہاں مرقدنا سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ یہاں ٹھہر کر غور کرو کہ آئندہ جو کلام تم پڑھنے لگے ہو یہ ملائکہ اور اہل ایمان کا کلام ہے نہ کہ کافروں کا۔ کیونکہ اس سے ما قبل کلام میں کافروں نے مسلمانوں سے سوال کیا تھا اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

﴿إِذَا تَتَلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَاتُنَا قَالَ أَسْطِيرُ الْأُولَٰئِينَ ۖ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

[المطففين: ۱۳، ۱۴]

یہاں لفظ بل میں سکتہ یہ دعوت دے رہا ہے کہ غور تو کرو کہ لوگوں نے کس وجہ سے قرآن کریم کو جھٹلایا وہ صرف یہ تھا کہ ان کے دلوں میں قبولیت حق کی صلاحیت نہیں تھی وہ کفر و شرک اور عدوان نبی سے زنگ آلود تھے۔

## صلہ ہا کی ضمیر کے معانی پر اثرات

امام حفص ہر اس ہاء ضمیر پر صلہ کرتے ہیں جس سے ما قبل اور مابعد متحرک ہو لیکن چند کلمات اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں جو خاص معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے

① يَرْضُهُ

یہ لفظ سورۃ زمر کی اس آیت میں وارد ہوا ہے:

﴿وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ [الزمر: ۷]

یہاں عدم صلہ اس بات پر دال ہے کہ جوں ہی بندہ اللہ رب العزت کا شکر بجالاتا ہے تو اللہ رب العزت فی الفور اس پر راضی ہو جاتے ہیں۔

② أَرْجُهُ

یہ لفظ یوں استعمال ہوا ہے:

﴿قَالُوا أَرْجُهُ وَأَخَاهُ﴾ [الاعراف: ۱۱۱]

یہ صلہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فرعون کے حواری سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے معاملہ کو بہت ہلکا سمجھ رہے تھے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ یہ جادوگر ہیں (نعوذ باللہ)

③ فَالِقَهُ

یہ سورۃ نمل کی آیت

﴿إِذْ هَبُّ بِكُنْيَتِي هَذَا فَالِقَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى﴾ [سورۃ نمل: ۲۸]

میں آیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ سیدنا سلیمان کے ہاں قوم سبا کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

## قواعد تجوید کے ذریعہ بعض احکام کا بھی استنباط ممکن ہے

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعِمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي

﴿الْحَجَّ وَسَبْعَةَ إِذَا رَجَعْتُمْ﴾ [البقرہ: ۱۹۶]

مذکورہ آیت میں ایامِ نِی پر غنہ ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ایامِ حج میں فوراً روزے رکھنا ضروری نہیں بلکہ دورانِ ایامِ معاملہ میں وسعت ہے جبکہ وسبعة إذا رجعتہم کا عدم غنہ اس بات پر دال ہے کہ حاجی کو گھر پہنچتے ہی فوراً روزے رکھنے چاہئیں کسی قسم کی تاخیر نہیں کر سکتا۔

### سورۃ الکہف میں احکام تلاوت کا معانی پر اثرات

﴿زُذُنْهُمْ هُدًى﴾ کی دال پر قلقلہ ہے جو اللہ رب العزت کی طرف اعطائے کثرت ہدایت پر دال ہے اسی طرح ﴿وَرَبُّنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ [الکہف: ۱۷] میں رَبُّنَا کا قلقلہ ان کے تعلق کی گہرائی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ﴿إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُورٌ عَنْ كَهْفِهِمْ﴾ [الکہف: ۱۷] میں طَلَعَتْ تَزْوُورٌ کا ادغام اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ سورج طلوع ہی ان کے کہف کے دائیں طرف ہوتا تھا یہ نہیں کہ پہلے طلوع کا مقام کچھ اور ہوتا بعد ازاں کہف سے دائیں طرف پھرتا۔

● سورۃ کہف میں اصحاف کہف کی تعداد بذریعہ قواعد تجوید بھی معین کرنا ممکن ہے۔ ﴿ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ [الکہف: ۲۲] یہاں ثلثۃ اور رابعہم کے درمیان عدم غنہ ہے جو اس بات پر دال ہے کہ اس پر تفکیر کی ضرورت نہیں ہے یہاں جلدی سے گزر جاؤ اس کے بعد ﴿خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ﴾ [الکہف: ۲۲] میں غنہ اس پر قدرے غور کی دعوت دے رہا ہے اور ﴿سَبْعَةٌ وَثَمَانِيَهُمْ﴾ [الکہف: ۲۲] میں ادغام بھی ہے غنہ جو اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ تعداد اس قابل ہے کہ اس پر اس مسئلہ میں بنیاد رکھی جائے۔

﴿فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ [الکہف: ۷۰]

یہاں کا اظہار اس بات پر دال ہے کہ جس طرح یہاں عدم غنہ ہے اس طرح موسیٰ کو عدم سوال کی نصیحت ہے اور ﴿حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ﴾ کی مد میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں سے اگر علم کی دولت حاصل کرنی ہے تو ایک لمبا عرصہ ساتھ گزارنا پڑے گا۔

ہم نے اس سلسلہ میں ایک ادنیٰ سی کاوش کی ہے اللہ رب العزت قبول فرمائے اور اہل علم کو قرآن کے اس پہلو پر بھی سوچنے کی توفیق دے۔ آمین



حافظ ثناء اللہ زاہدی \*  
مترجم: قاری مصطفیٰ راسخ \*

تحقیق و تنقید

## علم روایت میں تقسیم آحاد و تواتر

گذشتہ شمارہ میں محمد آصف ہارون کے قلم سے 'تواتر کا مفہوم اور ثبوت قراءت کا ضابطہ' کے زیر عنوان ایک تحقیقی مقالہ شائع کیا گیا تھا۔ زیر نظر مضمون کو اسی اصولی موضوع کا تسلسل شمار کرنا چاہئے، جس میں فاضل شخصیت، معروف عالم دین مولانا حافظ ثناء اللہ زاہدی رحمۃ اللہ علیہ نے فن خبر میں 'تقسیم آحاد و تواتر' کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے دلائل کے ساتھ با تفصیل اس بات کو واضح کیا ہے کہ علم روایت میں کسی خبر کی تقویت کا اساسی معیار عددی اکثریت یا اقلیت نہیں، بلکہ راوی کا کردار (عدالت)، صلاحیت (ضبط) اور اتصالِ سند وغیرہ ہے۔ ہمیں ان کے موقف سے اس حد تک کامل اتفاق ہے کہ معتزلہ اور بعض متاخر اُصولیین کا، ان بنیادی شرعی معیارات سے قطع نظر، روایت کو افراد کی کثرت و قلت (تواتر و آحاد) کے معیارات پر پرکھنا سلف صالحین کے متفقہ تعال سے انحراف کی بنا پر ایک واقعی بدعت ہے۔ لیکن علم و تحقیق کے میدان میں جس طرح ہر موقف سے کلی اتفاق ضروری نہیں، ہم بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت العلام کی یہ رائے کہ محدثین کے ہاں تقسیم آحاد و تواتر، خبر کی کوئی مسلمہ تقسیم نہیں، مناسب نہیں۔ اگر بعض لوگ روایات کی قبولیت و رد کا معیار عددی اکثریت یا اقلیت کو تسلیم کرتے ہیں تو ان کے رد عمل میں سرے سے تقسیم آحاد و تواتر کا انکار کر دینا گویا علمائے حدیث کی ایک ہزار سالہ متفقہ رائے سے چشم پوشی ہے، جس کے حوالے سے رُشد قراءت نمبر ۱۷۱ دوم میں تعارف علم قراءت نامی مضمون میں سوال نمبر ۱۸ تا ۲۲ میں اور جناب آصف ہارون کے محمولہ بالا مضمون میں تفصیلاً بحث پیش کر دی گئی ہے۔

اس اختلاف سے قطع نظر عمومی پہلو سے حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف کہ قبول روایت میں اساسی شے عددی قلت و کثرت نہیں بہر حال ایک مفید بحث ہے جس کی ضابطہ ثبوت قراءت سے یک گونہ مناسبت کی وجہ سے رُشد قراءت نمبر سوم میں اسے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ [ادارہ]

خبر متواتر اور خبر واحد کی تقسیم سے متعلق یہاں چند انتہائی اہم امور پر متنبہ ہونا ضروری ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① متواتر اپنی متعدد تعاریف، احکام، مختلف شرائط اور کتب اُصول وغیرہ میں مذکور وسیع اختلاف کے باوجود ایسی شئی ہے کہ اسے اصلاً اور ابتداءً مسلمانوں نے ایجاد اور وضع نہیں کیا اور نہ ہی یہ لفظ کلی یا جزئی طور پر اپنے اصطلاحی متعلقات کے ساتھ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، عہد صحابہ رضی اللہ عنہم اور عہد تابعین رضم اللہ عنہم میں متعارف تھا۔ بلکہ اس فکر (یعنی خبر متواتر اور خبر

\* مدیر مرکز الإمام البخاری للتراث و التحقیق بالجامعة الإسلامية، صادق آباد  
☆ فاضل كلية القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

واحد کی فکر) کی بنیاد کتب فلاسفہ ہیں۔ عباسی خلیفہ عبداللہ بن ہارون الرشید المأمون (التوفی: ۲۱۸ھ) نے بڑے اہتمام سے ان کتب کے ترجمے کروائے جس کے نتیجے میں یہ فکر، اسلامی آبحاث اور دینی مقامات میں داخل ہو گئی۔ نیز اس کے حلقہ احباب میں شامل عیسائی اطباء اور فرقہ جہمیہ کے علماء وغیرہ نے اس میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ کتب، فلسفہ کی چار انواع پر مشتمل تھیں:

- ① ریاضیات: یعنی انجینئرنگ، جغرافیہ، علم الأعداد اور علم موسیقی وغیرہ۔
- ② طبیعیات: یعنی نباتات، معدنیات، حیوانات، کائنات، جسم، صورت، زمان و مکان اور حرکت وغیرہ کا علم۔
- ③ الہیات: یعنی واجب الوجود، فرشتوں اور نفسیات وغیرہ کی بحث۔
- ④ منطقیات: اور یہ پانچ ہیں۔ شعر، خطب، جدل، برہان اور مغالطہ کی صنعت، فلاسفہ کے ہاں اس کو ضاعاتِ نمسہ کہا جاتا ہے۔

ان ضاعاتِ نمسہ میں سے برہان (جس کو فلاسفہ قیاس برہانی کہتے ہیں) تیرہ (۱۳) مادوں پر قائم ہے۔ ان میں سے ایک متواترات کا مادہ ہے۔ جیسا کہ ابن سیناء کی شفاء المنطق (تم البرہان: ۶۷) میں، الشمسیۃ فی المنطق مع شروحها [ص: ۳۰۷، ۳۰۸] میں، ایسا غوجی [ص: ۷۴] میں، المنطق للشیعی محمد رضا المظفر [ص: ۲۶۳] میں، محک النظر لابن حزم [ص: ۲۳۳] میں، مقاصد الفلاسفة للغزالی [ص: ۳۹] میں اور لقطۃ العجلان للزرکشی [ص: ۱۱۳] وغیرہ جیسی کتب فلسفہ و منطق میں تفصیلاً موجود ہے۔

⑤ جب مسلمان اہل علم نے ان کتب سے یہ فکر لے لی اور اس کے ظاہری حسن و جمال سے متاثر ہو گئے تو بعض اہل علم نے اس کو، اخبار اور مرویات کو پرکھنے کے محدثین کے نظام تحقیق پر تطبیق دینے کی کوشش کی۔ اور اپنے گمان کے مطابق وہ محدثین کے نظام کو مضبوط اور اس کی بنیادوں کو پختہ کر رہے تھے۔ جیسا کہ عام اہل الرائے اور متکلمین اصولیوں نے کیا۔ جبکہ بعض بدعتی فرقوں نے اپنی بدعات و خرافات کو رواج دینے کے لیے متون اور آساند کی تحقیق و تدقیق پر مبنی محدثین کے منہج سے جان چھڑا کر اخبار کو متواتر اور آحاد میں تقسیم کر دیا اور کہا کہ جو کچھ محدثین روایت کرتے ہیں اس میں سے کچھ بھی متواتر نہیں ہے اور اخبار آحاد اس امر میں حجت نہیں ہیں۔

پھر مذکورہ دونوں مکاتب فکر، اپنی نیتوں کے اختلاف اور عقائد کے فرق کے باوجود، ان امور کی شرح اور تفصیل بیان کرتے وقت علمی فتنے میں مبتلا ہو گئے جس میں قدیم فلاسفہ ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اخبار کو ابتدائی طور پر متواتر اور آحاد میں تقسیم کر دیا پھر ان دونوں کے درمیان ایک اساسی فارق کے ساتھ تمیز کر دی اور کہا:

**پہلی قسم:** (متواتر) میں تو کیت و کیفیت کے اعتبار سے جمہول عوامی کثرت سے قطعیت حاصل ہو جاتی ہے۔  
**دوسری قسم:** (آحاد) میں ظن معلق رہتا ہے۔ لہذا انہوں نے متواتر کی صحیح تعبیر اور یقین تک پہنچانے والی حقیقی شرائط اور اس اصطلاح اور اس کے تابع احکام کی معنویت کی تحقیق میں محکم ضوابط کی توضیح میں شدید اختلاف کیا ہے۔ اکثر لوگوں نے اس مقصد کے لیے متواتر کی تعریف اسی اساس اور بنیاد پر کی ہے جو بنیاد اور اساس کتب فلاسفہ نے مہیا کی تھی یعنی حصول قطعیت کے لیے صرف عوامی کثرت پر اعتماد کرنا۔ چنانچہ انہوں نے متواتر کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

”ما رواه قوم لا يحصى عددهم ولا يتوهم تواطؤهم على الكذب.“

”جس کو ایک لاتعداد قوم نے روایت کیا ہو اور ان کے جھوٹ پر اکٹھا ہونے کا گمان نہ ہو۔“

ابتداءً اس اساس پر یہ تعریف بڑی خوبصورت اور شاندار نظر آتی ہے اور عقل و فکر کو خوش کر دیتی ہے لیکن اگر تحقیق و تدقیق اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ اساس فاسد اور انتہائی لغو محسوس ہوتی ہے، کیونکہ مکارم اخلاق، محاسن اقدار اور اعلیٰ خصائل سے عاری فقط عددی اکثریت اغلب معاشروں میں، جہالت، گمراہی، رذالت و دنائت کا خلاصہ ہے۔ چنانچہ فقط عددی اکثریت کو احکام شرعی سے متعلق روایات و اخبار کے باب میں قطعیت و یقین کی علت بنانا درست اور مناسب نہیں ہے۔ نہ تو اللہ تعالیٰ اس فکر کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی علماء میں سے صاحب عقل و بصیرت اس کی تائید کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَيْكِنَ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [يوسف: ۲۱] ”مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

﴿وَلَيْكِنَ أَكْثَرُكُمْ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ﴾ [زخرف: ۷۸] ”لیکن تم میں اکثر کو حق ناگوار گزرتا ہے۔“

﴿وَ أَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] ”ان کے اکثر افراد نافرمان ہیں۔“

﴿وَ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [المائدہ: ۱۰۳] ”اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔“

﴿وَلَيْكِنَ أَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُونَ﴾ [الانعام: ۱۱۱] ”لیکن ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔“

﴿وَ مَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمُ إِلَّا ظَنًّا﴾ [يونس: ۳۶]

”حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ، محض قیاس اور گمان کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔“

﴿أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَصْلُ سَابِلٍ﴾ [الفرقان: ۴۴]

”کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔“

﴿وَ أَكْثَرُهُمْ كٰذِبُونَ﴾ [الشعراء: ۲۲۳] ”اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔“

﴿وَ إِنْ تُطْعَمْ أَكْثَرُكُمْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [الانعام: ۱۱۶]

”اے نبی ﷺ! اور اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں لستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا

دیں گے۔“

قرآن مجید میں اس معنی کی متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ محض عوامی کثرت جھوٹ، جہالت، فتنہ اور گمراہی کا مجموعہ ہے، ان سے یقینی حکایات اور قطعی اخبار کا حصول مناسب نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے امور شریعت یا کسی امر کے ثبوت اور صدق کے لیے ایسے لوگوں کی روایت پر اعتماد کرنے کا انکار کیا ہے۔

● اہل علم میں سے امام الحرمین الجوبینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ’البرہان‘ [۵۷۴: ۵۷۸] میں لکھتے ہیں:

”ما من عدد تمسک به طائفة إلا ويمكن فرض تواطؤهم على الكذب.“

”کوئی بھی ایسا عدد نہیں ہے جس پر ایک جماعت نے اعتماد کیا ہو، مگر اس کا جھوٹ پر اکٹھا ہونے کا امکان موجود

رہتا ہے۔“

● امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ’المحصول‘ [۳۷۷: ۳] میں فرماتے ہیں:

”الحق أن العدد الذي يفيد قولهم العلم غير معلوم، فإنه لا عدد يفرض إلا وهو غير



”مستبعد في العقل صدور الكذب عنهم.“  
 ”حق بات یہی ہے کہ علم کا فائدہ دینے والا عدد غیر معلوم ہے، کیونکہ کوئی بھی فرضی عدد ایسا نہیں ہے، مگر عقلاً ان سے جھوٹ کا صدور بعید نہیں ہے۔“

● امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ’الاصول‘ [۲۹۴/۱] میں فرماتے ہیں:

”لا يوجد حد من حيث العلم يثبت به علم اليقين.“  
 ”عدد کی کوئی ایسی متعین حد نہیں پائی جاتی جس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہو۔“

● امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ ’رفع الحاجب‘ [۳۰۴/۲] میں فرماتے ہیں:

”ويختلف عدد التواتر باختلاف قرائن التعريف، وأحوال المخبرين، والاطلاع عليهما، وإدراك المستمعين، والوقائع.“  
 ”تفصیلات، مستمعین کے ادراک، اطلاع خبر، مجربین کے احوال اور تعریف کے قرائن مختلف ہونے کے سبب تواتر کا عدد بھی مختلف ہوتا ہے۔“

أحناف میں سے امام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، امام حسامی رحمۃ اللہ علیہ، امام اتقانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام خبازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تواتر میں معتبر عددی کثرت کو عدالت، اسلام، تباہن اماکن، آراء کے اختلاف اور اختلاف طبائع وغیرہ میں مقید کیا ہے۔ اگر ان کے نزدیک محض عوامی اکثریت متواتر میں قطعیت کی علت ہوتی تو وہ محض عددی اکثریت کو ان شروط و اوصاف میں مقید نہ کرتے۔



۳ حصول یقین کے لیے مذکورہ عوامی کثرت کو معتبر کہنے والوں نے اس پر اعتماد کرنے میں شدید اختلاف کیا ہے۔ ان کا یہ اختلاف دو اعتبار سے ہے۔

### ۱ مقدار کے اعتبار سے

حصول یقین کے لیے بعض نے کہا ہے کہ راویوں کی تعداد پانچ ہو، بعض نے سات، بعض نے دس، اسی طرح بعض نے بارہ، بیس، چالیس، ستر، تین سو، چودہ سو، پندرہ سو، سترہ سو، اور بعض نے کہا کہ اتنی تعداد ہو کہ پورا شہران سے بھر جائے یا بعض نے کہا اسے لاتعداد لوگوں نے نقل کیا ہو یا بعض نے کہا کہ پوری امت نے اسے روایت کیا ہو وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ اقوال، کشف الأسرار لعلاء الدين البخاري [۲۵۷/۲]، البحر المحيط للزركشي [۲۳۲/۴]، الإيضاح للمازري [ص ۴۲۶]، التمهيد لأبي الخطاب [۲۸/۳]، تحفة المسئول لابن موسى [۳۲۲/۲] اور دیگر اصول مصادر میں موجود ہیں۔

انہوں نے پانچ کے عدد سے لے کر پوری امت کو اس میں شامل کر دیا ہے اور یہ اجماع کا مسئلہ ہے تواتر کا نہیں۔ اجماع سے کم شیء پر ان کا دل مطمئن نہیں ہوا۔

اس اختلاف، اضطراب اور تشویش کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسی چیز (محض عوامی کثرت) کو قطعیت کی علت قرار دے دیا ہے جو درحقیقت قطعیت کی حقیقی علت نہیں ہے۔ اس کے ظاہری جمال کو دیکھ کر ہر شخص یہی گمان کرتا ہے کہ یہ حقیقی فکر اور علت ہے حالانکہ یہ صرف وہم اور خیال ہے۔ ﴿كَسْرَابٍ بِقَيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْثَانُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا

علم روایت میں تقسیم آحاد و تواتر

جَاءَ كَلِمَةٌ يَجِدُهُ شَيْئًا ﴿النور: ۳۹﴾

## ۲ اوصاف کے اعتبار سے

بعض کہتے ہیں کہ یہ کثرت لا تعداد ہواور ذاتی طور پر اس کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ ذاتی طور پر کی بجائے اسلام، تقویٰ، عدالت، تباہن اماکن، تفرق مہم اور مختلف طبائع و آراء کی بناء پر جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو، اسی طرح دیگر قرآن موجب کی وجہ سے جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو، جن سے قطعیت اور یقین حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام اتقانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'التبیین' [۵۸۲/۱] میں، بزدوی نے 'الاصول' [۶۵۸/۲] میں، خیازی نے 'المغنی' [ص: ۱۹۱] میں، سرحسی نے 'الأصول' [۲۸۲/۱] میں، حسامی نے 'المنتخب' [۴۱۷/۱] اور ابویعلیٰ نے 'العدة' [۸۵۶/۳] میں نقل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض عوامی کثرت جس پر فلاسفہ کے ہاں تواتر کا مدار ہے وہ اپنی اصلی طبیعت میں کسی قطعی یا یقینی شئی کی تحقیق کے لیے مناسب نہیں ہے، ورنہ یہ لوگ اس کی مقدار اور اوصاف میں اتنا شدید اختلاف نہ کرتے کہ اختلافی مسائل میں جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

۳ فلاسفہ کے تواتر کی معمولی فکر اور قطعی امور کی تحقیق میں اس کے غیر صالح ہونے کی وجہ سے متعدد متقدمین و متاخرین نے عدوی کثرت کا اعتبار کرنا ترک کر دیا۔ کیونکہ تنہا عدوی کثرت سے قطعیت حاصل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”غیر مستبعد فی العقل صدور الکذب عنہم“، ”ان سے جھوٹ کا صدور عقلاً بعید نہیں ہے۔“ چنانچہ انہوں نے اس کی تعریف میں فقط حصول قطعیت پر اعتماد کیا ہے کہ ”ما أفاد القطع بوجو قطعیت کا فائدہ دے“ یا ”ما حصل العلم عنده“ ”جس سے علم حاصل ہو“ یا ”کل خبر أوجب العلم ضرورة“ ”ہر وہ خبر جو علم ضروری کو واجب کر دے، وہ متواتر ہے۔“

ان تعریفات میں کلمہ 'ما' اور 'کل' عموم کے صیغے ہیں جو ہر اس عدوی کثرت یا قلت کو شامل ہیں جو عدالت، ضبط، ائقان، قرآن موجب یا سامع کے مزاج، صلاحیت اور احوال کے ساتھ قطعیت کا فائدہ دے۔ ان کے عموم کا تقاضا ہے کہ ہر وہ شئی جو کسی بھی وجہ سے یقین کا فائدہ دے وہ متواتر اصطلاحی ہے۔

لیکن عام اہل رائے، متکلمین اصولیین اور اکثر مبتدعہ جیسے اشاعرہ اور ماتریدیہ وغیرہ نے اپنی کتب اصول میں اس کی مذکورہ تعاریف کی ہیں جو اس کے امکان کی تحقیق اور اس کے فہم کو اذہان کے قریب کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن وہ اپنی فقہی اور عقائدی احاث میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ محض عدد کے تقسیم نظریے کو ہی ملحوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ احادیث پر تواتر اور آحاد کا حکم لگاتے وقت کثرت اور عدم کثرت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر ان احادیث میں ایسا حکم نہیں لگاتے جو ان کی خواہش، رائے اور بدعت کے موافق ہو۔ چنانچہ اس میں وہ کہتے ہیں کہ یہ متواتر ہے یا پھر متواتر کے حکم میں ہے۔ اہل رائے اور مبتدعہ میں یہ معروف شئی ہے۔ ونعوذ بالله من ذلك .

مگر جس شخص کی رگوں میں ارسطو کا فلسفہ خون کی طرح گردش کر رہا ہو اس کا معاملہ ان سے مختلف ہے وہ اس شکل میں ﴿يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ﴾ [ابراہیم: ۱۷] کا مصداق بن جاتا ہے۔

بسم اللہ

⑤ جب اخبار میں قطعیت کے حصول کے لیے عددی کثرت کے علاوہ دیگر اسباب بھی موجود ہیں تو پھر محض عددی کثرت کے جنون میں مبتلا ہونے کی معقولیت سمجھ میں نہیں آتی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ قطعیت کے دیگر کئی موجبات موجود ہیں۔

اگر تو اتر سے صرف قطعیت مقصود ہے تو پھر تنہا عددی کثرت کے ساتھ اس کی تعریف کرنا درست نہیں ہے اور اگر اس کا مقصود اخبار کی عددی تقسیم ہے تو پھر تو اتر کی تحقیق کے لیے جمیع احوال میں، عدد کو قطعیت کے ساتھ معلق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ بسا اوقات مشہور، عزیز اور غریب سے بھی قطعیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی عددی تقسیم کے اعتبار سے اس کی ماہیت میں کوئی اضطراب اور محدثین کی اصطلاح میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ اور اگر تو اتر کا مقصود کما و کیفا مجہول عددی کثرت اور قطعیت کو جمع کرنا ہے جو ان کا مقصود ہے تو اس جمع میں سب فساد ہی فساد ہے۔ کیونکہ مجہول کثرت جمع احوال میں قطعیت کا فائدہ نہیں دیتی اور اگر اس سے قطعیت پیدا ہو بھی جائے تو اس کا کوئی ضابطہ نہیں بنایا جاسکتا۔

علمی مصطلحات کا تقاضا ہے کہ اس کی ماہیت، شروط اور نتائج معلوم و منضبط ہوں۔ ورنہ یہ مہملات ہوں گی جن سے نفیس حقائق اور شرعی مفاد ہم اخذ کرنا تو درکنار، ان سے علمی مصالح بھی اخذ نہیں کیے جاسکتے۔ مجہول عددی کثرت اور قطعیت کے درمیان فساد کی یہی وجہ ہے۔ متواتر کی تعبیر اور تعریف میں اختلاف اور اہل علم کی عبارات میں تنوع بھی اسی فساد اور مشکل سے نکلنے کی وجہ سے ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور یہ مسلسل قائم ہے۔ جن سے صرف دو وجوہ سے نکلا جاسکتا ہے۔

① یا تو یہ کہا جائے کہ جو بھی قطعیت کا فائدہ دے وہ متواتر ہے۔ خواہ کسی اعتبار سے بھی فائدہ دے، وہ اصطلاحاً متواتر ہے۔ اور عددی کثرت کے جنون سے نکلا جائے۔ جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ 'المعالم' [ص: ۳۵] میں فرماتے ہیں:

”تواتر کی تین شروط ہیں:

① مجرعه محسوس ہو ② مجرین نے ایسی حالت پر خبر دی ہو جس حالت پر ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو اور جھوٹ کے امکان سے مانع یہ حالت کبھی تو مجرین کی کثرت سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی سارے قرآن کے حصول سے حاصل ہوتی ہے۔

یعنی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے (صرف کثرت رواۃ کی بجائے) تمام قرآن کے سبب، جھوٹ کے امکان سے مانع حالت کا اعتبار کیا ہے اور اسے اصطلاحاً تواتر کہا ہے۔ لیکن اس صورت میں یہ (متواتر) حجت لازمہ کی حیثیت سے خارج ہو جائے گا اور دیگر عوارض شخصیہ کی مانند ایک عارضہ باقی رہ جائے گا جو بعض معین اشخاص کو معین موجبات کے سبب پیش آتے ہیں جیسے خوشی، غمی، غصہ، کھانسی اور بخار وغیرہ۔ جس طرح ان عوارض کو دوسروں تک متعدی کرنے کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا، اسی طرح بعض اشخاص کو حاصل ہونے والی قطعیت کو دیگر پر لازم نہیں کیا جاسکتا۔

② یا یہ کہا جائے کہ متواتر وہ ہے جس کے رواۃ کی تعداد فلاں عدد سے کم نہ ہو، جیسا کہ محدثین کے ہاں مشہور، عزیز اور غریب کی تعریف میں کہا گیا ہے اور جمیع احوال میں اس (متواتر) کے ساتھ قطعیت کی تحقیق کے جنون سے

تواتر

چھڑکا را پایا جائے۔ اور یہی کہنا واجب ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے ہاں جو تواتر کے رواۃ میں اسلام اور عدالت وغیرہ جیسی شروط لگاتے ہیں۔ ورنہ یا تو عدد غیر منضبط ہوگا جس سے تقسیم باطل ہو جائے گی یا قطعیت ثابت نہیں ہوگی جس سے تواتر، مشہور، عزیز اور غریب کی تفریق باطل ہو جائے گی اور تواتر شیطانی کھلونا بن جائے گا جسے بیمار دلوں والے اپنی بدعات و خرافات کی ترویج کے لیے استعمال کریں گے۔ انہوں نے اسے استعمال کیا، بلکہ مستقبل میں بھی کرتے رہیں گے۔

② مصطلحات کو ایجاد کرنے کا علمی طریقہ یہ ہے کہ اسباب، شروط اور موجبات کے ذریعے، جن پر اصطلاح کی معنویت قائم ہوتی ہے، نتائج تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ جیسا کہ عدالت، ضبط، اتصال سند اور عدم علت و شدوذ کے ذریعے صحت حدیث تک پہنچا جاتا ہے اور ارکان، اصل، فرع اور علت کے ذریعے وجود قیاس تک پہنچا جاتا ہے۔ نہ کہ نتائج کے تحقق کے ذریعے اسباب تک پہنچا جائے۔ کیونکہ شرائط اور موجبات، جن پر نتائج تحقق ہوتے ہیں، یہی اعتبار اور قیاس کے وقوع کے لیے مصطلحات کی تنسیق کرتے ہیں اور مصطلحات کو احکام و انضباط کی صنعت سے منضبط کرتے ہیں نہ کہ اثبات، تعریف اور تحقیق میں نتائج کے بعد شرائط و علل بیان کی جائیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں صحت خبر کی وجہ سے عدالت، ضبط اور اتصال سند پر استدلال کرتا ہوں یا کہے کہ میں قیاس کے وجود کی وجہ سے اس کے ارکان پر استدلال کرتا ہوں تو ایسے آدمی کو اپنے دماغ میں موفق علماء کی فکر کا حامل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی طرح اس آدمی کی رائے میں بھی کوئی معقولیت نہیں ہے، جو کہتا ہے کہ متواتر، عدد کثیر اور قطعیت سے عبارت ہے۔ پھر کہتا ہے:

”بأننا بحصول العلم الضروري نستدل على كمال العدد، لا إنا نستدل بكمال العدد على حصول العلم.“

”ہم علم ضروری کے حصول کے ساتھ، کمال عدد پر استدلال کرتے ہیں، نہ کہ کمال عدد کے ساتھ حصول علم پر استدلال کرتے ہیں۔“

جیسا کہ امام علاء الدین البخاری رحمہ اللہ نے کشف الأسرار [۶۵۸/۲] میں، امام جزری رحمہ اللہ نے جامع الأصول [۱۲۲/۱] میں، امام سبکی رحمہ اللہ نے ’جمع الجوامع مع الغیث الہامع‘ [۲۸۳/۲] میں، امام الکاکی رحمہ اللہ نے ’جامع الأسرار‘ [۶۳۳/۳] میں، امام فناری رحمہ اللہ نے ’الفصول‘ [۲۱۵/۲] میں، امام الہمام رحمہ اللہ نے ’التحریر‘ [۳۱۰:ص] میں اور امام قافی رحمہ اللہ نے ’شرح المغنی‘ [۲۷] میں نقل کیا ہے۔

کیونکہ اس سے عدم انضباط لازم آتا ہے اور جوشی محکم اور عامۃ الناس کے ہاں معتبر اصولوں سے منضبط نہ ہو اسے شخصی فائدہ گردانا جاتا ہے، جو مختلف اسباب اور مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کو پیش آتا ہے اور وہ حجیت تامہ کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ قاعدہ احتجاج اور استدلال میں لاکرشی کی نفی یا اثبات کے وقت مد مقابل پر پیش کرنا مناسب نہیں ہوتا۔

③ خبر شرعی ہو یا غیر شرعی، انسان لامحالہ زیادہ سے زیادہ اسے سنتا اور سنانا چاہتا ہے۔ فکر صحیح، عقل سلیم اور منہج مستقیم کا تقاضا ہے کہ اللہ کی شریعت میں سے سچ اور جھوٹ کے موجبات اور اسباب کو تلاش کیا جائے۔ پھر تحقیق روایات اور تدقیق اخبار کے لیے ان اصولوں پر اعتماد کیا جائے جن پر شریعت نے اعتماد کیا ہے۔ یہ غیر معقول امر ہے

ب

کہ ایسے اصولوں پر اعتماد کیا جائے جن پر شریعت نے اعتماد نہ کیا ہو اور اجتماعی یا شخصی اُمور زندگی میں ان کو ان اُمور کا پابند نہ کیا گیا ہو۔ جن اُمور کا شریعت نے اعتبار کیا ہے وہ صداقت، عدالت، امانت اور ہر وہ شئی جو جھوٹ کی ضد ہو جیسی صفات کا راوی میں پایا جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ [الطلاق: ۳] ”اور تم اپنے میں سے دو عادل لوگوں کو گواہ بنا لو“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يُحْكَمْ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ [المائدہ: ۹۵] ”اور تم میں سے دو عادل آدمی اس کا فیصلہ کریں۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [الحجرات: ۶] ”اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔“ اور اس معنی کی متعدد نصوص موجود ہیں۔ اسی طرح شریعت نے ضبط، اتفاق اور سنی ہوئی شئی کو یاد رکھنے جیسی صفات کا اعتبار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى﴾ [البقرہ: ۲۸۲]

”اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا». [المستخرج على المستدرک: ۱۳]

”اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات کو سنا، اپنے پاس محفوظ کر لیا اور جیسا سنا تھا اسے آگے پہنچا دیا۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ». [مسلم: ۵]

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے۔“

اسی طرح شریعت نے فہم صحیح (غیر فاطمی) کے ساتھ سماع متصل کا اعتبار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ [الانفال: ۲۱]

”اور تم ان لوگوں کے مانند ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے ہیں۔“

اسی طرح شریعت نے عدم شنوؤ، عدم انحراف، عدم تفرؤ اور عدم طرف کا بھی اعتبار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَ نُصَلِّهِ جَهَنَّمَ

وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء: ۱۱۵]

”اور جو شخص رسالت واضح ہو جانے کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور غیر سبیل المؤمنین کی پیروی کرتا ہے، ہم اُسے اسی طرف ہی پھیر دیتے ہیں جس طرف وہ پھر جاتا ہے اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے جو جہنم ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔“

اتنی احتیاط کے باوجود اخبار کو لاحق خفیہ علتوں کی تحقیق و تدقیق کا حکم دیا گیا ہے، جن کو صرف خواص ہی جانتے

ہیں، عامۃ الناس نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [الاسراء: ۳۶] ”اور اس چیز کے پیچھے مت چل جس کا تجھے علم نہیں ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنْ جَاءَكَ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنْهُ﴾ [الحجرات: ۶۱] ”اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔“  
یعنی فاسق آدمی کی خبر کی تحقیق و تدقیق کا حکم دیا گیا ہے جو اس کی ظاہری صحت سے مانع نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَفْتَيْ بَغْيًا مِنْ غَيْرِ ثَبَّتَ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَيَّ مَنْ أَفْتَاهُ» [دارمی: ۱۶۱]  
”جس شخص نے بغیر ثبوت کے فتویٰ دیا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔“

یہ ہے اخبار و روایات کی تحقیق و تدقیق کا ربانی منہج، جس پر محدثین کرام چلتے رہے اور امت نے اس روشن منہج پر اعتماد کیا۔ یہی وہ کامل منہج ہے جو حق کی باطل سے، مقبول کی مردود سے اور صحیح کی ضعیف سے تمیز کر دیتا ہے۔

لیکن فلاسفہ کا تواتر جو مجہول عوامی کثرت پر قائم ہے وہ متضاد افکار اور تشویشناک تصورات کا مجموعہ ہے۔ اخبار و روایات اور شہادات کی تحقیق و تدقیق میں شریعت نے اس پر اعتماد نہیں کیا۔ عبادت و معاملات جیسی بندوں کی ضروریات کو اس پر معلق نہیں کیا۔ اللہ کی شریعت کے اصول میں یہ مجہورہ، مرفوضہ اور ملغی (تواتر) ہے۔

⑤ متواتر کی ماہیت کو بیان کرنے کے لیے اصولیوں کی ذکر کردہ تعاریف کا خلاصہ یہ ہے کہ متواتر صدق محض ہے یا متواتر صدق ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا انتہائی فاسد ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک متواتر وہ ہے جس کو کثیر افراد نقل کریں اگر تو ان کثیر افراد کا جھوٹ پراکٹھا ہونا محال ہو تو وہ متواتر صدق ہے اور اگر ان کا جھوٹ پراکٹھا ہونا ممکن ہو تو وہ متواتر نوعیت اور امکان کی کیمت کے اعتبار سے خطا اور غلط ہے اور اگر اس کے ساتھ جھوٹ کے قرآن بھی شامل ہو جائیں تو وہ تواتر کذب ہے۔

جیسا کہ مشہور میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور خبر واحد کبھی صادق اور کبھی کاذب ہوتی ہے۔ اسی طرح متواتر بھی صادق و کاذب ہوتا ہے، کیونکہ تواتر، شہرت اور احادیث سب کے سب خبر کے انتشار اور پھیلاؤ کے ذرائع ہیں۔ جس طرح سچ ان ذرائع سے پھیلتا ہے اسی طرح وہم، خطا اور جھوٹ بھی ان ذرائع سے پھیلتا ہے۔ جس طرح تواتر صدق (اپنی کثیر تعداد کے باوجود) جھوٹ پراکٹھا ہونے کے عدم امکان کا محتاج ہے۔ اسی طرح تواتر کذب و خطا، جھوٹ اور خطا پراکٹھا ہونے کے امکان کا محتاج ہے۔

⑥ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، نسرہ نخبۃ الفکر، [ص: ۱۰۰] میں متواتر کی ماہیت کے تحقق کے لئے چار شرائط نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وقد يقال: إن الشروط الأربعة إذا حصلت استلزمت حصول العلم، وهو كذلك في الغالب، وقد يتخلف عن البعض لمانع“  
”بسا أوقات کہا جاتا ہے کہ جب مذکورہ چاروں شروط پائی جائیں تو علم حاصل ہو جاتا ہے۔ غالباً ایسا ہی ہوتا ہے لیکن بسا اوقات کسی مانع کی وجہ سے حصول علم پیچھے رہ جاتا ہے۔“

⑦ امام ابن حجر رحمہ اللہ کے قول: ”وهو كذلك في الغالب“ ”غالباً ایسا ہی ہوتا ہے۔“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جمیع شروط پائے جانے کے باوجود ضروری نہیں ہے کہ متواتر جمیع احوال میں جمیع لوگوں کے لیے علم قطعی کا فائدہ دے۔

بسم اللہ

● امام أجهوري 'شرح نخبة' [ورقة: ۱۵] میں اکمال سے نقلاً فرماتے ہیں:

”المتواتر قد لا يفيد العلم، لكون العلم الذي يحصل به حاصل عند السامع، أو لكونه عالماً بنقيضه، لا متناع اجتماع النقيضين“

”متواتر بسا اوقات علم کا فائدہ نہیں دیتا، کیونکہ کبھی کبھار متواتر سے حاصل ہونے والا علم سامع کو پہلے سے ہی معلوم ہوتا ہے یا سامع اس علم کی نقیض کو جانتا ہوتا ہے۔“

یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ متواتر کبھی کبھی اپنی نقیض سے متصادم ہوتا ہے اور جو چیز اپنی نقیض سے مناقض ہو وہ صدق و کذب کے باب میں داخل ہوتی ہے اور صدق محض کے دائرہ سے خارج ہو جاتی ہے۔

● أبو يعلى الحنبلي 'العدة' [۸۲۵/۳] میں فرماتے ہیں:

”والعلم الواقع بالأخبار المتواترة ليس من شرطه أن يجمع الناس كلهم على التصديق به. “

”اخبار متواترہ کے ساتھ واقع ہونے والے علم کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی تصدیق پر تمام لوگ جمع ہو جائیں۔“

آل ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے 'المسودة' [۴۶۸/۱] میں بھی ایسا ہی کہا ہے۔

امام قرآنی رحمۃ اللہ علیہ نے 'التفحيح' [ص: ۳۵] میں، اور ابو علی الشوشاوی نے 'رفع النقاب' [۳۲۵] میں ذکر کیا ہے:

”ونحن لا ندعي حصول العلم أي بالمتواتر في جميع الصور، بل ادعينا أنه قد يحصل، وذلك لا ينافي عدم حصوله في كثير من الصور.“

”ہم جمع صورتوں میں (متواتر سے) حصول علم کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ بسا اوقات متواتر سے علم حاصل ہو جاتا ہے اور یہ قول کثیر صورتوں میں علم کے عدم حصول کے منافی نہیں ہے۔“

اسی طرح امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے 'العمدة' [۳۰۷/۲۰] میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا حکم لگاتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حدیث متعدد صحیح متواتر وجوہ سے مروی ہے، لیکن اس کے باوجود اکثر حنفی اصولیوں نے اس کو منکر کہا ہے اور کتب فقہ میں ایسی متعدد امثلہ موجود ہیں۔

کائنات میں سینکڑوں ایسے جھوٹ اور شیطانی عقائد ہیں جو تواتر کے ساتھ پھیل رہے ہیں، جنہیں کروڑوں لوگوں نے اپنایا ہوا ہے اور وہ ان کے صدق اور صحت پر یقین راسخ رکھتے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کے عقائد وغیرہ۔ لہذا اصولیوں کا اس امر پر اصرار کرنا کہ جھوٹ، وہم اور خطا متواتر نہیں ہوتے یا یہ کہنا کہ متواتر صدق محض ہوتا ہے غلط اور فاسد ہے۔

حق بات یہی ہے کہ اخبار میں صدق و کذب ایسی چیز ہے جو کثرت محضہ کے علاوہ کسی دوسری چیز پر موقوف ہے۔ کثرت تو ایک امر اضافی ہے وہ جس طرح سچ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اسی طرح جھوٹ کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے۔ لہذا محقق پر واجب ہے کہ وہ موجبات صدق و کذب کو دقت نظر سے دیکھے اور احتیاط سے حکم لگائے۔ شرع نے اس کے لیے اسلام، عدالت، امانت اور تقویٰ وغیرہ جیسی صفات کا اعتبار کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ صفات کے بغیر انسان کی کوئی قیمت نہیں ہے، جیسا کہ محدثین کا مذہب ہے۔ جنہوں نے احادیث رسول کی حفاظت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

⑨ متعدد اصولیوں نے متواتر کی تعریف ”أن المتواتر ما أفاد العلم“ کی ہے۔ یعنی متواتر وہ ہے جو علم کا

فائدہ دے۔ پھر وہ اس کی تقسیم کرنے بیٹھ گئے کہ اخبار متواترہ میں سے بعض ہنفسہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور بعض دیگر قرآن کے ساتھ مل کر قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔

اور یہ جملہ بھی..... اللہ اعلم..... جلد بازی، تغافل اور سوء تفکر کا نتیجہ ہے، کیونکہ ان کے نزدیک محض عدد ہنفسہ یا دیگر قرآن کے ساتھ مل کر قطعیت کو لازم نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، بلکہ قطعیت کے حصول کے لیے عدد، موجبات قطعیت کا محتاج ہے اور وہ موجبات یا تو مخبرین (رواۃ) ہیں جن میں اسلام، عدالت، تقویٰ، اختلاف امکان، آصواء اور اقوال وغیرہ جیسی صفات پائی جاتی ہوں یا وہ اخبار کے مواد کی طبیعت ہے یعنی وہ چیز مشاہدہ، محسوسہ یا اعیان کی جنس سے تعلق رکھتی ہو۔ جیسے مکہ، بغداد، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ یا وہ ایسے حوادث سے متعلقہ ہو جن کا جس یا مشاہدہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔

یا وہ موجبات خبر کا مزاج ہے کہ اُسے قبول کرنا آسان ہے یا مشکل ہے۔

یا وہ سامع کا فہم ہے کہ وہ ذہین و فطین ہے یا غبی اور کند ذہن ہے۔

عدد قلیل ہو یا کثیر، سامع کو قطعیت کا فائدہ دینے کے لیے مذکورہ موجبات کا محتاج ہے۔ اس اعتبار سے عدد کی چار معروف متداول صورتیں ہیں۔

① عدد کثیر ہو لیکن جمہول القدر ہو اور اس کے ساتھ موجبات قطعیت بھی موجود ہوں، اس کو وہ متواتر کہتے ہیں۔

② عدد قلیل ہو لیکن جمہول القدر ہو اور اس کے ساتھ موجبات قطعیت بھی موجود ہوں، اس کو وہ خبر واحد

المحتف بالقرائن کہتے ہیں۔

③ عدد قلیل ہو لیکن جمہول القدر ہو اور اس کے ساتھ موجبات قطعیت نہ ہوں۔

④ عدد کثیر ہو لیکن جمہول القدر ہو اور اس کے ساتھ موجبات قطعیت نہ ہوں۔ آخری دونوں صورتوں کو وہ مطلقاً

خبر واحد کہتے ہیں۔

یہ ہے اس قضیہ کی حقیقت، اگر تقسیم میں اساسی اعتبار موجبات قطعیت کا ہے تو پھر اخبار میں تفریق کے تکلفات کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ ایک خبر ہنفسہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہے اور ایک خبر بغیرہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہے یا یہ تقسیم کرنا کہ ایک خبر علم ضروری جبکہ دوسری خبر علم نظری کا فائدہ دیتی ہے۔ کیونکہ قطعیت کے موجبات و قرآن، جو متواتر میں پائے جاتے ہیں بیچنہ وہی خبر واحد المحتف بالقرائن میں پائے جاتے ہیں۔ اس حیثیت سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ان دونوں کے درمیان تفریق..... واللہ اعلم..... یا تو خیال صفاوی ہے یا وہم سوداوی ہے یا پھر یونانی مسیحی فلسفہ کے سامنے عقلی و فکری مرغوبیت کا نتیجہ ہے۔ العیاذ باللہ، کہ انہوں نے بھی انہی کی تقسیم کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اگر اساسی اعتبار قلت و کثرت عدد کا ہو تو پھر عدد کی کثرت و قلت کو مخصوص عدد کے ساتھ منضبط ہونا چاہئے، جو اس تقسیم کے لیے مناسب ہو ورنہ تقسیم ٹوٹ جائے گی، اقسام فاسدہ ہو جائیں گی اور عدد کا اعتبار باطل ہو جائے گا اور معاملہ توضیح و تفصیل سے ہٹ کر تعمیم اور تجہیل کی طرف لوٹ جائے گا۔

⑤ اس اصطلاح میں پایا جانا والا اضطراب، تافص ابہام اور عدم انضباط ایک خطرناک معاملہ ہے۔ جس نے

بسم اللہ



علمی اقدار کو بنیادوں سے لے کر چوٹی تک فاسد کر دیا ہے۔ لہذا فلاسفہ کی اس اصطلاح تو اتر کی دو وجوہ سے اصلاح کرنا ضروری ہے:

① اخبار کو قطعیت و یقین کا لحاظ کیے بغیر فقط عددی اعتبار سے تقسیم کیا جائے۔ جیسا کہ محدثین کرام رحمہم اللہ نے مشہور، عزیز اور غریب کی تقسیم کی ہے یعنی اگر عدد تین سے کم نہ ہو تو مشہور، اگر دو سے کم نہ ہو تو عزیز اور اگر دو سے کم نہ ہو تو غریب۔ ان تینوں اقسام پر چوتھی قسم (متواتر) زیادہ کر لی جائے کہ اگر عدد چار سے کم نہ ہو تو وہ متواتر ہے۔ اس سے اخبار کی تقسیم منضبط ہو جائے گی اور اقسام ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں گی۔

باقی رہا قطعیت و یقین کا معاملہ تو وہ مذکورہ تقسیم کے اعتبار سے ایک امر اضافی ہے، کیونکہ اس کے متعدد دیگر موجبات ہیں۔ جن کے تحقق سے یقین متحقق ہوتا ہے اور ان کے عدم سے یقین منعدم ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مجرد عدد اور قطعیت کے درمیان لازم و ملزوم کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔

② اخبار کو عدد کا لحاظ کیے بغیر فقط قطعیت و قطعیت کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے۔ جیسا کہ معظم اہل علم کا مذہب ہے۔ ان کے نزدیک ہر وہ چیز جو کسی بھی اعتبار سے قطعیت کا فائدہ دے وہ متواتر ہے اور جو قطعیت کا فائدہ نہ دے وہ متواتر نہیں ہے۔

عدد مجہول اور قطعیت کو جمع کرنا یا مجہول عددی کثرت سے یقین و قطعیت کو پیدا کرنے کی کوشش کرنا، پھر مولود (پیدا کردہ قطعیت) اور والدہ (مجہول عددی کثرت) دونوں کو متواتر یا متواتر کا نام دینا ایک فعل عبث ہے۔ اس طریقہ سے کوئی عدد منضبط نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے قطعیت حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ حقیقت کی بجائے فتنہ کے زیادہ قریب ہے۔

### نوٹ

یہ تحریر نور الانوار فی شرح المنار از ملا جیون پر محترم حافظ ثناء اللہ زاہدی رحمہم اللہ کی تحقیق اینق تحقیق و تعلق علی نور الانوار جلد ۳ صفحہ ۲۰۱-۲۱۵ کا ترجمہ ہے۔



حافظ عبداللہ مراد \*

## قراء میں تحقیق کا فقدان..... لمحہ فکریہ

انسان جمیع مخلوقات سے افضل و اعلیٰ ہے اور اس کی افضلیت کا سبب دو اشیاء ہیں۔ عقل و شعور اور علم۔ حیوانوں سے امتیاز کی وجہ عقل و شعور ہے اور ملائکہ سے علم قرآن مجید میں ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [البقرة: ۳۱]

”اس نے آدم ﷺ کو تمام اشیاء کے ناموں کا علم دیا۔ اور اسی علم کی بدولت وہ مسجود ملائکہ قرار پائے۔“

انسان اگر اپنی انہی دو صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو یہ انعام الہی کی ناقدری ہے کہ اُس کی پیدا کی گئی صلاحیتوں سے بہرہ مند نہ ہوا جائے۔ انسان اس حالت سے اس وقت دوچار ہوتا ہے، جب اجتہادی اور تخلیقی عمل چھوڑ کر تقلیدی طرز فکر اپنالے اور باری تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ کی گئی نعمت کو بروئے نہ کار لائے، بلکہ چوپائے کی مانند کسی کے ہکانے پر ہانکتا چلا جائے، یہ رویہ بہر حال محمود انسانی اقدار کے خلاف ہے۔ ایک باشعور انسان بغیر کسی دلیل و برہان کے کسی کی پیروی نہیں کرتا، بلکہ اپنی ہتک محسوس کرتا ہے اور اسے باعث عار سمجھتا ہے بخلاف اس کے کہ وہ اس پر فخر کا اظہار کرے۔ اس انداز فکر کو اہل علم نے تقلید سے تعبیر کیا ہے۔

تقلید کا لغوی معنی ہے:

”کسی چیز کو گلے میں لگانا۔“ [أساس البلاغة: ۳۷۵]

اور جب یہ لفظ شرعی اصطلاح کے طور پر بولا جائے تو اس کا مفہوم ہے کسی کی بات کو بغیر دلیل اور بغیر غور و فکر کے قبول کرنا۔ [لسان العرب: ۳/۳۶۷]

علماء اُصول نے تقلید کی تعریف یوں کی ہے:

”التقلید: العمل بقول الغير من غير حجة.“ [مسلم الثبوت: ۲/۳۵۰]

”کسی کی بات پر بغیر دلیل عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔“

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تقلید کی تعریف کرتے ہیں:

”التقلید هو قبول قول بلا حجة وليس ذلك طريقاً إلى العلم لا في الأصول ولا في

الفروع.“ [المستصفي: ۲/۲۲۲]

”کسی کی بات کو بلا دلیل قبول کرنا تقلید ہے یہ علم تک رسائی کا طریقہ، نہ اصول میں ہے اور نہ فروع میں۔“

مذکورہ بیانات سے پتہ چلا کہ تقلید نہ تو علم کا نام ہے اور نہ ہی علم تک رسائی کا کوئی ذریعہ ہے۔ اگر کوئی بھی فرد کسی انسان کی بات صرف اس لئے بغیر دلیل تسلیم کرتا ہے کہ وہ بہت بڑا عالم، قاری، محدث یا شیخ ہے، اور اُس سے تقاضائے دلیل، جناب کے حضور میں گستاخی یا بے ادبی ہے اور اُن کے مرتبہ کے منافی ہے، تو یہ انسان اعلیٰ حضرت کو

☆ فاضل کلبیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

کسی مرتبہ پر فائز نہیں کر رہا بلکہ اس کے حق میں ظلم اور زیادتی کی راہ پر چل رہا کہ وہ مقام جو حق تعالیٰ شانہ کے لائق ہے کہ اُس کی بات بغیر کسی دلیل کے قبول کی جاتی ہے۔ وہ کسی انسان کو عطا کر رہا ہے ایسا کرنے والوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَوْلِيَاءَهُمْ وَرَهْبًا نَهُمُ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ [التوبة: ۳۱]

”انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے۔“

اہل کتاب کا اپنے علماء کو رب بنانا قطعاً اس طرح نہیں تھا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کو چھوڑ کر اپنے علماء کی عبادت شروع کر دی تھی بلکہ وہ علماء کی باتوں کو بغیر کسی دلیل کے قبول کرتے تھے۔ ان کے علماء اگر اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کر دیتے تو وہ اُسے حرام سمجھتے تھے اور کسی حرام کردہ شے کو حلال کر دیتے تو وہ اُسے حلال کہتے تھے ان کے اس عمل کو ان کی عبادت قرار دیا گیا ہے تو کیا ہمارا ایسا کرنا اللہ کی عبادت اور قربت الہی کا سبب ہو سکتا ہے؟

جس طرح احکام میں کسی کی بات کو بغیر دلیل تسلیم کرنا اس کو رب کا درجہ دینا ہے، اسی طرح باقی جمیع علوم شرعیہ جن کو متقدمین علماء نے دلائل کی روشنی میں مرتب کر دیا ہے، ان میں بلا دلیل بات کرنا بھی ناجائز ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی کے خلاف بات کہے اور جب اس سے دلیل طلب کی جائے تو کہے: ”میرے شیخ نے یوں کہا ہے یا میرے فرقہ کا یہ مذہب اور طریقہ کار ہے“ تو یہ بھی تقلید ہی کے زمرہ میں داخل ہے اور اس پر ہٹ دھرمی کرنے والے شخص کا علم و معرفت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے جہاں یہ رویہ بہت سے لوگوں کا باقی علوم میں ہے اسی طرح علم تجوید و قراءات بھی اس سے محفوظ نہیں رہا۔

قرآن کریم کی نقل کا مدار تلقی (یعنی شاگرد کا اپنے استاد سے بالمشافہ اخذ کرنا) پر ہے کہ تلمیذ مقفوری سے ہر ہر لفظ کا تلفظ صحیح طور پر سنے، اس کو محفوظ کرے اور ریاضت کر کے ادا میں چنگی پیدا کرے تاکہ آئندہ آنے والے لوگوں تک قرآن کریم کا تلفظ درست انداز میں منتقل ہو سکے۔ سلف نے جہاں قرآن پاک کی اس طرح تعلیم دی وہاں حروف کا تلفظ صفات حروف کے ساتھ محفوظ کر دیا تاکہ کسی کو استاد سے سنانے میں سہو ہو گیا ہو تو وہ کتب کی طرف رجوع کر کے اس کی تصحیح کر لے، نیز حروف کی ادائیگی میں طلباء بالعموم جو غلطیاں کرتے ہیں ان کی نشاندہی بھی فرمادی، تاکہ قرآن کریم کی ہر در میں اپنے اصل اور درست تلفظ کے مطابق تلاوت ہوتی رہے۔ اگر کوئی شخص کسی حرف کو اُس کے اصل تلفظ، جس کے مطابق جمہور قراء تلاوت کرتے ہیں اور متقدمین اور متاخرین کی جمیع کتب میں جو تلفظ مذکور ہے، کے خلاف پڑھے اور کسی طرح چھوڑنے کے لئے بھی تیار نہ ہو تو ایسے شخص کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟

ذیل میں ہم اس کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں:

## مثال اول

ضاد معجمۃ کو دال مہملہ کے مشابہ پڑھنا۔  
ضاد معجمہ ایک مستقل حرف ہے، اس کا ایک مستقل مخرج ہے اس میں صفات لازمہ میں سے جہر نخوت، استعلاء، اطباق، اصمات اور صفت استطالت پائی جاتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ حرف ضاد کو اس کے مخرج سے مع صفات لازمہ درست ادا کیا جائے۔

مذکورہ بحث میں اہم بات یہ ہے کہ اس کو کس لفظ کے مشابہ ادا کیا جائے؟ اس حوالہ سے دو طرز تلاوت پائے جاتے ہیں:

① جمہور قراء ضاد کو مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں

② بعض دوسرے قراء اسے مشابہ بالذال پڑھتے ہیں۔

جمہور کا موقف یہ ہے کہ ضاد کا مخرج، صفات لازمہ ہے اور متقدمین قراء کی تصریحات اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ اسے مشابہ بالظاء ادا کیا جائے، کیونکہ ضاد اور ظاء کی جمیع صفات لازمہ سوائے صفت استطالہ کے متفق ہیں تو اس حوالے سے فن تجوید کی سب سے قدیم کتاب الرعاۃ میں کی بنی بنی طالب القسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والضاد يشبه لفظها بلفظ الظاء .“

”لفظ ضاد ظاء کے مشابہ ہے۔“

اور مزید فرماتے ہیں:

”ولو لا اختلاف المخرجين وما في الضاد استطالة لكان لفظهما واحد .“ [الرعاۃ: ۷۹]

”اگر ضاد اور ظاء کے مخرج کا اختلاف نہ ہوتا اور ضاد میں صفت استطالہ نہ ہوتی تو یہ دونوں لفظ ایک ہی ہو جاتے۔“

③ علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومن أكد على القراء أن يخلصوه من حرف الظاء باخراجه من موضعه وايثائه حقه من الاستطالة .“ [التحديد، ص ۱۶۲]

”قراء کو سب سے زیادہ جس بات کی تاکید ہے وہ یہ کہ ضاد کو ظاء سے خالص کر کے ادا کریں اور مخرج اور صفت استطالہ کا حق ادا کریں۔“

علامہ دانی رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کرنے کے بعد شیخ محمد عبدالرحمن الیحبی رحمہ اللہ الحججہ میں لکھتے ہیں:

”علامہ دانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ضاد کو ظاء سے خالص کرتے ہوئے ادا کرو اس بات کی دلیل ہے کہ ضاد مشابہ بالظاء ہے۔“

④ امام عبدالوہاب القرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وأكثر القراء اليوم على إخراج الضاد من مخرج الظاء ويحب أن تكون العناية بتحقيقها تامة .“ [الموضح في التجويد: ۱۴۳]

”آج کل اکثر قراء ضاد کو ظاء کے مخرج سے ادا کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں کے مابین تحقیق تام لازم ہے۔“

⑤ امام جزری رحمہ اللہ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

”والضاد باستطالة ومخرج، ميز من الظاء وكلها تجي .“

”ضاد جہاں بھی آئے اس کو مخرج اور صفت استطالہ کے سبب ظاء سے ممتاز کرو۔“

⑥ علامہ محمد عمر شی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إن جعل الضاد طاء مهملة مطلقا أعني في المخرج والصفات لحن جلي وخطا محض وكذا جعلها ظاء معجمة مطلقا لكن بعض الفقهاء قال بعدم فساد الصلاة من جعلها ظاء

معجمة مطلقا لتعسر التميز بينهما فهو أهون الخطأين .“ [كيفية أداء الضاد: ۲۳]

”اگر ضاد کو مطلقاً ظاء ہملہ سے تبدیل کر دیں تو لحن جلی ہے اور غلط محض ہے اور اسی طرح ظاء کا مسئلہ ہے لیکن بعض فقہاء

کا مذہب ہے کہ جو آدمی نماز میں ضاد کی جگہ مشکل کے سبب ظاء ادا کر لے تو یہ ہلکی غلطی ہے۔“  
دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”ولیس الفارق بین الضاد والظاء المعجمتین إلا الاستطالة والمخرج.“ [جہد المقل: ۱۶۹]  
”ضاد اور ظاء معجمہ کے مابین مخرج اور صفت استطالات کے علاوہ فرق کرنے والی کوئی بھی شے نہیں ہے۔“

● علامہ حسن بن قاسم المرادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أما يشبه لفظه بلفظ الضاد من حرفان وهو الظاء واللام وذلك لأن الظاء يشارك الضاد في أوصافه المذكورة غير الاستطالة فلذلك اشتد شبهه وعسر التمييز بينهما واحتاج القاري في ذلك إلى الرياضة التامة ولولا اختلاف المخرجين وما في الضاد من الاستطالة لاتحدا في السمع.“ [المفيد: ۱۰۸]

”ضاد کی مشابہت دو حروف ظاء اور لام سے ہے اور ظاء اس کی جمیع صفات میں سوائے استطالات کے شریک ہے اسی وجہ سے ان کے مابین مشابہت شدید ہے اور ایک دوسرے سے امتیاز مشکل ہے لہذا قاری ریاضت تامہ کا محتاج ہے اگر (ضاد) کا مخرج اور صفت استطالات نہ ہوتی تو دونوں کی آواز بالکل ایک جیسی ہوتی۔“

متقدمین قراء کی یہ تمام تصریحات اس بات پر دال ہیں کہ ضاد کی مشابہت ظاء کے ساتھ ہے اور علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ میں ایک باب قائم کیا جس کا نام، باب فرق بین الضاد والظاء رکھا ہے اور پھر اس کے ذیل میں تمام وہ کلمات جمع کئے ہیں جہاں ضاد اور ظاء جمع ہو رہے ہیں تاکہ قاری ان کو یاد کر کے ان کے مابین خوب فرق کر لے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے مطالعہ میں متقدمین قراء میں سے کوئی ایک صاحب بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے بھی ضاد کو مشابہ بالمدال لکھا ہو جو کہ آج ایک مستقل ادا کا طریقہ بن چکا ہے اور بے شمار کتب صرف ضاد اور ظاء میں فرق پر لکھیں گئیں ہیں ہم ان میں چند کتب کا ذکر کرتے ہیں۔

### ضاد اور ظاء کے فرق پر لکھی گئیں کتب

- ① کتاب الضاد والظاء والذال والسين والصاد لابی الفہد الحوی البصری رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۲۰ھ)
- ② کتاب الفرق بین الضاد والظاء لصاحب بن عباد رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۸۵ھ)
- ③ کتاب الفرق بین الضاد والظاء للامام ابی عمرو المعروف بغلام ثعلب رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۲۵ھ)
- ④ رسالۃ أصول الظاء فی القرآن والکلام و ذکر مواضعها فی القرآن لمکی بن ابی طالب القیس رحمۃ اللہ علیہ (ت ۴۳۷ھ)
- ⑤ رسالۃ فی الظاءات القرآنیۃ للابی عمرو الدانی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۴۴۴ھ)
- ⑥ کتاب الاقتضاء للفرق بین الذال والصاد والظاء ل محمد بن سعود والانصاری رحمۃ اللہ علیہ (ت ۴۷۰ھ)
- ⑦ کتاب الضاد والظاء للابی بکر القیرانی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۷۱ھ)
- ⑧ کتاب المعرفة ما یکتب بالضاد والظاء لسعد بن علی الرنجانی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۴۷۰ھ)
- ⑨ منظومۃ الظاءات القرآنیۃ للامام الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۵۹۰ھ)
- ⑩ کتاب الفرق بین الضاد والظاء لقاسم بن علی الحریری (ت ۵۱۶ھ)

قراء میں تحقیق کا فقدان..... لمحہ فکریہ

۱۶) کتاب الارتضاء فی الفرق بین الضاد والطاء لابی حیان الخوی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۷۴۵ھ) اس کے علاوہ بھی ہماری فہرست میں کافی کتب موجود ہیں، لیکن طوالت کا آندیشہ سد قلم ہے۔ متقدمین علماء کی یہ جمع کتب بھی اس بات پر دال ہیں کہ ضاد مشابہ بالطاء ہے۔

### متقدمین اور متاخرین قراء اور علماء جو تشابہ بالطاء کے قائل ہیں

ضاد کا مسئلہ ایسا ہے کہ قرون اولیٰ سے علماء اور قراء اس کی وضاحت فرماتے رہے ہیں کہ اس حرف کا صحیح تلفظ کیا ہے اور اس کو کس کے مشابہ ادا کرنا چاہئے؟ ہم نے ستر کے قریب متقدمین اور متاخرین قراء کے اقوال جمع کئے ہیں جو ضاد کے مشابہ بالطاء ہونے کے قائل ہیں۔ جو طوالت کے خوف سے ترک کر رہے ہیں۔ ہم ان میں سے معروف اہل علم کے نام ذکر دیتے ہیں۔

\* ابن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۲۳۱ھ)

\* مکی بن ابی طالب القیس رحمۃ اللہ علیہ (ت ۲۳۷ھ)

\* امام دانی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۲۴۴ھ)

\* امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۶۰۶ھ)

\* امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۶۳۳ھ)

\* امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۶۸۵ھ)

\* شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (ت ۷۲۸ھ)

\* حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (ت ۷۷۴ھ)

\* امام جلال الدین السيوطی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۹۱۱ھ)

\* علامہ محمد عثی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۱۵۰ھ)

\* علامہ متولی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۲۱۳ھ)

\* العلامة محمد مکی نصر رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۳۰۵ھ)

\* شمس الدین عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۳۱۹ھ)

\* مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

\* مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ عبید اللہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ مصطفیٰ المرغنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الازھر سابقا رحمۃ اللہ علیہ

\* علامہ علی محمد الضباع رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ عامر السید عثمان رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ ابراہیم علی شحاتہ السمووی رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ

\* العلامة ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ عطیہ قابل ناصر رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ عبدالفتاح القاضی رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ عبدالفتاح الحجی المرصی رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ عبداللہ الجوهری رحمۃ اللہ علیہ

\* شیخ عبدالکلیم عطاء بدر رحمۃ اللہ علیہ

مذکورہ بالا جمع دلائل دیکھ کر بھی اگر کوئی صاحب ضاد کو مشابہ بالدا ل پڑھے اور دلیل یہ دے کہ میرے استاد یا فرقہ کا یہ مذہب ہے تو اس کی کج فہمی اور ہٹ دھرمی پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر شے کو بالدلیل سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

### مثال ثانی: تفخیم غنہ

حرف نون مجہورہ متوسطہ مستقلہ منفتحہ اور منقلبہ ہے صفات غیر متضادہ میں سے صفت غنہ بھی اس میں پائی جاتی ہے۔ نون بذاتہ ایک مرقق حرف ہے، کیونکہ اس میں صفت استفال موجود ہے جو ترقیق نون کی اجماعی دلیل ہے۔ نون

میں پائی جانے والی جملہ صفاتِ لازمہ میں سے ایک صفتِ غنہ بھی ہے جس کا مفہوم ہے ”صوتِ اغنِ مرکب فی

جسم النون“ [هدایۃ القاری: ۱۷۷/۱]

”نون میں موجود ایک گنگاٹھ والی آواز۔“

اس بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ غنہ نون اور میم کی صفتِ لازمہ ہے۔

● امام جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حرفا الغنة وهما النون والميم“ [التمہید: ۱۰۶]

”حروفِ غنہ نون اور میم ہیں۔“

● امام دانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حرفا الغنة الميم والنون لأنهما غنة من الخيشوم“

”حروفِ غنہ نون اور میم ہیں اور غنہ خیشوم سے آدا ہوتا ہے۔“

● امام مکی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”النون مواخية اللام لقرب المخرجين ولانحراف اللام إلى مخرج النون ولأنهما

مجهورتان رخوتان ولكن في النون غنة ليست في اللام . [الرعاية: ۸۴]

”نون اور لام کے مابین اخوت کا تعلق ہے، کیونکہ ان کے مخرج قریب ہیں اور ویسے بھی لام نون کے مخرج کی طرف مائل

ہو جاتی ہے دوسری بات یہ ہے کہ دونوں مجبورہ اور رخوة ہیں فرق یہ ہے کہ نون میں غنہ ہے جبکہ لام میں نہیں ہے۔“

● شیخ عبدالفتاح المرصفي رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أن صوت الغنة صفت لازمة للنون والميم كائنا متحركتين أو ساكنتين أو مظهرتين أو

مدغمتين أو مخفاتين .“ [هدایۃ القاری: ۱۷۷/۱]

”بلاشبہ غنہ نون اور میم کی صفتِ لازمہ ہے۔ برابر ہے کہ یہ متحرک، ساکن، مظهر مدغم یا مخفی ہوں۔“

مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ غنہ نون اور میم کی صفتِ لازمہ ہے اور یہ دونوں حروفِ مستقلہ ہونے

کے سبب باریک بھی ہیں۔ اب بعض قراء کا یہ کہنا ہے کہ حالتِ اخفاء میں نون ساکن کے بعد جب حروفِ مستعلیہ

آئیں تو غنہ موٹا ہوگا ان کا یہ کہنا دلائل کی رو سے درست نہیں ہے، کیونکہ غنہ نون کی صفت ہے اور نون اجماعی طور پر

مرقن لفظ ہے جب غنہ موٹا کیا جائے گا تو ضروری ہے کہ نون بھی مفخم پڑھا جائے، جو اجماعِ اہل لغت اور قراء

کے مخالف ہے۔ شیخ عبدالفتاح مرصفي رحمۃ اللہ علیہ جو تفخیمِ غنہ کے مؤید ہیں، نے غنہ نون کو الف کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ

جس طرح الف اپنی تفخیم و ترقیق میں ما قبل کا تابع ہے اسی طرح غنہ نون بھی تفخیم و ترقیق میں مابعد کا تابع

ہے یعنی جس طرح حروفِ مستعلیہ کے بعد الف مفخم پڑھا جاتا ہے اسی طرح حرفِ مستعلیہ سے پہلے غنہ بھی

مفخم پڑھا جائے گا۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ قراء نے الف کو ان حروف میں شامل کیا ہے کبھی

مفخم اور کبھی مرقن پڑھے جاتے ہیں اور نون کو متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے بھی ان حروف میں شامل نہیں

کیا بلکہ خود شیخ مرصفي رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایۃ القاری میں جب یہ بحث کی ہے تو فرماتے ہیں:

”الفصل الثالث في الكلام على الحروف المرققة تارة والمفخمة أخرى وهذه الأحرف

الثلاثة الالف ، واللام من لفظ الجلالة خاصة ، والراء .“ [هدایۃ القاری: ۱۰۱/۱]

قراء میں تحقیق کا فقدان..... لمحہ فکریہ

”تیسری فصل میں ان حروف پر کلام ہوگی جو کبھی مرقق ہوتے ہیں اور کبھی مفخم اور وہ تین حروف الف، لام اسم جلالہ اور اء ہیں۔“

● امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نشر میں نون مخفی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”حرف خفی یخرج من الخیشوم ولا عمل للسان فیہ ولا شائبة حرف آخر فیہ .“  
 ”وہ ایک حرف مخفی ہے جو خیشوم سے نکلتا ہے اور اس میں زبان کا کوئی دخل نہیں ور مابعد کے حرف کا اس میں شائبہ تک نہیں ہے۔“ [بحوالہ تعلیقات مالکیہ: ۱۲]

لہذا غنہ نون کو الف سے تشبیہ دینا اور مابعد حروف کا اس میں دخل ثابت کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے اور ویسے بھی کسی حرف کو اس کی صفات لازمہ کے خلاف پڑھنا لحن جلی ہے اور لحن جلی حرام ہے اس کے علاوہ مرجع کی تمام کتب الرعاية، تمہید، النشر، التحدید، جهد المقل وغیرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہذا تمسک بالذلائل لائق افتخار اور راہ صواب ہے۔

### مثال ثالث: تاء اور کاف کی غلط آداہنگی

تاء اور کاف یہ مهموسہ، شدیدہ مستفلة منفحة اور مصممة حروف ہیں لہذا ضروری ہے کہ ان کی آداہنگی صفات کی صحیح تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے کی جائے۔ اور آداہنگی صفات کا نام لے کر ایک غلط تلفظ کو رواج دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے تاء اور کاف میں بعض قراء صفت همس کی آداہنگی کے نام پر ’کھ‘، ’تھ‘، کی آواز پیدا کر دیتے ہیں، مثلاً ’تا‘ کو ’ات‘ کی بجائے ’تھ‘ اور کاف کو ’اک‘ کی بجائے ’اکھ‘ پڑھتے ہیں اور جواباً کہتے ہیں کہ یہ آواز صفت همس کی آداہنگی سے پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ اس کی تعریف ہی کے خلاف ہے علامہ محمد نصر مکی صفت همس کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

”جریان النفس عند النطق بالحرف لضعفه وذلك من ضعف الاعتماد علی مخرجه .“

[نہایة القول المفید: ۵۶]

”آداہنگی حرف کے وقت سانس کا جاری ہو جانا یہ حرف کے مخرج پر اعتماد ضعیف ہونے کے سبب ہوتا ہے۔“  
 مذکورہ تعریف سے یہ معلوم ہوا کہ حروف مهموسہ کو آدا کرتے وقت سانس جاری ہو جاتا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ سانس کی کوئی آواز نہیں ہوتی لہذا تاء اور کاف میں آواز کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے اگر کوئی اس کی یہ دلیل پیش کرے کہ فلاں قاری صاحب یوں پڑھتے ہیں لہذا مجھے انہوں نے یہ سکھایا ہے اور قرآن کو تلقی کے خلاف پڑھنا درست نہیں ہے تو عرض ہے کہ تلقی جو خلاف قواعد ہو اس پر عمل کرنا درست نہیں ہے یہ تو ایک غلطی ہے جسے درست کرنا چاہیے۔

### مثال رابع: حرکات ثلاثہ کو غلط آدا کرنا

ہر حرف کا ایک مستقل مخرج ہے اگر اس کو مخرج سے آدا نہ کیا جائے تو یہ حرف کسی طرح بھی درست اور صحیح آدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن حرکات ثلاثہ فتح، ضمہ اور کسرہ کے بھی مخرج ہیں اگر ان کو کسی دوسرے مخرج سے آدا کیا جائے تو یقیناً یہ حرکات بھی درست آدا نہیں ہوں گی۔



- فتح کا مخرج انفتاح فم و صوت ہے یعنی فتح کو ادا کرتے وقت منہ کھولنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے حرف کی آواز بہت کھل کر اور واضح نکلتی ہے۔
  - کسرہ کا مخرج انخفاض فم و صوت ہے یعنی کسرہ کی ادائیگی میں ہونٹوں کو نیچے کی طرف مائل کر کے یا نے معروف کی سی بودے کر ادا کرنا۔
  - انضمام شفتین یعنی کسرہ کی ادائیگی میں ہونٹوں کو گول کر کے واؤ معروف کی سی آواز نکالنا۔ [المرشد: ۳۱۵]
- قراء کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ حروف کو مخرج سے ادا کریں اسی قدر یہ بھی ضروری ہے کہ حرکات کو ان مخرج سے ادا کیا جائے، لیکن آج کل ایک گروہ پاکستان میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ فتح اور ضمہ کو بھی انخفاض فم سے ادا کرتے ہیں اور پھر اس کو ایک لہجہ قرار دے کر باقاعدہ طلباء کو اس کے اختیار کرنے کا التزام کرتا ہے۔ ایسا کرنا فن تجوید کے خلاف ہے اور اساتذہ کو ایسی غلطی کی اصلاح کروانی چاہیے۔
- اس کے علاوہ ادائیگی حرکات میں جو بہت بڑی غلطی رواج پارہی ہے وہ حرکات کو جمبول پڑھنا ہے۔ پاکستانی جامعات میں یہ غلطی خصوصاً موجودہ مصری قراء اور بعض حجازی قراء کے لہجوں کو اختیار کرنے سے عام ہو رہی ہے۔ ایسی غلطیاں مجودین کے شایان شان نہیں ہیں، لہذا اس طرف خصوصی توجہ ضروری ہے۔

### چند عمومی غلطیاں اور قراء کے بے جا تکلفات

قرآن کریم کو خوبصورت پڑھنا شرعاً مطلوب ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ» . [صحيح البخاري: ۷۵۲۷]

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوبصورت کر کے نہ پڑھے۔“

اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ خوبصورت پڑھنے کی صلاحیت کے باوجود اگر خوبصورت نہ پڑھے تو امت سے خروج کی وعید کا مستحق ٹھہرے گا، لیکن یہ بھی قطعاً لائق ستائش نہیں کہ قرآن کو خوبصورت پڑھنے کے شوق میں فن تجوید اور شریعت کی مقرر کردہ حدود کو پامال کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں قراء نے کتب تجوید و قراءات میں ایسی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جو قراء حضرات خوبصورت پڑھنے کے شوق میں کرتے ہیں۔ تکمیل فائدہ کی خاطر ہم ان کو ذکر کرتے ہیں۔

**تمطیط:** ترتیل میں مدت، حرکات و سکنات میں حد سے زیادہ دیر کرنا یہ عند القراء مکروہ ہے۔

**تخلیط:** حد کو اس قدر تیزی سے پڑھنا کہ حروف آپس میں گڈمڈ ہونا شروع ہو جائیں اور سامع کے لئے حروف کے مابین فرق کرنا دشوار ہو جائے تو ایسا کرنا حرام ہے۔

**تمضیغ:** تلاوت کرتے ہوئے حروف کو چپانا، پورا ادا نہ کرنا بھی حرام ہے۔

**تطنین:** ہر حرف کی آواز ناک میں لے جانا اگر طبعی طور پر ایسی کیفیت ہے تو یہ مکروہ ہے اور خود تکلف سے لے کر جانا حرام ہے۔

**زمزمہ:** گانے اور نغمہ کی طرح گھما گھما کر پڑھنا اگر یہ لوٹانا حدود تجوید میں ہو تو مکروہ ہے ورنہ حرام ہے۔

**ترقیص:** آواز کو نچانا یہ حرام ہے۔

قراء میں تحقیق کا فقدان..... لمحہ فکریہ

**ترعید:** آواز کا کھینچنا جسے قاری سردی سے ٹھہر رہا ہو، یہ حرام ہے۔

[کمال الفرقان: ۹]

**تقطیع:** حرفوں کو کاٹ کاٹ پڑھنا یہ حرام ہے۔

● یہ غلطی بھی عام ہے کہ عین کو ادا کرتے وقت انتہائی تکلف اور سختی سے کام لیا جاتا ہے جیسے پڑھنے والے کی جان نکل رہی ہو، ایسا کرنا قواعد ترتیل کے خلاف ہے اور بے جا تکلف ہے بلکہ عین کی صفت متوسطہ کا تقاضا ہے کہ اس کو آرام سے ادا کیا جائے۔ زیادہ گلے کو کھول کر بھی ادا نہیں کرنا چاہئے کہ الف بن جائے اور زیادہ سختی بھی نہ کی جائے کہ حرف اپنا حسن کھو بیٹھے۔

● بعض قراء کرام خصوصاً مصری حضرات قنقلہ بہت کثرت سے کرتے ہیں، تقریباً ہر ساکن حرف کو قنقلہ سے پڑھتے ہیں اور بعض کبار قراء نے مصری قراء سے کہا بھی کہ

”حروف القنقلہ عندنا خمسة وعندكم عشرين .“

”ہمارے نزدیک حروف قنقلہ پانچ ہیں جب کہ آپ کے نزدیک بیس۔“

لہذا امام جزری رحمہ اللہ کے قول و احرص على السكون کے موافق سکون کا خصوصی خیال رکھا جائے اور بے جا قنقلہ سے اجتناب کیا جائے۔

● عموماً مبتدی قاریوں سے یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہ ایسے بعض حروف کو کلمات کے ساتھ مل کر آتے ہیں اور ان کا نفس کلمہ سے تعلق نہیں ہوتا جیسے حروف عاطفہ اور حروف تاکید وغیرہ تو ان کو اس طرح ادا کیا جاتا ہے، جیسے کلمہ میں شامل ہوتے ہیں یہ غلطی ایسے قراء میں زیادہ ہے جو ترجمہ قرآن اور عربی گرامر سے واقف نہیں ہیں۔ ایسے حروف کا خصوصی خیال رکھنا چاہئے تاکہ سماع پر التباس نہ ہو اور فساد معنی نہ لازم آئے ایسے کلمات کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- ① **فَسَقَى:** یہ سقی پلانے کے معنی میں ہے اگر ما کو جدا نہ کیا جائے فسق گناہ کرنے کے معنی میں ہو جائے گا۔
- ② **فَجَعَلَهُمْ:** یہ جعل بنانے کے معنی میں ہے اگر فاء کو جدا کر کے نہ پڑھا جائے تو یہ فجع مصیبت آنا کے معنی میں ہو جائے گا۔
- ③ **فَتَرَى:** یہ رویت دیکھنے کے معنی میں ہے اگر ما کو جدا نہ کیا جائے تو فتر جھوٹا گڑھنے کے معنی میں ہو جائے گا۔
- ④ **وَكَفَى:** کفایہ کافی ہونا سے ہے اگر واؤ کو ملا کر نہ پڑھیں تو و کف ٹپکنے کے معنی میں ہو جائے گا۔
- ⑤ **لَمَعَ:** یہ مبع ساتھ کے معنی میں ہے اور لام تاکید ہے اس کو خیال کر کے نہ پڑھا جائے تو یہ لمع روشن ہونے کے معنی میں ہو جائے گا۔

ہم نے اپنی استطاعت کے موافق چند غلطیوں کی طرف نشان دہی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر قراء ان کی طرف توجہ فرمائیں تو تلاوت قرآن کے مسئلہ میں اعتدال آسکتا ہے۔ باقی یہاں کسی پر تنقید مقصود نہیں صرف قراء میں پائے جانے والے ایک نظر نظر کی وضاحت مطلوب تھی کہ تلاوت قرآن کے مسئلہ میں تلقی اگرچہ معیار اول ہے، لیکن اس کے نام پر تلاوت قرآن میں نئی بدعتوں کو رواج دینا حملہ القرآن کی شان کے منافی ہے۔ اللہ ہمیں اقرءوا القرآن کما أنزل کے موافق قرآن پڑھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

جیسا کہ تجوید کے مسئلہ میں قراء کا ایک طبقہ تحقیقی انداز کو ترک کیے ہوئے ہے بعینہ ایسے ہی قراءات کے عمومی فکری مسائل بھی قراء کے اسی طرز فکر کا شکار ہیں اور بات اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کسی شخص کی ایک تحقیقی رائے کو اہمیت دینے کے بجائے اپنے سنے سنائے پرانے نظریات پر ہی یقین کامل رکھے ہوئے اُسے رد کر دیا جاتا ہے اور ان

حافظ فہد اللہ مراد

مسائل کو سمجھنے اور ان کے بارے میں شرح صدر کے ساتھ کسی کے نقطہ نظر کو تسلیم کرنے یا پھر اپنی حد تک ایک تحقیقی نقد کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ کر رد کر دینا کہ یہ صحیح نہیں ہے اسی رویہ نے قراء میں تقلیدی روش کی جڑوں کو مضبوط کیا ہے اور عام طور پر قراء الاماء اللہ اپنے ان مسائل کے بارے میں کسی بھی سمجھدار مسائل کو مطمئن کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

### ① اختیارات قراء کا مسئلہ

اختیارات سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی امام روایات مرویہ میں سے اپنی شرائط کے موافق قراءت کے کسی انداز کو اختیار کر لے اور اسی کے موافق تلاوت کرے اور وہ قراءت (یعنی اختیار) اسی امام کی نسبت سے معروف ہو جائے۔ اختیارات کے بارے میں امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الاختیار ما اختارہ القاری من مرویاتہ وروی قراءۃ تنسب إلیہ.“ [النشر: ۵۲۷]

”اختیار یہ ہے کہ قاری مختلف روایات میں سے بعض اشیاء کو اپنے لیے خاص کر لے اسی کے موافق تلاوت کرے اور اسی کو اپنی قراءت کے طور پر روایت کرے۔“

اب قراء کے ہاں عمومی طور پر یہ نقطہ نظر پایا جاتا ہے کہ سرے سے اختیار کا مسئلہ ہی غلط ہے اور اس پر ہمیں بعض مؤقر قراء کرام کے خطوط بھی موصول ہوئے ہیں کہ اس مسئلہ کو یا اس نظریہ کو پیش نہیں کرنا چاہئے ہماری اس بارے میں رائے یہ ہے کہ ان مسائل میں معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کے بجائے ایک تحقیقی نقطہ نظر اختیار کرنا چاہئے اور نونیز قراء و علماء کو اس مسئلہ کو صحیح طور سمجھانا چاہئے تاکہ ایک علمی اور تحقیقی طرز فکر پروان چڑھے اور ہر ایک چیز کو اس کا صحیح مقام حاصل ہو۔

### ② خلط قراءت کا مسئلہ

خلط قراءت کا مفہوم یہ ہے کہ مختلف روایات اور قراءت کو آپس میں ایک دوسرے سے ملا کر پڑھنا مثلاً قراءت کرتے ہوئے کسی ایک روایت کا التزام نہ کیا جائے بلکہ کئی روایات کو آپس میں ملا دیا جائے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اس بارے میں عمومی طور پر قراء کا نظریہ یہ ہے کہ خلط قراءت غلط ہے اور یہ قرآن کریم میں تغیر و تبدل کے مترادف ہے جبکہ یہ نظریہ تحقیقی نقطہ نگاہ سے درست نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے جیسا کہ امام ابن الجزری رحمہ اللہ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ کہنا کہ مطلق طور پر خلط قراءت درست نہیں ہے صحیح نہیں ہے لہذا قراء عظام سے گزارش ہے کہ اس میدان میں بھی قدم نہ جافرائیں۔ بعض قراء کو یہ شکوہ کرتے بھی سنا ہے کہ لوگ عمومی طور پر جمع مسائل میں تو مفتیان کرام سے مسائل پوچھتے ہیں لیکن قراءت کے نظری مسائل میں بجائے مفتیان و شیوخ الحدیث کے رجوع قراء کی طرف ہوتا ہے حتیٰ کہ عوام کے بجائے مفتیان کرام اور شیوخ الحدیث عظام بھی قراء کی طرف رجوع کرتے ہیں حالانکہ چاہئے تو یہ کہ جہاں دیگر سینکڑوں مسائل میں ہر شیخ الحدیث کوئی نہ کوئی نقطہ نظر رکھتا ہے تو قراءت کے مسائل کے بارے میں بھی ان کی کوئی رائے ہونی چاہئے۔

اس سلسلہ میں قراء کی خدمت میں عرض ہے کہ یقیناً ان کا یہ احساس بجائے کہ مفتیان و شیوخ قراءت کے مسائل کے بارے میں کوئی نظریہ نہیں رکھتے، لیکن اس بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے تو وہ شخص جو خود قراءت

قراء میں تحقیق کا فقدان..... لمحہ فکریہ

کا عالم نہیں ہے اس کا علم قراءات کے بارے میں صحیح رائے دینا ایک بہت ہی مشکل مسئلہ ہے اگر کسی شیخ الحدیث کی علم قراءات پر بھی گہری نظر ہے تو وہ یقیناً اس کا بہت بڑا امتیاز ہے لیکن جہاں یہ شکوہ قراء کا دیگر علماء عظام سے ہے ایسے یہ ہمارا شکوہ قراء سے بھی ہے کہ عام طور پر قراء کا بھی اس بارے میں کوئی نظریہ نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو وہ بھی کوئی تحقیقی نقطہ نظر نہیں ہوتا بلکہ جو اساتذہ سے سنا تھا اُسے ہی حق سمجھتے ہوئے اس پر پکا ایمان ہے اور اس سے کسی بھی طرح شس سے مَس ہونے کو تیار نہیں ہیں۔

مذکورہ دونوں مسائل پر تفصیلی بحث دیکھنے کے لیے قراءات نمبر حصہ اول میں ہمارے مضمون مسئلہ خلط قراءات کا مطالعہ فرمائیں۔

### حدیث سبعہ اَرف کے مفہوم کا مسئلہ

قراءات کی بحث میں حدیث سبعہ اَرف کا کیا مفہوم ہے ایک بنیادی ترین مسئلہ کی شکل اختیار کر گیا ہے اگرچہ حجیت قراءات اور ثبوت قراءات کی بحث سے اس کا تعلق بالکل اضافی ہے اس علمی مسئلہ کے بارے میں قراء عموماً تو کسی رائے کے حامل ہوتے ہی نہیں ہیں لیکن اگر ہیں بھی تو بعض دفعہ ایسی رائے ہوتی ہے جو ایسے ہی قراءات کے عدم حجیت پر دلالت کر رہی ہوتی ہے مثلاً یہ کہنا کہ سبعہ اَرف سے مراد قراء سبعہ کی قراءات ہیں یہ ایک انتہائی سطح رائے ہے اور اس سے دیگر قراءات ثلاثہ متواترہ کی عدم حجیت کا خود بخود اعلان ہو رہا ہے اس لیے ہمیں اس بات سے شکوہ نہیں ہے کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہونی چاہئے ہمارا شکوہ یہ ہے کہ رائے جو بھی اختیار کریں وہ دلائل و براہین کی قوت لیے ہوئے ہو اور دیگر آراء کا بھی ایک تجزیہ کیا ہونا چاہئے بعض دفعہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ قراءات کے ان فکری مباحث میں عموماً قراء امام جزری رحمہ اللہ کی رائے کو حتمی سمجھتے ہوئے پورے زور دار انداز سے پیش کر دیتے ہیں۔ تو یہ انداز بھی ہماری نظر میں درست نہیں ہے کیونکہ شرعی علوم میں ہمیشہ یہی مسلک ہونا چاہئے کہ کسی مسئلہ کو دلائل کی بنیاد پر رکھا جائے اور جس کی بھی رائے اَرف ابی الصواب ہو اُسے اختیار کر لیا جائے اس سے یہ قطعاً مراد نہیں ہے کہ امام جزری رحمہ اللہ کی آراء ضعیف ہوتی ہیں یا پھر معاذ اللہ ان کی تنقیض مقصود ہے بلکہ مقصد بحث یہ ہے کہ اگرچہ امام جزری رحمہ اللہ ہی کی رائے کو اختیار کیا جائے لیکن دلائل کی بنیاد پر مکمل شرح صدر ہونے کے بعد ویسے بھی تحقیق کی دنیا میں شخصیات کے بجائے دلائل و براہین سے ہی تمسک قابل ستائش امر ہے۔

### رسم عثمانی کا مسئلہ

رسم عثمانی کے مسئلہ پر بھی ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں کہ آیا رسم توفیقی یا توفیقی یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کردہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود اختیار فرمایا تھا یا یہ کہ اُسے رسم عثمانی کیوں کہا جاتا ہے۔ رسم نبوی کیوں نہیں کہا جاتا یہ ایسے سوالات ہیں کہ قراءات کے متعلق سوچنے والے ہر ذہن میں موجود ہیں اس لیے ہمیں بھی ان موضوعات پر نہ کہ خود تیار کرنی چاہئے بلکہ وہ قراء کرام جو ماشاء اللہ ہر سال قراءات عشرہ سے سند فضیلت حاصل کر رہے ہوتے ہیں انہیں بھی باقاعدہ طور پر ان موضوعات پر تیار کروائی جائے اور اگر ہو سکے تو ان سے مقالات تحریر کروائے جائیں تاکہ وہ جب میدان عمل میں جائیں تو دلائل کے اسلحہ سے لیس ہوں، باطل نظریات کے حاملین کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور انہیں منہ توڑ جواب دیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے

حافظ فہد اللہ مراد

قراءات نمبر حصہ اوّل میں مجلس تحقیق اسلامی کے فاضل رکن قاری محمد مصطفیٰ راسخ کا مضمون رسم عثمانی کی شرعی حیثیت کا مطالعہ مفید رہے گا۔

اس مسئلہ سے جڑا ہوا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ جمع عثمانی کی نوعیت کیا تھیں روایات میں مذکور جمع عثمانی کے بارے میں بعض بظاہر متعارض الفاظ کی حقیقت کیا ہے کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سبعہ اُحرف کو ترک کر دیا تھا اور سبعہ اُحرف کے بغیر قرآن کو صرف حرف قریش پر جمع کیا تھا یا یہ ایک مرجوح رائے ہے اور اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے ان تمام موضوعات پر بھی قراء کرام کی خصوصی نظر ہونی چاہئے تاکہ حفاظت قرآنی اور خدمت قرآن کے عظیم مقصد میں ہم کامیاب و کامران قرار پائیں، اس سلسلہ میں جاننے کے لیے قراءات نمبر حصہ سوم میں موجود مضمون (رسم عثمانی روایات کے آئینہ میں) کا مطالعہ فرمائیں۔

### علم تحریرات کا مسئلہ

اسی طرح قراء کرام نے قرآن کریم کے فکری مسائل کے علاوہ اپنے اصلی اور حقیقی موضوع حروف قرآن پر بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں ہیں یعنی یہ بتایا ہے کہ کون سے اختلافات کو بطور قرآن تسلیم کیا جاسکتا ہے اور کون سی چیزیں قرآن نہیں ہیں یا پھر روایت قرآن کے وقت کسی راوی سے کسی جگہ تسامح تو نہیں ہوا یا روایت کسی دوسری روایت سے خلط تو نہیں ہوگی اس پر بہت کام ہوا قراء کرام کی ان تحقیقات عالیہ کو اصطلاحاً تحریرات کہا جاتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے قراءات کے طلباء الا ماشاء اللہ تحریرات کے بھی ماہر ہونے کے بجائے عرصہ دراز تک تحریرات کا موضوع ہی نہیں سمجھ پاتے کہ تحریرات کہا کس کو جاتا ہے؟ اور جہاں کچھ تھوڑا بہت اہتمام موجود ہے وہ بھی ہماری نظر میں بہت ناکافی ہے کیونکہ جس طرح سلف نے اپنی تحقیقات پیش فرمائیں اور الحمد للہ ہمارے کبار آساتذہ نے محنت فرما کر انہیں ضبط کیا ہے بلکہ ان کی ہر مسئلہ میں ایک تحقیقی رائے بھی موجود ہے اس طرح ہمیں بھی چاہئے کہ اس امانت کو سو فیصد صحیح طریقے سے منتقل کرنے کے لیے علم تحریرات سے گہری آگاہی حاصل کریں۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے اور قرآن کریم کے خدام میں ہمارا نام درج فرمालے۔ (آمین یا رب العالمین)



# حافظ فہد اللہ مراد

## ائمہ قراءات کے لیل و نہار

ائمہ عشرہ اور ان کے رواۃ کی طرف منسوب قراءات اگرچہ ان کی نسبت سے خبر واحد ہیں لیکن دیگر بے شمار روایات سے تائید کی بناء پر اور علمائے قرآن میں ان کو تلقی بالقبول حاصل ہو جانے سے ان کا رسول اللہ ﷺ سے ثبوت بہر حال قطعی اور متواتر ہے۔

زیر نظر مضمون میں فاضل مؤلف نے دس مشہور آئمہ اور ان کے رواۃ میں سے ان بعض شخصیات کو موضوع بحث بنایا ہے جن پر بعض ائمہ جرح و تعدیل کی طرف سے طعن کیا گیا ہے۔ ان آئمہ کی قراءات چونکہ نواتر طبقہ سے ثابت ہیں چنانچہ انفرادی سطح پر اگر کسی شخصیت پر کوئی جرح ثابت ہو بھی جائے تو بھی اس امام کی طرف منسوب قراءات پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

فاضل مضمون نگار نے اگرچہ ان آئمہ قراءات پر جرح کا بخوبی جائزہ قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے لیکن اگر چند لمحات کیلئے اس جرح کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی عرض ہے کہ وہ ذات کے بجائے ان کے حافظے پر طعن سے تعلق رکھتی ہے اور ضروری نہیں کہ ایک شخص جو ایک فن میں ضعیف الحفظ ہو تو دوسرے فن میں بھی وہ لازماً ضعیف الضبط ہوگا۔ اس نکتہ کی وضاحت قراءات نمبر دوم کے صفحہ ۳۵۶ تا ۳۵۸ اور صفحہ ۵۳۱ پر تفصیلاً دیکھی جاسکتی ہے۔

یہاں ایک نکتہ مزید پیش خدمت ہے کہ اہل فن کے ہاں حافظے کی قوت کے دو معیارات ضبط الصدر اور ضبط الکتاب ہیں۔ حدیث شریف کی تدوین چونکہ کافی بعد میں جا کر مکمل ہوئی ہے اس لیے وہاں راوی کے قوت حافظہ کے لیے ضبط الکتاب کی بحث عام ہے لیکن قرآن مجید روزِ اوّل سے مکتوب حالت میں نبی کریم ﷺ دنیا میں چھوڑ کر گئے۔ اس لیے یہاں صدی حافظ کی کمزوری کے بالمقابل کتابی حافظ تو ہر صورت میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ اس لیے یہاں صدی حافظ کی کمزوری ضرور سزا نہیں جبکہ قرآن مجید کتابی صورت میں اُمت کے پاس ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ اس مرکزی نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ آئمہ قراءات پر تنقید کا غلط شوق پورا کر رہے ہیں، حالانکہ ائمہ جرح و تعدیل نے بھی اگر ان آئمہ قراءات پر حافظہ کے اعتبار سے کوئی طعن پیش کیا ہے تو وہ علم الحدیث کی نسبت سے پیش کیا ہے، ورنہ تمام ائمہ جرح و تعدیل روایت قرآن کے ضمن میں ان آئمہ قراءات کو ثقاہت کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کرتے تھے، جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے اسے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ [ادارہ]

الحمد لله على نعمه الظاهرة والباطنة قديما وحديثا، والصلوة والسلام على محمد وآله وصحبه الذين ساروا في نصرة دينه سيرا حثيثا وعلى أتباعهم الذين ورثوا العلم، والعلماء

ورثة الأنبياء أكرم بهم وارثا و موروثا . أما بعد!

① قال الله سبحانه و تعالى:

﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ؛ وَأَنْ سَعِيَهُ سَوْفَ يَرَىٰ؛ ثُمَّ يُجْزَأُ الْجَزَاءَ الْآوْفَىٰ﴾ [النجم: ۳۹، ۴۰، ۴۱]

② و قال تعالى:

﴿يُرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ [المجادله: ۱۱]

”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجے بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان والے ہیں اور انہیں علم دیا گیا ہے۔“

③ و قال سبحانه و تعالى في مقام اخر:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ [الزمر: ۹]

”کہہ دیجئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں، بے شک نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔“

حدیث مصطفیٰ ﷺ

﴿إِنَّ اللَّهَ يَرَفُّ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ﴾ [سنن ابن ماجہ: ۲۱۸]

”بے شک اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ بہت سی قوموں کو بلند کرے گا۔“

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ». [صحيح البخاري: ۵۰۳۷]

”تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔“

یہ منشاء قدرت ہے کہ اسلام کو دنیا میں غالب کرتا ہے اور اُسے قائم و دائم رکھتا ہے، اسی طرح اُمت کے وہ اشراف جنہوں نے شب و روز قرآن و حدیث کی خدمت کی ہوتی ہے، اللہ رب العزت ان کے ناموں کو بھی زندہ اور ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔ وہ اصحاب جنہوں نے قرآن و حدیث کو پڑھنے پڑھانے میں عمر کھپا دی ان کی مکمل تعداد کیا تھا اور اب کتنی ہے؟ صرف اللہ عالم الغیب و الشہادۃ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اتنی زیادہ تعداد کی مثال دنیا کے کسی طبقے یا کسی اُمت میں نہیں مل سکتی۔ اُمت کی ان بزرگ ہستیوں میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک علمائے الفاظ اور دوسرے علمائے معانی۔ علمائے الفاظ سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں، جنہوں نے قرآن مجید کے متن، آیات، الفاظ، حروف و حرکات، حتیٰ کہ نقطے اور شد و مد کی خوب حفاظت کی۔ انہوں نے قرآن حکیم کے فصیح طرز ادا کو نہ صرف خود محفوظ رکھا بلکہ آنے والی نسلوں تک باحفاظت یہ علم منتقل کر کے دنیا سے چلے گئے۔ ظاہر ہے اتنی ہمت والا کام اللہ کی توفیق اور مدد کے بغیر ممکن نہیں کہ جس قرآن کو اٹھانے کا انکار آسمان و زمین اور پہاڑوں نے کر دیا تھا اُسے اگر انسان نے اٹھایا تو صرف اللہ کی منشاء و مرضی اور توفیق کے سہارے پر۔

چونکہ تمام تفاسیر و احادیث قرآنی متن کی محتاج ہیں۔ یہ قرآنی متن کی تشریحات ہیں جو قرآن کے تابع ہوتی ہیں۔ قرآن کا متن باقی رہے گا تو حدیث و تفسیر بھی قائم و دائم رہیں گی۔ لہذا قرآن مجید کے متن، الفاظ و کلمات جہاں تک کہ ہر حرف، اعراب اور نقطے کی حفاظت ضروری ہوگی اس کی حفاظت کا کام کرنے کے لیے ایسے افراد کی ضرورت تھی جو اپنی زبانوں اور سینوں کو قرآن کے لیے پیش کریں، جو اپنی زبانوں کو خوب مشق و محنت کے ذریعہ صحیح طرز ادا کا عادی بنائیں۔ صرف قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جو افضل الذکر ہے جس کی تلاوت عبادت سمجھ کر کی جاتی ہے اور قرآن پاک کے متن کو تلاوت کرنا اور لوگوں کو سنانا، سکھانا اس کام کے لیے افراد تیار کرنا، سب کچھ فریضہ

نبوت میں شامل تھا۔

جیسا کہ قرآن مجید نے بڑی وضاحت کے ساتھ نبی ﷺ کے فرائض کی وضاحت کی ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (دعائے ابراہیم علیہ السلام)

① ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [البقرة: ۱۲۹]

”اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول بھیج جو انہی میں سے ہو، وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاکیزہ بنائے، بلاشبہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔“

② ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: ۱۵۱]

”جیسا کہ ہم نے تمہارے اندر تمہی سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں چاہتے تھے۔“

③ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ [آل عمران: ۱۶۳]

”بلاشبہ اللہ نے مومنوں پر بہت احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو سناتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔“

④ ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ [الجمعة: ۲]

”وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں متن قرآنی کی تلاوت کو مقدم رکھا اور کتاب و سنت کی تفہیم کو مؤخر کیا اور نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے اولاً ہر آیت کی تلاوت سیکھی اُسے یاد کیا بعد میں اس کا مفہوم بھی سمجھا اور آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو بھی اسی ترتیب سے ساتھ تعلیم دی۔ حتیٰ کہ اُسلاف نے بھی یہی انداز اپنایا۔ لوگ تمام علوم سیکھنے سے پہلے قرآن مجید صحیح پڑھنا سیکھتے تھے۔

چنانچہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کو باب الصفا کے قریب ستون کے پاس بیٹھے ہوئے پایا، تو آپ کے پاس چلا گیا۔ پوچھنے لگے لڑکے! تم نے قرآن مجید پڑھ لیا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں، پڑھ چکا ہوں۔ بولے علم میراث سیکھا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر پوچھا حدیث بھی لکھی ہے میں نے کہا جی لکھی ہے۔“ [تذکرۃ الحفاظ، اردو، ۱۰۸/۱]

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلا سوال قرآن پڑھنے کے متعلق پوچھا: جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ تمام علوم سیکھنے سکھانے سے پہلے قرآن مجید کو صحیح پڑھنا آنا چاہئے اور متقدمین ایسا ہی کرتے تھے۔ لہذا بعض احناف کا یہ کہنا



کہ اکثر محدثین قراءات و تجوید سے ناواقف تھے یا قرآن درست نہ پڑھ سکتے تھے، بالکل فضول بات ہے۔ حتیٰ کہ کچھ نے تو ہمارے جلیل القدر امام، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اسی طرح کا اعتراض وارد کیا، جس کا جواب الحمد للہ انہیں اسی موقع پر دے دیا گیا کہ کاش مولانا صاحب نے صحیح بخاری پڑھی ہوتی تو معلوم ہوتا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قراءات کے ماہر اور عالم تھے۔ ہاں انہیں یہ فن پڑھنے پڑھانے کا موقع میسر نہ آیا یا اتنا وقت اور فرصت ہی نہ ملی۔ کیونکہ صحیح بخاری میں امام صاحب نے دوسو کے لگ بھگ ایسے کلمات ذکر کیے ہیں کہ جن کا تلفظ عام روایت حفص (موجودہ مصحف) کے تلفظ کے خلاف ہے اور علماء نے امام ہشام بن عمار دمشقی جو ابن عامر شامی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر راوی ہیں کا شاگرد بھی بتایا ہے اور اسی طرح امام خلف کوفی رحمۃ اللہ علیہ، خلاد کوفی رحمۃ اللہ علیہ، ہشام بن عمار دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اور شعبہ بن عیاش کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے احادیث بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے متن کی ادا تلاوت کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی ایک جگہ پر مقدم رکھا ہے اور بیان کو مؤخر کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① ﴿وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ [الفرقان: ۳۲]

”اور ہم نے اس قرآن کو ترتیل کے ساتھ نازل کیا ہے۔“

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ [الفرقان: ۳۳]

”یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ تفسیر بتادیں گے۔“

ان بالترتیب دو آیتوں میں ترتیل (تجوید سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا) کو مقدم اور اس کی وضاحت یعنی تفسیر کو مؤخر کیا گیا ہے۔

② ﴿الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ، عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ [الرحمن: ۴۱]

”شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ رحمن نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا

کیا اور اسے بیان سکھایا۔“

یہاں پر بھی بیان کو مؤخر کیا گیا ہے۔

③ ﴿لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ، فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾

[المزمل: ۱۶، ۱۷]

”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ

ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر بے شک اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔“

بعض اہل علم کو غلط فہمی ہوگئی کہ فقط سمجھ بوجھ ہونا کافی ہے اور پڑھنے کی بجائے تفقہ زیادہ ہونا چاہئے۔ چاہے کوئی

غلط پڑھے یا صحیح۔ حالانکہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے۔ قرآنی متن محفوظ نہ رہا تو تفقہ کیسے حاصل ہوگی؟ دوسرا یہ کہ تفقہ

قرآن صحیح پڑھنے سے مانع نہیں اور قرآن مجید کثرت سے تلاوت کرنا تجوید کے مطابق ادا کرنا تفقہ کے خلاف نہیں،

ورنہ جلیل القدر قراء اور محدثین جنہوں نے اپنی زندگی میں کثرت کے ساتھ شب و روز قرآن کی تلاوت کی۔ اتنے

قرآن مکمل، ختم کیے کہ جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ آگے چل ہم امام شعبہ بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کے

حالات میں انشاء اللہ ذکر کریں گے۔ اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جیل میں ۸۱ بار قرآن مکمل کیا۔ آپ ایک

ناہینے قاری جو خوبصورت آواز میں پڑھتا تھا سے سنتے بھی تھے۔ امام صاحب جب سورۃ القمر کی آخری آیات پر پہنچے تو

اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ [طبقات حنابلہ، تذکرۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ]

اگر جیل میں ۸۱ بار قرآن اُنہوں نے مکمل پڑھ لیا تھا تو باقی زندگی میں کتنا زیادہ پڑھا ہوگا؟  
قرآن مجید کے متن کو صحت و صفائی سے پڑھنا ان لوگوں کے پاس کتنا عظیم امر تھا ان کو قرآن مجید سے کس قدر  
لگاؤ تھا؟ اُنہیں سننا اور پڑھنا دونوں کام کتنے اچھے محسوس ہوتے تھے۔

چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھا ہے:

”قرظ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے عراق روانہ کیا تو دور تک  
ہمارے ساتھ چلے رہے، پھر فرمانے لگے، جانتے ہو، میں تمہیں یہاں تک وداع کرنے کیوں آیا ہوں؟ ہم نے عرض کیا  
جی ہاں ہمارے عزت افزائی کے لئے، فرمایا ہاں یہ درست ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں تمہیں یہ بھی ہدایت کرنے  
آیا ہوں کہ تم ایک ایسے شہر جا رہے ہو جہاں کے لوگ قرآن حکیم کو اس سوز و گداز سے پڑھتے ہیں کہ اس کے سینوں سے  
مکھیوں کی بھٹھنناہٹ کی طرح رونے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ خبردار! کمثراتِ احادیث بیان کر کے ان کی توجہ قرآن  
سے نہ ہٹا دینا، زیادہ تر قرآن حکیم کی تعلیم پر زور دینا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کم از کم احادیث بیان کرنا، اب جاؤ تمہارے اس  
مشن میں، میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں۔ قرظ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب ہم وہاں پہنچے اور لوگوں نے ہم سے حدیث  
بیان کرنے کی فرمائش کی تو ہم نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔“ [تذکرہ الحفاظ، ۱۸  
طبقاً]

**نوٹ:** یہاں ہم یہ وضاحت کرتے چلیں کہ کوئی منکر حدیث یہ خیال نہ کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین  
کے بارے میں کمزور یا غلط عقیدہ رکھتے تھے بلکہ وہ احتیاط کرتے تھے تاکہ کوئی شخص اپنی طرف سے غلط بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کی طرف منسوب نہ کر دے۔ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موتیوں کی مانند فرامینِ انسان کی رہنمائی کے لیے مشعلِ راہ ہیں، بات  
واضح ہے۔

اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن سے محبت کا انداز بھی لگایا جاسکتا ہے۔  
قرآنی متن کو درست شکل کے ساتھ زبان پر لانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ فصیح تھے  
جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم فصیح طرزِ ادا کے ساتھ ساتھ خوبصورت آواز میں تلاوت فرماتے تھے اسی طرح آپ کے اصحاب  
بھی خوبصورت تلاوت فرماتے تھے۔

یاد رہے کہ خوبصورتی میں صرف خوش آوازی ہی مراد نہیں ہوتی بلکہ کلمات و حروف کی فصیح ادا سب سے مقدم عمل  
ہوتی ہے۔ اس ساری بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ متن کلام اللہ تمام دینی علوم کی بنیاد اور اساس ہے۔ دین کی  
ساری عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہے۔ جن نفوسِ قدسیہ نے اساس اور بنیاد کو قائم رکھا ان کی عظمت و شان اور بزرگی کسی  
سے کم نہیں۔ اسلام میں ان کے نام خدمتِ قرآن کی وجہ سے اس طرح چمکتے رہیں گے جس طرح آسمان پر سورج،  
چاند اور تارے چمکتے ہیں۔

یہ لوگ تمام علوم میں مہارت تامہ رکھنے والے تھے۔ ہر فن مولا ہوتے تھے۔ لیکن ہر کسی نے اپنے طبعی ذوق کے  
لحاظ سے یا قلت وقت کی وجہ سے ایک فن میں مہارت پیدا کی، وہ اسی علم و فن کا امام کہلانا لگا۔

اسی طرح قراءات و تجوید کے ائمہ نے باوجود صاحب علم و فضل ہونے کے خود اپنے طور پر قرآن مجید کو پڑھنے  
پڑھانے کا رستہ اختیار کیا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کو اتنا مصروف کر دیا کہ انہیں احادیث نقل کرنے کی

فرصت ہی نہ ملی۔ جس طرح محدثین نے احادیث کی جانچ و پرکھ احادیث کے لکھنے، یاد کرنے میں عمریں صرف کر دیں، اس زمانے کے علماء و قراء آج کی نسبت کہیں زیادہ تفقہ اور علوم میں مہارت رکھنے والے تھے۔

کچھ محدثین قراء ایسے بھی ہیں جن سے اللہ نے قراءات اور احادیث دونوں کی خدمت لی۔ انہوں نے اپنے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ دن کا ایک حصہ قرآن پڑھانے میں اور دوسرا احادیث کی نقل و روایت میں گزارتے۔ کچھ ایسے قراء ہیں جو قراءات میں بالاتفاق ثقہ و ضابط مانے جاتے ہیں۔ حدیث کی نقل و روایت کی طرف وقت نہ دینے کی صورت میں وہ مقام تو نہ پاسکے جو کئی لاکھ حدیثوں کے حافظوں کو ملتا ہے۔ جب ان پر احادیث میں جرح کی گئی تو بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ اخذ کیا کہ اگر یہ حضرات حدیث میں ضعیف ہیں تو قراءات میں ثقہ کیسے بن گئے؟

ان عظیم المرتبت قراء کی ثقاہت کو چیلنج کرنا یا ان کی امامت فی القراءات کا انکار کرنا ویسے ہی جیسے کوئی شخص کسی ڈاکٹر سے کپڑے سلوانے چلا جائے یا کسی درزی کی دکان پر دوائی لینے چلا جائے تو اس پر جرح کر دے، اگرچہ وہ اپنے فن کا ماہر ہی کیوں نہ ہو۔

کتنے ہی ایسے نحوی ہیں جو حدیث میں بالکل صفر ہیں۔ مثلاً سیبویہ نحو کے امام ہیں مگر حدیث میں بالکل فارغ ہیں۔ اسی طرح کئی ایسے مورخ جو تاریخ میں تو مہارت رکھتے ہیں لیکن ان کو نہ قرآن میں مہارت ہوتی ہے نہ حدیث میں۔ مگر افسوس کہ اگر کسی محافظ قرآن پر حدیث کے سلسلہ میں کوئی جرح مل جائے، جو بعض اوقات جرح ثابت بھی نہیں ہو رہی ہوتی تو ایسے اشراف کو ضعیف فی الحدیث کے ساتھ ساتھ ضعیف فی القراءات کہہ کر اسلام دشمنی کی مذموم کوشش کی جاتی ہے۔ حدیث کے منکروں کی ہمیشہ یہ چال رہی ہے کہ احادیث کے انکار کے ساتھ قراءات جو قرآن مجید کا اعجاز ہے، کے ناقلمین کو بدنام شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

یاد رہے کہ ناقلمین قراءات میں بعض تو ایسے ہیں کہ ان پر کی ہوئی جرح پر خود کئی محدثین متفق نہیں ہیں۔ بالفرض اگر حدیث میں ضعف ثابت بھی ہو جائے تو نقل قراءات میں ان کا مقام مسلم مانا جاتا ہے۔ اس طرح وہ قراء جن کی زبانوں اور سینوں سے اللہ نے حفاظت قرآن جیسا عظیم اور مقدس کام لیا، ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی فضول اور ناکام کوشش ہوتی ہے۔ سچ ہے کہ قراءات کے ناقلمین نے حفاظت کلام اللہ کا حق ادا کر دیا۔

چنانچہ امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ کے پاس ایک معتزلی آیا۔ اس نے کہا: اے ابو عمرو! آپ کو میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ میرے سامنے ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ۶۴] میں لفظ 'اللہ' کو مفعول اور لفظ 'موسیٰ' کو فاعل بنا کر تلاوت کر دو چونکہ وہ اللہ کی صفت کلام کے انکاری ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس طریقے سے ابو عمرو کے منہ سے نکلوا لوں گا اور بعد میں اس کو ابو عمرو کی قراءت کا نام دے کر ان کی طرف منسوب کر دوں گا۔ امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ نے فوری اس کا رد کیا اور کہا کہ بالفرض یہاں تو فاعل و مفعول کو مقدم موخر کر لے گا تو قرآن مجید میں ایک جگہ سورۃ الاعراف میں آ رہا ہے ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ [الاعراف: ۱۴۳] یہاں پر 'رہ' کو منصوب پڑھنے کا کون سا قاعدہ لاؤ گے۔ [فہم المعتبری۔ شرح عقیدہ طحاوی]

یاد رکھیں دین میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ شہرت و عزت نصیب فرماتا ہے۔ ان کے پیچھے بہت سے عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ مثلاً اخلاص کی دولت، تقویٰ، صوم و صلوات کی پابندی، رزق حلال، زبان کی حفاظت، آسانہ کی فرماں

برداری اور عزت کرنا، خوب محنت سے علم پر توجہ دینا۔ اسی طرح جھوٹ، غیبت، گالی گلوٹ اور دیگر مکروہات و منکرات سے بچنا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

ائمہ قراءات میں بعض کا قرآن مجید کی خدمت میں مصروف ہونا اور حدیث کو روایت نہ کرنا۔  
چند وجوہات حسب ذیل ہیں:

## ① قرآن مجید کی خدمت کا ذوق

**الف** مشہور مقولہ ”لکل فن رجال“ کے تحت ہر شخص کسی نہ کسی علم و فن میں لگاؤ رکھتا ہے، اسی طرح اُمت محمدیہ میں فی زمانہ سینکڑوں افراد ایسے ہوئے کہ باوجود جامع العلوم ہونے کے صرف قرآن کے ساتھ اپنے ذوق کی وجہ سے مشغول رہے۔ یہ ہر شخص کے اپنے ذوق کی بات ہے یا پھر اُسے تقسیم خداوندی کا نام دے دیں کہ جس نے اپنے کلام کے متن کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے اُن گنت افراد کو یہ توفیق بخشی۔

چنانچہ امام ابو عبد الرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ تابعی کو سامنے رکھ لیں۔ جن کے بارہ میں امام جزری رحمۃ اللہ علیہ ’نشر‘ میں یہ فرما رہے کہ وہ بڑے علم و فضل کے مالک تھے لیکن قصداً قرآن پڑھنے پڑھانے کو اختیار کیا۔ اس کا سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ». [صحیح البخاری: ۵۰۳۷] قال أبو عبد الرحمن السلمی: ”فذلك الذي أقعدني هذا المقعد.“

”اسی بات نے مجھے اس مسند پر بٹھا دیا ہے۔“ [النشر في القراءات: ۱۱، معرفة القراء الكبار للذهبي: ۵۵/۱] وقال أبو إسحاق السبيعي: إن أبا عبد الرحمن كان يقرئ الناس في المسجد الأعظم أربعين سنة ”ابو اسحاق سبیعی نے کہا ہے کہ ابو عبد الرحمن سلمی نے مسجد اعظم میں ۴۰ سال تک لوگوں کو قراءات پڑھائیں۔ ابو عبد الرحمن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص تھے۔ [معرفة القراء الكبار: ۵۵/۱] سلمی تابعی کا یہ قول و فعل، خدمت قرآن اور ذوق قراءات کی بہت بڑی اور واضح دلیل ہے۔

**ب** امام ابوالقاسم الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے کون ناواقف ہوگا؟ جن کے بارہ میں نواب صدیق الحسن خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’التاج المکمل: ۸۸‘ میں تذکرہ الشاطبی میں یہ بات ذکر کی ہے کہ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کو بخاری و مسلم اور مؤطا امام مالک آزر تھیں۔ علوم اسلامیہ کے طلبہ دور دراز سے سفر کر کے احادیث کے مذکورہ مجموعہ جات کی تصحیح کرواتے تھے۔ مگر امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید کے ساتھ خاص شغف اور لگاؤ تھا۔ دن رات اس کی خدمت میں کوشاں رہے۔ حتیٰ کہ قیامت تک آنے والوں کے لیے سند بن گئے۔ امام شاطب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی کتاب القصيدة الشاطبية ’حزر الأمانی ووجه التهانى‘ سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں نے فیض پایا۔

## ② قلت وقت بھی ایک وجہ ہے

ائمہ قراءات میں سے اکثر کو احادیث پڑھانے کا وقت نہ ملا۔ قرآن سیکھنے والوں نے اُن پر اتنا ہجوم کر دیا کہ صبح و شام اسی کام میں لگے رہے حتیٰ کہ عمریں بیت گئیں۔

**الف** امام نافع رحمۃ اللہ علیہ ہی کو دیکھئے کہ دن رات پڑھا رہے ہیں مگر پھر بھی قرآن کے پڑھنے والے طالب علم باقی رہتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے معروف شاگرد امام عثمان بن سعید رضی اللہ عنہ جن کا لقب ’ورش‘ ہے، کہتے ہیں کہ میں مصر سے

بسم اللہ

پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ پہنچا، دیکھتا ہوں کہ کثرت طلباء کی وجہ سے باہر سے آنے والا شخص امام نافع مدنی رضی اللہ عنہ تابعی سے علم حاصل نہیں کر سکتا تھا، آپ طلباء کو بڑی شفقت، لگن اور محنت سے پڑھا رہے تھے۔ میں حلقہ طلباء کے پیچھے بیٹھ گیا۔ امام نافع رضی اللہ عنہ کسی کو تیس سے زیادہ آیات نہیں پڑھاتے تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہاں داخلہ بہت مشکل ہے۔

میں امام نافع رضی اللہ عنہ کے قریبی مخلص دوست کبیر، ابو جعفر کوفی کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا حضرت! یہ مصر سے آیا ہے کوئی حاجی یا تاجر نہیں صرف پڑھنے کے لیے اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے آیا۔ امام نافع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”تری ما ألقى من أبناء المهجرین والأنصار“، ”آپ دیکھ رہے ہیں کہ مہاجرین و انصار کی اولاد کو تعلیم دینے کی وجہ سے کتنا عظیم فرصت ہوں۔ حتیٰ کہ جب اصرار کیا گیا تو رات مسجد نبوی میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ آپ تہجد کے وقت تشریف لائے اور پوچھا کہ وہ مصری مسافر کہاں ہے؟ میں حاضر ہی تھا۔ آپ نے مجھے پڑھنے کا اشارہ فرمایا۔ اللہ نے مجھے خوبصورت آواز عطا کی تھی میں پڑھ رہا تھا اور پوری مسجد میں آواز پھیل رہی تھی۔

جب میں نے تیس آیات پڑھ لیں تو خاموش ہونے کا حکم فرمایا۔ اتنے میں جو طلباء جمع ہو چکے تھے ایک نے اٹھ کر کہا اے شیخ! ہم یہاں کے باشندے ہیں یہ بھائی اتنی دور سے آیا ہے لہذا میں اپنی دس آیات پڑھنے کا وقت اسے بہہ کرتا ہوں۔ پھر ایک اور طالب علم نے بھی مجھے دس آیتوں کا وقت بہہ کیا۔ جس پر امام نافع رضی اللہ عنہ نے مجھے بیس آیات مزید پڑھنے کی اجازت دی۔ اب میں روزانہ پچاس آیات پڑھتا تھا۔ اس طرح مکمل قرآن کئی بار شیخ نافع سے پڑھا۔ [معرفة القراء الکبار: ۱۲۸/۱]

اس واقعہ سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ امام نافع رضی اللہ عنہ کس قدر قرآن کی خدمت میں شب و روز مشغول تھے؟ کہ احادیث کی نقل و روایت کے لیے وقت ہی نہ ملا۔

**ب** قراء عشرہ میں امام ابو عمرو و بصری رضی اللہ عنہما مشہور و معروف شخصیت ہیں۔ آپ کے حلقہ فیض سے ہزاروں لوگ مستفید ہوئے۔ آپ جب بصرہ سے مدینہ گئے تو وہاں بھی یہی کیفیت رہی۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے جب ان کے گرد قرآن مجید سیکھنے والے طلباء کا اژدھام دیکھا تو حیرانی کے عالم میں فرمانے لگے:

”لا اله الا الله كادت العلماء أن تكون أرباباً؟“ [غاية النهاية في طبقات القراء للجزري: ۲۹۱/۱]

”اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، کیا علماء ارباب بن گئے؟“

چنانچہ امام و کعب رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

”ابو عمرو بصری جب کوفہ آئے تو لوگوں کے سامنے حصول علم کے لیے اسی طرح جمع ہوئے جس طرح ہشام بن عروہ کے

سامنے ہوئے تھے۔“ [معرفة القراء الکبار: ۱۰۲/۱]

امام ابو عمرو و بصری رضی اللہ عنہما قراءات اور نحو میں بے مثل انسان تھے۔ انہوں نے احادیث بھی پڑھیں، آگے چل کر ہم انشاء اللہ ان کے آسائذہ حدیث کا تذکرہ کریں گے۔ لیکن آپ بھی قرآن مجید کی تجوید اور قراءات نقل کرنے میں لگے رہے اور اس فن میں سند بن گئے۔ دیگر علوم کی تدریس کا موقع ہی نہ مل سکا۔

**ج** امام کسائی رضی اللہ عنہ نحوی، مقری، کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ نحو و قراءات میں ان کی حیثیت بہت بلند ہے۔ آپ کے پاس تو اتنے تلامذہ حاضر ہوتے تھے کہ فرداً فرداً انہیں پڑھانا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ امام کسائی کرسی پر تشریف

رکھتے، پڑھتے جاتے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے طلباء کو اختلاف قراءات بھی نقل کرواتے جاتے۔

[غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء للجزری: ۵۳۸/۱]

امام خلف ۳ؓ فرماتے ہیں کہ ماہ شعبان میں ان کے لیے منبر منگوا یا جاتا آپ اس پر بیٹھ کر لوگوں کو تعلیم دیتے روزانہ آدھی منزل پڑھ لیتے اس طرح شعبان میں دو قرآن مجید مکمل تلاوت فرما لیتے۔ [تاریخ بغداد، خطیب بغدادی: ۱۱/۳۰۸]

## تقویٰ و للہیت کے چند مختصر واقعات

علم حاصل کرنے کے بعد بھی اگر تقویٰ و پرہیزگاری پیدا نہ ہو تو ایسے علم کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ تقویٰ و طہارت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی زیادہ علمی فیض جاری ہوگا کیونکہ قرآن و حدیث نور ہدایت ہیں یہ خوشبو کی مانند ہیں۔ معصیت الہی اور گناہ بدبو کی طرح ہیں۔ لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خوشبو اور بدبو دونوں ایک جگہ جمع ہوں؟

دیکھنا یہ ہے کہ جن اشراف لوگوں نے قرآن مجید کی خدمت کی آج تک لوگ ان کا نام اتنے ادب و احترام سے لیتے ہیں۔ ان میں تقویٰ و خلوص کی صفت کس درجہ تھی۔ ان کی زبانیں کتنی پاک و صاف تھیں، ان میں کتنا اثر ہوگا؟

**الف** چنانچہ امام عاصم کو فی ۳ؓ کے بارے میں امام جزری ۳ؓ فرماتے ہیں:

”کہ امام عاصم کو فی ۳ؓ بڑے عابد و زاہد اور تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ کثرت سے نوافل ادا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن عصر تک مسجد میں بیٹھے رہتے۔ کہیں جاتے ہوئے راستہ میں اگر مسجد آجاتی تو رک کر نفل ادا کرتے۔ پھر آگے چلتے۔ امام عاصم ۳ؓ نے ۵۰ سال تک مسجد صحابہ عراق میں قراءات کی تعلیم دی۔“

[غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء للجزری: ۳۴۸/۱]

نوافل آدمی کو اللہ کے بہت زیادہ قریب کر دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے عبادات میں لذت بڑھ جاتی ہے اور اللہ کی محبت تمام محبتوں پر غالب آجاتی ہے۔

**ب** امام نافع مدنی ۳ؓ جن کے بارے میں پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ انہیں خدمت قرآن سے ذرا فرصت نہ تھی۔ قرآن مجید بہت بڑا ذکر ہے جس شخص کو اس ذکر کی مداومت نصیب ہو جائے اس کی قسمت کا کیا کہنا؟ امام جزری ۳ؓ فرماتے ہیں:

”امام نافع مدنی ۳ؓ تابعی حد درجہ عابد و زاہد، متقی و پرہیزگار تھے۔ ستر سال تک قرآن پڑھنا پڑھانا بڑی فضیلت کی بات ہے وہ بھی نبی ﷺ کی مسجد میں بیٹھ کر۔ امام قائلون ۳ؓ کا بیان ہے کہ نافع ۳ؓ سب لوگوں سے زیادہ پاکیزہ اخلاق، عمدہ عادات رکھنے والے اور قرآن خوبصورت انداز و آواز سے پڑھنے والے تھے۔ انہوں نے ساٹھ سال تک مسجد نبوی میں نمازیں ادا کیں۔ امام نافع ۳ؓ کے بارے میں کئی علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ جب وہ گفتگو کرتے یا قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو منہ سے کستوری جیسی خوشبو آ یا کرتی تھی۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ بڑی عمدہ خوشبو استعمال کرتے ہیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور بتایا کہ ایک رات امام الانبیاء کی زیارت حالت خواب میں نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ کے حکم پر میں نے قرآن مجید کی تلاوت سنا لی آپ ﷺ نے خوش ہو کر میرے منہ میں اپنا لعب مبارک لگا دیا۔ سمجھتا ہوں کہ

اس دن سے لے کر آج تک میرے منہ سے یہ خوشبو آ رہی ہے۔ [معرفة القراء الکبار للذہبی: ۱۰۸/۱]

امام نافع ۳ؓ جنت البقیع میں امام مالک کے پہلو میں سپرد خاک ہیں۔

**ج** امام حمزہ ۳ؓ کو فی جلیل القدر ائمہ میں سے ایک ہیں، حافظ حدیث تھے، صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ تقویٰ و

سید

پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ اپنے طالب علم سے پانی تک نہ پیتے تھے۔ زیتون بیچا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سخت گرمی کے موسم میں کسی گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا پیاس کی شدت تھی۔ مگر جب ایک نوجوان گھر سے باہر نکلا تو پہچان گئے کہ اس نے مجھ سے قرآن پڑھا ہے۔ بغیر پانی پئے وہاں سے چل دیئے۔

[نزہة النظر شرح نخبة الفكر: ۵۱، حاشیہ نمبر ۱، بحث معروف و منکر]

یہ کمال تقویٰ ہے، پرہیزگاری ہے کہ کہیں قرآن مجید کا اجر ختم نہ ہو جائے۔ طالب علم سے کوئی معاوضہ نہ لیتے۔ حتیٰ کہ چھوٹی سے چھوٹی خدمت لینا بھی گوارا نہ کرتے۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمدہ بات کہی ہے۔

وحمزة ما أذكاه من متورع إماماً صبوراً للقرآن مرتلاً

”اور حمزہ کس قدر پاکیزہ اور پرہیزگار، صبر کرنے والے امام ہیں جو قرآن کو ترتیل سے پڑھنے والے تھے۔“

آپ کے شاگرد امام خلف کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی فوت ہو گئے ان پر کچھ قرض تھا۔ میں نے حمزہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ قرض خواہ آپ کا شاگرد ہے اس کہہ کر قرض میں تخفیف کرا دیں۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ میرے پاس قرآن پڑھتا ہے میں یہ کس طرح کر سکتا ہوں دیکھتے نہیں میں طالب علم کے ہاتھ سے پانی منگوانا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔

[أخلاق حملة القرآن للأجری: ۱۷۹، معرفة القراء للذهبی: ۹۶۱]

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ایک سال کوفہ میں رہتے اور ایک سال حلوان میں، مشاہیر حلوان میں سے ایک نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل قرآن پڑھا تو اس نے ایک ہزار درہم بھیجے۔ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اُسے واپس لوٹا دو میں قرآن پر اجرت نہیں لیا کرتا۔ اللہ سے اس کے بدلہ میں جنت الفردوس کی امید کرتا ہوں۔

[معرفة القراء الکبار للذهبی: ۹۶۱]

■ امام ہشام بن عمار دمشقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عامر شامی رحمۃ اللہ علیہ کے راوی ہیں۔

آپ جامع مسجد دمشق میں خطیب تھے۔ انتہائی درجہ کے نیک، پارسا اور متقی انسان تھے۔ بڑے خشوع و خضوع سے عبادات الہیہ میں مشغول رہتے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حد بہ بن خالد اتی لمی نماز پڑھاتے کہ کچھ لوگ تنگ ہو جاتے اور عبدان اہوازی ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے۔ ہر سجدہ میں تیس سے زیادہ تسبیحات پڑھا کرتے تھے۔

ہد بہ بن خالد کئی باتوں میں مثلاً داڑھی، چہرے مہرے حتیٰ کہ نماز پڑھنے میں وہ سب لوگوں سے زیادہ امام ہشام بن عمار رحمۃ اللہ علیہ سے مشابہت رکھنے والے تھے۔ امام ہشام امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد بھی ہیں۔

■ امام شعبہ بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن مجید سے بے حد شغف تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ابوبکر (شعبہ بن عیاش) صاحب قرآن و خیر ہیں۔“ [تذکرۃ الحفاظ: ۲۴۱/۱]

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ آپ لوگوں کو مستقل طور پر حدیث کیوں نہیں پڑھاتے، تو فرمانے لگے۔ میں نے پچاس سال لوگوں کو قرآن کی تعلیم دی ہے، پھر اسے کہا پڑھو: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ [الاخلاص: ۱] اس نے پڑھا تو آپ

نے پھر پڑھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ آپ نے اُسے بیس مرتبہ پڑھایا تو اُسے ناگوار گزرا۔“  
امام شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں بھی تو ہوں کہ پچاس سال سے لوگوں کو تعلیم دیتا آ رہا ہوں اور کبھی ناگواری اور دقت محسوس نہ کی اور تم ایک ہی وقت میں پریشان ہو گئے۔“ [تاریخ بغداد: ۳۷۹/۱۴]

تقویٰ اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ ۴۰ سال تک مسلسل شب و روز میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

[معرفة القراء الكبار للذهبي: ۱۳۸/۱]

آپ نے وفات کے وقت بتایا کہ میں نے گھر کے اس کونے میں ۲۲۰۰۰ ہزار بار قرآن مجید مکمل پڑھا ہے۔

[مرآة الجنان: ۴۴۴/۱]

ستر سال عبادت میں مصروف رہے۔ [تہذیب التہذیب، ابن حجر: ۳۶۱/۲]

یزید بن ہارون رضی اللہ عنہ اور امام شعبہ رضی اللہ عنہ بڑے عالم اور صاحب فضل تھے، چالیس سال تک زمین پر پہلو نہ لگایا۔

[تاریخ بغداد: ۳۸۰/۱۴، معرفة القراء الكبار للذهبي: ۱/۱]

ابن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ابوبکر عبادت گزاروں میں سے تھے۔“ [إبراز المعاني شرح شاطبية، البوشاهد: ۲۴]

یعقوب بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور ابوبکر شعبہ رضی اللہ عنہ نیکی اور تقویٰ کی صفت میں معروف تھے۔ [تذكرة الحفاظ: ۲۴۱/۱]

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں:

”میں نے شعبہ سے بڑا متقی کوئی نہیں دیکھا۔“ [معرفة القراء الكبار: ۱۳۷/۱]

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں:

”میں نے ابوبکر شعبہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ سنت پر عمل کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔“ [تہذیب التہذیب: ۳۶۱/۱۴]

عجلی کہتے ہیں:

”وہ صاحب سنت اور عبادت کرنے والے تھے۔“ [تہذیب التہذیب: ۳۶۱/۱۴]

## بعض قراء پر جرح و تعدیل

عام طور پر کچھ لوگوں کے ذہنوں میں اشکال ابھرتا ہے کہ ائمہ قراءات صرف قرآن مجید کے متن کی حفاظت میں لگے رہے اور حدیث میں اُن کی خدمات کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا یا ایک اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ حدیث میں کچھ پر جرح ہوئی ہے۔ لہذا اگر وہ حدیث میں ثقہ نہیں تو قراءات میں کیسے ثقہ بن گئے؟ حالانکہ جرح کرنے والے تمام بزرگ کسی شیخ قراءات پر جرح میں متفق نہیں بلکہ ایک جرح کرتا ہے تو دوسرا شخص حدیث میں اُسے ثقہ بتا رہا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ان اشراف لوگوں نے اتنی زیادہ تعداد میں احادیث حفظ نہ کیں جتنی محدثین نے کیں مثلاً امام احمد رضی اللہ عنہ کے بارے آتا ہے کہ ان کو سات لاکھ سے زیادہ احادیث زبانی یاد تھیں یا یہ کہ حدیث پڑھانے کا موقع نہ ملا اور وہ اس میں اتنی مہارت اور پرکھ نہ رکھ سکے جو حدیث میں محدثین رکھتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسا راوی قرآن مل جاتا ہے جو حدیث میں ضعیف ہے تو ساتھ علماء جرح اس کے قراءات میں ثقہ ہونے کو پورے زور سے بیان کر رہے ہیں



کیونکہ قرآن مجید کثرت سے پڑھتے ہوئے وہ لوگ اس میں ثقہ و عادل اور ضابطہ قرار پائے۔ اسی طرح تو اعتراض بڑھتے بڑھتے جلیل القدر محدثین پر بھی وارد ہوگا کہ انہوں نے قرآنی متن کو محفوظ رکھنے کے لیے خدمات پیش نہ کیں۔ لہذا ہمارے نزدیک اس طرح کے اعتراضات محض بے بنیاد اور فضول ہیں۔ کوئی بھی شخص جو دین کے کسی پہلو پر خدمات دے رہا ہے وہ قابل تعظیم ہے اور انتہائی لائق احترام ہے۔ خادین حدیث کے اپنی جگہ فضائل ہیں اور خادین قرآن کے اپنی جگہ مناقب ہیں۔ اصل طور پر اللہ کا مقرب وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ائمہ قراءات کا حدیث میں کیا مقام ہے اور انہوں نے احادیث کن محدثین سے حاصل کیں۔ ان پر ہونے والی جرح کس نوعیت کی ہے؟

### ① امام عاصم کوئی ۱۰۰۰ تابعی

امام عاصم کوئی ۱۰۰۰ تابعی کو بعض نے حدیث میں ضعیف کہا ہے اور اکثر نے ثقہ، لیکن سب قراءات میں ثقہ کہہ رہے ہیں۔

### شہادت

**الف** ”عاصم بن ابی النجود الکوفی الأسدی، أحد القراء السبعة تابعی، من أهل الكوفة، ووفاته فیہا، كان ثقة في القراءات، صدوق في الحديث.“  
 ”عاصم بن ابی النجود کوفی اسدی۔ قراء سبعہ میں سے ایک ہیں، تابعی ہیں، اہل کوفہ سے ہیں اور اسی میں ان کی وفات ہوئی۔ قراءات میں ثقہ اور حدیث میں صدوق ہیں۔“ [الأعلام، للزركلي: ۳/۲۴۸]

**ب** ”قال عبد الله بن أحمد بن حنبل سألت أبي عن عاصم بن بهدلة قال: هو عاصم بن أبي النجود وكان رجلاً صالحاً وبهدلة هو أبو النجود وكان رجلاً ناسكاً، قرأ على زر وقرأ زر علي علي وقرأ علي علي عبد الرحمن السلمي وقرأ أبو عبد الرحمن علي عبد الله وكان قارئاً للقرآن. وأهل الكوفة يختارون قراءة عاصم، قال عبد الله: قال أبي: وأنا أختار قراءة عاصم.“

”عبداللہ بن احمد بن حنبل ۱۰۰۰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد احمد سے عاصم بن بھدلہ کے برے میں سوال کیا انہوں نے کہا وہ عاصم بن ابی النجود ہیں۔ وہ نیک آدمی ہیں۔ اور بھدلہ ابو النجود ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔ انہوں نے زر بن حبیش سے پڑھا اور زر بن حبیش نے علی ۱۰۰۰ سے پڑھا۔ اسی طرح عاصم نے سلمیٰ تابعی سے پڑھا۔ انہوں نے عبداللہ بن مسعود ۱۰۰۰ سے پڑھا۔ عاصم قرآن کے قاری تھے۔ اہل کوفہ عاصم کی قراءت پڑھتے ہیں اور میں بھی عاصم کی قراءت اختیار کرتا ہوں۔“ [تاریخ بغداد، خطیب بغدادی: ۲۴۵/۲۲۲]

**ج** ”قال أبو اسحق السبعي: ما رأيت أحداً قط أقرأ للقرآن من عاصم بن أبي النجود.“  
 ”میں نے عاصم بن ابی النجود سے بڑا قرآن کا قاری نہ دیکھا۔“ [تاریخ بغداد: ۲۴۵/۲۲۲]

وہ کتب جن میں امام عاصم کوئی ۱۰۰۰ کی مرویات آئی ہیں:

- |                     |           |                                 |
|---------------------|-----------|---------------------------------|
| ① سنن أبی داؤد شریف | ۱۔ حدیث   | رقم نمبر ۱۳۱۳                   |
| ② سنن ابن ماجہ      | ۵۔ حدیثیں | رقم نمبر ۱۴۷-۲۲۲-۱۸۰۸-۳۸۷۱-۳۹۶۳ |
| ③ جامع الترمذی      | ۶۔ حدیثیں |                                 |

ائمہ قراءات کے لیل و نہار

- ② سنن دارقطنی ۵- حدیثیں  
 ⑤ صحیح ابن خزيمة ۳- حدیثیں  
 ④ مسند الشافعی ۱- حدیث  
 ④ صحیح ابن حبان ۳۱- احادیث  
 ⑧ سنن الکبریٰ للبیہقی ۱۷- احادیث  
 ⑨ مسند الإمام أحمد تقریباً ۶۰- احادیث

ایک حدیث:

”قال الإمام أحمد حدثنا يزيد أنبانا حماد بن سلمة عن عاصم بن أبي النجود عن أبي صالح عن النبي ﷺ قال: «إِنَّ اللَّهَ أَطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اْعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ».

[صحیح البخاری: ۳۰۰۷، ۳۰۸۱]

”امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم سے یزید نے حدیث بیان کی۔ یزید سے حماد بن سلمہ نے اور انہوں نے امام عاصم رضی اللہ عنہ سے، امام عاصم رضی اللہ عنہ سے ابوصالح رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مطلع کر دیا ہے کہ تم جو چاہے عمل کرو میں نے تم کو معاف کر رکھا ہے۔“

### ② امام نافع مدنی رضی اللہ عنہ تابعی

ابن عدی فرماتے ہیں:

”میں نے ان کی کوئی حدیث مگر نہیں دیکھی اور میرے خیال میں ان میں کوئی حرج کی بات نہیں۔“

### ثقاہت و عدالت

علامہ جسرئ رضی اللہ عنہ، یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، ابن سعد رضی اللہ عنہ نے ثقہ، حاتم اور نسائی نے صدوق الحدیث کہا ہے۔ [معرفۃ القراء: ۱۱۱/۱]

نسائی رضی اللہ عنہ اور ابن المدنی رضی اللہ عنہ کے نزدیک:

ان کی مرویات نقل کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ [میزان الاعتدال: ۲۷۷/۳]

ابن حبان رضی اللہ عنہ نے آپ کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔

ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لم أر في أحاديثه شيئاً منكرًا وأرجوا أنه لا بأس به.“

”میں ان کی مرویات میں کوئی منکر بات نہیں دیکھتا، میرا خیال ہے کہ ان کے قبول کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں۔“

[تہذیب: ۴۷۷/۱]

امام نافع وجوہ قراءات، عربیت کے عالم اور حدیث پر مضبوطی سے عمل کرنے والے تھے۔ [شرح الشاطبی: ۱۱]

علامہ اصمعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كان من القراء الفقهاء العباد“

”نافع قراء، فقہا اور عبادت گزاروں میں سے تھے۔“

عبدالباسط منشاوی

مشہور محدث لیث بن سعد رضی اللہ عنہ اور امام مالک مدنی رضی اللہ عنہ دونوں مشہور محدث ہیں امام نافع رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح امام قالون رضی اللہ عنہ اور ورش بھی اٹھ سہ تلامذہ میں سے ہیں۔ [طبقات القراء: ۳۳۱/۲، معرفة القراء: ۱۰۷/۱]

### ۳) امام حمزہ بن مجیب الزیات رضی اللہ عنہ

بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے کچھ صحابہ کو بھی دیکھا ہے۔ [طبقات القراء: ۲۶۱/۱]  
امام حمزہ رضی اللہ عنہ کوئی بڑے عالم و فاضل، متقی، پرہیزگار اور عابد و زاہد تھے۔ قرآن، حدیث، تجوید، ادب، فرائض وغیرہ میں غیر معمولی دسترس رکھتے تھے۔

① ابن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”سچے اور زاہد تھے۔“ [تہذیب التہذیب: ۲۸/۳]

② علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كان رأساً في القرآن والفرائض“

”آپ علوم قرآن اور فرائض میں بہت ماہر تھے۔“ [العبر فی خبر من غبر: ۲۲۶/۱]

### آپ کے کچھ آساتذہ یہ ہیں

امام اعمش رضی اللہ عنہ، حمران بن اعین رضی اللہ عنہ، محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ، ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔

[میزان الاعتدال: ۲۸۴/۱۔ غایۃ: ۲۶۱/۱۔ معرفۃ: ۱۱۲/۱]

### حدیث کے آساتذہ

حکم بن عیینہ رضی اللہ عنہ، حبیب ابن ابی ثابت رضی اللہ عنہ، عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ، طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ، عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ، حماد بن اعین رضی اللہ عنہ، ابوالفتح السبیبی رضی اللہ عنہ، اعمش رضی اللہ عنہ، منصور بن معتمر سلمی رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن مقسم رضی اللہ عنہ۔

[میزان الاعتدال: ۲۸۴/۱۔ غایۃ: ۲۶۱/۱۔ معرفۃ: ۱۱۲/۱]

### امام حمزہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ

عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ، حسین جعفی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن صالح العجلی رضی اللہ عنہ، سلیم بن عصبی رضی اللہ عنہ، وکیع بن جراح رضی اللہ عنہ، یحییٰ بن بیان رضی اللہ عنہ، ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ، سفیان ثوری رضی اللہ عنہ، شریک بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، امام کسائی رضی اللہ عنہ، محمد بن ابوعبید ہذلی رضی اللہ عنہ، امام فراء نحوی رضی اللہ عنہ، یحییٰ بزدی رضی اللہ عنہ، امام خلف رضی اللہ عنہ، خلاد رضی اللہ عنہ۔

قال سفیان الثوری:

”یا أبا عمارۃ إمام القراءۃ والفرائض فلا تعرض لك فیہما.“

”اے ابوعمارۃ قراءت اور فرائض میں ہم آپ سے کوئی تعارض نہیں کریں گے۔“ [طبقات ابن سعد: ۲۶۸/۲]

سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا:

”ما قرأ حرفاً إلا بآثر“، ”حمزہ نے کوئی کلمہ بغیر نقل کے نہیں پڑھا“ [میزان الاعتدال: ۲۸۴/۱]

امام ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قد انعقد الجماع بأخذه تلقى قراءة حمزة بالقبول والإنكار على من تكلم فيها.“  
 ”امام حمزہ رضی اللہ عنہ کی قراءات کے اخذ و قبول پر اہل علم کا اجماع ہے۔ اس پر کسی قسم کی تنقید کو وہ درست قرار نہیں دیتے۔“  
 [میزان الاعتدال: ۲۸۴/۱]

عبداللہ بن موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”میں نے امام حمزہ کو فی رضی اللہ عنہ سے بڑا قاری نہ دیکھا۔“ [معرفة القراء: ۱۱۳/۱]

امام کسائی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”وہو إمام من أئمة المسلمين و سيد القراء و الزهاد لورأيته فقرت عينك به من نسله.“  
 ”امام حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے امام قاریوں اور زاہدوں کے سردار تھے۔ اگر تم انہیں دیکھتے تو تمہاری آنکھیں عبادت و ریاضت کی وجہ سے ٹھنڈی ہو جائیں۔“ [معرفة القراء: ۱۱۳/۱]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”غلب حمزة الناس على القرآن و الفرائض.“

”امام حمزہ قرآن اور فرائض میں تمام لوگوں پر فائق تھے۔“ [میزان الاعتدال: ۲۸۴/۱۔ طبقات القراء: ۲۶۳/۱]

امام حمزہ رضی اللہ عنہ کو ابن سعد رضی اللہ عنہ نے محدث، امام جزری رضی اللہ عنہ اور ذہبی رضی اللہ عنہ نے حافظاً للحدیث لکھا ہے۔

[طبقات بن سعد: ۴۰۸/۶، طبقات القراء: ۲۶/۱، معرفة

القراء: ۱۱۲/۱]

امام ابو شامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”أبو عمارة حمزة بن حبيب الزيات من رجال صحيح مسلم و هو إمام أهل الكوفة بعد عاصم.“ [إبراز المعاني شرح شاطبي: ۶]

ابن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ورويت عنه أحاديث و كان صدوق حاجب بسنة.“

”حمزہ متعدد حدیثوں کے راوی ہیں۔ صدوق اور تبع سنت تھے۔“ [طبقات ابن سعد: ۲۶۸/۶]

ابن معین رضی اللہ عنہ، ابن حبان رضی اللہ عنہ، عجللی رضی اللہ عنہ، ساجی رضی اللہ عنہ نے صدوق کہا ہے۔

امام نسائی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“ [میزان: ۲۸۴/۱۔ تہذیب: ۲۸۸/۳]

شعیب بن حرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”وقد قال شعيب بن حرب: كنت ألوم من يقرأ بقراءة حمزة حتى دخلت فقرأت

عليه.“

”شعیب بن حرب کہتے ہیں کہ جو شخص امام حمزہ کی قراءت پڑھتا تھا، میں اسے ملامت کرتا تھا کہ میں آپ کے پاس آیا

تو آپ سے پڑھنے لگا۔“

”فلما رءاه شعيب، سمع قراءته، رضيه و قبله و كان يقول بعد ذلك لأصحاب الحديث،

تسألوني عن الحديث و لا تسألوني عن الدر. فقيل له: و ما الدر؟ قال: قراءة حمزة.“

عبدالبارسطمناوی

”جب شعیب نے امام حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان سے قراءت سنی تو ان سے خوش ہو گئے اور انہیں (حمزہ کو) بوسہ دیا۔ اس کے بعد شعیب، اصحاب الحدیث کو کہا کرتے تھے کہ تم مجھ سے حدیث کے بارے میں سوال کرتے ہو اور موتیوں کے بارے میں سوال کیوں نہیں کرتے؟ آپ سے پوچھا گیا کون سے موتی؟ شعیب نے جواب دیا کہ امام حمزہ رضی اللہ عنہ کی قراءت موتی ہیں۔“ [جمال القراء و کمال الأقرء للسخاوی: ۲/۴۷۳]

سليم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”وقال سليم، رأيت سفیان الثوري يقرأ على حمزة ويقول: سفیان قرأت علی حمزة أربع ختمات. قال سليم: وسمعت حمزة يقول: أتاني سفیان بن سعيد الثوري، وسألني أن آخذ عليه. فافقرأته فقراً على أربع ختمات.“

”سليم کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو امام حمزہ رضی اللہ عنہ سے پڑھ رہے تھے اور سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے امام حمزہ رضی اللہ عنہ سے چار بار مکمل قرآن پڑھا۔ سليم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے امام حمزہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے۔ سفیان بن سعید الثوری رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے، اور مجھ سے قرآن پڑھنے کو کہا میں نے اسے پڑھایا، پس سفیان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے چار بار قرآن مکمل پڑھا۔“ [حوالہ سابقہ]

### ③ امام حفص بن سلیمان رضی اللہ عنہ

آپ امام عاصم کے تلامذہ میں سے سب سے بڑے قاری تسلیم کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاطبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”وحفص بالإنثقان كان مفضلاً.“

”کہ حفص کو شعبہ پر مضبوطی روایت میں فضیلت دی جاتی ہے۔“

### شہادت

**الف** حفص بن سلیمان بن المغیرہ الأسدی

”قاری أهل الكوفة و كان أعلم أصحاب عاصم بقراءته.“

”حفص بن سلیمان بن المغیرہ الأسدی اہل کوفہ کے قاری ہیں آپ عاصم کی قراۃ کو عاصم کے تمام شاگردوں سے زیادہ جاننے والے تھے۔“ [الأعلام، للزرکلی: ۲/۲۶۳]

**ب** حفص بن سلیمان الاسدی الغافری القاری:

”صاحب عاصم ثبت في القراءة والحروف“

”حفص بن سلیمان الاسدی الغافری القاری امام عاصم کے راوی ہیں۔“ [المغني في الضعفاء: ۱/۷۹]

**ج** حفص بن سلیمان صاحب عاصم بن ابی النجدود:

”وكان يقرئ لبغداد في مسجد الصحابة بالقرب من قنطرة العتيقة.“

”قنطرة عتيقه کے قریب مسجد صحابہ بغداد میں وہ لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔“ [تاریخ بغداد: ج ۱۲]

**د** حفص کی ایک روایت

”فتلا ابن عباس هذه الآية: 'محمد رسول الله' ..... إلى ..... أخرج شطأه. قال ابن عباس: ذلك أبو بكر ..... فأزره فاستغلظ فاستوى ..... ذلك عمر بن الخطاب ..... على سوقه ..... ذلك عثمان بن عفان ..... يعجب الزراع ليغيب بهم الكفار ..... ذلك علي ابن أبي طالب ..... قال كنا

نعرف المنافقين على عهد رسول الله ﷺ ببغضهم على ابن ابي طالب .  
 ”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ آیت تلاوت کی۔ محمد رسول اللہ جب اخرج شطاه پر پہنچے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ فازرہ فاستغلظ فاستوی۔ سے مراد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ علی سو قہ سے مراد عثمان زوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ یعجب الزارع لیغیظ بہم الکفار سے مراد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں منافقوں کو پہچانتے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ پر ان منافقوں کے بغض کی وجہ سے۔“

[خطیب بغدادی: ج ۱۳]

د ”حفص بن سلیمان الأسدی أبو عمر البزار الکوفی الفاضری صاحب عاصم متروک الحدیث مع إمامیة فی القراءات“

”آپ عاصم کے راوی ہیں۔ آپ کی حدیث ترک کی گئی۔ مگر قراءات میں امام ہیں۔“ [تقریب التہذیب: ۲۵۱/۱]  
 امام حفص نے اگرچہ حدیث کا علم حاصل کیا لیکن حدیث میں وہ خاص مقام حاصل نہ کر سکے اس لیے اکثر محدثین نے ان کو ضعیف فی الحدیث کہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کی قراءات میں جلالت علمی پر سب کا اجماع ہے۔  
 امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حفص قراءات میں ثقہ ثبت اور ضابط تھے۔ مگر احادیث میں یہ حال نہ تھا۔ چنانچہ ان پر کلام کیا گیا ہے۔“

[غایة النهاية في طبقات القراء: ۲۵۲/۱]

حفص رحمہ اللہ اگرچہ حدیث میں ضعیف ہیں لیکن یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ انہیں شاید مسائل دینیہ سے واقفیت نہ تھی۔ وہ حفاظ حدیث کے درجہ تک نہ جاسکے۔ اس زمانے کا ادنیٰ عالم دین بھی آج سے زیادہ فہم دین رکھتا تھا۔  
 اللہ تعالیٰ نے امام حفص رحمہ اللہ سے قرآن مجید کی قراءت و تجوید اور حفاظت کلام اللہ کا جو کام لیا۔ اس مرتبے تک پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اگر انہیں حدیث میں ضعیف سمجھتے ہوئے قراءت میں بھی ضعیف سمجھیں تو ہمارے پاس جو محفہ ہے اس میں اسی روایت حفص کے موافق اعراب لگائے ہیں اس میں کی جانے والی تلاوت اور نمازیں ضائع ہو جائیں گی۔  
 یہ بات واضح رہے کہ طبقہ محدثین میں ان کا مقام و مرتبہ متنازع ضرور ہے مگر علم قراءات میں ان کے علوم مرتبہ پر سب متفق ہیں۔

### ۵ امام احمد بزی رحمہ اللہ

آپ ابن کثیر کی رحمہ اللہ کے راوی ہیں چالیس سال مسجد حرام کے مؤذن رہے۔ [غایة النهاية: ۱۱۹/۱]  
 امام بزی رحمہ اللہ قراءات میں بالاتفاق امام ہیں۔ البتہ حدیث میں ان کا معاملہ مختلف فیہ ہے۔ بعض نے ضعیف، بعض نے ثقہ کہا ہے۔

الف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ و امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”بزی قراءات میں امام و ضابط ہیں۔“ [لسان المیزان: ۴۲۵/۱، میزان الاعتدال: ۱۴۳/۱]

بزی رحمہ اللہ نے ان علماء سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

مومل بن اسماعیل رحمہ اللہ، مالک بن سعید بن حسن رحمہ اللہ، ابو عبد الرحمن المقری رحمہ اللہ، سلیمان بن حرب رحمہ اللہ۔

[معرفة القراء الكبار: ۱۷۸، طبقات القراء: ۱۱۹/۱]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں ان سے روایت کی ہے۔ [معرفة القراء: ۱۷۵/۱]

ابن حبان رحمہ اللہ نے آپ کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔ [لسان المیزان: ۲۸۲/۱]

بزی رحمہ اللہ سے یہ لوگ احادیث نقل کرتے ہیں:

ابوبکر احمد بن عیوبہ بن ابی عاصم النبیل رحمہ اللہ، یحییٰ بن محمد رحمہ اللہ، محمد بن علی بن ولید الصالیح رحمہ اللہ، احمد بن محمد بن

مقاتل رحمہ اللہ وغیرہم۔

امام بزی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ دینِ اسلام سے خارج ہے۔ جب تک کہ تو بہ نہ

کر لے۔ [معرفة القراء: ۱۷۸/۱]

### ⑥ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تابعی

پیچھے یہ ذکر ہو چکا ہے۔ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے پاس کس طرح تلامذہ قراءات جمع ہوا کرتے تھے۔ آپ حدیث کے بڑے عالم ہیں۔ مگر نقل و روایت کی طرف نہ آسکے۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن کی خدمت نے انہیں بہت زیادہ مشغول کر دیا۔

امام سخاوی رحمہ اللہ نے آپ کے اساتذہ حدیث کے نام ذکر کیے ہیں۔

فرماتے ہیں:

”وكان أبو عمر من الطبقة الرابعة من التابعين بالبصرة. قال أبو عبيدة: كان أبو عمرو من

التابعين، رأى أنس بن مالك وسمع منه وكان رأساً في أيام الحجاج.“

”ابوعمرو رحمہ اللہ بصرہ میں تابعین کے چوتھے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ابوعمرو رحمہ اللہ تابعی ہیں

انہوں نے انس بن مالک رحمہ اللہ کو دیکھا اور ان سے سماعت کی وہ حجاج کے زمانہ میں بڑے علماء میں شامل تھے۔“

[جمال القراء و کمال الأقراء: ۲/۳۳۷]

### اساتذہ حدیث

حسن بصری رحمہ اللہ، محمد بن سیرین رحمہ اللہ، ابوسلمہ رحمہ اللہ، نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ، عکرمة بن خالد رحمہ اللہ، یحییٰ بن

سعید رحمہ اللہ، ابراہیم التیمی رحمہ اللہ، مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ، اسماعیل بن ابی خالد رحمہ اللہ، ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ، عطاء بن ابی

رباح رحمہ اللہ، فرقد السبخی رحمہ اللہ، محمد بن مسلم سعید المقری رحمہ اللہ، عبدالرحمن بن ابی بکرہ رحمہ اللہ، محمد بن عبدالرحمن بن

ابی لیلیٰ رحمہ اللہ، جعفر بن محمد بن علی بن حسین رحمہ اللہ، ہشام بن عمر رحمہ اللہ، موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ، یونس بن جبیر رحمہ اللہ، سعید بن

جبیر رحمہ اللہ، عمرو بن مرثدہ رحمہ اللہ، یحییٰ بن عطاء رحمہ اللہ، محمد بن اسحاق رحمہ اللہ۔

”قال أبو علي أهوازي: ولولا خشية الإطالة لذكرت عن كل واحد منهم حديثاً.“

”اگر مجھے طوالت کا خطرہ نہ ہوتا تو ان میں سے ہر ایک سے حدیث ذکر کرتا۔“ [جمال القراء و کمال الاقراء: ۳۵۲/۲]

خدا کی قدرت دیکھیں کہ ائمہ جرح و تعدیل ایک طرف ان پر جرح کر رہے اور دوسری جانب ان کی امامت فی القراءۃ کو

تسلیم کرتے ہوئے ان عظیم قراء کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کر رہے ہیں۔ جو اس بات کا بین ثبوت کہ وہ اپنے زمانہ سے لے کر

اب تک بالاتفاق قراءت کے امام ہیں۔ خود محدثین ان کی ثقاہت، عدالت اور امامت فی القراءت پر ایمان واثق رکھتے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید کا اپنا سلسلہ السند ہے جو ثقہ، عادل، معتبر اور ضابطہ راویوں کی لڑی پر مشتمل ہے۔ قراءت ائمت کے بغیر قرآن ثابت ہی نہیں ہوتا۔ اگرچہ ہمارے پاس مکمل قرآن کتابی شکل میں موجود ہے مگر کون بتائے کہ امام حفص نے لفظ 'مجرھا' میں امالہ نقل کیا ہے کون بتائے گا کہ 'اعجمی' کے دوسرے ہمزہ میں تسہیل ہے۔ قراءت کے بغیر کیسے پتہ چلے گا کہ 'اولئک' میں واؤ پڑھا جائے یا نہیں۔ 'اولا اذبحنہ' میں لام کے بعد الف کے تلفظ کو حذف کرنا ہے یا باقی رکھنا ہے۔ عام شخص تو الف لکھا ہو ادیکھ کر اس کا تلفظ کرے گا اور اس جملے کو نفی میں بدل دے گا اور کلام اللہ میں خرابیاں پیدا کرے گا۔

ناقلین قرآن کی عدم موجودگی میں نبی ﷺ سے ایک آیت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ پورا قرآن تو درکنار۔ امام مالک رحمہ اللہ جیسے عظیم فقیہ و محدث امام نافع رحمہ اللہ سے قراءت پڑھنے گئے۔ حالانکہ خود بڑے عالم تھے۔ عربی بولتے تھے۔ مگر قرآن پڑھنے کے لیے نافع کی مجلس اختیار کی۔ ایک بار بسم اللہ کے جہر کے بارہ میں اپنے شیخ امام نافع رحمہ اللہ سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ اہل مدینہ کے ہاں بسم اللہ کا جہر ہے یعنی نماز میں، تو امام مالک رحمہ اللہ نے کہا سچ ہے کہ ہر علم کا مسئلہ اس علم کے جاننے والوں سے پوچھنا چاہئے۔ مگر افسوس کہ قراءت اور ان کے متعلقہ امور و مسائل کے صحیح غلط ہونے کا فیصلہ وہ لوگ کر رہے ہیں، جنہوں نے نہ تو کسی شیخ قراءت سے قرآن پڑھنا سیکھا۔ نہ قرآن کی کوئی سند ان کے پاس ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ثابت کر دیا کہ قراءت میں قراءت ہی حجت ہیں۔ آخر میں دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو قرآن و حدیث پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین





## قرائے عشرہ اور ان کے روات کی ثقاہت

### ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال کی روشنی میں

امام نافع<sup>[۱]</sup> بن عبدالرحمن المدنی رضی اللہ عنہ

مختصر مگر جامع تبصرہ جرح و تعدیل کے لحاظ سے پیش خدمت ہے جس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام نافع رضی اللہ عنہ کس درجے کے قاری ہیں۔

- ① امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: نافع إمام الناس في القراءة "نافع قراءت میں لوگوں کے امام ہیں۔"  
[معرفة الكبار للذهبي: ۸۹/۱، سير أعلام النبلاء للذهبي: ۳۳۷/۷]
- ② امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نافع ثبت في القراءة "نافع قراءت میں پختہ ہیں۔"  
[میزان الاعتدال للذهبي: ۲۲/۳، لسان الميزان لابن حجر: ۲۲۶/۹]
- ③ امام اصمعی رضی اللہ عنہ نے کہا: كان نافع من القراء العباد الفقهاء الستة "نافع چھ فقہاء، عبادت گزار قاریوں میں سے تھے۔"  
[معرفة الكبار للذهبي: ۲۲۳/۱]
- ④ امام یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ نے کہا: "لقه" تهذيب الكمال: ۲۳/۱۹
- ⑤ امام ابو حاتم رضی اللہ عنہ نے "صدوق" کہا ہے۔ [معرفة الكبار: ۲۳۶/۱]
- ⑥ امام ابن حبان رضی اللہ عنہ نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔
- ⑦ امام نسائی رضی اللہ عنہ نے کہا: "ليس به بأس" تهذيب الكمال: ۲۳/۱۹
- ⑧ ابن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: "كان ثبتاً" لقه تھے۔ [تهذيب التهذيب: ۳۶۳/۱۰]
- ⑨ قائلون رضی اللہ عنہ نے کہا: "امام نافع رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھے تھے۔ آپ زاہد اور بہت بڑے قاری تھے آپ نے مسجد نبوی میں ساٹھ سال نماز پڑھی۔" [صبح الأعشى للقلقشندي: ۲۱۶/۱]
- ⑩ امام ابن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: أدرکت أهل المدينة وهم يقولون قراءة نافع سنة "میں نے مدینہ والوں کو پایا ہے وہ کہتے تھے کہ امام نافع رضی اللہ عنہ کی قراءت سنت ہے۔" [تهذيب التهذيب: ۳۶۳/۱۰]
- ⑪ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا: من أراد سنة فليقرأ لنافع "جو شخص سنت کا ارادہ رکھتا ہے وہ نافع رضی اللہ عنہ کی قراءت حاصل کرے۔" [أحسن الأخبار: ۲۲۳۸]
- ⑫ امام احمد بن صالح المصری رضی اللہ عنہ نے کہا: أصح القراءات عندنا قراءة نافع بن أبي نعیم "ہمارے

نزدیک سب سے بہترین قراءت نافع کی ہے۔“ [أحسن الأخبار: ۲۲۳]

③ صالح بن احمد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ امام احمد سے پوچھا کہ آیا القراءۃ أعجب إليك؟ فقال قراءۃ نافع ”کون سی قراءت آپ کو زیادہ اچھی لگتی ہے انہوں نے کہا کہ نافع کی قراءت۔“ [جمال القراء:

۲۲۸/۲، معرفة القراء: ۱۰۸/۱]

امام نافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ستر تابعین سے قراءت سیکھی ہے جس پر دو تابعی بھی جمع ہوتے اس کو میں نے لے لیا اور جس قراءت میں کوئی مفرد ہو اس کو میں نے چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ میں نے اسی قراءت کو جمع کیا۔

[نحایۃ الاختصار: ۱۹/۱]

امام نافع رضی اللہ عنہ نے اپنی قراءت پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی۔ [التذکرۃ لابن غلبون: ۱۱، قراءت القراء: ۶۳] امام اسحاق بن محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نافع رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آپہنچا تو ان سے ان کے بیٹوں نے کہا ہمیں وصیت کیجئے تو انہوں نے فرمایا ”اللہ سے ڈر جاؤ، آپس میں معاملات درست کر لو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان لانے والے ہو۔“ [معرفة القراء: ۱۱/۱، غایۃ النہایۃ: ۳۳۳/۲]

امام نافع رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے، انہیں آداب سکھاتے تھے اور با وضو ہو کر کلاس میں بیٹھتے تھے۔ [أحسن الأخبار: ۲۲۸]

امام لیث رضی اللہ عنہ نے کہا: نافع رضی اللہ عنہ لوگوں کے امام تھے ان سے جھگڑا نہیں کیا جاتا تھا۔ [أحسن الأخبار: ۲۲۹]

### امام عبداللہ رضی اللہ عنہ [۲] بن کثیر المکی رضی اللہ عنہ

ان پر مختصر مگر جامع تبصرہ جرح و تعدیل کے لحاظ سے پیش خدمت ہے:

① إمام المکیین فی القراءۃ ”قراءت میں، مکہ میں رہنے والے لوگوں کے امام ہیں۔“ [معرفة القراء الکبار: ۱۹۷/۱]

② امام ابن معین رضی اللہ عنہ نے کہا: ثقہ [معرفة القراء الکبار: ۱۹۸/۱]

③ امام ابن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ابن کثیر المقرئ ثقہ، لہ احادیث صالحہ ”ابن کثیر المقرئ ثقہ ہیں ان کی بیان کردہ احادیث صحیح ہیں۔“ [الطبقات الكبرى: ۲۸۴/۵، معرفة القراء الکبار: ۲۰۳/۱، سیر أعلام النبلاء: ۳۱۹/۵، تہذیب الکمال: ۴۳۹/۱۰]

④ امام علی بن مدینی رضی اللہ عنہ نے کہا: ثقہ [تہذیب الکمال: ۴۳۹/۱۰، سیر أعلام النبلاء: ۳۱۹/۵]

⑤ امام نسائی رضی اللہ عنہ نے کہا: ثقہ [تہذیب الکمال: ۴۴۰/۱۰، سیر أعلام النبلاء: ۳۱۹/۵]

### امام ابو عمرو رضی اللہ عنہ [۳] بن العلاء البصری رضی اللہ عنہ

ان پر مختصر مگر جامع تبصرہ جرح و تعدیل کے لحاظ سے پیش خدمت ہے:

① امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا: الإمام الکبیر المازنی البصری النحوی، شیخ القراء بالبصرۃ ”بہت بڑے امام مازنی رضی اللہ عنہ بصری نحوی، بصرہ کے قاریوں کے شیخ“ [معرفة القراء الکبار: ۲۲۳/۱]

② امام ابو عمرو الشیبانی رضی اللہ عنہ نے کہا: ما رأیت مثل أبي عمرو بن العلاء ”میں نے ابو عمرو بن علاء جیسا

(کوئی) نہیں دیکھا، [معرفة القراء الکبار: ۲۳۱/۱]

۳ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا: ثقہ [ایضاً]

۴ امام ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کہا: کان أعلم الناس بالقراءات والعربية والشعر وأيام العرب، وكانت دفاتر ملء بيت إلى السقف، ثم تسك فأحرقها. کان من أشرف العرب، مدحه الفرزدق وغيره. [سير أعلام النبلاء: ۴۰۸/۶]

۵ قال ابو حاتم رحمہ اللہ: ليس به بأس

۶ وقال أبو عمر الشيباني رحمہ اللہ: ما رأيت مثل أبي عمرو

۷ امام شعبہ رحمہ اللہ نے کہا: أنظر ما يقرأ به أبو عمرو مما يختاره فاكتبه، فإنه سيسير للناس أستاذًا، قال إبراهيم الحربي: كان أبو عمرو من أهل السنة. [سير أعلام النبلاء: ۴۰۸/۶]

### امام عبداللہ رحمہ اللہ ابن عامر شامی رحمہ اللہ

ان پر مختصر مگر جامع تبصرہ جرح و تعديل کے لحاظ سے پیش خدمت ہے:

۱ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: إمام الشاميين في القراءه شام میں رہنے والے لوگوں کے قراءات میں امام ہیں۔ [معرفة القراء الکبار: ۱۸۶/۱]

۲ امام علی رحمہ اللہ نے کہا: ثقہ [تاريخ الثقات: ۲۶۲، معرفة القراء الکبار: ۱۹۶/۱، تہذیب الکمال: ۲۳۵/۱۰]

۳ امام نسائی رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے۔ محمد بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: کان قليل الحديث [تہذیب الکمال: ۲۳۵/۱۰-۲۳۶]

۴ یحییٰ بن حارث زماری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عامر رحمہ اللہ شام کے قاضی تھے دمشق کی مسجد کی تعمیر پر ان کی ذمہ داری تھی اور وہ مسجد کے رئیس تھے جب مسجد میں کسی بدعت کو دیکھتے تو اس کو تبدیل کر دیتے تھے۔ [سير أعلام النبلاء: ۲۹۳/۵]

۵ امام اہوازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”ابن عامر رحمہ اللہ امام، عالم، ثقہ تھے۔ اس علم میں جو ان کے پاس تھا جس کو روایت کیا اس کے حافظ تھے اور جس کو زبانی یاد کیا اس میں پختہ تھے، پہچان رکھنے والے، اچھا فہم رکھنے والے تھے اس چیز میں جس کو لے کر آتے تھے، سچے تھے اس چیز میں جس کو اعلیٰ درجے کے مسلمانوں سے نقل کرتے، تابعین میں سے پسندیدہ تھے، اکثر روایت کرنے والوں میں سے تھے، ان کے دن میں تہمت نہیں لگائی گئی اور ان کے یقین میں شک نہیں کیا گیا، ان کے امانت داری میں شک نہیں کیا گیا۔ ان پر روایت کرنے میں طعن نہیں کیا گیا، ان کا روایت کو نقل کرنا صحیح ہے، ان کی بات فصیح ہے، اپنے مرتبے میں بلند ہیں، اپنے کام میں درستگی کو پانے والے ہیں، اپنے علم میں مشہور ہیں، ان کے فہم کی طرف رجوع کیا گیا ہے، ان کی بیان کردہ احادیث کی تعداد شمار نہیں کی جاسکتی اور انہوں نے کوئی ایسی نہیں کہی جو حدیث کے مخالف ہو۔“ [غایۃ النہایۃ: ۲۳۵/۱]

جب سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق کی جامع مسجد میں صبح کی نماز پڑھاتے تو لوگ ان کے پاس قرآن حکیم پڑھنے کے لیے جمع ہو جاتے تو وہ لوگوں کے دس دس کے گروہ بنا دیتے تھے اور ہر دس پر ایک کو نگران مقرر کر دیتے اور خود کھڑے

ہو جاتے۔ لوگوں کو غور سے دیکھتے تھے بعض بعض پر پڑھتے تھے جب ان میں سے کوئی غلطی کرتا تو اپنے نگران کی طرف رجوع کرتا جب نگران بھی غلطی کرتا تو وہ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتا اور اس غلطی کے بارے میں آپ سے سوال کرتا، اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی دس کے گروہ پر نگران تھے آپ ان میں بڑے تھے جب سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو ان کے نائب ابن عامر رضی اللہ عنہ بنے تھے، آپ ان کی جگہ پر کھڑے ہوئے، آپ پر تمام لوگوں نے قراءت کی، شام والوں نے آپ کو امام پکڑ لیا اور انہوں نے آپ کی قراءت کی طرف رجوع کیا۔“

[أحسن الأخبار: ۲۵۴-۲۵۵]

امام ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اہل شام کے قراء میں سے ابن عامر بھی تھے وہ اپنے زمانے میں دمشق والوں کے امام تھے اسی کی طرف ان کی قراءت گئی۔“ [أحسن الأخبار: ۲۵۳]

### امام عاصم رضی اللہ عنہ [۵] بن ابی النجود الکوفی رضی اللہ عنہ

ان پر مختصر مگر جامع تبصرہ جرح و تعدیل کے لحاظ سے پیش خدمت ہے:

- ① امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا: امام اہل الکوفۃ ’اہل کوفہ کے امام ہیں۔ [معرفۃ القراء الکبار: ۲۰۶/۱]
- ② امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے کہا: رجل صالح، خیر، ثقة۔ [کتاب اللعل وهدایۃ الرجال: ۱۶۳/۱، معرفۃ القراء الکبار: ۲۰۶/۱، تہذیب الکمال: ۲۹/۹]
- ③ امام ابو حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: محله الصدق
- ④ امام ابو زرعہ رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے۔
- ⑤ امام دارقطنی رضی اللہ عنہ نے کہا: فی حفظہ شیء ان کے حافظے میں کچھ (خرابی) تھی۔ [معرفۃ القراء الکبار: ۲۰۹/۱]
- ⑥ ابن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ثقہ
- ⑦ ابن معین رضی اللہ عنہ نے کہا: لا بأس بہ
- ⑧ عجل رضی اللہ عنہ نے کہا: صاحب سنۃ و قراءۃ القرآن، وکان ثقہ، رأسا فی القراءۃ
- ⑨ امام یعقوب بن سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: فی حدیثہ اضطراب، و هو ثقہ
- ⑩ ابو حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: صالح و هو اکثر حدیثا من ابی قیس الأودی، وأشهر منه، وأحب إلی منہ، و قال محله الصدق صالح الحدیث .
- ⑪ ابو زرعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ثقہ
- ⑫ نسائی رضی اللہ عنہ نے کہا: لیس بہ بأس [تہذیب الکمال: ۲۹۰/۹-۲۹۱]
- ⑬ ابن حبان رضی اللہ عنہ نے ثقافت میں ذکر کیا ہے۔
- ⑭ ابن شاہین رضی اللہ عنہ نے ثقافت میں ذکر کیا ہے۔ [تہذیب التہذیب: ۳۶/۵]

### امام حمزہ رضی اللہ عنہ [۶] بن حبیب الزیات الکوفی رضی اللہ عنہ

ان پر مختصر مگر جامع تبصرہ پیش خدمت ہے:

- ① امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا: کان إماماً حجۃً، قیما بحفظ کتاب اللہ، حافظاً للحدیث، بصیراً

ابن بشیر الحسینوی

للفرائض والعربية، عابداً خاشعاً قانتاً لله تخين الورع، عديم النظر. [معرفة القراء الکبار: ۲۵۲:۱]

۲) یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ نے ثقہ اور ۳) نسائی نے لیس بہ بأس کہا ہے۔

۴) امام ابن حبان رضی اللہ عنہ نے ثقہ اور ۵) عجمی نے کہا ثقہ رجل صالح

۶) ابن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: کان رجلاً صالحاً عنده أحاديث وكان صدوقاً صاحب سنة "صالح آدمی تھا اس کے پاس احادیث تھیں، صدوق اور سنت والا تھا۔" [تہذیب التہذیب: ۳: ۲۴۳]

۷) ماجی رضی اللہ عنہ کا قول: صدوق سیء الحفظ لیس بمتقن فی الحدیث [تہذیب التہذیب: ۳: ۲۴۳] جمہور

کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

امام نافع رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد

۱) امام قالون رضی اللہ عنہ: [۷]

اصل نام یہ ہے عیسیٰ بن مینا المدنی ابوموسیٰ۔

امام ذہبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان کی قراءت کے اچھا ہونے کی وجہ سے ان کو قالون کا لقب ملا اور قالون رومی لفظ

ہے جس کا معنی 'اچھا' ہے۔ یہ ہمیشہ امام نافع رضی اللہ عنہ پر قراءت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ قراءت میں ماہر بن گئے۔

[معرفة القراء: ۳۲۶:۱]

امام نقاش رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قالون سے کہا گیا۔ آپ نے کتنی دیر نافع رضی اللہ عنہ سے پڑھا ہے۔ انہوں نے کہا اس قدر

زیادہ پڑھا ہے کہ جسے میں شمار نہیں کر سکتا مگر یہ مجھے یاد ہے کہ فارغ ہونے کے بعد میں بیس سال ان کے پاس رہا

ہوں۔" [غایۃ النہایۃ: ۵۳۲:۱]

امام ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: امام قالون رضی اللہ عنہ بہرے تھے وہ قرآن پڑھاتے تھے اور طلباء کی غلطی ادا لحن کو

ہونٹوں سے سمجھ لیتے تھے۔" [غایۃ النہایۃ: ۵۳۲:۱]

امام ذہبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مقری المدینۃ تلمیذ نافع هو الإمام المجدود النحوي "مدینہ کے مقری،

نافع کے شاگرد تھے وہ امام مجدود اور نحوی تھے۔" [سیر اعلام النبلاء: ۱۰: ۳۲۶]

۲) امام ورش رضی اللہ عنہ: [۸]

اصل نام عثمان بن سعید المصری ہے۔ سخت سفید ہونے کی وجہ سے ان کو ورش کا لقب ملا۔ [البدور الزاهرة: ۱۳]

امام ابن جزری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں: شیخ القراء المحققین، وإمام أهل الأداء المرتلین، انتہت

إلیہ رءاسة الإقراء بالديار المصرية في زمانه "محقق قراء کے شیخ ہیں، قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے والوں

میں سے ہیں، ان کے زمانے میں، ان پر مصر میں قراءت کی ریاست ختم ہو گئی۔" [غایۃ النہایۃ: ۱: ۴۳۶]

امام یونس بن عبدالأعلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کان جيد القراءة حسن الصوت 'وہ بہترین قراءت کرتے

تھے اچھی آواز والے تھے۔" [غایۃ النہایۃ: ۱: ۴۳۷، معرفة القراء: ۳۲۶:۱، سیر اعلام النبلاء: ۹: ۲۹۶]

قرائے عشرہ اور ان کے روات کی ثقاہت

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: شیخ القراء بالديار المصرية 'مصر کے شہروں کے قراء کے شیخ تھے۔' [سیر اعلام النبلاء: ۲۹۵/۹]

نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وكان ثقة في الحروف ، حجة قراءت میں ثقہ حجت تھے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۲۹۶/۹]

آپ مصر سے مکہ صرف قراءت کے لئے آئے تھے نہ حج کے لئے اور نہ ہی تجارت کی غرض سے۔

[معرفة القراء: ۳۲۵/۱]

## امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد

### ① امام البزی رحمۃ اللہ علیہ [۹]

ان کا اصل نام احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی بزة المؤمن ابی ابی الحسن ہے۔

چالیس سال حرم کے مؤذن رہے۔ [معرفة القراء: ۳۶۶/۱]

امام بزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فمن قال مخلوق ، فهو على غير دين الله و دين رسول الله ﷺ حتى يتوب ”جس نے کہا کہ (قرآن) مخلوق ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر نہیں ہے حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے۔“ [الشریعة للاجری: ۸۸، معرفة القراء: ۳۷۰/۱]

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مقرئ مكة و مؤذن، مکہ کے مقرئ اور اس کے مؤذن تھے۔

ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: أستاذ محقق ضابط متقن [غایة النہایة: ۱۰۹/۱]

**تنبیہ:** امام بزی رحمۃ اللہ علیہ سے تکبیروں والی روایت مستدرک حاکم [۳۲۳/۳] میں آئی ہے۔ اس کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: هذا حديث منكر [علل ابن أبي حاتم: ۷۶/۲]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: هذا من مناقب البزي [میزان الاعتدال: ۲۸۹/۱] حافظ ابن حجر نے ذہبی کی بات پر خاموشی اختیار کی ہے۔ [لسان المیزان: ۲۸۲/۱]

حدیث میں ضعیف تھے لیکن قراءت میں امامت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ [اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: قراءات نمبر شد ۲، ص ۵۳۰-۵۳۱، ۵۳۲-۵۳۸]

### ② امام قنبل رحمۃ اللہ علیہ [۱۰]

اصل نام محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن خالد بن سعید ابی المعزومی ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: امام شیخ المقرئین [معرفة القراء: ۲۵۲/۱]

نیز لکھتے ہیں: انتهت إليه رءاسة الإقراء بالحجاز 'حجاز میں قراء کی ریاست امام قنبل پر ختم ہوگئی۔'

[معرفة القراء: ۲۵۳/۱]

بکرم

## ابوعمر و ﷺ کے دو شاگرد

### ① امام دوری ﷺ [۱]

ان کا اصل نام ابو عمر حفص بن عمر بن عبدالعزیز الدوری النحوی ہے۔

حافظ ذہبی ﷺ لکھتے ہیں: الإمام مقرئ الإسلام [معرفة القراءة: ۳۸۶/۱]

امام ابو حاتم ﷺ نے کہا: 'صدوق' [الجرح والتعديل: ۱۸۴/۳]

امام ابو یعلیٰ الایہوازی ﷺ نے کہا: وهو ثقة في جميع ما يرويه . وعاش دهرا وذهب بصره في آخر عمره ، وكان ذا دين وخير ” وہ اپنی تمام مرویات میں ثقہ تھے اور ایک زمانہ زندہ رہے۔ آخری عمر میں ان کی نگاہ ختم ہوگئی۔ وہ دین اور بھلائی والے تھے۔“ [معرفة القراءة: ۳۸۸/۱، سير أعلام النبلاء: ۵۴۳/۱۱]

امام ابوداؤد ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا وہ ابو عمر و الدوری سے لکھتے تھے۔

[تاريخ بغداد: ۲۰۳۸، سير أعلام النبلاء: ۵۴۳/۱۱]

احمد بن فرح الضرير ﷺ نے کہا: میں نے دوری سے سوال کیا کہ آپ قرآن کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے

کہا کہ اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ [تاريخ بغداد: ۲۰۳۸]

حافظ ذہبی ﷺ نے کہا: الإمام العالم الكبير ، شيخ المقرئين“ [سير أعلام النبلاء: ۵۴۱/۱۱]

امام دارقطنی ﷺ نے کہا 'ضعيف' امام ذہبی ﷺ فرماتے ہیں کہ امام دارقطنی ﷺ کے ضعیف کہنے سے مراد یہ ہے کہ آثار کو ضبط کرنے میں ضعیف ہیں۔ رہے قراءت میں تو اس میں وہ مثبت امام تھے۔ اسی طرح قراءت کی ایک جماعت کے نزدیک وہ قراءت میں ثقہ ہیں لیکن حدیث میں نہیں۔ جیسے نافع ﷺ، کسائی ﷺ، اور حفص ﷺ ہیں انہوں نے قراءت کا اہتمام کیا ہے اور انہیں تحریر کیا ہے جبکہ اس طرح کی محنت حدیث میں نہیں کی، اسی طرح حفاظ کی ایک جماعت حدیث میں پختہ ہے لیکن قراءت میں پختہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس آدمی کی حالت ہے جو ایک فن میں ظاہر ہوا اور کسی دوسرے فن میں اس قدر اہتمام نہیں کیا۔ [سير أعلام النبلاء: ۵۴۳/۱۱]

### ② امام سوسی ﷺ [۲]

ان کا اصل نام ابو شعیب صالح بن زیاد بن عبداللہ السوسی ہے۔

حافظ ذہبی ﷺ نے کہا: 'الإمام' [معرفة القراءة: ۳۹۰/۱]

امام ابو حاتم ﷺ نے کہا: 'صدوق' [الجرح والتعديل: ۲۰۴/۳، تهذيب التهذيب: ۳۹۲/۴]

حافظ ذہبی ﷺ فرماتے ہیں: الإمام المقرئ المحدث ، شيخ الرقة [سير أعلام النبلاء: ۳۸۰/۱۲]

وقال النسائي 'ثقة'

[تهذيب التهذيب: ۳۹۲/۴، تهذيب الكمال: ۲۲۸/۳، ذكره ابن حبان في الثقات: ۳۱۹/۸]

حافظ ذہبی نے کہا: وکان صاحب سنة 'وہ سنت والے تھے۔' [سير أعلام النبلاء: ۳۸۱/۱۲]

قرائے عشرہ اور ان کے روات کی ثقافت

## امام ابن عامر رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد

### ① امام ہشام رضی اللہ عنہ [۱۳]

ان کا اصل نام ہشام بن عمار بن نصیر القاضی دمشقی، ابوالولید ہے۔ حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے لکھا: شیخ اہل دمشق و مفتیہم و خطیبہم و مقرئہم و محدثہم ”دمشق والوں کے شیخ، ان کے مفتی، ان کا خطیب، ان کے مقرئ اور ان کے محدث تھے۔“ [معرفة القراء: ۳۹۶/۱]

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنی صحیح بخاری میں روایت لی ہے۔ ابن معین نے ان کو ”فقہ“ کہا، نسائی نے ”لا بأس بہ“ کہا، دارقطنی نے ”صدوق“ کہا۔ [معرفة القراء: ۳۹۷/۱، ۳۹۸]

ابوحاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: ”صدوق“ [الرحم والتعديل: ۶۶/۹]

قال العجلی ثقہ، وقال في موضع آخر ’صدوق‘

قال النسائي: ’لا بأس به‘ [تهذيب الكمال: ۴۱۲/۷] وقال في موضع آخر: ’صدوق‘

[المعجم المشتمل، الترجمة: ۱۱۲۰]

قال عبدان بن أحمد الجواليقي: ما كان في الدنيا مثله

قال بن أبي حاتم ’صدوق‘ [تهذيب التهذيب: ۴۱۲/۷، ۴۱۳]

### ② امام ابن ذکوان رضی اللہ عنہ [۱۴]

ان کا اصل نام عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان القرشي دمشقی ابو عمرو ہے۔ امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا: مقرئ دمشق و امام جامعہا ”دمشق کے مقرئ تھے اور اس کی جامع مسجد کے امام تھے۔“ ابوحاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: ”صدوق“

امام ابو زرہ رضی اللہ عنہ دمشقی نے کہا: عراق، حجاز، شام، مصر اور خراسان میں میرے نزدیک ابن ذکوان کے زمانے میں ان سے بڑا کوئی قاری نہیں تھا۔ [معرفة القراء: ۴۰۲/۱، ۴۰۵]

قال ابن معين: ’لا بأس به‘ [تهذيب الكمال: ۸۳/۴، ذکرہ ابن حبان في الثقات: ۳۶۰/۸]

## امام عاصم رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد

### ① امام شعبہ رضی اللہ عنہ [۱۵]

اصل نام، ابوبکر شعبہ بن عیاش بن سالم الکوفی ہے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہا: ”صدوق، ثقہ، ربما غلط، صاحب قرآن وخیر۔“ [معرفة القراء: ۲۸۱/۱]

ابن المبارک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے سنت کی طرف زیادہ دوڑانے والا اس سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔ [العلل ومعرفة الرجال: ۳۲۲]

امام ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ معینی نے کہا کہ میں نے ابوبکر بن عیاش رضی اللہ عنہ کو دیکھا مکہ میں ان کے پاس سفیان بن عیینہ



آئے اور دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے ایک آدمی آیا وہ سفیان کے بارے میں پوچھنے لگا انہوں نے کہا کہ مجھ سے اس وقت تک سوال نہ کر جب تک یہ شیخ (شعبہ بن عیاش) بیٹھے ہوئے ہیں۔ [معرفة القراء: ۲۸۳/۱]

یزید بن ہارون رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو بکر میں خیر تھی، وہ فاضل شخص تھے، اس نے اپنے پہلو کو چالیس سال تک زمین پر نہیں رکھا۔ [معرفة القراء: ۲۸۴/۱]

## ② امام حفص رضی اللہ عنہ بن سلیمان بن مغیرہ البر از رضی اللہ عنہ الکوئی، ابو عمرو

عبدالفتاح عبدالغنی قاضی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'کان ثقة' [البدور الزاهرة: ۱۳]

قراءت میں پختہ تھے۔ [معرفة القراء: ۲۸۷/۱]

امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہا: 'ما به بأس' [تاریخ بغداد: ۱۸۷/۸]

ابو ہشام رفاعی رضی اللہ عنہ نے کہا: امام حفص رضی اللہ عنہ، حاصم رضی اللہ عنہ کی قراءت کو ان سے زیادہ جانتے تھے۔

[معرفة القراء: ۲۸۸/۱]

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے کہا: 'انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا' [كتاب الضعفاء الصغير: ۳۲]

صاح الخیر رضی اللہ عنہ نے کہا: 'لا یکتب حدیثہ' اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ [تاریخ بغداد: ۱۸۸/۸]

زکریا ساجی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'لہ أحادیث بو اطلیل' [تاریخ بغداد: ۱۸۸/۸]

ابن عدی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'عامۃ أحادیثہ غیر محفوظۃ' [الکامل فی ضفاء الرجال: ۷۹۲/۲]

امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: 'أما فی القراءة فتقۃ ثبت ضابط لها بخلاف فی الحدیث' لیکن یہ قراءت

میں ثقہ پختہ، اس کو ضبط کرنے والے تھے حدیث میں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ [معرفة القراء: ۲۸۸/۱]

سعد العوقی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'لو رأیتہ مقرت عینک به علما وفهما' 'اگر آپ اس کو دیکھ لیں تو آپ کی

آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اس کے ساتھ، علم اور فہم کی وجہ سے' [معرفة القراء: ۲۸۹/۱]

علی بن مدینی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'ترکت عمداً' میں اُس کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔ [تاریخ بغداد: ۱۸۷/۸]

خلاصہ یہ ہے کہ قراءت میں ثقہ امام تھے لیکن حدیث میں کمزور تھے۔

## امام حمزہ رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد

### ① خلف رضی اللہ عنہ بن ہشام البر از ابو محمد البغدادی رضی اللہ عنہ

حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'المقری أمر الأعلام' [معرفة القراء: ۳۱۹/۱]

یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ اور امام نسائی رضی اللہ عنہ نے ثقہ کہا ہے۔ [تاریخ بغداد: ۳۲۶/۸، ۳۲۷]

امام دارقطنی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'کان عابداً فاضلاً' [تاریخ بغداد: ۳۲۷/۸]

حمدان بن ہانی المقری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے خلف بن ہشام سے سنا کہ مجھ پر نحو کا ایک باب مشکل ہوا تو میں

نے ۸۰ ہزار درہم خرچ کر دیئے یہاں تک کہ میں اس میں ماہر بن گیا۔ [معرفة القراء: ۳۲۱/۱]

حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'الإمام الحافظ الحجة شیخ الإسلام، المقری'

[سیر أعلام النبلاء: ۵۷۶/۱۰]

نیز کہا: ولہ اختیاری فی الحروف صحیح ثابت لیس بشاذ أصلاً ”قراءت میں ان کا اختیار کرنا صحیح ثابت نہیں اور اصل کے اعتبار سے شاذ نہیں ہے۔“ [سیر أعلام النبلاء: ۵۷۷/۱۰]

امام ابوالحسن احمد بن جعفر بن زیاد السوسی رحمہ اللہ نے کہا کہ ابو جعفر الفضلی نے ہشام کا ذکر کیا تو کہا: کان فی أصحاب السنۃ، تہذیب الکنز: ۳۹۵/۲

② **خلاد** <sup>[۱۸]</sup> بن خالد و یقال ابن خلید البصری الکوفی ابو عیسیٰ رحمہ اللہ

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: ”وکان صدوقاً فی الحدیث والقراءۃ“ [معرفة القراء: ۲۲۳/۱]

امام کسائی رحمہ اللہ کے دو شاگرد

① ابو الحارث رحمہ اللہ <sup>[۱۹]</sup>

اس کا اصل نام لیث بن خالد البغدادی ہے۔  
حافظ ذہبی نے کہا: ۲ الإمام، [معرفة القراء: ۲۲۳/۱]

② حفص الدوری رحمہ اللہ

ابو جعفر ① کے دو شاگرد

① ابن وردان رحمہ اللہ <sup>[۲۰]</sup>

اصل نام ابو الحارث عیسیٰ بن وردان المدنی ہے۔  
حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: ۲ الإمام، [معرفة القراء: ۲۲۷/۱]

② ابن جمار رحمہ اللہ <sup>[۲۱]</sup>

اصل نام ابو الربیع سلیمان بن مسلم بن جمار المدنی ہے۔  
حافظ ذہبی نے کہا: ۲ هو الإمام، [معرفة القراء: ۲۹۳/۱]

یعقوب رحمہ اللہ کے دو شاگرد

① رویس رحمہ اللہ <sup>[۲۲]</sup>

اصل نام ابو عبد اللہ محمد بن متوکل اللؤلؤی البصری اور رویس ان کا لقب ہے۔  
حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: ۲ الإمام، [معرفة القراء: ۳۲۸/۱]

ابن جزری رحمہ اللہ نے کہا: مقری حازق ضابط، مشہور، [غایۃ النہایۃ: ۲۰۶/۲]

امام دانی رحمہ اللہ نے کہا: ھو من أحذق أصحابہ، [غایۃ النہایۃ: ۲۰۶/۲]

ابو عبد اللہ القصاب رحمہ اللہ نے کہا: کان (روسياً) مشہوداً جیلاً، [غایۃ النہایۃ: ۲۰۶/۲]

② روحِ بڑا اللہ [۲۳]

اصل نام ابوالحسن روح بن عبدالمؤمن البصری النحوی ہے۔  
حافظ ذہبی بڑا اللہ نے کہا: 'الإمام' [معرفة القراء: ۴۱۷/۱]  
"ذکره ابن حبان في الثقات" [تهذيب الكمال: ۲۳۶/۹]

خلف بڑا اللہ کے دو شاگرد

① اسحاق بن ابراہیم بن عثمان الوراق المروزی ثم البغدادی ابو یعقوب بڑا اللہ

ابن جزری بڑا اللہ نے کہا: 'ثقة' [غاية النهاية: ۱۴۱/۱]  
محمد بن اسحاق السراج بڑا اللہ نے کہا: 'ثقة'  
ابن ابی حاتم بڑا اللہ نے کہا: 'صدوق ثقة' [تهذيب الكمال: ۱۷۴/۱]  
قال الدارقطني: من الثقات ، قال: 'ثقة مأمون' [سؤالات حمزة السهمي للدارقطني]

② ادریس بڑا اللہ [۲۴]

اصل نام ابوالحسن ادریس بن عبدالکریم البغدادی الحرادی ہے۔  
حافظ ذہبی بڑا اللہ نے کہا: 'الإمام' [معرفة القراء: ۴۹۹/۱]  
قال الدارقطني بڑا اللہ: 'ثقة ، وفوق الثقة بداية' [معرفة القراء: ۵۰۰/۱]  
امام احمد بن المنادی بڑا اللہ نے کہا: کتب الناس عنه لثقة وصلاحه "لوگوں نے اس سے (علم) لکھا ہے۔  
اس کے ثقہ اور اچھا ہونے کی وجہ سے" [معرفة القراء: ۵۰۰/۱]

حواشی / حوالہ جات

- ① ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے [الطبقات الكبرى: ۴۵۱، التاريخ الكبير: ۸/۸، المعارف: ۵۲۸، الجرح والتعديل: ۲۵۷/۸، مشاهير علماء الأمصار: ۱۴۱، كتاب الثقات: ۵۳۲/۵، ۵۳۳، تهذيب الكمال: ۲۸۱/۲۹، سير أعلام النبلاء: ۳۳۸، ۳۳۹/۷، ميزان الاعتدال: ۲۴۲/۴، تاريخ الإسلام: (وفيات ۱۶۱-۱۷۰) ۲۸۲-۲۸۳، تهذيب التهذيب: ۲۰۷/۱۰، ۲۰۸، ۲۰۹]
- ② ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: [الطبقات الكبرى: ۲۸۳/۵، التاريخ الكبير: ۱۸۱/۵، الجرح والتعديل: ۱۴۳/۵، تهذيب الأسماء واللغات: ۲۸۳/۱، سير أعلام النبلاء: ۳۲۴، ۳۱۸/۵، تهذيب التهذيب: ۳۶۷/۵، ۳۶۸]
- ③ ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: [التاريخ الكبير: ۵۵/۹، كتاب الثقات: ۳۳۲/۷، ۳۳۳، سير أعلام النبلاء: ۲۱۰، ۲۰۷/۶، وفيات الأعيان: ۱۳۶/۳، ۱۴۰، البداية والنهاية: ۱۱۲/۱، تهذيب التهذيب: ۱۷۸/۱۴، ۱۸۰، شذرات الذهب: ۲۲۷/۱، ۲۳۸]
- ④ ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: [الطبقات الكبرى: ۴۳۹/۷، التاريخ الكبير: ۱۵۶/۵، تاريخ الثقات: ۲۶۲،

بشیر

## قرائے عشرہ اور ان کے روائے کی ثقافت

- الجرح والتعديل: ۱۲۲/۵، ۱۲۳/۵، کتاب الثقات: ۳۱/۵، تهذيب الكمال: ۱۵۰، ۱۴۳/۵، تذكرة الحفاظ: ۱۰۳/۱، سير أعلام النبلاء: ۲۹۳، ۲۹۴/۵، تهذيب التهذيب: ۲۷۵، ۲۷۶/۵
- ⑤ ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: [الطبقات الكبرى]: ۲۸۵/۵، التاريخ الكبير: ۱۸۱/۵، كتاب السبعة: ۶۵، ۶۶، الجرح والتعديل: ۱۲۲/۵، تهذيب الكمال: ۲۷۱، ۲۶۸/۵، سير أعلام النبلاء: ۳۱۸/۵، ۳۲۲، تهذيب التهذيب: ۳۶۸، ۳۶۷/۵، شذرات الذهب: ۱۵۷/۱
- ⑥ ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: [الطبقات الكبرى]: ۲۸۵/۶، تاريخ يحيى: ۱۳۲/۲، التاريخ الكبير: ۵۲/۳، تاريخ الثقات: ۱۳۳، الجرح والتعديل: ۲۱۰، ۲۰۹/۳، تهذيب الكمال: ۳۱۲/۷، ۳۳۳، سير أعلام النبلاء: ۹۲، ۹۰/۷، ميزان الاعتدال: ۶۰۶، ۶۰۵/۱، تهذيب التهذيب: ۲۸۰، ۲۷۷/۳
- ⑦ ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: [الجرح والتعديل]: ۲۹۰/۶، معجم الأدباء: ۱۵۲، ۱۵۱/۱۲، سير أعلام النبلاء: ۳۲۷، ۳۲۶/۱۰، تاريخ الإسلام: (وفيات ۲۱۱-۲۲۰) ۳۵۰-۳۵۲، العبر: ۳۰۰/۱، ميزان الاعتدال: ۳۲۷/۳، البداية والنهاية: ۲۸۳/۱، غاية النهاية: ۶۱۶، ۶۱۵/۱، شذرات الذهب: ۲۸۷/۲
- ⑧ ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: [الجرح والتعديل]: ۱۵۳/۱، معجم الأدباء: ۱۱۶، ۱۱۹/۱۲، سير أعلام النبلاء: ۲۹۵/۹، العبر: ۲۵۳/۱، غاية النهاية: ۵۰۳، ۵۰۲/۱، حسن المحاضرة: ۲۸۵/۱، شذرات الذهب: ۲۳۹/۱، تاج العروس: ۳۶۲/۳
- ⑨ ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [الضعفاء الكبير]: ۱۲۷/۱، الجرح والتعديل: ۷۱/۲، كتاب الثقات: ۳۶/۸، سير أعلام النبلاء: ۵۱۲-۵۱۰، العبر: ۳۵۸/۱، ميزان الاعتدال: ۱۲۳/۱، ۱۳۵، البداية والنهاية: ۶/۱۱، غاية النهاية: ۱۱۹-۱۲۰، لسان الميزان: ۲۸۳/۱-۲۸۴
- ⑩ ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [تذکرہ الحفاظ]: ۲۵۹/۲، الوافي بالوفيات: ۲۲۶/۳-۲۲۷، البداية والنهاية: ۹۹/۱۱، العقد الثمين: ۱۰۹، ۱۰۹/۱۰، معجم الأدباء: ۱۷۱-۱۸، الوفيات: ۱۹۰، غاية النهاية: ۱۶۵/۲-۱۶۶، تبصير المتنبه: ۱۱۳۹/۳
- ⑪ ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [الطبقات الكبرى]: ۳۷۷/۷، الجرح والتعديل: ۱۸۳-۱۸۲/۳، تاريخ بغداد: ۲۰۳-۲۰۲/۸، تهذيب الكمال: ۳۲۷-۳۲۷، سير أعلام النبلاء: ۵۲۱/۱۱، ۵۲۳، ميزان الاعتدال: ۵۶۶/۱، غاية النهاية: ۲۵۵-۲۵۷، شذرات الذهب: ۱۱۱/۲
- ⑫ ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [الجرح والتعديل]: ۴۰۲/۳، كتاب الثقات: ۳۱۹/۸، طبقات الحنابلة: ۱۷۶-۱۷۷، الانتساب: ۳۳۵/۳، تهذيب الكمال: ۵۲۰-۵۰/۱۳، سير أعلام النبلاء: ۳۸۱-۳۸۰/۱۲، شذرات الذهب: ۱۲۳/۲
- ⑬ ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [الطبقات الكبرى]: ۴۷۳/۷، التاريخ الكبير: ۱۹۹/۸، الجرح والتعديل: ۶۷-۶۶/۹، تهذيب الكمال: ۲۳۲، ۲۳۱/۳۰، سير أعلام النبلاء: ۲۴۰، ۲۳۵، تذكرة الحفاظ: ۲۸۱/۲
- ⑭ ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: [الجرح والتعديل]: ۵/۵، كتاب الثقات: ۳۶۰/۸، تهذيب الكمال:



۱۳/۲۸-۲۸۳، الکاشف: ۶۳/۲، شذرات الذهب: ۱۰۰/۲]

۱۵) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [الطبقات الكبرى: ۳۸۶/۶، التاريخ الكبير: ۱۴/۹، الجرح والتعديل:

۳۳۸/۹-۳۵۰، کتاب الثقات: ۶۷۸-۶۷۸، تہذیب الکمال: ۱۲۹/۳۳-۱۲۵، سیر أعلام النبلاء: ۲۹۵/۸-۵۰۸]

۱۶) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [التاريخ الكبير: ۳۶۳/۲، کتاب الضعفاء الصغير: ۳۲، الجرح والتعديل:

۱۷۱/۱۷-۱۷۱/۱۷، تاریخ بغداد: ۱۸۸-۱۸۶/۸، تہذیب الکمال: ۱۰۷-۱۲، غاية النهاية: ۲۵۴/۱-۲۵۵]

۱۷) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [الطبقات الكبرى: ۳۸۷/۷، التاريخ الكبير: ۱۹۶/۳، الجرح والتعديل:

۳۷۲/۳، تاریخ بغداد: ۳۲۸-۳۲۳/۸، التہذیب الکمال: ۲۹۹/۸-۳۰۳، سیر أعلام النبلاء: ۵۷۶/۱۰-۵۸۰، غاية

النهاية: ۲۷۱/۲-۲۷۵، شذرات الذهب: ۶۷/۲]

۱۸) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [التاريخ الكبير: ۱۸۹/۳، الجرح والتعديل: ۳۶۸/۳، غاية النهاية:

۲۷۱/۲-۲۷۵، شذرات الذهب: ۴۷/۲]

۱۹) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [تاريخ بغداد: ۱۶/۱۳، غاية النهاية: ۳۳۲/۲، شذرات الذهب: ۹۵/۲]

۲۰) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [غاية النهاية: ۶۱۶/۱، النشر: ۱۷۹/۱]

۲۱) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [الجرح والتعديل: ۱۴۲/۴، میزان الاعتدال: ۲۲۳/۲، غاية النهاية: ۳۱۵/۱،

النشر: ۱۷۹/۱]

۲۲) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [تاريخ الإسلام: (وفيات: ۲۳۱-۲۳۰) ۳۳۲، غاية النهاية: ۲۳۲/۲-۲۳۵]

۲۳) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [التاريخ الكبير: ۳۱۰/۳، الجرح والتعديل: ۲۹۹/۳، تہذیب الکمال:

۲۳۶/۹-۲۳۷، غاية النهاية: ۲۸۵/۱، تہذیب التہذیب: ۲۹۶/۳]

۲۴) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: [تاريخ بغداد: ۱۴-۱۵، طبقات الحنابلة: ۱۱۶/۱، سیر أعلام النبلاء:

۲۳۶/۱۳-۲۳۵، النشر: ۱۶۶/۱، غاية النهاية: ۱۵۴/۱، شذرات الذهب: ۲۱۰/۲]



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مفتی جمیل احمد تھانوی\*

## محافل قراءات ..... اعتراضات کا جائزہ

رشد قراءات نمبر اول میں آداب تلاوت قرآن کے ضمن میں 'قرآن مجید کو قواعد موسیقی پر پڑھنے کی شرعی حیثیت' کے عنوان سے قاری فہد اللہ مراد کی تحریر شائع کی گئی تھی۔ بعد ازاں قراءات نمبر دوم میں بعض دیگر عیوب تلاوت کے ذیل میں 'مرؤجہ محافل قراءات ..... ناقدانہ جائزہ' کے نام سے مضمون پیش کیا گیا۔ اسی تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے شمارہ ہذا میں شیخ القراء قاری احمد میاں تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون شائع ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے، جس میں حضرت مفتی صاحب نے مرؤجہ محافل قراءات میں افراط و تفریط دونوں انتہاؤں کے مابین معتدل رائے کی نشاندہی فرمائی ہے۔ [ادارہ]

ماضی قریب میں، جامعہ قاسمیہ کراچی کی مساعی جمیلہ سے جاز، عراق، مصر، شام، انڈونیشیا وغیرہ کے قاری صاحبان کی تشریف آوری پر پاکستان کے کئی شہروں میں عالمی مجالس قراءات منعقد ہو چکی ہیں جن سے بہت سے لوگ براہ راست خوب محظوظ ہوئے۔

ہمارے بعض تعلیم یافتہ صاحبان کی طرف سے اس پر کچھ اعتراضات سننے میں آئے ہیں۔ اب تک جو اعتراضات سامنے آئے ہیں ان کو مع جوابات پیش کیا جاتا ہے ممکن ہے ہم سب کو غور و فکر کرنے کے بعد اصل حقیقت تک رسائی میسر آجائے۔

### اعتراض نمبر ۱

قرآن کریم کا مقصود معانی و احکام ہیں۔ بغیر معانی کے صرف الفاظ کو اور پھر الفاظ کی بھی ایک صفت یعنی عمدہ ادائیگی کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے مجلس قراءات کو یہ اہمیت دینا اسلامی شان کا کام نہیں ہو سکتا۔

### جواب: قرآن الفاظ اور معنی کے مجموعے کا نام ہے

یہ خیال کہ قرآن کریم کا مقصود معانی و احکام ہیں، صحیح نہیں۔ بلکہ قرآن مجید الفاظ اور معانی دونوں کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآناً عربیاً [سورۃ یوسف: ۲] ”عربی قرآن“ فرمایا ہے۔ یعنی عربی عبارت کے الفاظ بھی قرآن ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرانس کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ ءَايٰتِهٖ﴾ اور ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ [آل عمران: ۱۲۳] ”لوگوں پر قرآن مجید کی آیتوں کو بھی تلاوت فرماتے ہیں“ اور ”ان کو کتاب کی تعلیم بھی دیتے ہیں“ تلاوت الفاظ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فریضہ ہے اور تعلیم احکام بھی۔ ہر حرف کے پڑھنے اور سننے پر دس نیکیاں ملنا بلا معانی سمجھنے بھی حدیث میں وارد ہے۔

☆ سابق صدر داء الافتاء جامعہ اشرفیہ، لاہور، والد گرامی استاذ القراء قاری احمد میاں تھانوی

540

## الفاظ قرآن بھی مقصود ہیں

لہذا قرآن مجید کا تو لفظ لفظ اور حرف حرف بھی مقصود ہی ہے جیسے معانی و احکام کی حفاظت اور ان پر عمل کرنا فرض ہے ایسے ہی لفظ لفظ، حرف حرف بلکہ حرکت حرکت تک کی حفاظت اور اس کی تلاوت فرض ہے۔ اور پھر ہر حرف عربی ہے عربی طریقہ سے اس کے مخرج (حرف کے نکلنے کی جگہ) سے اس کی صفتوں (حرف کی ادائیگی کی کیفیت) کے ساتھ ادا کرنا بھی فرض ہے۔ ورنہ پھر یہ حرف وہ حرف ہی نہ رہے گا دوسرا بن جائے گا (اس لیے کہ صفت یا مخرج کے بدلنے کی وجہ سے حرف حرف سے بدل جاتا ہے) اور اس کو خدائی کلام کہنا خدا تعالیٰ پر نعوذ باللہ تہمت باندھنے کے مترادف ہو جائے گا اور اس سے معانی و مفہوم میں خلل واقع ہو کر بعض دفعہ احکام میں تغیر و تبدل اور تحریف تک نوبت پہنچ جائے گی۔

مثلاً قال، کہا یا فرمایا کی جگہ کمال، ناپ کر دیا، پڑھنے سے لفظ و مفہوم دونوں میں بڑی زبردست تبدیلی ہوگی ہے۔ اب اگر اس کو قرآن مجید کا لفظ اور اس کے معنی کو قرآن مجید کا مفہوم کہا جائے تو سوچئے کہ یہ خدا تعالیٰ پر تہمت اور اس کے کلام بے مثال کی تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟

## قرآن کے الفاظ و حرکات کی صحیح ادائیگی فرض ہے

بلکہ حرکت کے بدل جانے سے بھی سخت تبدیلی اور بعض دفعہ کفر یہ کلمہ بن جاتا ہے۔ لفظ اللہ اکبر میں تین زبر ہیں اگر کسی کو کھینچ دیا گیا اور وہاں الف پیدا ہو گیا تو یہ کلمہ کفر یہ بن جاتا ہے اور اس سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ اگر پہلے الف کے زبر کو کھینچ دیا اور اللہ پڑھ دیا تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سب سے بڑے ہیں؟ یہ استفہام انکاری یا ہلکیہ ہو کر کلمہ کفر بن گیا۔ گو اس مفہوم کا قصد نہ ہونے سے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

اس طرح اکبر کے الف کو بڑھانے سے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کیا سب سے بڑے ہیں؟ اور ب کے زبر کو بڑھانے سے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ اکبار ہیں اور اکبار شیطان کا نام ہے یا کبر کی جمع بمعنی ڈھول۔

اس لیے قرآن مجید کے ہر حرف و حرکت کو صحیح طریقہ سے ادا کرنا فرض ہے جو طریقہ سند کے ساتھ حضور ﷺ سے ثابت شدہ ہے اس کو ہرگز ہرگز ہلکا نہیں سمجھا جاسکتا۔ صرف ترجمہ رٹ لینا اور لفظ غلط پڑھنا قرآن مجید نہیں ہو سکتا بلکہ الٹا گناہ کا سبب ہو سکتا ہے کیونکہ قرآنی الفاظ تو صحیح ہیں غلط ہم نے ادا کیا (مطلب یہ ہے کہ قرآنی لفظ وہ ہے جو صحیح مخرج اور صحیح صفت کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اس لیے جب صحیح مخرج اور صفت ادا نہیں ہوگی تو لفظ لفظ سے بدل جائے گا جیسے ق، ک سے اور ط، ت سے بدل جاتی ہے اور جب ق، تھا ہم نے ک پڑھا تو یہ قرآنی لفظ نہ ہوا) اور ترجمہ خدائی کلام نہیں بلکہ انسان کا سمجھا ہوا مفہوم ہے وہ بھی اسی کے مطابقت سے درست ہوگا ورنہ غلط ہوگا۔

## تلاوت میں خوش آوازی مطلوب ہے

پھر احادیث شریفہ میں قرآن شریف کو خوش آوازی سے پڑھنے کی بہت تاکید آئی ہے اور خوب عرب یعنی عربی لہجوں میں پڑھنے کی ہدایت اور عجمی لہجوں کی ممانعت ہے۔ اس لیے حروف کو مخرج صحیح سے پوری صفتوں کے ساتھ، صحیح حرکتوں سے، عربی لہجوں میں خوش آوازی سے ادا کرنا نہایت اہم، دین کا جزو اور ایک اسلامی فریضہ ہے اس کو ناقابل اہتمام قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔

## الفاظ و معانی دونوں کی رعایت ضروری ہے

ہاں احکام الہی (قرآنی الفاظ سے احکام کو سمجھنا) کا حاصل کرنا اور پوری طرح حاصل کرنا، ظاہر و باطن (آیت کے ظاہری اور پوشیدہ معنی کی تحقیق) مقدم، مؤخر (کون سی آیت پہلے نازل ہوئی کون سی بعد میں)، ناخ و منسوخ (کس آیت نے کس آیت کے حکم کو منسوخ کیا ہے)، اشارات و صراحت سے حاصل کرنا تفسیرات نبویہ سے ان کو سمجھنا یہ الگ ایک فریضہ ہے ایک کی اہمیت کے پیش نظر دوسرے کی اہمیت کو نظر انداز کر دینا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ نہ اول بغیر دوسرے کے کامل ہے نہ دوسرا بغیر اول کے کامل ہو سکتا ہے دونوں میں سے ہر ایک مقصود بھی ہے قابل قدر و حفاظت بھی ہے قابل اہتمام بھی ہے۔ ہر ایک مسلمان کا فریضہ بھی ہے۔

یہ ایک فریضہ (یعنی قرآن کے الفاظ کی تلاوت) ہے اور فہم احکام دوسرا فریضہ ہے جس کو فقہ میں حل کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ لہذا اس سے بھی بے پروائی برتنا ٹھیک نہیں جیسے احکام سے ٹھیک نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احکام کی تعمین اور عمل پر بے انتہا زور دینے کی ضرورت ہے مگر اس کا یہ مطلب قرار دینا صحیح نہ ہوگا کہ الفاظ و حروف اور حرکات کو غلط کر کے تلاوت کی گنجائش ہو۔

## اعتراض نمبر ۲

ایسی مجالس میں ہر قاری دوسرے سے بڑھ کر عمدہ پڑھنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے یہ ایک ریا ہے جو گناہ ہے ثواب کا کام نہیں۔ بلکہ ریا کو حدیث شریف میں شرک خفی فرمایا گیا ہے۔ اس لیے یہ مجالس ریا کاری یعنی شرک خفی کی مجالس ہوئیں ان کو دین اور ثواب کے کام کی مجالس قرار دینا درست نہیں۔

## جواب: قاری کی تلاوت میں چار احتمال

ریا اور نمود و نمائش کا مدار نیت پر ہے، اور نیت دل کی کیفیت ہے، جس کا علم دوسروں کو نہیں ہو سکتا، یہ تو خود پڑھنے والے کو دیکھنا ہے کہ اس کی نیت ثواب کی ہے یا کسی دینی خدمت کی ہے یا محض یہ ہے کہ لوگ اس کی تعریفیں کریں اور عزت و احترام سے پیش آئیں۔

① اگر اپنی تعریف و احترام کی خواہش سے ہی پڑھتا ہے تو یہ ریا ہے، گناہ ہے، خود اس کو ثواب نہیں ہوگا۔  
② اگر نیت ثواب کی اور قرآن مجید کی عظمت کے اظہار کی ہے تو ثواب کی بات ہے، ریا نہیں ہے۔  
③ اور اگر دکھا کر ہی مگر مسلمانوں کا دل خوش کرنے کی نیت ہے تو یہ بھی کار ثواب ہے اور حدیث سے ایسے واقعات ثابت ہیں (جیسا کہ آئندہ صفحہ پر حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ آ رہا ہے) یہ بھی ریا نہیں۔

④ اور اگر لوگوں کو دکھانے، سنانے کے لیے بھی اس نیت سے پڑھتا ہے کہ سنے والوں کے دلوں میں قرآن شریف کی عظمت پیدا ہو، اس کی طرف رغبت و شوق اور جذبہ خلوص و محبت متوجہ ہو، جس سے سب کو خوش آوازی کے ساتھ صحیح پڑھنے کا شوق پیدا ہو، جو شریعت میں پسندیدہ ہے تو اس نیت سے خوش آوازی سے پڑھنا ریا نہیں، ایک دینی خدمت ہے۔

ان چار طرح کی نیتوں میں صرف ایک ریا ہے باقی تین کار ثواب ہیں۔ یہ نصیحت تو کی جاسکتی ہے کہ قاری صاحبان اول کی نیت ہرگز نہ رکھیں۔ دوم، سوم، چہارم کی نیت رکھ لیں لیکن خود یوں طے کر دینا کہ ان کی نیت ریا کاری



کی ہی ہے یہ انتہائی سخت جملہ ہے اور مسلمان کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے خصوصاً جب اس کے علاوہ دیگر احتمالات موجود ہوں۔ ان سب سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک ناجائز احتمال کی تعیین کر لینا کسی طور بھی درست نہیں ہے۔

## بدگمانی سے بچو

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲] ”بعض گمان گناہ ہوتے ہیں“

ممکن ہے کہ کوئی صاحب قرآن پر مدار رکھے۔ تو عرض ہے کہ غیر یقینی قرآن دلیل نہیں ہو سکتے اس طرح تو دوسرے احتمالات کے بھی قرآن موجود ہوتے ہیں تو ان سے ان کو رد کیوں نہیں کیا جاتا۔ بیش از بیش (زیادہ سے زیادہ) قرآن سے یہ ثابت ہوگا کہ ممکن ہے کہ وہ بھی خیال ہو، یہ بھی خیال ہو، تو یہ مخلوط نیت (ملی جلی نیت ہے) ہے خالص ریائی نہیں ثواب کا کام رہے گا گو خالص سے کم ہو۔

## مسلمان کا دل خوش کرنے کے لیے عمدہ آواز سے پڑھنا

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو فرمایا تھا کہ تم کو آل داؤد کے مزامیر عطا کیے گئے ہیں۔ اس حدیث کے تحت فتح الباری شرح صحیح بخاری کے صفحہ ۸۱ پر ابو یعلیٰ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما پر گزرے۔ وہ گھر میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے دونوں کھڑے سنتے رہے پھر تشریف لے گئے۔ صبح کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے یہ واقعہ بتایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سماعت فرما رہے ہیں تو میں اس سے بھی زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا۔

اس جواب پر حضور ﷺ کا سکوت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مسلمان کا دل خوش کرنے کے لیے بنا سنوار کر پڑھنا ریائی نہیں ہے بلکہ کارِ ثواب ہے۔ ریاء اس وقت ہوتی ہے جب اپنی تعریف اور اپنے احترام کی نیت سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»۔ [صحیح البخاری: ۱] ”عمل نیتوں سے ہیں“ یعنی مباحات اچھی نیت سے اچھے افعال بن جاتے ہیں اور بُری نیت سے بُرے۔ اس عمل کو بھی نیت اچھا بُرا بنا سکتی ہے۔ اس لیے اگر مسلمانوں کے دل خوش کرنے کے لیے نمود و نمائش اور خوش آوازی کا مظاہرہ ہو تو وہ خودِ ثواب ہے۔ جیسے کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا اور اس کو ریاء کہنا درست نہ ہوگا۔

## محفلِ قراءت کے فوائد

ہم لوگ عجمی (غیر عرب کو عجمی کہتے ہیں کیونکہ عجمی کے معنی گونگے کے آتے ہیں اور عرب اپنے علاوہ سب کو عجمی اس لیے کہتے تھے کہ وہ عربی بولنے پر قادر نہیں تو گویا کلام ہی نہیں کر سکتے) ہیں ہمارے ملک میں بہت سے حروف و الفاظِ مخ (الفاظ کی صورتیں بگڑ کر) ہو کر غلط درغلط استعمال ہوتے ہیں۔ اب قرآن مجید کے الفاظ کو بھی اسی طرح پڑھنا سخت ترین گستاخی و بے ادبی ہے۔

گر تو قرآن بدینِ نمطِ خوانی می بری رولقِ مسلمانا

”اگر اسی طریقہ پر تو قرآن پڑھتا رہا تو مسلمانوں کی رونق ختم کر دے گا۔“

ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن مجید کو صحیح صحیح پڑھا جائے تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو اور نمازیں بھی درست ہو سکیں۔ تو اس کا ذوق شوق پیدا کرنے کے لیے محافل قراءات منعقد کرنے کے سوا اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے تاکہ بے عیب خدا کے بے عیب کلام کو بے عیب طریقہ سے پڑھنے کا شوق اور ایک والہانہ جذبہ عام مسلمانوں کے دلوں میں انگڑائیاں لینے لگے۔

ایسی مجلسیں اس ذوق و شوق کے لیے منعقد کرنا خصوصاً اس زمانہ میں کہ جب غیر مسلم اثرات کے تسلط سے عام مسلمان اسلامی باتوں سے بے توجہی بلکہ بعض تو نفرت رکھنے لگے ہیں۔ کیا اس کی اشد ضرورت نہیں ہے؟ اور یہ کام کیا ثواب کا کام نہیں ہے؟ کیا اسلام و اسلامیات پر مائل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے؟ تو ایسی نیت کے ساتھ نمود و نمائش بھی کیا کارِ ثواب نہ ہوگی۔

ایک کالج کے طالب علم نے بتایا کہ ان کے ہاں ایک دھریہ لاندہب ماسٹر صاحب نے اس مجلس کا قرآن مجید سن کر بے ساختہ کہا کہ یہ سن کر مجھے دولت ایمان نصیب ہوئی۔ جب سے بڑے بڑے شہروں میں مجالس قراءات کا اہتمام ہونے لگا ہے بہت سے اسکولوں، کالجوں، مدرسوں اور دفنوں میں تصحیح قرآن کی تعلیم بھی شروع ہو گئی ہے۔

### قراءت سننے والوں کا فائدہ ہی فائدہ

فرض کیجئے کہ پڑھنے والوں کی نیت نیکی اور خیر کی بالکل ہی نہ ہو صرف خود ستائی و شہرت کی ہو، خالص ریا ہی ریا ہو، تو اس کا گناہ تو پڑھنے والوں کو ہوگا ان کو تصحیح نیت کی نصیحت کرنا تو مناسب ہو سکتا ہے مگر ان کی اس نیت سے پڑھنے کا گناہ سننے والوں کو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انہیں تو ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی رہیں گی اور وہ اخروی فوز و فلاح کے حقدار بنتے رہیں گے، سننے والوں پر تو اس کا اثر نہیں ہو سکتا (پڑھنے والے کی نیت کی خرابی کا سننے والا کی ثواب پر کوئی اثر نہیں ہوتا) اگر کوئی شخص ریا سے نماز پڑھتا ہے تو دیکھنے والا تو مجرم نہیں بن سکتا، اس لیے یہ بات کچھ وزن نہیں رکھتی۔ اس کو آڑ بنا کر قرآن مجید کے سننے سے محروم ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں بن سکتی۔

### اعتراض نمبر ۳

خوش آوازی، اتار چڑھاؤ اور کمی زیادتی گانے کی صورت ہے اور شریعت میں گانا حرام ہے۔ قرآن مجید کو حرام سے مخلوط (ملانا) کرنا اس کی توہین ہے۔ اس لیے یہ مجلسیں کارِ ثواب نہیں بلکہ گناہ عظیم بن رہی ہیں۔ ان میں شرکت کسی طرح جواز کی گنجائش نہیں رکھتی۔

### تلاوت میں خوش آوازی اختیار کرنے کا حکم

یہ غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ خوش آوازی اور گانے میں فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اصلاً ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ گانا بے شک حرام ہے اور اس کا سننا بھی حرام ہے لیکن خوش آوازی جائز اور اس کا سننا بھی جائز ہے۔ خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کا تو حکم ہے ہر شخص پر لازم ہے کہ جس قدر خوش آوازی سے قرآن پڑھ سکتا ہو پڑھے۔ امام ابو داؤد، امام نسائی و ابن ماجہ و امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہم نے صحیح کہا کہ یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم اپنی آوازوں سے قرآن مجید کو زینت دو، کیونکہ اچھی آواز قرآن مجید کا حسن بڑھادیتی ہے۔“

[أحياء العلوم: ۲۵۱/۱]

اگر پڑھنے والا اچھی آواز والا نہ ہو تو جہاں تک اس سے ہو سکے اچھی آواز بنائے۔ [فتح الباری: ۶۴۷]

اور صفحہ ۸۱ پر ہے کہ ابوداؤد نے سند صحیح سے حضرت ابو عثمان مہدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان گیا تھا میں نے کسی چنگ و رباب اور بانسری کی آواز ان کی آواز سے بہتر نہیں سنی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ». [صحيح البخاري: ۵۲۷]

”وہ ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن شریف کو خوش آوازی سے نہ پڑھے۔“ [جمع الفوائد: ۱۳۷/۲]

امام ابن حبان رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں، امام حاکم رضی اللہ عنہ نے مستدرک میں اور امام بیہقی رضی اللہ عنہ نے شعب الایمان میں حضرت فضانہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

”اللہ تعالیٰ اس خوش آواز آدمی کی طرف، جو بلند آواز سے بنا سنوار کر قرآن مجید کو پڑھتا ہے، اس سے بھی زیادہ توجہ فرماتے ہیں جتنی گانے والی باندی کی طرف اس کا مالک کرتا ہے۔“ [کنز العمال: ۱۵۰۷۱]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قرآن مجید کو عربوں کے لب و لہجہ کے مطابق پڑھو اور یہود و نصاریٰ اور فاسقوں کے لہجوں سے بچو۔ اس کو طہرانی نے معجم اوسط میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔“

لہذا قرآن شریف میں خوش آوازی بہت پسندیدہ ہے اس کا حکم بھی ہے اور ثواب بھی۔ ہر شخص قرآن مجید پڑھنے میں اپنی آواز جس قدر عمدہ بنا سکتا ہو بنائے۔ اس پر وہ ثواب کا حقدار ہے۔ گانا اس سے بالکل مختلف چیز ہے گواس میں بھی خوش آوازی کی جاتی ہے مگر تجوید سے قرآن مجید پڑھنے سے اس کی کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

## گانے اور تجوید میں فرق

﴿قَدْ عَلِمْنَا عَرَبِيًّا﴾ [سورة يوسف: ۲] اور ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ [الشعراء: ۱۹۵]

کے خدائی ارشادات اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے تو پڑھا جائے مگر عرب کے قاعدہ و قانون کے اندر رہتے ہوئے۔ جب ان قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا تو اس میں گانے کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ مثلاً یہ نہ ہو کہ حروف کو قواعد سے زیادہ کھینچ دیا جائے یا حرکتوں کو لمبا کر کے پیش کو واؤ، زبر کو الف، زیر کو یاء کی صورت دی جائے جہاں ادغام نہ ہو وہاں کر دیا جائے جہاں ہو وہاں نہ کیا جائے۔ انہیں قواعد سے نکال نکال (یعنی خلاف قواعد تجوید پڑھنے کو گانا کہیں گے اور تجوید کے قواعد کا لحاظ کر کے خوش آوازی سے پڑھنا گانا نہیں ہے) کر یا ان سے آگے بڑھا کر پڑھنے کو گانا کہا جاتا ہے۔

غلطی یہاں سے ہی لگ جاتی ہے کہ جو لوگ خود قواعد سے واقف نہیں وہ تجوید اور گانے میں فرق نہیں کر پاتے اور وہ گانا آواز کو بنانے سنوارنے کو قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

## خوش آوازی کی دو صورتیں

خوش آوازی کی دو صورتیں ہیں:

- ① حروف، حرکات اور صفات کے قواعد کے اندر رہ کر خوش آوازی کرنا۔ یہ قرآن مجید میں ثواب ہے۔
- ② دوسرا یہ کہ قواعد کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے کھینچ کھینچ کر حرفوں اور حرکتوں کو کئی گنا زیادہ کر کے سُرا پیدا کرنا۔ یہ گانا ہے۔ یعنی گناہ کا کام ہے۔ کیونکہ گانے کے سُرا بغیر کھینچے پیدا نہیں ہوتے اور تجوید کے قواعد عربی زبان کے ہی قواعد ہیں۔ بلکہ اس میں تو ہر حرف میں سند صحیح کے ساتھ وہ طریقہ لیا گیا ہے جو حضور ﷺ سے حاصل ہوا ہے اور حضور ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام سے حاصل ہوا ہے۔ یعنی جس طریقہ پر قرآن مجید کا نزول ہوا ہے۔ اس لیے ماہرین تجوید کے پڑھنے کو گنا کہنا درست نہیں ہے بلکہ ایسا کہنے میں خطرہ بھی ہے کہ یہ الزام اوپر تک جاسکتا ہے۔ (یعنی نبی ﷺ اور جبریل علیہ السلام بلکہ اللہ تعالیٰ تک۔ اس لیے کہ تجوید کے قواعد کی پابندی کے ساتھ قرآن پڑھنا ﴿فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ کی آیت اور ﴿زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ﴾ والی حدیث سے ثابت ہے۔)

ہاں جو لوگ قواعد عربیت و تجوید سے ہٹ کر اور حرفوں اور حرکتوں کو کھینچ کر خوش آوازی پیدا کریں گے وہ ضرور گانا شمار کیا جائے گا اور اس کو توہین اور گناہ کہنا درست ہوگا۔ مگر جائز و ناجائز کی سرحدوں سے غفلت برت کر ایک دوسرے پر الزام توپ دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔

## اعتراض نمبر ۴

یہ مجلس ریا اور غنا دو گنا ہوں پر مشتمل ہے۔ اس کی شرکت کی دعوت گناہ کی شرکت کی دعوت ہے۔

## مجلس قراءت میں شرکت کی دعوت کا ثواب ہے

اوپر ہم نے عرض کر دیا ہے کہ ریا (دکھلاوے) کا تعلق نیت سے ہے اور نیت چار قسم کی ہو سکتی ہے جن میں سے صرف ایک ریا ہے وہ بھی اگر مخلوط (یعنی اس نیت کے ساتھ دوسری نیت بھی ملی ہوئی ہو) ہو تو محض ریا نہیں۔ اس لیے ریا کا دعویٰ کرنا بے دلیل ہے اور پھر اگر ریا ہو بھی تو اس کا اثر پڑھنے والے پر ہوتا ہے سننے والے کا کام سننا ہے اس میں ریا نہیں ہو سکتی۔ یہاں دعوت سننے کی دی جاتی ہے جس میں ریا ناممکن ہے۔

اور جن کو پڑھنے کی دعوت دی جاتی ہے ان کو دیگر نیتوں سے ہی دعوت ہو سکتی ہے ریا والی نیت سے تو دعوت دینا ممکن ہی نہیں، کیونکہ وہ نیت دوسروں کی ہو ہی نہیں سکتی۔ صرف پڑھنے والے کی ہو سکتی ہے۔

رہی دوسری بات گانا وغنا کی تو ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کو گانا کہنا خطرناک بات ہے۔ اور اس کا بھی کافی وشافی جواب دیا جا چکا ہے۔

## اعتراض نمبر ۵

دعوت دے کر جمع کرنا فرض و واجب امور کے لیے تو درست ہے جیسا کہ تبلیغ احکام، وعظ اور تعلیم و تربیت کے لیے حضور ﷺ جمع فرماتے تھے مگر امور مستحبہ کے لیے، جن کے اجتماع کی خیر القرون (بہترین زمانہ یعنی حضور ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کا دور) میں اصل نہ ہو، دعوت دے دے کر جمع کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔ اسی بنا پر نفلوں کی

جماعت لیلۃ القدر و لیلۃ البراء (پندرہ شعبان) و لیلۃ العیدین میں اجتماع کرنے کو فقہائے احناف نے مکروہ و ممنوع قرار دیا ہے اور مجلس میلاد و سیرت میں ایک وجہ کراہت کی یہ بھی ہے۔ اس بنا پر اگر اس مجلس میں کوئی اور خرابی نہ ہو تو نفس اجتماع و دعوت ہی ممنوع ہوتی ہے۔

## تجوید کے ساتھ قرآن پاک کا لوگوں تک پہنچانا واجب ہے

یہ تو بالکل صحیح ہے کہ امور مستحبہ کے لیے واجبات کا سا اہتمام بے شک ممنوع و مکروہ ہے۔ لیکن آیت ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ [المائدة: ۶۷] ”اے رسول ﷺ جو کلام آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اس کو لوگوں تک پہنچادیں۔ اگر آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا تو رسول ﷺ ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔“ اور حدیث «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً». [صحیح البخاری: ۳۴۶۱] ”میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔“ سے قرآن مجید کے ہر جزو کی تبلیغ اور لوگوں تک پہنچا دینا حضور ﷺ پر اور پھر تمام اہل علم پر واجب ہے۔

قرآن مجید کے اجزاء میں اس کے الفاظ، حرکتیں اور ان کی حقیقی کیفیات بھی داخل ہیں، کیونکہ بغیر الفاظ و حروف و حرکات اور ان کی کیفیات کے کلام کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ اور کلام کی تبلیغ فرض و واجب ہے اس لیے اس کا بھی لوگوں تک پہنچانا امور واجب میں سے ہے۔ اس کو فقط مستحب قرار نہیں دیا جائے گا۔

## پوری تجوید منزل من اللہ ہے

پھر تجوید کی یہ کیفیات بھی نازل شدہ ہیں کسی کی خود تصنیف کردہ نہیں ہیں۔ سورۃ قیامتہ میں حضور ﷺ کو ارشاد ہوا: ﴿فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ [قیامتہ: ۱۸] ”پھر جب ہم بواسطہ جبریل علیہ السلام پڑھیں تو آپ ﷺ اس پڑھنے کی پیروی کیجیے،“ حضور ﷺ کو حکم تھا کہ جبریل علیہ السلام کی طرح پڑھیں۔ آپ ﷺ نے اسی طرح پڑھا، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے تابعین رضی اللہ عنہم کو اور پھر اس طرح آگے صحیح سند کے ساتھ آج تک سلسلہ بہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ اور ﴿يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ [البقرہ: ۱۲۱] ”اللہ کی کتاب کو ایسے تلاوت کرتے ہیں جیسے اس کا حق ہے۔“ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایسے پڑھیں جیسے کہ نازل کیا گیا ہے۔ [تفسیر ابن جریر: ۵/۷۵] علامہ علی قاری نے المنح کفریہ صفحہ ۲۹ میں ابن خزیمہ کی صحیح سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کو ایسے ہی پڑھا جائے جیسے وہ نازل ہوا ہے۔

لہذا تمام حروف و حرکات اور الفاظ کے طور طریق (الفاظ کے پڑھنے کا لہجہ و انداز) اپنی سندوں (پڑھنے والے سے لے کر حضور ﷺ تک مستقل سلسلہ سند کے ساتھ کس نے کس سے سیکھا ہے) سے حضور ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام سے ثابت اور نازل شدہ ہیں۔ جس طرح الفاظ و معانی کو دوسروں تک پہنچانا واجب ہے ان کو پہنچانا بھی اور خود ان پر عمل کرنا بھی واجب ہے ان کو دوسری چیزوں پر قیاس کر کے محض مستحب نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے ان کے لیے اجتماع و جلسہ کرنا ایسے ہی درست ہے جیسے تبلیغ احکام کے لیے درست ہے۔

تجوید

## قراءت قرآن عملی تبلیغ ہے

بلکہ قراءت قرآن کی تبلیغ علمی سے زیادہ عملی کی ضرورت ہے، کیونکہ ان کا تعلق عمل سے ہی زیادہ ہے۔ علمی تبلیغ تو کتابیں پڑھانے سے اور عملی تبلیغ مشق کرانے اور کر کے دکھانے سے ہوتی ہے اور پھر تمام مسلمانوں کو شوق دلانا الگ ہے۔ حضور ﷺ نے بھی فرمائش کر کے قراءت سنی ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابوداؤد و سنن ترمذی کی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”تم مجھ کو قرآن مجید پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ میں سناؤں، حالانکہ آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔“ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت سننے کا قصہ بھی اوپر پیش ہو چکا ہے۔ [جمع الفوائد: ۱۳۳۲]

## حضور ﷺ کا لوگوں کو جمع کر کے قرآن سنانا

آپ ﷺ نے خود بھی لوگوں کو جمع کر کے قرآن سنا یا ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۵۷ پر مسلم و ترمذی کی حدیث ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سب جمع ہو جاؤ میں تم کو ایک تہائی ۱/۳ قرآن مجید سناؤں گا۔ جو جمع ہونے تھے ہو گئے۔“

حضور ﷺ تشریف لائے، سورۃ اخلاص کی تلاوت فرمائی اور اندر تشریف لے گئے۔ ایک صحابی نے دوسرے سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی آسمانی حکم آیا ہے اس لیے پھر اندر داخل ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم کو ایک تہائی قرآن مجید سناؤں گا تو سن لو یہ سورۃ ایک تہائی قرآن مجید کے برابر ہے۔ (اس سورۃ کے پڑھنے کا ثواب ایک تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔)

لہذا ایسے اجتماعات کو غیر اہم قرار دینا اور یہ کہنا کہ غیر اہم کو اہم بنانا مکروہ و ممنوع ہے، صحیح بات نہ ہوگی۔ یہ بھی آدائے واجب کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تبلیغی اجلاسوں میں سے ایک اجلاس ہے۔

## مقرر کرنا

قوت عمل سے محروم قومیں جذبہ دینی کی تسکین کے لیے مذہب کے نام پر ایسے مظاہرے کیا کرتی ہیں اور ان مظاہر عمل کا نام دے کر ان کی غلام بن کر رہ جاتی ہیں۔ قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کو مشعل راہ بنایا جائے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا۔ تو ایلیوں، میلادوں اور دیگر شرک و بدعات کی رسوم کی طرح مجلس قراءت کو بھی دینی شعار بنا لیا ہے۔

## محافل قراءت کو کھوکھلے مظاہرے کہنا غلط ہے

تعب ہے کہ ایسے لفظ ان لوگوں کے قلم سے نکلتے ہیں جو کچھ نہ کچھ دینی رجحان بھی رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ انہیں قطعاً خیال نہیں ہوتا کہ وہ بے اصل، بے بنیاد اور مخالف اسلام باتوں کو منہ سے نکال رہے ہیں۔ جبکہ ان مجالس میں قراءت کرنے والے قراء الفاظ و حروف و حرکات قراءت اور ان کی صحت و عمدگی کو سناتے ہیں جس کے

لیے قرآن وحدیث میں حکم موجود ہے، ترغیب و تحریص (رغبت دلانے اور ابھارنے کا حکم ہے) موجود ہے۔ معلوم نہیں ایسا کہتے یا لکھتے وقت ان کے دماغ پر کیا خیال مسلط ہو جاتا ہے۔ کھوکھلے مظاہرات ایک ایسی چیز کو کہا جا رہا ہے جس کو حضور ﷺ یوں فرماتے ہیں: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ». [صحیح

البخاری: ۷۵۲۷]

”وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آواز سے نہ پڑھے۔“

یہ عجیب منطق ہے کہ الفاظ، حروف اور حرکات جو قرآن مجید کا جزء ہیں اور پھر ان سب کا صحیح صحیح اپنے مخارج و صفات اور قواعد عربیت و طریقہ نبویہ کے موافق ہونا ہی نازل شدہ ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

اور عقلاً بھی نازل شدہ ہونا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ حروف و حرکات اپنی صفات (حروف کی آدائیگی کی کیفیت یعنی اس کا موٹا اور باریک ہونا اس میں آواز جاری رہنا یا بند ہونا وغیرہ) سے خالی ہو کر نازل ہو ہی نہیں سکتے لامحالہ مع صفات نازل ہوئے ہیں۔ تو اس نازل شدہ طریقہ کے موافق ادا کرنے کو کھوکھلے مظاہرات قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ جیسے قرآن کے مضامین کی حفاظت فرض ہے اسی طرح دوسرے اجزاء مثلاً الفاظ، حروف، حرکات اور کیفیات کی حفاظت بھی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

## قرآن کے شمع ہدایت ہونے اور سنوار کر پڑھنے میں کوئی تعارض نہیں

رہی یہ بات کہ قرآن مجید بنی نوع انسان کے لیے شمع ہدایت ہے جبکہ ہم نے اسے زندگی سے خارج کر رکھا ہے۔ تو بے شک اس کا اہتمام ہونا چاہیے اور ہر ممکن حد تک کوشش کی جانی چاہیے کہ ہماری کل زندگی احکام الہی کے مطابق گزرے۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنا یا اس کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ اور جذبہ وشوق پیدا کرنا آخراں میں رکاوٹ کب پیدا کرتا ہے؟ تجوید سے پڑھنے میں عمل کی بندش کب پیدا ہوتی ہے؟ اور اگر یہ خیال ہو کہ جب عمل نہیں ہو رہا تو تجوید سے تلاوت بھی نہ ہو۔ تو یہ ایک بے جا بات ہوگی۔ ایک جرم کے ارتکاب میں دوسرے جرم کا ارتکاب قرین عقل نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ احکامات قرآن کو بجالایا جائے اور اس کی آدائیگی کے تمام طور طریقوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

اور اگر پھر بھی ان اعتراضات کو دہرایا جائے تو یہ ایک طرح سے ان احادیث پر بھی (یعنی حضور ﷺ) تو تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیں اور ہم اس سے روکیں (اعتراض بن جائے گا جن میں اس کی اہمیت اور ترغیب بلکہ حکم وارد ہے۔ اس لیے ذرا سوچ سمجھ کر یہ بات کہنی چاہئے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن شمع ہدایت ہے اور اس کا اتباع برابر فرض ہے۔ الفاظ، حروف اور حرکات کی درستی اس کی اہمیت کو کم نہیں کرے گی بلکہ اس شمع ہدایت پر مزید چار چاند لگائے گی۔

## اعتراض نمبر ۸

وزیر خزانہ نے مشورہ دیا ہے کہ آرٹ کونسلیں حسن قراءت کو اپنانا شروع کریں۔ اگر ایسا ہوا تو یہ قرآن مجید پر ایک

محافل قراءات ..... اعتراضات کا جائزہ

اور ظلم ہوگا اور یہ مجالس اس کا ذریعہ نہیں گی۔

### مجلس قراءت کو لہو و لعب کا سبب قرار دینا درست نہیں

اگر وزیر خزانہ صاحب کا مقصود یہ ہو کہ تصویر کشی کے حرام فعل سے لوگ باز آجائیں اور صرف قرآن پر توجہ دیں تو اس میں ظلم کیوں کر ہے؟ ہاں قرآن مجید کو بطور لہو و لعب استعمال کرنا گناہ ہے اور اس کی بے حرمتی ہے۔ ہر عبادت کو لہو و لعب بنانا اس کی بے حرمتی ہے اور بجائے ثواب کے گناہ بن جاتا ہے۔ مگر اس وجہ سے، کہ کوئی کوئی ایسا ہی کر سکتا ہے، تمام عبادتوں کو بیک قلم منسوخ کر دینا کوئی صحیح بات نہیں بن سکتی۔

خود قرآن مجید نے اپنے بارے میں کہا ہے ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ [البقرہ: ۲۶]

”بہت کو اس کے ذریعہ گمراہ کیا جاتا ہے اور بہت کو ہدایت دی جاتی ہے“  
تو کیا اس لیے کہ بعض لوگ قرآن مجید کا انکار اور ہنسی مذاق کر کر کے کافر و گمراہ ہو جاتے ہیں، نفس قرآن مجید کو ہی بند کر کے رکھ دیا جائے۔

یہ فعل تو ان لوگوں کا ہے، اس کے مجرم وہ ہوں گے اور کھیل بنانے کا گناہ ان کو ہوگا۔ کیا قرآن مجید کو بہترین آواز اور لہجے میں پڑھنے والا ان کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ قرآن مجید کو کھیل بنا لیں۔

### اعتراض نمبر ۹

۱ چراغاں ۲ گیٹ ۳ جھنڈیاں ۴ سٹیج ۵ صدر  
۶ تالیاں ۷ اچھل کود، قہقہوں سے داد ۸ کسی کے آنے جانے پر نعرے۔  
یہ سب طور طریقے کافرانہ ہیں۔ اور تلاوت قرآن کو کافرانہ طور طریقوں سے آلودہ کرنا قرآن مجید کی توہین ہے۔  
اس کے علاوہ اسراف کا گناہ الگ ہے۔

### محافل قراءات میں قدر ضرورت روشنی کی اجازت

یہ اعتراض آٹھ باتوں پر مشتمل ہے۔ مگر ان میں سے بعض کے درجے صحیح نہیں۔ اس لیے ہر ایک کی الگ الگ وضاحت پیش کرتے ہیں۔

① روشنی اس قدر ہو کہ آنے جانے اور بیٹھنے اٹھنے والوں کو سہولت ہو اور ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ اس قدر تو ضرورت کے تحت ہے اور اس کو اسراف بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ مجمع کی کمی بیشی کے مطابق ہو سکتی ہے۔ ہاں جو ضرورت یا سہولت سے زائد ہو وہ ضرور اسراف میں داخل ہے اس سے منتظمین کو روکنا چاہئے۔ لیکن منتظمین کی اس حرکت سے مجلس کے حاضرین پر کوئی گناہ ہو، یا قرآن مجید پڑھنے سننے کا ثواب نہ ہو اور صرف اس کو بنیاد بنا کر محافل قراءات سے محرومی اختیار کی جائے یہ بات قرین عقل نہیں ہے۔

### محفل قراءت کے لیے گیٹ بنانا، جھنڈیاں لگانا اسراف ہے

② اس کی ضرورت کوئی نہیں ہوتی یہ محض رسم اور اسراف ہے۔  
③ جھنڈیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعے ہم شان پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ تاویل غلط ہے



ہر بات کی شان اس کے درجہ کے مطابق ہوتی ہے، دینی کاموں کی شان دینی طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ ان کافرانہ طور طریق سے ان کی شان نہیں بڑھتی بلکہ اور گھٹتی ہے جیسے مرد کو عورت کا لباس و زیور پہنانے سے اس کی شان بڑھتی نہیں بلکہ گھٹتی ہے۔ تمام دینی و اسلامی جلسے اور اجتماعات کا یہی حال ہے۔ (اس لیے اس قسم کی محافل میں ان کاموں سے احتراز کرنا چاہئے۔)

## قراء کے لیے سٹیج کی حقیقت

④ اس کی مراد صورت بھی رسم کافرانہ نہیں تو فاسقانہ ضرور ہے۔ ہاں یہ شکل کہ قاری صاحبان یا مقررین ایسی اونچی جگہ پر ہوں کہ جہاں سے لوگ ان کو دیکھ سکیں تسکین کا سبب ہے۔ گزشتہ زمانوں میں تو آواز پہنچانے کے لیے اونچائی کی ضرورت ہوتی تھی مگر اب لائوڈ اسپیکر کی وجہ سے یہ ضرورت نہیں رہی۔ صرف دیکھنے کی تسکین کے لیے حاجت ہے جو قدرے اونچا ہونے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے زائد اہتمام کرنا اسراف سے خارج نہیں ہو سکتا۔

## صدر مجلس کی حقیقت

⑤ یہ بھی صرف ایک رسم کے طور پر رہ گیا ہے۔ اس کی شرعی اصل صرف اس قدر ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم لوگ سفر میں ہو تو ایک شخص کو امیر مقرر کر لیا کرو اس سے انتظام قائم ہوگا۔ امیر مقرر کر لینے کے بعد جب تک وہ امیر ہے یا جب تک سفر باقی ہے اس کی اطاعت واجب ہوگی۔

شاید لوگوں نے اس پر قیاس کر کے جلسہ کے انتظامات کے لیے ایک شخص کو امیر مقرر کیا ہے۔ مگر اس کی اطاعت کرنا ضروری تھا۔ اب صرف ضابطہ میں نام ہو جاتا ہے اطاعت کوئی نہیں کرتا۔ ایک رسم باقی رہ گئی ہے۔ اور ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر یا حلقہ و ادارہ میں منتظم ہے وہی امیر ہے کسی دوسرے کو اس کے یہاں حکم چلانے کا حق نہیں ہوتا بلکہ ان کو اس کے تابع رہنا ضروری ہے، جیسا کہ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو دعوت دے کر بلایا ہے ان کو اپنے حکم کے ماتحت قرار دینے کے بجائے ان کے اعزاز کے لیے خود انہی میں سے ایک کو منتخب کر کے عارضی منتظم قرار دیا جاتا ہے۔

خواہ وہ منتظم صاحب البیت، (گھر والا) صاحب ادارہ منتخب کر دے یا سب سے انتخاب کر لے، لفظوں کے ساتھ یا ایک کے لفظ اور دوسرے کے سکوت کے ساتھ جیسے عام عرف ہے۔ مگر اب لوگوں نے اس کو اس کے درجہ سے نکال کر صرف رسم بنا لیا ہے، اس لیے یہ اس وقت تک قابل ترک ہے جب تک امیر بنانے کی صورت پر عمل نہ ہونے لگے۔

## مجلس قراءت میں تالی بجانا منع ہے

⑥ یہ سراسر کافرانہ روش اور قابل ترک ہے، بلکہ مذاق کی سی صورت بن جاتی ہے۔

## مجلس قراءت میں اچھل کود کرنے کی ممانعت

⑦ اظہار مسرت و شکر کے لیے کسی بات کا عمل، گویا ہو مگر کھیل کود کے کاموں کی طرح ہو، اس کا اظہار قرآن مجید کی شان کے خلاف اور ہنسی مذاق اور کھیل بنانے کے مترادف ہے۔ ایسی باتوں کی روک تھام از حد ضروری ہے۔

## حسن قراءت پر داد دینے کا عمدہ طریقہ

یہاں دو باتیں ہیں جن پر اظہار مسرت کیا جاسکتا ہے۔ ایک قرآن مجید کے الفاظ، تو ان کے لیے سبحان اللہ، جل شانہ، جل جلالہ، ایسے الفاظ کا استعمال درست ہوگا۔ جو کلام الہی کی عظمت اور خود خدا تعالیٰ کی عظمت ظاہر کریں یا ان کی تصدیق میں صدق اللہ و رسوله وغیرہ الفاظ ہوں۔

اور دوسرا پڑھنے والے کو داد دینے کے لیے جزاک اللہ، مرحبا الفضل فوقك وغیرہ الفاظ کا استعمال کیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ غرض کلام الہی کے ادب اور شان ربانی کے لحاظ کے ساتھ جذبات کے اظہار کا مضائقہ نہیں مگر کافرانہ و فاسقانہ یا ہول و لعوب کی حرکتوں سے بچانا لازم ہے۔ لیکن چند لوگوں کی ایسی حرکت کی وجہ سے مجلس کو معیوب قرار دینا یا بند کرنا محض زیادتی ہے۔

## قاری کی آمد پر نعرہ تکبیر، اللہ اکبر، کہنا جائز نہیں

⑧ یہ بات بھی روکنے کی مستحق ہے، کیونکہ ذکر اللہ و ذکر رسول ﷺ کو کسی اور کے لیے استعمال کرنا ذکر کی بے حرمتی ہے۔ فقہائے احناف نے لکھا ہے کہ اگر چوکیدار اپنے بیدار رہنے کی دلیل میں لا إله إلا الله محمد رسول الله بلند آواز سے پڑھے گا تو یہ منع ہے۔ جو تاجر مال کی عمدگی ظاہر کرنے کے لیے اللهم صلی علی محمد پڑھے گا تو یہ بھی منع ہے۔ لہذا اسی طرح کسی کے آنے جانے پر اللہ و رسول ﷺ کے نام کے نعرے ان کی بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہوں گے۔ اس کو بھی روکنے کی ضرورت ہے۔

## اعتراض نمبر ۱۰

قرآن مجید کی تلاوت پر اجرت لینا دینا دونوں حرام کام ہیں۔ اس کی دعوت دینا بھی گناہ ہے اور جو لوگ کچھ رقم دیتے ہیں وہ جائز کام کے لیے دیتے ہیں اس کو اس میں صرف کرنا یا مندرجہ نمبر ۹ میں صرف کرنا، اور اگر وہ اس کام کے لیے دیں تو گناہ ہے۔ یہ مجلس اس سب پر مشتمل ہوتی ہے۔

## محفل قراءت میں تلاوت پر اجرت حرام ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ علمائے احناف کے ہاں ہر عبادت کی اجرت حرام ہے۔ مگر متاخرین میں سے بعض علماء نے دیگر اماموں کے مذہب پر فتویٰ دے کر صرف امامت، اذان، تعلیم قرآن و دینیات اور ملازمت و عوظ پر اجرت کی اجازت دی ہے، نفس تلاوت اس میں داخل نہیں۔ اس لیے ہر کسی تلاوت پر اجرت لینا، دینا دونوں حرام ہیں۔

## قاری کے لیے کرایہ آمد و رفت لینا جائز ہے

لیکن دینی مصلحت کے تحت جب کسی کو دور سے بلا یا جائے تو آمد و رفت اور خورد و نوش کا خرچہ ان کو دینا اجرت میں داخل نہیں اور وہ ناجائز بھی نہیں ہے۔ اور یہ بھی صحیح کہ ناجائز میں دینے والے کی اجازت سے بھی خرچ کرنا جائز نہیں اور اجازت کے بغیر تو جائز میں بھی نہیں اس لیے ان سب باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ لیکن ان کوتاہیوں کے مجرم منتظمین ہیں اور انہی پر گناہ ہے، سامعین پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا۔ پھر ہر مجلس میں ان خرابیوں کا ہونا بھی ضروری نہیں۔ منتظمین کو فہمائش (سجھانے) کرنے کی ضرورت ہے مگر اس وجہ سے مجالس کو بند کر دینا درست نہیں ہوگا۔

مفتی جمیل احمد تھانویؒ

اُمید ہے کہ اب سب باتوں پر خلوص کے ساتھ غور کیا جائے گا تاکہ برائیوں کی اصلاح ہو اور بھلائیوں کی ترغیب ہو۔ واللہ اعلم۔

## صدق اللہ العظیم بعد از تلاوت مستحب ہے

**سوال:** تلاوت قرآن کریم کے بعد صدق اللہ العظیم کہنا جائز ہے یا ناجائز؟ (سائل محمد سعادت اللہ کراچی)

**الجواب:** بسم اللہ الرحمن الرحیم..... حامدا و مصليا و مسلما

اسکولوں اور کالجوں میں اسلامی تعلیمات کا معاملہ صفر (نہ ہونے کے برابر) ہے اور دن رات اسلام اور اہل اسلام پر غلط سلط اعتراضات کئے جاتے ہیں اور انگریزوں کا جعلی اسلام ذہنوں میں جمایا جاتا ہے۔ اسلام اور سچے یکے مسلمانوں سے نفرت پیدا کر کے مسلمانوں کے دماغ دین سے کھوکھلے کیے جا رہے ہیں۔ برس ہا برس سے یہ سازش چل رہی ہے۔ نتیجہ یہ کہ اب گونزاری (عیسائی یعنی انگریزوں کی حکومت نہیں رہی) کا تسلط نہیں رہا مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہو گئی ہے جن کا نام مسلمانوں کا سا ہے مگر عیسائیت ان کے دل میں گھر کئے ہوئے ہے۔ کسی غلط فہمی کی وجہ سے اسلام میں اگر ذرا سی بات بھی قابل اعتراض معلوم ہو جائے تو پورے اسلام پر دشنام طرازی کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔ انگریز چلے گئے مگر اپنے ایجنٹ ایسے بنا کر چھوڑ گئے کہ جو کام وہ نہ کر سکتے تھے اور ان سے نہ ہو سکے وہ ان ایجنٹوں کے ہاتھوں ہو رہے ہیں۔

جتنے فرقے پارٹیاں آپ دیکھ رہے ہیں سب اسی کے پھل پھول ہیں چونکہ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اسلام سے بالکل بے خبر بلکہ متنفر ہیں لہذا لوگ ان کو ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں بلکہ اب تو یہ ہو گیا ہے کہ اگر کوئی اعتراضات کرنے لگتا ہے تو اسے کوئی نہیں پوچھتا، بلکہ وہ اسلام کے خلاف کبواس کر کے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ خالفوا تعرفوا 'مخالفت کرو مشہور ہو جاؤ گے' محاورہ پر بھرپور عمل ہے اور مخالفت بھی اس کی جس کے پیر و کار بہت ہوں اور سب چلا اٹھیں۔ اسی گرسے اہل باطل کام لے رہے ہیں اور روز ایک نیا فرقہ وجود میں آتا ہے۔

ابھی حال ہی میں کوئی عبدالرؤف صاحب جو کراچی یونیورسٹی کے لیکچرار ہیں، انہوں نے بھی ذرا سی غلط سلط عربی سیکھ کر اسکول کالج کے دینی اعتبار سے صفر لوگوں میں یہ شوشہ چھوڑا کہ علماء دین اور قاری صاحبان جو تلاوت کے بعد صدق اللہ العظیم پڑھتے ہیں، یہ بدعت ہے۔ اور بدعت کہتے ہوئے کسی عالم کی پوری تقریر جھاڑ دی اور ان سب کو مجرم بلکہ بدعتی و شرک و اسلام سے خارج کہہ ڈالا اور ایک کتابچہ داغ دیا۔ کسی صاحب نے وہ کتابچہ دفتر 'الاشرف' میں بھیج دیا، ہم اس کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔

کتابچہ کے صفحہ نمبر ۹ پر مذکور ہے کہ انہوں (موصوف عبدالرؤف صاحب) نے تلاوت کے بعد صدق اللہ العظیم نہ کہا تو ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایک آیت چھوڑ دی ہے یعنی صدق اللہ العظیم نہیں کہا۔ اس پر بہت غصہ آیا کہ بہت سے نادان اسے قرآن کریم کی آیت سمجھنے لگے ہیں لہذا اس کا رد کر دیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان صاحب کو بدعت کی حقیقت معلوم نہیں ہے یا اسے سمجھے نہیں۔ حضور ﷺ نے بدعت کی جو تعریف فرمائی ہے وہ صفحہ ۲ پر درج کر دی گئی ہے:

”جس نے ہمارے اس کام یعنی دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس میں سے نہیں ہے یعنی اس کا ثبوت قرآن مجید و حدیث میں نہیں ہے تو وہ عمل بھی عند اللہ مقبول نہیں ہے اور اس کا کرنے والا اللہ کی رحمت سے دور ہے۔“

① حدیث کے لفظ اُحدث کا ترجمہ نکالنا نہیں بلکہ پیدا کرنا ہے۔ نکالی ہوئی کا مطلب تو اُندر سے پوشیدہ چیز نکالنا ہے وہ تو بدعت نہیں ہو سکتی آگے کا لفظ ما لیس منہ کا ترجمہ جو اس میں سے نہیں ہے، اس پر صادق نہیں آتا ہے۔ اس لیے یہ ترجمہ غلط ہے، جو اس سے ماخوذ ہے وہ تو اس کے اُندر ہے وہ بدعت کیسے ہو سکتا ہے۔

② ذرا ذہن کو صاف کر کے سنئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ [سورۃ نساء: ۱۱۲] یعنی ”قول میں اللہ سے زیادہ کون سچا ہے۔“

③ اور ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ [سورۃ نساء: ۸۷] ”اور بات میں اللہ سے زیادہ کون سچا ہے؟“ دونوں آیتوں میں استفہام انکاری ہے۔ یعنی کوئی سچا نہیں آپ ہی سچے ہیں اب اللہ تعالیٰ کے قول کے بعد یہ کہنا صدق اللہ العظیم یعنی عظمت والا اللہ ہی سچا ہے کیا یہ ان دونوں آیتوں کی تصدیق نہیں ہے؟ اب تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اللہ تعالیٰ کی بات کو سچا بتلا رہا ہے تو یہ شرک و بدعت ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے؟ اب یہ فرمائیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کو شرک و بدعت کہتا ہے وہ خود کیسا ہے؟

④ امر کا ترجمہ ہر کام نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو فرض و واجب ہو، کیونکہ امر تو حکم کو کہتے ہیں اور امر فرض یا واجب ہے لہذا جو چیز دین نہ ہو اسے دین بنائیں یا جو چیز فرض و واجب نہیں اسے فرض و واجب بنائیں تو اس پر حکم ہے کہ ’فہو رد‘ یعنی ”وہ مردود ہے“ لہذا جو غیر کام فرض واجب سمجھ کر نہ کیا گیا وہ بدعت نہیں ہوگا جیسے تمام مستحبات اور تمام جائز کام اور تمام نوافل و اذکار وغیرہ جو دین ہیں، جب تک ان کو فرض و واجب نہیں کہے گا اسے بدعت کہنا درست نہیں ہوگا جیسے عمدہ عمدہ کپڑے، مکان، ہوائی جہاز، ریل وغیرہ اور بڑی بڑی مساجد یہ سب کام دین کے لیے تو ہیں مگر فرض و واجب نہیں۔ اس لیے یہ کام بدعت نہیں کہلائے جا سکیں گے۔

⑤ ما لیس منہ یعنی جو دین نہ ہو اور جو کام اس سے ماخوذ ہوگا وہ بدعت نہیں ہو سکتا جیسے مذاہب اربعہ کے فقہی مسائل۔

⑥ پھر بدعت کو شرک کہنا بالکل ناواقفی کی دلیل ہے۔ شرک تو عبادت میں یا حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ یا ازل تا ابد میں شریک کرنے کو کہا جاتا ہے۔ بدعت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہوتی۔ مصنف صاحب چونکہ دینی علوم سے ناواقف ہیں صرف عصری علوم دل و دماغ پر بیوستہ ہیں اس لیے وہ مسئلہ کو سمجھ نہیں پاتے۔ واللہ اعلم

## ’صدق اللہ العظیم‘ پڑھنے کے دلائل

تلاوت قرآن حکیم کے بعد جو قراء عام طور پر ’صدق اللہ العظیم‘ پڑھتے ہیں اس کو ایک صاحب نے بدعت قرار دیا تھا۔ جس کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضمون لکھا تھا کہ اس کو بدعت کہنا درست نہیں جو سابقہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے کوئی خط لکھا جس کا ذکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے، اس کا مفصل جواب لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر ترک کر دیا کہ ماننے کے لیے چند دلائل کا سن لینا ہی کافی ہے اور نہ ماننے والے کے لیے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ چنانچہ بعد از قراءت ’صدق اللہ العظیم‘ کہنے کے چند دلائل حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

**دلیل ۱:** امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جن کو سب مسلمان انتہائی معتبر مانتے ہیں، آداب تلاوت میں رقم طراز ہیں:

”لیقل عند فراغہ من القرآۃ صدق اللہ تعالیٰ وبلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

”قراءت سے فارغ ہونے پر کہے، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا ہے۔“

**دلیل ۲:** اس کی شرح اتحاف السادة میں ہے:

”وليقول عند فراغه من كل سورة صدق الله العظيم وبلغ رسوله الكريم و نحن على ذلك من الشاهدين ، أو يقول صدق الله تعالى وبلغ رسوله ﷺ .“ [اتحاف السادة: ۳۹۱/۳۹۲]

”اور قاری ہر سورت سے فارغ ہونے پر کہے: صدق اللہ العظیم وبلغ رسول الکریم..... الخ، اللہ بڑے سچ فرمایا، ان کے رسول کریم ﷺ نے پہنچایا اور ہم اس پر گواہوں میں سے ہیں یا یہ کہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور ان کے رسول ﷺ نے پہنچایا“

حدیثوں میں اور بھی الفاظ آئے ہیں جو ان آیات کے موافق ہیں یہ بہت حدیثوں میں ہے۔

**دلیل ۳:** کنز العمال میں ہے، از ابوداؤد و ترمذی: ”من قرأ منكم ﴿وَالَّتِيْنِ وَالزَّيْتُوْنَ﴾ فانتهیٰ الیٰ آخرها ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِيْنَ﴾ فليقل: بلی! وأنا على ذلك من الشاهدين .“ [کنز العمال: ۲۰۸۱]

”تم میں سے جو سورۃ والتین والزیتون پڑھے اور آخر میں الیس اللہ باحکم الحاکمین تک پہنچے تو ضرور کہے: اور میں اس پر گواہوں میں ہوں۔“

اسی طرح حدیثوں میں بہت سورتوں کے بعد ایسے جملے آئے ہیں۔ اگر کوئی دینی علوم سے نابلدان جملوں کو قرآن سمجھ بیٹھے تو یہ بدعت کیوں ہوگا۔ قصور اس کا ہے نہ کہ پڑھنے والے کا۔

**دلیل ۴:** سورۃ آل عمران میں ہے: ﴿قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ [آل عمران: ۹۵]

”آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے تم ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو۔“ اس آیت میں حضور ﷺ کو اور سب کو صدق اللہ کہنے کا حکم ہے۔

**دلیل ۵:** سورۃ احزاب میں ارشاد ہے: ﴿هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ [الأحزاب: ۲۲]

یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ نے وعدہ کیا تھا اور اللہ، رسول ﷺ نے سچ فرمایا، اس آیت میں تو اللہ و رسول ﷺ دونوں کے صادق ہونے کا اقرار ہے۔

**دلیل ۶:** سورۃ یسین میں ہے: ﴿هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ﴾ [یس: ۵۲]

”یہ ہے وہ جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور رسول کریم ﷺ نے تصدیق کی۔“

**دلیل ۷:** سورۃ نساء میں ہے: ﴿وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ [النساء: ۸۷]

”اور کون زیادہ سچا ہے بات میں اللہ تعالیٰ سے۔“

اس آیت میں تشبیہ ہے کہ کون سچا ہے؟ اگر ہے تو لاؤ، بناؤ۔ اس کے جواب میں مسلمانوں کو یہ کہنا چاہئے کہ: صدق اللہ العظیم، اگر نہ کہا جائے تو شبہ رہے گا کہ یہ باوجود تشبیہ کے نہ کہنا انکار تو نہیں۔ یعنی صدق اللہ نہ کہنے سے اللہ تعالیٰ کے صادق ہونے کا انکار تو نہیں کہ باوجود تشبیہ کے نہیں کہتا۔ اس لیے کہنا ہی بہتر ہے۔

**دلیل ۸:** سورۃ الحشر میں ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر: ۷]

”جو تم کو رسول ﷺ دیں، لے لو اور جس سے منع کریں رُک جاؤ۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا حکم ہے اس کا کرنا لازم ہے اور جس کا منع فرمایا ہے اس سے رُکنا لازم ہے اور جس میں دونوں باتیں نہ ہوں، نہ حکم نہ منع، وہ جائز ہے۔ لہذا صدق اللہ العظیم، کہنا جائز ہے، کیونکہ نہ اس کا حکم ہے کہ یہ فرض، یا واجب ہو، نہ منع ہے کہ حرام یا مکروہ ہو اور نہ ہی بدعت، کہ یہ تو تصدیق رب ہے۔

ڈاکٹر فتحی العبیدي  
مترجم: قاری محمد صفر

## جمع قراءات کا مفہوم، ارتقاء اور شرعی حیثیت

قرآن مجید کے منزل من اللہ سات حروف چونکہ قرآن مجید ہی کا حصہ ہیں چنانچہ ان کی تلاوت نماز میں ہو یا غیر نماز میں، انفرادی سطح پر ہو یا کسی اجتماعی محفل میں، ایک قراءت کے ساتھ ہو یا مختلف قراءت کو جمع کر کے (بغیر خلط کے)، سلف صالحین سے کوئی باقاعدہ عمل ثابت ہو یا نہیں یہ تمام امور اصولی طور پر جائز اور مباح ہیں۔ مثلاً خیر القرون میں محافل قراءات کا انعقاد اجتماعی سطح پر بالعموم نہیں ہوتا تھا یا کسی ایک مجلس میں مختلف قراءات اکٹھا کر کے پڑھنے کا رواج موجود نہیں تھا، لیکن یہ چیزیں عمومی اعتبار سے حفاظت قرآن اور قرآن و علوم قرآن کی آگے منتقلی میں معاون ثابت ہوتی ہیں اور کتاب و سنت یا خیر القرون سے اس کا کوئی تعارض بھی نہیں، چنانچہ علمائے اصول اس قسم کے معاملات کو ’مصارح مرسلہ‘ کے نام سے محمود شمار کرتے ہیں اس ضمن میں ’جمع قرآن صدیقی و عثمانی‘ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ ایک مجلس میں متعدد قراءات کو لوگوں کی تعلیم کیلئے اکٹھا کر کے پڑھنا ایک ایسی مفید مصلحت ہے جس کے ثمرات آج عوامی سطح پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ عوام الناس کا علم القراءات کو سیکھنے کا شوق پیدا ہونا بنیادی طور پر انہی محافل قراءات کی برکات سے تعلق رکھتا ہے۔

ان تمام امور کے باوجود اگر محافل قراءات اور ان میں پیش کی جانے والی تلاوتوں میں ریا کاری یا کوئی غیر شرعی امر مد نظر ہو تو وہ بہر حال معیوب ہے۔ زیر نظر مضمون ڈاکٹر فتحی العبیدي رحمۃ اللہ علیہ کے پی ایچ ڈی کے مقالہ جمع القراءات المتواترة کی ایک فصل کا انتخاب ہے، جس میں انہوں نے کسی محفل میں متعدد قراءات کو اکٹھا پڑھنے کے مسئلے پر تحقیقی بحث کی ہے۔ شائقین کو اس علمی کاوش کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ [ادارہ]

جمع القراءات یا الجمع بالقراءات یا الجمع بین القراءات یہ دو اجزاء پر مشتمل مرکب ہے۔  
اصطلاحی تعریف سے پہلے ہر دو جز کی لغوی تعریف درج ذیل ہے:

### قرآن کا لغوی معنی

لفظ قراءۃ، مصدر سماعی ہے اس کے کئی معانی ہیں۔

① ابلغ (کوئی بات پہنچانا)، کہا جاتا ہے: ”قرأ فلان عليك السلام يقرأه“، ”فلاں تمہیں سلام کہہ رہا تھا“

② لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا یا تلاوت کرنا اور تلفظ کرنا یا مطالعہ کرنا۔

عرب کہتے ہیں۔ قرأ الكتاب يقرأه قراءه کہ فلاں نے کتاب میں لکھی ہوئی چیز کو پڑھا۔

☆ سابق متعلم کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ و مدرس کلیۃ القرآن، جامعہ محمدیہ، لاکھنؤ، لاہور

## قرآءة کا اصطلاحی معنی

**الف:** پیش کرنا، ظاہر کرنا۔

- ① یہ معنی عام ہے، برابر ہے نماز میں یا غیر نماز میں قرآن کا کوئی حصہ یا مکمل قرآن پڑھنا۔
- ② کسی کلمہ قرآنی کی خاص قرآءت یا معین وجہ۔ مثلاً ملک میں امام عاصم کی قرآءت بالالف۔
- ③ سارے قرآن کی قرآءة مثلاً قرآءة ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ۔
- ④ قرآن مجید کا کوئی ایسا کلمہ جس کو نقل کرنے میں کسی امام کے تمام راوی اور طریق متفق ہوں۔

**ب:** قرآءت کی فنی تعریف

امام جزری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”القرآءة علم بکيفية أداء كلمات القرآن واختلافها بعض والناقلة.“  
 ”علم قرآءت وہ علم ہے جس میں قرآنی کلمات کی کیفیت آداء کے بارہ میں اس طرح بحث کی جاتی ہے کہ اس کی نسبت ناقل (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کی گئی ہے۔“

## جمع کا لغوی معنی

لفظ جمع، جمع یجمع ’ضرب‘ سے مصدر ہے اس کے لغوی معانی مندرجہ ذیل ہیں:

① جمع کرنا، ملانا۔ التالیف، الضم

بعض

کہا جاتا ہے۔ جمع المتفرق فلاں نے مختلف اجزاء کو جمع کیا، اور ملانا بھی ایسے ہی ہے کہ اس میں بعض چیزوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا جاتا ہے۔ اس معنی میں لفظ ’جمع‘ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ فرمان الہی ہے: ﴿فَجَمَعْنَهُمْ جُمُوعًا﴾ [الکہف: ۹۹]  
 نیز فرمایا: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجُمُعِ﴾ [التغابن: ۹] اس آیت میں یوم جمع سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ قیامت کے دن مخلوقات کو اکٹھا کیا جائے گا۔

② لوگوں کی ایک جماعت

اس معنی میں بھی یہ لفظ قرآن میں استعمال ہوا ہے ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقِي الْجُمُعَانِ﴾ [آل عمران: ۱۶۶]  
 نیز فرمایا: ﴿سَيَهْرُمُ الْجُمُعِ﴾ [القمر: ۴۵]

③ کپڑے پہننا

کہا جاتا ہے جمع علیہ ثیابہ ’اس نے کپڑے پہنے‘ یہ لفظ اس معنی میں ایک لمبی حدیث میں ہے۔  
 عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جمعت علی الثیاب ’میں نے کپڑے پہنے‘

④ اسم مزدلفہ

مزدلفہ کو جمع اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں حجاج کرام جمع ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین پر اتارے جانے کے بعد آدم وحواء علیہما السلام اسی جگہ پر جمع ہوئے تھے اور حدیث میں ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”بعث بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسحر من جمع فی نقل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

جمع قراءات کا مفہوم، ارتقاء اور شرعی حیثیت

”آپ ﷺ نے مجھے مزدلفہ کے دن سحری کے وقت اپنے سامان کے ساتھ روانہ کیا۔“  
 ⑤ کھجوروں کی ایک قسم

مختلف قسم کی کھجوروں کا اختلاط۔ جس میں ایسی ردی قسم کی کھجوریں ہوں جو ناپسندیدہ ہوں۔ حدیث ’ربا‘ میں جمع اس معنی میں آیا ہے۔ آپ ﷺ نے خیبر سے وصولی کے لیے عامل بھیجا وہ عمدہ کھجوریں لائے آپ ﷺ نے فرمایا کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں، انہوں نے کہا نہیں ہم دو صاع دے کر ایک صاع عمدہ کھجوریں لیتے ہیں یا تین صاع ردی کھجوریں دے کر دو صاع عمدہ کھجوریں لیتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَفْعَلْ بِعِ النَّمْرِ (يَعْنِي الرَّدِيَّ) بِالذَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالذَّرَاهِمِ جَنِيْبًا»  
 ”ایسا نہ کرو (ردی) کھجوریں درہموں کے عوض بیچو پھر درہموں سے عمدہ کھجوریں خریدو۔“  
 ① لشکر کے معنی میں

حدیث میں لفظ جمع استعمال ہوا ہے۔ دو آدمیوں نے تیمم کیا پھر انہیں پانی ملا ایک نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ دوسرے نے نہیں لوٹائی پھر آپ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ ﷺ نے نماز نہ لوٹانے والے سے کہا۔ تو نے سنت کو پالیا اور تیری نماز تجھے کافی ہوئی اور دوسرے سے کہا:

«أَمَّا أَنْتَ فَلَنْتَ مِثْلُ سَهْمِ جَمْعٍ». [سنن النسائي: ۴۳۳، قال الشيخ الألباني: صحيح]  
 ”تیرے لیے تو لشکر کے حصہ کے برابر مال غنیمت ہے۔“

② عزم مضمّم  
 کہا جاتا ہے۔ جمع امرہ ”وہ کام میں پختہ ارادے سے لگ گیا“  
 ⑧ رُشد (بلوغت)

مجازاً کہا جاتا ہے۔ جمعت الفتاة الشباب ’لڑکی بالغ ہوئی۔‘  
 ④ مجہول کھجور

کہا جاتا ہے: ”قد كثر الجمع في أرض بني فلان“  
 ”فلاں کی زمین میں ایسی کھجوریں ہیں جن کا نام معلوم نہیں“

⑤ جماع کرنا  
 کہا جاتا ہے۔ ما جمعت بامرأة قط ”میں نے کبھی جماع نہیں کیا۔“  
 ⑪ سرخ گوند

یہ بعض درختوں پر پانی کی طرح بہنے والا رقیق مادہ ہوتا ہے جو بعد میں جم جاتا ہے۔  
 ⑫ تھنوں میں روکے ہوئے دودھ والی بکری۔

## جمع قراءات کی اصطلاحی تعریف

مفتدیین و متاخرین اہل آداء نے جمع قراءات کی کوئی تعریف نہیں کی کیونکہ وہ جمع کے جملہ قواعد و مسائل کی بحث و تمحیص میں مشغول تھے اسی وجہ سے مفتدیین کی عموماً جمع کے بارہ میں تالیفات نہیں ملتی کیونکہ وہ جمع کی تطبیقی



ذکر فتحی العیبدی

(عملی) صورت میں مصروف تھے اور ان کی بھرپور کوشش ہوتی تھی کہ تمام وجوہ قراءات عملی شکل میں پڑھی جاسکیں اور ان میں چنگنی پیدا کی جاسکے۔ عصر حاضر کے بعض محققین نے قراء کے ہاں جمع قراءات کی تعریف کی ہے۔ ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

① اُن کے نزدیک جمع یہ ہے قاری قرآن مجید کا کچھ حصہ یا تمام قرآن سب سے یا عشرہ متواترہ کی دو یا اس سے زائد روایات سے پڑھے۔

② اُن کے نزدیک جمع یہ ہے کہ کسی بھی آیت قرآنیہ کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر کے اس میں موجود اختلاف کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح بار بار پڑھنا کہ ہر وجہ دوسری وجہ سے مختلف ہو، جمع قراءات کہلاتا ہے۔

### اقوال کا خلاصہ ماحصل

قاری ایک مجلس یا ختم میں اس طرح پڑھے کہ قراء سب سے یا عشرہ میں سے کسی ایک کے لیے دو یا زیادہ روایات متواترہ کو علماء کے بیان کردہ جمع کے طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے مطابق محدود دائرے میں رہتے ہوئے قرآن کا کچھ حصہ یا سارا قرآن پڑھنا جمع کہلاتا ہے۔

### جمع کے طریقے

علماء قراءات کے جمع کے متعین کردہ معروف طریقے تین ہیں:

① جمع قافی ② جمع حرفی ③ جمع الجمع

طرق و روایات کو الگ الگ پڑھنا افراد یا مفرد کہلاتا ہے جبکہ کئی روایات اور قراءات یا ایک قراءات کو الگ پڑھنا جمع کہلاتا ہے۔

### طریقہ افراد

ہر امام کے ہر راوی کے روایت کو الگ الگ علی الترتیب پڑھنا خواہ کسی وجہ میں رُواۃ کا اتحاد ہی کیوں نہ ہو۔

### طریقہ جمع

جمع قراءات میں شرعاً اختیار ہے جس کو چاہیں مقدم و مؤخر کریں۔ مگر قراء میں معمول یوں ہے کہ جس ترتیب سے قراء رُواۃ، شاطبیہ میں مرتب ہیں اسی ترتیب سے پڑھنا۔ اس کی مخالفت، فن کی ناواقفی، غلطی اور واجب استحسانی کا ترک سمجھا جاتا ہے۔

جمع قراءات کے تین طریقے مروج ہیں:

### الف جمع قافی

اس کی کیفیت یہ ہے کہ سب سے پہلے قائلون کی روایت پڑھنا شروع کریں اور کسی آیت یا علامت وقف پر وقف کر کے دیکھیں کہ ان کے ساتھ شروع سے آخر تک کوئی شریک ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شریک ہو تو اُسے بھی ساتھ ہی فراغت ہوگی اب باقی جتنے رہ گئے ہیں اُن میں سے جو ترتیب میں مقدم ہے اس کے لیے پھر وہیں سے شروع کریں

جمع قراءات کا مفہوم، ارتقاء اور شرعی حیثیت

جہاں سے پہلے شروع کیا تھا اور وہیں وقف کریں جہاں پہلے وقف کیا تھا یہاں بھی دیکھیں کہ اوّل سے آخر تک کوئی شریک ہے یا نہیں؟ جو شریک ہو اسے بھی فارغ سمجھیں۔ پھر باقی میں سے جو ترتیب میں مقدم ہو اُس کے لیے بھی وہیں سے پڑھیں۔ غرض اس طرح سب کے لیے پھر پڑھیں جو شریک ہوتا جائے۔ اُسے چھوڑتے جائیں یہاں تک کہ تمام قراء کا اختلاف پورا ہو جائے۔ یہ اہل شام کا مذہب ہے۔

محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ مذہب اختلافات کے استحصار میں اضبط و اوثق اور بلحاظ زمانہ اطول ہے۔“

## فائدہ

جمع قہمی اور قراءت منفردہ میں فرق

ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جمع قہمی میں جن حضرات کی قراءت بوجہ شرکت و موافقت پڑھی ہوئی قراءت میں مندرج ہو جائے گی اُن کے لیے دوبارہ نہیں پڑھا جائے گا جبکہ قراءت منفردہ میں موافقت کے باوجود مندرج نہیں ہوتی۔

## ب جمع حرفی

اس کی کیفیت یہ ہے کہ قالون کے لیے پڑھنا شروع کریں اور جب لفظ مختلف فیہ پر پہنچیں تو جمع قراء کے اختلاف کو ترتیب وار پورا کر کے آگے پڑھیں اس طرح ہر لفظ مختلف فیہ پر پہنچ کر اُسی لفظ کو لوٹاتے رہیں یہاں تک کہ تمام قراء کا اختلاف پورا ہو جائے اور ہر لفظ میں ترتیب کا لحاظ رکھیں (اور ہر لفظ مختلف فیہ میں سب سے پہلے اس قاری کی وجہ پڑھے جس کی وجہ اس سے پہلے لفظ میں سب کے اخیر میں پڑھی تھی تاکہ خلط پیدا نہ ہو) اور اگر کہیں اختلاف دو کلموں سے متعلق ہو جسے خلف مرتب کہتے ہیں تو دونوں کلموں کو ملا کر اختلاف پورا کرنا واجب ہے مثلاً ’فتلحیٰ آدم‘ میں رُفح و نصب دونوں ہیں لیکن یہ اختلاف ’کلمات‘ پر موقوف ہے۔ جو آدم کا رُفح پڑھتے ہیں کلمات کا نصب پڑھتے ہیں اور اس کے برعکس۔ یہ اہل مصر کا مذہب ہے۔

محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ادائے اختلاف کلمات کے لیے یہ مذہب مضبوط تر اور بلحاظ اخذ نہایت آسان و سہل اور مختصر ہے مگر اس میں رونق تلاوت اور حسن ادا باقی نہیں رہتا۔“

## ج جمع الجمع یا جمع مرکب یا جمع عطفی

اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قالون کے لیے صحیح جگہ پر وقف کریں اور غور کریں کہ من اولہ الی آخرہ کون موافق ہے اور کون کون سی جگہ مختلف فیہ ہے؟ جو بالکل موافق ہو اُس کی روایت سے فراغت ہوئی، پھر جو مختلف فیہ ہوں اُن میں دیکھیں کہ محل وقف کے زیادہ قریب کس کا اختلاف ہے جس کا ہو اُس کے لیے محل اختلاف سے محل وقف تک پڑھیں پھر باقیوں کے لیے بھی اسی طرح۔

اگر ایک ہی جگہ سے کئی قاریوں کا اختلاف شروع ہو رہا ہو تو اُس وقت جو ترتیب میں مقدم ہوگا اُس کے لیے

ڈاکٹر فتحی العیبدی

پڑھیں اور دیکھیں کہ اس کا کوئی موافق ہوا یا نہیں جو موافق ہوا اُس سے فراغت ہوئی اور مختلفین میں جس کا اختلاف محل وقف کے زیادہ قریب ہو اُس کے لیے پڑھیں۔ الغرض محل مختلف فیہ میں ترتیب الأقرب فالأقرب اور محل واحد میں ترتیب رجال واجب ہے۔ اور اگر ایک شخص کی دو وجوہ ایک ہی کلمہ میں ہو تو حکماً وہ دو شخصوں کے قائم مقام ہوگا اور دو وجوہ کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو دو مختلف شخصوں کی مختلف روایتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ان دو وجوہ کی ترتیب بھی قراء کے نزدیک واجب استحسانی ہے اور یہ طریقہ پہلے دو طریقوں سے مرکب ہے جو علماء مصر و شام نے اختیار کیا ہے۔

ان مذکورہ طریقوں میں اصل تو پہلا ہی ہے لیکن آج کل اختصار کی غرض سے اکثر جمع الجمع ہی پڑھتے ہیں۔ جزری رحمہ اللہ کے دور سے یہی طریقہ رائج ہے۔

جمع الجمع کی چار ضروری شرائط

### ۱) خوبی وقف

مطلب یہ کہ وقف نامناسب موقع پر نہ ہو چنانچہ 'وما من إله إلا إله واحد' اور 'وما أرسلناك إلا رحمة للعالمین' ہر دو مقامات میں 'إلا' سے پہلے وقف کر کے وجوہ پوری نہ کی جائیں کیونکہ معنی نامناسب ہوگا۔

### ۲) خوبی ابتداء

یعنی نامناسب موقع سے ابتداء بھی نہ ہو۔ چنانچہ 'إن الله فقیر، وإیاکم أن تؤمنوا، إن الله ثالث وغیرہ سے ابتداء کرنا درست نہیں کیونکہ معنی مراد الہی کے مخالف ہونے کا وہم ہوتا ہے۔

### ۳) حسن ادا اور تجوید

حسن اداء اور تجوید کی پوری پوری رعایت اور پابندی کی جائے۔

### ۴) خلط قراءات

قراءات میں ترکیب اور خلط نہ ہونے پائے۔

**نوٹ:** جمع کے طریقے اُستاد محترم قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمہ اللہ کی کتاب 'المدخل إلى علم القراءات والقصيدة الشاطبية' سے ماخوذ ہیں۔

## جمع قراءات کا تاریخی ارتقاء

موجودہ تاریخی مصادر میں اس بات کی تصریح موجود نہیں کہ جمع قراءات کا آغاز کب ہوا۔ امام جزری رحمہ اللہ نے قراء کے حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے جمع قراءات کے زمانہ کی تعیین کی کوشش کی ہے مگر وہ بھی اس میں حتمی کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔ یہ کہنا شاید ممکن ہے کہ انہوں نے صدر اول سے اپنے زمانے (اواخر آٹھویں صدی ہجری تک اوائل نویں صدی ہجری) کو سامنے رکھتے ہوئے قراء کے حالات اپنی اہم کتاب 'طبقات القراء' میں ذکر کیے ہیں۔ لیکن جمع قراءات کی کوئی متعین تاریخ کا علم نہ ہو سکنے کی وجہ سے انہوں نے تقریباً چوتھی صدی ہجری کی بات کی ہے۔ یہ بات 'منجد المقرئین' اور 'النشر' میں موجود ہے کہ قراءات کے جمع کی ابتداء پانچویں صدی ہجری میں ہوئی جو کہ ابو عمر و عثمان بن سعید دانی رحمہ اللہ (۳۴۳ھ/۱۰۵۲م)، ابوالفتح عبدالواحد بن حسین بغدادی المعروف

جمع قراءات کا مفہوم، ارتقاء اور شرعی حیثیت

ابن شیطا رحمۃ اللہ علیہ (۲۰۵ھ/۱۰۱۴م)، ابوعلی حسن بن علی اہوازی (۲۳۶ھ/۱۰۵۴م) اور ابوالقاسم یوسف بن علی ہمدانی (۳۶۵ھ/۱۰۷۲م) کا زمانہ ہے۔

بعض محققین کا کہنا ہے کہ جمع قراءات کے اولین بانی اُنڈسی ہیں لیکن اس میں بھی بانی کے نام کا تعین نہیں۔ حقیقت میں اس بارے میں مزید علمی تحقیق کی ضرورت ہے۔

## جمع قراءات کا سبب

مجلس واحد یا ختم واحد میں جمع کا سبب یہ ہے کہ فن قراءات کے طلباء اور شوق رکھنے والے متاخرین کے لیے سلف کا تعلیمی طریقہ بہت گراں تھا۔ سلف تو فرداً فرداً تمام قراءات و روایات کو پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اس میں مشقت تھی کہ ہر ایک قاری اور راوی کے لمبے چوڑے قواعد و ضوابط کو یاد کرنا اور اس کام کے لیے کئی کئی سال صرف کرنا پڑتے تھے۔ اس قدر لمبا عرصہ اب ہر طالب علم کیلئے پڑھنا ممکن نہ تھا۔ اس وجہ سے فن قراءات میں رغبت رکھنے والے ایسے لوگ بہت کم ہو گئے۔ یہاں تک خطرہ لاحق ہوا کہ اس فرض کفایہ کی ادائیگی کرنے والے لوگ بھی میسر نہ ہوں۔ اسی وجہ سے علماء قراءات نے جدید تعلیمی نبج اپنایا جو دونوں چیزوں کا جامع تھا۔ اس میں فن قراءات کے طلباء کے لیے بھی آسانی ہے اور علم قراءات کی آسانی بھی ہے تاکہ کم وقت میں قراءات حاصل کی جاسکیں اور قراءات کی حفاظت کا فریضہ بھی سرانجام دیا جاسکے۔ اس کی عملی صورت جمع قراءات کی شکل میں سامنے آئے۔ اس جمع کی خاص کیفیت اور مخصوص شرائط میں جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

**نوٹ:** یہ بات ذہن میں رہے کہ جمع مذکورہ کی صورت میں افراد کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ افراد کی پہچان کے بغیر جمع قراءات ناممکن ہے۔ حقیقت میں جمع قراءات سلف و خلف کے مذاہب و طریقہ تعلیم کا حسین امتزاج ہے۔

قدیم قراءانے اپنی کتابوں میں 'صغروی' کی جمع قراءات کے بارے میں بحث کا جواب نہیں دیا اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ روایت اور جمع قراءات کی عملی تطبیق میں مشغول تھے۔ ذیل میں ہم اس موضوع پر چند کتب کا تذکرہ کرتے ہیں۔

① ترتیب الأداء و بیان الجمع فی الإقراء از ابوالحسن علی بن سلیمان أنصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (۴۳۰ھ/۱۳۲۹م) المعروف علی قرطبی۔ آپ قاسم شیخ القراء تھے۔ یہ کتاب تاحال مخطوط کی شکل میں ہے۔ امام ہزری رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی کے ذکر میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے یہ شاید اس موضوع پر پہلی کتاب تھی۔

② الجوهر الفرد المصون فی جمع الأوجه من الضحیٰ إلی قوله ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ از ابو العزائم سلطان بن احمد مزاجی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۷۵ھ/۱۶۶۴م) یہ کتاب بھی تاحال مخطوط ہے۔

③ نزہة الناظر والسامع فی إتقان الأرداف والأداء للجامع از ابوالعلاء ادریس بن محمد حسی المعروف منجرة رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۷ھ/۱۷۲۴م) یہ کتاب بھی تاحال مخطوط شکل میں ہے۔ اس میں زیادہ تر ترتیب الأداء اس علی قرطبی کے مسائل کی تلخیص ہے۔

④ قالون الجمع والأرداف از ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد بن قاسم زفری سربینی حسینی۔ آپ بارہویں تیرہویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں۔ آپ کا تعلق مغرب اقصیٰ میں قصر کبیر نامی شہر کے قریب بسنے والے قبیلہ آل سرین سے تھا آپ شیخ محمد بن عبدالسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹م) کے شاگرد ہیں۔

تیسرا

یہ منظوم کتاب تقریباً ۲۲۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ تا حال مخطوطہ ہے۔

⑤ التوضیح والإنکشاف فی حل قالون الجمع والإرداف از ابوالعباس احمد بن مکی بن محمد بن عمر سیرمانی ساقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی اوائل ۱۲ھ۔ یہ مذکورہ کتاب کی ۳۹ صفحات پر مشتمل شرح ہے۔ تا حال مخطوطہ ہے۔

⑥ عمدة القارئین والمقرئین فی الرد علی ما أنکر مشروعیة الجمع بین السعادة فی ختمة واحدة فی القرآن المبین از ابوالعباس احمد بن احمد شقانی تونسی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۲۸-۱۲۳۵ھ/۱۸۱۳-۱۸۱۹م)۔ یہ بہت اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں مولف نے شیخ صالح الکواش کے فتویٰ جمع قراءات مجلس واحد یا ختم واحد میں حرام اور بدعت کا رد کیا ہے۔

⑦ تحفة المقرئین والقارئین فی بیان حکم جمع القراءات فی کلام رب العلمین از ابراہیم بن احمد مارغنی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۹ھ/۱۹۳۰م)

اس کتاب کا علمائے مصر کی طرف سے قراءات کے جمع سے متعلق اٹھائے گئے سوال کا جواب ہے۔ علماء نے اس جواب کو پسند کیا اور ۱۳۴۵ھ میں اسے دوسرے کئی رسائل کے ساتھ طبع کیا گیا۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، ایک مقالہ اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں جمع قراءات اور ترکیب کا فرق بیان کیا ہے۔ مقالہ میں جمع قراءات کا حکم بیان کیا ہے جبکہ خاتمہ میں ان کے تو سنہ میں موجودگی کے وقت شیخ صالح اور شیخ شقانی وغیرہ مشاواک زیتونہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔

⑧ هدية القارئ والمقرئین از خلیل محمد غنیم الجناینی (آپ چودھویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں) اس کتاب کا سبب تالیف یہ ہے کہ شیخ خلف حسینی نے اپنے زمانہ میں جمع قراءات کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ اس رائے کو بعض نے پسند اور بعض نے ناپسند کیا۔ ۱۳۴۰ھ میں جامع ازہر کے شیخ نے ایک علمی مجلس کا انعقاد کیا جس میں تمام حاضرین نے شیخ کی رائے سے اتفاق کیا اور انہوں نے جمع قراءات کو ممنوع قرار دیا۔ تب خلیل جنائینی نے یہ کتاب لکھی اور اس میں جمع قراءات مجلس واحد کے جواز کا فتویٰ دیا۔

⑨ الآیات البینات فی حکم جمع القراءات از ابوبکر حسینی رحمۃ اللہ علیہ (آپ چودھویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں) یہ کتاب خلیل جنائینی کی کتاب 'هدیة القراء' کے رد میں ہے۔ یہ جمع قراءات کی اجازت نہیں دیتے۔

⑩ البرهان الوقاد فی الرد علی ابن الحداد از خلیل محمد غنیم جنائینی۔ یہ کتاب ابوبکر حداد کی کتاب 'الآیات البنات' کے رد میں ہے۔ اس میں جمع قراءات کے جواز کی تائید کی گئی ہے۔

⑪ أقحام أهل العناد بتأیید ابن الحداد از محمد سعودی ابراہیم (چودھویں صدی ہجری) اس کتاب میں ایک ختم میں جمع قراءات کو جائز کہنے والوں کا رد ہے۔

⑫ الأدلة العقلية فی حکم جمع القراءات النصلیة از عبدالفتاح ہندی (چودھویں صدی ہجری) ان کے نزدیک مجلس واحد میں جمع قراءات جائز ہے۔

## ایک مجلس میں جمع قراءات کا حکم شرعی

ایک ہی مجلس یا ختم میں بطریقہ جمع الجمع قرآن مجید کی تلاوت کے حکم شرعی کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہیں:

① قائلین      ② مانعین

اس اختلاف کا سبب کتاب و سنت میں جمع سے متعلق کوئی واضح نص نہ ہونا ہے۔ جمع الجمع کا طریقہ چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں رواج پذیر ہوا۔ جس کا لازمی نتیجہ اس بارہ میں بحث و تحقیق کا جنم لینا تھا۔ لہذا اس کے حکم شرعی کی وضاحت کے لیے قراء خاص کر میدان عمل میں آئے۔

ذیل میں ہم مذکورہ دونوں گروہوں کے دلائل و استدلال کا تذکرہ کرتے ہیں۔

### قائلین اور ان کے دلائل

جمہور علماء و محققین سلف و خلف نے ایک مجلس یا ختم میں جمع الجمع کے طریقہ سے تلاوت کو جائز قرار دیا ہے مثلاً ابن مہران (۳۸۱ھ/۹۹۱م)، مکی بن ابی طالب (۴۳۷ھ/۱۰۴۵م)، ابو عمرو دانی (۴۴۳ھ/۱۰۵۲م)، ابوالقاسم شاطبی (۵۹۰ھ/۱۱۹۳م)، ہجری (۴۳۲ھ/۱۳۳۱م)، قسطلانی (۹۲۳ھ/۱۵۱۷م)، ابو عبد اللہ محمد بن عبدالسلام فاسی (۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹م)، مؤلف القول الوجیز فی جمع الزاری علی حملة الكتاب العزیز، شیخ شقانی (۱۲۲۸-۱۲۳۵ھ/۱۸۱۳-۱۸۱۹م)، مؤلف عمدة القارئین، محمد الجنائنی مؤلف ہدیة القراء والمقرئین، البرہان والوفاء اور عبدالفتاح ہندی مؤلف الأدلة العقلیہ رحمہم اللہ۔

### حنابلہ کا موقف

حنابلہ میں سے ابن تیمیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

”قراءت کو حفظ اور تعلیم کی غرض سے جمع کرنا قراء کی ایک جماعت کا اجتہاد ہے۔“

مذکورہ بات سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ بھی جمع قرآن کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ضرور اس کی صراحت کرتے۔

ابن تیمیہ رحمہم اللہ کا قول پیش کرنے کی دو وجوہات ہیں:

① مغنی از ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ/۱۲۲۳م) وغیرہ میں حنبلی فقہی مصدر میں جمع قراءات کے بارہ میں کوئی بحث موجود نہیں۔

② ابن تیمیہ رحمہم اللہ حنبلی فقیہ مانے جاتے ہیں اور ان کے متعدد فتاویٰ جات موجود ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہم اللہ کی رائے کے مطابق جمع قراءت، بغرض حفظ و درس و تدریس جائز ہے اس کے علاوہ نہیں۔ ممکن ہے ان کے نزدیک باقی صورتوں میں تلاوت بطریق تعبد ہوتی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ان صورتوں میں جمع قراءات کو بدعت مکروہ کہا۔

ابن تیمیہ رحمہم اللہ کی اس حکم شرعی کے متعلق رائے میں مذکورہ تفصیل ہے۔

### مالکیہ کا موقف

مالکیہ کے معروف مصادر فقہی مثلاً 'البيان والتحصیل' از ابوالید بن رشد (۵۲۰ھ/۱۱۲۶م)، مختصر خلیل (۷۷۶ھ/۱۳۷۴م) اور ان کی شروحات میں جمع الجمع کا مسئلہ کہیں ذکر نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انکی طرف جواز

ڈاکٹر فتحی العبیدی

کا قول ہی منسوب کیا جائے گا کیونکہ ماضی قریب میں مالکی مفتی ابراہیم مارغنی (۱۳۳۹ھ/۱۹۳۰م) نے مالکی اصولوں کی روشنی میں اباحت کا فتویٰ دیا ہے۔

## قائلین کے دلائل

قائلین جمع قراءت نے شرعی دلائل سے استدلال کیا ہے۔

① عام شرعی اصولی قواعد سے مجلس واحد میں جمع قراءت ممنوع نہیں اور قاعدہ ہے:

”إن الوسيلة تعطى حکم مقصدها.“

”اصل چیز تک پہنچنے کے لیے استعمال میں آنے والے وسیلہ کا حکم بھی اصل چیز والا ہوتا ہے۔“

نیز فقہاء کا قول ہے:

”ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب“

”جس کے بغیر واجب کی تکمیل ممکن نہ ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔“

مطلب یہ کہ سلف کا تعلیمی طریقہ تو یہ تھا کہ وہ ہر ہر روایت کو بطریق افراد پڑھتے پڑھاتے تھے لیکن یہ متعلمین کیلئے بہت مشکل تھا۔ ممکن تھا کہ لوگ فن قراءت کو ویسے ہی چھوڑ دیتے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تمام مسلمان گنہگار ہوتے کیونکہ قراءت کی تعلیم و تعلم فرض کفایہ ہے۔ چنانچہ جمع الجمع کو طلباء قراءت کی آسانی کو سامنے رکھتے ہوئے جاری کیا گیا تاکہ واجب کی ادائیگی ہو سکے۔ یوں فن قراءت محفوظ ہو گیا۔ زمانہ سلف سے اب تک قراءت کے حفظ و تدریس کے لیے ایک ہی طریقہ جمع الجمع رائج ہے۔

یہ اب فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ وسیلہ کو مقصد کا حکم دیا جاتا ہے اور اس فرض کفایہ کی ادائیگی اور قراءت کے بقاء کا صرف ایک ہی طریقہ جمع الجمع (نمایاں) ہے۔ تو یہ بات ظاہر ہے کہ جمہور کے ہاں جواز کراہت تحریمی کا مقابلہ ہے لہذا فرض کفایہ ہے۔

## ② سنت نبوی ﷺ سے جمع کے بارہ میں دلائل

نبی ﷺ جبریل علیہ السلام سے ہر سال دور کیا کرتے تھے۔ لیکن وفات والے سال دو مرتبہ دور کیا۔

مطلب یہ کہ ایک سال اس مدت تک جتنا پڑھا ہوتا وہ سارا ایک ہی مرتبہ تمام قراءت منزلہ کے مطابق سناتے۔ یہ بات واضح ہے کہ آپ ﷺ جبریل علیہ السلام کو ایک آیت متعدد وجوہات میں جمع کر کے سناتے۔ رہی وہ آیات جن میں صرف ایک ہی وجہ ہے تو ان کا ایک ہی بار پڑھنا ظاہر ہے۔ عرضہ اخیرہ میں آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو سارا قرآن سنایا۔ یہ بالجمع تھا کیونکہ یہ دور ایک ہی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو بالجمع پڑھ کر سنایا کیونکہ آپ کے سارے دور ابتداء سے انتہاء قرآن تک ۲۶، ۲۴، ۲۱ ہیں، علماء کا اس میں اختلاف ہے اور قرآن میں آیات مختلفہ جن میں کئی ایسی ہیں جو مذکورہ اعداد سے کہیں زیادہ ہیں۔ ان کا بطریق افراد پڑھنا ممکن نہیں لہذا دوروں کی تعداد اور آیات مختلفہ کی تعداد میں تعارض کو ختم کرنے کا یہی حل ہے کہ یہ دور بالجمع تھے۔

اسی طرح سلف سے منقول نصوص بھی جمع کے دلائل ہیں۔ مطلب یہ کہ جمع الجمع کے ظہور سے قبل کے علماء اپنے آسائزہ کو پورا پورا قرآن ایک ایک روایت میں سناتے تھے۔ اور ان میں سے ہر روایت کئی وجوہ پر مشتمل ہوتی

تھی اور سلف نے یہ وجوہ اپنے مشائخ سے جمعاً لی ہیں نہ کہ فرداً۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک ہی اُستاد کو پورا قرآن سناتے تھے۔ اب ایک روایت کا لحاظ رکھتے ہوئے تمام وجوہ سمیت تلاوت ایک ہی ختم میں پوری نہیں ہوتی اور نہ ہی ان سے کوئی ایسی نص ملتی ہے کہ انہوں نے ایک روایت کی اوجہ مختلفہ میں سے صرف ایک ہی وجہ پڑھی تھی۔

خلاصہ

شیخ عبدالوہاب شحرانی (۱۵۶۵ھ/۹۷۳م) کے قول:

”آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک ہی مجلس میں بالجمع قرآن پڑھنا ثابت نہیں۔“

اور ہمارے قول کہ آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جمع کرنا منقول ہے، میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جمع پڑھنے پڑھانے کے بارہ میں کوئی نص ہم تک نہیں پہنچی اور نہ ہی جمع کی کیفیات میں سے کوئی معین کیفیت ہم تک پہنچی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے قرآن بذریعہ وحی حاصل کیا جس کی تفصیلات سے ہم ناواقف ہیں اس کی کیفیت صرف آپ ﷺ جانتے تھے۔ رہی بات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو ان سے بھی کوئی نص جمع کے بارے میں منقول نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک روایت کے ساتھ پورا قرآن مفرد طریقے سے منقول ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک روایت کئی وجوہات پر مشتمل ہوتی ہے وہ لازمی طور پر جمع کر کے ہی پڑھی جاتی تھی۔ جب آپ ﷺ اور سلف سے جمع کی اصل منقول ہے تو ہم کہیں گے۔ جمع قراءت جو چوتھی صدی ہجری سے تاحال قراء کے ہاں معروف و رائج ہے۔ یقیناً نص جمع جس کے مطابق آپ ﷺ نے عرضہ اخیرہ میں جبرئیل علیہ السلام کو سنایا یا شیوخ سے سلف نے حاصل کیا یہ جمع کی مشروعیت اور جواز کی زبردست دلیل ہے اور اگر یہ محض اس کے مماثل یا مشابہ ہے تو یہ اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔

یوں قیاس سے مجلس واحد یا ایک ہی ختم میں جمع قراءت کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قیاس بھی چار دلائل شرعیہ (کتاب و سنت، اجماع، قیاس) میں سے ایک ہے۔

۳۷ چوتھی صدی ہجری سے اب تک ایک مجلس یا ختم میں بطریق جمع پڑھتے پڑھاتے تقریباً ایک ہزار سال گزر گئے ہیں لیکن کبھی بھی فقہاء نے اس کا انکار نہیں کیا نیز اس عمل پر تاحال دوام ہے اور اسے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ چنانچہ فقہاء کا عدم انکار جمع کے جواز پر اجماع ہے اگر اجماع صریح نہیں تو کم از کم اجماع سکوتی تو ہے اور یہی اجماع جمع کے آغاز کے قریبی زمانوں سے جاری ہے اور متاخرین ائمہ نے بھی مجلس واحد میں قراءت کو جمع کر کے پڑھنے پر کوئی قدغن نہیں لگائی اور بعض علماء کے ایک ختم میں جمع کرنے کے انکار سے مذکورہ اجماع مجروح نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مانعین کے پاس اس کی کوئی مستند دلیل شرعی نہیں جو ان کے موقف کی تائید کرتی ہو لہذا ان کا انکار معتبر نہیں ہوگا اور اجماع قوی شرعی دلیل کی طرح جمع کی مشروعیت پر قائم رہے گا۔

۳۸ قیاس اولویت کو دلیل بناتے ہوئے بھی جمع قراءت کے جواز کا استدلال کیا جاسکتا ہے کیونکہ بعض علماء نے قراءت میں خلط ترکیب کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر عربی قواعد کی روشنی میں ترکیب ٹھیک ہو تو جائز ہے لیکن بطور تلاوت ہو، نہ کہ بطور نقل روایت۔“

جب ترکیب رخلط جائز ہے تو جمع قراءت جو مذکورہ شرائط کو کامل طریقے سے پورا کرتا ہے بلا دلی درست ہوگا

جمع



کیونکہ اس میں قراءت روایت یا طریق کو خلط نہیں کیا جاتا۔

### خلاصہ کلام

مذکورہ تقریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مجلس واحد میں قراءت کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے اور اس کی مشروعیت سنت نبوی ﷺ اجماع اور قیاس سے ثابت ہے مزید یہ کہ عام شرعی اصول بھی اس کا انکار نہیں کرتے۔

### مانعین جمع قراءت کے دلائل اور ان کا جائزہ

بعض فقہاء اور کئی علماء نے کہا ہے کہ ایک ختم یا مجلس میں جمع قراءت ناجائز ہے۔

ان میں حنفیہ ہیں۔ 'الحاوی القدسی' کے مؤلف قاضی احمد بن محمد غزالی (۶۰۰ھ/۱۲۰۳م) نے کہا ہے:

”تلاوت قرآن کرتے ہوئے قراءت معروفہ یا شاذہ کو ایک ہی دفعہ کلمات کو دہرا کر پڑھنا مکروہ ہے۔“

ان کے نزدیک جمع قراءت مکروہ ہے۔

عوامی مجالس میں قراءت مجہولہ (غیر معروفہ) کی تلاوت کرنے سے استناف سختی سے منع کرتے ہیں اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عوام شہادت کا شکار ہوں گے اور بسا اوقات وہ قراءت کے قراءت متواترہ صحیحہ پڑھنے کو غلط کہہ کر گناہ میں واقع ہو جائیں گے۔

شوافع کی بڑی فقہی کتب مثلاً المجموع شرح المہذب از نووی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۷ھ/۱۲۷۷م) اور 'نہایۃ المحتاج شرح المنہاج' از زکریا رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۰۳ھ/۱۵۹۵م) وغیرہ میں جمع قراءت مجلس واحد کے حکم شرعی سے متعلق کوئی نص موجود نہیں۔ لیکن 'التبیان' از نووی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

”جب قاری کسی قراءت کی ابتداء کرتا ہے تو اس کے لیے مستحسن ہے کہ وہ اسی قراءت میں پڑھتا رہے یہاں تک کہ کلام مکمل ہو جائے۔ ہاں جب کلام مکمل ہو جائے تو پھر دوسری قراءت کی تلاوت شروع کر سکتا ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ مجلس واحد میں وہ پہلی قراءت ہی پڑھے۔“

مذکورہ بالا عبارات سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ قراءت میں ترکیب اور خلط خلاف اولیٰ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ایک مجلس میں قاری ایک ہی قراءت پڑھے۔ اس بات کا مؤید 'المجموع' میں موجود خود نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے، فرماتے ہیں:

”جب قاری سب سے کسی قراءت کو شروع کرتا ہے تو مستحب ہے کہ وہ اسی میں قراءت (تلاوت) پوری کرے اگر بعض آیات سب سے اور بعض غیر سب سے تلاوت کرتا ہے تو جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دوسری آیت پہلی سے مربوط نہ ہو۔“

مذکورہ پہلی دلیل اور اس کے مفہوم سے یہ بات سمجھ آئی کہ جمع کا شرعی حکم خلاف اولیٰ ہے۔ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ مجلس واحد میں ایک ہی قراءت میں پڑھے اور یہ بات امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

”بہتر یہی ہے کہ مجلس واحد میں ایک ہی قراءت میں پڑھے“ سے مترشح ہوتا ہے۔

شاید کہ شوافع کے نزدیک مجلس واحد وغیرہ میں جمع قراءت خلاف اولیٰ یعنی مکروہ ہے۔

اور محققین نے ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ/۱۴۴۸م) کے قول:

”المنع من خلط القراءات فی التلاوة (تلاوت میں خلط قراءت ممنوع ہے) سے اولویت کی بنیاد پر جمع قراءت

جمع قراءات کا مفہوم، ارتقاء اور شرعی حیثیت

ممنوع قرار دی ہے نہ کہ حتمی طور پر۔“

معلوم ہوا شواہع کے نزدیک مجلس واحد میں جمعاً تلاوت کرنا خلاف اولیٰ ہے لیکن یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غلط قراءت و روایت پر صریح انکار کے علاوہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے انکار کیا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ کے مذکورہ قول میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو جمع کے شرعی ہونے پر انکار کرے یا جمع پر اعتراض ظاہر کرے۔ (محققین اور ہماری رائے میں) فرق واضح ہے۔

مانعین میں سے شعرانی (۹۷۳ھ/۱۵۶۵م) بھی ہیں انہوں نے اپنے زمانے میں جمعاً پڑھنے والوں کی مخالفت کی۔ اسی طرح شیخ صالح کوش (۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳م) نے جمع کو حرام یا مکروہ کہا ہے نیز ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ درس و تدریس کی غرض سے جمع ٹھیک لیکن بغرض تلاوت درست نہیں کیونکہ یہ بدعت ہے۔ اسی طرح القبول السدید فی حکم التمجید کے مؤلف شیخ احمد جاز بھی کہتے ہیں۔

”والجمع بین القراءۃ بمجلس واحد یسمی تخلیطاً ولا یصح عند اهل الأداء.“  
 ”ایک ہی مجلس میں قراءت کرتے ہوئے جمع کرنا خلط کہلاتا ہے جو اہل آداء کے ہاں درست نہیں۔“

ابوشامہ (۶۶۵ھ/۱۲۶۶م) فرماتے ہیں:

”فی زمانہ ایک آیت کو جمع کرتے ہوئے قراءت مختلفہ میں بار بار پڑھا جانا مجھے پسند نہیں کیونکہ جمعاً قراءت کرنا بعد کی ایجاد ہے۔“

**نوٹ:** جمع قراءت کو مکروہ کہنے کے باوجود انہوں نے اپنی قراءت کو بالجمع ثابت کیا ہے۔ اس تناقض کا کیا جواب ہے؟

### اشکال کا جواب

ابوشامہ رحمہ اللہ کے دونوں اقوال (کراہت + جواز) دونوں ایک ہی وقت کے نہیں ہیں۔ ان میں سے لازماً ایک مقدم اور ایک مؤخر ہے اور اشکال صرف اسی صورت میں ختم ہوگا جب ابوشامہ کا دونوں میں سے کسی ایک قول سے رجوع مانا جائے گا۔ غالب گمان یہی ہے کہ ابوشامہ کا کراہت والا قول بعد کا ہے کیونکہ عموماً پڑھنا، پڑھانا تاالیف و تصنیف سے مقدم ہوتا ہے یعنی ابوشامہ رحمہ اللہ نے ”المُرشد الوجیز“ میں کراہت جمع کا قول نقل کیا ہے۔

علامہ محمد بن خلف حسینی حداد رحمہ اللہ چودھویں صدی ہجری کے مصری شیخ القراء، محمد سعودی ابراہیم مؤلف افحام اهل العناد، محمد خالد مؤلف مقالہ ”الجمہوریہ“ انہوں نے اپنے مقالہ میں حکومت سے مجلس واحد میں جمع قراءت کے بارہ میں شکوہ کیا ہے اور اس امر پر زور دیا ہے کہ اس کام کو مزید شائع نہ ہونے دیا جائے کیونکہ اس طرح لوگ تدریس قرآن سے دور ہوں گے۔

مذکورین نے مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں مجلس واحد میں قراءت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

- ① نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضمہم اور سلف سے مجلس واحد میں جمع قراءت کرنا ثابت نہیں۔ لہذا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہ ہے اور بدعت کا سب سے کم مرتبہ کراہت ہے اور کسی بھی مکروہ چیز پر ہیبتگی کرنا فسق ہے۔
- ② ایک قراءت کا دوسری قراءت پر عطف ڈالنا نظم قرآن میں فساد کا موجب ہے کیونکہ جمع میں اجزاء قرآنی

ڈاکٹر فتحی العیبدی

کو علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔ یوں قرآن میں تخریف اور قیاس کا دروازہ کھل جائے گا، لہذا جمع قراءت کے عمل کو روکنا لازم ہے۔ فرض کیجئے ہم بحث و مباحثہ سے بچنے کے لیے تسلیم کر لیں کہ فی نفسہ جمع قراءت جائز ہے لیکن اس کا نتیجہ ایسی چیز پر منتج ہوگا جو کلام اللہ میں جائز نہیں۔

۳ مجلس واحد میں جمع قراءت سامعین کو تدریجاً قرآن سے دور کرتا ہے۔ قرآنی تاثیر کو دل میں اترنے سے مانع ہوتا ہے اور دل اطمینان سے خالی رہتے ہیں کیونکہ بار بار آیات اور کلمات قرآنیہ کو مختلف طریقہ ادا سے پڑھا جاتا ہے۔

### مانعین کے دلائل کا تجزیہ یہ تعاقب

تاکلین جمع قراءت فی مجلس واحد نے مانعین کے دلائل کا کئی طرح سے جواب دیا ہے۔

① یہ کہنا کہ جمع قراءت آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔ اس بارہ میں کوئی دلیل نہیں۔ ہاں اس جمع کی اصل عمل نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو سناتے ہوئے جمع کیا، اگرچہ اس جمع کی کیفیت سے ہم نا آشنا ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ سلف سے منقول نہیں یہ بات بھی باطل ہے جمع کی اصل اُن سے بھی ثابت ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ نے وجوہ قراءت کو جمع کیا اور سلف سے ہم تک منقول ہے یہ مردود جمع ہے لہذا عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں بنتی کیونکہ اس کی مشروعیت فعل نبوی ﷺ سے ثابت ہے اگرچہ اس جمع کی جمع نبوی سے محض مشابہت ہی ہے چنانچہ اس صورت میں بھی اس کا مشروع ہونا قیاس سے ثابت ہے اور قیاس سے ثابت شدہ کسی مسئلہ کا رد ممکن نہیں کیونکہ قیاس بھی دلیل شرعی ہے۔ بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ جمع قراءت آپ ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور بعد کے لوگوں سے ثابت نہیں تب بھی یہ بدعت نہیں کیونکہ مذکورین کے مابعد کا ہر فعل بدعت نہیں۔ اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ یہ بدعت ہے تو ہر بدعت مذموم نہیں کیونکہ بدعت کی مندرجہ ذیل پانچ اقسام ہیں۔

### ① بدعتِ واجبہ

یہ وجوبی قواعد کے تحت آتی ہے اور شریعت میں اس کی دلیل قرآن کو مصحف میں جمع کرنا اور کتاب اللہ کی فہم کے معاون علوم کی نشر و اشاعت وغیرہ۔

### ② بدعتِ محرمہ

یہ قواعد تحریم کے ذمے میں آتی ہے اس کی شرعی دلیل مثلاً مذاہب، خوارج کے باطل عقائد، اللہ کی ذات کے بارہ میں تجسیم کا قول، اور کسی ایسے حکم پر اجماع جو شریعت اسلامی کے مخالف ہو۔

### ③ بدعتِ مندوب

یہ قواعد ندب کے ماتحت ہے اس کی شرعی دلیل مساجد میں تراویح کی جماعت اور ہر ایسی اچھی بات جو صدر اول میں نہ بھی اور شریعت کی مخالف بھی نہیں جیسے مدارس کا قیام اور ہسپتال وغیرہ۔

### ④ بدعتِ مکروہ

یہ قواعد کراہت کے ذیل میں آتی ہے اس کی شرعی مثال مساجد کو خوبصورت بنانا اور قرآن کی تزئین و آرائش وغیرہ۔

## ⑤ بدعتِ مباح

یہ قواعدِ اباحت کے ضمن میں آتی ہے اس کی شریعت سے مثال پاکیزہ چیزوں میں اتنا توسع جو انہیں مکروہ یا حرام تک نہ لے جائے مثلاً دلی چاہت کے مطابق کھانا اور عمدہ لباس پہننا۔

مذکورہ تقریر کے مطابق مجلسِ واحد میں جمع قراءتِ بدعتِ واجبہ علی الکفایہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بدعت کی مذکورہ تقسیم علماء کے مابین اختلافی ہے مثلاً امام ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ (۹۰ھ/۱۳۸۸م) نے اس کا انکار کیا ہے اور عز بن سلام (۶۲۰ھ/۱۲۹۱م) نے مذکورہ تقسیم بدعت کو جو مصالحِ مرسلہ کا نام دیا ہے یہ بھی بدعت ہے کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں اُن کے بارہ میں کوئی نص موجود نہیں؟

**جواب:** مذکورہ سوال یا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ایسی چیز جس کی شریعت میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ محض اس کے نام رکھنے کا اختلاف ہے۔ اصولِ شریعت سے مناسبت رکھتے ہوئے بدعت کا لفظ استعمال ہو یا مصالحِ مرسلہ کا لفظ استعمال ہو یہ صرف لفظی اختلاف ہے حقیقت میں اس کا کوئی اثر نہیں کیونکہ اصطلاحات میں کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی لہذا مذکورہ تقسیم بدعتِ عمدہ ہے اور جمع کو بدعتِ واجبہ علی الکفایہ کہنے سے اس کی مشروعیت مجروح نہیں ہوتی خاص کر جب یہ مقاصدِ شریعت کے ساتھ میل کھاتا ہے اور وہ مقصد متعلمین پر آسانی کرنا ہے اُن سے مشقت اور حرج کو رفع کرنا ہے جبکہ بدعتِ مذمومہ عموماً مقاصدِ شریعت سے مناسبت نہیں رکھتی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بدعت کی دو اقسام ہیں:

① جو کتاب و سنت اور اجماع کی مخالفت کرے یہ بدعتِ مذمومہ ہے۔

② ایسے اچھے کاموں میں (جو خلافِ شرع نہ ہوں) اُن کے جواز میں اختلاف نہیں۔

③ یہ کہنا کہ آیات پر آیات کا عطف فسادِ معنی، خلطِ قراءت، تحریف اور آیات کو ایک دوسرے جدا جدا کرتا ہے، صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ امور یا قباہتیں اس وقت لازم آتی ہیں جب قاری تلفیقِ رخلط کر کے پڑھے یا جمع کرتے ہوئے غلطی کرے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خلط جو کلامِ اللہ میں معنوی فساد کو جنم دیتا ہے اور جمعِ شرعی میں بہت بڑا فرق ہے۔ جیسا کہ اہل اُدا جانتے ہیں کہ جمعِ شرعی کی کئی شروط ہیں جبکہ ترکیبِ رخلط تلفیقِ اس سے خالی ہے۔

یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس قول سے مراد خلط اور جمعِ شرعی میں فرق نہ کرنا ہے، چنانچہ جو شخص جمعِ شرعی کے طریقہ اور باریکیوں سے واقفیت حاصل کیے بغیر جمع کرتا ہے تو اس بارے میں یہی خیال کیا جائے گا کہ اس نے محض سن کر خلط قراءت کیا۔

## ترکیب کی وضاحت

ترکیب کا مطلب یہ ہے کہ قاری ایک حکم یا کئی احکام ایک روایت یا قراءت سے لے اور چند احکام کسی اور قراءت یا روایت سے لے اور ان تمام کو ایک ہی بار ایک ہی ایسی کیفیت سے پڑھے جو کسی بھی قاری یا اس کے راوی سے منقول نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ترکیب کی مثالوں سے وضاحت

ذیل میں ایک مثال کے ذریعے ترکیب کی وضاحت کی جاتی ہے۔

مندرج	وجہ	آیت	
دوری بصری بوجہ + سوسی	قالون قصر فتح	مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ	①
-	مکی صلہ	عنه	②
دوری بصری	قالون، توسط، فتح	مَا أَغْنَىٰ	③
خلف العاشر	کسائی	مَا أَغْنَىٰ	④
-	ورش فتح	مَا أَغْنَىٰ	⑤
-	ورش تقلیل	مَا أَغْنَىٰ	⑥
-	حمزہ	مَا أَغْنَىٰ	⑦

مذکورہ آیت میں قاری کے لیے لازم ہے کہ وہ وجہ پڑھنے کے لیے لفظ 'ما' سے اعادہ کرے (وگرنہ کلام مثبت ہو جائے گا جو مراد الہی کے خلاف ہے) کیونکہ جمع میں عمدہ ابتداء اور معنی کی رعایت رکھنا انتہائی لازمی شرط ہے۔ چنانچہ اس کیفیت میں جمع کرنا جائز ہے جب کوئی معنوی فساد، تخلیط، یا تحریف نہیں ہوگی، کیونکہ ہر وجہ بنفسہا مستقل ہے دوسری سے اسے کوئی تعلق نہیں، پھر ہر وجہ میں آیت کے آخر پر وقف کرنا قراءت، روایت اور وجہ کو جدا جدا کرتا ہے۔ ہاں جمع کرتے ہوئے خلط کرنا اور اوجہ کا ایک دوسری پر عطف ڈالنا وقف کی صورت میں عدم فصل کی حالت میں جائز ہے اور اگر آپ بات کے ذریعے ان میں فصل کر دیں تو پھر ہر وجہ ایک مستقل آیت کی صورت میں ہوگی۔ اس میں کوئی ترکیب یا خلط نہیں ہوگا اور نہ ہی سامع کو معنوی فساد نظر آئے گا۔ اگر قاری مذکورہ آیت کو مندرجہ ذیل طریقے سے ترکیب سے پڑھے تو غلط ہے کیونکہ اس صورت میں، قراءت، روایت اور وجہ میں ایسا خلط ہوگا جو قراء یا ان کے رواۃ سے ثابت نہیں۔

مد مفصل میں قصر کے ساتھ۔ انہی میں امالہ	مَا أَغْنَىٰ
مد مفصل میں توسط کے ساتھ۔ انہی میں تقلیل	مَا أَغْنَىٰ
مد مفصل میں طول کے ساتھ۔ عنہ میں صلہ	مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ

مذکورہ حالات کی ترکیب اور قراءت و روایات کا خلط ممنوع اور غیر منقول ہے۔ اور اسی طرح اگر جمع کرنے والا لفظ 'ما' کے بغیر 'اغنیٰ' سے اعادہ کرتا ہے تو یعنی بعض میں ما اغنی اور بعض وجہ میں اغنی پڑھے تو بھی ٹھیک نہیں کیونکہ معنوی فساد لازم آتا ہے۔ یہی صورت تحریف یا بطلان معنی والی ہے اس کا گناہ پڑھنے والے کے ذمہ ہوگا لہذا کسی کے لائق نہیں کہ وہ مہارت حاصل کیے بغیر روایات و قراءت کو ائمہ و رواۃ کی طرف منسوب کر کے پڑھے۔

③ یہ کہنا کہ جمع سامع کو تدبر قرآن سے دور کرتی ہے، بھی صحیح نہیں کیونکہ جب بار بار ایک آیت پڑھنے یا سننے کا موقع ملتا ہے تو تدبر کا موقع بھی زیادہ ملتا ہے اور اس کی دلیل سنت نبوی ﷺ میں موجود ہے۔

جیسا کہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ﴿إِنْ تَعَدَّ بِهِمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ کو

بار بار پڑھا۔ اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بعض آیات کو بار بار پڑھتے تھے مثلاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ بار بار پڑھتے تھے۔ کسی آیت یا اس کے کسی حصے کو جمع کرتے ہوئے بار بار پڑھنے کی دو بڑی وجوہات ہیں۔

① مکرر پڑھنے سے زیادہ ثواب، عبرت اور خوبصورتی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ امام شاطبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”..... و تزداد يزا د فيه تجملا“

قرآن مجید کو بار بار پڑھنا اسے مزید خوبصورت بناتا ہے۔

② احکام قراءت کی چنگی اور کماحقہ ادا کی مشق کرنا۔

③ اگر احناف کے ہاں جمع قراءت کی کراہت کی وجہ عوام کا فتنہ میں مبتلا ہونا اور قراءت صحیحہ متواترہ میں

جہالت کی وجہ سے غلطی کرنا ہے۔ تو یہ بات مطلق طور پر جمع کی کراہت کے لیے صحیح نہیں کیونکہ جمع کرنا تو خاص علمی مجالس میں بھی ممکن ہے جہاں عوام موجود نہ ہوں اور ہم بھی یہی پسند کرتے ہیں کہ جمع خاص علمی مجالس میں کرنا چاہئے تاکہ جمع کے عیوب سے بھی بچا جاسکے اور عوام بھی دین کے بارہ میں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ نیز ان دلائل کے علاوہ مذکورہ قوی شرعی دلائل سے بھی مانعین جمع قراءت کے مؤقف کی کمزوری نمایاں ہوتی ہے۔

فریقین کے دلائل کے تجزیہ کے بعد یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ جمع قراءت میں کوئی بھی شرعی مانع موجود نہیں لہذا جمع شرعاً جائز ہے بلکہ اس کے کئی فوائد ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ نیز جمع قراءت سے قاری اور سامع کو بعض آیات کی تفہیم و تفسیر میں بھی آسانی ہوتی ہے مثلاً فرمان الہی ہے:

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾

”جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بستی کے مالداروں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اس بستی میں فسق کرتے

ہیں چنانچہ ان پر عذاب لازم ہو جاتا ہے اور ہم انہیں تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔“ [الاسراء: ۱۶]

اس آیت میں لفظ ’أمرنا‘ میں دو متواتر قراءتیں ہیں۔

① ’أمرنا‘ یہ نافع، مکی، بصری، شامی، عاصم، حمزہ، کسایی، ابوجعفر اور خلف العاشر رضی اللہ عنہم کی ہے۔

② ’أمرنا‘ یہ یعقوب کی قراءت ہے۔ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں بہت مال دیا لیکن انہوں نے اس مال کی وجہ

سے گناہوں کا ارتکاب کیا۔

نوٹ: قائلین جمع قراءت نے جمع صوتی (ریکارڈنگ) میں جمع افراد کو لازم قرار دیا ہے تاکہ روایات مختلفہ میں

تخلیط نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے مکتوب مصحف کو ایک سے زائد قراءت پر لکھنا مکروہ خیال کیا ہے چنانچہ ریکارڈنگ (جمع صوتی) میں بالاولیٰ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ میرے نزدیک یہ منع کرنا بہت عمدہ ہے۔ افادہ عام کے لیے ریکارڈنگ محدود پیمانے پر ہو بلکہ اولیٰ یہی ہے کہ جمع قراءت صرف کلاسوں اور مخصوص دروس میں ہی ہو۔



## پاکستان میں اختلافِ قراءت والے قرآنی مصاحف کی اشاعت

کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ نے درس و تدریس کے ۲۰ سالہ دور کے بعد عوام الناس میں علم القراءات کے مختلف گوشوں سے تعارف و واقفیت کیلئے ماہنامہ 'رشد' کی مسلسل تین خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا۔ جن میں قراءات سے متعلق جملہ پہلوؤں پر اس قدر تفصیلی مباحث عوامی سطح پر پیش کی گئیں کہ بعض تبصرہ نگاروں کے مطابق قراءات سے متعلق اتنا بڑا علمی کام پہلی دفعہ عالم اسلام کے مجلات میں منظر عام پر آیا ہے۔ تقریباً ۳۰۰۰ صفحات پر مشتمل ان اشاعتوں کو فن قراءات کا انسائیکلو پیڈیا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مجلہ کی 'مجلس ادارت' جس میں تمام مکاتب فکر کے نامور قراء کرام شامل ہیں، نے انتہائی سوچ و بچار کے بعد تمام لٹریچر کی چھانٹی کر کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین کا شاندار مجموعہ تیار کر دیا، جس کی اشاعت کے بعد 'فتنۃ انکار حدیث' کی طرح 'فتنۃ انکار قراءات' (انکار قرآن) بھی ان شاء اللہ ختم ہو جائے گا۔

یہ بات بڑی عجیب ہے کہ قراءات سبعہ و عشرہ کو منکرین حدیث و قراءات فتنہ عم قرار دیتے ہیں بلکہ سینکڑوں مکتبوں کی طرف سے ان قراءتوں پر مشتمل شائع شدہ قرآنوں کو قرآن مجید ہی تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ حرمین شریفین کے زائرین اکثر اوقات وہاں متعدد قراءات میں شائع شدہ مصاحف دیکھنے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا سے آنیوالے حجاج کرام کو مختلف قراءات کے مطابق قرآن پڑھتے ہوئے سنتے ہیں۔ اگر یہ قراءات قرآن نہیں تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے کروڑوں مسلمان قرآن مجید کی سعادت ہی سے محروم ہیں۔ غور فرمائیے کہ ان متحدہ دین کو اکثر یہ شکوہ رہتا ہے کہ علماء کرام ایک دوسرے پر فتویٰ بازی کا شغل کرتے ہیں، ایک دوسرے کو گمراہ کہتے اور اُمت میں تفریق پیدا کرتے ہیں جبکہ مسئلہ قراءات میں عالم اسلام کے علماء متفق ہیں مگر مٹھی بھر منکرین حدیث ان کے برعکس دانستہ یا نادانستہ طور پر کروڑوں مسلمانوں کو قرآن سے محروم قرار دے کر انہیں گمراہ اور گم گشتہ راہ قرار دینے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔

ماہنامہ 'رشد' کی ان علمی و تحقیقی اشاعتوں کے حوالے سے ارباب علم و دانش کیا رائے رکھتے ہیں؟ اس کیلئے قراءات نمبر ۳ اور ۳ میں اہل علم کے تبصرہ جات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے، لیکن منکرین حدیث نے ان تحقیقی اشاعتوں کے بعد شدید بوکھلاہٹ کا اظہار یوں کیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں پراپیگنڈہ مہم کے طور پر حقائق سے ہٹ کر غیر علمی انداز میں طعن و تشنیع کا آغاز کیا، خصوصاً کراچی میں دارالموطا نامی ادارے نے عوام اور حکومتی اداروں میں منفی لٹریچر تقسیم کر کے اس کارِ مذموم میں 'قیادت' کا فریضہ سنبھالا دیا ہے، چونکہ دیگر ناقدین کے اعتراضات بھی اسی لٹریچر کا چرہ ہیں لہذا ہم نے مناسب سمجھا کہ دارالموطا کے تقسیم کردہ کتابچہ کو من و عن شائع کرتے ہوئے ادارے کے مؤقف کے ساتھ ساتھ دیگر علمی و عوامی شخصیات کا اس پر تنقیدی جائزہ پیش کریں اور فیصلہ معزز قارئین پر چھوڑ دیا جائے۔ [ادارہ]

سوال

جناب حضرت مفتی محمد طاہر کی صاحب، صدر قرآنی مرکز و دارالموطا کراچی و مفتی مدینۃ العلوم اورنگ آباد۔

☆ صدر قرآنی مرکز و دارالموطا، کراچی ..... معروف منکر حدیث عمر عثمانی کے خلفِ رشید

اختلاف قراءت والے قرآنی مصاحف کی اشاعت

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ!  
جناب گرامی!

لاہور سے ایلجڈیٹوں کے ایک انتہا پسند گروپ کا ماہنامہ 'رُشد' نکلتا ہے جس نے اپنے جون ۲۰۰۹ء کے شمارے کے صفحہ ۶۷۸ پر لکھا ہے کہ اختلاف قراءت پر مبنی تین اختلافی قرآنی مصاحف (ورش کا، قائلون کا، دوری کا) پاکستان سے باہر شائع ہو چکے ہیں۔ اب موجودہ قرآن کریم کے علاوہ مزید ۱۶ قاریوں کے اختلافات والے ۱۶ قرآنی مصاحف وہ شائع کر دے گا۔ اس طرح کل ۲۰ قرآنی مصاحف ہو جائیں گے (یعنی ان سب میں باہمی اختلافات ہیں۔ کیونکہ اگر ان ۲۰ مصاحف میں آپس میں اختلافات نہ ہوتے تو پھر ان کو علیحدہ علیحدہ مصاحف کی صورت میں چھاپنے کی ضرورت ہی کیوں ہوتی؟)

پوری تاریخ اسلام میں یہ اس زمانہ کی نئی بدعت ہوگی۔ ورنہ خلافت راشدہ سے اُموی خلافت، عباسی خلافت، عثمانی (ترکی) خلافت میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ برصغیر میں کبھی ایسا ہوا۔ حتیٰ کہ کسی غیر مسلم تک کو اس کی جرأت نہیں ہوئی۔ برصغیر میں اب اس غالی ایلجڈیٹ گروپ کی طرف سے یہ پہلی جرأت کی جا رہی ہے۔ کیا اس سے عام مسلمانوں کو تشویش نہیں ہوگی؟ اور کیا قرآن کی عظمت میں کمی نہیں آئے گی؟ اور کیا مسیحیوں اور غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ جس طرح چار انجیلوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کا پتہ نہیں اسی طرح ان چار یا بیس قرآنوں میں حضرت محمد ﷺ کے اصل قرآن کا کیسے پتہ چلے گا؟ کیا اب ایک خدا، ایک رسول ﷺ، ایک قرآن کا دعویٰ ختم ہو گیا؟ پھر یہ چار یا بیس (۲۰ یا ۲۰) قرآنی مصاحف کس لئے؟

سائل ذاکر حسین، کراچی

## الجواب بعون اللہ الذی أنزل الكتاب

الحمد لله الذي أنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا. وقال: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ [البقرة: ۲]، ﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ﴾ [الطور: ۳۳]، ﴿وَلَوْ كَانُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ [النساء: ۸۲] أما بعد:

جیسا کہ سائل نے سوال میں اس حقیقت کا اظہار کر دیا ہے کہ اختلاف قراءت پر مبنی قرآنی مصاحف شائع کرنے کی جرأت خلافت راشدہ سے اُموی خلافت، عباسی خلافت، عثمانی (ترکی) خلافت تک، حتیٰ کہ شیعہ مملکت ایران تک میں نہ شاہ کے زمانہ میں، نہ عثمانی انقلاب کے بعد بھی، کسی نے نہیں کی۔ غرض اختلاف قراءت کو متن قرآن میں داخل کر کے صحف کی شکل میں شائع کرنے کی کسی نے جرأت نہیں کی۔

پہلی مرتبہ یہ حرکت مشہور مستشرق جفرے نے بیسویں صدی میں کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھی متن قرآن میں نہیں بلکہ قرآن کریم کے حاشیہ پر اختلاف قراءت درج کر کے شائع کرنے کا پروگرام بنایا تھا، مگر اس میں بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جنگ عظیم میں بمباری کے دوران اس کے سارے کام کو تباہ کر دیا۔

حیرت ہے اب اسلام کے کچھ نادان دوست اس کام کی جرأت کریں جس کی جرأت غیر مسلم تک نہ کر سکے۔ ان نادان دوستوں کی پشت پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا دماغ کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ خلافت راشدہ سے خلافت عثمانی (ترکی) تک کے اجماع اُمت کے خلاف ان سے اس بدعت کی جرأت کرائے جو درحقیقت قرآن دشمنی پر منتج ہوتی



مفتی محمد طاہر کی

ہے کہ اس طرح دوسروں کو بھی اس کا موقع فراہم ہو جائے گا کہ وہ قرآن کریم کو متنازعہ بنانے، اور چار انجیلوں کی طرح قرار دینے کے اپنے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

سب کو معلوم ہے کہ غیر عرب مسلمانوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہونے کی وجہ سے (جو عربی نہیں جانتے تھے) ان کی سہولت کے لیے خلیفہ راشد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی خلافت میں بصرہ کے گورنر زیاد کی نگرانی میں ابوالاسود دؤلی نے قرآن کریم پر اعراب (زیر، زبر، پیش) لگائے تھے۔ پھر خلافت عبدالملک اور خلافت ولید میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کی نگرانی میں اسی ابوالاسود دؤلی کے دو شاگردوں یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم نے اعراب لگانے کی محنتوں کو انتہا تک پہنچا دیا اور تمام اموی خلافت میں دارالخلافہ دمشق سے افریقہ کے الجزائر و مراکش اور یورپ کے ہسپانیہ تک اور ادھر عراق و ایران سے بخارا و سندھ تک، تیسری طرف حرین شریفین اور نجد و یمن تک، چوتھی طرف ترکی، آرمینیا اور کوہ قاف کی انتہاؤں تک، تمام خلافتِ بنو امیہ میں اعراب والا یہی ایک قرآن کریم رائج ہوا۔ ان کے بعد سلیمان کی خلافت آئی جس کے مشیر اعظم حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ تھے۔ پھر اس کے بعد خود عمر بن عبدالعزیزؓ کی اپنی خلافت میں بھی یہی حجاج کی نگرانی میں لگائے گئے اعراب (زیر، زبر، پیش) والا مصحف (قرآن کریم) رائج رہا۔ کبھی کسی کو اعتراض کرنے کی یا اس کے برخلاف اختلافی قراءت والا مصحف پیش کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔

اس کے بعد عباسی دور میں بھی پورے عالم اسلام میں یہی اعراب والا مصحف رائج رہا۔ پھر خلافت عثمانیہ (ترکی) میں یہی رائج رہا۔ غرض جب تک مسلمانوں کا خلافت کی صورت میں اجتماع شیریازہ برقرار رہا۔ تمام اُمت کا اسی مصحف پر اجماع رہا۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی، صحابہ کرامؓ کی، خلافت سے چل کر ان کے بعد خلافت عبدالملک، خلافت ولید، خلافت سلیمان و خلافت عمر بن عبدالعزیزؓ کی تابعی خلافت سے ہوتے ہوئے آج تک یکساں اعراب والا یہی قرآن کریم باجماع و تواتر ہر خلافت اسلامی میں جاری رہا اور ترویج میں پڑھا اور سنایا جاتا رہا۔ ہاں خلافت کے خاتمہ کے بعد اسلام کے دشمنوں کو قرآن کریم کی عظمت کے خلاف طرح طرح کے پلان بنا کر کامیاب ہونے کی توقع ہوئی جس کی تاریخی طور پر پہلی معلوم کوشش مستشرق آرتھر جیفرے کی تھی جو قرآن کریم کے حاشیہ پر اختلاف قراءت پیش کر کے حفاظت قرآن کے متعلق مسلمانوں کے گہرے ایمان کو متزلزل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آئندہ مسلمان مسیحیوں سے یہ سوال نہ کر سکیں کہ اگر انجیلیں چار ہیں تو پھر ان میں حضرت مسیح علیہ السلام کی اصلی انجیل کون سی ہے؟ جیفری اور اس کے اندرھے مقلدین کی کوششیں اگر کامیاب ہو جائیں تو پھر اس سوال پر مسیحی پلٹ کر خود مسلمانوں سے سوال کر سکیں گے کہ جناب آپ کے چار + سولہ = بیس قرآنوں میں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اصلی قرآن کون سا ہے؟ جب مسلمان اس کا جواب دے دیں گے تو پھر ہم مسیحی چار انجیلوں میں سے مسیح علیہ السلام کی اصلی انجیل کا جواب بھی دے دیں گے۔

افسوس ان تکلیف دہ سازشوں کو سمجھنے کی صلاحیت اور بصیرت سے محروم نادان دوست خود ہی ان کے جال میں پھنس گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو غافل نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے کام میں تعاون کر کے سعادتِ عظمیٰ میں شریک ہوں ﴿إِنْ تَصْبِرُوا لِلَّهِ يُنصِرْكُمْ﴾ [محمد: ۷] لیکن اگر کوئی بد قسمت محروم رہنا چاہتا ہے تو ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ [محمد: ۳۸] کا مظاہرہ ہوتا ہے اور بغیر کسی کی مدد کے اللہ اپنا کام کر کے دکھاتا ہے۔

آرتھر جیفرے یہ سازش کر رہا تھا مگر اللہ کی بے آواز لاشی نے دوسری جنگِ عظیم میں دوطرفہ بمباری کی زد میں

لاکر جفرے کے کیے گئے تمام کام کو، اور اس عمارت کو، جس میں یہ کام ہو رہا تھا، مکمل تباہ کر دیا۔  
ہاتھی والوں سے بیت اللہ (کعبہ) کو بچانے کے خدائی معجزہ کی طرح کلام اللہ (قرآن کریم) کو اس کے دشمنوں سے بچانے کے لیے یہ تازہ ترین معجزہ تھا: ﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [یوسف: ۲۱]  
﴿فَاتَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ○ فَآذَقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر: ۲۵، ۲۶]

ان مختصر تمہیدی جملوں کے بعد سائل کے لیے ہمارا جواب وہی ہے جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے امداد الفتاویٰ (دارالعلوم کراچی ایڈیشن) کی پہلی جلد میں ہے کہ مصاحف کی شکل میں اختلاف قراءت کو شائع کرنا تو درکنار عوام کے سامنے اختلاف قراءت پر مبنی تلاوت کرنے سے منع کرنا بھی واجب ہے۔

اس جواب کے ساتھ یہ خوش خبری بھی معلوم ہوئی ہے کہ حکومت پنجاب نے اختلاف قراءت کے حوالہ سے قرآن کریم کے اختلافی مصاحف چھاپنے کا پروگرام رکھنے والوں کے خلاف نوٹس لیا ہے جس کے لیے وہ تحسین کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دانستہ یا نادانستہ بہر صورت دشمن کا آگے کار بننے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مزید بصیرت کے لیے مولانا تھانوی کا (جو خود بھی سب سے بڑے قاری تھے) فتویٰ (سوال و جواب مکمل) یہاں بھی درج کیا جاتا ہے۔ ان کا یہ جواب مسلم آبادی کے ستر فیصد اکثریتی حصہ پر مشتمل حنفی مسلک کی مکمل ترجمانی ہے جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ عالمگیری، فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ شامی رد المحتار وغیرہ سے ظاہر ہے۔

محمد طاہر (دارالافتاء، مدینہ العلم، کراچی)

کتب مدرک نہی شود تعلق بسباع از ماہر دارد من از قراء پانی پت کہ درایں فن از دیگران امتیاز خاص دارند این حرف شنیدہ امر در ادائے شان صریح امتیاز محسوس میشود ہم از ظاء و ہم از دال ہذا وجواب خامس تتمہ ہم دار دواں اینکم حکم بفساد صلوة برفتوی متاخرین عام نیست بلکہ مخصوص است بہ قادر بر ادائے صحیح اما غیر قادر پس نمازش و ہمچنین امامتش صحیح خوان را و غلط خوان را درہر دو صورت صحیح است خواہ بصوت دال خواند خواہ بصوت ظاء کہ آن لغت او گشتہ باز در صورت غلط ادا نمودن آیا ترجیح دال مفخم راست کہ اگرچہ غلط است لاکن ممتاز است بخلاف ظاء کہ ممتاز ہم نیست یا ظاء معجمہ راست کہ اگرچہ ممتاز نیست لیکن حرف قرآن ست بخلاف دال این کلام دیگر ست و درہر دو جانب جماعتے است از اہل علم و لکل وجہۃ ہو مولیہا۔

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ (النور صفحہ ۹ جمادی الاوٰی ۱۳۵۳ھ) [امداد الفتاویٰ: ۱۹۴۱]

منع از غلو در قراءت سببعہ بوقت احتمال فتنہ عوام۔

سوال (۲۴۲) بعض مقامات میں سببعہ قراءت کا چرچا حد سے تجاوز کر چلا ہے۔ بعض حفاظ لڑکوں اور چالوں کو مختلف روایتیں یاد کرا کے پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں اور اُس کو صریحاً بغرض ریا پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے جس سے سوانمود کے کوئی نفع نہیں۔ کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس زمانہ پر آشوب میں یہ خوف نہیں ہے کہ

جہاں و مخالفین اسلام ان اختلافات کو سن کر مشوش ہوں گے اور خوفِ فتنہ نہیں ہے؟۔ چنانچہ بعض حفاظ نے تو ایک رکعت میں روایتِ حفص پڑھی، دوسری رکعت میں روایتِ قالون، کسی نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ تم نہیں جانتے۔ ایسی صورتیں اچھی معلوم نہیں ہوتیں۔ کیا یہ فعلِ قابلِ روکنے کے نہیں ہے۔ براہِ عوازم اگر قابلِ ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا تفصیل سے الامداد میں طبع ہو جائے تو بہتر ہے میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو بلکہ زور دیا جائے کہ تجوید کا نام قراءت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی پڑھا لکھا آدمی، حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبچ پڑھائی جائے۔ سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جائے اور قراءت جاننے والوں کو چاہئے کہ ہر کس و ناکس کو سوائے روایتِ حفص اور تجوید کے کچھ نہ پڑھایا کریں۔

## الجواب

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام: ۱۰۸] فی تفسیر بیان القرآن۔ اس سے قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح (بلکہ مستحب بھی ۱۲ منہ) جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔..... الخ (وہذا المبحث) [امداد الفتاویٰ، جلد اول فصل فی التجوید: ۱۹۵]

كله صالح لأن يلاحظ فيه (۱۲) وروى البخاري عن عليّ قال: حدثوا الناس بما يعرفون أتحبون أن يكذب الله ورسوله. (في حقيقة الطريقة). [صحيح البخاري: كتاب العلم، باب من خصص بالعلم قوما دون قوم.....]

بعضے بیباک عوام کے سامنے بے تکلف و دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں بعضے عوام اُن کی تکذیب کرتے ہیں اور بعضے قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں سو ہر حال میں اللہ ورسول کی تکذیب کا تحقق ہوا۔ والثانی اشد من الأول۔ اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔

وروى مسلم عن ابن مسعود رضى الله عنه أنه قال: ما أنت بمحدث قوما لا يبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة. في حقيقة الطريقة. [مقدمة صحيح مسلم]

اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ص ۸۲ و فی رد المحتار تحت مسئلة كراهة تعيين السورة في الصلوة من الدر المختار ما نصه حاصل كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة في المداومة وهو أنه إن رأى ذلك وحتما يكره من حيث تغيير المشروع وإلا يكره من حيث إيهام الجاهل. [ج ۱ ص ۵۸۸]

آیت اور حدیث اور فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام و جہلا میں مفسدہ و فتنہ اعتقاد یہ یا عملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو اُس کا ترک خواص پر واجب ہے باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے سوال میں بعض حالات میں جو فتنہ سبب پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے وہ مشاہدہ ہے پس فتویٰ شرعی ہوگا۔ کہ خاص اُن احوال میں سبب کا استعمال ممنوع ہوگا اور اگر اس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علم و دعوائے کمال دریاہ و تصنع و تفاخر ہو تو یہ فتنہ اس کے لیے مزید برآں ہے لہذا اس باب میں جو مشورہ سوال میں مذکور ہے۔ واجب الاتباع ہے۔ ۱۴ ذی

الحجہ ۱۳۳۵ھ [تمہ خامہ ص ۴۱]

## اختلاف قراءات پر مبنی مصحف کی اشاعت کے خلاف منہی

### پراپیگنڈہ..... حقائق کیا ہیں؟

اسے فکر و تدبر کی موت کہا جائے، فہم و ادراک کا قصور یا پھر شیطانی فطرت کے فتور کا نام دیا جائے کہ یکے از سفیان عروس البلاد (کراچی) کو الہام ہوا ہے (لہم قادیان کے ہنوت ذہن میں رہیں) کہ خطہ پنجاب (لاہور) سے 'عالی اہل حدیثوں' کا ایک گروہ قاریوں کے اختلاف والے ۱۶ قرآنی مصاحف شائع کرنے کا پورا منصوبہ بنا چکا ہے جس سے مسلمانوں میں 'سخت تشویش' کے پیدا ہونے کے 'خطرات' پائے جاتے ہیں۔ ماہنامہ 'رشد' کے جون ۲۰۰۹ء کے شمارے میں جب سے اس ذات شریف نے اس 'خبر' کا مطالعہ کیا ہے 'غیرت ایمانی' کا ایک جوار بھائان ان کے قلب کو گرمائے جا رہا ہے۔ موصوف نے پاکستان کے مسلمانوں کو اس فتنہ ملہمہ کے متعلق 'باخبر' کرنے کے لیے بابا کار کا ایک بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس ضمن میں موصوف نے کراچی کے ایک مفتی حضرت محمد طاہر کی صاحب کی فتویٰ ساز فیکٹری سے فراموشی مال کے طور پر ایک طویل فتویٰ بھی حاصل کیا ہے جس پر ان کے علم و فضل کا چوکھا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ قبلہ مفتی صاحب، خدا ان کے 'علم و فضل' کا سایہ اس 'جاہل امت' کے سر پر ہمیشہ قائم رکھے۔ (آمین) نے تمام مالہ و ما علیہ کا عرق ریزی سے مطالعہ کرنے کے بعد مسلمانوں کو بروقت 'خبردار' کیا ہے کہ مصاحف کی شکل میں اختلاف قراءت کو شائع کرنے سے منع کرنا ان پر واجب ہے، مفتی صاحب قبلہ نے اپنے فتویٰ میں عوام کو یہ خوشخبری بھی سنائی ہے کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے حکومت پنجاب نے اختلاف قراءت کے حوالے سے قرآن کے اختلافی مصاحف چھاپنے والوں کے خلاف نوٹس لے لیا ہے۔ وہ ذات شریف جن کی ذاتی کاوشوں کے نتیجے میں دانائے روزگار (اس کی وضاحت آگے آرہی ہے) مفتی محمد طاہر کی صاحب کے الہامی قلم سے مذکورۃ الصدر فتویٰ کا ظہور عمل میں آیا ہے اور جن کی درخواست پر حکومت پنجاب نے اس معاملے کا 'نوٹس' لینے کی زحمت گوارا کی ہے، ذاکر حسین کے نام نامی سے منہم ہے۔ انہوں نے 'استفادہ عوام' کے لیے (ہمیں حسن ظن ہے کہ اپنی جیب سے) ماہنامہ 'رشد' کا متعلقہ صفحہ ۶۷۸، مفتی صاحب کا طویل فتویٰ، اپنی درخواست (بزبان انگریزی) اور حکومت پنجاب کی طرف سے جاری کردہ نوٹس کو شائع کرا کے پھیلا دیا ہے۔ ہم اپنے بخت کی سرفرازی پر نازاں ہیں کہ اس عظیم تبلیغی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والوں میں ہمارا مرتبہ سائقون الاڈون میں شمار کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذاکر حسین کی 'شکایت' کی حقیقت سے قارئین کو آگاہ کیا جائے۔ مذکورۃ الصدر فتویٰ، حکومتی نوٹس اور دیگر متعلقہ دستاویزات کے متعلق ناقدانہ تبصرہ بھی ان سطور کا بنیادی موضوع ہے۔ اگر

ہو۔ کا تو پردہ نشینوں کے سازشی اذہان اور اس تحریک خبیثہ کے حقیقی محرکات پر اظہار خیال کیا جائے گا۔

ذاکر حسین، جن کا ابھی ذکر ہوا ہے اور جو ہماری گذارشات کے ’ممدوح خاص‘ ہیں، کراچی میں ناظم آباد میں کہیں گوشہ نشین ہیں۔ نہیں معلوم کہ ماہنامہ ’رُشد‘ کا جون ۲۰۰۹ء کا شمارہ ان کے ہاتھ کیسے لگا۔ ممکن ہے کسی پردہ نشین ’شکاری‘ نے انہیں غلیل کے طور پر استعمال کیا ہو اور موصوف ’گولہ باری‘ پر آئے ہوں۔ ان کے تحصیل علم یا علمی مشاغل کا حدود اربعہ بھی ہمیں معلوم نہیں۔ البتہ مفتی محمد طاہر کی صاحب کوسائل کے طور پر انہوں نے جو مکتوب تحریر کیا ہے اور پھر زبانِ افرنگ میں انہوں نے جو دو عدد خطوط و فاتی وزیر مذہبی امور اور گورنر پنجاب کو تحریر کئے ہیں، ان سے ان کے مبلغ علم، انگریزی زبان پر قابل رشک ’عبور‘، ابلاغی استعداد اور ذوقِ نشر و اشاعت سے ایک عام قاری ’متاثر‘ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہمارے ممدوح کی انگریزی دانی نے ہمیں خاص طور پر ’متاثر‘ کیا ہے۔ ہماری مدیر ’رُشد‘ سے گزارش ہے کہ وہ ان کے خطوط کو قارئین کی اطلاع کے لیے شائع کر دیں تاکہ انہیں بخوبی اندازہ ہو جائے کہ اختلافِ قرآن پر مبنی مصاحف کی مزعمہ اشاعت پر جن صاحب نے گرفت کی ہے ان کا علمی مقام کس قدر بلند ہے۔

یہاں ہم ذاکر حسین کا ’سوال‘ لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے مفتی محمد طاہر کی صاحب کی خدمت میں فتویٰ کے حصول کے لیے ارسال کیا:

### سوال:

”جناب حضرت مفتی محمد طاہر مکی صاحب، صدر قرآنی مرکز و دارالموطا کراچی و مفتی مدینۃ العلوم اورنگ آباد۔ السلام علیکم ورحمة الله و برکاتہ، و بعد:

جناب گرامی!

لاہور سے الہمدیٹوں کے ایک انتہا پسند گروپ کا ماہنامہ ’رُشد‘ نکلتا ہے جس نے اپنے جون ۲۰۰۹ء کے شمارے کے صفحہ ۶۷۸ پر لکھا ہے کہ اختلافِ قرآن پر مبنی تین اختلافی قرآنی مصاحف (ورش، قائلون اور دوری) پاکستان سے باہر شائع ہو چکے ہیں۔ اب موجودہ قرآنِ کریم کے علاوہ مزید ۱۶ قاریوں کے اختلافات والے ۱۶ قرآنی مصاحف وہ شائع کر دے گا۔ اس طرح کل ۲۰ قرآنی مصاحف ہو جائیں گے (یعنی ان سب میں باہمی اختلافات ہیں۔ کیونکہ اگر ان ۲۰ مصاحف میں آپس میں اختلافات نہ ہوتے تو پھر ان کو علیحدہ علیحدہ مصاحف کی صورت میں چھاپنے کی ضرورت ہی کیوں ہوتی؟)

پوری تاریخِ اسلام میں یہ اس زمانہ کی نئی بدعت ہوگی۔ ورنہ خلافتِ راشدہ سے اموی خلافت، عباسی خلافت، عثمانی (ترکی) خلافت میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ برصغیر میں کبھی ایسا ہوا۔ حتیٰ کہ کسی غیر مسلم تک کو اس کی جرأت نہیں ہوئی۔ برصغیر میں اب اس غالی الہمدیٹ گروپ کی طرف سے یہ پہلی جرأت کی جارہی ہے۔ کیا اس سے عام مسلمانوں کو تشویش نہیں ہوگی؟ اور کیا قرآن کی عظمت میں کمی نہیں آئے گی؟ اور کیا مسیحیوں اور غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ جس طرح چار انجیلوں میں حضرت مسیح کا پتہ نہیں اسی طرح ان چار ایس قرآنوں میں حضرت محمد ﷺ کے اصل قرآن کا کیسے پتہ چلے گا؟ کیا اب ایک خدا، ایک رسول ﷺ، ایک قرآن کا دعویٰ ختم ہو گیا؟

پھر یہ چار ایس میں (۲۰ یا ۴۰) قرآنی مصاحف کس لئے؟

سائل (ذاکر حسین، کراچی)

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

معلوم ہوتا ہے کہ ذاکر حسین قبلہ مفتی صاحب کی رگ نازک اور حساسیت سے بخوبی واقف ہیں۔ اسی لیے انہوں نے سوال کی پہلی سطر میں ہی ان کے غیظ و غضب کو بھڑکانے کے لیے 'اہل حدیثوں کے ایک انتہا پسند گروپ' کے الفاظ کا استعمال ضروری خیال کیا۔ ایک 'اہل حدیث' اور وہ بھی 'انتہا پسند گروپ'۔ جب ذاکر حسین نے مفتی صاحب کو پہلے ہی پہلے میں یقین دلادیا کہ سائل اہل حدیثوں کے ایک انتہا پسند گروپ کی تازہ جرأت کے متعلق فتویٰ طلب کرتا ہے تو گویا مفتی صاحب کا کام انہوں نے آسان کر دیا۔ ایک 'انتہا پسند گروپ' کے متعلق مفتی صاحب اگر فتویٰ صادر نہ فرماتے تو ان کی 'اعتدال پسندی' اور 'ایمانی غیرت' معرض خطر میں پڑ جاتی۔ مفتی صاحب کے فتویٰ میں ان کا 'جوش ایمانی' شاید اسی 'انتہا پسندی' کے استیصال کے خلاف ٹھٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ ذاکر حسین کی مؤثر اشتعال انگیزی کے اثرات ان کے فتویٰ پر واضح دکھائی دیتے ہیں۔ ہمیں مفتی صاحب کی 'وسعت علمی' پر ترس آتا ہے کہ موصوف کو 'اہل حدیثوں کے ایک انتہا پسند گروپ' کے متعلق جاننے کے لیے ذاکر حسین جیسے سائل کی جذباتی اپیل کا زیر بار احسان ہونا پڑا۔ 'محدث' اور جامعہ لاہور الاسلامیہ کو ایک دنیا جانتی ہے۔ اسے ایک 'انتہا پسند گروپ' کا نام دینا ایک انتہائی لغو جسارت، دریدہ دہنی اور حبش باطن کے انظار کی مذموم کاوش ہے۔

سائل نے اپنے سوال میں علمی اسلوب اختیار کرنے کی بجائے فرقہ وارانہ اور مسلکی اختلاف کی جذباتی فضا پیدا کر کے اپنا مطلوبہ جواب حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

ذاکر حسین نے اپنے سوال میں حقائق کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔ ماہنامہ 'رشد' کے جون کے شمارے میں صفحہ نمبر ۶۷۸ پر کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ یہ ادارہ "اب موجودہ قرآن کریم کے علاوہ مزید ۱۶ قاریوں کے اختلافات والے ۱۶ قرآنی مصاحف شائع کرے گا"۔ ذاکر حسین کا یہ جملہ تلبیس کوشی، اثر خانی اور دروغ بانی کی قابل نفرت مثال پیش کرتا ہے، یہ بات صریحاً جھوٹ پڑی اور بے بنیاد ہے۔ 'رشد' کے صفحہ ۶۷۸ پر جو کچھ شائع ہوا ہے اور اس کو جس انداز میں ان صاحب نے پیش کیا ہے، ان دونوں میں بُعد المشرقین ہے۔ یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ ذاکر حسین شائع شدہ مواد کو سمجھنے سے قاصر رہا ہے، کیونکہ اس میں کسی طرح کا بھی ابہام، اغلاق یا پیچیدگی نہیں ہے۔ جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مفہوم روز روشن کی طرح واضح ہے۔ ایک اوسط فہم کا مالک انسان بھی اسے بہت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اگر ذاکر حسین اس کو بالفرض نہ سمجھ سکا تو ایسے گیدی خر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی مفتی صاحب کے در علمی پر دستک دینا اور فتویٰ کی خیرات طلب کرتا پھرے۔ ایسے مجہول کا اصل مقام تو کسی آہن گری خراد ہو سکتی ہے، کسی دارالافتاء کا طواف اس سے بعید ہے۔

ذاکر حسین نے اپنے سوال میں وضاحتاً بتایا ہے "اگر ان ۲۰ مصاحف میں آپس میں اختلافات نہ ہوتے تو پھر ان کو علیحدہ علیحدہ مصاحف کی صورت میں چھاپنے کی ضرورت ہی کیوں آتی؟"۔ نجانے موصوف نے یہ سوال داغنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ آخر کس کافر نے انکار کیا ہے کہ یہ 'اختلافات' نہیں ہیں؟ جو اصل بات مفتی صاحب سے پوچھنے کی تھی وہ یہ تھی کہ یہ 'اختلافات' کس نوعیت کے ہیں اور ان 'اختلافات' کے قرآن مجید کے متن اور معانی پر کیونکر اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

ان سوالات کے سیر حاصل جوابات 'رشد' کے مضامین میں جا بجا پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اس رسالے کے صفحہ نمبر ۶۷۸

کے

کو معترض نے بھی ضرور ان کو دیکھا ہوگا۔ اُسے چاہیے تھا کہ اپنے سوال میں ان نکات کو بھی پیش کرتا۔ مگر وہ ایسا کیوں کرتا؟ جب ایک شخص شروع سے ہی بد نیت ہو، اُس سے ایسے انصاف کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے؟ اس نے مفتی صاحب سے سوال اس نیت سے تھوڑا پوچھا تھا کہ اسے اشراح صدر مطلوب تھا، وہ تو اس فتویٰ کو اپنی پراپیگنڈہ فیکٹری میں آتش گیر مادے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔

اس سوائے ظن کے متعدد قرآن پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اس سائل کے جنس باطن کو بھانپنا کوئی مشکل امر نہیں ہے یہ تو سرباز اس کی رسوائی کا تماشا پیش کر رہا ہے۔

سائل ذکر حسین (غلیل) سوال کے دوسرے حصے میں مورخ بن کر سامنے آئے ہیں۔ وہ مذکورہ اشاعت مصحف کو اس زمانہ کی نئی بدعت قرار دیتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کی تاریخ تو ایک طرف حتیٰ کہ ’دکسی غیر مسلم تک کو اس کی جرأت نہیں ہوئی۔ برصغیر میں اس غالی اہل حدیث گروپ نے یہ پہلی جرأت کی ہے۔‘ گویا موصوف کے خیال میں یہ غالی اہل حدیث ’اسلام دشمنی‘ میں غیر مسلموں سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کا جائزہ اور اس گروہ کی عدیم الظہیر جرأت کی نشاندہی کے بعد سائل نے مسلمانوں کے درمیان تشویش پھیلنے کے خطرات سے مفتی صاحب کو متنبہ کیا ہے۔ پھر انہوں نے مفتی صاحب کے خوابیدہ ضمیر پر تابر توڑ سوالات کے میزائل دانے ہیں۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا نہ پھر کبھی

والا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر سوال کی صورت میں اپنے اس خدشے کا اظہار کر کے بات ختم کی ہے کہ اب ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن کا دعویٰ ختم ہو گیا۔ پھر یہ ۴ یا ۲۰ قرآنی مصاحف کس لیے؟

کیا سائل ذکر حسین، جن کو ابھی تک ہم نے اپنے مفروضے اور ان کے دستخطوں کی وجہ سے ’سائل‘ بیان کیا ہے، نے اس زمانہ کی نئی بدعت اور غالی اہل حدیث گروپ کی پہلی جرأت کے متعلق جس طرح خدشات کا اظہار کیا ہے ان کی کوئی حقیقت بھی ہے؟ کیا یہ معاملہ مسلمانوں کے لیے واقعی قابل تشویش ہے؟ کیا یہ کوئی ایسی ’اسلام دشمن‘ حرکت ہے جس کی جرأت اب تک کسی غیر مسلم کو بھی نہ ہوئی تھی؟ کیا اس طرح کے مصاحف کی اشاعت واقعی کوئی پہلی جرأت یا پہلا اقدام ہے؟ کیا اس معاملے کا چار انجیلوں سے عقلی طور پر موازنہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا اس سے قرآن کریم کی عظمت میں واقعی کوئی کمی واقع ہو جائے گی؟ کیا ان مصاحف کی اشاعت کے بعد اصل قرآن کا پتہ لگانا مشکل ہو جائے گا؟ کیا ہم سائل کے اس خدشے میں شریک ہو سکتے ہیں کہ اب ایک قرآن کا دعویٰ ختم ہو گیا؟ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ یہ سارے سوالات کسی سنجیدہ ذہن کی علمی تحقیق کے نتائج ہیں یا پھر ایک شیطانی سوچ اور فساد ذہن کی خرافات ہیں جسے وہ تلمیس کوشی کے پردے میں مسلمانوں کی تشویش کا نام دے رہا ہے؟ ہم اس معاملے کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے بعد اپنے نتائج فکر بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

## فتویٰ

مفتی طاہر مکی صاحب نے ذکر حسین کے سوال کے جواب میں جو فتویٰ تحریر کیا ہے اور بعد میں افادہ عوام کے لئے اس کی تشہیر پر مال خرچ کیا ہے اس کا مکمل متن دو صفحات کے بعد اسی مضمون میں ملاحظہ کریں۔ (یا اس سے پچھلا مضمون دیکھیں جس میں سوال و جواب دونوں مکمل طور پر موجود ہیں۔)

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

## فتویٰ کے متن کا پوسٹ مارٹم

ہم نے 'نقد یا تنقید' کی بجائے شعوری طور پر 'پوسٹ مارٹم' (جراحی پس از مرگ) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ایک مردہ لاش کی توہین کے لیے یا تو اس پر کوڑے برسائے جاتے ہیں اور یا پھر 'پوسٹ مارٹم' کے ذریعے اس کا تپا پانچ کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک زیر نظر 'فتویٰ' ایک 'مردہ لاش' سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ مفتی محمد طاہر صاحب اپنے قلم معجزہ رٹم سے اس میں زندگی ڈالنے کی کوشش تو کرتے رہے ہیں مگر اس تحریر میں جان نہیں ڈال سکے۔ جب ان کی 'میساجی' کارگر نہ ہوئی تو انہوں نے اس 'مردہ لاش' کو بے گور و کفن چھوڑ کر فرار ہونے میں عافیت سمجھی۔ سائل ڈاکر حسین بے چارے کو محض یہ کہہ کر ٹرٹھا گئے کہ "ہمارا جواب وہی ہے جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے امداد الفتاویٰ کی پہلی جلد میں ہے۔"

اگر ڈاکر حسین کوئی افسانوی کردار نہیں ہے تو مفتی صاحب سے اتنا تو دریافت کر سکتا تھا۔ "قبلہ! اگر اس سوال کا آپ نے یہی جواب دینا تھا تو خواہ مخواہ طولانی تمہید باندھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" مفتی صاحب نے اپنے نام نہاد فتویٰ کے آغاز میں جس انداز میں مسئلہ مذکورہ کے تاریخی ارتقاء پر مضمون نگاری شروع کی تھی اس سے ہمیں بجا طور پر توقع تھی کہ وہ 'غالی گروپ' کی 'مگر ایسی' ثابت کرنے کے لیے قرآن و سنت اور آثار سے حوالہ جات کے انبار لگا دیں گے اور پھر آخر میں نہایت حکیمانہ اور مفتیانہ اسلوب میں سائل کے لیے بالخصوص اور دیگر عوام کا لانعام کی ہدایت کے لیے بالعموم انتہائی موثر اور نتیجہ خیز جواب تحریر فرمائیں گے۔ مگر

اے بسا آرزوئے کہ خاک شد

سچی بات یہ ہے کہ قبلہ مفتی صاحب کا 'الجواب' آخر تک پڑھ چکنے کے بعد بھی ہم اصل 'فتویٰ' کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ہم نے بہت سے مفتیان کرام کے فتویٰ جات کا بلاستیعاب مطالعہ کیا ہے مگر ایسا 'نادرہ روزگار' فتویٰ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ 'علم و دانش' کے کسی ایسے ہی 'جوہر پارے' کی تفہیم سے عاجز آ کر شاید غالب جیسے نکتہ دان کو کہنا پڑا۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے

ناطقہ سربہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

ہماری مندرجہ بالا گفتگو خاطر ہی سے اگر کوئی صاحب یہ نتیجہ نکال رہے ہیں کہ مفتی صاحب نے حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کر کے اپنی پیدائشی نالائقی کا ثبوت دیا ہے تو ہم ان صاحب کی خدمت میں یہی عرض کریں گے کہ وہ مفتی صاحب کے متعلق قائم کئے جانے والے اس سوئے ظن سے توبہ کر لیں۔ مفتی صاحب نے حضرت تھانوی کے فتویٰ کے پیچھے پناہ لے کر اپنے تئیں بڑی 'حکیمانہ' (شطرانہ) چال چلی ہے۔ انہیں خدشہ تھا کہ ان کی ذاتی رائے کو شاید قبولیت عام نہ ملے اور بہت سارے علماء کسی پیشہ وارانہ رقابت یا معاصرانہ چشمک کی وجہ سے ان کی رائے کو درخور اعتنائہ سمجھیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی رائے کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے گریز کی حکمت عملی اپنائی۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کم از کم اہل دیوبند میں سے تو کوئی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے اختلاف کی جسارت کر کے اپنی جگہ ہنسائی اور تحقیر کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ ان کی عزت و منزلت بلاشبہ اس

سپیک



حلقے میں ایسی ہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دیوبند کے مدرسے نے ان سے بڑا عالم دین پیدا نہیں کیا مگر مفتی طاہر صاحب کے شاطرا نہ ذہن نے انہیں خود فریبی میں مبتلا کیا۔ یہ ضرور ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور فتاویٰ کا لوگ احترام کرتے ہیں مگر کیا لوگوں نے اپنے ذہنوں کو تالا لگا رکھا ہے؟ کیا وہ یہ بھی نہیں دیکھیں گے کہ مفتی محمد طاہر نے تھانوی صاحب کے فتویٰ کو جس تناظر میں بیان کیا ہے کیا واقعی اس مخصوص صورت حال میں اس کا اطلاق اور انطباق درست ہے؟

نام نہاد سائل ذاکر حسین کے 'سوال' کا علامہ مفتی محمد طاہر کی مدظلہ تعالیٰ نے کیا جواب عنایت فرمایا بلکہ اس معاملے میں اپنا 'فتویٰ' کیا صادر فرمایا، اس کو انہی کے الفاظ میں ہم ضرور بیان کریں گے۔ مفتی صاحب قبلہ نے اس سوال اور فتویٰ کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی ہے تاکہ اہل پاکستان کو اس 'نئی بدعت' اور اہل حدیثوں کے ایک عالی گروپ کو اس 'پہلی جرات' سے باز رکھنے کی 'نیک جدوجہد' کو عملی شکل دی جاسکے۔ اس فتویٰ سے پہلے ماہنامہ 'رشد' کے اس حصے کو دیکھنا ضروری ہے جس میں مذکورہ مصاحف کی 'مبیہ اشاعت' کا فخریہ اعلان کیا گیا ہے۔ اگرچہ سائل ذاکر حسین کا فرض تھا کہ وہ ان 'قابل اعتراض' سطور کو بھی اپنے 'علمی سوال' کا حصہ بناتا مگر معلوم ہوتا ہے وہ فتویٰ کے حصول کے لیے سوال نویسی کی 'مطلوبہ استعداد' بہم نہیں پہنچا سکا۔ اس ضمن میں قبلہ مفتی صاحب 'شکریہ' کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کمال محنت سے سوال و جواب کے ساتھ ماہنامہ 'رشد' کا صفحہ نمبر ۶۷۸ بھی 'استفادہ عوام' کے لیے چھاپ دیا ہے جو اس فتویٰ کے اجراء کا باعث حقیقی ہے۔

ماہنامہ 'رشد' کا مذکورہ صفحہ ۶۷۸ حسب ذیل ہے:

## ''جمع کتابی کے سلسلہ میں کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ اور دیگر اداروں کی خدمات

### کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ:

'کلیۃ القرآن'، جامعہ لاہور الاسلامیہ نے جہاں خدمتِ قرآن کے بہت سے سلسلے شروع کر رکھے ہیں، وہاں جمع کتابی کے سلسلہ میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا اور اس میں وہ کام کیا ہے کہ جو تاریخِ اسلام میں اپنی نوعیت اور جامعیت کے اعتبار سے یگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ وہ یہ کہ قراءت قرآنیہ عشرہ متواترہ، جو کہ کلیات اور مدارس میں صدیوں سے پڑھائی جا رہی ہیں اور جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ قواعد و ضوابط اور پڑھنے کے انداز تو کتب قراءت میں موجود ہیں، لیکن باقاعدہ مصاحف کی شکل میں موجود نہیں ہیں، کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور کے فضلاء میں سے تقریباً بارہ محقق اساتذہ نے محنت شاقہ فرما کر تین سال کے عرصہ میں وہ تمام غیر متداولہ قراءت میں سولہ مصاحف تیار کر لیے ہیں اور جیسا کہ راقم نے پہلے عرض کیا ہے کہ یہ کام اپنی نوعیت اور جامعیت کے حوالے سے تاریخِ اسلامی کا پہلا کام ہے۔ یہ کام کویت کے عالمی ادارہ حامل المسک الإسلامیة کی سربراہ تنظیم لجنة الزکاة للشامیة والشویخ کے ایما کیا گیا ہے، جس کی مراجعت کے لیے مذکورہ تنظیم کے ذمہ داران کا لجنة مراجعة المصاحف، مصر سے تعاقب ہے اور آج کل یہ مشروع اسی ادارہ کے زیر اہتمام تنفیذی مراحل میں ہے۔

ان مصاحف کی تیاری میں مجمع الملک فہد کی طرف سے شائع کردہ روایت حفص کے مصحف کو اساس بنایا گیا ہے اور قراءت عشرہ کے متعدد اختلافات کے مطابق علم رسم، علم ضبط اور علم الفواصل کی فنی تفصیلات کا لحاظ

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

کرتے ہوئے رسم مصحف میں تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔ ذیل میں ہم متعدد علوم سے متعلق ان کتب کی ایک فہرست ذکر کرتے ہیں، جن کی روشنی میں اس سارے علمی کوسر انجام دیا گیا۔

ہم کاوش بسیار کے باوجود سائل ذکر حسین کی اس خبر کہ ”اب موجودہ قرآن کے علاوہ مزید ۱۶ قاریوں کے اختلاف والے ۱۶ قرآنی مصاحف وہ (یعنی انتہا پسند گروپ) شائع کر دے گا“ کو تلاش نہیں کر پائے ہیں۔ اس کے برعکس مذکور بالا تخریر میں تو واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ کام کویت کے ایک ادارے کے ’ایما پر کیا گیا ہے‘ اور پھر یہ سطر بھی دیکھئے (ممکن ہے کوئی شپہرہ چشم اس کو نہ دیکھ سکے) ”آج کل یہ مشروع (یعنی مصحف) اس ادارہ (کویتی) کے زیر اہتمام تفسیذی مراحل میں ہے۔“ کیا ان سطور کی موجودگی میں یہ گمراہ کن نتیجہ نکالنے کی کوئی گنجائش یا عقلی دلیل باقی رہ جاتی ہے کہ ان مصاحف کی اشاعت کا کام اہل حدیثوں کا کوئی پاکستانی گروہ خود کرنا چاہتا ہے؟ پھر سائل نے ’مجمع الملک فہد‘ کا حوالہ بھی یکسر نظر انداز کر دیا۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ اسکے اصلی محرکات پر بھی ہم بات کریں گے۔ ان شاء اللہ

اب ہم آتے ہیں مفتی محمد طاہر مکی صاحب کے ’فتویٰ‘ کی طرف۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم قبلہ مفتی صاحب کے ’فتویٰ‘ سے کچھ مطلب کی سطور نکال کر یہاں نقل کر دیں، ان کے سیاق و سباق کو بیان نہ کریں اور مفصل ’فتویٰ‘ کو بطور ضمیمہ اس مضمون کے آخر میں درج کر دیں۔ اصولاً ایسا ہی کرنا چاہئے بصورت دیگر مضمون کا توازن قائم نہیں رہ سکتا اور خواخواہ بے جا طوالت کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں ہم اس معاملے کی نزاکت کے پیش نظر مفتی صاحب کے فتویٰ کو ہو بہو نقل کر کے اس پر اپنی ناقدانہ رائے پیش کریں گے تاکہ ہم پر یہ الزام عائد نہ کیا جاسکے کہ ہم نے ان کے موقف کو مسخ شدہ حالت میں منتخب کر کے پیش کیا ہے۔ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

## الجواب بعون الله الذي أنزل الكتاب

الحمد لله الذي أنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجاً. وقال: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ [البقرة: ۲]، ﴿فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ كَانَ وَّادِعِينَ﴾ [الطور: ۳۳]، ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ [النساء: ۸۲] أما بعد .

جیسا کہ سائل نے سوال میں اس حقیقت کا اظہار کر دیا ہے کہ اختلاف قراءت پر مبنی قرآنی مصاحف شائع کرنے کی جرأت خلافت راشدہ سے اموی خلافت، عباسی خلافت، عثمانی (ترکی) خلافت تک، حتیٰ کہ شیعہ مملکت ایران تک میں نہ شاہ کے زمانہ میں، نہ خمینی انقلاب کے بعد بھی، کسی نے نہیں کی۔ غرض اختلاف قراءت کو متن قرآن میں داخل کر کے مصحف کی شکل میں شائع کرنے کی کسی نے جرأت نہیں کی۔

پہلی مرتبہ یہ حرکت مشہور مستشرق جعفری نے بیسویں صدی میں کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھی متن قرآن میں نہیں بلکہ قرآن کریم کے حاشیہ پر اختلاف قراءت درج کر کے شائع کرنے کا پروگرام بنایا تھا، مگر اس میں بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جنگ عظیم میں بمباری کے دوران اس کے سارے کام کو تباہ کر دیا۔

حیرت ہے اب اسلام کے کچھ نادان دوست اس کام کی جرأت کریں جس کی جرأت غیر مسلم تک نہ کر سکے۔ ان نادان دوستوں کی پشت پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا دماغ کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ خلافت راشدہ سے خلافت عثمانی

(ترکی) تک کے اجماع امت کے خلاف ان سے اس بدعت کی جرأت کرائے جو درحقیقت قرآن دشمنی پر منتج ہوتی ہے کہ اس طرح دوسروں کو بھی اس کا موقع فراہم ہو جائے گا کہ وہ قرآن کریم کو متنازعہ بنانے، اور چار انجیلوں کی طرح قرار دینے کے اپنے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

سب کو معلوم ہے کہ غیر عرب مسلمانوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہونے کی وجہ سے (جو عربی نہیں جانتے تھے) ان کی سہولت کے لیے خلیفہ راشد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی خلافت میں بصرہ کے گورنر زیاد کی نگرانی میں ابو الاسود الدؤلی نے قرآن کریم پر اعراب (زیر، زبر، پیش) لگائے تھے۔ پھر خلافت عبدالملک اور خلافت ولید میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کی نگرانی میں اسی ابو الاسود الدؤلی کے دو شاگردوں یحییٰ بن یحیر اور نصر بن عاصم نے اعراب لگانے کی محتویات کو انتہا تک پہنچا دیا اور تمام اموی خلافت میں دار الخلافہ دمشق سے افریقہ کے الجزائر و مراکش اور یورپ کے ہسپانیہ تک اور ادھر عراق و ایران سے بخارا و سندھ تک، تیسری طرف حرمین شریفین اور نجد و یمن تک، چوتھی طرف ترکی، آرمینیا اور کوہ قاف کی انتہاؤں تک، تمام خلافت بنو امیہ میں اعراب والا یہی ایک قرآن کریم رائج ہوا۔ ان کے بعد سلیمان کی خلافت آئی جس کے مشیر اعظم حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ تھے۔ پھر اس کے بعد خود عمر بن عبدالعزیزؓ کی اپنی خلافت میں بھی یہی حجاج کی نگرانی میں لگائے گئے اعراب (زیر، زبر، پیش) والا مصحف (قرآن کریم) رائج رہا۔ ابھی کسی کو اعتراض کرنے کی یا اس کے برخلاف اختلافی قراءت والا مصحف پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

۱۰

اس کے بعد عباسی دور میں بھی پورے عالم اسلام میں یہی اعراب والا مصحف رائج رہا۔ پھر خلافت عثمانیہ (ترکی) میں یہی رائج رہا۔ غرض جب تک مسلمانوں کا خلافت کی صورت میں اجتماعی شیرازہ برقرار رہا۔ تمام امت کا اسی مصحف پر اجماع رہا۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی، صحابہ کرام کی، خلافت سے چل کر ان کے بعد خلافت عبدالملک، خلافت ولید، خلافت سلیمان و خلافت عمر بن عبدالعزیزؓ کی، تابعی خلافت سے ہوتے ہوئے آج تک یکساں اعراب والا یہی قرآن کریم باجماع و تواتر ہر خلافت اسلامی میں جاری رہا اور تراویح میں پڑھا اور سنایا جاتا رہا۔ ہاں خلافت کے خاتمہ کے بعد اسلام کے دشمنوں کو قرآن کریم کی عظمت کے خلاف طرح طرح کے پلان بنا کر کامیاب ہونے کی توقع ہوئی جس کی تاریخی طور پر پہلی معلوم کوشش مستشرق آرتھر جفرے کی تھی جو قرآن کریم کے حاشیہ پر اختلاف قراءت پیش کر کے حفاظت قرآن کے متعلق مسلمانوں کے گہرے ایمان کو متزلزل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آئندہ مسلمان مسیحیوں سے یہ سوال نہ کر سکیں کہ اگر انجیلیں چار ہیں تو پھر ان میں حضرت مسیحؑ کی اصلی انجیل کون سی ہے؟ جفری اور اس کے اندھے مقلدین کی کوششیں اگر کامیاب ہو جائیں تو پھر اس سوال پر مسیحی پلٹ کر خود مسلمانوں سے سوال کر سکیں گے کہ جناب آپ کے چار + سولہ = بیس قرآنوں میں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اصلی قرآن کون سا ہے؟ جب مسلمان اس کا جواب دے دیں گے تو پھر ہم مسیحی چار انجیلوں میں سے مسیحؑ کی اصلی انجیل کا جواب بھی دے دیں گے۔

افسوس ان تکلیف دہ سازشوں کو سمجھنے کی صلاحیت اور بصیرت سے محروم نادان دوست خود ہی ان کے جال میں پھنس گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو غافل نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے کام میں تعاون کر کے سعادت عظمیٰ میں شریک ہوں

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

﴿إِنْ تَصْرُوا لِلَّهِ يُنْصِرْكُمْ﴾ [محمد: ۷] لیکن اگر کوئی بدقسمت محروم رہنا چاہتا ہے تو ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ [محمد: ۳۸] کا مظاہرہ ہوتا ہے اور بغیر کسی کی مدد کے اللہ اپنا کام کر کے دکھاتا ہے۔

آرتھر جفرے نے یہ سازش کر رہا تھا مگر اللہ کی بے آواز لاشی نے دوسری جنگ عظیم میں دوطرفہ بمباری کی زد میں لا کر جفرے کے کیے گئے تمام کام کو، اور اس عمارت کو، جس میں یہ کام ہو رہا تھا، بکمل تباہ کر دیا۔

ہاتھی والوں سے بیت اللہ (کعبہ) کو بچانے کے خدائی مجزہ کی طرح کلام اللہ (قرآن کریم) کو اس کے دشمنوں سے بچانے کے لیے یہ تازہ ترین مجزہ تھا: ﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [یوسف: ۲۱] ﴿فَاتَّهَمُوا الْعَذَابَ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۚ فَاذْقَاهُمُ اللَّهُ الْغُزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِعَذَابِ الْأُخْرَىٰ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر: ۲۵، ۲۶]

ان مختصر تمہیدی جملوں کے بعد سائل کے لیے ہمارا جواب وہی ہے جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے امداد الفتاویٰ (دارالعلوم کراچی ایڈیشن) کی پہلی جلد میں ہے کہ مصاحف کی شکل میں اختلاف قراءت کو شائع کرنا تو درکنار عوام کے سامنے اختلاف قراءت پر مبنی تلاوت کرنے سے منع کرنا بھی واجب ہے۔“

ہمیں یہ اعتراف کرتے ہوئے کوئی باک نہیں ہے کہ قبلہ مفتی محمد طاہر کی صاحب سے ہمارا پہلا تعارف اس ’فتویٰ‘ (اگر اسے فتویٰ کہا جاسکتا ہے) کی صورت میں ہوا ہے۔ ان کے علم و فضل کی کیفیت کیا ہے اور ان کے علمی مشاغل کیا ہیں اور انہیں کس قدر ’سورخ فی الدین‘ حاصل ہے، اس کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہے۔ البتہ انہوں نے معاملہ زیر بحث کے متعلق جو ’فتویٰ‘ صادر فرمایا ہے اس کو پڑھ کر نہ صرف ان کی شخصیت کا کوئی اچھا تاثر نہیں ملا بلکہ ہمیں ان کے اس اقدام پر شدید افسوس ہوا ہے۔ انہوں نے ’پاکستان میں اختلاف قراءت والے قرآنی مصاحف کی اشاعت‘ کے عنوان سے جو کتابچہ بشمول فتویٰ شائع کیا ہے، اس پر ان کا تعارف کچھ اس طرح درج ہے:

”علامہ مفتی محمد طاہر کی۔ صدر قرآنی مرکز دارالموطا، کراچی“

ہمیں ان کے نام کے ساتھ یہ ’علامہ‘ اور ’مفتی‘ کے الفاظ محض تشبیری سابقوں سے زیادہ معلوم نہیں ہوتے اور پھر ’کتی‘ کا لاحقہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں بھی شاید حصول تعلیم کے لیے گئے ہوں گے۔ یہ فتویٰ تحریر کر کے ہم سمجھتے ہیں انہوں نے ان سارے سابقوں اور لاحقوں کی مٹی پلیدی کی ہے۔ ہمیں معلوم ہے قبلہ محمد طاہر صاحب ہماری اس ’جسارت‘ کو شخصی توہین قرار دیں گے اور یہ بات ان کے ’قلب اقدس‘ پر ناگوار گزرے گی۔ مگر جس درجہ میں وہ ’علامہ‘ اور ’مفتی‘ کے اعلیٰ مناصب کی اہانت کے مرتکب ہوئے ہیں، ہمارے الفاظ اس کا عشر شیشیر بھی نہیں ہیں۔ ان پر تنقید ایک ناخوشگوار فریضے کی تکمیل سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

## پردہ نشین غلیل

ہم نے ذاکر حسین مذکور کے ’سوال‘ اور مفتی صاحب کے ’الجواب‘ (فتویٰ) کے مندرجات کو سمجھنے میں کافی دماغ سوزی کی ہے۔ ان دونوں دستاویزات کے اسلوب نگارش، انتخاب الفاظ، جملوں کی دروست، سوالات اور جوابات کی یکسانیت اور پھر اس فتویٰ کے آخر میں پیش کی گئی ’خوش خبری‘ پر جس قدر زیادہ غور و فکر کیا، اتنا ہی ہمارا یہ شک کہ سوال اور جواب ایک ہی شخص کے تحریر کردہ ہیں، پک میں بدلتا گیا۔ ہمارے وجدان کی پہلی صدا جو شروع میں صدا کے جس

سے زیادہ نہ تھی بالاخر پیہم شعور میں بدلتی چلی گئی۔

اگر قارئین نے ہمارے اس مضمون کے شروع کے پیراجات میں ذاکر حسین کے ساتھ 'غلیل' اور 'نام نہاد' کے الفاظ پر ذرا بھی غور کیا ہو، تو وہ ہماری اس الجھن، اضطراب اور تشکیک کا اندازہ ضرور کر چکے ہوں گے۔ اس مضمون کو لکھنے کے دوران تدریجی طور پر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ سوال بھی قبلہ مفتی صاحب کے 'ذہن رسا' کی تخلیق ہے اور پھر 'الجواب' کے مصنف تو وہ بہر حال ہیں ہی۔ مفتی صاحب کو 'ذاکر حسین' کی بیساکھیاں کیوں استعمال کرنی پڑیں، مناسب ہوگا کہ ہم اس پر اپنا تجزیہ آخر میں پیش کریں۔ پردہ نشینوں کے چہرے سے نقاب اٹھنا بھی ضروری ہے۔

### مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کو پیش کرنے کی اغراض

ہم بڑی دیانتداری سے محسوس کرتے ہیں کہ مفتی محمد طاہر صاحب نے حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کو اپنے فساد انگیز خیالات کی تائید کے طور پر استعمال کر کے عقلی بددیانتی اور ایک بڑے عالم دین کے فتویٰ کا اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ مفتی طاہر صاحب نے اپنے نام نہاد فتویٰ کے ساتھ 'امداد الفتاویٰ' سے حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کا عکس بھی نتھی کر دیا جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ فتویٰ جیسا کہ ہم دیکھیں گے، خاص احوال اور عوام میں ممکنہ فتنہ و فساد کے خدشہ سے مشروط ہے۔ ہم بڑے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مفتی طاہر صاحب نے اہل حدیث کے ایک گروہ کی طرف سے ۱۶ مصاحف کی اشاعت کے مہینہ پروگرام پر جو واویلا مچایا ہے، اس میں یہ دونوں شرائط معدوم ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، مذکورہ مصاحف کی اشاعت (اگر ہوگی تو) کویت یا سعودی عرب میں ہوگی۔ پاکستان کے عوام میں اس کی وجہ سے کسی فتنہ کا پھیلنا دریں حالات موجودہ بعید از قیاس ہے۔ سعودی عرب، لیبیا، مراکش اور کویت وغیرہ میں روایت و رش، قالون اور دوری میں پہلے ہی مصاحف شائع ہو چکے ہیں اور ان کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں میں کسی فتنہ کے پھیلنے کی اطلاع نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے ممدوح قبلہ مفتی صاحب کو اس کی اطلاع ہے ورنہ وہ اس کی نشاندہی ضرور کرتے۔ خیر ان کو تو شاید مذکورہ مصاحف کی اشاعت کی بھی خبر نہیں ہے، کیونکہ موصوف کی تحقیق کا خصوصی مرکز بلکہ تختہ مشق پاکستان کے اہل حدیثوں کا ایک عالی گروہ ہے۔ حضرت کسی دوسری طرف نگاہ التفات کرنا اپنی مفتیانہ شان سے فروتر خیال فرماتے ہیں۔ ان کی نگاہ حکمت تو ماہنامہ 'رُشد' کے صفحہ ۶۷۸ پر ہی لگی رہی اور کسی تجاہل عارفانہ کے زیر اثر وہ اس رسالہ کے وہ صفحات دیکھنے سے عاجز و قاصر رہے جن پر لیبیا، سعودی عرب، مراکش وغیرہ میں روایت حفص کے علاوہ دیگر روایات قراءت میں شائع شدہ مصاحف کے عکس دیئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ 'رُشد' کے ذمہ داروں کو کسی مفتی محمد طاہر کی طرف سے ایسے بے بنیاد اعتراضات اور منفی پراپیگنڈہ کا پہلے ہی خدشہ تھا، اسی لیے انہوں نے اتمام حجت کے لیے ان مصاحف کے پہلے صفحات کے عکس بھی شائع کر دیئے۔ [دیکھئے مضمون، قراءات متداولہ کا مختصر تعارف از حافظ محمد مصطفیٰ راج، ماہنامہ رشد، قراءات نمبر حصہ اول] مگر فتنہ پسند نگاہیں مقام فتنہ پر ہی مرکز رہنے کی عادی ہوتی ہیں۔ اس نفسیاتی بیماری کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔

بے حد ضروری ہے کہ ہم قارئین کے سامنے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ مع سوال نقل کر دیں۔

## سوال:

”بعض مقامات میں سب سے قراءۃ کا چرچا حد سے تجاوز کر چلا ہے۔ بعض حفاظ لڑکوں اور جاہلوں کو مختلف روایتیں یاد کرا کے پڑھاتے اور بڑھواتے ہیں اور اُس کو صریحاً بغرض پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے جس سے سوا عمود کے کوئی نفع نہیں۔ کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس زمانہ پر آشوب میں یہ خوف نہیں ہے کہ جہاں و مٹانفین اسلام ان اختلافات کو سن کر مشوش ہوں گے اور خوف فتنہ نہیں ہے؟ چنانچہ بعض حفاظ نے تو ایک رکعت میں روایت حفص بڑھی، دوسری رکعت میں روایت قالون، کسی نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ تم نہیں جانتے۔ ایسی صورتیں اچھی معلوم نہیں ہوتیں۔ کیا یہ فعل قابل روکنے کے نہیں ہے۔ براہ نوازش اگر قابل ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا تفصیل سے الامداد میں طبع ہو جائے تو بہتر ہے میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو بلکہ زور دیا جائے کہ تجوید کا نام قراءت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی پڑھا لکھا آدمی، حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو وسیع پڑھائی جائے۔ سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جائے اور قراءت جاننے والوں کو چاہئے کہ ہر کس و ناکس کو سوائے روایت حفص اور تجوید کے کچھ نہ پڑھایا کریں۔“

## الجواب

”قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدَاً بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الانعام: ۱۰۸] فی تفسیر بیان القرآن۔ اس سے قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح (بلکہ مستحب بھی ۱۲ منہ) جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔..... الخ (وہذا المبحث کله صالح لأن یلاحظ فیہ ۱۲) وروی البخاری عن علی قال: حدثوا الناس بما یعرفون أتحبون أن یکذب الله ورسوله. فی حقیقۃ الطریقۃ.

[صحیح البخاری: ۱۱۲]

بعضے بیباک عوام کے سامنے بے تکلف و قائل بیان کر بیٹھتے ہیں بعضے عوام اُن کی تکذیب کرتے ہیں اور بعضے تو اعد مشرورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں سو ہر حال میں اللہ ورسول کی تکذیب کا تحقق ہوا۔ والثانی اشد من الاول۔ اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔

وروی مسلم عن ابن مسعود أنه قال: ”ما أنت بمحدث قوما لا تبلغه عقولهم إلا کان لبعضهم فتنۃ. فی حقیقۃ الطریقۃ. [صحیح مسلم: ۱۴]

اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ص ۸۲  
وفي رد المحتار تحت مسألة كراهة تعيين السورة في الصلوة من الدر المختار ما نصه:  
”حاصل كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة في المداومة وهو أنه إن رأى ذلك وحتما يكره من حيث تغيير المشروع وإلا يكره من حيث إيهام الجاهل.“ [ج ۱ ص ۵۶۸]

آیت حدیث اور فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام و جہول میں مفسدہ و فتنہ اعتقاد یا باعملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو اُس کا ترک خواص پر واجب ہے۔ باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے سوال میں بعض حالات میں جو فتنہ سب سے پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے وہ مشاہدہ ہے پس فتویٰ شرعی ہوگا۔ کہ خاص اُن احوال میں سب سے استعمال ممنوع ہوگا اور اگر اس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علم و دعوائے کمال و ریاء و تصنع و تفاخر ہو تو یہ فتنہ اس کے لیے مزید برآں ہے لہذا اس باب میں جو مشورہ سوال میں مذکور ہے۔ واجب الاتباع ہے۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامہ: ۴۱)۔“

مفتی محمد طاہر صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو فتویٰ اپنے الجواب میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے: ”مصاحف کی شکل میں اختلاف قراءت کو شائع کرنا تو درکنار عوام کے سامنے اختلاف قراءت تلاوت کرنے سے منع کرنا بھی واجب ہے۔“

## علمی بددیانتی

نہیں معلوم وہ یہ الفاظ مصاحف کی شکل میں اختلاف قراءت کو شائع کرنا تو درکنار کہاں سے ڈھونڈ لائے ہیں۔ یہ الفاظ ان کے اپنے ہیں۔ ان کا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ مفتی صاحب نے ان الفاظ کو اپنی تحریر میں اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا یہ تھانوی صاحب نے ارشاد فرمائے ہیں۔ یہی بات ہے جسے بدترین تلبیس کوشی اور عقلی بددیانتی کا نام دیا جاتا ہے، کسی عالم دین کو یہ روا نہیں ہے کہ وہ اپنی بات کو کسی اور عالم دین کی بات بنا کر پیش کرے۔ اسے آپ روایت بالمعنی کے پردے میں بھی چھپا نہیں سکتے۔ مفتی صاحب کے سامنے ’مداد الفتاویٰ‘ کی پہلی جلد تھی۔ انہیں چاہئے تھا کہ وہ روایت باللفظ کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت تھانوی صاحب کے الفاظ کو ہی درج کر دیتے۔

مولانا تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں ایک اہم شرط یہ بھی موجود ہے کہ قاری کی نیت بھی اظہارِ علم و دعویٰ کمال و ریا و تصنع و تفاخر ہو، تو اس صورت میں قرأت سبچہ کا استعمال منع ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جو سوال پیش کیا گیا اور اس میں جو مشاہداتی احوال بیان کئے گئے تھے وہ اس سائل اور بیان کردہ صورت حال سے خاص تھے۔ ہمارے مشاہدات اور احوال اگر سائل مذکورہ کے مشاہدات و احوال سے قطعی طور پر مختلف ہیں، تو پھر اس فتویٰ کی اطلاقی صورت بھی وہ قائم نہیں رہے گی۔ یہ ایک اصولی بات ہے جس کی ہر سلیم الفطرت اور صاحب عقل شخص تائید کرے گا۔ مثلاً راقم الحروف بڑے وثوق سے بیان کر سکتا ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں نماز تراویح کے دوران اُسے ماہر قراء کی طرف سے مختلف قراءتوں (ورش، حفص وغیرہ) میں قرآن مجید سننے کا موقع میسر آیا ہے۔ یہ سب کچھ نہایت سنجیدہ مذہبی ماحول اور خشوع اور خضوع کے ماحول میں کیا گیا۔ کسی بھی لمبے راقم کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سے مقتدیوں میں کوئی فتنہ برپا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ حاضرین میں سے بھی کسی نے اس بات کی نشاندہی نہیں کی۔ قراء حضرات کی طرف سے دعوائے کمال اور اظہارِ تصنع کا معاملہ بھی قابل مشاہدہ نہ تھا۔ فتنہ کے عدم حدوث کے احوال مترتب تھے۔ عوام میں کوئی مفسدہ اور فتنہ اعتقاد یہ رونما ہوا نہ کسی نے اس کا خدشہ محسوس کیا۔ مفتی صاحب اپنی مخصوص بنی بنائی ذہنی فضا سے باہر جھانک کر ذرا ارشاد تو فرمائیے کہ ایسی صورت حال میں مولانا تھانوی صاحب کا فتویٰ قراءت سبچہ کا کیونکر مانع ہوا؟ ہمیں یقین ہے کہ ان حالات میں اگر حضرت تھانوی صاحب سے استفسار کیا جاتا تو وہ اس کی قطعاً ممانعت نہ فرماتے۔

’مصاحف کی شکل میں اختلاف قراءت کو شائع کرنا‘ تو سبچہ کی تلاوت سے بھی زیادہ سہل ہوا۔ اگر یہ مصاحف کویت یا سعودی عرب میں شائع ہو جاتے ہیں تو پاکستان میں اس کے پڑھنے والے نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔ قراءت سبچہ کی تلاوت سننے والے پھر بھی لاکھوں نہیں تو ہزاروں تو ضرور ہوں گے، مگر شائع کردہ اختلاف قراءت کو صرف وہی صاحبان دیکھنا چاہیں گے جو قراءت کے فن کی بارکیوں اور سبچہ احرف کے دلائل اور تفصیلات سے واقف ہوں گے۔ اب بھی پاکستان میں کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جن کے پاس سعودی عرب کی طرف سے شائع کردہ

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

اختلاف قراءات پر مبنی قرآن مجید موجود ہیں۔ مگر وہ فتنہ موہوم جو ہمارے مدوح کے دماغ کو قلبلا رہا ہے اور قلب کو بر مار رہا ہے، اس کا وجود ابھی تک تو معدوم ہے۔ شاید مفتی صاحب کی کاوش اس کے ظہور کا باعث بن جائیں، اس کے متعلق حتمی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ کیا مفتی صاحب اتنے بے توفیق ہو گئے ہیں کہ اس طرح کی معمولی باتیں بھی سمجھنے کے لیے انہیں دوسروں کی معاونت درکار ہے؟ اگر معاملہ یہی ہے تو ہمارا انہیں مخلصانہ مشورہ ذرا مبتذل آب ہی یہی ہے۔ بقول شاعر:

تم کو آشفته مزاجوں کی خبر سے کیا کام  
تم سنورا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

### نادان دوستوں کی جرأت..... ایں چو بالعجیبی است

مفتی محمد طاہر کی صاحب کے 'لجواب' کا وہ حصہ جس نے ہمیں شدید ذہنی اذیت اور روحانی کرب میں مبتلا کیا ہے اُسے ہم دوبارہ نقل کرتے ہیں، یہ الفاظ نہیں، کسی نکلی تلوار کی کاٹ ہے جو اعضاء و جوارح میں پیوست ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ ان کے قلم سے نکلے ہوئے محض چند جملے نہیں بلکہ انگارے ہیں جو کسی کے پیکر ایمان کو خاکستر بنا کے رکھ سکتے ہیں۔ ذرا دیکھئے تو سہی، ان مفتی صاحب نے کیا لکھا ہے:

”حیرت ہے اب اسلام کے کچھ نادان دوست اس کام کی جرأت کریں جس کی جرأت غیر مسلم تک نہ کر سکے۔ ان نادان دوستوں کی پشت پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا دماغ کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ خلافت راشدہ سے خلافت عثمانی (ترکی) تک کے اجماع امت کے خلاف ان سے اس بدعت کی جرأت کرائے جو درحقیقت قرآن دشمنی پر مبنی ہوتی ہے کہ اس طرح دوسروں کو بھی اس کا موقع فراہم ہو جائے گا کہ وہ قرآن کریم کو متنازعہ بنانے، اور چار انجیلوں کی طرح قرار دینے کے اپنے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔“

ہمیں حیرت ہے کہ کوئی مفتی شرع متین یہ تکفیری جملے بقیانم ہوش و حواس کیونکر لکھ سکتا ہے؟ ان جملوں کا سیدھے سبھاؤ مطلب یہی نکلتا ہے کہ اس 'نئی بدعت' کے مرتکب 'نادان دوست' اب دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ اب انہیں اپنے اسلام کی تجدید کی ضرورت ہے۔

کسی بھی 'بدعت' کا مرتکب جو درحقیقت قرآن دشمنی پر مبنی ہوتی ہو، دائرہ اسلام میں شامل کیسے رہ سکتا ہے؟ ایسے شخص کا 'ارتداد ثابت ہو گیا۔ (استغفر اللہ!)

اس 'ثبوت' کی تصدیق کا منطقی نتیجہ؟..... 'شخص مذکور واجب القتل ہے؟'

لا حول ولا قوة إلا بالله . إنا لله وإنا إليه راجعون .

ہمیں حیرت ہے کہ اس نام نہاد مفتی اسلام کا کلیجہ کیوں نہ پھٹ گیا اور اس کے دست و بازو شل کیوں نہ ہو گئے جب اس کے شیطانی قلم کی نوک سے ان جگر پاش جملوں کا ظہور ہوا۔ ہمارے لیے یہ ناقابل تصور تھا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں محدث عبداللہ روپڑی کی اولاد پر قرآن دشمنی کا بے ہودہ اور اہانت آمیز الزام بھی لگ سکتا ہے؟ کیا ان مفتی صاحب کو احساس بھی ہے کہ ان کی اس حرکت سے اہل اسلام کے دل کتنے مجروح ہوئے ہیں؟ یہ کوئی فتویٰ نویسی نہیں ہے۔ یہ تو ایک خطرناک مہم جوئی اور سوچی سمجھی سازش ہے۔ یہ ایک رکیک تکفیری مہم اور قلمی دہشت گردی ہے



جس کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب پاکستان کے علماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں اور اس بارے میں ان کی توجہ مبذول کرائیں۔ ’قرآن دشمنی‘ کا گھٹیا الزام لگانے والے ان مفتی صاحب کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ بھی ضرور درج کرایا جائے تاکہ اس قبیل کے مفتی صاحبان کی قلمی دہشت گردی کا بروقت ازالہ کیا جاسکے۔

### کچھ تو خوفِ خدا سے کام لیا ہوتا

ذاکر حسین کے نام پر کئے گئے سوال میں ماہنامہ ’رشد‘ نکالنے والوں کو اہل حدیثوں کا انتہا پسند اور غالی گروپ کہا گیا تھا، مفتی صاحب نے انہیں ’اسلام کے کچھ نادان دوست‘ قرار دیا ہے۔ پھر حیرت ہے وہ ’ان نادان دوستوں‘ کو ’قرآن دشمنی‘ کا مرتکب بھی قرار دیتے ہیں۔ انہیں یہ الزام تراشی کرتے ہوئے نہ تو قرآن و سنت کی تعلیمات کا خیال رہا، نہ انہوں نے اپنے منصب کا لحاظ کیا اور نہ ہی ان کے دل میں روزِ محشر کی جوابدہی کا احساس پیدا ہوا۔ ان کے جی میں جو کچھ نزول ہوا، اسے بے ساختہ قرطاسِ ایض پر انڈیلنے چلے گئے۔ جسے پڑھ کر ہر نفس الطبع شخص کی طبیعت منقبض ہوتی ہے۔ مفتی صاحب کو اندازہ نہیں ہے کہ یہ اسلام کے ’کچھ‘ ’نادان دوست‘ نہیں ہیں جن پر انہوں نے نادک انگلی کا شوق پورا کیا ہے اور جنہیں وہ اپنی فتویٰ بازی (فتویٰ نویسی اور فتویٰ بازی چیزے دیگر اند) کا تختہ مشق بناتے چلے گئے ہیں۔ یہ ’رشد‘ نکالنے والے بھی کوئی معمولی درجہ کے لوگ نہیں ہیں۔ ان کا مختصر تعارف بھی کرائیں گے۔ مگر ان ’نادان دوستوں‘ کی فہرست میں سعودی عرب اور کویت کے سینکڑوں کبار علماء و فضلاء بھی شامل ہیں جن کے علم و فضل کا ایک زمانہ معترف ہے اور جو عالمِ اسلام میں انتہائی قدر و منزلت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب جب مزعومہ بدعت اور مبدعہ ’قرآن دشمنی‘ کو ان سے منسوب کر رہے تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انتہائی مغلوب الغضب تھے اور ان کا عالی دماغ یکسر ماؤف ہو چکا تھا۔ انہیں شاید اندازہ ہی نہیں ہے کہ ان کے شرانگیز فتویٰ کی زد میں عالمِ اسلام کی کتنی عظیم ہستیاں آجائیں گی۔ ہمیں حیرت ہے کہ ایسے مغلوب الغضب، خداخونی کے احساس سے یکسر عاری، پراپیگنڈہ باز، نہایت غیر ذمہ دار شخص کو دارالافتاء کی صدارت کا اہل کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔ وائے افسوس! کیسے کیسے مفتی صاحبان سے ہمارا پالا پڑا ہے۔ مفتی صاحب کے خیال میں ’ان نادان دوستوں کی پشت پر کوئی ایسا دماغ کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ اجماعِ اُمت کے خلاف ان سے اس بدعت کی جرأت کرائے جو درحقیقت قرآن دشمنی پر منتج ہوئی ہے۔‘ معلوم ہوتا ہے کہ ان مفتی صاحب کی ساری مہارت مخالفین کے خلاف الزامات گھڑنے تک محدود ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ وہ ’اس دماغ‘ کی نشاندہی کرتے جو اس ’قرآن دشمنی پر مبنی بدعت‘ کا حقیقی محرک ہے مگر پس پردہ کام کر رہا ہے۔ آخر کون سی مصلحت عامہ تھی جس نے انہیں ’اس دماغ‘ کی نشاندہی سے باز رکھا؟ تھوڑی سی ریاضت ہی درکار تھی وہ اس اہم راز کو کھٹاتے آہام کر سکتے تھے۔ مجاہدہٴ نفس کے زور پر وہ اس عالمِ نامسعودت میں اپنے کشف کے گھوڑے دوڑاتے تو عین ممکن تھا کہ ویٹی کن سٹی کے کسی کو نے کھدرے یا تل ابیب کے کسی سرکاری اصطلب میں وہ اس دماغ کو ’معروف سازش‘ دیکھ سکتے تھے۔ ہمیں ان کے ’کشفی نتائج‘ کی برآمدگی کے بارے میں تجسس رہے گا۔ اُمید ہے وہ اس عظیم دینی خدمت سے سبکدوش ضرور ہوں گے۔

نجانے یہ مفتی صاحب کے ذہن کا کوئی فنور ہے یا پھر ان کے خاطر اقدس میں جاگزیں کوئی انہونا خدشہ۔ انہوں نے

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

اختلاف قراءت پر مبنی مصاحف کی اشاعت کو مستشرق آرتھر جیفری کی کوششوں سے تشبیہ دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جیفری کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آئندہ مسلمان مسیحیوں سے یہ سوال نہ کر سکیں کہ اگر انجیلیں چار ہیں تو پھر ان میں حضرت مسیح کی اصل انجیل کون سی ہے؟ جیفری اور اس کے اندھے مقلدین کی کوششیں اگر کامیاب ہو جائیں تو پھر اس سوال پر مسیحی پلٹ کر خود مسلمانوں سے سوال کر سکیں گے کہ جناب آپ کے ۲۰ قرآنوں میں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اصل قرآن کون سا ہے؟ مفتی صاحب کے خدشات درست نہیں ہیں۔ فرض کیجئے اگر یہ درست بھی ہوں تب بھی مذکورہ مصاحف کی اشاعت کو جیفری کے اندھے مقلدین کی کوشش، قرار دینا قیاس مع الفارق کی افسوسناک مثال ہے۔ انہوں نے اپنے موہومہ خدشات کی بنا پر سوالات و جوابات کا جو تانا بانا تیار کیا ہے وہ تاریخ کتبوت کی طرح کمزور ہے۔ یہ فقط ایک منتشر اور شکست خوردہ ذہن کے الجھاؤ ہیں۔ مفتی صاحب نے مستشرق جیفری کا واقعہ تو بیان کر دیا ہے مگر انہوں نے جیفری کے دور اور آج کے دور کے استنراق کا صحیح تناظر پیش نہیں کیا۔ دورِ حاضر کے مستشرقین کے یہ کلامی مسائل نہیں ہیں۔ آج کے دور کے مستشرق کو قرآن مجید کی قراءت کی اشاعت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ یہ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے کلامی مسائل تھے۔ آج کے دور کا مستشرق بالخصوص ۹/۱۱ کے بعد قرآن مجید کا وہ نسخہ تیار کرنے میں مصروف ہے جس میں جہاد کے بارے میں آیات نہ ہوں۔ وہ ان آیات کو دہشت گردی سے جوڑنے کے منصوبوں کو رو بہ عمل دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسلام کو انسانی حقوق، آزادی نسوان، جمہوریت اور دہشت گردی کے معاملات کے تناظر میں دیکھ رہا ہے۔ امریکہ میں لاکھوں کی تعداد میں قرآن مجید کے ایسے نسخے جات چھاپ کر تقسیم کئے گئے ہیں جن میں جہاد سے متعلق ۱۸ آیات شامل نہیں ہیں۔ پاکستان میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے پاس یہ نسخے موجود ہیں۔ مفتی صاحب کو دورِ حاضر کے مستشرقین کی حکمت عملیوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ وہ جس بات پر پریشان نظر آتے ہیں اگر اس میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو اب تک عیسائیوں نے اختلاف قراءت پر مبنی قرآن مجید دیکھ کر یہ واویلا ضرور مچایا ہوتا، کیونکہ یہ کام کئی برسوں سے بعض مسلم ممالک میں ہو رہا ہے۔

### خواہ مخواہ کا داویلا

یہ انیسویں صدی کا زمانہ نہیں ہے۔ وہ مغربی استعمار کا دور تھا۔ یورپی مستشرقین کو فوجی استعمار کی پشت پناہی حاصل تھی۔ عالم اسلام کا معتد بہ حصہ مغرب کی غلامی میں تھا۔ مسلمانوں کو انگریزی علوم و زبان پر قدرت نہیں تھی۔ اسی لیے وہ مستشرقین کی شراکیزمی کا موثر جواب نہیں دے پاتے تھے۔ آج کا زمانہ مختلف ہے۔ آج یورپ میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد پچاس لاکھ سے زیادہ ہے۔ وہ ان ممالک میں بے حد متحرک ہیں۔ ان کی تنظیمیں کام کر رہی ہیں جو مستشرقین کے کاموں پر نہ صرف نگاہ رکھتی ہیں بلکہ اس کا مقدور بھر جواب بھی دیتی ہیں۔ اب کوئی ولیم میور یا جیفری سے مسلمانوں کے ملک میں بیٹھ کر اسلام کے خلاف کتابیں شائع کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ڈنمارک میں شائع ہونے والے توہین آمیز خاکوں کے بعد مسلمانوں نے عالمی سطح پر جس رد عمل کا مظاہرہ کیا اس کو پیش نظر رہنا چاہئے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اکیسویں صدی کے مغرب کو مذہب یا مذہبی معاملات میں وہ دلچسپی نہیں ہے۔ اہل مغرب کی اکثریت سیکولرزم کو اپنا مذہب بنا چکی ہے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ مفتی طاہر کی صاحب چار انجیلوں کے درمیان فرق سے کس حد تک باخبر ہیں، لیکن ہم اتنا

جانتے ہیں کہ جو شخص ان چار انجیلوں یعنی یوحنا، لوقا، متی اور برناباس سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے وہ مفتی صاحب کے وضع کردہ سوالات کو فطرتاً اور مضحکہ خیز قرار دے گا۔ حسن اتفاق سے راقم الحروف نے اس موضوع پر اتنا کچھ دیکھ رکھا ہے کہ وہ اس موضوع پر اعتماد کے ساتھ بات کر سکتا ہے۔ راقم کی لائبریری میں انجیل برناباس کا نسخہ موجود ہے جسے اُس نے تھوڑا عرصہ پہلے صفحہ بہ صفحہ دیکھا ہے۔ اس نسخے کے شروع میں اس کا مفصل موازنہ دیگر انجیلوں سے کیا گیا ہے۔ ان تمام انجیلوں کا کم از کم ایک چوتھائی حصہ ایسا ہے جو دوسری انجیل سے مماثلت نہیں رکھتا۔ بہت سے واقعات ایسے ہیں جو مختلف انجیلوں میں مختلف انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان چاروں انجیلوں کا شاید ہی کوئی ایک صفحہ ایسا ہو جو دوسری انجیلوں کے الفاظ سے سو فیصد مماثلت رکھتا ہو۔ دراصل یہ تمام انجیلیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے مرتب کیں۔ یوحنا، لوقا، متی اور برناباس ان حواریوں کے اسمائے گرامی ہیں۔ یہ بالکل اس طرح ہیں جس طرح ہمارے ہاں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، اور دیگر ائمہ محدثین کے نام پر صحاح ستہ موجود ہیں۔

چار انجیلوں کا قرآن مجید سے درحقیقت کوئی موازنہ ہی نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اختلاف قراءات پر مبنی صحائف کیا ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہوں گے؟ ایسا یقیناً نہیں ہے۔ یہ اختلاف محض چند الفاظ کے مختلف رسم الخط کے حوالہ سے ہے۔ کسی بھی روایت قراءت کی رو سے قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بدلتی ہے نہ اس کا مطلب۔ یہاں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ ماہنامہ 'رشد' کی خصوصی اشاعت میں اس پر قابل قدر مواد موجود ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس مضمون کے آخر میں چند ایک مثالوں سے اس بات کو مزید واضح کر دیں۔ مفتی صاحب خاطر جمع رکھیں۔ مسلمان مسیحیوں کے کسی بھی سوال کا شافی جواب دے سکتے ہیں۔ اختلاف قراءت کی حفاظت سے قرآن مجید کے متن کی حفاظت قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ ان کا پراپیگنڈہ بے بنیاد اور کھوکھلا ہے۔

## قرآن مجید کے متن میں مبینہ تبدیلی؟ پراپیگنڈہ مہم

مفتی طاہر مکی نے ذاکر حسین کو شکایت کندہ بنا کر اس کے دستخطوں سے جو خطوط وفاقی وزیر برائے مذہبی امور جناب حامد سعید کاظمی صاحب اور گورنر پنجاب کے نام ارسال کیے، ان کا متن سو فیصد ایک تھا۔ ان خطوط میں (ضمیمہ میں اصل خطوط دیئے گئے ہیں) یہ تاثر دیا گیا ہے کہ خدا نخواستہ قرآن مجید کے متن میں کوئی تبدیلی کی جا رہی ہے۔ یہ تاثر انتہائی گمراہ کن ہے، کلام لغو اور جھوٹ ہے۔ اختلاف قراءت کو قرآن مجید کے متن میں تبدیلی قرار دینا بدترین پراپیگنڈہ ہے۔ دور حاضر میں اس طرح کا پراپیگنڈہ صیہونی تنظیمیں مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے کرتی ہیں۔

ذاکر حسین نے تو اپنے انگریزی خط کا عنوان محض "Holy Quran" دیا تھا، مگر وزارت مذہبی امور کی جانب سے حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب کو جو خط لکھا گیا، اس کا عنوان درج ذیل رکھا گیا:

"Mistakes in the text of the Holy Quran Produced in the Monthly Magazine in the Monthly Mahnama Rushd, 2009.

یہ خط ۲۰ ستمبر ۲۰۰۹ء کو وزارت مذہبی امور کے ڈپٹی ڈائریکٹر سید مشاہد حسین خالد نے تحریر کیا۔ (دیکھئے ضمیمہ نمبر ۲) خط کے عنوان سے مکتوب نگار کی قابلیت اور ذہانت کا بھی خوب پتہ چلتا ہے۔ ذرا انگریزی زبان میں تحریر کردہ "Monthly Mahnama" کی ترکیب پر غور فرمائیے، پھر "Monthly Magazine" کے غیر ضروری الفاظ بھی کم مضحکہ

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

خیز نہیں ہیں۔ اس عنوان میں سب سے زیادہ قابل اعتراض الفاظ "Mistakes in the Text" اور "Produced" ہیں۔ خط کا عنوان یہ بتا رہا ہے: ”قرآن مجید کے متن میں وہ غلطیاں جو ماہنامہ ’رشد‘ میں شائع کی گئیں، اس عنوان میں "Alleged" یعنی ’مبیہ‘ کا لفظ تک نہیں لکھا گیا۔ نجانے فاضل وزیر مذہبی نے اپنی وزارت کے اس ذہین افسر کے خط کے عنوان کو بغور دیکھا ہے یا نہیں۔ اتنے حساس موضوع پر لکھے جانوالے خط کا یہ عنوان بے حد افسوس ناک ہے۔

## شوکارنوٹس

گورنر پنجاب کے سیکرٹریٹ سے جو خط پنجاب کے محکمہ اوقاف کی طرف ارسال کیا گیا، اس کا عنوان بھی دیکھئے:

"Alleged Variation in the Quranic Text"

یعنی ’قرآن مجید کے متن میں مبیہ تحریف‘ (دیکھئے ضمیمہ نمبر: ۴)

خط کا یہ عنوان بھی غلط تاثر دے رہا ہے۔ یہاں بھی اختلاف قراءت کو متن میں تبدیلی سمجھا گیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ غالب نے شاید ایسے ہی عنوانات کے بارے میں کہا تھا:

غلطی ہائے مضامین مت پوچھ  
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

گورنر پنجاب کے دفتر سے خط موصول ہونے کے بعد حکومت پنجاب کے محکمہ اوقاف کی طرف سے حافظ حمزہ مدنی، مدیر ماہنامہ ’رشد‘ کو شوکارنوٹس ارسال کیا گیا۔ (دیکھئے ضمیمہ نمبر: ۵) جس کا تفصیلی جواب دے دیا گیا۔ (دیکھئے ضمیمہ نمبر: ۶) محکمہ اوقاف کے ذمہ داران نے شوکارنوٹس صریحاً غلط فہمی کی بنیاد پر جاری کیا۔ ان کے خیال میں ماہنامہ ’رشد‘ کے اصحاب نے صحیف شائع کرنے سے پہلے حکومت سے اجازت نہیں لی تھی۔ ظاہر ہے یہ بات درست نہیں۔ ذاکر حسین کے بے ہودہ خط میں جو غلط تاثر دیا گیا تھا، اس کی شافی وضاحت بھی کر دی گئی، یہ تمام خطوط اس مضمون کے آخر میں ضمیمہ جات کے طور پر دیئے گئے ہیں۔

مفتی محمد طاہر مکی اپنے نام نہاد فتویٰ میں بغلیں بجاتے ہوئے اپنے قارئین کو خوشخبری دیتے ہیں: ”یہ خوش خبری بھی معلوم ہوئی ہے کہ حکومت پنجاب نے اختلاف قراءت کے حوالہ سے قرآن کریم کے اختلافی مصاحف چھاپنے کا پروگرام رکھنے والوں کے خلاف نوٹس لیا ہے۔“ اس کی حقیقت ہم نے بیان کر دی ہے، مزید تبصرے کی گنجائش نہیں ہے۔

## احناف کی ترجمانی کا دعویٰ

مفتی محمد طاہر نے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا فتویٰ درج کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حنفی مسلک کی مکمل ترجمانی، یہی ہے۔ یہ دعویٰ گمراہ کن ہے۔ مفتی صاحب نے حضرت تھانوی صاحب کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے محض ڈھال بنا کر پیش کیا۔ ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ مذکورہ میں جن احوال و کوائف و شرائط کا ذکر کیا ہے، وہ مذکورہ صورت حال پر قابل اطلاق ہی نہیں ہیں۔ کیا قاری محمد طاہر مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کو قاری احمد میاں تھانوی صاحب سے زیادہ سمجھتے ہیں؟ قاری احمد میاں تھانوی صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں اور دور حاضر میں فن قراءت میں ان کا شمار آساتذہ میں ہوتا ہے۔ قاری محمد طاہر صاحب نے کیا ماہنامہ ’رشد‘ کا پہلا صفحہ نہیں دیکھا جس میں مجلس مشاورت میں قاری احمد میاں تھانوی صاحب

کا نام بھی شامل ہے۔

مفتی محمد طاہر کی صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے فتویٰ میں یہ بھی بتاتے کہ وہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور احناف کے دیگر بزرگوں کے عقائد، خیالات اور فتاویٰ پر کس قدر عمل کرتے ہیں؟ کیا وہ خود حنفی مسلک کے ترجمان ہیں؟ ظاہر ہے اگر وہ یہ سب کچھ لکھ دیتے تو پراپیگنڈہ کی فیکٹری کیسے قائم کر سکتے تھے۔ جن لوگوں کو معلوم نہیں ہے وہ یہ جان لیں کہ قبلہ علامہ محمد طاہر کی صاحب، عام عثمانی صاحب کے شاگرد رشید ہیں جو منکر حدیث ہونے کی وجہ سے مشہور (یا بدنام) ہیں۔ دیوبند مسلک کے بزرگوں نے ان سے بریت کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ انہیں راندہ درگاہ اور مردود سمجھتے ہیں۔ مفتی صاحب کے لیے ایک شعر، وہ شاید اسے عامیانہ قرار دیں مگر یہ ان کے حسب حال ہے:-

نہ تم طعنے دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے  
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

### مفتی طاہر کی کا اصل مسئلہ

مفتی طاہر کی صاحب کا سارا مسئلہ ہی یہ ہے کہ وہ فتنہ انکار حدیث میں مبتلا ہیں۔ ماہنامہ 'رشد' میں اختلاف قراءت کی اشاعت کے لیے صحیح احادیث کو جواز بنایا گیا ہے۔ ایک منکر حدیث کو مشتعل کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ کسی مسئلے کے جواز و عدم جواز کے لیے احادیث کو بطور دلیل کے پیش کر دیا جائے۔

اختلاف قراءت کے حق میں معروف احادیث درج ذیل ہیں:

① صحیح بخاری، کتاب فضائل قرآن کی ایک حدیث میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

«إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ فَأَقْرَأُ مَا تَسْتَسِرُّ مِنْهُ». [صحیح بخاری: ۳۹۹۳]

”تحقیق یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس پڑھو اس میں سے اس طریقے پر جو تمہارے لیے آسان ہو۔“

اس حدیث میں سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟

② حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے۔ آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کو ایک حرف پر پڑھے آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں میری امت یہ طاقت نہیں رکھتی پھر جبرائیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت قرآن کو دو حرفوں پر پڑھے۔ آپ نے فرمایا: ”میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں میری امت میں اس قدر طاقت نہیں ہے“ پھر وہ تیسری مرتبہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو تین حروف پر قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے معافی اور مغفرت طلب کی کہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی حتیٰ کہ فرمایا:

ثم جاءه الرابعة فقال: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ فَايْمًا حَرْفٍ

قُرْءًا وَعَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوا». [صحيح مسلم: ۱۹۰۶]

پھر وہ چوتھی بار آئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن حکیم کو سات حرفوں پر پڑھے۔ پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے ان کی قراءت درست ہوگی۔“

## اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

۴ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كنت بالمسجد، فدخل رجل يصلي فقرأ قراءة أنكرتها عليه، ودخل آخر فقرأ قراءة سواء قراءة صاحبه، فلما قضينا الصلوة، دخلنا جميعا على رسول الله ﷺ. فقلت: إن هذا قرأ قراءة أنكرتها عليه، ودخل آخر، فقرأ قراءة سوى قراءة صاحبه، فأمرهما رسول الله ﷺ فقرأ فحسن النبي ﷺ شأنهما فسقط في نفسي من التكذيب ولا إذ كنت في الجاهلية، فلما رأى رسول الله ﷺ ما قد غشيتني، ضرب في صدري ففضت عرقا، وكانما أنظر إلى الله فرقا. فقال لي: « يَا أُبَيُّ! إِنَّ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَيَّ أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ، إِقْرَأْهُ عَلَيَّ حَرْفَيْنِ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَيَّ أُمَّتِي، فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّلَاثَةَ، إِقْرَأْهُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ. » [صحيح مسلم: ۸۲۰]

”میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا، اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک اور قراءت پڑھی، پس جب ہم نے نماز ختم کر لی تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، میں نے عرض کیا ”اس شخص نے ایک ایسی قراءت پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی“ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک دوسری قراءت پڑھی، اس پر آپ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی تو حضور ﷺ نے دونوں کی تسخیر فرمائی، اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے وسوسے آنے لگے کہ جاہلیت میں بھی ایسے خیالات نہیں آئے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہو گیا اور خوف کی حالت میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ کو دکھ رہا ہوں، پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابی میرے پروردگار نے میرے پاس پیغام بھیجا تھا، کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں، میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں قرآن دو حرفوں پر پڑھوں، میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیے، تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار پیغام بھیجا کہ میں اسے سات حرفوں پر پڑھوں۔“

اس روایت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ دونوں اشخاص کے اختلاف تلاوت کو بار بار اختلاف قراءت سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اسی کو آنحضرت ﷺ نے سات حروف کے اختلاف سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ قراءت کے اختلاف اور حروف کے اختلاف کو عہد رسالت میں ایک ہی چیز سمجھا جاتا تھا اور اس کے خلاف کوئی دلیل ایسی نہیں جو دونوں کی جداگانہ حیثیت پر دلالت کرتی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور جب قراءت کا محفوظ ہونا تو اترا اور اجماع سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ احرف سب سے آج بھی محفوظ ہیں۔

اگر حدیث و سنت سے محبت کرنے والے کچھ مسلمانوں نے اختلاف قراءت کو محفوظ کرنے کی نیت سے اس کی اشاعت کا پروگرام بنایا ہے، تو اس میں اعتراض کی گنجائش کہاں ہے اور اس کی مخالفت میں خواجواہ فتویٰ بازی اور درخواست نویسی کا مشغلہ کیوں اختیار کیا جائے؟ مجھے ذاتی طور پر یہ تسلیم کرنے میں بھی تامل ہے کہ سب سے احرف کی تلاوت تو جائز ہے مگر اس کی اشاعت جائز نہیں ہے۔ اس دلیل میں داخلی تضاد موجود ہے۔

کیا ماہنامہ ”رشد“ نے نئی بدعت ایجاد کی ہے؟

مفتی طاہر ہکی نے علمی بددیانتی کا ارتکاب کرتے ہوئے سارے حقائق اور تفصیلات پیش نہیں کیں۔ اُس نے ”رشد“

کے اختلاف قراءت پر مبنی مصاحف کی اشاعت کو تاریخ اسلام میں نئی بدعت قرار دیتے ہوئے پراپیگنڈہ کا طومار باندھنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں اختلاف قراءت پر مبنی مصاحف کی اشاعت بہت عرصہ سے ہو رہی ہے۔ ماہنامہ 'رشد' کی جون ۲۰۰۹ء کی خصوصی اشاعت میں ایسے ۲۱ مصاحف کے پہلے صفحے کے عکس بھی شائع کر دیئے گئے ہیں۔ کیا مفتی صاحب کی نگاہ سے یہ صفحات نہیں گزرے؟ کیا اسے تجاہل عارفانہ کہیں یا صریح دروغ گوئی اور بیہودہ پراپیگنڈے کا سفلی مذاق؟ عالم اسلام میں الجزائر، لیبیا، تیونس، لبنان، مراکش، سوڈان، سعودی عرب، شام، پاکستان میں اختلاف قراءت پر مبنی مصاحف اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ خدا کا شکر ہے اس سے کسی طرح کی گمراہی یا فساد پیدا ہوا، نہ ہی اب تک یہود و نصاریٰ نے اس بناء پر مسلمانوں کو مطعون کیا ہے تو پھر یہ کراچی کے مفتی طاہر کی کیوں نچلے نہیں بیٹھ سکتے؟ وہ غلط بیانی کر کے کیوں اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں؟

### اختلاف قراءت کی مثالیں

وہ صاحبان جو اختلاف قراءت کا حقیقی مفہوم سمجھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے لیے قرآن مجید کے درج ذیل مقامات اور الفاظ کے متعلق اختلاف قراءت کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ وہ خود دیکھ سکتے ہیں کہ اس سے قرآن مجید کے متن یا مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

① ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ [الفاتحہ: ۳]

اس آیت مبارکہ کے لفظ 'مَلِكِ' میں دو قراءتیں ہیں: امام عاصم، کسایی، یعقوب اور خلف العاشر 'مَلِكِ' جبکہ دیگر قراء کرام 'مَلِكٍ' پڑھتے ہیں۔

② ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ﴾ [البقرہ: ۹]

اس آیت مبارکہ کے لفظ 'وَمَا يَخْدَعُوْنَ' میں دو قراءتیں ہیں: امام نافع، ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری 'وَمَا يَخْدَعُوْنَ' جبکہ دیگر قراء کرام 'وَمَا يَخْدَعُوْنَ' پڑھتے ہیں۔

③ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ [البقرہ: ۱۰]

اس آیت مبارکہ کے لفظ 'يَكْذِبُوْنَ' میں دو قراءتیں ہیں: امام نافع، ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری، ابن عامر شامی، ابو جعفر اور یعقوب جبکہ دیگر قراء کرام 'يَكْذِبُوْنَ' پڑھتے ہیں۔

④ ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ﴾ [البقرہ: ۲۸]

اس آیت مبارکہ کے لفظ 'وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا' میں دو قراءتیں ہیں: امام ابن کثیر، ابو عمرو بصری اور یعقوب 'وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا' جبکہ دیگر قراء کرام 'لَا يُقْبَلُ مِنْهَا' پڑھتے ہیں۔

⑤ ﴿فَاذْهَبْ اِلَيْهِمْ فَانصُرْهُمْ مِّمَّا كَانُوْا فِيْهِ﴾ [البقرہ: ۳۶]

اس آیت مبارکہ کے لفظ 'فَاذْهَبْ اِلَيْهِمْ' میں دو قراءتیں ہیں: امام حمزہ 'فَاذْهَبْ اِلَيْهِمْ' باقی 'فَاذْهَبْ اِلَيْهِمْ' پڑھتے ہیں۔

وزارت مذہبی امور کے ذمہ داران سے بھی گزارش ہے کہ وہ اس موضوع کو علمی انداز میں دیکھیں اور پھر اپنی رائے قائم کریں۔ اگر وہ اب تک اختلاف قراءت کو قرآن کے متن میں تحریف یا تبدیلی سمجھتے آئے ہیں تو اب ان کی غلط فہمی دور ہونی چاہئے۔

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

## اُردو ادب سے اختلاف قراءت کی مثالیں

جن لوگوں نے برصغیر پاک و ہند میں اُردو زبان و ادب کے ارتقاء اور تاریخ کو دیکھ رکھا ہے، انہیں بخوبی معلوم ہے کہ گذشتہ سات سو برسوں میں اُردو زبان میں مروّج بہت سے الفاظ یا تو متروک ہو گئے یا پھر ان کی املا میں تبدیلی آ گئی۔ بعض الفاظ کی صوتی ہیئت میں بھی تبدیلی واقع ہو گئی۔ عربی زبان بھی اس اصول سے کلیتاً مستثنیٰ نہیں ہے۔ عربوں کی قبائلی زندگی سے واقف مؤرخین نے ان کے لسانی میلانات و اظہاری پیرایوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اگرچہ قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا لیکن حدیث سے یہ ثابت ہے کہ بعض الفاظ مختلف قراءت میں بھی نازل ہوئے۔ اس میں حکمت بالغہ شاید یہی تھی کہ قریش کے علاوہ دیگر قبائل بھی قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ لسانی انس محسوس کریں اور انہیں اس کے مطالب سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کی 'تاریخ ادب اُردو' ایک مستند تاریخی حوالے کی کتاب ہے۔ جالبی صاحب نے دکن میں اُردو کے ارتقاء پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ دکنی شعراء کے کلام کے نمونے دیئے ہیں۔ ان میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کی آج بدلی ہوئی صورتیں مروّج ہیں۔ مثلاً 'مجھ' کو ہی دیکھئے۔ دکن کے شعراء کے کلام میں یہ 'ج' اور 'مجھ' بیان ہوا ہے۔ مثلاً:

شاہ برہان الدین جانم کی مثنوی (صفحہ نمبر ۳۰۱) کا ایک شعر ہے۔

مرشد	کوں	او	پوچھیا	بات
دکھلا	دیو	جُ	حق	ذات

دکن کے قدیم شاعر شاہ داؤل کا شعر دیکھئے۔

پوچھیا	مرشید	کوں	یک	سوال
گزریا	آج	رات	مجھ	پر حال

اس شعر میں 'پوچھیا' کی جگہ اب 'پوچھا'، 'مرشید' کی جگہ 'مرشد'، 'کوں' کی بجائے 'کو'، 'گزریا' کی بجائے 'گذرا' لکھا جاتا ہے۔

شاہ داؤل کی مثنوی کا یہ شعر بھی غور طلب ہے۔

اندلا اگر مجزوب ہے، صورت طبع ناخوب ہے

جیسا اچھو محبوب ہے پیو باج کوئی پیارا نہیں

اس شعر میں 'اچھا' کے لیے 'اچھو' استعمال ہوا ہے۔ یہاں 'پیو' کا مطلب 'باپ' نہیں بلکہ شوہر ہے۔ آج یہ لفظ ہندی اور پنجابی میں بولا جاتا ہے، اس کی املا نہیں بدلی مگر اس کا مطلب بدل گیا ہے۔

اسی دور کے ایک شاعر کا یہ مصرعہ بھی توجہ کا طالب ہے۔

کہتے ہیں مجھ منجم اب تجھ خطر ہے جو کا

یہ 'مجھ' کے لیے تیسری املا 'مجھ' اور 'تجھ' کو 'تجھ' لکھا گیا ہے۔



کئی شاعر غلام قادر شاہ کی غزل کا ایک شعر۔

نہ جاگے روزِ محشر کے اُسے پھر کیا جگانا ہے

پیا جن جامِ وحدت کا نہ راکھے خوفِ سلولی کا

اس زمانے میں اُسے، کو اُسے اور راکھے، کو راکھے، لکھتے تھے۔ یہ اختلاف املاء ہی اختلافِ قراءت کی صورت ہیں۔ ہمارا موضوع اُردو زبان و ادب نہیں ہے ورنہ اس پر مفصل حوالہ جات پیش کیے جاسکتے تھے۔ جس طریقے سے دکن، دہلی اور لاہور کی اُردو میں شروع شروع میں اختلافِ املاء تھا، اسی طرح عرب کے قدیم معاشرے کے مختلف قبائل کی زبان میں بعض الفاظ کی املاء اور صوت میں معمولی فرق ہوا کرتا تھا، اسی طرح 'اختلافِ قراءت' کی رعایت کی گئی۔ اگر آج کچھ لوگ اس سے قرآن مجید کے متن میں تحریف کا مطلب نکالتے ہیں، تو ایسے لوگوں کو اپنی عقل کا علاج کرانا چاہئے نہ کہ ان لوگوں کو تنقید کا نشانہ بنانا چاہئے جو صحیح احادیث کی روشنی میں 'سبعہ احرف' پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

## آخری گزارش

مفتی محمد طاہر کی صاحب اگر واقعی عالمِ دین ہیں اور اس مسئلے کے متعلق اُن کی پریشانی کا محرک 'انکارِ حدیث' کا جذبہ نہیں ہے، تو انہیں چاہئے تھا کہ فنی بازی، خطوطِ نویسی اور منفی پراپیگنڈہ کی مہم برپا کرنے سے پہلے وہ ماہنامہ 'رشد' کے اکابرین سے رابطہ کرتے اور اپنے ذہنی ابہام کے متعلق وضاحت طلب کرتے۔ اگر وہ مطمئن نہ ہوتے تو پھر اس کا طریقہ یہی تھا کہ علمی دیانت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی معروضات کو بیان کر دیتے۔

بات طویل ہو گئی ہے۔ اس مضمون کو تخریر کرنے کا مقصود یہی ہے کہ ماہنامہ 'رشد' میں اختلافِ قراءت پر مبنی مصاحف کی اشاعت کے اعلان کو بنیاد بنا کر مفتی محمد طاہر کی اور بعض دیگر افراد کی طرف سے جو منفی پراپیگنڈہ کیا گیا ہے، اس کے پس پردہ مقاصد کا پردہ چاک کیا جائے اور اس علمی مسئلے کی حقیقت کو اس کی اصل صورت میں بیان کر دیا جائے تاکہ کسی کے ذہن میں خواہ مخواہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ ہمیں یہ خوش اعتقادی تو نہیں ہے کہ مفتی محمد طاہر صاحب اپنے منفی پراپیگنڈہ کی مہم سے باز آ کر کسی شرمندگی کا اظہار کریں گے لیکن ہمارا خیال ہے کہ انہیں یہ احساس ضرور ہو جائے گا کہ آج کی دنیا میں حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے سے رائے عامہ کو گمراہ نہیں کیا جاسکتا۔

وما علینا إلا البلاغ

## نوٹ:

ذاکر حسین، وفاقی وزارت مذہبی امور، گورنر سیکرٹریٹ، صوبائی وزارتِ اوقاف و مذہبی امور اور ادارہ 'رشد' کے مابین خط و کتابت اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں...

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

ضمیمہ نمبر: ۱

To,  
Allama Hamid Saeed Kazmi  
Federal Minister  
Ministry of Religious Affairs,  
Government of Pakistan  
Islamabad.

SEPTEMBER 16, 2009

Subject: Holy Quran.

Excellency

With a heavy heart I would like to bring to your kind notice that, as reported, some kind of change has been brought in the basics of the Holy Quran.

In this context "Mahnama Rushd" can be cited as proof vide their publication for the month of June 2009. This monthly Magazine is published from Lahore under the supervision of Hafiz Abdur Rahman. The office of the Magazine is situated at the following address: -

J-99, Model Town, Lahore.  
Phone #: 35866476, 35866396

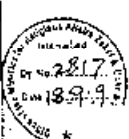
We have no instance in the sub-continent or elsewhere for the Holy Book being manuscripted or recited by any Qari differently, except indeed which revered for centuries now. Be it a home or a Mcdrassah, i.e. in short every nook and corner of the world. Muslim read and respect the text revealed upon the Holy Prophet (P.B.U.H).

Handwritten notes in the left margin: "X. No. 1029, 1000 (M) 10/10/09"

Handwritten notes in the left margin: "765-306003028493 No. 1039/012 (Q.102) 20/9/09"

Handwritten notes and stamps: "Immediate AD (S) 15/9/09 PS:104"

Handwritten note on the right margin: "مستند"



ذاکر حسین کی طرف سے وفاقی وزارت مذہبی امور اور گورنر پنجاب کو بھیجا گیا خط

ضمیمہ نمبر: ۱

want to publish 4 (four) controversial Quranic texts. They have intention to go for 16 (sixteen) such controversial Quranic versions. This will lead to chaos among the common muslims. Moreover non muslims specially Christians and jews will admit that Quran has also been changed and published in several versions like their own four testaments.

You will kindly agree with me that if publications of the above cited changed version of the Holy Book is allowed in our country, it will definitely create confusion and chaos, and also will tantamount to desecrations of our Holy Quran which at any cost this crazy nation will never tolerate.

I hope you will please give this letter the attention it deserves, most solemnly indeed. I would also humbly desire you to take a legal course much before any individual or publishing house go beyond the prescribed tenets of Islam, as also inscribed in our constitution.

Thanking You

Zakir Hussain  
A-132, Block-"S"  
North Nazimabad,  
Karachi 74700.  
Phone#: 021-36631341  
Mobile#: 0321-2491913

ذاکر حسین کی طرف سے وفاقی وزارت مذہبی امور اور گورنر پنجاب کو بھیجا گیا خط

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

ضمیمہ نمبر: ۲

Government of Punjab  
Ministry of Religious Affairs  
Lahore

No. F.100(1)/2009/ADQ

Is dated the 26<sup>th</sup> Sept, 2009

✓ To:

Mr. Asad Rehman,  
Editor Incharge, the Monthly "Mohnama Rushd",  
7-50, Model Town, Lahore

SUBJECT:- MISTAKES IN THE TEXT OF THE HOLY QURAN PRODUCED IN THE  
MONTHLY MAGAZINE IN THE MONTHLY "MOHNAAMA RUSHD", 2009.

Dear Sir,

I am directed to say that a complaint has been received from Mr. Zahir Hussain No. of A-132, Block "S" North Nazimabad, Karachi (copy enclosed) in which some changes in the text and the basics of the Holy Quran has appeared in your magazine "Mohnama Rushd" of the month of June, 2009.

2. You are, therefore, requested that a copy of the same may be provided to this Ministry for examination and necessary action.

(S. Mustahid Hussain Khalid)  
Assistant Director (Quran)  
Ph: 051-9205025

Copy for information on:-

Mr. Zahir Hussain No. of A-132, Block "S" North Nazimabad, Karachi

(Syed Mustahid Hussain Khalid)  
Assistant Director (Quran)

وفاقی وزارت مذہبی امور کی طرف سے ادارہ رشد کو موصول ہونے والا خط

ضمیمہ نمبر: ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

Telephone : 852887/63210

INSTITUTE OF HIGHER STUDIES  
IN SHARIAH & JUDICIARY

الْمَجْمَعَةُ الْعِلْمِيَّةُ الشَّرِيعِيَّةُ وَالْقَضَائِيَّةُ

الرقم ۰۹-۱۰-۰۹

التاريخ

جناب سید شاہد حسین خالد اسٹنٹ ڈائریکٹر (قرآن)

وفاقی وزارت مذہبی امور و اسناد آباد

تھمبوال: ۱۰/۰۹-۲۰۰۹/ADQ Dated: 30-09-2009 No. F. 10(1) 2009

جناب عالی!

سورہ 15 اکتوبر 2009ء آپ کے دفتر میں ملاقات ہوئی جس میں آپ کو ہانہامہ رشدا ہاور کے اقراءات نمبر کے بارے میں  
لاخفہ دیے گئے اب تحریری گزارشات حسب ذیل ہیں:

یہ کہ ہورے ادارے کا کارمرف تحقیق ہے جس طرح سرکاری یونیورسٹیاں ریسرچ کام Pnd اور M.Phil مکالمز  
سے کردارہی ہیں۔ قرآن مجید کے مذکورہ بالا لکھن اور علوم کے بارے میں تحریر کردہ مقالات کی ایک فہرست ہانہامہ رشدا ہاور  
کے اقراءات نمبر (حصہ دوم) میں ۸۲۳ تا ۸۲۴ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔  
واضح رہے کہ ریسرچ کا یہ کام ہاور ادارہ کلک فہد کوشش میں مدینہ منورہ اور انٹرنیشنل ریکارڈنگ کمپنی (حاملہ الحسنت،  
کویت) کے لیے کر رہا ہے۔ ادارہ اپنا کوئی پروگرام پبلیک آرکائیونگ کا نہیں ہے۔

درخواست دہندہ جن لکھن کو ختم لاء قرار دے رہے ہیں وہ امت سلسلہ کے درمیان اجرائی ہیں۔ چوں مسابک کے  
یکمہد کے قریب مفتیان کرام کے قناری جات میں ۱۸۹۴ تا ۱۸۹۵ ہانہامہ رشدا (حصہ دوم) میں دیکھے جاسکتے ہیں۔  
انجمن تہامت اسلام لاہور کا شائع کردہ 1935ء والا قرآن کریم جو مرکزی حکومت کی طرف سے معیار مقرر ہے اسی  
مختوم متنوع لکھن کی جگہ جگہ مذہبی کرنے سے جس سے حکایت کنندہ قجماہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔

مترجم بالا مضامین کے بعد امید ہے کہ آپ ہاورے کام کے قانونی اور علمی شفاہت سے آگاہ ہو گئے ہوں گے۔

والسلام

حافظ عبد الرحمن مدنی

حافظ عبد الرحمن مدنی  
(ڈائریکٹر جنرل)

B9 (J) MODEL TOWN, LAHORE (14)

ادارہ رشدا کی طرف سے وفاقی وزارت مذہبی امور کو بھیجا گیا وضاحتی جواب

603

مارچ ۲۰۱۰ء

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

ضمیمہ نمبر: ۴



SO(C-1)GS/1-1/2008(PSG)

GOVERNOR'S SECRETARIAT  
PUNJAB

Dated Lahore, the 02<sup>nd</sup> October, 2008

**ALLEGED VARIATION IN THE QURANIC TEXT**

I am directed to enclose herewith a petition addressed to the Governor Punjab by Mr. Zakir Hussain R/O A-132, Block "S", North Nazimabad, Karachi on the subject cited above.

2. I am further directed to request that the matter may kindly be looked into for taking further necessary action in this behalf in accordance with the relevant policy, under intimation to this Secretariat.

Dy. No.	523
Date	3/10/08
Secy/	
C.A.A.	
D.A.	
D.E.	
D.F.	
D.P.	
D.R.A.	
A.S.	
D.S.	
Z.A.	
O.S.D.	
S.O.	

Secretary,  
Government of the Punjab,  
Auqaf & Religious Affairs Department.

CC:

Mr. Zakir Hussain,  
R/O A-132, Block "S",  
North Nazimabad, Karachi 74700.

(TARIQ SHEHZAD)  
DEPUTY SECRETARY (Coordination)

D.S. (A)

Dy. No. 961  
Dated 6/10/08

Add: Secretary (Auqaf)  
Dy. No. 81  
Date: 5-10-2008

گورنر سیکرٹریٹ کی طرف سے صوبائی وزارت اوقاف و مذہبی امور کو لکھا گیا خط

ضمیمہ نمبر: ۵



No. SO(IE&A)10-1/A&RAD/2000

**GOVERNMENT OF THE PUNJAB  
AQUAF AND RELIGIOUS AFFAIRS  
DEPARTMENT**

Tel: 98210878 (333-4277678) Dated: Lahore the 16<sup>th</sup> October 2009.  
Fax: 98214465

To

Hafiz Hamza Madni,  
Mahouma Rushd,  
J-99, Model Town,  
Lahore.

Subject: **SHOW CAUSE NOTICE.**

I am directed to state that the Governor's Secretariat Punjab has forwarded a copy of an application of Mr. Zakir Hussain wherein he has pointed out that a team of intellectuals of your institution, i.e. Jamia Lahore Islamia has prepared 16 controversial prints of Holy Quran and planning to launch the same in the market.

It is, therefore, brought into your notice that :-

- i) It is mandatory for any publisher/firm/recording company to get himself/herself registered with this department U/S 3 of the "Publication of Holy Quran (Elimination of Printing & Recording Errors) Act No. LIV of 1973".
- ii) Before publication of the print of Holy Quran, every publisher shall get his specimen copy compared with the text of the standard copy of the Holy Quran under sub-section 3 of Section 5 of the Act ibid.
- iii) The print of Quran Majeed published in 1935 by the Anjuman Hamayt-e-Islam has been declared a standard copy of Holy Quran by the Federal Government under the Rule.

صوبائی وزارت اوقاف و مذہبی امور کی طرف سے ادارہ رشد کو جاری کیا گیا شوکاژ نوٹس

اختلاف قراءات والے مصاحف کی اشاعت؟..... حقائق

ضمیمہ نمبر: ۵

It is also evident from your monthly magazine "Mahnama Rushd" for the Month June 2009 that your institution has prepared 16 prints of Holy Quran. The applicant is of the view that the text of these prints of Holy Quran is controversial.

As per record of this department your firm is not registered with this department, therefore, the aforesaid prints of Holy Quran have been printed unauthorizedly violating the aforesaid provisions of the Act ibid.

You are directed to provide each copy of the aforesaid prints of Holy Quran for examination/proof reading by the registered proof readers of the Government of the Punjab. You are further directed to appear in person before the Additional Secretary of this department during the office hours within seven days positively on receipt of this notice alongwith your written reply of the show-cause notice as to why legal action may not be taken against you under Section. 6 of the Act ibid.

**MUHAMMAD AYUB BUTT**  
Section Officer (IBM)  
16.10.2009

**NO & DATE EVEN**

A copy is forwarded for information to :-

1. Mr. Tariq Shehzad, Deputy Secretary (Coordination), Governor's Secretariat Punjab w.r.t his letter No. SO(C-11)GS/1-1/2008 (PSG) dated 02.10.2009.
2. Mr. Shakir Hussain, A-132, Block-S, North Nazimabad, Karachi.

**MUHAMMAD AYUB BUTT**  
Section Officer (IBM)

صوبائی وزارتِ اوقاف و مذہبی امور کی طرف سے ادارہ رشد کو جاری کیا گیا شوکاژ نوٹس



ضمیمہ نمبر: ۶

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

تلفون: ۳۲۲۱۰/۸۲۲۱۷  
مجلس تحقیق اسلامی

.....  
.....  
.....

To  
Mr. Mahmood Ayub Butt,  
Section Officer (IBMI),  
Govt. of the Punjab,  
Aqaf and Religious Affairs  
Department

Subject: **SHOW CAUSE NOTICE**

Kindly refer to your Show Cause Notice No. SAO (IBMI) 10-1 A & RAD - 2009 dated 16<sup>th</sup> October, 2009 regarding the application of Mr. Zakir Hussain.

2. It is pertinent to point out that the application against the undersigned and the team of the intellectual of Jamia Lahore Islamic that they have prepared 16 controversial prints of Holy Quran and plan to launch in the market is absolutely baseless. There are reasons to believe that the applicant namely Zakir Hussain has deliberately indulged in mischief-mongering, vitification campaign and false propaganda against our Institution which is recognized and respected at the national and international level for its contribution for spreading the message of Quran and Sunnah. We have neither prepared nor plan to launch any print of the Holy Quran. Therefore, the charge that we have violated any section of the "Publication of Holy Quran" (Elimination of Printing & Recording Errors) Act No.11V of 1973, is not based on facts. We don't have any Publishing House.

3. It may be mentioned for the information of all concerned that the religious scholars attached with the Jamia Lahore Islamic are law abiding citizens of this country. They are fully aware that the publication of Holy Quran can not be done in Pakistan without getting registration under the aforesaid Act. This institution is headed by Hazir Abdul Rehman Madni who is one of the Venerated and respectable religious Scholar and Theologian. The Ulema and Religious scholars of all sects have been full of praise and

99 - J MODEL TOWN, LAHORE - 14

ادارہ رشد کی طرف سے صوبائی وزارت اوقاف و مذہبی امور کو بھیجا گیا شوکار نوٹس کا جواب

607

مارچ ۲۰۱۰ء

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

تلفون: ۶۲۲۱۰/۸۰۲۸۹۶

مجلس التحقیق الاسلامی

رقم  
تاریخ  
موضوعات

appreciation, for him for his contribution for the maintenance of secretarian harmony and religious solidarity among various seats of Muslims including Shia Muslims.

4. It is pointed out that this fellow Zakir Hussain has totally misunderstood what has been published in the monthly Magazine "RUSHD" of June, 2009. We are sending the relevant article published in this issue for your information and scrutiny. You can better understand how far misleading are the observations of the applicant Zakir Hussain.

5. The undersigned and Hafiz Abdul Rehman Madni, the head of the Institution, visited the Awwaf and Religious affairs department on 26-10-2009 to see the Additional Secretary of this department. He was not available in the office. You are requested to kindly intimate the convenient date when we can call on him again.

6. It is further requested that the copy of the application of Mr. Zakir Hussain may kindly be provided so that we can examine the text of his application. We are serious about pursuing this man and sue him for defamation under the law.

(Dr. HAFIZ HAMZA MADNI)  
Mahnama "RUSHD" Lahore

No. & date Even:

A copy is forwarded for information to:-

1. Mr. Tariq Shehzad, Deputy Secretary (Coordination), Governor's Secretariat Punjab w.r.t his letter No.SQ(C-11)GS:1-D/2908(P.S.G) dated 02-10-2009, with the request to arrange meeting of the team of scholars of Jamia Lahore Islamia to explain this issue in person.
2. Mr. Zakir Hussain, A-132, Block-S, North Nazimabad, Karachi, in advance. We reserve the right to sue him in the court of Law.

(Dr. HAFIZ HAMZA MADNI)  
Mahnama "RUSHD" Lahore

89 - J MODEL TOWN, LAHORE - 74

ضمیمہ نمبر: ۶

ادارہ رشد کی طرف سے صوبائی وزارت اوقاف و مذہبی امور کو بھیجا گیا شوکار نوٹس کا جواب (ختم شد)

ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

## حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور علم تجوید و قراءت

دارالمطوٰ کراچی کی طرف سے شائع شدہ پمفلٹ میں علم قراءت کے حوالے سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ دیوبندی حضرات، بالخصوص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قراءت کے سلسلہ میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔ شیخ القراء جناب ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی، جو حضرت اشرف علی تھانوی کی نواسے اور رشیدی مجلس مشاورت میں شامل ہیں، نے اس حوالے سے اپنی ذمہ داری محسوس کی اور شفقت فرماتے ہوئے حضرت حکیم الامت کی قراءت سب سے متعلق صریح رائے کیا تھی؟ جہاں تک علماء دیوبند کی قراءت قرآنیہ سے متعلق رائے کا تعلق ہے تو اس کے لئے رشید قراءت نمبر ۲ میں دیوبند مکتبہ فکر کے نمائندہ اداروں اور فاضل شخصیات کے فتاویٰ کا ضرور جائزہ لینا چاہیے۔ خصوصاً حالیہ شمارہ میں دارالعلوم دیوبند ہندوستان، دارالعلوم کراچی اور جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ بھی لائق مطالعہ ہے۔ [ادارہ]



حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے کہ جنہوں نے تمام علوم دینیہ پر اپنی مستند تحقیقات، تصنیفات کا بہت بڑا ذخیرہ اُمت کی اصلاح و تربیت کے لیے مرتب فرمایا۔ حکیم الامت نے علوم القرآن و التفسیر پر بھی گراں قدر تحقیقی و علمی کام سرانجام دیا آپ کی تصانیف میں تفسیر بین القرآن جامعیت، نافعیت اور انفرادیت کے اعتبار سے بے نظیر اور بے مثال ہے۔

علم التجوید پر آپ کے رسائل میں جمال القرآن تو گذشتہ ایک صدی سے برصغیر کے تمام دینی مدارس کے نصاب تجوید کا اہم حصہ قرار دیا جاتا ہے یہ ایک ایسا جامع رسالہ ہے جو علم التجوید کی بنیادی مباحث کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل اس رسالہ کے مضامین کو چودہ لمعات میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں قواعد تجوید کے ساتھ ساتھ علم الوقف و علم الرسم پر بھی اختصار کے ساتھ کلام کیا گیا ہے۔

حضرت نے ایک عربی رسالہ حقیقت التجوید اور ہدیۃ الوحید کے مضامین سے اپنے اس رسالہ کو مرتب فرمایا ہے۔ ۱۳۳۳ھ سے آج تک اس رسالہ کی بیسیوں شروحات لکھی جا چکی ہیں۔ اس کے اختصار اور جامعیت کی وجہ سے اس کو ایک بہترین متن کا درجہ حاصل ہے۔ ہر زمانہ میں اساتذہ تجوید نے اس کی توضیح و تشریح کے لیے قلم اٹھایا ہے۔ سب سے پہلے تھانوی ہون کے قاری محمد یامین صاحب نے اس پر حاشیہ لکھا پھر تو یہ سلسلہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا تا آنکہ قاری محمد طاہر رحیمی مہاجر مدنی نے ایک مفصل شرح کمال الفرقان شرح جمال القرآن مرتب فرمائی۔ یہ ایک ضخیم شرح ہے جس میں تجوید کے تمام مضامین پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ جمال القرآن اُردو میں لکھا جانے والا

پہلا رسالہ ہے جس کے تراجم برصغیر کی بہت سی زبانوں میں کیے گئے۔ ہندی، بنگالی، گجراتی کے علاوہ عربی، فارسی میں بھی اس کے مضامین کو منتقل کیا گیا ہے۔ آج پاکستان، ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایک بھی قاری ایسا نہ ہوگا جس نے جمال القرآن سے استفادہ نہ کیا ہو۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسۃ صولتیہ مکہ مکرمہ کے طلباء کے لیے ایک منظوم رسالہ تجوید القرآن مرتب فرمایا جو سات ابواب پر مشتمل ہے اس میں ۱۲۰۰ اشعار ہیں اس رسالہ میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے خوبصورت انداز میں تجوید کے تمام قواعد مخارج و صفات تریق تفحیم اظہار ادغام کا تذکرہ نہایت عمدہ پیرایہ میں کیا ہے اور ابواب کو مزید وضاحت کے لیے فصول میں تقسیم کیا ہے۔ رسالہ تجوید القرآن ایک مختصر حاشیہ حضرت قاری محبت الدین بن قاری ضیاء الدین الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا ہے۔ رسالہ کے شروع میں مولانا محمد سعید کیرانوی نے اس رسالہ کی اہمیت پر ایک مختصر نوٹ لکھا ہے۔

۱۹۸۵ء میں استاذی حضرت قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس منظومہ پر ایک مفصل حاشیہ مرتب فرمایا جو کہ مجموعہ نادرہ کے نام سے قراءت اکیڈمی نے شائع کیا۔

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے طلباء کے لئے ۱۳۱۹ھ میں حضرت تھانوی نے ایک منظوم رسالہ یادگار حق القرآن مرتب فرمایا۔ ۱۶۳۱ اشعار پر مشتمل اس رسالہ میں تجوید کے مختصر قواعد بیان فرمائے ہیں اس رسالہ پر بھی قاری محبت الدین صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر حاشیہ موجود ہے۔ بعد ازاں حضرت قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفصل حاشیہ اس رسالہ پر مرتب فرمایا ہے۔

قراءت سبعہ کی تعلیم مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسۃ صولتیہ مکہ مکرمہ میں قاری عبداللہ الیٰ آبادی سے حاصل کی جو کہ شیخ ابراہیم سعد مصری کے تلمیذ ہیں اور انہوں نے شیخ حسن بدیر الجریسی سے قراءت کی تکمیل کی ہے اور الجریسی امام القراءت الشیخ احمد محمود التولی کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءت سبعہ کے تعلیم و تعلم کو آسان بنانے کے لیے ایک نہایت جامع مختصر رسالہ تنشیط الطبع فی اجراء السبع مرتب فرمایا۔ اس رسالہ میں قراءت سبعہ کے بارے میں سادہ اور آسان انداز میں نہایت قیمتی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ زمانہ قدیم میں اجراء قراءت کے لیے کوئی آسان رسالہ اردو میں موجود نہ تھا۔ طلباء قراءت کو جمع الجمع میں اجراء کے لیے بہت مشکل پیش آتی تھی۔ حکیم الامت نے طلباء کی آسانی کے لیے جمع الجمع میں قراءت سبعہ کی تمام وجوہ قراءت کو ترتیب سے لکھ دیا ہے۔ سب سے پہلے امام قالون کی پہلی وجہ لکھتے ہیں اس میں آنے والے اختلاف کی نشاندہی کلمہ قرآنی کے اوپر کرتے ہیں اور کلمہ قرآنی کے نیچے ان قراء کا ذکر کرتے ہیں جن کا اختلاف ہوتا ہے۔ آخری خانہ میں ان قراء کا ذکر فرماتے ہیں جو اس وجہ سے موافق ہوتے ہیں۔

اس طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی ۴۶ آیات کی تمام وجوہ مرتب فرمائیں۔ اس کتاب پر حضرت استاذی قاری اظہار احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفصل حاشیہ تحریر فرمایا اور مزید بہت سے فوائد کو شامل فرمادیا بعد ازاں عزیز القدر قاری نجم الصبیح تھانوی نے اس ترتیب پر پوری سورۃ بقرہ مکمل کر دی اس رسالہ کی وجہ سے طلباء قراءت کو اجراء قراءت میں بہت سہولت ہوگئی۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ کو سات

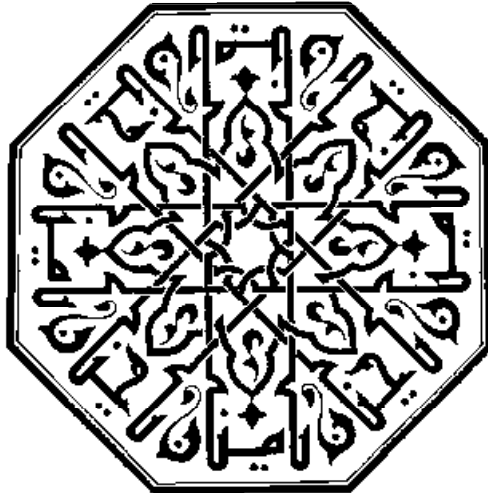
سبعہ

فضول، خطبہ و تمہید، تتمہ کے ساتھ مکمل کیا۔

اجراء قراءات میں امام ورش ﷺ کے لیے جب مد بدل اور مد لین جمع ہو جائیں تو کئی وجوہ بن جاتی ہیں۔ حضرت تھانوی ﷺ نے ان وجوہ ورش کا مکمل نقشہ کتاب میں شامل کیا ہے اور حاشیہ میں قاری انہارا احمد صاحب تھانوی ﷺ نے ان نقشوں کے ذریعہ تمام وجوہ جائز و غیر جائز کو واضح کر دیا ہے۔ ایک اور مستقل رسالہ وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی کے نام سے مرتب فرمایا جسے بعد میں اپنی کتاب تفسیر بیان القرآن کے ساتھ شامل کر دیا۔ یہ رسالہ عربی میں ہے اور اس کے بارے میں خود حکیم الامت فرماتے ہیں۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں ایسا مختصر رسالہ لکھوں جو سب سے قراءات متواترہ کے لیے کافی ہو۔ اس کے معنی اور اعراب ہوں۔ کیونکہ ہندوستان میں کتب اس فن سے خالی ہیں۔ میں اللہ پر توکل کر کے وجوہات کا ذکر کروں گا اور قراءات کی ان توجیہات کا بھی ذکر کروں گا جو ان کے پیش نظر تھیں نیز صرف نحو اور تفسیر کی توجیہات بھی ذکر کروں گا۔

اس رسالہ کا مآخذ تفسیر روح المعانی اور کتاب المکرر فی القراءات ہیں۔ اس رسالہ میں حکیم الامت نے نہایت اختصار کے ساتھ قراءات کی توجیہ بیان فرمائی ہیں۔ اس رسالہ کو دیکھ کر مولانا کی اس فن سے گہری دلچسپی اور فن قراءات پر مہارت تامہ کا احساس ہوتا ہے۔

علوم القرآن پر حکیم الامت کی دیگر بہت سی تصانیف ہیں مثلاً سبق الغایات فی نسق الآیات، أدب القرآن الکریم، رفع الخلاف فی حکم الأوقاف اور بھی بہت سے رسائل ہیں جن کی تفصیل کے لیے حکیم الامت کی تصانیف کی فہرست دیکھی جاسکتی ہے۔



## جمع کتابی سے متعلق چند توضیحات

’جمع کتابی‘ کے حوالے سے رُشد قراءات نمبر اول میں محترم قاری فہد اللہ مراد کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس بنیاد پر ملک کے مختلف مخرف حلقوں میں شدید اضطراب کی ایک لہر چل پڑی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ فتنہ پرداز قراءات نمبر اول دوم میں علوم القراءات کے متعلق پیش کردہ تحقیقی مقالات کے حوالے سے علمی بحث و مباحثہ کے میدان میں اترتے لیکن انہوں نے اس کے بجائے منہی پھکنڈوں کا استعمال کرتے ہوئے عوامی حلقوں میں سوچی سمجھی سکیم کے تحت ایک غلط بحث کو یوں جنم دیا کہ رُشد قراءات نمبر اول میں شائع شدہ محولہ بالا مضمون کو بنیاد بنا کر ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا اور مضمون ۶۷۸ پر ادارہ کے حوالے سے موجود ایک ’خبر‘ کو توڑ مروڑ کر یوں پیش کیا کہ بعض مصلحین بھی ایک نئی بحث کا شکار ہو گئے۔

مجلات کی دنیا میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی رسالے میں شائع شدہ کوئی مضمون کبھی بھی ادارہ کا مکمل نمائندہ موقف نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اندرونی ٹائٹل پر ہی اس بات کی وضاحت ’رُشد‘ نے خود بھی کی ہوئی ہے کہ ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کئی اتفاق ضروری نہیں۔ اس کے باوجود منکرین حدیث نے ایک ایسی بات، جس کی نہ تو ادارہ نے کئی ذمہ داری قبول کی اور نہ ہی صاحب مضمون نے اسے بیان کیا تھا، نکال کر علم قراءات کے فروغ کے لئے کام کرنے والے اداروں کے سرپرست حضرات سے غلط سلسلہ انداز میں اپنے مطلب کے فتوے حاصل کیئے۔ ہمارا احساس اس سلسلے میں یہ ہے کہ معزز مفتیان اپنی علمی دانش و آگاہی کی بناء پر بخوبی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ قراءات عشرہ کے قرآن ہونے کا مسئلہ اپنی جگہ اہل ہے، البتہ امور شرعی کے نفوذ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بصیرت و حکمت سے کام استعمال چونکہ مطلوب شرعی ہے چنانچہ قرآن مجید کی حفاظت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کئے گئے ہر کام میں اصول مصلحت و سد رابع کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ ہم قراءات نمبر کی ان خصوصی اشاعتوں کے اختتام پر ضروری سمجھتے ہیں کہ مختلف قراءات میں قرآنی نسخوں کی اشاعت کے مسئلہ کے حوالے سے پیدا شدہ اس علمی بحث میں اپنا نقطہ نظر بھی مؤثر اہل علم و مفتیان کے سامنے رکھ دیں تاکہ مسئلہ کے بارے میں موجود آراء میں اس پہلو کو بھی ملحوظ رکھا جائے اور افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل رائے قومی سطح پر اختیار کی جائے۔

جناب قاری فہد اللہ کی زیر نظر تحریرات اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ موصوف نے اپنے مضمون پر اٹھنے والے بعض اعتراضات کی توضیح بھی خود کر دی ہے جبکہ فتنہ پردازوں کی طرف سے اٹھائی جانے والی نئی بحث کے حوالے سے معتدل نقطہ نظر قارئین رُشد کے سامنے رکھ دیا ہے۔ [ادارہ]

’رشد قراءات نمبر ایک‘ میں راقم نے ایک مضمون ’حفاظت قرآن کریم کے قدیم و جدید ذرائع‘ کے عنوان سے تحریر کیا تھا جس میں صدر اوّل سے لے کر آج تک قرآن کریم کی حفاظت کے پہلو سے جو کام سرانجام پائے ہیں، ان کا اجمالی تذکرہ کیا تھا اور ساتھ ساتھ اس وقت دنیا میں ہماری اطلاعات کے مطابق خدمت قرآن کے مبارک سلسلہ میں جو کام ہو رہے ہیں ان کا تعارف کروایا تھا۔ جس پر پاکستان میں موجود غلام احمد پرویز کی روحانی اولاد نے ایک فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے علمائے اہل السنّت کی طرف رجوع کیا اور مضمون میں موجود بعض سطور کو غلط رنگ دے کر علماء عظام سے اس کی بابت فتویٰ طلب کیا۔ ابھی تک مختلف ذرائع ہمیں تین فتاویٰ جات موصول ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک فتویٰ دارالعلوم کراچی سے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، ایک جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے مولانا مفتی محمد شعیب عالم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جبکہ تیسرا فتویٰ ’مفتی طاہر کلبی، صدر قرآنی مرکز کراچی کا ہے۔ پہلے دو فتاویٰ جات میں تو مسئلہ ہذا کے بارے میں علمی و تحقیقی انداز اپنایا گیا ہے لیکن تیسرے فتویٰ میں شرعی ذمہ داری ادا کرنے کی بجائے شوق فتویٰ نویسی کا پہلو زیادہ جھلکتا ہے۔

### پہلے دو فتاویٰ جات کے بارے میں گزارشات

پہلے دونوں فتاویٰ میں جہاں بڑی شدت کے ساتھ قراءات عشرہ متواترہ کی حجیت کی بحث کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ ان کے منزل من اللہ اور قرآن ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے، ان کو قبول کرنا واجب اور ان پر اعتماد لازم ہے اور ان کا مخالف گمراہ اور سبیل المؤمنین سے ہٹا ہوا ہے۔ وہاں ان میں یہ بات بھی یکساں ہے کہ پاکستان میں روایت حفص کے علاوہ دیگر متواتر روایات میں مصاحف چھاپنا خلاف مصلحت ہے لہذا اس سے گریز کرنا چاہیے۔

**اولاً:** اس مرحلہ پر ہم بھی اپنے مؤقر علماء کرام کے ہمنوا ہیں کیونکہ پاکستان کا تو کوئی ادارہ یہ کام نہیں کر رہا لیکن جو ادارے یہ کام کر رہے ہیں ان کی خدمت میں بھی ہم نے عرض کیا ہے کہ اس کام کو عوامی سطح پر قطعاً نہ لایا جائے اور اگر عوامی سطح پر لانا چاہتے بھی ہوں تو اس قدر عوام میں شعور آگئی پیدا کرنا ضروری ہے تاکہ کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ فتنے کا اندیشہ ختم ہو جائے۔

**ثانیاً:** اس کے ساتھ ساتھ ہم مسئلہ کی حقیقی نوعیت بھی واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ مذکورہ مصلحت جس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ عوام میں انکار قرآن کا دروازہ نہ کھل جائے یا یہ چیز تحریف قرآن کے سلسلہ میں اہل ضلالت کیلئے مہینز کا کام نہ دے تو اس بارے میں عرض ہے کہ کیا یہ حکم پورے عالم اسلام کیلئے ہے یا صرف پاکستان کیلئے؟ اگر عالم اسلام کے لیے ہے تو پھر یہ مصلحت کب کی ختم چکی کہ سعودی عرب کا قرآن کریم کی طابعت سرکاری ادارہ ’مجمع ملک فہد‘ تو کب سے چار متداولہ روایات کے قرآن کریم کروڑوں کی تعداد میں مسلسل طبع کر رہا ہے تو سب سے پہلے تو ان کو متنبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز دار القراءات البانیہ (اردن) بھی اس سلسلہ میں کام کر رہا ہے اور اس نے ان چار کے علاوہ دیگر دو غیر متداولہ روایات میں بھی مصاحف شائع کر دیئے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور وہ یہ سارا کام لجنۃ مراجعۃ المصاحف مصر کی زیر نگرانی ہو رہا ہے۔ باقی اگر یہ خاص پاکستان کے ماحول کا مسئلہ ہے تو تب بھی مسئلہ کی دونو عینتیں ہیں:

① کیا مصلحت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کام کو مطلقاً ختم کر دیا جائے اور تا قیامت اس خطہ میں اس کی

قاری فہم اللہ مراد

اشاعت و ترویج پر پابندی عائد کر دی جائے؟ یعنی کیا مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کام کو مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے دبا دیا جائے؟

⑤ یا پھر مصلحت کا معنی یہ ہے کہ اس کام میں شرعی کو قدغن نہیں بلکہ یہ ایک مطلوب شرعی ہے کہ اس کی اشاعت و ترویج کی جائے۔ صرف وقتی طور پر ایسا کرنا کئی قسم کے اشکالات کو جنم دیتا ہے، اس لیے پہلے ماحول سازگار کیا جائے پھر اس کی اشاعت ہو

ہماری نظر میں اگر مصلحت کا تعلق مذکورہ بالا دوسری قسم سے ہے تو یہ بات صحیح اور درست ہے اور قرین قیاس ہے کہ پہلے ماحول بنایا جائے بعد میں کوئی ایسا کام کیا جائے اور اسی مصلحت کے پیش نظر ہم نے اپنے مضمون میں یہ تجویز دی تھی کہ اگر یہ کام کر بھی لیا جائے تو عملی سطح پر صرف لائبریریوں کی حد تک محدود ہونا چاہئے۔ باقی اگر ہمارے محترم اس سے ایسی مصلحت مراد لیتے ہیں جو ہم نے نمبر میں ذکر کی ہے تو معذرت کے ساتھ ہمارا ان سے متفق ہونا مشکل ہے کیونکہ یہ نقطہ نظر صریح شرعی نصوص اور نظریہ سلف سے متضاد ہے۔ کیونکہ قراءات کے مسئلہ میں اختلاف کوئی پہلی بار پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہوا بلکہ نزول قرآن کے دور میں اور آپ ﷺ کی موجودگی میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین قراءات کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کا قصہ موجود ہے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے اختلاف کو ختم کرنے کی غرض سے کسی ایک کو حکم نہیں دیا کہ آئندہ تم میں سے کوئی ایک اپنی قراءات ترک کر دے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إقراء يا هشام فقرأ هذا القراءة التي سمعته يقرأها قال رسول الله ﷺ هكذا انزلت ثم قال رسول الله ﷺ إن هذا القرآن انزل على سبعة أحرف» [صحیح بخاری: ۲۴۱۹: ۵۰۲۱]

یہاں پر اللہ کے رسول ﷺ نے دونوں صحابہ کو سنا اور پھر ہر ایک قرآن کریم کا درجہ اور ساتھ یہ کہا کہ قرآن سب سے احرف پر نازل ہوا ہے۔

حتیٰ کہ بعض دفعہ صحابہ آپ ﷺ کی تصریح کے باوجود شبک و شبہ کا شکار ہو گئے تو تب بھی آپ ﷺ نے مصلحت کی بنیاد پر اسے ختم نہیں فرمایا بلکہ صحابہ کو سمجھایا اور علمی و روحانی دونوں طریقوں سے ان کا علاج فرمایا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، سیدنا ابی بن کعب نے ایک شخص کو مسجد میں اپنے سے مختلف قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ پھر دوسرا شخص آیا اُس نے پہلے شخص سے بھی مختلف قراءات کی۔ نماز سے فراغت کے بعد تینوں صحابہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سیدنا ابی بن کعب نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

«إن هذا قرأ قرأه أنكرتها عليه و دخل آخر و دخل آخر فسوى قراءه صاحبه فأمرهما رسول الله ﷺ فقرأه فحسبنا النبي ﷺ شأنهما فسقط في نفسي التأكيد ولا اذ كنت في الجاهلية فلما رأى رسول الله ﷺ ما قد غشيتني ضرب في صدري ففضت عرقاً وكانما أنظر إلى الله فرقاً فقال لي يا أباي أرسل إلي أن يقرأ القرآن على حرف.....» [صحیح مسلم: ۸۲۰]

مذکورہ بالا روایت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف قراءات ہوا تو آپ ﷺ نے اُسے اپنے عمل سے قرآن کا



درجہ عطا فرمایا۔ جس سے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اس قدر شہادت میں گھر گئے کہ انہیں ایسا کبھی جاہلیت میں بھی نہیں ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر ان کا روحانی علاج کیا اور اللہ نے ان کی شرح صدر فرمادی۔

آپ یہاں فوراً فرمائیں کہ تکذیب قرآن کے اندیشے کے باوجود وصف بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے مصلحت کا سہارا نہیں لیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ہی عظیم مصلحت سمجھا کہ قراءت قرآن کی اشاعت و ترویج ہونی چاہئے۔ بلکہ ایک موقع پر تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ایسے طرز عمل سے سخت ناراض بھی ہوئے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جو میری قراءت کے خلاف تھی۔ میں نے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور آپ کو خبر دی۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری کو محسوس کیا، آپ نے فرمایا:

«كلاكما محسن، ولا تختلفوا فإن من كان قبلكم اختلفوا فيه فأهلكم» [صحیح بخاری: ۳۴۶۲]

کہ یہ سنتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ متغیر ہو گیا کہ تم قرآن میں اختلاف کرتے ہوئے حالانکہ دونوں درست ہیں اور ساتھ فرمایا پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب بھی یہ چیز بنی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا گیا تو «و غضب حتی عرف الغضب فی وجهه» کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غضبناک ہو گئے کہ غصہ آپ کے چہرہ انور سے آشکار ہو رہا تھا۔

تو یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضبناک ہونے کا سبب یہ ہے کہ قراءت قرآن کے بارے میں تمہارا اختلاف ہو رہا ہے حالانکہ یہ سب کا سبب قرآن ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اختلاف ہوا اور آپ نے اس کا حل کسی مصلحت کی بناء پر یہ قرار نہیں دیا کہ اس اختلاف کو ختم کر دیا جائے بلکہ آپ نے اس اختلاف قرآن کریم کا درجہ دیا اور امت میں اس کو جاری و ساری فرمایا۔ لہذا مصلحت عوام یہ قطعاً نہیں ہے کہ ان کو قراءت قرآن کے علم سے دور رکھا جائے بلکہ مصلحت اس بات میں ہے کہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دی جائے اور قراءت قرآن سے آگاہ کیا جائے تاکہ انہی بھی علوم قرآن کے شتاور بننے کی جستجو پیدا ہو۔

\* مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرعی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قراءت کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کی جائے۔ مزید یہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس مصلحت کی بنیاد پر یہ ساری بحث اٹھائی گئی ہے اس کی حقیقت کو بیان کر دیا جائے۔

اصولین کی اصطلاح میں مصالح کی تین اقسام ہیں:

① مصالح معتبرہ (یعنی شرعی مصلحتیں)

② مصالح مطعی (جن کا شرع نے اعتبار نہیں کیا)

③ مصالح مرسلہ (مصالح مرسلہ سے مراد وہ مصالح ہیں جو فقہی ہوتی ہیں اور یہ مصالح فقہی مسائل کی طرح جزوی اور وقتی ہوتی ہیں جبکہ مصالح معتبرہ شرعی مصالح وہ شریعت کی طرح دائمی ہوتی ہیں۔

ہماری رائے میں غلطی یہاں ہوتی ہے کہ بعض مواقع پر شرعی مصلحتوں کو، جو دائمی ہوتے ہیں، بھی مصالح مرسلہ کی طرح وقتی خیال کر لیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے کہا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصلحت کی بنیاد پر قراءت کے اختلاف کو ختم کر دیا تھا اور صرف ایک قراءت پر امت کو جمع کر دیا تھا۔ حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو کیا جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جاری کردہ کسی بھی قراءت کو ختم نہیں کر سکتے۔ اسی لیے ابن حزم رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے

بک

میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ انہوں نے قراءت کو ختم کر دیا تھا تو ایسا شخص ان کے خروج عن الملة کا قائل ہے۔  
لہذا وہ مصلحت شرعی کہ جس کی بنیاد پر اللہ کے رسول ﷺ نے قراءت کو اُمت میں رائج کرنے کی تعلیم دی ہے اور صحابہ کے اختلافات کو بطور قرآن ثابت رکھا ہے وہ اس بات کی متقاضی ہے کہ آج قراءت قرآنیہ کو مروج کیا جائے نہ کہ انہیں مصلحت کے نام پر ختم کر دیا جاوے جو حقیقتاً مصالح شرعیہ کے منافی ہے اور یہ مصلحت شرعی یعنی قراءت کو باقی رکھنا دائمی اور ابدی ہے۔ اس کے پھیلانے کے طریقہ کار کو سوچنا چاہئے نہ کہ ختم کرنے کے۔ ☆

☆ اگر کوئی دہائیاں پہلے محافل قراءت وغیرہ کے سلسلے میں بھی مصلحتیں پیش نظر رہیں تو آج ان محافل کا

رشد قراءت نمبر دوم میں زرعیون ان تعارف علم القراءت..... سوالات و جوابات از حافظ حمزہ مدنی کے مضمون سے مصلحت کے متعلق موجود ایک سوال اور اس کے جواب کو ذیل میں افادہ قارئین کی غرض سے من و عن پیش کیا جاتا ہے۔ سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قراءت کی اجازت تولا تھی، بعد میں منسوخ یا مقفوف کر دی گئی؟ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: بعض منکرین قراءت، جو کہ ابتدائی دور کے لحاظ سے متنوع قراءت کو تسلیم کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کو مختلف اندازوں میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن بعد ازاں اس رخصت کو منسوخ کر دیا گیا، کیونکہ جس غرض سے ان قراءت کو پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی وہ غرض پوری چکی تھی، چنانچہ ان قراءت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے رائے کے ساتھ منسوخ یا مقفوف کر دیا۔ اس نقطہ نظر کے حاملین کے ہاں بنیادی طور پر یہ ذہنیت پائی جاتی ہے کہ شریعت کے وہ احکام، جو مصالح و مقاصد کے پیش نظر دیے گئے ہیں وہ وقت ہوتے ہیں، جنہیں مقاصد کے حصول کے بعد منسوخ یا مقفوف کیا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں کے ہاں عام طور احادیث میں مذکور احکامات ہی قبیل سے ہیں۔

اس بات کی وضاحت یہ ہے کہ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ شرع میں ذکر کردہ مصالح سے متعلق احکام صرف نبی کریم ﷺ کے زمانہ کی رعایت اور حالات کے اعتبار سے مشروع کیے گئے تھے، چنانچہ اُس دور کے حالات سے منسلک احکامات بنیادی طور پر شریعت سے خارج ہوتے ہیں۔ شریعت میں مذکور مصالح جنہیں اصطلاح اصحاب میں مصالح معتبرہ کہتے ہیں، سے متعلق احکام کے بارے میں ان لوگوں کے ذہن کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ یہ ان شرعی مصالح کو فقہی واجتہادی مصالح جنہیں اصولیوں کی اصطلاح میں مصالح مرسلا کہتے ہیں، کی طرح سمجھتے ہیں، حالانکہ اہل سنت کے ہاں شرعی مصلحت دائمی و ابدی، جبکہ فقہی مصلحت وقت و معارضی ہوتی ہے۔ علمائے اصول کے ہاں مصالح مرسلا کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ تمدن کی تبدیلی سے پیدا شدہ نئے حالات میں فقہاء کرام بسا اوقات شریعت کی کسی نص کے انطباق میں شرعی مقاصد (شریعت کی بیان کردہ عمومی مصالح) کا لحاظ رکھتے ہوئے معاملہ کی نوعیت اور مسئلہ کے ہمہ گیر پہلوؤں کی رعایت میں شریعت میں موجود اس واقعہ سے ملنے ملتے واقعات (نظائر) کے بارے میں وارد شرعی نصوص پر قیاس کر کے اجتہاد و استنباط سے کچھ حدود و قیود کا اضافہ یا کمی کر دیتے ہیں۔ تمدن کے نئے تقاضوں سے جو انسانی ضروریات سامنے آتی ہیں، مجتہد کے لیے شرعی مقاصد اور تعلیمات دین کی روشنی میں ان کی رعایت کرنا شارع کا مطلوب ہے، جسے اجتہاد کے مبارک عمل سے پورا کیا جاتا ہے۔ فقہاء کے استنباطات و اجتہادی آراء کا شرعی نصوص و احکام سے بنیادی ترین فرق یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں، اسی لیے آپ کی لائی ہوئی شریعت بھی ابدی ہے، جسے منسوخ یا مقفوف کر کے اب نئی شریعت قیامت تک نہیں لائی جاسکتی، برابر ہے کہ وہ کسی نئے حکم کے وجود میں لانے کی صورت میں ہو یا شریعت میں پہلے سے موجود کسی حکم کو ختم کرنے کی شکل میں، لہذا شریعت میں مذکور مصالح و رخصتیں بھی روزوں سے دائمی حیثیت ہی رکھتی ہیں، جبکہ فقہاء کے ذکر کردہ مصالح کی حیثیت بہر حال یہ نہیں ہے۔

الغرض اجتہاد کے بنیادی مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ یہ شرع کے اندر ہوتا ہے، باہر نہیں اور یہ شرع کے نسخ کا نام نہیں، بلکہ اس کا کام نئے تمدنی تقاضوں کے لیے شریعت کی توضیح و تشریح کرنا ہے، چنانچہ شرع میں جن رخصتوں اور جزوی یا کلی مصالح کو سامنے رکھ کر شرعی احکام دیے گئے ہیں، اب قیامت تک آنے والے انسانوں کے مصالح کا ایک خاصہ سامنے رکھتے ہوئے ان شرعی احکام کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ابدی ہدایت پیش کر دی ہے، جس میں قیامت تک تمام زمانوں اور لوگوں کی جمیع ضروریات اور طبعی تمدنی

انعتقاد اور قراءات متواترہ کے متعلق عوام میں جو ایک شعور پیدا ہو چکا ہے کبھی نہ ہوتا، ہمارے اسلاف رضی اللہ عنہم کی ساری تقاضوں کا لحاظ کر لیا گیا ہے۔ یہ کہنا کہ اللہ عظیم ذخیرہ جن منقاد و مصالح کی رعایت کر کے اپنے علم و حکمت کی روشنی میں جو احکامات پیش کر دیے ہیں، بعد کے زمانوں کے بعض مصالح کی ان میں رعایت نہیں کی گئی انتہائی خطرناک بات ہے۔ اس تناظر میں ہمارا کام بس یہی ہے کہ ہم اپنے مخصوص علاقائی اور وقتی تقاضوں کی رعایت میں شرع کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں۔ اس صورت میں جو فقہی و استنباطی راہنمائی سامنے آئی گی وہ بھی علاقائی اور وقتی ہی ہوگی، اسے ابدی اور کلی قرار دینا انتہائی غلط ہوگا۔ عالمگیریت اور ابدیت صرف شرعی احکامات کا خاصہ ہے، فقہی و اجتہادی احکام کی یہ صفت نہیں ہے۔ اسی لیے علمائے اصول کے ہاں شرعی مصلحت کو حکمت کہا جاتا ہے، جو رب حکیم کی صفت علم ذخیرہ کی روشن مثال ہوتی ہے، جبکہ انسانی مصلحت کو حکمت کے بجائے اجتہادی مصلحت کی متوازی اصطلاح سے بیان کیا جاتا ہے۔ شریعت کی اسی عالمگیریت اور جامعیت کو واضح کرنے کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے معارج الوصول فی بیان أن أصول الدین وفروعه قد بینہ الرسول ﷺ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے، جس کا مطالعہ اس ضمن میں انتہائی مفید ہوگا۔

مذکورہ تمہیدی باتوں کے بعد اب ہم آتے ہیں سوال کے جواب کی طرف تو میں واضح کرنا چاہوں گا کہ منکرین قراءات، جن کی اپنی دینی بنیادیں مضبوط نہیں، انہوں نے فقہی مصلحت کے انداز پر قراءات کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر جو قرآن نازل ہوا تھا، وہ تو بنیادی طور پر ایک ہی ہے، یا ایک ہی لہجہ کے ساتھ نازل ہوا تھا لیکن محمد ﷺ نے متاخرین فقہاء کی طرح قرآن مجید کے اندر لوگوں کی مشکلات یا مصلحت و حکمت کی پیش نظر کچھ چیزوں کی گنجائش اپنی طرف سے دے دی تھی۔ ہمارے نقطہ نظر کے مطابق یہ بات اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر یہ معاملہ ایسے بھی ہو، جیسے ذکر کیا جا رہا ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ اگر کوئی بات قرآن یا سنت میں اپنے اجتہادی پیش نظر نہیں تو اول سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق چونکہ اس کے اوپر وحی کی گمانی ہوتی ہے، چنانچہ وہ چیز نتیجتاً وحی بن جاتی ہے، جیسے کہ کثنا نزل والقرآن نزل [صحیح مسلم ۱۲۳۹] کی مثال ہے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم کے رسول ﷺ کے سامنے تو عزل نہیں کیا کرتے تھے لیکن زمانہ نزول وحی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عزل کرنا اور قرآن مجید کا نازل ہونا اور اللہ کے رسول ﷺ کا اس پر خاموش رہنا یہ خود ایک تقریری حدیث کی بنیاد ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوع کو اپنی جامع صحیح کے کتاب الاعتصام میں باقاعدہ ایک باب قائم کر کے واضح کیا ہے۔

اس بات کو ایک اور انداز سے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خاموشی سے شرعی حکم کے قرار (تقریر) پاجانے کی اصل توجیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سکوت کا معنی یہ بنتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات پر سکوت فرمایا ہے، جس پر آپ خاموش رہے ہیں، گویا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں، جیسا کہ روایات میں موجود ہے کہ بسا اوقات محمد ﷺ نے اجتہاد فرمایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اجتہاد کے حوالے سے جو کمزوری کا پہلو تھا اسے بیان فرمادیا، تو اگر اللہ تعالیٰ کمزوری کو بیان فرمادیں تو ایسی صورت میں وہ چیز شریعت نہیں بنتی، لیکن اگر واضح نہ فرمائیں تو ایسی صورت میں اللہ کے رسول ﷺ کی خاموشی سے وہ شریعت قرار پاجاتی ہے، جسے اصلاً حاکم تقریر کہا جاتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز پر خاموش رہ جانے سے جو شے ٹھیک قرار پاتی ہے اسے اصلاً حاکم متصواب کہا جاتا ہے۔

اس حوالے سے اُصولیوں کا ایک قاعدہ ہے: "السکوت فی معروض البیان بیان"

"جب کسی جگہ بیان کی ضرورت ہو اور بیان کرنے والا ضرورت بیان ہونے کے باوجود بیان نہ کرے تو عدم بیان اس چیز کے شرعی جواز کی دلیل ہوتا ہے۔" چنانچہ جن لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال موجود ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے قراءات قرآنیہ کو وحی کے بجائے اپنے اجتہاد سے جائز کر دیا تھا، اگر یہ بات بھی کی جائے تو بھی آپ ﷺ کی اجازت نتیجتاً وحی بن جاتی ہے۔ البتہ امر واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ روایات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے قراءات کے اختلاف کو اپنے اجتہاد سے پیش نہیں فرمایا، بلکہ باقاعدہ اللہ تعالیٰ سے ان کے نزول کا تقاضا دعائیں کر کر کر فرمایا تھا، جیسا کہ جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے حوالے سے صحیح روایات میں موجود ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بنی غفار کے تالاب کے پاس دونوں تشریف لائے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ بار بار تقاضا کر کے اللہ تعالیٰ سے اختلاف قراءات کو طلب فرماتے رہے، میکائیل مزید تقاضے کا مشورہ دیتے جاتے اور جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حروف لے کر آتے جاتے =

بک

مختلین عبث قرار پاتیں، آج تجوید و قراءات کے ہزاروں مدارس و کلیات اس مملکت خداداد میں موجود نہ ہوتے اور ادارہ رشد کا قراءات قرآنیہ کے سلسلہ میں قراءات نمبرز کی اشاعت جیسا عظیم کام بھی سامنے نہ آتا۔ کچھ عرصہ پہلے دیگر روایات میں صرف تلاوت ہی ایسا ہی جرم تھا جیسا کہ آج مختلف روایات میں مصاحف کی اشاعت!

حتیٰ کہ ہر طلب پر ایک ایک کر کے سات حرف کا نزول ہوا۔ [صحیح ابن حبان: ۳۴۰] اسی طرح دیگر تمام وہ روایات، جن میں قراءات کے سلسلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کا ذکر ہے، ان میں موجود ہے کہ جب وہ اپنا اختلاف لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ہر ایک کی قراءت سننے کے بعد یوں فرمایا: "هكذا أنزلت، هكذا أنزلت"۔ [صحیح البخاری: ۵۰۲۱] خصوصاً خود حدیث "سبعة أحرف" کے الفاظ "انزل القرآن على سبعة أحرف" میں غور کیا جائے تو سمجھ آتا ہے کہ پہلی روایت کے مطابق ایک حرف کا آسمان سے آنا، پھر دوسرے حرف کا آسمان سے اترا اور پھر تیسرے حرف کا آسمان سے نازل ہونا، حتیٰ کہ معاملہ کا سات حرف تک اسی نوعیت پر پہنچ جانا، اسی طرح دوسری قسم کی روایات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین مختلف اندازوں سے پڑھنے کے بارے میں ہر ایک کے حوالے سے آپ کا یوں تصدیق کرنا: "هكذا أنزلت، هكذا أنزلت"۔ [صحیح البخاری: ۵۰۲۱] اور حدیث "سبعة أحرف" میں قرآن کا سات حرف کے ہمراہ نازل ہونے کا ذکر ہونا، یہ سب کچھ بتاتا ہے کہ قراءات کا یہ تمام اختلاف بنیادی طور پر آسمانوں سے نیچے اترا ہے، کیونکہ لغت میں نزول کا یہی معنی لکھا ہے کہ شے کا اوپر سے نیچے اترا۔ ثابت ہوا کہ معاملہ یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے ان کو جائز قرار دیا اور اللہ کے تصویب کے ساتھ ان کو شریعت کا مقام ملا۔

الغرض جب یہ مقدمہ متعین ہو گیا تو اس حوالے سے یہ سوال کرنا بنیادی طور پر درست نہیں رہتا کہ قراءات کی اجازت رسول اللہ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے دی تھی اور جب یہ مشکل ختم ہوگی تو پھر اس اجازت کو بعد از ان حضرت عثمان نے صحابہ سمیت یا بالفاظ دیگر امت نے ختم (منسوخ یا موقوف) کر دیا۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ ان قراءات کی اجازت وحی سے ملی تھی، وحی کا ذریعہ صراحتاً اللہ کی طرف سے نزول کا ہو یا وحی کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے اجتہاد اور اس پر اللہ کی تصویب کے قبیل سے ہو، ہر دو صورت میں اس گنجائش کو ختم کرنے کے لیے وحی ہی سے نسخ ثابت کرنا ضروری ہے اور اگر وحی سے اس کا نسخ ثابت نہ کیا جاسکے تو کسی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جیسے ہمارے ہاں مصالح مرسلہ اور سد الذرائع کی مباحث چلتی ہیں اور حالات کے تحت اگر پیش نظر قوی و معاشی مسائل و مصالح ختم ہو جائیں تو ہم ان اجتہادی آراء کو ختم کر دیتے ہیں یا نئے حالات کے مطابق بدل دیتے ہیں، تو دین و شریعت کی مباحث میں بھی اسی طرح کا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے الإحکام فی أصول الأحکام اور الفصل فی الجمل والاهواء والنحل میں اس قسم کے عقیدے کو شدید ترین گمراہی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے قطعا ایسا نہیں کیا، بلکہ اگر وہ یوں کرتے تو اس عمل سے ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتے۔ [الإحکام: ۱۵۶]

اگر اس معاملے کو کسی اصول کے طور پر تسلیم کر لیا جائے تو دین حنیف کے بے شمار وہ احکامات، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے رخصتوں کے ضمن میں پیش کیے ہیں، ان کے بارے میں طہدین کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ جب وہ مسائل و مصالح ختم ہو جائیں یا حالات کا پس منظر بدل جائے تو دین کے اس قسم کے احکامات کو باجماعی یا انفرادی اجتہاد سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا اللہ کے علم و حکمت کے اوپر صریح اعتراض اور رسول اللہ ﷺ کے ختم نبوت کے واضح انکار کے مترادف ہے۔ مگر بنی حدیث نے اسی کفر و فریب سے قرآن میں خصوصاً اور حدیثوں میں عموماً وارد شدہ بے شمار جزئی احکامات کا اپنے تئیں انکار یا اجتہاد کے نام پر نسخ کر ڈالا ہے، جیسے قتال کا انکار، کتاب و سنت میں وارد شدہ حدود و تعزیرات کا انکار، حجاب کا انکار، اسباب ازار کا جواز، ڈاڑھی کا انکار، تصویر اور بت سازی کا جواز اور دیگر وہ کچھ جس سے پورے دین اسلام کا نقشہ الٹ کر رہ گیا ہے اور ایک نئے سیکولر اور لبرل اسلام کی تصویر سامنے آ رہی ہے۔ میں اس ضمن میں قرآن مجید میں وارد شدہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کرنا ہی بیان کے لیے کافی سمجھتا ہوں:

﴿لِكَيْ اللَّهُ يَشْهَدَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكُ الْمَكِينُ يُشْهَدُونَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ [النساء: ۱۶۶]

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ کسی شے کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کسی ذات، تمام جن و انس حتیٰ کہ تمام فرشتوں تک کی حاجت نہیں، چاہے ایک شے کو اللہ بطور اپنے حکم کے پیش کر دیں اور سمجھا جائے کہ اللہ کے حکم کو پوری امت مل کر تسلیم کرتی ہے۔ اھ

باقی عوام کے حوالے سے اس حد تک تشویش بھی مناسب نہیں کیونکہ اولاً تو وہ دینی الجھنوں کے لئے علماء سے رجوع کرتے ہیں اور علماء کرام کا قراءات متواترہ کے قرآن ہونے پر اجماع ہے۔ ثانیاً عوام میں روایات مختلفہ میں تلاوت آج سے نہیں تقریباً نصف صدی سے جاری ہے۔ قاری عبدالباسط اور قاری عبدالصمد المصری اور قاری محمد صدیق منشاوی رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف روایات میں تلاوت کے کیسٹیں ہر گھر میں موجود ہیں اور آج ان کو دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ انہوں نے بھی متعدد روایات میں تلاوت کی طرح اسی غرض سے ڈالی تھی تاکہ عوامی سطح پر قراءات قرآنیہ کو رواج ملے۔

فجزاھم اللہ خیر الجزاء

\* باقی رہا یہ مسئلہ کہ کیا پاکستان کی سطح پر قرآن کریم کی مختلف قراءات میں اشاعت کے حوالے سے کچھ کام ہوا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ آج سے تقریباً بیس سال پہلے حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جمیع قراءات قرآنیہ میں الگ پاروں کی شکل میں قراءات کے اختلافات کو جمع کر دیا تھا۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ اگر ان کو وسائل میسر ہوتے تو وہ باقاعدہ مصاحف کی شکل میں بھی انہیں شائع فرما دیتے، اس کے علاوہ قراءات الکیڈمی لاہور نے قرآن کریم کے حاشیہ پر جمیع قراءات کو بھی کئی برس قبل شائع کر دیا تھا یہ مصحف اگرچہ شامی مصحف کی فوٹو کاپی ہے لیکن عرض یہ ہے کہ اس کام کو سب سے اس طرز یعنی حاشیہ قرآن پر قراءات کے اختلاف کو سب سے پہلے ہندوستان میں کیا گیا۔ باقی رہی عالم اسلام کی بات تو چار متداول روایات، روایت بزی و قنبل، دارالقراءات البانیہ سے قرآنی متن کے طور پر شائع ہو چکی ہیں اور دو مزید غیر متداول روایات ہشام اور ابن ذکوان پر کام جاری ہے۔ علاوہ ازیں دارالصحابہ مصر تمام روایات متواترہ کو قرآن کریم کے حاشیہ پر الگ الگ اور مشترک طور پر دونوں صورتوں میں شائع کر چکا ہے۔

☆ مولانا مفتی شعیب عالم صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر قرآن کریم کے رسم و ضبط کا خیال رکھے بغیر قرآن کریم کی اشاعت کی جائے تو یہ حرام اور ناجائز ہے اور اگر رسم و ضبط کا خیال کر بھی لیا جائے پھر بھی فقہی مصلحت کی بنیاد پر قرآن کریم کی اشاعت نہیں ہونی چاہئے۔

قرآن کریم کی اشاعت بارے میں تو ہم نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ پاکستان کا کوئی ادارہ یہ کام نہیں کر رہا، باقی رہا یہ مسئلہ کہ علم الرسم، ضبط اور علم الفواصل کا پورا پورا لحاظ رکھنا ضروری ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ جن محققین نے کویت کے لیے ایک تحقیقی کام کیا ہے اور وہ تمام مجتہد قراءات قرآنیہ کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ علم الرسم، علم الضبط اور علم الفواصل کے بھی ماہر تھے۔ جہاں تک پاکستانی مصاحف میں علم الرسم، علم الضبط اور علم الفواصل کا جو معیار ہے اگر ہم وہ بیان کر دیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان محققین نے رسم و ضبط کا کس حد تک اہتمام کیا ہے! پاکستان میں جس قرآن کریم کو معیار کا درجہ دیا گیا ہے وہ انجمن حمایت اسلام کا شائع کردہ قرآن پاک ہے، جس کے مطابق جمیع مصاحف تیار کئے جاتے ہیں انہی میں ضیاء القرآن پبلیکیشنز کے شائع کردہ قرآن کا جب ہم نے اس حوالے سے تجزیہ کیا تو ایک بارے میں اوسطاً رسم کی ۶۰ اور ضبط کی ۲۰۰۰ کے قریب اغلاط موجود تھیں، اس میں اگر علم الفواصل کی اغلاط کو شمار کیا جائے تو یہ تعداد کہیں کی کہیں پہنچ سکتی ہے۔ اور اس کمی کا پاکستان کے جمیع محقق قراء اور اساتذہ کرام کو اعتراف

قاری فہد اللہ مراد

ہے۔ (مزید وضاحت کے لئے رشد قراءات نمبر حصہ اول میں جناب رشید احمد تھانوی کا مضمون ’رسم عثمانی اور پاکستانی مصاحف کی صورت حال‘، شمارہ ہذا میں قاری محمد مصطفیٰ راسخ کا مضمون ’پاکستان میں مطبوعہ مصاحف کی حالت زار اور ایک محقق مصحف کی ضرورت‘ اور پروفیسر احمد یار کی کتاب ’قرآن و سنت چند مباحث کا مطالعہ مفید ہو گا۔)

واضح رہے کہ ان محققین قراءات نے کویت کیلئے جو کام کیا ہے اس میں رسم، ضبط، علم الفواصل اور عدالآ کیلئے اصل مصادر و مراجع کے ساتھ ساتھ ’مجمع ملک فہد‘ کی طرف سے شائع شدہ مصاحف کو بنیاد بنایا ہے جن کی صحت پر عالم اسلام کے تمام محقق اہل فن کا اتفاق ہے۔

### مولانا شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے شکوہ

مولانا شعیب عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے تفصیل فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں:

”مذکورہ اقدام کے اعلان کے ساتھ ہی مسلمانوں کے پرسکون ماحول میں اضطراب پیدا ہو چکا ہے۔ سوالات کی کثرت اس آنے والے طوفان کی خبر دے رہی ہے۔ جب یہ طوفان درود یوار کے ساتھ ٹکرائے گا اس وقت اس کی شدت ہر کس و ناکس جان لے گا۔ کاش ہم اس کی آمد سے قبل بادلوں کے بدلتے ہوئے تیور اور سمندر کی مضطرب موجوں سے اس کا اندازہ لگا سکیں کچھ بعید نہیں کہ یہ کوشش و جسارت آگے چل کر کتاب اللہ کے ابدی وعدے کو غیر مؤثر بنانے کی اسکیم کا حصہ ہو۔“

اس پیرا گراف میں جو تاثر دیا گیا ہے اس سے خود مولانا بھی بخوبی آگاہ ہیں اور قارئین بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ جس سے ان کے مخاطبین کو شدید تکلیف ہوئی ہے کہ ہم تو وہ کام کر رہے ہیں جو خود آپ جیسے علماء اور جامعہ العلوم الاسلامیہ جیسے مدارس کا تھا تو آپ نے ہمارے بارے میں بھی مذکورہ جذبات کا اظہار کر دیا ہے ان محولہ سطور میں جو بات زیادہ قابل اعتراض اور قابل توجہ ہیں ہم عرض کئے دیتے ہیں۔

محترم مولانا نے فرمایا کہ اس اقدام کے اعلان کے ساتھ ہی مسلمانوں کے پرسکون ماحول میں اضطراب پیدا ہو چکا ہے۔ سوالات کی کثرت اس آنے والے طوفان کی خبر دے رہی ہے۔

تو سب سے پہلے تو کسی ایسے اقدام کا اعلان ہوا ہی نہیں ہے اور پھر اس سے مسلمانوں کے پرسکون ماحول میں قطعاً کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوا، جن کے ماحول میں اضطراب پیدا ہوا ہے وہ اس پرویز کی روحانی اولاد ہے جس کی تکفیر خود اہل السنۃ والجماعت کر چکے ہیں۔ یہ بے چینی ان منکرین حدیث و قرآن کو ہوئی ہے جو کہ حدیث کے انکار کی بہت بڑی بنیاد ان روایات کو بھی بناتے ہیں جن میں قراءات قرآنیہ کی تائید موجود ہے تو ان کے بحر مدار میں تلاطم یقینی ہے اگر میرے محترم مولانا کو اس کا اندازہ نہیں ہے تو ’طلوع اسلام‘ اور ’البلاغ‘ کے چند سابقہ شمارے اٹھا کر دیکھ لیں کہ ان کے وجود بیمار میں کس قدر ہيجان کی کیفیت ہے اور آپ کے ہاں سوالات کی کثرت کی بھی انہی کے چیلے چانٹوں کی طرف سے ہے اور خود مذکورہ سائل ذکر حسین بھی اسی طبقہ کا فرد ہے جس کی بیمار ذہنی کا اندازہ آپ اس سوالات کے مختلف اسالیب سے کر سکتے ہیں۔

باقی یہ طوفان جن کی درود یوار کو سے ٹکرائے گا وہ آپ اور ہم نہیں ہیں وہ یہ منکرین حدیث ہیں جن کے چیخنے

چلانے کے باوجود اللہ کے اس نور کی تکمیل ہو کر رہے گی۔ ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّهُ نُورًا﴾  
 جناب شیخ! آپ کے ان الفاظ نے ہمارے قرآنی جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے ”کچھ بعید نہیں  
 کہ یہ کوشش و جسارت آگے چل کر کتاب اللہ کے ابدی حفاظت کے وعدے کو غیر مؤثر کرنے کی اسکیم ہو۔“  
 اگر آپ ان جملوں کی گہرائی پر غور فرمائیں تو اندازہ ہوگا کہ خادین قرآن کیلئے یہ کس قدر تکلیف کا باعث ہیں،  
 کیا ہمارے اسلاف جو آپ کے بھی اسلاف ہے انہوں نے جو بھی کام کیا ہے اُسے ’جسارت‘ کے لفظ سے خراج تحسین  
 پیش کرنا چاہئے؟ ہم نے حضرت قاری عبد اللہ مکی، حضرت قاری عبد الرحمن مکی، حضرت قاری عبد الملک المکی رحمۃ اللہ علیہ،  
 حضرت قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قاری شریف صاحب، حضرت قاری حسن شاہ حضرت قاری محی الاسلام  
 ، حضرت قاری فتح محمد پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی برسوں کی محنتوں کو الفاظ کا جامہ پہنا کر  
 قراءات نمبرز کی شکل میں آپ کی نذر کیا ہے۔ یا پھر یہ کہ کیا قرآن کریم کی وہ اشاعت جو دیگر روایات میں اس وقت  
 پورے عالم اسلام میں ہو رہی ہے۔ کیا اُسے ’جسارت‘ کہنا چاہئے اور اس سارے کام کو قرآن کریم کی ابدی حفاظت کو  
 غیر مؤثر کرنے کی اسکیم کہنی چاہئے یقیناً یہ بہت بڑا کلمہ ہے جو اہل قرآن کی صدیوں کی محنت کو یک لخت خاک میں ملا  
 دیتا ہے۔ اللہ ہمیں صحیح صورت حال کو سمجھنے کی توفیق دے اور ہمیں بھی محافظین قرآن کی قابل رشک صف میں  
 روز قیامت کھڑا فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

### تیسرے فتویٰ کے بارے میں گزارشات

منکرین حدیث کے گروہ سے کسی خیر و بھلائی کی امید تو کبھی نہیں رہی، لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ منکروں کا  
 ٹولہ ایک وقت بنیادی انسانی اور اخلاقی قدروں سے بھی تہی دامن ہو جائے گا۔

ان سطور سے ہمارا مقصود آپ نے ان الفاظ کی وضاحت کرنا ہے جنہیں حضرت مکی نے اپنی فریضہ کی انجام دہی میں  
 بہت اچھا لایا ہے، لیکن سب سے پہلے ہم ذاکر حسین کے استفتاء اور حضرت کے فتویٰ میں بکھیرے گئے علمی و تحقیقی فن  
 پاروں کی بھی نشان دہی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ علم و حکمت کے متلاشی اپنی پیاس بجھانے کی غرض سے اس علم کے  
 ’بحر الکابل‘ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

بلاتاخیر ہم ذاکر صاحب کے سوال اور مفتی صاحب کے جواب کا تذکرہ کرتے ہیں۔

بعد از سلام کچھ یوں گویا ہوئے ہیں۔

”لاہور سے اہل حدیثوں کے ایک انتہا پسند گروپ کا ماہنامہ ’رُشد‘ نکلتا ہے۔“

سب سے پہلے تو ہم ان کے مشکور ہیں کہ انہوں نے مفتی صاحب و مسلمانان پاکستان کے علم میں اضافہ فرمایا ہے  
 کہ ’لاہور سے ماہنامہ ’رُشد‘ نکلتا ہے‘ باقی رہی بات ’اہلحدیثوں کے ایک انتہا پسند گروپ‘ کی تو ہمارے جملہ کے ٹائٹل،  
 بیک ٹائٹل، سرورق پر کسی جگہ بھی کتب نہیں ہے کہ یہ اہلحدیثوں کا نمائندہ جملہ ہے، بلکہ اگر جناب والا بیک ٹائٹل کو  
 بغور نہیں سرسری نظر سے بھی پڑھ لیتے تو واضح ہو جاتا کہ صاحبان ’رُشد‘ کس نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ رُشد کے الحمد للہ  
 اغراض میں یہ بات شامل ہے کہ رُشد کا مقصد کسی خاص فقہی مکتبہ خیال کے بجائے دین اسلام کی ترجمانی کرنا تاکہ  
 وحدت اُمت مرحومہ کو قائم رکھا جاسکے۔ رہا ’انتہا پسند گروپ‘ تو یہ جملہ ان منکرین حدیث و قرآن نے اپنے پرانے

دکھوں کے مداوے کے طور پر درج کیا ہے کیونکہ الحمد للہ ادارہ اپنے مؤقر جریدے ماہنامہ ’محدث‘ کے ذریعہ فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی کرتا رہتا ہے، باقی رہی یہ بات کہ پاکستان کے جمیع مکاتب فکر ہمیں کس نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ آپ ’رُشد‘ قراءات نمبر حصہ دوم، سوم میں علماء کے فتاویٰ، تبصرہ جات سے بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

”جس نے اپنے جون ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۲۷۸ پر لکھا ہے کہ اختلاف قراءات پر مبنی تین اختلافی قرآنی مصاحف (ورش کا، قالمون کا، دوری کا) پاکستان سے باہر شائع ہو چکے ہیں۔“

جبکہ صفحہ ۶۷۸ پر یہ عبارت یا اس سے ملتی جلتی عبارت یا کسی بھی اُسلوب میں ہم نے یہ خبر دی ہو کہ مصاحف شائع ہو چکے ہیں، سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ مجھے تو حیرت جناب مفتی صاحب پر ہے کہ خود انہوں نے بھی یہ زحمت نہ فرمائی کہ کم سے کم تصدیق کے لیے سارا مجلہ نہیں کم از کم صفحہ نمبر ۶۷۸ کو ہی دیکھ لیتے کہ ذاکر صاحب کی بصارت کہیں ٹھوکر ہی نہ کھا گئی ہو۔ سائل بعد از نکلتہ اوّل یوں گویا ہوتے ہیں:

”اب موجودہ قرآن کریم کے علاوہ مزید ۱۶ قاریوں کے اختلافات والے قرآنی مصاحف وہ شائع کر دے گا۔“

ہم اپنے مؤقر سوال نویس اور جواب نویس سے کم از کم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ ہم نے صفحہ نمبر ۶۷۸ پر کس جگہ لکھا ہے کہ ’رُشد‘ عنقریب اسے شائع کر رہا ہے یا مستقبل میں اس کو شائع کرنے کا پروگرام رکھتا ہے، بلکہ ہم نے تو اُن عالمی اداروں کی خدمت میں بھی یہ عرض کیا ہے کہ اگر علمی سطح پر اس کام کو کبھی لیا جائے تو اس کو لائبریریوں تک ہی محدود رکھا جائے، اگر عوامی سطح پر لانا بھی ہے تو پہلے عوام میں اس قدر آگہی و شعور پیدا کیا جائے تاکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ رہے۔ باقی کلیہ القرآن کے فضلاء نے جو ایک علمی کام سرانجام دیا ہے اس کے بارے میں بھی کھلے لفظوں لکھا ہے کہ کویت کے ایک عالمی ادارے کے لیے کیا ہے اور ان سے سفارش کی ہے کہ وہ مصاحف کے سلسلہ میں معروف عالمی اداروں سے نظر ثانی کئے بغیر شائع نہ کریں۔ جیسا کہ اسی قراءات نمبر ۱ کے صفحہ نمبر ۶۸۱ پر ہماری سفارشات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اصل میں جو تکلیف طبقہ مذکورہ یعنی ’مکتبین‘ کے ٹولے کو ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے کہا کہ انکار حدیث کے فتنے کا بھی اس سے سدباب ہوگا۔ ان کے پیٹ میں مروڑ اس بات اٹھا ہے کہ کہیں ہماری غیر مسلم چاکری، اور اُن سے مسلمانوں میں فتنے پھیلانے کے لیے جو من و سلوئی بٹورتے ہیں اُس کے سلسلہ پر ختم شد کی مہر ثبت نہ ہو جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

”تاریخ اسلام میں یہ اس زمانہ کی نئی بدعت ہوگی۔ خلافت راشدہ سے اُموی خلافت، عباسی خلافت، عثمانی (ترکی) خلافت میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی برصغیر میں ایسا ہوا ہے حتیٰ کہ کسی غیر مسلم تک اس کی جرأت نہیں ہوئی۔“

سائل ذاکر کی تاریخ بینی اور پھر قرآنی معلومات بھی بہت خوب ہیں کہ اختلاف قراءات کے ساتھ آج تک دنیا میں کوئی مصحف نہیں شائع ہوا۔ تو اس سلسلہ میں مشورہ مخلصانہ یہ ہے کہ آپ نے ہماری ان چند سطروں کی نقاب کشائی کیلئے جو چند دنوں میں اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کر ڈالا ہے بہتر یہ تھا کہ آپ صرف خلافت راشدہ کے دور کا ہی تحقیقی مطالعہ فرمالتے تو بخوبی علم ہو جاتا کہ مصاحف عثمانیہ میں بھی باہم فرق تھا۔ اور مزید گزارش ہے کہ اپنی اس تاریخی ریسرچ میں ہو سکے تو قراءات نمبر حصہ اوّل کے مضمون ’مروجہ قراءات قرآنیہ اور مطبوع مصاحف کا



جائزہ کو بھی شامل فرمائیں یا پھر کم از کم قراءات نمبر حصہ دوم کے ٹائٹل کو ہی دیکھ لیں تاکہ تاریخ اسلامی کے قرآنی پہلو کا بھی آپ کو علم ہو سکے۔ باقی یہ کہ آپ کو بات کی سمجھ کس قدر آتی ہے تو اس بارے میں ہم سوائے نیک خواہش کے اور دعا کے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد ہم الجواب کی طرف آتے ہیں اور فاضل مفتی صاحب کی افتاء نظری کا جائزہ لیتے ہیں۔ خطبہ کے بعد تمہید کا آغاز ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

”جیسا کہ سائل نے سوال میں اس حقیقت کا اظہار کر دیا ہے کہ اختلاف قراءات پر مبنی قرآنی مصاحف شائع کرنے کی جرأت خلافت راشدہ سے اُموی خلافت، عباسی خلافت، عثمانی (ترکی) خلافت تک حتیٰ کہ شیعہ مملکت ایران تک میں نہ شاہ کے زمانہ میں نہ جینے کے بعد کسی نے بھی نہیں کی۔“

اس پر یہ مثل خوب صادق آتی ہے: ”چھوٹے میاں تو چھوٹے میاں بڑے میاں سبحان اللہ“ کہ چھوٹے میاں ایران کا تذکرہ بھول گئے تھے بڑے میاں نے اسے بھی شامل کر دیا۔ ہماری گزارش ہے کہ دوبارہ دنیا کا نقشہ گھا کر تسلی کر لیں ممکن ہے کوئی ملک رہ گیا تاکہ بعد کی پیشمانی سے قبل از وقت بچا جاسکے۔ دوسری لطیفے کی بات یہ ہے کہ بڑے میاں یہاں کوئی اپنی بات ذکر نہیں کر رہے بلکہ چھوٹے میاں کی ہے بات کو دوہرا رہے ہیں۔ جیسا کہ ان مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہے لیکن لگتا ہے فتویٰ لکھتے وقت شاید ہوا تیز چل رہی تھی کہ جو مقدس سوال نامہ سامنے سے غائب ہو گیا ہے کیونکہ سوال میں سائل نے ایران کا اور ایران کے دونوں ادوار قبل از انقلاب اور بعد از انقلاب کا تذکرہ نہیں کیا جو شاید سہواً ہو گیا ہے اور اسی طرح سائل ذی وقار نے برصغیر کا تذکرہ کیا جو بڑے میاں عمداً سہواً یا نشہ بھول گئے ہیں۔ بہر حال قارئین درست فرمائیں۔

اس کے بعد پھر مفتی صاحب کے کیا کہنے! بس قرآنی معلومات کی بوچھاڑ کر دی ہے۔ کرتے بھی کیوں نہ، وہ قرآنی مرکز کے صدر نہیں ہیں؟

فرماتے ہیں:

”پہلی مرتبہ، یہ حرکت مشہور مستشرق آرتھر جیفرے نے بیسویں صدی میں کرنے کی کوشش کی تھی۔“ لگتا ہے ان کی نظر ”شد“ قراءات نمبر اول کے مضمون ’اختلاف قراءات قرآنیہ اور مستشرقین‘ پر پڑ گئی ہے کیونکہ جن صدر صاحب کو یہ نہیں پتہ کہ قرآن کے اعراب پر کس نے کام کیا ہے ان کی جانے بلا کہ مستشرقین کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ مزید فرماتے ہیں:

”ان نادان دوستوں کی پشت پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا دماغ کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ خلافت راشدہ سے خلافت عثمانیہ (ترکی) تک کے اجماع اُمت کے خلاف ان سے اس بدعت کی جرأت کرائے جو درحقیقت قرآن دشمنی پر منتج ہوتی ہے۔“

یقیناً ہماری پشت پر ایسا ہاتھ ہے جو ہمیں یہ کام کرنے پر مجبور کر رہا ہے، وہ یہ کہ جمہور ائمہ مسلمین صحابہ سے لے کر آج کے دن تک ہمارے ساتھ ہیں جو قراءات عشرہ متواترہ کو بلا تفاق قرآن مانتے ہیں اور اہل السنۃ والجماعت میں سے ایک بھی امام یا ادنیٰ عالم بھی قراءات عشرہ کے قرآن ہونے کے بارے میں متردد نہیں ہے۔ باقی رہا وہ اجماع کہ جس کے بارے میں ہمارے موصوف نے دعویٰ کیا ہے ہماری نظر میں دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ اس بات کو اجماع کہتے ہیں جو

ان کے مدوح سائل یا ان کا حلقہ منکرین حدیث کا اتفاق ہو یا پھر جس بات کا انہیں علم نہ ہو اسے اجماع کہتے ہیں۔ ہم ان کے نظریہ اجماع کی توضیح کے منتظر رہیں گے کیونکہ جو اجماع اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں ماخذ شرع کے طور پر معروف ہے وہ تو یہ ہے کہ قراءت عشرہ متواترہ بالاتفاق کلام اللہ اور مروی عن رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لہذا جب ایک چیز قرآن ہے تو اس اشاعت ترویج پر مخلص مسلمان کا فریضہ جو ہم نے قراءت نمبر کی صورت میں بحمد اللہ ادا کیا ہے جو کہ منکرین قرآن و حدیث کسی صورت بھی ہضم نہیں کر پائیں گے۔

اب ہم حضرت مفتی صاحب اس عبارت تک الحمد للہ پہنچ چکے ہیں جس نے جناب والا کے 'علم و فضل' کا ہم پر پول کھولا۔ چنانچہ حضرت رقم طراز ہیں:

”سب کو معلوم ہے کہ غیر عرب مسلمانوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہونے کی وجہ سے (جو عربی نہیں جانتے تھے) ان کی سہولت کے لیے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بصرہ کے گورنر زیاد کی زیر نگرانی میں ابوالاسود دؤلی نے قرآن کریم پر اعراب (زر، زیر، پیش) لگائے تھے پھر خلافت عبدالملک اور خلافت ولید میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کی نگرانی میں اسی ابوالاسود دؤلی کے دو شاگردوں یحییٰ بن یمر اور نصر بن عاصم نے اعراب لگانے کی محنتوں کو انتہا تک پہنچا دیا۔“

تاریخ اسلام کے بارے میں اپنی معلومات کا یوں آغاز ہوتا ہے۔ الہام ہوتا ہے خلیفہ راشد حضرت علی اور حضرت معاویہ کی خلافت میں بصرہ کے گورنر زیاد کی نگرانی میں ابوالاسود دؤلی نے قرآن پر اعراب لگائے۔

مؤرخ موصوف کے نزدیک شاید گاڑی کے دو پہیوں کی طرح خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ و خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ چل رہی تھی اور دونوں بزرگ مشوروں سے گورنروں کا تعین کر رہے تھے کیونکہ دونوں کی خلافت اکٹھی شروع ہوئی تھی۔ حالانکہ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا نام تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد دیا گیا ہے۔ باقی رہا زیاد کی تقرری کا مسئلہ اور قرآن پر اعراب لگانے کا کام تو وہ ایک علیحدہ واقعہ ہے۔ جس کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے سرے سے کوئی تعلق نہیں اور زیاد بن ابی زیاد رضی اللہ عنہ کو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۵ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پانچ سال بعد بصرہ کا گورنر بنایا تھا۔

باقی رہا اعراب قرآن کا مسئلہ تو اس کی تفصیل صاحب ارشاد الطالین نے یوں بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

«والصحيح كما نص عليه جماعة من العلماء منهم الداني و ابو داؤد و ابو حاتم أن أول من وضعه ابوالاسود الدؤلي بأمر زياد بن ابى زياده والى البصرة فى خلافت معاويه بن ابى سفيان»

”صحیح اور درست بات یہ ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت جس میں امام دانی رضی اللہ عنہ، ابوداؤد رضی اللہ عنہ اور ابو حاتم رضی اللہ عنہ شامل ہیں نے تصریح کی ہے کہ قرآن کریم کے اعراب کا وضع ابوالاسود الدؤلی ہے جس نے یہ کام زیاد بن ابی زیاد کے حکم پر کیا تھا جو خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بصرہ کا گورنر تھا۔“ [ارشاد الطالین: ۵]

اس کے سبب وضع کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں زیاد کے بیٹے عبید اللہ کو اپنے ہاں بلایا جب اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی تو کام میں غلطیاں کیں، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے واپس بھیجا دیا اور ساتھ اس کے والد کو ملا متی خط بھی لکھا کہ آپ کا بیٹا گفتگو میں لحن کرتا ہے۔ اس پر زیاد نے ابوالاسود الدؤلی کی طرف پیغام بھیجا اور کہا کہ عم نے لغت

عرب کو خراب کر دیا ہے۔ اگر کوئی ایسی چیز وضع کر دیں جس سے لوگ اپنی کلام کو درست کر سکیں اور قرآن کریم کو بھی اعراب لگا سکیں تو ابوالاسود نے اس سے انکار کر دیا تو زیاد نے ابوالاسود کے راستے میں ایک شخص کو بٹھا دیا اور اُسے کہا کہ جب ابوالاسود گزرے تو کلام اللہ میں کچھ جان بوجھ کر غلط پڑھنا لہذا جب ابوالاسود گزرے تو اس نے ﴿إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ﴾ [التوبة: ۳] میں لفظ رسولہ کو لام کے جر کے ساتھ پڑھا تو ابوالاسود زیاد کی طرف لوٹ کر آئے اور کہا میں تیری درخواست کو قبول کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اس کی ابتداء قرآن کریم کے اعراب سے کروں۔ [ارشاد الطالین: ۶]

لہذا مذکورہ واقعہ بالکل واضح کر رہا ہے کہ یہ کام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

ویسے ہمیں جو ان کے بارے میں احساس ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو دو دو خلیفوں کا نام ذکر کرنے کا شوق ہے جیسا کہ آئندہ ہم ذکر کرتے ہیں یا پھر یہ بات ہے انہوں نے کئی افراد سے پوچھا ہوگا کہ یہ واقعہ کس خلیفہ کے دور کا ہے لوگوں میں سے بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اور بعض نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہوگا۔ انہوں نے بجائے تحقیق کرنے عوام پر چھوڑ دیا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ضرور ہے باقی اگر کسی کو زیادہ ہی تحقیق کا شوق ہو تو وہ خود تحقیق کر لے کیونکہ مفتی کا کام فتویٰ دینا ہوتا نہ کہ صحیح فتویٰ دینا۔

آگے پھر مفتی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے دوران و صدر قرآنی مرکز قرآن کریم کے بارے میں بنیادی معلومات غلط دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”پھر خلافت عبدالملک اور خلافت ولید میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کی نگرانی میں اسی ابوالاسود الدؤلی کے دو شاگردوں یحییٰ بن یسر اور نصر بن عاصم نے اعراب لگانے کی محنتوں کو انتہا تک پہنچا دیا۔“

اب حضرت مفتی صاحب نے انتہائی بالغ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے یحییٰ بن یسر اور نصر بن عاصم کے کام کا انتہائی باریک بینی اور لطافت سے تعارف کروایا ہے۔ فرماتے ہیں:

کہ یحییٰ بن یسر اور نصر بن عاصم نے اعراب لگانے کی محنتوں کو انتہا تک پہنچا دیا۔“

حالانکہ ان دو محترم شخصیات نے اعراب قرآن پر سرے سے کوئی کام کیا ہی نہیں ہے جبکہ موصوف نے اُسے اعراب کے کام کی انتہا تک پہنچا دیا ہے اور جو کام ان دو حضرات نے کیا تھا میرے ممدوح کو بالکل ابجد سے بھی واقف نہیں۔ آئیے ہم بتائے دیتے ہیں کہ ان بزرگوں نے کیا خدمت انجام دی تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم پر جس طرح اعراب نہیں لگے ہوئے تھے جنہیں ابوالاسود الدؤلی نے پہلی مرتبہ نقطوں کی شکل میں ظاہر کیا تھا کہ زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لیے حرف کے نیچے اور پیش کے لیے حرف کے سامنے ایک نقطہ لگایا تھا۔ اس کی مزید تفصیلات سن ضبط کی کتب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے حروف پر حروف معجمہ اور مہملہ کے فرق کے لیے بھی نقطے موجود نہیں تھے (یعنی س اور ش، اور ص ض وغیرہ) کے امتیاز کے لیے بھی کوئی علامت موجود نہیں تھی۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے حکم پر حجاج بن یوسف نے مذکورہ دونوں شخصیات سے یہ نقطے لگوائے تھے جنہیں نقط الإعجام کہا جاتا ہے اور جو نقطے ابوالاسود نے لگوائے تھے انہیں نقط الإعراب کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ’الطراز فی شرح ضبط الحراز‘ تحقیق دکتور احمد بن احمد

۶۲

شرشمال کے باب اول کا مطالعہ کیجئے، البتہ ہم 'الدین النصیحہ' کے تحت یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ اعراب قرآن پر ابوالاسود الدؤلی کے بعد سب سے زیادہ اور اہم کام خلیل بن احمد الفراء ہیڈی کا ہے۔ مفتی صاحب کے فتویٰ سے ہمیں اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ کج بختی میں مہارت بھی خاص لوگوں کا امتیاز ہے جس میں جناب اعلیٰ کو ید طولیٰ حاصل ہے کیونکہ ایک بات کا بار بار تکرار، غیر مربوط عبارت اور املاء کی غلطیوں کی بھرمار کے بعد بھی وہ بہت خوش نظر آتے ہیں۔

مفتی صاحب کے فتویٰ نادرہ کا حجم تقریباً ساڑھے چھ صفحات ہیں۔ جس ساڑھے پانچ صفحات میں مذکورہ بالا علمی شہ پاروں کو آپ نے تمہید کا نام دیا ہے اور ڈیڑھ سطر کا فتویٰ بغیر کسی دلیل و برہان کے لکھ مارا ہے۔ لیکن ساڑھے پانچ صفحات کی تمہید کے بعد بھی دل نہیں بھرا، تاسف و یاس کے طے جلے تاثرات سے فرماتے ہیں: ”ان مختصر تمہیدی جملوں کے بعد.....“ مجھے یوں محسوس ہوا کہ تمہید میں بے شمار علمی فوائد لکھنے کے بعد ان کے پاس تمہید کے لیے اچھا خاصا مواد موجود تھا وہ انہوں نے تو قارئین پر رحم کرتے ہوئے مختصر لکھا ہے۔ اس پر ہم بھی ان کے بہت مشکور ہیں۔

ہم اپنے معزز قارئین کو جناب کے الفاظ میں دیئے گئے فتویٰ کو من و عن نقل کر دیتے ہیں: ”مصاحف کی شکل میں اختلاف قراءات کو شائع کرنا تو درکنار عوام کے سامنے اختلاف قراءات پر مبنی تلاوت کرنے سے منع کرنا بھی واجب ہے۔“

مجھے نہیں معلوم کہ حضرت نے یہ ڈیڑھ سطر لکھ کیا تیرا مارا ہے یہی کچھ انہوں نے لکھنا تھا تو ہمارے مضمون کو ہی بغور تعصب کی عینک اتار کر پڑھ لیتے اس میں بھی یہ بات موجود تھی!!



## سید سلیم شاہ، اور انور عباسی کی خدمت میں

حجیت قراءات کا مسئلہ ضروریات دین سے تعلق رکھتا ہے جس کے بارے میں ادنیٰ شک و شبہ کا اظہار بھی انسان سے عقیدہ و ایمان کے تضادم ہے۔ رشد قراءات نمبر کی حالیہ اشاعتوں کے بعد اگرچہ اب الحمد للہ علم القراءات ایک جانا پہچانا علم بن چکا ہے، لیکن جن شخصیات نے اس بوئے لے کو اپنے لبوس سے سینچا ہے ان میں جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کی شخصیت اس اعتبار سے انتہائی نمایاں ہے کہ علم القراءات کی علمی فکر بحثوں کے حوالے سے علماء کرام کے سامنے غالباً پہلی دفعہ آپ نے انتہائی ذمہ داری و تحقیق کے ساتھ حدیث سبوعہ احرف کے مفہوم و تعبیر پر اردو زبان میں قلم اٹھایا اور متعدد علمی شخصیات کی آراء کے اختلاف کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی علمی رائے مفتیان و اہل علم کے سامنے پیش کی۔ لیکن استخفاف حدیث کا ذہن چونکہ اس قسم کے کام پر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا چنانچہ حضرت کی آراء پر ادارہ المورد کی اشراقی ذہنیت کے حامل دانشور انور عباسی نے اپنی کتاب 'انسانیت ہدایت کی تلاش میں' بھر پور تنقید کی ہے۔ چونکہ سبوعہ احرف کے معنی و مفہوم کی تعیین میں حالیہ اشاعتوں میں اتنا کچھ شائع ہو چکا ہے کہ اس کے بارے میں مزید لکھنا تحصیل حاصل ہوگا۔

محترم حافظ محمد زبیر جو کہ جاوید احمد غامدی کے مخر فائدہ افکار کے حوالے سے علمی حلقوں میں معروف ہیں، انہوں نے اس تحریر کو قارئین رشد کے لئے خصوصی طور پر لکھا ہے جس میں ادارہ طلوع اسلام کی فکر سے متاثر سکا لر سید سلیم شاہ کی ذہنی الجھنوں اور انور عباسی کے بعض اعتراضات کا جائزہ قارئین رشد کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ [ادارہ]

سید سلیم شاہ صاحب فرام آزاد کشمیر کا ایک مضمون 'اہل رشد کی خدمت میں' کے عنوان سے 'رشد' کے سابقہ دو قراءات نمبرز پر اصحافی تبصرہ کی صورت میں موصول ہوا اور یہ مضمون ماہنامہ 'طلوع اسلام' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ تبصرہ و نقد اپنی جگہ بجا لیکن جناب کالب و لہجہ تمسخر، تحقیر اور استہزاء پر مبنی ہے۔ اگر کسی اخباری کالم میں ہم جناب کے تبصرے کا جواب دیتے تو شاید پطرس بخاری اور ابن انشاکی یاد تازہ ہو جاتی لیکن معاملہ کسی کامیڈی ڈرامے یا تھیٹر شو کا نہیں ہے بلکہ ایک دینی و سنجیدہ رسالے کا ہے۔ شاہ صاحب کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مولوی اپنے اوپر ہونے والے طنز کا مسکت جواب دینے کی اہلیت و استطاعت رکھتے ہیں اور اردو ادب کے ستون مولوی ڈپٹی نذیر احمد، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا ابوالکلام آزاد اور بابائے اردو مولوی عبدالحق وغیرہ انہی مولویوں کے ہی پیش رو ہیں کہ جن کا مذاق اڑانے کی آپ کوشش کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے تہذیب و شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے علمی بحث کرنی ہے تو ہم اس کیلئے تیار ہیں اور اگر آپ نے نقد و تبصرے کی آڑ میں طنز کرنا ہے تو ہمیں اس کا جواب

☆ فاضل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

’سید سلیم شاہ‘ اور ’انور عباسی‘.....

دینا بھی بفضل اللہ تعالیٰ آتا ہے۔

جناب سید سلیم شاہ صاحب نے اپنے اصحاف پر مشتمل تبصرے میں یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح ’رشد‘ کے قلم کاروں میں سے ہر مضمون نگار کا ایک جملہ اپنے تبصرے میں ڈال ہی دیں تاکہ تبصرہ جامع مانع ہو سکے۔ اگر تو انہوں نے اپنے تبصرے کو جامع مانع ہی بنانا تھا تو قراءات اور تفسیر کی کم از کم ایک ہزار کتابوں کا ایک جملہ بھی اپنے تبصرے میں نقل کر دیتے تاکہ منکرین قراءات کو ۱۴ صدیوں کی تاریخ قراءات، ہزاروں علماء، فقہاء اور قراء کی علمی تحقیقات پر نقد کا ایک اصحافی انسائیکلو پیڈیا تو میسر آ جاتا۔

سلیم شاہ صاحب نے اپنے مضمون کی ابتداء شیخ احمد دیدات کے ایک واقعے سے کی ہے۔ اس واقعے کے مطابق احمد دیدات نے ایک پادری کو مناظرے کے دوران یہ کہہ کر لاجواب کر دیا کہ تم قرآن کا کوئی ایسا نسخہ دکھاؤ جو دوسرے سے مختلف ہو؟۔ سلیم شاہ صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اگر ماہنامہ ’رشد‘ کے قراءات نمبر اس پادری نے پڑھے ہوتے تو اس کو جواب دینا آسان تھا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر سلیم شاہ صاحب کو مختلف ممالک سے شائع شدہ قرآن کے مختلف نسخے دیکھنے کا موقع ملا ہوتا تو انہیں یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا۔ سلیم شاہ صاحب اگر سعودی عرب یا بیروت سے شائع شدہ قرآن کے نسخے میں سورۃ روم کی آیت ۵۴ دیکھنے کی زحمت کریں تو اس میں ’ضعف‘ کا لفظ ’ض‘ کی فتح کے ساتھ تین دفعہ منقول ہوا ہے جبکہ پاکستانی مصاحف میں اسی آیت میں ’ضعف‘ کا لفظ ’ض‘ کی ضمہ کے ساتھ مکتوب ہے۔ یہ کوئی طباعت کی غلطی نہیں ہے جو دو چار مصاحف میں ہو بلکہ سعودی عرب اور پاکستان سے شائع شدہ جمیع مصاحف میں ایسا اختلاف موجود ہو گا۔ علاوہ ازیں کیا سلیم شاہ صاحب نے مراکش، موریتانیہ، لیبیا، تیونس، الجزائر اور افریقہ کے شائع شدہ مصاحف دیکھ لیے ہیں؟ جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ساری دنیا میں شائع شدہ مصاحف میں سے دو میں بھی ’زیر‘ کا اختلاف نہیں ہے؟۔ کیا سلیم شاہ صاحب نے قراءات سبعہ عشرہ میں بیروت اور بلاد عرب سے شائع شدہ مصاحف نہیں دیکھے؟۔ جس چیز کا انسان کو علم نہ ہو اس میں بیڑیاں مارنے کی قرآن نے ’رجماً بالغیب‘ میں مذمت کی ہے۔

مغرب اقصیٰ میں صدیوں سے مصاحف ورث کی روایت کے مطابق شائع ہو رہے ہیں جو ہمارے مصاحف سے بہت مختلف ہیں۔ لیکن یہ اختلاف ایسا نہیں ہے کہ اس سے قرآن کے معنی و مفہوم میں تضاد پیدا ہوتا ہو جیسا کہ بائبل میں اختلاف کا معاملہ ہے۔ بائبل اور قرآن کے اختلافات میں ایک بنیادی فرق تو یہ ہے کہ بائبل کا اختلاف صحیح سند سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔ اگر وہ صحیح سند سے ان انبیاء تک ثابت ہو جائے تو اس کو ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نہ ہی یہودیوں اور عیسائیوں پر کوئی اعتراض لازم آتا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اپنے ماننے والوں سے یہ کہیں کہ تم تورات اور انجیل کے فلاں فلاں لفظ کو یوں بھی پڑھ لو اور اس طرح پڑھنے میں معافی میں کوئی تضاد بھی پیدا نہ ہوتا ہو تو اس کے ماننے میں مسلمانوں کو کیا مانع لاحق ہو سکتا ہے؟۔ تورات و انجیل کے باہمی اختلافات میں تو مسئلہ یہ ہے کہ سرے سے کوئی سند ہی نہیں ہے۔ جبکہ قرآن میں اختلاف قراءات کے ایک ایک حرف کی آپ ﷺ تک باقاعدہ سیکنڈوں اسناد موجود ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بائبل کا اختلاف تضاد کا اختلاف ہے جبکہ قرآن کی قراءات کا اختلاف تفسیر و بیان کا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ قراءات کے جمیع اختلافات

ب

روایت حفص میں بھی موجود ہیں۔ ہم جناب سلیم شاہ صاحب سے یہی سوال کرتے ہیں کہ جاوید گروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ﴿قَالُوا يٰمُوسَىٰ اِمَّا اَنْ تُلْقَىٰ وَاِمَّا اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقَىٰ﴾ [طہ: ۶۵] کہا تھا یا ﴿قَالُوا يٰمُوسَىٰ اِمَّا اَنْ تُلْقَىٰ وَاِمَّا اَنْ تَكُوْنَ تَحْتِ الْمَلٰٓئِكِیْنَ﴾ [الأعراف: ۱۱۵] سلیم شاہ صاحب کے قرآن میں یہ دونوں آیات موجود ہیں۔ کیا معاذ اللہ! اللہ کو یاد نہ رہا کہ جاوید گروں نے کیا کہا تھا یا محمد ﷺ بھول گئے کہ جبرئیل علیہ السلام نے ان تک کیا پہنچایا تھا۔ اسی طرح یہود نے کیا کہا تھا؟ ﴿وَقَالُوا لَنْ نَّمَسَّ النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ [بقرہ: ۸۰] یا ﴿قَالُوا لَنْ نَّمَسَّ النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةٍ﴾ [آل عمران: ۲۳] اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مارا تھا تو 'فانفجرت' ہوا تھا یا 'فانجبجست' اور یہ دونوں الفاظ آپ کے قرآن میں موجود ہیں۔ دیکھیں آیات ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَهُمْ﴾ [بقرہ: ۶۰] اور ﴿اِنَّ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْجَبَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَهُمْ﴾ [الأعراف: ۱۶۰] اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا کہا تھا: ﴿وَلَوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اِنَّا تَوٰنُ الْفَجِشَّةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [الأعراف: ۸۰] یا ﴿وَلَوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اِنِّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَجِشَّةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [العنکبوت: ۲۸] اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کیا کہا تھا: ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾ [بقرہ: ۱۲۶] یا ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ [ابراہیم: ۳۵]۔ دونوں آیات میں 'ہذا بلدا' اور 'ہذا البلد' کا فرق واضح ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں اختلافات شاہ صاحب کے قرآن میں بھی موجود ہیں جن میں سے بیسیوں کی مثالیں اس شمارے کے ایک مضمون بعنوان 'اوپر سب سے روایت حفص میں استقصاء میں مل جائیں گی۔ سوال تو یہ ہے کہ سلیم شاہ صاحب قرآن میں قراءت کے اس اختلاف کے باوجود بھی اسے اللہ کی کتاب قرار دیتے ہیں۔ کیوں؟

ہوسکتا ہے کہ سلیم شاہ صاحب منطق کی کسی شاخ کا سہارا لے کر قرآن کے ان مقامات کی کوئی تاویل پیش کر دیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظی طور پر باہم متعارض و مخالف ہیں اور قراءت کے اختلافات بھی یہی ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں بلکہ اس سے کچھ کم ہی ہیں کیونکہ پہلی آیت کی جو مثال ہم نے دی ہے اتنے بڑے اختلافات تو قراءت عشرہ میں بھی نہیں ہیں۔ قراءت کے جتنے اختلافات ہیں، اس سے کچھ زائد ہی روایت حفص یعنی سلیم شاہ صاحب کے قرآن میں بھی موجود ہیں اور مستشرقین انہی اعتراضات کی بنیاد پر قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ اب کیا مسلمانوں کو صرف اس بنیاد پر کہ مابین الدفتین قرآن میں اختلاف ہے اس کا انکار ہی کر دینا چاہیے یا اس کا مسکت جواب دینا چاہیے؟

اگر قراءت پر سینکڑوں اعتراضات ہیں تو قرآن پر ہزاروں موجود ہیں۔ مستشرقین کے ان ہزاروں اعتراضات کے باوجود سلیم شاہ صاحب قرآن کو اللہ کی کتاب کیوں مانتے ہیں۔ اگر اس اصول کو مان لیا جائے کہ کسی شے پر عقلی، منطقی یا نقلی اعتراض وارد کر دینے سے اس کا وجود اور نسبت ہی مشکوک ہو جاتی ہے تو پھر قرآن تو کیا اسلام بھی اور اسلام تو کیا خدا کا وجود بھی مشکوک و مشتبہ ہے کیونکہ اس پر بھی فلاسفہ کے سینکڑوں اعتراضات موجود ہیں۔ برطانوی مصنفہ کیرن آرمسٹرانگ نے اپنی کتاب (History of God) کی بنیاد اس اعتراض پر رکھی ہے کہ دنیا میں خدا کے وجود

کو ماننے والے مذاہب میں سے دو کا بھی تصور خدا ایک جیسا نہیں ہے۔ یہودیوں کا اپنا خدا ہے، عیسائیوں کا اپنا، ہندوؤں اور سکھوں کا اپنا اور مسلمانوں کا اپنا اور اس پر بھی مستزاد یہ کہ مسلمانوں میں معتزلہ، مجسمہ، ماتریدیہ، اشاعرہ، سلفیہ، شیعہ اور صوفیاء کا تصور خدا بھی ایک نہیں ہے۔ اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا ایک ایسی مہم حقیقت ہے کہ دنیا میں دو افراد بھی کسی ایک خدا پر متفق نہیں ہیں۔ کیا اس بنیاد پر خدا کا ہی انکار کر دیا جائے کہ دنیا کے مذاہب میں بالخصوص اور مسلمانوں میں بالعموم خدا کی ذات و صفات کے بارے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اختلاف ثابت کر کے کسی چیز کو اڑانے کا رویہ سیکولرازم اور دہریت نے پیدا کیا ہے ورنہ تو دنیا کی کس چیز میں اختلاف نہیں ہے اور اسی اختلاف میں ہی تو امتحان مقصود ہے۔ اگر کچھ فلاسفہ خدا کے عدم وجود کے دلائل دیں گے اور کچھ متکلمین اس کو ثابت کریں تو کیا ایک عامی کو اس اختلاف کی بنیاد پر خدا ہی کا انکار کر دینا چاہیے۔

بہر حال واقعہ موسیٰ ہی کو قرآن کے مختلف پاروں میں ایک ساتھ دیکھ لیں۔ ایک ہی بات، واقعہ اور حادثہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء اور اشخاص کے اقوال کو بطور حکایت اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے نہ کہ ان کے ایک ایک لفظ کی رعایت رکھی ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے مقصود کو سامنے رکھتے ہوئے اسے آگے بیان کر دیتے تھے لہذا صحابہ کے اس بیان میں باوجود آپ کے الفاظ کو نقل کرنے کے اہتمام کے، روایاں میں بھی باہمی اختلاف ہو جاتا ہے لیکن منکرین حدیث اس چیز کو احادیث میں اختلاف کے نام پر انکار حدیث کی دلیل بنا لیتے ہیں۔

منکرین حدیث جو اعتراضات حدیث پر وارد کرتے ہیں بعینہ وہی تمام اعتراضات مستشرقین بھی قرآن پر وارد کرتے ہیں مثلاً احادیث میں عریانی و فحاشی ہے۔ یہی بات مستشرقین نے قرآن کے بارے کہی ہے اور اس کی مثالیں بیان کی ہیں اور سورہ یوسف کو تو معاذ اللہ! داستان عشق تک کہا گیا ہے۔ منکرین احادیث کہتے ہیں کہ احادیث میں سائنس کی مخالفت ہے اور یہی بات مستشرقین قرآن کے بارے بھی ثابت کرتے ہیں اور اس کی مثالیں بھی بیان کرتے ہیں کہ قرآن سورہ کہف میں یہ کہتا ہے کہ سورج گلے پانی کے چشمے میں غروب ہو رہا تھا۔ یہ ہمارا اس وقت کا موضوع نہیں ہے ورنہ ہم ان اعتراضات کا ایک مختصر جائزہ لینے کی کوشش کرتے۔ ہو سکتا ہے سلیم شاہ صاحب قرآن کے دفاع میں ان اعتراضات کا مستشرقین کو کوئی جواب دیں لیکن جب یہی کام محدثین، حدیث کے حوالے سے کریں تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اب تا وہیں شروع کر دی ہیں؟

آخر واقعہ یہ ہے کہ پہلے سے ایک عقیدہ جہالت کی بنیاد پر ذہنوں میں بچپن سے راسخ ہے کہ قرآن میں زیر، زبر، پیش اور شوشے کا فرق نہیں ہے۔ اب اس عقیدے کے اثبات کے لیے کچھ اصولوں کی روشنی میں قرآنیات کا انکار کیا جا رہا ہے حالانکہ انہی اصول و ضوابط کی روشنی میں قرآن کا انکار بھی لازم آتا ہے لیکن وہاں اندھا عقیدہ تحقیق کے رستے حائل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں ایک ہی واقعہ حادثہ اور قائل کے قول کو بیان کرنے میں الفاظ کا فرق ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود قرآن میں اختلاف ثابت نہیں ہوتا لیکن اگر قرآنیات میں ایسا ہو تو اس بنیاد پر قرآن میں اختلاف ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر سب سے اہم معنی و مفہوم کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہو تو یہ روایات ناقابل اعتبار قرار پاتی ہیں لیکن ساری امت اگر حروف مقطعات کے معنی و مفہوم کی تعیین میں ناکام ہو جائے تو پھر بھی

سید سلیم شاہ



ان کو بطور قرآن سینے سے لگایا جاتا ہے۔ وعلیٰ هذا القیاس .

منکرین قراءات چاہے وہ انور عباسی صاحب ہوں یا شاہ صاحب اکثر و بیشتر کا معاملہ یہ ہے کہ جب بھی وہ انکار قراءات پر کام کریں گے تو ان کے کام کا ۷۰ تا ۹۰ فی صد حصہ سبعہ اُحرف کی روایت پر اعتراضات کے ضمن میں ہوتا ہے کیونکہ اسی ایک پہلو سے وہ قراءات کو مشکوک قرار دے سکتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن اپنے ثبوت کے لیے سبعہ اُحرف کی روایت کا محتاج نہیں ہے۔ آج روایت حفص اور روایت ورش کو کروڑوں مسلمان پڑھ رہے ہیں۔ ان روایات کے ماہرین ان کی اسناد اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچا رہے ہیں۔ دونوں روایات کے مطابق لاکھوں مصاحف صدیوں سے لکھے جا رہے ہیں اور ساہا سال سے شائع ہو رہے ہیں۔ اب بھی ان روایات کو قرآن ثابت کرنے کے لیے سبعہ اُحرف کی روایت کی کوئی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ قراءات کے ثبوت میں سبعہ اُحرف تو ایک اضافی دلیل ہے اور مانا کہ اس کے معنی و مفہوم میں علماء و قراء کا اختلاف ہے۔ لیکن آپ حضرات بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک اپنے قرآن میں حروف مقطعات کے معنی و مفہوم پر دو ہندوں کا اتفاق تو ثابت کر دیں۔ کیا اس بنیاد پر کہ قرآن کی جن آیات کے معنی و مفہوم میں ۱۴ صدیوں سے علماء و مفسرین میں اتفاق نہ ہو سکا ان آیات کا ہم انکار کر دیں؟ اگر نہیں تو کیا اصول تحقیق کا یہی تقاضا ہے کہ جب منکرین قراءات کے اصولوں کی روشنی میں قراءات پر تنقید کرنے کا دعویٰ قائم ہو جائے تو کسی دفاع کی بجائے قراءات کا ہی انکار کر دیا جائے اور اگر انہی منکرین قراءات کے انہی اصولوں کی روشنی میں قرآن مجید پر بھی وہی اعتراضات قائم ہو جائیں جو بعینہ قراءات پر قائم ہوتے ہیں تو قرآن کو اس لیے ثابت قرار دیا جائے کہ اس پر ہمارا اندھا اعتقاد (blind faith) ہے۔ اگر مسئلہ اندھے اعتقاد کا ہے تو پھر تو دنیا کا ہر مذہب چاہے وہ ہندو ہو یا سکھ حق پر مبنی ہے۔

سلیم شاہ صاحب کے قرآن میں تین مقامات پر 'ص' کے اوپر چھوٹا سانس بھی لکھا ہوا ہے۔ ﴿بصطة﴾ [بقرہ: ۲۴۷] ﴿المصیطرون﴾ [الطور: ۳۷] ﴿بمصیطر﴾ [الغاشیة: ۲۲] اب یہ لفظ 'ص' کے ساتھ ہے یا 'س' کے ساتھ؟ یہ ہمیں شاہ صاحب بتائیں گے۔ اسی طرح پاکستان میں طبع شدہ مصاحف میں سورہ روم کی آیت ۵۴ میں 'ضَعْف' ضمہ کے ساتھ لکھا ہے، اور کنارے پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اس کو 'ضَعْف' فتح کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کون سا درست ہے؟ یہ شاہ صاحب طے کریں گے اور پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والے ان مصاحف کی تصحیح کا فریضہ سرانجام دیں گے جن کے بارے وہ یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ اس میں زیر زبر کا فرق نہیں ہے، اور عامۃ الناس کو یہ بھی بتائیں گے کہ پادری صاحب کو قرآن میں اختلاف دکھانے کے لیے دو نسخوں میں اختلاف دکھانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ پاکستان میں شائع شدہ لاکھوں مصاحف میں ایک ہی نسخے میں ما بین الدفتین بھی بہت سے اختلافات دکھائے جاسکتے ہیں۔

سلیم شاہ صاحب ہماری یہ بھی رہنمائی فرمائیں کہ وہ قرآن کے لفظ ﴿مَجْرُثًا﴾ [هود: ۴۳] کو کیسے پڑھیں گے۔ اگر تو وہ اس لفظ کو پڑھتے وقت اس میں امالہ کرتے ہیں یعنی اس کو 'مجر سے ہا پڑھتے ہیں تو یہ رسم یعنی لکھے ہوئے کے خلاف ہے کیونکہ شائع شدہ مصاحف میں اس لفظ میں 'راء' کے نیچے کھڑی زیر ہے اور طبع شدہ لفظ کے مطابق اس کی قراءت 'مجرى ہا' بنتی ہے۔ اگر تو شاہ صاحب اسے لکھے ہوئے کے مطابق 'مجرى ہا' پڑھتے ہیں تو

پاکستان میں وہ پہلے شخص ہوں گے جو قرآن کے اس لفظ کو یوں پڑھنے کا شرف حاصل کر رہے ہوں گے۔ اس نکتے میں ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ لکھے ہوئے قرآن کو پڑھنے میں بھی عوام الناس قراء کے محتاج ہیں۔ قرآن کی حفاظت کتابت سے نہیں ہوئی بلکہ نقل سے ہوئی ہے۔ کتابت تو اس کی حفاظت کا ایک اضافی ذریعہ ہے۔ ہمارے معاشرے کا ۹۹ فی صد طبقہ ایسا ہے جو آج بھی مسجد کے قاری صاحب سے قرآن حاصل کر رہا ہے نہ کہ براہ راست قرآن سے سیکھ رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اصل قرآن قراء ہی سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ عامۃ الناس سے، اور عامۃ الناس قرآن کے حصول میں قراء کے تابع ہیں۔

الحمد للہ! آج کسی بھی بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، حنفی، مالکی، شافعی یا حنبلی کو یہ سوال پیدا نہیں ہوتا ہے کہ روایت حفص کے علاوہ بھی قرآن ہے یا نہیں؟ اگر انہیں یہ سوال پیدا ہو بھی جائے تو وہ اپنے علماء اور قراء پر اس مسئلے میں اعتبار کرتے ہیں اور وہ تمنا عمادی صاحب سے پوچھتے نہیں جاتے کہ یہ قرآن ہے یا نہیں۔ اس طرح بیس روایات کے قرآن ہونے پر امت کا اتفاق حاصل ہو جاتا ہے سوائے ان لوگوں کے اختلاف کہ جن کی تعداد ورائے کو امت کے اتفاق کے بالمقابل کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ آج اللہ کے فضل سے مرکز اسلام، مسجد نبوی اور دنیا کی کئی ایک بڑی اور معروف مساجد میں بھی نماز میں متنوع قراءات میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔

ہم جناب سلیم شاہ صاحب کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کی تحقیقات کے کچھ نمونے قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہیں گے تاکہ جوان کا میدان نہیں، اس میں وہ آئندہ بھی علم کے موتی بکھیرتے ہوئے اہل علم سے داد تحقیق وصول کرتے رہیں۔ ہم نے جناب عمادی صاحب پر تنقید کے دوران اپنے ایک مضمون میں یہ لکھا تھا کہ انہوں نے لفظ ’قراءت‘ کو ’قرأت‘ لکھا ہے جو عربی زبان کے اعتبار سے غلط ہے۔ جناب شاہ صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کتاب

”ہم قاری (صفر) صاحب اور حافظ (زیر) صاحب کی بات مان لیتے ہیں۔ لیکن کیا وہ اس کی وضاحت کریں گے کہ اصل لفظ اگر بڑی تاء سے قراءت ہے تو چھوٹی تاء سے ’قراءۃ‘ کیونکر درست ہوگا؟ (جس طرح کلمہ التابوت اور التابوۃ دونوں طرح درست نہیں ہے) پھر رشد حصہ دوم میں مولانا مبشر احمد ربانی نے (ص ۵۲) ’قاری صہیب میر محمدی صاحب نے (ص ۶۰-۷۵) ’قاری صہیب احمد صاحب نے (ص ۳۹۴ تا ۳۹۷) اور بڑے حافظ صاحب یعنی حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب نے (ص ۶۷۷) یہ لفظ چھوٹی تاء سے ’قراءۃ‘ کیوں لکھا؟ شاید آپ منطق کی کسی شاخ کو کھینچ تان کر اسے بھی درست قرار دیں، حالانکہ آپ کے نزدیک درست لفظ ایک ہی ہے، آپ کی مزید اطلاع کے لیے عرض ہے کہ علمی اردو لغت (وارث سرہندی) میں تین جگہوں پر شان الحق صاحب کی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری اور فیروز سنز کی اردو انگلش ڈکشنری میں یہ لفظ قراءت ہی لکھا ہے نہ کہ قراءت۔ ان سب کو بھی جانے دیں لیکن اس کی کیا توجیہ ہوگی کہ آپ کے لیے مکمل سندر رکھنے والے شیخ المشائخ امام القراء أبو محمد محی الاسلام عثمانی پانی پتی نور اللہ مرقدہ کی کتاب شرح قراءت ص ۱ حصہ اول کے ص ۲۹ پر تین جگہوں پر لفظ قراءت کو ’قراءت‘ لکھتے ہیں جو بالکل مختلف ہے اور باقی جگہوں پر چھوٹی تاء سے، غالباً یہاں آپ کتابت کی غلطی قرار دیں۔ چونکہ بقول عطاء الحق قاسمی کج بحثی کا اپنا ہی مزہ ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم خاموش ہو جائیں گے۔ کتاب کا ٹائٹل ہی آپ کو اس کے نزدیک غلط ہوگا۔ کیونکہ آپ تو قراءت جمع ’قراءات‘ ہی کو درست مانتے ہیں۔ قراءت کس طرح درست ہو سکتا ہے۔“

[اہل رشد کی خدمت میں: ۱۰]

ہمارے نزدیک دنیا کا مشکل ترین کام کسی ایسے جاہل کو سمجھانا ہے جسے علم و تحقیق کا شوق چڑھ گیا ہو۔ شاہ صاحب کو ہم کیسے سمجھائیں کہ لفظ 'قراءت' اور 'قراءة' دونوں طرح درست ہے۔ چلیں! قرآن سے سمجھتے ہیں۔ قرآن نے لفظ 'نعمت' اور 'نعمة' دونوں طرح استعمال کیا ہے۔ سورۃ بقرۃ آیت ۲۳۱ میں یہ لفظ 'نعمت' لمبی تاء کے ساتھ اور سورۃ ضحٰی آیت ۱۱ میں یہ لفظ 'نعمة' گول تاء کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ بقرۃ آیت ۲۱۸ میں لفظ 'رحمت' لمبی تاء کے ساتھ استعمال ہوا ہے جبکہ سورۃ الأحقاف آیت ۱۲ میں یہ لفظ 'رحمة' گول تاء کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اس طرح قرآن میں بیسیوں مقامات ہیں جن میں کسی جگہ ایک ہی کلمے کا رسم الخط لمبی تاء کے ساتھ اور دوسری جگہ گول تاء کے ساتھ ہے۔

سلیم شاہ صاحب کو جو یہ غلط فہمی لگی کہ 'التابوت' اور 'التابوۃ' میں کون سا درست ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لغت عرب میں دونوں درست ہیں لیکن قرآن میں ان میں سے ایک کا لکھا جانا تھا اور قریش اس کو لمبی تاء سے لکھتے تھے لہذا قرآن میں لمبی تاء سے لکھا گیا۔ محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے تیز گام کی رفتار سے دونوں رسالوں کا مطالعہ فرمایا ہے۔ ان کے تبصرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوران مطالعہ کئی مقامات پر نفس مضمون کی باریکی تک نہ پہنچ سکے۔ اور کسی مضمون نگار کی عبارتوں کا جو سرسری مفہوم ان کے دل و دماغ میں سا گیا بس اس کی بنیاد پر انہوں نے تنقید کی بنیادیں کھڑی کرنا شروع دیں۔ 'رُشد' کسی بھی مضمون میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ عربی زبان میں 'التابوت' اور 'التابوۃ' میں سے ایک ہی درست ہے۔

۱۰

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ جناب سلیم شاہ صاحب نے لفظ 'قراءت' کو درست ثابت کرنے کے لیے اردو اور انگلش ڈکشنریوں کے حوالے دینا شروع کر دیے۔ 'قراءت' تو عربی لفظ ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ محقق صاحب اس لفظ کی تحقیق میں کسی عربی ڈکشنری کا حوالہ دیتے لیکن سلیم شاہ صاحب جیسے محقق اگر فارسی اور پشتو کی کسی ڈکشنری کا بھی حوالہ دے دیتے تو ہمیں حیرت نہ ہوتی کیونکہ فی زمانہ محققین کی ایک جماعت کے ہاں 'چولیاں'، تحقیق کا بنیادی تقاضا شمار ہوتی ہیں اور بقول حافظ محمد زبیر 'چولیاں مارنے میں بھی اپنا ہی مزہ ہے'۔ سلیم شاہ صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ عربی زبان میں لفظ 'قراءت' اور 'قراءت' میں فرق ہے۔ پہلا لفظ قرأ یقرأ سے مصدر ہے جس کا معنی 'پڑھنے' ہیں جبکہ دوسرے لفظ کا تلفظ 'قِرَاءة' کیا جاتا ہے اور امام لغت امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۱۶ھ) کے نزدیک لفظ 'قِرَاءة' وباء کے معنی میں ہے اور اس کو بعض حضرات لمبی تاء کے ساتھ 'قِرَاءت' بھی لکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ لفظ یعنی 'قِرَاءت' واحد مونث غائب کا صیغہ بھی بن سکتا ہے اس معنی میں کہ وہ عورت حیض والی ہوئی۔ اسی طرح اگر اس لفظ کو آخر میں گول تاء کے ساتھ لکھیں یعنی 'قِرَاءة' تو یہ 'کفرة' کے وزن پر قاری کی جمع ہوگی۔ [لسان العرب: ۱۳۲۱، تہذیب اللغة: ۲۶۳، ۲۶۴]

سلیم شاہ صاحب یہ کوئی پشتو نہیں ہے، عربی زبان ہے جہاں زیر زبر سے معنی میں زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے اور یہ تو ایک الف کا حذف ہے۔ اور ایک الف ہی کے حذف سے تشبیہ کا صیغہ واحد کا بن جاتا ہے اور آپ اب بھی فرماتے ہیں کہ غامدی صاحب نے اگر ایسے لکھ ہی دیا ہے تو فرق کیا پڑتا ہے۔

سلیم شاہ صاحب نے خواہ مخواہ لفظ 'قراءت' اور 'قراءت' میں بھی فرق کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ ان دونوں

الفاظ کا معنی ایک ہی بنتا ہے سوائے اس فرق کہ پہلے لفظ میں ہمزہ کرسی کے بغیر ہے اور دوسرے لفظ میں ہمزہ کو باء کی کرسی دی گئی ہے۔ کتابت کے ایسے اختلافات تو سلیم شاہ صاحب کے قرآن کے ہر دوسرے نسخے میں موجود ہیں۔ کبھی انہیں سعودی عرب اور پاکستان کے شائع شدہ مصاحف کا تقابلی مطالعہ کرنے کی فرصت ملے تو انہیں اپنے اس عقیدے کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی کہ قرآن کے دونوں میں شوشے کا بھی فرق نہیں ہے۔ اس اختلاف کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ پاکستان کے طبع شدہ مصاحف میں کئی ایک مقامات پر رسم عثمانی کے مطابق کتابت نہیں پائی جاتی جبکہ سعودی مصاحف خاص طور پر مصحف مدینہ رسم عثمانی کے مطابق ہے اور ایک محقق شدہ نسخہ ہے۔ سلیم شاہ صاحب یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ بعض الفاظ میں رسم کے اختلاف سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ بعض الفاظ میں رسم کی تبدیلی سے معنی بھی تبدیل ہو جاتا ہے اور شاہ صاحب جس لفظ کی بات کر رہے ہیں یعنی ’قرأت‘ اس میں رسم کی تبدیلی سے معنی بھی تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کا معنی ’قرأت‘ کی طرح پڑھنا نہیں ہے بلکہ حیض یا بواء کا مفہوم اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سلیم شاہ صاحب نے لفظ ’قرأت‘ اور ’قرآت‘ میں بھی فرق کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ الف کے بعد اگر ہمزہ ہو تو اس کو ’آ‘ بھی لکھ سکتے ہیں اور اس سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کبھی کبھار تو اس قسم کے بے شکے اعتراضات پر بنی مضامین کا جواب دیتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ فضول میں وقت ضائع کر رہے ہیں لیکن پھر یہ سوچ ذہن میں آتی ہے کہ کوئی سادہ مسلمان ان نام نہاد محققین کی تحقیق سے بھٹک نہ جائے تو دل کو کچھ تسلی ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہمارے مضمون کی وجہ سے بھٹکنے سے بچ گیا تو شاید ہمارا وقت بھی قیمتی بن جائے۔

آئیں! ہم قراءات کے مسئلہ کو ایک اور پہلو سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم جناب انور عباسی اور سید سلیم شاہ صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ جو قرآن ان کے پاس ہے، ان کے نزدیک اس کے قرآن ہونے کی دلیل کیا ہے؟۔ یعنی انہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ وہی قرآن ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کو دیا گیا تھا اور اس میں تحریف نہیں ہوئی۔ پس جو معیار وہ اپنے قرآن کے لیے بتائیں گے، اسی معیار پر قراءات کو بھی پرکھ لیں۔ اگر تو ہم اس قرآن (جسے قراء روایت حفص کہتے ہیں) کو اس لیے مانتے ہیں کہ پوری امت اس قرآن کو مانتی ہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ مغرب اقصیٰ اور افریقہ کے سینکڑوں شہر اور کروڑوں کی آبادی ایسی ہے جو ہمارے قرآن (روایت حفص) سے نا آشنا ہے اور اگر وہاں سلیم شاہ صاحب یا انور عباسی صاحب عوامی مقامات (public place) پر اپنے قرآن کی تلاوت کریں گے تو عوام الناس مرنے مارنے پر تل آئیں گے کیونکہ وہ قراءات کے اختلافات سے واقف نہیں ہیں۔ ہاں! ان ممالک کے علماء ان اختلافات سے واقف بھی ہیں اور ان کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت بھی دیتے ہیں۔ پس قرآن درحقیقت وہ ہے جس پر علماء، فقہاء اور قراء کے طبقے کا اتفاق ہو کہ یہ قرآن ہے اور جمیع فقہائے مالکیہ، شافعیہ، حنفیہ، حنبلیہ، اہل الحدیث اور اہل الظاہر قراءات کے اختلافات کے قائل ہیں۔ جہاں تک شاہ صاحب کے قرآن (روایت حفص) کا معاملہ ہے تو امت مسلمہ کے عامۃ الناس کا اس کے قرآن ہونے پر اتفاق نہیں ہے۔ مشرق میں روایت حفص کو قرآن سمجھا جاتا ہے تو مغرب اقصیٰ اور افریقہ میں روایت ورش کو اور کچھ ممالک میں روایت دوری کو قرآن سمجھا جاتا ہے۔ اور انہی روایات کے مطابق متعلقہ ممالک میں

مصاحف چھپتے ہیں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور انہی روایات کو ان کے بچے حفظ بھی کرتے ہیں۔

## آنور عباسی صاحب کی خدمت میں چند گزارشات

جناب آنور عباسی صاحب نے بھی اپنے مضمون میں سارا زور سببہ اَحرف کے معنی و مفہوم کے تعین میں اختلاف ثابت کرنے میں لگا دیا ہے کہ جس کی چنداں ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کے معنی و مفہوم میں اختلاف ہے یہ بات تو سب کو معلوم ہے جس طرح ہر کسی کو یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن کے معنی و مفہوم کے تعین میں علماء کا اختلاف ہر دور میں رہا ہے اور رہے گا۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک مفسرین کے اختلاف کے باوجود کوئی بھی مسلمان تفسیر کے اس اختلاف کو بنیاد بنا کر قرآن کا انکار نہیں کرتا۔ ہاں! مستشرقین مسلمانوں کو قرآن کی ہر تیسری آیت کے معنی و مفہوم میں اختلاف کا طعن ضرور دیتے ہیں۔ ایک جرمن مستشرق ڈاکٹر پیون کہ جس نے ۱۳ سال یمن کے قدیم مصاحف پر تحقیقی کام کیا ہے قرآن کی عربی کے بارے کہتا ہے:

" The Qur'an claims for itself that it is 'mubeen,' or clear, but if you look at it, you will notice that every fifth sentence or so simply doesn't make sense. Many Muslims will tell you otherwise, of course, but the fact is that a fifth of the Qur'anic text is just incomprehensible. This is what has caused the traditional anxiety regarding translation. If the Qur'an is not comprehensible, if it can't even be understood in Arabic, then it's not translatable into any language. That is why Muslims are afraid. Since the Qur'an claims repeatedly to be clear but is not-there is an obvious and serious contradiction. Something else must be going on."

(Retrieved from [http://en.wikipedia.org/wiki/Gerd\\_R.\\_Puin](http://en.wikipedia.org/wiki/Gerd_R._Puin))

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے جناب آنور عباسی کی قراءات کے بارے تحقیق کو تحقیق کہنا ہم تحقیق کی تو ہیں سمجھتے ہیں کیونکہ درحقیقت یہ دو چار افراد کی تحقیق کا خلاصہ ہے جو انہوں نے نقل کر دیا۔ اپنے طے شدہ تحقیقی نتائج کے حصول کے لیے دو افراد جناب جاوید احمد غامدی اور شہزاد سلیم صاحب کی تحقیق سے انہوں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ جناب غامدی صاحب کے نظریہ قراءات کا مفصل جواب ہم ماہنامہ رُشد جون ۲۰۰۹ء کے دو مضامین میں نقل کر چکے ہیں؛ آنور عباسی صاحب ان کی طرف رجوع فرمائیں۔ جہاں تک آنور عباسی صاحب کے دوسرے مصدر و ماخذ کا تعلق ہے یعنی محترم شہزاد سلیم صاحب تو ان کی تحقیق کے نمونوں میں سے ایک نمونہ بھی پیش خدمت ہے۔

جناب آنور عباسی صاحب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ والی روایت کہ جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع قراءات قرار دیا گیا، کومن گھڑت سمجھتے ہیں اور اس کی دلیل ان کے پاس جناب شہزاد سلیم صاحب کی تحقیق ہے۔ آنور عباسی صاحب، شہزاد سلیم صاحب کی تحقیق کا خلاصہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

① یہ روایت غریب ہے۔ اس کی ابتدائی دو کڑیاں صرف ایک ایک روای سے جڑی ہوئی ہیں۔ اسے صرف انس بن مالک روایت کرتے ہیں اور ان سے صرف ابن شہاب زہری نے روایت کی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے

کہ تقریباً نصف صدی تک صرف چند اشخاص ہی کو اس روایت کا علم تھا۔

② اس روایت کا کوئی متن بھی ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ کی متنازع شخصیت کے بغیر نہیں ہے۔ ان کی موجودگی ہی اس روایت کو مشکوک بنائے دے رہی ہے۔

③ اس روایت کو اور زیادہ مشکوک اس حقیقت نے بنا دیا ہے کہ ابراہیم بن سعد ہی ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ ان کی آپس میں ملاقات ہوئی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عمر زہری کی وفات کے وقت بمشکل سولہ سال تھی اور زہری ایلہ کے مقام پر رہتے تھے جبکہ ابراہیم بن سعد کی رہائش مدینہ میں تھی۔

④ ابن حزم رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک لاکھوں کی تعداد میں قرآن اسلامی مملکت میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں اختلاف قراءت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا جیسا کہ اس روایت میں بتایا گیا ہے۔ اس میں پریشانی والی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

⑤ اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ کسی قسم کا کوئی اختلاف پیدا ہوا تھا تو اس کا ایک آسان اور سیدھا حل یہی ہو سکتا تھا کہ اس جگہ قرآن کے نسخے بھیج دیے جاتے۔

⑥ یہ حقیقت تو ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو خود بھی قریش نہیں تھے، کہا کہ اس قرآن کو قریش کی زبان میں لکھنا۔ اگر یہ قرآن اسی نسخہ سے نقل کیا جانا تھا جو پہلے سے موجود تھا تو فرق یا اختلاف پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو لکھا ہی قریش کی زبان میں گیا تھا جو خود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی نے لکھا تھا اور پھر کوئی کمیٹی بنانے کی ضرورت کس طرح پیش آگئی کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تصحیح کی جاسکے کیونکہ اصل نسخہ بھی تو ان ہی کا لکھا ہوا تھا اور اب تو وہ محض اس کی صرف نقل کر رہے تھے! یہ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کی روایت قبول نہیں کر سکتے۔“ [انسانیت ہدایت کی تلاش میں: ۲۸۵، ۲۸۷]

اس تبصرے کی بنیاد ۶ نکات ہیں۔ ہم ترتیب وار ان نکات کا جواب نقل کر رہے ہیں:

① جناب انور عباسی صاحب نے اس لفظ کو 'غرب' لکھا ہے حالانکہ اصل اصطلاح 'غریب' کی ہے۔ شہزاد سلیم صاحب نے اپنے انگریزی مضمون میں یہ اصطلاح صحیح نقل کی ہے لیکن شاید انور عباسی صاحب انگریزی سے ترجمہ کرتے ہوئے اس کا صحیح تلفظ محفوظ نہ کر سکے۔ جب کسی محقق صاحب کے دین کے مصادر و ماخذ کی انتہاء اردو اور انگریزی کتابیں اور انسائیکلو پیڈیا ہوں تو اس قسم کی چھوٹی موٹی غلطیاں تو ہو ہی جاتی ہیں۔ اگر کسی صاحب علم سے یہ لفظ یوں نقل ہوا ہوتا تو ہم ضرور اسے طباعت کی غلطی پر محمول کرتے لیکن اصول حدیث کی الف باء سے ناواقف شخص کے بارے طباعت کی غلطی کی تاویل کرنے سے ہماری طبیعت اباہ کرتی ہے۔ جناب شہزاد سلیم صاحب کا یہ مضمون المورڈ کے انگریزی رسالہ 'Renaissance' کے فروری ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ شہزاد سلیم صاحب نے اپنے اس مضمون میں 'غریب' حدیث کو 'weak report' یعنی ضعیف روایت کہا ہے۔ اگر کسی مدرسے یا ادارہ العلوم کے شیخ الحدیث کے سامنے یہ علمی نکتہ رکھا جائے تو بجائے کسی تبصرہ کرنے کے ایسے محقق پر اس کی ہنسی نہ رکے۔ 'غریب' روایت کا صحت و ضعف کے ساتھ کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ محدثین ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے جب حدیث کی قسمیں

۱۰

بیان کرتے ہیں تو پھر خبر متواتر، خبر واحد، مشہور، عزیز اور غریب کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں اور جب بات کسی حدیث کی قبولیت و عدم قبولیت کی ہوتی ہے تو پھر صحیح لذائذ، صحیح لغیرہ، حسن لذائذ، حسن لغیرہ، ضعیف، معلول، شاذ، مضطرب، مرسل، منقطع، معلق، معضل، منکر اور موضوع وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔

اس روایت کے 'غریب' ہونے کی وجہ جناب شہزاد سلیم صاحب کی یہ نادر تحقیق ہے کہ اس کی ابتدائی دو کڑیاں یعنی ابن شہاب زہری اور انس بن مالک صرف ایک ایک روای سے جڑی ہوئی ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ تو صحابی ہیں اور ابن شہاب، حدیث کے امام ہیں لہذا اگر یہ روایت غریب بھی ہو تو متعلقہ افراد کی جلالت علمی کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

جہاں تک اس بات کا معاملہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جامع قراءات ہونے کا دعویٰ پہلے پچاس سالوں میں صرف انہی دو اشخاص نے کیا ہے تو یہ قطعاً درست نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جامع قراءات ہونے کی بیسیوں روایات موجود ہیں کہ جن میں پہلی دو کڑیوں میں ان دو اشخاص کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ ہمارا مقصود یہاں ان روایات کا احصاء کرنا نہیں ہے لیکن نمونے کے طور پر ہم دو روایات مع اسناد بیان کر دیتے ہیں تاکہ شہزاد سلیم صاحب اور ان کے خوشہ چیں جناب انور عباسی صاحب کے علم میں اضافہ ہو سکے۔

"أخبرنا أبو عبد الله الحافظ وأبو سعيد بن أبي عمرو قالوا: حدثنا أبو العباس: محمد بن يعقوب حدثنا أحمد بن عبد الحميد الحارثي حدثنا الحسين يعني ابن علي الجعفي عن محمد بن أبان وهو زوج أخت حسين عن علقمة بن مرثد عن العيزار بن جروم عن سويد بن غفلة عن علي قال: اختلف الناس في القرآن على عهد عثمان قال: فجعل الرجل يقول للرجل: قراءتي خير من قراءتك قال: فبلغ ذلك عثمان فجمعنا أصحاب رسول الله ﷺ فقال: إن الناس قد اختلفوا اليوم في القراءة وأنتم بين ظهرائهم فقد رأيت إن أجمعهم على قراءة واحدة. قال: فأجمع، رأينا مع رأيه على ذلك. قال: وقال علي: "لو وليت مثل الذي ولي، لصنعت مثل الذي صنع."

[السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب الدليل على أن ما جمعه مصاحف الصحابة = الشريعة للأجري، كتاب الإيمان والصلاة بأن الجنة والنار مخلوقتان، باب ذكر اتباع علي بن أبي طالب =]

اس روایت میں نہ تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں اور نہ ہی ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

"حدثنا عبد الله قال: حدثني عمي قال: حدثنا أبو رجاء قال: أخبرنا إسرائيل عن أبي إسحاق عن مصعب بن سعيد قال: قام عثمان فخطب الناس فقال: أيها الناس عهدكم بنبيكم منذ ثلاث عشرة وأنتم تمترون في القرآن وتقولون قراءة أبي وقراءة عبد الله. يقول الرجل: وا! ما تقيم قراءة فكأعزم على كل رجل منكم ما كان معه من كتاب الله شيء لما جاء به، وكان الرجل يجيء بالورقة والأديم فيه القرآن حتى جمع من ذلك كثرة، ثم دخل عثمان فدعاهم رجلا رجلا، فناشدهم لسمعت رسول الله ﷺ وهو أملاه عليك؟ فيقول: نعم، فلما فرغ من ذلك عثمان قال: من أكتب الناس؟ قالوا: كاتب رسول الله ﷺ زيد بن ثابت قال: فأبي الناس أعراب؟ قالوا: سعيد بن العاص قال عثمان: فليمل سعيد واليكتب زيد، فكتب زيد وكتب

مصاحف ففرقہا فی الناس فسمعت بعض أصحاب محمد يقول: قد أحسن .

[کتاب المصاحف، باب جمع عثمان ، کنز العمال ۵۸۴/۲]

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ابو قلابہ بصری (متوفی ۱۰۴ھ) نے بھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جامع قراءات ہونے کو نقل کیا ہے۔

[مشکل الآثار للطحاوی، باب بیان مشکل ما روي عن رسول الله ﷺ؛ المقنع فی رسم مصاحف

الأمصار، باب ذکر من جمع القرآن فی الصحف أولا ومن أدخله بین اللوحین]

۲ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس روایت کا کوئی بھی متن ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی متنازع شخصیت کے بغیر موجود نہیں ہے۔ ہم اس دعویٰ کے رد میں اوپر دو ایسی احادیث نقل کر چکے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جامع قراءات ہونے کو بیان کر رہی ہیں اور ان کی سند میں ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ موجود نہیں ہیں۔ امام الحدیث ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کو متنازع شخصیت ثابت کرنے کا اعتراض درحقیقت سلیم شہزاد صاحب کے استاذ جناب غامدی صاحب کا ہے اور جناب غامدی صاحب نے اپنے ایک من گھڑت فلسفے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو متنازع بنانے کی کوشش کی ہے جس کا مفصل جواب ہم ماہنامہ ’رشد‘ جون ۲۰۰۹ء میں نقل کر چکے ہیں۔ انور عباسی صاحب اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

۳ اس روایت پر ایک اعتراض یہ فرمایا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ممکن نہیں ہے کیونکہ ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ مدینہ میں رہتے تھے اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ’ایلہ‘ کے مقام پر علاوہ ازیں ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۱۶ سال تھی۔

جناب محقق شہزاد سلیم صاحب نے اس کہانی کو ثابت کرنے کے لیے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’تہذیب التہذیب‘ کی طرف اشارہ کر دیا لیکن انہیں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کرنے کی توفیق نہ ہوئی کیونکہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ان کی اس کہانی کے بالکل برعکس ہے۔ جناب شہزاد سلیم صاحب جس کتاب کے متفرق بیانات کو جوڑ کر ایک کہانی وضع کر رہے ہیں، اسی کتاب کے مصنف کی یہ رائے ہے کہ ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ثابت ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے سماعت کی صراحت کی ہے۔ [تہذیب التہذیب: ۳۹۶/۹] ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تو کیا جمع محدثین نے اس سماعت کی صراحت کی ہے سوائے جناب شہزاد سلیم صاحب اور ان کے خوشہ چیں محقق جناب انور عباسی صاحب کے۔ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

”وقال ابن عدی... وله أحاديث صالحة مستقيمة عن الزهري وغيره“ [تہذیب التہذیب: ۱۰۷/۱]

”وسئل أبو زكريا أيهم أحب إليك في الزهري إبراهيم بن سعد أو ابن أبي ذئب فقال

إبراهيم: أحب إلي من أبي ذئب في الزهري“ [سير أعلام النبلاء: ۳۰۶/۸ مؤسسة الرسالة]

”قال عباس الدوري قلت ليحيى بن معين: إبراهيم بن سعد أحب إليك في الزهري أو ليث

ابن سعد؟ فقال: كلاهما ثقتان.“ [تہذیب الکمال: ۹۱/۲]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے سماعت کی تصدیق کی ہے۔ [سير

أعلام النبلاء: ۳۰۵/۸] جناب شہزاد سلیم صاحب دعویٰ تو ایسے کر رہے ہیں جیسے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کے

سید سلیم شاہ



شاگرد رہ چکے ہیں۔ شہزاد سلیم اور ان کی اندھی تقلید کرنے والے محقق جناب انور عباسی صاحب ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر غور کریں:

”وقال ابن عیینة كنت عند ابن شهاب فجاء ابراهيم بن سعد فرفعه وأكرمه.“

[تہذیب التہذیب: ۱۰۶/۱]

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئی اور جناب شہزاد سلیم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی ملاقات آپس میں ناممکن ہے۔ فی زمانہ کسی صاحب کا ایسا دعویٰ معروف محدث ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن صرف اس صورت جبکہ وہ یہ ثابت کر دیں کہ وہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے پرسنل سیکرٹری رہ چکے ہیں اور ان کی تمام ملاقاتوں کی ڈائری بھی لکھتے تھے۔

شہزاد سلیم صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نامی مقام پر رہتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ شروع میں شام میں مقام ایلہ کے رہائشی تھے۔ [تہذیب الأسماء: ۱۲۳] المکتبۃ الشاملۃ: الإصدار الثالث] اس کے بعد ان کا اکثر و بیشتر وقت مدینہ میں گزارا ہے اسی لیے وہ مدنی کے لقب سے مشہور ہوئے لیکن علم کی تحصیل کے لیے دوسرے شہروں کے سفر بھی کرتے تھے۔ اپنی وفات سے کچھ دن پہلے ۱۲۳ھ میں وہ اپنے رشتہ داروں کے ہاں ’شغب و بدا‘ کی دو وادیوں کے پیچھے ایک مقام ’ادامی‘ یا ’ادم‘ پر منتقل ہو گئے تھے۔ معروف مؤرخ ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

”قال محمد بن عمر: ولد الزهري سنة ثمان وخمسين في آخر خلافة معاوية بن أبي سفيان وهي السنة التي ماتت فيها عائشة زوج النبي ﷺ وكان الزهري قد قدم في سنة أربع وعشرين مائة إلى أمواله بثلية بشغب وبدا فأقام فمرض هناك فمات فأوصى أن يدفن على قارعة الطريق ومات لسبع عشرة ليلة من شهر رمضان سنة أربع وعشرين ومائة وهو ابن خمس وسبعين سنة.“ [الطبقات الكبرى: ۱۸۵/۱، تہذیب الأسماء: ۱۲۳]

’شغب و بدا‘ کہاں واقع ہے؟ اس کے بارے میں مؤرخین کی معروف رائے یہی ہے کہ یہ مقام سرزمین حجاز کی آخری اور فلسطین کی ابتدائی زمین پر تھا اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

”قال: وأخبرنا الحسين بن المتوكل العسقلاني قال: رأيت قبر الزهري بأدامي وهي خلف شغب وبدا وهي أول عمل فلسطين وآخر عمل الحجاز وبها ضيعة الزهري الذي كان فيها.“ [الطبقات الكبرى: ۱۸۶/۱، تاریخ دمشق: ۳۸۱/۵۵، سیر أعلام النبلاء: ۳۲۹/۵؛ وفيات الأعيان: ۱۷۸/۳؛ تہذیب الکمال: ۳۲۲/۲۶]

پس ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم بن سعد دونوں مدینہ ہی میں تھے نہ کہ ایک ایلہ میں اور دوسرے مدینہ میں جیسا کہ شہزاد سلیم صاحب کا خیال ہے۔

۲ شہزاد سلیم صاحب نے چوتھا اعتراض یہ وارد کیا ہے کہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک لاکھوں مصاحف سلطنت عثمانیہ میں پھیل چکے تھے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگرچہ اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کہا ہے تو کیا اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ قراءات کے اختلافات کے قائل نہیں تھے؟ جیسا کہ انور عباسی صاحب اپنے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ قراءات کے اختلافات کے قائل تھے انہوں نے امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو قراءات ثابتہ میں شمار کیا ہے اور اس سے استدلال بھی کیا ہے۔ [المحلی: ۵۷: ۱۰۷، دار الفکر] اسی طرح وہ قرآن کی تعریف میں متواتر قراءات کو بھی شامل مانتے ہیں۔ [الإحكام في أصول الأحكام، القاعدة الثانية، القسم الأول، الأصل الأول في تحقيق معنى الكتاب] امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر اصل میں یہ ہے کہ جمع قراءات متواترہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور ان کے مطابق مصحف بلاد اسلامیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے پہلے ہی پھیل چکے تھے اور جو اختلاف قراءت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور مابعد کے زمانوں میں سامنے آیا تو وہ بعض روافض کی شرارت ہے جنہوں نے متواتر قراءات کے منج پر نئی قراءت وضع کرنی شروع کر دی تھیں۔ یہ امام صاحب کا کل موقف ہے کہ جس کے ایک حصے کا پیوند جناب شہزاد سلیم صاحب نے اپنی تحقیق میں لگایا ہے اور پھر وہاں سے انور عباسی صاحب نے نقل کر لیا ہے۔ امام صاحب کا یہ موقف بہت طویل ہے اور اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ ’رشد‘ میں شائع ہو چکا ہے۔ جہاں سے ان کی بات کا آغاز ہوتا ہے، ہم وہاں سے کچھ حصہ نقل کر دیتے ہیں جس میں قطعی طور پر انہوں نے قرآن کی جمع قراءات کو ثابت قرار دیا ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں:

”أما قولهم: إننا مختلفون في قراءة كتابنا فبعضنا يزيد حروفاً وبعضنا يسقطها فليس هذا اختلافاً بل هو اتفاق منا صحيح، لأن تلك الحروف وتلك القراءات كلها مبلغ بنقل الكوف إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أنها نزلت عليه فأی تلك القراءات قرأنا فهي صحيحة وهي محصورة كلها مضبوطة معلومة لا زيادة فيها ولا نقص.“ [الفصل في الملل: ۶۴۲]

۵ پانچویں اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نسخے بھجوانے کا ہی کام تو کیا گیا ہے لیکن جھنجھے سے پہلے سرکاری نسخہ تیار کیا گیا ہے اور پھر اس کی کاپیاں مختلف بلاد اسلامیہ میں بھجوا کر لوگوں کو اس سرکاری مصحف کے مطابق قراءت کا پابند کیا گیا ہے۔ جمع عثمانی سے پہلے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے پاس ذاتی مصاحف تھے، اس سے تو انکار نہیں ہے لیکن ان مصاحف میں ایسی قراءات بھی موجود تھیں جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکی تھیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تفسیری نکات کو بھی بعض صحابہ قرآن سمجھ کر تلاوت کر رہے تھے یا بعض روافض نے بعض موضوع قراءات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا شروع کر دی تھیں لہذا ان مصاحف کی درستگی بھی وقت کی ایک اہم ضرورت تھی اور اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا سرکاری نسخہ جاری فرمایا کہ جس میں منسوخ قراءات اور تفسیری نکات کے علاوہ مروی صحیح قراءات کو رسم میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ کسی اسلامی ملک میں کثرت سے قرآن شائع ہو رہے ہوں اور مختلف کمپنیوں نے جو قرآن شائع کیے ہوں، ان میں طباعت کی غلطیاں ہوں یا رسم کے اختلافات ہوں تو اسلامی مملکت اگر سرکاری نسخہ تیار کر کے لوگوں کو اس کے مطابق قراءت کا پابند کرے تو اس میں غلطی یا ناممکن ہونے کا کیا پہلو نکلتا ہے۔ ایسا تو ۱۴ صدیوں بعد آج بھی ہو رہا ہے۔ سعودی عرب اور مصر میں طبع شدہ مصاحف میں اغلاط کی کثرت کی وجہ سے پرائیویٹ کمپنیوں اور اداروں پر مصحف شائع کرنے کی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

۱ جناب شہزاد سلیم صاحب کو تعجب اس بات پر ہو رہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قریشی نہیں تھے لیکن پھر بھی ان پر قریش کی زبان میں قرآن لکھنے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ اردو اور انگریزی مصادر سے استفادہ کے نتیجے

میں وجود میں آنے والے معاصر محققین پر نقد اس لحاظ سے بھی بہت مشکل ہو جاتی ہے کہ نافذ کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ ان کی کس کس چیز کی اصلاح کرے۔ اگر کوئی صاحب علم غلطی کرے تو اس کی اصلاح کرنا بہت آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ اس فن کے بنیادی مقدمات سے واقف ہوتا ہے۔ جب کسی محقق صاحب کو کسی فن کی الف باء کا ہی علم نہ ہو تو اس کی اصلاح کرنا ایک بڑا ہی صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جمع عثمانی میں صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دو وجوہات سے دیا گیا تھا ایک تو وہ کاتب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ [صحیح البخاری؛ کتاب فضائل القرآن؛ باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا وہ اہل عرب میں کتابت میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔ لہذا کتابت کی ذمہ داری حضرت زید رضی اللہ عنہ پر تھی اور انہیں املاء حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کرواتے تھے کیوں کہ وہ أفصح اللسان تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن سے پہلے لوگوں سے سوال کیا: "أبي الناس أفصح؟ قالوا: سعيد بن العاص، ثم قال: أي الناس أكتب؟ قالوا: زيد بن ثابت. قال: فيكتب زيد واليمل سعيد." [كتاب المصاحف؛ باب جمع عثمان المصاحف]

اب کتابت اور املاء میں فرق تو آجنگاہ کے ہاں ضرور واضح ہوگا۔ قرآن لکھنا کیسے ہے؟ یہ تو قریشی صحابہ رضی اللہ عنہم نے طے کرنا تھا لیکن لکھنا کس نے ہے؟ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ دور کیوں جاتے ہیں ہم بھی تو اپنی ہدایات کے مطابق آخر بیزر اشتہارات کتبے اور اہل بورڈز وغیرہ لکھواتے ہی ہیں تو کیا ہمارے اور کاتب کے مابین کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ہمارے کاتب عموماً جہلاء ہوتے ہیں لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب ہونے کے ساتھ ماہر قاری قرآن اور عالم بھی تھے۔

دوسرا اعتراض جناب شہزاد سلیم صاحب نے یہ کیا ہے کہ قرآن اسی نسخہ سے نقل کیا جانا تھا جو پہلے سے موجود تھا تو فرق یا اختلاف پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو لکھا ہی قریش کی زبان میں گیا تھا جو خود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی نے لکھا تھا اور پھر کوئی کمیٹی بنانے کی ضرورت کس طرح پیش آگئی کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تصحیح کی جاسکے کیونکہ اصل نسخہ بھی تو ان ہی کا لکھا تھا اور اب تو وہ محض اس کی صرف نقل کر رہے تھے۔

اس کے بارے ہماری عرض یہ ہے کہ جمع عثمانی میں کتابت کا کام ایک مستقل کام تھا یہ جمع ابو بکر رضی اللہ عنہ سے نقل نہیں تھی بلکہ اس سے مراجعت تھی۔ اسی لیے ابن جریر طبری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت کے مطابق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جب قرآن لکھ کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے اس کی مراجعت فرمائی اور اس میں سورۃ احزاب کی آیت مبارکہ ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا نَسُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ [الأحزاب: ۲۳] غائب پائی تو مہاجرین اور انصار میں تلاش کے بعد خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس مل گئی۔ اب دوسری دفعہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کی مراجعت فرمائی تو سورہ توبہ کی آخری دو آیات ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ [التوبة: ۱۲۸] کے بارے انہیں احساس ہوا کہ وہ بھی غائب ہیں۔ اب ان کی تلاش شروع ہوئی تو یہ آیات ایک اور انصاری صحابی حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملی۔ اب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تیسری مرتبہ مراجعت فرمائی تو انہیں یہ احساس ہوا کہ اب کوئی آیت باقی نہیں رہی ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیفہ ابی بکر منگوائے اور جمع ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس صحیفہ کی مراجعت فرمائی گئی تو دونوں میں کہیں بھی کوئی اختلاف نہ تھا۔ [مقدمہ تفسیر طبری: ۶۱۰/۶۱۱ صحیح بخاری کی روایت اجمالی ہے اور درحقیقت اس چوتھی مراجعت کو مجازاً 'نسخ' کے الفاظ سے بیان کر رہی ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے رشد کے اسی شمارہ میں قاری فہد اللہ صاحب کے مضمون بعنوان "جمع عثمانی روایات کے تناظر میں" کا مطالعہ فرمائیں۔ خلاصہ کلام یہی ہے کہ جس شخص کو عربی کے دو لفظ صحیح طرح سے نہ پڑھنے آتے ہوں یا

وہ علوم اسلامیہ کی الف باء سے بھی واقف نہ ہو سوائے چند ترجمہ شدہ کتابوں اور انگلش آرٹیکلز سے استفادہ کے، اسے قرآن جیسے نازک موضوع پر گفتگو کرنے سے ڈرنا چاہیے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جس میں ایسے جہلاء پیدا ہوں گے جنہیں دینی علوم میں تورسوخ نہ ہو گا لیکن اپنی معاشرتی حیثیت (social status) کی وجہ سے لوگوں میں نمایاں ہوں گے۔ یہ جہلاء بغیر علم کے تحقیق کریں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ آپ ﷺ کے الفاظ ہیں:

«اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَلًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا»۔ [صحیح البخاری: ۱۰۰]

”لوگ جہلاء کو اپنا بڑا بنالیں گے اور ان جاہلوں سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے۔ پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

آخر میں ہم پھر وہی سوالات دہرائیں گے جو ہر منکر قراءت پر ایک قرض ہیں اور ہر منکر قراءت ان کا جواب دینے سے بدکتا ہے۔ اور جب تک قراءت پر ناقدانہ تحقیقی مضمون میں ان سوالات کا جواب نہیں آجاتا اس وقت تک اس مضمون کو تحقیق کہنا تحقیق کی توہین ہے کیونکہ بنیادی مسئلہ تو وہیں کا وہیں موجود ہے۔ سوالات یہ ہیں کہ کیا کروڑوں مسلمانوں کے پڑھنے سے بھی کوئی چیز مثلاً روایت و رش قرآن ثابت نہیں ہوتی؟ اگر نہیں تو روایت حفص کیا صرف اس بنیاد پر قرآن ثابت ہو جاتی ہے کہ اسے کروڑوں مسلمان پڑھتے ہیں؟

کیا کروڑوں مسلمان غلط قرآن پڑھ سکتے ہیں؟ اگر ہاں! تو ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹] کے کیا معنی ہوتے؟

صدیوں سے قرآنی مصاحف مختلف قراءت کے مطابق لکھے جا رہے ہیں اور اب تو پہلی اور دوسری صدی ہجری کے بھی بعض مصاحف ملے ہیں کہ جن میں مختلف قراءت کے مطابق رسم موجود ہے، اس موضوع پر رشد کے اسی شمارے میں میرے مضمون ’قدیم مصاحف قرآنیہ‘ کا مطالعہ فرمائیں۔ کیا چودہ صدیوں میں غیر قرآن کو مسلمان بطور قرآن لکھتے رہے شائع کرتے رہے، نماز اور غیر نماز میں پڑھتے رہے، اپنے بچوں کو حفظ کرواتے رہے، اس کے مطابق تفسیر مثلاً کشاف اور جلالین وغیرہ کے نسخے شائع ہوتے رہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے کوئی اقدام نہ فرمایا؟

کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ صرف ۱۲۴ رسال کے لیے لیا تھا اور ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۲۴ھ) کے بعد قرآن غیر محفوظ ہو گیا تھا؟

قرآن کے بطور قرآن ثابت ہونے کا معیار کیا ہے؟ کیا قرآن (روایت حفص) کے بطور قرآن ثابت ہونے کے معیار پر روایت و رش، روایت قالون اور روایت دوری پوری نہیں اترتیں؟ کیا قاری کی تعلیم کے بغیر لکھے ہوئے قرآن کو پڑھنے میں دو بندوں کا اتفاق ممکن ہے؟ اگر نہیں تو قرآن میں اصل نقل ہوئی یا کتابت؟ اگر نقل ہے تو پھر قراء پر قرآن (روایت حفص) کے معاملے میں اعتماد اور قراءت کے قبول کرنے میں عدم اعتماد کا دوہرا معیار کیوں؟

کیا قراءت اپنے ثبوت کے لیے سببہ اَحرف کی حدیث کی محتاج ہیں؟ اگر نہیں تو صرف سببہ اَحرف کے معنی و مفہوم متعین نہ ہونے کی بنا پر قراءت کا انکار کیوں؟ اور قرآن کی کسی آیت کے معنی و مفہوم میں مسلمانوں کا اتفاق نہ

سید سلیم شاہ

ہو تو اس کا انکار کیوں نہیں کیا جاتا؟

کیا ہمارے تمام مفسرین قرآن سے جاہل تھے جو قراءات کو بطور قرآن تفسیر میں نقل کرتے رہے؟ (تفصیل کے لیے دیکھیں شماره ہذا ص ۲۲ پر قاری عمر فاروقی کا مضمون 'احادیث مبارکہ میں روایت حفص کے علاوہ دیگر متواتر روایات')

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل الحدیث اور اہل الظاہر سب قراءات کے قائل ہیں تو ان کے علاوہ اُمت رہ گیا جاتی ہے جو قراءات کی قائل نہیں ہے؟

کیا اللہ تعالیٰ نے 'فتنہ عجم' کو اُمت مسلمہ میں اتنا عام کر دیا کہ کیا خواص اور کیا عوام سب ہی اسے چودہ صدیوں سے قرآن سمجھ کر پڑھ رہے ہیں؟

کیا مراکش، لیبیا، تیونس، الجزائر، موریتانیہ، سوڈان، صومالیہ، یمن، مغربی ممالک اور براعظم افریقہ کے کروڑوں مسلمان اُمت مسلمہ میں شامل نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو وہ تو اس قرآن (روایت حفص) کی تلاوت نہیں کرتے؟ بلکہ قراءات (روایت ورش، قالون اور دوری) کی تلاوت کرتے ہیں۔

کیا عالم عرب و عجم کے تمام معروف قراء کی مختلف قراءات میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس مشرق و مغرب میں عام نہیں ہیں؟ کیا عامۃ الناس ان قراءات کو نہیں سنتے؟ کیا رمضان کے مہینے میں حرم مدنی میں لاکھوں افراد مختلف قراءات میں قرآن نہیں سنتے؟

کیا سعودیہ، مراکش، لیبیا، سوڈان، موریتانیہ، الجزائر، تیونس اور افریقہ وغیرہ کی مسلمان حکومتوں نے اپنی سرپرستی میں لاکھوں مصاحف قراءات میں شائع نہیں کروائے؟

کیا عالم اسلام کا دنیا بھر میں قرآن کی طباعت و اشاعت کا معتبر و مستند ترین ادارہ 'مجمع الملك فهد' لاکھوں کی تعداد میں روایت ورش، روایت قالون اور روایت دوری میں مصاحف شائع نہیں کر رہا؟ اگر یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور صدیوں سے ہو رہا ہے اور مسلمانوں میں عامۃ الناس ہی نہیں بلکہ ان کے ارباب اہل حل و عقد اور اصحاب علم و فضل بالاتفاق ایسا کر رہے ہیں تو قرآن کی حفاظت کے چرعمی دار؟

## قراءات کا انکار صفات الہی کا انکار ہے

قراءات کا انکار درحقیقت اللہ کی صفات انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا اپنی ذات کو 'شہید'، 'علیم'، 'خبیر'، 'قدیر'، 'بصیر'، 'مہیمن'، 'مؤمن'، 'عزیز'، 'مقتدر'، 'ملک'، 'لطیف' اور 'قادر' وغیرہ جیسے صفات سے متصف کیا ہے۔ اگر اللہ کی ذات علیم و خبیر اور شہید و بصیر ہے تو اس کے علم میں لازماً یہ بات ہونی چاہیے کہ اُمت محمدیہ ﷺ نے اپنی طرف سے قرآن گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ جب اللہ کی صفت علم و شہادت میں یہ بات موجود ہے کہ اُمت مسلمہ نے کتنا بڑا جرم کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کے سلسلے میں ہر صدی میں قراءات کی سینکڑوں کتابوں کے لکھے جانے اور ہر سال ہزاروں قاریوں کی پیدائش کے سلسلے کو روکنے کے لیے اب تک کیا کیا ہے؟ کیا معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ چودہ صدیوں سے ان قاریوں کے آگے اتنے بے بس رہے ہیں کہ اس کا فیصلہ نہ کر سکے کہ قاری اس کی طرف قرآن گھڑ کر منسوب کرنا چھوڑ دیں؟

اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ’مہیمن‘ بھی ہے یعنی وہ اپنی مخلوق اور اپنے بھیجے ہوئے دین کا نگران بھی ہے۔ اگر چودہ صدیوں سے مدارس میں کروڑوں مسلمانوں نے قراءات پڑھی یا پڑھائی ہیں یا لاکھوں مصاحف مختلف قراءات میں شائع ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں یا بیسیوں مسلمان ممالک میں قراءات کو عوامی مقبولیت اور تلقی بالقبول حاصل ہے تو پھر بھی یہ دعویٰ کرنا کہ یہ قراءات قرآن کے نام پر جھوٹ ہے کیا اللہ کی صفت ’مہیمن‘ کا انکار نہیں ہے؟ مراد قراءات کا انکار کیا اس بات کا اقرار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ! اپنی آخری کتاب کی حفاظت میں قاریوں کے مقابلے میں مجبور ہیں۔ یعنی اللہ کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے نام پر قرآن گھڑا گیا اور امت میں عام بھی ہو گیا اور چند ایک لوگوں کے سوا امت کے خاص و عام نے اسے قبول بھی کر لیا۔ کیا عجیب تماشا ہے؟ اور اس فکر کی ندرت پر ذرا غور کریں۔

اسی طرح قراءات کا انکار اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کا بھی انکار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِيزِينَ﴾ [الحاقة: ۴۳، ۴۴]

’لو کہ نبی ﷺ! اگر آپ بعض اقوال گھڑ کر ہماری طرف (بطور قرآن) منسوب کر دیتے تو ہم آپ ﷺ کا داہنا ہاتھ پکڑتے اور پھر ہم آپ کی شاہ رگ کاٹ دیتے اور پھر تم (مشرکین) میں سے کوئی ایک بھی آپ کو ہم سے بچانے والا نہ ہوتا۔‘

اللہ کے رسول ﷺ کہ جن پر قرآن نازل ہو رہا تھا ان کے بارے اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ بغرض مجال اگر وہ بھی قرآن گھڑ کر ہماری طرف منسوب کریں تو ہم ان کو بھی جان سے مار ڈالیں گے اور اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہوگا تو قاریوں کی کیا مجال ہے کہ وہ قراءات کے نام پر قرآن گھڑیں اور اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں۔ بلکہ یہاں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے جو لوگ قراءات کو مانتے ہیں اور منکرین قراءات کے بقول اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے گھر یعنی حرمین شریفین کی امامت نصیب فرماتے ہیں۔ چھپیلی چودھوی صدیوں کی طرح آج بھی ائمہ حرم ایک سے قراءات سب سے عشرہ کے قائل ہیں اور ان میں بعض ایک تو حرمین میں ہی نمازوں میں ان قراءات کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ نقل کفر کفر نہ باشد! منکرین قراءات اپنے خدا کی بے بسی کا ذرا اندازہ تو لگائیں کہ ان کے خدا کے گھر میں ان قاریوں کو امامت حاصل ہے جو ان کے بقول قرآن گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور نہ صرف منسوب کر رہے ہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں اپنی مہر لگا کر ان قراءات کو مجمع ملک الفہد کی زیر سرپرستی قرآنی مصاحف کے نام پر شائع بھی کر رہے ہیں اور مسجد نبوی میں ان قرأتوں میں نماز بھی پڑھا رہے ہیں۔ فیا للعجب!

اللہ تعالیٰ ان قاریوں کی شاہ رگ کاٹنے کی بجائے امت مسلمہ میں ان کی عزت و احترام میں اضافہ فرمائیں! امت کے بچوں کا اُستاز ان کی نمازوں کا امام اور اسلامی معاشروں کا مقتدا بنائیں۔ کیا معاذ اللہ! اللہ کی صفت قدرت میں کمی واقع ہوگی جو وہ قاریوں سے بدلہ لینے سے قاصر آگئے ہیں؟

اسی طرح اللہ کی بقیہ صفات کو بھی لے لیں اور ان پر غور کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قراءات کا انکار دراصل اللہ کی صفات کا انکار ہے اور ایک ایسے خدا کو ماننا ہے جو اس دنیا سے بے نیاز اور بے خبر اندھی بہری ایک مجرہستی کا نام ہے جس میں فلاسفہ کے بقول کسی مثبت صفت کا وجود نہیں ہے۔



## سید سلیم شاہ کے مزعومہ تضادات کا جائزہ

تاریخِ اسلامی کے تمام ادوار اس بات کے شاہد ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر اہل علم حضرات ایک دوسرے سے مختلف آراء کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مابعد ادوار کے تمام لوگ اس اختلاف کو علمی انداز میں قبول کرتے اور کتاب و سنت سے قریب تر موقف کو اپنانے میں کسی قسم کی پس و پیش کو خاطر میں نہیں لاتے رہے۔ لیکن موجودہ دور میں ایک ایسے تجدد پسند طبقے کا ظہور ہوا جس نے اس علمی اختلاف کو اپنی مکروہ خواہشات کے تانے بانے بننے کے لیے استعمال کیا۔ اور تو اور ایسے ڈھیروں مسائل پر بھی تجدد پسندی کی چادر اوڑھادی گئی جن پر صدیوں سے پوری اُمت متفقہ طور پر عمل کرتی آئی ہے۔

انہی مباحث میں سے ایک 'تعدد قراءات' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے کروڑہا مسلمان قرآن کریم کی ایک سے زیادہ قراءات کو من و عن تسلیم کرتے اور ان کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ موضوع عوامی سطح سے ذرا بلند ہے البتہ علمی حلقے علم قراءات کے تمام مباحث سے آشنا ہیں اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس اہم ترین موضوع کو عوام تک رسائی بھی دی جائے لہذا اراکینِ رُشد نے اس کا بیڑہ اٹھایا۔ دیگر اہل علم حضرات کے تعاون اور اراکینِ رشد کی انتھک محنت کی تیسری کڑی 'رُشد قراءات نمبر سوم' کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ رُشد کے اس کام کو جہاں بہت سے عوامی اور علمی حلقوں کی جانب سے داد و تحسین موصول ہوئی وہیں 'تعدد قراءات' کو فتنہ عجم قرار دینے والوں کی سٹی بھی گم گئی کہ اس قدر بھاری بھارے تردید دلائل سے جان چھڑائی جائے تو کیسے؟ لہذا جب تمام تر کوشش کے بعد بھی ان کا کوئی جواب نہ بن پایا تو انتہائی بھونڈے طریقے سے 'رُشد' میں اغلاط اور تضادات کا خازن دکھا کر غم غلط کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہی کہا تھا، میری آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ مجھ پہ ٹوٹ پڑا سارا شہر ناپینا  
'رُشد قراءات نمبر' کو دیکھ کر آپے سے باہر ہونے والوں میں سے ایک نام سید سلیم شاہ صاحب کا ہے، جنہوں نے 'رُشد' کی غوطہ زنی کے بعد اس کی ڈھیروں 'اغلاط' کی نشاندہی کی ہے ان کی گرانقدر آراء کا بوجھ ماہنامہ 'طلوع اسلام' کے شمارہ جنوری ۲۰۱۰ء نے اٹھایا ہے۔ سید صاحب 'رُشد' کے دو قراءات نمبر دیکھ کر کافی غصے میں دکھائی دیتے ہیں اور ان بھاری بھارے جلدوں کو 'علمی رعب و دبدبہ' کا نام دے رہے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہے 'رُشد' نے تو اتمامِ حجت کرتے ہوئے 'رُشد و ہدایت' کی طرف دعوت دے دی ہے، اب آپ کی مرضی چاہیں تو اس سے سرفراز ہوں یا 'علمی رعب و دبدبہ' کا نام دے کر اپنے دل کو تسلی دینے کی راہ نکالیں۔

① سید صاحب سب سے احراف میں نزول قرآن میں سہولت کس کے لیے تھی اس سلسلے میں 'رُشد' کی آراء پر اظہار کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ بخاری شریف کی اس حدیث کا مفہوم ماضی بعید میں تو معلوم نہ ہو سکا تھا، تاہم ماہنامہ ’رشد‘ نے جو ہماری راہنمائی فرمائی ہے وہ درج ذیل ہے:

\* حمزہ صاحب کا خیال ہے کہ ”عربی زبان کے حوالے سے لوگوں کو یہ مشکل پیدا ہوئی تھی اور یہ مشکل تاقیامت اہل عرب کے لیے ہی باقی ہے.....“

\* جبکہ دوسری جگہ رقمطراز ہیں کہ ”اس مشقت کے حوالے سے آسانی کی وجہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے لیکن وہ آسانی صرف صحابہ کے لیے نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے ہے۔“

\* آگے ایک جگہ پر حمزہ صاحب پھر لکھتے ہیں کہ ”قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لیے قرآن مجید میں عربی زبان کے حوالے سے کوئی مشکل کا احساس پایا جائے اور اس مشکل کے اعتبار سے کچھ سہولت دے جائے تو اس حوالے سے خاص اہل عرب کے لیے ہی اس مشقت کا ازالہ کیا جائے گا۔“

\* ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب بھی کہتے ہیں کہ ”یہ سہولت پوری اُمت کے لیے تھی۔“

\* ڈاکٹر عبدالعزیز القاری بھی اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔

سید صاحب نے کافی جاہلستانی کے بعد ’رشد‘ میں سے ایسی عبارتیں ڈھونڈ ماری ہیں جن کو اگر سیاق و سباق سے ہٹا کر پیش کیا جائے تو ان میں باہم تضاد نظر آتا ہے، لیکن حقیقتاً ایسا کچھ نہیں ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے ہم ان تمام عبارتوں کو نقل کرنے کے بجائے صرف اس قدر وضاحت کرتے چلیں کہ سب سے اہل عرب پر نزول قرآن کی حکمت پوری اُمت کے لیے آسانی اور سہولت کے طور پر تھی لیکن اس کی وجہ وہ مشقت بنی جو اہل عرب کو بعض الفاظ بولنے میں درپیش تھی۔ اب اصلاً مشقت تو اہل عرب کی دور ہوئی لیکن سہولت قیامت تک کے تمام لوگوں کو فراہم ہوگی۔ اس سلسلے

میں وارد شدہ بیشتر احادیث کی رو سے بھی سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آسانی اور سہولت پوری اُمت کے لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی اُمت کے لیے سہولت کا مطالبہ کرنے کا سبب تو اہل عرب ہیں البتہ عمومی طور پر پوری اُمت کے لیے سہولت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ ہو:

عن أبي بن كعب أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان عند أضاءة بني غفار فأتاه جبريل فقال: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ عَلَى حَرْفٍ. قَالَ: «أَسْأَلُ اللَّهَ مَعَا فَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ إِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذَلِكَ». ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَذَكَرَ نَحْوَ هَذَا، حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ. قَالَ «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ فَإِنَّمَا حَرْفٌ قَرَأُوا عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوا». [سنن أبي داؤد: 1۴۷۸]

”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اضاءة بنی غفار کے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا یقیناً اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی اُمت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں اللہ سے معافی اور بخشش کا سوال کرتا ہوں، میری اُمت اس (ایک حرف) پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔“

سیدنا جبریل علیہ السلام دوسری مرتبہ پھر آئے اور ویسا ہی ذکر کیا یہاں تک کہ سات حروف تک بات پہنچ گئی۔ (جبریل علیہ السلام) کہتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی اُمت کو سات حروف پر پڑھائیے تو جو بھی وہ حرف پڑھیں گے درستگی کو پالیں گے۔“

مختلف قراءات کا نزول مختلف عربی لہجات کے پیش نظر ہوا ہے اور یہ عربی لہجات اہل عرب کے اندر تھے، اہل عجم



عمران السلم

کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، اور اہل عرب کے اندر ہی یہ مشکل تھی کہ ایک لہجے کا پابند اگر دوسرے لہجے والے کو کیا جاتا تو اس کے لیے اس لہجے کو اختیار کرنا مشکل سمجھا جاتا تھا چنانچہ اس میں اہل عرب کو گنجائش دے دی گئی۔ جبکہ اہل عرب کے علاوہ تمام عجم جو لہجہ بھی اختیار کریں گے وہ انہیں تکلفاً سیکھنا پڑے گا۔ لہذا ذکر کردہ تمام عبارات کو سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے تو حقیقتاً اندازہ ہوگا کہ مشقت کا ازالہ تو اہل عرب سے ہوا لیکن سہولت سے مستفید پوری امت ہوگی۔

② رشد میں بیان کردہ سببہ احرف سے متعلقہ مختلف آراء کو سید صاحب نے عجب رنگ دیا ہے۔ کہتے ہیں:

- \* حمزہ صاحب اسے لہجات کا اختلاف قرار دیتے ہیں۔
  - \* ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نے ابن جریر طبری کے حوالہ سے قبائل عرب کی سات لغات مراد لی ہیں۔
  - \* محمد فیروز الدین شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ یہ لغات و لہجات نہیں تھے۔
- اس سبب اختلاف کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر سببہ احرف کے مفہوم میں متقدمین میں اختلاف تھا تو ’رشد‘ نے آکر کیا خاص کارنامہ سرانجام دیا؟ اگر اس مسئلے کو حل کیا ہوتا تو کیا بات تھی ’رشد‘ کے مطالعے سے ہمیں تو یہی معلوم ہوا کہ: ان تمام حقائق کے باوجود جب اس سلسلے میں وارد ہونے والی جملہ احادیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایسی کوئی عبارت ہمیں دستیاب نہیں ہوئی جو سببہ احرف کی ایسی کامل اور شافی تفسیر کر دے جس سے نزاع ختم اور اختلاف کے دروازے بند ہو جائیں۔

[رشد ۱۲۳۶]

سببہ احرف والی حدیث کے بارے میں پینتیس اقوال ہوں یا چالیس ان سب پر ’رشد‘ کا ایک یہی قول بھاری ہے۔ اب جبکہ اس چیتاں کا کوئی ایسا معقول مفہوم دریافت ہی نہیں ہو سکا تو ’اہل رشد‘ کی مرضی ہے کہ اس پر تمام عمر آپس میں یا کسی پر منکر حدیث کا لیبیل لگا کر سر پھٹول کرتے پھریں۔“

سید صاحب نے ان عبارات کو ایک دوسرے کے مقابل پیش کر کے جو طوفان برپا کیا ہے اور اپنے تئیں جو بہت دور کی کوڑی لائے ہیں اس کے جواب میں ہم اتنا ہی کہیں گے کہ سببہ احرف کے مفہوم میں بیان کیا جانے والا تمام کا تمام اختلاف لفظی ہے جس کا عشرہ قراءات کے ساتھ تعلق اضافی ہے۔ جو سببہ احرف سے مراد لغات لیتے ہیں وہ بھی عشرہ قراءات کو مانتے ہیں۔ جو لہجات مراد لیتے ہیں وہ بھی عشرہ قراءات کے قائل ہیں اور جو سببہ سے اس کے علاوہ کوئی اور مفہوم مراد لیتے ہیں وہ بھی انہیں من وعن تسلیم کرتے ہیں مسئلہ تو صرف ’ابستگان‘ ’اشراق‘ اور ’طلوع اسلام‘ کا ہے جو اس راعی جتنے اختلاف کو پہاڑ بنانے پر تلے ہیں۔ بصد ادب عرض ہے کہ سید صاحب! سببہ احرف میں بیان کیا جانے والا اختلاف ہمیں دل و جان سے قبول ہے لیکن اس حوالے سے ’رشد‘ نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ اسی شمارے میں حافظ فہد اللہ مراد صاحب کا وہ مضمون ہے جس میں اس سے متعلقہ تمام اشکالات کو دور کرتے ہوئے سببہ احرف کا حقیقی مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ ہم آپ کے زیر بار احسان ہوں گے کہ ’طلوع اسلام‘ کی بغل سے نکلیں اور غیر جانبداری سے اس مضمون کا مطالعہ کر ڈالیں امکان ہے اس چیتاں کا معقول مفہوم سمجھنے میں مشکل نہیں ہوگی۔

حدیث سببہ احرف سے متعلقہ اب تک جو اختلاف سامنے آیا ہے ’ابستگان علم‘ تو اسے ایک علمی اختلاف قرار دیتے ہیں اور علمی انداز ہی میں اسے حل کرنے کے لیے کوشاں ہیں لیکن جناب مصر ہیں کہ حمزہ صاحب اسے لہجات

کا اختلاف قرار دیتے ہیں ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب لغات کا جبکہ فیروز الدین شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ لغات ولہجات نہیں تھے۔ تو شاہ صاحب آپ ایک بار پھر رُشد پر سرسری نظر دوڑائیے جس میں صفحہ نمبر ۲۶۸ اور ۲۷۳ پر آپ کو ڈاکٹر حمزہ مدنی صاحب کا لہجات کے بجائے لغات کا موقف بھی مل جائے گا اسی طرح رُشد: ۲۷۰، ۲۶۹/۱ پر انہوں نے اس کے لیے لغت والہجہ دونوں لفظ استعمال کیے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ اُسے لغات کا اختلاف قرار دیں، لہجات کا اختلاف قرار دیں یا پھر دونوں سے ہٹ کر کوئی اور اختلاف اس سے عشرہ قراءات پر کوئی حرف نہیں آتا۔

جہاں تک آپ نے عبدالعزیز القاری صاحب کے مضمون کا ایک جملہ نقل کیا ہے کہ حدیث سبعہ اُحرف کی ایسی کامل اور شافی تفسیر نہیں کی جاسکتی جس سے نزاع ختم اور اختلاف کے دروازے بن ہو جائیں۔

اگر ہم عبدالعزیز القاری صاحب کی اس سے ملحقہ مکمل عبارت نقل کریں تو احساس ہوگا کہ سید صاحب نے اس عبارت سے جو معنی کشید کرنے کی کوشش کی ہے فی الحقیقت ایسا کچھ نہیں ہے۔ عبدالعزیز القاری کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو:

یہ ہے وہ حدیث !!..... جو اہل علم میں 'حدیث حروف سبعہ' کے نام سے معروف ہے۔ تمام ائمہ اعلام (صحابہ، تابعین اور محدثین) کا اس حدیث کی روایت اور اُمت کے لیے نقل کرنے پر اتفاق و اجماع ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی مذکورہ اُسانید اور روایت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ حدیث سنداً 'متواتر' ہے جس کو ہر طبقہ سے جمہور محدثین اور ہر زمانہ سے ایک جم غفیر نے روایت کیا ہے۔ لہذا اس حدیث کے تواتر میں نہ کوئی شک ہے اور نہ ہی کوئی اضطراب ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جملہ روایات (قطع نظر اس سے کہ صحیح ہوں یا ضعیف) 'سبعہ' کے لفظ پر متفق و مجتمع ہیں۔ اسی طرح تمام احادیث آپ ﷺ کے اس فرمان 'علی سبعة اُحرف' کو بالاتفاق نقل کرتی ہیں، ماسوائے سمرۃ بن جندب کی حدیث کے، جو عصفان بن حماد کے طریق سے روایت ہونے والی حدیث ہے۔ جس کی تردید بھی اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود! جب اس سلسلے میں وارد ہونے والی جملہ احادیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایسی کوئی عبارت ہمیں دستیاب نہیں ہوتی جو 'سبعہ اُحرف' کی ایسی کامل اور شافی تفسیر کر دے جس سے نزاع ختم ہو اور اختلاف کے دروازے بند ہو جائیں۔ لہذا مقصد کی تکمیل اور جواب کی تلاش و جستجو کے لیے اب ایسے علماء و محققین کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں جو استنباط معانی میں تدبر و تفکر، دقت نظر اور غور و خوض کی اعلیٰ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں۔

جب معاملہ اس قدر عظیم ہو کہ اس حدیث کو مشکلات اور تشابہات میں بھی شمار کیا گیا ہے حتیٰ کہ ایک جماعت نے اس حدیث کے سمجھنے کو اور اس کے معانی و مفہام کے ادراک کے اہم کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کیا ہے تو مجھ جیسے کمترین کی طرف سے یہ عزم درست معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم حدیث کے معانی و مدلول پر اس قدر غور و فکر کیا جائے کہ عقل و فہم اس کے مشابہ ہونے کا انکار کر دے اور قوم مسلم اس کی جامع مانع تفسیر کر کے سرفراز ہو۔ بایں وجہ کہ اس حدیث کا کتاب الہی سے گہرا تعلق ہے اور اپنے مدلول کے قابل قدر اور عالی مقام ہونے سے گہرا واسطہ ہے۔“

[رشد قراءات نمبر: ۱۳۳۱]

سید سلیم صاحب کی عبارتوں میں قطع و برید ملاحظہ کیجئے کہ عبدالعزیز القاری تو 'سبعہ اُحرف' کے مفہوم کی شافی وضاحت کے لیے علماء و محققین کی جانب رجوع کا درس دیں اور اس کی جامع و مانع تفسیر کر کے قوم مسلم کو سرفراز کرنے کے عزم کا اظہار کریں اور سید صاحب بھر پور طبع سازی اور فریب کاری کے ذریعے ان کی پوری عبارت نقل کرنے کے بجائے ایک جملہ ذکر کر کے نعرہ بلند کر دیں کہ اس چیتاں کا کوئی مفہوم دریافت ہی نہیں ہو سکا۔

چلیے اگر جناب سید مصر ہیں تو مانے لیتے ہیں کہ پوری اُمت سبعہ اُحرف کا مفہوم متعین کرنے میں ناکام رہی ہے، تو کیا اس کی بنیاد پر ثابت شدہ متنوع قراءات کا بھی انکار کر دیں؟۔ تو جناب ہم تو اپنے اندر اس قدر جرأت و بے باکی نہیں پاتے کہ حدیث سبعہ اُحرف کے علاوہ ثبوت قراءات کے ضمن میں پیش کی گئی احمد علی المعصر اوی اور ابو عمر حفص کی جمع کردہ ۳۳۲ احادیث کا بھی انکار کر دیں، جن کے ہوتے ہوئے متعدد قراءات قرآنیہ کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

③ سید صاحب کی یہاں تک رُشحات علم، ملاحظہ کر کے تو ہم اسی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ موصوف کا علمی دنیا سے بہر حال کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے لیکن سید صاحب کو ہماری یہ خوش فہمی زیادہ دیر تک راس نہیں آئی اور رُشد کی چند مزید عبارتوں کا تضاد نقل کر کے ہماری ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ لکھتے ہیں:

\* حافظ اُنس نضر مدنی کا اصرار ہے کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالمشافہ آپ ﷺ سے قرآن سیکھا۔ صحابہ سے تابعین، تابعین سے تبع تابعین نے یہ حروف سیکھے اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ معاملہ ان معروف و مشہور قراء سبعہ تک پہنچ گیا۔

\* حمزہ مدنی اور فہد اللہ مراد صاحب کا بھی اصرار ہے کہ سبعہ اُحرف کا مصداق موجودہ قراءات سبعہ (بلکہ عشرہ) ہیں۔

\* جبکہ قاری محمد صفدر صاحب کا خیال ہے کہ اُحرف سبعہ اور قراءات سبعہ کوئی الگ الگ چیز نہیں۔

\* جبکہ مولانا محمد توفیق عثمانی کی رائے ہے کہ ”بعض حضرات (مثلاً مدنی حضرات و قاری محمد صفدر وغیرہ) سید صاحب اگر تھوڑی تکلیف کریں تو توفیق عثمانی صاحب کو اطلاع کر دیں کہ آپ (مثلاً مدنی حضرات و قاری محمد صفدر وغیرہ) لکھنا بھول گئے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ اس (یعنی سبعہ اُحرف) سے مراد سات مشہور قاریوں کی قراءاتیں ہیں، لیکن یہ خیال تو بالکل ہی غلط اور باطل ہے۔“

سید صاحب حافظ عبدالستار حماد صاحب پر تو کچھ زیادہ ہی ناراض نظر آتے ہیں جنہوں نے ایک جگہ پر کہا ہے کہ ”بہر حال قراءات متواترہ جنہیں احادیث میں ’اُحرف سبعہ‘ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ آج بھی موجود ہیں اور اس کے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔“

جبکہ اگلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں: سبعہ اُحرف سے مراد ان سات ائمہ کی قراءات ہرگز نہیں۔

اس قدر لکھنے کے بعد شاہ صاحب یوں گویا ہوتے ہیں:

”ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ کسی شیخ الحدیث صاحب کے کسی بھی قول کو غلط قرار دیں۔ ان کا یہ قول یقیناً درست ہوگا کہ ’سبعہ اُحرف‘ سے مراد ان سات ائمہ کی قراءات نہیں اور یہ بھی بلا شک و شبہ درست ہوگا کہ سبعہ اُحرف سے مراد ہی قراءات متواترہ ہیں جو آج کل موجود ہیں۔“

سید صاحب نے ان عبارات کو جس انداز سے پیش کیا ہے اور اس کے بعد جن خیالات عالیہ کا اظہار کیا ہے اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ شاہ جی اس موضوع کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں اور ایک معقول بات کو انتہائی نامعقول انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے جب رات کو دن اور دن کو رات ثابت کرنے کا شوق چڑھا ہو تو معقولیت سے زیادہ الفاظ میں ہیر پھیر اور زبان کی تیزی کام آتی ہے۔

تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ 'سبعة أحرف' سے مراد مشہور سات قراءت نہیں ہیں، بلکہ ان سات قراءت کو سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں امام ابو بکر بن مجاہد نے جمع کیا، انہوں نے حرین (مکہ و مدینہ) عراقین (کوفہ و بصرہ) اور شام کے مشہور سات قراء کرام کو جمع کر دیا، کیونکہ اس زمانے میں یہی پانچوں شہر علوم و فنون کے مرکز تھے، اور فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث اور علوم دینیہ کا گہوارہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان پانچ شہروں کے سات مشہور قراء کرام کی قراءت کو جمع کر دیا تاکہ سات کا عدد حدیث مبارکہ میں مذکور 'سبعة أحرف' کے موافق ہو جائے۔ ان کا یا ان کے علاوہ کسی بھی اہل علم کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ مذکورہ قراءت سب سے ہی 'أحرف سبعة' ہیں، یا ان کے ہاں سات قراءت کے علاوہ کوئی اور قراءت پڑھنا جائز نہیں ہے۔ [مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۳۸۹/۱۳]

اس علم سے وابستہ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ذکر کردہ عبارتوں میں کوئی تضاد یا اشکال نہیں ہے سب سے سب سے مراد سات ائمہ کی قراءت ہرگز نہیں ہیں، کیونکہ قرآن کریم کی متواتر قراءتیں ان سات قراءتوں میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اور بھی متعدد قراءت تواتر کے ساتھ ثابت ہیں لیکن اگر ہمارے پاس سب سے سب سے متعلقہ کوئی چیز موجود ہے تو یہی عشرہ قراءت ہیں۔ اس حوالے سے آحرف سبعة اور قراءت عشرہ کوئی الگ الگ چیز نہیں ہیں۔

② جناب سید موصوف کا یہ بھی کہنا ہے:

\* قاری صہیب احمد صاحب ابن ساعانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ "قراءت سب سے متواترہ ہیں، ہاں قرآن کا بعض حصہ غیر متواتر ہے جیسا کہ مالک اور ملک وغیرہ"

\* لیکن اگلے صفحہ پر امیر بادشاہ کے حوالے سے لکھتے ہیں "قرآن سارے کا سارا متواتر ہے۔"

اس سلسلہ میں ہم وضاحت کرتے چلیں کہ قرآن مجید کے تواتر کے ذیل میں جو اقوال بیان کیے گئے ہیں وہ تواتر کی مختلف تعریفات کی بناء پر ہیں اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ قرآن کریم تواتر کے ساتھ منقول ہے، البتہ تواتر کے مفہوم کے بارے میں اہل فن کا اختلاف ہے کہ تواتر کا اطلاق کس پر ہوگا؟ اس سلسلہ میں دو گروہ سامنے آئے ہیں:

① عام اصولی محدثین تواتر کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

"هو الخبر الذي رواه قوم لا يحصى عددهم ولا يتوهم توأطوهم على الكذب .  
 "ایسی خبر کو کہتے ہیں جس کو اتنے افراد روایت کریں کہ جن کا شمار ناممکن ہو اور جس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔"  
 اس موقف کے قائلین کے ہاں قرآن مجید کا بعض حصہ غیر متواتر ہوگا۔

② جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک تواتر کا مفہوم یہ ہے:

"كل ما أفاد القطع فهو متواتر . [الفصول في مصطلح حديث الرسول: ۱۳]  
 "ہر وہ (خبر) جو قطعیت کا فائدہ دے وہ متواتر ہے۔"

جمہور کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔

جن لوگوں نے تواتر سے مراد حصول علم قطعی یقینی لیا ہے ان کے ہاں پورے کا پورا قرآن متواتر ہے۔ اس اعتبار سے قرآن بعض اوقات خبر واحد المحتف بالقرائن سے بھی ثابت ہو جاتا ہے، کیونکہ ایسی خبر واحد جو محتف بالقرائن ہو وہ استدلال میں تواتر سے کسی لحاظ سے بھی کم نہیں ہے اور تواتر کی اصطلاحی تعریف کے ضمن میں ذکر کردہ دوسرے گروہ نے اسی خبر واحد کو تواتر سے تعبیر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیلی مطالعہ کے لیے 'رشد قراءت نبر حصہ دوم'

عمران اسلم

میں محترم آصف ہارون کے مضمون 'تواتر کا مفہوم اور ثبوت قرآن کا ضابطہ' اور ڈاکٹر حمزہ مدنی کے انٹرویو کے سوال نمبر ۱۶ تا ۲۲ کے جوابات کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کا فیصلہ قارئین پر ہی چھوڑتے ہیں کہ وہ سید صاحب کی علییت پر کیا رائے قائم کرتے ہیں۔

⑤ شاہ صاحب کی زبان سے 'رشد میں موجود ایک اور بہت بڑا تناقض ملاحظہ ہو، کہتے ہیں:

\* حافظ انس نضر مدنی ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: وہ قراءات جن کی سند متواتر یا مشہور نہ ہو انہیں قراءاتِ شاذہ کہا جاتا ہے، بطور قرآن ان کی تلاوت جائز نہیں۔

\* لیکن فوراً ہی اگلے صفحے پر یہ تحقیق بھی قارئین کی نظر کرتے ہیں کہ تیسری قسم یعنی آحاد قراءات جو اگرچہ شاذہ میں شامل ہے لیکن بعض علماء اُسے نماز میں پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں۔“

اختلاف کا وقوع پذیر ہونا ایک قدرتی امر اور دیانتداری کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ممکن حد تک اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد راجح موقف کی نشاندہی ضروری ہے۔ یہاں بھی معاملہ اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔

پوری اُمت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قراءاتِ شاذہ قرآن کا حصہ نہیں ہیں اور بطور قرآن ان کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن چند علماء نے ایک غلط فہمی کی بناء پر قراءاتِ شاذہ کو بطور قرآن پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ فقہاء کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ اگر کوئی شخص حرمت کا ارتکاب کرتے ہوئے نماز میں قراءتِ شاذہ کی تلاوت کر لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ تو چونکہ کچھ فقہاء نے بعض صورتوں میں ایسے شخص کی نماز کو جائز قرار دیا ہے تو اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ فقہاء نماز میں قراءتِ شاذہ کی تلاوت کو جائز سمجھتے ہیں، اس غلط فہمی کی بناء پر بعض فقہاء کی طرف غلط طور پر قراءتِ شاذہ کی تلاوت کے جواز کا قول منسوب ہو گیا۔

⑥ الدکتور محمد سالم محیسین نے لکھتے ہیں:

”جو شخص اس مسئلہ کے بارے میں علماء و فقہاء کے اقوال کی روشنی میں غور کرے گا، وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ نماز یا اس کے علاوہ قراءتِ شاذہ کی تلاوت حرام ہے۔“ [رحاب القرآن: ۳۳۸]

ایک نہایت موثقی عقل والے شخص کو بھی یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ انس صاحب نے اگر کہا ہے کہ بعض علماء قراءتِ شاذہ کی تلاوت کے جواز کے قائل ہیں جبکہ راجح موقف کے مطابق وہ خود کہہ رہے ہیں کہ بطور قرآن اس کی تلاوت نہیں ہو سکتی تو جناب اس پر اس قدر بگڑنے کی کیا تکبیر بنتی ہے۔

⑦ سلیم صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے:

\* انکار قراءات کے حکم کے تحت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب صریحاً لکھتے ہیں کہ انکار قراءات کے باعث کوئی کافر نہیں ہوگا

\* جبکہ قاری صہیب احمد صاحب کا ارشاد ہے کہ منکر قراءات کافر ہے۔

منکر قراءات کافر ہے یا نہیں، یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس میں ہر شخص کو رائے دینے کا اختیار حاصل ہے۔ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب اگر انکار قراءات پر تکفیر کے بجائے سخت گمراہی کا فتویٰ لگاتے ہیں تو وہ استحقاق رکھتے ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ منکرین حدیث کے بارے میں انکا موقف دو ٹوک اور واضح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک اور جگہ پر قراءاتِ قرآنیہ کے انکاری کے متعلق پوچھے گئے سوال پر فتویٰ دیا ہے اور اپنی اسی بات کو ذکر کرنے کے بعد

لکھتے ہیں:

”رہے مکرین حدیث جیسے غلام احمد پرویز اور اس کے ہم فکر لوگ تو یہ سنت وحدیث کی تشریحی حیثیت بگاڑنے اور قرآن پاک میں تحریف معنوی کی وجہ سے کافر ہیں ان کا قراءت متواترہ کا انکار کرنا بھی قرآن کی تحریف کی قبیل سے ہے کسی بھی علمی اشکال پر مبنی نہیں ہے۔“ [رشد: ۲۸۳/۲]

جناب سلیم صاحب آپ کے ارشاد: ”روایات کی روشنی میں قرآن کے حکم کو تبدیل کرنا ان حضرات کے لیے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔“ سے بخوبی سمجھ آ رہا ہے کہ آپ کا تعلق کس صنف سے ہے اور ڈاکٹر صاحب آپ کے متعلق کس قسم کے نقطہ نظر کے حامل ہیں۔

جہاں تک تعلق ہے مکر قراءت کے کافر ہونے یا نہ ہونے کا تو اس سلسلے میں ”رشد“ کیا کہتا ہے ملاحظہ کیجئے: ”مسلمانوں کے جمیع مکاتب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص ان قراءت کا حکم کھلا انکار کرتا ہے، وہ مکر قرآن ہونے کی وجہ سے صریحاً کافر ہے، البتہ جسے تاویل کی غلطی نے اس طرف مائل کیا ہے تو وہ بھی گمراہ، بلکہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔“ [رشد: ۱۲۴/۲]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، جس حرف کے مطابق قرآن کی تلاوت کرو گے درست قراءت کرو گے، اس کے متعلق جھگڑا نہ کیا کرو، کیونکہ قرآن کریم میں جھگڑنا کرنا کفر ہے۔“ [مسند أحمد: ۲۰۴/۳]

حافظ عبدالسارحماد کے الفاظ میں ”رشد“ کے موقف کی وضاحت ملاحظہ ہو:

جب قرآن کریم کے کسی حرف کے متعلق جھگڑا، اختلاف کرنا کفر ہے تو اس سے انکار کرنا تو بالاولیٰ کفر ہوگا، لیکن ہم اسے ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں: ہمارے رجحان کے مطابق اس انکار کی تین وجوہات ممکن ہیں:

① جہالت کی وجہ سے انکار کرنا ② کسی تاویل کی بنیاد پر انکار کرنا ③ تکبر وعناد کی بناء پر انکار کرنا اگر کوئی شخص جہالت والاعلمی کی وجہ سے قراءت متواترہ کا انکار کرتا ہے تو اسے کافر قرار دینے کے بجائے اس کی جہالت دور کی جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دوران سفر اپنے باپ کی قسم اٹھائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاعلمی اور جہالت کے پیش نظر انہیں کافر قرار نہیں دیا اور نہ ہی اسے تجدید ایمان کے لیے کہا بلکہ ان کی جہالت دور کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے تمہیں باپ دادا کی قسم اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔“ [صحیح البخاری، الادب: ۶۱۰۸]

لیکن اس جہالت کی کچھ حدود و قیود ہیں مطلق جہل کو کفر سے مانع نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ اس سے مراد وہ جہالت ہے جسے کسی وجہ سے انسان دور نہ کر سکتا ہو خواہ وہ خود مجبور و لاچار ہو یا مصادر علم تک اس کی رسائی ناممکن ہو، لیکن اگر کسی انسان میں جہالت کو دور کرنے کی ہمت ہے اور اسے اس قدر ذرائع و وسائل میسر ہیں کہ وہ اپنی جہالت دور کر سکتا ہے، اس کے باوجود وہ کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے تو ایسے انسان کی جہالت کو کفر سے مانع قرار نہیں دیا جاسکے گا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک اپنا رسول نہ بھیج لیں“ [الاسراء: ۱۵]

اس آیت کے تحت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بندوں پر اتمام جنت کے لیے دو چیزوں کو لانا ضروری ہے:

① اس کی طرف سے نازل شدہ تعلیمات کو حاصل کرنے کی ہمت رکھنا ہو۔

② ان پر عمل کرنے کی قدرت رکھنا ہو۔ [مجموع فتاویٰ: ۱۲/۲۷۸]

عمران اسلم

اس سے معلوم ہوا کہ جہالت و لاعلمی کو اتمام حجت کے سلسلہ میں ایک رکاوٹ شمار کیا گیا ہے، اس لیے ہمیں چاہئے کہ اگر کوئی جہالت کی وجہ سے قراءات متواترہ کا انکار کرتا ہے تو اس کی جہالت دور کی جائے۔  
اگر قراءات متواترہ کا انکار کسی معقول تاویل کی بنا پر کرتا ہے تو اسے بھی معذور تصور کیا جائے گا، لیکن تاویل کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ میں عربی قاعدہ کے مطابق اس تاویل کی کوئی گنجائش ہو اور علمی طور پر اس کی توجیہ ممکن ہو۔ اگر کسی کو اس تاویل سے اتفاق نہ ہو تو اسے کافر کہنے کی بجائے تاویل کنندہ کی تاویل کا بودا پن واضح کر دیا جائے، لیکن ہر تاویل، تکفیر کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی، اگر تاویل کی بنیاد محض عقل و قیاس اور خواہشات نفس ہیں تو اس قسم کی تاویل کرنے والا معذور نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایلینس لعین سے سوال کیا تھا کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا تو تاویل کا سہارا لیتے ہوئے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ [الأعراف: ۱۲]

اس طرح باطنی حضرات کی تاویلات ہیں جن کی بنیاد پر انہوں نے شرعی واجبات سے راہ فرار اختیار کیا ہے۔ بہر حال اگر کسی نے متواتر قراءات کا انکار معقول تاویل کی وجہ سے کیا ہے تو اُسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص تکبر و عناد اور بدینتی کی بناء پر قراءات متواترہ کا انکار کرتا ہے تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے ایسا انسان بالاجماع گمراہ اور اہل ایمان کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے۔ [رشد: ۱۵۸/۲]

یہی رائے جمہور کی بھی ہے کہ قراءات متواترہ کے بارے میں علم ہونے کے باوجود جو شخص ان کا انکار کرے گا اسے بلا تردید کافر قرار دیا جائے گا۔ علامہ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أن الإجماع منعقد على أن من زاد حركة أو حرفا في القرآن أو نقص من تلقاء نفسه مصرا على ذلك يكفر.“ [منجد المقرئين: ص ۹۷، ۲۴۴]

”اور اس بات پر اُمت کا اجماع ہے کہ جو کوئی اپنی طرف سے قرآن کریم میں کسی حرکت یا حرف کا اضافہ کرے یا کمی کرے (تنبیہ کیے جانے اور تواتر تسلیم ہو جانے کے باوجود) اس (کی دزدی) پر مصر ہو تو وہ کافر ہے۔“

⑤ سید صاحب مزید لکھتے ہیں:

\* قرآن اور قراءات مختلف ہیں یا ایک، اس کے بارے میں احمد میاں تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ ”آپ یوں نہیں کہہ سکتے کہ یہ قراءات ہیں اور یہ قرآن ہے اگر آپ قرآن اور قراءات کو الگ الگ کریں گے تو اس میں قرآن کس کو کہیں گے؟“

\* حمزہ صاحب کا خیال ہے کہ ”قرآن اور قراءات میں فرق ہے قرآن کہتے ہیں ان الفاظ کو جو منزل من اللہ ہیں اور قراءات اس قرآن کی خبر کو کہتے ہیں۔“

\* ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کا خیال ہے کہ ”قرآن اور چیز ہے اور قراءات اور چیز ہیں قرآن تو اس چیز کا نام ہے جو مصاحف کے اندر ثبت ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور تواتر سے نقل ہوتا چلا آیا ہے جبکہ قراءات زبان سے اس کی ادائیگی کا نام ہے قرآن ایک ہے اور قراءات متعدد ہیں“ مدنی صاحب بھی قراءات اور قرآن کو ایک ہی چیز قرار دیتے ہیں۔“

اس قدر لکھنے کے بعد سید صاحب کچھ زیادہ ہی سنج پا ہو گئے ہیں اور محترم حافظ زبیر صاحب کی زندگی کا مشن جاوید

احمد غامدی صاحب کی مخالفت قرار دے رہے ہیں۔ اس کا جواب تو محترم حافظ صاحب کی وہ رشحات علم ہی ہیں جو آپ کو گاہے گاہے آئینہ دکھاتی رہتی ہیں۔ وہ آپ کی آنکھوں میں اس لیے کھلکتے ہیں کیونکہ قرآن وحدیث کے مستند ذرائع سے لیس ہو کر ابطال باطل اور استحاق حق کا فریضہ جو ادا کر رہے ہیں اور وہ آپ کے بگھارے ہوئے فلسفے کے غبارے سے ہوا نکالنے میں کسی قسم کی دقیقہ فروگذاشت جو نہیں کرتے۔

رہی بات قرآن اور قراءات کے مابین فرق کی تو اس سلسلے میں گذارش ہے کہ قرآن اور قراءات کے مابین وہی فرق ہے جو حدیث اور سنت کے درمیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کو سنت کا نام دیا جاتا ہے تو اس کی خبر کو حدیث کا۔ اس اعتبار سے آپ سنت اور حدیث کے مابین فرق بھی قرار دے سکتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حدیث اور سنت کے درمیان کوئی فرق نہیں، کیونکہ بنیادی طور پر یہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ بالکل اسی طرح قراءات کے اندر ہم جو چیز پڑھ رہے ہیں وہ قرآن ہے اور اس پڑھنے کا نام قراءات ہے۔ الحمد للہ رب العالمین، قرآن مجید کو کہا جائے گا اور جس علم میں اُسے بطور روایت نقل کیا جائے گا اسے علم قراءات کا نام دیں گے۔ جن حضرات نے قرآن اور قراءات کے مابین فرق بیان کیا ہے انہوں نے اسی پہلو کو سامنے رکھ کر ایسا کہا ہے۔ ورنہ قرآن کو قراءات سے یا قراءات کو قرآن سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

⑧ سید صاحب کی نگاہ عیار نے دو جملے اور ڈھونڈ مارے ہیں جن سے قراءات قرآنیہ کے بارے میں ڈھیروں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

\* نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں جو مکمل قرآن لکھوایا تھا ڈاکٹر حمزہ مدنی اس کی ایک حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ ”ما بعد ادوار میں قرآن یا اس کے لفظوں کے حوالے سے کوئی اختلاف پیدا ہوا جائے تو کوئی ایسا معیار موجود ہو جو اختلافات کی صورت میں بطور معیار موجود ہو۔“

\* جبکہ اگلے ہی صفحہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ ”اس ضمن میں درپیش مشکل یہ تھی کہ لوگ قرآن کی تنبیہ کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو بھی قرآن سے الگ نہ لکھنے کی وجہ سے غلطی سے تلاوت قرآن میں بطور قراءات داخل کر لیا جاتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی مصدقہ مصحف کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس قسم کے تغیری کلمات کا اختلاف بھی زورور پر پہنچا ہوا تھا۔“

سید صاحب نے یہاں دو جملوں ’ایسا معیار موجود ہو جو اختلافات کی صورت میں بطور معیار موجود ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی مصدقہ مصحف کی عدم موجودگی کو نشانے پر رکھتے ہوئے اس میں کمی کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین کرام اگر جمع قرآنی کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ اور ما بعد ادوار کی تمام کیفیات پیش نظر ہیں تو اس قسم کے خیالات کا ابطال کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قرآن کریم جہاں لوگوں کے ذہنوں کی تختیوں پر نقش تھا وہیں یہ الفاظ کی صورت میں بھی مختلف لوگوں کے پاس موجود تھا، اور رسول اللہ ﷺ کا ایسا کرنے کا مقصد اس آندیئے کو زائل کرنا تھا کہ ما بعد ادوار میں باقاعدہ ایک معیار کی عدم موجودگی میں اس میں کمی یا بیشی نہ کر دی جائے۔ سرور دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کے اتفاق سے اس مختلف جگہوں پر لکھے ہوئے قرآن کو ایک جگہ پر مرتسم کر دیا اور اُسے اپنے پاس محفوظ رکھا۔ پھر

سید سلیم شاہ



عمران المسلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ مصحف آپ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہو گیا۔ یاد رہے کہ یہ مصحف لوگوں کے پاس موجود نہیں تھا صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھا۔ اب آپ حمزہ صاحب کی ذکر کردہ وہ مکمل عبارت ملاحظہ کریں جس کا ایک حصہ نقل کر کے سید صاحب اپنے آپ کو تین مارخاں سمجھنے لگے ہیں۔

”قرآن مجید کی ابتدائے کتابت کے دور میں فرمایا تھا: «لَا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلَيْمَحُهُ»۔ [صحیح مسلم: ۵۳۲۶] کہ مجھ سے قرآن کریم کے علاوہ کچھ نہ لکھو، تاکہ وہی باللفظ کا وہی بالمعنی سے اختلاط نہ ہو جائے، چنانچہ جب اختلاط کا اندیشہ ختم ہو گیا تو آپ نے حدیث لکھنے کی اجازت دیدی، جیسا کہ روایات میں موجود ہے۔ اس ضمن میں درپیش مشکل یہ تھی کہ لوگ قرآن کی تبین کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھی قرآن کے ہمراہ لکھ لیتے تھے، جنہیں بعد ازاں قرآن سے الگ نہ لکھنے کی وجہ سے غلطی سے تلاوت قرآن میں بطور اقراء داخل کر لیا جاتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کسی مصدقہ مصحف کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس قسم کے تفسیری کلمات کا اختلاف بھی زوروں پر پہنچا ہوا تھا۔ لوگوں میں ان تفسیری توضیحات کے ضمن میں شدید اختلاف چل رہا تھا کہ بعض لوگ انہیں قراءت کا درجہ دے کر باقاعدہ تلاوت کرتے۔“

اگر ہم ایک حوالے سے جناب سید کے مشکور نہ ہوں تو انتہائی نامناسب ہوگا کہ انہوں نے تضادات رُشد پیش کر کے اہل رُشد کو بے حال کرنے کے بعد اپنی گذارشات کے اخیر میں رُشد کے دو تین مضامین کو قابل قدر بھی قرار دے دیا ہے۔ جس میں ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب، قاری حبیب الرحمن صاحب اور محترم عبدالعزیز القاری صاحب کے مضامین شامل ہیں اور ان مضامین کی پسندیدگی کی وجہ وہ عبارتیں ہیں جن کو سید صاحب نے سیاق و سباق سے ہٹا کر پیش کرنے کے بعد کھینچ تان کر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ سب سے اہم سبب ابھی تک واضح نہیں ہو پایا ہے۔

سید صاحب آپ نے ڈاکٹر عبدالعزیز القاری کے مضمون کو قابل قدر قرار دیا ہے۔ تو ہم سب سے اہم سبب اور قراءت قرآنیہ سے متعلق انہی کا موقف پیش کرتے چلیں۔ ڈاکٹر عبدالعزیز القاری لکھتے ہیں:

”أحرف سبعہ قراءت کی متعدد وجود ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور قاری کے لیے جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک وجہ پر قرآن کی تلاوت کرے اور اس کی یہ تلاوت قرآن کی تلاوت ہی سمجھی جائے گی۔ سب سے کے عدد سے مراد یہ ہے کہ وجوہ قراءت (جو کہ منزل من اللہ ہیں) قرآن کے کسی ایک کلمہ میں اختلاف و تغیر کی انواع میں سے کسی ایک نوع کے ضمن میں زیادہ سے زیادہ سات تک ہو سکتی ہیں اسی طرح یہ بات لازمی نہیں کہ قرآن میں ہر جگہ پر تعداد سات ہی ہو۔ بلکہ لازم یہ ہے کہ بعض جگہ کم تو ہو سکتی ہے لیکن کسی بھی جگہ زیادہ سے زیادہ ایک کلمہ میں تبدیلی کی سات انواع ہی ہو سکتی ہیں۔“

اخیر میں ہم سید صاحب سے یہی عرض کریں گے کہ جناب! حدیث سبعہ اُحرف کے مفہوم سے متعلق بحث معرکتہ الآراء مسائل میں سے ہے جس کی تشریح و تعبیر میں اہل علم کے متعدد اقوال موجود ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ سلف و خلف میں کوئی اہل علم بھی تعدد قراءت یا متنوع اسالیب تلاوت کے نزول کا انکاری نہیں، بحث صرف سبعہ اسالیب تلاوت کے بارے میں ہے جو ایک علمی بحث ہے اور متنوع قراءت قرآنیہ سے اس کا تعلق بھی اضافی ہے۔

## اہل اشراق کے قراءت قرآنیہ پر حالیہ اعتراضات

’الاشراق‘ کے اکتوبر ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں غامدی صاحب کے خوشہ چیں محمد رفیع مفتی صاحب نے قراءت قرآنیہ سے متعلق فتویٰ دیتے ہوئے اپنی بعض نگارشات کا اظہار کیا ہے، جس کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں:

- ① قراءتوں کے رد و قبول کا کوئی مخصوص معیار موجود نہیں ہے۔
  - ② بعض قراءتوں سے معنی و مفہوم میں فرق واقع ہو جاتا ہے، بلکہ بعض جگہ شریعت کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔
  - ③ تمام لوگ قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے رہے ہیں اور یہ وہی قراءت ہے جو عرضہ اخیرہ میں پڑھی گئی۔ ان اعتراضات کی حقیقت کیا ہے، بالترتیب ان کا جائزہ لیتے ہیں۔
- موصوف مفتی صاحب رقمطراز ہیں:

قراءتوں کے رد و قبول کا کوئی مخصوص معیار موجود نہیں ہے، بس اہل فن نے مل کر کچھ شرائط طے کر دی ہیں جن پر پورا اتارنے والی قراءت کو قبول کیا جاتا اور باقی کو رد کر دیا جاتا ہے۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

- ① قراءت مصحف عثمانی کے رسم الخط کے مطابق ہو۔
- ② لغت، محاورے اور قواعد زبان کے خلاف نہ ہو۔
- ③ اس کی سند معتبر اور مسلسل واسطے سے نبی اکرم ﷺ تک پہنچتی ہو۔

سب سے پہلے تو ہم اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ مفتی صاحب نے اپنے پورے فتویٰ میں بار بار لفظ قراءت کو ’قرأت‘ لکھا ہے، حالانکہ اس سے قبل محترم حافظ زبیر صاحب اپنے مضمون میں غامدی صاحب کی اس غلطی کی جانب توجہ دلا چکے ہیں۔ طرفہ تماشاً تو یہ ہے کہ جس جگہ پر قراءت کی جمع قراءات استعمال ہونی چاہیے تھی وہاں بھی ’قرأت‘ ہی سے کام چلایا گیا ہے۔ لیکن ذخیرہ احادیث کے بعد لغت کی کتابوں کو کھنگالنے کے بعد بھی جس طرح ہم غامدی صاحب کے فرمان کہ ’امت میں یہ نقطہ نظر بھی موجود ہے کہ قرآن کریم کی قراءت صرف ایک ہے‘ میں حلقہ اشراق کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ایسا نقطہ نظر تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے، یہاں بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہوا۔ مفتی صاحب کے لفظ ’قرأت‘ پر اصرار کی وجہ ہم تو یہی سمجھ پائے ہیں کہ وہ لفظ ’قراءت‘ کا استعمال کر کے اپنے ’روحانی پیشوا‘ جاوید احمد غامدی صاحب کی شان میں گستاخی نہیں کرنا چاہ رہے تھے، جو اپنی کتاب ’میزان‘ میں اسے ’قراءت‘ درج کر چکے ہیں، اور سادہ سی بات ہے کہ جب غامدی صاحب کی اندھا دھند تقلید میں امت کے معتد بہ طبقے کو صرف ایک ’قراءت‘ کا قائل قرار دیا جا سکتا ہے تو اس قدر معمولی غلطی دہرانے میں کیا مضائقہ ہے۔

جناب مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ قراءتوں کے رد و قبول کا کوئی مخصوص معیار موجود نہیں ہے بس اہل فن نے مل کر کچھ شرائط طے کر دی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم عرض کرتے چلیں کہ وہ تمام قراءات جو ہم تک پہنچی ہیں وہ کسی مخصوص معیار کے بجائے اہل فن کے مقرر کردہ انہی قواعد کی رو سے پہنچی ہیں، جن میں غامدی صاحب کی اختیار کردہ ’قراءت

☆ فاضل کلیۃ الشریعہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

اہل اشراف کے قراءات قرآنیہ پر حالیہ اعتراضات

حفص جو اصل میں روایت حفص ہے، بھی شامل ہے۔ اگر روایت حفص ان قواعد سے ہٹ کر کسی مخصوص معیار کے مطابق اہل اشراف تک پہنچی ہے تو ضرور آگاہ کریں تاکہ پوری امت اپنے اختیار کردہ موقف پر نظر ثانی کر سکے۔ ہم ان قواعد سے متعلق کسی قسم کی بحث سے قبل اس قدر وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ان قواعد کو مقرر کرنے کی ضرورت کیونکر پیش آئی اور صرف انہی قواعد پر پورا اترنے والی قراءات ہی کو قبولیت کیوں حاصل ہوئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب مختلف قراءات سے متعلق فتنہ و فساد رونما ہونے لگا اور ایک دوسرے کی تکفیر کی جانے لگی تو انہوں نے امت کو فتنہ اور اختلاف سے بچانے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے تمام وہ قراءات جو عرصہ اخیرہ میں منسوخ کر دی گئی تھیں یا وہ تفسیری کلمات جو بعض صحابہ نے اپنے اپنے مصاحف میں بطور حواشی درج کر رکھے تھے، کوان تمام سے الگ کر دیا۔ پھر یہ مصاحف ماہرین قراءات کی معیت میں مختلف علاقوں میں بھیج دیئے گئے اور باقی تمام مصاحف کو تلف کرنے کا حکم دے کر اس فتنہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین رضی اللہ عنہم کا ایک جم غفیر جب ان قراءات کو سیکھ کر اپنے علاقوں میں پہنچا تو ان سے سیکھنے والے ظاہر ہے کہ عدل و ثقاہت اور حفظ و اتقان میں ایک جیسے نہیں تھے۔ بعض جو عدالت و حفظ کے اس معیار پر نہ تھے، انہوں نے بعض قراءاتِ شاذہ اور ضعیفہ کو قرآن سے ملانا شروع کر دیا، بعض نے اجماع امت سے ہٹ کر اپنے اپنے معیارات مقرر کر لیے۔ چنانچہ ایک دفعہ پھر امت میں اختلافات کا خطرہ پیدا ہوا تو ائمہ عظام کی جانب سے قرآن کریم کو غیر قرآن سے الگ کرنے کے لیے گہرے غور و خوض اور دقت نظری کے بعد چند اصولی ضوابط اور معیارات مقرر کر دیئے گئے۔ پوری امت انہی اصولوں پر اعتماد کا اظہار کرتی رہی ہے اور انہی کو قراءات کے رد و قبول کا معیار قرار دیتی رہی ہے۔ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ ان تین شرائط کے متعلق فرماتے ہیں:

”اس اصول کے مطابق جو بھی قراءات ہوگی وہ قراءات صحیحہ اور ان حروف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا، مسلمانوں پر اس کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر تینوں شرائط میں سے کسی ایک شرط میں خلل آجائے تو وہ قراءات شاذہ، ضعیف یا باطل ہوگی۔“ [النشر: ۹۲]

ایک جگہ پر فرماتے ہیں:

”ہر وہ قراءت جو عربی (نحوی) وجہ کے موافق ہو، رسم مصحف کے مطابق ہو (خواہ یہ مطابقت تقدیری ہو) اور اس کی سند صحیح ہو تو وہ قراءت صحیح ہوگی۔ اس کو رد کرنا جائز نہیں ہوگا۔“ [منجد المقرئین: ۱۵]

ان تین قواعد کی مختصر وضاحت پیش خدمت ہے:

### سند متواتر

کسی قراءت کے صحیح ہونے کے لیے اولین معیار یہ ہے کہ شروع سے لے کر آخر تک متواتر ہو۔ جو قراءت سنداً اس معیار پر پوری نہ اترے اسے قرآن نہیں کہا جاسکتا، ہمارے ہاں تواتر کا وہی مفہوم درست ہے جو کہ جمہور اہل الحدیث کے ہاں معروف ہے یعنی ما أفاد القطع فهو متواتر، (اس ضمن میں تفصیلی بحث کے لیے رشد قراءات نمبر حصہ اول میں مضمون ’تواتر کا مفہوم اور ثبوت قراءات کا ضابطہ‘ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے نیز اس شمارہ میں مکتوب بنام حافظ عبدالمنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔)

## مصحفِ عثمانی کے رسم کی موافقت

وہ مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک کے رسم کے موافق ہو۔ یہ موافقت حقیقی بھی ہو سکتی ہے اور تقدیری بھی۔ مصحفِ عثمانی کے رسم کی اس قدر اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کے مشورہ سے جب تمام اُمت کو ایک رسم پر جمع کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ رکھا کہ مصاحف کا رسم ان تمام حروف پر مشتمل ہو جو عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رکھے گئے تھے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ سورۃ فاتحہ کی آیت ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ [الفاتحة: ۳] میں [مَلِك] کو [مَلِك] اور [مَلِك] دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے اور یہ دونوں قراءت، متواترہ ہیں، روایتِ حفص میں اسے [مَلِك] میم پر کھڑا زبر اور روایتِ ورث میں [مَلِك] میم پر زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لیکن جس مقام میں اختلاف قراءت کے متعلق متواتر سند نہ ہو وہاں رسم الخط میں گنجائش کے باوجود دوسری قراءت پڑھنا ناجائز اور حرام ہے مثلاً سورۃ الناس کی دوسری آیت رسمِ عثمانی کے مطابق اس طرح ہے، ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ [الناس: ۲] اس مقام پر تمام قراءت مَلِكِ النَّاسِ ہی پڑھتے ہیں اسے کوئی بھی مَلِكِ النَّاسِ نہیں پڑھتا، کیونکہ یہاں اختلاف قراءت منقول نہیں ہے۔

● ابو بکر الانباری فرماتے ہیں:

”اجتمع القراء علی ترك كل قراءة مخالفة المصحف.“ [البحر المحیط: ۶۰۷/۷]

”تمام ائمہ قراء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر وہ قراءت متروک (شاذ) قرار پائے گی جو رسمِ عثمانی کے مخالف ہوگی۔“

## لغتِ عرب کی کسی وجہ کی موافقت

اس شرط کو دوسری دونوں شرطوں کا لوازم قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کا مقصود یہ ہے کہ ہر وہ قراءت جو متواتر سند کے ساتھ منقول ہو مصحفِ عثمانی کے خط کے بھی موافق ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ لغتِ عرب میں بھی اس کی کوئی وجہ موجود ہو، اگرچہ وہ زیادہ معروف نہ بھی ہو۔

یاد رہے کہ قرآن کریم کی ایسی کسی قراءت کا وجود نہیں ہے جو متواتر ہو اور رسمِ عثمانی کے بھی موافق ہو لیکن لغتِ عرب میں اس کی کوئی وجہ موجود نہ ہو۔ اور اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ ایک ایسی ثابت شدہ متواتر قراءت جس میں لقیہ دونوں شرطوں کو پائی جا رہی ہیں لیکن لغتِ عرب میں اس کی کوئی وجہ نہ مل رہی ہو تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ پوری لغتِ عرب میں اس کا وجود نہیں ہے، یہ بات قطعی ہے کہ ہر وہ قراءت جو متواتر کے ساتھ منقول ہو اور مصحفِ عثمانی کے موافق ہو وہ نازل کردہ قرآن ہے۔ یہ ایک ایسی قطعی دلیل ہے جو وجود لغت کا پتہ دے رہی ہے اور جس کے ثبوت میں کوئی بحث نہیں ہے۔

● ابو عمرو دانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ائمہ قراء حروف قرآن کے سلسلہ میں اس بات پر اعتماد نہیں کرتے کہ وہ لفظ لغوی لحاظ سے عام مستعمل یا عربی قاعدہ کے زیادہ مطابق ہے بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ حروف نقل و روایت کے اعتبار سے صحیح ترین اور ثبوت کے اعلیٰ معیار پر ہو، کیونکہ قراءت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ائمہ تک کے سلسلہ تواتر (قطعیات) کی اتباع کی جائے گی اور اس کی طرف لوٹنا اور اسے قبول کرنا ضروری ہے۔ [جامع البیان فی القراءات السبع: ۱۷۷/ب]

اہل اشراق کے قراءت قرآنیہ پر حالیہ اعتراضات

❁ کسی بھی قراءت کو قبول کرنے کے لیے یہ وہ معیار اور کسوٹی ہے جو ائمہ کرام نے مقرر کیا ہے۔ جس قراءت میں ان تین ارکان میں سے کوئی ایک بھی ناپید ہوگا اسے شاذ قرار دیا جائے گا۔ ان تین شروط کی جانچ رکھ کے ساتھ اس خیال کی شدت کے ساتھ نفی کی جاسکتی ہے کہ امت میں کوئی ایسی قراءت عام ہو جائے جو بطور تفسیر نقل کی گئی تھی یا عرضہ اخیرہ میں منسوخ کر دی گئی تھی۔

❁ مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں:

”مختلف قراءتوں کے اس تصور کو قبول کرنے کے بعد یہ خیال غلط قرار پاتا ہے کہ خدا کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن کے الفاظ میں ایک زبر، زبر اور ایک شوشے کا بھی فرق نہیں ہے اور مزید یہ کہ بعض قراءتوں میں معنی و مفہوم میں بھی فرق واقع ہو جاتا ہے، بلکہ بعض جگہ شریعت کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔“

جناب مفتی صاحب نے بڑی شد و مد کے ساتھ یہ تو دعویٰ کر دیا ہے کہ قراءت کے بدلنے سے معنی و مفہوم اور شریعت کا حکم بدل جاتا ہے لیکن اس کے لیے کسی ایک بھی قراءت کو بطور دلیل نقل کرنا گوارا نہیں کیا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی بھی ایسی متواتر، حتیٰ کہ شاذ قراءت کا بھی وجود نہیں ہے جس سے شریعت کا حکم بدل جاتا ہو۔ امت کے ہر دور میں احکام فقہ اور قواعد نحو میں مختلف قراءت قرآنیہ سے بھرپور مدد لی گئی ہے، قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں تو قراءت کو ایک اہم ماخذ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اور اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ ہر ایک قراءت کو مستقل آیت شمار کیا جائے گا اور اگر ان کے مابین تعارض ہوتا ہے تو ان کا تعارض بالکل اسی طرح حل کیا جائے گا جیسا کہ دو آیات کا کیا جاتا ہے۔ احکام القرآن للجصاص میں ہے:

بسم

”وہاتان القراءتان قد نزل بهما القرآن جميعا ونقلتهما الأمة تلقيا من رسول الله ﷺ.“  
”یہ دونوں قراءتیں ایسی ہیں کہ قرآن ان دونوں کے ساتھ نازل ہوا ہے اور امت نے ان کو رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے۔“ [احکام القرآن للجصاص: ۳۲۵/۲]

❁ علامہ قنوجی لکھتے ہیں:

”وقد تقرّر أن القراءتين بمنزلة الآيتين فكما أنه يجب الجمع بين الآيتين المشتملة إحداهما على زيادة بالعمل بتلك الزيادة، كذلك يجب الجمع بين القراءتين.“

[نبیل المرام: ۳۵]

”یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں، تو جس طرح ایسی دو آیتوں کے درمیان تطبیق کرنا ضروری ہے، جن میں سے ایک آیت کسی زائد معنی پر مشتمل ہو، اسی طرح دو قراءتوں میں بھی جمع و توفیق واجب ہے۔“

❁ علامہ سیوطی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”وتعارض القراءتين بمنزلة تعارض الآيتين.“ [الإتقان: ۳۰۲/۲]  
”دو قراءتوں کا تعارض دو آیتوں کے تعارض کی طرح ہے۔“

❁ تفسیر روح المعانی میں ہے:

”ومن القواعد الأصولية عند الطائفتين أن القراءتين المتواترتين إذا تعارضتا في آية واحدة فلهما حكم آيتين.“ [۶۶/۶]

”اصولی قواعد میں سے ایک یہ ہے (دونوں طائفوں کے نزدیک) کہ متواتر قراءتیں جب ایک آیت میں متعارض ہو

جائیں تو ان کا حکم دو آیتوں کی طرح ہے۔“

مزید برآں قرآن کریم کا متنوع حروف پر نازل ہونا اُمت محمدیہ کے فضائل وخصائص میں سے ہے، کیونکہ پہلی کتبِ سماویہ ایک حرف پر نازل ہوئیں اور وہ امتیں ان کتب کو صرف ایک ہی حرف پر پڑھ سکتی تھیں اور ان متعدد احرف سے جہاں قرآن کریم کی تلاوت میں آسانی مقصود تھی وہاں ان میں بہت سے فوائد اور حکمتیں بھی پنہاں تھیں۔ تمام قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ قراءات کا تعدد تحریف و تغیر کا نتیجہ ہے اور نہ ہی ان سے معافی میں التماس، تناقض یا تضاد پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ بعض قراءات بعض قراءات کے معانی کی تصدیق کرتی ہیں۔ بعض قراءات سے متنوع معانی سامنے آتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک معنی مقاصد شریعت اور بندوں کی مصلحتوں میں سے کسی مصلحت کو محقق کرنے والے حکم پر دلالت کرتا ہے۔

ایسی قراءات میں سے ایک، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكُلُّ إِنْسَانٍ لَّزَمْنَهُ طَبْعًا فِي عُرْفِهِ ۗ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا﴾ [الاسراء: ۱۳]

اس آیت مبارکہ میں لفظ ’يَلْقَاهُ‘ میں دو قراءات ہیں۔

① ’يَلْقَاهُ‘ (بفتح الیاء والقاف مخففة) اس قراءت کی صورت میں اس آیت مبارکہ کا معنی ہوگا کہ ہم روزِ قیامت انسان کے لئے ایک کتاب نکالیں گے جو اس کے اعمال کا صحیفہ ہوگا اور وہ آدمی اس صحیفے کے پاس اس حال میں پہنچے گا کہ وہ مفتوح (کھلا ہوا) ہوگا۔ اگر وہ شخص جنتی ہوگا تو اسے اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور اگر جہنمی ہوگا تو اسے اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔

② ’يَلْقَاهُ‘ (بضم الیاء وتشدید القاف) اس قراءت کی صورت میں اس آیت مبارکہ کا معنی ہوگا کہ ہم روزِ قیامت انسان کے لئے ایک کتاب نکالیں گے جو اس کے اعمال کا صحیفہ ہوگا اور وہ کتاب انسان کو اس حال میں دی جائے گی کہ وہ مفتوح (کھلی ہوئی) ہوگی۔

مذکورہ دونوں قراءات کے معانی معمولی سے فرق سے واضح ہوتا ہے کہ بالآخر دونوں کا ایک ہی معنی ہے، کیونکہ کتاب کے پاس جانا یا کتاب کا دیا جانا ایک ہی شے ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ہی وہ کتاب مفتوح (کھلی ہوئی) ہوگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ ۖ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰۰ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ [البقرة: ۱۰۰]

اس آیت مبارکہ میں لفظ ’يَكْفُرُونَ‘ میں دو قراءات ہیں۔

① ’يَكْفُرُونَ‘ (بفتح الیاء وسكون الکاف وكسر الذال) اس قراءت کی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مومنوں کی طرف سے جھوٹی خبریں دیتے ہیں۔

② ’يَكْفُرُونَ‘ (بضم الیاء وفتح الکاف وتشدید الذال المكسورة) اس قراءت کی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ وہ رسولوں اور ان کی لائے ہوئی شریعت کو جھٹلاتے ہیں۔

مذکورہ دونوں قراءات کے معنی میں نہ تو تناقض ہے اور نہ ہی تضاد ہے بلکہ دونوں قراءات میں سے ہر ایک نے

اہل اشراق کے قراءت قرآنیہ پر حالیہ اعتراضات

منافقین کے اوصاف میں سے ایک ایک وصف بیان کیا ہے۔

**پہلا وصف:** وہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کی خبروں میں جھوٹ بولتے ہیں۔

**دوسرا وصف:** وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کی دی گئی شریعت کو جھٹلاتے ہیں۔

اور منافقین کے بارے میں یہ دونوں صفات ہی برحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان دونوں صفات (کذب اور تکذیب) کو ہی اپنے اندر جمع کر لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد قراءت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکمت کی بناء پر ہے۔ تحریف و تغیر کا نتیجہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی قراءت سے معانی میں التباس، تناقض یا تضاد پیدا ہوتا ہے، بلکہ بعض قراءت بعض قراءت کی تصدیق کرتی ہیں۔

● مفتی صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ تمام لوگ قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے رہے ہیں اور یہ وہی قراءت ہے جو عرضہ اخیرہ میں پڑھی گئی۔ اور زکشی رحمہ اللہ کے حوالے سے ابو عبد الرحمن السلمی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: ”ابو بکر و عمر، عثمان، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تمام مہاجرین و انصار کی قراءت ایک ہی تھی۔ وہ قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ یہ وہی قراءت ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے سال جبریل امین علیہ السلام کو دو مرتبہ قرآن سنایا۔ عرضہ اخیرہ کی اس قراءت میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔“ [الاتقان فی علوم القرآن: ۳۳۱]

حلقہ اشراق کی طرف سے پیش کی جانے والی قراءت عامہ کی دلیل اور زکشی رحمہ اللہ کے حوالے سے ابو عبد الرحمن السلمی کے قول کی حقیقت تو حافظ زبیر صاحب اپنے مضمون ’قراءت متواترہ..... غامدی مؤقف کا تجزیہ‘ میں واضح کر چکے ہیں۔ ہم شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات کے مصداق مکر عرض کیے دیتے ہیں۔

غامدی صاحب قرآن کو ثابت کرنے چلے ہیں اور اس کے ثبوت کی دلیل کے طور پر ان کے پاس اگر کچھ ہے تو وہ ایک تابعی کا قول ہے کہ جس کی کوئی سند بھی موجود نہیں ہے۔ امام زکشی رحمہ اللہ نے ’البرہان‘ میں اس قول کی کوئی سند بیان نہیں فرمائی ہے۔ اگر تو ایک تابعی کا یہ قول ایک سے زائد قراءت کے انکار پر مبنی ہے جیسا کہ غامدی صاحب کا گمان ہے تو تابعی کے ایک ایسے قول کو، کہ جس کی سند بھی موجود نہ ہو، صحاح ستہ کی قراءت متواترہ کے ثبوت میں موجود صحیح، مستند، مرفوع اور اُمت میں معروف و مقبول روایات پر ترجیح دینا، ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

امام قراءت، امام ابو عبد الرحمن سلمی رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی اس کا معنی و مفہوم وہ نہیں ہے جو کہ غامدی صاحب سمجھ رہے ہیں۔ امام زکشی رحمہ اللہ نے جب اس قول کو اپنی کتاب ’البرہان‘ میں بیان کیا ہے تو انہیں تو وہ بات سمجھ میں نہ آئی جو کہ غامدی صاحب اس قول سے نکال رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض روایات میں ’قراءت عامہ‘ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله ﷺ قرأ ﴿ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴾ [القمر: ۱۷] مثل القراءة

العامة. [صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، حديث: ۳۳۲۱]

”عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ﴿ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴾ کو قراءت عامہ کے مطابق

بسم

پڑھا ہے۔“

جامعہ دمشق کے استاذ الحدیث ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا، اس روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

‘قراءة العامة’ أي القراءة المشهورة التي يقرأ بها عامة القراء الذين رَووا القراءات المتواترة. [صحيح البخاري: ۱۲۱۶۳، دار ابن كثير اليمامة، بيروت]

”قراءات عامہ سے مراد وہ مشہور قراءت ہے کہ جس کے مطابق ان عام قراء نے، کہ جنہوں نے قراءات متواترہ کو نقل کیا ہے، قرآن کو پڑھا ہے۔“

پس اہل سنت کے نزدیک ’قراءت عامہ‘ سے مراد بھی معروف و متواتر قراءات ہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ ﴿ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴾ میں ’مُدَكِّر‘ کو اہل عرب کے استعمالات کی رعایت رکھتے ہوئے ’مذکر‘ پڑھنا چاہیے، کیونکہ اس لفظ کا مادہ بھی ’ذکر‘ ہی ہے، لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں دو اساسی باتوں کو واضح کیا ہے ایک تو یہ کہ قرآن کی قراءت میں اصل، اللہ کے رسول ﷺ سے اس کا سامع ہے نہ کہ عرب کا محاورہ، دوسری بات انہوں نے یہ بیان کی کہ مسلمانوں نے جن طرق سے قرآن اللہ کے رسول ﷺ سے حاصل کیا ہے، ان سب میں یہ لفظ ’مُدَكِّر‘ ہی پڑھا گیا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قراءات عشرہ متواترہ کے دس ائمہ نے بھی اسے ’مُدَكِّر‘ ہی پڑھا ہے۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ﴿ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴾ کی قراءت کو واضح کرنے کے لیے ’کتاب التفسیر‘ میں چار ابواب باندھے ہیں، جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی چھ احادیث بیان کی ہیں، انہی میں سے ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ سے یہ سوال بھی ہوا تھا کہ اس لفظ کو ’مذکر‘ پڑھنا چاہیے یا ’مذکر‘؟

پس اہل سنت کے نزدیک ’قراءت عامہ‘ سے مراد وہ قراءت ہے جو قراءات شاذہ نہیں ہے یعنی قراءات متواترہ۔

’قراءات شاذہ‘ کے بالمقابل ’قراءت عامہ‘ ایک ہی ہے لیکن اپنی اصل کے اعتبار سے یہ کئی ایک روایات پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں امام ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے امام عاصم رضی اللہ عنہ کو جو قراءت پڑھائی تھی وہ وہ روایتوں، روایت حفص اور روایت شعبہ پر مشتمل تھی۔ جبکہ غامدی صاحب کی قراءت عامہ صرف روایت حفص کو شامل ہے۔ پس امام ابو عبد الرحمن سلمی سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ روایت شعبہ کا ثبوت اس بات کی دلیل کے طور پر کافی ہے کہ امام صاحب کی قراءت عامہ صرف روایت حفص پر مشتمل نہ تھی۔ اس رسالہ کے بعض دوسرے مضامین میں ان اسناد کے بارے میں تفصیلاً بحث موجود ہے۔ [رشد قراءات نمبر: ۵۱۱/۱]

ضرورت تو اس بات کی تھی کہ اپنے موقف کے اثبات کے لیے حافظ صاحب کے مضمون کا علمی طور پر محاکمہ پیش کیا جاتا اور اس کا کافی وشافی جواب دیا جاتا، لیکن چونکہ حلقہ اشراق روز اول سے اپنے موقف کے خلاف محکم براہین کے ہوتے ہوئے بھی ’میں نہ مانوں‘ کی پالیسی پر بڑی جرأت کے ساتھ کاربند رہا ہے لہذا یہاں بھی اپنے اصول کی خلاف ورزی کو مناسب خیال نہیں کیا۔ بہر حال ہم علامہ زکشی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مزید چند ایک گزارشات پیش کرتے ہیں۔

**اولاً:** یہ کہ امام زکشی رضی اللہ عنہ نے ابو عبد الرحمن سلمی کا مذکورہ قول جمع قرآن کی بحث میں ذکر کیا ہے جس سے ان کا مقصود ترتیب سور اور آیات کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یکساں عمل نقل کرنا ہے نہ کہ قرآن کی قراءات کے متعلق بحث



اہل اشراق کے قراءات قرآنیہ پر حالیہ اعتراضات

کرنا کہ قراءات عامہ سے مراد صرف روایت حفص ہے۔

**ثانیاً:** یہ کہ غامدی صاحب کے اس قول سے استدلال کے مطابق تو تمام مہاجرین و انصار کی ایک ہی قراءت یعنی روایت حفص ہونی چاہیے تھی اور اگر نئی الواقع ایسا ہی ہے تو پھر لوگوں میں قراءت کے حوالے سے اختلاف ہی کیوں رونما ہوا تھا ایک شخص قراءت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ترجیح دے رہا تھا تو دوسرا قراءت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو، حالانکہ آپ کے بقول تو ان سب کی قراءت ایک تھی۔ اس سلسلے میں علامہ بدرالدین یعنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”إن حذيفة قدم من غزوة فلم يدخل في بيته حتى أتى عثمان فقال: يا أمير المؤمنين! أدرك الناس. قال: وما ذاك؟ قال: غزوت أرمينية فإذا أهل الشام يقرءون بقراءة أبي بن كعب فيأتون بما لم يسمع أهل العراق وإذا أهل العراق يقرءون بقراءة عبد الله بن مسعود فيأتون بما لم يسمع أهل الشام فيكفر بعضهم بعضاً.“

”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک غزوہ سے واپسی ہوئی تو وہ واپسی پر وہ اپنے گھر میں داخل نہیں ہوئے تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین! لوگوں کی خبر لیجئے۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا میں لڑائی کے سلسلے میں آرمینیا گیا ہوا تھا وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اہل شام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتے ہیں جسے اہل عراق نے نہیں سنا ہوا تھا اور اہل عراق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا اس اختلاف کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔“ [عمدة القاری: ۱۶]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شاید خود اس خطرے سے آگاہ تھے۔ انہیں اس بات کی اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ کے اندر ایسے واقعات پیش آئے کہ جب مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد اکٹھے ہوئے تو اختلاف کی سی ایک کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ [الاتقان فی علوم القرآن: ۱۸۱]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین قراءت کے اختلافات موجود تھے اور انہوں نے اپنے اپنے اختیار اپنا رکھے تھے اور قراءت عامہ صرف روایت حفص کو ہی نہیں بلکہ دیگر متواتر قراءت کو بھی شامل تھی۔ اس سلسلہ میں ہم علامہ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوال کو پیش کرتے ہیں جو متعدد قراءت قرآنیہ سے متعلق ان کا مؤقف واضح کرنے اور ناقابل تردید دلائل کے ساتھ نیچے آزمائی کر کے ثابت شدہ قراءت کا انکار کرنے والوں کے لیے کافی ہوں گے۔

● امام صاحب فرماتے ہیں:

”إن القراءات توقيفية وليست اختيارية.“

”قراءات توفیقی ہیں نہ کہ کسی کی اپنی اختیار کردہ ہیں۔“

● مزید فرماتے ہیں:

”وقد انعقد الإجماع على صحة قراءة هؤلاء الأئمة وأنها سنة متبعة لا مجال

للإجتهااد فيها.“ [البرهان فی علوم القرآن: ۳۲۲]

”قراءت عشرہ کی قراءت کی حجیت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، یہ قراءت، سنت متبعہ (یعنی توفیقی) ہیں اور ان میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔“

● قاضی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے:

عمران اسلم

”أن هذه الأحرف السبعة ظهرت واستفاضت عن رسول الله ﷺ وضبطها عنه الأئمة وأثبتها عثمان والصحابة في المصحف. [البرهان في علوم القرآن: ۲۲۳/۱]  
 ”یہ سب سے بڑے مشہور و معروف ہیں۔ ائمہ نے سب سے ضبط کیا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی انہیں مصاحف میں ثابت رکھا۔“

ایک جگہ پر اُحرف سب سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار یوں فرماتے ہیں:  
 ”سب سے اُحرف پر انزال قرآن کی اجل حکمت اور اہم غرض یہ ہے کہ تلاوت قرآن کی بابت عرب پر تیسیر و آسانی پیدا کر دی جائے۔ اُحرف سب سے انزال قرآن مجانب اللہ امت محمدیہ پر توسع و رحمت اور تخفیف و تیسیر کا معاملہ ہے، کیونکہ اگر عرب کا ہر قبیلہ فتح و مالہ، تحقین و تخفیف، مد و قصر وغیرہ کے متعلق اپنی عادی و طبعی لغت کو چھوڑ کر چار و ناچار دوسرے قبیلہ کے لغت کے موافق پڑھنے کا مکلف قرار دیا جاتا تو اس میں بہت تنگی و مشقت لازم آتی۔“

[البرهان في علوم القرآن: ۲۷۷/۱]

لہذا امام زرخشی رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ تمام مہاجرین و انصار قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے اس میں صرف روایتِ حفص داخل نہیں تھی بلکہ قراءت عامہ تمام متواتر قراءت کو شامل تھی اور اسی کے مطابق صحابہ و تابعین اور مابعد ادوار کے تمام لوگ متنوع قراءت قرآنیہ کو سیکھتے اور سکھاتے چلے آ رہے ہیں۔

اس تمام تر وضاحت کے بعد ہم اس قدر ہی کہہ سکتے ہیں خدا تعالیٰ مفتی موصوف اور ان کے کارپردازان کو نفس مسئلہ سمجھنے کی توفیق دے اور حقائق کے ادراک کے بعد کھلے دل سے تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



جاء مع الامم الذين  
 جاء مع الامم الذين

## جمع عثمانی رضی اللہ عنہ اور مستشرقین

قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہے۔<sup>(1)</sup> اسی طرح صرف قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک محفوظ کتاب ہے۔<sup>(2)</sup> اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری کے باوجود مسلمانوں نے اس کی حفاظت کی ضرورت سے آنکھیں بند نہیں کیں۔ نہ صرف اس کا ایک ایک حرف اور حرکت محفوظ ہے بلکہ اس کے الفاظ کی ادائیگی کے طریقے بھی تسلسل اور تواتر سے پوری صحت کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں۔ قرآن کے نزول کے ساتھ ہی اس کی کتابت کا اہتمام کیا گیا۔ اس کی ترتیب بھی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی۔ لیکن مستشرقین نے قرآن کو اپنی کتابوں کے برابر لانے کے لئے قرآن کے متن کے غیر معتبر ہونے کے نقطہ نگاہ کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے۔ زیر نظر مضمون میں عہد عثمانی رضی اللہ عنہم میں جمع قرآن کے بارے میں مستشرقین کے نقطہ نگاہ کی حقیقت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

① مصحف عثمان رضی اللہ عنہم پر مستشرقین کے اعتراضات میں سے نمایاں یہ ہیں۔

مصحف عثمانی رضی اللہ عنہم پر اعتراضات کے سلسلے میں نولڈیکے (Noldeke) کے نقطہ نگاہ کو دیگر لوگوں نے اپنایا ہے اور یہ نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قبل قرآن مجید کا کوئی معیاری اور مرتب نسخہ موجود نہ تھا اور مصحف عثمان رضی اللہ عنہم، مصحف صدیق رضی اللہ عنہ کی نقل ہی تھا۔ لہذا اگر مصحف صدیق رضی اللہ عنہ صحیح نہ تھا تو مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔<sup>(3)</sup> رچرڈ بیل (Richard Bell) نے کہا ہے کہ قرآن مجید عہد نبوی ﷺ اور عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم میں اختلافات کا شکار تھا اور مصحف عثمانی رضی اللہ عنہم، مصحف صدیق رضی اللہ عنہ کی نقل ہونے کی وجہ سے ناقص ہی ہے۔<sup>(4)</sup>

منگمری واٹ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں قرآن مجید کے متفرق اجزاء کو اکٹھا نہیں کیا جاسکا تھا۔<sup>(5)</sup> S.E. Frost کہتے ہیں کہ قرآن مجید، حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بارہ برس بعد تک بھی جمع نہیں ہو سکا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے اس مسئلے کے حل کا حکم دیا کہ آپ ﷺ کی اصل تعلیمات کا کھوج لگایا جائے۔<sup>(6)</sup> اس وقت جو نسخہ معرض وجود میں آیا وہ دیگر مذاہب، زرتشت - یہودیت اور عربی روایات کے علاوہ عوامی داستانوں کے ردی کلروں پر مشتمل تھا۔<sup>(7)</sup>

Encyclopaedia of Islam میں Koran کے مقالہ نگار BUHL کا بھی نقطہ نگاہ یہی ہے کہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہم، مصحف صدیق رضی اللہ عنہ کی نقل تھا لیکن ساتھ ہی کہتا ہے کہ مصحف صدیق رضی اللہ عنہ کوئی باقاعدہ مرتب نسخہ نہ تھا۔<sup>(8)</sup> آرتھر جیفری کہتے ہیں کہ ایک طویل عرصے تک قرآن مجید کے اصل متن کا تعین نہ ہو سکا۔ لوگ مختلف طریقوں سے قرآن مجید پڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک لمبا عرصہ گزرنے کے بعد مجاہد رضی اللہ عنہ نے متن قرآن مجید کا تعین کیا وہ

یہ تاثر دیتا ہے کہ ایک طویل عرصہ تک متن متعین نہ ہونے کی وجہ سے اس میں سے بہت کچھ ضائع ہو گیا ہوگا۔ یہ مستشرق لکھتے ہیں کہ متن قرآن مجید کے تعین کا مسئلہ ابھی تک مسلمانوں کے ہاں اپنے بچپن کے دور میں ہے۔<sup>(9)</sup> بہل یہ اعتراض بھی کرتا ہے کہ نوآموز اور نا تجربہ کار کاتبوں کی طرف سے کچھ لاپرواہیاں اور غلطیاں ہوئیں۔<sup>(10)</sup>

۴ نولڈیکے (Noldeke)، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تدوین قرآن کی ساری کاروائی کو مشکوک بناتے ہوئے کہتا ہے:

....As to how they were conducted we have no trustworthy information, tradition being here too much under the influence of dogmatic presuppositions<sup>(11)</sup>

۳ مستشرقین، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تیار کروائے ہوئے نسخے کی حیثیت کم کرنے کے لئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ساری کاروائی سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کی۔ ورنہ جمع قرآن کی کوئی حقیقی ضرورت نہ تھی۔

.... But essentially political object of putting an end to controversies by admitting only one form of the common book of religion and of law this measure was necessary.<sup>(12)</sup>

بلاشر<sup>(13)</sup> (Blachere) اور آرتھر جفری<sup>(14)</sup> (Arthur Jeffery) نے بھی یہی نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے۔

۴ اس طرح کا ایک اعتراض یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس کمیٹی کے باقی ممبران قریشی تھے۔ یہ تینوں حضرات طبقہ امراء سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ اس لئے یہ سب لوگ ایک مشترکہ مصلحت کی خاطر متحد ہو گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا تلفظ قرآن کا معیار بنے۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے ہم نوا بن گئے اور وہ ان کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ قریش کے خواص میں سے نہیں ہیں۔<sup>(15)</sup>

۵ اس مصحف پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مخصوص مقاصد کے سلسلے میں قرآن مجید کے کچھ حصے اس سے خارج کر دیئے۔

نولڈیکے (Noldeke) لکھتا ہے۔

It seems to me highly probable that this second redaction took this simple form, Zaid read off from the codex which he had previously written.....<sup>(16)</sup>

اسی بنیاد پر وہ قرآن مجید کے موجودہ نسخے کو نامکمل قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

Othman's Koran was not complete some passages are evidently fragmentary and few detached pieces are still extant which were originally part of the Koran, although have been omitted by Zaid. Amongst these are some which there is no reason to suppose Mohammad desired to suppress.<sup>(17)</sup>

وہ مزید لکھتا ہے۔

Zaid may easily have overlooked a few stray fragments, but he purposely omitted any

thing he believed to belong to the Koran is very unlike.<sup>(18)</sup>

تاویل القرآن کے مؤلف، ضربت عیسوی نے اسی بات کو دہراتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ تمام آیات قرآن سے خارج کر دیں جن میں اہل بیت کے مناقب بیان کئے گئے تھے۔ اسی طرح کہا گیا کہ قرآن مجید میں کچھ منافقین کے نام تھے۔ اب ان لوگوں کی اولادیں مسلمان ہو گئیں تو مصطلحت کی خاطر ان کے نام قرآن سے نکال دئے گئے۔<sup>(19)</sup>

یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سورۃ التوبہ کی آیت **لِيُ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ..** [التوبہ: 1۲۸] حضرت ابو خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے پاس سے نہ ملی<sup>(20)</sup>

اس روایت سے بھی مستشرقین یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شاید اس طرح کی اور بھی آیات شامل قرآن ہونے سے رہ گئیں ہوں۔ Tritton لکھتا ہے کہ دو ایسی سورتیں ہیں جو اس سے قبل موجود تھیں لیکن اب نہیں ہیں<sup>(21)</sup>

مستشرقین کہتے ہیں کہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے نسخے کے علاوہ دیگر تمام مصاحف جلو ڈالے اس طرح قرآن مجید کا بہت سا حصہ اس عمل میں ضائع ہو گیا اور قرآن کا حقیقی متن اگر ہم جانا چاہیں بھی تو نہیں جان سکتے۔<sup>(22)</sup>

اس سلسلے میں آرتھر جفری نے ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ 'ما قبل عہد عثمان' کی قرأتیں اب ضائع ہو چکی ہیں<sup>(23)</sup> یہی موقف Encyclopaedia of Islam کے مقالہ نگار نے اختیار کیا ہے<sup>(24)</sup> پادری فنڈر (Funder) نے میزان الحق میں اسی نقطہ نگاہ کو اپنایا ہے<sup>(25)</sup>

مارگولیتھ (Margoliuth) کا خلاصہ تحقیق بھی یہی ہے<sup>(26)</sup>

یہ نقطہ نگاہ بھی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تو ایک متفقہ متن اور متفقہ تلفظ تیار نہ کر سکے۔<sup>(27)</sup> اگرچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اختلافات ختم کرنے کے لیے باقی نسخے جلو دائے تھے۔ لیکن اختلافات ختم کرنے کے لیے جلانے یا ضائع کرنے کا یہ عمل بالکل بے اثر تھا۔ کیونکہ قرآن مجید تو لوگوں کے حافظے میں موجود تھا<sup>(28)</sup>

**الف** اس مصحف کی تیاری کے بعد بھی دیگر مصاحف موجود رہے۔<sup>(29)</sup>

**ب** اس طرح قرآن مجید کے متن میں اختلافات بھی موجود رہے۔<sup>(30)</sup>

یہی شخص لکھتا ہے کہ مصحف عثمان غنی رضی اللہ عنہ حقیقی قرآن نہیں ہے<sup>(31)</sup> وہ لکھتا ہے کہ اس مصحف کی کوئی ترتیب بھی نہ تھی۔<sup>(32)</sup> جو مصحف دیگر ممالک کو روانہ کئے گئے ان میں بھی ہم آہنگی نہ تھی۔<sup>(33)</sup>

In this way there arose a perplexing confusion of readings and in place of the striving for uniformity that one would have expected people became accustomed to unlimited liberty in these matters so that did not hesitate to substitute for particular words their synonyms or to insert short explanatory additions. This freedom was all the more unbridled in its development as the unmayed caliphs had little feeling on such question and preferred to take care that passions were not aroused by state interference in such matters.<sup>(34)</sup>

④ Encyclopaedia of Islam کے مقالہ نگار نے تفسیر طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم خود بھی اپنے تیار کروائے ہوئے نسخے کو مستند اور صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے سورۃ 3 کی آیت نمبر ۱۰۰ پر بھی جس میں اصل متن کے علاوہ کچھ اضافی الفاظ بھی تھے۔<sup>(35)</sup> اس بنا پر مقالہ نگار لکھتا ہے

If this is correct it is no wonder that others took still greater liberties. Various circumstances contributed to the continual variations in the form of the text.<sup>(36)</sup>

نوٹڈیکے لکھتا ہے کہ اس میں slight clerical errors باقی رہ گئیں تھیں<sup>(37)</sup> مارگولیتھ (Margoliuth) (بقول اس کے) اس ابہام اور اغلاط کے بارے میں لکھتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے اس لئے کام پر لگایا کہ انتہائی ابہام کی موجودگی میں وہی اس متن کی وضاحت کر سکتے تھے۔ اس کے الفاظ میں:

Perhaps because in the extreme ambiguity and imperfection of the arabic script he alone could interpret the first edition with certainty.<sup>(38)</sup>

Ⓐ پادری فنڈر نے یہ اعتراضات نقل کئے ہیں۔  
 Ⓒ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے قرآن کا متن تیار کروایا۔ حالانکہ شیعہ انہیں کافر قرار دیتے ہیں۔  
 Ⓓ اگر اصل قرآن اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا قرآن ایک ہی تھا تو دوسرے قرآنوں کو جلایا کیوں گیا؟  
 Ⓔ شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن کو خود گم کر دیا گیا۔<sup>(39)</sup>  
 ان تمام افکار و آراء کا بنیادی نقطہ نگاہ یہی ہے کہ مصحف عثمان غنی رضی اللہ عنہم بھی ناقص ہی تھا۔ اس میں تصرفات بھی کر دئے گئے اور اس کی ترتیب بھی بدل دی گئی۔

مستشرقین کے نقطہ نگاہ کا جائزہ ہم مندرجہ ذیل پہلوؤں سے لیں گے۔  
 ① ان کی تحقیقات کے ذہنی فکری اور مذہبی پس منظر، ان کے مقاصد تحقیق اور ان کی تحقیقات کے مآخذ کا جائزہ لے کر واضح کیا جائے گا کہ ان کی تحقیقات کی اصلیت کیا ہے؟  
 ② تاریخی شواہد کی روشنی میں واضح کیا جائے گا کہ ان لوگوں کے نتائج تحقیق محض ان کے خود ساختہ خیالات ہی ہیں۔ تاریخی حقائق ان کے نقطہ نگاہ کی تائید نہیں کرتے۔  
 ③ عقلی و منطقی دلائل سے ان کے نقطہ نگاہ کا رد کیا جائے گا۔

### صحیح قرآن کے بارے میں مستشرقین کے نقطہ نگاہ کا تجزیہ

قرآن حکیم یا اسلام کے بارے میں مستشرقین کے نقطہ نگاہ کی حقیقت کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں ان لوگوں کے ذہنی پس منظر اور طریق کار کے بارے میں کچھ حقائق کو ملحوظ رکھنا ہوگا ورنہ ہم ان کے نقطہ نگاہ کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکیں گے۔ جہاں تک اسلامی تحقیق کے دوران ان کے رویے اور ذہنی پس منظر کا تعلق ہے مستشرقین نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں اور وہ اس وقت 'قلمی صلیبی جنگ' (Crusade by Pen) میں مصروف ہیں۔<sup>(40)</sup>

\* یہ لوگ خالی الذہن ہو کر تحقیق نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کے خلاف تعصب سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بارے میں تحقیقات کرتے ہوئے ہم غیر جانبدار نہ نہیں رہ سکتے۔ اس صورت میں ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کی تحقیقات کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے۔ (41)

\* تحقیق کا بین الاقوامی مسلمہ اصول ہے کہ تحقیق شروع کرنے سے قبل اور تحقیق کے دوران محقق خالی الذہن اور غیر جانبدار رہے۔ پہلے سے طے شدہ کسی مقصد کو ذہن میں رکھے بغیر تحقیق کی جائے۔ اگر پہلے سے طے شدہ کوئی مقصد ذہن میں رکھ کر تحقیق کی جائے گی تو اسے تحقیق نہیں کہا جاسکتا۔ جبکہ مستشرقین کے ہاں اس بات کا مکمل فقدان ہے۔ وہ پہلے ایک مقصد طے کرتے ہیں پھر ہر طرح کے مآخذ سے اپنے مقصد کے لیے ڈھونڈ ڈھونڈ کر دلائل تلاش کرتے ہیں۔ (42) ان کے ذہن میں مقصد یہ ہے کہ قرآن کے بارے میں ثابت کریں کہ قرآن ایک طویل عرصے تک جمع نہیں کیا گیا اس کے لیے وہ محض اپنے ظن و گمان کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ مسلمان، متن قرآن کو محفوظ کرنے کے بارے میں غیر محتاط اور بے نیاز رہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور تک قرآن جمع نہیں کیا گیا (43) اس بات کو ثابت کرنے کے لیے وہ ان تمام بنیادی حقائق و مسلمات کو بھول جاتے ہیں کہ نزول قرآن کے ساتھ ہی قرآن کو سینوں اور کتابت کی صورت میں محفوظ کرنے کا بہترین اہتمام موجود تھا۔ (44) ایک طرف مستند مآخذ کی روشنی میں ثابت شدہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن پہلے دن ہی سے محفوظ چلا آ رہا ہے، دوسری طرف بغیر کسی دلیل کے صرف ایک فقرے میں کہہ دینا کہ قرآن محفوظ نہیں ہے کسی طرح قرین انصاف نہیں ہے۔ عقل اور انصاف کا تقاضا ہے کہ حفاظت قرآن کے قابل اعتماد اہتمام اور مستشرقین کے ظن و گمان کو ہم پہلے قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر کوئی شخص تمام سائنس دانوں اور محققین کی تحقیقات کے بارے میں کہہ دے کہ میں ان کو نہیں مانتا تو اسے نہ ماننے کی کوئی دلیل بھی تو دینی چاہئے۔ بغیر کسی دلیل کے اس کا دعویٰ ماننا قرین انصاف نہیں ہے۔ مثلاً اگر تاریخی واقعات کی بنیاد پر کوئی دعویٰ کیا گیا ہو تو اسے جھٹلانے کے لیے تاریخی شواہد پیش کرنے چاہئیں۔ اگر عقلی بنیاد پر کوئی دعویٰ کیا جائے تو اس کا توڑ بھی عقلی بنیاد پر کیا جانا چاہئے۔ کسی شخص یا گروہ کا عقلی و نقلی شواہد کو جھٹلا دینا اور کہنا کہ میں ان دلائل کو نہیں مانتا، کسی صورت بھی قابل فہم نہیں ہے۔

مستشرقین کا قرآن کی عدم صحت کے بارے میں نقطہ نگاہ اس لئے بھی قابل قبول نہیں ہے کہ ان کے نقطہ نگاہ میں کوئی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ جس طرح مشرکین مکہ میں کوئی تو قرآن کو شاعر کا کلام کہتا تھا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہتا، کوئی مجنون کہتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ مشرکین کے اعتراضات کے بے بنیاد ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ کسی ایک موقف پر اکٹھے نہیں ہو سکے تھے سب کی زبانیں مختلف تھیں۔ مستشرقین کی حالت بھی بالکل ایسی ہی ہے۔ قرآن کی محفوظیت کے حوالے سے یہ لوگ تضادات کا شکار ہیں۔ مستشرقین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن عہد نبوی سے ہی غیر محفوظ ہے اور لکھا نہیں گیا لہذا بعد میں اس کے اکٹھا ہونے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اکٹھا ہو گیا تھا لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے اصل متن کو باقی نہیں رہنے دیا۔ ایک تیسرا گروہ کہتا ہے کہ پہلے دونوں ادوار میں تو قرآن مکمل طور پر موجود تھا لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا بہت سا حصہ ضائع کر دیا۔

یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ جن مآخذ کی مدد سے ان لوگوں نے تاریخ تدوین قرآن پر تحقیق کی وہ ان سب کے ہاں مشترک ہیں لیکن ان میں سے ایک نے ان مآخذ سے ایک موقف اختیار کیا ہے دوسرے نے اس کے بالکل برعکس نقطہ نگاہ اختیار کر لیا۔ یہ کیا تماشہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک گروہ کو قرآن عہد نبوی میں محفوظ ہوتا دکھائی دیتا ہے جبکہ انہی مآخذ سے دوسرا گروہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ قرآن عہد نبوی اور زمانہ مابعد میں مکمل طور پر محفوظ نہیں ہو سکا۔ ایک ہی عینک سے ایک گروہ کو ایک تصویر سیدھی نظر آتی ہے اور دوسرے کو ٹیڑھی دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت عینک ایک ہی ہے فرق بینائی کا ہے۔ جس کے اندر حقائق کو تسلیم کرنے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے، اس عینک سے ان کی بینائی تیز ہو جاتی ہے اور جس کی آنکھوں میں بصارت کی قوت ہی نہیں ہے ان کے سامنے اندھیرا ہی رہتا ہے عینک کا شیشہ تو محض شیشہ ہے فرق تو دیکھنے والے کی بینائی کا ہے۔

\* تاریخ تدوین قرآن کے بارے میں مستشرقین کے نقطہ نگاہ کے رد کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ خود تضادات کا شکار ہیں۔ قرآن کی صحت کے حق میں یہ بہت بڑی دلیل دی جاسکتی ہے کہ اس کے مخالفین اس کے بارے میں باہم متصادم و متضاد ہیں۔ اگر وہ سچے ہوتے تو وہ متفق الخیال ہوتے۔ باہم متصادم اعتراضات کر کے وہ محض دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔

\* یہ لوگ ایک طرف کہتے ہیں کہ ماقبل عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہم میں جو قراءات مروج تھیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ نکال دیں۔ اسی طرح قرآن کے بہت سے حصے جن میں اہل بیت کے مناقب تھے وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نکال دیئے۔ اس کے علاوہ بھی کئی حصے نکال دیئے گئے۔ دوسری طرف وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا نسخہ وہی تھا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم نے تیار کروایا تھا۔

\* ایک طرف کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے اپنے تیار کردہ مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلوادیئے دوسری طرف کہتے ہیں کہ اس مصحف کے بعد بھی دیگر مصاحف مروج رہے۔ پھر تو یہ کہا جاسکتا ہے اگر بالفرض حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے قرآن میں سے کچھ حصے نکال بھی دیئے تھے تو اس کے باوجود قرآن تو محفوظ ہی رہا کیونکہ ان حصوں کو نکالنے کے باوجود لوگ باقی بچ جانے والے مصاحف سے ان حصوں کو دوبارہ حاصل کر سکتے تھے۔

مستشرقین، اسلام کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے تشکیک کا ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتابوں میں اسلامی تاریخ سے ثابت شدہ مسلمات کے بارے میں محض اپنے ظن و گمان کی بنیاد پر شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں مسلمہ حقائق کے مقابلے میں ان کی کتابوں میں (Might be, Perhaps, may be, It may have so, It is assumed) کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ گویا ظن و تخمین اور قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ اگر ہم خالص عقل اور انصاف کی بنیاد پر یہ فیصلہ کریں تو عقل و انصاف یہی کہتا ہے کہ ایک طرف مسلمہ حقائق اور نصوص ہوں دوسری جانب اس طرح کا ظن و گمان ہو تو یقینی بات کو تسلیم کرنا چاہئے یا ظنی اور تصوراتی بات کو؟

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مستشرقین کے بارے میں اگرچہ یہ چرچا ہے کہ وہ معروضی اور غیر جانبدارانہ تحقیق کرتے ہیں لیکن درحقیقت یہ لوگ تقلید کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایک شخص ایک مخصوص مقصد کے تحت ایک نظریہ پیش کرتا ہے تو ان کی بہت بڑی تعداد اس کی تقلید میں وہی نظریہ اختیار کر لیتی ہے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ



مستشرقین کی اتنی بڑی تعداد نے یہ نقطہ نگاہ پیش کیا ہے حالانکہ یہ نقطہ نگاہ ایک فرد کا ہوتا ہے ایک جماعت کا نہیں ہوتا۔  
 \* یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اکثر مستشرقین اسلامیات کے بنیادی مآخذ سے واقف نہیں ہیں۔ وہ عربی زبان جانے بغیر اسلام کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ تحقیق کا مسلمہ اصول ہے کہ کوئی بھی نقطہ نگاہ بنیادی مآخذ پر مبنی ہونا چاہئے۔ خصوصاً قرآن کی صحت جیسے اہم ترین موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہی بات کرنی چاہئے جو واضح، قطعی اور ناقابل تردید ہو۔

\* کسی مسئلہ پر مستشرقین کے نقطہ نگاہ کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت ہمیں اس اصولی بات کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ وہ کس معیار کے مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے کوئی نقطہ نگاہ اختیار کرتے ہیں۔ مستشرقین کے ہاں مآخذ کی تقسیم اور درجہ بندی کا کوئی اصول موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں نے قرآن، حدیث، سیرت اور تاریخ میں باضابطہ طور پر مآخذ کی درجہ بندی کی ہے۔ شیخ عبدالحق اور دیگر لوگوں نے طبقات کتب حدیث کا تعین کیا ہے۔ جو مقام پہلے اور دوسرے درجہ کی کتب حدیث کو حاصل ہے تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب کو حاصل نہیں ہے۔ احادیث و روایات کی قبولیت کے لئے معیار مقرر کیا ہے۔ محدثین نے قبول حدیث کے لیے کڑی شرائط رکھی ہیں۔ جرح و تعدیل کے واضح اصول موجود ہیں۔ اسماء الرجال کا علم محض اس لئے منظم و مرتب ہوا کہ جن لوگوں کے ذریعہ سے احادیث نقل ہوئی ہیں ان کے احوال کو جانا جاسکے۔ مستشرقین اس قسم کی کسی درجہ بندی سے نہ تو واقف ہیں نہ وہ تحقیق کے دوران اس طرح کی کوئی تمیز ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں بخاری شریف اور الجاحظ اور الاغانی میں کوئی فرق نہیں۔ اگر ان کے مطلب کی بات الاغانی جیسی غیر معتبر کتاب سے ملتی ہے اور بخاری شریف میں اس سے مختلف بات موجود ہے تو وہ الاغانی سے استفادہ کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کریں گے۔

مستشرقین ایک طرف کہتے ہیں کہ قرآن کا متن ایک طویل عرصے تک محفوظ نہیں کیا گیا دوسری طرف ولیم میور (William Muir) جیسا شخص پورے شد و مد سے ثابت کرتا ہے کہ قرآن عہد نبوی ﷺ میں مکمل طور پر محفوظ کر لیا گیا تھا۔ مستشرقین کے بارے میں ان بنیادی حقائق کے ذکر کے بعد اب ان کے نقطہ نگاہ کا حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔ سب سے پہلے اس پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی کہ جمع عثمانی کی بنیاد بننے والا 'مصحف صدیق اکبر ﷺ' ناقص تھا یا ایک کامل نسخہ تھا۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ مستشرقین نے عہد عثمان ﷺ میں تیار ہونے والے نسخے کو مشکوک بناتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے نسخے کی نقل تھا دوسری طرف مصحف صدیق کے بارے میں بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی ناقص تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کا نقطہ نگاہ یہ بھی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں قرآن مجید کو محفوظ کرنے کا کوئی مناسب بندوبست نہیں تھا اور اس دور میں قرآن مجید کا کوئی مکمل نسخہ تیار نہیں ہوسکا تھا۔ آئندہ سطور میں اس پہلو پر حقائق پیش کئے جائیں گے کہ قرآن عہد نبوی ﷺ میں بھی ہر اعتبار سے مکمل اور محفوظ تھا اس سلسلے میں چند حقائق ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

زبدۃ البیان فی رسوم مصاحف عثمان ﷺ میں روایت ہے:

”كان دأب الصحابة من أول نزول الوحي إلى آخره المسارعة إلى حفظه.“ (46)

یعنی نزول قرآن کے آغاز ہی سے صحابہؓ کا یہ معمول تھا کہ جو حصہ نازل ہوتا اسے حفظ کر لیا جاتا۔ اگر ہم صحابہ کرامؓ کے معاشرے کے ذہنی رجحانات کا جائزہ لیں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس دور میں قرآن اور صحابہؓ لازم و ملزوم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے حالات زندگی بیان کرتے وقت الگ سے ان کے حافظ قرآن ہونے کی صفت کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی جاتی تھی۔ کیونکہ اکثر لوگ کسی نہ کسی طرح حافظ قرآن تھے۔ حفاظ صحابہؓ کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب احد کی لڑائی کے بعد شہدائے احد کو دفن کرنے کا مرحلہ آیا تو کپڑے کی قلت کی وجہ سے ایک ہی کپڑے میں کئی صحابہؓ کو اکٹھے لپیٹ کر دفن کیا گیا۔ ایک کپڑے میں ایک سے زیادہ صحابہ کرامؓ کو لپیٹتے وقت آپ دریافت فرماتے کہ ان میں سب زیادہ قرآن کس کو آتا تھا۔ ترمذی شریف میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

فكفن القتلى وقلت الثياب قال: فكفن الرجل والرجلان والثلاثة في الثوب الواحد ثم يدفنون في قبر واحد. قال فجعل رسول الله ﷺ يسأل عنهم «أيهم أكثر قرآنًا». فيقدمه إلى القبلة (47) ”صحابہ کرامؓ میں سے بہت سے شہید ہوئے اور کفن کے لیے کپڑوں کی قلت ہو گئی تو ایک دو یا تین صحابہ کرامؓ کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ اس وقت حضور ﷺ دریافت فرماتے کہ ”ان میں سے سب سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا؟“ پس جس شخص کو قرآن سب سے زیادہ یاد ہوتا اسے قبلہ کی طرف رکھتے“ حضور ﷺ کا اس انداز سے سوال فرمانا ”ایہم اکثر قرآنًا“ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شہدائے احد میں قرآن سب کو یاد تھا۔ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ یاد تھا۔ ورنہ آپ گھص کی زیادتی ہی کے دریافت فرمانے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ یہ بھی دریافت فرماتے کہ ”ان میں سے کس کو قرآن یاد ہے اور کس کو یاد نہیں“

\* اس استفسار نبوی ﷺ سے یہ بات بھی عیاں ہے کہ حفظ قرآن اور تعلیم کتاب اس طرح صحابہؓ میں عام تھی کہ وہ ہر ایک کی حالت سے بخوبی آگاہ تھے کہ کس کو کتنا قرآن آتا ہے۔

\* بیتر معونہ کا واقعہ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ کچھ صحابہ کرامؓ قرآن کی تعلیم کے لیے جا رہے تھے کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کے لیے مسلمانوں میں سے ستر حفاظ کو بھیجا گیا کہ وہ انہیں قرآن کی تعلیم دیں۔ کیا یہ بات اس کی دلیل نہیں کہ اس وقت اس سوسائٹی میں حفاظ کی تعداد کس قدر زیادہ تھی۔ ایک مقام پر لوگوں کی تعلیم کے لیے بھیجے جانے والوں کی تعداد ستر تھی تو روزانہ جو جماعتیں اور وفد تعلیم قرآن کے لیے مختلف قبائل کو جاتے تھے انہیں نگاہ میں رکھیں تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سوسائٹی میں حفاظ کی تعداد کس قدر زیادہ تھی۔ مدینہ طیبہ کے اندر بھی تو مقامی ضرورت کے لیے حفاظ موجود ہوتے ہوں گے۔

\* ۱۱ ہجری میں مسیلمہ کے مقابلے میں مہاجرین و انصار کے کل ۳۰۰ افراد شہید ہوئے جن میں سے ستر

صحابہؓ حافظ قرآن تھے (48)

\* ابن النذیم نے ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں حفاظ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے۔

ان صحابہ کرامؓ میں یہ حضرات گرامی شامل ہیں:

عبداللہ بن عمرو بن العاص، قیس بن صعصعہ، سعد بن منذر بن اوس، عبداللہ بن عمر، عقبہ بن عامر الجعفی، ابوالدرداء، تمیم داری، معاذ بن الحارث الانصاری، عبداللہ بن سائب، سلیمان بن ابی ششمہ، ابی بن کعب، زید بن

عبداللہ بن عمرو بن العاص

ثابت، معاذ بن جبل، سعد بن عبید بن نعمان النصارى، مسلمہ بن مخلد بن الصامت، عثمان بن عفان، عبد اللہ بن طلحہ، ابوموسیٰ الاشعری، عمرو بن العاص، ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص، حذیفہ بن الیمان، عبادہ بن صامت، ابو حلیمہ، مجمع بن حارث، فضالہ بن عبید، سعد بن عبادہ، ابن عباس، ابویوب النصارى، عبد اللہ بن ذوالجناہین، عبید بن معاویہ، ابو یزیدؓ (49)

عبد اللہ ابن عمرو بن العاصؓ (م 65ھ) جن کے بارے میں روایات بیان کی گئی ہیں کہ انہوں نے قرآن لکھا بھی تھا اور وہ حافظ قرآن بھی تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی تھی کہ میرا حافظہ کمزور ہے اور انہوں نے حضور ﷺ سے اجازت مانگی تھی کہ انہیں احادیث لکھنے کی اجازت دیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک ضعیف الحافظہ شخص قرآن کا حافظ تھا تو تیز حافظے والوں کا کیا عالم ہوگا۔ ابن سعد نے طبقات میں بھی ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ رات کو پڑھا جانے والا قرآن دن کو دوسروں کو سناتے تھے۔ (51) سعد بن منذرؓ کے بارے میں فتح الباری میں روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں تین روز میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دی جائے۔ (52) عبد اللہ بن عمرؓ کے بارے میں نسائی شریف میں روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے قرآن یاد تھا اور ایک رات میں اسے ختم کیا کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں منع فرمادیا اور ایک ماہ میں ختم کرنے کی اجازت دی۔ (53)

عبد اللہ بن عمرؓ کے بارے میں نسائی شریف میں روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے قرآن یاد تھا اور ایک رات میں اسے ختم کیا کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں منع فرمادیا اور ایک ماہ میں ختم کرنے کا حکم فرمایا۔ (54) مشہور صحابی تمیم داریؓ بھی حافظ قرآن تھے۔ آپ ﷺ رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پڑھاتے تھے۔ طبقات میں روایت ہے کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز تہجد میں سات راتوں میں قرآن ختم فرمایا کرتے تھے۔ (55) علامہ ذہبیؒ نے، جو فن رجال و تاریخ کے بہت ماہر تھے اور صحابہ کرامؓ کے احوال سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے۔ طبقات القراء میں لکھتے ہیں:

”فأما من حفظه كله منهم وعرض على النبي ﷺ فجماعة من نجباء أصحاب محمد ﷺ انتدبوه قراءة وانتصبوا لأداءه فكان من حملتهم سبعة أئمة أعلام قرأت عليهم أسانيد القران. (56)

ان کے اس کلام سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں بہت سے لوگ حافظ قرآن تھے۔ گذشتہ سطور میں ابن الندیم کے حوالے سے حفاظ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی بیان کئے گئے ہیں اس کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں علامہ بدر الدین عینیؒ نے شرح بخاری میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان میں دیگر بہت سے حفاظ صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا ہے۔ (57)

کنز العمال میں حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے لشکر کے سرداروں کو لکھا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقے سے حفاظ قرآن کے ناموں پر فہرستیں مرکز کوروانہ کریں تاکہ بیت المال سے ان کے وظائف مقرر کئے جائیں۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے تمہا اپنے علاقے سے تین سو سے کچھ اور صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی پر مشتمل فہرست ارسال کی۔ (58)

مفتاح السعادة میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے۔

”علي ابن أبي طالب رضى الله عنه عرض القرآن على النبي ﷺ وهو من الذين حفظوا القرآن أجمع بلا شك عندنا. وقد أبعد الشعبي في قوله إنه لم يحفظه. قال يحيى ابن آدم: قلت لأبي بكر بن عياش: يقولون إن علياً لم يقرأ القرآن. فقال: أبطل من قال هذا. (59)“

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے تمام قرآن پڑھا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے تھے جنہیں قرآن مکمل طور پر یاد تھا۔ امام شعبی رضی اللہ عنہ کو اس شخص پر بہت حیرت ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن پورا یاد نہ تھا یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر بن عیاش رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پورا قرآن یاد نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ قول باطل ہے“

● علامہ بدرالدین عینی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”إن الذين جمعوا القرآن على عهد النبي ﷺ لا يحصيهم عدد ولا يضبطهم أحد. (60)“

”پینک جن لوگوں نے عہد نبوی رضی اللہ عنہ میں قرآن جمع کیا تھا ان کی تعداد شمار کرنا مشکل ہے“

گذشتہ سطور میں جن اصحاب رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کئے گئے ہیں علامہ بدرالدین عینی رضی اللہ عنہ نے ان میں ابو موسیٰ اشعری، مجمع بن جاریہ، قیس بن ابی صعصعہ، قیس بن سکن، ام ورقہ بن نوفل، اور ابنہ عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہم کے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ (61)

مذکورہ بالا جن اصحاب رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی پیش کئے گئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کریم لکھ کر محفوظ کیا تھا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے جمع قرآن پر مجمع فی الصد رکا اطلاق ہوتا ہے۔ اس شبہ کا ازالہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد تو شمار میں لانا مشکل ہے۔ جنگ بمامہ میں ستر حفاظ شہید ہوئے۔ بیبر معونہ کے موقع پر ستر حفاظ شہید ہوئے۔ عہد نبوی رضی اللہ عنہم کے حفاظ کی تعداد تیس تک تو فتح الباری اور عمدۃ القاری میں موجود ہیں۔ (62)

لہذا یہاں جمع کتابی مراد ہے۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ کا بیان قابل ذکر ہے۔

المراد بالجمع الكتابة فلا ينفى أن يكون غيرهم جمعه حفظاً عن ظهر قلب وأما هؤلاء فجمعه كتابة وحفظوه عن ظهر قلب. (63)

کتابت وحی کے سلسلے میں تفصیلی روایات ملتی ہیں کہ نزول وحی کے فوراً بعد اس کو لکھ لیا جاتا تھا۔ اس کی وضاحت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كنت أكتب الوحي لرسول الله ﷺ وكان إذا نزل عليه الوحي أخذته برحاً شديدة وعرقاً مثل الجمان، ثم سرتي عنه، فكنت أدخل عليه بقطعة الكتف أو كسوة، فأكتب وهو يملئ عليّ، فما أفرغ حتى تكاد رجلي تنكسر من ثقل القرآن حتى أقول لا أمشي على رجلي أبداً، فإذا فرغت، قال: اقرأه فإن كان فيه سقط أقامه ثم أخرج به إلى الناس. (64)

”میں رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہم پر وحی نازل ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی لگتی تھی۔ اور آپ رضی اللہ عنہم کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے پھر آپ رضی اللہ عنہم سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہم کھواتے رہتے اور میں لکھتا رہتا۔ یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہو جاتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹے والی ہے اور میں بھی نہیں چل سکوں گا۔ جب میں فارغ ہو جاتا تو آپ رضی اللہ عنہم فرماتے: پڑھو! میں پڑھ

کر سنا تا۔ اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوتی تو آپؐ اس کی اصلاح فرما دیتے پھر اسے لوگوں کے لئے لے آیا جاتا“  
 \* عہدِ نبویؐ میں قرآن کے مکمل شکل میں موجود ہونے پر مزید دلائل دیئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً نبی کریمؐ کے بارے میں لاتعداد روایات موجود ہیں کہ آپؐ مختلف نمازوں میں کون کون سی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے متعدد سورتوں کے فضائل بیان فرمائے۔ مختلف مواقع پر مختلف مقاصد کے لیے قرآن کی مخصوص سورتیں تلاوت کرنے کی ترغیب دی۔ فضائل سورت پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ سب باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ قرآن کا متن عہدِ نبویؐ میں مرتب شکل میں مکمل طور پر موجود تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سورتوں میں آیات کی تعداد، ان کی طوالت اور ان کے نام عہدِ نبویؐ میں معروف تھے۔ اسی طرح نبی کریمؐ، جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ اور آخری سال آپؐ نے دو مرتبہ دور فرمایا جسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے۔ اگر مفروضے کے طور پر مستشرقین کی بات ایک لمحہ کے لیے مان لی جائے کہ قرآن مکمل حالت میں عہدِ نبویؐ میں ہی موجود نہیں رہا تھا، تو اس صورت میں جبریل علیہ السلام، حضورؐ کو یاد دلا دیتے کہ قرآن کے فلاں فلاں حصے غائب ہو گئے ہیں۔ اس حوالے سے Rodwell نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ نبی کریمؐ جو کچھ لکھواتے تھے وہ ایک صندوق کے اندر جمع کرتے جاتے تھے اور آپؐ کی وفات کے وقت وہ سارا کچھ ایک جگہ اکٹھا موجود تھا۔<sup>64(a)</sup>

جمع القرآن فی عہدِ النبیؐ کے لئے مزید تفصیلات کے لئے بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، باب کاتب النبیؐ، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف، باب تألیف القرآن، باب کان جبریل يعرض القرآن علی النبیؐ، باب القراء من أصحاب رسول الله ﷺ احادیث نمبر 4978 تا 5005 کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ نزول وحی کے فوراً بعد کتابت قرآن کے بارے میں مزید تفصیلات مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم کی مستدرک کے علاوہ فتح الباری میں موجود ہیں۔<sup>(65)</sup> علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں بھی تفصیلات بیان کی ہیں۔<sup>(66)</sup> طبرانی نے بھی عہدِ نبویؐ میں قرآن مجید کے مکمل طور پر لکھے جانے اور حافظوں میں محفوظ ہونے پر اپنی اوسط میں ثقہ رجال سے روایت بیان کی ہے۔<sup>(67)</sup>

اس سلسلے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے:

قال عثمان رضي الله عنه كان رسول الله ﷺ مما يأتي عليه الزمان وهو ينزل عليه السور ذوات العدد فكان إذا نزل عليه الشيء دعا بعض من كان يكتب فيقول: «صَعَوْا هُوَاءَ الْآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذَكَّرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا». فَإِذَا أَنْزَلَتْ عَلَيْهِ الْآيَةُ يَقُولُ «صَعَوْا هَذِهِ الْآيَةَ فِي سُورَةِ يَذَكَّرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا». (68)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی ایک یا ایک سے زائد سورتیں نازل ہوتیں تو آپؐ کسی کاتب کو بلائے اور فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت میں شامل کر دیں۔ اسی طرح جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اس کے بارے میں بھی فرماتے کہ اسے فلاں سورت میں شامل کر دیں۔“

مسند احمد حنبل میں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔  
 «أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْنَعَ هَذِهِ الْآيَةَ هَذَا لِمَوْضِعٍ مِنْ هَذِهِ السُّورَةِ ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ

وَالْإِحْسَانَ... ﴿۶۹﴾».

”میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو جو فلاں سورت کی ہے۔ فلاں مقام پر درج کر دوں۔ اور وہ آیت یہ تھی۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ...﴾ [النحل: ۹۰] بخاری شریف میں روایت ہے کہ:

لَمَا نَزَلَتْ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضَّرِّ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَدْعُ لِي زَيْدًا وَيَجِيءُ بِاللُّوْحِ وَالْقَلَمِ وَالْكَتِفِ - أَوْ الْكَتِفِ وَالِدَوَاةِ-». ثُمَّ قَالَ: أَكْتُبُ لَّا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ...» (70).

”جب آیت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ...﴾ [النساء: ۹۵] نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زید کو میری طرف بلایا جائے اور وہ سختی اور قلم اور کتف اور دوات لے کر آئیں پھر فرمایا ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ﴾ لکھو“ ان روایات میں غور کریں تو دو اہم باتیں سامنے آتی ہیں کہ

① نزول وحی کی کیفیت جوں ہی ختم ہوتی۔ حضور ﷺ فوراً نازل شدہ وحی کو لکھوا لیتے۔

② یہ کتابت اس انداز سے ہوتی تھی کہ ایک مکمل نسخہ معرض وجود میں آ رہا تھا۔ اوّل الذکر کے متعلق مجمع الزوائد کی روایت پیش کی جاسکتی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کیفیت وحی ختم ہو جاتی ہے تو فکنت أدخل عليه بقطعة الكتف ..... کہ میں لکھنے کا سامان قلم، دوات اور سلیٹ وغیرہ لے کر حاضر ہو جاتا۔ (71) محققین نے بہت سی ایسی روایات کا ذکر کیا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نزول وحی کے بعد جس کام کے لئے سب سے زیادہ مستعد و بے قرار رہتے تھے وہ کتابت وحی کا فریضہ ہی ہوتا تھا۔

یہ حقائق اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قرآن کے کسی حصے کا ضائع ہو جانا محال تھا اس قسم کے شواہد یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ جو ہستی اس سلسلے میں اس قدر محتاط ہو گیا اس نے قرآن غیر مربوط اور نامکمل شکل میں ہی امت کو دیے دیا ہوگا؟ حفاظت قرآن کی ذمہ داری اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے تاہم عالم اسباب میں بھی حضور ﷺ کے ذریعے اس کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا۔ عرضہ اخیرہ میں حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ قرآن سنایا اس کے بعد چھ ماہ کے عرصے میں کیا حضور ﷺ کی توجہ اس طرف مبذول ہی نہ ہوئی کہ جو کتاب میں دے کر جا رہا ہوں کیا وہ مکمل شکل میں موجود بھی ہے یا نہیں؟ جبکہ آپ ﷺ کو حضور اجل کا خیال ذہن میں ڈال دیا گیا ہو۔ اس قسم کی فروگذاشت تو ایک معمولی ذمہ دار شخص بھی نہیں کر سکتا۔

نزول قرآن کی کیفیت بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ قرآن مجید کو حضور ﷺ نے ترتیب بھی دیدی تھی۔ مثلاً سورة البقرة کی کچھ آیات ایک ہی دن نازل ہوئیں اور حضور ﷺ نے یہ آیات ایک کا تب مثلاً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو لکھوا دیں۔ انہیں لکھوانے کے بعد آپ ﷺ نے معمول کے مطابق پڑھوا کر سن بھی لیا۔ اس کے بعد باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ان آیات کو لکھ لیا۔ پھر اس کے بعد کچھ اور آیات نازل ہوئیں۔ جن میں کچھ سورة البقرہ اور کچھ سورة آل عمران کی تھیں۔ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے ان کا مقام بتا دیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کے مطابق ان آیات کو لکھوا دیا۔ پڑھوا کر سنا اور پھر ان کی اشاعت فرمادی۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ جب سورة البقرة کی گیارہویں آیت لکھی گئی تو حضور ﷺ نے اسے سنا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ ﷺ نے صرف اسی ایک آیت کو سنا۔ یا اس سے پہلے کی دس آیات بھی سنیں

کتابت

ڈاکٹر محمود اختر

یا کم از کم وہ آیت سنی جو گیارہویں آیت کے متصل واقع ہے۔ اس کو بھی سنا۔ ظاہر ہے کہ صرف گیارہویں آیت سننے سے یہ تو واضح ہو جائے گا کہ یہ آیت گیارہویں یعنی اپنے نمبر پر لکھی گئی ہے یا نہیں؟ جب تک کہ کاتب کے پاس پہلے کی نازل شدہ اس سورت کی تمام دس آیات لکھی ہوئی موجود نہ ہوں اور ان کا ربط ان آیات کے ساتھ نہ ہو۔

اس کے ساتھ اس روایت کو ذہن میں رکھیں جس میں سورۃ النساء کی آیت

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولَى الضَّرِّ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کے نزول کا ذکر

کیا گیا ہے۔

اس بات کا اطلاق اگر ہم تمام کاتب صحابہ رضی اللہ عنہم پر کریں تو یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہ جاتی کہ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن مجید کے مکمل (Up to date) نسخے تیار ہو رہے تھے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كنا نؤلف القرآن من الرقاع. (72)

اس بیان کی تشریح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ یوں کرتے ہیں۔

” المراد بالتأليف ما نزل من الآيات المفردة في سورها وجمعها. (73)“

یعنی جن سورتوں کی جو آیات اس وقت تک نازل ہو چکی ہوتی تھیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو سورتوں کے ان مقامات پر ترتیب دے کر لکھا کرتے تھے جہاں جہاں انہیں ہونا چاہئے تھا۔ مختلف سورتوں میں جو جدید اضافے وحی کے ذریعے ہوتے رہتے تھے انہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر جوڑتے تھے اور یوں قرآن کی ان سورتوں کے وہ نسخے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس جمع ہوتے جاتے تھے تدریجاً مکمل ہوتے رہے۔

اس روایت کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”هذا حديث صحيح على شرط الشيخين.“

”یہ شیخین کی شرط پر صحیح حدیث ہے“

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ تالیف سے مراد یہ ہے کہ ہم آیات کو ان کے اصل مقام پر رکھ رکھ کر جوڑا کرتے تھے جہاں جہاں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔ (74)

عہدِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں قرآن جمع کرتے وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ سورۃ برآۃ کی آخری آیات کسی سے نہ مل سکیں، بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ یہ آیات کس سورت کی ہیں اور انہیں کس جگہ لکھنا ہے۔ ورنہ تو یہ عبارت یوں ہونی چاہئے تھی۔

”دو آیات مل نہیں رہی تھیں جب وہ مل گئیں تو ہم نے انہیں سورۃ برآۃ کے آخر میں لکھ دیا۔“

### عہد صدیق رضی اللہ عنہ میں جمع قرآن ..... مقصد اور نوعیت

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں قرآن کی کتابت اور جمع قرآن کی کاروائی میں مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے نمایاں فرق ہے۔ اس دور میں جمع قرآن کے اقدام کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن لکھا ہوا موجود ہی نہ تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہوا موجود تھا۔ اس کے لاتعداد نسخے مکمل شکل میں

موجود تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عہد نبوی ﷺ میں قرآن لکھا ہوا مرتب شکل میں موجود تھا تو پھر عہد صدیقی رضی اللہ عنہم میں دوبارہ اس کا روائی کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس بات کو ہم روایات کی روشنی میں واضح کریں گے۔

الاتقان میں خطابی کا قول نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”إنما لم يجمع ﷺ القرآن في المصحف ... وقد كان القرآن كتب كله في عهد رسول الله ﷺ لكن غير مجموع في موضع واحد.“ (75)

”نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کو ایک مصحف کی شکل میں جمع نہیں فرمایا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں قرآن مجید مکمل طور پر لکھا تو جا چکا تھا۔ لیکن وہ یکجا نہیں تھا“

اسی طرح ایک اور روایت بھی الاتقان میں ہے:

وقال الحارث المحاسبی فی کتاب فهم السنن کتابة القرآن لیست بمحدثه فإنه ﷺ کان یأمر بکتابته ولكنہ کان مفرقا فی الرقاع والأکتاف والعسب فإنما أمر الصديق بنسخها من مکان إلى مکان مجتمعاً وكان ذلك بمنزلة أوراق وجدت في بیت رسول الله ﷺ فيها القرآن منتشر فجمعها جامع وربطها بخيط حتى لا یضیع منها شيء. (76)

”حارث محاسبی فہم السنن میں لکھتے ہیں کہ قرآن کی کتابت کوئی نئی بات نہ تھی اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ لیکن اس وقت یہ رقاع، اکتاف اور عسب میں متفرق و منتشر حالت میں تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے مرتب طریقے سے یکجا کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ ان اوراق کی طرح تھا جو حضور ﷺ کے گھر سے پائے گئے تھے ان میں قرآن منتشر طور پر لکھا ہوا تھا۔ اسی کو جامع نے جمع کر دیا۔ اور ایک دھاگے کے ساتھ اس طرح پرو دیا کہ اس میں سے کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا“

امام حاکم رضی اللہ عنہ نے مستدرک میں روایت بیان کی ہے:

جمع القرآن ثلاث مرات إحداهما بحضرة النبي ﷺ ثم أخرج بسند علی شرط الشيخين عن زيد ابن ثابت قال: كنا عند رسول الله ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع ..... الثانية بحضرة أبو بكر. (77)

”قرآن تین مرتبہ جمع کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہی کے عہد میں جمع ہوا تھا۔ پھر انہوں نے ایک سند پر جو شیخین کی شرط کے مطابق ہے، بیان کیا ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر قرآن کو مختلف پرچوں سے مرتب کیا کرتے تھے۔ دوسری مرتبہ قرآن جمع کرنے کا کام عہد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم میں ہوا۔ تیسری مرتبہ یہ کام عہد عثمانی رضی اللہ عنہم میں ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے قرآن کو کتابی شکل میں اس لئے نہیں دیا تھا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں قرآن ابھی نازل ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے کتابی شکل تو اسی وقت دی جاسکتی تھی جب یہ یقین ہو جاتا کہ اب مزید وحی نازل نہیں ہونی اور آئندہ جو وحی نازل ہونی تھی اسے کس جگہ رکھنا تھا۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب کہ قرآن مکمل نازل ہو چکا ہوتا۔

ان تمام حقائق و شواہد کی موجودگی میں یہ سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں قرآن مجید لکھا ہوا ہونے کے باوجود عہد صدیقی رضی اللہ عنہم میں دوبارہ اس کام کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ عہد نبوی ﷺ میں جو نبی کوئی آیت نازل ہوتی فوراً اسے لکھوا لیا جاتا۔ لیکن چونکہ وحی کے نزول کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لئے حضور ﷺ نے قرآن کو بین الدفتین یا ایک کتاب کی شکل نہیں دی کہ اسے سرکاری نسخہ کہا جاتا۔ لیکن یہ بین الدفتین شکل عہد صدیقی رضی اللہ عنہم میں دی گئی۔ عہد



نبوی ﷺ اور عہد صدیقی ﷺ کے مصحف میں فرق صرف اسی قدر تھا کہ حضور ﷺ باقاعدہ ایک معیاری نسخہ، جسے سرکاری حیثیت حاصل ہو، امت کو دے کر نہیں گئے۔ لیکن ایک سرکاری نسخے کے نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرتب نسخہ نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت تو لاتعداد نسخے معرض وجود میں آچکے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سرکاری نسخہ تیار کروا دیا۔ چونکہ مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ کو مشکوک بنانے کے لیے مستشرقین مصحف صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی غلط انداز سے پیش کرتے ہیں اس لئے مصحف صدیق رضی اللہ عنہ کی تیاری کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے۔

### عہد صدیق رضی اللہ عنہ میں جمع قرآن مجید کا طریق کار اور شرائط

اس وقت یہ طریق کار اختیار کیا گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا: ”اقعدا علی باب المسجد، فمن جاء کما بشاہدین علی شیء من کتاب اللہ فاکتباہ۔“ (78) ”مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور جو شخص کتاب اللہ کا کوئی حصہ لے کر آئے اور اس پر دو گواہ پیش کرے تو وہ حصہ لکھ لیا کرو۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو گواہوں سے مراد حفظ اور کتابت ہے۔ (79) لیکن جمہور کہتے ہیں کہ دو عادل گواہ حفظ کے لیے اور دو عادل گواہ کتابت کیلئے۔ یعنی کل چار گواہ پیش کئے جائیں تو قرآنی آیت کا ٹکڑا قبول کیا جائے ورنہ قبول نہ کیا جائے۔ (80)

جمہور علماء اس کی دلیل میں ابن ابی داؤد کی وہ روایت پیش کرتے ہیں۔ جو انہوں نے یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب کے طریق سے روایت کی ہے۔

قدم عمر، فقال: من كان تلقى من رسول الله ﷺ شيئاً من القرآن فليأت به، وكانوا يكتبون ذلك في الصحف والألواح والعسب وكان لا يقبل من أحد شيئاً حتى يشهد شهيدان. (81) ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ جس نے قرآن کا کچھ حصہ حضور ﷺ سے سنا کر یاد کیا ہو وہ پیش کرے۔ لوگ ان دنوں قرآن کریم کی آیات کو صحیفوں تختیوں اور کھجور کی چھوٹی ٹہنیوں پر لکھا کرتے تھے۔ جب تک دو گواہ شہادت نہ دیتے تب تک آپ کسی کی پیش کردہ آیات کو قبول نہیں کرتے تھے“ علامہ سخاوی رحمہ اللہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

المراد أنهم يشهدان على أن ذلك المكتوب كتب بين يدي رسول الله ﷺ. (82) مقصد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ آیات حضور ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھیں۔

عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں کس قدر احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ

\* اس کے باوجود کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تینوں حفاظ قرآن تھے۔ (83) وہ چاہتے تو اپنی یادداشت اور حفظ کی بنیاد پر ایک نسخہ لکھ دیتے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے حکم صادر فرما دیتے کہ آئندہ سے یہ نسخہ سرکاری نسخہ کہلائے گا۔ لیکن انہوں نے امت کا اجماع منعقد کرنے کی خاطر ایک باضابطہ اور باقاعدہ طریقہ اختیار کیا۔ کسی کو اس طریق پر نہ اعتراض ہو سکتا تھا اور نہ کسی نے اعتراض کیا۔

\* احتیاط کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ ایک آیت لے کر آئے۔

لیکن یہ آیت آپ نے اکیلے ہی پیش کی۔ کسی اور نے ان کی تائید نہیں کی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ یہ آیت قرآن میں شامل نہیں کی گئی۔ (84)

\* احتیاط کی تیسری مثال سورۃ التوبہ کی آخری آیت ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کی کمیٹی کے دیگر ارکان کی طرح یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی یاد تھی لیکن انہوں نے اسی معیار پر عمل کیا۔ اور یہ آیت چونکہ اسی معیار پر پورا نہیں اتر رہی تھی۔ اس لئے اسے قبول نہیں کیا گیا۔ اسی وقت انہیں شامل قرآن کیا گیا جب وہ معیار پر پورا اتری۔ (85)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ

”میں نے ان آیات کو صرف ابو خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پایا“، (86)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ خبر واحد کے ساتھ قرآن کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بذات خود یہ آیات حضور ﷺ سے سنی تھیں۔ اور ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ آیات کہاں اور کس سورۃ سے متعلق ہیں۔ اس ضمن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تلاش تائید و تقویت کے لئے تھی۔ اس لئے نہیں کہ آپ قبل ازیں ان آیات سے آگاہ نہ تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہتمام سے جمع و تدوین قرآن کا کام ایک سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا اس کام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنظر استئمان دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کام کے بارے میں فرمایا۔

”رحم اللہ ابا بکر، ہو اول من جمع کتاب اللہ بین اللوحین۔“ (87)

”اللہ تعالیٰ، ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو بین اللوحین جمع کیا“

ان تمام تفصیلات سے ایک انصاف پسند انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ کیا مسلمان طویل عرصہ تک قرآن مجید کے متن کو محفوظ کرنے کے بارے میں لاپرواہ رہے اور کیا عہد نبوی ﷺ و عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہم میں کوئی نسخہ مرتب نہیں ہوا تھا۔ ایک طرف اس قدر اہتمام و احتیاط سے تیار ہونے والا نسخہ ہے اور دوسری طرف مستشرقین کی یہ رٹ کہ قرآن کا کوئی نسخہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ تک تیار نہ ہو سکا، کسی طرح بھی قرین حقیقت اور قرین عقل و انصاف نہیں ہے۔

## عہد عثمانی رضی اللہ عنہم میں جمع قرآن

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت تک اسلامی مملکت و وسیع علاقے تک پھیل چکی تھی۔ اور عرب کے علاوہ عجم کے علاقے اسلامی حکومت کا حصہ بن چکے تھے۔ قرآن مجید لوگوں کا مرکز و محور تھا۔ لوگوں کی سہولت کے لیے بعض مقامات پر ایک سے زیادہ طریقوں سے پڑھنے کی اجازت بھی موجود تھی۔ دوسری طرف سببہ اُحرف، بھی موجود تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ان سات حروف کے ساتھ قرآن پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے شاگردوں کو بھی انہی کے مطابق پڑھایا۔ جب اسلامی مملکت کی حدود عجم تک وسیع ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان علاقوں میں بھی پھیل گئے۔ ہر مفتوحہ علاقے میں سرکاری طور پر معلمین متعین کئے جاتے تھے (88) اس طرح معلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے سببہ اُحرف کے مطابق قرآن پڑھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم عرب و عجم کے وسیع علاقے میں پھیل گئے۔ جب تک لوگ سببہ اُحرف کی حقیقت سے آگاہ تھے اس وقت تک مسئلہ پیدا نہ ہوا۔ لیکن جب یہ اختلاف دو دراز علاقوں تک پھیل گیا اور جن لوگوں پر یہ بات واضح نہ تھی کہ سببہ اُحرف کی سہولت کا اصل مقصد کیا تھا۔ اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن کریم

سات حروف میں نازل ہوا ہے تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے کھڑے ہونے لگے۔ بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے (89) ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر اور جائز قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے دوسری طرف یہ مسئلہ بھی تھا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ، جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، کے علاوہ پورے عالم اسلام میں کوئی معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لیے معیار اور حجت بن سکے۔ کیونکہ اس نسخے کے علاوہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ اس لئے جھگڑوں کے حل کی کوئی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دئے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کوئی قراءت درست اور کوئی غلط ہے؟ متن قرآن پر کسی اختلاف سے بچنے کے سلسلے میں یہ عظیم الشان کارنامہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رونما ہوا۔ ان کے اس کارنامے کی تفصیلات، روایات میں موجود ہیں۔ حضرت خذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں مصروف تھے وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ واپس آتے ہی انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور پوری صورت حال واضح کی۔ انہوں نے خذیفہ سے کہا کہ قبل اس کے کہ یہ امت کتاب اللہ کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہو جائے۔ آپ اس اختلاف کا علاج فرمائیں۔ میں آرمینیا کے محاذ پر مصروف جہاد تھا کہ میں نے دیکھا کہ شام کے رہنے والے لوگ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں پڑھتے ہیں جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوتی۔ اور اہل عراق، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں پڑھتے ہیں جو اہل شام نے نہیں سنی ہوتی۔ اس بناء وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔ (90)

اس سلسلے میں علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

إن حذيفة قدم من غزوة فلم يدخل بيته حتى أتته عثمان فقال: يا أمير المؤمنين! أدرك الناس. قال: وما ذاك؟ قال: غزوت أرمينية فإذا أهل الشام يقرؤون بقرأة أبي بن كعب فيأتون بما لم يسمع أهل العراق وإذا أهل العراق يقرؤون بقرأة عبد الله ابن مسعود فيأتون بما لم يسمع أهل الشام، فيكفر بعضهم بعضاً..... (91)

”حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک غزوة سے واپسی ہوئی تو واپسی پر وہ اپنے گھر میں داخل نہیں ہوئے تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المؤمنین لوگوں کی خبر لیجئے۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا میں لڑائی کے سلسلے میں آرمینیا گیا تو معلوم ہوا کہ اہل شام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں پڑھتے ہیں جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوتی اور اہل عراق عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا ہوتا۔ اس اختلاف کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔“

حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان کا واقعہ بخاری شریف میں یوں بیان ہوا ہے:

عن ابن شهاب أن أنس بن مالك حدثه أن حذيفة بن اليمان قدم على عثمان وكان يغازي أهل الشام في فتح أرمينية وأذربيجان مع أهل العراق، فأفزع حذيفة اختلافهم في القرأة، فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين! أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف

اليهود والنصارى. فأرسل عثمان إلى حفصة أن أرسلني إلينا بالصحف ننسخها في المصاحف، ثم نردها إليك. فأرسلت به حفصة إلى عثمان، فأمر زيد بن ثابت وعبدالله ابن زبير وسعيد بن العاص وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف، وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة: إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما أنزل بلسانهم. ففعلوا، حتى إذا نسخوا الصحف في المصاحف، فردّ عثمان الصحف إلى حفصة، وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سوا من القرآن في محل صحيفة أو مصحف أن يحرق. (92)

”حضرت خذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عثمان غنیؓ کے پاس آڈر بائجان کے معرکے کے بعد حاضر ہوئے انہیں قراءت قرآن میں باہمی اختلاف نے بہت پریشان کیا تھا۔ حضرت خذیفہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا اے امیر المؤمنین! اس امت کی خبر لیجئے قبل اس کے کہ وہ اپنی کتاب میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگے۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس قرآن حکیم کے نوشتہ صحیفے اور اجزاء بھیج دیں ہم انہیں نقل کر لیں گے اور ایک مصحف کی شکل میں جمع کر لیں گے پھر انہیں آپ کی طرف لوٹا دیں گے۔“

حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمان غنیؓ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ کو متعین فرمایا کہ وہ ان صحائف کو ایک مصحف میں نقل کریں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اور حضرت عثمان غنیؓ نے جماعت قریش کے تینوں افراد (عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن حارثؓ) کو فرمایا کہ جب تم اور حضرت زید بن ثابتؓ میں قرآن کریم کی کسی آیت کے لکھنے میں اختلاف ہو تو پھر اسے لغت قریش میں لکھنا کیونکہ قرآن لغت قریش میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ان حضرات نے اسی پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ جب یہ حضرات ان صحائف کو نقل کر چکے تو حضرت عثمان غنیؓ نے ان اصل صحائف کو حضرت حفصہؓ کی طرف واپس لوٹا دیا۔ اور ہر علاقے میں ایک ایک مصحف ارسال کر دیا اور یہ حکم صادر فرمایا کہ ان کے علاوہ جو مجموعے اور صحیفے لوگوں کے پاس لکھے ہوئے موجود ہوں ان کو جلا دیا جائے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں پیدا ہونے والے ان اختلافات کے بارے میں ابن اثنہ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے:

اختلفوا في القرآن على عهد عثمان رضى الله عنه حتى اقتتل الغلمان والمعلمون، فبلغ ذلك عثمان ابن عفان فقال: عندي تكذيبون وتلحنون فيه، فمن نأى عني كان أشد تكذيباً وأكثر لحناً، يا أصحاب محمد اجتمعوا فكتبوا للناس إماماً (93)

حضرت عثمان غنیؓ خود بھی شاید اس خطرے سے آگاہ تھے۔ انہیں اس بات کی اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ منورہ کے اندر ایسے واقعات پیش آئے کہ مختلف صحابہؓ کے شاگرد اکٹھے ہونے سے اختلاف کی ایک کیفیت پیدا ہو رہی تھی (94) جب حضرت عثمان غنیؓ نے جلیل القدر صحابہؓ کو جمع کیا اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے اور یہ

بات کفر تک پہنچ سکتی ہے۔ لہذا آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کیا سوچا ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق باقی نہ رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی۔“

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسی وقت لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ  
 ”أنتم عندي تختلفون فيه وتختلفون فمن نأى عني من أهل الأعصار أشد فيه اختلافاً وأشد  
 لحناً، اجتمعوا يا أصحاب محمد (ﷺ)! فاكتبوا للناس إماماً. (95)

تم لوگ مدینہ منورہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب و اختلاف کرتے ہوں گے۔ لہذا تم لوگ قرآن کریم کا ایک ایسا نسخہ تیار کرو جو سب کے لیے واجب الاقتداء ہو۔

مصحف عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وضاحت سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ قرآن مجید کا ایک مصحف تیار کروانے کی اس وقت اشد ضرورت تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی سیاسی پالیسی یا ذاتی مقاصد کے لئے یہ سب کچھ کیا۔ آذربائیجان سے واپسی کے فوراً بعد حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا امیر المؤمنین کے پاس آنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اس اختلاف سے بڑے پریشان تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ اس انداز سے پیش کیا کہ وہ بھی اس کی سنگینی کو فوراً سمجھ گئے۔ اس صورتحال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کیا کہ اگر یہی صورت حال برقرار رہی اور انفرادی مصاحف ختم کر کے قرآن کریم کے معیاری نسخے عالم اسلام میں نہ پھیلانے گئے تو زبردست فتنہ رونما ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے مندرجہ ذیل کام کئے۔

① قرآن کریم کے سات معیاری نسخے تیار کروائے اور انہیں مختلف اطراف میں روانہ کیا۔  
 ② یہ سات نسخے درحقیقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والے نسخے کی نقل تھے۔ متن کے اعتبار سے ان دونوں مصاحف میں کوئی فرق نہ تھا۔ صرف رسم الخط کا فرق تھا۔ اس میں قریش کی لغت کو بنیاد بنایا گیا۔ ان مصاحف کا رسم الخط ایسا رکھا کہ اس میں ’ساتوں حروف‘ ساکسیں۔ چنانچہ یہ مصاحف نقاط اور حرکات سے خالی تھے اور انہیں ہر حرف کے مطابق پڑھا جاسکتا تھا۔ (جمع عثمانی کی حقیقی نوعیت صرف یہ نہیں ہے کہ وہاں نسخہ ہوا تھا بلکہ وہ بھی ایک باقاعدہ جمع تھی۔ تفصیل کے لئے مذکورہ شمارہ میں مضمون ’جمع عثمانی روایات کے تناظر میں‘ ملاحظہ فرمائیں، نیز رسم مصحف خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تیار کردہ ہے یا توقیفی ہے اس بارہ میں قراءات نمبر حصہ اول اور دوم میں مضمون ’رسم عثمانی کی شرعی حیثیت‘ دیکھ سکتے ہیں۔) (ادارہ)

③ جتنے انفرادی نسخے لوگوں نے تیار کر رکھے تھے ان سب کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اگر لوگوں کے انفرادی نسخے باقی رہتے تو اختلاف کی بنیاد باقی رہتی۔ لوگ پھر بھی الگ الگ نسخوں کو بنیاد بنائے رکھتے۔ اس لئے انہیں ختم کرنا ہی قرین مصلحت تھا۔

④ یہ پابندی عائد کر دی کہ آئندہ جو نسخے لکھے جائیں وہ اسی کے مطابق تیار کئے جائیں۔

⑤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ نسخے میں الگ الگ سورتیں تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سورتوں کو

مرتب کر کے ایک مصحف کی شکل دے دی۔ (96)

ان اقدامات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ تمام عالم اسلام میں رسم الخط اور ترتیب سور کے اعتبار سے تمام مصاحف میں یکسانیت ہو۔ اس بات کی وضاحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے ہو جاتی ہے۔ جو ابن داؤد نے کتاب المصاحف میں نقل کی ہے۔

قال علي: لا تقولوا في عثمان إلا خيراً، فوالله! ما فعل الذي فعل في المصاحف إلا عن ملائنا. قال: ما تقولون في هذه القرءة فقد بلغني أن بعضهم يقول: إن قراءتي خبير من قراءتك وهذا يكاد أن يكون كضراً. قلنا: فما ترى؟ قال: أرى أن نجمع الناس على مصحف واحد فلا تكون فرقة ولا اختلاف. قلنا: فنعم ما رأيت. (97)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے علاوہ نہ کہو کیونکہ انہوں نے اللہ کی قسم مصاحف کے بارے میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں کیا۔ انہوں نے ہم سب سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ ان قراءتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیونکہ مجھے اطلاعات مل رہی ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے حالانکہ یہ ایسی بات ہے کہ جو کفر کے قریب تر پہنچتی ہے۔“ اس پر ہم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پھر آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ کوئی افتراق و اختلاف باقی نہ رہے۔ ہم سب نے کہا کہ آپ نے بڑی اچھی رائے قائم کی۔“

اس روایت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے الفاظ ”أن نجمع الناس على مصحف واحد“ ہمارے موضوع کے اعتبار سے خاص توجہ کے حامل ہیں کہ آپ نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ ہم ایک مصحف تیار کرنا چاہتے ہیں جو پورے عالم اسلام کے لیے یکساں اور معیاری ہو اور اس کے بعد کسی صحیح قراءت کے انکار یا منسوخ یا کسی شاذ قراءت پر اصرار کی کسی کے پاس گنجائش باقی نہ رہے۔ علامہ مقرئ اپنی کتاب نفع الطیب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تیار کردائے ہوئے مصحف پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

هَذَا مَا جَمَعَ عَلَيْهِ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ زَيْبِرٍ وَسَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ (97-a)

اس کے بعد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام بھی درج ہیں جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس کام پر اجماع کیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رضی اللہ عنہ کو امت مسلمہ میں عظیم محقق اور بلند پایہ عالم کی حیثیت حاصل ہے ہمارے اس موضوع زیر نظر کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا۔ مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ حفاظت خداوندی کا ظہور اس طرح ہوا کہ چند صالح بندوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس کی جمع و تدوین کی خدمت سرانجام دیں اور تمام دنیا کے مسلمان ایک نسخہ قرآنی پر متفق ہو جائیں اور عظیم جماعتیں اس کی تعلیم و تلاوت میں مشغول رہیں تاکہ سلسلہ تواتر ٹوٹ نہ جائے۔ اس کی تکمیل اس طرح ظہور میں آئی کہ عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور اجماع سے تمام مصاحف میں سے ایک مصحف (جو عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے تیار کروایا تھا) پر اتفاق کیا گیا۔ جس میں شاذ

قرآن میں نہیں لی گئیں بلکہ متواتر قراءتیں ہی لی گئیں اور قبائل عرب کی سات زبانوں (سبعہ احرف) میں سے جن پر قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ (اور اس کے پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی ان لوگوں کو جو لغت قریش کے پڑھنے سے عاجز ہوں) ایک لغت قریش کو لے لیا گیا اور باقی لغات کے مصحف متروک کر دیئے گئے، (b-97)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے 'مشورہ اور اجماع' سے ایک نسخہ تیار کیا گیا، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس سے یہی بات ثابت ہوئی کہ یہ کاروائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذاتی کام نہ تھا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ شامل تھے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا کام بلاوجہ نہیں کیا تھا نہ ہی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خصوصی مخفی مقصد تھا۔ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کوئی نئی چیز نہ تھا بلکہ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نسخہ کی نقل تھا۔ ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے اہتمام سے تمام مسلمانوں کی شمولیت اور اجماع سے ایک متفقہ سرکاری نسخہ قرآن تیار کروایا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو 'جمع قرآن' کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس سوال کا جواب ایک تو اب تک پیش کی گئی تفصیلات سے مل جاتا ہے کہ تلاوت قرآن میں 'سبعہ احرف' کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا اس اختلاف کو دفع کرنا مقصود تھا۔ اس کے علاوہ اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل تفصیل سے بھی مل جاتا ہے۔

جمع صدیق رضی اللہ عنہ اور جمع عثمانی رضی اللہ عنہ میں فرق بیان کرتے ہوئے علامہ ابن التین کہتے ہیں۔

”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کرنے میں یہ فرق تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خوف سے جمع کیا تھا کہ قرآن کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ اس وقت متفرق و منتشر صحیفوں میں تھا۔ انہوں نے ان سب اور اق کو لے کر آیات اور سورتوں کی اسی ترتیب کے ساتھ جس ترتیب کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا اور پڑھایا تھا ایک شیرازہ میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب وجوہ قراءت میں لوگوں کو اختلاف کرتے ہوئے دیکھا تو اس وقت قرآن کو صحیح قراءت کے ساتھ جو عرضہ اخیرہ کے مطابق تھی اور جس کی صحت میں مطبق شبہ نہ تھا نقل کر دیا تاکہ اختلافات قراءت رفع ہو جائیں۔ انہوں نے ترتیب میں نہ تقدیم کی نہ تاخیر۔ نہ اس میں کسی تاویل کو دخل دیا۔ صرف قراءت میں لوگوں کے شبہ یا فساد کرنے سے قرآن کو محفوظ کر دیا،“ (98)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن التین کے علاوہ بھی کچھ علماء کا یہی نقطہ نگاہ نقل کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن جمع کرنے کی یہ شکل ہوئی کہ جس وقت وجوہ قراءت میں بکثرت اختلاف پھیل گیا اور یہاں تک نوبت آگئی کہ لوگوں نے قرآن مجید کو اپنی اپنی قراءتوں میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ عرب کی زبانیں بڑی وسیع ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک زبان کے لوگ دوسری زبانوں والوں کو برسر عام غلط قرار دینے لگے اور اس معاملے میں سخت مشکلات پیش آنے لگیں اور بات بڑھ جانے کا خوف پیدا ہو گیا اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے صحف کو ایک مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا اور تمام عرب کی زبانوں کو چھوڑ کر محض قبیلہ قریش کی زبان پر اکتفا کر لیا۔ اس بات کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ نے دلیل یہ دی کہ قرآن مجید کا نزول دراصل قریش کی زبان میں ہوا تھا۔ اگرچہ وقت اور مشقت دور کرنے کے لیے اس کی قراءت غیر زبانوں میں بھی کر لینے کی گنجائش دے دی گئی تھی۔ لیکن اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

تاریخ

رائے میں وہ ضرورت مٹ چکی تھی۔ لہذا انہوں نے قرآن کی قراءت کا انحصار محض ایک ہی زبان یعنی زبان قریش میں کر دیا۔ (99)

قاضی ابوبکر 'الانتصار' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان اختلافات کو مٹایا جو اس وقت موجود تھے اور آپ نے آئندہ نسلوں کو فساد سے بچایا۔ (100)

علامہ حارث محاسبی لکھتے ہیں کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن کریم، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمع کروایا۔ لیکن درحقیقت یہ بات درست نہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو صرف یہ کیا کہ اپنے اور اپنے پاس موجود ہونے والے مہاجرین و انصار کے باہمی اتفاق رائے سے عام لوگوں کو ایک ہی وجہ قراءت پر آمادہ بنایا۔ (101)

● علامہ بدرالدین عینی رضی اللہ عنہ نے عمدۃ القاری میں اس سلسلے میں لکھا ہے:

إنما فعل عثمان هذا ولم يفعل الصديق لأن غرض أبي بكر كان جمع القرآن بجميع حروفه ووجوهه التي نزل بها وهي لغة قريش وغيرها وكان غرض عثمان تجريد لغة قريش من تلك القرآن و قد جاء ذلك مصرحا في قول عثمان لهؤلاء الكتاب فجمع أبو بكر غير جمع عثمان. (102)

”یہ جو کچھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کیا کہ لغت قریش کے علاوہ دیگر لغات قرآن مجید کے رسم الخط سے حذف کر دیئے۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے کا جمع کرنا تھا۔ یہ کام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا تھا کیونکہ ان کی غرض تو قرآن کا جمع کرنا تھا ان تمام وجوہ و لغات کے ساتھ جن پر قرآن نازل ہوا اور وہ لغت قریش اور اس کے علاوہ دیگر لغات بھی تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی غرض یہ تھی کہ لغت قریش کو بقیہ لغات سے جدا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس بات کی تصریح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قول میں موجود ہے جو انہوں نے کاتبین قرآن کو فرمایا تھا۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جمع کرنا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جمع کرنا اور تھا۔“

ان روایات کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے علمائے اسلام نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل کی یہی تشریح کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مقصد قرآن مجید کے کسی 'حرف' کو ختم کرنا نہ تھا بلکہ انہیں تو اس بات کا افسوس تھا کہ بعض لوگ درست حروف کا انکار کر رہے ہیں۔ اور بعض لوگ آپس میں جھگڑنے لگے تھے۔ اسی مقصد کے لیے آپ رضی اللہ عنہ نے معیاری نسخہ تیار کروایا۔ یہی نقطہ نگاہ ابن حزم رضی اللہ عنہ نے الفصل فی الملل (103) میں، مولانا عبدالحق رضی اللہ عنہ نے تفسیر حنفی (104) کے مقدمہ البیان میں اور علامہ زرقانی رضی اللہ عنہ نے 'مناهل العرفان' (105) میں نقل کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تو ایسا رسم الخط اختیار فرمایا کہ اس کے اختیار کرنے سے ایک ہی لفظ کو تمام جائز حروف میں پڑھنے والے اپنے اپنے 'حرف' کے مطابق پڑھ سکیں۔ یہ اقدام 'سبعہ احرف' کو محفوظ کرنا تھا نہ کہ انہیں ضائع کر دینا۔

اگرچہ قرآن کریم بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم کو زبانی یاد تھا۔ تاہم لوگوں نے اپنے اپنے ہاں لکھا بھی ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو نسخہ تیار کروایا تھا اس میں اس بات کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا کہ سبعہ احرف کے نتیجے میں لکھے گئے ان ذاتی مصاحف کو ختم کر دیا جائے۔ لوگوں کے پاس ذاتی مصاحف بھی موجود رہے۔ (106) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کے زمانے میں اس قسم کا کوئی امکان نہ تھا کہ قرآن کے بارے میں مسلمان کسی مشکل کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ اس وقت تک اسلام ابھی ایک علاقے تک محدود تھا لیکن جب اسلام بلا دو امصار میں پھیل گیا تو حافظے کے



ساتھ ساتھ کتابت کی بھی یکساں اہمیت محسوس کی جانے لگی۔ بلا دو امصارع کے مسلمانوں کو اب ایک ایک طریقے کے مطابق قرآن پڑھایا گیا کہ یہ بات ان میں عملاً معروف نہ ہوئی کہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا ہے۔ اس لئے ان میں اختلافات پیدا ہونے لگے۔ ساتھ ہی انفرادی طور پر تیار کئے ہوئے مصاحف بھی کسی نہ کسی حرف کے مطابق تھے اور ان کے آپس میں اختلافات تھے۔ لیکن ایک معیاری نسخہ موجود نہ تھا۔

### کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سیاسی مقاصد کے لئے قرآن جمع کروایا تھا؟

گذشتہ صفحات میں ہم نے عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں قرآن مجید کے ایک متفقہ نسخہ کی تیاری کا پس منظر، ضرورت اس کی تیاری اور اس کے بعد اس کے نفاذ کی تفصیلات بیان کر دی ہیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں مستشرقین کے پیدا کردہ کئی ایک ابہام خود بخود ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ مثلاً ان تفصیلات سے مندرجہ ذیل اعتراض خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

- ① مصحف عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تیاری محض بے مقصد کام نہ تھا بلکہ اس کی تیاری کا جواز اور ضرورت موجود تھی۔
- ② یہ نسخہ کوئی نیا نسخہ نہ تھا بلکہ مصحف صدیق رضی اللہ عنہ کی مکمل نقل تھی۔
- ③ بعض پہلوؤں سے یہ مصحف، مصحف صدیق رضی اللہ عنہ سے مختلف تھا (مصحف صدیق رضی اللہ عنہ میں سب سے اعراض سے تعرض نہیں کیا تھا جبکہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ میں ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا ہے کہ جس میں تمام جائز قرآتیں سما سکیں) مستشرقین کے مزید اعتراضات کے جواب ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔ ہمارے جوابات مندرجہ ذیل ترتیب کے حامل ہیں۔



① کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سیاسی مقاصد کے لئے قرآن مجید کو جمع کروایا تھا؟ اور کیا یہ ان کی ذاتی کاروائی تھی اور دیگر اراکین کمیٹی ان کے ہموا بن گئے تھے؟

② کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید سے وہ حصے حذف کر دیئے تھے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مناقب کا ذکر تھا؟

③ آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کا 6/7 حصہ ضائع کر دیا اور صرف 1/7 حصہ باقی رہنے دیا۔

④ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سورة الاحزاب کی آیت من المؤمنین رجال..... صرف حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ہی ملی۔

⑤ یہ اعتراض کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک طرف فرمایا کہ اگر لکھنے والوں میں اختلاف ہو تو قریش کے رسم الخط کو ترجیح دی جائے اور دوسری طرف کہا گیا کہ انہوں نے ساتوں حروف کو باقی رکھا اس طرح قریش کے رسم الخط کو باقی رکھنے کا مطلب کیا ہوا؟

⑥ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کی جو کاروائی کی اس کی ضرورت نہ تھی۔

⑦ اگر قرآن عہد نبوی اور اس کے بعد عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں جمع ہو چکا تھا تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ایسا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

⑧ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کا تیار کروایا ہوا مصحف پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس میں 'لحن' ہے۔ لوگ خود ہی درست کر لیں گے۔ گویا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس کاروائی کی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

کیا حضرت عثمان غنیؓ نے سیاسی مصلحت اور مقاصد کے تحت قرآن مجید کا نسخہ تیار کروایا تھا؟ اس اعتراض کا رد ہم مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں کر سکتے ہیں:

① یہ کاروائی محض آنا فانا عمل میں نہیں آگئی بلکہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی شکایت اور حالات کی سنگینی کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے ایک مصحف کی تیاری کا حکم فرمایا تھا۔ (حضرت حذیفہؓ کی شکایت اور آذر بائجان کے سفر کی رپورٹ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے)

② آپؓ نے یہ کاروائی اکیلے ہی نہیں کی بلکہ صحابہؓ کا مشورہ اس میں شامل تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے یہ کاروائی ذاتی طور پر نہیں کی بلکہ اس کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ بخاری شریف اور الاقان میں ان حضرات کی تعداد چار بیان کی گئی ہے۔ ان میں

① حضرت زید بن ثابتؓ ② حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

③ حضرت سعید بن العاصؓ ④ حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ

شامل تھے۔ (107) جبکہ ابن ابی داؤد نے محمد بن سیرین کے طریق پر کثیر بن اُح سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا جس وقت حضرت عثمان غنیؓ نے مصحف لکھوانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس غرض سے بارہ مشہور آدمی قریش اور انصار میں سے جمع کئے اور ان کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ قرآن لکھیں (108)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اس سلسلے میں تفصیلات بیان کی ہیں اور ان دو متناقض روایات کی وضاحت کی ہے کہ اس کمیٹی کے ارکان کی تعداد چار تھی یا بارہ؟ ان کی اس وضاحت کا خلاصہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہ کام چار اصحابؓ ہی کے سپرد تھا لیکن دیگر صحابہؓ کو بھی ان کی مدد پر مامور کر دیا گیا تھا۔ ان اصحابؓ میں ابی ابن کعب، کثیر بن اُح، مالک بن ابی عامر، انس بن مالک، ابن عباسؓ وغیرہ شامل تھے (109)

بارہ اصحابؓ والی روایت کا تنقیدی جائزہ صحیحی صالح نے 'مباحث فی علوم القرآن' میں لیا ہے۔ وہ اس روایت کو معتبر نہیں سمجھتے ڈاکٹر صحیحی صالح نے اس ضمن میں مستشرقین جن میں بلاشر وغیرہ شامل ہیں، کے خیالات کا بڑے موثر انداز سے رد کیا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم مستشرقین کے اس موقف کا رد ڈاکٹر صحیحی صالح کے بیان کی روشنی میں کریں گے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے محض سیاسی مقاصد کے حصول اور سیاسی پالیسی کے طور پر قرآن میں مدخلت کی تھی اور اپنی مرضی کا ایک نسخہ تیار کروایا تھا۔ اور اس کمیٹی کے ارکان، حضرت عثمان غنیؓ کے آدھ کار بن گئے اور گٹھ جوڑ کر کے ایک نیا نسخہ تیار کر لیا (110)

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:

حضرت عثمان غنیؓ کی اس کاروائی کا اصل محرک وہ اختلافات تھے جن کی نشاندہی حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے آذر بائجان سے واپسی پر کی تھی۔ لیکن مستشرقین اس کاروائی کا محرک سیاسی مقاصد کا حصول قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں بلاشر پیش پیش ہے جس نے جمع و تدوین قرآن کے بارے میں حضرت عثمان غنیؓ کی نیت پر حملے کئے ہیں یہ تمام حملے بالکل بے بنیاد ہیں۔ مستشرقین کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے کہ جس سے ثابت کیا جاسکے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے پیش نظر سیاسی مقاصد کا حصول تھا اور آپ نے یہ کاروائی اس لئے بھی کی کہ مہاجرین کی

ب

اہمیت جتنائی جاسکے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صحیحی صالح نے بلاشرکاء حوالہ دیا ہے۔<sup>(111)</sup>

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ یہ اہتمام محض مستشرقین کی الزام تراشی سے اور عبث قیاس آرائیوں کا آئینہ دار ہے اور کسی تاریخی روایت سے ان کے اس دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ کوئی دانشمند شخص یہ بات درست تسلیم نہیں کر سکتا کہ امام بخاری جیسے محدث کے مقابلے میں جو کہ ثقاہت و امانت اور حفظ و ضبط میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، مستشرقین کی ان بے سرو پا باتوں کو ترجیح دی جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں جو کمیٹی بنائی تھی اس بارے میں بھی مستشرقین نے بے سرو پا باتیں کی ہیں۔ یہ کمیٹی چار حضرات پر مشتمل تھی<sup>(112)</sup> ڈاکٹر صحیحی صالح لکھتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ محدث ابن ابی داؤد ایک ہی مسئلہ کے بارے میں مختلف روایات نقل کرنے کے شائق رہتے ہیں اگرچہ ان میں واضح تضاد پایا جاتا ہو اس پر مزید یہ کہ وہ مسئلہ زیر بحث میں امام بخاری رضی اللہ عنہ کی ذکر کردہ چار اشخاص پر مشتمل کمیٹی کا ذکر کرتے ہیں جو دو صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ پر مشتمل تھی۔ اس طرح ایک کمیٹی کا ذکر کرتے ہیں جو بارہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے ان خیالات پر ایک مستشرق ہی نے کلام کیا ہے۔ یہ مستشرق پچوالے (Schwally) ہے۔ اس نے جرح و قدرح کی ہے۔ مستشرق بلاشر (Blachere) اس پر تعجب و حیرت کا اظہار کرتا ہے کہ حضرت ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی کمیٹی کا بھی ذکر کیا ہے جس کے ایک رکن حضرت ابنی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حالانکہ وہ اس کا روائی سے دو برس قبل وفات پا چکے تھے<sup>(113)</sup> کمیٹی کی تشکیل اور اس کے ارکان کی تعداد میں اس طرح کی روایات کا ذکر کرنے کا مقصد ان کے نزدیک یہ ہے کہ حفاظت قرآن کی ساری تاریخ کو مشکوک بنا دیا جائے۔

اس کمیٹی کے ارکان کی تعداد کے علاوہ مستشرقین نے ان حضرات کی ذات پر بھی اعتراضات کئے ہیں۔ اس سلسلے میں بلاشر نے طرح طرح کی قیاس آرائیوں سے کام لیا ہے وہ پہلے تینوں قریشی صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرح امراء و خواص میں شمار کرتا ہے۔ یہ مستشرقین یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت و کردار کا کیا عالم تھا اس معاشرے کا نقشہ بھی ان کے ذہنوں میں موجود نہیں ہے۔ اس معاشرے میں عوام اور خواص کا تصور کہاں باقی رہ گیا تھا۔ اس معاشرے میں تو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلیفہ ہوتے ہوئے لوگوں کی بکریوں کا دودھ دوھا کرتے تھے۔ خلیفہ ثانی جن کی بیعت سے دشمنوں کے دل کانپتے تھے۔ راتوں کو بھیس بدل کر لوگوں کی خدمت کے لیے مدینہ کی گلیوں کا چکر لگایا کرتے تھے۔ ہم خود مستشرقین کی کتابوں سے ایسی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ یہ بزرگ تقویٰ اور پرہیز گاری میں کس مقام پر فائز تھے۔ کیا یہ لوگ تقویٰ کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہوئے بھی قرآن میں من مانی تبدیلیاں کرنے کی خاطر مختلف حربے اختیار کر سکتے تھے۔ اس معاشرے میں نہ اس قسم کی کسی کاروائی کا امکان ہو سکتا تھا اور نہ ہی خواص و عوام کی کوئی تقسیم وہاں موجود تھی۔ جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت سے سرسبز مواخذہ ہو سکتا تھا وہاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس قسم کی کاروائیوں پر لوگ کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟<sup>(114)</sup>

بلاشر مزید لکھتا ہے کہ یہ تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ اس لئے وہ ایک مشترکہ مصلحت کے حصول کی خاطر باہم متفق ہو گئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کتابت قرآن کے کام کی تکمیل کسی ایسے

شخص کے ہاتھوں ہو جو مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا رہنے والا ہو۔ بلاشراس من گھڑت قصہ کی تکمیل یوں کرتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کی صحابیوں رضی اللہ عنہم کے ہم خیال بن گئے تھے اور ان کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ قریش مکہ کے طبقہ خواص میں شامل نہیں ہیں اس لئے وہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی خوشامد کو قرین مصلحت خیال کرتے تھے۔ (115)

بلاشرکہ یہ خیالات دور از عقل و قیاس اور لایعنی ہیں ان خیالات میں تناقض و تضاد پایا جاتا ہے۔ اگر ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاشرے کے تقویٰ اور احتیاط کی ایک جھلک ذہن میں رکھیں تو اس قسم کی حرکت کسی ذی ہوش انسان کے قلب و دماغ سے کوسوں دور بگھاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نظریات کے بطان کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ بلاشرنے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ گھ جوڑ میں ملوث کر کے انہیں بلاوجہ مہم کیا ہے۔ اس کی کوئی نقلی یا عقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ بلاشرکہ خیالات کے رد کے لیے مندرجہ ذیل باتیں قابل غور ہیں۔

① تحقیق ہمیشہ استدلال کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ استدلال یا تو تاریخی شواہد کی بنا پر ہوتا ہے یا مختلف شواہد سے بالواسطہ طور پر نتائج اخذ کئے جاتے ہیں لیکن بلاشرکہ اس نقطہ نگاہ کے پیچھے کوئی بلاواسطہ یا بالواسطہ استدلال موجود نہیں ہے۔ دوسری طرف انصاف اور اصول کا تقاضا ہے کہ جب وہ کوئی دلیل اپنے نقطہ نگاہ کی تائید میں پیش نہیں کرتا تو اس کی بات تسلیم نہ کی جائے۔ خصوصاً جب وہ ایسی بات کر رہا ہو جو مسلمات کے برعکس ہو۔ اس صورت میں مسلمانوں ہی کے اس نقطہ نگاہ کو درست تسلیم کیا جائے گا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس کاروائی کے پیچھے نہ کوئی سازش کارفرما تھی، نہ کوئی گھ جوڑ ہوا اور نہ ہی اس کاروائی سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم خصوصی اغراض حاصل کرنا چاہتے تھے (116)

② صحابہ رضی اللہ عنہم جہاں تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے وہاں وہ قرآن و حدیث کے بارے میں حد درجہ محتاط بھی تھے۔ وہ حضور ﷺ کے ان ارشادات کی اہمیت خوب جانتے اور ان پر عمل پیرا تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ». (117)

”جس نے میرے بارے میں جھوٹ بات کہی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“

ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے «مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَرَأِي فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ». (118)

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

③ یہی مستشرق خود تسلیم کرتے ہیں کہ اس کمیٹی کے ارکان حد درجہ متقی اور محتاط تھے۔

بلاشر (Blachare) لکھتا ہے:

”اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ کمیٹی کے ارکان کو اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا۔ اگرچہ وہ ان دنوں تنقید و تبصرہ کے طرز و انداز سے پوری طرح آشنا نہ تھے، (119)

اس کی دونوں باتوں میں تضاد ہے ایک طرف ان کو ذمہ دار اور متقی قرار دیتا ہے اور دوسری طرف قرآن جیسی کتاب میں تحریف کی سازش میں ملوث قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک بات ہی درست ہو سکتی ہے اور ہم اس بات کو درست کہیں گے جسے تاریخ اور دلائل و شواہد درست قرار دیں۔

ہم اس سلسلے میں ولیم میور کی وضاحت بھی پیش کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنے ساتھی مستشرقین کے موقف کو رد کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ اس نظر ثانی میں علماء نے آیات اور قراءتوں میں سے ایک ایک آیت کا پہلے نسخے سے مقابلہ کیا (120) اس کمیٹی میں قریبی صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کو اس لئے شامل کیا گیا کہ قرآن انہی کے لب و لہجہ میں نازل ہوا تھا۔ (121) میور نے بھی اس مصحف کی تیاری کا یہ جواز تسلیم کیا ہے کہ آذربائیجان میں لوگوں کے اندر قرآن کی تلاوت پر اختلافات دیکھنے میں آئے تھے۔ (122)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیگر چند لوگوں سے مل کر اپنی پسند کا ایک نسخہ تیار کروایا تھا اس الزام کا رد ہم مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں بھی کر سکتے ہیں۔

① حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کے کام کا آغاز کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کمیٹی کے سامنے آیت رجم پیش کی۔ لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے قرآن میں شامل نہیں کیا (125) اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ مستشرقین بیان کرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی حیثیت استعمال کر کے یہ آیت قرآن میں شامل کروا سکتے تھے۔ لیکن یہ آیت چونکہ قرآن کا حصہ نہ تھی اس لئے اسے شامل قرآن نہیں کیا گیا۔ (یہ اب منسوخ ہو چکی تھی)

② حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سورۃ التوبہ کی آخری آیت **لِي لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ...** [التوبہ: 118] صرف ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ملی۔ لیکن جب تک اس آیت کے بارے میں بھی وہ شرائط پوری نہ ہوئیں جو اس وقت ملحوظ رکھی جاسکتی تھیں اس وقت تک اسے قرآن میں شامل نہیں کیا گیا۔ یہی معاملہ عہد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں سورۃ الاحزاب کی آیت **﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ...﴾** [الأحزاب: 23] کے ساتھ پیش آیا تھا۔ (124)

③ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کچھ ذاتی مخصوص مقاصد تھے تو ان کی تکمیل کے لیے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان صحابہ کی بجائے کمیٹی میں شامل کر کے اپنے مقصد کی تکمیل کر سکتے تھے۔

④ مشہور مستشرق اسپرنگر نے مسلمانوں کے فن اسماء الرجال جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو محفوظ کرنے کے لئے جاری کیا تھا اور جس کی مثال دنیا کی کوئی اور قوم پیش نہیں کر سکی، کے بارے میں لکھتا ہے۔ ”مسلمانوں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو محفوظ کرنے کے لیے پانچ لاکھ لوگوں کے حالات زندگی محفوظ کر لئے۔“ (125) ایسی محتاط قوم سے یہ بات کیونکر منسوب کی جاسکتی ہے کہ اس نے ملی بھگت کر کے قرآن کریم میں تغیر و تبدل کر لیا۔

⑤ اسلامی معاشرہ اس وقت طبقاتی طور پر امیر اور غریب میں منقسم نہ تھا۔ اس معاشرے میں ہر امیر اور غریب کو یکساں مقام حاصل تھا۔ یہاں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو یا سیدی کہہ کر پکارتے تھے۔ یہاں تو بیت المقدس کے سفر میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو اونٹ پر بٹھا کر اس اونٹ کی تکمیل تمام کر پیدل چلتے ہوئے شہر میں داخل ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عراق کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ عراق کی زمینیں فوجیوں میں تقسیم کرنے کی بجائے ریاست کی تحویل میں رہیں۔

اس کے لئے انہوں نے خود فیصلہ نہیں کر لیا بلکہ مجلس شوریٰ میں پندرہ روز تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مزاحمت کا جواب دیتے رہے اور اسی وقت فیصلہ ہوا جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دلائل سے قائل کر لیا۔

① جس معاشرے میں ایک بڑھیا برسرِ منبر، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلالی خلیفہ وقت کو کسی مسئلے پر ٹوک سکتی ہو اور عام آدمی اسی خلیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ سکتا ہو کہ اپنا خطبہ جاری کرنے سے پہلے مجھے جواب دیں کہ ہم سب کی قمیضیں تو چھوٹی سی ہیں آپ رضی اللہ عنہ کی قمیض بیت المال کے کپڑے سے اتنی لمبی کس طرح بن گئی ہے؟ اور خلیفہ رضی اللہ عنہ کو اس کا جواب دینا پڑتا ہے<sup>(126)</sup> اس معاشرے میں یہ کیونکر گمان کیا جاسکتا ہے کہ ان کے سامنے قرآن حکیم میں تغیر ہو گیا اور وہ خاموش بیٹھے رہے۔ اسی معاشرے میں وہ لوگ بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اسباب کے فقدان کے باوجود محض اسلام کا سر بلند کرنے کے لیے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی بجائے اس سے ٹکر لے کر خود بھی شہادت پائی اور اہل و عیال کو شہید کروا لیا۔ اس طرح کے افراد سے کیوں کر بدگمانی کی جاسکتی ہے کہ وہ تحریف قرآن پر خاموش رہے۔

② اس سلسلے میں ایک بنیادی بات یہ ہے:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیاسی پالیسیوں کے ساتھ بعض لوگوں نے اختلاف کیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق جامع القرآن کا خطاب دیا گیا۔<sup>(127)</sup> اگر جمع قرآن بھی سیاسی پالیسی کا حصہ ہوتا تو لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ پیدا کرتے وقت آپ رضی اللہ عنہ پر تحریف قرآن کا الزم بھی لگاتے۔ یہ مصحف امت میں اتحاد کا باعث ہی بنا نہ کہ افتراق کا۔

③ تحریف قرآن کی جسارت تو ایک عام مسلمان بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی ممتاز ہستی پر یہ الزام عائد کیا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل امتیازات کا ذکر ہر مسلمان کے قلب و ذہن میں موجود ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ ذی النورین ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے والوں میں چوتھے نمبر پر ہیں۔

حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔

حضور ﷺ نے ایک موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کو بشارت دی تھی کہ آج کے بعد کوئی عمل عثمان رضی اللہ عنہ کو جہنم میں نہیں لے جاسکتا<sup>(128)</sup> ان کے علاوہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے بہت سے امتیازات کا ذکر کیا گیا ہے۔

④ آپ رضی اللہ عنہ کی شرافت کا تو یہ عالم تھا کہ آخری ایام میں جب باغیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے سرکاری محافظ قبول نہ کئے کہ میری خاطر کسی مسلمان کا خون نہیں بہنا چاہیے<sup>(129)</sup> کیا اس بات کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ذاتی غرض کی خاطر قرآن میں تحریف کر دی۔

اعتراض

کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ آیات قرآن مجید سے حذف کر دی تھیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے

مناقب بیان کئے گئے تھے؟ (130)

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق پیش کئے جاسکتے ہیں:

① یہ اعتراض عقل کے سراسر خلاف ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کروایا اس پر تمام امت نے اتفاق کیا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ کسی بھی حلقے سے اس سے اختلاف نہیں کیا گیا۔ صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بات پر اعتراض کیا تھا کہ انہیں جمع قرآن کی کاروائی میں شریک کیوں نہیں کیا گیا۔ قرآن کے متن میں کسی طرح کی کمی بیشی کا اعتراض کسی بھی حلقے کی جانب سے نہیں کیا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاندانی چپقلش رکھنے والے اور انہیں شہید کرنے والے لوگوں میں سے کسی نے آپ رضی اللہ عنہ پر اس پہلو سے اعتراض نہیں کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن میں کمی بیشی کر دی۔ خصوصاً بنو امیہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے درمیان محاصمت کو ذہن میں رکھیں تو نظر آتا ہے کہ اتنے شدید اختلافات کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اسی قرآن پر متفق رہے جسے بعد میں انہی لوگوں نے ”صحیفہ عثمانی“ کا نام دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آج تک تمام فرقے قرآن کی صیانت اور عصمت پر متفق ہیں۔

② حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنہوں نے قرآن دو مرتبہ لکھا دونوں کے عہد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ لیکن کبھی بھی قرآن کے بارے میں اختلاف نہیں ہوا نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی اختلاف کیا۔

③ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں سے کسی کا دور بھی جبر و تشدد کا دور نہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبوراً چپ ہو گئے۔ نہ ہی اس بات کا امکان ہو سکتا تھا کہ قرآن سے آیات و مضامین حذف کئے جا رہے ہوں اور لوگ خاموشی سے بیٹھے ہوں۔ بات انہی اہل بیت کے بارے میں کی جا رہی ہے جنہوں نے ایک شخص یزید کی بیعت محض اس بنا پر نہ کی کہ وہ فاسق و فاجر تھا اور اسی فاسق کے خلاف لڑتے ہوئے اپنے پورے خاندان کی جائیں لٹا دیں۔

④ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تینوں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں کچھ نہ کر سکتے تو بعد میں جب وہ خود خلیفہ بنے تو اس وقت بھی تو وہ سب کچھ کر سکتے تھے۔ اس وقت تو انہیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔ بلکہ اگر وہ ایسا کر دیتے کہ بقول مستشرقین اصل قرآن، امت کو لوٹا دیتے تو وہ امت کے ہیرو بن جاتے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جامع القرآن کا خطاب تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیا ہے (131) حضرت علی رضی اللہ عنہ امت سے کہہ سکتے تھے کہ لوگو! یہ ہے قرآن کا وہ حصہ جو پہلے تینوں خلفاء نے غائب کر دیا تھا اور اس کا صرف مجھے ہی علم تھا۔ ہم تو اس کے بالکل برعکس دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پورے عہد حکومت میں کبھی اس کا تذکرہ تک نہیں کیا بلکہ ہمیں تو اس کے بالکل برعکس بیانات ملتے ہیں۔

⑤ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جرأت مند انسان تھے۔ کیا کوئی شخص یہ بات گوارا کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی تاثر قائم کرے کہ انہوں نے تحریف قرآن کی کاروائی آنکھوں سے دیکھی اور کسی کو روکا تک نہیں یا بزدلی یا مصلحت کا مظاہرہ کیا۔ قرآن مجید تو ان کے بارے میں کہتا ہے۔

﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ [المائدة: ۵۴]

”وہ جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے“

① رمضان المبارک کی راتوں میں جب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کرواتے اور قرآن مجید سناتے تھے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوتے تھے (132) اگر قرآن میں کوئی رد بدل ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ اسی وقت اعتراض کر سکتے تھے۔

یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید میں رد بدل کر دیا تھا۔ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جبر کے ذریعے قرآن کریم کے قدیم نسخے معدوم کر دیئے تو یہ بات دیکھنا ضروری ہے کہ آیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دخل اس قدر بڑھا ہوا تھا اور ان کی طاقت اس قدر وسیع ہو گئی تھی کہ اتنی بڑی قوم کے قبضہ اور حافظہ سے ہر ایک سورت اور ہر آیت کو انہوں نے مٹا دیا۔ گویا انہوں نے دیگر مصاحف جبر کے ذریعے ختم نہیں کئے بلکہ اس کام میں لوگوں کی مرضی شامل تھی کیونکہ ایسا کرنا ہی قرین عقل تھا۔

اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں سے قرآن کے نسخے چھین لئے تھے تو یہ کیوں کر سمجھا جاسکتا ہے کہ صحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو نقلیں عام مسلمانوں میں مشہور اور مروج ہو چکی تھیں وہ بھی انہوں نے سب لوگوں سے واپس لے لی ہوں۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مسلمانوں میں لاتعداد نقلیں اس وقت تک عام ہو چکی تھیں۔ اگر ایسی ہی بات ہوتی تو یہ لوگ تو حق کے لیے بڑے دلیر تھے وہ مقابلہ کر کے اس تحریف کو روک سکتے تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہی ہے کہ مسلمانوں نے تو جس بات کو بھی حق سمجھا اس کے لیے جنگ کرنے سے بھی ہتھیار نہیں کیا۔ اگر ہم بطور تنزیل اتنا بھی مان لیں کہ ان میں سے کسی مسلمان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نسخہ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوا تھا۔ تو وہ اتنا ضرور کرتا کہ (اور یہ کرنے میں اس کے لیے کوئی وقت بھی نہ تھی) جو صحیح نسخہ اس کے پاس یا کسی اور کے پاس معلوم ہوتا اس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چھپا کر ہی محفوظ کر لیتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی وفات کے ساتھ ہی اس صحیح نسخہ کی نقلیں فوراً پھیل جاتیں۔ خصوصاً عہد علی رضی اللہ عنہ میں تو اس کو کوئی رکاوٹ نہ ہوتی۔

\* صحف عثمانی رضی اللہ عنہم کی بنیاد وہ نسخہ تھا جو اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی نگرانی میں تھا (133) عقل کہتی ہے کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن میں تغیر تبدیل کر دیا تھا تو پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ان کا صحف واپس کبھی نہ کیا جاتا کیونکہ اس کی موجودگی میں تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ساری کاروائی رائیگاں جاسکتی تھی۔

\* حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ اے عثمان رضی اللہ عنہ! آپ نے تو ایک نیا قرآن تیار کر لیا ہے حالانکہ میرا صحف تو کچھ اور تھا۔

\* ”حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے باقی تمام مصاحف نذر آتش کر دیئے“ اور اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تیار کروائے ہوئے نسخے کو کوئی چیلنج نہ کر سکے لیکن اتنی بات تو تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والا نسخہ مروان بن حکم کے دور تک موجود تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قرآن کے نسخے کی تیاری (24ھ تا 35ھ) (134) اور مروان کی کاروائی (64ھ تا 65ھ) (135) کے درمیان کئی برس کا عرصہ گزرا۔ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن میں تغیر و تبدل کروا دیا تھا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نسخہ قرآن کی اصل صورت میں

بسم



موجود تھا۔ فوراً اصل کی کاپیاں تیار کروائی جاسکتی تھیں۔

\* یہ بات بھی ناقابل تسلیم ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور جبر و تشدد کا دور تھا۔ ایسا خیال کرنا تاریخی غلطی ہوگی۔ جس خلیفہ نے محض اس لئے بلوائیوں کے ہاتھوں شہادت قبول کر لی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی انکی حفاظت کے لیے ان کے دروازے پر کھڑا ہو۔ اور ان کی حفاظت کرتے ہوئے کسی مسلمان کی جان ضائع ہو۔ وہ ہستی وہ محض ذاتی مقاصد کے تحت تیار کردہ قرآن، کولوگوں میں مروج کرنے کے لیے لوگوں پر تشدد کرے گی؟۔

\* اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والے نسخے سے اصل قرآن حاصل نہ کیا جاسکے کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اثرات بڑے گہرے تھے تو یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ جو خلیفہ بلوائیوں کے ہاتھوں، کسی میدان میں نہیں بلکہ اپنے گھر میں شہید ہو رہا ہے اور اس کی شہادت کا بدلہ بھی نہیں لیا جا رہا، جبر کے زیر اثر اس کے دورس سیاسی اثرات کے بارے میں کیا تصور کیا جاسکتا ہے؟

\* حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں کے فرقوں میں خون ریز لڑائیاں ہو رہی تھیں، اس وقت بھی ان سب کا قرآن ایک ہی تھا۔ اگر اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تغیر و تبدل کروایا تھا تو ان سب فرقوں کا ایک ہی قرآن پر متفق ہونا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیگر مصاحف ہی تلف کئے ہوں گے لوگوں کے حافظوں سے تو قرآن مجموعی نہیں کیا تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ’مصحف‘ کے بارے میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو روافض کے نزدیک بہت عظیم مقام رکھتے ہیں وہ پونے چھ برس تک برسر اقتدار رہے۔ ان کا حکم چلنا تھا ان پر کیا دباؤ تھا کہ انہوں نے اصل قرآن جاری نہیں فرمایا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کو بھی خلافت ملی۔ وہ بھی امام مہموم سمجھے گئے ہیں ان سب باتوں کے باوجود کسی کو یہ کس طرح جرأت ہو سکتی ہے کہ ایسی بات کہے (136)

علامہ فرماتے ہیں:

”قرآن میں کوئی حرف زائد یا کم یا تبدیل ہونا، ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں جب کہ قرآن میں تغیر کی وجہ سے ان حضرات پر جہاد، اہل شام سے لڑائی سے زیادہ ضروری واہم تھا“ (137)

کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق آیات قرآن مجید سے نکال دی تھیں۔ مستشرقین کے اس موقف کا جواب ہم انہی کے ایک ساتھی ولیم میور کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔

ولیم میور (William Muir) لکھتے ہیں:

”یہ اعتراض عقل کے سراسر منافی ہے خصوصاً بنو امیہ اور دوست داران علی رضی اللہ عنہ کے مناققات پر نظر کرتے ہوئے کہ اتنے شدید اختلاف کے باوجود دوستداران علی رضی اللہ عنہ اسی قرآن پر متفق رہے۔ جسے بعد میں انہی لوگوں نے صحیفہ عثمانی سے نامزد کر دیا نہ صرف یہ بلکہ آج تک تمام شیعہ سنی فرقے قرآن کی صیانت و عصمت پر متفق ہیں“ (138)

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دونوں کے عہدوں میں اسی قرآن پر اکتفا کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی معارضہ نہیں فرمایا۔

میور لکھتے ہیں آخر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے تحریف میں کون سے مفاد وابستہ تھے۔ خصوصاً جب کہ ایسے اقدام

کی صورت میں انہیں مسلمانوں کی برہمی کا اندیشہ بھی ہو سکتا تھا (139)

ولیم میور مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے جواب دیتے ہوئے اس اعتراض کے بارے میں لکھتے ہیں:

- ① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب قرآن پر نظر ثانی ہوئی اور پھر اسے شائع کیا گیا تو ان مسلمانوں کی کثیر تعداد موجود تھی جو رسول ﷺ کی زندگی میں حضور ﷺ سے اسی طرح قرآن کو سنتے رہے جس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حضرت زید رضی اللہ عنہ وغیرہ کو دکھا کر شائع کیا۔ اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے کوئی اعتراض نہ کیا (140)
- ② اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت پر قرآن کی آیات نازل ہوئی ہوتیں جن پر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بر بنائے مصلحت خاموش ہو گئے تو لازم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انصار و اصحاب ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس زیادتی پر فریاد کرتے (141)

آخر میں ولیم میور لکھتے ہیں:

پس ان معارضات سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ قرآن سے کوئی ایسی آیت نظر انداز نہیں کی گئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت پر دال ہو۔ اس سلسلے میں میور کا تیسرا معارضہ یہ ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلبہ کی بین دلیل ہے۔ کیا عقل باور کر سکتی ہے کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہ ناقص قرآن پر اکتفا کر لیتے اور ناقص بھی ایسا کہ جس سے ان کے امام (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کی آیات قلم زد کر دی گئی ہوں۔ آخر مجانب علی رضی اللہ عنہ ایسے قرآن پر کیوں متفق ہو گئے جو ان کے مخالف اور ان کے پیشواؤں کے مقاصد بیان کرنے میں ناقص رہا۔ وہ لوگ تو اسے دینی دستاویز کے طور پر پڑھتے رہے اور اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی قرآن کو پھیلانے کا حکم دیا۔ خود اپنے قلم سے بھی اس کے نسخے لکھے اور انہیں دور دراز علاقوں میں پھیلا یا (142)

اس تفصیل سے پادری فنڈر کے ان اعتراضات کا جواب مل جاتا ہے جن کا ذکر اس مضمون کے صفحہ 4 پر کیا گیا ہے۔

مستشرقین کا ایک اعتراض یہ ہے:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب مصحف تیار کروایا تو انہوں نے سات قراءتوں میں سے چھ کو منسوخ کر دیا۔ اور لوگوں کو ایک ہی قراءت (حرف) پر جمع کر دیا۔ اس طرح ان کے بقول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے 7 / 1 قرآن باقی رہنے دیا اور 6 / 7 ضائع کر دیا (143) اس اعتراض کا جب ہم تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے یا تو مستشرقین کی کم علمی کا فرما ہے یا ان کی دانستہ حقائق سے چشم پوشی ہے۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات اصل مسئلے کی وضاحت کرتے ہیں:

- ① مستشرقین یہ سمجھتے ہیں کہ شاید قرآن کا ہر لفظ سات طریقوں سے پڑھنے کی اجازت تھی۔ حالانکہ اصل صورتحال ایسی تھی۔

② سب سے اہم محض الفاظ کی ادائیگی کا فرق تھا۔ ایک لفظ دوسرے لفظ کے مترادف تھا۔ سات میں سے کوئی ایک

اختیار کر لیا گیا تو قرآن کا لفظ ادا ہو گیا۔ اس فرق سے معانی کا بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

③ اس نقطہ نگاہ کا اصل جواب یہ ہے:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو لوگوں کو متواتر اور ثابت شدہ قراءتوں پر جمع کیا تھا۔ یہ تو حقیقت ہی کے برعکس ہے کہ انہوں نے سات قراءتیں یا سب سے احرف کو ختم کر کے ایک حرف پر لوگوں کو جمع کیا تھا۔<sup>(144)</sup>

مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ میں ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا تھا کہ اس میں وہ ساری قراءتیں اور حروف سما سکیں۔ آپ نے یہ اہتمام اس لئے کیا تھا بلکہ صحیح تر لفظوں میں آپ کے مصحف کا اصلی مقصد یہ تھا کہ شاذ قراءتوں کے پھیلنے کا سد باب کیا جائے اور جائز و ثابت شدہ قراءتوں میں قرآن کو محدود کیا جائے۔<sup>(145)</sup>

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسا رسم الخط اختیار کیا جس میں ساتوں حروف سما سکیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں اپنی کتاب، 'کتاب الفصل فی الملل والأہواء والنحل' میں مدلل بحث کی ہے اور اس قسم کے اعتراضات کا رد خالص عقلی اور منطقی انداز میں کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن میں تغیر و تبدل ہو گیا تھا۔ امام موصوف نے خود یہود و نصاریٰ کی طرف سے کئے گئے کچھ اعتراضات کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر ان کا رد فرمایا ہے<sup>(146)</sup> انہوں نے مندرجہ ذیل اعتراضات نقل کئے ہیں:

① مسلمان اپنی کتاب کی نقل کو کس طرح صحیح کہہ سکتے ہیں حالانکہ اس کی قراءت میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ بہت سے حروف بڑھاتے ہیں اور بعض انہیں نکال ڈالتے ہیں۔

② مسلمان ایسی اسانید سے جو تمہارے یہاں انتہائی صحت کو پہنچی ہوئی ہیں روایت کرتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے چند گواہوں نے اور ان کے ایسے تابعین رضی اللہ عنہم نے جن کی تم تعظیم کرتے ہو اور اپنا دین ان سے اخذ کرتے ہو، قرآن کو ایسے زائد مبدلہ الفاظ میں پڑھا ہے تم لوگ ان الفاظ میں پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا مصحف تمہارے مصحف کے خلاف تھا۔

ان میں ایک بات یہ ہے کہ مسلمان علماء کے چند گروہ جن کی مسلمانوں کے ہاں تعظیم کی جاتی ہے اور ان سے اپنا دین اخذ کرتے ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بہت سی صحیح قراءتوں کو نکال ڈالا۔ جب انہوں نے وہ مصحف لکھا جس پر انہوں نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور ان سات حروفوں میں سے جن میں مسلمانوں کے نزدیک قرآن نازل کیا گیا ہے اسے صرف ایک حرف پر کر دیا۔

روافض کا دعویٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کو بدل ڈالا۔ اور اس کو گھٹا بڑھا دیا۔<sup>(147)</sup>

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے ان اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے لیکن اس مقام پر ہم صرف اس پہلو کو زیر بحث لائیں گے کہ کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن میں کوئی ناروا تغیر کیا تھا؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض بالکل غلط ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سات میں سے چھ حروف کو مٹا دیا تھا۔<sup>(148)</sup>

وہ فرماتے ہیں:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسے وقت میں ہوئے ہیں کہ تمام جزیرہ العرب مسلمانوں، قرآنوں، مساجد اور قاریوں سے بھرا ہوا تھا۔ قراءت حضرات بچوں، بڑوں اور دور و نزدیک کے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یمن جو ایک وسیع علاقہ تھا۔ بحرین، عمان جن کی آبادی وسیع تھی اور متعدد دیہاتوں شہروں پر مشتمل تھی مکہ، طائف، مدینہ، شام، جزیرہ، مصر، کوفہ، بصرہ، ان تمام مقامات پر اس قدر قرآن اور قاری موجود تھے کہ ان کا شمار خدا تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں کر

سکتا۔ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسا قصد کرتے بھی جیسا کہ یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو بھی ہرگز ایسا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے۔ (149)

◉ علامہ ابن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یہ کہنا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کیا تو یہ بھی باطل ہے گذشتہ سطور میں قرآن، مساجد، حفاظ اور قرآء کی جس کثرت کا ذکر کیا گیا ہے اس کی روشنی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس پر قادر ہی نہیں ہو سکتے تھے اور نہ انہوں نے کبھی ایسا کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہیں تو محض اس بات کا اندیشہ ہوا تھا کہ کوئی فاسق آدمی بعد میں آکر دین میں کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔ یا اہل خبر میں سے ہی کوئی شخص وہم کا شکار ہو کر قرآن مجید کا کوئی حصہ بدل ڈالے۔ کسی بھی صورت میں ایسا اختلاف ہو سکتا تھا کہ جو گمراہی تک پہنچا دے۔ انہوں نے قرآن لکھ کر مختلف سمتوں میں بھجوائے کہ اگر کہیں اختلاف پیدا ہو تو اس نسخے کی طرف رجوع کر لیں۔ کیونکہ یہ نسخے محض حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذاتی صوابدید کے مطابق نہیں لکھے گئے تھے بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے متفقہ نسخے تھے۔

علامہ ابن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چھ حروف متادے وہ جھوٹ بولتے ہیں جیسا کہ گذشتہ سطور میں واضح کیا گیا ہے اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسا کرنا چاہتے بھی تو وہ اس پر قادر ہی نہ تھے۔ پھر مسلمانوں کا تو متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن سے کسی ایک شوشے کو بھی خارج کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے یہ ساتوں حروف ہمارے ہاں اس وقت بھی موجود ہیں جیسے یہ پہلے دن موجود تھے۔ یہ سب حروف مشہور و ماثور قراءتوں کی شکل میں آج بھی محفوظ و ثابت ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قرآن بدل دینے کے بارے میں امام ابن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک لاکھوں قرآن موجود تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ لاکھ کوشش کرتے تب بھی وہ تمام کے تمام قرآن سرکاری تحویل میں نہیں لے سکتے تھے۔ جب اتنی کثیر آبادی اور وسیع علاقے کے لوگوں کو ایک انداز سے قرآن یاد ہوگا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تبدیلی کی کوئی حیثیت نہ ہوتی۔

علامہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی نابغہ یا زہیر کے شعر میں کوئی کلمہ گھٹانا بڑھانا چاہے تو بھی قادر نہ ہوگا اور اس تبدیلی کرنے والے شخص کا پول جلد ہی کھل جائے گا اور ثابت شدہ نسخے اس کی مخالفت کریں گے۔ پھر قرآن جو کہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے اس میں اس قسم کی تبدیلی کیوں کر ممکن ہو سکتی ہے۔

مستشرقین نے تمام زور استدلال اس پر صرف کر دیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مصحف ناقابل اعتبار، غیر مرتب اور نامکمل تھا۔ اس کے لیے وہ مختلف قسم کے حربے اختیار کرتے ہیں گذشتہ صفحات میں ہم نے اس اعتراض کا تحقیقی جائزہ پیش کر دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مناقب والے حصے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن سے نکال دیئے تھے۔ اسی طرح اس نقطہ نگاہ کا جواب بھی دے دیا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے 6/7 حصہ قرآن ضائع کر دیا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی کئی ایک آیات اب قرآن مجید میں موجود نہیں ہیں جو پہلے موجود تھیں۔

اعتراض زیر نظر کا جواب اس حقیقت کی روشنی میں بھی دیا جاسکتا ہے کہ عرضہ اخیرہ تک کئی ایک آیات منسوخ ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں ابن الجزری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

ولا شك أن القرآن نسخ منه وغير فيه في العرصة الأخيرة فقد صحّ النصّ بذلك عن غير واحد من الصحابة وروينا بإسناد صحيح عن زرّ بن حبیش قال: قال لي ابن عباس: أي القراءتين تقرأ؟ قلت: الأخيرة. قال: فإن النبي ﷺ كان يعرض القرآن على جبريل × في كل عام مرة. قال: فعرض عليه القرآن في العام الذي قبض فيه النبي ﷺ مرتين، فشهد عبدالله يعني ابن مسعود ما نسخ منه وما بدّل. (150)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عرضہ اخیرہ کے وقت بہت سی قراءتیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوخ قرار دے دی گئیں۔ صرف حضرت ابی بکر ؓ نے مرادف الفاظ کے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے اس کی جزئیات بھی یقیناً اسی وقت منسوخ ہو گئی ہوں گی۔ کیونکہ حضرت عثمان غنی ؓ نے جو مصحف تیار کروایا وہ عرضہ اخیرہ کے مطابق تھا۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے قرآن مجید میں کسی قسم کا اپنی طرف سے ایسا تصرف نہیں کیا کہ جسے تحریف کہا جائے۔ اس سلسلے میں ولیم میور (William Muir) لکھتے ہیں۔

بنابریں ہم پوری طمانیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مصحف عثمان غنی ؓ اور زید بن ثابت ؓ کے اس نسخے میں اصلاً کوئی تعارض نہ تھا۔ جس میں حضرت زید ؓ نے قراءت کی مختلف صورتوں میں سے صرف قریش کے لہجہ کو ملحوظ رکھا (151) بعض لوگوں نے مصحف عثمانی ؓ کے بارے میں یہ ابہام پیش کیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے ایک طرف فرمایا کہ اگر لکھنے والوں میں رسم الخط کے بارے میں کہیں اختلاف ہو تو قریش کے رسم الخط کو ترجیح دی جائے (152) اور دوسری طرف یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے ساتوں حروف کو باقی رکھا تو پھر قریش کے رسم الخط کو باقی رکھنے کا مطلب کیا ہوا؟

اس ابہام کا ازالہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ درحقیقت حضرت عثمان غنی ؓ کا یہی وہ جملہ ہے جس سے حافظ ابن جریر ؓ اور بعض دوسرے علماء نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت عثمان غنی ؓ نے چھ حروف ختم کر کے صرف ایک حرف یعنی حرف قریش کو باقی رکھا لیکن درحقیقت اگر حضرت عثمان غنی ؓ کے اس ارشاد پر اچھی طرح سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ انہوں نے حرف قریش کے علاوہ باقی چھ حروف کو ختم کروا دیا تھا بلکہ مجموعی طور پر تمام روایات کے مطالعے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد سے حضرت عثمان غنی ؓ کا مطلب یہ تھا کہ اگر قرآن کی کتابت کے دوران رسم الخط کے طریقے میں کوئی اختلاف ہو تو قریش کے رسم الخط کو اختیار کیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی ؓ کی اس ہدایت کے بعد صحابہ ؓ نے جب کتابت قرآن کا کام شروع کیا تو پورے قرآن کریم میں ان کے درمیان صرف ایک اختلاف پیش آیا۔ اس اختلاف کا ذکر امام زہری نے یوں فرمایا ہے۔

حضرت زید بن ثابت ؓ اور باقی اراکین کمیٹی کے درمیان اختلاف ہوا کہ تابوت کو تابوۃ لکھا جائے یا تابوت۔ چنانچہ اسے قریش کے طریقے کے مطابق تابوۃ لکھا گیا (153)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان غنی ؓ نے حضرت زید بن ثابت ؓ اور قریشی صحابہ ؓ کے درمیان جس اختلاف کا ذکر فرمایا اس سے رسم الخط کا اختلاف مراد تھا نہ کہ لغات کا۔

مصحف عثمان غنی ؓ کے بارے میں ایک ابہام یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے سب سے اولیٰ حروف کے

اختلاف کی جو تشریح فرمائی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سات حروف مصاحف عثمان رضی اللہ عنہم میں شامل نہیں ہو سکے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ جَبْرِيْلَ قَالَ: «يَا مُحَمَّدُ! اِقْرَأْ الْقُرْآنَ عَلَيَّ حَرْفٍ». قَالَ مِيكَائِيلُ: اسْتَزَدَهُ. حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ. قَالَ: «كُلُّ شَأْنٍ كَافٍ، مَا لَمْ تَخْلُطْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ أَوْ رَحْمَةَ بِعَذَابٍ». نَحْوُ قَوْلِكَ تَعَالَى: أَقْبِلْ وَهَلِّمْ وَادْهَبْ وَأَسْرِعْ وَعَجَلْ. (154)

”حضرت جبریل، نبی کریم ﷺ کو پاس آئے اور کہا پڑھئے ایک حرف پر۔ میکائیل علیہ السلام نے کہا ان کے لیے اضافہ کیجئے تو کہا پڑھئے دو حرفوں پر۔ میکائیل علیہ السلام نے پھر کہا ان کے لیے اضافہ کریں تو اضافہ کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ سات حروف کے اضافے تک پہنچ گئے اور کہا کہ ان پر پڑھئے ہر ایک حرف ان کے لیے کافی و شافی ہے بجز اس کے کہ کوئی آیت رحمت میں مخلوط ہو جائے۔ مثلاً تعالٰیٰ ہلم اور اقبل (کہ یہ الفاظ متعدد ہیں لیکن معنی سب کا ایک ہے) اور مثلاً اذهب اسرع اور عجل (کہ ان کا معنی بھی ایک ہی ہے)“

امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد مزید تفصیل بیان کی ہے

ورقا بن ابی نجیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ آیت **لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ نَسُوا** [الحديد: 13] کو اُمہلو ناکو اُخَّر ونا جیسے لفظوں سے پڑھنے کی اجازت دے دیا کرتے تھے اور ان تینوں کے معانی ’مہلت دو ہیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ان مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت محض ابتدائی دور میں تھی کیونکہ بعض لوگوں کے لئے لغت قریش کا تلفظ ممکن نہ تھا۔ مثلاً ہذیل والوں کے لیے یمن کی لغت دشوار تھی۔ مگر الفاظ کی یہ وسعت صرف اسی حد تک تھی کہ متحد و یکساں ہی رہیں۔ یہ ایک رخصت تھی جس کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا تا آنکہ لوگوں کے باہمی میل جول اور روابط کے بڑھنے سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی لغات پر قادر ہو گیا حتیٰ کہ تمام لغات کا مرجع و مدار نبی کریم ﷺ کی لغت بن گئی تو باقی منسوخ کر دیا گیا کیونکہ اب اس کی ضرورت باقی نہ رہی تھی ابتداء میں جن عاجز افراد کو عذر و مجبوری کی بناء پر دوسری لغت میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی وہ بھی ختم کر دی گئی۔ (155)

قرآن مجید کے حقیقی متن کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جسے حضور ﷺ یا آپ ﷺ کے بعد قرآن مجید سے خارج کیا گیا ہو۔ جو چیز چھوڑ دی گئی تھی وہ قرآن مجید کا متن نہ تھی۔

مصحف عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے جب ان کا لکھوایا ہوا مصحف پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **«إِنَّ فِي الْقُرْآنِ لِحَنًّا سَنَقِيْمَهُ الْعَرَبُ بِالْأَسْنَتِهِمْ»** (156)

اس اعتراض اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کے بارے میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

① لم يصح عن عثمان أصلاً یعنی یہ روایت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بالکل بھی ثابت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا جواب یہ ہے کہ

② مصحف عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔ رسم عثمانی رضی اللہ عنہ وحی سے بھی ثابت ہے۔ غلطی پر اجماع (حدیث نبوی ﷺ کی رو سے) ہو ہی نہیں سکتا۔

③ اس روایت کے آغاز میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کمیٹی کے ارکان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **«أحسنتم وأجملتتم»** (تم نے اچھا اور عمدہ کام کیا)۔ اس مجموعہ میں اگر غلطی ہوتی تو آپ غلطی

کی تحسین کس طرح کر سکتے تھے۔

ابو عبیدہ نے عبدالرحمن بن ہانی سے نقل کیا ہے کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ کا تہان مصاحف پیش کرتے تھے تو اس میں 'لم یستن' لا تبدیل للخلق اور و أمهل الکافرین لکھا ہوا تھا آپ نے قلم دوات منگوا کر تینوں جگہوں کی غلطی کی اصلاح کر دی۔ اس روایت سے لحن والی روایت کی نفی ہو جاتی ہے کہ آپ نے نہایت احتیاط سے کام لیا اور کتابت کی معمولی غلطی کو بھی رہنے نہیں دیا۔

④ اس اعتراض کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں 'لحن' سے مراد غلطی نہیں بلکہ قرآن کے وہ صحیح الفاظ مراد ہیں جو عرب کی زبان پر چڑھے ہوئے نہ تھے اور ان کی طرز گفتار کے مطابق نہ تھے۔ ایسے الفاظ کے بارے میں فرمایا کہ قرآن مجید میں ایسے انداز کے الفاظ ہیں جن کو عرب بار بار پڑھنے سے قابو پالیں گے۔ اور ان کی زبان رفتہ رفتہ اس طرز کے عادی بن جائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ لفظ لحن دو معنوں میں مشترک ہے۔ ایک معنی غلطی ہے اور دوسرا معنی طرز کلام ہے۔ درحقیقت اس روایت میں دوسرا معنی مراد ہے یہی معنی امام راغب نے مفردات القرآن میں بیان کیا ہے کہ اسے 'لحن محمود' کہا جاتا ہے۔

اس کے متعلق شاعر کہتا ہے کہ 'خَيْرُ الْحَدِيثِ مَا كَانَ لِحْنًا' (اچھی بات وہ ہے جو خاص طرز سے کہی جائے) یہی معنی خود قرآن مجید کی آیت مبارکہ ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ [محمد: ۳۰] میں استعمال کیا گیا ہے۔

بخاری شریف میں موجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بیان مبارک بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ «لعل بعضكم ألحن بحجته» جس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین مقدمہ میں سے کبھی ایک فصیح طرز کلام کا ماہر ہوتا ہے۔ میں اس کی بات سن کر فیصلہ کرتا ہوں۔ لہذا اگر وہ حقیقت میں اس شخص کا حق نہ ہو تو یہ ڈگری اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس وضاحت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لحن کا معنی غلطی نہیں بلکہ ایک خاص طرز تلفظ ہے۔

ایک وضاحت یہ بھی یہ کہ گئی ہے کہ لحن سے رسم الخط کا لحن مراد ہو کہ رسم مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ میں بعض جگہ ملفوظ اور مکتوب الفاظ موافق نہیں لیکن عرب اہل لسان اپنی زبان سے اس کو درست پڑھ لیں گے۔ جیسے کہ انگریزی زبان میں مکتوب اور ملفوظ الفاظ میں فرق ہوتا ہے لیکن اہل زبان انہیں پڑھتے درست ہی ہیں۔

محمود آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اس روایت کی سند منقطع اور مضطرب ہے اور اس کے راوی ضعیف ہیں (157)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصحف پر اعتراضات کے جواب کے سلسلے میں آخر میں ہم ولیم میور کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں وہ لکھتا ہے کہ 'قرآن کی ترتیب خود اس کی شاہد ہے کہ جامعین نے اس میں پوری دقت نظر کا لحاظ رکھا' اس کی مختلف سورتیں اس سادگی سے ایک دوسری کے ساتھ مربوط کر دی گئیں جن کی ترتیب دیکھ کر کسی تصنیفاتی تکلف کا شائبہ تک نہیں رہتا۔ جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ جامعین قرآن میں تصنیف کی شوقی سے زیادہ ایمان و اخلاص کا جذبہ کا فرما تھا اور اسی ایمان کے ولولہ میں وہ صرف سورتوں بلکہ آیات کی ترتیب میں بھی تصنع سے اپنا دامن بچاتے ہوئے نکل گئے (158)

ولیم میور آخر میں نتائج اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہم پورے شرح صدر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کی جس صورت میں نظر ثانی کی وہ نہ صرف حرفاً حرفاً صحیح ہے بلکہ اس کے جمع کرنے کے موقع پر جو اتفاقات یک جا ہوتے گئے ان کی رو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں کوئی آیت وحی میں سے اوجھل ہو سکی۔ اور نہ جانمیں نے از خود کسی آیت کو قلم انداز کیا (159)

پس! یہی قرآن ہے جسے حضرت محمد ﷺ نے پوری دیانت و امانت کے ساتھ دوسروں کو سنایا۔ (160)

### کیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف سے متفق نہ تھے؟

اس سلسلے میں ترمذی شریف کی ایک روایت ہے جس میں امام زہری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو شکایت تھی کہ کتابت قرآن کا کام ان کے سپرد کیوں نہیں کیا گیا جبکہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں زیادہ طویل عرصے تک حضور ﷺ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا (161) اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں اس نقطہ نگاہ کا رد کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ انہوں نے یہ کام مدینہ طیبہ میں شروع کیا تھا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت کوفہ میں تھے اور حضرت عثمانی غنی رضی اللہ عنہ ان کے انتظار میں اس کام کو مؤخر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی کو یہ کام سونپا تھا۔ لہذا انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ یہ مرحلہ بھی انہی کے ہاتھ سے تکمیل کو پہنچے۔ (162)

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ کی اس توجیہ کی علاوہ اس نقطہ نگاہ کا رد یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس وقت جو مسئلہ درپیش تھا اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے علمی مقام و مرتبے کو عمل و دخل کم تھا بلکہ اس کے مقابلے میں اس مسئلے کا تعلق تجربے سے تھا۔ حضور ﷺ نے جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام علمائے قرآن اور قراء قرآن کے بارے میں ارشاد فرمائے ہوئے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن عہد عثمانی رضی اللہ عنہ کا مسئلہ کچھ اس سے مختلف تھا۔ کیا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے یہ اعزاز کچھ کم تھا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فوقیت رکھنے والے حضرات، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پہلے 'جمع القرآن' کے کام پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی کو مامور فرمایا تھا۔ جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مصحف کی تیاری پر مامور فرمایا اس وقت تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے اندر موجود نہ تھے اور ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس کام کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا گیا تھا۔ لیکن جب حضرات شیخین نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور فرمایا تھا اس وقت تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں موجود تھے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مصحف کی تیاری پر کوئی پہلی مرتبہ متعین نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس سے پہلے عہد شیخین میں بھی ان کو اس کام کے لیے موزوں ترین قرار دیا گیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے متفقین ہی کی اقتداء میں انہیں تعینات کیا تھا۔ دونوں مواقع پر انہی کا انتخاب اس سبب سے تھا کہ عرضہ اخیرہ میں وہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے (163)

اس لئے حضرات، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے منصب میں موازنہ کرتے ہوئے ہمیں ان مذکورہ بالا حقائق کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔

احراق مصاحف کے بارے میں ولیم میور کہتا ہے کہ یہ ایک نا انصافی کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے جمع علیہ نسخے

بسم



کے علاوہ تمام مصاحف تلف کر دئیے۔ لیکن میور لکھتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دور میں کسی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف و تحیف کی ہے۔ اگر حقیقت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسے ہی کرتے تو یہ راز ضرور آشکار ہو کر رہتا مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر یہ اتہام متاخرین شیعہ نے اپنے اغراض کے لیے وضع کر لیا۔ (164)



## مصادر و مراجع

### (جمع قرآن)

- ۱۔ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹]  
”بے شک ہم نے اس نصیحت کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“  
﴿إِن عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ [القیامۃ: ۱۷، ۱۸]  
”بے شک اس قرآن کو جمع کرنا اور اس کی تلاوت ہمارے ذمہ ہے۔ پھر جب ہم اس کی تلاوت کریں۔ اس کے پڑھنے کی آپ اتباع کریں۔“
- ۲۔ ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبُطْلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ [فصلت: ۴۲]  
”باطل اس کے سامنے سے یا نہ اس کے پیچھے سے اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔“

3. Noldeke, Theodor, Sketches from Eastern History, Khayat, Beirut, P.51.
4. Bell, Richard, Introduction to the Quran, Edinburgh, 1963. P. 40-43.
5. Watt, Montgomery, Mohammad at Makka, Oxford 1953. P.9
6. Frost, S.E., The Sacred Writings of world's great Religions, P.307
8. Buhl, Encyclopaedia of Islam, Lieden, E.J.Brill, 1978.vol.II,P.1067.
9. Jeffery, Arthur, Material for Histroy of The Text of The Quran, P.I
10. IBID, P.I
11. Noldeke, T., Sketches from Eastern History, P. 51
12. IBID, P.50 Nicholson, Literary History of The Arabs, Unwin London, 1907 P. XII. XIII, (preface)
- ۱۳۔ حسانی، عبدالحق، مولانا، البیان فی علوم القرآن (مقدمہ تفسیر حسانی)، دارالاشاعت تفسیر حسانی دہلی، 1932ء، صفحہ 258 صحیحی صالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، صفحہ 279-280
14. Jeffery, Arthur, P.5
- ۱۵۔ البیان فی علوم القرآن، صفحہ 258، صحیحی صالح، صفحہ 279-280
16. Noldeke, P.50
17. IBID, P.52
18. IBID, P.52
- ۱۹۔ ضربت عیسوی، تاویل القرآن، پنجاب سوسائٹی، لاہور، 1921ء صفحہ (106-107)

۲۰۔ ایضاً، صفحہ (106-107)

21. Tritton, A.S, Islam Belief and practice, Hutchnison London, 1962. P. 60
22. Noldeke, P. 52
23. Jeffery, Arthur, P. 10
24. Buhl, vol. II, P. 1073

۲۵۔ فنڈر، پادری، میزان الحق، صفحہ (36-44)

26. Margoliuth, D.S. Mohammadanism, Butterworth London, 1928 P.70
27. Buhl, vol. II, P. 1073
28. Buhl, vol. II, P.1073
29. Bell, Richard, Introduction to the Quran, P. 42-44
30. IBID. P. 42-44
31. Buhl. vol II, P. 1073
32. IBID. vol II, P. 1073
33. IBID. vol II, P. 1073
34. IBID. vol II, P. 1073
35. Buhl, vol II, P.1073
36. IBID. vol II, P. 1073
37. Noldeke, P.53
38. Margoliuth, Mohammadanism, P.70

۳۹۔ فنڈر، پادری، میزان الحق، صفحہ (36-40)

40. Loon, Hendrich, van, Tolarence, The Sun Dial Press, New York, 1939.P.114, Hitti, P.K., Islam and The weat, Van Nostrand, New York, 1962, P.48-49
41. Scott, S.P., History of Moorish Empire in Europe, Philadelphila, 1904, P. 269 Toynbee, A.J. Civilization on Trial , Oxford University Press, Oxford, 1957. P.187, Hitti, P.K., P.57, 59, 61,62 Ross, Denison, Islam , Earnest Benn, London 1926 P. 37. Carlyle, Thomas. On Hero and Hero Worship and The Heroic in History, Humphrey Milford, London, 1904 P.73,74, Stubbe, Henry, Rise and Progress of Mohametanism, Orientalia. Lahore, 1975-P.156

تیس

اس سلسلے میں مزید معلومات کیلئے بی ایچ ڈی کے مقالہ 'تدوین قرآن مجید پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۴۲۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1976ء، صفحہ 260۔ اس سلسلے میں تفصیل کیلئے حوالہ نمبر 41 میں مذکور ڈاکٹریٹ کے مقالہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

43. Jeffery, Arthur, P. I (Preface)

44.....???

۴۵۔ (i) اس سلسلے میں دیکھئے السباعی، مصطفیٰ، السنة و مکانتها في التشريع الاسلامی، مکتبہ دارالعروبہ، قاہرہ 1961ء صفحہ 446

(ii) شبلی نعمانی، مولانا سیرت النبی، اعظم گڑھ، 1332ء، جلد اول، صفحہ (69-70)

(iii) بیگل، محمد حسین، حیات محمد صلعم، مکتبہ النبضۃ العربیہ، قاہرہ، 1947ء صفحہ 28۔

۴۶۔ رحمانی، عبداللطیف، تاریخ القرآن، پروگریسو بکس، لاہور، 1983ء صفحہ 47

- ۴۷۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام جامع ترمذی، دمشق، 1965، جلد گیارہ صفحہ 121 (بحوالہ زبدۃ البیان فی رسوم مصاحف عثمان)
- ۴۸۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، جلد اول، صفحہ 73
- ۴۹۔ ابن ندیم، الفہرست، صفحہ 66
- ۵۰۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 47
- ۵۱۔ ابن سعد، حافظ، الطبقات الکبریٰ، جلد چہارم، صفحہ 10
- ۵۲۔ فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 47
- ۵۳۔ ایضاً ۵۴۔ الاتقان، جلد اول، صفحہ 62 ۵۵۔ ابن سعد، جلد سوم، صفحہ 59
- ۵۶۔ الاتقان، جلد اول، صفحہ 67 ۵۷۔ ایضاً
- ۵۸۔ علی المتقی، کنز العمال، موسسہ الرسالہ، بیروت، 1969 جلد اول، صفحہ 217
- ۵۹۔ مفتاح السعادة، جلد اول، صفحہ (384-385)
- ۶۰۔ عینی، بدر الدین، علامہ، عمدۃ القاری، جلد دوم، صفحہ 28
- ۶۱۔ ایضاً، جلد دوم، صفحہ 28 ۶۲۔ ایضاً، ۶۳۔ ایضاً
- ۶۴۔ البیہقی، نور الدین، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، دار الکتب العربی، بیروت، 1967 جلد اول، صفحہ 152
- ۶۵۔ تفتی عثمانی مولانا، علوم القرآن، صفحہ 179 ۶۶۔ ایضاً، صفحہ 179
- ۶۷۔ ایضاً، صفحہ 179 ۶۸۔ البیہقی، جلد اول، صفحہ 152
- ۶۹۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 60 ۷۰۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، جلد دوم، صفحہ 846
- ۷۱۔ سیوطی، جلد نہم، صفحہ 5 ۷۲۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 59
- ۷۳۔ ایضاً ۷۴۔ حاکم، جلد دوم، صفحہ 229
- ۷۵۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ (58-59) ۷۶۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ 60
- ۷۷۔ مستدرک، جلد سوم، صفحہ 229 (کتاب فضائل القرآن)
- ۷۸۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 55 ۷۹۔ ایضاً
- ۸۰۔ ایضاً ۸۱۔ ایضاً ۸۲۔ ایضاً
- ۸۳۔ ایضاً ۸۴۔ ایضاً ۸۵۔ ایضاً
- ۸۶۔ ایضاً ۸۷۔ عسقلانی، جلد نہم، صفحہ 9
- ۸۸۔ ابن الجوزی، سیرۃ العرین ۸۹۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 61
- ۹۰۔ ایضاً ۹۱۔ عمدۃ القاری، باب جمع القرآن، جلد دوم، صفحہ 16
- ۹۲۔ بخاری، باب جمع القرآن، جلد سوم، صفحہ 146 ۹۳۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 61
- ۹۴۔ ایضاً ۹۵۔ فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 15
- ۹۶۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 61 ۹۷۔ ایضاً

- ۹۸۔ ایضاً ۹۹۔ ایضاً ۱۰۰۔ ایضاً  
 ۱۰۱۔ ایضاً ۱۰۲۔ عمدۃ القاری، جلد ہشتم، صفحہ 655  
 ۱۰۳۔ کتاب الفصل فی الملل والاهواء والنحل، مطبع الادبیہ، مصر، 1320  
 ۱۰۴۔ البیان فی علوم القرآن، صفحہ 52، 51 ۱۰۵۔ زرقاتی، عبدالعظیم، منابیل العرفان، جلد اول، صفحہ 268-272  
 ۱۰۶۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 61 ۱۰۷۔ بخاری، جلد سوم، صفحہ 146، باب جمع القرآن  
 ۱۰۸۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 61، مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، موسسہ الرسالۃ، بیروت، 1978  
 ۱۰۹۔ فتح الباری، جلد نهم، صفحہ 5 ۱۱۰۔ صحیحی صالح، صفحہ 79  
 ۱۱۱۔ ایضاً ۱۱۲۔ ایضاً ۱۱۳۔ ایضاً، صفحہ 79  
 ۱۱۴۔ ایضاً، صفحہ 79-80 ۱۱۵۔ ایضاً، صفحہ 80  
 ۱۱۶۔ ایضاً ۱۱۷۔ مسلم، الجامع الصحیح، جلد اول، صفحہ 80  
 ۱۱۸۔ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ 5 (مقدمہ)  
 ۱۱۹۔ صحیحی صالح، صفحہ 81

120. Muir, Willium, Life of Mahomet, Smith, London, 1860, P.XIII  
 121. IBID, PXIII  
 122. IBID, PXIII  
 123. IBID, PXIII  
 124. IBID, PXIII  
 125. Spranger  
 126. Spranger

- ۱۲۷۔ بخاری، جلد اول، صفحہ 234، (کتاب صلوة التراويح)  
 ۱۲۸۔ سیوطی، تاریخ الخلفاء، نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی، جلد دوم، صفحہ 153-151  
 ۱۲۹۔ ابن الاثیر، الجزری، الکامل فی التاريخ، ادارۃ الطباعة المنیریہ، مصر، 1348ھ، جلد سوم، صفحہ 60  
 ۱۳۰۔ فنڈر، پادری، میزان الحق، پنجاب ریلیمس بک سوسائٹی، لاہور 1892ء، صفحہ 36-44  
 ۱۳۱۔ بخاری، جلد اول، صفحہ 234، (کتاب صلوة التراويح)  
 ۱۳۲۔ بخاری، جلد اول، صفحہ 234، (کتاب صلوة التراويح)  
 ۱۳۳۔ بخاری، جلد سوم، صفحہ 146 (باب جمع القرآن)  
 ۱۳۴۔ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، جلد اول، صفحہ 378  
 ۱۳۵۔ ایضاً ۱۳۶۔ ابن حزم، کتاب الفصل فی الملل فی الہواء والنحل، جلد دوم، صفحہ 78  
 ۱۳۷۔ ایضاً

138. Muir, P.XIV.  
 139. IBID, PXIV.  
 140. IBID, PXIV.  
 141. IBID, PXXVII.

ڈاکٹر محمود اختر

142. IBID, PXVII.

۱۴۳۔ کے، اہل، ناصر، پادری، قرآن شریف کے متن کا تاریخی مطالعہ، صفحہ 25، گوجرانوالہ، س۔ن۔ صفحہ 25

۱۴۴۔ مناہل العرفان، جلد اول، صفحہ 254-253

۱۴۵۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ 354

۱۴۶۔ الملل والنحل، جلد دوم، صفحہ 76-88

۱۴۷۔ ایضاً

۱۴۸۔ ایضاً

۱۴۹۔ ایضاً، جلد دوم، صفحہ 77

۱۵۰۔ الجزری، ابوالخیر، النشر فی القراءات العشر، المکتبۃ التجاریہ، مصر، جلد دوم، صفحہ 38

151. Muir, PXIX

۱۵۲۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ 62

۱۵۳۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ 61

۱۵۴۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ 85

۱۵۵۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن، قاہرہ، 1967ء، جلد اول، صفحہ 43

۱۵۶۔ آلوسی، محمود، علامہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار احیاء التراث الاسلامیہ، بیروت، جلد اول، صفحہ 28

۱۵۷۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ 28

158. Muir, PXXI.

159. IBID, PXXI.

160. IBID, PXXI.

۱۶۱۔ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب جمع القرآن، باب القراء من اصحاب النبی، جلد ششم، صفحہ 299

۱۶۲۔ فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 13-15

۱۶۳۔ ایضاً

164. Muir, PVII.



## آرتھر جیفری اور کتاب المصاحف

رشد قراءات نمبر حصہ اول میں قراءات قرآنیہ کے بارے میں آرتھر جیفری کے نقطہ نظر کا ایک بھر پور علمی جائزہ جناب ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری صاحب نے اپنے مضمون 'اختلاف قراءات قرآنیہ اور مستشرقین' میں لیا ہے۔ حافظ محمد زبیر جناب ڈاکٹر اکرم چوہدری صاحب کے براہ راست شاگرد ہیں۔

ڈاکٹر اکرم چوہدری صاحب کے مضمون میں آرتھر جیفری کے نقطہ نظر کا کافی وشافی اصولی و بنیادی رد موجود ہے۔ حافظ صاحب نے اپنے استاذ محترم کے اس موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے آرتھر جیفری کے قرآن پر جزوی اور فروعی اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ آرتھر جیفری کے نقطہ نظر کا کافی وشافی اصولی و بنیادی رد موجود ہے۔ حافظ صاحب نے اپنے استاذ محترم کے اس موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے آرتھر جیفری کے قرآن پر جزوی اور فروعی اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد کی کتاب 'کتاب المصاحف' پر تحقیقی کام کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ جس طرح عیسائیوں میں انجیل کے ایک سے زائد نسخے موجود ہیں اور موجودہ چار انجیلیں بھی تقریباً ۷۰ کے قریب اناجیل میں سے انتخاب ہیں۔ اس طرح صدر اول میں کئی قسم کے قرآن موجود تھے۔ آرتھر جیفری نے اپنی کتاب 'Materials for the History of the Text of the Quran' میں ۱۵ صحابہ اور ۱۳ تابعین کے ۱۱۲۸ ایسے نسخوں کا تعارف کروایا ہے جو مصحف عثمانی سے بھی مختلف تھے اور ان میں باہم ۲۴۰۰ اختلافات تھے۔ حافظ صاحب نے اس کتاب کا ایک تفصیلی جواب اپنے اس مضمون میں دیا ہے اور صحابہ و تابعین کی طرف منسوب ان مصاحف کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ [ارادہ]

### ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کا تعارف

ان کا نام عبد اللہ بن سلیمان بن اشعث بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران ازدی جحتمانی ہے۔ کنیت ابو بکر ہے۔ ۲۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ جس دن ان کی وفات ہوئی ۳ لاکھ افراد ان کے جنازے میں شریک ہوئے اور تقریباً ۸۰ مرتبہ ان کا جنازہ پڑھا گیا۔ [کتاب المصاحف مع تحقیق الدكتور محب الدین واعظ: ۱۵-۱۶]

ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد محترم امام ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے حاصل کی۔ امام ابو داؤد علم کے حصول کی خاطر سفر میں اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ امام صاحب اپنے بیٹے کو خراسان، اصبہان، فارس، بصرہ، بغداد، کوفہ، مکہ، مدینہ، شام، مصر، جزیرہ جبال اور ثغور کے علاقوں میں لے کر گئے جہاں وہ اساتذہ سے روایات سنتے بھی تھے اور لکھتے بھی تھے۔ [ایضاً: ص ۱۸]

### ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ پر جرح و تعدیل

ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے بارے جرح و تعدیل دونوں منقول ہیں۔

☆ فاضل کلیتہ الشریعہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کی تعدیل

جمہور ائمہ جرح و تعدیل اور محدثین نے ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کو ثقہ راوی قرار دیا ہے:

- ابو حامد بن اسد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عبداللہ بن سلیمان بن اشعث جیسا عالم نہیں دیکھا۔
- ابوالفضل صالح بن احمد الحافظ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابوبکر عبداللہ بن سلیمان اہل عراق کا امام ہے۔ انہوں نے مختلف شہروں سے علم حاصل کیا، سلطان نے ان کیلئے ایک منبر بنایا ہے جس پر بیٹھ کر وہ اسکے سامنے حدیث بیان کرتے ہیں۔

خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سمجھدار عالم حافظ اور زاہد آدمی تھے۔

- امام دارقطنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ثقہ تھے لیکن حدیث میں بہت زیادہ غلطیاں کرتے تھے۔
- ابن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اصحاب حدیث کے ہاں مقبول ہیں۔ ان کے والد نے ان کے بارے میں جو کلام کیا ہے، مجھے نہیں معلوم انہوں نے اس میں کیا دیکھ کر اس کے بارے میں ایسی بات کی ہے۔
- خلیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حافظ امام وقت نشان علم، متفق علیہ اور امام ابن امام تھے۔ [ایضاً: ۳۵، ۳۴]

## ابن ابی داؤد پر جرح

بعض ائمہ سے ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ پر جرح بھی منقول ہے۔ ان میں اسکے والد محترم امام ابو داؤد رضی اللہ عنہ پیش پیش ہیں۔ امام ابو داؤد رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے بارے میں فرماتے ہیں: [ابنی عبد اللہ هذا کذاب] یعنی میرا یہ بیٹا عبداللہ جھوٹا ہے۔

● ابن صاعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمیں وہی بات کافی ہے جو اس کے والد محترم نے اس کے بارے میں کہی ہے۔ ابراہیم اصہبانی رضی اللہ عنہ نے بھی ابن ابی داؤد کو کذاب کہا ہے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۲۲۶/۲۵ مؤسسة الرسالة]

ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابراہیم اصہبانی رضی اللہ عنہ اور ابن صاعد رضی اللہ عنہ کے اقوال کی بنیاد بھی امام ابو داؤد کا قول ہے۔ امام ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابن صاعد رضی اللہ عنہ اور ابن جریر رضی اللہ عنہ کے اقوال کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ ان میں عداوت وخصامت معروف تھی۔

امام ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر کذب کی جو تہمت لگائی ہے اس کے کئی ایک جواب دیے گئے ہیں۔ امام ذہبی رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر یہ تہمت صحیح سند سے ثابت ہو تو اس سے مراد نیاوی کلام میں جھوٹ ہے نہ کہ حدیث نبوی میں۔ اور امام صاحب کا یہ قول عبداللہ کی جوانی کے وقت کا ہے۔ بعد میں جب عبداللہ خود امام اور شیخ بن گئے تو یہ بری عادت بھی ان سے جاتی رہی۔ [کتاب المصاحف مع تحقیق الدكتور محب الدین واعظ: ۲۴]

ڈاکٹر محبت الدین واعظ کا کہنا ہے کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے بارے میں یہ بات اس لیے کہی تھی کہ وہ اپنے علم کے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہم تھے اور اپنے علمی دعووں میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے تھے۔ اس کی تصدیق ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے اس مکالمے سے بھی ہوتی ہے جو ان کے اور شیخ ابو زرعہ رازی رضی اللہ عنہ کے مابین ہوا اور خود ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک دن ابو زرعہ رازی رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے امام مالک رضی اللہ عنہ کے غرائب میں سے کوئی حدیث بیان کریں۔ شیخ ابو زرعہ رضی اللہ عنہ نے وہب بن کیسان کی حضرت

ابن ابی داؤد

اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی: 'لا تحصی فیحصی علیک' اس روایت کو انہوں نے عبدالرحمن بن شیبہ سے بیان کیا حالانکہ وہ 'ضعیف' راوی ہے۔ میں نے اس پر شیخ ابوزرعہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ اس روایت کو مجھ سے نقل کریں: میں اسے احمد بن صالح سے، وہ عبداللہ بن نافع اور وہ مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ اس پر شیخ ابوزرعہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور میرے والد سے شکایت کرتے ہوئے کہا: دیکھو! تیرا بیٹا مجھے کیا کہتا ہے؟ [سیر أعلام النبلاء: ۲۲۵/۵] ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کا یہ بھی کہنا تھا کہ ابراہیم الحر بنی رضی اللہ عنہ کو جتنی روایات یاد تھیں وہ سب انہیں بھی یاد تھیں اور ان کے پاس ابراہیم الحر بنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم تھا کیونکہ وہ ستاروں کا علم نہیں جانتے تھے۔ [ایضاً: ۲۲۳]

عبدالرحمن بن یحییٰ المعلمی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو قضاء کا اہل بتلاتے تھے جس پر ان کے والد محترم نے انہیں جھوٹا کہا ہے۔ بظاہر ڈاکٹر محبت الدین واعظ کی تاویل بہتر محسوس ہوتی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

## ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

علم دین کے معاملے میں بہت حریص تھے۔ ابن شاپہ بن رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ کوفہ آئے تو ان کے پاس ایک درہم تھا۔ اس درہم سے تیس مدلو بیا خریدا۔ ہر روز ایک مد لکھا لیتے تھے اور اس کے بالمقابل ابو سعید ان رضی اللہ عنہ سے ایک ہزار احادیث لکھتے تھے۔ اس طرح ایک مہینے میں تیس ہزار احادیث جمع کر لیں۔ ابو علی حسین بن علی الحافظ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے اصہبان میں ۳۶ ہزار احادیث اپنے حافظے سے بیان کیں۔ انہوں نے مجھے سات احادیث میں وہم کا الزام دیا۔ جب میں عراق واپس آیا تو ان سات میں پانچ کو میں نے اسی طرح اپنی کتاب میں لکھا دیکھا جیسا کہ میں نے انہیں بیان کیا تھا۔ [ایضاً: ۲۲۲]

کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں جن میں کتاب التفسیر، کتاب المصاحف، کتاب النسخ والمسنوخ، کتاب البعث اور کتاب شریعتہ المقاری وغیرہ معروف ہیں۔

## کتاب المصاحف کا تارف

اس کتاب کے دو نسخے معروف ہیں۔ ایک نسخہ ظاہریہ اور دوسرا نسخہ شستریبیٹی۔ پہلا نسخہ 'دارالکتب الظاہریہ' مصر میں موجود ہے۔ کاتب اور تاریخ کتابت کا علم نہیں ہے کیونکہ مخطوطے کا پہلا صفحہ غائب ہے۔ کتاب کی قراءت سے متعلقہ ساعت کی اسناد سے یہ اشارے ملتے ہیں کہ یہ نسخہ ۵۲۱ھ سے پہلے لکھا گیا تھا۔ ساعت کتاب کی اسناد اور تاریخ نسخے میں موجود ہیں۔ یہ نسخہ ۹۸ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر ورق میں ۲۰ سے ۲۳ ستریں ہیں۔ دوسرا نسخہ آرتھر جیفری کے بیان کے مطابق اس کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۸۳ ہے۔ ہر ورق میں تقریباً ۲۱ ستریں ہیں۔ اس نسخے کے کاتب محمد المقدسی نابلسی ہیں۔ تاریخ کتابت سے فراغت ۱۹ ذی القعدہ ۱۱۵۰ھ میں ہوئی۔ آرتھر جیفری کے بیان کے مطابق یہ نسخہ بھی نسخہ ظاہریہ سے منقول ہے جبکہ ڈاکٹر محبت الدین واعظ کا کہنا ہے کہ یہ نسخہ ایک دوسرا نسخہ ہے جو نسخہ ظاہریہ سے منقول نہیں ہے کیونکہ اس میں شروع کا صفحہ موجود ہے اور کئی ایک مقامات پر نسخہ ظاہریہ سے اختلافات بھی موجود ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ بھی کسی دوسرے مستقل



نسخے سے منقول ہے۔ بذاتہ یہ کوئی مستقل نسخہ نہیں ہے کیونکہ یہ ۱۱۵۰ھ میں لکھا گیا ہے۔ پہلے نسخے سے مزید دو نسخے تیار کیے گئے۔ ان میں سے ایک ۱۳۴۲ھ میں تیار ہوا اور دارالکتب المصریۃ مصر میں موجود ہے اور دوسرا ۱۳۶۱ھ میں تیار ہوا جو مکتبۃ علمیۃ عالیۃ پاکستان میں موجود ہے۔ لیکن ڈاکٹر محبت الدین واعظ کے بقول ان دونوں نسخوں میں کتابت کی کافی اغلاط موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اصل یعنی نسخہ ظاہریہ کی موجودگی میں ان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ اس بحث کا خلاصہ کلام یہی ہے کہ اصل نسخہ نسخہ ظاہریہ ہی ہے۔ ڈاکٹر محبت الدین واعظ نے اپنی تحقیق میں اسی نسخے کو بنیاد بنایا ہے۔

ابن ندیمؒ حاجی خلیفہ زرکلیؒ رضا کمالہ اور فواد سیزگین نے اس کتاب کی امام ابن ابی داؤدؒ کی طرف نسبت کو صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کتاب کے نسخہ ظاہریہ کے ہر جزء کے آخر میں اس کتاب کی سماعت کی اسناد موجود ہیں جو اس کتاب کی صحیح نسبت کی بہترین دلیل ہیں۔

### کتاب المصاحف کا منہج تالیف

مذکورہ کتاب پانچ اجزاء پر مشتمل ہے۔ ہر جزء کو مصنف نے کئی ایک ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ مصنف کا طریقہ کار یہ ہے کہ شروع میں کسی باب کے لیے ایک عنوان باندھتے ہیں۔ اس کے بعد اس باب سے متعلق اپنی سند سے ان احادیث اور آثار کا تذکرہ کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے اساتذہ اور شیوخ سے نقل کی ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مصنف نے کوئی باب باندھا ہے اور اس کے تحت کوئی روایت یا اثر نقل نہیں کیا۔ جیسا کہ مصاحف تابعین کے باب کے ذیل میں انہوں نے 'مصحف طلحہ بن مصرف الأیامی' کے نام سے باب باندھا ہے لیکن اس کے تحت کسی روایت یا اثر کو نقل نہیں کیا۔ شاید ان کے نزدیک اس مصحف کے بارے میں کوئی ثابت شدہ روایت موجود نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

مصنف صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم سے مروی قراءات کو مصحف کے عنوان کے تحت نقل کرتے ہیں۔ مثلاً مصنف نے 'مصحف علی بن ابی طالب' کے نام سے ایک باب باندھا ہے اور اس کے ذیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک قراءت باین الفاظ نقل کر دی ہے:

حدثنا عبد الله حدثنا محمد بن عبد الله المخرمي حدثنا مسهر بن عبد الملك حدثنا عيسى ابن عمر عن عطاء بن السائب عن أبي عبد الرحمن عن علي أنه قرأ: [أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ وَ أَمَّنَ الْمُؤْمِنُونَ ] .

اسی طرح مصنف نے 'مصحف الأسود بن یزید و علقمة بن قیس النخعیین' کے عنوان کے تحت درج ذیل روایت نقل کی ہے:

حدثنا أبو بكر عبد الله بن أبي داؤد حدثنا يعقوب بن سفيان حدثنا عبيد الله عن شيبان عن الأعمش عن إبراهيم قال: كان علقمة و الأسود يقرآنها [صراط من أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم و غير الضالين] .

ایسا بھی کثرت سے ہوتا ہے کہ مصنف کوئی عنوان باندھنے کے بعد اس کے ذیل میں صرف ایک ہی روایت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے مصحف علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، مصحف

عبد اللہ بن عمرو، مصحف عبید بن عمیر اللیثی، مصحف عطاء بن ابی رباح، مصحف مجاہد بن جبیر، مصحف أسود بن یزید وعلقمہ بن قیس نخعیین، مصحف محمد بن ابی موسیٰ شامی، مصحف حطان بن عبد اللہ رقاشی بصری اور مصحف صالح بن کیسان مدینی رحمہم اللہ کے ذیل میں صرف ایک ایک ہی روایت نقل کی ہے۔

مصنف نے جو کچھ کتاب میں نقل کیا ہے وہ سب ان کی اپنی رائے نہیں ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے مصاحف کے اختلافات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم اپنے پاس موجود مصحف عثمانی ہی کا اعتبار کریں گے اور جو روایات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اختلاف قراءات کے بارے میں منقول ہیں، ان سے مصحف عثمانی میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔ مصنف علامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال عبد الله بن أبي داود: لا نرى أن نقرأ القرآن إلا لمصحف عثمان الذي اجتمع عليه أصحاب النبي ﷺ فإن قرأ الإنسان بخلافه في الصلاة أمرته بالإعادة.

کتاب ہذا میں مؤلف ایک عنوان باندھنے کے بعد اس کو ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کی روایات نقل کر دیتے ہیں مثلاً مرفوع، مرسل، مقطوع، صحیح، حسن، ضعیف، منقطع وغیرہ۔

### کتاب المصاحف کے مشمولات کا اجمالی تعارف

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کتاب المصاحف پانچ اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلے جزء میں مصاحف کی کتابت، مصاحف کے خطوط، مصاحف کی جمع و تدوین، جمع عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بارے میں مختلف ابواب کے تحت روایات اور آثار جمع کیے گئے ہیں۔

دوسرے جزء میں بعض آیات قرآنیہ کا قرآن کا حصہ ہونے کی روایات، مصحف عثمانی میں اغلاط کے بارے مروی آثار، مصاحف عثمانیہ کے باہمی اختلافات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض مصاحف (یعنی قراءات) کے تعارف پر مشتمل ہے۔ اس باب میں پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصاحف کا تذکرہ ہے یعنی مصحف عمر بن خطاب، مصحف علی بن ابی طالب، مصحف ابی بن کعب، مصحف عبد اللہ بن مسعود اور مصحف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔

تیسرے جزء میں ۵ صحابہ یعنی عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عمرو، ام المؤمنین عائشہ، ام المؤمنین حفصہ، ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم اور ۱۲ تابعین یعنی عبید اللہ بن عمیر، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس، محمد بن ابی موسیٰ حطان بن عبد اللہ، صالح بن کیسان، طلحہ بن مصرف اور سلیمان بن مهران رضی اللہ عنہم کے اختلاف مصاحف (یعنی قراءات) کا تذکرہ ہے۔ علاوہ ازیں اس حصے میں ایک اہم ترین بحث یہ بھی ہے کہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سند سے نبی ﷺ کی ان قراءات کا تذکرہ کیا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے نقل کی ہیں۔ اس حصے کی تیسری اہم ترین بحث مصاحف عثمانیہ کے مختلف الفاظ کے رسم کی ہے۔ چوتھی بحث مصحف عثمانی کے اجزاء اور تقسیم کے بارے میں ہے۔

کتاب کا چوتھا حصہ مصحف کو لکھنے، اس پر اجرت لینے، ان کی خرید و فروخت، ان کو خوشبو لگانے، حالت جنابت میں چھونے اور علم الضبط سے متعلقہ بعض مسائل پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں مختلف عنوانات کے تحت ان موضوعات سے

متعلقہ روایات اور آثار بیان کیے گئے ہیں۔

کتاب کا پانچواں حصہ مصاحف کے تبادلے، ان کی خرید و فروخت، ان کو لٹکانے، بغیر وضو چھونے، زمین پر رکھنے، مصحف میں دیکھ کر اہانت کروانے، ان کو رہن رکھوانے، ان کی وراثت اور انہیں جلانے وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں مختلف عنوانات کے تحت ان موضوعات سے متعلقہ روایات اور آثار بیان کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کو سب سے پہلے آرتھر جیفری نے ایڈٹ کر کے ۱۹۳۷ء میں شائع کیا۔ بعد ازاں جامعہ ام القریٰ کے پروفیسر ڈاکٹر محبت الدین عبدالسبحان واعظ نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کے طور پر اس کتاب کے نسخہ ظاہریہ کو بنیاد بناتے ہوئے اس کا ایک تحقیقی نسخہ شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر محبت الدین واعظ کا یہ مقالہ دو جلدوں اور ۹۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۹۹۵ء میں اور دوسری ۲۰۰۲ء میں ہوئی۔ یہ کتاب 'دار البشائر الإسلامية' بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ یہ مقالہ 'کتاب المصاحف' بہت ہی علمی اور وریح کام ہے۔ درج ذیل ایڈریس پر pdf فائل کی صورت میں موجود ہے:

<http://www.kabah.info/uploaders/Masahif.rar>

<http://majles.alukah.net/showthread.php?t=1325>

## آرتھر جیفری کا تعارف

آرتھر جیفری ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو آسٹریلیا کے شہر ملبورن میں پیدا ہوا۔ اس کی وفات ۲ اگست ۱۹۵۹ء میں کینیڈا میں ہوئی۔ وہ ایک متعصب پروٹسٹنٹ عیسائی تھا۔ شروع میں قاہرہ میں مشرقی علوم کے سکول میں سامی زبانوں کے استاذ کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ بعد ازاں ۱۹۳۸ء میں کولمبیا یونیورسٹی سے منسلک ہو گیا۔ کئی ایک کتابوں اور مقالات کا مصنف ہے جو درج ذیل ہیں:

1. Eclecticism in Islam, Arthur Jeffery, 1922
2. The Quest of the Historical Muhammad, Arthur Jeffery, 1926
3. Materials for the History of the Text of the Qur'an, Arthur Jeffery, 1936
4. A Variant Text of the Fatiha, Arthur Jeffery, 1939
5. The Orthography of the Samarqand Codex, Arthur Jeffery, 1943
6. The Textual History of the Qur'an, Arthur Jeffery, 1946
7. Islam: Muhammad and His Religion, Arthur Jeffery, 1958

ان کتابوں میں جیفری کی معروف ترین کتاب 'Materials for the History of the Text of the Qur'an' ہے جو ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب 'کتاب المصاحف' کو بنیاد بنا کر لکھی گئی ہے۔ جیفری کی تمام کتابوں اور مقالہ جات کا مرکزی خیال تقریباً ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ بائبل کی طرح قرآن مجید بھی کوئی مستند مذہبی کتاب نہیں ہے۔ آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب 'کتاب المصاحف' کو ایڈٹ (edit) کر کے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں اس نے اپنے عربی مقدمے میں قرآن کے بارے میں کئی ایک فرسودہ خیالات و نظریات کا اظہار کیا ہے۔ آرتھر جیفری کی تحقیق سے مزین 'کتاب المصاحف' ۱۹۳۷ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ اس اشاعت کے شروع میں اس نے اپنی کتاب 'Materials' کو بھی شائع کیا۔ یہ کتاب ۶۰۹ صفحات پر مشتمل ہے اور درج ذیل



ایڈریس پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

<http://books.google.com.pk/books?id=17kUAAAAIAAJ&printsec=frontcover&dq=materials+for+the+history+of+the+text+of+the+quran#v=onepage&q=&f=false>

بعد ازاں ۱۹۶۰ء، ۱۹۶۳ء اور ۱۹۷۵ء میں بھی یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ 'Materials' اور آرتھر جیفری کی بعض

دوسری کتب درج ذیل ایڈریس پر بھی موجود ہیں:

<http://www.bible.ca/islam/library/Jeffery/>

آرتھر جیفری نے 'کتاب المصاحف کا جو مقدمہ لکھا ہے وہ درج ذیل ایڈریس پر موجود ہے:

[http://www.muhammadanism.org/Arabic/book/jeffery/kitab\\_masahif\\_introduction.pdf](http://www.muhammadanism.org/Arabic/book/jeffery/kitab_masahif_introduction.pdf)

## آرتھر جیفری کا علمی مقام و مرتبہ

کیا آرتھر جیفری اس کا اہل تھا کہ وہ 'کتاب المصاحف کو ایڈٹ کر کے شائع کرے؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ آرتھر جیفری اخلاقی اور علمی دونوں پہلوؤں سے اس وقیح علمی کام کا اہل نہ تھا۔ ڈاکٹر محبت الدین واعظ نے اس مسئلہ پر اپنے مقالے میں عمدہ گفتگو کی ہے جس کے چند ایک اہم نکات درج ذیل ہیں:

① آرتھر جیفری نے کتاب المصاحف کی تحقیق میں 'نسخہ ظاہریہ' کو بنیاد بنایا اور اس کا تقابل 'نسخہ دار الکتب المصریہ' سے کیا ہے۔ آرتھر جیفری کا دعویٰ ہے کہ 'نسخہ دار الکتب المصریہ' کا نسخہ ایک دوسرا نسخہ ہے حالانکہ وہ 'نسخہ ظاہریہ' ہی کی ایک نقل ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ دونوں نسخوں میں پہلا صفحہ موجود نہیں ہے۔

② آرتھر جیفری نے کتاب المصاحف میں کئی ایک مقامات پر اپنی طرف سے ابواب کے عنوانات داخل کر دیے ہیں حالانکہ اگر اس نے ایسا کام کیا بھی تھا تو اسے یہ وضاحت کرنا چاہیے تھی کہ فلاں ابواب کے عنوانات اس کے اپنے اختیار کردہ ہیں۔ مثلاً اس نے 'باب من کتب الوحي لرسول الله'، 'باب من جمع القرآن' اور 'ما اجتمع عليه کتاب المصاحف' جیسے عنوانات کا اضافہ کیا ہے۔

بعض اوقات تو ابواب کے نام اپنی طرف سے کتاب المصاحف میں شامل کر کے وہ تحریف قرآن کے نکتہ نظر کی نسبت ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا چاہتا ہے جیسا کہ اس نے 'باب ما غیر الحجاج فی مصحف عثمان'، یعنی حجاج نے مصحف عثمان میں جو تبدیلی کر دی تھی، کے نام سے ایک باب باندھا ہے۔ ڈاکٹر محبت الدین واعظ کی تحقیق شدہ کتاب میں اس نام سے کوئی باب موجود نہیں ہے اگرچہ اس سے متعلقہ ایک روایت ضرور موجود ہے۔ [کتاب المصاحف مع تحقیق الدكتور محب الدین واعظ: ۴۶۳، ۴۶۴]

③ بعض مقامات پر آرتھر جیفری نے اپنی طرف سے کچھ الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے مثلاً کتاب المصاحف کے اصل نسخہ میں 'اختلاف خطوط المصاحف' کا عنوان تھا جسے اس نے 'باب اختلاف خطوط المصاحف' کر دیا۔ اسی طرح اس نے کئی ایک مقامات پر 'باب' کے لفظ کا اضافہ کیا ہے حالانکہ وہاں اس لفظ کا نہ ہونا زیادہ قرین قیاس بات ہے۔

④ بعض مقامات پر اس نے اپنی جہالت کی وجہ سے 'عن' کے لفظ کو 'بن' سمجھ لیا جس سے روایت کی اصل سند مخفی ہو گئی۔

⑤ بعض مقامات پر اسناد کے رجال کی تعیین میں بھی وہ خطا کا مرتکب ہوا ہے۔

⑥ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ اپنی کتاب میں فرمایا: حدثنا عمی و یعقوب بن سفیان یعنی ہم سے ہمارے چچا اور یعقوب بن سفیان نے بیان کیا ہے۔ یعقوب بن سفیان، ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے استاذ ہیں۔ آرتھر جیفری کو جب یعقوب بن سفیان کا ترجمہ (حالات زندگی) نہ ملا تو اس نے اس عبارت میں سے واؤ کو حذف کر کے یعقوب بن سفیان ہی کو ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کا چچا بنا دیا حالانکہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے چچا محمد بن اشعث سجستانی ہیں۔ [کتاب المصاحف مع تحقیق الدكتور محب الدین واعظ: ۹۸، ۹۷]

## آرتھر جیفری کا قرآن کے بارے نقطہ نظر

آرتھر جیفری کے نزدیک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن تحریری شکل میں موجود نہیں تھا اور اپنے اس موقف کی بنیاد اس نے ایک باطل روایت کو بنایا ہے جو صحیح روایات کے منافی ہے۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ مستشرقین کی تحقیق کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا لکھنا جانتے تھے اور یہ بات قرآن سے بھی ثابت ہے۔ آرتھر جیفری نے لکھا ہے کہ اہل مغرب کی تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ مسلمانوں کے لیے اپنی زندگی کے آخری حصے میں ایک کتاب (یعنی قرآن) مرتب کر رہے تھے۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تصنیف ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن کے کام کے بارے اس کا خیال یہ ہے کہ یہ ایک ذاتی جمع تھی نہ کہ سرکاری۔ اس کے گمان میں سرکاری سطح پر قرآن کی جمع کا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوا۔ آرتھر جیفری نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ بعض اسکالر کی تحقیق کے مطابق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا کام صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے کیا تھا لیکن چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت متنازع تھی لہذا بعض اصحاب نے جمع قرآن کے کام کی نسبت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف کرنے کے لیے کچھ ایسی روایات وضع کر لیں جن کے مطابق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن پر مامور کیا گیا تھا۔ آرتھر جیفری ۱۹۴۶ء میں بیان کردہ اپنے ایک لیکچر میں کہتا ہے:

"To begin with it is quite certain that when the Prophet died there was no collected, collated, arranged body of material of his revelations. What we have is what could be gathered together somewhat later by the leaders of the community when they began to feel the need of a collection of the Prophet's proclamations and by that time much of it was lost, and other portions could only be recorded in fragmentary form. There is a quite definite and early Tradition found in several sources which says, "The Prophet of Allah was taken before any collection of the Qur'an had been made". Muslim orthodoxy holds that the Prophet himself could neither read nor write. But in our generation both Professor Torrey of Yale and Dr. Richard Bell of Edinburgh, working independently of each other, have concluded that the internal evidence in the Qur'an itself points to the fact that he could write, and that for some time before his death he been busy preparing material for a Kitab, which he would leave to his people as their Scripture, to be to them what the Torah was to the Jews or the Injil to the Christians. There is, indeed, an uncanonical tradition current among the Shi'a, that the Prophet had made a collection of passages of his revelations written on leaves and silk and

parchments, and just before his death told his son-in-law Ali where this material was kept hidden behind his couch, and bade him take it and publish it in Codex form. It is not impossible that there was such a beginning at a collection of revelation material by the Prophet himself, and it is also possible that Dr. Bell may be right in thinking that some at least of this material can be detected in our present Qur'an. Nevertheless there was certainly no Qur'an existing as a collected, arranged, edited book, when the Prophet died... Here, however, we have our first stage in the history of the text of the Qur'an. There could not be a definitive text while the Prophet was still alive, and abrogation of earlier material or accessions of fresh material were always possible. With his death, however, that situation ended, and we have what was preserved of the revelation material, partly in written form, partly in oral form, in the hands of the community, and tending to become the special care of a small body of specialists... The text thus obtained Tradition regards as officially promulgated by Abu Bakr, and so the first Recension of the text of the Qur'an. Modern criticism is willing to accept the fact that Abu Bakr had a collection of revelation material made for him, and maybe, committed the making of it to Zaid b. Thabit. It is not willing to accept, however, the claim that this was an official recension of the text. All we can admit is that it was a private collection made for the first Caliph Abu Bakr. Some scholars deny this, and maintain that Zaid's work was done for the third Caliph, Uthman, but as 'Uthman was persona non grata to the Traditionists, they invented a first recension by Abu Bakr so 'Uthman might not have the honour of having made the first Recension."

(<http://www.bible.ca/islam/library/Jeffery/thq.htm>)

## آرتھر جیفری کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کے مصاحف

آرتھر جیفری نے اپنی کتاب 'Material' میں کتاب المصاحف کے اس حصے کو بنیاد بنایا ہے جس میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے مصاحف کا تذکرہ ہے۔ آرتھر جیفری اپنی مزعومہ تحقیق کے مطابق یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں مسلمانوں کا کسی ایک قرآن پر اتفاق نہ تھا بلکہ ان میں سے اکثر کے پاس اپنا ذاتی مصحف تھا اور یہ ذاتی مصحف ایک ایسے قرآن پر مشتمل تھا جو دوسرے کے پاس موجود نہ تھا۔ آرتھر جیفری نے کتاب المصاحف کو بنیاد بناتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ روایات و آثار سے ۱۵ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ۱۳ تابعین رضی اللہ عنہم کے ان ذاتی مصاحف کا پتہ چلتا ہے جن کی آیات مصحف عثمانی اور مروجہ قراءات کے خلاف ہیں۔ آرتھر جیفری نے درج ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف مصاحف کی نسبت کی ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	حضرت علی رضی اللہ عنہ
حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	حضرت عمر رضی اللہ عنہ	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
حضرت سالم رضی اللہ عنہ	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ

جیفری نے درج ذیل ۱۳ تابعین کی طرف بھی بعض مصاحف کی نسبت کی ہے:

حضرت اسودؓ	حضرت علقمہؓ
حضرت حطانؓ	حضرت سعید بن جبیرؓ
حضرت طلحہؓ	حضرت عکرمہؓ
حضرت مجاہدؓ	حضرت عطاء بن ابی رباحؓ
حضرت ربیع بن خثیمؓ	حضرت اعمشؓ
حضرت جعفر صادقؓ	حضرت صالح بن کیسانؓ
حضرت حارث بن سویدؓ	

### مصاحف صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کی حقیقت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے حکم سے بھی اور اپنے طور پر بھی قرآن کی کتابت کرتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے کاتب ہونے کی حیثیت سے ایک سرکاری کاتب کا درجہ رکھتے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”إن زید بن ثابت قال: أرسل إلى أبو بكر رضي الله عنه قال إنك كنت تكتب الوحي لرسول الله ﷺ فاتبع القرآن فتبعت.“ [صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کاتب النبی ﷺ، ۴۹۸۹]

”حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک پیغام بر کے ذریعے یہ کہلوا بھیجا کہ تم (اللہ کے رسول ﷺ کے) زمانے میں ان کے لیے وحی لکھا کرتے تھے۔ پس تم قرآن کو تلاش کرو (اور جمع کرو)۔ پس میں نے قرآن کو تلاش کیا (اور جمع کیا)۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ ﷺ سے قرآن کو نقل کرتی تھی اور بعض اوقات یہی صحابہ احادیث بھی لکھ لیا کرتے تھے۔ پس آپ ﷺ نے ایک خاص دورانیے میں احادیث لکھنے سے منع کر دیا تاکہ قرآن کے ساتھ احادیث خلط ملط نہ ہو جائیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کے اسلوب و مزاج سے اچھی طرح واقف ہو گئے تو پھر آپ ﷺ نے احادیث لکھنے کی اجازت جاری فرمادی۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله ﷺ قال: «لا تكتبوا عنيّ ومن كتب عنيّ غير القرآن فليمحه». [صحیح مسلم، کتاب الزهد و الرقاق، باب الثبوت في الحديث وحكم كتابة العلم، ۵۳۲۶]

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھ سے (قرآن کے علاوہ) نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے۔“

آپ ﷺ کے زمانے میں کچھ صحابہ سرکاری کاتبین وحی تھے لہذا سرکاری طور پر جمع شدہ قرآن موجود تھا۔ علاوہ ازیں صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے طور پر بھی قرآن جمع کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن کے مختلف اجزاء لکھی ہوئی صورت میں موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں جمع صدیقی کے وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس کھجور کی شاخوں، پتھروں اور پتھروں پر لکھے ہوئے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”فتبعت القرآن أجمعه من العشب واللخاف وصدور الرجال.“ [صحیح البخاری، کتاب فضائل

بسم الله الرحمن الرحيم

القرآن: باب جمع القرآن: ۳۹۸۶]

”پس میں نے قرآن کو تلاش کیا اور اسے کھجور کی شاخوں، چڑوں، پتھروں اور لوگوں کے سینے سے جمع کرنے لگا۔“  
یہ واضح رہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس مکمل مصاحف لکھی ہوئی صورت میں نہ تھے بلکہ ان کے پاس قرآن کے متفرق اجزاء تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جمع صدیقی کے وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بعض آیات کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس لکھی ہوئی نہ ملتی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”فقدت آية من الأحزاب حين نسخنا المصحف قد كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأ بها، فالتمسناها فوجدناها مع خزيمة بن ثابت الأنصاري.“ [صحيح البخاري: كتاب فضائل القرآن:

باب جمع القرآن: ۲۸۰۷]

”جب ہم نے مصحف کو لکھ لیا تو سورۃ اجزاب کی ایک آیت ہم نے کم پائی جسے میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ پس ہم نے اس آیت (کی لکھی ہوئی صورت) کو تلاش کیا تو ہم نے اسے خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سرکاری طور پر ایک ایسے مصحف کی تیاری کا حکم دیا گیا جس میں قرآن کی جمیع آیات و سورتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہو۔ اس مصحف کی تیاری کا تذکرہ بہت سی روایات میں ملتا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”أن زيد بن ثابت رضى الله قال: أرسل إلي أبو بكر مقتل أهل اليمامة فإذا عمر بن الخطاب عنده، قال أبو بكر إن عمر أتاني فقال: إن القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن و إنني أخشى أن يستحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القرآن و إنني أرى أن تأمر بجمع القرآن. قلت لعمر: كيف تفعل شيئاً لم يفعله رسول الله ﷺ? قال عمر: هذا، و الله! خير. فلم يزل عمر يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك، و رأيت في ذلك الذي رأى عمر. قال زيد: قال أبو بكر: إنك رجل شاب عاقل، لا نتهمك و قد كنت تكتب الوحي لرسول الله ﷺ. فتتبع القرآن فأجمعه. فوالله! لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي مما أمرني به من جمع القرآن. قلت: كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله ﷺ? قال: هو والله! خير، فلم يزل أبو بكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر ÷ و عمر ÷ فتتبع القرآن أجمعه من العسب و اللحاف و صدور الرجال.“ [صحيح البخاري: كتاب فضائل القرآن:

باب جمع القرآن: ۳۹۸۶]

”حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اہل یمامہ کی جنگ کے وقت بلوا بھیجا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں قراء کی کثیر تعداد شہید ہوئی ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ بعض دوسرے مقامات پر بھی قراء کی ایک بڑی تعداد شہید ہو جائے اور ہم سے قرآن کا اکثر حصہ ضائع ہو جائے۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ آپ (یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک جگہ) جمع قرآن کا حکم جاری فرمائیں۔ میں (یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تم وہ کام کیسے کرو گے جو اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہی خیر ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے اس کام کے لیے مشورہ دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کے لیے میرے سینے



کو کھول دیا اور اس مسئلے میں میری رائے بھی وہی ہوگئی جو حضرت عمرؓ کی ہے۔ حضرت زیدؓ نے کہا: حضرت ابو بکرؓ نے یہ کہا کہ تم ایک نوجوان اور سجدہ آرمی ہو اور ہم تم میں کوئی عیب بھی نہیں دیکھتے اور تم اللہ کے رسول ﷺ کے کاتب بھی تھے۔ پس تم قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو۔ (حضرت زیدؓ فرماتے ہیں) اللہ کی قسم! اگر وہ حضرات مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو یہ کام مجھ پر جمع قرآن کی نسبت آسان تھا۔ میں (زیدؓ) نے کہا: آپ حضرات وہ کام کیسے کریں گے جو اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کام خیر ہی خیر ہے۔ پس حضرت ابو بکرؓ مجھے اس کام پر مجبور کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی ویسے ہی کھول دیا جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ کا کھولا تھا۔ پس میں قرآن کو تلاش اور اسے کھجور کی شاخوں چھڑوں پتھروں اور لوگوں کے سینے سے جمع کرنے لگا۔“

ایک اور روایت کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی اس کام میں شریک تھے اور یہ حضرات جمع صدیقی کے دوران اس وقت تک کسی صحابیؓ سے کوئی آیت مبارکہ قبول نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ صحابی اس بات پر دو گواہ نہ پیش کر دے کہ اس نے وہ آیت مبارکہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے لکھی اور پڑھی تھی۔ روایت کے الفاظ ہیں:

عن هشام بن عروة عن أبيه قال: لما استحر القتل بالقراء بالقرآن فرق أبو بكر على القرآن أن يضع فقال لعمر بن الخطاب و لزيد بن ثابت: "أقعدا على باب المسجد فمن جاء كما بشاهدين على شيء من كتاب الله فاكتباه." [كتاب المصاحف، باب جمع أبي بكر الصديق = في المصحف]

”ہشام بن عروہؓ اپنے والد عروہ بن زبیرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب قراء کی بڑے پیمانے پر شہادت ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ اس بات سے گھبرا گئے کہ قرآن ضائع نہ ہو جائے۔ پس انہوں نے حضرت عمرؓ اور زیدؓ سے کہا: مسجد نبوی کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو تمہارے پاس کسی چیز (یعنی لکھی ہوئی ہو اور پڑھی ہوئی) پر دو گواہ لے کر آئے کہ وہ کتاب اللہ میں سے ہے تو اسے لکھ لو۔“

اس روایت کی شرح ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ حضرت ابو صدیقؓ کے زمانے میں تمام قرآن لکھی ہوئی شکل میں جمع کر لیا گیا لیکن یہ مرتب نہیں تھا بلکہ ایک مصحف کی بجائے مختلف صحیفوں کی صورت میں تھا۔ مثال کے طور پر اس کو آسانی کے لیے یوں سمجھ لیں کہ جیسے قرآن کی ۱۱۴ سورتیں ہیں اب یہ تمام سورتیں تو موجود ہوں لیکن متفرق طور پر یا اس کی مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے کہ جیسے قرآن کے تیس پارے ہیں۔ اب یہ تیس اجزاء متفرق طور پر ہوں تو ان کو ’صحف‘ کہیں گے اور اگر ان کو ایک جلد میں جمع کر دیں تو اس کو ’مصحف‘ کہیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں ’صحف‘ تھے نہ کہ ’مصحف‘۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة: "إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فإنما نزل بلسانهم ففعلوا حتى نسخوا الصحف في المصاحف رد عثمان الصحف إلى حفصة." [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۱۳۵۰۶]

”حضرت عثمانؓ نے تین قریشی صحابہؓ سے کہا: جب تمہارا اور زید بن ثابتؓ کا کسی لفظ کو لکھنے (کے رسم) میں اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ پس ان چاروں صحابہؓ نے یہ کام کیا اور تمام ’صحف‘ کو ’مصحف‘ میں نقل کر دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے (حضرت ابو بکرؓ کے

حافظ محمد زبیر تیمی

زمانے میں تیار شدہ) صحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لونا دیے (کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ملے تھے)۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے جزوی و انفرادی صحیفے ان کے پاس موجود رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب سلطنت وسیع ہوئی تو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف شہروں کی طرف ہجرت کر گئے۔ بعض صحابہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بھی بھیجا تھا جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی طرف بھیجا گیا۔ ان کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے شہروں میں اپنے صحائف کے مطابق قرآن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے جو حرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا تھا اس کے مطابق اپنے شاگردوں کو قرآن کی تعلیم دی۔ اس طرح مختلف اسلامی شہروں میں مختلف قرآنی قراءات کا ظہور ہوا جس سے مختلف بلاد و امصار کے قرآن کی قراءات کے حوالے سے ایک تنازع پیدا ہو گیا۔ ہر شہر کے لوگ اپنے شہر کی قراءت کو صحیح اور دوسری کو غلط کہنے لگے حالانکہ ان میں سے اکثر قراءات احرف سبعہ کے ذیل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”عن أبي الشعثاء قال: كنت جالسا عند حذيفة وأبي موسى وعبد الله بن مسعود فقال حذيفة: أهل البصرة يقرؤون قراءة أبي موسى، وأهل الكوفة يقرؤون قراءة عبد الله، أما والله! أن لو قد أتيت أمير المؤمنين لقد أمرته بغرق هذه المصاحف. فقال عبدالله: إذا تغرق في غير ماء.“ [كتاب المصاحف، باب كراهية عبد الله بن مسعود ÷ ذلك]

”ابو شعثاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں حضرت حذیفہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اہل بصرہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اور اہل کوفہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر میں امیر المؤمنین کے پاس آؤں تو انہیں ان جمع (اختلافی) مصاحف کے غرق کرنے کا حکم دے دوں۔ اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تب تو تم بھی بنا پانی کے غرق ہو جاؤ۔“

اس روایت کی سند ایک مدلس راوی کے عنعنکی وجہ سے ’ضعیف‘ ہے لیکن اس روایت کے متن کی تائید بعض صحیح روایات سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق قراءات کے یہ اختلافات محاذ جنگ اور سرحدی علاقوں میں بھی بہت نمایاں ہو گئے تھے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

”أن حذيفة بن اليمان قدم على عثمان و كان يغازي أهل الشام في فتح أرمينية وأذربيجان مع أهل العراق فأفزع حذيفة اختلافهم في القراءة فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين! أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى.“ [صحیح البخاری،

كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۴۹۸۸]

”حضرت حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ اہل عراق و اہل شام کے ساتھ مل کر آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے لیے جنگ کر رہے تھے۔ اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءات کے اختلافات سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! اس امت کو پکڑیں اس سے پہلے کہ یہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے لگے۔“

یہ بھی واضح رہے کہ متفرق احرف کی قراءات کے علاوہ اس عرصے میں یعنی جمع عثمانی سے پہلے کچھ ایسی قراءات

بھی رائج و عام تھیں جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکی تھیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عن سمرة رضى الله عنه قال: "عرض القرآن على رسول الله ﷺ عرضات فيقولون: إن قراءتنا هذه العرضة الأخيرة."

هذا حديث صحيح على شرط البخاري بعضه، وبعضه على شرط مسلم ولم يخرجاه.

تعليق الذهبي في التلخيص: صحيح. [المستدرک على الصحيحين: كتاب التفسير: ۲۵۰/۲]

”حضرت سمرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: قرآن مجید اللہ کے رسول ﷺ پر کئی مرتبہ پیش کیا گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا کہنا یہ تھا کہ ہماری یہ قراءت (یعنی جمع عثمانی والی) عرضہ اخیرہ کے مطابق ہے۔ (امام حاکم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ) اس روایت کا بعض حصہ بخاری کی شرط پر اور بعض مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ’تعلیق‘ میں اس روایت کو ’صحیح‘ کہا ہے۔“

اس بارے میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف تھا کہ کون سی قراءت عرضہ اخیرہ کے مطابق ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عن مجاهد عن ابن عباس قال، قال: "أي القرأتين كانت أخيراً قراءة عبد الله أو قراءة زيد؟" قال، قلنا: "قراءة زيد." قال: "لا إلا أن رسول الله ﷺ كان يعرض القرآن على جبريل كل عام مرة فلما كان في العام الذي قبض فيه عرضه عليه مرتين و كانت آخر القراءة قراءة عبد الله." تعليق شعيب الأرنؤوط: صحيح. [مسند أحمد، باب مسند عبد الله بن العباس: ۲۵۸/۱ مؤسسة قرطبة، القاهرة، ۲۳۹۴]

”حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے سوال کیا: دونوں قراءت میں کون سی قراءت آخری ہے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی۔ ہم نے جواب دیا: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قراءت۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید اللہ کے رسول ﷺ پر ہر سال ایک مرتبہ پیش کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال دوسرے مرتبہ پیش کیا اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت آخری قراءت ہے۔“

بعض صحیح روایات کے مطابق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قراءت عرضہ اخیرہ کے مطابق تھی۔ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ان روایات کو بیان کرنے کے بعد ان میں یوں موافقت پیدا کی ہے کہ یہ دونوں اقوال ہی اپنی جگہ درست ہیں۔ دونوں صحابہ یعنی حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی قراءت عرضہ اخیرہ کے مطابق تھی۔

[فتح الباری: ۲۴۷/۹]

غالب گمان یہی ہے کہ یہ منسوخ قراءات عموماً ان مترادفات کے قبیل سے تھیں جن کی اجازت آپ ﷺ کے زمانے میں تیسیر و عدم حرج کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے دی گئی تھی۔ اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ ’سبعة أحرف‘ میں کچھ حروف، عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں جن کی تلاوت ہم آج تک کرتے چلے آ رہے ہیں۔

جمع عثمانی سے پہلے اسی طرح ایک اور مشکل (جو کسی حد تک بعد میں بھی رہی) یہ بھی درپیش تھی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی تفسیر کو اپنے مصاحف میں لکھ کر قرآن کے ساتھ خلط ملط کر دیا تھا۔ یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے جس

خدا سے کے پیش نظر قرآن کے علاوہ کچھ لکھنے سے منع کیا تھا، اس کا عملی مظہر کچھ اس طرح سامنے آنے لگا تھا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تفسیری نکات کو بھی بطور قرآن نقل کر رہے تھے جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ام سلمہ، حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کاتب کو یہ ہدایت کی وہ قرآن لکھتے وقت سورۃ بقرہ میں ’وصلاة العصر‘ کے الفاظ بھی لکھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عن أبي يونس مولى عائشة أم المؤمنين أنه قال: أمرتني عائشة رضي الله عنها أن أكتب لها مصحفا ثم قالت: ”إذا بلغت هذه الآية: ﴿حَفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَى﴾ فَأَذْنِي فَلَمَّا بَلَغْتَهَا أَذْنَتَهَا فَأَمَلْتُ عَلَيَّ: [حافظوا على الصلوات و الصلاة الوسطى و صلاة العصر و قوموا لله قانتين .] ثم قالت: ”سمعتها من رسول الله ﷺ“

[كتاب المصاحف، باب مصحف عائشة زوج النبي ﷺ]

”یونس مولى حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ میں ان کے لیے ایک مصحف لکھوں۔ پھر یہ کہا کہ جب میں اس آیت یعنی ’حفظوا على الصلوات و الصلوة الوسطى‘ پر پہنچوں، تو انہیں مطلع کروں۔ پس جب میں (یعنی کاتب) اس آیت مبارکہ پر پہنچا تو انہیں خبر دی۔ پس انہوں نے مجھے یہ آیت اس طرح املا کروائی: حافظوا على الصلوات و الصلاة الوسطى و صلاة العصر و قوموا لله قانتين، اور پھر فرمایا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے۔“

ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کوشش کی وہ سرکاری طور پر ایک ایسا مصحف تیار کروائیں جس میں عرضہ اخیرہ کے مطابق جمع احرف قرآنیہ کو نقل کر دیں تاکہ عوام الناس اللہ کے رسول ﷺ سے منقول صحیح قراءات سے واقف ہو سکیں اور جہالت میں ایک دوسرے کی قراءت کا رد نہ کریں۔ علاوہ ازیں اس مصحف کی تیاری سے یہ بھی مقصود تھا کہ جن منسوخ قراءات یا تفسیری نکات کی تلاوت تاحال جاری ہے، ان کو ختم کیا جائے اور تمام مسلمانوں کو سرکاری مصحف کے مطابق قراءت کا پابند بنایا جائے۔ اسکے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہ یعنی حضرت زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبد الرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کا انتخاب کیا۔ اس سرکاری مصحف کی تیاری کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی کئی ایک کاپیاں تیار کروائیں اور مختلف شہروں میں بھیج دیں۔ علاوہ ازیں ایک کام یہ بھی کیا گیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس موجود ان کے ذاتی مصاحف کو جمع کر کے جلا دیا گیا۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة: ”إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم.“ ففعلوا ذلك. حتى نسخوا الصحف في المصاحف رد عثمان الصحف إلى حفصة، و أرسل إلى كل أقب بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق“

[صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۳۵۰۶]

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین قریشی صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا: جب تمہارا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا کسی لفظ کو لکھنے (کے رسم) میں اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ پس ان چاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کام کیا اور تمام ’مصحف‘ کو ’مصاحف‘ میں نقل کر دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیار شدہ) مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لوٹا دیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایک مصحف مختلف اسلامی شہروں میں بھیج دیا اور اس کے علاوہ قرآن کے ہر صحیفے یا مصحف کے بارے یہ حکم جاری کیا کہ اسے جلا دیا جائے۔“

یہ بات واضح رہے کہ جمع عثمانی پر سب صحابہ کا اجماع و اتفاق تھا۔ اختلاف صرف اس مسئلے میں تھا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس اپنے مصاحف میں کچھ اضافی احرف تھے جو جمع عثمانی میں موجود نہ تھے۔ پس وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جمع عثمانی کے ساتھ اپنے ان احرف کی تلاوت کو بھی جاری رکھنا چاہتے تھے جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان احرف کے مطابق تلاوت کی اجازت دینے کے قائل نہ تھے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے حوالے سے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مصحف نہیں بلکہ کئی مصاحف تیار کروائے تھے اور انہیں مختلف شہروں کی طرف بھیج دیا تھا۔ ان مصاحف کی تعداد میں علماء کے ہاں اختلاف ہے۔ بعض نے چار، بعض نے پانچ اور بعض نے چھ اور بعض نے سات بھی نقل کی ہے۔ [کتاب المصاحف

مع تحقیق الدكتور محب الدين واعظ: ۲۳۸-۲۳۹]

کتاب المصاحف کی کئی ایک روایات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کے لیے جو مختلف سرکاری مصاحف تیار کروائے تھے ان میں اختلاف تھا کیونکہ ان مصاحف میں متعلقہ شہروں کی قراءت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان مصاحف کی تیاری کی گئی تھی۔ جو نسخہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اسے 'مصحف امام' کا نام دیا گیا۔ اس موضوع سے متعلق روایات کے مطالعہ کے لیے کتاب المصاحف کے عنوانات 'باب ما كتب عثمان من المصاحف' اور 'الإمام الذي كتب منه عثمان المصاحف' وهو مصحفه' اور 'اختلاف مصاحف الأمصار التي نسخت من الإمام' کا مطالعہ فرمائیں۔

علمائے فن کا اس پر اتفاق ہے کہ صرف اسی قراءت کو بطور قرآن ثابت سمجھا جائے جس میں درج ذیل تین شرائط پائی جاتی ہوں:

- ① وہ صحیح سند سے ثابت ہو اور قراء کے ہاں معروف ہو۔
- ② مصاحف عثمانیہ میں کسی مصحف کے رسم کے مطابق ہو۔
- ③ قواعد لغویہ عربیہ کے موافق ہو۔

ہمارے نزدیک کسی قراءت کی قرآنیت کیلئے رسم عثمانی کی موافقت ایک اساسی شرط ہے۔ جس کی بنیاد مصاحف عثمانیہ پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، لہذا علمائے امت نے ہر دور میں اس کی پابندی کو لازم قرار دیا ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لئے اسی شمارے میں موجود مضمون 'قراءات شاذہ اور ثبوت قرآن کا ضابطہ از محمد اسلم صدیق اور مکتوب بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالمنان نور پوری' مفید رہے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

ہم یہاں یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایسی قراءات کی تعداد بہت ہی کم ہے جو جمع عثمانی میں نہیں تھیں لیکن صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں۔ آرتھر جیفری نے اپنی کتاب 'Materials' میں کتاب المصاحف کی بنیاد پر قراءات کے جو بے شمار اختلافات نقل کیے ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر روایات منقطع اور ضعیف ہیں۔ اور منقطع اور ضعیف روایت کی بنیاد پر کسی مصحف یا قراءت کی نسبت کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا ہمارے نزدیک کوئی علمی رویہ اور اسلوب نہیں ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءات اور مصاحف کے اختلافات کی صحیح روایات بھی موجود ہیں ہیں لہذا اگر کسی صحیح روایت سے کسی معروف قاری صحابی کے مجرد اختلاف قراءت یا اختلاف مصحف کا علم حاصل ہوتا ہے تو

بے

اس روایت کو نقل کرنے میں میں ہم کوئی حرج محسوس نہیں کرتے لیکن بطور قرآن تلاوت نہیں کی جاسکتی۔  
ذیل میں ہم مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب مصاحف و قراءات کا تفصیلی جائزہ لے رہے ہیں۔

### مصحف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما (متوفی ۳۲ھ)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض صحیح روایات و آثار میں مصحف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن کیا یہ ایک مکمل مصحف تھا یا قرآن کی چند سورتوں پر مشتمل تھا؟ اس کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ بعض روایات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ ایک نامکمل مصحف تھا۔ 'کتاب المصاحف' کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

حدثنا عبد الله قال: حدثنا عم قال: حدثنا ابن رجاء قال: أخبرنا إسرائيل عن أبي إسحاق عن خمير بن مالك عن عبد الله قال: "لما أمر بالمصاحف ساء ذلك عبد الله بن مسعود." قال: "من استطاع منكم أن يغل مصحفاً فليغلل فإنه من غل شيئاً جاء بما غل يوم القيامة." ثم قال عبد الله: "لقد قرأت القرآن من في رسول الله ﷺ سبعين سورة وزيد بن ثابت صبي أفأترك ما أخذت من في رسول الله ﷺ"

[کتاب المصاحف، باب کراهية عبد الله بن مسعود ذلك]

اس روایت سے تین باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمع عثمان رضی اللہ عنہ پر راضی نہ تھے۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے اپنا مصحف چھپا لیا تھا اور لوگوں کو اپنے مصاحف چھپانے کا حکم بھی جاری کیا تھا۔ تیسری بات ان کا یہ اقرار ہے کہ انہوں نے ستر سورتیں اللہ کے رسول ﷺ سے براہ راست حاصل کی ہیں۔ ڈاکٹر محبت الدین واعظ کے بیان کے مطابق اس روایت کی سند میں خمیر بن مالک راوی کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل موجود نہیں ہے لیکن اس روایت میں بیان شدہ پہلی اور تیسری بات کی تصدیق کئی ایک دوسری روایات اور آثار سے بھی ہوتی ہے جو کتاب المصاحف اور بعض تفاسیر میں موجود ہیں۔ لہذا من جملہ روایت کے شواہد موجود ہیں اور 'حسن' درجے کی روایت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ وہ بعد میں جمع عثمان پر راضی ہو گئے تھے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے 'کتاب المصاحف' میں 'باب رضا عبد الله بن مسعود بجمع عثمان المصاحف' کے عنوان سے ایک باب بھی باندھا ہے اور اس کے تحت ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ اس روایت کے مطابق جمع عثمان کے وقت بعض لوگ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

"إننا لم نأتك زائرين، و لكننا جئنا حين راعنا هذا الخبير، فقال: إن القرآن أنزل على نبيكم من سبعة أبواب على سبعة أحرف أو حروف، و إن الكتاب قبلكم كان ينزل أو نزل من باب واحد على حرف واحد معناهما واحد." [کتاب المصاحف، باب رضا عبد الله بن مسعود بجمع عثمان المصاحف]

اس وقت ہمارے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف کہیں موجود نہیں ہے لہذا بغیر کسی سند کے یہ کہنا کہ ان کے مصحف میں فلاں آیت یوں تھی یا ایسے لکھی ہوئی تھی ایک غیر مستند دلیل ہے۔ ہاں بعض اسناد سے ان سے چند ایک ایسی قراءات ضرور مروی ہیں جو رسم عثمانی کے خلاف ہیں۔ روایت حفص عن عامر رضی اللہ عنہم درحقیقت حضرت عبد اللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے ثابت ہے اور اس کی اسناد قراء کے ہاں معروف و متواتر ہیں۔ پس تو اترا سے یہ بات ثابت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت وہی تھی جسے آج امت روایتِ حفص کے نام سے پڑھ رہی ہے۔ لہذا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سیدہ بسینہ مروی اس متواتر روایت کے بالمقابل ان سے مروی ان قراءت کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے جن میں اکثر کی اسناد منقطع ہیں اور وہ اخبار آحاد کی قبیل سے ہیں۔

ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں مصحف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تحت ۲۰ روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان روایات میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مختلف قراءت کا تذکرہ ہے۔ کسی ایک روایت میں بھی یہ موجود نہیں ہے کہ مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یوں لکھا تھا۔ اکثر روایات میں پڑھنے کے الفاظ ہیں اور بعض روایات میں تو صیغہ 'عن' کے ذریعے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ الفاظ نقل کر دیے گئے ہیں جن سے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ان کی قراءت تھی یا تفسیر یا راوی نے ان ہی سے یہ الفاظ سنے ہیں یا کسی اور سے نقل کیے ہیں۔ جن روایات میں 'قرأ' یا 'یقرأ' کے الفاظ ہیں ان میں بھی یہ وضاحت موجود نہیں ہے کہ ان الفاظ کو بطور تلاوت پڑھا ہے یا اپنے شاگردوں کو منسوخ الفاظ کی تعلیم دینا مقصود تھا جیسا کہ فی زمانہ شیوخ اپنے شاگردوں کو قراءت شاذہ سے آگاہی کے لیے ان کی تعلیم دیتے ہیں۔

کتاب المصاحف میں مصحف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ذیل میں سب سے زیادہ قراءت کے اختلافات بیان کیے گئے ہیں۔ اس عنوان کے تحت کل ۲۰ روایات بیان ہوئی ہیں۔ پہلی روایت کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ نساء میں "إن الله لا يظلم مثقال نملة" پڑھا ہے۔ ڈاکٹر محبت الدین واعظ کے مطابق اس کی سند میں ایک راوی عطاء البر 'مجمول' ہے۔ دوسری توجیح یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے 'ذرة' کی تفسیر 'نملة' سے کی ہے۔ تیسری توجیح کے مطابق یہ ان مترادفات کے قبیل سے ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے تھے۔

دوسری روایت کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ آل عمران میں "وإرکعی واسجدی فی الساجدین" پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند میں یحییٰ بن کثیر اور جویرہ ضعیف راوی ہیں لہذا روایت قابل قبول نہیں ہے۔ تیسری روایت کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرہ میں 'فی مواسم الحج' پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند 'منقطع' ہے کیونکہ اس کے راوی عطاء رضی اللہ عنہ کی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے لہذا روایت قابل قبول نہیں۔ چوتھی روایت کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں 'بل یداہ بسطان' تھا۔ اس روایت کی سند بھی 'منقطع' ہے۔ حکم بن عتیبة رضی اللہ عنہ کی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ پانچویں روایت کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ بقرہ میں "وتزودوا وخیر الزاد التقوی" پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند بھی 'منقطع' ہے کیونکہ سفیان رضی اللہ عنہ کی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ چھٹی روایت کے مطابق سورۃ بقرہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں "من بقلها وفتائها وثومها وعدسها وبصلها" تھا۔ اس روایت کی سند بھی 'منقطع' ہے کیونکہ ہارون رضی اللہ عنہ کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ ساتویں روایت کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ بقرہ میں "فی مواسم الحج فابتغوا حینئذ" پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند بھی 'منقطع' ہے کیونکہ عطاء رضی اللہ عنہ کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ آٹھویں روایت کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سورہ بقرہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت

ع

”من بقلها وقتائها و فومها و عدسها و بصلها“ تھی۔ اس روایت کی سند بھی ’منقطع‘ ہے۔ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ نویں روایت کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورة عصر کو ”والعصر إن الإنسان لفي خسر وإنه فيه إلى آخر الدهر إلا الذين آمنوا و عملوا الصالحات و تواصلوا بالصبر“ پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند بھی ’منقطع‘ ہے۔ میمون بن مهران کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ دسویں روایت کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ سورة بقرہ میں ”أولئك لهم نصيب ما اكتسبوا“ پڑھتے تھے۔ اس روایت کی سند بھی ’منقطع‘ ہے۔ سفیان رضی اللہ عنہ اصحاب عبد اللہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں اور کوئی نام صراحت سے بیان نہیں کرتے اور اصحاب عبد اللہ کی بھی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس قراءت کی نسبت موجود نہیں ہے۔ گیارہویں روایت کے مطابق منصور اسلمی رضی اللہ عنہ سورة بقرہ میں ’ولكل جعلنا قبله يرضونها‘ پڑھتے تھے۔ اس روایت میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ موجود نہیں ہے لہذا سند ’منقطع‘ ہے۔ بارہویں روایت کے مطابق ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ انہوں نے سورة بقرہ میں ”وأقيموا الحج والعمرة للبيت“ پڑھا۔ روایت کی سند ’منقطع‘ ہے کیونکہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ کس نے ایسے پڑھا ہے۔ تیرہویں روایت کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ”وأقيموا الحج والعمرة للبيت“ تھا۔ اس روایت کی سند میں ’ثورینامی راوی‘ ضعیف ہے لہذا سند کمزور ہے۔ چودھویں روایت کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورة بقرہ میں ”وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم قبله“ پڑھا ہے۔ روایت کی سند ’منقطع‘ ہے کیونکہ ابورزین رضی اللہ عنہ نے اس کی صراحت نہیں کی کہ انہوں نے یہ قراءت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ پندرہویں روایت کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ”ولا تخافت بصوتك ولا تعال به“ تھا۔ اس روایت کی سند بھی ’منقطع‘ ہے کیونکہ ابورزین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماعت کی صراحت نہیں کی۔ سولہویں روایت میں بھی سابقہ قراءت ہی بیان ہوئی ہے۔ اس روایت کی سند بھی ’منقطع‘ ہے۔ ابو عبیدہ بن معن رضی اللہ عنہ اور ابو محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قراءت سننے کا تذکرہ نہیں ہے۔ سترہویں روایت کے مطابق سورة ہود میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ”كذلك أخذ ربك إذا أخذ القرى“ بغیر واو پڑھا ہے۔ روایت کی سند ’منقطع‘ ہے۔ سفیان رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قراءت سننے کی صراحت نہیں کی۔ انیسویں روایت کے مطابق ’ان‘ کی قراءت سورة بقرہ میں ”فزلزلوا يقول حقيقة الرسول و الذين آمنوا“ تھی۔ روایت کی سند ’منقطع‘ ہے کیونکہ ادريس كوفي نے یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ کن کی قراءت تھی۔ بیسیویں روایت کے مطابق قرآن کی ۴۸ سورتوں میں اعمش نے اپنے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اختلافات قراءت نقل کیے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم ان اختلافات کو نقل نہیں کر رہے۔ اس روایت کی سند ’منقطع‘ ہے کیونکہ اعمش نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماعت کی صراحت نہیں کی۔ اکیسویں روایت کے مطابق سورة مائدہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ”إنما وليكم الله و رسوله و الذين آمنوا و الذين يقيمون الصلوة“ تھی۔ اس روایت کی سند بھی ’منقطع‘ ہے۔ جریر بن عبد الحمید کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

آرتھر جیفری نے اپنی کتاب 'Materials' میں الفہرست لابن ندیم، اور الائقان السیوطی سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود سورتوں کی ایک نامکمل فہرست بھی پیش کی ہے۔ ان دونوں فہرستوں میں



سورتوں کی ترتیب مصحف عثمانی کی ترتیب سے مختلف ہے لیکن ان دونوں فہرستوں کی اپنی ترتیب میں بھی اختلاف ہے۔ لہذا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورتوں کی ترتیب والی روایت مضطرب ہوئی اور ناقابل قبول ہے۔ ابن ندیم رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۳۸ھ) کی پیش کردہ فہرست کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں مصحف عثمانی کے بالمقابل ۹ سورتیں غائب ہیں۔ ابن ندیم رضی اللہ عنہ نے فضل بن شاذان (متوفی ۲۶۰ھ) کے حوالے سے مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی درج ذیل فہرست پیش کی ہے۔

قال الفضل بن شاذان: وجدت في مصحف عبد الله بن مسعود تأليف سور القرآن على هذا الترتيب البقرة، النساء، آل عمران، المص، الأنعام، المائدة، يونس، هود، يوسف، بني إسرائيل، الأنبياء، المؤمنون، الشعراء، الصافات، الأحزاب، القصص، النور، الأنفال، مريم، العنكبوت، الروم، يس، الفرقان، الحج، الرعد، سبأ، المليكة، إبراهيم، ص، الذي كفروا، القمر، الزمر، الحواميم المسبحات، حم المؤمن، حم الزخرف، السجدة، الأحقاف الجاثية، الدخان، إنا فتحنا، الحديد، سبح، الحشر، تنزيل السجدة، ق، الطلاق، الحجرات، تبارك الذي بيده الملك، التغابن، المنافقون، الجمعة، الحواريون، قل أوحى، إنا أرسلنا نوحا، المجادلة، الممتحنة، يا أيها النبي، لم تحرم، الرحمن، النجم، الذاريات، الطور، اقتربت الساعة، الحاقة، إذا وقعت، ن، والقلم، النازعات، سأل سائل، المدثر، المزمّل، المطففين، عيس، هل أتى على الإنسان، القيامة، المرسلات، عم يثوب، إذا الشمس كورت، إذا السماء انفطرت، هل أتاك حديث الغاشية، سبح اسم ربك الأعلى، والليل إذا يغشى، الفجر، البروج، انشقت، اقرأ باسم ربك، لا أقسم بهذا البلد، والضحي، ألم نشرح لك، والسماء والطارق، والعاديات، أرأيت، القارعة، لم يكن الذين كفروا من أهل الكتاب، الشمس وضحاها، والتين، ويل لكل همزة، الفيل، لإيلاف قريش، التكاثر، إنا أنزلناه، والعصر إن الإنسان لفي خسر، إذا جاء نصر الله، إنا أعطيناك الكوثر، قل يا أيها الكفرون لا أعبد ما تعبدون، تبت يدا أبي لهب وتب ما أغنى عنه ما له و ما كسب، قل هو الله أحد الله الصمد، فذلك مائة وعشر سور. وفي رواية أخرى: الطور قبل الذاريات. قال أبو شاذان قال ابن سيرين: وكان عبد الله بن مسعود لا يكتب المعوذتين في مصحفه ولا فاتحة الكتاب. وروى الفضل بإسناده عن الأعمش، قال في قوله: قرأه عبد الله حم سق. [الفهرست لابن ندیم، باب ترتیب القرآن في مصحف عبد الله بن مسعود: ۳۹]

فضل بن شاذان رضی اللہ عنہ ایک شیعہ امامیہ فقیہ اور متکلم ہیں جن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی۔ ان کی اس روایت پر آرتھر جیفری کے انتقاد اعلیٰ کے اصولوں کی تطبیق کی جائے تو یہ روایت 'ضعیف' ثابت ہوتی ہے۔ اس روایت کا متن ہی اس کی کمزوری کی علامت ہے۔ اس روایت کے آخر میں یہ بیان ہے کہ یہ کل ۱۱۰ سورتیں ہیں حالانکہ یہ کل ۱۰۵ سورتیں ہوئیں اور اس فہرست میں ۹ سورتیں یعنی سورۃ فاتحہ، سورۃ الحجر، سورۃ الکہف، سورۃ طہ، سورۃ نمل، سورۃ شوریٰ، سورۃ زلزال، سورۃ الفلق، سورۃ الناس غائب ہیں۔ خود اس روایت کا متن اس کی تصدیق سے انکاری ہے۔

علاوہ ازیں فضل بن شاذان رضی اللہ عنہ کی سن وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تیسری صدی ہجری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کوئی مصحف دیکھا۔ اب اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ تیسری صدی ہجری میں وہ جو مصحف دیکھ رہے

ہیں وہ واقعتاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے بھی کہ نہیں؟

ابن ندیم رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۳۸ھ) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے یعنی چوتھی پانچویں صدی ہجری میں کئی ایک ایسے مصاحف دیکھے ہیں جن کے بارے میں لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف ہے لیکن ان میں سے دو مصحف بھی آپس میں نہیں ملتے۔ ابن ندیم رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ بھی ہے کہ میں نے دو سو سال پرانا یعنی تیسری صدی ہجری کا ایک مصحف دیکھا ہے جس کی نسبت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے اور اس میں سورۃ فاتحہ بھی موجود ہے۔ ابن ندیم رضی اللہ عنہ کی عبارت یہ ہے:

”قال محمد بن إسحاق رأيت عدة مصاحف ذكر نساخها أنها مصحف بن مسعود ليس فيها مصحفين متفقين وأكثرها في رق كثير النسخ وقد رأيت مصحفاً قد كتب منذ مائتي سنة فيه فاتحه الكتاب.“ (أيضاً)

امام سیوطی رضی اللہ عنہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے ’الاتقان‘ میں مصحف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں سورتوں کی ترتیب کی جو فہرست بیان کی ہے وہ درج ذیل ہے:

قال ابن أشتة أيضاً: وأخبرنا أبو الحسن بن نافع أن أبا جعفر محمد بن عمرو بن موسى حدثهم قال: حدثنا محمد بن إسماعيل بن سالم حدثنا علي بن مهران الطائي حدثنا جرير ابن عبد الحميد قال: ”تأليف مصحف عبد الله بن مسعود: الطوال البقرة والنساء وآل عمران والأعراف والأنعام والمائدة و يونس . والمئين: براءة والنحل وهود ويوسف والكهف وبني إسرائيل والأنبياء وطه والمؤمنون والشعراء والصفات . والمثاني: الأحزاب والحج والقصص وطس والنمل والنور والأطفال ومريم والعنكبوت والروم ويس والفرقان والحجر والرعد والسبا والملائكة وإبراهيم وص والذين كفروا ولقمان والزمر والحواميم حم المؤمن والذخرف والسجدة وحمعسق والأحقاف والجاثية والدخان وإنا فتحنا لك والحشر وتنزيل السجدة و الطلاق ون والقلم والحجرات وتبارك والتغابن وإذا جاءك المنافقون والجمعة والصف وقل أوحى وإنا أرسلنا والمجادلة والممتحنة ويا أيها النبي لم تحرم والمفصل: الرحمن والنجم والطور والذاريات واقتربت الساعة والواقعة والنازعات وسأل سائل والمدثر والمزمل والمطففين وعبس وهل أتى والمرسلات والقيامة وعم يتساءلون وإذا الشمس كورت وإذا السماء انفطرت والغاشية وسبح والليل والفجر والبروج وإذا السماء انشقت وقرأ باسم ربك والبلد والضحى والطارق والعاديات وأرأيت والقارعة ولم يكن والشمس وضحاها والتين وويل لكل همزة وألم تر كيف لإيلاف قريش وأهلهاكم وإنا أنزلناه وإذا زلزلت والعصر وإذا جاء نصر الله والكوثر وقل يأ أيها الكفرون وتبت وقل هو الله أحد وألم نشرح وليس فيه الحمد ولا المعوذتان.“ [الإتقان في علوم القرآن، النوع الثامن عشر في جمعه و ترتيبه: ص ۲۲۳]

اس روایت کے مطابق مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں سورۃ فاتحہ نہ تھی جبکہ ابن ندیم رضی اللہ عنہ نے جو مصحف دیکھا اس میں سورۃ فاتحہ بھی موجود تھی۔ اس بحث کا خلاصہ کلام وہی ہے جو ابن ندیم رضی اللہ عنہ نے نکالا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کے بارے میں مروی روایات میں سے کوئی دو روایات یا ان کی طرف منسوب مصاحف میں سے کوئی دو مصحف بھی

آپس میں متفق نہیں ہیں۔ پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف ان مصاحف یا روایات کی نسبت میں اضطراب ہے اور مضطرب روایت محدثین کے ہاں 'ضعیف' ہی کی ایک قسم ہے۔ پس ہم یہی ماننے پر مجبور ہیں کہ مصحف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں وہی قراءات موجود تھیں جو ان سے سینہ بسینہ صحیح و متواتر سند کے ساتھ آج تک قراء نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور روایت حفص بھی انہی میں سے ایک ہے۔ ان میں سے چند ایک اسناد ماہنامہ رشد جون ۲۰۰۹ء، ص ۱۹۵ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

### مصحف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (متونی ۱۶، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)

مصحف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے وجود کے بارے میں بھی روایات و آثار ملتے ہیں۔ لیکن روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ان کا یہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ضبط کر لیا تھا۔ جمع عثمانی سے قبل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مصحف کیسا تھا یا کن سورتوں پر مشتمل تھا یا اس کا رسم الخط کیا تھا اس بارے ہمیں کوئی مستند روایت نہیں ملتی۔ جو روایات ان کے مصحف کے احوال کے بارے مروی ہیں وہ باہم متضاد ہیں لہذا انتقاد اعلیٰ کے اصول اور مضطرب آہن ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول اور ضعیف ہیں۔

ابن ندیم رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب 'الفہرست' میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود سورتوں کی ترتیب مصحف عثمانی کے برعکس بیان کی ہے۔ اس روایت کے مطابق فضل بن شاذان (متونی ۲۶۰ھ) کسی مبہم ثقہ صاحب سے مصحف ابی رضی اللہ عنہ کی سورتوں کی ترتیب نقل کرتے ہیں۔ اس ترتیب کے مطابق ان کے مصحف میں مصحف عثمانی کے بالمقابل ۱۰ سورتیں یعنی سورۃ العنکبوت، سورۃ لقمان، سورۃ الدخان، سورۃ الذاریات، سورۃ الاحقاف، سورۃ مزمل، سورۃ مدثر، سورۃ البلد اور سورۃ العصر غائب ہیں۔ علاوہ ازیں دو سورتوں سورۃ الخلع اور سورۃ الجید کا اضافہ بھی ہے۔ اس روایت میں کل ۱۰۶ سورتوں کا بیان ہے حالانکہ روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ کل ۱۱۶ سورتیں ہوئیں یعنی مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کی مانند

یہ روایت بھی اپنی تکذیب خود ہی کر رہی ہے۔ [الفہرست، باب ترتیب القرآن فی مصحف ابی بن کعب: ص ۲۰]

امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے 'الاتقان' میں مصحف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی سورتوں کی جو ترتیب بیان کی ہے وہ ابن ندیم رضی اللہ عنہ کی ترتیب سے مختلف ہے۔ امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے یہ روایت ابن اشعث رضی اللہ عنہ (متونی ۴۹۱ھ) سے نقل کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب 'کتاب المصاحف' میں بیان کی ہے۔ ابن اشعث رضی اللہ عنہ کی یہ کتاب اس وقت مفقود ہے لہذا اس خبر کی بنیاد ہمارے پاس 'الاتقان' ہی ہے۔ ابن اشعث رضی اللہ عنہ نے یہ روایت محمد بن یعقوب انہوں نے ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے ابو جعفر الکلونی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ ابو جعفر الکلونی رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی۔ ابن اشعث رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس فہرست میں مصحف عثمانی کے بالمقابل ۱۰۶ سورتوں کا بیان ہے اور ۸ سورتیں یعنی سورۃ الفرقان، سورۃ فاطر، سورۃ زخرف، سورۃ قمر، سورۃ مجادلہ، سورۃ انسان، سورۃ بروج وغیرہ غائب ہیں علاوہ ازیں دو سورتوں سورۃ الخلع اور سورۃ الحجد کا اضافہ بھی ہے۔ [الاتقان، باب النوع الثامن عشر من جمعه و ترتیبہ: ص ۲۲۳] یہ دونوں روایات مضطرب ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں۔

علاوہ ازیں کتاب المصاحف ہی کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مصحف اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے پاس بھی یہ مصحف موجود نہ تھا چاہے جائیکہ کوئی

سینکڑوں سال بعد اپنے پاس مصحف ابی بن کعبؓ کے ہونے کا دعویٰ کرے۔ ابن ابی داؤدؒ کی روایت کے الفاظ ہیں: ”حدثنا عبد الله قال حدثنا أبو الربيع قال أخبرنا ابن وهب أخبرني عمرو قال: قال بكير حدثني بسر بن سعيد عن محمد بن أبي أناسا من أهل العراق قدموا إليه فقالوا: إنما تحملنا إليك من العراق فأخرج لنا مصحف أبي قال محمد: قد قبضه عثمان. قالوا: سبحان الله! أخرج له لنا. قال: قد قبضه عثمان. [كتاب المصاحف، باب جمع عثمان المصاحف]

ابن ابی داؤدؒ نے مصحف ابی بن کعبؓ کے تحت چار روایات کا تذکرہ ہے۔ جن میں چار مقامات قرآنیہ میں حضرت ابی بن کعبؓ کے اختلاف قراءت کا ذکر ہے۔ دوسری اور تیسری روایت میں ان کے ذاتی مصحف کا بھی بیان ہے۔ اس مصحف کو حضرت عثمانؓ نے بعد میں ضبط کر لیا تھا۔ پہلی روایت کے مطابق حضرت ابی بن کعبؓ نے سورہ نساء میں ’فما استمتعتم به منهن إلى أجل مسمى‘ پڑھا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق سورہ بقرہ میں ان کے مصحف میں ’للذين يقسمون من نسائهم‘ کے الفاظ درج تھے۔ تیسری روایت کے مطابق سورہ بقرہ ہی میں ان کے مصحف میں ’فلا جناح عليه أن يطوف بهما‘ لکھا ہوا تھا۔ چوتھی روایت کے مطابق وہ سورہ بقرہ میں ’فصيام ثلاثة أيام متتابعات‘ پڑھتے تھے۔ پہلی تین روایات کی سند ’منقطع‘ ہے۔ آخری روایت کی سند ’صحیح‘ ہے لیکن حضرت عثمانؓ نے سرکاری مصحف جاری کرنے کے بعد یہ مصحف اپنے قبضے میں لے لیا تھا لہذا قرآن کی تلاوت میں یہ روایت دلیل نہیں بنتی۔ ہمارے خیال میں یہ دراصل تفسیری نکتہ تھا جو بطور قراءت نقل ہو گیا۔

علاوہ ازیں روایت حفص عن عاصم کی صحیح و متواتر سند حضرت علی بن ابی طالبؓ تک بھی جاتی ہے۔ لہذا اس متواتر سند کی موجودگی میں ان کی ایسی قراءت کی کیسے تصدیق کی جاسکتی ہے جو ’ضعیف‘ اور اخبار آحاد کی قبیل سے ہیں۔ یہ سند ماہنامہ رشد جون ۲۰۰۹ء ص ۱۹۵ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

### مصحف علی بن ابی طالبؓ (متونی ۴۰)

کتاب المصاحف میں ابن ابی داؤدؒ نے ’جمع علی بن ابی طالبؓ‘ کے نام سے ایک عنوان باندھا ہے اور اس کے تحت ایک روایت نقل کی ہے۔ اس روایت کے مطابق اللہ کی رسول ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے یہ قسم کھالی تھی کہ اس وقت تک اپنی چادر نہ اوڑھیں گے جب تک قرآن جمع نہ کر لیں۔ قرآن جمع کرنے سے ان کی مراد کیا تھی؟ اس بارے میں جمہور اہل سنت علماء کا کہنا ہے کہ اس سے ان کی مراد قرآن کو یاد کرنا تھا۔ روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”حدثنا عبد الله قال حدثنا محمد بن إسماعيل الأحمسي قال حدثنا ابن فضيل عن أشعث عن محمد بن سيرين قال: لما توفي النبي ﷺ أقسم علي أن لا يرتدي برداء إلا لجمعة حتى يجمع القرآن في مصحف ففعل، فأرسل إليه أبو بكر بعد أيام أكرهت أمارتي يا أبا الحسن؟ قال: لا والله! إلا أني أقسمت أن لا أردني برداء إلا لجمعة، فبايعه ثم رجع. (قال أبو بكر: لم يذكر المصحف أحد إلا أشعث وهو لين الحديث وإنما رووا حتى أجمع القرآن يعني: أتم حفظه فإنه يقال للذي يحفظ القرآن قد جمع القرآن). [كتاب المصاحف، باب جمع علي بن أبي طالب]

اس روایت کی سند میں اشعث راوی 'ضعیف' ہے۔ علاوہ ازیں اس کی سند 'معضل' بھی ہے یعنی اس میں ابن سیرین رضی اللہ عنہ کے بعد دو راوی غائب ہیں۔ امام بن حجر رضی اللہ عنہ نے بھی 'فتح الباری' میں اس جمع سے مراد حفظ ہی لیا ہے۔ امام ابن حجر رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ بھی ہے کہ جن روایات میں بین اللوحین جمع کرنے کا تذکرہ ہے وہ راوی کا وہم ہے۔ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے بھی ابن سیرین رضی اللہ عنہ کی روایت کو 'ضعیف' کہا ہے۔ [فتح الباری: ۱۳۶۹]

بفرض مجال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا کوئی صحف ترتیب دیا بھی تھا تو جمع عثمانی پر ان کی رضا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے یہ صحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا تھا۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: حدثنا عبد الله قال حدثنا سهل بن صالح قال حدثنا أبو داؤد و يعقوب قال: أخبرنا شعبة عن علقمة بن مرثد عن سويد بن غفلة قال: قال علي في المصاحف: "لو لم يصنعه عثمان لصنعتة." قال أبو داؤد: عن رجل عن سويد [كتاب المصاحف، باب اتفاق الناس مع عثمان على جمع المصاحف]

اس روایت میں ایک راوی 'مہم' ہے لہذا سند ضعیف ہے لیکن اس کی تائید بعض دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے۔ اگر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعاً کوئی علیحدہ سے صحف تھا تو آج اہل تشیع کے پاس وہ صحف موجود ہوتا لیکن وہ بھی اہل سنت کی طرح صحف عثمانی ہی کی تلاوت کرتے ہیں اور اسی کو صحف سمجھتے ہیں۔

یہ بات بہر حال کثرت طرق سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع عثمانی ہی کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے جمع کیا تھا لیکن ان کی یہ جمع اس وقت کہاں ہے؟ اس کے بارے کچھ علم نہیں ہے۔ امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے 'الاقان' میں اس جمع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [الإقنان، باب النوع الثامن عشر من جمعه و ترتیبه]

ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے صحف علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عنوان کے ذیل میں صرف ایک ہی روایت نقل کی گئی ہے جس کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرہ میں "آمن الرسول بما أنزل إليه و آمن المؤمنون" پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند میں بعض راوی 'ضعیف' ہیں۔ لہذا یہ روایت ناقابل قبول ہے۔ اس روایت کو امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے 'الدر المنثور' میں مصنف کی سند سے یوں نقل کیا ہے: "آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه و آمن المؤمنون" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب المصاحف کے ناظرین سے 'من ربه' کے الفاظ لکھنے میں رہ گئے تھے۔ اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی ذاتی صحف کا تذکرہ نہیں ہے۔

روایت حفص عن عاصم کی صحیح و متواتر سند حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک بھی جاتی ہے۔ لہذا اس متواتر سند کی موجودگی میں ان کی ایسی قراءات کی کیسے تصدیق کی جاسکتی ہے جو 'ضعیف' اور اخبار آحاد کی قبیل سے ہیں۔ یہ سند ماہنامہ رشد جون ۲۰۰۹ء، ص ۱۹۵ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

### صحف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (متونی ۶۸ھ)

آرتھر جیفری کے بیان کے مطابق مورخ 'زنجانی' نے 'ابو الفتح شہرستانی' کی تفسیر کے مقدمے سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے صحف میں موجود سورتوں کی ترتیب نقل کی ہے جو صحف عثمانی کی ترتیب کے خلاف ہے۔ شہرستانی کے بیان کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہ کے صحف کی سورتوں کی ترتیب صحف عثمانی کے بالمقابل درج ذیل تھی:

" 96, 68, 93, 73, 74, 1, 111, 81, 87, 92, 89, 94, 55, 103, 108, 102, 107, 105, 109,

112, 53, 80, 97, 91, 85, 95, 106, 101, 75, 104, 77, 50, 90, 86, 54, 38, 7, 72, 36, 25, 35, 19, 20, 26, 27, 28, 17, 10, 11, 12, 15, 6, 37, 31, 34, 39, 40, 41, 42, 43, 44, 45, 46, 51, 88, 18, 16, 71, 14, 21, 23, 13, 52, 67, 69, 70, 78, 79, 82, 84, 30, 29, 83, 2, 8, 3, 59, 33, 24, 60, 48, 4, 99, 22, 57, 47, 76, 65, 98, 62, 32, 63, 58, 49, 66, 64, 61, 5, 9, 110, 56, 100, 113, 114." (Materials: Codex of Ibne Abbas)

ابو الفتح شہرستانی (متوفی ۵۲۸ھ) ایک شیعہ مفسر اور عالم دین ہیں۔ ان کی تفسیر کا نام 'مفاتیح الأسرار و مصابیح الأبرار' ہے۔ ہمارے علم کی حد تک یہ تفسیر تاحال غیر مطبوع ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس تفسیر کے مقدمے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس مصحف کی نسبت کی سند دیکھی چاہیے۔ آرتھر جیری نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی اور نہ ہی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ بغیر سند کے کوئی روایت کسی مفسر کے محض بیان کر دینے سے کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ جبکہ معاملہ بھی قرآن کا ہو۔

اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کوئی مصحف اس ترتیب پر مبنی تھا تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعض سلف صالحین کے بارے میں یہ مروی ہے کہ انہوں نے جمع عثمانی کو ترتیب نزولی کے مطابق جمع کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس ترتیب کو دیکھ کر پہلی نظر میں ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ صاحب مصحف ترتیب نزولی کے مطابق قرآن کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ آج بھی اگر کوئی شخص ذاتی طور پر ترتیب نزولی کے مطابق قرآن کو جمع کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جبکہ وہ مصحف عثمانی کی ترتیب کے مطابق ہی مصحف کی تلاوت اور نشر و اشاعت کا قائل ہو۔

قرآن کی سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے یا اجتہادی۔ اس مسئلے میں سلف صالحین کا اختلاف ہے۔ جمہور کی رائے کے مطابق سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور اس کے دلائل بھی قوی ہیں۔ آگے چل کر ہم اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کریں گے۔

کتاب المصاحف میں مصحف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تحت ۳۳ روایات نقل ہوئی ہیں۔ پہلی پانچ روایات کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ بقرہ میں 'فلا جناح علیٰ الایطوف بہما' پڑھا ہے اور چھٹی روایت کے مطابق 'الایطوف فیہما' پڑھا ہے۔ ان روایات کے بعض طرق صحیح ہیں۔ لیکن یہ روایات اخبار آحاد ہیں اور رسم عثمانی کے خلاف ہیں لہذا ناقابل قبول ہیں۔ رسم عثمانی میں 'لا' موجود نہیں ہے لہذا بطور قرآن نہیں پڑھنا چاہیے البتہ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ قراءت ان احرف میں سے ہو جو جمع عثمانی میں نقل ہونے سے رہ گئے۔

اگلی چار روایات کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ بقرہ میں 'لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج' پڑھا ہے۔ ان روایات کے بعض طرق صحیح ہیں۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے نہ کہ قراءت۔ امام ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں یہی نقل کیا ہے۔ کتاب المصاحف کی بعض روایات سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصود شان نزول کی طرف اشارہ کرنا تھا نہ کہ قراءت کو بیان کرنا جیسا کہ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

قال ابن عباس: "نزلت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ."

[کتاب المصاحف، باب مصحف عبد اللہ بن عباس]

گیارہویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ آل عمران میں 'إنما ذلکم الشیطان یخوفکم

اولیاءہ پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند 'ضعیف جداً' ہے۔ ایک راوی طلحہ الخضر می 'متروک' ہے۔ بارہویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ بقرہ میں 'أولئك لهم نصيب مما اكتسبوا' پڑھا ہے۔ اس کی سند 'صحیح' ہے لیکن یہ رسم عثمانی کے خلاف ہے لہذا ناقابل قبول ہے۔

گیارہویں روایت کے مطابق ان سے سورۃ بقرہ میں 'وأقيموا الحج والعمرة للبيت' منقول ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ یہ بطور تفسیر منقول ہے یا بطور تعلیم یا بطور تلاوت۔ روایت کے الفاظ ہیں:

عن سعيد بن جبر عن ابن عباس "وأقيموا الحج والعمرة للبيت". [أيضاً]

ڈاکٹر محبت الدین واعظ کے بیان کے مطابق اس روایت کی سند کا ایک راوی حسین بن معدان 'مجهول' ہے۔

بارہویں روایت کے مطابق ان سے سورۃ شوری میں 'وشاورهم في بعض الأمر' منقول ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

"عن عمرو بن دينار عن ابن عباس "وشاورهم في بعض الأمر". [أيضاً]

اس روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس آیت کو بطور تلاوت نقل کیا یا پڑھا ہے۔ یہ ان کی تفسیر بھی ہو سکتی ہے اور اپنے شاگردوں کو منسوخ تلاوت کی آگاہی بھی۔ تیرہویں روایت بھی اسی معنی و مفہوم کی ہے۔ ان روایات کی سند 'صحیح' ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہیں۔ مذکورہ بالا روایت کے الفاظ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے جسے بعض حضرات نے غلطی سے بطور قراءت نقل کر دیا ہے۔

چودھویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ حج میں 'وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبی محدث' پڑھا۔ اس روایت کی سند 'صحیح' ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

عن عمرو قال: قرأ ابن عباس: "وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبی محدث". [أيضاً]

بظاہر یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر معلوم ہوتی ہے جو غلطی سے بطور قراءت نقل ہو گئی کیونکہ نسخہ شریعتی میں 'قرأ' کی بجائے 'قال' کے الفاظ منقول ہیں۔ پندرہویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ یس میں 'یا حسرة العباد پڑھا ہے۔ اس کی سند 'صحیح' ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔ ان مترادفات کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے ہیں۔ سولہویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ اعراف میں 'كأنك حفي بها' منقول ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

عن عمرو عن ابن عباس: "كأنك حفي بها". [أيضاً]

اس روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بطور قراءت پڑھنے کی صراحت نہیں ہے لہذا اسے ان کی تفسیر پر محمول کیا جا سکتا ہے یا یہ ان مترادفات کے قبیل میں سے ہے جو منسوخ ہو چکے ہیں۔ روایت کی سند 'صحیح' ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے بطور قراءت غیر مقبول ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ ان حرف میں سے ہو جو جمع عثمانی میں نقل ہونے سے رہ گئے۔

سترہویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ بقرہ میں 'وإن عزموا السراحا پڑھا کرتے تھے۔ یہ ان مترادفات کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے ہیں۔ اس روایت کی سند 'صحیح' ہے لیکن رسم عثمانی

کے خلاف ہونے کی وجہ سے بطور قراءت غیر مقبول ہے۔ اٹھارہویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ آل عمران میں 'و ما يعلم تأويله إلا الله ويقول الراسخون آمنا به' پڑھا کرتے تھے۔ اس روایت کی سند 'حسن' درجے کی ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔

انیسویں اور اکیسویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ بقرہ میں 'فإن آمنوا بالذی أمتمتم به' پڑھنے کا حکم دیا۔ بیسیویں روایت میں ہے کہ انہوں نے اس آیت کو اسی طرح پڑھا۔ اکیسویں روایت کے الفاظ ہیں: حدثنا عبد الله نا نصر بن علي قال أخبرني أبي نا شعبة قال: قال لي الأعمش: "ما عندك في قوله: ﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ ﴾؟ فقلت له: حدثني أبو حمزة قال: قال ابن عباس: "لا تقل: فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ اللَّهُ مِثْلًا، وَلَكِنْ قُلْ: فَإِنْ آمَنُوا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا." [أيضاً]

اس روایت کی سند 'صحیح' ہے لیکن مصاحف عثمانیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا الحرف مكتوب في الإمام وفي مصاحف الأمصار كلها ﴿ بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ ﴾ و هي كلمة عربية جائزة في لغة العرب كلها، و لا يجوز أن يجتمع أهل الأمصار كلها وأصحاب النبي ﷺ معهم على الخطأ، و خاصة في كتاب الله عزوجل و في سنن الصلاة. [أيضاً]

بانیسویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ بقرہ میں 'حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطی و صلاة العصر' پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند 'حسن' درجے کی ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے بطور قراءت غیر مقبول ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے 'الصلوة الوسطی' کی تفسیر 'صلاة العصر' سے کی تھی۔ [صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطی] محسوس یہی ہوتا ہے کہ اسے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے غلطی سے تلاوت سمجھ کر نقل کر دیا۔ بہر حال جمع عثمانی میں ان الفاظ کو صحف میں نہیں رکھا گیا تھا جو ان کے غیر قرآن ہونے کا بین ثبوت ہے۔

تیسویں روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ نساء میں 'طيبات كانت أحلت لهم' پڑھا تھا۔ اس روایت کی سند 'صحیح' ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے بطور قراءت غیر مقبول ہے۔ روایت کے الفاظ سے بظاہر محسوس ہوتا ہے یہ ان کی تفسیر ہے یعنی قرآنی آیت کے معنی و مفہوم میں زمانے کا تعین کر رہے ہیں۔

اگلی چار روایات کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ نساء میں 'فما استمتعتم به منهن إلى أجل مسمى' پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند 'صحیح' ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔ ان مترادفات کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے ہیں اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے مصاحف میں نقل نہیں کروایا۔ ان احرف کے قبیل سے بھی ہو سکتی ہے جو جمع عثمانی میں نقل ہونے سے رہ گئے ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں:

"حدثنا عبد الله نا حماد بن الحسن نا الحججاج يعني ابن نصير نا شعبة عن أبي سلمة عن أبي نضرة قال: قرأت علي ابن عباس: فما استمتعتم به منهن فقال ابن عباس: إلى أجل مسمى





في مصحفی هذا من زیادة فلا تنقصوها وما وجدتم من نقصان فاكتبوه .“

[کتاب المصاحف، باب ما کتب عثمان من المصاحف]

اس روایت کی سند میں عبد الاعلیٰ بن الحکم الکلابی کے بارے کوئی جرح و تعدیل مروی نہیں ہے لیکن نفس مضمون کی تائید میں کئی ایک اور روایات بھی موجود ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے یہ معروف ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے زمانے میں بصرہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی جمع عثمان سے پہلے اہل بصرہ کے مصحف کا تذکرہ ہے اور اس روایت کی سند کو ابن حجر رضی اللہ عنہ نے صحیح کہا ہے۔ اس لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے کسی مصحف کا وجود ماننے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے لیکن ان کی طرف منسوب قراءت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح سند ہی سے مروی ہوں تو ان کی نسبت ان کی طرف کی جائے۔

### مصحف أم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۲۵ھ)

اس مصحف کے وجود کے ثبوت کے لیے بھی آرتھر جیفری کی بنیاد کتاب المصاحف ہے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے کتاب المصاحف، میں مصحف حفصہ رضی اللہ عنہا کے تحت سات روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے بعض طرق صحیح اور بعض ضعیف ہیں۔ ان روایات کے مطابق حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لیے ایک مصحف تیار کروا تے وقت کاتب کو یہ ہدایت جاری کی کہ وہ سورہ بقرہ میں ’حافظوا علی الصلوات و الصلوة الوسطی و صلاة العصر‘ لکھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

حدثنا عبد الله حدثنا أبو الطاهر قال: أخبرنا ابن وهب قال: أخبرني مالك عن زيد بن أسلم عن عمرو بن رافع أنه قال: ”كنت أكتب مصحفاً لحفصة أم المؤمنين فقالت: إذا بلغت هذا الآية فأذني ﴿حُفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَى﴾ قال: فلما بلغت أذنتها. فأملت: حافظوا على الصلوات و الصلاة الوسطی و صلاة العصر و قوموا لله قانتين .“ [کتاب المصاحف، باب مصحف حفصہ زوج النبی ﷺ]

ہم اس کے بارے یہ واضح کر چکے ہیں کہ درحقیقت تفسیر رسول ﷺ تھی جو غلطی سے بطور قراءت نقل ہو گئی۔ ایسی ہی روایات مصحف عائشہ رضی اللہ عنہا اور مصحف ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ذیل میں بھی ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ لائے ہیں جس سے اس روایت کی حقیقت مزید مشتبہ ہو جاتی ہے یعنی ایک ہی واقعہ تین ازواج کی طرف منسوب کیا گیا جس سے محسوس ہوتا ہے کہ اس روایت کے متن میں اضطراب ہے۔ آرتھر جیفری کے انتقاد اعلیٰ کے اصول کو بھی سامنے رکھا جائے تو اس واقعے کا ثبوت مشتبہ قرار پاتا ہے کیونکہ ایک ہی واقعے کی نسبت تین مختلف ازواج مطہرات کی طرف کی جا رہی ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس روایت کو صحیح قرار بھی دیا جائے تو یہ مصحف درحقیقت مصحف عثمانی ہی کی ایک نقل تھا سوائے ایک مقام کے اختلاف کے۔

### مصحف انس بن مالک رضی اللہ عنہ (متوفی ۹۳ھ)

اس مصحف کا تذکرہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا ہے۔ آرتھر جیفری کے بیان کے مطابق ابن جزری رضی اللہ عنہ کی کتاب ’النشر‘ میں یہ موجود ہے کہ یہ صحابی رضی اللہ عنہ بھی ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ

کے زمانے میں قرآن جمع کیا تھا۔ آرتھر جیفری نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس روایت کی سند کمزور ہے لیکن اس نے وہ روایت نقل نہیں کی۔ (Materials: Codex of Anas bin Malik)

ہمارے خیال میں یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ان کے پاس کوئی ایسا مصحف تھا جو مصحف عثمانی کے رسم و قراءت کے مخالف تھا۔ مجرد اس بنیاد پر کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مروی ہو کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں قرآن جمع کرتے تھے، یہ کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ان کا مصحف، مصحف عثمانی سے علیحدہ کوئی اور ہی مصحف تھا۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”إن زيد بن ثابت قال: أرسل إلي أبو بكر ÷ قال: إنك كنت تكتب الوحي لرسول الله ﷺ فاتبع القرآن فتتبعه. [صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب كتاب النبي ﷺ]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے کاتب بھی تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن کے مرکزی کردار بھی۔ پس اگر کچھ ضعیف اور منقطع روایت میں یہ بات مذکور ہو کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کچھ حروف قرآنیہ کو رسم عثمانی کے خلاف تلاوت کیا تو کیا ان منقطع روایات کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس مصحف کے بالمقابل قبول کر لیا جائے جو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع کیا جبکہ جمع عثمانی کی ان کی طرف نسبت بھی قطعیت سے ثابت ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے حکم سے بھی اور اپنے طور پر بھی قرآن کو لکھتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے پاس آپ کے زمانے میں لکھے ہوئے نامکمل مصاحف موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انہی جزوی مصاحف ہی سے تو ایک مکمل مصحف کی تیاری ہوئی تھی۔ جمع صدیقی میں یہ بات بطور شرط مقرر کی گئی تھی کہ کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ سے اس وقت تک آیات قرآنیہ نہیں لی جائیں گی جب تک کہ وہ دو صحابہ رضی اللہ عنہم کی گواہی اس بات پر نہ پیش کر دے کہ اس نے یہ آیات اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں ہی لکھی تھیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”فتتبع القرآن أجمعه من العصب واللخاف وصدور الرجال. [صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن]

”حدثنا عبد الله قال حدثنا أبو الطاهر قال: أخبرنا ابن وهب أخبرني ابن أبي الزناد عن هشام ابن عروة عن أبيه قال: لما استحر القتل بالقراء، يومئذ فرق أبو بكر على القرآن أن يضع. فقال لعمر بن الخطاب و لزيد بن ثابت: اقعدا على باب المسجد فمن جاءكما بشاهدين على شيء من كتاب الله فاكتباه. [كتاب المصاحف، باب جمع أبي بكر الصديق ÷ في المصحف]

اس روایت کی سند ’منقطع‘ ہے کیونکہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ حضرت عروہ فقہائے مدینہ میں سے ہیں اور ان کی پیدائش تقریباً ۲۳ھ میں ہوئی۔ اس روایت کے جمع راویوں کو ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں ’ثقة‘ قرار دیا ہے۔ بہر حال تابعی رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے طور پر اس روایت کی سند مضبوط ہے۔

امام ستاوی رضی اللہ عنہ نے اس روایت کا معنی یہ بیان کیا ہے:

بسم

”ومعنى هذا الحديث و الله أعلم من جاءكم بشاهدين على شيء من كتاب الله الذى كتب بين يدي رسول الله ﷺ وإلا فقد كان زيد جامعاً للقرآن . [كتاب المصاحف مع تحقيق الدكتور محب الدين واعظ: ص ۱۵۷ - الإلتقان؛ باب النوع الثامن عشر في جمعه و ترتيبه: ص ۲۰۵-۲۰۶]

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کا معنی یہ بیان کیا ہے:

”وكان المراد بالشاهدين: الحفظ والكتاب، أو المراد: أنهما يشهدان على أن ذلك المكتوب كتب بين يدي رسول الله ﷺ، أو المراد: أنهما يشهدان على أن ذلك من الوجوه التي نزل بها القرآن، و كان غرضهم أن لا يكتب إلا من عين ما كتب بين يدي النبي ﷺ لا من مجرد الحفظ . [فتح الباري: ۱۲۶۹-۱۵]

امام سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”أو المراد: أنهما يشهدان على أن ذلك مما عرض على النبي ﷺ عام وفاته . [الإلتقان؛ باب النوع الثامن عشر في جمعه و ترتيبه: ۲۰۶]

### مصنف عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۳ھ)

اس مصنف کے وجود کے ثبوت کے لیے آرتھر جفری نے کتاب المصاحف کے بیانات و روایات کو دلیل بنایا ہے۔ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے ’کتاب المصاحف‘ میں ’مصنف عمر بن خطاب‘ کے عنوان کے تحت ۱۱ روایات بیان کی ہیں جن میں تین مقامات قرآنیہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اختلاف قراءت کو نقل کیا گیا ہے۔ ان ۱۱ روایات میں سے کسی ایک روایت میں بھی یہ بات منقول نہیں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا کوئی خاص مصحف تھا جس سے وہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ ان روایات سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تین مقامات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متواتر قراءت کے خلاف تلاوت کی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ’صراط من أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم و غير الضالين‘ سورہ آل عمران میں ’الم الله لا إله إلا هو الحي القيوم‘ اور سورہ مدثر میں ’في جنت يتساءلون يا فلان ما سلكت في سقر‘ پڑھا ہے۔ پہلی روایت کی سند صحیح دوسری روایت ’حسن لغیرہ‘ اور تیسری ’ضعیف‘ ہے۔

پہلی اور دوسری روایت کثرت طرق سے مروی ہے اور کئی ایک مفسرین نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو منسوخ حروف کی تلاوت پر محمول کیا جائے گا یا یہ ان الحرف میں سے بھی ہو سکتے ہیں جو جمع عثمانی میں نقل ہونے سے رہ گئے ہوں۔ تیسری روایت کی توضیح و توجیح کی ضرورت نہیں ہے اس کے الفاظ ہی یہ بتلانے کے لیے کافی ہیں کہ قرآن نہیں ہے۔

### مصنف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۵ھ)

اس مصنف کا تذکرہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے نہیں کیا ہے۔ آرتھر جفری نے اس مصنف کے وجود کے ثبوت کے طور پر امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۶ھ) کے ایک قول کو بنیاد بنایا ہے۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ اپنی تاریخ المعارف میں لکھتے ہیں:

”وكان آخر عرض رسول الله ﷺ القرآن على مصحفه وهو أقرب المصاحف من

مصحفنا . [المعارف، کتاب أخبار الصحابة = باب زيد بن ثابت ]

یہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ کا مجرد ایک بیان ہے جس کی تائید میں انہوں نے کسی مصدر یا حوالے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس بیان سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ مصحف رسم و قراءت میں مصحف عثمانی سے مختلف تھا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھا کرتے تھے۔ [صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لهذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ان کا مصحف سرکاری مصحف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں جمع قرآن کے انہیں منتخب کیا۔ آرتھر جیفری نے اس مصحف کے ثبوت کے لیے دوسرا حوالہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) کی ایک عبارت کو بنایا ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”وكذا ظاهر ما في مصحف عبد الله وزيد بن ثابت كما أخرج ابن الأنباري في المصاحف عن الأعمش ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل . [أرواح المعاني، الحشر: ۱۰]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابن الانباری رحمہ اللہ کی روایت میں بھی مصحف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے الفاظ تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ ابن الانباری رحمہ اللہ نے مصحف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا ہے تو پھر بھی یہ امکان ہے کہ ان کی مراد اس سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قراءت ہو جیسا کہ ہم ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی کتاب میں جا بجا مصحف بول کر قراءت مراد لیتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ روایت حضرت اعمش رحمہ اللہ (۶۱ تا ۱۲۸ھ) کی ہے اور ان کی ملاقات حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۵ھ) سے ثابت نہیں ہے لہذا روایت منقطع ہے۔

علاوہ ازیں اگر کوئی اس قسم کے مصاحف موجود بھی تھے تو وہ جمع عثمانی سے پہلے تھے۔ جمع عثمانی کے بعد ایسے تمام مصاحف جلا دیے گئے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة: "إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فانما نزل بلسانهم . " ففعلوا حتى نسخوا الصحف في المصاحف ، فرد عثمان الصحف إلى حفصة ، وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق . [صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن] مؤرخ أحمد بن إسحاق اليعقوبي (متوفی ما بعد ۲۹۴ھ) لکھتے ہیں:

”وجمع عثمان القرآن وألفه، وصير الطوال مع الطوال والقصار مع القصار من السور وكتب في جمع المصاحف من الآفاق حتى جمعت ثم سلقها بالماء الحار والخل وقيل أحرقتها فلم يبق مصحف إلا فعل به ذلك خلا مصحف ابن مسعود .“

[تاریخ یعقوبی، کتاب وفود العرب، باب أيام عثمان ]

مصحف عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (متوفی ۷۳ھ)

اس مصحف کے وجود کے ثبوت کی دلیل کے طور پر آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کے بیان کو نقل کیا ہے۔ ابن

ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے 'مصحف عبد اللہ بن زبیر' کے عنوان کے تحت آٹھ روایات بیان کی ہیں۔ پہلی تین روایات کے مطابق انہوں نے سورۃ بقرۃ میں 'لا جناح علیکم أن تتنغوا فضلاً من ربکم فی موسم الحج' پڑھا ہے۔ یہ 'حسن' درجے کی روایات ہیں لیکن یہ قراءت رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ انہوں نے اسے بطور تفسیر پڑھا ہے نہ کہ قرآن۔ چوتھی روایت کے مطابق انہوں نے سورۃ انبیاء میں 'حرام علی قریۃ' اور سورۃ انعام میں 'و لیتقولوا درست' اور سورۃ کہف میں 'فی عین حامیۃ' پڑھا ہے۔ یہ تینوں قراءات متواتر اور ثابت شدہ ہیں۔

پانچویں روایت کے مطابق انہوں نے سورۃ مدثر میں 'فی جنات یتساءلون یا فلان ما سلکک فی سقر' پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے لیکن یہ قراءت رسم عثمانی کے خلاف ہے لہذا بطور قرآن اس کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ بطور تفسیر قرآن پڑھا ہے۔

چھٹی روایت کے مطابق ان کی قراءت میں سورۃ مائدہ میں 'فیصبح الفساق علی ما أسروا فی أنفسہم نادمین' ہے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے لیکن یہ قراءت رسم عثمانی کے خلاف ہے لہذا بطور قرآن ناقابل قبول ہے۔ اس کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ بطور تفسیر قرآن پڑھا ہے۔

ساتویں روایت کے مطابق انہوں نے سورۃ آل عمران میں 'و لتکن منکم أمة یدعون إلی الخیر یأمرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و یتستعینون اللہ علی ما أصابہم' پڑھا ہے۔ یہ قراءت بھی رسم عثمانی کے خلاف ہے لہذا بطور قرآن تلاوت جائز نہیں۔ آٹھویں روایت کے مطابق انہوں نے سورۃ فاتحہ میں 'صراط من أنعمت علیہم' پڑھا ہے۔ اس روایت کی سند کمزور ہے۔ عقبہ یشکرہ 'ضعیف' راوی ہے۔ علاوہ ازیں ان مترادفات کے قبیل سے ہو سکتی ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے ہوں۔ ان آٹھ روایات میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے کسی مصحف کا تذکرہ نہیں ہے۔

### مصحف عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (متوفی ۶۵ھ)

مصحف عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے وجود کے ثبوت میں آرتھر جفری کی بنیاد کتاب المصاحف ہے۔ کتاب المصاحف میں 'مصحف عبد اللہ بن عمرو' کے عنوان کے ذیل میں ایک روایت بیان کی گئی ہے۔ اس روایت کے مطابق ابوبکر بن عیاش کو شعیب بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے اپنے پردادا کے مصحف سے چند ایسے حروف دکھائے جو مرصعہ قراءت کے خلاف تھے۔ اس روایت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کا کوئی مصحف تھا۔ روایت کے الفاظ ہیں:

حدثنا عبد الله حدثنا محمد بن حاتم بن بزيع حدثنا زكريا بن عدي حدثنا أبو بكر بن عياش قال: "قدم علينا شعيب بن شعيب بن محمد بن عبد الله بن عمرو بن العاص فكان الذي بيني وبينه. فقال يا أبا بكر: ألا أخرج لك مصحف عبد الله بن عمرو بن العاص؟ فأخرج حروفاً تتخالف حروفنا." [كتاب المصاحف، باب مصحف عبد الله بن عمرو ÷]

اس سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس اپنے ذاتی جزوی مصاحف بھی تھے جو قرآن کی

بعض سورتوں پر مشتمل تھے۔ غالب گمان یہی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کے علاوہ مصاحف کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سرکاری نسخے کے اجراء کے بعد جلا دیا گیا تھا۔ بفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے مصاحف دینے سے انکار کر دیا تھا یا انہیں چھپا لیا تھا تو پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ یہ امت میں رائج نہ ہو سکے اور مرد زمانہ کے ساتھ ناپید ہو گئے۔ علاوہ ازیں ان مصاحف میں درج شدہ قراءات کی کوئی سند بھی موجود نہیں ہے جیسا کہ مصاحف عثمانیہ میں درج ہر لفظ کی تصدیق پہلے دو صحابہ رضی اللہ عنہم سے کروائی گئی اور پھر اسے لکھا گیا۔

### مصحف ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۵۸ھ)

اس مصحف کے وجود کے ثبوت کے لیے بھی آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کی روایات کو دلیل بنایا ہے۔ کتاب المصاحف، میں مصحف عائشہ رضی اللہ عنہا کے عنوان کے تحت آٹھ روایات بیان کی گئی ہیں۔ تین روایات کے مطابق مصحف عائشہ رضی اللہ عنہا میں سورۃ بقرہ میں 'حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی و صلاة العصر' کے الفاظ تھے جبکہ دو روایات کے مطابق انہوں نے کاتب کو یہ ہدایت جاری کی کہ وہ ان کے ذاتی مصحف کو تیار کرتے وقت مذکورہ الفاظ لکھے۔ دو روایات کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عہد نبوی میں یہ قراءات پڑھتی تھیں۔ یہ کل سات روایات ہوئیں۔ ان روایات میں سے بعض طرُق 'صحیح' ہیں۔ لیکن یہ قراءات رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"حدثنا عبد الله حدثنا أبو طاهر قال أخبرنا ابن وهب قال أخبرني مالك عن زيد بن أسلم عن القعقاع بن حكيم عن أبي يونس مولى عائشة أم المؤمنين أنه قال: أمرتني عائشة + أن أكتب لها مصحفا ثم قالت: "إذا بلغت هذه الآية: ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَى﴾ فأذني. " فلما بلغت، أذنتها. فأملت علي: "حافظوا على الصلوات و الصلاة الوسطى و صلاة العصر و قوموا لله قانتين. " ثم قالت: "سمعتها من رسول الله ﷺ. [كتاب المصاحف، باب مصحف عائشة زوج النبي ﷺ]

اس روایت اور کتاب المصاحف کی دوسری روایات سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مصحف سوائے ایک مقام کے مصحف عثمانی ہی کی نقل تھا کیونکہ انہوں نے مصحف کی تیاری کا کام کاتب پر چھوڑ دیا تھا اور صرف ایک مقام پر کاتب کو خود املاء کروائی تھی۔ اب کاتب نے بقیہ مصحف کہاں سے تیار کیا ہے؟ ظاہری بات ہے مصحف عثمانی ہی سے نقل کیا ہے۔

جہاں تک سورۃ بقرہ کے اختلاف کا معاملہ ہے تو یہ درحقیقت اللہ کے رسول ﷺ کی تفسیر ہے جسے بعض ازواج نے بطور قرآن نقل کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سرکاری نسخے کے اجراء کے بعد ایسی تفاسیر رسول ﷺ جو بطور قراءات رائج ہو گئی تھیں، ختم ہو گئیں۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس تفسیر رسول ﷺ کو بطور تفسیر ہی قرآن میں باقی رکھا ہو جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ وہ تفسیری نکات کو اپنے مصاحف میں باقی رکھتے تھے۔ محدثین کی اصطلاح میں اس کو 'إدراج' کہتے ہیں۔ حدیث پڑھنے پڑھانے والے اس اصطلاح سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔

آٹھویں روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مصحف میں سورۃ احزاب میں 'إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ وَالَّذِينَ يُصَلُّونَ الصَّفُوفَ الْأُولَى' تھا۔ اس روایت کی سند 'ضعیف' ہے۔ سند میں ابن ابی حمید راوی 'ضعیف' ہے اور راویہ مجیدہ 'مجهول' ہے۔ علاوہ ازیں متن میں اضطراب بھی ہے۔ علاوہ ازیں محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی تفسیر ہی تھی نہ کہ قراءت۔

### مصحف سالم رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۲ھ)

اس مصحف کا تذکرہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا ہے۔ آرتھر جیفری کے بیان کے مطابق بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھی کوئی مصحف تھا۔ آرتھر جیفری نے اس روایت کا تذکرہ نہیں کیا لیکن اس روایت کو امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے 'الإتقان' میں ابن اشعث رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے ابن اشعث رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کرتے وقت اسے 'غریب' اور 'منقطع' قرار دیا ہے۔ امام سیوطی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”قلت: و من غریب ما ورد فی أول من جمعه ما أخرجه ابن أشتة فی کتاب المصاحف من طریق كهمس عن ابن بريدة قال: أول من جمع القرآن في مصحف سالم مولى أبي حذيفة..... إسناده منقطع أيضاً و هو محمول على أنه كان أحد الجامعين بأمر أبي بكر.“ [الإتقان، النوع الثامن عشر في جمعه وترتيبه: ص ۲۰۵]

### مصحف ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۶۲ھ)

اس مصحف کے ثبوت کے بارے میں آرتھر جیفری کی بنیاد ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کی بعض روایات ہیں۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے مصحف ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے عنوان کے تحت چار روایات نقل کی ہیں۔

ان روایات کے مطابق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لیے ایک مصحف تیار کروا کر وقت کا تب کو یہ ہدایت جاری کیں کہ وہ سورہ بقرہ میں 'حافظوا على الصلوات و الصلوة الوسطی و صلاة العصر' لکھے۔ بعض روایات صحیح، اور بعض ضعیف ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”حدثنا عبد الله حدثنا أبو الطاهر حدثنا ابن نافع عن داؤد بن قيس عن عبد الله بن رافع مولى أم سلمة أنها قالت له: اكتب لي مصحفا فإذا بلغت هذه الآية فأخبروني ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَى﴾ قال: فلما بلغت أذنتها، فقالت: اكتب "حافظوا على الصلوات و الصلاة الوسطی و صلاة العصر." [کتاب المصاحف، باب مصحف أم سلمة + زوج النبي ﷺ]

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے مصحف کی ایک نقل تھی کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کاتب کو مصحف تیار کرنے کا کہا ہے اور صرف ایک جگہ اختلاف نقل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی اس ایک مقام کے علاوہ کاتب اس مصحف کی کتابت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رہنمائی نہیں لے رہا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا یہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے مصحف کی ایک نقل تھی۔

اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسے تفسیر رسول ﷺ کے طور پر اپنے مصحف میں باقی رکھا ہو کیونکہ روایت میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ ان الفاظ کی زیادتی کی وجہ کیا تھی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عموماً یہ معمول تھا



کہ وہ اپنے مصاحف میں تفسیری نکات کو بھی قلمبند کر لیتے تھے۔ دوسرا احتمال اس کے بارے میں یہ بھی ہے کہ یہ تفسیر رسول ﷺ تھی جو غلطی سے بطور قراءت نقل ہو گئی اور بعض صحابیات و صحابہ رضی اللہ عنہم جمع عثمانی کے بعد بھی اس کو بطور قراءت نقل کرتے رہے۔ خلاصہ کلام یہی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مصحف، مصحف عثمانی سے علیحدہ کوئی مصحف نہیں تھا بلکہ یہ اس کی نقل اور کاپی تھا۔

### مصحف عبید بن عمیر اللیثی رضی اللہ عنہ (متوفی ۷۷ھ)

ان کے مصحف کے وجود کی دلیل کے طور پر آرتھر جیفری نے کتاب المصاحف کے بیان کو بنیاد بنایا ہے۔ 'کتاب المصاحف' میں ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے 'مصحف عبید اللہ بن عمیر' کے نام سے عنوان تو باندھا ہے لیکن اس کے تحت کوئی ایسی روایت نقل نہیں کی جس سے ان کے مصحف کے وجود کے بارے میں کوئی اشارہ ملتا ہو۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے مصحف عبید بن عمیر اللیثی رضی اللہ عنہ کے تحت ایک ہی روایت نقل کی گئی ہے۔ حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”سمعت عبید بن عمر يقول: أول ما نزل من القرآن ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَكَ﴾ [کتاب

المصاحف، باب و أما مصاحف التابعين فمصحف عبید بن عمیر اللیثی]

اس کی سند حسن درجے کی ہے لیکن اس روایت سے نہ تو ان کے کسی مصحف کے وجود کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی کسی قراءت کے ثبوت کا۔ حضرت عبید رضی اللہ عنہ دراصل قرآن کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کے بارے میں بتلانا چاہتے ہیں یعنی قرآن نقل نہیں کر رہے بلکہ سورت کا نام نقل کرنا چاہتے ہیں اور سورتوں کو کوئی سا بھی مناسب نام دینے میں کیا اختلاف ہو سکتا ہے؟۔

انہوں نے 'سورة العلق' کو اس نام سے پکارا ہے جو اس کی پہلی آیت کے مترادفات کے قبیل سے ہے۔ متقدمین عموماً کسی سورت کے نام کے طور پر اس کی پہلی آیت وغیرہ کو نقل کر دیتے تھے۔ یہاں انہوں نے سورت کے نام کے طور پر پہلی آیت کے مترادف کو نقل کیا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اسے 'اقرأ باسم ربك الذي خلق' کہتے تو احسن و احوط تھا۔

آرتھر جیفری نے انہیں صحابی رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے حالانکہ یہ صحابی رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں پیدا ہو چکے تھے لیکن آپ ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۵۷/۴] ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو تابعین رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے۔ [کتاب المصاحف، باب و أما مصاحف التابعين فمصحف عبید بن عمیر]

### مصحف اسود بن یزید رضی اللہ عنہ (متوفی ۷۷ھ)

مصحف اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ کے مصحف کی موجودگی کے بارے میں آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد کے بیان کو بطور دلیل بیان کیا ہے۔ آرتھر جیفری کا کہنا یہ ہے کہ ابن ابی داؤد نے چونکہ مصحف اسود کا نام لیا ہے لہذا اس نام کا کوئی مصحف بھی موجود تھا۔ یہ آرتھر جیفری کی وہ جہالت ہے جو اس کے لیے تلاش حق میں رکاوٹ بن گئی۔

ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی قراءت کو بھی مصحف کا نام دے دیتے ہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے نزدیک مصحف سے مراد مصحف ہی ہے تو پھر بھی اس

مصحف کا وجود ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسی روایت نقل نہیں کی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ایسا کوئی مصحف کسی زمانے میں موجود تھا۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے مصحف اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کے عنوان کے تحت ایک ہی روایت نقل کی ہے۔ اس روایت کے مطابق اسود رحمہ اللہ 'صراط من أنعمت علیہم غیر المغضوب علیہم و غیر الضالین' پڑھتے تھے۔ یہ قراءت مصحف عثمانی کے برخلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ اس روایت میں ان کے کسی مصحف کا تذکرہ نہیں ہے۔

اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں لہذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ انہوں نے یہ قراءت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے اس کی تلاوت کرتے تھے۔ یہ تلاوت ان مترادفات کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک نقل ہوتے رہے۔ ان احرف میں سے بھی ہو سکتی ہے جو جمع عثمانی میں نقل ہونے سے رہ گئے ہوں۔

### مصحف علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ (متوفی باحد ۶۰ھ)

مصحف علقمہ بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ کے وجود کے بارے میں بھی آرتھر جیفری کا کل اعتماد و مصدر کتاب المصاحف پر ہے۔ امام ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اس عنوان کے تحت ایک روایت بیان کی گئی ہے۔ اس روایت کے مطابق علقمہ رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ میں 'صراط من أنعمت علیہم غیر المغضوب علیہم و غیر الضالین' پڑھتے تھے۔ یہ قراءت مصحف عثمانی کے برخلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت میں ان کے کسی مصحف کا تذکرہ نہیں ہے۔ یہ قراءت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔ علقمہ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ملتا ہے لہذا قوی طور پر یہ امکان موجود ہے کہ انہوں نے یہ قراءت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حاصل کی ہو اور جمع عثمانی سے پہلے ان کے زمانے میں اس کی تلاوت کرتے ہوں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ قراءت ان مترادفات کے قبیل سے ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکے تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن تک بعض صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم ان کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔

آرتھر جیفری نے 'کتاب المصاحف' کی ایک اور روایت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جس سے علقمہ رضی اللہ عنہ کے مصحف کا اشارہ ملتا ہے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ اپنی کتاب میں درج ذیل روایت لائے ہیں:

”حدثنا عبد الله حدثنا شعيب بن أيوب حدثنا يحيى حدثنا الحسن بن ثابت قال سمعت الأعمش يقول: أخرج إلينا إبراهيم مصحف علقمة فإذا الألف والياء فيه سواء.“ [كتاب المصاحف؛ باب اختلاف خطوط المصاحف]

اس روایت میں حسن بن ثابت راوی 'صدوق' ہے اور غریب حدیثیں بیان کرتا ہے۔ ڈاکٹر محبت الدین واعظ کے بیان کے مطابق اس روایت کا کوئی متابع موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ روایت 'ضعیف' ہے۔

آرتھر جیفری نے اس روایت کو مصحف علقمہ رضی اللہ عنہ کی دلیل کے طور پر نقل تو کر دیا لیکن وہ اس کے معنی و مفہوم سے ناواقف تھا۔ اس روایت کا معنی یہ ہے کہ سورہ طہ میں 'إن هذان لسحران' میں الف اور باء دونوں کے ساتھ قراءت درست ہے۔ باء کے ساتھ یہ قراءت 'إن هذين لسحران' بنے گی جو ابن عامر شامی رضی اللہ عنہ کی متواتر قراءت

ہے۔ لہذا یہ آیت مبارکہ الف کے ساتھ ہو یا یاء کے ساتھ دونوں صورتوں میں متواتر قراءت کے مطابق ہوگی۔ پس اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا مصحف تھا جو مصحف عثمانی کی قراءت کے خلاف تھا۔

### مصحف حطان بن عبد اللہ رقاشی رضی اللہ عنہ (متوفی مابعد ۷۰ھ)

مصحف حطان بن عبد اللہ رقاشی رضی اللہ عنہ کے وجود کے بارے میں بھی آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے بیان کو ہی بطور دلیل نقل کیا ہے۔ آرتھر جیفری کا کہنا ہے، چونکہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں مصحف حطان کے الفاظ کا تذکرہ کیا ہے لہذا اس نام سے کوئی مصحف بھی ضرور موجود تھا۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں اس عنوان کے تحت بھی ایک ہی روایت بیان کی ہے۔ اس روایت کے مطابق حطان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سورۃ آل عمران میں ’و ما محمد إلا رسول قد خلت من قبله رسل‘ پر حلف اٹھاتے تھے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

ڈاکٹر محبت الدین واعظ کے بیان کے مطابق کتاب المصاحف کے نسخہ شریبیتی میں ’رسل‘ کی بجائے ’الرسل‘ کے الفاظ ہیں جو متواتر قراءت کے مطابق ہیں۔ لہذا کسی تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ البتہ نسخہ ظاہریہ کے الفاظ ’رسل‘ کے ہیں جو رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں۔ پس نسخہ ظاہریہ کے الفاظ کو کاتب کی غلطی پر محمول کیا جائے گا۔ اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حطان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا کوئی مصحف بھی تھا۔ روایت کے الفاظ درج ذیل ہے:

”حدثنا عبد الله حدثنا عبد الله بن سعيد حدثنا ابن علية عن أبي هارون الغنوي قال: كان حطان بن عبد الله يحلف عليها ”و ما محمد إلا رسول قد خلت من قبله رسل.“ [کتاب المصاحف، باب مصحف حطان بن عبد الله]

### مصحف سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ (۲۳۵ تا ۹۵ھ)

مصحف سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے وجود کے بارے میں بھی آرتھر جیفری نے ’کتاب المصاحف‘ ہی کے بیان کو دلیل بنایا ہے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اس عنوان کے تحت تین روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان روایات کے مطابق حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے سورہ بقرہ میں ’و علی الذین یطو قونہ‘ اور سورہ مائدہ میں ’أحل لکم الطیبات و طعام الذین أوتوا الکتاب من قبلکم‘ اور سورہ اعراف میں ’فإذا هی تلقم ما یأفکون‘ پڑھا ہے۔

پہلی روایت کی سند صحیح، دوسری کی سند میں ایک راوی محمد بن زکریا مجہول، اور تیسری میں حسن بن ابی جعفر ضعیف ہے۔ تینوں روایات رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں۔ ان روایات میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے کسی مصحف کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا نام کثرت سے ملتا ہے۔ ’یطو قونہ‘ والی قراءت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی تھی۔ اس لیے اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ انہوں نے یہ قراءت ان سے لی ہو۔ پہلی قراءت ان قراءت میں سے معلوم ہوتی ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکی تھیں یا پھر ان احرف میں سے بھی ہو سکتی ہے جو جمع عثمانی میں نقل ہونے

ما  
ع  
ع  
ع

سے رہ گئے۔

### مصنف طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۱۲ھ)

مصنف طلحہ بن مصرف الیامی رضی اللہ عنہ کے ثبوت میں بھی آرتھر جیفری نے کتاب المصاحف ہی کو بنیاد بنایا ہے۔ اس عنوان کے تحت ابن ابی داؤد نے کسی روایت کو نقل نہیں کیا ہے۔ آرتھر جیفری کے خیال میں نسخہ ظاہریہ کے کاتب سے کچھ سہوا ہے اور اس نے کتاب المصاحف کے کچھ اوراق نقل نہیں کیے۔ بہر حال ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اس عنوان کے تحت کوئی ایسی روایت نقل نہیں کی جس سے طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ کے کسی مصحف یا اختلاف قراءت کا علم حاصل ہوتا ہو۔

### مصنف عکرمہ رضی اللہ عنہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۲۵ھ تا ۱۰۵ھ)

مصنف عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے وجود کے بارے میں بھی آرتھر جیفری کا مصدر و ماخذ کتاب المصاحف ہی ہے۔ اس عنوان کے تحت ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے دو روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلی روایت میں حضرت عمران بن حدیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: 'عن عکرمہ أنه كان يقرأها: و على الذين يطوقونه . 'دوسری روایت میں عاصم الأحول کہتے ہیں: عن عکرمہ أنه كان يقرأ هذا الحرف : قتل فيه۔

ان دونوں روایات میں عکرمہ رضی اللہ عنہ کے کسی مصحف کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی دو قراءت کی طرف اشارہ ہے۔ سورۃ بقرۃ میں انہوں نے 'و على الذين يطوقونه' اور 'قتل فيه' پڑھا ہے جبکہ متواتر قراءت 'يطيقونه' اور 'يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه' ہے۔ یہ 'حسن' درجے کی روایات ہیں لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں۔ ان روایات میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے کسی مصحف کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب کسی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے جاتے ہیں کہ فلا تابعی رضی اللہ عنہ قرآن کے فلا لفظ کو یوں پڑھتے تھے یا انہوں نے یوں پڑھا تو اس میں دونوں امکانات موجود ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے اسے بطور قرآن پڑھا ہو اور دوسرا یہ کہ اسے بطور علم پڑھا ہو۔ جیسا کہ آج کے زمانے میں اگر کوئی مقرر اپنے شاگردوں کو قراءت شاذہ بطور علم پڑھائے تو یہ جائز ہے۔

### مصنف مجاہد بن جبر رضی اللہ عنہ (۲۰ھ تا ۱۰۳ھ)

مصنف مجاہد رضی اللہ عنہ کے وجود کے ثبوت میں آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے بیان کو نقل کیا ہے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اس عنوان کے تحت بھی ایک ہی روایت کا تذکرہ کیا ہے۔ حمید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عن مجاهد أنه كان يقرأ 'فلا جناح عليه ألا يطوف بهما'۔

اس روایت میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کے کسی مصحف کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ ایک قراءت کا بیان ہے جو رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے۔ ڈاکٹر محبت الدین سبحان کے مطابق اس کی سند میں دو راوی یوسف بن عبد الملک اور عمر 'جمول' ہیں۔ یہ قراءت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے انہی سے لی ہے۔ کیونکہ مجاہد رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں۔ یہ قراءت ان حروف میں سے ہو سکتی ہے جو جمع عثمانی

آرتھر جیفری اور کتاب المصاحف

میں نقل ہونے سے رہ گئے ہوں۔

### مصحف عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ (۲۷ تا ۱۱۵ھ)

مصحف عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے وجود کے بارے میں بھی آرتھر جیفری کی کل دلیل کتاب المصاحف کا بیان ہی ہے۔ ابن ابی اؤد رضی اللہ عنہ نے اس عنوان کے تحت بھی ایک ہی روایت نقل کی ہے۔ طلحہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عن عطاء أنه قرأ 'يخوفكم أولياءه'؛ یعنی حضرت عطاء رضی اللہ عنہ نے سورہ آل عمران میں 'يخوفكم أولياءه' پڑھا ہے۔ اس روایت سے ان کے کسی مصحف کا ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں ان کی ایک قراءت کی طرف اشارہ ضرور ہے۔ ڈاکٹر محبت الدین واعظ کے بیان کے مطابق اس روایت کی سند انتہائی درجے 'ضعیف' ہے۔ سند میں طلحہ بن عمرو 'متروک' راوی ہے۔ علاوہ ازیں یہ قراءت مصاحف عثمانیہ کے رسم کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔

### مصحف ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ (متوفی ۶۳ھ)

اس مصحف کا تذکرہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا۔ آرتھر جیفری کا کہنا یہ ہے کہ علامہ آلوسی رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے اپنی تفسیر 'روح المعانی' میں اس مصحف کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ آلوسی رضی اللہ عنہ کا بیان یہ ہے:

وقال سفیان: نظرت في مصحف الربيع فرأيت فيه "فمن لم يجد من ذلك شيئاً فصيام ثلاثة أيام متتابعات." [روح المعاني، المائدة: ۸۹]

اس روایت میں کسی سند کا تذکرہ نہیں ہے یعنی سفیان رضی اللہ عنہ نے یہ بات کب اور کس سے کہی اور کس نے اسے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اس کی کوئی تحقیق موجود نہیں ہے۔ لہذا ایک مجہول روایت کی بنیاد پر کسی تابعی رضی اللہ عنہ کے لیے مصحف کے وجود کا اثبات کیسے ممکن ہے؟۔ اس روایت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس کی کوئی سند موجود بھی ہو تو یہ ان تفسیری نکات کے قبیل سے ہے جنہیں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم اپنے مصاحف میں لکھ لیتے تھے۔

### مصحف سلیمان الأعمش رضی اللہ عنہ (۶۱ تا ۱۳۸ھ)

مصحف سلیمان بن مهران الأعمش رضی اللہ عنہ کے وجود کے بارے میں بھی آرتھر جیفری کا انحصار ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے بیان پر ہے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اس عنوان کے تحت تین روایات نقل کی ہیں۔ ان روایات کے مطابق الأعمش رضی اللہ عنہ نے سورہ آل عمران میں 'الم الله لا إله إلا هو الحى القيوم' اور سورہ بقرہ میں 'فيصاعفه' اور سورہ انعام میں 'أنعام و حرث حرث' پڑھا ہے۔

پہلی روایت کی سند صحیح ہے لیکن رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ قراءت غیر مقبول ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان مترادفات کے قبیل میں سے ہے جو عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو گئے تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی تلاوت ثابت ہے یا ان احرف میں سے ہے جو جمع عثمانی میں نقل ہونے سے رہ گئے۔ دوسری روایت کی سند 'حسن' ہے اور یہ متواتر قراءت ہے۔ یہ نافع، ابوعمر و حمزہ، کسائی اور خلف رضی اللہ عنہم کی قراءت ہے۔ تیسری روایت کی سند میں شعیب بن ایوب 'مدلس' راوی ہے اور 'عن' سے روایت کر رہا ہے لہذا 'ضعیف' ہے۔ علاوہ ازیں رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی یہ قراءت غیر مقبول ہے۔ یہ ان مترادفات کے قبیل سے ہو سکتی ہے جو منسوخ ہو چکے ہیں۔ ان روایات ثلاثہ میں أعمش رضی اللہ عنہ کے کسی مصحف کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔

## مصنف جعفر صادق رضی اللہ عنہ (۷۸۳ تا ۱۲۸ھ)

اس کا تذکرہ امام ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے کتاب المصاحف میں نہیں کیا ہے۔ آرتھر جیفری کے بیان کے مطابق مورخ 'زنجانی' نے 'شہرستانی' کی تفسیر کے مقدمے سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود سورتوں کی ترتیب نقل کی ہے جو مصحف عثمانی کی ترتیب کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اس ترتیب میں پہلی سورت یعنی سورت فاتحہ بھی غائب ہے۔ کل ۱۱۳ سورتیں بیان ہوئی ہیں۔ شہرستانی کے بیان کے مطابق امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مصحف کی سورتوں کی ترتیب مصحف عثمانی کے بالمقابل درج ذیل تھی:

" 96, 68, 73, 74, 111, 81, 87, 92, 89, 93, 94, 103, 100, 108, 102, 107, 109, 105, 113, 114, 112, 53, 80, 97, 91, 85, 95, 106, 101, 75, 104, 77, 50, 90, 86, 54, 38, 7, 72, 36, 25, 35, 19, 20, 56, 26, 27, 28, 17, 10, 11, 12, 15, 6, 37, 31, 34, 39, 40, 41, 42, 43, 44, 45, 46, 51, 88, 18, 16, 71, 14, 21, 23, 32, 52, 67, 69, 70, 78, 79, 82, 84, 30, 29, 83, 2, 8, 3, 33, 60, 4, 99, 57, 54, 13, 55, 76, 65, 98, 59, 110, 24, 22, 63, 58, 49, 66, 61, 62, 64, 48, 9, 5." (Materials: Codex of Ja'far Al-Sadiq)

ابو الفتح شہرستانی (متوفی ۵۲۸ھ) ایک شیعہ مفسر اور عالم دین ہیں۔ ان کی تفسیر کا نام 'مفاتیح الأسرار و مصابیح الأبرار' ہے۔ ہمارے علم کی حد تک یہ تفسیر تاحال غیر مطبوع ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس تفسیر کے مقدمے میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف اس مصحف کی نسبت کی سند دیکھی چاہیے۔ آرتھر جیفری نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی اور نہ ہی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ بغیر سند کے کوئی روایت کسی مفسر کے محض بیان کر دینے سے کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ جبکہ معاملہ بھی قرآن کا ہو۔

اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا کوئی مصحف اس ترتیب پر مبنی تھا تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعض سلف صالحین کے بارے میں یہ مروی ہے کہ انہوں نے قرآن کو ترتیب نزولی کے مطابق جمع کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس ترتیب کو دیکھ کر پہلی نظر میں ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ صاحب مصحف ترتیب نزولی کے مطابق قرآن کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ آج بھی اگر کوئی شخص ذاتی طور پر ترتیب نزولی کے مطابق قرآن کو جمع کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جبکہ وہ مصحف عثمانی کی ترتیب کے مطابق ہی مصحف کی تلاوت اور نشر و اشاعت کا قائل ہو۔ قرآن کی سورتوں کی ترتیب تو قیفی ہے یا اجتہادی۔ اس مسئلے میں سلف صالحین کا اختلاف ہے۔ جمہور کی رائے کے مطابق سورتوں کی ترتیب بھی تو قیفی ہے اور اس کے دلائل بھی قوی ہیں۔ لیکن اگر کوئی اس ترتیب کو اجتہادی مانتا ہے تو اس سے گمراہی لازم نہیں آتی۔ اور اگر مصحف عثمانی کی سورتوں کی ترتیب کو اجتہادی مان لیا جائے تو اس ترتیب سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ [الاتقان: النوع الثامن عشر من جمعه و ترتیبه: ص ۲۱۶-۲۱۹] یہ واضح رہے کہ اس بارے علمائے اسلام کا اجماع ہے کہ آیات کی ترتیب تو قیفی ہے۔ [ایضاً: ص ۲۱۱-۲۱۶]

## مصنف صالح بن کیسان رضی اللہ عنہ (متوفی ما بعد ۱۲۰ھ)

اس مصحف کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے بھی آرتھر جیفری نے ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کے بیان کا سہارا لیا ہے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اس عنوان کے تحت ایک روایت نقل کی ہے۔ اس روایت کے مطابق صالح بن کیسان نے آل عمران میں 'جائهم البینت' اور 'جاءتهم البینات' دونوں طرح پڑھا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے سورہ مریم میں 'یکاد

السموات، اور 'تکاد السموات' دونوں طرح پڑھا ہے۔ دوسری قراءت ثابت نہیں ہے جبکہ باقی تینوں متواتر ہیں۔ دوسری قراءت رسم عثمانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔ ان روایات میں صالح بن کیسان رضی اللہ عنہ کے کسی مصحف کا تذکرہ نہیں ہے۔ امام حاکم رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ان کی عمر ۱۶۰ سال سے زائد تھی۔

### مصحف حارث بن سوید رضی اللہ عنہ متونی (ابجد ۷۷)

ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں اس مصحف کا تذکرہ نہیں کیا۔ آرتھر جیفری کے بیان کے مطابق ایک تفسیری روایت سے ہمیں اس مصحف کا علم ہوتا ہے جسے مفسرین نے سورۃ فتح کی آیت ۲۶ کے تحت نقل کیا ہے۔  
 ◉ علامہ زحشری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

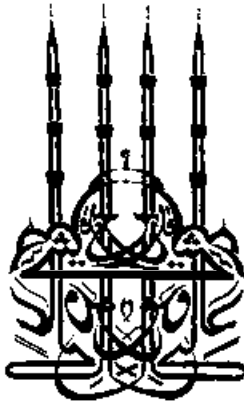
”وفی مصحف الحرث بن سوید صاحب عبد اللہ: ’وکانوا أهلها وأحق بها. ’ وهو الذي دفن

مصحفه أيام الحجاج. [الكشاف، الفتح: ۲۶]

اس روایت کی کوئی سند ہمیں نمل سکی۔ لہذا بغیر سند کے یہ روایت مجہول اور ناقابل قبول ہے۔ علاوہ ازیں خود روایت میں موجود ہے کہ ان کا مصحف دفن کر دیا گیا تھا لہذا وہ حجت کیسے بن سکتا ہے؟۔

### مصحف محمد بن ابی موسیٰ

اس مصحف کا تذکرہ آرتھر جیفری نے نہیں کیا ہے اگرچہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ نے اس نام سے عنوان باندھا ہے۔ کتاب المصاحف میں اس عنوان کے تحت ایک روایت منقول ہے۔ اس روایت کے مطابق ابن ابی موسیٰ نے سورۃ مائدہ میں ’ولکن الذین یفترون علی اللہ الکذب و اکثرهم لا یفقهون‘ پڑھا ہے۔ محمد بن ابی موسیٰ کے بارے میں ابن حجر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ’مجہول‘ راوی ہے۔ امام عراقی رضی اللہ عنہ نے ’غیر معروف‘ کہا ہے لہذا روایت کی سند کمزور ہے۔ محمد بن ابی موسیٰ کا وجود ہی مشکوک ہے چنانچہ ان کے کسی مصحف کا وجود اس روایت سے ثابت کیا جائے۔



پروفیسر محمد رفیق چودھری\*

## قراءتوں کا اختلاف اور منکرین حدیث

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ قرآن مجید کی ایک سے زیادہ قراءتیں ثابت ہیں۔ لیکن اہل قرآن کہلانے والے منکرین حدیث ان اختلاف قراءت کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت ہے اور یہ کہ خود نبی ﷺ نے قرآن کو کتابی صورت میں مرتب اور مدون کیا اور اس پر اعراب و نقطے لگوائے تھے جبکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

جناب پرویز صاحب لکھتے ہیں:

”ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد اختلاف قراءت کے فتنہ کے متعلق کچھ سمجھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی“

[طلوع اسلام، ص ۵۶، شمارہ جنوری ۱۹۸۲ء، لاہور]

وہ مزید لکھتے ہیں:

”قرآن مجید جس شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اسے خود رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح مرتب اور مدون شکل میں

أُمت کو دیا تھا۔“ [طلوع اسلام، ص ۴۲، شمارہ جنوری ۱۹۸۲ء، لاہور]

اسی طرح ایک اور منکر حدیث رحمت اللہ طارق صاحب نے لکھا ہے:

”اختلاف قراءت کا فتنہ ہی لے لیجئے جس کا مودودی صاحب جیسا شخص نہ صرف معترف اور معتقد ہے بلکہ سرگرم مبلغ اور پرجوش ناشر ہے۔“ [اعجاز قرآن و اختلاف قراءت، مرتبہ تمنا عمادی، ص ۴۲]

طارق صاحب نے مزید لکھا ہے:

﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ [النساء: ۸۲]

”یعنی قرآن اگر غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پایا جاتا۔“

ظاہر ہے کہ اس ’اختلاف‘ میں صرف مطالب و مفادیم کا اختلاف ہی نہیں بلکہ الفاظ و قراءت کا اختلاف بھی شامل ہے۔ اس قرآنی دعویٰ کی روشنی میں تو صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن اگر مفہوم کے اختلاف و تضاد سے پاک ہے تو قراءتوں کے اختلاف سے بھی پاک ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کتاب کی حفاظت کا اعلان کیا ہے۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹]

”اگر اس عظیم الشان دعویٰ کے باوجود بھی قرآن میں قراءتوں کے اختلاف کو تسلیم کر لیا جاتا تو پھر آخر قرآن کی صداقت

کا معیار کیا رہ جاتا ہے۔“ [اعجاز قرآن اور اختلاف قراءت، مرتبہ تمنا عمادی، ص ۴۷]

اس کے بعد طارق صاحب فرماتے ہیں:

”اعراب کے معنی ہیں الفاظ پر زیر، زبر اور پیش لگانا۔ سلف صالحین کا تو یہ عقیدہ تھا اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے

کہ یہ بنیادی اور عظیم کام خود آنحضرت ﷺ سرانجام دے گئے تھے بلکہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اعرابو القرآن یعنی

قرآن پر اعراب لگاؤ۔“ [بحوالہ مشکوٰۃ: ۲۱۶، ۲۱۷، اعجاز قرآن اور اختلاف قراءت، مرتبہ تمنا عمادی، ص ۵۱]

☆ ناظم مکتبہ قرآنیات اردو بازار و مدرس دارالہدی انٹرنیشنل، لاہور



پروفیسر محمد رفیق چودھری

ہم اب منکرین حدیث کے ان دعاوی کا علمی جائزہ لیں گے۔ ان حضرات کے مذکورہ بالا دعاوی میں چند در چند بنیادی غلطیاں ہیں۔ انکی پہلی بنیادی غلطی یہ ہے کہ یہ مصحف کو قرآن سمجھتے ہیں جبکہ مصحف اور قرآن میں فرق ہے۔

قرآن وہ ہے جو اُمت کے حفاظ و قراء کے حافظے میں ہے اور اس کی تحریری شکل کو مصحف کہا جاتا ہے۔ ان منکرین حدیث کی دوسری بنیادی غلطی یہ ہے کہ یہ لوگ لکھے ہوئے قرآن یعنی مصحف کو اصل قرار دیتے ہیں اور جو قرآن اُمت کے حفاظ و قراء کے سینوں میں ہے اُسے کوئی مقام اور حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن اصل ہے اور مصحف ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب تک کسی مصحف کی تصدیق حفاظ و قراء کے ذریعے حاصل نہ ہو وہ معتبر ہی نہیں ہے۔ (بلکہ تصدیق کے بغیر کوئی تحریر بھی قابل قبول نہیں ہوتی) کیونکہ آج بھی دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہونے والے مصاحف کی تصحیح اور تصدیق کا کام حفاظ و قراء حضرات ہی کرتے ہیں ان کی تصدیق کے بغیر ہم کسی مصحف کو معتبر قرار نہیں دے سکتے۔

منکرین حدیث کی تیسری بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ تاج کمپنی وغیرہ کا شائع شدہ مصحف نقل ہے اُس مصحف کی جسے حضرت محمد ﷺ نے مرتب اور مدون فرمایا تھا جو ایک جلد میں سورتوں کی ترتیب سے مسلسل لکھا ہوا تھا جس پر اعراب اور نقطے بھی لگے ہوئے تھے بلکہ رموز اوقاف کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو اُمت مسلمہ کے عقیدے کے مطابق ہے کہ ایسا فی الواقع نہیں ہے نہ تو نبی ﷺ نے ایک جلد کی کتابی صورت میں مصحف لکھوایا، نہ اس پر اعراب اور نقطے لگوائے اور نہ رموز اوقاف کا اہتمام کیا۔ یہ سارا کام بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رحمہم وغیرہم کے زمانے میں ہوا۔

لیکن جو لوگ صحیح احادیث کا کھلم کھلا انکار کر سکتے ہیں وہ تاریخ و تدوین قرآن کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں؟ منکرین حدیث کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن نے نبی ﷺ پر اُس کی تلاوت اور تعلیم کی ذمہ داری ڈالی ہے اُسے لکھوانے کا پابند نہیں کیا۔

نبی اُمی ﷺ نے جیسے قرآن زبانی طور پر اُترا ویسے ہی زبانی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا اور سکھایا تھا۔ یہی اصل قرآن ہے جو آج تک اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ رہا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ لِّقَوْمٍ عَلِيمٍ ۝﴾ [التكوير: ۳۹]

”بلکہ یہ قرآن ایسی واضح آیتوں کا مجموعہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے جن کو علم عطا ہوا ہے۔“

ویسے احتیاط کے طور پر آپ ﷺ نے مختلف چیزوں جیسے کاغذ، چمڑا وغیرہ پر منتشر صورت میں قرآن کو لکھوا بھی دیا تھا۔ کیا منکرین حدیث یہ بتا سکتے ہیں کہ قرآن میں کہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس قرآن کو جمع کرنے اور اسے کتابی صورت میں مرتب اور مدون کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ڈالی تھی، جسے پورا کیا گیا تھا؟

ہمارے منکرین حدیث کی گمراہی کا اصلی سبب یہ ہے کہ وہ مستشرقین (Orientalists) کی چند گمراہ کن کتابیں پڑھ کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ غلطی در غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ قرآن مجید، صحیح احادیث، اجماع اُمت اور مستند تاریخی مواد کو براہ راست اُمت مسلمہ کے معتمد علماء و فقہاء کے ذریعے سمجھنے کی سعی کریں۔

بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی مختلف قراءتوں کو فتنہ قرار دینا منکرین حدیث کی مجبوری بھی ہے۔ اس کی وجہ صاف

قراءتوں کا اختلاف اور منکرین حدیث

ظاہر ہے کہ چونکہ مختلف قراءتوں کا وجود احادیث اور اجماع اُمت سے ثابت ہوتا ہے اور ان لوگوں کو حدیث اور اجماع کے الفاظ ہی سے چڑ ہے۔

صورت واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ مبارک میں عربی عبارت پر نقطے اور اعراب لگانے کا رواج بالکل نہ تھا۔ آج بھی عرب ممالک میں عربی کتب پر اعراب نہیں لگائے جاتے۔ مصاحف پر نقطے اور اعراب لگانے کا کام تو بہت بعد کے ادوار میں انجام پایا تھا۔

آج دنیا میں نبی ﷺ کا وہ نامہ مبارک اصلی حالت میں موجود ہے جو آپ ﷺ نے شاہ مصر مقوقش کو لکھا تھا۔ جو مرشدہ تھا۔ اس کی نقل اب سیرت کی کتابوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اور اب انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے۔ اس نامہ مبارک کی عبارت پر بھی نہ تو اعراب لگے ہوئے ہیں اور نہ نقطے۔

اسی طرح آج امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ کچھ مصاحف دنیا میں موجود ہیں اور اُن پر نہ نقطے ہیں اور نہ اعراب۔ اسی مصحف عثمانی کی ایک فوٹو کا پی مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کے کتب خانے میں بھی موجود ہے جس کا راقم نے خود مشاہدہ کیا ہے اور اس میں اعراب اور نقطے موجود نہیں ہیں۔

ہمارا چیلنج ہے کہ منکرین حدیث نبی ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کا کوئی ایسا مصحف دکھا دیں جس پر اعراب اور نقطے موجود ہوں: **هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ**  
رہی بات اختلاف قراءت کی تو اس کے خلاف طارق صاحب نے جن دو دلیلوں کا سہارا لیا ہے وہ ہمارے نزدیک غلط ہیں۔

اُن کی پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ [النساء: ۸۲]

”اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے۔“

تو اس کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ قرآن ہر قسم کے اختلاف سے پاک ہے، لہذا وہ قراءت کے اختلاف سے بھی پاک ہے۔ لیکن اُن کا یہ استدلال کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ مذکورہ آیت میں اختلاف کا لفظ تضاد (Contradiction) کے معنوں میں آیا ہے نہ کہ اختلاف (Variety) کے معنوں میں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین اور اس کی تعلیمات میں باہمی کوئی تضاد نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ ایک جگہ توحید کی تعلیم دے اور دوسرے مقام پر شرک کو جائز قرار دے یا کسی جگہ آخرت کا عقیدہ بیان کرے اور کہیں وہ اس عقیدے کی نفی کر دے۔ اس کا کوئی مضمون اور اُس کی کوئی تعلیم تضاد سے آلودہ نہیں۔

خود طارق صاحب کو بھی اختلاف کے ان معنی کا احساس تھا اس لیے انہوں نے اپنی عبارت میں ایک جگہ اختلاف و تضاد کو مترادف بھی لکھ دیا ہے تاکہ لوگوں کو دھوکا اور فریب دیا جاسکے۔

عربی زبان کی طرح ہماری اردو زبان میں اختلاف کا لفظ تنوع کے معنی میں بھی آتا ہے۔  
ذوق کا مشہور شعر ہے:

گلابائے رنگ سے ہے زینت چمن اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اس شعر میں اختلاف کا لفظ تنوع (Variety) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن میں اختلاف کا لفظ تنوع کے معنی میں سورۃ الروم آیت ۲۲ میں استعمال ہوا ہے:

پروفیسر محمد رفیق چودھری

﴿وَإِخْتِلَافٌ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ﴾ ”اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کا اختلاف یعنی ایک دوسرے سے مختلف ہونا۔“  
قرآن توں کا اختلاف بھی تنوع (Variety) کا اختلاف ہے اور یہ تضاد نہیں ہے۔

قرآن مجید سے متعلق بیسیوں اختلافات موجود ہیں مگر وہ سارے تنوعات (Varieties) کے اعتبار سے ہیں نہ کہ تضادات (Contradictions) کے لحاظ سے اور اس سے اُس کی صداقت اور عصمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

مثال کے طور پر قرآن مجید میں درج ذیل اختلافات پائے جاتے ہیں:

- ① مختصر اور طویل سورتوں کا اختلاف (کوئی سورت چھوٹی ہے اور کوئی بڑی)
- ② چھوٹے بڑے رکوعات کا اختلاف (کوئی رکوع چھوٹا اور کوئی بڑا ہے)
- ③ سورتوں کی آیت کی تعداد میں اختلاف (کسی سورت میں چند اور کسی میں سینکڑوں آیتیں ہیں)
- ④ سورتوں کے ناموں کا اختلاف (ایک ہی سورت کے کئی دوسرے نام ہیں جیسے سورۃ بنی اسرائیل کو سورۃ الاسراء بھی کہا جاتا ہے۔)

- ⑤ سورتوں کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے اور نہ لکھنے کا اختلاف۔ (ہر سورت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا گیا ہے مگر سورۃ توبہ اس سے خالی ہے)
- ⑥ سورتوں کے افتتاح کا اختلاف: (کوئی سورت حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہے، کوئی حمد باری تعالیٰ سے کوئی کسی اور مضمون سے)

⑦ ایک ہی واقعے کو بیان کرنے میں اختلاف: (کبھی ایک ہی تاریخی واقعہ مختلف مقامات پر مختلف انداز میں بیان ہوا ہے جیسے ’قصہ آدم وحواء علیہ السلام‘، ہر جگہ مختلف انداز اور مضمون کی کمی بیشی کے ساتھ بیان ہوا ہے۔)

⑧ ایک ہی لفظ کو مختلف طریقوں سے لکھنے کا اختلاف: لفظ ’رحمت‘ کو بعض جگہ ’رحمة‘ [الانبیاء: ۱۰۷] اور بعض جگہ ’رحمت‘ [الروم: ۵۰] لکھا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ لعنت کو کسی جگہ ’لعنة‘ [البقرہ: ۱۶۱] اور کسی جگہ ’لعنت‘ [آل عمران: ۶۱] لکھا ہوا ہے۔ لفظ الرسول کو کہیں ’الرسول‘ [البقرہ: ۱۴۳] کو کہیں ’الرسولا‘ [الاحزاب: ۶۲] لکھ دیا گیا ہے۔

⑨ حضرت محمد ﷺ کو خطاب کرنے میں اختلاف آپ ﷺ کو کسی جگہ ’یٰٰہا الرسول‘ (اے رسول ﷺ)، کہیں ’یٰٰہا النبی‘ (اے نبی ﷺ) اور کہیں ’یٰٰہا المزمّل‘ (اے چادر میں لپٹے ہوئے) کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

⑩ مصر کے جادوگروں کی بات کو بیان کرنے میں اختلاف:

ایک مقام پر ہے کہ انہوں نے یوں کہا تھا: ﴿رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ﴾ [الشعراء: ۴۸]

دوسری جگہ پر ہے کہ یوں کہا گیا تھا: ﴿رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ﴾ [طہ: ۷۰]

⑪ بعض افعال کو بیان کرنے میں اختلاف:

ایک مقام پر ہے کہ قوم فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرتے تھے: ﴿يَقْتُلُونَ﴾ [الاعراف: ۱۴۱]

انہی کے بارے میں دوسری جگہ ہے کہ وہ ذبح کرتے تھے: ﴿يَذْبَحُونَ﴾ [البقرہ: ۴۹]

⑫ ایک ہی واقعے میں صیغوں اور ضمیروں کے استعمال میں اختلاف:

ایک مقام پر جمع کا صیغہ ہے: ﴿إِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُونَ﴾ [الشعراء: ۱۵]

”بے شک ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔“

﴿إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَأُذِي﴾ [ط: ۳۶] ”بے شک میں سنتا اور دیکھتا ہوں“

۱۳ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ یا اژدھا بننے کا اختلاف:

وہ اژدھا تھا۔ ﴿تُعْبَانُ﴾ ”اژدھا“ [الاعراف: ۱۰۷]

وہ سانپ تھا۔ ﴿حَيَّةٌ﴾ ”سانپ“ [ط: ۲۰]

۱۴ ایک ہی شخص کو دو الگ الگ نام دینے کا اختلاف:

پہلے اُسے ﴿إِبْلِيسَ﴾ [ط: ۱۱۶] کہا گیا، پھر اُسے کو ﴿الشَّيْطَانَ﴾ [ط: ۱۲۰] کہہ دیا۔

اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کو ایک جگہ ﴿الْيَاسَانَ﴾ [الصافات: ۱۲۳] کہا گیا، پھر دوسری جگہ اُنہی کو ﴿إِلْيَاسِينَ﴾

[الصافات: ۱۳۰] کہا گیا ہے۔

۱۵ سجدہ تلاوت کے مقامات میں اختلاف:

کیا سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں یا ایک ہی سجدہ تلاوت ہے۔

۱۶ اسماء حسنیٰ میں اختلاف:

الذَّوْلُ ..... [الحدید: ۳] الأَخْرُ ..... [الحدید: ۳] الظُّهْرُ ..... [الحدید: ۳] البَاطِنُ ..... [الحدید: ۳]

۱۷ قرآن کے صفاتی ناموں میں اختلاف:

الْفُرْقَانُ ..... [الفرقان: ۱] الدِّكْرُ ..... [الحجر: ۹]

۱۸ قیامت کے ناموں میں اختلاف:

الْوَاقِعَةُ ..... [الواقعة: ۱] الْقَارِعَةُ ..... [القارعة: ۱]

۱۹ رموز اوقاف کا اختلاف:

کہیں گول تا 'ة' ہے، کہیں وقف لازم 'م' ہے کہیں وقف جائز 'ج' اور کہیں وقف مطلق 'ط' ہے۔

مگر ایسے تمام اختلافات جو کہ حقیقت میں تنوعات (Varieties) ہیں، کے باوجود قرآن مجید کی حقانیت، صحت اور

عصمت پر کوئی حرف نہیں آتا وہ ہر لحاظ سے برحق، صحیح اور محفوظ ہے۔

پھر جب مذکورہ اختلافات کے ہوتے ہوئے قرآن کی صداقت متاثر نہیں ہوتی تو کیا ایک قراءتوں کے اختلاف

سے اُس کی صداقت متاثر ہو جائے گی اور وہ مشکوک ٹھہرے گا؟ حالانکہ قراءتوں کا اختلاف بھی تنوع ہے نہ کہ تضاد۔

اوپر طارق صاحب نے اختلاف قراءت کے خلاف جو یہ حدیث پیش کی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ حکم دیا تھا:

«أَعْرَبُوا الْقُرْآنَ». [شعب الإيمان للبيهقي: ۵۴۸/۳]

تو اوّل تو یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن مقبری ہے جو کہ ضعیف راوی ہے جیسا کہ

مرعات شرح مشکوٰۃ جلد ۴ کے ص ۳۵۲ پر تصریح کی گئی ہے۔ دوسرے لفظ 'أعربوا' کا ترجمہ 'اعراب لگاؤ بالکل غلط اور

عربیت کے خلاف ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ صرف و نحو کی اصطلاحات عہد نبوی ﷺ میں ہرگز موجود نہ تھیں۔ یہ اعراب رفع نصب جزا اور

تثوین وغیرہ کی اصطلاحیں بعد کی پیداوار ہیں جو نحو یوں نے ایجاد کی تھیں۔ قرآن و حدیث کو نحو یوں کی اصطلاحات سے

بے شک

پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش گمراہی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

سورۃ النور میں آیا ہے:

﴿فِي بَيِّنَاتٍ آتَتْهُ الْوَيْلُ أَنْ تَرْفَعَهُ﴾ [النور: ۳۶]

اس کو اگر نحویوں کی زبان سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے فی بیوت کو فی بیوت (مرفوع) پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے اور یہ مفہوم صرف منکرین حدیث کی کھوپڑی میں آسکے گا، کسی صاحب علم کے دماغ میں ہرگز نہیں آسکتا کیونکہ فی (حرف جار) کے بعد کا اسم مجرور ہی ہونا چاہئے اور فی بیوت کو فی بیوت پڑھنا بالبداهت عربیت کے خلاف ہے اس طرح آیت کا اصل مطلب غارت ہو کر رہ جائے گا۔

زیر بحث ضعیف حدیث میں اعرابوا القرآن کا درست ترجمہ یہ ہے:

”قرآن پاک کے معانی واضح کرو۔“

کیونکہ عربی زبان میں اعراب یعرب اعراباً کے معنی بات کو واضح کرنے اور اچھی طرح بیان کرنے کے ہیں نہ کہ الفاظ پر اعراب لگانے کے۔

مشہور و مستند عربی لغت ’لسان العرب‘ میں ہے:

”الإعراب والتعريب معناهما واحد، وهو: الإبانة. يقال: إعراب عنه لسانه وعرب أي أبان وأفصح. أعرب الكلام وأعرب به؛ بينه رجل عربي اللسان إذا كان فصيحاً.“

[لسان العرب، ابن منظور]

عقل کے اندھے منکرین حدیث اگر کبھی اپنے ہاں کا کوئی لکھا ہوا قرآن ہی کھول کر دیکھ لیتے تو ان کو اس کے اندر بھی قراءتوں کا اختلاف نظر آجاتا جہاں کئی قرآنی الفاظ کی دو دو قراءتیں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ (مگر یہ لوگ تو قرآن کا متن نہیں پڑھتے محض اس کے انگلش تراجم پڑھتے ہیں۔)

مثال کے طور پر سورۃ البقرہ آیت ۲۲۵ میں ہے:

﴿وَاللَّهُ يُقْبِضُ وَيَبْسُطُ﴾ میں يَبْسُطُ کو يَبْسُطُ بھی پڑھا جاتا ہے اور اس کے لیے حرف صاد کے اوپر چھوٹا سین (س) ڈال دیا جاتا ہے۔

اسی طرح سورۃ الغاشیہ آیت ۲۲ میں ہے: ﴿لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ﴾

اس میں بِمُصَيِّرٍ کو بِمُصَيِّرٍ بھی پڑھا جاتا ہے اور اس لفظ کے حرف صاد پر بھی چھوٹا سین لکھا ہوا ہے۔

لیکن منکرین حدیث بڑے ڈھیٹ اور بے شرم واقع ہوئے ہیں۔ ایک طرف وہ صحیحین کی معتبر احادیث کو نہیں مانتے مگر دوسری طرف ہوائے نفس کی خاطر ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو دلیل بناتے ہیں۔ صحیح احادیث کے مقابل میں تاریخ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی من مانی تفسیر اور دور از کار تاویلیں کرتے ہیں۔ علمائے اسلام پر اعتماد کرنے کی بجائے مستشرقین کو اپنا مرشد مانتے ہیں۔ حکومت وقت کی خوشامد ان کا پیشہ ہے اور اپنا مؤقف بار بار بدلنا ان کا شیوہ ہے۔ آپ ان کے کسی ایک اعتراض کا جواب دے دیں وہ جھٹ سے دوسرا اعتراض گھڑ کر پیش کر دیں گے۔

اللَّهُمَّ اهْدِهِمُ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ



ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب

## مصاحفِ عثمانیہ اور مستشرقین کے اعتراضات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں قریش کی لغت کے مطابق قرآن مجید کا ایک صحیح نسخہ تیار کروایا تاکہ پوری امت مسلمہ ایک ہی طرح سے قرآن مجید کی تلاوت کر سکے اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ دراصل حدیث بن الیمان رضی اللہ عنہ نے شکایت کی تھی کہ بعض علاقوں میں قرآن مجید کو پڑھنے کے انداز میں اختلاف کی بنا پر حالات تشویشناک ہیں چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کا ایسا نسخہ کمال احتیاط کے ساتھ تیار کروایا، کہ جس میں تمام جائز قراءاتیں شامل تھیں۔

مگر مستشرقین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس کاروائی، اس مصحف کی تیاری، پس منظر اور خود مصحف عثمانی پر اعتراضات کرتے ہیں، اور ان اعتراضات کا ما حاصل یہ ہے کہ عہد عثمانی سے قبل قرآن کا کوئی نسخہ معرض وجود میں نہ آسکا۔ ذیل میں ہم مستشرقین کے اعتراضات نقل کرتے ہوئے ان کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

نولڈیکے (Noldeke) اپنے مقالہ میں قرآن حکیم کی تاریخ حفاظت پر یوں رقم طراز ہے۔

”مصحف عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل قرآن مجید کا کوئی معیار اور مرتب نسخہ موجود نہ تھا۔ اور یہ مصحف، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مصحف کی نقل ہی تھا (لہذا اگر مصحف صدیقی حقیقی مصحف نہ تھا تو مصحف عثمانی کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔)“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدوین قرآن کی ساری کاروائی مشکوک بناتے ہوئے لکھتا ہے:

"as to they were conductad we no have Trustworthy information, Tradition being have much under the influence of dog matic persupposition."

مزید یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جمع قرآن کی ان مساعی کو سیاسی مقاصد کے حصول کا رنگ دیتا ہے:

"but for the assentially political object of putting an end to controversies by admitting one from of the common book religion and of law, this measuere was necessar."

آگے چل کر نولڈیکے کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے نسخے کے علاوہ دیگر تمام مصاحف جلوادیے اس طرح قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا اور قرآن کا حقیقی متن اگر ہم جاننا چاہیں تو معلوم نہیں ہو سکتا۔ مزید اس طرح کے وہ بہت سے شکوک و شبہات پیدا کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"Slight clerical errors there may have beenthought some times in vary strange order."

{Ibid.605}

مصحف عثمانی کو مشکوک بنانے کی کوشش میں ایک اور مشہور مستشرق ایف بھل (F.Buhal) بھی پیش پیش نظر آتا ہے۔ وہ اپنے مقالہ میں لکھتا ہے:

”مصحف عثمانی دراصل مصحف صدیقی کی نقل تھا۔ لیکن ساتھ ہی کہتا ہے کہ مصحف صدیق کوئی باقاعدہ مرتب نسخہ نہ تھا۔“

☆ اسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

[Encyclopaedia of islam ,iv,1073]

”اس سلسلے میں نو آموز اور ناتجربہ کار کاتبوں کی طرف سے کچھ لاپرواہیاں اور غلطیاں سرزد ہوئیں۔“ [Ibid,1073]

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے تیار کروائے ہوئے نسخے کے علاوہ تمام نسخوں کو ضائع کروا دیا۔ اس طرح قرآن کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔“ [Ibid,1070]

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو ایک متفقہ قرآن اور متفقہ تلفظ بھی تیار نہ کر سکے۔“ [Ibid,1070]

اگرچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اختلافات ختم کرنے کے لئے باقی نسخوں کو جلوا دیا تھا۔ لیکن اختلاف ختم کرنے کے لئے جلانے یا ضائع کرنے کا یہ عمل بے اثر تھا، کیونکہ قرآن لوگوں کے حافظے میں موجود تھا۔ [Ibid,1073]

”مصنف عثمانی حقیقی قرآن نہیں، اس مصنف کی کوئی ترتیب بھی نہ تھی۔ علاوہ ازیں جو مصاحف دیگر علاقوں کو روانہ کئے گئے ان میں ہم آہنگی بھی نہ تھی۔“ [Ibid,1073]

ایف بہل نے تفسیری طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی اپنے تیار کردہ نسخے کو مستند اور صحیح نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"even Oth man himself, according to one story --- did not adhere to the text authorised by him. but read sura iii 100 with an addition not now found in it. and if this is correct, it is no wonder that others took still greater liberties, various circumstances contributed to the continual variation in the form of text." [Ibid,1073]

نوٹڈیکے اور بہل کی طرح ایک اور مشہور مستشرق مارگولیتھ (Margoliouth) اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مرتب کئے ہوئے مصحف پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتا ہے۔ مارگولیتھ اس مصحف میں ابہام اور اغلاط کے بارے میں لکھتا ہے۔

”زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کام پر اس لیے لگایا کہ انتہائی ابہام کی موجودگی میں وہی اس متن کی وضاحت کر سکتے تھے۔“ [Margoliouth.D.S., Mohammadanism.70]

اس کے اپنے الفاظ میں:

"Perhaps because in the extreme ambiguity with and imperfection of the scrip he aione could interperet the first edition with certainty." [Ibid,70]

اسی طرح مارگولیتھ کہتا ہے کہ ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اپنے نسخے کے علاوہ دوسرے نسخے جلوا دینے کے عمل سے قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ چنانچہ اب ہمیں قرآن کا حقیقی متن نہیں مل سکتا۔“ [Ibid,70]

قریب قریب یہی انداز دیگر مستشرقین

(1) Wath, Montgomery, Mohammad at Makka,9 (2) Frost ,SE, the sacred Writing of world,s Great Religions, 307 (3) Jaffery, arthur, Matevial for the study of History of the Tost of the Quran,a (4)Nichololson,R,A, Literary History of the Arabs. (5)Tritian,A,S, Islam Belief and parctice,60.

(۶) فنڈز، پادری، میزاجت: ۳۶، ۴۰، ۴۲، ۴۴، ۴۵، Introduction to the Quran.42,44,45,46

نے بھی اختیار کیا ہے اور انہوں نے بھی اس سے ملتے جلتے اعتراضات اٹھائے ہیں بعض مستشرقین کے نقطہ نگاہ کا تذکرہ ”البیان“ [حسانی، عبدالحق، البیان فی علوم القرآن: ۲۵۸] میں بھی ملتا ہے۔ اور بعض کا تذکرہ ڈاکٹر صحتی صالح [صحتی

صالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن: ۸۰، ۷۹] نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ تاویل القرآن [ضربت، عیسوی، تاویل القرآن: ۱۰۶، ۱۰۷] میں بھی ان اعتراضات کو دہرایا گیا ہے۔

مستشرقین کا نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد اب ہم ذیل میں اسلامی مآخذ سے عہد عثمانی میں جمع قرآن کی نوعیت، مقاصد، پس منظر اور طریقہ کار کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں تاکہ مستشرقین کے اعتراضات کا رد بھی ہو سکے اور حقیقت حال بھی سامنے آجائے۔

## پس منظر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت تک اسلامی مملکت وسیع علاقے تک پھیل چکی تھی اور عرب کے علاوہ عجم کے تمام علاقے اسلامی حکومت کا حصہ بن چکے تھے۔ قرآن مجید جہاں مسلمانوں کی زندگی کا لازمی جزو تھا۔ تو دوسری طرف ”سبعہ احرف“ بھی موجود تھے۔ حضور سے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہی ”سات احرف“ کے ساتھ قرآن پڑھا تھا۔ صحابہ نے اپنے شاگردوں کو بھی انہی کے مطابق پڑھایا تھا۔ حضور کی وفات کے بعد، بلکہ آپ کی موجودگی میں صحابہ ان علاقوں میں بھی پھیل چکے تھے۔ جب مملکت کی حدود عجم تک وسیع ہوتی چل گئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان علاقوں میں پہنچ گئے۔ ان میں سرکاری طور پر بھیجے ہوئے معلمین بھی تھے اور دعوت و تبلیغ کی غرض سے جانے والے بھی۔

[صحیح صالح، ڈاکٹر، حوالہ مذکورہ: ۸۱]

اس طرح ”سبعہ احرف“ عرب و عجم کے تمام علاقے میں پھیل گیا۔ جب تک لوگ ”سبعہ احرف“ کی حقیقت سے آگاہ تھے اس وقت تک اس سے کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی۔ لیکن جب یہ اختلاف دور دراز کے علاقوں تک پہنچ گیا اور ان پر یہ بات واضح نہ تھی کہ ”سبعہ احرف“ کی سہولت کا مقصد کیا ہے اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ تھی کہ قرآن مجید سات احرف پر نازل ہوا ہے تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے کھڑے ہونے لگے۔ بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسروں کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے۔ [سیوطی، جلال الدین، الاقان فی علوم القرآن: ۸۱]

ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی کریں گے، دوسری طرف یہ مسئلہ بھی تھا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ، جو کہ مدینہ طیبہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا، اس کے علاوہ پورے عالم اسلام میں اس سے معیاری نسخہ نہ تھا۔ جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے۔ کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ اس لیے ان جھگڑوں کے تصحیح کی اگر کوئی قابل اعتماد صورت تھی تو وہ یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کونسی قراءت درست اور کونسی غلط ہے؟ یہ عظیم الشان کارنامہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سر انجام دیا۔

ان کے اس کارنامے کی تفصیلات روایات میں موجود ہیں۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں مصروف تھے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قراءتوں میں اختلاف ہو رہا ہے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور خدمت میں حاضر ہو کر پوری صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے خلیفہ سے کہا کہ قبل اس کے کہ یہ امت کتاب اللہ

بسم اللہ



ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح

کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہو جائے آپ اس اختلاف کا علاج فرمائیں۔ انہوں نے مزید کہا ”کہ میں آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں مصروف تھا کہ میں نے دیکھا کہ شام کے رہنے والے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں پڑھتے تھے جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوئی تھی۔ اس بنا پر وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔ [الاتقان فی علوم القرآن: ۶۱]

اس سلسلے میں علامہ بدر الدین عینی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

إن حذيفة قدم من غزوة فلم يدخل في بيته حتى أتى عثمان فقال يا أمير المؤمنين! أدرك الناس - قال: وما ذاك؟ قال: غزوت أرمينية فإذا أهل الشام يقرئون بقرائة أبي بن كعب فيأتون بما لم يسمع أهل العراق وإذا أهل العراق يقرئون بقرائة عبد الله بن مسعود فيأتون بما لم يسمع أهل الشام فيكفر بعضهم بعضاً - [یعنی، بدر الدین، علامہ، عمدة القاری، شرح صحیح بخاری: ۱۶]

”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک غزوہ سے واپسی ہوئی تو وہ واپسی پر وہ اپنے گھر میں داخل نہیں ہوئے تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین! لوگوں کی خبر لیجئے۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا میں لڑائی کے سلسلے میں آرمینیا گیا ہوا تھا وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اہل شام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتے ہیں جسے اہل عراق نے نہیں سنا ہوا تھا اور اہل عراق عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا اس اختلاف کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔“

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

”حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آذر بائجان کے معرکے کے بعد حاضر ہوئے اور انہیں قراءت قرآن میں باہمی اختلاف نے بہت پریشان کیا تھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! امت کی خبر لیجئے قبل اس کے کہ وہ اپنی کتاب میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگیں۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حصہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس قرآن مجید کے نوشتے اور صحیفے بھیج دیں، ہم انہیں نقل کر لیں گے اور ایک مصحف کی شکل میں جمع کر لیں گے پھر انہیں آپ کی طرف لوٹا دیں گے۔ حضرت حصہ رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعد بن العاص رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا کہ وہ ان صحائف کو ایک مصحف میں نقل کریں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جماعت قریش کے تینوں کاتبوں کو فرمایا کہ جب تم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میں قرآن کریم کی کسی آیت کے لکھنے میں اختلاف ہو تو پھر اسے لغت قریش میں لکھنا، کیونکہ قرآن مجید لغت قریش میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ان حضرات نے اسی پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ جب یہ حضرات ان صحائف کو نقل کر چکے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان اصل صحائف کو حضرت حصہ رضی اللہ عنہ کے پاس واپس لوٹا دیا اور علاقے میں ایک ایک نقل شدہ مصحف ارسال کر دیا، اور یہ حکم صادر فرمایا کہ ان کے علاوہ جو مجموعے اور صحیفے لوگوں کے پاس لکھے ہوئے موجود ہوں ان کو جلا دیا جائے۔ [بخاری: محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح: ۱۱۱، ۱۲۶]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شاید خود اس خطرے سے آگاہ تھے۔ انہیں اس بات کی اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ کے اندر ایسے واقعات پیش آئے کہ جب مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد اکٹھے ہوئے تو اختلاف کی سی ایک کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ [جلال الدین، سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن: ۶۱، ۱۰۱]

جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قسم کی اطلاع دی تو آپ نے فوراً اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کو جمع کیا اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ کیا اور فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر تک پہنچ سکتی ہے۔ لہذا آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہی پوچھا کہ آپ نے کیا سوچا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک یقینی مصحف پر جمع کر دیں تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق باقی نہ رہے۔ صحابہ نے اس رائے کو پسند کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا:

”أنتم عندي تختلفون فيه وتلحنون، فمن نأى عني من أهل الأمصار أشد فيه اختلافاً وأشد لحناً، اجتمعوا يا أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم فآكتبوا الناس إماماً.“

تم لوگ مدینہ میں میرے قریب رہتے ہوئے قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور زیادہ تکذیب اور اختلاف کرتے ہوں گے۔ لہذا تم لوگ مل کر ایک نسخہ ایسا تیار کرو جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو۔“

[فتح الباری: کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۴۹۸۸]

مصحف عثمان کے بارے میں ہم نے جو وضاحت بیان کی ہے اس سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ متفقہ مصحف تیار کروانے کی اس وقت اشد ضرورت تھی۔ ایسا نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی سیاسی پالیسی یا ذاتی ضرورت کے تحت ایسا کیا تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا آذر بائجان سے واپسی پر فوراً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اس اختلاف سے پریشان تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ اس انداز سے پیش کیا کہ وہ اس کی سنگینی کو فوراً سمجھ گئے۔ اس ساری صورت حال کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل کام کیے۔

**اولاً:** قرآن کریم کے معیاری نسخے تیار کروائے اور انہیں مختلف اطراف میں روانہ کر دیا۔

**ثانیاً:** ان مصاحف کا رسم الخط ایسا رکھا کہ اس میں ”ساتوں حروف“ سما سکیں۔ چنانچہ یہ مصاحف نقاط اور حرکات سے خالی تھے اور انہیں ہر حرف کے مطابق پڑھا جا سکتا تھا۔ جتنے انفرادی نسخے لوگوں نے تیار کر رکھے تھے ان سب کو نذر آتش کر دیا۔

**ثالثاً:** یہ پابندی عائد کر دی کہ آئندہ جو مصاحف لکھے جائیں وہ انہی مصاحف کے مطابق تیار کئے جائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ نسخہ میں الگ الگ سورتیں تھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اکٹھا کر کے ایک مصحف کی شکل دے دی۔ [سیوطی، جلال الدین: الاقناع فی علوم القرآن: ۶۱۲۲]

ان اقدامات کا مقصد یہ تھا کہ تمام عالم میں رسم الخط اور ترتیب سور کے اعتبار سے تمام مصاحف میں یکسانیت ہو اور ان مصاحف کو دیکھ کر فیصلہ کیا جاسکے کہ کوئی قراءت درست اور کوئی غلط ہے۔ اس بات کی وضاحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ جو ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں نقل کیا ہے۔ [ایضاً حوالہ مذکور: ۶۱۰]

قال علی:

”لا تقولوا في عثمان إلا خيراً فوالله ما فعل الذي فعل في المصاحف إلا عن ملاء منا قال: ما تقولون في هذه القراءة فقد بلغني أن بعضهم يقولون إن قراءتي خبير من قراءتك ولهذا يكادون أن يكون كفراً. قلنا: فما ترى؟ قال: أرى أن نجتمع الناس على مصحف واحد فلا تكون فرقة ولا اختلاف. قلنا: فنعم ما أريت.

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے علاوہ نہ کہو، کیونکہ اللہ کی قسم انہوں نے مصحف کے بارے میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں کیا۔ انہوں نے ہم سب سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ ان قراءتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیونکہ مجھے اطلاعات مل رہی ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جو کفر کے قریب تر پہنچا دیتی ہے۔ اس پر ہم نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں۔ تاکہ کوئی اختلاف و افتراق باقی نہ رہے ہم سب نے کہا کہ ”آپ نے اچھی رائے قائم کی ہے۔“ اس روایت میں حضرت عثمانؓ کے الفاظ ”أرى أن نجتمع الناس على مصحف واحد“ ہمارے موضوع کے اعتبار سے خاص توجہ کے حامل ہیں۔ کہ آپ نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ ہم ایک معیاری مصحف تیار کرنا چاہتے ہیں جو پورے عالم اسلام کے لئے یکساں طور پر حجت بن سکے اور اس کے بعد کسی صحیح قرآن کے انکار، یا منسوخ یا کسی شاذ قراءت پر اصرار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

مولانا تقی عثمانی نے مصحف کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی تیاری کے وقت بنیادی طور پر انہی صحیفوں کو سامنے رکھا گیا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں لکھے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لئے وہی طریقہ اختیار فرمایا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضور کے زمانے کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس موجود تھیں انہیں دوبارہ طلب کیا گیا اور مصحف لکھتے وقت ان کا از سر نو مقابلہ کیا گیا۔ اس مرتبہ سورۃ الاحزاب کی ایک آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا...﴾ [الاحزاب: ۲۳] کے علیحدہ لکھی ہوئی صرف حضرت ابو خذیمہؓ کے پاس ملی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ آیت کسی کو یاد نہ تھی، کیونکہ زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: ”مجھے مصحف لکھتے وقت سورۃ احزاب کی آیت نہ ملی جو حضور کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا ہم نے اسے تلاش کیا تو وہ حضرت حذیفہ بن ثابتؓ انصاریؓ کے پاس سے ملی۔ [تقی عثمانی، مولانا: علوم القرآن: ۱۹۱]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت زیدؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کو اچھی طرح یاد تھی اس طرح اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یہ آیت کہیں اور لکھی ہوئی نہ تھی، کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں جو صحائف لکھے گئے ظاہر ہے کہ یہ آیت ان میں موجود تھی۔ نیز دوسرے صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن کریم کے جو انفرادی نسخے موجود تھے ان میں یہ آیت بھی شامل تھی۔ لیکن چونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ کی طرح اس مرتبہ بھی تمام متفرق تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو صحابہ کرامؓ کے پاس علیحدہ لکھی ہوئی بھی ملیں لیکن سورۃ الاحزاب کی یہ آیت سوائے حضرت ابو خذیمہؓ کے کسی اور کے پاس الگ لکھی ہوئی دستیاب نہ ہوئی۔ [سیوطی، جلال الدین: حوالہ مذکور ۶۱۸]

یہ تمام تفصیلات مولانا تقی عثمانی نے پیش کی ہیں۔ [تقی عثمانی، مولانا، حوالہ مذکور، ۱۹۱]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قرآن کے جمع کرنے کی یہ شکل ہوئی کہ

جس وقت وجوہ قراءت میں بکثرت اختلاف پھیل گیا اور یہاں تک نوبت آگئی کہ لوگوں نے قرآن مجید کو اپنی اپنی زبان میں پڑھنا شروع کر دیا اور ظاہر ہے کہ عربی کی زبانیں بہت وسیع ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک زبان کے لوگ دوسری زبانوں کو برسر غلط بتانے لگے اور اس معاملے میں سخت مشکلات پیش آنے لگیں اور بات بڑھ جانے کا خوف پیدا ہو گیا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے صحف کو ایک ہی قبیلہ قریش کی زبان پر اکتفاء کر لیا۔ اس بات کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دلیل یہ دی کہ قرآن مجید کا نزول دراصل قریش کی زبان میں ہوا تھا۔ اگر چہ دقت اور مشقت دور کرنے کے لئے اس کی قراءت غیر زبانوں میں بھی کر لینے کی گنجائش دے دی گئی تھی۔ لیکن اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے میں وہ ضرورت مٹ چکی تھی۔ لہذا انہوں نے قرآن کی قراءت کا انحصار محض ایک ہی زبان میں کر دیا۔ [سیوطی، جلال الدین، حوالہ مذکور: ۱۶۱]

قاضی ابوبکر "الإلتصاف" میں لکھتے ہیں:

"کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان اختلافات کو مٹایا جو اس وقت موجود تھے اور آپ نے آئندہ نسلوں کو فساد سے بچالیا۔"

[الینفا: ۶۱۸]

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدة القاری فی شرح البخاری میں لکھتے ہیں:

"إنما فعل عثمان هذا ولم يفعل الصديق لأن غرض أبي بكر كان جمع القرآن بجميع حروفه ووجوهه التي نزل بها، وهي على لغة قريش وغيرها وكان غرض عثمان تجريد لغة قريش من تلك القراءات، وقد جاء ذلك مصرحاً في قول عثمان لهؤلاء الكتاب فجمع أبو بكر غير جمع عثمان"

"یہ جو کچھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا، یہ کام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا تھا، کیونکہ ان کی غرض تو قرآن مجید کو جمع کرنا تھا جس میں تمام وجوہ لغات شامل تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غرض بھی یہ تھی کہ لغت قریش کو بقیہ لغات سے جدا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس بات کی تصریح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول میں موجود ہے کہ جو انہوں نے کاتبین سے فرمایا تھا۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جمع کرنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع کرنا جدا جدا تھا۔"

[عینی، بدر الدین، علامہ، حوالہ مذکور: ۶۵۵]

ان روایات کی تصریح کرتے ہوئے علماء اسلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل کی یہی تشریح کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد قرآن مجید کے کسی حروف کو ختم کرنا نہ تھا، بلکہ انہیں تو اس بات کا افسوس تھا کہ بعض لوگوں نے درست حروف کا انکار شروع کر دیا تھا اور بعض آپس میں لڑنے بھگڑنے لگے تھے اور اسی مقصد کے لئے آپ نے قرآن مجید کا معیاری نسخہ تیار کروایا تھا۔

یہی نقطہ نگاہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے "الفصل فی الملل" میں۔ [ابن حزم، الفصل فی الملل والحق: ۸۱۲، ۸۱۳]

مولانا عبدالحق نے تفسیر حنفی [حنفی، عبدالحق، حوالہ مذکور: ۵۲۸۵۱] کے مقدمہ میں، علامہ زرقانی نے مناب العرفان

[زرقانی، عبدالعظیم، مناب العرفان فی علوم القرآن: ۲۷۱، ۲۶۹، ۲۸۸] میں نقل کیا ہے۔

کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کی کاروائی سیاسی مقاصد کے پیش نظر کی؟

گذشتہ صفحات میں ہم نے عہد عثمانی میں قرآن مجید کے ایک منصفہ نسخہ کی تیاری کا پس منظر، ضرورت، اس کی

ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح

تیاری اور اس کے بعد اس کے نفاذ کی تفصیلات بیان کر دی ہیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں مستشرقین کے پیدا کردہ ابہام خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ مصحف عثمانی کی تیاری محض بے مقصد کام نہ تھا، بلکہ اس کی تیاری کی بھرپور ضرورت موجود تھی۔ یہ نسخہ کوئی نیا نسخہ نہ تھا بلکہ مصحف صدیقی کی مکمل نئی تھی۔ بعض پہلوؤں سے یہ مصحف صدیقی سے مختلف تھا (مصحف صدیقی میں ”سبعہ احرف“ سے تعرض نہیں کیا جاسکتا تھا جبکہ مصحف عثمانی میں ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا کہ جس میں تمام جائز قراءتیں سما سکیں۔ مستشرقین کے مزید اعتراضات کے جوابات ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کا جو نسخہ تیار کروایا تھا اس پر مستشرقین نے کئی ایک اعتراضات کئے ہیں ہم نے ان اعتراضات کا ذکر چند صفحات میں کیا ہے یہ اعتراضات نوعیت کے اعتبار سے باہم متصادم ہیں، اس مصحف کے حوالے سے بعض لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ میں ”سبعہ احرف“ ختم کر دیئے گئے اور اس کے اندر چھ حصے قرآن مجید ضائع کر دیا گیا۔ [Jeffery, Arthur Op., 5.6]

بعض دوسرے لوگوں نے اس کے برعکس بات کی ہے کہ مصحف عثمان میں کوئی خاص بات نہ تھی اور جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مصحف میں کوئی ربط و ترتیب نہ تھی اسی طرح یہ مصحف بھی محض اوراق کا مجموعہ ہی تھا اس کی تیاری کے بعد بھی قرآن مجید میں اختلافات موجود رہے کیونکہ دیگر مصاحف بھی لوگوں کے زیر تلاوت رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان اختلافات کو ختم کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ [Vide Bell, Richard, Intosduction the Quran, 23]

ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ [Ibid, 23]

مصحف عثمانی کی ضرورت اور اسی بارے میں اصل حقیقت یہ ہے کہ

”اگرچہ قرآن حکیم بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زبانی یاد تھا تاہم لوگوں نے اپنے ہاں بھی لکھا ہوا تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو نسخہ تیار کیا تھا اس میں اس بات کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا کہ ”سبعہ احرف“ کے نتیجے میں لکھے گئے ذاتی مصاحف کو ختم کر دیا جائے۔ لوگوں کے پاس ذاتی مصاحف بھی موجود رہے۔ [بیوٹی، جلال الدین، حوالہ مذکور: ۶۱۱]

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب زمانے میں یہ احساس نہ تھا کہ مسلمان کسی مشکل کا شکار ہو جائیں گے، کیونکہ اس وقت تک اسلام ابھی ایک مخصوص علاقے تک محدود تھا لیکن جب اسلام بلاد و امصار میں پھیل گیا تو حافظے کے ساتھ ساتھ کتابت کی یکساں اہمیت محسوس کی جانے لگی اور بلاد و امصار کے مسلمانوں کو کسی ایک طریقے کے مطابق قرآن مجید پڑھایا گیا یہ بات ان میں عملاً معروف نہ ہوئی کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے اس لیے پڑھاتے وقت ان میں اختلاف پیدا ہونے لگے ساتھ ہی انفرادی طور پر تیار کیے ہوئے مصاحف بھی کسی نہ کسی ”حرف“ کے مطابق تھے اور ان کے آپس میں اختلافات تھے لیکن ایک معیاری نسخہ موجود تھا۔

آئندہ طور میں ہم مستشرقین کے اس موقف کا رد ڈاکٹر صبحی صالح کے بیان کی روشنی میں کریں گے کہ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محض سیاسی مقاصد کے حصول اور سیاسی پالیسی کے طور پر قرآن مجید میں مداخلت کی تھی اور اپنی مرضی کا ایک نسخہ تیار کروا لیا تھا اور ارکان کمیٹی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آلہ کار بن گئے اور گٹھ جوڑ کر کے ایک نسخہ تیار کر لیا۔

[صحبی صالح، ڈاکٹر، حوالہ مذکور: ۷۹]

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس کاروائی کا اصل محرک وہ لوگ تھے جن کی نشاندہی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے آذر

باہجان سے واپسی پر کی تھی لیکن مستشرقین اس کاروائی کا محرک سیاسی مقاصد کے حصول قرار دیتے ہیں اس سلسلے میں ”بلا شر“ پیش پیش ہے۔ جس نے حج و تدوین قرآن کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیت پر حملے کئے ہیں یہ تمام حملے بالکل بے بنیاد ہیں۔ مستشرقین کے پاس کوئی بنیاد نہیں کہ جس سے ثابت کیا جاسکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیش نظر سیاسی مقاصد کا حصول تھا اور آپ نے یہ کاروائی اس لیے بھی کی کہ مہاجرین کی اہمیت جتائی جاسکے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صحیحی صاحب نے بلاشر (Blasher) کا حوالہ دیا ہے۔ [ایضاً: ۷۹]

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ یہ تمام اتہام محض مستشرقین کی الزام تراشی ہے اور عمت قیاس آرائیوں کا آئینہ دار ہے اور کسی تاریخی روایت سے ان کے اس دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ کوئی دانشور شخص یہ بات درست تسلیم نہیں کرتا کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ جیسے محدث کے مقابلے میں، جو کہ ثقاہت و امانت اور حفظ و ضبط میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، مستشرقین کی ان بے سرو پا باتوں کو اہمیت دے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں جو کمیٹی تشکیل دی اس بارے میں بھی مستشرقین نے بے سرو پا باتیں کی ہیں یہ کمیٹی چار حضرات پر مشتمل ہے۔ [ایضاً: ۷۹]

ڈاکٹر صحیحی صاحب لکھتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ محدث ابن ابی داؤد ایک ہی مسئلہ پر مختلف روایتیں نقل کرنے کے شائق ہیں اگرچہ ان میں واضح تضاد پایا جاتا ہو۔ اس پر مزید یہ کہ وہ مسئلہ زیر بحث امام بخاری رضی اللہ عنہ کے ذکر کردہ چار اشخاص کی کمیٹی کا ذکر نہیں کرتے بلکہ اس سلسلے میں قائم شدہ دیگر کمیٹیوں کا ذکر کرتے ہیں مثلاً وہ ایک کمیٹی کا ذکر کرتے ہیں جس کے رکن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے اسی طرح وہ ایک اور کمیٹی کا ذکر کرتے ہیں جو دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ پر مشتمل تھی۔ اس کاروائی سے دو برس قبل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے اسی طرح ایک اور کمیٹی کا ذکر کرتے ہیں جو بارہ اصحاب پر مشتمل تھی اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے خیالات پر صرف ایک ہی مستشرق نے کلام کیا ہے۔ یہ مستشرق (Schwally) ہے اس نے جرح و قدح کی ہے۔ مستشرق بلاشر اس پر توجہ و حیرت کا اظہار کرتا ہے ابن ابی داؤد نے ایک ایسی کمیٹی کا بھی ذکر کیا ہے۔

جس کے رکن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اس کاروائی سے دو برس قبل وفات پا چکے تھے۔ [ایضاً: ۷۹]

کمیٹی کی تشکیل اور اس کے ارکان کی تعداد میں اس طرح کی روایات کے ذکر کرنے کا ان کے نزدیک مقصد یہ ہے کہ حفاظت قرآن کی ساری تاریخ کو مشکوک بنا دیا جائے۔ اس کمیٹی کے ارکان کی تعداد کے علاوہ مستشرقین نے ان حضرات کی ذات پر بھی اعتراضات کیے ہیں اس سلسلے میں بلاشر نے طرح طرح کی قیاس آرائیوں سے کام لیا وہ پہلے تینوں قریشی صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح اُمراء و خواص میں شامل کرتا ہے۔ یہ مستشرقین اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت و کردار کا کیا عالم تھا؟ اس معاشرے کا نقشہ بھی ان کے ذہنوں میں موجود نہیں ہے اس معاشرے میں عوام و خواص کا تصور کہاں باقی رہ گیا تھا۔ اس معاشرے میں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ ہوتے ہوئے لوگوں کی بکریوں کا دودھ دھو آتا تھا۔ خلیفہ ثانی جس کے ڈر سے دشمن تھر تھر کانپتے تھے، راتوں کو بھیس بدل کر لوگوں کی خدمت کے لئے مدینہ کی گلیوں میں چکر لگایا کرتے تھے۔ ہم خود مستشرقین ہی کی کتب سے ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ یہ بزرگ تقویٰ و پرہیز گاری میں کس مقام پر فائز تھا کیا یہ لوگ تقویٰ کے اس مقام پر فائز ہوتے ہوئے قرآن میں من مانی تبدیلی کرنے کی خاطر مختلف حربے استعمال کر سکتے ہیں۔

اس معاشرے میں نہ اس قسم کی کاروائی کا امکان ہو سکتا تھا اور نہ ہی ”خواص و عوام“ کی کوئی تقسیم وہاں موجود تھی۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح

جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت سے برسرِ منبر مواخذہ ہو سکتا تھا وہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس قسم کی کاروائی پر لوگ کیونکر خاموش رہ سکتے ہیں۔ [ایضاً: ۸۰]

① بلاشر مزید لکھتا ہے کہ یہ تینوں کی صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے اس لیے وہ ایک مشترکہ مصلحت کے حصول کی خاطر باہم متفق ہو گئے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ کتابت قرآن مجید کا کام کسی ایسے شخص کے ہاتھوں ہو جو مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا رہنے والا ہو۔ بلاشر اس من گھڑت قصے کی تکمیل یوں کرتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ قریش مکہ کے طبقہ خواص میں شامل ہیں اس لیے وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رضا کو قرین مصلحت خیال کرتے تھے۔ [ایضاً: ۸۰]

بلاشر کے خیالات بعیدِ عقل و قیاس اور لاعینی ہیں۔ ان خیالات میں تناقض و تضاد پایا جاتا ہے۔ اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرے کے تقویٰ اور احتیاط کی کوئی جھلک ذہن میں رکھیں تو اس قسم کی حرکت کسی ذی ہوش انسان کے قلب و دماغ سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نظریات کے بطلان کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ بلاشر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تینوں کی صحابہ کے ساتھ گٹھ جوڑ میں ملوث کر کے انہیں بلاوجہ متہم کیا ہے۔ اس کی کوئی نقلی یا عقلی دلیل موجود نہیں۔ بلاشر کے خیالات کے رد کے لئے مندرجہ ذیل باتیں قابلِ غور ہیں۔

تحقیق ہمیشہ استدلال کی بنیاد پر ہوتی ہے، استدلال یا تو تاریخی شواہد کی بنا پر ہوتا ہے یا مختلف شواہد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ لیکن بلاشر (Blasger) کے اس نقطہ نگاہ کے پیچھے کوئی بالواسطہ استدلال موجود نہیں ہے۔ دوسری طرف انصاف اور اصول کا تقاضا ہے کہ جب وہ کوئی دلیل اپنے نقطہ نظر میں پیش نہ کرے تو اس کی بات تسلیم نہ کی جائے خصوصاً جب وہ ایسی بات کر رہا ہو جو مسلمات کے برعکس ہو اس صورت میں مسلمانوں ہی کے اس نقطہ نگاہ کو درست تسلیم کیا جائے گا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس کاروائی کے پیچھے نہ کوئی سازش کارفرما تھی نہ کوئی گٹھ جوڑ ہوا تھا ورنہ ہی اس کاروائی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذاتی اغراض حاصل کرنا چاہتے تھے۔ [ایضاً: ۸۰]

صحابہ کرام جہاں تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے وہاں وہ قرآن و حدیث کے بارے میں حد درجہ محتاط بھی تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی اہمیت کو خوب جانتے تھے اور ان پر عمل پیرا تھے کہ آپ نے فرمایا تھا:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»۔ [مسلم: ۱۱۰]

”جس نے میرے بارے میں جھوٹ بات کی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“

ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

«مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» [ابن کثیر، عماد الدین تفسیر القرآن العظیم: ۵/۱، مقدمہ]

”جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“

جبکہ مستشرقین خود تسلیم کرتے ہیں کہ اس کمیٹی کے ارکان حد درجہ محتاط اور متقی تھے بلاشر لکھتا ہے:

”اس میں شک کی کوئی شک گنجائش نہیں کہ کمیٹی کے ارکان کو اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا اگرچہ وہ ان دنوں کی

تفہیم و تبصرہ کے طرز و انداز سے پوری طرح آشنا نہ تھے۔“ [صحیح صالح: ڈاکٹر، حوالہ مذکور: ۸۱]

اس کی دونوں باتوں میں تضاد ہے ایک طرف ان کو ذمہ دار اور متقی قرار دیتا ہے اور دوسری طرف قرآن جیسی کتاب میں تحریف کی سازش میں ملوث قرار دیتا ہے ظاہر ہے دونوں میں سے ایک بات درست ہو سکتی ہے اور ہم اس

بات کو درست کہیں گے جسے تاریخ اور دلائل و شواہد ثابت کریں۔ ہم اس سلسلے میں ولیم میور کی وضاحت پیش کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنے ساتھی مستشرقین کے موقف کو رد کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ اس نظر ثانی میں علماء نے آیات اور قراءات میں سے ایک ایک آیت کا پہلے نسخوں سے مقابلہ کیا۔ (Mior, Willian)

اس کمیٹی میں قریش صحابہ کو شامل اس لیے کیا گیا کہ قرآن انہیں کے لب و لہجہ میں نازل ہوا تھا۔ (Ibid. Wiii) میور نے بھی اس صحف کی تیاری کا جواز تسلیم کیا ہے کہ آذربائیجان میں لوگوں کے اندر قرآن پاک کی تلاوت پر اختلاف دیکھنے میں آئے تھے۔ (Ibid. Wiii)

• حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیگر چند صحابہ سے مل کر اپنی پسند کا نسخہ تیار کروا لیا تھا اس الزام کا رد ہم مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں کر سکتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کے کام کا آغاز کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کمیٹی کے سامنے آیت رجم پیش کی لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے قرآن مجید میں شامل نہیں کیا۔ [تفصیلات کے لئے ناخ و منسوخ، جلال الدین سیوطی کی کتاب الاتقان کا مطالعہ کریں۔] اگر ایسا ہی مسئلہ ہوتا جیسا کہ مستشرقین بیان کرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی حیثیت استعمال کر کے یہ آیت قرآن مجید میں شامل کر سکتے تھے لیکن چونکہ یہ آیت قرآن مجید کا حصہ نہ تھی اس لیے اسے شامل قرآن نہیں کیا گیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سورۃ التوبہ کی آخری آیت ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ...﴾ [التوبہ: ۱۲۸] صرف ایک ہی صحابی سے ملی جب تک اس آیت کے بارے میں بھی وہ شرائط پوری نہ ہوئیں جو اس وقت ملحوظ رکھی گئی تھیں، اس وقت تک اسے شامل قرآن مجید نہ کیا گیا۔

یہی معاملہ عبد عثمانی میں سورۃ الاحزاب کی آیت: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ...﴾ [الاحزاب: ۲۳] کے ساتھ پیش آیا تھا۔ [عبد نبوی میں حفاظت قرآن، ملاحظہ فرمائیں، سچی صاحب کی کتاب علوم القرآن] اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کچھ ذاتی مقاصد تھے تو ان کی تکمیل کے لئے دوسرے صحابہ کو (ان صحابہ کی بجائے) کمیٹی میں شامل کر کے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔

مشہور مستشرق اسپرنگر مسلمانوں کے فن اسماء الرجال (جو انہوں نے حضور کے ارشادات کو پرکھنے کے لئے جاری کیا تھا اور جس کی مثال دنیا کی کوئی اور قوم پیش نہ کر سکی) کے بارے میں لکھتا ہے:

”مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کے اقوال محفوظ کرنے کے لئے پانچ لاکھ لوگوں کے حالات زندگی محفوظ کر لئے۔“

[شبلی نعمانی، مولانا، سیرت النبی: ۴۲۱]

ایسی محتاط قوم سے یہ بات کیونکر منسوب کی جاسکتی ہے کہ اس نے ملی بھگت کر کے قرآن مجید میں تغیر و تبدل کیا ہے۔ اسلامی معاشرہ اس وقت طبقاتی طور پر امیر اور غریب میں منقسم نہ تھا کہ کچھ صحابہ کو امراء کے طبقہ سے اور کچھ کو غرباء کے طبقہ سے منسوب کیا جائے۔

جس معاشرے میں ایک بڑھیا برسرا منبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلالی خلیفہ وقت کو کسی مسئلہ پر ٹوک سکتی ہے اور عام آدمی خلیفہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اپنا خطبہ جاری کرنے سے پہلے مجھے جواب دیں کہ ہم سب کی قمیصیں تو چھوٹی ہیں اور آپ کی قمیص بیت المال کے کپڑے سے اتنی لمبی کس طرح بن گئی؟ اور خلیفہ کو اس کا جواب دینا پڑتا ہے۔ [سیوطی، جلال

تسلسلہ



الدرین، حوالہ مذکور: ۱۲۲/۲، ۱۲۷ [۲۷]

اس معاشرے میں کیونکر گمان کیا جاسکتا ہے کہ ان کے سامنے قرآن حکیم میں تغیر ہو گیا اور وہ خاموش بیٹھے رہے؟ اسی سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاسی پالیسیوں کے ساتھ بعض لوگوں نے اختلاف کیا لیکن آپ کو بالاتفاق ”جامع القرآن“ کا خطاب دیا۔ [ایضاً: ۱/۶۱۸]

اگر جمع قرآن بھی سیاسی پالیسیوں کا حصہ تھا تو لوگ آپ کے خلاف فتنہ پیدا کرتے وقت آپ پر تحریف قرآن مجید کا الزام بھی لگاتے۔ یہ مصحف امت میں اتحاد کا باعث ہوا نہ کہ افتراق کا۔

تحریف قرآن مجید کی جسارت تو ایک عام مسلمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسی ممتاز ہستی پر یہ الزام عائد کیا جائے۔ [ایضاً: ۱۵۱/۱۵۱۳]

آپ کی شرافت کا تو یہ عالم تھا کہ آخری ایام میں جب باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا آپ نے سرکاری محافظ قبول نہ کیے اور فرمایا میری خاطر کسی مسلمان کا خون نہیں بہنا چاہیے۔ [ابن اثیر، الکامل فی التاریخ: ۶۰۳] کیا اس بات کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ذاتی غرض کی خاطر قرآن مجید میں تحریف کر دی ہو۔ علامہ مقرئ اپنی کتاب ”نفس الطیب“ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کروائے ہوئے مصحف پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

هذا ما جمع عليه جماعة من أصحاب رسول الله ﷺ، منهم زيد بن ثابت وعبدالله

ابن مسعود وسعيد بن العاص . [مقرئ، نضح الطیب: ۳۹۸/۱]

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کہ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ اور اجماع سے ایک نسخہ تیار کیا گیا“

خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ کاروائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذاتی کام نہ تھا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ شامل تھے۔ [ولی اللہ، شاہ، از اللہ الخفاء عن خلافة الخلفاء: ۵۷۲]

❖ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ آیات قرآن مجید سے حذف کر دی تھیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مناقب جمع کئے گئے تھے۔ [فتاویٰ پاری، میزان الحق: ۳۶: ۲۴۲]

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق پیش کئے جاسکتے ہیں:

یہ اعتراض سراسر عقل کے خلاف ہے خصوصاً بنو امیہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے درمیان محاصمت کو ذہن میں رکھیں تو نظر آتا ہے کہ اتنے شدید اختلافات کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اسی قرآن پر متفق رہے جسے بعد میں لوگوں نے ”مصحف عثمانی“ کا نام دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آج تک تمام فرقے قرآن کی صیانت اور عصمت پر متفق ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنہوں نے قرآن مجید دو مرتبہ لکھا، دونوں کے عہد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے لیکن کبھی بھی قرآن کے بارے میں اختلاف نہیں ہوا نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی اختلاف کیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں کسی ایک کا دور بھی جبر و تشدد کا دور نہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبوراً چپ ہو گئے، نہ ہی اس بات کا امکان ہو سکتا تھا کہ قرآن سے آیات و مضامین حذف کیے جا رہے ہوں

اور لوگ خاموشی سے بیٹھے رہے۔ اگر حضرت علیؑ تینوں خلفاء کے عہد میں کچھ نہ کر سکتے تو بعد میں جب وہ خود خلیفہ بنے تو اس وقت بھی تو وہ سب کچھ کر سکتے تھے اس وقت تو انہیں کوئی روکنے والا نہ تھا اگر وہ ایسا کر دیتے کہ (بقول مستشرقین) اصل قرآن امت کو لوٹا دیتے تو انہیں کوئی روکنے والا نہ تھا، اور وہ امت کے ہیرو بن جاتے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ”جامع القرآن“ کا خطاب تو صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کو ملا ہے۔

[حریری، غلام احمد، تاریخ تفسیر و مفسرین: ۹۱]

حضرت علیؑ امت سے کہہ سکتے تھے کہ لوگو یہ ہے قرآن کا وہ پہلا حصہ جو پہلے تین خلفاء نے غائب کروا دیا تھا اور اس کا علم صرف مجھے ہی تھا۔ لیکن انہوں نے تو اس کا تذکرہ تک نہیں کیا بلکہ ہمیں تو اس کے بالکل برعکس بیانات ملتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت علیؑ بہت ہی جرأت مند انسان تھے کیا کوئی شخص یہ بات گورا کر سکتا ہے کہ کوئی حضرت علیؑ کے بارے میں رائے قائم کر لے کہ انہوں نے تحریف قرآن کی کاروائی آنکھوں سے دیکھ لی ہو اور کسی کو روکا تک نہیں یا تو بزدلی کا مظاہرہ کیا یا مصلحت کا جبکہ قرآن مجید ان کے بارے میں کہتا ہے:

﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ [المائدة: ۵۴]

”وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کھاتے۔“

رمضان المبارک کی راتوں میں جب ابی بن کعبؓ لوگوں کی امامت کرواتے اور قرآن مجید سناتے تھے، اس وقت حضرت علیؑ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔

اگر قرآن مجید میں کوئی رد و بدل ہوا تھا تو آپ اسی وقت اعتراض کر سکتے تھے نیز یہ کہ حضور ﷺ آپؑ کو قرآن سنایا کرتے تھے۔ [بخاری، محمد بن اسماعیل، حوالہ مذکور: ۲۳۴/۱]

مصنف عثمانی کی بنیاد وہ نسخہ تھا جو اس وقت حضرت حفصہؓ کی تحویل میں تھا۔ [ایضاً: ۱۴۶/۳]

عقل کہتی ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ نے قرآن میں تغیر و تبدل کر دیا تھا تو پھر حضرت حفصہؓ کو ان کا مصحف واپس کبھی نہ کیا جاتا، کیونکہ اس کی موجودگی میں تو حضرت عثمانؓ کی ساری کاروائی رائیگاں جاسکتی تھی۔ حضرت حفصہؓ نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ اے عثمانؓ! آپ نے تو ایک نیا قرآن تیار کر لیا ہے، حالانکہ میرا مصحف کچھ اور تھا۔

حضرت عثمانؓ نے باقی تمام مصاحف نذر آتش کر دیئے اور اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے تیار کروائے ہوئے نسخے کو کوئی چیلنج نہ کر سکے لیکن اتنی بات تو تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ حضرت حفصہؓ والا نسخہ مروان بن حکم کے دور تک موجود تھا۔ حضرت عثمانؓ کے قرآن کے نسخے کی تیاری (۶۳ھ تا ۳۵ھ) [ایضاً: ۳۲۸] اور مروان کی فرمانروائی کے درمیان کئی برس کا عرصہ گزرا۔ اگر حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم میں تغیر و تبدل کر دیا تھا تو حضرت حفصہؓ کا نسخہ قرآن کی اصلی صورت میں موجود تھا۔ لہذا اصل نقول تیار کروائی جاسکتی تھیں۔ یہ بات بھی ناقابل تسلیم ہے کہ حضرت عثمانؓ کا دور جبر و تشدد کا دور تھا، ایسا خیال کرنا تاریخی غلطی ہو گی۔ جس خلیفہ نے بلوایوں کے ہاتھوں محض اس لیے شہادت قبول کی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کی حفاظت کرے اور ان کے دروازے پر کھڑا ہو اور حفاظت کرتے ہوئے کسی مسلمان کی جان ضائع ہو، وہ ہستی ذاتی مقاصد

بسم اللہ

کے تحت تیارہ کردہ قرآن کو لوگوں میں مروّج کرنے کے لئے لوگوں پر تشدد کرے گی؟

۴ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والے نسخے سے اصل قرآن مجید کو حاصل نہ کیا جاسکا، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثرات بڑے گہرے تھے تو یہ بات بھی بڑی خلاف واقعہ ہے، کیونکہ جو خلیفہ بلوائیوں کے ہاتھوں کسی میدان میں نہیں بلکہ اپنے گھر میں شہید ہو رہا ہے اور اس کی شہادت کا بدلہ بھی نہیں لیا جا رہا ہے اس کے سیاسی اثرات کے بارے میں کیا تصور کیا جاسکتا ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں کے فرقوں میں خون ریز لڑائیاں ہو رہی تھیں، اس وقت بھی ان سب کا قرآن ایک ہی تھا۔ قرآن پر متفق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیگر مصاحف ہی تلف کئے تھے لوگوں کے حافظے سے تو قرآن مجو نہیں ہوا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کے بارے میں علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس نقطہ نگاہ کا جواب یوں دیا ہے۔  
حضرت علی رضی اللہ عنہ جو روافض کے نزدیک بہت عظیم مقام رکھتے ہیں پونے چھ برس تک برسر اقتدار رہے ان کا حکم چلنا تھا ان پر کیا دباؤ تھا کہ انہوں نے اصل قرآن جاری نہیں فرمایا؟  
امام حسن رضی اللہ عنہ کو بھی خلافت ملی وہ بھی معصوم سمجھے گئے ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود یہ کس طرح جرات ہو سکتی ہے کہ ایسی بات کہی جائے۔ [ایضاً: ۷۸]

علامہ فرماتے ہیں:

”قرآن پاک میں کوئی حرف کم ہونا، زائد ہونا، تبدیل ہونا ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں جبکہ قرآن مجید میں تغیر کے مرتکب ہونے کی وجہ سے ان حضرات سے جہاد، اہل شام سے لڑائی کرنے سے زیادہ ضروری اور اہم تھا۔“

(Mior, William, Op. Cit. xiv)

کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے متعلقہ آیات قرآن مجید سے نکال دی تھیں؟ مستشرقین کے اس موقف کا جواب ہم انہیں کے ایک ساتھی ولیم میور کے حوالے سے پیش کریں گے۔ میور لکھتے ہیں کہ یہ اعتراض سراسر عقل کے منافی ہے۔ خصوصاً بنو امیہ سے اور حامیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقشات پر نظر کرتے ہوئے کہ اتنے شدید اختلافات کے باوجود حامیان حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی قرآن مجید پر متفق رہے۔ جسے بعد میں انہی لوگوں نے ”صحیفہ عثمانی“ سے موسوم کیا، نہ صرف یہ بلکہ آج تک تمام شیعہ سنی فرقے قرآن مجید کی صیانت و عصمت پر متفق ہیں۔ (Mior, William, Op. Cit. xiv)

آخر میں ولیم میور لکھتے ہیں:

”پس ہمارے ان معارضات سے ثابت ہے کہ موجودہ قرآن میں کوئی ایسی آیت نظر انداز نہیں کی گئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت پر دال ہو۔“

کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کا ۶/۷ حصہ ضائع کر دیا؟

۵ مستشرقین کا ایک اعتراض یہ ہے کہ

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصحف تیار کروایا تو انہوں نے سات قراءتوں میں سے چھ کو خارج کر دیا اور لوگوں کو ایک ہی قراءت (حرف) پر جمع کر دیا۔ اس طرح ان کے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۷/۱ قرآن باقی رہنے دیا ۶/۱ حصہ ضائع کر دیا۔ ناصر، کے ایل، قرآن شریف کے متن کا تاریخی مطالعہ: ۲۵]۔

اس اعتراض کا جب ہم تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس کے پیچھے مستشرقین کی کم علمی کا فرما ہے یا ان کی دانستہ حقائق سے چشم پوشی۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات اصل مسئلے کی وضاحت کرتے ہیں۔

● مستشرقین یہ سمجھتے ہیں کہ شاید قرآن مجید کا ہر ہر لفظ سات سات قراءتوں سے پڑھنے کی اجازت تھی حالانکہ ایسی صورت حال نہ تھی۔

’سبعہ احرف‘ محض الفاظ کی ادائیگی کا فرق تھا۔ ایک لفظ دوسرے لفظ کے مترادف تھا، سات میں سے کوئی اختیار کر لیا گیا تو قرآن مجید کا لفظ ادا ہو گیا اس فرق سے معانی میں بھی کوئی واضح فرق نہیں پڑتا تھا۔

مزید جو اس نقطہ نگاہ کا اصل جواب ہے وہ یہ ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے درحقیقت لوگوں کو متواتر اور ثابت شدہ قراءتوں پر جمع کیا تھا۔ یہ تو حقیقت ہی کے برعکس ہے کہ انہوں نے سات قراءتیں یا ’سبعہ احرف‘ کو ختم کر کے ایک ’حرف‘ پر لوگوں کو جمع کیا تھا۔ [ایضاً: ۲۵۴:۱]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رسم الخط جس میں کہ ’سات حروف‘، سماکیں اس کی مثالیں دوسری جگہ بیان کر دی گئی ہیں، ذیل میں ان کو مکرر بیان کیا جاتا ہے ’امام ابن حزم رحمہ اللہ‘ نے بھی اس سلسلے میں اپنی کتاب ’الفصل فی الملل والنحل‘ میں مدلل بحث کی ہے اور اس قسم کے اعتراض کا رد خالص عقلی اور منطقی انداز میں کیا ہے کہ کیا فی الواقع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن میں تغیر ہو گیا تھا۔ امام موصوف نے خود یہود و نصاریٰ کی طرف سے کئے گئے کچھ اعتراضات کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر ان کا رد فرمایا ہے۔ [ابن حزم، حوالہ مذکورہ: ۷۶۲، ۸۸]

● مستشرقین نے تمام زور استدلال اس پر صرف کر دیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف ناقابل اعتبار، غیر مرتب اور نامکمل تھا اس کے لئے وہ مختلف قسم کے حربے اختیار کرتے ہیں۔ مزید جو اعتراض یہ کرتے ہیں کہ حیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عرصہ میں متعدد آیات منسوخ ہو گئی تھیں۔ اس سلسلے میں ابن جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا شك أن القرآن نسخ منه في العرضة الأخيرة فقد صح النص بذلك عن غير من الصحابة وروينا ياسناد صحيح عن زر بن حبیش قال: قال لي ابن عباس: أي القراءتين تقرأ؟ قلت: الآخرة. قال: فإن جبريل كان يعرض القرآن على النبي صلی اللہ علیہ وسلم عام رمضان. قال: فعرض عليه القرآن في العام الذي قبض فيه النبي صلی اللہ علیہ وسلم مرتين فشهد عبد الله (يعني ابن مسعود) ما نسخ منه وما بدل. [الجزري، ابو الخير، النشر في القراءات العشر: ۳۸۲]

”اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن میں زمانہ وحی میں نسخ اور تغیرات اللہ کے حکم کے مطابق ہوتے رہے ہیں اور متعدد صحابہ سے ایسی مرویات بھی وارد ہیں اور ہم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ دونوں قراءتوں میں سے کوئی تلاوت کرتے ہیں تو میں نے جواب دیا ”میں آخری عرضہ اخیرہ والی تلاوت کرتا ہوں پھر فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل امین علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دور فرماتے تھے حتیٰ کہ جس سال آپ کی وفات ہوئی تب سے آپ پر ایک سال میں دو دور کرنا لازم ہوا تھا۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی گواہی دی ہے کہ اس موجودہ قرآن میں اب کوئی منسوخ آیت نہیں نہ ہی کوئی تغیر ہے۔“

بسم اللہ

ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح

یہ تو ہے کہ عرضہ اخیرہ سے قبل بہت سی قراءتیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوخ ہو گئیں۔ حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ نے مترادف الفاظ کے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے اس کی جزئیات بھی یقیناً اسی وقت منسوخ ہو گئی ہوں، لیکن مستشرقین کا اس نسخ اور تبدیلی سے استدلال کرتے ہوئے قرآن کو محرف بنانا صحیح نہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کروایا تھا وہ عرضہ اخیرہ کے مطابق تھا۔ جب کہ تمام منزل وحی تبدیلیوں کے بعد اپنا اصل مقام پا چکی تھی۔ بناء بریں ہم پوری طمانیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مصحف عثمانی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس نسخے میں اصلاً کوئی تعرض نہ تھا جس میں زید نے قراءت کی مختلف صورتوں میں سے صرف قریش کے لہجہ کو محفوظ رکھا۔

(Mior, William, Op. Cit. xiv)

➤ بعض لوگوں نے مصحف عثمانی کے بارے میں ابہام پیش کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک طرف فرمایا کہ لکھنے والوں میں رسم الخط کے بارے میں کہیں اختلاف ہو تو قریش کے رسم الخط کو ترجیح دی جائے۔

[سیوطی، جلال الدین، حوالہ مذکورہ: ۶۲۱]

اور دوسری طرف یہ کہا گیا کہ انہوں نے اپنے ساتوں حروف کو باقی رکھا تو پھر قریش کے رسم الخط کو باقی رکھنے کا کیا مطلب ہوا؟

### کیا مصحف عثمانی لغت قریش کے مطابق لکھا گیا؟

اس ابہام کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس جملہ سے حافظ ابن جریر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے علماء نے بھی یہ سمجھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف ختم کر کے صرف ایک حرف یعنی قریش کو باقی رکھا“، لیکن درحقیقت اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر اچھی طرح سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ انہوں نے حرف قریش کے علاوہ باقی چھ حروف کو ختم کر دیا تھا بلکہ مجموعی طور پر تمام روایات کے مطالعے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا:

”اگر قرآن مجید کی کتابت کے دوران ’رسم الخط‘ کے طریقے میں کوئی اختلاف ہو تو قریش کے ’رسم الخط‘ کو اختیار کیا جائے۔ اس مفہوم کو اخذ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب کتابت قرآن مجید کا کام شروع کیا تو پورے قرآن کریم کے دوران ان میں صرف ایک اختلاف پیش آیا اس اختلاف کا ذکر امام زہری رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور باقی اراکین کمیٹی کے درمیان یہ اختلاف ہوا کہ تابوت کو ’تابوہ‘ لکھا جائے یا ’تابوت‘ لکھا جائے چنانچہ اسے قریش کے رسم الخط کے مطابق ”تابوہ“ لکھا گیا۔ [البیضا: ۶۱۱]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور قریشی صحابہ کے درمیان جس اختلاف کا ذکر فرمایا اس سے رسم الخط کا اختلاف مراد تھا نہ کہ لغات کا۔ اس سلسلے میں امام طحاوی رضی اللہ عنہ سے بھی کافی تفصیلات موجود ہیں۔

➤ مصحف عثمانی پر ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے جب ان کا لکھوایا ہوا نسخہ پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”إن في هذا القرآن لحنًا ستقيمہ العرب بألسنتهم .“

[آلوقی، محمود سید، علامہ، روح المعانی تفسیر القرآن والسبع المثانی: ۲۸۱]

اس اعتراض اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کے بارے میں علامہ آلوقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لم یصح عن عثمان أصلاً“ یعنی یہ روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بالکل ثابت نہیں ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں دوسرا جواب یہ ہے:

”صحف عثمانی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا، رسم پر بھی اجماع ثابت ہے جبکہ امت کا غلطی پر اجماع (حدیث کی رو سے) نہیں ہو سکتا۔

اس روایت کے آغاز میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کمیٹی کے ارکان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”أحسنتم وأجملتم“ تم نے اچھا اور عمدہ کام کیا۔ اس مجموعہ میں اگر غلطی ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ غلطی کی کس طرح تحسین فرماتے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے عبد الرحمان بن ہانی رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ کاتبان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے مصاحف پیش کیے جن میں ”لہ یتسن“، ”لا تبدیل للخلق“ اور ”وأمهل الکافرین“ لکھا ہوا تھا۔ آپ نے قلم دوات منگوا کر تینوں جگہوں پر غلطی کی اصلاح کر دی اس روایت سے اس شبہ کی نفی ہوتی ہے کہ آپ نے احتیاط سے کام نہ لیا۔ بلکہ آپ نے تو کتاب کی معمولی سی غلطی بھی نہ رہنے دی۔

بعض مستشرقین کا کہنا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحف عثمانی سے متفق نہ تھے۔

اس سلسلے میں ترمذی شریف میں ایک روایت ہے جس میں امام زہری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شکایت تھی کہ کتاب کا کام ان کے سپرد کیوں نہ کیا گیا جبکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں انہوں نے زیادہ طویل عرصے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ [ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۲۲۹/۴]

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے ”فتح الباری“ میں بھی اس نقطہ نگاہ کا رد کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ انہوں نے یہ کام مدینہ طیبہ میں شروع کیا تھا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت کوفہ میں تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے انتظار میں اس کام کو مؤخر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کام سونپا تھا انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ یہ مرحلہ بھی انہی کے ہاتھ سے تکمیل کو پہنچے۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ کی اس توجیہ کے علاوہ اس نقطہ نگاہ کی تردید یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس وقت جو مسئلہ درپیش تھا اس میں صحابہ کے مقام مرتبے کا عمل دخل کم تھا بلکہ اس کے مقابلے میں اس مسئلے کا تعلق تجربے سے زیادہ تھا۔ [ابن حجر، عسقلانی، حوالہ مذکور: ۱۵، ۱۳]

حضور نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علمائے قرآن سے موسوم کیا تھا اور قراء ارشاد فرمایا تھا ان میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لیکن عہد عثمانی کا معاملہ اس سے کچھ مختلف تھا۔ کیا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے یہ اعزاز کم تھا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر فوقیت رکھنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے جمع القرآن کے نام پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہی مامور فرمایا۔ اس وقت تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ کے اندر موجود تھے اور ان کی موجودگی کے باوجود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ اس کا مطلب یہی

ب  
ع  
ا

ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح

ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مصحف کی تیاری پر پہلی مرتبہ متعین نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس سے پہلے عہد شیبخین میں بھی ان کو اس کام کے لئے موزوں ترین قرار دیا گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے متفقہ میں ہی کی اقتداء میں انہیں تعینات کیا تھا۔ دونوں مواقع پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کا انتخاب اس سبب سے تھا کہ انہیں عرصہٴ اخیرہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب رہا۔ [ایضاً: ۱۳، ۱۵]

اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منصب میں موازنہ کرتے ہوئے ہمیں ان مذکورہ بالا حقائق کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔

۱۵ 'احراقِ مصحف' کے بارے میں ولیم میور کہتا ہے کہ یہ ایک ناانصافی کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے مجمع علیہ نسخہ کے علاوہ تمام مصاحف تلف کروائیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل اس میں ان کا مقصد فقط حفاظتِ کتابِ الہی تھا، وہ اس سے کسی ممکنہ تحریف کے مرتکب نہیں ہوئے تھے لہذا اس دور میں کسی نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے قرآن مجید میں تحریف کی ہے۔ اگر بغرض محال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا ہی کرتے تو یہ راز ضرور آشکار ہو کر رہتا۔ حقیقت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ اتہام متاخرین شیعہ نے اپنے اعتراض کے لئے وضع کر لیا ہے۔

[Mior, William, Op. Cit. vii]

اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لئے تفسیر 'روح المعانی' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف پر اعتراضات کے جواب کے سلسلے میں ہم ولیم میور کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ جس میں وہ لکھتا ہے:

”قرآن مجید کی ترتیب خود اس کی شاہد ہے کہ جامعین نے اس میں پوری دقت نظر کا لحاظ رکھا اس کی مختلف سورتیں اس سادگی سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر دی گئیں ہیں جن کی ترتیب دیکھ کر کسی تصنیفاتی تکلف کا شائبہ تک نہیں رہتا، جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ جامعین قرآن میں تصنیف کی شوخی سے زیادہ ایمان و اخلاص کا جذبہ کارفرما تھا اور اس ایمانی ولولہ میں وہ نہ صرف سورتوں بلکہ آیات کی ترتیب <sup>☆</sup> میں بھی فصیح سے اپنا دامن بچائے ہوئے نکل گئے۔

[Ibid,xxi]

پھر ولیم میور آخری نتائج اخذ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

”ہم پورے شرح صدر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عہد عثمانی میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کی جس صورت میں نظر ثانی کی وہ نہ صرف حرفاً حرفاً درست ہے بلکہ اس کے جمع کرنے کے موقع پر جو اتفاقات یکجا ہو گئے ان کی رو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں کوئی آیت اصل وحی الہی سے اوجھل ہوئی اور نہ اس قسم کے کسی شائبہ کی گنجائش ہے، نہ وہی جائزین نے از خود کسی آیت کو قلم سے انداز کیا ہے۔ [Ibid,xxi]

پس! یہی وہ قرآن ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دیانت سے و امانت کے ساتھ دوسروں کو سنایا۔ [Ibid,xxi] مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین درحقیقت 'مصحف عثمانی' پر بے جا اعتراضات کر کے مسلمانوں کو بدظن کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ بدگمان کرنا تو دور رہا خود ان کے اقوال ہی باہم اس قدر مختلف ہو گئے کہ جن میں ایک

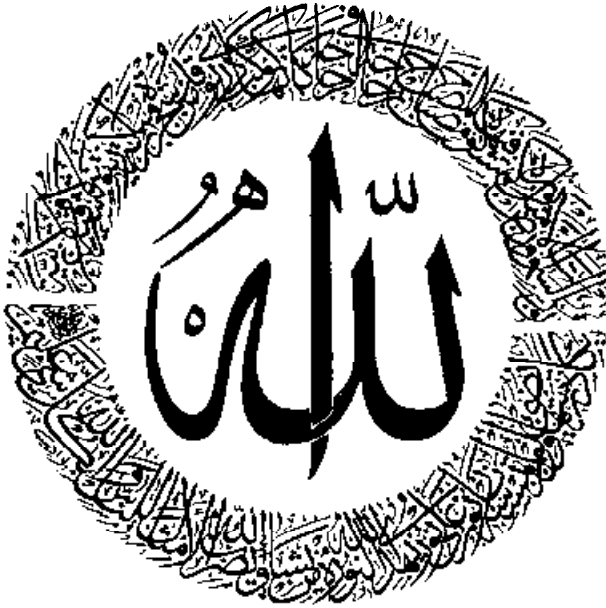
☆ اس عبارت میں ولیم میور نے صحابہ کی تعریف کے پس پردہ ایسا سنگین الزام وارد کیا ہے جس کو محترم مقالہ نگار بھانپ نہیں سکے اور وہ ہے ”سورتوں کی ترتیب کیساتھ ساتھ آیات کی ترتیب میں بھی صحابہ کا عمل دخل“!!! اس بارے میں اختلاف موجود ہے کہ آیا سورتوں کی ترتیب توفیقی ہے یا صحابہ نے دی ہے؟ لیکن اس پر مکمل اتفاق ہے کہ آیات کی ترتیب توفیقی ہے اور اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔ [ادارہ]

جگہ اگر مصحف کی تنقیص کی گئی تو دوسرے مقام پر خود اسی ہی قلم سے توصیف و تمجید کے الفاظ بھی نکلے ہیں اور وہ مسلمانوں کو بدن کرتے کرتے خود اپنے جال میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ اس مصحف کو جھٹلانا تو درکنار! خود اس اس حفاظت قرآن سے متاثر ہو کر ان کے قدم ڈگمگا گئے ہیں۔ تو یہ ہے قرآن کا اعجاز! کہ کوئی حملے کی نیت بھی کرے تو اپنی ہی ہستی کو جھٹلا بیٹھتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان مستشرقین کو یہ باتیں بھی دین حق کی جانب راغب نہیں کرتیں۔ اللہ نے کس قدر صحیح فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ﴾ [النور: ۴۰]

”جس کیلئے اللہ تعالیٰ ہدایت کا سامان نہ کریں اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔“

(بشکر یہ ماہنامہ محدث لاہور، ۱۹۹۳، جنوری)





## تحریف قرآن، منصف مزاج مغربی مفکرین کی نظر میں

رشد قراءات نمبر حصہ اول و دوم میں اختلاف قراءات قرآنیہ اور مستشرقین کے شبہات کے جائزہ کے حوالے سے اب تک تین مضامین طبع ہو چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس موضوع پر قراءات نمبر میں قراءات کے حوالے سے مستشرقین کے نظریات کے تعاقب پر مزید مضامین شامل اشاعت ہوں۔ چنانچہ رشد قراءات نمبر سوم میں اس موضوع پر چھ عدد مزید مضامین شامل طباعت ہیں۔ ان مضامین میں سے زیر نظر تحریر اس اعتبار سے انفرادیت کی حامل ہے کہ محترم مقالہ نگار نے مغربی مفکرین میں سے ان منصف مزاج لوگوں کے افکار کو بحث کا موضوع بنایا ہے جو قرآن کریم کو عام مستشرقین کے موقف کے برعکس ایک محفوظ کتاب کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔

اس موضوع کے حوالے سے اگرچہ مواد نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ بالعموم تمام مستشرقین قرآن کریم ﷺ کا ذاتی کلام مانتے ہیں چنانچہ اسے شرعی مقام دینے کو تیار نہیں لیکن اس کے باوجود فاضل مقالہ نگار انتہائی تتبع کے بعد اس موضوع کے حوالے سے ضروری حوالہ جات تلاش کر کے اس مضمون کو ترتیب دیا ہے۔ جس سے قرآن کریم کے بارے اہل مغرب کے دونوں نظریات آگئے ہیں۔ [ادارہ]

استشرق کی اصل حقیقت اس وقت سامنے آئی جبکہ استشرق، السنة مشرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے ایک رُخنی مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے بغض و عناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا، پھر یہی بغض و عناد، پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اُس نے متعین مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ گویا اس دوسرے مرحلہ میں استشرق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک (Discipline) کی شکل اختیار کر لی اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری مباحث کو موضوع سخن بنایا گیا، مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقا کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم تہذیبوں اور قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شامی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے چیلنج بن سکیں، عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی عہد جدید کی ضرورت و حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت و کردار کے بارے میں اُن نکات کو اچھا لایا گیا، جن سے عام ذہن کے لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں اور ان کے لائے ہوئے مشن کو ناقابل التفات گردانا جائے، اسلامی تہذیب

تحریف قرآن، منصف مزاج مغربی مفکرین کی نظر میں

وثقافت کی تعمیر و ترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت، مجموعہ خرافات ٹھہرے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام مطالعات کا ہدف بہر حال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ حکمت عملی تبدیل ہوتی رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت، علمیت اور استدلال کے اوزان و پیمانے استعمال کرنے لگے، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظر ثانی کی اور بدینتی کے باوجود مخالفت و مخالفت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا۔

## استشراتی تحقیقات کا پس منظر

استشراق اور صاحبان استشراق (مستشرقین) کی پوری تاریخ پر ایک عمومی نظر ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحریک استشراق اپنی حقیقت و ماہیت میں چونکہ اسلام کے خلاف ہے اور ہر دور کے (غیر مسلم) مستشرقین کی تمام سرگرمیاں، اپنے علمی تنوع کے باوجود اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و آداب کے حوالہ سے بہر حال معاندانہ رہی ہیں اور چونکہ مستشرقین کی پوری جماعت میں شامل افراد اپنی اصل و نسل میں یہودی ہیں یا عیسائی، اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ اسلام اور یہودیت و عیسائیت کے مابین آویزش کے ساتھ ہی استشراتی جذبہ و فکر کی نمو ہو گئی تھی۔

باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی اہل مغرب کی طرف سے، اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف بالخصوص، بغض و عداوت کا اظہار مروج بہ موقع، تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور وفور جذبات سے سرشار، رومی، بازنطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، انواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر و تصنیف اور وقائع و اسفار کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی اپنی آئندہ نسلوں کا سرمایہ اختیار قرار پائیں۔ چنانچہ ظہور اسلام کے بعد سے کوئی چار ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے حوالے سے ان کی مخالفت و مخالفت کا عام انداز یہی رہا اور اس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی مغربی دنیا اس قابل نہ ہو سکی کہ حقائق و واقعات کا صحیح ادراک کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔ اس صورت حال کا بظاہر ایک سبب، ان کے دلی جذبات کے علاوہ یہ تھا کہ صحیح معلومات کے لیے اصل اسلامی مآخذ تک رسائی ممکن نہ تھی، پھر تعصب، سنی سنائی باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انہیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں۔ اس پر مستزاد تصادم و کشاکش کے وہ واقعات تھے جو تاریخ میں بار بار دہرائے گئے۔ خاص طور پر آنے والے زمانے میں صلیبی محاربات کا سلسلہ دشمنی و عداوت ان پر ایسا نشطاری کر گیا جو آج تک نہیں اُترا۔ صلیبی جنگوں کے طویل محاربات میں دنیائے مغرب کی ناکامی سے نہ صرف یہ کہ یورپ کی مشترکہ عسکری قوت پاش پاش ہو گئی بلکہ یہی شکست اس بات کا زبردست محرک بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسپا ہونے کے بعد ذہنی و فکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو زک پہنچائی جائے۔ اس کی تدبیر اس سے بہتر اور کوئی نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقائد، پیغمبر اسلام ﷺ اور اسلامی معاشرہ کو ہدف تنقید بنایا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے جذباتی طوفان پہلے سے موجود تھا، پھر لاطینی آبادکار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ

تاریخ

علم، معلومات رکھتے تھے وہ کتنی ہی خام و ناکارہ سہی، ان کے لیے بہر حال مفید مطلب تھیں۔

## استثنائی تحقیقات کے اسباب و محرکات

تحریک استنراق کے پس پردہ محرکات کو مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

① اسلام اور اویان غیر میں بڑے بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اسلام کا نظریہ حیات، اس کا نظام فکر و عمل، اس کے تہذیب و تمدن کا اظہار، یہودیت، عیسائیت اور دوسرے مشرکانہ مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔ پھر دانائے سُبُل، ختم الرسل ﷺ نے اسلام کی جو دعوت پیش کی اُس نے روزِ اوّل ہی سے ادیانِ باطلہ کی نفی کر دی تھی اس لحاظ سے یہ امر تعجب خیز نہیں کہ دوسرے مذاہب کے علمبردار، اسلام، اہل اسلام اور عالم اسلام کے بارے میں سخت معاندانہ جذبات رکھتے ہیں اور اپنے بغض و عناد کا اظہار ہر ممکن طریقہ سے کرتے ہیں۔ اُن کا یہ رویہ اور ان کی شقاوت و قساوت دراصل نظریاتی اور فکری بنیادوں پر استوار ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک جگہ اس حقیقت کبریٰ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ”تم دیکھو گے اہل ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشرک بھی، اور وہ تکبر نہیں کرتے۔“ جہاں تک مستشرقین کا تعلق ہے، ان کے پورے گروہ میں نمایاں ترین عناصر، یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہیں۔ انہیں اسلام، اہل اسلام اور عالم اسلام کی سرفرازی کسی طور پر پسند نہیں بلکہ وہ ہر آن زک پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے تحریک استنراق کی اٹھان اسلام دشمنی کے زیر سایہ ہوئی اور مستشرقین کی مساعی کا ہدف یہ تھرا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو دنیا کے سامنے کریہہ المنظر بنا کر پیش کیا جائے۔

② نظریاتی سبب کے علاوہ ایک سبب تاریخی بھی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب آن کی آن میں پھیلتا چلا گیا اور اس کے علمبرداروں نے انتہائی مختصر مدت میں اسلام کا پرچم دنیا کے دُور دراز علاقوں میں جا کر لہرا دیا۔ اس پر متزاد یہ کہ اپنی پیش قدمی میں اسلام نے اپنی راہ کی تمام مزاحمتوں کو اس آسانی کے ساتھ ختم کر دیا کہ دنیائے مغرب آج تک انگشت بہ دندان ہے۔ خاص طور پر اُس وقت کی معلوم دنیا کی دو بڑی طاقتوں روم و فارس کا سرغرور یوں سرنگوں کیا کہ وہ صدیوں خمیدہ رہا۔ بہر حال اسلام کی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ وسعت و اشاعت نے جہاں ایک طرف دنیائے مغرب کی مذہبی و نظریاتی رفعتوں کو پامال کیا وہاں دوسری طرف اسلام کی عسکری فتوحات نے ان کی شوکت و سطوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ بازنطینی سلطنت کے زرخیز خطوں (شام، فلسطین، مصر وغیرہ) پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، اور چرچ کے مضبوط قلعے فتح ہو گئے۔ شمالی افریقہ کو فتوحات، اُندلس اور سسلی کی عرب فتوحات نے دنیائے مغرب کو زیر و زبر کر دیا اور یوں اسلام اور مغرب کے درمیان عداوت کی مستقل بنا پڑ گئی۔ یہ تاریخی منظر مستشرقین کی معاندانہ سرگرمیوں اور محاصمانہ کاروائیوں کا بھی نقطہ آغاز ثابت ہوا۔

③ محاربات صلیبی کو اگر ہم تحریک استنراق کا فوری سبب قرار دیں تو غلط نہ ہوگا۔ صلیبی جنگوں کو تاریخ یورپ بلکہ تاریخ عالم اور تاریخ اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کی تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں ہے البتہ اس حد تک نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دنیائے اسلام کے خلاف دنیائے یورپ کی متحدہ کوششیں چونکہ ناکام و نامراد ہوئیں

تحریف قرآن، منصف مزاج مغربی مفکرین کی نظر میں

اور (۱۰۹۶ء سے ۱۲۹۲ء تک) کے معرکہ ہائے صلیب و ہلال کے نتائج اور باب کلیسا کے حق میں اچھے نہ نکلے۔ اس لیے انہوں نے عسکری محاذ پر شکست کھانے کے بعد گویا یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کیلئے علمی و فکری محاذ کو منظم کیا جائے۔ یہی فیصلہ بالآخر تحریک استشرق کی شکل میں سامنے آیا۔ اس سلسلہ میں لارڈ اینبی کا یہ تبصرہ قابل ذکر ہے:

”فوجی اعتبار سے تو اب صلیبی جنگیں ختم ہو چکی ہیں مگر یورپی لوگ دین اسلام اور اس کی تہذیب کے بارے تحریراً جن خیالات کا اظہار کریں گے اُن میں تعصب کے اثرات ہمیشہ باقی رہیں گے۔“

ایک فرانسیسی (Plerre Martino) اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

”جب عیسائی ترکوں کے خلاف جنگ ہار گئے تو وہ ہرزہ سرانیاں کرنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے عیسائیت کی شکست کا بدلہ میدان ادب میں لے لیا۔“

چنانچہ تحریک استشرق کی صورت میں اہل یورپ اور باب کلیسا کی تمنائیں پوری ہوئیں اور اس طرح تحریک استشرق کے جلو میں دنیائے مغرب کا یہ منظم حملہ، واقعاً عسکری محاذ پر اُن کے صلیبی حملوں سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ مختصر یہ کہ اسلام دشمنی کی جو چنگاریاں پہلے سے دبی ہوئی تھیں وہ لو دینے لگیں اور رفتہ رفتہ ان کی آتش عداوت دامن مشرق کو جلانے لگی۔

② مستشرقین من حیث المجموع چاہے قدیم ہوں یا جدید، مغرب کے ہوں یا مشرق کے، اپنی اصل نسل کے اعتبار سے بہر حال یہودی، عیسائی اور مشرک ہی رہے ہیں۔ گویا اختلاف دین و مذہب کی بنا پر اُن کے جذبات و خیالات تو پہلے سے ہی مذہبی بغض و عداوت (Religious Hostity) کے آئینہ دار تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے حقیقی مآخذ سے دور، صدیوں جہالت و بے خبری اور عدم واقفیت کا شکار رہے۔ اس کا واضح نتیجہ ایک طرف تو یہ سامنے آیا کہ اسلام اور داعی اعظم ﷺ کے بارے میں کم و بیش ۱۹ویں صدی کے آخر تک دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ جو کچھ لکھتے رہے اور پھیلاتے رہے، وہ صریحاً ظن و تخمین، وہم و گمان کی پیداوار تھا۔ چنانچہ بے سرو پا روایات، من گھڑت حکایات، فسانہ و فسوں، لہر قصے کہانیاں اور اسی طرح کا بلا تحقیق خام مواد مستشرقین اسلام اور پیغمبر اسلام کی نفرت انگیز تصویر پیش کرنے کے لیے بڑی دلیری کے ساتھ صدیوں استعمال کرتے رہے۔ پھر دوسری طرف جب جہالت و بے خبری کا پردہ چاک ہوا اور مستشرقین اسلامی مآخذ کی تحقیق و تفتیش میں منہمک ہوئے، تب بھی انہوں نے دانستہ طور پر قرآن و احادیث سے کھیلنے میں کوئی تکلف نہیں کیا نیز مشرقی مصادر کی ترتیب و تبویب کے سلسلہ میں تمام تر محنتوں کے باوجود فاش قسم کی غلطیاں کرتے رہے۔ بہر حال ان تمام باتوں کا مقصد ایک تھا، یعنی تشکیک و تذبذب کے بیج بو کر اسلام اور سرور عالم ﷺ کے بارے میں مسلمانوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا اور انہیں آمادہ یہ نفرت کرنا۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مستشرقین اپنی تحقیقات کے پردہ میں بقول ایک مصنف ایسے خیالات کو خاموشی کے ساتھ اسلام کے نظام فکر میں داخل کر دیں جس کا ادراک راسخ العقیدہ لوگوں کے سوا دوسرے نہ کر سکیں۔ انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ ان کی تحقیقات سے مرعوب ہو کر ان کی ہر بات کو بلا چون و چرا درست مان لیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے علوم اسلامی کا ہر میدان اپنی جولانگاہ کے لیے منتخب کیا اور علوم اسلامیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں انہوں نے خلطِ محث سے کام نہ لیا ہو۔

⑤ مسلمانوں کا زوال و انحطاط بحیثیت مجموعی، تحریک استنتراق کے فروغ کا باعث ہوا۔ ادھر عالم اسلام سیاسی انتشار کا شکار ہوا، اُنڈلس مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا اور پھر سیاسی انحطاط، معاشرتی و اخلاقی زوال اور تہذیب و ثقافت کے تنزل کا باعث ہوا تو ادھر مسیحی یورپ کی ہمتیں بلند ہوئیں، بلکہ اُنڈلس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے واپس لے کر تو اتنا غرور پیدا ہوا کہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر پندرہویں صدی عیسوی کے بعد سے انہیں سیاسی عروج حاصل ہونے لگا تو اقوامِ یورپ نے ایشیا، افریقہ اور دوسرے مشرقی علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا اور یوں استعماریت کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اس کا نتیجہ واضح تھا۔ مغربی تہذیب کا غلبہ ہوتا چلا گیا اور مغربی تمدن اپنا اثر جمانے لگا تو مسلم ثقافت مغلوب ہونے لگی اور تمدنی چمک دمک ماند پڑ گئی اور اس طرح مستشرقین کو موقع ملا کہ وہ اپنے ہتھیار تیز کر لیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی زبانیں سیکھیں، ان کے اذکار و علوم سے واقفیت حاصل کی اور اتنی استعداد پہنچائی کہ مسلمانوں کے مآخذ کو استعمال کر سکیں اور یوں اپنی تحریک کو آگے بڑھاسکیں۔

⑥ پندرہویں صدی عیسوی کے بعد یورپ نے پھر سے اگڑائی لی، اُس کے عہد تاریک کا خاتمہ ہوا، اور انکے ہاں علم و تحقیق، بیداری اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا دور شروع ہوا۔ یہ ان کے سیاسی فروغ سے ہم آہنگ تھا اور انہیں ضرورت تھی کہ ایشیا اور افریقہ میں انہوں نے اپنی جو کالونیاں قائم کی ہیں انہیں مضبوط و مستحکم بنانے کیلئے مادی وسائل اور اسلحہ سے زیادہ توجہ علمی و ذہنی کاوشوں پر صرف کی جائے۔ چنانچہ استعمار مغرب کے تحفظ کیلئے بجائے خود تحریکِ استنتراق کی سرگرمی ناگزیر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے مفتوح ممالک کے تمام علوم و فنون کو حاصل کرنے اور تحقیقات کے پردہ میں اپنے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے یورپی حکمرانوں نے تحریکِ استنتراق کی مکمل سرپرستی کی۔ یہ سرپرستی صرف مالی صورت میں نہیں تھی بلکہ مستشرقین کو وہ تمام سہولتیں مہیا کی گئیں جو ان کی تحقیق و تفتیش کیلئے ضروری تھیں۔

⑦ مذہبی اور سیاسی محرکات کے ساتھ تجارتی مفادات بھی تحریکِ استنتراق سے وابستہ تھے۔ اقوامِ یورپ اور مشرقی ممالک میں رابطہ کی ابتداء تجارتی تعلقات سے ہی ہوئی تھی۔ پھر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ وہی تجارتی بالآخر سیاہ و سفید کے مالک اور حکمران بن بیٹھے۔ تاہم منڈی والی تجارت میں وہ اب بھی منہمک تھے۔ استنتراقی سرگرمیوں کے نتیجے میں کتابوں کی طباعت و اشاعت، مؤرخین کی کتابوں کی جلد فروخت اور مستشرقین کی تعداد میں مسلسل اضافہ اہل یورپ کے تجارتی مفادات کے تحفظ و فروغ کا باعث بھی ہوا۔

اسباب و محرکات کا یہ مختصر سا تجزیہ تحریکِ استنتراق کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور ان کے مالہ و ماعلیہ کو جاننے کے لیے کافی ہے۔

## کتابیات

- ① دارالمصنفین، اعظم گڑھ، مجلہ 'معارف' جلد دوم، ۱۹۸۶ء
- ② ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پیر کرم شاہ الازہری، ۱۳۱۸ھ
- ③ رسول نمبر، مجلہ نقوش، لاہور
- ④ حیات محمد ﷺ، محمد حسین ہیکل، داراللمسی، مصر

تخریف قرآن، منصف مزاج مغربی مفکرین کی نظر میں

## مستشرقین کی تحقیقات کے مقاصد

مستشرقین کا وجود کوئی اتفاقی امر نہ تھا وہ ایک ایسے معاشرے کے اصحاب فکر و عمل تھے جو صدیوں سے عالم اسلام کے ساتھ حالت جنگ میں تھا اور اسے مغلوب کرنے پر تلا بیٹھا تھا، جس نے اپنی کمزوری رفع کرنے اور دشمن پر برتری حاصل کرنے کا ایک جامع منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا تھا اور مستشرقین اس منصوبے کا ہر اول دستہ تھے جس کا فرض یہ تھا کہ وہ دشمن کے خزانوں سے اپنے ملک کو مالا مال کریں، اپنی تہذیب کو غالب کریں اور علوم و فنون کی دنیا میں برتری حاصل کریں۔ چنانچہ ہم مستشرقین کی تحقیقات کے مقاصد کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کر سکتے ہیں۔

## دینی مقاصد

آج تحریک استنراق ایک علمی تحریک کے طور پر متعارف ہے لیکن کسی محقق کیلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ اس تحریک کا آغاز جس مقصد کے تحت ہوا تھا وہ دینی تھا۔ علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوتے وقت اپنے دین کے حوالے سے ان کے پیش نظر تین مقاصد تھے۔

① دین اسلام کو دنیا کی اقوام میں عموماً اور یہودی و مسیحی اقوام میں خصوصاً پھیلنے سے روکا جائے۔

② مسلمانوں کو مسیحی بنانے کیلئے تگ و دو کی جائے۔

③ مستشرقین نے ضروری سمجھا کہ اصل مسیحی عقائد معلوم ہونے کیلئے کتاب مقدس کے یورپی زبانوں میں ترجموں پر اعتماد کرنے کی بجائے عبرانی زبان کے نسخوں پر اعتماد کیا جائے اور چونکہ عبرانی زبان زندہ زبان کے طور پر کہیں مروج نہ تھی اور عبرانی اور عربی ایک دوسرے کے بالکل قریب تھیں اس لیے ان حالات میں عبرانی زبان کو سیکھنے کیلئے عربی زبان کا سیکھنا ضروری تھا۔

## علمی مقاصد

مستشرقین بے شمار علمی مقاصد کیلئے بھی علوم شرقیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے مادی علوم سے جی بھر کر استفادہ کیا علم الافلاک، جغرافیہ، تاریخ، سائنس، طب، ریاضی، فلسفہ کی کتابوں کو عربی زبان سے مغربی زبانوں میں منتقل کیا۔ انہوں نے علم کے میدان میں جو کچھ حاصل کیا اس نے مغرب کا نقشہ بدل دیا اور یورپ اور امریکہ کو وہاں تک پہنچا دیا جہاں تک پہلے کوئی انسانی معاشرہ نہ پہنچا تھا۔ لیکن وہ اسلام کے روحانی علوم سے استفادہ کرنے میں ناکام رہے۔

## اقتصادی مقاصد

اسلامی اور مشرقی ممالک میں موجود بہت سے مالی فوائد اہل مغرب کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے اور ان فوائد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اہل مشرق کی زبانوں، جغرافیہ، زرعی وسائل، انسانی خصوصیات اور ان کے دیگر حالات سے آگاہی حاصل کریں تاکہ جب وہ مقاصد کی خاطر مشرق کا سفر کریں تو انہیں مشرقی لوگوں سے میل جول اور لین دین میں آسانی ہو۔ اسی بناء پر مالی کمپنیاں، تجارتی ادارے اور حکومتیں ان علاقوں کے تفصیلی جائزے کے لیے

باقاعدہ فوڈ بھیجتی تھیں۔

## سیاسی مقاصد

اقوام مغرب کے مشرق میں سیاسی مقاصد کو صرف دو عنوانوں کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

① سارے عالم اسلام پر سیاسی غلبہ ② مملکت اسرائیل کا قیام

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعماری طاقتوں نے مستشرقین اور این جی اوز پر پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ ان تنظیموں نے اس دولت کے بل بوتے پر تعلیمی اداروں، ہسپتالوں، فلاحی اداروں اور غریبوں کیلئے امدادی منصوبوں، اخبارات و رسائل اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی اور خود اُمتِ مسلمہ سے بھی ان کو کٹی بے ضمیر لوگ مل گئے۔

## قرآن کریم کے متعلق بعض مستشرقین کی مثبت آراء

دنیا کی تمام مذہبی کتب مقدسہ پر قرآن کو ہر حیثیت سے برتری حاصل ہے۔ عہد نامہ قدیم و جدید کی تدوین میں تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کا عرصہ لگا۔ بادشاہوں سے لے کر فقیروں تک ہزاروں افراد نے اس کی تدوین میں حصہ لیا۔ اس کا مستند ترین حصہ تورات دو جدا گانہ کتب (الوہی اور یہوی) کا اشتراک ہے اور تحریف و تصریف سے پُر ہے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے جبکہ اس میں وہ واقعات بھی درج ہیں جو ان کے بعد وقوع پذیر ہوئے۔ عہد نامہ قدیم کی حقیقی اہمیت صرف یہ ہے کہ وہ یہودی مذہبی تاریخ کو بیان کرتا ہے۔

عہد نامہ جدید کی حقیقی نوعیت یہ ہے کہ متعدد نامعلوم افراد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات اپنے اپنے نقطہ نظر سے ترتیب دی ہے، یہ مؤلفین خود عینی شہادت تک نہیں ہے۔ صدیوں بعد سنی سنی باتوں کو واقعاتی رنگ دیا اور یہ کتب آسمانی قرار پائیں جبکہ قرآن ایک فرد واحد پر نازل شدہ وحی الہی کا مجموعہ ہے۔ جس کی حفاظت کا شعوری اہتمام دور نبوی سے ہی کیا جا رہا ہے نہ صرف اسے تحریری طور پر محفوظ کیا گیا بلکہ نبی مہربان ﷺ سے لے کر آج تک کروڑوں افراد نے اسے سینوں میں محفوظ کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے اس دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد، دو سال کے اندر اندر، خلیفہ اول نے اس کے تمام اجزاء کو جمع کر کے اس کا مکمل نسخہ مدون کیا۔ دنیا میں پایا جانے والا کوئی نسخہ اس اولین نسخے سے ادنیٰ سا بھی اختلاف نہیں رکھتا۔

قرآن عظیم تقدس کا حامل، جس کی قراءت باعث ثواب، جس پر عمل باعث نجات اور جس نے اربوں کھریوں افراد کو گذشتہ چودہ سو سال میں ملکوئی فعالیت عطا کی اور جس کے توسط سے یہ ہم تک پہنچا اس نے خود اس کے مصنف ہونے سے انکار کیا لیکن مستشرقین اس کو تصنیفِ نبوی قرار دینے پر مصر ہیں، اس کی تعلیمات اور اخلاق پر حملہ آور ہیں اور اس کی بیان کردہ نعمتوں پر طنز کرتے ہیں۔ مشہور مستشرق کارلائل جس نے آنحضرت ﷺ کو انبیاء کا ہیرو تسلیم کیا، جو اسلام کی موافقت میں قلم اٹھانے میں سرفہرست ہے جب قرآن کا ذکر آتا ہے تو ساری خوش فہمی رفع کر دیتا ہے۔ اس نے لکھا۔ (نعوذ باللہ)

As toilsome reading as ever undertook, a wearisome confused Jumble, crude, incordite, aerdless iterations, long-windness, entanglements, most curde

inconдите, insupportable stufidity, in short nothing but a sence of duty could carry any European through Koran: "Thomas Karlyle; on Heros, Hero-worship and Heroic in the History, P 64,65"

”میری زندگی کی سب سے محنت طلب خواندگی، ایک اکتا دینے والا، پریشان بے ترتیب مجموعہ خام، ناچستہ، لامتناہی تکرار، برطویل گفتگو، الجھاؤ، انتہائی خام اور غیر نفیس ناقابل دفاع حماقت، مختصر آئیہ کہ سوائے ادائے فرض کے احساس کے، کسی یورپین کو کوئی چیز قرآن کو پڑھنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔“ [صفحہ ۶۴، ۶۵]

پیشتر مستشرقین کی مشترکہ رائے ہے کہ قرآن داعی اسلام کی تصنیف ہے۔

لیکن ایسے مستشرقین کی تعداد بھی کم نہیں جو اپنے ہم مذہب و مسلک مستشرقین کی رائے کے برعکس یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن وحی الہی ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں ہی مدون و مرتب ہو چکا تھا اور مسلمانوں نے نہ تو عہد صدیقی ﷺ میں اور نہ ہی عہد عثمانی رضی اللہ عنہم میں اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی اور ترمیم کی ہے بلکہ وہ مسلمانوں کی ان کوششوں کو سراہتے ہیں جو مسلمانوں نے قرآن کریم کی حفاظت کے لیے کیں اور اسے ایک ایسی ناقابل یقین حقیقت قرار دیتے ہیں کہ جس کی مثال اس دنیا میں ناپید ہے۔ ہم ذیل میں ان چند مستشرقین کے اعترافات نقل کر رہے ہیں جو باقی مستشرقین کے برعکس تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم وحی الہی ہے اور نبی مہربان ﷺ کے زمانے میں ہی مرتب و مدون ہو چکا تھا۔

### ولیم میور کا اعتراف

ولیم میور اسلام دشمنی میں مشہور ہے اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور دین اسلام پر حملے کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ وہ قرآن کریم کو کلام الہی تسلیم کرنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ نہیں لیکن یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو قرآن کریم ہے یہ وہی ہے جو حضور ﷺ کے دور میں تھا۔ ولیم میور لکھتا ہے:

But the preservation of the Koran during the life of Muhammad (SAW) was not dependent on any such uncertain archives, the devine revelation was the corner stone of Islam... during his life time, repeat with accuracy the entire revelation screipulous. P. 5/1.

[Mevr, william, the life of Muhammad, Smith, London 1860.]

اس اقتباس سے یہ نتائج سامنے آتے ہیں:

- ① عہد نبوی میں قرآن محض منتشر و متفرق ٹکڑوں پر ہی نہ تھا۔
- ② وحی الہی مسلمانوں کی زندگیوں کی بنیاد تھی نمازوں میں قرآن پڑھنا فرض تھا اور بہت سے لوگوں کے حافظوں میں موجود تھا اس وقت قدر و منزلت کا معیار یہ تھا کہ کس کو کتنا قرآن زبانی یاد ہے۔
- ③ عرب حفظ کرنے کے عادی تھے اور ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ قرآن سے غیر معمولی لگاؤ تھا اور اسے سرگرمی سے حفظ کرنے لگے تھے۔

④ ان کی قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے اندر ہی وحی الہی کمال صحت کے ساتھ ان کو حفظ ہو گئی تھیں۔ ایک اور جگہ ولیم میور (William Muir) ایک دوسرے مستشرق (Vun Hammer) کے الفاظ

سیرت طیبہ



نقل کرتا ہے:

That we hold the Koran to be as surely Muhammad word, as the Muhammadans hold it to be the word of God. [IBAD. P 27/1.]

”ہمیں اس بات پر کہ قرآن محمد کے الفاظ ہیں، اتنا ہی یقین ہے جتنا مسلمانوں کو اس بات پر کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔“  
منگمری واٹ کا شمار بھی ان متعصب مستشرقین میں ہوتا ہے جو اسلام پر نشتر زنی کرتے ہیں لیکن وہ بھی نیم دلی سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ ملت اسلامیہ نے صحیفہ آسمانی کی حفاظت کے لیے بے مثال کوششیں کیں۔

"Muhammad continued to receive revelation at frequent intervals. He and his followers memorized them and they were repeated in the ritual worship or prayer which he introduced most of them were probably written down during Muhammad life time." [Bells introduction to the Quran, w,montgomery & Richerd bell, P:28, Edin burgh, London,2005.]

”محمد ﷺ پر مختلف وقفوں کے ساتھ وحی آتی رہی ہے آپ اور آپ کے تابعین اسے یاد کرتے اور انہیں اپنی نمازوں میں دہراتے تھے۔ غالباً وحی کا اکثر حصہ محمد ﷺ کی زندگی میں ہی لکھا جا چکا تھا۔“  
پھر ترتیب قرآن کے حوالے سے لکھا ہے:

It seems likely that to a great extent the surahs or chapters of Quran were given their present form by Muhammad him self. [IBID, P:29]

”یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ قرآن کی سورتوں کو موجودہ ترتیب محمد ﷺ نے خود دی تھی۔“

ایک اور مستشرق T.W.Arnold اس موضوع پر لکھتے ہیں:

The text of recension substantly corponds to the actual utter of Muhammad him self. [Arnold,T.W; The preaching of islam, P:9, constable, London 1913.

”اس عملی شاہکار (یعنی قرآن پاک کا متن) اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔“

مستشرق Wherry لکھتے ہیں:

The text of the Quran is the purest of all the words of a like antiquity.

[Wherry,EM; A comprehensive commentary on the Quran, P:349 trubner&co, London,1896.]

”قرآن پاک کا متن کسی انتہائی نادر چیز کی طرح الفاظ کے اعتبار سے بالکل محفوظ ہے۔“

ڈاکٹر مورس بوکائے رقم طراز ہیں:

Thanks to its undisputed authenticity, the text of the Quran holds a unique place among the text books of revelation.

[Bucaille, Mowrice; the Bible, the Quran& science, P:13 London.]

”ممنون ہیں کہ قرآن کا مستند ہونا ایک تسلیم شدہ مسئلہ ہے اس لیے اس کتاب کو الہامی کتابوں میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔“

روڈی پرت (Rudi Paret) لکھتا ہے:

”ہمارے لیے یہ یقین رکھنے کا کوئی سبب نہیں کہ قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی بھی ہے جو حضرت محمد ﷺ سے مروی نہیں۔“

یورپ کا مشہور مستشرق Baroness Magrate Vontein قرآن کریم کے حوالے سے لکھتا ہے:

تحریف قرآن، منصف مزاج مغربی مفکرین کی نظر میں

”اگرچہ تمام مذہبی صحائف اللہ کی طرف سے نازل ہوئے تاہم صرف قرآن ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس میں ذرا بھی رد و بدل نہیں ہوا اور وہ اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔“  
 کونٹ بزی دی کا سٹر اپنی کتاب ’الاسلام‘ میں، جو کہ فرانسیسی زبان میں لکھی گئی اور عربی ترجمہ کے ساتھ ۱۸۹۸ء میں مصر سے شائع ہوئی، لکھتے ہیں:

”اس کلام نے نوع انسانی کو لفظاً و معنیاً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کیا ہے۔ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پر دازی نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو مطمئن کیا اور وہ خدا کے معترف ہو گئے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جمع فر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بشارت چلا اٹھا کہ یہ کلام اس سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا۔“  
 پالم (Palmer) اگرچہ عثمانی دور سے قبل کے قرآن میں تو کئی ایک شکوک پیدا کرتا ہے لیکن مصحف عثمانی کی تیاری کے بعد لکھتا ہے:

Othman's recension had remained. The authorised text.... from the time it was made until the present day.

”مصحف عثمانی اپنے آغاز سے لے کر اب تک ایک مستند متن کے طور پر باقی ہے۔“

وہیری اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے:

”تمام قدیم صحیفوں میں قرآن زیادہ غیر مخلوط اور خالص ہے۔“

② قرآن کا معروف انگریزی مترجم پالم (Palmer) کہتا ہے۔

”سیدنا عثمان کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلم صحیفہ رہا ہے۔“

③ لین پول (Lanepoole) کہتا ہے۔

”قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اسکی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں اس پر اعتماد کر سکتے ہیں کہ یہ تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے۔“ [مجلہ فہم القرآن لاہور، اپریل ۲۰۰۱ء بحوالہ مضمون ابولحسن ندوی]

## میونخ یونیورسٹی جرمنی میں قرآن مجید میں تبدیلی نہ ملنے کا واقعہ

مشہور عالم دین اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو کہ ان کی کتاب خطبات بہاولپور میں بھی مذکور ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

۱۹۳۳ء میں میونخ یونیورسٹی نے ایک ادارہ قرآن مجید کی تحقیق کے لیے قائم کیا۔ ڈاکٹر آٹو پریکشل (Auto pretizel) اس ادارے کے تیسرے ڈائریکٹر تھے۔ اس ادارے نے قرآن کریم کے قدیم سے قدیم ترین نسخے دنیا کے مختلف ممالک سے اکٹھے کئے کچھ نسخے ایک سو سال کے، کوئی دو سو سال پہلے کے، تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی کے غرض یہ جتنے بھی نسخے مختلف میوزیم اور لائبریریوں سے جمع ہو سکتے تھے، اصل یا فوٹو کاپی کی شکل میں جمع کر لئے۔ اس طرح کل ۴۲۰۰۰ نسخے اکٹھے کئے گئے۔ علماء اور محققین کی ایک بڑی جماعت کو ان نسخوں پر بٹھایا انہوں نے ایک طویل عرصہ تک مقابلہ اور موازنہ کیا تا کہ ایک نسخے کا دوسرے نسخے سے اختلاف یا فرق ڈھونڈ سکے، اس تحقیق پر کئی سال لگے اور بعد میں اس کی عارضی رپورٹ بھی شائع کی گئی۔ ان بیالیس ہزار نسخوں میں صرف دو جگہ کتابت کی غلطی نظر

بسم اللہ

آئی۔ ایک جگہ تو یہ فرق نظر آیا کہ بسم اللہ میں ایک جگہ الرحمن کا لفظ چھوٹا تھا اور دوسرا یہ کہ کہیں الف لام (تعریف) لکھی ہوئی تھی اور کہیں نہیں لیکن الفاظ وہی تھے ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔

ایسی ہی تحقیق جرمنی میں بائبل کے بارے میں بھی کی گئی اور صرف یونانی زبان کے نسخے جمع کئے گئے۔ اس لیے کہ یونانی زبان سے قبل بائبل کا کسی اور زبان میں سراغ نہیں ملتا، اور باقی تمام زبانوں کے نسخوں سے صرف نظر کیا گیا۔ اس کے باوجود صرف یونانی بائبل کے نسخوں میں ہی دو لاکھ غلطیاں برآمد ہوئیں۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم کی صداقت صرف ہمارے نزدیک ہی مسلم نہیں ہے بلکہ متعصب سے متعصب معاندین بھی اپنی تمام کوششوں کی ناکامیوں کے بعد ان عظیم حقائق کے معترف ہو گئے ہیں کہ قرآن کریم ہی واحد آسمانی صحیفہ ہے جو تحریف و تبدیلی سے محفوظ ہے اور اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

① عہد حاضر کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس نسخہ کا ہو جو عکس ہیں جسے نبی ﷺ نے لکھا کر دیا تھا۔  
② یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں قطعاً ناکام رہی ہیں جو قرآن کے اندر بعد کے زمانہ میں کسی اضافہ وغیرہ کو ثابت کرنے کے لیے کی گئی تھیں۔

③ قرآن حکیم کا متن بعینہ وہی ہے جو نبی کریم ﷺ نے امت کو دیا تھا اور جو خود آپ ﷺ کے استعمال میں رہتا تھا۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جس کتاب کی حفاظت کے لیے اتنی کوششیں کی گئیں اس کتاب کی صحت کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ قرآن مجید کی صحت پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کی بدگمانیوں کا ایک سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب پر قرآن مجید کو قیاس کیا ہے، حالانکہ قرآن کو ایسے حالات کبھی بھی پیش نہیں آئے کہ قرآن مجید کے حفاظ کبھی مفقود ہوئے ہوں یا اس کے نسخے ختم ہو گئے ہوں یا اس پر ایسی آفت آئی ہو کہ اس کی زبان ختم ہو گئی ہو اس کے برعکس مسیحیوں نے سمجھ لیا کہ ہماری طرح ان کی کتاب بھی ضائع ہوتی رہی ہے اور نئے سرے سے اس کے متن کا کھوج لگا کر ہر بار مرتب کی جاتی رہی ہے۔

ان تمام حقائق کے اعتراف کے باوجود اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ یورپ کا کوئی مستشرق کتنا ہی صاف اور کھلے دل کا نظر آئے، اس کے اندر اسلام دشمنی کا جراثیم ضرور ہوتا ہے اور وہ اپنی بظاہر غیر جانبدارانہ اور غیر متعصبانہ تحقیق میں کہیں نہ کہیں اسلام کے خلاف ضرور بات کرے گا اور پادریوں سے وراثت میں ملنے والا مرض ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

جن مستشرقین نے قرآن کے وحی الہی ہونے اور تحریف سے مبرا ہونے کا اقرار کیا ہے، ڈاکٹر مورس بوکائے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”قرآن مجید میں دو نمایاں حیثیتیں ہیں اور ان دونوں حیثیتوں میں وہ تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ پہلی حیثیت یہ کہ اس کے انتساب کی صحت میں کوئی شک نہیں اور یہ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ پیغمبر عرب ﷺ سے اس کی نسبت صحیح نہیں۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ قرآن کو مسلمان عربی زبان کی حفاظت کا مرجع سمجھتے ہیں اور اپنے مذہبی اصول کی تطبیق کا ماخذ مانتے ہیں۔“

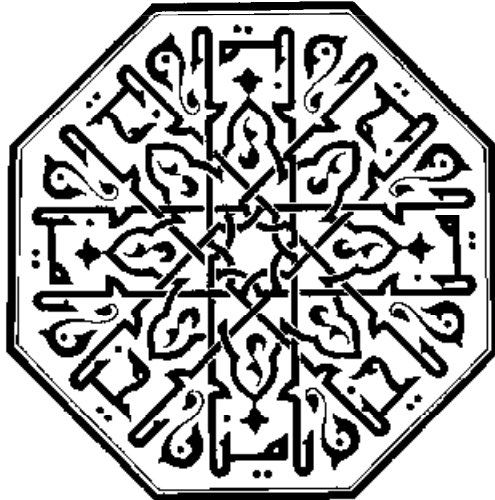
مستشرقین کے قلم سے اس بات کا اعتراف کہ قرآن مجید محفوظ اور تحریف و تبدیلی سے پاک ہے اس حقیقت کا بین

تحریر قرآن، منصف مزاج مغربی مفکرین کی نظر میں  
ثبوت ہے کہ عصمت و صیانت قرآن ایک ایسی قوی حقیقت ہے جو دشمنوں سے بھی اپنا آپ کو منوالیتی ہے۔

## کتابیات

1. Arnold, T.W; The preaching of Islam, Constable, 1913, London.
2. Palmer, E; The Quran, Oxford University press, London, 1928.
3. Bucaille, Maurice; The Bible, The Quran science. London.
4. Carlyle Thomas; On Heros, Hero-worship and Heroic in the history; London.
5. W, Montgomery & Richard Bell; Bell's introduction to Quran, Edin Burgh, London, 2005.
6. Mur, William, The life of Muhammad, smith, London, 1860.
7. Wherry, E.M; A comprehensive commentry on the Quran comprising sales translation Kegan Paul, Trubner & Co. London, 1896.

- ① ثناء اللہ خان، مرتب، قرآن حکیم اور مستشرقین، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔ اسلام آباد  
② ڈاکٹر عبدالقادر حسن، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، بیت الحکمت، لاہور، 2006ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## قدیم مصاحف قرآنیہ..... ایک تجزیاتی مطالعہ

قدیم مصاحف کے مطالعے میں اہم ترین سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی مصحف کے قدیم ہونے کے دلائل کیا ہو سکتے ہیں؟ مختلف علماء نے کسی مصحف کے زمانہ کتابت کو معلوم کرنے کے لیے دو ذرائع کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

① عربی زبان کی کتابت میں حروف، رسم و تحریر کی خصوصیات اور ان کے ارتقاء کے متعدد مراحل کی روشنی میں کسی مصحف کے زمانہ کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ عربی زبان کے حروف کی کتابت کے ارتقائی مراحل جاننے کے لیے آثار قدیمہ ایک اہم مصدر ہیں مثلاً حجاج بن یوسف کے زمانے میں جاری کیے گئے دراہم پر موجود عربی تحریر اس دور میں سکے جاری کرنے کی ڈائیوں کی تحریریں، بنو امیہ کے دور کے سکوں کی تحریریں، مروان بن حکم کے بنائے گئے قبہ پر موجود عربی تحریریں، بنو امیہ کے دور میں قائم کیے گئے قبہ محزرہ کی عربی تحریریں وغیرہ۔ عربی زبان کے حروف اور رسم کے ارتقائی مطالعہ کے لیے درج ذیل مصادر کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

☆ الكتابات في العصر الراشدي المسكوكات (۲۰-۴۰ ھ)

☆ البرديتان المؤرختان (۲۲ ھ)

☆ مصادر الحروف العربية على النقود الأموية المعربة وغير المعربة (۴۱-۱۳۲ ھ)

☆ الدراهم الإسلامية الساسانية للحجاج بن يوسف الثقفي في المتحف العراقي

☆ كتابة قبة نسيح من الحرير للخليفة مروان بن الحكم (۶۴ ھ)

☆ كتابة قبة الصخرة (من الفيحاء) مؤرخة (۷۲ ھ)

☆ كتاب دراسات في تاريخ الخط العربي منذ بدايته إلى نهاية العصر الأموي، صلاح

الدين المنجد

☆ أصل الخط العربي وتطوره حتى نهاية العصر الأموي، سهيلة ياسين، جامعة بغداد

☆ مصاحف صنعاء من القرن الأول الهجري والثاني والثالث، مجموعة مقالات

متنوعة، كويت

☆ صبح الأعشي للقلقشندي

☆ الفهرست لابن ندیم

The Quranic Art of Calligraphy and Illumination, Martin Lings, Wester Ham Press, England.

The Abbasid Tradition Qurans of the 8th to 10th centyries, Francois Derocthe.

۲) کاربن ۱۴ ٹیسٹ کے ذریعے بھی کسی مصحف کے زمانہ کے بارے میں معلومات جمع کی جاتی ہیں۔ اس طریقے کے ذریعے ان اشیاء کے زمانہ فنا کو معلوم کیا جاتا ہے جن میں کوئلہ، لکڑی، ہڈی، درختوں کے پتے یا چمڑا وغیرہ استعمال ہوا ہو۔ چونکہ قدیم مصاحف چمڑوں پر لکھے جاتے تھے لہذا ان کے زمانہ کتابت کو معلوم کرنے کے لیے اس طریقے کو بھی کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ فزکس، کیمسٹری اور ٹیکنالوجی کے ارتقاء کی پیداوار ہے لہذا ایک سائنسی طریقہ ہے۔ اگرچہ یہ اس قدر مستند نہیں ہے جس قدر پہلا طریقہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کاربن ٹیسٹ کے ذریعے کسی شے کی موت کا زمانہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ پیدائش کا۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ قرآن کے کسی قدیم نسخے کا ایک ورق لے کر اس ورق کے ضائع ہونے والے بعض حصے کا ضائع ہونے کا زمانہ معلوم کیا جاتا ہے لیکن وہ مصحف لکھا کب گیا، یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ان دو ذرائع میں درج ذیل کا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے:

۳) چوتھی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری کے مابین لکھے جانے والے مصاحف کے آخر میں بعض اوقات کاتب کا نام اور تاریخ کتابت بھی درج ہوتی ہے جس سے اس مصحف کی کتابت کے زمانے کے بارے میں یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

۴) کسی مصحف کے آخر میں بعض اوقات کاتب کا نام درج ہوتا ہے۔ اس کاتب کی تاریخ پیدائش و وفات سے بھی اس مصحف کے زمانے کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

۵) تاریخی اخبار و آثار سے بھی کسی مصحف کے زمانے کے بارے میں ظن کی حد تک علم حاصل ہوتا ہے۔

## قدیم مصاحف کا اجمالی تعارف

مسلمان محققین کی تحقیق کے مطابق اس وقت عالم اسلام اور عالم کفر کی لائبریریوں میں تقریباً ۹۶ ایسے نادر مصاحف موجود ہیں جو پہلی پانچ صدی ہجری کے دورانیے میں لکھے گئے ہیں۔ ان مصاحف میں سے عراق میں ۱۸، ترکی میں ۶، مصر میں ۱۴، تیونس میں ۸، امریکہ میں ۸، برطانیہ میں ۸، ایران میں ۶، افغانستان میں ۵، روس میں ۴، ہندوستان میں ۴، سعودی عرب، فلسطین، مغرب اقصیٰ، پاکستان، یمن اور ویٹنی کن سٹی میں سے ہر ایک میں ایک ایک نسخہ موجود ہے۔ ان میں سے بعض نسخے کامل ہیں جبکہ بعض ناقص۔ صنعاء، یمن سے حال ہی میں دریافت شدہ ایک صد سے زائد قدیم مصاحف ان کے علاوہ ہیں۔ ذیل میں ہم ممالک کے اعتبار سے بعض قدیم نسخہ قرآنیہ کا تعارف پیش کر رہے ہیں:

## ترکی میں قدیم مصاحف

① خط کوفی میں ایک مصحف توپ کا پی سرائے میوزم، استنبول میں موجود ہے جس کا نمبر '1' ہے۔ اس مصحف پر لکھا ہے کہ اس مصحف کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی املاء پر لکھا تھا جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حاصل کیا تھا۔ بعض محققین کا کہنا یہ ہے کہ یہ مصحف بذاتہ قدیم تو ہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی مصحف نہ لکھا تھا لہذا اس کے کاتب کوئی اور ہیں۔

② خط کوفی میں ایک نسخہ توپ کا پی سرائے میوزم میں موجود ہے جو چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد

۱۳۷ ہے۔ اس کا نمبر 36E.H.29 ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کتابت سے ہے۔

④ توپ کا پنی سرانے میوزم سے ملحق لائبریری 'أمانة خزینة' میں بھی ایک نادر نسخہ موجود ہے۔ اس نسخے پر لکھا ہے کہ اسے ۵۲ھ میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے۔ اس کا نمبر '40' ہے۔ اس نسخے میں کاتب کے نام اور تاریخ کتابت کا اضافہ بعد میں کسی نے کیا ہے۔ لہذا بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ نسخہ اس تاریخ سے بعد کے زمانے میں لکھا گیا ہے۔

⑤ 'أمانة خزینة' میں ایک نسخے کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کے کاتب جعفر بن محمد بن زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۴۸ھ) ہیں۔ اس کے اوراق کی تعداد ۱۶۲ ہے۔ نامکمل مصحف ہے۔ اس کا نمبر '39' ہے۔

⑥ آثارِ اسلامیہ میوزم استنبول میں چڑے پر لکھا ہوا ایک مصحف موجود ہے جس کا نمبر '457' ہے۔ شروع درمیان اور آخر سے اس کے کچھ اوراق غائب ہیں۔ اس مصحف کے بارے قدیم مصاحف کے ماہر ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کا کہنا ہے کہ میں نے جتنے بھی قدیم مصاحف کا مشاہدہ کیا ہے، یہ ان میں سے سب سے زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر المنجد کے بقول یہ مصحف اپنے انداز تحریر کی روشنی میں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں لکھا گیا ہے۔

⑦ جامعہ استنبول کی لائبریری میں ایک مصحف معروف عربی خطاط ابن بواب بغدادی (متوفی ۴۱۳ھ) کے خط سے لکھا ہوا موجود ہے۔ اس کا نمبر '449' ہے۔

⑧ مذکورہ بالا لائبریری میں خط کوفی میں ۳۶۱ھ میں لکھا ہوا ایک مصحف بھی موجود ہے جس کا نمبر 'A6778' ہے۔

### برطانیہ میں قدیم مصاحف

① برمنگھم میں چڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ایک قدیم نادر نسخہ موجود ہے جس کے بارے محققین کا کہنا ہے کہ یہ دوسری صدی ہجری کا نسخہ ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۳۹ ہے۔ یہ ایک نامکمل نسخہ ہے۔ اس کا نمبر '1563' ہے۔ اسی طرح دوسری صدی ہجری کا ایک اور قدیم نسخہ چڑے کے اوراق پر لکھا ہوا ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد ۹ ہے۔ اس کا نمبر '1572' ہے۔ یہ بھی ایک نامکمل مصحف ہے۔

② پانچویں صدی ہجری سے متعلق ایک نسخہ پرنسٹن یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۲۰۶ ہے۔ اس کا نمبر '1156' ہے۔

③ برطانوی میوزیم لندن میں چڑے پر لکھا ہوا ایک نامکمل نسخہ موجود ہے جس کے اوراق کی تعداد ۱۱۲ ہے۔ ماہرین فن کے ہاں یہ اموی دور خلافت کے آخری دور کا نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ برطانوی میوزم میں یہ سب سے قدیم مخطوطہ ہے۔

④ علاوہ ازیں میوزیم میں ۲۰۲ھ میں لکھا ہوا ایک مصحف بھی موجود ہے جس کے کاتب کا نام سعد بن محمد بن اسعد کرتبی ہے۔ ۲۲۷ھ میں لکھا ہوا ایک نسخہ بھی یہاں موجود ہے۔

قدیم مصاحف قرآنیہ، ایک تجزیاتی مطالعہ

## عراق میں قدیم مصاحف

دوسری صدی ہجری کا کوئی خط میں لکھا ہوا ایک نسخہ عراقی میوزم لائبریری بغداد میں موجود ہے۔ اس مصحف کے ۳۰ اوراق موجود ہیں۔ ایک نامکمل مصحف ہے۔ اسی طرح تیسری صدی ہجری کا ایک اور نامکمل مصحف بھی اس لائبریری میں موجود ہے۔

روضہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کربلا میں ایک قدیم مصحف موجود ہے۔ یہ چڑے پر خط کوئی میں لکھا ہوا ہے۔ امام سجاد رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۱۸ھ) کی طرف منسوب ہے۔ 'الحضرة العباسیة' میں دوسری اور تیسری صدی ہجری کے کئی ایک قدیم مصاحف موجود ہیں۔

## تیونس میں قدیم مصاحف

① دار الکتب الوطنية، تیونس میں چڑے پر لکھا ہوا ایک قدیم نسخہ موجود ہے جو ۲۹۵ھ میں لکھا گیا۔ یہ نسخہ خط کوئی میں ہے۔

② اس لائبریری میں معزز بن بادیس صہاجی (متوفی ۴۹۴ھ) کا نسخہ بھی موجود ہے جو خط کوئی میں چڑے پر لکھا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ بھی اس لائبریری میں کئی ایک قدیم مصاحف موجود ہیں۔

③ نیلے رنگ کے چڑے پر خط کوئی میں ایک نسخہ 'قیروان' میں موجود ہے۔ یہ تیسری صدی ہجری کا مصحف ہے۔

## آئر لینڈ میں قدیم مصاحف

'ٹشستر بیٹی'، لائبریری ڈبلن میں چڑے پر لکھا ہوا ایک نسخہ موجود ہے جو تیسری صدی ہجری کا ہے۔ اس کے ۱۹ اوراق موجود ہیں۔ اسی طرح اس لائبریری میں خط نسخ میں ۲۸۶ صفحات پر مشتمل ایک قدیم نسخہ بھی موجود ہے جس کے کاتب ابن بواب بغدادی (متوفی ۳۹۱ھ) ہیں۔ اس کا نمبر 'K.16' ہے۔ اسی طرح ۴۲۶ھ میں لکھا ہوا ایک قدیم نسخہ بھی یہاں موجود ہے۔

## ہندوستان میں قدیم مصاحف

① رضا لائبریری، رامپور میں نفیس وعمدہ کتابت میں ایک نسخہ موجود ہے۔ یہ ۳۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ چڑے پر خط کوئی میں لکھا ہوا ہے۔ اس کی کتابت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

② قدیم خط نسخ میں لکھا ہوا ایک نفیس نسخہ بھی اس لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی کتابت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد ۱۴۷ ہے۔

③ ایک بہت ہی نادر نسخہ بھی اس لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے کاتب معروف بغدادی خطاط محمد بن علی بن حسن بن مقلہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۹۱۰ھ) ہیں۔ یہ نسخہ ۲۱۵ اوراق پر مشتمل ہے۔

## مراکش کے قدیم مصاحف

خط کوئی میں چڑے پر لکھا ہوا پانچویں صدی ہجری کا ایک مصحف قصر شاہی رباط میں موجود ہے۔ اس کا نمبر

'3594' ہے۔



## یمن کے قدیم مصاحف

امام یحییٰ لابریری میں ایک قدیم نسخہ موجود ہے جس کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کے کاتب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ علاوہ ازیں صنعاء کے وہ مصاحف بھی ہیں جو حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں۔ ہم آگے چل کر ان پر مستقل عنوان کے تحت کلام کریں گے۔

## تاشقند کے قدیم مصاحف

خط کوفی میں چڑے پر لکھا ہوا ایک قدیم مصحف 'الإدارة الدينية الإسلامية' لابریری میں موجود ہے۔ اس کے بارے میں معروف ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵ھ) کا وہ مصحف ہے جس کی تلاوت کے دوران ان کو شہید کیا گیا تھا۔ اس مصحف پر خون کے دھبوں کے نشانات بھی ہیں۔ اس کے صفحات کی تعداد ۳۵۳ ہے۔ نقطوں سے خالی ہے۔ اس کے بارے ڈاکٹر المنجد کا کہنا یہ ہے کہ یہ دوسری یا تیسری صدی ہجری کا مصحف ہے۔

## ایران کے قدیم مصاحف

① فخر الدین نصیری لابریری، تہران میں ایک قدیم نسخہ موجود ہے جس کے کاتب محمد بن الحسین بن علی (متوفی ۳۰۱ھ) ہیں۔ یہ ایک نامکمل مصحف ہے اور خط کوفی میں ہے۔

② دارالکتب الرضویہ (مکتبہ استان قدس) مشہد میں ۴۱ اوراق پر مشتمل ایک قدیم نسخہ موجود ہے جس کی کاتب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ ڈاکٹر المنجد کے بقول یہ دوسری صدی ہجری کا مصحف معلوم ہوتا ہے۔ اس کا نمبر '14' ہے۔

③ اسی لابریری میں '12' نمبر نسخے کی کتابت بھی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف ۴۱ھ میں منسوب ہے جبکہ ڈاکٹر المنجد کے بقول یہ دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کی ابتداء کا مصحف معلوم ہوتا ہے۔

④ چڑے پر لکھا ہوا تیسری صدی ہجری کا ایک مصحف بھی یہاں موجود ہے۔ علاوہ ازیں '15' نمبر نسخے کی کتابت حضرت علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے جبکہ ڈاکٹر المنجد کے بقول یہ تیسری صدی ہجری کا مخطوطہ ہے۔

⑤ روضہ حیدریہ میں خط کوفی میں چڑے پر لکھے ہوئے کئی ایک نامکمل مصاحف موجود ہیں جن کی کتابت کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے۔ ۱۱۲۲ اوراق پر مشتمل ایک نامکمل نسخے کی کتابت کی نسبت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی کی گئی ہے۔

⑥ خط کوفی میں لکھا ہوا ایک نسخہ بھی یہاں موجود ہے جو تیسری صدی ہجری کا ہے۔

⑦ ۳۰۱ھ میں لکھا گیا نسخہ بھی موجود ہے جس کے کاتب کا نام محمد بن الحسین بن الجہاد ہے۔ علاوہ ازیں ۴۱۹ھ میں خط کوفی میں لکھا ہوا ایک مصحف بھی موجود ہے جس کے کاتب علی بن محمد محدث ہیں۔

## مصر میں قدیم مصاحف

① جامع ازہر میں 'رواق المغاربة' لابریری میں ہرن کے چڑے پر لکھا ہوا ایک قدیم مصحف موجود ہے جو

قدیم مصاحف قرآنیہ، ایک تجزیاتی مطالعہ

۲۵-۳۱ھ کے مابین لکھا گیا ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد ۱۰۰۰ ہے۔

② دو قدیم مصاحف مکتبہ ازہریہ، قاہرہ میں موجود ہیں۔ پہلا سورۃ انفال سے سورۃ رعد تک ہے جبکہ دوسرا سورۃ مؤمنین سے سورۃ سبأ تک ہے۔ دوسرے نسخے کے آخر میں کتابت سے فراغت کی تاریخ ۱۸ ذوالقعدہ ۴۶۵ھ لکھی ہوئی ہے۔ یہ نامکمل مصاحف ہیں۔

③ ایک بہت ہی قدیم نسخہ دار الکتب المصریۃ میں موجود ہے۔ ہرن کے چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ اس میں نہ نقاط ہیں نہ اعراب نہ سورتوں کے نام ہیں اور نہ ہی آیات کی تعداد جیسا کہ پہلی صدی ہجری کے رسم کا معاملہ رہا ہے۔ اس کے کاتب ابوسعید حسن بصری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۷ھ ہیں۔ اس لائبریری میں کئی ایک اور بھی قدیم مصاحف موجود ہیں۔

④ شہل حسینی میں ایک بہت ہی قدیم نسخہ موجود ہے جس کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے۔ بعض محققین کے نزدیک یہ نسخہ پہلی یا دوسری صدی ہجری کا ہے۔

### فلسطین کے قدیم مصاحف

مسجد اقصیٰ کی لائبریری میں ایک قدیم نسخہ خط کوفی میں موجود ہے جس کے کاتب محمد بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ علاوہ ازیں چمڑے پر رمضان ۱۹۸ھ میں لکھا ہوا ایک مصحف بھی یہاں موجود ہے۔

### افغانستان کے قدیم مصاحف

① کابل میوزیم میں ایک نسخہ موجود ہے جو چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ یہ تیسری صدی ہجری کا ایک نامکمل مصحف ہے جو ۸ اوراق پر مشتمل ہے۔ اسی طرح کا ایک اور ۳۲ صفحات پر مشتمل ایک نامکمل نسخہ بھی یہاں موجود ہے۔ یہ بھی تیسری صدی ہجری کا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایک نامکمل قدیم مصاحف یہاں موجود ہیں۔

② ہرات میوزیم لائبریری میں خط کوفی و نسخ میں لکھا ہوا ایک نسخہ موجود ہے جس کے کاتب محمد بن علی ابن مقلہ معروف بغدادی خطاط (متوفی ۹۴۰ھ) ہیں۔ یہ نسخہ ۳۳ اوراق پر مشتمل ہے۔

### پاکستان میں قدیم مصاحف

نیشنل میوزیم کراچی میں ایک نادر نسخہ موجود ہے جس کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی طرف کی جاتی ہے۔ یہ مخطوطہ ہرن کے چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے۔

### امریکہ میں قدیم مصاحف

① ہارورڈ یونیورسٹی کے میوزیم میں خط کوفی میں لکھا ہوا ایک نسخہ موجود ہے جو تیسری صدی ہجری کا ہے۔ علاوہ ازیں چوتھی صدی ہجری میں چمڑے پر لکھے ہوئے کئی ایک نسخے بھی یہاں موجود ہیں۔

② بیئر بوٹ مورگان لائبریری نیویارک میں تیسری صدی کا ایک نامکمل نسخہ موجود ہے۔ یہ خط کوفی میں چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور اس کے ۱۱ صفحات موجود ہیں۔ اس کا نمبر 'M657' ہے۔

## سعودی عرب میں قدیم مصاحف

مکتبہ عارف حکمت، مدینہ منورہ میں شتر مرغ کے چمڑے پر لکھا ہوا ایک نسخہ موجود ہے جو ۲۸۸ھ میں لکھا گیا ہے۔ اب یہ نسخہ شاہ عبدالعزیز لابریری میں منتقل ہو گیا ہے۔

## فرانس میں قدیم مصاحف

نیشنل لابریری پیرس میں خط کوفی میں چمڑے پر لکھے ہوئے آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے متعدد مصاحف موجود ہیں۔ یہ مصاحف '5179, 5178, 5124, 5123, 5122, 5103' نمبروں کے تحت موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی یہاں کئی ایک مصاحف موجود ہیں۔

## شاہ عبدالعزیز لابریری کے قدیم مصاحف

شاہ عبدالعزیز لابریری کی بنیاد ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء) میں شاہ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود نے رکھی اور اس کا افتتاح ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۲ء) میں شاہ فہد بن عبدالعزیز نے کیا۔ یہ لابریری مدینہ منورہ میں شارع ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا پر واقع ہے۔ یہ لابریری بحث و تحقیق، اسلامی کتب اور منظومات کے ذخائر کے اعتبار سے دنیا کی چند ایک لابریریوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس لابریری میں ۱۴ ہزار منظومے (manuscripts) موجود ہیں۔ علاوہ ازیں منظومات کی فوٹو کاپیاں اور مائیکروفلمز اس کے علاوہ ہیں۔ اس لابریری کا ایک ہال دنیا کی نادر کتابوں پر مشتمل ہے اور اس میں تقریباً ۲۵ ہزار کتب ہیں۔

اس لابریری میں 'مکتبۃ المصحف الشریف' کے نام سے ایک ذیلی لابریری موجود ہے جس میں قرآن کے ۱۸۷۸ نادر منظومے موجود ہیں۔ ان میں ۸۴ ایسے ہیں جو قرآن کی تدوین کے تاریخی مراحل کی کڑیوں کو ایک تسلسل کے ساتھ بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ مصاحف پانچویں صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ مصاحف ۱۱ویں صدی ہجری کے ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً ۷۰ ہے۔

اس لابریری میں سب سے قدیم مصحف ۲۸۸ھ کا ہے جو ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ اس کے کاتب علی بن محمد بطلوسی ہیں۔ اس کے بعد ۵۲۹ھ میں ابوسعید محمد اسمعیل بن محمد کے ہاتھ سے لکھا ہوا مصحف بھی موجود ہے۔ جدید ترین مصحف ۱۴۰۵ھ کا ہے جو محمد صدیق فضل اللہ افغانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس لابریری میں غلام محی الدین کے ہاتھ سے ۱۲۰۲ھ میں لکھا ہوا ایک بہت بڑا مصحف بھی موجود ہے جس کا وزن ۱۵۴ کلوگرام ہے۔ اس کا سائز 80\*142.5 cm ہے۔

## مصاحف عثمانیہ

مصحف عثمانی کس سن میں لکھا گیا تھا؟ اس بارے علماء کا اختلاف ہے۔ راجح قول کے مطابق اس کی تکمیل ۳۰ ہجری میں ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کتنے تھے؟ اس بارے بھی علماء کا اختلاف ہے۔ امام دانی رضی اللہ عنہ اور امام زرکشی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ان کی تعداد چار تھی جن میں سے ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں تھا جبکہ بقیہ تین کوفہ، بصرہ اور دمشق میں بھیجے گئے تھے۔ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ اپنی کتاب میں ان کی تعداد کے

بارے بعض قراء و علماء سے دو روایات لائے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد چار تھی جبکہ دوسری روایت کے مطابق سات تھی جو کہ 'شام'، 'بصرہ'، 'کوفہ' اور 'مدینہ' کے لیے تھے۔ تاریخ یعقوبی میں ان کی تعداد ۹ بھی بیان ہوئی ہے جبکہ ابن جزری رحمہ اللہ نے ان کی تعداد آٹھ بیان کی ہے۔ جمہور علماء کے قول کے مطابق ان مصاحف کی تعداد ۶ تھی۔ جو مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس روکا تھا اسے 'مصحف امام' کا نام دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب بلوایوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو وہ اپنے گھر میں محصور ہو کر رہ گئے۔ جس دن اور جس وقت ان کی شہادت واقع ہوئی ہے، اس وقت وہ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے اور ان کے خون کے قطرے ان کے سامنے موجود مصحف میں سورہ بقرہ کی آیت ﴿فَسَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرہ: ۱۳۷] پر گرے۔ اس وقت سے 'مصحف امام' کے بارے کئی ایک اختلافات امت مسلمہ کی تاریخ میں چلے آ رہے ہیں۔ اس وقت بھی تقریباً پانچ مصاحف کے بارے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ 'مصحف امام' ہے اور ان میں سے ہر ایک پر خون کے قطرے بھی موجود ہیں۔

پہلا مصحف جس کے بارے یہ گمان ہے کہ وہ 'مصحف امام' ہے، 'مصحف مصر' ہے۔ اس پر خون کے قطرات کے نشانات بھی موجود ہیں۔ معروف مصری مؤرخ ابوالعباس مقریزی (متوفی ۸۴۵ھ) نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ مصحف ۵ محرم ۳۷۸ھ کو عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے خزانے سے جامع عمرو بن العاص میں منتقل کیا گیا۔ بعد ازاں یہ مصحف مدرسہ قاضی فاضل میں پڑا رہا۔ اس کے بعد یہ اس قبے میں منتقل کر دیا گیا جو سلطان غوری نے تعمیر کیا تھا جہاں یہ ۱۲۵۵ھ تک رہا۔ اور بالآخر مختلف مراحل سے گزرتا ہوا ۱۳۰۴ھ میں دیوان اوقاف مصر میں پہنچ گیا۔ اب یہ مصحف مسجد حسینی، مصر میں موجود ہے۔ بعض محققین کا کہنا یہ ہے کہ اس مصحف کا مصحف امام ثابت ہونا ایک مشکل امر ہے۔ ہاں! اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ایک ہو جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن اس امکان کا بھی یوں رد کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر کی طرف کوئی مصحف بھیجا ہی نہیں تھا۔ اس لیے بعض محققین نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ہو سکتا ہے جو مصحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کی نقل تھے۔

مصحف بصرہ دوسرا مصحف ہے جس کے بارے مصحف امام ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مسجد امیر المؤمنین، بصرہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ مصحف دیکھا ہے جس پر ان کے خون کے دھبوں کے نشانات موجود تھے۔ اس مصحف کی حفاظت پر سلطان کی طرف سے 'بنوزیان' مقرر تھے۔ ابو الحسن علی مرینی نے ۷۳۸ھ میں بنوزیان سے یہ مصحف واپس لے لیا تھا۔ اس کے بارے بھی محققین کی تحقیق ہے کہ جو مصحف ابن بطوطہ نے بصرہ میں دیکھا ہے وہ مصحف امام نہیں تھا بلکہ ان مصاحف میں سے ایک تھا جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کی طرف بھیجا تھا۔

مصحف تاشقند کے بارے بھی یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ مصحف امام ہے۔ یہ مصحف تاشقند میں 'مکتبۃ الإدارة الدینیۃ' میں محفوظ ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۳۵۳ ہے اور یہ مصحف نقاط و اعراب وغیرہ سے خالی ہے۔ یہ مصحف تاشقند کیسے پہنچا؟ اس کے بارے دو آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے کے مطابق مصر کے مملوک بادشاہ بیبرس نے یہ

تاریخ

حافظ محمد زبیر تیمی

مصحف قبیلۃ ذہبیۃ کے سردار برکت خان کو ہدیہ دیا تھا اور یہ ۶۲۱ھ میں سمرقند پہنچا۔ برکت خان کے بارے میں معروف ہے کہ وہ پہلا منگول سردار ہے جس نے اسلام قبول کیا تھا۔ دوسری رائے کے مطابق یہ وہی مصحف ہے جسے ابن بطوطہ نے بصرہ میں دیکھا تھا اور تیمور لنگ اسے (۷۷۱-۸۰۷ھ) سمرقند لے آیا تھا۔ اس رائے کے قائلین کا یہ بھی کہنا ہے کہ مصحف امام اور سمرقند کے مصحف کے رسم میں مشابہت بہت زیادہ ہے لہذا اس کے مصحف امام ہونے کے امکانات قوی ہیں۔

پہلی رائے پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مصر کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی مصحف بھیجا ہی نہیں تھا تو مصر سے سمرقند یہ کیسے آ گیا؟ مصر کے مصحف کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عبد العزیز بن مروان رضی اللہ عنہ (متوفی بعد ۸۰ھ) نے مصر کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سرکاری نسخے کے مطابق پہلی مرتبہ ایک نقل تیار کروائی تھی جو مصحف مصر کے نام سے معروف ہوئی۔ دوسری رائے پر یہ اعتراض سامنے آیا ہے کہ سمرقند کے مخطوطے کے رسم الخط سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دوسری یا تیسری صدی ہجری کے مصاحف میں سے ایک مصحف ہے لہذا اس کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف درست نہیں ہے۔ اس مصحف کی سطر اس قدر سیدھی ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کسی پیمانے کی مدد سے اس کی سطر میں قائم کی گئی ہیں۔ تاشقند کا مصحف شیخ زاہد بن سلطان آل نہیان کی سرپرستی میں مطبعہ المنار دمشق سے شائع ہو چکا ہے۔ ذیل میں ہم اس مطبوع مصحف کا ایک صفحہ نقل کر رہے ہیں:



مصحف حمص کے بارے بھی یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ مصحف امام ہے۔ شیخ اسماعیل بن عبد الجواد الکلیانی نے

قدیم مصاحف قرآنیہ، ایک تجزیاتی مطالعہ

حصص کے قلعے کی مسجد میں مصحف عثمانی دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کے بقول اس مصحف میں انہوں نے خون کے آثار بھی دیکھے ہیں۔ یہ مصحف خط کوفی میں ہے۔ رسم وخط کے ماہرین کی رائے ہے کہ مصحف حصص پہلی صدی ہجری کے بعد لکھا گیا ہے۔

مصحف استنبول پانچواں مصحف ہے جس کے بارے مصحف امام ہونے کے بارے گمان کیا جاتا ہے۔ اس مصحف کے اوراق پر خون کے نشانات آج تک واضح طور پر موجود ہیں۔ بعض ماہرین کا کہنا یہ ہے کہ یہ سرخ نقاط خون کے قطروں کے نشانات نہیں ہیں۔

### مصاحف صنعاء

۱۹۷۲ء میں مسجد جامع کبیر صنعاء یمن میں بالائی منزل کی ایک دیوار کی مرمت کے دوران مزدوروں کو قرآن اور عربی کتب کے بہت سے قدیم نسخے ملے۔ اس وقت انہوں نے ان نسخوں کی اہمیت نہ جانی اور انہیں ۲۰ کے قریب ٹماٹر کی بور یوں میں بند کر کے مسجد کے ایک منارے کی سیڑھیوں کے پاس رکھ دیا۔

کافی عرصے بعد یمن میں محکمہ آثار قدیمہ کے صدر جناب قاضی اسماعیل اوع نے ان پارچہ جات کی اہمیت محسوس کی اور ان کے معائنے کے لیے مغربی جرمنی سے عربی حروف کی پہچان کے ماہر جرمن مستشرق ڈاکٹر پیون (Dr. Gerd Puin) کو بلوایا۔ ڈاکٹر پیون نے ۱۹۸۳ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک ۴۰ ہزار صفحات میں سے ۱۵ ہزار صفحات پر کام کیا جن میں سے ۱۲ ہزار صفحات قدیم مصاحف کے تھے۔ ڈاکٹر پیون کے بقول کاربن ڈیٹے کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ ان مصاحف میں پہلی اور دوسری صدی ہجری کے نسخے بھی شامل ہیں۔ بہر حال اس کام کے دوران قدیم مصاحف کے تقریباً ۱۵ ہزار صفحات کو صاف مرتب اور منظم کیا گیا جو اس وقت جامع کبیر کے سامنے قائم شدہ 'دارالمخطوطات' میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر حمدون غسان کے بقول اب تک تقریباً ۱۰۰ سے زائد مصاحف مرتب کیے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر پیون نے علم تاریخ قراءت، قرآنی رسم الخط میں اختلافات کے علم اور علوم قرآنیہ سے جہالت کی بنیاد پر اپنی اس تحقیق سے منفی نتائج برآمد کرنے کی کوشش کی کہ جس میں اس کو کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر پیون نے اپنے موضوع تحقیق سے تجاویز کرتے ہوئے انتہائی سطحی انداز میں قرآن کی 'عربی میں' کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"My idea is that the Koran is a kind of cocktail of texts that were not all understood even at the time of Muhammad. Many of them may even be a hundred years older than Islam itself. Even within the Islamic traditions there is a huge body of contradictory information, including a significant Christian substrate; one can derive a whole Islamic anti-history from them if one wants. The Qur'an claims for itself that it is 'mubeen,' or clear, but if you look at it, you will notice that every fifth sentence or so simply doesn't make sense. Many Muslims will tell you otherwise, of course, but the fact is that a fifth of the Qur'anic text is just incomprehensible. This is what has caused the traditional anxiety regarding translation. If the Qur'an is not comprehensible, if it can't even be understood in Arabic, then it's not translatable into any language. That is why Muslims are afraid. Since

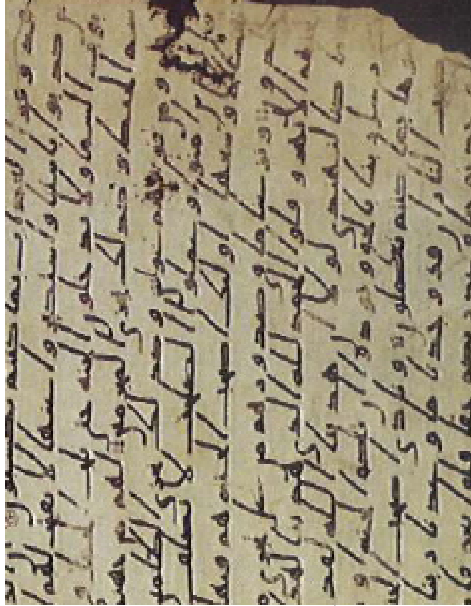
the Qur'an claims repeatedly to be clear but is not-there is an obvious and serious contradiction. Something else must be going on."

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے رسالہ اصول تفسیر میں اس بات کو اچھی طرح واضح کیا ہے کہ قرآن میں تفسیر کا اختلاف، اختلاف تنوع ہے نہ کہ اختلاف تضاد لہذا ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل، تشابہ، عبارت نص، دلالت نص، اقتضائے نص، دلالت اولیٰ اور مفہوم مخالف جیسی اصولیبحاث کے تناظر میں اگر قرآن کی تفسیر کے ممکنہ متنوع پہلو سامنے آتے ہیں تو اس میں تو قرآن کا ایجاز ہے نہ کہ نقص کلام۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں قرآن میں اختلاف تضاد نہ ہونے کے برابر ہے۔ تضاد کا اختلاف مابعد کے ادوار میں نمایاں ہوا ہے جب باطنیہ روافض، صوفیاء، خوارج، معتزلہ اور دوسرے کلامی فرقوں نے اپنے مذہبی اور سیاسی نظریات کی تائید کے لیے قرآنی آیات کو تختہ مشق بنایا۔

### مصاحف صنعاء اور معاصر مصاحف کا تقابلی مطالعہ

جرمن مستشرقین کے منفی پروپیگنڈا کے نتیجے میں بعض علماء نے مصاحف صنعاء کے بارے صحیح معلومات عوام الناس اور علمی حلقوں تک پہنچانے کے لیے تحقیق کا فریضہ سرانجام دیا۔ ڈاکٹر غسان حمدون نے 'وزارة الثقافة والسیاحة الهيئة العامة للآثار والمخطوطات والمتاحف' الجمہوریۃ الیمنیۃ سے اجازت لے کر ان قدیم مصاحف کا مطالعہ کیا اور ان کے بعض صفحات کا معاصر مصاحف کے ساتھ تقابل بھی پیش کیا ہے۔

### پہلی صدی ہجری اور معاصر مصحف کا تقابلی جائزہ

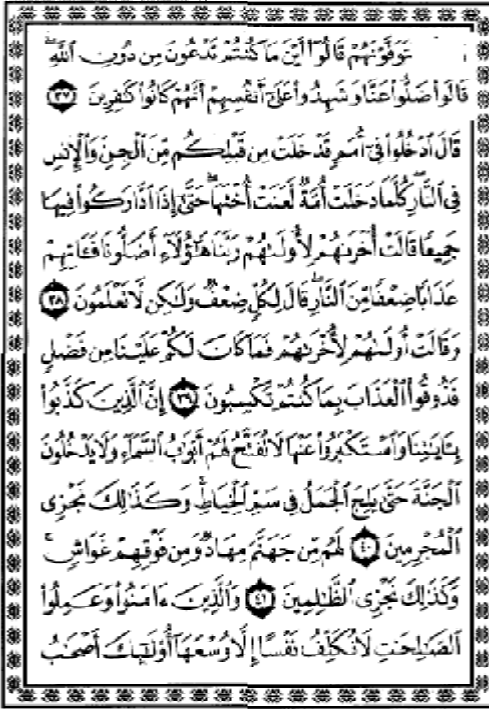


ڈاکٹر بیون کی تحقیق کے مطابق یہ تصویر پہلی صدی ہجری کے مصحف کی ہے۔ یہ سورۃ اعراف کی آیات ۳۷ کے

قدیم مصاحف قرآنیہ، ایک تجزیاتی مطالعہ

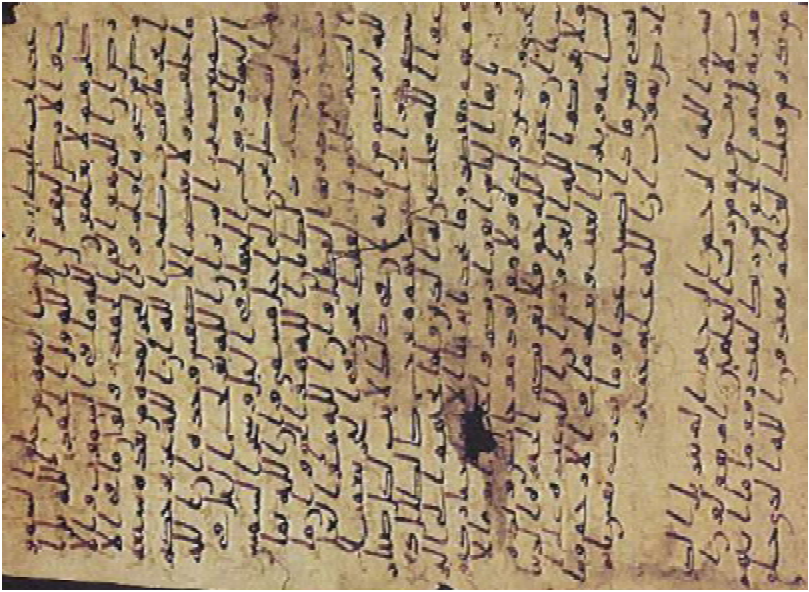
درمیان سے ۴۴ کے درمیان تک پر مشتمل ہے۔ نوں لائن میں ۱۰ آیات کے ختم ہونے کی علامت بھی ہے۔ اس مخطوطے اور معاصر مطبوعہ مصحف میں سوائے ایک کلمہ کے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ کلمہ ما کا کلمہ مخطوطے میں منفصل ہے جبکہ مطبوعہ مصحف میں یہ ایک ہی حرف کی صورت میں 'کلمما' موجود ہے۔ اس سے نفس کلام پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ رسم الخط کے اس قسم کے اختلافات تو علمائے رسم الخط یعنی ابن ابی داؤد، ابو داؤد و سلیمان بن نجاج اور امام دانی رحمہم میں بھی مل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مجمع ملک فہد کے مصحف مدینہ میں بھی بعض کلمات کے رسم الخط میں اختلاف کی صورت میں علماء نے ترجیح کے اصول قائم کیے ہوئے ہیں۔ مصحف مدینہ کے آخر میں ہے:

”وأخذ هجاؤه مما رواه علماء الرسم عن المصاحف التي بعث بها الخليفة الراشد عثمان ابن عفان رضي الله عنه إلى البصرة والكوفة والشام ومكة، والمصحف الذي جعله لأهل المدينة، والمصحف الذي اختص به نفسه، وعن المصاحف المنتسخة منها. وقد روي في ذلك ما نقله الشيخان أبو عمرو الداني وأبو داؤد سليمان بن نجاج مع ترجيح الثاني عند الاختلاف.“



تفسیر





زین

عَذَابٍ مُّهِينٍ ﴿١٦﴾  
 وَلَئِن مَّسَّاهُمْ مِنْ حَلَقٍ لَنَسْمُوتْنَ وَأَنْ لَآ تَرْضَيْنَ اللَّهُ قَالَ  
 لَعَلَّكَ بَدِئْتَ أَلَكُمُ الْوَعْدَ لَئِن لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ فِعْلُ الْوَعْدِ  
 لَشَيْئًا لَأَرْضِينَ لَهُنَّ الْفُجُورُ الْحَمِيدُ ﴿١٧﴾ وَأَوَّحَيْنَا إِلَى الْأَرْضِ  
 مِنْ مَجْدِهِ إِنَّهَا إِذْ خَبَرْتُهَا مِنْ مَعْبُودِي سُبْحَةَ أَنْظُرِي  
 مَا هَدَيْتِ كَلِمَاتِ الْوَعْدِ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ مَا خَلَقَكُمْ  
 وَلَا نَسَبَكُمْ إِلَّا أَنْ تَقُولُوا لِلَّهِ حَسْبُ الْوَعْدِ ﴿١٩﴾  
 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِي الْأَنْهَارِ فِي سُبْحَاتِهِ الْوَيْلُ  
 وَيَسْفَعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَآذَنُوا  
 بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٢٠﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٢١﴾  
 يَسْأَلُ عَنِ السَّاعَةِ أَلَمْ يُبَيِّنْ لِلنَّاسِ فِي الْكُتُبِ أَنَّ السَّاعَةَ  
 آتِيَةٌ وَهُمْ لَا يَحْكُمُونَ ﴿٢٢﴾ وَإِنَّمَا تَحْكُمُونَ بِأَنفُسِكُمْ  
 وَلَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَتَحْتَسِبُوا  
 لَهُ فَيُخَوِّدْكُمْ بِمَا تَكْفُرُونَ ﴿٢٣﴾ وَإِنَّمَا تَحْكُمُونَ بِأَنفُسِكُمْ  
 وَلَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَتَحْتَسِبُوا  
 لَهُ فَيُخَوِّدْكُمْ بِمَا تَكْفُرُونَ ﴿٢٤﴾

فِيهِمْ أَشْجَعِدُ وَمَا هِيَ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ أَفَرَأَوْهُمْ  
 كَفَرُوا ﴿٢٥﴾ تِلْكَ الْأَنْفُسُ الَّتِي أُفْوِدْنَا إِلَى الْمُشْرِكِينَ  
 لِيَفْعَلُوا بِهَا أَعْمَارًا لَمْ يَكُن لَكُمْ عَلَيْهَا فَعْلٌ  
 وَكُنْتُمْ عَنْهَا مُخْمَلِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ  
 عَلَى النَّاسِ لَئِن كَانَ اللَّهُ غَافِقًا لَأَسْفَلَ  
 سَفَاتٍ ﴿٢٧﴾ وَإِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ  
 وَلَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ  
 وَتَحْتَسِبُوا لَهُ فَيُخَوِّدْكُمْ بِمَا تَكْفُرُونَ ﴿٢٨﴾  
 وَإِنَّمَا تَحْكُمُونَ بِأَنفُسِكُمْ وَلَئِن كُنْتُمْ  
 تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَتَحْتَسِبُوا  
 لَهُ فَيُخَوِّدْكُمْ بِمَا تَكْفُرُونَ ﴿٢٩﴾



مستشرقین قراءات متواترہ یا رسم الخط کے مذکورہ بالا معمولی اختلافات کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن کے مابین اختلافات کو نمایاں کرتے ہیں اور اپنے تئیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن میں ہر دور میں اختلاف رہا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ عامی مسلمانوں کا قرآن کے بارے عقیدہ یہی ہے کہ انہوں نے روایت حفص میں بطور قرآن جو کچھ پڑھ لیا ہے، اس میں کسی زیر، زبر، پیش یا حرف کا اضافہ بھی جائز یا ممکن نہیں ہے۔ ٹوبی لیسٹر Toby Lester لکھتا ہے:

"Some of the parchment pages in the Yemeni hoard seemed to date back to the seventh and eighth centuries A.D., or Islam's first two centuries—they were fragments, in other words, of perhaps the oldest Korans in existence. What's more, some of these fragments revealed small but intriguing aberrations from the standard Koranic text. Such aberrations, though not surprising to textual historians, are troublingly at odds with the orthodox Muslim belief that the Koran as it has reached us today is quite simply the perfect, timeless, and unchanging Word of God."

یہ عقیدہ مسلمان اہل علم میں سے کسی کا بھی نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان عوام بھی اپنے عقیدے میں اہل علم ہی کے تابع ہیں۔ آج اگر کسی دیوبندی یا اہل حدیث عامی کو قرآن کی کسی ایسی قراءت کے بارے معلوم ہوتا ہے جس سے وہ پہلے واقف نہیں تھا تو اس کی حقیقت جاننے کے لیے وہ اپنے مسلک کے اہل علم ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اہل علم کے اطمینان دلانے پر اسے اطمینان حاصل بھی ہو جاتا ہے۔ پس قرآن کے بارے اصل عقیدہ اہل علم کا ہے اور جمیع اہل علم اور فقہی مکاتب فکر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اہل الحدیث اور اہل الظاہر وغیرہ قرآن کی متواتر قراءات کے اختلافات کے قائل ہیں۔ اسی طرح رسم الخط کے ماہر علماء رسم الخط کے اختلافات اور ان کی باریکیوں سے بھی واقف ہیں۔ پس مستشرقین جب قرآن میں اس قسم کے اختلافات ثابت کرتے ہیں تو ماہرین فن کا عمومی رویہ یہی ہوتا ہے کہ ابھی بچے ہیں، اس فن کی باریکیوں سے واقف نہیں ہیں، جلد ہی سمجھ جائیں گے۔ جبکہ مستشرقین اپنے اس حنفی پروپیگنڈے سے عوام الناس کے عقیدے کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے کہ رسم عثمانی، قراءات، آیات کی تعداد، علم الضبط کے اختلافات کو آسان فہم انداز میں دنیاوی طور پر پڑھے لکھے عوامی حلقوں میں جدید اسلوب بیان میں عام کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس قسم کے اختلافات کے سامنے آنے پر لوگ ان کو قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں۔ دوسری اہم ضرورت اس امر کی ہے کہ حروف، خط، رسم الخط اور تحریر کے متعلقہ علوم میں ماہرین فن پیدا کیے جائیں تاکہ امت مسلمہ کو قرآنی منظومات کی تحقیق و تدوین اور تہذیب و تنقیح کے لیے ایسے غیر مسلم مستشرقین کی خدمات کی ضرورت محسوس نہ پڑے جو اپنی تحقیق کو اسلام دشمنی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

## مختلف صدیوں کے قدیم مصاحف کی تصاویر

اگلے صفحات میں، ہم مختلف صدیوں میں لکھے گئے مصاحف میں سے چند ایک کی تصاویر پیش کر رہے ہیں:

fragments, in other words, of perhaps the oldest Korans in existence. What's more, some of these fragments revealed small but intriguing aberrations from the standard Koranic text. Such aberrations, though not surprising to textual



historians, are troublingly at odds with the orthodox Muslim belief that the Koran as it has reached us today is quite simply the perfect, timeless, and unchanging Word of God."

یہ عقیدہ مسلمان اہل علم میں سے کسی کا بھی نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان عوام بھی اپنے عقیدے میں اہل علم ہی

ماہنامہ



کے تابع ہیں۔ آج اگر کسی بریلوی، دیوبندی یا اہل حدیث عامی کو قرآن کی کسی ایسی قراءت کے بارے میں معلوم ہوتا ہے

حافظ محمد زبیر تیمی

جس سے وہ پہلے واقف نہیں تھا تو اس کی حقیقت جاننے کے لیے وہ اپنے مسلک کے اہل علم ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اہل علم کے اطمینان دلانے پر اسے اطمینان حاصل بھی ہو جاتا ہے۔ پس قرآن کے بارے اصل عقیدہ اہل علم



کا ہے اور جمیع اہل علم اور فقہی مکاتب فکر حنفیہ مالکیہ شافعیہ حنابلہ اہل الحدیث اور اہل الظاہر وغیرہ قرآن کی متواتر قراءات کے اختلافات کے قائل ہیں۔ اسی طرح رسم الخط کے ماہر علماء رسم الخط کے اختلافات اور ان کی باریکیوں سے بھی واقف ہیں۔ پس مستشرقین جب قرآن میں اس قسم کے اختلافات ثابت کرتے ہیں تو ماہرین فن کا عمومی رویہ

ابھی بچے ہیں  
بارکیوں سے  
جلد ہی سمجھ  
جبکہ مستشرقین  
پروپیگنڈے  
کے عقیدے  
کرنا چاہتے  
کی ایک اہم  
کہ رسم عثمانی  
آیات کی  
کے  
آسان فہم



یہی ہوتا ہے کہ  
اس فن کی  
واقف نہیں ہیں  
جائیں گے۔  
اپنے اس منفی  
سے عوام الناس  
کو متزلزل  
ہیں۔ یہ وقت  
ضرورت ہے  
قراءات  
تعداد علم الضبط  
اختلافات کو

قدیم مصاحف قرآنیہ، ایک تجزیاتی مطالعہ

انداز میں دنیاوی طور پر پڑھے لکھے عوامی حلقوں میں جدید اسلوب بیان میں عام کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس قسم کے اختلافات کے سامنے آنے پر لوگ ان کو قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں۔ دوسری اہم ضرورت اس امر



کی ہے کہ حروف، خط، رسم الخط اور تحریر کے متعلقہ علوم میں ماہرین فن پیدا کیے جائیں تاکہ امت مسلمہ کو قرآنی مخطوطات کی تحقیق و تدوین اور تہذیب و تنقیح کے لیے ایسے غیر مسلم مستشرقین کی خدمات کی ضرورت محسوس نہ پڑے جو اپنی تحقیق

ماہرین



کو اسلام دشمنی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔



### مصادر و مراجع

یہ مضمون درج ذیل مصادر و مراجع سے اخذ و استفادہ پر مبنی ہے:

- ۱- المخطوطات القرآنیة في صنعاء من القرن الأول والثاني الهجريين؛ ڈاکٹر غسان حمدون .
- ۲- المصاحف المخطوطة في القرن الحادى عشر الهجري بمكتبة المصحف الشريف في مكتبة الملك عبد العزيز؛ دكتور عبد الرحمن بن سليمان المزيني؛ المكتبة الشاملة .
- 3- Aqdam ul Makhtootat Al-arbia fi Maktabat el Aalam, Unknown, Retrieved 10 December, 2010, from - "<http://www.alyaseer.net/vb/showthread.php?t=5199>"
- 4- Azwa Ala Mushaf e Usman Wa Rehlata ho Sharqan wa Garban, Dr. Sahr Al-sayyad Abdul Aziz Salim, Retrieved 10 December, 2010, from "<http://elislam.8k.com/Tagweed/ketab7/T7.HTM>"
- 5- Sana'a manuscripts, Unknown, Retrieved 30 December, 2010, from "[http://en.wikipedia.org/wiki/Sana%27a\\_manuscripts](http://en.wikipedia.org/wiki/Sana%27a_manuscripts)"
- 6- Retrieved 30 December, 2010, from <http://makhtoot.com/vb/t428.html>

ڈاکٹر سحر السید عبدالعزیز سالم\*  
مترجم: فواد بادشاہ\*

## مصحف عثمانی کی اشاعت اور شرق و غرب میں منتقلی

تمام مصادر عربیہ اس بات پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی کے فوراً بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کتابت وحی کا حکم دیتے اور ہر نازل شدہ قرآنی آیت کو فوراً ضبط کر لیا جاتا تھا۔

اس کتابت کا سہرا بالاتفاق چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سر پر رکھا گیا۔

① حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ      ② حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

③ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ      ④ حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ

یہ چاروں صحابہ انصار میں سے تھے جبکہ دو کے بارے میں اختلاف ہے جن میں ایک ابودرداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس وقت کے حالات کے پیش نظر صحابہ کرام قرآن کو مختلف ٹکڑوں، ہڈیوں، کھجوروں کی لکڑیوں اور چمڑے وغیرہ پر لکھ لیتے تھے۔ گویا کہ نصوص قرآنی کا مواد ان چیزوں کے اندر محفوظ تھا۔ اسی وجہ سے آیات قرآنی جدا اور بکھری ہوئی تھیں اور بہت سے صحابہ نے ان آیات کو اپنے سینوں میں بھی محفوظ کیا ہوا تھا۔ لہذا اس طرح قرآن کریم کے محفوظ کرنے کے دو طریقے ہوئے:

① طریقہ صوتی      ② طریقہ کتابی

لیکن اس زمانے میں کاتبین کی قلت کے پیش نظر پہلی صورت 'طریقہ صوتی' زیادہ آسان تھی۔ اس وجہ سے لوگ اکثر اپنے حافظوں پر اکتفا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے متصل بعد سلطنت اسلامیہ کی حالت میں تبدیلی رونما ہوئی حتیٰ کہ خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کئی فتنوں کا سامنا کرنا پڑا جن میں سب سے بڑا فتنہ مرتدین کا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر تردد اور سوچ و بیچار کے ان کے خلاف خروج کیا اور انہی کے خلاف جنگ یمامہ ہوئی جس میں تقریباً ایک ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں سے ۲۵۰ حفاظ تھے۔ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو ضائع ہونے کے ڈر سے جمع کرنے کا ارادہ کیا اور یہ ذمہ داری زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کی کیونکہ وہ قرآن کو پختہ طریقے سے یاد کرنے والے اور کاتبین وحی میں سے تھے۔ اس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خدمت عظمیٰ کیلئے آگے بڑھے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی معاونت کی۔ ادھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اس معاہدے کے مطابق جو انہوں نے امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا تھا، اس کو پورا کرنے کے لیے قرآن کریم کو جمع کرنا شروع کر دیا جب تک کوئی اپنے لکھے ہوئے پر

\* أستاذة التاريخ الإسلامي والحضارة الإسلامية، كلية الآداب، جامعة الاسكندرية، مصر

☆ متعلم رابعة كلية الشريعة، جامعلاهور الاسلاميه



ذکر طحیح السید عبد العزیز سالم

دو گواہ نہ لے آتا تھا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس وقت اس لکھے ہوئے کو قبول نہ کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے اس کام میں کامیاب ہو گئے اور قرآن کریم کو ایک کتابی شکل میں جمع کر دیا گیا۔ اسی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے ’جامع القرآن‘ کے نام سے متعارف ہوئے اور اس جمع شدہ قرآن کو عرف میں ’مصحف‘ کہا جاتا ہے۔

یہ مصحف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کی شہادت کے بعد اس مصحف کو اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا گیا جو کہ بذات خود قرآن کی قاری تھیں۔

غالب گمان یہی ہے کہ یہ مصحف خط لیلین (مکی خط) میں لکھا گیا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مصحف خط جاف (مدنی خط) اور خط لیلین (مکی خط) دونوں میں لکھا گیا۔

### مصحف عثمانی اسلامی شہروں میں

خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ آرمینیا اور آذربائیجان جیسے عظیم الشان علاقے سلطنتِ اسلامیہ کا حصہ بنے۔ ان مفتوحہ علاقوں میں حدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں قراءت کا اختلاف پایا جو کہ مختلف لہجوں کی بنا پر تھا۔ یہ سارا ماجرا دیکھ کر حضرت حدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فوراً مدینہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

”أدرک هذه الأمة قبل أن یختلفوا اختلاف الیهود والنصارى.“ [صحیح البخاری: ۴۹۸۸]

”اے امیر المؤمنین! اس وقت امت کا تدارک کرو قبل اس کے کہ وہ آپس میں اختلاف کریں جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اختلاف کیا۔“

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت حدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے الفاظ سن کر بڑے متاثر ہوئے اور ارادہ کر لیا کہ کیوں نہ قرآن کو ایک نسخے کی شکل میں مرتب کیا جائے اور پھر مختلف شہروں کی طرف روانہ کر دیا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مصحف ابوبکر رضی اللہ عنہ منگوا یا تا کہ اس کو دیکھ کر اسے نوا ایک نیا مصحف مرتب کیا جائے۔ اب اس مہمِ عظیم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ کام زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ جب کاتبین اپنی کتابت سے فارغ ہو کر اس مصحف کو منظر عام پر لائے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف عثمانی کے علاوہ باقی عام و خاص تمام مصاحف کو جلانے کا حکم دے دیا۔

### مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ مکمل کب ہوا؟

اس میں اختلاف ہے کہ مصحف عثمانی کب پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس میں جو قول راجح معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ مصحف ۳۰ ہجری کو مکمل ہوا۔

### یہ مصاحف کس نام سے معروف ہوئے؟

مسلمانوں کو اختلاف سے بچانے کے لیے جو مصاحف ایک ہی قراءت پر لکھے گئے وہ ’مصحف آئمہ‘ اور ’مصحف عثمانیہ‘ کے نام سے معروف ہوئے۔

مصحفِ عثمانی کی اشاعت اور شرق و غرب میں منتقلی

## لکھے جانے والے مصاحف کتنے تھے؟

اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ جو مصاحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوائے، ان کی تعداد کیا تھی۔

### ابو عمر والدانی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف مرتب کروائے ان کی تعداد چار تھی۔ جن میں سے ایک کوفہ روانہ کیا گیا، دوسرا بصرہ میں، تیسرا دمشق میں اور چوتھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

اسی مؤقف کی تائید امام زکریا رضی اللہ عنہ نے 'البرہان' میں اور امام حذو والدانی رضی اللہ عنہ 'المقتع' میں کرتے ہیں۔

④ امام جستانی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں:

① مصاحف عثمانی حمزہ الزیات کی قراءت پر لکھے گئے اور یہ کل چار تھے۔

② ان مصاحف کی تعداد سات تھی جو کہ مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، کوفہ اور مدینہ کی طرف روانہ کئے گئے۔

امام یعقوبی فرماتے ہیں مصاحف عثمانی کی تعداد ۹ تھی۔

③ ابن الجوزی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مصاحف عثمانیہ کل آٹھ تھے جن میں سے ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے رکھا اور باقی مختلف شہروں کی

طرف روانہ کر دیئے۔ جو مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خاص کیا تھا اس کو 'الامام' کہا جاتا ہے۔

جمہور علمائے نزدیک مصاحف عثمانیہ کی تعداد چھ تھی۔

### مصحف عثمانی شخصی

مصادر عربیہ اس پر متفق ہیں کہ جب محاصرین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھراؤ کیا جو کئی دنوں تک رہا اس کے

آخری دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف خاص کو پکڑا اور اپنی گود میں رکھا اور تلاوت کرنے لگے۔ اسی حالت

میں دشمنوں نے حملہ کیا جسم سے خون کے قطرات ٹپکے اور مصحف امام کے اوراق میں سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرة: ۱۳۷] پر گرے۔

یہاں سے مصحف عثمانی شخصی کے متعلق کنیدعوے سامنے آئے جو درج ذیل ہیں:

### ① مصحف مصر کے متعلق

وہ مصحف جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قطرات نمایاں تھے وہ مصحف مصر ہے۔

**مقریزی:** یہ مصحف عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے خزانے سے نکلا تھا۔ اس کے بعد اس کو ۵ محرم ۳۷۸ ہجری کو عزیز

باللہ کے دور خلافت میں جامع عمرو کی طرف منتقل کر دیا گیا (لیکن اس کے منتقل ہونے کے متعلق کوئی تاریخی نص نہیں

ملتی۔ پھر مدت طویلہ تک یہ مصحف (جو بعض لوگوں کے گمان کے مطابق مصحف عثمان ہے) مدرسہ القاضی الفاضل جو کہ

مشہد حسینی کے قریب تھا اس میں محفوظ رہا۔ پھر یہ مدرسہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا اور اس مصحف کو سلطان غوری کے تعمیر

کردہ قُبہ جو کہ اسی مدرسہ القاضی فاضل کے سامنے تھا اس میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۲۷۵ ہجری تک یہ مصحف اسی جگہ محفوظ

رہا پھر یادگار نبویہ کو مسجد زینبی کی طرف لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے اس قیمتی خزانے کو ایک قلعہ میں رکھ دیا گیا۔

ڈاکٹر سحر السید عبدالعزیز سالم

۱۳۰۴ ہجری میں اس مصحف کو محکمہ اوقاف کے سپرد کر دیا اور وہاں سے اگلے سال قصر عابدین میں پھر اسی سال مسجد حسینی میں منتقل کیا گیا۔

**امام سہود:** یہ بات یا دعویٰ بعید از قیاس ہے کہ یہ مصحف حقیقتاً وہی مصحف ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خاص کیا تھا۔ ہاں البتہ یہ احتمال ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ہو جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف اسلامی شہروں کی طرف روانہ کئے تھے۔

**اعتراض:** امام سہود کے اس قول پر ہماری طرف سے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ ایک وہم ہے جس کی حقیقت کی طرف ہم اشارہ کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصاحف مختلف شہروں کی طرف بھیجے تھے تو اس وقت مصر کی طرف کوئی مصحف نہیں بھیجا تھا۔

ابو عبید قاسم بن سلام رضی اللہ عنہ، سجستانی رضی اللہ عنہ، ابو عمرو دانی رضی اللہ عنہ، یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر کی طرف کوئی نسخہ روانہ نہیں کیا تھا۔

**ڈاکٹر سعد ماہد:** میں نے مصحف مصر کو غور سے پڑھا ہے، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس مصحف کا خط بعد والے زمانے کا تھا نہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کا؟

ہماری رائے یہ ہے کہ وہ مصحف مصاحف عثمانیہ سے نقل شدہ ہے جیسے مصحف شام ہے۔ کیونکہ عہد اموی میں تصانیف و تدوین کا سلسلہ زوروں پر تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے مصحف سے کئی مصاحف تیار کروا کر مختلف شہروں کی طرف روانہ کئے ان شہروں میں مصر بھی قابل ذکر ہے۔

## ④ مصحف بصرہ کے متعلق

**ابن بطوطہ:** مصحف بصرہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے 'مسجد امیر المؤمنین' جو کہ بصرہ میں ہے، میں مصحف کا مشاہدہ کیا وہ واقعی وہی مصحف تھا جو شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پڑھ رہے تھے اور خون کے قطرات اس ورق پر موجود تھے جس میں اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ہے۔ [البقرة: ۱۳۷]

لیکن ہم اس قول کو بعید از قیاس تصور کرتے ہیں کہ یہ حقیقتاً وہی مصحف ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاص تھا کیونکہ بنی زیان نے اس کو اپنے بادشاہوں کے خزانے میں محفوظ کیا ہوا تھا جو کہ تلمسان میں تھا۔ ۷۳۸ھ (۱۳۳۷ء) کو ابوالحسن علی المرینی نے تلمسان کو فتح کیا اور اس خزانے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ جب ابن بطوطہ نے عراق میں مصحف دیکھا اس وقت اس مصحف کو ۱۲۹۵ء سے مغل خاندان کی حکومت قائم ہوئی کے بعد ایران میں رکھا گیا۔ اگر ہم بالفرض مان لیں کہ وہ مصحف جو ابن بطوطہ نے بصرہ میں دیکھا وہ مصحف عثمان ہی ہے جو کہ بغداد سے سقوط بغداد کے بعد ۶۵۶ھ میں بصرہ کی طرف منتقل کر دیا گیا اور وہاں مغل خاندان کے ہاتھوں میں رہا، تو پھر مصحف عثمان رضی اللہ عنہ جس پر خون کے قطرات تھے اس کا مغرب میں مرینی خاندان کے خزانے میں موجود ہونے کا دعویٰ ناممکن ہے۔

مغربی مصحف کے بارے میں ہمیں کوئی شک نہیں کیونکہ یہ مصحف اولاً جامع قرطبہ میں رہا پھر وہاں سے مؤحدین نے ضائع ہونے کے ڈر سے اس کو مراکش میں منتقل کر دیا اور وہاں اس کو عجائب گھر میں رکھ دیا گیا۔ اس وقت اس کے

مصحف عثمانی کی اشاعت اور شرق و غرب میں منتقلی

اور اوراق مصحف عثمانی سے کچھ کم تھے۔ یہی بات ہمیں شک میں ڈالتی ہے کہ ابن بطوطہ کا دیکھا ہوا مصحف کیا واقعتاً مصحف عثمانی شخصی ہے۔ اس وقت پھر ہمارے لیے سوائے ایک فرضی بات کے کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ یہ مصحف جو بصرہ میں محفوظ تھا یہ ان مصاحف میں سے ہو جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عراق میں بھیجا تھا اور خون کے قطرات اس پر عمداً حقائق پر پردہ پوشی کرنے کے لیے اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ مصحف خلیفہ شہید کا مصحف ہے، بکھیرے گئے تھے۔

### ۳) 'مصحف تاشقند' کے متعلق

تاشقند میں مکتبہ ادارہ دینیہ اوراق پر لکھے ہوئے ایک مصحف کو محفوظ کئے ہوئے تھا جس کے بارے میں گویا دعویٰ ہے کہ یہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔ اس مصحف کا امتیاز یہ ہے کہ یہ نقطوں سے خالی ہے اور اس کا ہر صفحہ ۱۲ لائنوں پر مشتمل ہے۔ اوراق کی تعداد ۳۵۳ ہے اور اس کی لمبائی ۶۸ سم چوڑائی ۵۳ سم ہے۔

مصحف امام سمرقند وہاں سے ۱۸۶۹ء کو تاشقند پہنچا؟

اس سوال کو حل کرنے کے لیے دو مفروضے ہیں:

① (۶۲۱ تا ۹۰۷ ہجری) کے درمیان جب قبیلہ ذہیبیہ کی حکومت سمرقند میں قائم ہوئی اس وقت یہ مصحف سمرقند پہنچا پھر پیرس کے مغل خاندان کے سردار برکت خان کو تحفے میں دے دیا گیا۔

② مؤرخین کے اقوال کے مطابق یہ وہی مصحف ہو جس کی ابن بطوطہ نے بصرہ میں زیارت کی تھی۔ پھر وہاں سے (۷۷۱ تا ۸۰۷ ہجری) کے درمیان میں تیمور لنگ کے ہاتھوں سمرقند منتقل ہوا۔

پہلا فرضی قول مطلق طور پر باطل ہے کیونکہ مصحف مصر کی نسبت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا مشکوک معاملہ ہے۔ اس صورت میں مصحف پیرس کی نسبت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف کمزور پڑ جائے گی کیونکہ مصر میں بادشاہوں کے زمانے میں کل دو مصحف محفوظ تھے جو مصاحف عثمانیہ میں سے تھے لیکن یہ بات حقیقت حال کے بالکل الٹ ہے۔ کیونکہ مصحف 'امام' جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قطرات گرے تھے وہ صرف ایک تھا، جس کو اس حقیقت کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے جو کہ حقیقت نہیں ایک مفروضہ ہے۔ کیونکہ اس دعوے کا رد تین طرح سے ہوتا ہے۔

① مصر میں دو مصحف تھے جبکہ مصحف 'امام' جو خون عثمان رضی اللہ عنہ سے رنگین ہوا وہ ایک تھا۔

② دوسرا یہ کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلامی شہروں کی طرف مصاحف روانہ کئے تو اس وقت مصر کی طرف کوئی مصحف نہیں بھیجا تو پھر یہ مصر میں موجود دو مصاحف کہاں سے آگئے؟

③ مصر میں پہلا مصحف عبدالعزیز بن مروان نے لکھوایا جو کہ مصحف عثمان کے مطابق تھا۔

بعض ناقدین نے اس کو قبول کیا ہے اور بعض نے اس کو بھی کمزور کہا ہے۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ مصحف بصرہ سے سمرقند منتقل کیا گیا، وہ اس کو ان مصاحف میں سے ایک شمار کرتے ہیں جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف بلاد اسلامیہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس میں وہ رسم الخط کو سند اور دلیل بناتے ہیں کہ مصحف تاشقند کا رسم الخط مصحف 'امام' کے رسم الخط کے بہت زیادہ قریب ہے۔ ان لوگوں کا اس دوسرے قول کی تائید کرنا اس بات کو منحصر ہے کہ مصحف سمرقند ممکن ہے کہ وہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ ہو جو کہ بصرہ کی طرف روانہ کیا گیا ہو۔ جو لوگ اس دوسرے مفروضے کو کمزور تصور کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مصحف تاشقند کی صنعت و فنکاری اور رسم الحروف اس

ب  
ع  
ن  
ا

ڈاکٹر سحر السید عبدالعزیز سالم

بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس مصحف کا تاریخ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ خط تو دوسری یا تیسری صدی ہجری کا ہے۔

### دعویٰ نمبر ۴: مصحف حمص کے متعلق

شیخ اسماعیل بن عبد الجواد کیالی نے حمص کی مسجد قلعہ میں اس مصحف کو دیکھا جو کہ وہاں محفوظ کیا ہوا تھا اور شیخ کیالی بیان کرتے ہیں کہ یہ مصحف خط کوفی میں لکھا گیا ہے اور اس پر خون عثمان رضی اللہ عنہ کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن علم الخط اور نقوش و کتابت کے خاص علماء کا خیال ہے کہ خط کوفی جس کے ساتھ مصحف حمص لکھا گیا ہے یہ بعد کے زمانے کا ہجو پہلی صدی ہجری کے بعد لکھا گیا۔

### دعویٰ نمبر ۵: مصحف استنبول کے متعلق

استنبول کے عجائب گھر میں کاغذ پر لکھا ہوا ایک مصحف محفوظ ہے جس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ مصحف وہی ہے جو شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا اور خون کے قطرات کے نشانات اب تک اس کے اوراق پر نمایاں ہیں۔ لیکن اس مصحف کے اوصاف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ سُرخ نقطے جس کو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قطرات تصور کرتے ہیں سوائے لکیروں اور دائروں کے کچھ بھی نہیں ہیں۔ لہذا اس مصحف کو مصاحف عثمانیہ میں سے شمار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس طرح کی لکیریں اور دائرے مصاحف عثمانیہ کے خصائص میں سے نہیں۔

مصادر عربیہ میں سے بعض اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ مصحف عثمان کے بعض اوراق جن پر خون کے قطرات تھے وہ ۵۵۲ھ تک جامع قرطبہ میں محفوظ رہے پھر ان کو عبدالؤمن بن علی خلیفہ موحدین نے مراکش منتقل کیا۔ ابن مرین کے زمانے تک یہ مغرب میں ہی رہے۔

لیکن ہمارا خیال ہے کہ مذکورہ مصحف، مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کے چند اوراق پر مشتمل تھا پھر اس کے ساتھ مصحف اندلس کے چند اوراق شامل کئے گئے۔ اس بات کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی تاریخی نص ہو جس میں مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کا اندلس اور مغرب میں جانا ثابت ہو۔

اس بارے میں ہم امام سمهودی کی عبارت جو کہ ان کی کتاب 'وفاء الوفا' میں ہے، کو نقل کرتے ہیں: "وہ مصحف جو شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا وہ آپ کی شہادت کے بعد دو آدمیوں میں سے ایک کی طرف منتقل ہوا۔ ان دونوں آدمیوں کا نام خالد ہے۔" ① حمز کی روایت کے مطابق خالد بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ② دوسرے ابن قتیبہ کی روایت کے مطابق خالد بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام عمرو بنت جندب کے لطن سے ہیں۔ پہلے خالد بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے کیونکہ ان کی والدہ رملہ بنت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔ لہذا اس دوہری قرابت کی وجہ سے یہ مصحف خالد بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا۔ دوسرا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر وثوق تھا کہ یہ اس مصحف کے بارے میں لاپرواہی نہیں برتے گے۔ اس وجہ سے بھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھر عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے بھائیوں کو ہبہ کیا گیا اور یہ وہی گھر تھا جو کہ "سمودی" کی روایت کے مطابق انہوں نے اپنی اولاد پر صدقہ کیا تھا۔ اسی وجہ سے

تاریخ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ گھر عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے مشہور ہوا اور یہ اولاد عثمان رضی اللہ عنہ میں سے سب زیادہ اس گھر میں ان کے ساتھ رہتے۔ اسی گھر میں عمرو کے بیٹے خالد نے پرورش پائی اور قیام کیا۔ اسی گھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے۔

## رانج

ان دونوں صورتوں کی وجہ سے ہم رانج بھی سمجھتے ہیں کہ یہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے خالد کے پاس رہا۔

① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پوتا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نواسہ ہونے کی وجہ سے۔

② اپنے باپ عمرو کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں مقیم ہونے کی وجہ سے۔

لہذا یہ مؤقف اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے باہر نہیں گیا۔ بلکہ مصحف خالد بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ یا خالد بن عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا۔ امیہ نے قربات اور اس کی حفاظت سے اطمینان کی وجہ سے اس کو آل عثمان سے نہ چھینا۔

ابن عبدالملک انصاری کی رائے، جس کی تائید ہم بھی کرتے ہیں، یہ ہے کہ ”یہ مصحف جس پر خون عثمان رضی اللہ عنہ گرا تھا تاتاریوں کے حملوں میں گم ہو گیا تھا اور یہ حملے ان تین فتنوں میں سے ایک ہیں جو مدینہ پر ہوئے۔

**پہلا فتنہ:** پہلا حملہ ۵۰ ہجری کو عہد معاویہ میں ہوا۔

**دوسرا فتنہ:** ۶۳ ہجری کو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خلافت کے لیے بیعت لی اس وقت پیش آیا۔

**تیسرا فتنہ:** یہ حادثہ خلیفہ ابن جعفر منصور کے زمانے میں پیش آیا۔ ۱۲۵ ہجری کو خاندان علوی میں سے محمد نفیس الزکیہ بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب منصور کو پتا چلا تو اس نے چار ہزار فوج عیسیٰ بن موسیٰ کی قیادت میں مدینہ کی طرف روانہ کی۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۵ھ کو مدینہ پر حملہ کر دیا۔ جس سے اہل مدینہ کو سخت نقصان ہوا۔ اسی سلسلے میں کئی احتمالات اٹھتے ہیں۔ ہم تیسرے احتمال کو رانج خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ امام مسعودی، امام مالک بن انس سے سنا نقل کرتے ہیں۔ ”کہ مصحف عثمان اس تیسرے حادثے میں غائب ہوا جس کی اس کے بعد کوئی خبر نہیں ملی۔“ مشہور یہی ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ ۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

اسی طرح مسعودی ذکر کرتے ہیں کہ قاسم بن سلام جو کہ ۲۲۳ھ میں فوت ہوئے انہوں نے مصحف عثمان جس پر خون کے قطرات لگے ہوئے تھے، اس کو بعض بادشاہوں کے خزانے میں دیکھا تھا۔ ابن مرزوق ’منذج‘ میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام ابوبکر محمد بن یعقوب بن شیبہ بن صلت تھا، وہ اپنے والد احمد سے بیان کرتا ہے کہ اس کے دادے نے ۲۲۳ھ میں ایک مصحف دیکھا جس میں خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قطرات تھے جو کہ اکثر اوراق پر بکھرے ہوئے تھے۔ زیادہ تر سورۃ نجم اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿فَسَيَكْفِيكُمْهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرہ: ۱۳۷] پر تھے۔ اس مصحف کی لمبائی دو ہاتھ چار انگلیاں تھیں اور ہر ورقہ ۲۸ لائنوں پر مشتمل تھا۔ یہ بات ابوبکر محمد بن یعقوب خلیفہ معتصم عباسی کے دور کی ہے۔

۱۳۱

اس روایت میں درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

- ① مصحف امام، خلیفہ معتصم کے زمانے میں عراق میں محفوظ تھا۔
- ② مصحف کی لمبائی دو ہاتھ اور چار انگلیاں تھیں اور ہر ورقہ ۲۸ سطروں پر مشتمل تھا۔
- ③ خون کے قطرات نے مصحف کے بہت زیادہ اوراق کو رنگین کیا ہوا تھا۔

ان تمام سے یہ پتا چلتا ہے کہ مصحف امام، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مدینہ میں ہی محفوظ رہا۔

ہمارا یہ قول کہ یہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے کے پاس رہا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ مصحف جن لوگوں کے پاس رہا یہ امویوں کے اقباء ہیں تو پھر ان امویوں کا ۵۰ ہجری کو خالد بن عمرو بن عثمان جو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں، ان کے گھر پر حملہ کرنا بہت مشکل امر ہے۔ کیونکہ خالد بن عمرو کا گھر حقیقت میں امیر معاویہ کی بیٹی جو کہ خالد بن عمرو کی ماں ہے اس کا گھر ہے۔ پھر ۶۳ ہجری میں یزید کا شامی فوجوں کو اسی اپنی بہن کے گھر پر حملہ کا حکم دینا اور ان سے مصحف عثمان چھیننا بھی محال ہے۔

دوسری طرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف ہے کہ یہ مصحف غائب ہو گیا تھا۔

اس بحث کا خلاصہ ہم یوں بیان کرتے ہیں کہ مصحف امام خاندان بنی امیہ کی حکومت کے لمبا زمانہ میں مدینہ میں دار عثمان میں محفوظ رہا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق عباسی خاندان کے دور حکومت کی ابتداء میں، جو ۱۶۹ھ کے قریب کا زمانہ بنتا ہے، اس میں مدینہ سے غائب ہوا۔

لہذا ہم بالجزم کہتے ہیں کہ یہ مصحف امام بنو عباس کے زمانے میں عراق کی طرف منتقل ہو گیا۔ پھر مشرقی مؤرخ سمہودی اور مغربی مؤرخین ابن مرزوق اور ابن عبدالملک انصاری دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ۲۲۳ھ میں مصحف امام جس پر خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قطرات تھے، عراق میں ہی محفوظ تھا۔ عبدالملک انصاری کا کہنا کہ یہ مصحف عبدالرحمن الداخل کے دور میں اندلس منتقل ہوا۔

اس مصحف کے بارے میں اندلس کے مؤرخین کی آراء مختلف ہیں۔

**ابن بشکوال:** اندلس میں عبدالرحمن الداخل کے ہاتھوں منتقل ہونے والا مصحف ان مصاحف میں سے ایک ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہر کی طرف روانہ کئے تھے۔ اور رہا یہ دعویٰ کہ اس پر خون کے اثرات اور قطرات تھے یہ محض دعویٰ اور وہم ہے جس کی کوئی اساس اور اصل نہیں ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مصحف شام کی طرف بھیجا جانے والا مصحف ہو۔

**ابن عبدالملک انصاری:** یہ مصحف جس کو امویوں نے جامع قرطبہ میں محفوظ کیا ہوا تھا پھر ۵۵۲ھ میں مراکش منتقل کر دیا گیا۔ یہ خلیفہ شہید کا خاص نسخہ نہیں ہے۔

ان مختلف آراء کے پیش نظر اختلاف کو فریقین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

**فریق اول:** یہ وہ لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مصحف جو جامع قرطبہ میں موجود تھا، مصحف عثمان رضی اللہ عنہ تھا۔ جسے انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور شہادت کے وقت وہ اس مصحف سے تلاوت فرما رہے تھے اور اسی پر خون کے قطرات گرے تھے۔ اس فریق میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور اداریسی شامل ہیں۔

**فریق ثانی:** ابن بشکوال، ابن عبدالملک انصاری یہ پہلے قول کی نفعی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مصحف اندلس ان چار مصاحف میں سے ایک ہے جن کو عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کی طرف روانہ کیا تھا۔ اور یہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ مصحف، مصحف شامی کا عین تھا جو کہ عبدالرحمن الداخل کے دور حکومت میں اندلس میں لایا گیا۔

## رانج

ہمارا میلان بھی اس رائے کی طرف ہے کہ مصحف جامع قرطبہ ہی مصحف امام ہے یا اس کے چند اوراق ہیں۔ لیکن اس بات پر ہمارا تائید کرنا محال ہے کہ وہ مصحف امام، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ کیونکہ مصادر عربیہ اس بات پر متفق ہیں کہ ان مصاحف کو ایک ہی قراءت پر لغت قریش میں لکھنے والے کاتبین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے۔

**مصحف کوفہ:** اس کے بارے میں ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ علی بن ابی طالب کی خلافت کے دوران ضائع ہو گیا تھا۔ **مصحف مکہ:** اس مصحف کے متعلق ہمیں آٹھویں صدی ہجری تک تو خبریں ملتی ہیں۔ اسی وقت ابن جبیر نے مکہ میں اس کی زیارت کی۔ ابوالقاسم تجیبی سنتی نے بھی اس کی تائید کی ہے لیکن یہ ۶۹۶ھ کی بات ہے۔ اسے سمودی نے اپنی کتاب 'وفا الوفا' میں ان سے اس بات کا جزم کیا ہے۔ اس بنا پر یہ ممکن نہیں کہ مصحف مکہ وہی مصحف ہو جو کہ جامع قرطبہ میں تھا۔

**مصحف بصرہ:** اس کے بارے میں ہم پیچھے تفصیلی بحث کر چکے ہیں کہ وہ مصحف جو ابن بطوطہ نے بصرہ میں دیکھا تھا وہ عین وہی مصحف تھا جو کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ بصرہ سے سمرقند اور تاشقند کی طرف اس کو منتقل کر دیا گیا۔ ابن بطوطہ کی مصحف بصرہ کے بارے میں روایت اس رائے کی معارض ہے کہ مصحف امام وہ ہے جو جامع قرطبہ میں تھا۔

اب ہم ابن بشکوال، ابن عبدالملک کے قول اور سابقہ اقوال کے درمیان مناقشہ کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ دعویٰ کہ مصحف قرطبہ وہی مصحف عثمانی ہے جو دمشق کی طرف روانہ کیا گیا تھا اور وہاں سے ۱۳۸ھ کو عبدالرحمن الداخل کے ہاتھوں اندلس میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ قول باطل اور مردود ہے جیسا کہ درج ذیل عبارت میں ہم اس کو ثابت کرتے ہیں۔

**اڈل:** جنہوں نے مصحف دمشق کو دیکھ کر اوصاف کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ وہ مصحف عثمانی دمشق ہی ہے یہ بعد والے زمانے کی بات ہے جو کہ عبدالملک انصاری کی رائے کے معارض ہے۔ کیونکہ اس مصحف کو ابن جبیر نے دیکھا اور اس کے وہی اوصاف بیان کئے جو کہ ہروی نے ۶۱۱ھ کے مشاہدے کے دوران بتائے۔ ایسے ہی ابوالقاسم سنتی نے ۶۹۷ھ میں، ابن فضل اللہ للمعمری نے آٹھویں صدی ہجری میں اور ابن بطوطہ نے زیارت کی۔

**دوم:** ابن الملک انصاری جو مصحف قرطبہ کا حجم بیان کرتے ہیں وہ اس مصحف کے حجم سے مختلف ہے جس کو ابو بکر بن شیبہ نے عراق میں دیکھا تھا۔ جیسا کہ مصحف عراق پر خون کے قطرات اکثر جگہوں پر نمایاں تھے۔ مصحف عثمانی شخصی کے چار اوراق جب مصحف اندلس کے ساتھ ملائے گئے تو اس کو ان چار اوراق کی وجہ سے مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ یہ مصحف عبدالرحمن الناصر کے عہد تک تو جامع قرطبہ میں رہا۔ جب خلیفہ مستنصر کا دور شروع ہوا تو اس نے ۸

بک



ڈاکٹر سحر السید عبدالعزیز سالم

جمادی الثانی ۳۵۴ھ میں صاحب الصلاة ثقتہ مامون، محمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز المعروف ابن الخراز کی طرف منتقل کروا دیا جو کہ اس کے بارے میں بہت زیادہ حریص تھے۔ کافی عرصہ ان کے پاس رہا جب موحدین کی حکومت میں اندلس پستی اور زوال کی طرف جانا شروع ہوا تو اس مصحف کے متعلق عبدالمؤمن بن علی جو کہ موحدین کے خلیفہ اول تھے، کو بہت زیادہ فکر لاحق ہوئی۔ ادھر قشتالیوں نے جامع قرطبہ کو کھیل کا میدان بنایا اور اس کو توڑ پھوڑ دیا۔ اس صورت حال نے خلیفہ عبدالمؤمن بن علی کو اس مصحف کو بچانے اور اس کی حفاظت کے لیے ابھارا۔ لہذا انہوں نے اس کو مراکش روانہ کرنے کے لیے یہ کام دو آدمیوں ابوسعید اور ابویقوب جو کہ خلیفہ کے بیٹھے تھے ان کے ذمہ لگایا۔ انہوں نے ۱۱ شوال ۵۵۲ھ میں اس مصحف کو مراکش میں لے جا کر محفوظ کیا۔ اس عظیم کارنامہ پر خلیفہ عبدالمؤمن بن علی کے وزیر ابو زکریا یحییٰ بن احمد بن یحییٰ بن عبدالملک بن طفیل نے خلیفہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ قصیدہ لکھا:

جزی اللہ عن هذا الأنام خلیفة به شربوا ماء الحیاة فخلدوا  
”اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف سے خلیفہ کو اجر عظیم سے نوازے جس کے ذریعے ان لوگوں نے ماء حیاة پیا پس وہ ہمیشہ رہے۔“

وحیاہ ما دامت محاسن ذکرہ علی مدرج الأيام تتلی و تنشید  
”ہمیشہ زندہ و جاوید رہے اس کا ذکر گردش زمانہ میں اور اس کے محاسن ہمیشہ باقی رہیں اور ان کو بیان کیا جاتا رہے اور گایا جاتا رہے۔“

موحدین نے اس مصحف کو بڑی حفاظت اور عزت و احترام سے رکھا۔ اس کے لیے قیمتی غلاف تیار کیا۔ وہ اس کو ایک سرخ اونٹنی پر رکھے ہودج میں بند کر کے اس ہودج پر چار سرخ نشانات لگاتے اور اس ہودج کے پیچھے پیچھے خلیفہ، اس کا بیٹا پھر ان کے پیچھے دیگر لوگ چلتے۔

یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔ جب موحدین سفر، نقل و حمل کا ارادہ کرتے تھے تو ساتھ اس مصحف کو ہودج میں رکھ کے لے جاتے۔ اس کے بعد اس مصحف کو خلیفہ موحد باللہ، ابوالحسن علی بن مأمون اور لیس نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ ۶۴۶ھ میں علی کو تلمسان میں قتل کر دیا گیا موحدین کا لشکر خالی ہو گیا۔ بادشاہ کے خزانے میں لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ عرب لشکر عظیم پر قابض ہوئے اور انہوں نے اس مصحف کریم کو بھی لوٹ لیا اور تلمسان میں نیلامی کے لیے کتابوں کے بازار میں رکھ دیا۔ اس کی قیمت ۱۷ درہم رکھی گئی۔ جبکہ اس کے بہت سے اوراق ضائع ہو گئے۔ جب تلمسان کے امیر ابویحییٰ جو کہ بنی عبدالواد سے تعلق رکھنے والے تھے ان کو پتا چلا تو اس نے اس مصحف کو خریدا اور بڑی حفاظت کے ساتھ رکھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے اس کے وارث بنے۔ ۷۰۲ھ تک یہ انہی کے قبضے میں رہا۔

اسی طرح مصحف عثمان تلمسان کے شاہی خزانے (جو کہ بنی عبدالواد کا تھا) میں محفوظ رہا حتیٰ کہ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابویقوب المرینی رمضان کے آخر میں (۷۳۷ھ، ۱۳۳۶ء) تلمسان پر قابض ہوا اور ۳۸ھ کو اس کو مکمل طور پر فتح کر لیا۔ مصحف عثمان ان کے ہاتھ لگا اس نے اس کو بڑے اہتمام اور تکریم کے ساتھ رکھا۔ موحدین کی عادت کو برقرار رکھتے ہوئے جب یہ لڑائی کے لیے نکلتے تھے تو اس کو لشکر کے آگے آگے رکھتے تھے۔ بالاتفاق یہ مصحف ۷ جمادی الاول ۷۴۱ھ میں نہر سلادو کے پڑوس میں ہونے والی جنگ طریف میں (جیسا کہ عیسائیوں کی معتبر کتابوں میں ہے) پڑتگالوں کے ہاتھوں میں بطور مال غنیمت کے چلا گیا۔

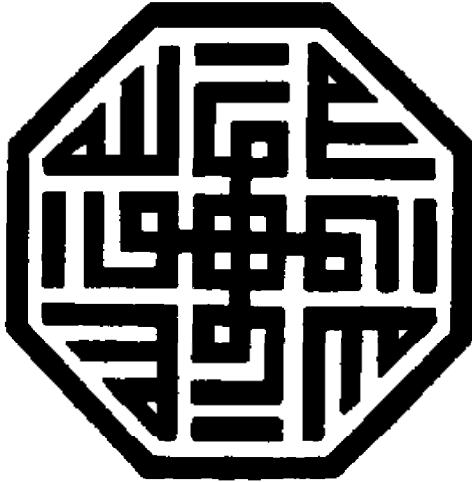
مصحف عثمانی کی اشاعت اور شرق و غرب میں منتقلی

اس کے بعد مرینیوں کے اندر ہمت نہ رہی۔ جب مرینی بادشاہ نے دیکھا کہ اب اس مصحف کو واپس لانے کے لیے ہمارے اندر سکت باقی نہیں ہے تو اس نے تاجر ابوعلی حسن بن جمی کو آزمور شہر میں پڑگالوں کی طرف بھیجا کہ ان کو کہے کہ مال لے کر اس مصحف کو واپس کر دیں۔ ابوعلی حسن بن جمی اس کام میں کامیاب ہو گیا اور اس مصحف کو ۷۴۵ھ میں فاس شہر میں بادشاہ ابو الحسن مرینی کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔

**ابن مردوق:** مرینیوں نے اس مصحف کو پڑنگالوں سے چھڑانے کے لیے ایک ہزار سونے کے دینار وقف کئے۔ اس طرح یہ مصحف دوبارہ فاس شہر کی طرف لوٹ آیا۔ اس کے دونوں گتوں پر قیمتی پتھروں کو اتار کر اسکی خوبصورتی کو پڑنگالوں نے ختم کر دیا تھا۔ اسی طرح یہ مصحف مرینیوں کے خزانے میں رہا اور یہ اس کا آخری زمانہ تھا۔ اس کے بعد تاریخ میں اس کے متعلق کوئی خبر نہیں ملتی۔ واللہ أعلم

**نوٹ**

یہ مقالہ ندوۃ بعنوان تاریخ الأمة الإسلامية بین الموضوعیة والتحیز میں پڑھا گیا، یہ ندوہ ۲۱ تا ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں زقازیق، مصر میں منعقد ہوا۔



مکتبہ

## کیا حدیثِ سببعہ اَحرف متشابہات میں سے ہے؟

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کا تجزیہ

حدیثِ سببعہ اَحرف کے بارے میں منکرینِ قراءات بالخصوص حلقہ اشراق کا خیال یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے۔ لہذا اس حدیث کی بنیاد پر ثابت ہونے والی قراءات کی کوئی حقیقت نہیں، ہماری اس سلسلہ میں رائے یہ ہے کہ اہل علم کے ہاں محکم و متشابہ کی تین مختلف قسمیں ہیں جن میں سے ایک وہ ہے جو من وجہ محکم اور من وجہ متشابہ ہو، پس یہ حدیثِ اول تو متشابہات میں سے ہے نہیں اور اگر بعض اہل علم نے اسے متشابہ کہا بھی ہے تو بھی ان کا یہ قول محکم و متشابہ کی مذکورہ تیسری قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی تو سب آئمہ کے نزدیک متفق علیہ اور محکم ہے کہ یہ حدیث قرآن کریم کے الفاظ کے بارے میں ہے اور قرآن کو پڑھنے کے اختلافات کے ثبوت کے بارے میں متعین طور پر دلالت کرتی ہے، لیکن وہ اختلافات کس طرح کے عدد میں سموئے جاتے ہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے اور بعض اہل علم نے اس پہلو کے اعتبار سے اس حدیث کو متشابہ یا ظنی الدلالہ قرار دیا ہے۔ پس اس حدیث کو من وجہ متشابہ قرار دینے سے اس حدیث کی صحت یا ثبوت قراءات سے متعلق دلالت کس طور پر متشابہ یا غیر متعین نہیں۔ تارکینِ رُشد کو انہی پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے زیر نظر موضوع کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ یاد رہے کہ اس موضوع پر اس سے قبل ماہنامہ رُشد قراءات نمبر کے حصہ اول میں صفحہ ۲۹۹ تا ۵۰۳ اور ۵۱۲ تا ۵۱۴ اور حصہ دوم کے صفحہ ۳۲۷ تا ۳۵۱ اور شیخ القراء قاری محمد طاہر رحیمی صاحب کا مستقل مضمون صفحہ نمبر ۲۲۳ شامل اشاعت ہے۔ [ادارہ]

حدیثِ سببعہ اَحرف کے بارے میں متجددین کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، اور اس کا مفہوم ایک ایسا معممہ ہے جسے کوئی شخص اس اُمت کی پوری تاریخ میں کبھی حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور استدلال کیا جاتا ہے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے کہ جس میں انہوں نے فرمایا:

”إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فالمراد به أكثر من ثلاثين قولاً حكيتها في الإلتقان والمختار عندي أنه من المتشابه الذي لا يدري تأويله“ [زهر الربى شرح سنن النسائي: ۱۵۰۱]

”قرآن کریم کا نزول سات حروف پر ہوا ہے، اور اس کی مراد میں تیس سے زیادہ اقوال بیان کئے گئے ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب ’الإلتقان‘ میں رقم کیا ہے۔ میرے نزدیک ان میں سے مختار قول یہ ہے کہ حدیثِ سببعہ اَحرف متشابہات میں سے ہے جس کی تاویل معلوم نہیں ہو سکی۔“

اس میں تو دورائے نہیں ہیں کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سببعہ اَحرف کے مفہوم کو نچلمہ متشابہات میں سے قرار دیا ہے

کیا حدیثِ سبعہ أحرف متشابہات میں سے ہے؟

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اسے متشابہ کہا ہے تو کس اعتبار سے؟ کیا متشابہ امور سے آگاہ ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ اور کیا امام صاحب کا حدیثِ سبعہ کو متشابہات میں سے قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ پوری اُمت متنوع قراءات قرآنیہ سے بیک جنبشِ قلم صرف نظر کر لے؟ اس کی وضاحت کے لیے ہمیں امام موصوف کی کتاب 'الإلتقان فی علوم القرآن' کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس میں انہوں نے محکم و متشابہ سے متعلق تفصیلی بحث کرتے ہوئے اس مسئلے پر متعدد اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔ جن میں سے کچھ یہ ہیں:

● المحکم ما عرف المراد منه، إما بالظهور وإما بالتأویل، والمتشابہ: ما استأثر الله بعلمه، كقيام الساعة، وخروج الدجال، والحروف المقطعة في أوائل السور.  
 "جس امر کی مراد صاف طور پر یا تاویل کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے وہ محکم ہے اور جس چیز کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی لئے خاص کیا ہے جیسے قیامت کا قائم ہونا اور دجال کا خروج اور سورتوں کے اوائل کے حروف مقطعه یہ سب متشابہ ہیں۔"

● المحکم ما وضح معناه، والمتشابہ نقیضه

"جس چیز کے معنی واضح اور کھلے ہیں وہ محکم ہے اور جو اس کے برعکس ہے وہ متشابہ ہے۔"

● المحکم ما لا یحتمل من التأویل إلا وجهها واحدا، والمتشابہ ما احتمل أوجها.

"جس امر کی ایک ہی وجہ پر تاویل ہو سکے وہ محکم ہے اور جس کی تاویل کی کئی وجوہ کا احتمال رکھتی ہو وہ متشابہ ہے۔"

● المحکم ما كان معقول المعنى، والمتشابہ: بخلافه، كإعداد الصلوات، واختصاص الصیام برمضان دون شعبان.

"جس بات کے معنی عقل میں آتے ہیں (یعنی ان کو عقل قبول کرتی ہے) وہ محکم ہے۔ اور جو امراں کے خلاف ہو وہ

متشابہ ہے مثلاً نمازوں کی تعداد اور روزوں کا ماہ رمضان ہی کے لیے خاص ہونا اور شعبان میں نہ ہونا۔"

پھر اس میں بھی تفصیلی بحث موجود ہے کہ آیا متشابہ امور سے آگاہ ہونا ممکن ہے یا نہیں؟

یہ اختلاف دراصل قرآنی آیت ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ...﴾ [آل عمران: ۷] پر وقف کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں رونما ہوا ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ 'والرأسخون فی العلم' معطوف ہے اور 'يقولون' اس کا حال واقع ہوا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ متشابہات کی تاویل اللہ تعالیٰ اور رأسخون فی العلم جانتے ہیں۔ اور دوسرا خیال یہ ہے کہ 'والرأسخون فی العلم' مبتدا اور 'يقولون' اس کی خبر ہے۔ اور 'والرأسخون' میں جو 'واو' ہے وہ عاطفہ نہیں بلکہ استینافیہ ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ متشابہات کی مراد اصلی کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

الإلتقان کا جائزہ لیں تو ہمیں اس سے متعلق تین طرح کے اقوال ملتے ہیں۔

① متشابہ قرآن کے علم پر آگاہ ہونا ممکن ہے۔

② اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

③ متشابہ امور سے بعض رأسخون فی العلم آگاہ ہو سکتے ہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے دلائل کی روشنی میں ان تینوں اقسام کی تفصیلی وضاحت کی ہے اور اخیر میں علامہ راغب رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں:

”جميع المتشابه على ثلاثة أضرب: ضرب لا سبيل إلى الوقوف عليه، كوقت الساعة، وخروج الدابة، ونحو ذلك. وضرب للإنسان سبيل إلى معرفته، كالألفاظ الغريبة والأحكام القلقة. وضرب متردد بين الأمرين، يختص بمعرفته بعض الراسخين في العلم ويخفى على من دونهم، وهو المشار إليه بقوله ﷺ لابن عباس: اللهم فقهه في الدين.“

”متشابه تین اقسام میں منقسم ہیں:

① جس کو معلوم کر سکنے کی کوئی سبیل ہی نہیں۔ مثلاً قیامت کا وقت اور ذابۃ الأرض کے نکلنے کا زمانہ یا ایسے اور امور۔

② متشابہات کی دوسری قسم وہ ہے کہ انسان ان کی معرفت کا راستہ پاسکتا ہے جیسے غریب الفاظ اور وقت میں ڈالنے والے احکام۔

③ متشابہات کی تیسری قسم وہ ہے جو مذکورہ بالا قسموں کے مابین تذبذب کی حالت میں پائی جاتی ہے۔ اس کی شناخت بعض راسخین فی العلم کے لئے مخصوص ہے اور جو ان سے علم و فضل میں کمتر ہوتے ہیں، ان پر اس کے معانی منکشف نہیں ہوتے۔“

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر حدیث سبعہ احراف کو متشابہات میں سے قرار دیا ہے تو متشابہات کی اس تیسری قسم میں سے کہ جن کی شناخت بعض راسخین فی العلم کے لیے خاص ہے۔ نہ کہ متشابہات کی اس قسم میں سے کہ جس کو معلوم کر سکنے کی کوئی سبیل ہی نہیں۔ ان کے قول سے یہ استدلال کرنا کہ انہوں نے اُسے متشابہات میں سے قرار دے کر یہ معنی مراد لیا ہے کہ دنیا کا کوئی شخص سبعہ کے معانی کی وضاحت نہیں کر سکتا تو یقینی طور پر یہ بدیہی حقائق سے چشم پوشی ہے۔ امام سیوطی نے اپنی کتاب میں متشابہات کے جو فوائد گنوائے ہیں متحد دین حضرات اگر وقت نکال کر ان پر ایک نگاہ ڈالنے کی زحمت گوارا کر لیں تو ممکن ہے امام صاحب کا موقف سمجھنے میں مدد ملے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متشابہات کے فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

متشابہات کا ایک فائدہ یہ ہے:

”الحث للعلماء على النظر الموجب للعلم بغوامضه، والبحث عن دقائقه، فإن استدعاء الهمم لمعرفة ذلك من أعظم القرب.“

”یہ علماء کو ایسے غور پر آمادہ کرنے کا موجب ہے جس سے قرآن شریف کی مخفی باتوں کا علم حاصل ہوتا اور اس کی باریکیوں کی کرید کرنے کا شوق پیدا ہوا کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دقائق قرآن شریف کی طرف ہمتوں کا مائل ہونا بہت بڑا قرب ہے۔“

دوسرا فائدہ یہ ہے: ”ظهور التفاضل، وتفاوت الدرجات إذا لو كان القرآن كله محكما لا يحتاج إلى التاويل ونظر لا ستوت منازل الخلق، ولم يظهر فضل العالم على غيره.“

”متشابه امور سے انسانوں کا فہم میں باہم کم و بیش ہونا اور ان کے درجوں کا تفاوت عیاں ہوتا ہے ورنہ اگر تمام قرآن شریف اسی طرح کا حکم ہوتا جس میں تاویل اور غور کی حاجت نہ پڑتی تو اس کے سمجھنے کے بارے میں تمام خلق کا درجہ یکساں اور مساوی ہو جاتا اور عالم کی بزرگی غیر عالم پر ظاہر نہ ہو سکتی۔“

اسی طرح ایک فائدہ یہ ہے:

”أنه يوجب مزيد المشقة في الوصول إلى المراد، وزيادة المشقة توجب مزيد الشواب.“

[الإلتقان: ۲۲۲، ۲۲۳]

کیا حدیث سبعة أحرف متشابہات میں سے ہے؟

”متشابہات کا وارد کرنا معنی مراد کی تہہ تک پہنچنے میں مزید مشقت کرنے کا موجب ہے اور جتنی مشقت زیادہ ہوتی ہے، ثواب بھی زیادہ ملے گا۔“

سابقہ بحث سے اس بات کی تو وضاحت ہو گئی کہ ان کے ہاں متشابہات میں متعدد احتمالات موجود ہوتے ہیں، ان میں سے جہاں ایک احتمال یہ ہوتا ہے کہ متشابہات کی شناخت بعض راسخین فی العلم کے لئے مخصوص ہے تو وہیں ایک احتمال یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اس قسم کے متشابہات میں پڑنے کو سخت ناپسند اور اہل زلیغ کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”فإذا رأيت الذين يتبعون ما تشابه منه، فأولئك الذين سمي الله فاحذروهم .“

”تم جب ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن مجید کی متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، لہذا تم ان سے بچ جاؤ۔“

جبکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے سبعة أحرف کے مفہوم سے متعلق اپنی آراء کا اظہار فرمایا ہے۔ علامہ موصوف صحیح بخاری کی شرح ’التوشیح‘ میں حدیث سبعة أحرف کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

”اختلف في المراد بها على نحو أربعين قولاً بسطتها في الإلتقان وأقربها قولان: أحدهما: أن المراد سبع لغات وعليه أبو عبيد، وثلث، والأزهرى، وآخرون، ووصحه ابن عطية، والبيهقي .“

والثاني: أن المراد سبعة أوجه من المعاني المتفقة بالفاظ مختلفة نحو: أقبل، وتعال، وهلم، وعجل، وأسرع .“ [التوشيح شرح جامع الصحيح: ۳۱۷۲]

”أحرف سبعة کی مراد سے متعلق چالیس کے قریب اقوال بیان کئے گئے ہیں جن کو میں نے الإلتقان میں ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک ان میں سے اقرب ترین دو قول ہیں:

① یہ کہ اس سے مراد سات لغات ہیں۔ یہ قول ابو عبید رحمہ اللہ، ثعلب رحمہ اللہ، ازہری رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کا ہے، جسے ابن عطیہ رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

② یہ کہ اس سے مختلف ألفاظ کے ساتھ متفق معانی کی سات وجوہ مراد ہیں۔ جیسا کہ: أقبل، وتعال، وهلم، وعجل، وأسرع۔“

اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں:

”والمختار أن هذا الحديث من المشكل الذي لا يدرى معناه، كمتشابه القرآن والحديث، وعليه ابن سعدان النحوي .“ [إيضاً]

”میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ یہ حدیث ان مشکلات میں سے ہے جس کا معنی معلوم نہیں کیا جاسکا، یہ قرآن کریم اور حدیث کے متشابہ کے مانند ہے اور یہی مذہب ابن سعدان النحوی کا ہے۔“

امام سیوطی رحمہ اللہ نے اگرچہ یہاں یہ تو کہہ دیا ہے کہ اس کا معنی مجھے معلوم نہیں ہو سکا ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ حدیث سبعة کے مفہوم میں بیان کیے جانے والے اقوال میں سے قریب ترین کی طرف اشارہ بھی کر رہے ہیں جس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ امام موصوف کے ہاں یہ ان متشابہات میں سے نہیں جس کو معلوم کرنے کی کوئی سبیل ہی نہیں ہے۔ اگر امام صاحب کی مراد متشابہات کی پہلی قسم ہوتی تو وہ حدیث سبعة کی وضاحت کر کے نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ مذکورہ بالا وعید کا یقینی مصداق ٹھہرتے ہیں۔

لہذا امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بنیاد بنا کر متنوع قراءات قرآنیہ کا انکار کرنا کسی طور بھی درست نہیں ہے۔ امام موصوف تو قراءات قرآنیہ کے تبحر عالم اور عشرہ قراءات کی بھرپور تائید کرنے والے ہیں۔ اپنی کتاب الإیتقان میں انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”القراءة سنة متبعة يأخذها الآخر عن الأول.“ [۷۵/۱]

”قراءات سنت متبعہ (سنت متواترہ) ہے جسے بعد میں آنے والے متقدمین سے حاصل کریں گے۔“

اسی طرح الإیتقان ہی میں متنوع قراءات قرآنیہ سے متعلقہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل فرماتے ہیں:

”كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه، ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالا، وصح سندها، فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها ولا يحل إنكارها، بل هي الأحرف السبعة التي نزل بها القرآن، ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الأئمة السبعة، أم عن العشرة، أم عن غيرهم من الأئمة المقبولين.“ [الإیتقان: ۱۵۲/۱]

”ہر ایک ایسی قراءت جو کسی وجہ سے بھی عربی زبان کے موافق ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کے ساتھ خواہ احتمالی طور بھی مطابق ہو۔ پھر اس کی سند صحیح ثابت ہو تو ایسی قراءت کو ناقابل رد اور صحیح قراءت شمار کیا جائے گا۔ اس کے ماننے سے انکار کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ وہ قراءت انہی حروف سبعہ میں شامل ہوگی جن پر قرآن کا نزول ہوا ہے اور لوگوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہوگا۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ قراءت ساتویں یا دسویں اماموں کی طرف مروی ہوئی ہے یا ان کے ماسوا دوسرے مقبول اماموں کی جانب سے۔“

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو قراءات قرآنیہ سے متعلق سب سے بہتر کلام قرار دیا ہے۔

اور تو اور امام صاحب کی قراءات قرآنیہ پر لکھی جانے والی متعدد کتب اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ سبعہ احرف کی تعیین سے متعلق مختلف تشریحات کے باوصف ثابت شدہ قراءات قرآنیہ سے سمر و انحراف قرآنی آیات سے انحراف کے مترادف ہے۔ ان کی قراءات پر لکھی جانے والی کتب درج ذیل ہیں:

- ① شرح الاستعاذة والبسملة ② الإنصاف في تمييز الأوقاف
- ③ الدر النشیر في قراءة ابن كثير ④ الألفية في القراءات العشرة.
- ⑤ شرح حرز الأمانی ووجه التهانی (للشاطبی)

علاوہ ازیں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التحبیر فی علم التفسیر، میں ایک مستقل نوع قراءات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے قائم کی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کردہ متعدد قراءات کو لائے ہیں۔ جن میں سے چند ذیل میں ملاحظہ ہوں:

- ① خارج کے طریق سے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بغیر الف کے ﴿فُرْهُنٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾ [البقرہ: ۲۸۳] پڑھایا۔
- ② داود بن الحصین کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کے فتح کے ساتھ ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ﴾ [آل عمران: ۱۶۱] پڑھا۔
- ③ زہری رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع کے ساتھ ﴿وَكُنْتُمْ عَلَیْهِمْ فَبِهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ [المائدہ: ۴۵] پڑھا۔

کیا حدیثِ سبعہ اُحرف متشابہات میں سے ہے؟

۴) عبد الرحمن بن غنم الأشعری کے طریق سے ایک روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبِّكَ﴾ اور ﴿هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبِّكَ﴾ [المائدة: ۱۱۲] سے متعلق سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکے ساتھ ﴿هَلْ تَسْتَطِيعُ﴾ پڑھایا تھا۔

۵) ابن زبیر کے طریق سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاد کے ساتھ ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيَّبٍ﴾ [الغاشية: ۲۲] پڑھا۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متنوع قراءات پر اصرار کرنے والے ہیں نہ کہ ان کا انکار کرنے والے۔ حافظ زبیر صاحب اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کیا قراءات کو نہیں مانتے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے وہ قراءاتِ عشرہ کے قائل ہیں۔ ان کی 'الابتقان' اٹھا کر دیکھ لیں تو قراءات کے بارے میں ان کا موقف واضح ہو جائے گا۔ غامدی صاحب کے علم میں اضافہ کے لیے ہم ذکر کئے دیتے ہیں کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو درکنار ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ سلف و خلف میں سے قراءات کا انکار کسی امام نے نہیں کیا اور نہ متنوع قراءات قرآنیہ کو ماننے میں انہیں کوئی شبہ ہے، اختلاف صرف سبعہ اُحرف کی تعیین میں ہے، جسے غامدی صاحب نے کم فہمی سے متنوع قراءات کو نہ ماننے کی بنیاد کے طور پر پیش کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سبعہ اُحرف کے مفہوم کے ضمن میں پیش کردہ تمام اقوال کے قائلین کے درمیان ایک شے بہر حال قدر مشترک ہے کہ وہ تمام قرآن کریم میں پڑھنے کے متعدد اسالیب کے قائل ہیں۔ [رشد قراءات نمبر دوم، ص ۵۱۳]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قراءات قرآنیہ میں اختلاف قراء کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا جائزہ ان کی تفسیر 'تفسیر جلالین' کی چند امثلہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ حافظ فیاض حسن جمیل اپنے مقالہ 'الإمام جلال الدین السیوطی وأهم آثاره في علم القراءات' میں رقمطراز ہیں:

۱) قرآن کریم کی آیت ﴿يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ ءَامَنُوا وَمَا يُخَدِّعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ [البقرة: ۹] میں متنوع قراءات سے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ آیت میں موجود لفظ ﴿وَمَا يُخَدِّعُونَ﴾ میں ایک قراءت ﴿وَمَا يُخَدِّعُونَ﴾ ہے۔ [تفسیر جلالین: ۲، ۵]

۲) قرآن کریم کی ایک آیت ﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا كَمَا فِيهِ فَإِنْ قَتَلْتُمْ كَمَا قَتَلْتُمْهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ﴾ [البقرة: ۱۹۱] میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ آیت میں موجود تینوں افعال ایک قراءت میں بغیر الف کے ہیں: ﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا كَمَا فِيهِ فَإِنْ قَتَلْتُمْ كَمَا قَتَلْتُمْهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ﴾ [تفسیر جلالین: ۳۷]

۳) قرآن کریم کی ایک اور آیت ﴿رَوَدَّتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ..... الْاَيَةُ﴾ [يوسف: ۲۳] میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ آیت کے لفظ ﴿هَيْت لَكَ﴾ میں ایک قراءت ہاء کے کسرہ اور تاء کے ضمہ کے ساتھ ﴿هَيْت لَكَ﴾ بیان کی گئی ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، میں بھی احادیث نبویہ کی مدد سے مختلف قراءات قرآنیہ تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔ بطور مثال ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

سبعہ اُحرف



عمران اسلم

**اولاً:** امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ فاتحہ کی آیت ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ [الفاتحہ: ۷]

میں درج ذیل موقف بیان کرتے ہیں:

① وکیع، ابو سعید، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن منذر، ابن ابی داؤد اور ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے طرق سے بیان کرتے ہیں کہ وہ نماز میں ”صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم وغیر الضالین“ پڑھا کرتے تھے۔

② اسی طرح ابو سعید، عبد بن حمید، ابن منذر، ابن ابی داؤد اور ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز میں ”صراط من انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم وغیر الضالین“ کی قراءت کرتے تھے۔

③ ابن الانباری ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ہاء اور میم کے کسرہ اور ثبوت یاء کے ساتھ ”علیہم“ پڑھا کرتے۔

④ ابن الانباری أعرج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ہاء اور میم کے ضمہ اور واؤ کے الحاق کے ساتھ ”علیہم“ پڑھتے۔

⑤ ابن الانباری، عبداللہ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ہاء کے کسرہ، میم کے ضمہ اور واؤ کے الحاق کے ساتھ ”علیہم“ پڑھتے ہیں۔

⑥ ابن الانباری ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ہاء اور میم کے ضمہ اور واؤ کے بغیر ”علیہم“ کی قراءت کرتے ہیں۔

⑦ ثعلبی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کی قراءت کی۔

[الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: ۴۰۶، ۴۱]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ بقرۃ کی آیت ﴿وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسْرَىٰ تَفْدُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ...﴾ [البقرۃ: ۸۵] کے تحت رقمطراز ہیں:

① اس آیت کے ضمن میں سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﴿وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسْرَىٰ تَفْدُوهُمْ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

② سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ، حسن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ﴿أُسْرَىٰ تَفْدُوهُمْ﴾ بالامالہ پڑھتے تھے۔

③ ابن ابی داؤد أعمش رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ہماری قراءت ﴿وَإِنْ يُوْخَدُوْا تَفْدُوْهُمْ﴾ کی ہے۔ [الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: ۴۱۴]

المختصر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بنیاد پر متنوع قراءت قرآنیہ کا انکار سراسر حقائق سے منہ موڑنے کے مترادف ہے سچ تو یہ ہے کہ امام صاحب قراءت عشرہ کی بھرپور تائید اور تفسیر قرآن اور دیگر تشریحی مسائل میں ان سے مدد لینے والوں میں سے ہیں۔ غامدی صاحب اگر پھر بھی قراءت عشرہ کے انکار پر بضد ہیں تو اپنا شوق ضرور پورا کریں لیکن امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے سراسر قسم کا الزام تھوپنے سے باز رہیں۔ انہوں نے حدیث سبعہ احرف کو متشابہات

کیا حدیثِ سبعہ اُحرف متشابہات میں سے ہے؟

میں سے شمار کیا ہے تو صرف اور صرف اس اعتبار سے کہ عشرہ قراءات کو سبعہ اُحرف میں کیسے سویا جائے۔

## سبعہ اُحرف پر بیان کیے جانے والے اقوال

دوسری بات یہ ہے کہ حدیثِ سبعہ اُحرف کو اس اعتبار سے متشابہ قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے مفہوم میں بہت زیادہ اقوال کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اُمت میں سبعہ اُحرف کا کوئی مفہوم متعین نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن اگر غیر جانبداری اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر اُمت کی طرف سے ایک ایک مسئلے پر پچاس سے بھی زیادہ آراء بیان کی گئی ہیں اور ان آراء میں سے بہت سی ایسی بھی ہیں جن کا نفسِ مسئلہ سے تعلق ہی نہیں ہوتا تو کیا اس کی بناء پر اصل مسئلہ ہی کو ترک کر دیا جاتا ہے؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے۔ بالکل اسی طرح سبعہ اُحرف کے مفہوم پر بیان کئے جانے والے اکثر اقوال سبعہ اُحرف سے مطابقت ہی نہیں رکھتے۔ بطور مثال ہم چند ایک اقوال ذکر کرتے ہیں جن سے یہ ثابت کرنے میں دشواری نہیں ہوگی کہ حدیثِ سبعہ اُحرف کے ساتھ ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے:

- ① یہ کہ سبعہ اُحرف سے یہ سات اشیاء مراد ہیں۔ مطلق، مقید، عام، خاص، مؤول، نسخ و منسوخ، مجمل و مفسر، استثناء اور اس کی اقسام۔ یہ بعض اصولیین کا مذہب ہے۔
  - ② یہ کہ اس سے مراد حذف و صلہ، تقدیم و تاخیر، قلب و استعارہ، تکرار و کنایہ، حقیقت و مجاز، مجمل و مفسر، ظاہر اور غریب ہیں۔ یہ بعض اہل لغت کا مذہب ہے۔
  - ③ یہ کہ سبعہ اُحرف سے مراد تذکیر و تانیث، شرط و جزاء، تصریف و اعراب، اقسام اور جواب اقسام، جمع و تفریق، تصغیر و تعظیم اور اختلافات ادوات۔ یہ بعض نحویوں کا مذہب ہے۔
  - ④ یہ کہ اس سے مراد معاملات کی سات اقسام ہیں، جو یہ ہیں: زہد و قناعت، حزم و خدمت، سخاوت و استغناء، مجاہدہ و مراقبہ، خوف و رجاء، صبر و شکر اور محبت و شوق۔ یہ بعض صوفیوں کا مذہب ہے۔
  - ⑤ یہ کہ سبعہ اُحرف سے مراد وہ سات علوم ہیں جن پر قرآن حکیم مشتمل ہے۔ علم الإثبات و الإیجاد، علم التوحید و التنزیہ، علم صفات الذات، علم صفات الفعل، علم صفات العفو و العذاب، علم الحشر و الحساب اور علم النبوات و الامامات۔
- حدیثِ سبعہ اُحرف کے ضمن میں بیان کیے جانے والے اکثر اقوال کے قائلین مجہول ہیں اور ان میں سے بہت سے سارے اقوال ایسے ہیں جنہیں حدیثِ سبعہ کے ذیل میں پیش کرنا حقائق سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔

## سبعہ اُحرف سے مراد

لفوی طور پر حرف کا لفظ چھ معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

- |        |         |                   |
|--------|---------|-------------------|
| ① حافہ | ② ناحیہ | ③ وجہ             |
| ④ طرف  | ⑤ حد    | ⑥ کسی چیز کا ٹکڑا |

## ① حرف بمعنی وجہ

یہ لغوی معنی کے مطابق ہے یعنی قرآن سات وجوہ پر نازل ہوا ہے اور ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ [الحج: ۱۱] ”بعض لوگ اللہ کی عبادت ایک وجہ پر کرتے ہیں۔“ بھی اسی معنی میں ہے۔ پھر آگے اس کی توضیح فرمائی ہے کہ اگر ان کو خیر حاصل ہوتی ہے تو ایمان پر جے رہتے اور عبادت کرتے ہیں اور اگر سختی، نقصان اور آزمائش کی حالت پیش آجاتی ہے تو کفر اختیار کر کے عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔

## ② حرف بمعنی قراءت

حرف کا یہ معنی مجازی ہے اور یہ اس بناء پر کہ عرب کی عادت ہے کہ کبھی کسی شے کا وہ نام بھی رکھ دیتے ہیں جو اس چیز کا جزو، قریب، مناسب، سبب یا اس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کا نام ہو۔ بس چونکہ مختلف قراءت حروف میں تغیر سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً حرکات کی تبدیلی، ایک حرف کا دوسرے سے ابدال، تقدیم و تاخیر، املہ، زیادتی و کمی اس لیے عرب کے استعمال پر اعتماد کرتے ہوئے رسالت مآب ﷺ نے قراءت کو حرف فرما دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں جو سببہ آحرف کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہ لغوی اعتبار سے وجہ کے معنی میں ہے اور مجازاً قراءت کے معنی میں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا جو حضرت ابی بنی اللہ سے جو مشہور اختلاف ہوا تھا اس کے ضمن میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے فرمایا: وہو یقرأ علی حروف کثیرة، پھر بعد ازاں اسی اختلاف حروف کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: فقرأ علیہ القراءة النبی سمعته یقرأ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے ’علی حروف‘ کہا پھر انہی حروف کو ’القراءة‘ سے تعبیر فرمایا۔

اسی طرح حضرت ابی بنی اللہ کا بیان ہے: ”فقرأ قراءة أنكرتها عليه“ ”اس نے اپنے ساتھی کے علاوہ کوئی دوسری قراءت پڑھی ہے۔“ [صحیح مسلم: ۸۲۰]

اس تقریر سے یہ بات واضح ہوئی کہ حدیث میں ’حروف‘ سے مراد معانی و مطالب کے بجائے قراءت اور تلاوت سے متعلقہ پڑھنے کے سات اسالیب مراد ہیں، اور یہ حروف ائمہ عشرہ کی قراءت میں موجود ہیں۔

علاوہ ازیں سلف و خلف میں سے تمام لوگوں نے سببہ آحرف کی تشریحات پیش کی ہیں جو اس کی سب سے بڑی دلیل ہیں کہ سببہ آحرف متشابہات میں سے نہیں، کیونکہ اگر یہ متشابہات میں سے ہوتی تو جمع اہل علم کو اس کی حقیقت بیانی کی ضرورت ہی نہیں تھی، سببہ آحرف کے مفہوم میں پیش کئے جانے والے تمام اقوال بہر حال اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ان کے قائلین قرآن کریم میں پڑھنے کے متعدد اسالیب کے قائل ہیں۔

نتیجہ بحث یہ ہے کہ تعدد قراءت یا متنوع اسالیب تلاوت (سببہ آحرف) کے نزول پر تو پوری امت کا اجماع ہے، بحث صرف سببہ آحرف تلاوت (سببہ آحرف) کی تعیین کے بارے میں ہے، جو کہ ایک علمی بحث ہے اور متنوع قراءت کے ثبوت سے اس کا تعلق بھی اضافی ہے۔ سلف و خلف کے تمام علماء کرام متنوع قراءت قرآنیہ کو تسلیم اور ان کی بھرپور تائید کرنے والے ہیں۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال ملاحظہ کیجیے:

● ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اگر ہم قراءت سببہ میں غور و حوض کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر قراءت متواترہ، مشہورہ اور (علماء فن کے ہاں) مقبولہ

کیا حدیثِ سبعہ اُحرف متشابہات میں سے ہے؟

ہے۔ نسل در نسل لوگوں نے ان کو نقل کیا اور یہ قراءات مصحف عثمانی کے موافق ہیں۔ جو قراءات مصحف عثمانی کے مطابق مشہور اور متواتر ہیں ان پر نسل در نسل لوگوں نے اجماع نقل کیا ہے۔“ [فتح الغفار: ۱/۸۷]

● قاضی عبدالجبار فرماتے ہیں:

”صحابہ نے لوگوں کو مصحف عثمانی پر جمع کیا انہوں نے منزل متواتر قراءات میں سے کچھ بھی ہم تک پہنچنے سے نہیں روکا۔ قراءات متنوعہ نبوت کے اعتبار سے متواتر ہیں جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور صحیح ترین قراءات کا علم حاصل کرنا ہم پر واجب ہے۔“ [المغنی: ۵۹، ۶۰]

● احمد الوثریشی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”ہم سب پر واجب ہے کہ منقول قراءات متواترہ پر ایمان لائیں۔ یہ بات دینی اور عقلی طور پر ناممکن ہے کہ ان میں تعحیف (غلطی) یا تحریف ہوئی ہو۔“ [المعیار المعرب: ص ۸۷]

● ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”متواتر کا انکار صحیح نہیں، کیونکہ اس پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے۔ قراءات کا تواتر ایسے حتمی امور میں سے ہے جن کا جاننا واجب ہے۔“ [شرح الفقہ الاکبر: ۱۶۷]

● امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آپ نے اللہ کی اجازت کے ساتھ جو قراءات بھی اُحرف سبعہ میں سے امت کو پڑھائیں ہمارے نزدیک صحیح ہیں صحابہ کرام نے ان قراءات کو (عقیدہ) قرآن کے ساتھ پڑھا۔ جب کسی پڑھنے والے کی قراءت رسم مصحف کے مطابق ہو تو ہمارے لئے جائز نہیں کہ اسے غلط کہیں۔“ [الإبانة: ص ۶۰]

● امام ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قراءات سبعہ بلکہ عشرہ (کے پڑھنے پڑھانے) پر اعصار (زمانوں کے زمانے) اور أمصار (شہروں کے شہر) گزر چکے ہیں۔ ان کی نماز میں تلاوت کی جاتی تھی کیونکہ یہ اجماع سے ثابت شدہ ہیں۔“ [أبحاث قراءات القرآن الکریم: ص ۲۵]

● امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”کسی بھی عالم نے قراءات عشرہ کا انکار نہیں کیا ہاں جس کو قراءات کا علم نہیں یا وہ قراءات اس کے نزدیک ثابت نہیں جیسا کہ بلاد مغرب کی قراءات تو ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی تلاوت کرے، کیونکہ قراءات سنت (متبعہ) ہیں جسے پچھلے اگلوں سے نقل کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ جس قراءت کا علم نہیں اس کا انکار کر دیا جائے۔“

[منجد المقرئین: ص ۱۲۹]

● امام ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آج جو قراءات ہم تک پہنچی ہیں وہ صحیح اور متواتر ہیں ان کے بارہ میں یہ بات قطعی طور پر ثابت شدہ ہے کہ وہ ائمہ عشرہ اور ان کے رواۃ کی قراءات ہیں۔ یہ بات علماء کے اقوال کا ما حاصل ہے اور یہی مذہب آج کل شام، عراق، مصر اور حجاز کے لوگوں کا ہے۔“ [النشر: ۹۱]

اگر غامدی صاحب کے بقول عرضہ اخیرہ کے بعد اُمت صرف ایک ہی حرف کے ابقاء پر متفق ہوگئی ہوتی تو ناممکن ہے کہ اس کے بعد علماء خواجواہ ان اُحرف سبعہ کی تفسیر کے متعلق چالیس اقوال کی حد تک باہم اختلاف کرتے اور یہ بھی ناممکن تھا کہ تمام علماء اس امر پر متفق الراءے ہو جاتے کہ یہ ساتوں اُحرف باقی وثابت ہیں جبکہ اجماع علماء حجت ہے لہذا ان ساتوں ہی اُحرف کو باقی وثابت تسلیم کرنا ہوگا۔

## جمع قرآن و تشکیل قراءات کی مختصر تاریخ

قراء پانی پت میں شیخ القراء قاری رحیم بخش پانی پتی کا نام نامی غیر معروف نہیں۔ ان کی شخصیت کا یہ امتیاز ہے کہ متعدد متواتر قراءات میں سے ہر ایک کے بارے میں انہوں نے علیحدہ علیحدہ کتابچے تحریر فرمائے۔ آپ کی یہ کاوش عرب و عجم میں اپنے موضوع پر منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اس موضوع پر بعض عرب محققین کا شائع ہونے والا تمام کام بنیادی طور پر حضرت قاری صاحب کے اسی کام سے ماخوذ ہے۔ عوامی سطح پر پاکستان میں پانی پتی اسلوب تلاوت کو متعارف کروانے کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔ آپ کے سینکڑوں تلامذہ حلقہ ہائے حفظ قرآن کو عرصہ دراز سے جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں اور عوامی سطح پر پانی پتی لہجہ و سلسلہ قراءات کو باقی رکھنے کی بنیاد بنے ہوئے ہیں۔ موصوف رحمہ اللہ کی زیر نظر تحریر ان کی کتاب الخط العثماني في الرسم العثماني سے ایک بحث کا انتخاب ہے۔ حضرت کی بلند بالائشخصیت اور موضوع کی افادیت کے پیش نظر ان کی یہ تحریر ہم رُشد کے صفحات میں شائع کر رہے ہیں۔ [ادارہ]

**الف:** قرآن کی کتابت و تدوین کے تین دور ہیں:

**عبدالنبی:** جب کوئی آیت یا کئی آیتیں یا کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو آپ حضرت زید رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بلا کر کھوادیتے تھے اور وہ کسی آیت کو کاغذ کے ٹکڑے پر اور کسی کو ہڈی پر اور کسی آیت کو کھجور وغیرہ کی لکڑی اور کسی کو پتھروں کے ٹکڑوں پر اس طرح مختلف چیزوں پر لکھ لیتے تھے اور اس ذریعہ سے تمام قرآن مجید آپ کے زمانے میں ہی محفوظ ہو گیا تھا لیکن اصل دار و مدار حفظ پر تھا، یعنی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم بغیر دیکھے ہی پڑھتے تھے اور اپنے سینوں میں قرآن مجید کو محفوظ رکھتے تھے۔

**عبدالصدیق:** حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع کیا گیا جس کا سبب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب (جھوٹے نبی) نے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سے جہاد کیا اور کافی جانیں تلف ہونے کے بعد اس کا وقت آیا اور وہ مارا گیا اور اس جنگ میں پانچ سو کے قریب قرآن مجید کے حفاظ و قراء شہید ہو گئے اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے قراء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے آپ قرآن کو مختلف چیزوں سے نقل کرا کر ایک جگہ جمع کر دیجئے انہوں نے فرمایا میں وہ کام کس طرح کروں جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود کیا اور نہ اس کے لئے حکم فرمایا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”خدا کی قسم یہ تو بہتر ہی بہتر ہے بدعت قطعاً نہیں ہے“ اس پر آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا اور یہ خدمت ان کے سپرد کی۔ آپ نے بھی پہلے بہت اندیشہ ظاہر کیا پھر حضرات شیعین کے اصرار پر کمر ہمت باندھی اور قرآن کو اس کے تمام

حروف و قراءات سمیت یکجا جمع کر دیا لیکن اس بار بھی تمام قرآن مجید ایک جلد میں جمع نہیں ہوا بلکہ صحیفوں کی شکل میں محفوظ ہو گیا تھا۔ پھر یہ صحیفے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں آئے اور ان کی وفات کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔

**عمر عثمانی:** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پورا قرآن ایک جلد میں بین الدفتین جمع کیا گیا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ قرآن کے پڑھنے والے آپس میں اختلاف کرنے لگے اور جو جملے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر اور مطلب کے طور پر بیان فرمائے تھے بعض نے ان کو بھی قرآن کہنا شروع کر دیا اور ہر ایک یہ کہتا کہ میری قراءت عمدہ تر ہے یہاں تک کہ آذربایجان اور آرمینیا ۳۰ھ کا جہاد پیش آیا جس میں حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے جب موصوف نے قرآن کے الفاظ میں اختلاف والی گفتگو سنی تو گھبرائے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قرآن کی حفاظت کا انتظام کیجئے ورنہ لوگ تورات و انجیل کی طرح اس میں بھی اختلاف پیدا کر دیں گے اور کچھ مضمون اپنے پاس سے بھی شامل کر دیں گے اس پر آپ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے صدیقی عہد کے سب صحیفے منگوائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو اس کام پر مقرر کیا کہ پورا قرآن اس دور کے موافق ایک جلد میں نقل کر دیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری بار حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کیا تھا اور اس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان سب کا سردار بنا دیا اس پر ان حضرات نے پورے قرآن کے کئی نسخے تیار کئے جو ایک روایت کے مطابق پانچ اور دوسری کے مطابق آٹھ تھے اور بڑے بڑے شہروں (کوفہ، بصرہ، شام، مکہ، بحرین، یمن) میں ایک ایک نسخہ روانہ فرمایا اور ایک نسخہ مدینے والوں کو عنایت فرمایا اور ایک جلد خاص اپنی تلاوت کے لئے رکھ لی اور اس قرآن کو "امام" کہتے ہیں اور حکم دیا کہ ان قرآنوں کے سوا جو کچھ بھی کسی کے پاس ہے اس کو قیام امن و نظام کی غرض سے جلا دیں یا دفن کر دیں اور سب انہی قرآنوں کے موافق پڑھیں اور ان قرآنوں کو صحابہ نے نقطوں اور حرکتوں سے خالی رکھا تھا تا کہ ایک ہی قرآن سے وہ سب قراءتیں اور حروف و وجوہ نکل سکیں جو ان حضرات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھیں اس وقت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے سبب یہ بات ضروری قرار دے دی گئی کہ اب جو شخص بھی قرآن پڑھے یا لکھے وہ اس میں ان مصاحف ہی کی متابعت و موافقت کرے پھر بعد میں قرون اخیرہ میں نقطے اور حرکتیں لگائی گئیں (جن کا تفصیلی بیان بعد میں آئے گا)۔

**ب:** یاد رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لغت قریش کے علاوہ باقی تمام لغات کو منسوخ نہیں کیا تھا اس لئے کہ روایت حفصہ ہی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لغت قریش کے سوا بعض اور لغات بھی موجود ہیں چنانچہ ان کے لئے مصریہا، ہود، ع ۴ میں اور اس کے بعد والے الف کا امالہ ہے حالانکہ امالہ عام اہل نجد کا لغت ہے اسی طرح فعل کے وزن میں عین کا ضمہ حجازی اور سکون تیبی لغت ہے اور روایت حفصہ میں دونوں ہی لغات موجود ہیں اسی طرح ہمزہ ساکنہ کی تحقیق تیبی لغت ہے وغیرہ پس معلوم ہوا کہ آپ نے قریش کے علاوہ باقی تمام لغات ختم نہیں کیے تھے بلکہ تفسیری الفاظ درجہ کے ساتھ ساتھ ان لغات کو منسوخ کیا تھا جو غیر فصیح تھے اور قریش کے یہاں معتبر نہیں تھے مثلاً ہذیل کے یہاں حتی کے بجائے عتی اور اسد کے یہاں تعلمون، عہد وغیرہ میں علامت مضارع کا کسرہ اور نونیم کے یہاں ردتہ ردو میں راء کا کسرہ اور غیر اسن کے بجائے غیر یاسن وغیرہ ہے البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف میں رسم الخط (طریق کتابت) قریشی ہی رکھا تھا جس کی چند وجوہ ہیں:

ب

قاری رحیم بخش پانی پتی

① پہلے زمانہ میں وسعت و رخصت اور سہولت و آسانی کے لئے قرآن مجید کو سات لغات میں پڑھنے کی اجازت تھی اور ہر قبیلہ اپنے اپنے لغت میں تلاوت کرتا تھا اس لئے مختلف قبائل کے عوام نے کم علمی کی وجہ سے ایک دوسرے کی لغت کی تردید و تنقیص شروع کر دی تھی۔

② بعض حضرات نے تفسیری جملے والفاظ بھی شامل قراءت کر لئے تھے۔

③ اسی طرح کچھ لوگوں نے ناواقفیت کی بناء پر منسوخ التلاوة آیات بھی اپنی قراءت میں شامل کر لی تھیں۔

④ دشمنان دین کی کوشش سے کئی من گھڑت الفاظ و مضامین بھی شامل ہو گئے تھے۔

ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ضروری سمجھا کہ قرآن مجید کے کئی نسخے صرف لغت قریش ہی کے رسم الخط کے موافق غیر معرب و منقط (اعراب اور نقطوں کے بغیر) لکھوا کر معلمین سمیت مختلف اطراف و ممالک میں بھیجے جائیں تاکہ سب لوگ انہی کے موافق تلاوت کریں۔

اور لغت قریش کا رسم الخط اس بناء پر اختیار کیا کہ قرآن کا اکثر و بیشتر حصہ اسی کے موافق اترتا تھا نیز قرآن سب سے پہلے اسی لغت کے موافق نازل ہوا تھا پھر آسانی و رخصت کی غرض سے دوسری لغات میں پڑھنے کی اجازت ہو گئی تھی اور مصاحف کو نقطوں اور حرکتوں سے خالی اس لئے رکھا گیا کہ ایک ہی قرآن سے مختلف لغات و حروف سب سے اور منقول قراءت سب کی سب آسانی سے نکل سکیں۔

پس آپ نے آٹھ مصاحف لکھوائے اور ان میں بعض اختلافی الفاظ و کلمات منزہ کو متفرق طور پر لکھوایا اور یہ بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے لکھے گئے پھر آپ نے ایک جلد خاص اپنی تلاوت کے لئے رکھ لی اور ایک نسخہ اہل مدینہ کو عنایت کیا اور ایک ایک مصحف کوفہ، بصرہ، شام، بحرین، یمن کی طرف معلمین قراءت سمیت روانہ فرمایا مدنی مصحف کے معلم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فی کوفہ کے حضرت ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ، بصری کے عامر بن قیس رضی اللہ عنہ، شامی کے مغیرہ بن ابی شہاب رضی اللہ عنہ اور مکی کے حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ تھے اور حکم بھیج دیا گیا کہ سب لوگ انہی قرآنوں کے موافق معلمین سے قراءت سیکھیں۔ پس ہر شہر والوں نے اپنے اپنے مصحف کے موافق پڑھا اور ہر مصحف کی قراءت کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔

## مصاحف عثمانیہ کی تاریخ مصحف مدنی

مصاحف عثمانیہ کا جو نسخہ مدینہ میں رکھا گیا وہ تاحین حیات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس رہا آپ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر خلافت کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا اور وہاں سے اندلس پہنچا۔ وہاں سے مراکش کے دارالسلطنت ”فاس“ میں پہنچا (تاریخ اداریسی تذکرۃ المصاحف) پھر کسی طرح مدینہ پہنچا۔ جنگ عظیم اول میں فخری پاشا گورنر مدینہ اس کو دیگر تبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا جہاں اب تک موجود ہے۔

## مصحف کی

مکی نسخہ ۶۵ھ تک مکہ معظمہ میں رہا محمد بن جبیر اندلسی رضی اللہ عنہ نے ۵۷۹ھ میں مکہ میں اس کی زیارت کی تھی مولانا شبلی نعمانی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں انہوں نے سیاحت کی یہ نسخہ جامع دمشق میں موجود تھا آپ کی زیارت غالباً انیسویں صدی کے آخر میں تھی کشاف المہدی نمبر ۱۵۷ میں ہے کہ سلطان عبدالحمید خان ۱۸۷۶ء

جمع قرآن و تشکیل قراءات کی مختصر تاریخ

میں تخت نشین ہوئے اور تقریباً تیس برس تک انہوں نے حکومت کی ان کے زمانے میں مسجد جامع دمشق کو آگ لگ گئی اس میں یہ مصحف بھی جل گیا۔

### مصحف شامی

احمد مقری مؤرخ نے ۳۷۵ھ میں اس کی زیارت کی تھی۔ یہ نسخہ کوفہ سے سلاطین اندلس پھر سلاطین موحدین پھر سلاطین بنی مرین کے قبضہ میں آیا اور جامع قرطبہ میں رہا اہل قرطبہ نے سلطان عبدالمومن کو دیا عبدالمومن کے حکم سے ابن بشکوال نے دارالسلطنت مراکش کو منتقل کیا یہ منتقلی ۱۱ شوال ۵۵۲ھ کو ہوئی ۶۲۵ھ میں خلیفہ معتضد علی بن مامون کے پاس رہا اسی سال خلیفہ مذکور نے تلمستان پر فوج کشی کی اور مارا گیا اسی فوج کشی میں وہ گم ہو گیا لیکن پھر تلمستان کے شاہی خزانہ میں پہنچا وہاں سے ایک تاجر خرید کر فارس لایا وہاں اب تک موجود ہے۔

### مصحف بصری

یہ نسخہ کتب خانہ خدیو جو مصر میں ہے وہاں موجود رہا اس کو سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے وزیر نے ۵۷۷ھ میں تیس ہزار اشرفی میں خریدا۔

### مصحف یمنی

کتب خانہ جامع ازہر مصر میں موجود ہے۔

### مصحف بحرین

فرانس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

### مصحف کوئی

کتب خانہ قسطنطنیہ میں موجود ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تین مصاحف اور ہیں جن میں سے مصحف عثمانی دوم جامع سیدنا حسین رضی اللہ عنہ قاہرہ میں ہے اور مصحف عثمانی سوم جامع ملیہ دہلی میں موجود تھا اگر ہنگامہ تقسیم ہندوستان میں تلف نہ ہوا ہو تو موجود ہوگا۔ مصحف چہارم انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں موجود ہے اس پر لکھا ہوا ہے ”کتبہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ“ یہ نسخہ میجر روائس کو ملا اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ کو دیا اب انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے اس کے ۱۸۱ صفحات ہیں اور فی صفحہ ۱۶ سطریں ہیں۔

### قرآن کے اعراب، نقطے، نحو، و اعشار، اجزاء و منازل، رکوعات وغیرہ

اسلام سے پہلے اہل عرب میں حرکات اور نقطے مشہور نہ تھے بلکہ وہ اپنے قدرتی و فطرتی ملکہ و طبعی محاورہ کے زور سے اعراب وغیرہ صحیح طور پر ادا کر لیا کرتے تھے پھر جب اسلام خوب پھیل گیا اور عرب کا عجم سے اختلاط ہوا تو عرب و عجم دونوں کی تلاوت میں خطا اور غلطی واقع ہونے لگی اس لئے علماء نے حرکتوں اور نقطوں کی علامات مقرر کر دیں تاکہ غلطی سے بچاؤ ہو جائے۔ چنانچہ اعراب کی تفصیل یہ ہے کہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں زیاد بن سمیہ (جو بصرہ کے والی تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھ کر ابوالاسود ۶۹ھ) (شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ تلاوت و زبان کی



تاری رحیم بخش پانی پتہ

اصلاح کیلئے چند علامات (اعراب سے متعلق) وضع کر دیں۔ آپ نے اس درخواست کو قبول نہ کیا زیادہ نے یہ تدبیر کی کہ اپنے ملازمین میں سے ایک شخص سے کہا کہ تم الاسود کے دروازے پر بیٹھ جاو اور جان بوجھ کر قرآن غلط سلسلہ پڑھنا شروع کر دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور یوں پڑھا ”إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ“ (لام اور ہاء کے زیر سے) کہ خدا تعالیٰ اہل شرک اور اپنے رسول دونوں ہی سے بیزار ہیں (معاذ اللہ) ابوالاسود نے جو یہ سنا تو نہایت بے تابی سے کہا خدا تعالیٰ اپنے رسول کی بیزاری سے بری اور پاک ہے پھر آپ فوراً زیاد کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا میں نے تمہاری درخواست قبول کر لی میرا خیال ہے کہ عربیت میں ایک کتاب بناؤں جس کے ذریعے عوام و خواص سب کے سب اس خرابی کی درستی کر لیں جو ان کے کلام میں رونما ہو گئی ہے اور سب سے پہلے قرآن کے اعراب لگاؤں اس لئے آپ میرے پاس کا تب بھیج دیں زیاد نے ابوالاسود کے پاس تیس کا تب بھیجے جن میں سے ایک کو آپ نے منتخب کر لیا اور اس سے کہا کہ اپنے ساتھ مصحف اور سیاہی کے علاوہ کوئی اور رنگ بھی رکھ لو پس جہاں میں زبر پڑھوں وہاں (اس دوسرے رنگ سے) ایک نقطہ حرف کے اوپر اور جہاں زیر پڑھوں وہاں ایک نقطہ حرف کے نیچے لگا دینا اور جہاں پیش پڑھوں وہاں ایک نقطہ حرف کی اگلی جانب میں یا اس کے درمیان میں لگا دینا۔ مثلاً الحمد لله اور غنہ (توین) کے موقع پر دو دو نقطے لگا دینا (جن میں سے ایک حرکت کا ہوگا اور دوسرا توین کا) پھر اگر یہ توین والا کلمہ کسی ایسے کلمہ کے ساتھ مل کر آئے جس کے شروع میں حرف حلقی ہ، ہ، ع، ح، غ، خ میں سے کوئی ہو تو دونوں نقطوں کو ملا دینا مثلاً عذاب، الیم، ولکل قوم، ہاد، سمیع، علیم، لعلی، حکیم، لعفو، غفور، علیم، خبیر تاکہ بعد اور اظہار کا پتہ چل جائے اور اگر توین والے کلمے کے متصل راء، لام، میم، نون میں سے کوئی آ رہا ہو تو دو نقطے یکے بعد دیگرے ملا کر لکھ دینا اور ان حرفوں پر تشدید بھی لگا دینا۔ وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں توین ان حرفوں میں مدغم ہوتی ہے اس لئے تم اس صورت میں نقطوں کو قریب قریب کر دینا اور توین کے بعد والے حرف کو مشدّد لکھ دینا۔ پھر آپ نے نہایت سکون و اطمینان سے پڑھنا شروع کیا اور کا تب اسی ہدایت کے موافق نقطے لگاتا رہا جب ایک جزو پورا ہو جاتا تو ابوالاسود اس پر نظر ثانی کرتے یہاں تک کہ اسی طرح پورے قرآن کے اعراب لگائے اور سکون کو بلا علامت چھوڑ دیا۔ لوگوں نے اس طریق اعراب کو اخذ کیا اور اس کو شکل و تشکیل کے نام سے موسوم کر دیا۔ پھر ان نقطوں کے مختلف طریقے رائج ہو گئے بعض نے مربع اور بعض نے مدور شکل کو اختیار کر لیا۔

اس کے بعد لوگوں نے حرکات کے متعلق چند علامتیں اور زیادہ کیں حتیٰ کہ خلیل بن احمد فراہیدی نحوی ۷۰ھ نے ضبط حرکات کا یہ طریقہ جاری کیا جو اس وقت مروج ہے کہ زبر حرف کے اوپر ایک لمبی سی شکل کا نام ہے اور زیر حرف کے لئے ایک ایسی ہی شکل حرف کے نیچے ہوتی ہے اور پیش کے لئے حرف کے اوپر چھوٹا سا واؤ ہوتا ہے اور توین کی صورت میں یہی شکلیں دو دو بار ہوتی ہیں اور جزم جیم کے سرے کی طرح ہے اور ہمزہ کی نشانی عین تبری (ع) کا سر ہے (یعنی ء) اور اقلاب کی نشانی کے لئے باء سے پہلے نون ساکن اور توین پر چھوٹا سا میم بناتے ہیں (من بعد) اور تشدید والے حرف پر ملے جلے تین دندانے ہوتے ہیں جس کی اصل شد (تشدید والا ہوا) ہے پھر دال کو گرا کر شین کے دندانے باقی رکھ لئے۔ نیز خلیل نے روم اور اشام کی علامت بھی ایجاد کی۔

## قرآن کی تنقیط (نقطہ)

۴۰ھ سے کچھ عرصہ بعد تک لوگ عثمانی مصاحف سے صحیح طور پر پڑھتے رہے پھر عراق میں نقطوں کی غلطی بکثرت واقع ہونے لگی حجاج بن یوسف ثقفی (متوفی شوال ۹۵ھ) نے عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں کاتبین مصاحف سے یہ مطالبہ کیا کہ جو حروف لکھائی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں (مثلاً ذ، ز، س ش وغیرہ) ان کیلئے بھی علامتیں مقرر کر دیں حجاج نے نصر بن عاصم لیثی اور یحییٰ بن یعمر عدوانی کو بلا یا (یہ دونوں حضرات ابوالاسود کے شاگرد ہیں) اور ان سے اس کام کو انجام دینے کے لئے کہا چونکہ بعض حضرات عثمانی مصاحف پر زیادتی کو ناپسند کرتے تھے اور بعض حضرات پہلی اصلاح (جو ابوالاسود نے کی تھی اس) کے قبول کرنے میں بھی توقف و خاموشی اختیار کرتے تھے اس لئے ان دونوں حضرات نے سوچ بچار اور فکر و تامل کی اجازت چاہی اور پھر یہ طے کیا کہ اصلاح ثانی (علامات نقطہ) میں بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ ان کے ذریعہ تلاوت میں سہولت اور تفہیم معنی میں آسان ہوگی اور قرآنی حروف کی اصل اور ان کے مادہ میں نہ تو کوئی زیادتی ہوگی اور نہ ہی کوئی تبدیلی۔

پس ان حضرات نے حروف مشتبہ الکتابت کی تیز کے لئے ہر حرف کے نقطوں کی تعداد مقرر کر دی مثلاً ش کے لئے اس کے تین دندانوں کی مناسبت سے تین نقطے مقرر کئے وغیرہ وغیرہ اور پورے قرآن کو نقطوں سے منقط کر دیا یہ سلسلہ تمام لوگوں میں آج تک اسی طرح چلا آتا ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں البتہ فاء اور قاف کے بارہ میں اہل مشرق و مغرب کا اختلاف ہے پس اہل مشرق تو فاء کے لئے ایک نقطہ اور قاف کے لئے دو نقطے اوپر لگاتے ہیں اور اہل مغرب فاء کے نیچے اور قاف کے اوپر صرف ایک ایک نقطہ لگاتے ہیں لیکن اس اصطلاح میں کوئی ضرر نہیں جب کہ التباس و اختلاط سے امن و احتراز (بچاؤ) حاصل ہے۔ ابن سیرین کے پاس ایک قرآن تھا جس میں یحییٰ بن یعمر نے نقطے لگائے تھے۔

## ۳۳ تخمیس و تعشیر

(آیتوں کے پانچ پانچ اور دس دس ہونے کی نشانی) قنادہ تابعی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیتوں کے پانچ اور دس ہونے کی علامتیں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم بھی لگاتے تھے دانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ شہروں میں تابعین رضی اللہ عنہم کے عہد سے ہمارے اس زمانہ تک نقطے اور حرکات لگانے کی اجازت دیتے چلے آئے ہیں جو قرآن اصل الاصول تھے ان میں بھی اور ان کے علاوہ دوسرے قرآنوں میں بھی اور سورتوں کے شروع کی اور ان کی آیتوں کے شمار کی اور اسی طرح خموس و اعشار کے موقعوں کی علامت لگانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ کام بھی سب سے پہلے نصر بن عاصم لیثی رضی اللہ عنہ نے کیا جو بصرہ کے جلیل القدر تابعی ہیں۔

## ۳۴ اجزاء قرآن

(۳۰ پارے) قرآن پاک کے ختم کی مدت میں سلف صالحین کی عادت کم و بیش مختلف تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ عموماً تین روز سے کم میں ختم کرنا مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے جبکہ الفاظ و حروف صحیح طور پر ادا نہ ہوں چنانچہ حدیث میں ہے جس نے تین روز سے کم میں قرآن ختم کیا وہ قرآن کے مطالب سے بے خبر رہا۔ [ابوداؤد: ۱۳۹۰]

یہ حکم ظاہری معانی کے اعتبار سے ہے ورنہ دقائق و اسرار کے لئے تو عمریں کی عمریں بھی ناکافی ہیں ایک جماعت

قاری رحیم بخش پانی پتی

نے ظاہر حدیث کے موافق تین دن میں ختم کرنا ہمیشہ اپنا معمول بنا رکھا تھا اور ایک جماعت پورے ماہ میں ختم کرتی تھی جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا قرآن حکیم کو ہر مہینہ میں ختم کرو میں نے عرض کیا میرے میں زیادہ قوت ہے فرمایا کہ سات دن میں ختم کرو اور اس پر زیادتی نہ کر۔ [البوداؤد: ۱۳۹۰]

شائد اسی سے اخذ کر کے حجاج کے زمانہ میں تیس پاروں کی اصطلاح مقرر ہوئی جو سورۃ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآنی کلمات کے شمار کے موافق مساوی یا قریب بہ مساوی ہیں پس ان تیس پاروں کے شمار میں عام مہینوں کے دنوں کے شمار کی موافقت ہے پھر ہر پارہ کے چار حصے کئے گئے اسی لئے مروجہ نسخوں میں ربع (چوتھائی) نصف (آدھے) ثلث (تین ربع) کے حصے شمار حروف کے اعتبار سے درج ہیں۔

### ⑤ منازل فمی بشوق (سات منزلیں)

حذیفہ ثقفی کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا آپ حضرات قرآن کی منزل کے حصے کو کس طرح کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قرآن کے سات حصے کرتے ہیں:

- ① تین سورتیں (بقرة سے نساء تک)
- ② پانچ سورتیں (مائدة سے براءت تک)
- ③ سات سورتیں (یونس سے نحل تک)
- ④ نو سورتیں (بنی اسرائیل سے فرقان تک)
- ⑤ گیارہ سورتیں (شعراء سے یسین تک)
- ⑥ تیرہ سورتیں (والصافات سے حجرات تک)
- ⑦ مفصل سورتیں (ق سے آخر قرآن تک)

[البوداؤد، ۱۳۹۳: قال الالبانی: ضعیف]

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہفتہ میں ختم قرآن کی ترتیب ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کیلئے مقرر فرمائی تھی پھر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اسی ترتیب سے نماز تہجد میں پڑھتے تھے شاید منازل فمی بشوق (میرامنہ بتلائے شوق قرآن ہے) انہی احادیث سے اخذ کر کے حجاج کے زمانہ میں مستقل اصطلاح بنا دی گئی ہو جو شب جمعہ کو شروع ہو کر شب جمعرات کو ختم ہوتی ہیں، فمی بشوق کی فاء فاتحہ کی، میم مائدة کی، یاء یونس کی، باء بنی اسرائیل کی، شین شعراء کی، واو والصفۃ کی اور قاف سورہ کی کی رمز ہے بعض حضرات نے دوسری منزل مائدة کے بجائے نساء بتائی ہے پس اب مجموعہ فنی بشوق ہوگا ان منازل میں کلمات و حروف کے بجائے سورتوں کے اخیر اور ان کی تمامیت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

### ⑥ منازل احزاب (سات منازل احزاب)

یہ ساتوں فایط عزو میں جمع ہیں فاء فاتحہ کی، ہمزہ انعام کا، یاء یونس کی، طاء طہ کی، عین عنکبوت کی، زاء زمر کی، واو واقعہ کی رمز ہے۔ یہ سات منازل جمع سے شروع ہو کر جمعرات تک ختم ہوتی ہیں حضرت عثمان، حضرت زید، حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا معمول یہی تھا اور اعراب تجزیہ تنقیط قرآن وغیرہ کی تمام خدمات خلفاء بنو امیہ کے عہد میں سرانجام ہوئی ہیں۔

### فائدہ

ان منازل کے عمل میں جمعیت دارین کے متعلق عجیب و غریب تاثیر ہے (شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) اور قبولیت دعا و قضاء حاجات میں بھی مؤثر ہیں۔ (ابن عباس)

### فائدہ

اہل مصر و مغرب قرآن کو ساٹھ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک کو حزب کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جو تقریباً نصف پارہ ہوتا ہے۔ پھر ہر حزب کے چار حصے بنا لیتے ہیں، جن میں سے ہر ایک کو ربح حزب یا مقررہ کہتے ہیں۔

ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئمہ کے زمانہ میں قرآن کے اجزاء دو طرح بنائے جاتے تھے۔

① ایک سو بیس: جن میں سے ایک ایک جزو کا افراد روایات میں خیال کیا جاتا تھا اور اس طرح ہر روایت چار ماہ کی مدت میں ختم کرتے تھے۔

② دو سو چالیس اجزاء جن میں سے ایک ایک جزو کا جمع المجموع میں خیال کیا جاتا تھا اور اس طرح آٹھ ماہ میں پورے قرآن کی جمع المجموع مکمل کر لیتے تھے۔ [النشر: ۲، باب أفراد القراءات و جمعها]

### علامات رکوع

یہ علامات بھی فحوس و اعشار کی طرح شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں بلکہ ان کو مشائخ فقہاء اور علماء ما وراء النہر نے مقرر کیا ہے۔ (ان کے تقرر کا زمانہ تقریباً تین سو (۳۰۰ھ) کا شروع ہے) جب ہمارے مشائخ حنفیہ بالخصوص مشائخ بخارہ نے یہ دیکھا کہ لوگوں نے تراویح کی مقدار قراءت کے اندازہ کیلئے تعاشیر (آیتوں کے دس دس ہونے کی نشانیاں) لگائی ہوئی ہیں اور وہ ہر دس آیتوں پر ایک رکعت کرتے ہیں اور اس طرح پورے مہینے میں سنت کے موافق ایک ختم کرتے ہیں (کیونکہ بیس تراویح پومیہ کے حساب سے پورے ماہ کی کل رکعتیں چھ سو بنتی ہیں اور آیتوں کا شمار چھ ہزار سے کچھ زائد ہے پس اس طرح ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھنے سے پورے مہینے میں ایک قرآن ختم ہوتا ہے) تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ ان علامتوں میں کوئی خاص حسن کامل فائدہ اور زیادہ نفع نہیں کیوں کہ ان میں مضامین و معانی کا لحاظ قطعاً نہیں حتیٰ کہ بعض اوقات یہ نشانی ایسے موقع پر ہوتی ہے، جہاں رکعت کا ختم کرنا مناسب نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ایک دو آیتوں کا ملانا ضروری ہوتا ہے تاکہ مضمون پورا ہو جائے۔ نیز ان علامتوں کی رعایت سے ختم قرآن آخری رات میں ہوتا ہے حالانکہ شب قدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ستائیسویں شب میں ختم کرنا زیادہ عمدہ ہے (کیوں کہ شب قدر کی زیادہ احادیث اسی رات کے متعلق آئی ہیں لیکن اس کا التزام بدعت ہے) اس لئے ان حضرات نے رکوع کی علامتیں وضع کیں اور قرآن کے پانچ سو چالیس (۵۴۰) رکوع مقرر کئے جن میں دو باتوں کی رعایت و پابندی رکھی۔

**اول یہ** کہ کوئی رکوع قراءت کی فرض مقدار سے کم نہ ہو چنانچہ کوئی رکوع بھی ایسا نہیں جو تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت سے کم ہو اور قرآن کی آخری چھوٹی چھوٹی سورتیں سب کی سب مستقل رکوع ہیں۔

**دوم یہ** کہ ہر رکوع ایک پورے مضمون پر مشتمل ہو جس میں کلمات کے شمار و مقدار کا لحاظ بھی ملحوظ ہو۔ ہاں اگر کسی

قاری رحیم بخش پانی پتی

مضمون کو رکوع سے کافی لمبا دیکھا تو اس کے دو یا اس سے زیادہ رکوع بنا دیئے اسی طرح اگر کسی مضمون کو رکوع سے کافی چھوٹا دیکھا تو اس کو پورے رکوع کے بجائے اس کا ایک جزو بنا دیا یہ بات تمام رکوعوں میں ملحوظ ہے۔

البتہ سورۃ واقعہ کے پہلے رکوع میں قدرے خدشہ ہے کیونکہ وہ لأصحاب الیمین پر ختم ہوتا ہے حالانکہ مضمون اس کے بعد کی دو آیتوں کے ملانے سے پورا ہوتا ہے۔ اس کا حل یوں ہو سکتا ہے کہ چونکہ یہ رکوعات ائمہ فرن سے منقول نہیں بلکہ اجتہادی و فقہی ہیں نیز ان کے مقامات اور شمار میں بھی اختلاف ہے چنانچہ متاخرین کے نزدیک کل رکوع پانچ سواٹھاون (۵۵۸) ہیں اس لئے اس کا اتباع واجب نہیں بلکہ صحیح بھی ہے کہ یہ رکوع وثلة من الآخرین پر پورا ہوتا ہے اسی پر رکعت کا ختم کرنا مناسب ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ شروع میں تو بعض کم علم لوگوں نے اس کو مقرر کر دیا ہو لیکن پھر بعد والوں نے اسی کو معمول و لازم بنا لیا ہو۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس جگہ قصہ یا مضمون پورا ہوتا ہے یا جہاں امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز میں رکوع کیا ہے وہاں یہ شکل (ع) لکھ دیتے ہیں جو رکع کا مخفف ہے لیکن یہ بعید ہے۔ علامت رکوع (ع) پر تین ہندسے لکھتے ہیں جن میں سے اوپر والا ہندسہ سورت کے رکوع کی اور نیچے والا پارہ کے رکوع کی اور درمیان والا آیتوں کی تعداد ظاہر کرتا ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

[مبسوط شمس الأئمة سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (التونی ۳۹۰ھ یا ۵۰۰ھ): ۱۳۶/۲، قاضی خان (۵۹۲ھ): ۱/۲۱۸، ۲۱۷ برہامش،

عالمگیریہ، عالمگیری: ۱، تیسیر البیان]



شہاد

ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی ☆  
مترجم: قاری فیاض احمد \*

## رسم عثمانی اور قراءات کے درمیان تعلق

شیخ القراء ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رُشد قراءات نمبر کی تینوں اشاعتوں میں مجلس مشاورت کے بنیادی ارکان میں سے ہیں۔ آپ کی شخصیت علم قراءات کے حوالے سے علمی و عوامی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی کے شیخ زاہد اسلامک سینٹر سے چند سال قبل علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری ’رسم عثمانی‘ کے حوالے سے حاصل کی۔ آپ کا تحقیقی مقالہ امام ابوالقاسم شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ عقیلۃ أتراب القصاصد کی شرح از ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق و تعلق پر مشتمل تھا۔ حضرت قاری صاحب کا زیر نظر مضمون درحقیقت اسی عربی مقالہ کی ایک فصل کا انتخاب ہے جو موصوف نے خود رُشد کے صفحات کیلئے مرحمت فرمایا۔ رسم عثمانی کے موضوع پر مطالعہ کے شائقین کو مذکورہ مقالے کی طرف ضرور رجوع کرنا چاہئے۔ [ادارہ]

نزول قرآن کے وقت سیدنا جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی فرمایا کرتے تھے کہ ’اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ پر رکھا جائے‘ اسی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصاحف عثمانیہ جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۵ھ) کے دور میں لکھے گئے وہ اسی ترتیب پر لکھے گئے جو ترتیب لوح محفوظ میں موجود ہے۔ مصاحف عثمانیہ کے بارے میں یہ بھی ثابت ہے کہ وہ نقطوں، شکلوں سے خالی تھے اور حذف و اثبات اور فصل و وصل وغیرہ کے بارے میں مختلف تھے، اور یہ مصاحف راجح قول کے مطابق ان سببہ احرف کے مطابق تھے جن پر قرآن نازل ہوا اور یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ مصاحف ان قراءات کے مطابق تھے جو عرضہ اخیرہ میں باقی رہ گئی تھیں۔

مصاحف عثمانیہ کی تعداد کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چار اقوال زیادہ مشہور ہیں:

① چار مصاحف تھے ② پانچ تھے ③ چھ تھے ④ سات تھے۔

● کلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۳۷ھ) فرماتے ہیں:

”جب انہوں نے مصاحف تیار کیے تو سات بنائے بعض پانچ کہتے ہیں لیکن سات کے رواۃ زیادہ ہیں۔“

[الإبانة للمکي بن أبي طالب: ۶۵]

⑬ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۹۰ھ) ’العقیلۃ‘ میں فرماتے ہیں کہ وہ سات تھے۔

وسار في نسخ منها مع المدني كوف و شام و بصر تملأ البصر  
وقيل مكة و البحرين مع يمن ضاعت بها نسخ في نشرها قطرا

☆ نائب مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور، رئیس لجنة تصحيح المصاحف محکمہ اوقاف پاکستان

\* فاضل و مدرس كلية القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ

”مصاحف عثمانیہ کی تعداد سات تھی:

① مصحف مدنی ② مصحف کوئی ③ مصحف شامی ④ مصحف بصری ⑤ مصحف مکی ⑥ مصحف بحرینی ⑦ مصحف یمنی۔“  
اور یہ بات ہی فائدہ سے خالی نہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ ایک ایک قاری بھیجا، جو اس شہر والوں کو اس مصحف سے وہ قراءت پڑھاتا تھا جو عرضہ اخیرہ میں باقی رہ گئی تھیں۔

سالام محیسسن اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ قاری اس لیے بھیجا تھا کیونکہ قراءت میں اصل اعتماد تلقی اور مشافہہ پر ہے نہ کہ مصحف پر۔“ [الفتح الربانی: ۷۴]

اب ہم ذیل میں بالاختصار قراءت اور رسم عثمانی میں تعلق کا تذکرہ کرتے ہیں۔  
اس کی سات فصلیں ہیں:

### پہلی فصل

ان قرآنی کلمات کے بارے میں جن میں قراءت تو دو ہیں لیکن رسم ایک ہی طرح ہے۔

### دوسری فصل

ان قرآنی کلمات کے بارے میں جن میں قراءت بھی دو ہیں اور ان کی رسم بھی دو طرح سے ثابت ہے۔

### تیسری فصل

ان قرآنی کلمات کے بارے میں جن میں دو قراءت ہیں ایک اثبات الف کے ساتھ اور دوسری حذف الف کے ساتھ لیکن رسم صرف حذف الف کے ساتھ ہے۔

### چوتھی فصل

ان قرآنی کلمات کے بارے میں جن میں دو قراءت ہیں ایک اثبات یاء کے ساتھ اور دوسری حذف یاء کے ساتھ لیکن رسم میں یاء کو حذف کر کے صرف کسرہ پر اکتفاء کیا گیا ہے تاکہ وہ یاء مخذوفہ پر دلالت کرے۔

### پانچویں فصل:

ان قرآنی کلمات کے بارے میں جن میں تمام مصاحف عثمانیہ میں واؤ کو حذف کر کے صرف ضمہ پر اکتفاء کیا گیا تاکہ ضمہ اس پر دلالت کرے۔

### چھٹی فصل

ان قرآنی کلمات کے بارے میں جن ہاء تانیث (ہاء مدورۃ) ہے۔ لیکن بعض قراءت کی موافقت کی وجہ سے رسم میں تاء تانیث لکھی گئی ہے۔

### ساتویں فصل

ان قرآنی کلمات کے بارے میں جو موصولہ (ملا کر لکھے گئے) یا مقطوعہ (کاٹ کر لکھے گئے) ہیں۔ ہم اس باب

رسم عثمانی اور قراءات کے درمیان تعلق

میں بالاختصار چند مثالیں پیش کریں گے۔

## پہلی فصل

اب ہم ان مثالوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جن میں قراءات ایک سے زائد ہیں مگر رسم ایک ہی ہے۔ چونکہ مصاحف عثمانیہ نقطوں اور زیر، زبر، پیش سے خالی تھے اسی وجہ سے بعض دفعہ ایک ہی رسم میں ایک سے زائد قراءات سما جاتی تھیں۔

۱ مثلاً: ﴿ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ﴾ [البقرة: ۵۸] اس میں تین قراءات ہیں۔

① امام نافع رضی اللہ عنہ اور امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی قراءت 'يُغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ' ہے

② امام ابن عامر شامی رضی اللہ عنہ کی قراءت 'تَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ' ہے۔

③ باقی تمام قراء کی قراءت 'نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ' ہے۔

۲ مثلاً: لفظ ﴿ لَجِبِدِيلَ ﴾ [البقرة: ۹۷] ہے۔ اس میں چار قراءات ہیں:

① امام ابن کثیر مکی رضی اللہ عنہ کی قراءت 'لَجِبِدِيلَ' ہے۔

② امام شعبہ رضی اللہ عنہ کی قراءت 'لَجِبِدِيلَ' ہے۔

③ امام حمزہ رضی اللہ عنہ اور امام کسائی رضی اللہ عنہ کی قراءت 'لَجِبِدِيلَ' ہے۔

④ باقی تمام قراء کی قراءت 'لَجِبِدِيلَ' ہے۔

۳ مثلاً: لفظ ﴿ اِنَّهُمْ كَبِيرٌ ﴾ [البقرة: ۲۱۹] ہے۔

اس میں دو قراءات ہیں:

① امام حمزہ رضی اللہ عنہ اور کسائی رضی اللہ عنہ کی قراءت 'اِنَّهُمْ كَبِيرٌ' ہے۔

② باقی تمام قراء کی قراءت 'اِنَّهُمْ كَبِيرٌ' ہے۔

۴ مثلاً: لفظ ﴿ اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسُ ﴾ [الأنفال: ۱۱] ہے۔

اس میں تین قراءات ہیں:

① امام نافع رضی اللہ عنہ اور امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی قراءت 'اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسُ' ہے۔

② امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ اور ابو عمرو بصری رضی اللہ عنہ کی قراءت 'اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسُ' ہے۔

③ باقی تمام قراء کی قراءت 'اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسُ' ہے۔

۵ مثلاً: لفظ ﴿ اَمَّنْ لَا يَهْدِيْ ﴾ [يونس: ۳۵] ہے۔

اس میں چھ قراءات ہیں:

① امام ابو عمرو بصری رضی اللہ عنہ اور امام قالون رضی اللہ عنہ (ایک وجہ میں) کی قراءت [لَا يَهْدِيْ] (ہاء کے اختلاس کے

ساتھ) ہے۔

② امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ اور امام قالون رضی اللہ عنہ (دوسری وجہ میں) کی قراءت 'لَا يَهْدِيْ' ہے۔

③ امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ، امام ابن عامر رضی اللہ عنہ اور امام ورش رضی اللہ عنہ کی قراءت 'لَا يَهْدِيْ' ہے۔

بسم اللہ



- ۴) امام شعبہ رحمہ اللہ کی قراءت 'لَا يَهْدِي' ہے۔
- ۵) امام حفص رحمہ اللہ اور امام یعقوب رحمہ اللہ کی قراءت 'لَا يَهْدِي' ہے۔
- ۶) امام حمزہ رحمہ اللہ، امام کسائی رحمہ اللہ، امام خلف العاشر رحمہ اللہ کی قراءت 'لَا يَهْدِي' ہے۔
- مذکورہ بالا تمام مثالوں میں غور کرنے سے یہ بات آسانی سے سمجھ آ سکتی ہے کہ جب ان الفاظ پر نقطے اور زبر، زیر، پیش نہ ہوں تو ایک ہی رسم سے یہ تمام قراءات سمجھی جاسکتی ہیں۔ خصوصاً آخری مثال پر غور کریں۔ اس میں خصوصاً قائلون کی پہلی وجہ والی قراءت میں ہاء پر اختلاف ہے۔ یہ اختلاف صرف اور صرف اساتذہ کے پڑھانے سے ہی سمجھ آ سکتا ہے۔ صرف کتابت سے اس کی وضاحت ممکن نہیں۔ اس لیے ہمارا دعویٰ ہے کہ قراءات صرف اور صرف تلتقی اور مشافہت سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

## دوسری فصل

اب ہم ان مثالوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جن میں قراءات کے ساتھ ساتھ رسم بھی ایک سے زائد ہیں۔

① مثلاً: لفظ ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ﴾ [البقرة: ۱۱۶] ہے۔

اس آیت میں قراءات دو ہیں:

① امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ اس کو بغیر واؤ کے "قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ" پڑھتے ہیں۔

② باقی تمام قراءات اس کو واؤ کے ساتھ "وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ" پڑھتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت کا رسم بھی دو طرح ہے:

① مصحف شامی میں 'قَالُوا' واؤ کے بغیر لکھا ہوا ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'العقيلة' میں فرماتے ہیں:

"شام وقالوا بحذف الواو قبل یری" [رقم البيت: ۵۵]

یعنی شامی مصحف میں 'قَالُوا' واؤ کے بغیر لکھا ہے۔

② باقی تمام مصاحف یہ لفظ 'واؤ' کے ساتھ 'وَقَالُوا' ہے۔

اس لفظ کو دونوں طرح لکھا گیا ہے تاکہ دونوں قراءات نکالی جاسکیں اگر اس کا رسم ایک طرح ہوتا تو دونوں

قراءات نکالنی ممکن نہیں تھیں۔

② مثلاً: لفظ ﴿ وَسَارِعُوا ﴾ [آل عمران: ۱۳۳]

اس لفظ میں بھی دو قراءات ہیں:

① امام نافع رحمہ اللہ اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت 'سَارِعُوا' واؤ کے بغیر ہے۔

② باقی تمام قراءات کی قراءت 'وَسَارِعُوا' واؤ کے ساتھ ہے۔

اسی طرح اس کا رسم بھی دو طرح سے ہے:

① مصحف مکی و عراقی میں 'واؤ' کے ساتھ 'وَسَارِعُوا' ہے۔

② امام شاطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'العقيلة' میں فرماتے ہیں:

وسارِعُوا الْوَاوِ مَكِّي عِرَاقِيَةَ [رقم البيت: ٦١]

② باقی تمام مصاحف میں واؤ کے بغیر 'سَارِعُوا' ہے۔  
اس لفظ میں بھی دونوں طرح رسم ہے تاکہ دونوں قراءات نکل آئیں:

③ مثلاً: لَفْظٌ ﴿قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ [الأعراف: ٣]

اس میں تین قراءات ہیں:

- ① امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت 'قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ' ہے۔
- ② امام حفص رحمہ اللہ، امام حمزہ رحمہ اللہ، امام کسائی کی قراءت 'قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ' ہے۔
- ③ باقی تمام قراءت کی قراءت 'قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ' ہے۔

لیکن اس میں رسم دو طرح مروی ہے:

① مصحف شامی میں [يَتَذَكَّرُونَ] ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ 'العقيلة' کے شعر نمبر ۷۴ میں فرماتے ہیں: 'وما يتذكرون و أنجاكم لهم زبرا'  
② باقی تمام مصاحف میں 'تَذَكَّرُونَ' ہے۔

اس لفظ کو دو رسموں میں اسی لیے لکھا گیا ہے تاکہ تینوں قراءات نکالی جاسکیں۔

④ مثلاً: لَفْظٌ ﴿تَجْرِي تَحْتَهَا﴾ [التوبة: ١٠٠] ہے۔

اس میں دو قراءات ہیں:

- ① امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کی قراءت 'تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا' ہے۔
- ② باقی تمام قراءت کی قراءت 'تَجْرِي تَحْتَهَا' ہے۔

اس طرح اس میں رسم بھی دو طرح سے مروی ہے:

① مصحف مکی میں 'تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا' ہے۔

اس بارے میں امام شاطبی رحمہ اللہ 'العقيلة' کے شعر نمبر ۷۷ میں فرماتے ہیں:  
'من تحتها آخرا مكيهم زبرا'

② باقی تمام مصاحف میں 'تَجْرِي تَحْتَهَا' ہے۔

ان دونوں رسموں سے دونوں قراءات نکالی جاسکتی ہیں۔

⑤ مثلاً: لَفْظٌ ﴿كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ [غافر: ٢١]

اس میں دو قراءات ہیں:

- ① ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت 'كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً' ہے۔
- ② باقی تمام قراءت کی قراءت 'كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً' ہے۔

اسی طرح اس میں رسم بھی دو طرح ہے:

① مصحف شامی میں 'كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً' ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس بارے میں امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ 'العقيلة' کے شعر نمبر ۷۰ میں فرماتے ہیں۔  
أشد منكم له أو أن لكوفية  
یعنی شامی کے لیے منکم ہے۔

② باقی تمام مصاحف میں 'كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً' ہے۔  
مثلاً: لفظ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ [الحديد: ۲۳] ہے۔

اس میں دو قراءات ہیں:

① امام نافع رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عامر شامی رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت 'فَإِنَّ اللَّهَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ' ہے۔  
② باقی تمام قراءت کی قراءت 'فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ' ہے۔  
اسی طرح اس میں رسم بھی دو طرح ہے:

① مصحف مدینہ و شام میں 'فَإِنَّ اللَّهَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ' ہے۔

اسی بارے میں امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ 'العقيلة' کے شعر نمبر ۱۱۴ میں فرماتے ہیں:

دع للشام والمدني هو المنيف ذرا

یعنی شامی و مدنی مصاحف میں بغیر 'هو' کے لکھا ہے۔

ان تمام مثالوں سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ان الفاظ کو دو طرح لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ دونوں قراءات سمجھ آجائیں۔

## تیسری فصل

اب ہم ان کلمات قرآنیہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جن میں دو قراءات ہیں۔ ایک اثبات الف کے ساتھ اور دوسری حذف الف کے ساتھ لیکن ان دونوں کا رسم حذف الف کے ساتھ ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جس لفظ کا رسم حذف الف کے ساتھ ہے وہاں سے اثبات الف کی قراءت کیسے نکلتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الف محذوفہ کے اوپر چھوٹا الف اسی لیے ڈالا جاتا ہے تاکہ اثبات الف کی طرف اشارہ ہو جائے۔ جس طرح علامہ خرازی اپنی کتاب 'دلیل الحیران شرح مورد الظمان' میں فرماتے ہیں:

وَأَلْحَقْنَا أَلْفًا تَوْسُطًا مِمَّا مِنَ الْخَطِّ اخْتِصَارًا اسْقَطًا

”یعنی جس لفظ سے اختصاراً الف حذف کر دیا گیا ہو اس پر چھوٹا الف (جسے ہم کھڑا زبر کہتے ہیں) لگا دو۔ (مثلاً الغلمین)“

① مثلاً لفظ ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ [الفاتحة: ۴]

تمام علماء رسم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس لفظ میں میم کے بعد الف حذف کیا جائے گا۔ جس طرح امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب [العقيلة کے شعر ۴۶] میں فرماتے ہیں:

'وقل بالحذف ملك يوم الدين مقتصرًا'

یعنی ملك يوم الدين میں حذف الف ہے۔

رسم عثمانی اور قراءات کے درمیان تعلق

اس لفظ میں دو قراءات ہیں۔

① امام نافع رضی اللہ عنہ، ابن کثیر رضی اللہ عنہ، ابو عمر رضی اللہ عنہ، ابن عامر رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی قراءت 'مَلِكِ' ہے۔ اس قراءت کے مطابق یہ اسم فاعل مبالغہ کا صیغہ بنتا ہے۔

امام ابو زرعمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے متعلق 'مَلِكِ' (یعنی بادشاہ) کہنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مواقع پر اپنے آپ کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً ﴿لَيْسَ الْمَلِكُ الْيَوْمَ﴾ آج کس کی بادشاہی ہے اسی طرح ﴿الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ﴾ [الحشر: ۲۳] اسی طرح ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ [الناس: ۲] لوگوں کے بادشاہ؛

② باقی تمام قراءت کی قراءت 'مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ' ہے۔

● امام شافعی اپنی کتاب 'الشاطبية' میں فرماتے ہیں:

'وَمَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ' راویہ ناصر، (یعنی اس کو الف کے ساتھ عاصم اور کسائی نے پڑھا ہے)

اور امام ابن الجزری رضی اللہ عنہ اپنی 'الدرۃ' میں فرماتے ہیں:

'وَمَلِكِ حَزْفُ'، (یعنی اس کو الف کے ساتھ یعقوب اور خلف العاشر نے پڑھا ہے۔)

اس لفظ کو الف کے ساتھ پڑھنے سے یہ اسم فاعل کا صیغہ بن جائے گا۔ جس کا معنی یہ ہے کہ (وہ اللہ) قیامت

کے دن کا مالک ہے۔ (پوری کائنات میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اسی معنی میں قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ [آل عمران: ۲۶]

”اے اللہ تو بادشاہی کا مالک ہے، جس کو چاہے بادشاہی دے.....“

اس مثال سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر یہ لفظ الف کے ساتھ یعنی 'مَلِكِ' لکھ دیا جاتا، تو حذف الف والی

قراءت کیسے نکلتی۔ اس لیے اس کو حذف الف کے ساتھ لکھا ہے تاکہ حذف و اثبات والی دونوں قراءات نکالی

جاسکیں۔ ڈاکٹر سالم محیسن اپنی کتاب 'الفتح الربانی' [صفحہ نمبر ۱۳۶] میں فرماتے ہیں کہ محذوف الفاظ کی تین

قسمیں ہیں:

**پہلی قسم**

بعض قراءات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے الف حذف کرنا۔ یعنی الف کو حذف صرف اس لیے کیا جاتا ہے

تاکہ دوسری قراءات بھی نکالی جاسکیں۔ مثلاً 'وَمَا يَخْدَعُونَ' کا الف اس لیے حذف کیا گیا تاکہ 'وَمَا يَخْدَعُونَ'

کی قراءت نکالی جاسکے۔ (اس طرح 'مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ' کی مثال ہے)

**دوسری قسم**

بعض کلمات کا دوسرے کلمات سے فرق کرنے کے لیے الف حذف کرنا۔ یعنی صرف اس لیے الف حذف کرنا تاکہ

دوسری جگہ سے اس کا فرق ہو جائے۔ مثلاً لفظ 'كَيْتَبُ' ہے، اس کا الف صرف فرق کے لیے محذوف ہے۔

## تیسری قسم

بعض کلمات سے اختصار کی وجہ سے الف حذف کرنا۔ یعنی صرف اس لیے الف حذف کرنا تاکہ اختصار ہو جائے۔ مثلاً 'الرَّحْمَنُ' میں میم کے بعد والا الف پورے قرآن میں صرف اختصار کی وجہ سے حذف ہے۔

۱۲ مثلاً: لفظ ﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقْتُلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَتَلْتُمْ﴾ [البقرة: ۱۹۱]

اس مثال میں تین افعال ہیں اور ان تینوں افعال سے الف حذف کیا گیا ہے۔ جس طرح امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'العقيلة' کے شعر نمبر ۴۸ میں فرماتے ہیں:

وَقَتَلُوهُمْ وَأَفْعَالُ الْقِتَالِ بِهَا ثَلَاثَةٌ قَبْلَهُ تَبْدُو لِمَنْ نَظَرَا  
 لِيَنِّي وَتَقْتُلُوهُمْ أَوَّاسَ كَسَاتِهِ بَاقِي دَوِّ اَفْعَالِ اِن تَبْدُو لِمَنْ نَظَرَا  
 ان کلمات میں دو قراءات ہیں:

① امام حمزہ رحمۃ اللہ علیہ، کسائی رحمۃ اللہ علیہ اور خلف العاشر رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ہے۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقْتُلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَتَلْتُمْ﴾ (یعنی ان افعال کو باب قتل يقتل سے بنایا گیا ہے۔)

② باقی تمام قراء کی قراءت ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقْتُلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَتَلْتُمْ﴾ (یعنی ان افعال کو باب قاتل يقتل سے بنایا گیا ہے۔)

سالم محیسن اپنی کتاب [الفتح الرباني: ۱۵۰] میں فرماتے ہیں:

ان کلمات میں الف اس لیے حذف کیا گیا تاکہ حذف الف والی قراءت بھی نکل آئے حالانکہ رسم قیاسی کا تقاضا یہ تھا کہ ان کلمات کو الف کے ساتھ لکھا جاتا۔ لیکن الف کے ساتھ لکھنے میں حذف الف والی قراءت نہیں نکل سکتی۔

۱۳ مثلاً: لفظ ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ [النساء: ۴۳]

بعض علماء رسم نے اس لفظ میں حذف الف کی باقاعدہ صراحت کی ہے۔ جس طرح امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ 'العقيلة' کے شعر نمبر ۵۸ میں فرماتے ہیں:

'مراغما قاتلوا لامستم بهما'

یعنی نافع نے حذف الف روایت کیا ہے۔

اسی طرح امام دانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب [التيسير کے صفحہ نمبر ۹۶] میں لکھتے ہیں:

"قرأ حمزة والكسائي 'أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ' في النساء والمائدة بغير ألف والباقون بالألف"  
 یعنی اس لفظ میں دو قراءات ہیں:

① امام حمزہ رحمۃ اللہ علیہ اور کسائی کی قراءت 'أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ' (بغیر الف)

② باقی تمام قراء کی قراءت 'أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ' (بالف)

امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب [الحجة کے صفحہ نمبر ۲۰۵] میں فرماتے ہیں:

"حذف الف والی قراءت کے مطابق معنی یہ ہے کہ عورتوں کو جماع کے علاوہ چھونا یعنی بوس و کنار کرنا اور یہ ابن

عمر رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ہے۔ جبکہ اثبات الف والی قراءت کا معنی یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ جماع کرنا اور یہ ابن

رسم عثمانی اور قراءات کے درمیان تعلق

عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔

اسی طرح امام ابو زرعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو حذف الف کے ساتھ لکھنے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں حذف والی قراءت بھی ہے۔ اس طرح کے الفاظ تو قرآن میں بہت زیادہ ہیں۔ اسی کثرت وقوع کی وجہ سے ان کا الف حذف کر دیا جاتا ہے۔“

## چوتھی فصل

اب ہم ان قرآنی کلمات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جن میں دو قراءات ہیں ایک اثبات یاء کے ساتھ، اور دوسری حذف یاء کے ساتھ لیکن رسم میں یاء کو حذف کر کے صرف کسرہ پر اکتفاء کیا گیا ہے تاکہ وہ کسرہ یاء محذوفہ پر دلالت کرے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو جائے کہ بعض قراء ان کلمات میں وقف بھی یاء کو حذف کرتے ہیں۔

① مثلاً: لفظ ﴿أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ﴾ [البقرة: ۱۸۶]

اصل میں یہ لفظ 'الدَّاعِ' ہے اثبات یاء کے ساتھ۔

اس میں دو قراءات ہیں:

① امام ورش رضی اللہ عنہ، امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ، اور امام ابو عمر رضی اللہ عنہ کی قراءت حالت وصل میں 'الدَّاعِ' ہے جبکہ وقفاً یہ قراءت حذف یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں (امام یعقوب دونوں حالتوں میں یاء کو ثابت کرتے ہیں۔)

امام ابو زرعہ رضی اللہ عنہ اپنی کتاب 'الحجۃ' کے صفحہ نمبر ۱۲۶ میں فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اصل میں یاء کے ساتھ ہے کیونکہ یاء فعل کا لام کلمہ ہے۔ ان قراء نے بہت اچھا کیا ہے کیونکہ یہ حالت وصل ہے یاء یعنی فاء کلمہ کو ثابت کرتے ہیں جبکہ حالت وقف میں یاء کو حذف کر کے انہوں نے رسم عثمانی کی اتباع کی ہے جبکہ یاء کو حذف کرنے والے قراء نے رسم عثمانی کو دلیل بنایا ہے۔

② باقی تمام قراء یاء کو وصل ووقف دونوں حالتوں میں حذف کرتے ہوئے 'الدَّاعِ' پڑھتے ہیں۔

② مثلاً لفظ ﴿يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ﴾ [القمر: ۶]

اس میں دو قراءات ہیں:

① امام ورش، امام ابو عمرو بصری، امام ابو جعفر رضی اللہ عنہم یہ قراء حالت وصل میں اثبات یاء کے ساتھ 'الدَّاعِ' پڑھتے ہیں۔ (امام بڑی رضی اللہ عنہ و یعقوب رضی اللہ عنہ دونوں حالتوں میں اثبات یاء کے ساتھ 'الدَّاعِ' پڑھتے ہیں۔)

② باقی تمام قراء دونوں حالتوں میں حذف یاء کے ساتھ 'الدَّاعِ' پڑھتے ہیں۔

③ مثلاً: لفظ ﴿مُهَيَّبِينَ إِلَى الدَّاعِ﴾ [القمر: ۸]

اس میں بھی دو قراءات ہیں:

① امام نافع رضی اللہ عنہ، امام ابو عمرو رضی اللہ عنہ، امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ یہ قراء حالت وصل میں اثبات یاء کے ساتھ 'الدَّاعِ' پڑھتے ہیں۔ (امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ، امام یعقوب رضی اللہ عنہ دونوں حالتوں میں اثبات یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔)

② باقی تمام قراء دونوں حالتوں میں حذف یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

امام ابو زرعہ رضی اللہ عنہ اپنی کتاب [الحجۃ کے صفحہ نمبر ۲۸۹] میں فرماتے ہیں:

ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی

سورۃ القمر کے ان دونوں کلمات میں یاء کا اثبات اصل کے مطابق ہے جبکہ یاء کا حذف بھی جائز ہے کیونکہ یاء محذوفہ پر کسرہ دلالت کر رہا ہے۔

۲) مثلاً: لفظ ﴿يَقُصُّ الْحَقُّ﴾ [الأنعام: ۵۷]

اس میں دو قراءات ہیں:

① امام نافع رضی اللہ عنہ، ابن کثیر رضی اللہ عنہ، امام عاصم رضی اللہ عنہ، ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی قراءت **يَقُصُّ الْحَقُّ** ہے۔

② باقی تمام قراءت کی قراءت **يُقِصُّ الْحَقُّ** ہے۔

مصاحف عثمانیہ میں یہ لفظ 'نقص' لکھا گیا ہے۔ مصاحف عثمانیہ میں نقطے اور اعراب نہ ہونے کی وجہ سے دونوں قراءات کا احتمال موجود ہے۔ اس لفظ کو صرف امام یعقوب رضی اللہ عنہ حالت وقف میں یاء کے اثبات کے ساتھ **يُقِصُّ** پڑھتے ہیں۔

معنوی اعتبار سے **يُقِصُّ** بمعنی بیان کرنا ہے۔ جس طرح قرآن میں ہے: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ [یوسف: ۳] جبکہ **يَقُصُّ** کا معنی ہے 'فیصلہ کرنا' جس طرح [الغافر: ۲۰] میں ہے: ﴿وَاللَّهُ يُقِصُّ بِالْحَقِّ﴾

پورے قرآن میں ایسے کلمات کی تعداد اکیس ہے جن میں رسماً یاء حذف ہے مثلاً ﴿نُنَجِّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [یونس: ۱۰۳] ﴿يَوْمَ يَأْتُ لَا تَكَلَّمُ﴾ [ہود: ۱۰۵] ﴿وَمَا أَنْتَ بِهَدَى الْعَمَى﴾ [الروم: ۵۳]

ان مثالوں سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر ان کلمات میں رسماً یاء لکھ دی جاتی تو حذف یاء والی قراءت نکالنا مشکل ہو جاتا۔

## پانچویں فصل

اب ہم ان قرآنی کلمات کا ذکر کرتے ہیں کہ جن میں تمام مصاحف عثمانیہ میں واؤ کو حذف کر کے صرف ضمہ پر اکتفاء کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ تمام قراء وقفاً و صلماً واؤ کو حذف کرتے ہیں۔

قرآن میں اس طرح کی چار مثالیں ہیں۔

① مثلاً: لفظ ﴿وَيَدْعُ الْإِنْسَانَ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ﴾ [الإسراء: ۱۱]

یہ لفظ اصل میں **يَدْعُوْ** واؤ کے ساتھ ہے۔ لیکن تمام مصاحف عثمانیہ بالاتفاق اس کو واؤ کے حذف کے ساتھ لکھتے ہیں۔ [نثر المرجان: ۱۴۲]

② علامہ زرکشی رضی اللہ عنہ [البرهان في علوم القرآن: ۳۹۸/۱] میں فرماتے ہیں:

واؤ کے حذف سے ہمیں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ انسان بُرائی کو اختیار کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ لیکن نیکی کے حصول میں جلدی نظر نہیں آتی۔

③ مثلاً: لفظ ﴿وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَطْلَ﴾ [الشورى: ۲۴]

اس لفظ میں واؤ کو بغیر کسی صرنی، نحوی وجہ کے حذف کر دیا گیا ہے۔ تلفظ بھی واؤ کے بغیر ہے حالانکہ یہ اصل میں **يَمْحُوْ** تھا۔ [نثر المرجان: ۳۶۲/۶]

اس طرح دو کلمات اور ہیں۔

رسم عثمانی اور قراءات کے درمیان تعلق

۳ مثلاً: لفظ ﴿يَدْعُ الدَّاعِ﴾ [القمر: ۲]

اس میں بھی لفظ 'يَدْعُ' اصل میں 'يَدْعُو' تھا۔

۴ مثلاً: لفظ ﴿سَدَّعُ الزَّيْبَانِيَةَ﴾ [العلق: ۱۸]

اس میں لفظ 'سَدَّعُ' اصل میں 'سَدَّعُو' تھا۔

ان مثالوں سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ اگر ان کلمات کو واؤ کے ساتھ لکھا جاتا تو قراءت کی مخالفت ہو جاتی۔ کیونکہ تمام قراء وفقفاً وصلماً اس واؤ کو حذف کرتے ہیں۔

## چھٹی فصل

اب ہم ان قرآنی کلمات کا ذکر کرتے ہیں کہ جن کلمات میں اصلاً ہاء ثانیث (تاء مدورہ) ہے۔ لیکن بعض قراءات کی موافقت کی وجہ سے ان کو تاء ثانیث (لمبی تا) کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر سالم محیسن اپنی کتاب [الفتح الربانی کے صفحہ نمبر ۲۶۵] میں فرماتے ہیں:

”کہ ہاء ثانیث جب فعل میں ہو تو تاء ثانیث (لمبی تا) کے ساتھ لکھی جاتی ہے اور تمام قراء اس تاء ثانیث پر وقف کرتے ہیں مثلاً ﴿وَعَنْتِ الْوُجُوهُ﴾ [طہ: ۱۱۱] اور یہ ہاء ثانیث اسموں میں ہو تو اس کو ہاء ثانیث کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے اور تمام قراء اس پر وقف بالہا کرتے ہیں مثلاً ﴿رِسَالَةٌ﴾

اصل قاعدہ یہ ہے لیکن چند ایک کلمات میں اس سے مختلف صورت حال ہے کہ ان کو لکھا تو تاء ثانیث کے ساتھ جاتا ہے لیکن ان پر وقف ہاء ثانیث کے ساتھ بالہا کیا جاتا ہے۔

شیخ علی القاری اپنی کتاب [المنح الفکرية شرح الجزري، کے صفحہ نمبر ۳۲۵] میں فرماتے ہیں کہ 'ہاء ثانیث' کی دو قسمیں ہیں:

① وہ کلمات قرآنیہ جن میں ہاء ثانیث کو ہاء ثانیث کی صورت میں ہی لکھا جاتا ہے۔ تمام قراء کا اتفاق ہے کہ ان پر وقف بالہاء ہی ہوگا اور یہ ویسے بھی عربی کتابت کے عین مطابق ہے۔

② وہ کلمات قرآنیہ جن میں ہاء ثانیث کو تاء ثانیث کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ ان میں وفقفاً قراء کا اختلاف ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ اور امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ ان کلمات میں لغت قریش کے مطابق وقف ہا کے ساتھ کرتے ہیں پھر اسی کے مطابق کسائی کا وفقفاً امالہ، اور روم و اشمام وغیرہ کے مسائل ہوں گے۔ لیکن باقی تمام قراء لغت طبری کے مطابق ان کلمات میں تاء ثانیث کے ساتھ وقف کرتے ہیں۔ لہذا پڑھنے والے کو چاہئے کہ ہر کلمہ قرآنی میں تاء اور ہاء کی پہچان کرے تاکہ صحیح طور پر وا کیا جاسکا۔

③ حافظ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لفظ 'رحمت' پورے قرآن میں سات جگہ آیا ہے۔ وہ سات جگہ یہ ہیں۔ سورۃ البقرہ، سورۃ الاعراف، سورۃ ہود، سورۃ مریم، سورۃ الروم اور سورۃ الزخرف میں دو جگہ۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں ہے: ﴿أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ﴾ [البقرہ: ۲۱۸] تمام مصاحف میں بالاتفاق اس لفظ کو تاء ثانیث کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ لیکن وفقفاً اس میں اختلاف ہے۔ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ، امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ، امام حمزہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ اور امام خلف رحمۃ اللہ علیہ اس کو وفقفاً تاء



ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی

پڑھتے ہیں۔ تاکہ رسم قراءات کے ساتھ متفق رہے۔ لیکن باقی تمام قراواں لفظ کو وقفاً پڑھتے ہیں۔ جس طرح فاطمة، فائمه، وغیرہ جیسے کلمات کو وقفاً ہا کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

اسی طرح بہت سارے کلمات ہیں مثلاً لفظ 'نعمت' یہ قرآن میں گیارہ مرتبہ آیا ہے۔ اسی طرح 'سنت، امرات، کلمت، لعنت، معصیت' ان کلمات کی تفصیل مقدمہ الجزریہ للشیخ ابن الجزری رحمہ اللہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ان مثالوں سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر ان مثالوں میں رسم قیاسی کے مطابق ہا لکھی جاتی تو تاکہ ساتھ وقف کرنے والے قراءات کی قراءات کیسے نکل سکتی تھیں۔

## ساتویں فصل

اب ہم ان قرآنی کلمات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جن کو ملا کر لکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ دو مستقل کلمات ہیں۔ لیکن بعض جگہ ان دونوں کو کاٹ کر بھی لکھا گیا ہے۔ یہ اصل کے مطابق ہے۔

مثلاً: لفظ ﴿اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ﴾ [ہود: ۲۰]

یہ دو الگ الگ کلمات ہیں 'اَلَا' الگ کلمہ ہے اور 'اَلَا تَعْبُدُوْا' لکھا گیا ہے۔ اب تمام قراء کا اتفاق ہے کہ ان کو کاٹ کر پہلے لفظ پر وقف کرنا یا وصل میں کاٹ کر پڑھنا دونوں صورتیں غلط ہیں کیونکہ اب یہ ایک کلمہ بن چکا ہے۔ لیکن سورۃ ہود ہی میں یہی ﴿اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ﴾ آیت نمبر ۲۶ میں بھی ہے۔ اس آیت میں اس لفظ کو کاٹ کر ﴿اَنْ لَا تَعْبُدُوْا﴾ لکھا گیا ہے۔

اسی وجہ سے امام شاطبی رحمہ اللہ 'العقيلة' شعر نمبر ۲۳۹ میں فرماتے ہیں:

واقطع بهوداً بأن لا تعبُدوا الثان مع ياسين لا حصرا  
یعنی سورۃ ہود کے دوسرے 'اَنْ لَا تَعْبُدُوْا' کو کاٹ کر لکھا۔

اسی رسم کے مطابق تمام قراء کے لیے ان پر ضرورت ہو تو وقف جائز ہے۔ اسی طرح لفظ ﴿مِمَّا رَزَقْنَهُمْ﴾ جیسے کلمات میں 'مِنْ' جارہ کو 'ما' موصولہ کے ساتھ ملا کر لکھا گیا ہے۔

ان مثالوں سے یہ بات بخوبی سمجھ آتی ہے کہ: سورۃ ہود کے دوسرے لفظ کو کاٹ کر اسی لیے لکھا گیا ہے تاکہ لفظ 'اَنْ' پر وقف کا جواز رسم سے ثابت ہو جائے اور اس کے علاوہ باقی تمام کلمات میں کاٹ کر پڑھنا قطعاً غلط ہے۔ اگر سورۃ ہود والے دوسرے 'اَنْ لَا تَعْبُدُوْا' کو پہلے کے مطابق ملا کر لکھ دیا جاتا تو 'اَنْ' پر وقف والی قراءت کیسے سمجھ آتی۔ تمت بالخیر



## اعجاز رسم القرآن من حيث القراءات

فاضل مضمون نگار نے رُشد قراءات نمبر دوم میں قرآن مجید کے رسمِ توقیفی کے متعدد معنوی اعجازات کی وضاحت کیلئے الگ مضمون ترتیب دیا تھا۔ زیر نظر مضمون اسی مضمون کی ایک کڑی ہے جس میں موصوف نے رسمِ قرآنی کے اعجاز کے بعض دیگر پہلوؤں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اس مضمون کو اگر پچھلے مضمون کے تناظر میں پڑھا جائے تو اس کی افادیت سے کم حقہ مستفید ہوا جاسکتا ہے۔ [ادارہ]

قرآن مجید اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ وہ عظیم الشان کتاب ہے، جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے سر لیا ہے۔ یہ حفاظت الہی کا ہی کرشمہ ہے کہ اس کتاب میں ہر حرف، کلمہ، لہجہ اور رسم تک محفوظ ہے۔ حفاظت قرآن کا ایک ذریعہ کتابت ہے، اور کتابت قرآن مجید کا سلسلہ عہد نبوی ﷺ میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ جب بھی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو نبی کریم ﷺ کا تبین وحی کو بلوا کر اسے لکھوا دیا کرتے تھے۔ عہد صدیقی ﷺ میں مکمل قرآن مجید کو ایک جگہ محفوظ کر لیا گیا اور عہد عثمانی ﷺ میں اس کی متعدد کاپیاں کروا کر مختلف علاقوں کی طرف روانہ کر دی گئیں۔ تدوین قرآن کے ان تمام مراحل میں اس کی رسم کا خصوصی اہتمام کیا گیا اور تمام ادوار میں اسی رسم کے مطابق لکھا گیا جس کے مطابق نبی کریم ﷺ نے لکھوایا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جو مصاحف لکھوائے، ان کا رسم وہی تھا جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے صحف کا تھا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے صحف کا رسم نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق تھا۔ اس اعتبار سے قرآن مجید کا رسم توقیفی حیثیت کا حامل ہے جس کی مخالفت کرنا حرام ہے۔ قرآن مجید کا یہ رسم توقیفی متعدد اسرار و رموز کا حامل ہے اور تمام قراءات متواترہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ اس رسم توقیفی کا ہی اعجاز ہے کہ ایک ہی رسم سے متعدد قراءات قرآنیہ نکل رہی ہوتی ہیں۔ وگرنہ اگر اس رسم توقیفی کے خلاف کسی کلمہ کو رسم قیاس کے مطابق لکھ دیا جائے تو شاید اس سے وہ تمام قراءات متواترہ نہ نکل سکیں جو رسم توقیفی (عثمانی) سے نکلتی ہیں۔

### علم الرسم کی تعریف

رسم کا لغوی معنی اثر یا نشان ہے، اس کی جمع رسوم (آثار، نشانات) آتی ہے۔ جبکہ علم الرسم سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے مصاحف عثمانیہ کی املاء میں رسم قیاسی کی مخالفت اور اختلافات کا پتہ چلتا ہے۔ [قرآن و سنت چند مباحث: ۴۷] قاری رحیم بخش پانی پتی رضی اللہ عنہم علم الرسم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کلمات قرآنی کو حذف و زیادت اور وصل و قطع کی پابندی کے ساتھ اس شکل پر لکھنے کا علم، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا

اجماع ہے اور تو اتر کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے۔“ [الخط العثماني في الرسم القرآني: ۲]

## علم الرسم کا موضوع

علم الرسم کا موضوع قرآن مجید کے حروف من حیث الکتابت ہیں، کیونکہ اس علم میں حروف کی رسم کا ہی بیان ہوتا ہے۔ تاکہ جس طرح قرآن مجید من حیث المعنی محفوظ ہے، اسی طرح اس کی رسم بھی محفوظ ہو جائے۔ تمام قراء کرام اور اہل علم پر واجب ہے کہ وہ قرآن مجید کے رسم کا علم حاصل کریں اور اس کی پیروی کریں اور اس کی مخالفت کرنے سے اجتناب کریں، کیونکہ یہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا رسم ہے جو نبی کریم ﷺ کے امانت دار تھے اور کسی کے لیے بھی اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی کتابت کے خلاف لکھے۔

[الخط العثماني في الرسم القرآني: ۷۰: ۷۰]

## رسم عثمانی کی شرعی حیثیت

رسم عثمانی تو قیفی ہے جسے نبی کریم ﷺ نے خود اپنی نگرانی میں لکھوایا۔ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ اور عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں بھی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے لکھوائے ہوئے رسم کے مطابق قرآن مجید کو جمع کیا۔ کتابت مصاحف میں رسم عثمانی کا التزام کرنا فرض و واجب ہے اور رسم عثمانی کے خلاف کتابت قرآن حرام ہے۔ کیونکہ یہی وہ معیاری رسم ہے جس پر بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت کا اجماع ہے۔ [رسم عثمانی کی توقیفیت اور کتابت مصاحف میں اس کا التزام کرنے کے حوالے سے تفصیلات جاننے کے لیے راقم الحروف کے رسم عثمانی اور اس کی حیثیت نامی مضمون کا مطالعہ فرمائیں جو ماہنامہ ’رشد‘ کے شمارہ ’قراءات نمبر (حصہ اول)‘ میں شائع ہو چکا ہے۔]

چونکہ رسم عثمانی تو قیفی ہے اور کسی بھی قراءت کے ثبوت کے لیے جملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ قراءت رسم عثمانی کے موافق ہو۔ لہذا رسم عثمانی سے مخالفت کی بنیاد پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ کے مصاحف کی تلاوت کرنا حرام ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم میں منقول رسم عثمانی کے خلاف صحیح روایات سے ثابت قراءات کی تلاوت کرنا بھی ناجائز ہے، کیونکہ وہ رسم عثمانی کے خلاف ہیں۔ وہ صحیح احادیث کا درجہ تو رکھتی ہیں مگر انہیں شرائط کے فقدان کی بناء پر قرآن نہیں کہا جائے گا۔

## رسم عثمانی پر کی جانے والی خدمات مزیدہ

عہد نبوی ﷺ، عہد صدیقی رضی اللہ عنہ اور عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں قرآن مجید کے توقیفی رسم پر نہ تو نقطے تھے اور نہ ہی اعراب، اور موجودہ دور میں قرآن مجید کی اجزاء، أحزاب، تخمیس و تعشیر، منازل اور روکعات وغیرہ کی تقسیم بھی موجود نہیں تھی۔ بلکہ منجملہ مذکورہ خدمات عہد عثمانی کے بعد تلاوت میں سہولت پیدا کرنے کے لیے سرانجام دی گئیں۔ قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ’الخط العثماني في الرسم القرآني‘ میں رسم عثمانی پر خدمات مزیدہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

رسم عثمانی پر سرانجام دی جانے والی خدمات مزیدہ کا مختصر بیان درج ذیل ہے:

اعجاز رسم القرآن من حيث القراءات

## قرآن مجید کی تشکیل (اعراب لگانا)

اسلام سے پہلے عرب نقاط و اعراب سے واقف نہ تھے بلکہ وہ اپنے قدرتی اور فطرتی ملکہ اور طبعی محاورہ سے اعراب وغیرہ صحیح طور پر ادا کر لیا کرتے تھے۔ جب مملکت اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہو گیا اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو عرب و عجم دونوں کی تلاوت میں غلطی واقع ہونے لگی۔ چنانچہ اس غلطی سے بچاؤ کے لیے اہل علم نے نقاط و حرکات کی علامات مقرر کر دیں۔

اس مبارک کام کی ابتداء (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید) أبو الأسود الدؤلی نے کی۔ چنانچہ انہوں نے تلاوت کی اصلاح کے لیے چند علامات (اعراب سے متعلق) وضع کیں۔ انہوں نے زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ اور پیش کے لیے حرف کے سامنے یا درمیان میں ایک نقطہ، اور تنوین کے لیے ایک کی بجائے دو دو نقطوں کی علامات وضع کیں وغیرہ۔ جب ایک جزء مکمل ہو جاتا تو أبو الأسود الدؤلی اس پر نظر ثانی کرتے اور آگے کام شروع کر دیتے، یہاں تک کہ مکمل قرآن مجید کے اعراب لگا دیئے گئے۔ لوگوں نے اس طریقہ اعراب کو قبول کیا اور اس کو شکل و تشکیل کا نام دیا۔ اس کے بعد اہل علم نے حرکات میں مزید چند علامتوں کا اضافہ کیا۔ حتیٰ کہ خلیل بن احمد الفراهیدی نحوی نے ضبط حرکات کا یہ طریقہ جاری کیا جو آج کل مروج ہے۔ یعنی زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک لمبی لکیر، زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک لمبی لکیر اور پیش کے لیے حرف کے اوپر ایک چھوٹا سا واؤ کی علامت مقرر کر دیں، تنوین کی صورت میں یہی علامات ایک کی بجائے دو دو مقرر کر دیں نیز خلیل نحوی نے روم اور اشہام کی علامات بھی مقرر کیں۔

## قرآن مجید کی تحقیق (نقطے)

۴۰ ہجری سے کچھ عرصہ بعد تک لوگوں کو مصاحف عثمانیہ سے درست تلاوت کرتے رہے۔ پھر عراق میں نقطوں کی غلطی بکثرت واقع ہونے لگی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر حجاج بن یوسف نے عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں کاتبین مصاحف سے یہ مطالبہ کیا کہ جو حروف لکھائی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں (مثلاً ذ، ز، س، ش، ص ض وغیرہ) ان کے درمیان امتیاز کے لیے بھی علامات مقرر کر دیں۔ چنانچہ (أبو الأسود الدؤلی کے شاگرد) نصر بن عاصم لیشی اور یحییٰ بن عمر عدوائی نے مشتبہ الکتا بہ حروف کی تمیز کے لیے ہر حرف کے نقطوں کی تعداد مقرر کر دی مثلاً ش کیلئے اس کے تین دند انوں کی مناسبت سے تین نقطے مقرر کر دیئے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس انداز سے انہوں نے پورے قرآن مجید کو منقط کر دیا۔ یہ سلسلہ آج تک اسی انداز سے چلا آ رہا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ 'فا' اور 'قاف' کے بارے میں اہل مشرق اور اہل مغرب کا اختلاف ہے۔ اہل مشرق تو 'فا' کے لیے ایک نقطہ اور 'قاف' کے لیے دو نقطے اوپر لگاتے ہیں جبکہ اہل مغرب 'فا' کے نیچے اور 'قاف' کے اوپر صرف ایک ایک نقطہ لگاتے ہیں۔ لیکن اس اصطلاح میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

مذکورہ (تشکیل و تحقیق کے) دونوں کام رسم عثمانی پر بعد میں کیے گئے۔ ان کو اصطلاح میں ضبط کہا جاتا ہے۔ علامات ضبط وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہیں اور ان میں ارتقاء ہوتا رہا۔ علامات ضبط اجتہادی ہیں اور ان میں تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ نئی علامات قدیم علامات سے سہل اور آسان ہوں۔ گویا کہ علامات ضبط کو رسم عثمانی کی مانند کوئی ایسی

تقدیس حاصل نہیں ہے کہ ان میں تبدیلی نہ ہو سکتی ہو۔ رسم عثمانی چونکہ تو قیفی ہے لہذا اس میں تبدیلی حرام ہے۔

## تخمیس و تعشیر (آیتوں کے پانچ پانچ اور دس دس ہونے کی علامات)

قائدہ تابعی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیتوں کے پانچ اور دس ہونے کی علامات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم بھی لگاتے تھے۔ امام دانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لوگ تمام شہروں میں تابعین رضی اللہ عنہم کے عہد سے ہمارے اس زمانہ تک نقطے اور حرکات لگانے کی اجازت دیتے چلے آئے ہیں۔ جو قرآن اصل الاصول تھے، ان میں بھی، اور ان کے علاوہ دوسرے قرآنوں میں بھی، اور سورتوں کے شروع کی اور ان کی آیتوں کے شمار کی اور اسی طرح فحوس و اعشار کے موقعوں کی علامت لگانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ کام بھی سب سے پہلے نصر بن عاصم لیش نے کیا جو بصرہ کے جلیل القدر تابعی تھے۔“

[الخط العثماني في الرسم القرآني: ۳۰، ۳۱]

## اجزاء قرآن (۳۰ پارے)

قرآن مجید کو ختم کرنے کی مدت میں سلف صالحین کی عادت کم و بیش مختلف رہی ہے۔ کوئی تین دن میں قرآن ختم کرتا تھا، کوئی سات دن میں اور کوئی ایک مہینہ میں۔

شاید اسی سے اخذ کرتے ہوئے حجاج بن یوسف کے زمانہ میں تیس (۳۰) پاروں کی اصطلاح مقرر ہوئی۔ ان تیس پاروں کے شمار میں عام مہینوں کے دنوں کے شمار کی موافقت ہے۔ پھر ہر پارہ کے چار حصے کیے گئے ہیں۔ اسی لیے مروجہ نسخوں میں رُبع (چوتھائی) نصف (آدھے) ثلثہ (تین رُبع) کے حصے شمار حروف کے اعتبار سے درج ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کو مختلف منازل اور رکوعات میں تقسیم کر دیا گیا ہے جو سب کے سب تلاوت قرآن مجید کے مختلف طریقے ہیں۔ [تفصیلات جاننے کے لیے قاری رحیم بخش رضی اللہ عنہ کی کتاب ”الخط العثماني في الرسم القرآني“ کا مطالعہ فرمائیں] مذکورہ تمام تقسیمات تلاوت کرنے کے اعتبار سے ہیں کہ کون کتنی تلاوت کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ تمام اجتہادی ہیں، ان میں تبدیلی کرنا بھی جائز ہے۔

## ثبوت قراءات کا ضابطہ

کسی بھی قراءت کے صحیح ثابت ہونے کے لیے اس میں درج ذیل تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

① سند کا توازن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہونا۔

② روایت کا مصحف عثمانیہ کی رسم کے موافق ہونا۔ خواہ احتمالاً ہی ہو۔

③ لغت عرب کی کسی بھی وجہ کے موافق ہونا۔

لہذا اگر کسی قراءت میں مذکورہ تینوں شرائط پائی جاتی ہیں تو وہ قرآن ہے اور اگر کسی قراءت میں مذکورہ تینوں شرائط میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو وہ قراءت شاذہ ہے اور غیر قرآن ہے۔

## مصاحف عثمانیہ اور قراءات متواترہ

کسی بھی قراءت کے صحیح ثابت ہونے کے لیے منجملہ تین شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مصاحف

عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کی رسم کے موافق ہو۔ چنانچہ تمام قراءات صحیحہ مصاحف عثمانیہ کے رسم کے موافق ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف لکھوائے تھے ان کا رسم ایسا تھا کہ اس سے تمام قراءات نکلتی تھیں۔ لیکن ان قراءات کے ضبط کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ ساتھ ایک ایک قاری بھی روانہ کیا۔ جو لوگوں کو مختلف قراءات و لہجات کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان قراء کی متعدد قراءات کے فرق کے باوجود تمام مصاحف عثمانیہ کا رسم ایک جیسا تھا۔ سوائے گنتی کے چند کلمات کے، جن میں مصاحف کا حذف و زیادت کا اختلاف ہے۔ اب جن مصاحف میں جو کلمات ثابت تھے، ان مصاحف کو پڑھنے والے قراء نے اپنی قراءات بھی رسم کے موافق ویسی ہی اثبات الکلمات کے ساتھ اختیار کی اور جن مصاحف میں جو کلمات حذف تھے ان مصاحف کو پڑھنے والے قراء نے اپنی قراءات اسی مصحف کے رسم کے مطابق بحذف الکلمات اختیار کی۔ مثلاً شامی مصحف میں ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ [بقرہ: ۱۱۲] بحذف الواو مرسوم ہے، چنانچہ شام کے قراء بھی اس کو شامی مصحف کے رسم کے مطابق بحذف الواو ہی پڑھتے ہیں۔ قراء سبعہ میں سے امام ابن عامر شامی رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی بحذف الواو ہی ہے۔ جبکہ دیگر مصاحف میں یہ آیت مبارکہ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ [بقرہ: ۱۱۲] باثبات الواو مرسوم ہے۔ چنانچہ دیگر تمام قراء کرام اس کو باثبات الواو ہی پڑھتے ہیں۔

حذف و اثبات کے اعتبار سے مختلف مصاحف عثمانیہ میں اختلافی مقامات کی تعداد باون (۵۲) کے قریب ہے۔ جن کی تفصیل امام عبدالواحد بن عاشر الاندلسی کی نظم 'الإعلان بتكملة مورد الظمئان' میں موجود ہے۔

## اعجاز رسم القرآن من حيث القراءات

مشہور اہل علم کے نزدیک رسم عثمانی توقیفی ہے اور کتابت مصاحف میں اس کا التزام کرنا فرض و واجب ہے اور اس کے خلاف لکھنا حرام ہے۔ رسم عثمانی کے منجملہ فوائد اور اعجازات میں سے ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس سے تمام قراءات صحیحہ متواترہ نکل آتی ہیں۔ اگر قرآن مجید کو رسم عثمانی کی بجائے رسم قیاسی کے مطابق لکھا جائے تو رسم عثمانی سے نکلنے والی تمام قراءات صحیحہ متواترہ رسم قیاسی سے نہیں نکل سکیں گی اور متعدد قراءات صحیحہ متواترہ ساقط ہو جائیں گی۔ کیونکہ کسی بھی قراءت کے صحیح ثابت ہونے کے لیے منجملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ قراءت مصاحف عثمانیہ کے رسم کے موافق ہو۔ رسم عثمانی اپنی توقیفیت کی بناء پر متعدد اسرار و رموز اور حکمتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

رسم عثمانی کے اعجازات میں سے ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ ایک ہی رسم سے تمام قراءات صحیحہ متواترہ پڑھی جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم نے رسم عثمانی کے شاہکار چند منتخب کلمات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ اگر ان کا رسم، رسم عثمانی کی بجائے، رسم قیاسی کے مطابق ہوتا تو اس سے فلاں، فلاں قراءت ساقط ہو جاتی جبکہ رسم عثمانی سے تمام قراءات صحیحہ متواترہ نکل آتی ہیں مثلاً:

[بقرہ: ۹] ﴿وَمَا يَخْدَعُونَ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع، امام ابن کثیر کی اور امام ابو عمرو بصری ﴿يُخْدَعُونَ﴾

جبکہ دیگر قراء کرام ﴿يُخْدَعُونَ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کے موجودہ رسم (رسم عثمانی) سے

﴿يُخْدَعُونَ، يَخْدَعُونَ﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جاتی ہیں۔

[بقرہ: ۳۶] ﴿فَازِلْهُمَا﴾ اس کلمہ میں دو قراءت ہیں۔ امام حمزہ ﴿فَازِلْهُمَا﴾ جبکہ دیگر تمام قراء کرام ﴿فَازِلْهُمَا﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کے موجودہ رسم سے ﴿فَازِلْهُمَا﴾، ﴿فَازِلْهُمَا﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جا رہی ہیں۔

[بقرہ: ۵۱] ﴿وَإِذْ وَعَدْنَا﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام ابو عمرو و بصری، امام ابو جعفر اور امام یعقوب ﴿وَاعِدْنَا﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿وَاعِدْنَا﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کو اگر ﴿وَاعِدْنَا﴾ بالالف لکھ دیا جاتا تو ﴿وَاعِدْنَا﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی، لیکن اس کے موجودہ رسم (رسم عثمانی) سے ﴿وَاعِدْنَا﴾، ﴿وَاعِدْنَا﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جا رہی ہیں۔

[بقرہ: ۸۵] ﴿أَسْرَى﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام حمزہ ﴿أَسْرَى﴾ جبکہ دیگر تمام قراء کرام ﴿أَسْرَى﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کو اگر اُساری بالالف لکھ دیا جاتا تو ﴿أَسْرَى﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی۔ لیکن اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿أَسْرَى﴾، ﴿أَسْرَى﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جاتی ہیں۔

[بقرہ: ۸۵] ﴿تَفَادَوْهُمْ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع، عاصم، کسائی، یعقوب اور ابو جعفر ﴿تَفَادَوْهُمْ﴾ جبکہ دیگر تمام قراء کرام ﴿تَفَادَوْهُمْ﴾ پڑھتے ہیں۔ اگر اس کلمہ کو تَفَادَوْهُمْ لکھ دیا جاتا تو ﴿تَفَادَوْهُمْ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی۔ لیکن اسکے موجودہ رسم سے ﴿تَفَادَوْهُمْ﴾، ﴿تَفَادَوْهُمْ﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جاتی ہیں۔

[بقرہ: ۱۲۴] ﴿إِبْرَاهِمَ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام ہشام ﴿إِبْرَاهِمَ﴾ جبکہ دیگر تمام قراء کرام ﴿إِبْرَاهِمَ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کو اگر اِبْرَاهِمِم بالفاء لکھ دیا جاتا تو اِبْرَاهِمِمْ والی قراءت ساقط ہو جاتی لیکن اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿إِبْرَاهِمَ﴾، ﴿إِبْرَاهِمَ﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جا رہی ہیں۔

[بقرہ: ۱۶۴] ﴿الرَّيِّحَ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام حمزہ، کسائی اور خلف العاشر ﴿الرَّيِّحَ﴾ جبکہ دیگر تمام قراء کرام ﴿الرَّيِّحَ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿الرَّيِّحَ﴾، ﴿الرَّيِّحَ﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جا رہی ہیں۔

[بقرہ: ۲۳۶] ﴿تَمْسُوهُمْ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام حمزہ، کسائی اور خلف العاشر ﴿تَمْسُوهُمْ﴾ جبکہ دیگر تمام قراء کرام ﴿تَمْسُوهُمْ﴾ پڑھتے ہیں۔ اگر اس کو تَمَسُوهُمْ بالالف لکھ دیا جاتا تو ﴿تَمْسُوهُمْ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی لیکن اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿تَمْسُوهُمْ﴾، ﴿تَمْسُوهُمْ﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جا رہی ہیں۔

[بقرہ: ۲۵۱] ﴿وَلَوْ لَدَفَّ اللَّهُ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع، ابو جعفر اور امام یعقوب ﴿دَفَّعَ اللَّهُ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿دَفَّعَ اللَّهُ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کو اگر دَفَاعَ لُف بالالف لکھ دیا جاتا تو ﴿دَفَّعَ اللَّهُ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی۔ لیکن اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿دَفَّعَ اللَّهُ﴾، ﴿دَفَّعَ اللَّهُ﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جا رہی ہیں۔

## اعجاز رسم القرآن من حيث القراءات

[بقرہ: ۲۶۱] ﴿يُضَعِفُ﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ کئی، شامی، ابو جعفر اور یعقوب ﴿يُضَعِفُ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿يُضَعِفُ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کو اگر بُضَاعَفُ بالالف لکھ دیا جاتا تو ﴿يُضَعِفُ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی۔ لیکن اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿يُضَعِفُ، يَضَعِفُ﴾ دونوں ہی قراءات پڑھی جا رہی ہیں۔

[آل عمران: ۲۸] ﴿تُقَيِّئُ﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ یعقوب ﴿تُقَيِّئُ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿تُقَيِّئُ﴾ پڑھتے ہیں اس کو اگر تَقَيِّئَا بالالف لکھ دیا جاتا تو ﴿تُقَيِّئُ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی، لیکن اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿تُقَيِّئُ، تَقَيِّئُ﴾ دونوں ہی قراءات پڑھی جا رہی ہیں۔

[آل عمران: ۳۹] ﴿طَيِّرًا﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع، ابو جعفر اور یعقوب ﴿طَيِّرًا﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿طَيِّرًا﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿طَيِّرًا، طَيَّرًا﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جا رہی ہیں۔

[نساء: ۵] ﴿قِيَمًا﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع اور ابن عامر شامی ﴿قِيَمًا﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿قِيَمًا﴾ پڑھتے ہیں۔ اگر اس کو قِيَامًا بالالف لکھا جاتا تو ﴿قِيَمًا﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی۔ لیکن موجودہ رسم عثمانی سے ﴿قِيَمًا، قِيَمًا﴾ دونوں ہی قراءات پڑھی جا رہی ہیں۔

[نساء: ۳۳] ﴿عَقَدْتُ﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام عاصم، حمزہ، کسائی اور خلف العاشر ﴿عَقَدْتُ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿عَقَدْتُ﴾ پڑھتے ہیں۔ اگر اس کو عَقَادْتُ بالالف لکھا جاتا تو ﴿عَقَدْتُ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی۔ لیکن موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿عَقَدْتُ، عَقَدْتُ﴾ دونوں ہی قراءات پڑھی جا رہی ہیں۔

[نساء: ۴۳] ﴿لَمَسْتُمْ﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام حمزہ کسائی اور خلف العاشر ﴿لَمَسْتُمْ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿لَمَسْتُمْ﴾ پڑھتے ہیں۔ اگر اس کو لَامَسْتُمْ بالالف لکھا جاتا تو ﴿لَمَسْتُمْ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی، لیکن موجودہ رسم عثمانی سے ﴿لَمَسْتُمْ، لَمَسْتُمْ﴾ دونوں ہی قراءات پڑھی جا رہی ہیں۔

[مائدہ: ۱۳] ﴿فَسِيئَةً﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام حمزہ اور امام کسائی ﴿فَسِيئَةً﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿فَسِيئَةً﴾ پڑھتے ہیں۔ اگر اس کو فَاسِيئَةً بالالف لکھ دیا جاتا تو ﴿فَسِيئَةً﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی لیکن موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿فَسِيئَةً، فَسِيئَةً﴾ دونوں قراءات ہی پڑھی جا رہی ہیں۔

[مائدہ: ۱۰۷] ﴿الْأُولَئِينَ﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام شعبہ، حمزہ، خلف العاشر اور یعقوب ﴿الْأُولَئِينَ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿الْأُولَئِينَ﴾ پڑھتے ہیں اور دونوں قراءات ہی اس ایک رسم (عثمانی) سے پڑھی جا رہی ہیں۔

[انعام: ۵۷] ﴿يُقْضُ الْحَقُّ﴾

اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع، ابن کثیر مکی، عاصم اور ابو جعفر ﴿يُقْضُ الْحَقُّ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿يُقْضُ الْحَقُّ﴾ پڑھتے ہیں۔ اور مذکورہ دونوں قراءات، ایک ہی رسم سے پڑھی جا رہی ہیں۔

ت  
س  
م  
ن



[انعام: ۶۱] ﴿تَوَفَّهٗ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں، امام حمزہ ﴿تَوَفَّهٗ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿تَوَفَّهٗ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کو اگر تَوَفَّاهُ بِالْاَلْفِ لکھ دیا جاتا تو ﴿تَوَفَّهٗ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی۔ لیکن موجودہ رسم سے ﴿تَوَفَّهٗ﴾، دونوں ہی قراءات پڑھی جارہی ہیں۔

[انعام: ۹۶] ﴿وَجَعَلَ الْيَلَّ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام عاصم، حمزہ، کسائی اور خلف العاشر ﴿وَجَعَلَ الْيَلَّ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿وَجَعَلَ الْيَلَّ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کو اگر وَجَاعِلُ بِالْاَلْفِ لکھ دیا جاتا تو ﴿وَجَعَلَ الْيَلَّ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی، لیکن موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿وَجَعَلَ الْيَلَّ﴾، دونوں قراءات پڑھی جارہی ہیں۔

[انعام: ۱۰۵] ﴿دَرَسَتْ﴾ اس کلمہ میں تین قراءات ہیں۔ مکی اور بصری ﴿دَرَسَتْ﴾ ابن عامر شامی اور یعقوب ﴿دَرَسَتْ﴾ جبکہ باقی قراء کرام ﴿دَرَسَتْ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿دَرَسَتْ﴾، تینوں قراءات ہی پڑھی جارہی ہیں۔

[انعام: ۱۲۵] ﴿يَصْعَدُ﴾ اس کلمہ میں تین قراءات ہیں۔ امام ابن کثیر مکی ﴿يَصْعَدُ﴾ امام شعبہ ﴿يَصْعَدُ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿يَصْعَدُ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے مذکورہ تینوں قراءات ہی پڑھی جارہی ہیں۔

[اعراف: ۱۱۲] ﴿سَجِرٍ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام حمزہ کسائی اور خلف العاشر ﴿سَجِرٍ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿سَجِرٍ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿سَجِرٍ﴾، دونوں قراءات ہی پڑھی جارہی ہیں۔

[اعراف: ۱۴۲] ﴿ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع، بصری، شامی، ابو جعفر اور یعقوب ﴿ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ پڑھتے ہیں۔ اس کو اگر ذُرِّيَّاتِهِمْ لکھا جاتا تو ﴿ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ کی قراءت ساقط ہو جاتی۔ لیکن اس کے موجودہ رسم (عثمانی) سے ﴿ذُرِّيَّتَهُمْ﴾، دونوں قراءات پڑھی جارہی ہیں۔

[مریم: ۲۵] ﴿تَسْقُطُ﴾ اس کلمہ میں چار قراءات ہیں۔ امام حفص ﴿تَسْقُطُ﴾ امام حمزہ ﴿تَسْقُطُ﴾ امام یعقوب ﴿يَسْقُطُ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿تَسْقُطُ﴾ پڑھتے ہیں اور مذکورہ چاروں قراءات ایک ہی رسم سے پڑھی جارہی ہیں۔

[لقمان: ۲۰] ﴿نِعْمَةٌ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع، امام بصری، حفص اور ابو جعفر ﴿نِعْمَةٌ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿نِعْمَةٌ﴾ پڑھتے ہیں اور مذکورہ دونوں قراءات ایک ہی رسم سے پڑھی جارہی ہیں۔

[سبأ: ۱۹] ﴿رَبَّنَا بَعْدُ﴾ اس کلمہ میں تین قراءات ہیں۔ مکی، بصری اور ہشام ﴿رَبَّنَا بَعْدُ﴾ یعقوب ﴿رَبَّنَا بَعْدُ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿رَبَّنَا بَعْدُ﴾ پڑھتے ہیں اور مذکورہ تینوں قراءات ایک ہی رسم سے پڑھی جارہی ہیں۔

[احزاب: ۳۰] ﴿يُضَعْفُ﴾ اس کلمہ میں تین قراءات ہیں۔ امام ابن کثیر مکی اور شامی ﴿يُضَعْفُ﴾ بصری، ابو جعفر اور یعقوب ﴿يُضَعْفُ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿يُضَعْفُ﴾ پڑھتے ہیں اور مذکورہ تینوں قراءات ایک ہی رسم سے پڑھی جارہی ہیں۔

[ص: ۲۸] ﴿وَالْيَسَعُ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام حمزہ، کسائی اور خلف العاشر ﴿وَالْيَسَعُ﴾ جبکہ دیگر تمام قراء کرام ﴿وَالْيَسَعُ﴾ پڑھتے ہیں اور مذکورہ دونوں قراءات ایک ہی رسم سے پڑھی جا رہی ہیں۔

[زخرف: ۱۹] ﴿عِبْدُ الرَّحْمٰنِ﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام نافع، کئی، شامی، ابو جعفر اور یعقوب ﴿عِبْدُ الرَّحْمٰنِ﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿عِبْدُ الرَّحْمٰنِ﴾ پڑھتے ہیں۔ اور مذکورہ دونوں قراءات ایک ہی رسم سے پڑھی جا رہی ہیں۔

[زخرف: ۲۳] ﴿قُلْ اُولُو﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام ابن عامر شامی اور امام حفص ﴿قُلْ اُولُو﴾ جبکہ دیگر قراء کرام ﴿قُلْ اُولُو﴾ پڑھتے ہیں۔ اور مذکورہ دونوں قراءات ایک ہی رسم سے پڑھی جا رہی ہیں۔

[حجرات: ۶] ﴿فَتَتَّبِعُوْا﴾ اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام حمزہ کسائی اور خلف العاشر ﴿فَتَتَّبِعُوْا﴾ جبکہ دیگر تمام قراء کرام ﴿فَتَتَّبِعُوْا﴾ پڑھتے ہیں اور مذکورہ دونوں قراءات ایک ہی رسم سے پڑھی جا رہی ہیں۔

مذکورہ مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ رسم عثمانی کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ ایک ہی رسم سے تمام قراءات صحیح متواترہ پڑھی جا رہی ہوتی ہیں اور کوئی قراءت صحیحہ ساقط نہیں ہوتی۔ یہ تھیں رسم عثمانی کے اعجاز من حيث القراءات کی چند مثالیں۔ ورنہ پورے قرآن مجید کا رسم، رسم عثمانی پر مشتمل ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم نے ان میں سے چند امثلہ پیش کر دی ہیں۔ عصر حاضر میں رسم عثمانی کے مطابق معیاری مصحف کی طباعت کے سلسلے میں مجمع ملک ہند نے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور 'المصحف المدینة' کے نام سے روایت حفص میں رسم عثمانی کے مطابق ایک معیاری مصحف تیار کیا ہے جو سعودی عرب سمیت دنیا کے متعدد ممالک میں مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں پاکستان میں مطبوعہ مصاحف رسم عثمانی کے مطابق نہیں ہیں بلکہ ان میں متعدد اغلاط پائی جاتی ہیں۔ [تفصیلات کے لیے مولانا پروفیسر احمد یار صاحب کی کتاب "قرآن و سنت، چند مباحث" کا مطالعہ فرمائیں]

ہاں البتہ حال ہی میں بین الاقوامی طباعتی ادارے مکتبہ دارالسلام لاہور نے رسم عثمانی کے مطابق مصحف چھاپنے کی کوشش کی ہے جو اس باب میں ایک گراں قدر خدمت ہے۔

### رسم عثمانی کا حقیقی تصور

رسم عثمانی سے مراد وہ طرز کتابت قرآن مجید ہے جو امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں کاتبین قرآن کی ایک جماعت نے سرانجام دی اور اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق کتابت کروائی۔ اس وقت قرآن مجید کا رسم نقاط و اعراب اور اجزاء و احزاب اور روکوعات وغیرہ کی تقسیمات سے خالی تھا۔ مذکورہ مثالوں میں بھی رسم کا وہ تصور پیش نظر ہے جو رسم عثمانی پر خدمات مزیدہ سے پہلے کا تھا اور وہ رسم ایسا ہے کہ اس سے تمام قراءات پڑھی جاتی ہیں جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں گزر چکا ہے۔



حافظ انس نصر، حافظ مصطفیٰ راسخ

حافظ انس نصر مدنی، حافظ مصطفیٰ راسخ  
نظر ثانی: ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی\*

## پاکستانی مصاحف کی حالت زار اور معیاری مصحف کی ضرورت

قرآن مجید دین و شریعت کی اساس اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر شروع سے ہی انتہائی اہتمام کے ساتھ اس کی ترویج و اشاعت ہوئی۔ گذشتہ چودہ صدیوں میں مختلف انداز میں کتابی صورت میں یہ ہم تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ البتہ جب سے دُنیا میں طباعت خانوں کا آغاز ہوا تو قلمی کتابت کے بجائے قرآن مجید باقاعدہ مطبع خانوں میں پرنٹ ہونے لگا۔ یہی وہ دور ہے جس میں قرآن مجید کی مخصوص کتابت کے مسلم اصول و ضوابط سے بتدریج انحراف شروع ہوا تا آنکہ رسم و ضبط، فواصل و وقوف کی غلطیاں مطبوع مصاحف میں عام ہو گئیں۔ اس غلاء و کمی کو محسوس کرتے ہوئے مصحف کوفی اُمور کے مطابق طبع کرنے کا دوبارہ آغاز مصر میں جلیل القدر محقق اور عالم قراءات رضوان بن محمد مَحَلَّلَاتِی رَضَلَّہُ نے کیا۔ علامہ مَحَلَّلَاتِی کا کام انتہائی عظیم الشان تھا لیکن ان کا کام مصحف کو صرف رسم عثمانی کی پابندی کے ساتھ طبع کرنے کے احیاء کا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس مصحف میں منتقدین کے علم و ضبط کی مکمل پابندی ملحوظ نہیں رکھی گئی، چنانچہ والی مصر ملک فواد اول مرحوم نے حکومتی سطح پر دوبارہ قرآن مجید کو تمام فنی اُمور کی پابندی کے ساتھ طبع کرنے کا پروگرام بنایا اور شیخ المقاری المصریۃ علامہ علی خلف الحسینی رَضَلَّہُ کی سربراہی میں ایک کمیٹی کی تحقیق سے ایک معیاری نسخہ طبع کروایا۔ یہ تسلسل برقرار رہا یہاں تک کہ سعودی فرمانروا ملک فہد بن عبدالعزیز مرحوم نے دوبارہ اسی کام کو مزید تحقیقی معیار کے ساتھ یوں آگے بڑھایا کہ مدینہ نبویہ میں اشاعت قرآن کا ایک عالمی ادارہ مجمع الملک فہد لطباعة القرآن الکریم کے نام سے کھولا اور دنیا بھر کے ممتاز ترین علمائے رسم و ضبط اور ماہرین قراءات و تفسیر کو اکٹھا کر کے پوری محنت اور کوشش کے ساتھ کئی سال کی محنت سے ایک معیاری ترین مصحف تیار کر کے طبع کر دیا، جسے مصحف المدینۃ النبویۃ کا نام دیا گیا۔

پاکستان میں عرصہ دراز سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اُردو دان طبقہ کیلئے بھی ان کی مانوس اصطلاحات ضبط کے ساتھ ایک معیاری ترین مصحف کو طبع کیا جائے۔ قیام پاکستان کے بعد شروع میں قانونی طور پر انجمن حمایت اسلام کا شائع کردہ قرآن ارباب اقتدار نے ماہرین فن کے مشورہ سے بطور قانون نافذ کر دیا جس کی پابندی بعد ازاں طبع ہونے والے تمام مصاحف میں لازم قرار دی گئی، لیکن بہر حال انجمن کا مذکورہ مصحف کوئی معیاری مصحف نہیں تھا، صرف وقتی طور پر اسے حکومت نے ایک قانونی مقام دے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عرصہ دراز سے ماہرین کا حکومت سے بھرپور تقاضا چلا آ رہا ہے کہ مصحف مدینہ یا مصحف مصر وغیرہ کے انداز پر پاکستان کیلئے بالخصوص اور برصغیر

☆ فاضل کلیۃ الشریعۃ مدینہ یونیورسٹی، فاضل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور، انچارج مجلس التحقیق الاسلامی

✽ رئیس لجنۃ مراجعۃ المصاحف، وزارت اوقاف، پاکستان..... رئیس قسم القراءات، جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

کیلئے بالعموم ایک معیاری محقق نسخہ تیار کر کے اسے طبع کروا کر قانونی حیثیت دی جائے لیکن اس سلسلہ میں حکومت مسلسل مجرمانہ غفلت سے کام لے رہی ہے۔ شیخ القراء ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ماہرین فن کی نمائندگی میں عرصہ دراز سے وفاقی وزارت مذہبی امور اور وزارت اوقاف وغیرہ کو اس طرف متوجہ کرتے آرہے ہیں لیکن صورتحال میں کسی طرح کوئی فرق نہیں آیا۔

رشد قراءات نمبر کی حالیہ اشاعتوں کی آخر میں بطور سفارشات کے ہم نے ضروری خیال کیا کہ دیگر امور کی توضیح کے ساتھ ساتھ حکومت وقت کو اس ضرورت کا احساس بھی دلائیں کہ اللہ تعالیٰ کی کلام کے سلسلہ میں اس قسم کی لاپرواہی انتہائی خطرناک ہے، جس کے بارے میں اللہ کے حضور جوابدہی سے ڈرنا چاہئے۔ زیر نظر مضمون کو اسی پس منظر اور احساس کے ساتھ قارئین رشد کو مطالعہ میں لانا چاہئے اور اس کا خیر کیلئے جہاں تک ممکن ہو سکے حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ وہ اس اہم کام کو سرانجام دے۔ ہم شیخ القراء قاری احمد میاں تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنی کثرت مصروفیات کے باوجود اس مضمون کی نظر ثانی اور تہذیب و تنقیح کیلئے محنت فرمائی۔ [ادارہ]

قرآن مجید وہ عظیم الشان کتاب ہے، جسے خالق کائنات کا کلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ قرآن مجید کی اس عظمت و شان کی بنا پر مسلمانوں نے اس کے اندر پنہاں علوم و فنون پر لاتعداد کتب تصنیف فرمائی ہیں اور اس خدمت کو اللہ کے ساتھ اپنے تقرب کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ انہوں نے اس عظیم الشان کتاب کو نازل فرمایا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ [الحجر: ۹]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ہر پہلو سے حفاظت فرمائی ہے، خواہ اس کے معانی ہوں یا اس کے الفاظ، اہل علم نے قرآن مجید کے معانی اور الفاظ [Text] ہر دو پہلوؤں پر تفصیلی کتب تحریر فرما کر اللہ کے وعدہ کی تکمیل فرمادی ہے۔ تاکہ بعد میں آنے والے مسلمان ان کتب سے رہنمائی حاصل کر سکیں اور اس عظیم الشان آسمانی کتاب کی تلاوت و کتابت کا حق ادا کر سکیں۔

قرآن مجید کے متعدد علوم و فنون میں سے علم الرسم اور علم الضبط اس کے متن [Text] کے ساتھ براہ راست جبکہ علم الوقف اور علم الفواصل ایک گونہ تعلق رکھتے ہیں اور اہل علم نے ان علوم کی جزئیات پر تفصیلی کتب تحریر فرما کر قرآن مجید کے ایک ایک کلمہ کے رسم، ضبط اور ان میں موجود علامات و وقف کی تعیین فرمادی ہے۔ نیز یہ بات یاد رہے کہ رسم عثمانی کے مطابق قرآن مجید کی کتابت کرنا واجب اور ضروری ہے اور اس کے خلاف لکھنا حرام ہے۔ [جیسا کہ رام کے مضمون رسم عثمانی کی شرعی حیثیت ماہنامہ رشد قراءات نمبر اول میں گزر چکا ہے۔]

قرآن مجید کی اس عظمت و شان کو سامنے رکھتے ہوئے چاہئے تو یہ تھا کہ ہم قرآنی مصاحف کی طباعت کے معاملے انتہائی احتیاط کرتے ہوئے سلف کی تحریر کردہ کتب رسم و ضبط کو مد نظر رکھتے، متن قرآنی کو رسم عثمانی کے مطابق لکھتے اور سلف کی تحریر کردہ مستند کتب کو سامنے رکھ کر اس کی علامات ضبط لگاتے۔ نیز سیاق و سباق اور معنویت کو سامنے رکھتے ہوئے علامات و وقف لگاتے، تاکہ حفاظت الہی کا وعدہ بھی پورا ہو سکے اور فرض کی ادائیگی بھی ہو جائے، لیکن ہمارے ہاں پاکستان میں طباعت مصاحف کی صورت حال انتہائی نازک ہے، جس میں مجرمانہ کوتاہی کا ارتکاب کیا

بسم اللہ

حافظ انس نصر، حافظ مصطفیٰ راسخ

جا رہا ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک رسم، ضبط اور رموز و اوقاف کا لحاظ رکھتے ہوئے مصاحف کی مراجعت کا کوئی مستند سرکاری یا پرائیویٹ ادارہ قائم نہیں ہو سکا۔ بغرض تجارت، رسم و ضبط اور رموز و اوقاف وغیرہ کی مراجعت اور تصحیح کے بغیر ہی گھٹیا کاغذ اور کمزور جلد بندی کے ساتھ مصاحف شائع کیے جا رہے ہیں، جن میں رسم، ضبط، آیات اور اوقاف کے متعدد غلطیاں پائی جاتی ہیں اور تو اور کئی مصاحف ایسے ہیں جن کی طباعت اتنی ہلکی ہے کہ بعض صفحات پر الفاظ پڑھنا ممکن نہیں حالانکہ طباعت مصاحف کے اس عظیم الشان کام کو تو ایک مشن اور مقدس فریضہ سمجھ کر کیا جانا چاہیے تھا، کتابت و طباعت کے تمام تقاضوں کا لحاظ رکھا جاتا اور قرآن مجید کی کتابت سلف کی تحریر کردہ کتب کے مطابق کی جاتی، جو ہمارے لئے صدقہ جاریہ ہوتا۔

### پاکستانی مطبوعہ مصاحف میں اغلاط

پاکستان میں متعدد ادارے اور مطابع قرآن مجید کی طباعت کر رہے ہیں، لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ [مکتبہ دار السلام لاہور، جنہوں نے حال ہی میں رسم عثمانی کے مطابق ایک مصحف شائع کیا ہے، کے علاوہ] کسی بھی ادارے کا مطبوعہ قرآن مجید رسم عثمانی کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا۔ نیز ان مصاحف میں فواصل، ضبط اور اوقاف کی تعیین کی بھی متعدد اغلاط پائی جاتی ہیں۔

بطور مثال ہم نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز: ۹۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور کے مطبوعہ پاروں کا جائزہ لیا تو تیس پاروں کے اندر رسم اور ضبط کی متعدد اغلاط پائی گئیں جہاں علم الرسم اور علم الضبط کے اصولوں کے خلاف کتابت کی گئی ہے۔ کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ کے فاضل محققین نے محنت شاقہ فرما کر عرصہ چار ماہ میں رسم اور ضبط کی ان تمام اغلاط پر نشان لگا دیئے ہیں اور ان غلطیوں کو شمار بھی کر دیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

پارہ	رسم کی اغلاط	ضبط کی اغلاط	ہمزہ کی اغلاط
1	76	1473	851
2	78	1404	1065
3	58	1488	1046
4	91	1545	948
5	73	1636	927
6	54	1554	1118
7	54	1525	1028
8	54	1402	883
9	67	1424	992
10	131	1573	1018
11	44	1344	672
12	62	1169	900
13	54	1163	968

746	1077	56	14
837	1035	45	15
930	1325	62	16
895	1526	57	17
947	1675	76	18
1010	1610	53	19
979	1350	58	20
967	1349	81	21
847	1295	56	22
964	1509	121	23
881	1216	49	24
1280	1423	41	25
981	1546	108	26
998	1495	176	27
1195	1637	126	28
899	1517	83	29
1004	1300	81	30

مذکورہ اعداد و شمار سے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے پاکستان میں قرآن مجید جیسی عظیم الشان کتاب کی مراجعت و تصحیح کا سرے سے کوئی نظام ہی نہیں ہے۔ ان اغلاط میں سے رسم کی غلطیاں ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہیں خصوصاً جب کہ ہمارے دینی مدارس میں علم الرسم پر ضخیم کتب پڑھائی جاتی ہیں اور علم الرسم کے ماہرین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ تمام اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کو رسم عثمانی کے مطابق لکھنا فرض اور واجب ہے اور اس کے خلاف لکھنا حرام ہے۔ رسم عثمانی کے مطابق کتابت کے وجوب کے باوجود ہر پارے میں اتنی اغلاط کا وجود سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک واجب کی ادائیگی میں اتنی بڑی کوتاہی!!! محکمہ اوقاف کی طرف سے مقرر کردہ لائسنس ہولڈر پروف ریڈرز کو بھی چاہیے کہ وہ صرف 'حروف ریڈنگ' کی بجائے حقیقی پروف ریڈنگ کو شیوہ بنائیں جس میں رسم، ضبط، فواصل اور اوقاف کا بھی خصوصی دھیان رکھیں۔ اگر وہ علم الرسم وغیرہ سے نا بلند ہیں تو سب سے پہلے ان علوم پر دسترس حاصل کریں اور پروف ریڈنگ کرتے وقت رسم کا خصوصی دھیان رکھیں۔ صرف زبر، زیر، پیش، شد اور مد وغیرہ کی پروف ریڈنگ کر کے تصحیح کا سرٹیفکیٹ جاری کر دینا کتاب اللہ کا استخفاف اور اپنی جان پر ظلم ہے۔

ضبط چونکہ توثیقی نہیں بلکہ اجتہادی ہے تو اس کی اغلاط میں کسی حد تک گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن رسم کے توثیق (اور صحتِ قراءت کا ایک معیار) ہونے کی وجہ سے اس کی اغلاط ناقابل قبول اور گناہ کا باعث ہیں، لیکن اہل فن کے ہاں ضبط کی غلطی کو بھی معیوب مانا جاتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ خالق کائنات کی اس عظیم الشان کتاب میں رسم و ضبط اور فواصل و اوقاف کی کوئی غلطی نہ پائی جائے تاکہ اس کی عظمت کا حق ادا ہو سکے۔

حافظ انس نصر، حافظ مصطفیٰ راسخ

افسونناک امر یہ ہے کہ پاکستان میں طبع ہونے والے تمام مصاحف کا تقریباً یہی حال ہے، جن میں فواصل، رسم اور ضبط کی متعدد اغلاط پائی جاتی ہیں، بعض مصاحف میں ذرا کم ہیں اور دیگر مصاحف میں کچھ زیادہ ہیں۔ بطور نمونہ طاعت قرآن کے معروف ادارے 'تاج کمپنی' کی طرف سے شائع شدہ بعض مصاحف میں موجود رسم اور ضبط کی چند غلطیاں ہم ذیل میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:

### اغلاط رسم کی چند مثالیں

#### صحیح رسم عثمانی

أَصَابِعَهُمْ  
الصَّوَاعِقِ  
القَوَاعِدِ  
بِخَارِجِينَ  
عَاكِفُونَ  
وَالرَّاسِخُونَ  
وَالْقَنَاطِيرِ  
المَّاكِرِينَ

#### غلط کتابت

أَصَابِعَهُمْ  
الصَّوَاعِقِ  
القَوَاعِدِ  
بِخَارِجِينَ  
عَاكِفُونَ  
وَالرَّاسِخُونَ  
وَالْقَنَاطِيرِ  
المَّاكِرِينَ

۱  
۲  
۳  
۴  
۵  
۶  
۷  
۸

رسم عثمانی کے مطابق مذکورہ تمام کلمات تمام مصاحف عثمانیہ میں بغیر الف کے ہی مکتوب ہیں اور رسم صحیح کتب مثلاً المقنع فی معرفة رسم مصاحف الأمصار از امام ابی عمر عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ، مختصر التبيين لهجاء التنزيل از امام ابی داؤد سلیمان بن نجاح رحمہ اللہ، عقيلة أتراب القوائد فی بیان رسم المصاحف از قاسم بن فیرہ الشاطبی رحمہ اللہ، دليل الحیران شرح مورد الظمان فی رسم وضبط القرآن از مارثی التوسی رحمہ اللہ، جامع البیان فی معرفة رسم القرآن از علی اسماعیل السید ہندواوی رحمہ اللہ، سمیر الطالبین فی رسم وضبط الكتاب المبين از علی محمد الضباع رحمہ اللہ اور نشر المرجان فی رسم نظم القرآن از محمد غوث بن ناصر الدین محمد بن نظام الدین احمد الناطلی الارکاتی رحمہ اللہ وغیرہ میں بھی الف کے بغیر ہی مکتوب ہیں، جبکہ ہمارے ہاں مطبوعہ مصاحف میں ان تمام کلمات کو رسم عثمانی کے خلاف الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ چند امثلہ صرف بطور مثال ذکر کی گئی ہیں ورنہ اس قسم کی صریح غلطیاں مطبوعہ مصاحف میں عام ہیں۔

### اغلاط ضبط کی چند مثالیں

#### صحیح ضبط

الْحَمْدُ  
الدِّينِ  
مِنْ قَبْلِكَ  
يَعْتَذِرُونَ  
وَلَكِنْ لَا  
سُنِبَلِ

#### غلط ضبط

الْحَمْدُ  
الدِّينِ  
مِنْ قَبْلِكَ  
يَعْتَذِرُونَ  
وَلَكِنْ لَا  
سُنِبَلِ

۱  
۲  
۳  
۴  
۵  
۶

- پاکستانی مصاحف میں ضبط کی بعض اغلاط ایسی ہیں کہ بعض مقامات پر الف لکھا ہوا ہے مگر اس کے سائیلٹ [یعنی وصلًا ووقفًا نہ پڑھے جانے] کی کوئی علامت نہیں لگائی گئی، مثلاً لفظ ﴿قَالُوا﴾ [البقرة: ۱۱] کے آخر میں الف موجود ہے مگر اس پر کوئی علامت موجود نہیں ہے کہ اس کو پڑھا جائے گا یا نہیں، حالانکہ اس الف کے اوپر ایسی علامت ہونی چاہئے تھی جس سے پتہ چلتا کہ یہ الف پڑھنے میں نہیں آتا جیسا کہ مجمع ملک فہد کے مطبوعہ مصاحف میں اس الف کے اوپر چھوٹے سے تریچھے گول دائرے کی علامت لگائی گئی ہے۔ اسی طرح لفظ ﴿لِشَايِءٍ﴾ [الكهف: ۲۳] ہے اس کا رسم تو درست لکھا ہوا ہے مگر اس میں شین کے بعد موجود الف پر کوئی علامت نہیں ہے حالانکہ اس جگہ بھی ﴿قَالُوا﴾ کی طرح کوئی علامت ہونی چاہئے تھی جس سے پتہ چلتا کہ یہ الف وصلًا ووقفًا دونوں صورتوں میں پڑھنے میں نہیں آتا۔ مجمع ملک فہد کے مطبوعہ مصاحف میں اس جگہ بھی مخصوص علامت موجود ہے۔
- اسی کلمہ طرح ﴿إِنَّا أَنَا﴾ [الأعراف: ۱۸۸] کا الف وصلًا نہیں پڑھا جاتا لیکن وقفًا پڑھا جاتا ہے لہذا اس الف کے اوپر بھی کوئی ایسی علامت ہونی چاہئے تھی جو ﴿قَالُوا﴾ میں موجود الف کی علامت سے مختلف ہوتی اور اس پر دلالت کرتی کہ یہ الف صرف وقفًا پڑھا جاتا ہے۔ لیکن پاکستانی مصاحف میں سرے سے اس الف پر کوئی علامت موجود ہی نہیں ہے۔ ایک عامی شخص تو اسے ﴿فِيهَا﴾ کی طرح وصلًا بھی لبا لبا کر کے ہی پڑھے گا اور بعد میں الف کی موجودگی کی بنا پر مد مفصل سمجھتے ہوئے شاید مد بھی کر دے۔ مجمع ملک فہد کے مطبوعہ مصاحف میں اس جگہ الف کے اوپر تریچھے کے بجائے سیدھا گول دائرہ ڈالا گیا ہے۔
- پاکستانی مصاحف میں کلمہ ﴿لَا نَعْمَهُ اجْتَبَهُ﴾ [النحل: ۱۲۱] کا ضبط ہاء کی کھڑی زیر اور ہمزہ وصلی کے نیچے زیر کے ساتھ مرسوم ہے۔ حد تو یہ ہے کہ بعض مصاحف میں اسے مد مفصل سمجھتے ہوئے ﴿لَا نَعْمَهُ﴾ کی ہاء پر مد بھی ڈالی ہوئی ہے۔ اگر ﴿لَا نَعْمَهُ﴾ پر وقف کر کے [اجْتَبَهُ] سے ابتداء کی جائے تو مذکورہ ضبط کی کچھ سمجھ آجاتی ہے، مگر وصلًا اس ضبط کی کچھ سمجھ نہیں آتی کہ اس کو کیسے پڑھا جائے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ضبط وصل کے موافق ہوتا ہے، لہذا یہاں بھی وصل کا اعتبار کرتے ہوئے ہاء کے نیچے زیر جبکہ ہمزہ وصلی کو حرکت سے خالی ہونا چاہئے تھا۔ مجمع ملک فہد کے مصاحف میں ایسے ہی لکھا گیا ہے۔
- اسی طرح کلمہ ﴿فِي السَّمَوَاتِ ائْتُونِي﴾ [الأحقاف: ۴] کا ضبط تاء اور ہمزہ وصلی کے کسرہ اور ہمزہ کے بعد یاء ساکنہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر اسے ملا کر پڑھا جائے تو ﴿فِي السَّمَوَاتِ ائْتُونِي﴾ پڑھا جائے گا۔ یہاں بھی وصل کا اعتبار کرتے ہوئے ہمزہ وصلی کو حرکت سے خالی اور اس کے بعد یاء کی بجائے ہمزہ لکھا ہونا چاہئے۔
- اسی طرح پاکستانی مصاحف میں ہمزہ قطعی اگر الف کی کرسی کے ساتھ ہو تو اس کے اوپر یا نیچے ہمزہ ڈالنے کی بجائے فقط حرکت ڈال دی جاتی ہے جیسے [الم، ان، أولوا] حالانکہ الف کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ الف خالی لکھا جاتا ہے اس پر نہ حرکت ڈالی جاسکتی ہے نہ سکون، ویسے بھی یہاں الف بذات خود مقصود ہی نہیں بلکہ ہمزہ پڑھنا مقصود ہے، الف تو صرف اس کی کرسی کا کام دے رہا ہے۔ جیسے [فَتْةٌ، لُوْلُوًّا] میں یاء اور واو اصل مقصود نہیں بلکہ وہ ہمزہ کی کرسی کا کام دے رہے ہیں، اگر ان میں بھی ہمزہ حذف کر دیا جائے [فِيَّةٌ، لُوْلُوًّا] تو ادائیگی کیسے ہوگی؟ اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ ہمزہ کا تعلق رسم سے نہیں ہے بلکہ ضبط کے ساتھ ہے تو ہماری گزارش ہے کہ [ماء، فَتْةٌ، لُوْلُوًّا] جیسے کلمات کا ہمزہ بھی تو ضبط سے تعلق رکھتا ہے اگر یہ لکھا جاسکتا ہے تو وہ بھی لکھا جانا چاہئے۔



حافظ انس نضر، حافظ مصطفیٰ راسخ

اسی طرح پاکستانی مصاحف میں نون قطنی بعض مقامات پر لکھا گیا ہے جبکہ دیگر بعض مقامات پر نہیں لکھا گیا۔ مثلاً تاج کپنی کے مطبوعہ مصاحف میں ﴿إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ﴾ [البقرة: ۱۸۰] میں نون قطنی لکھا گیا ہے جبکہ سورۃ الاخلاص میں ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ [الاخلاص: ۲:۱] پر نہیں لکھا گیا اور لفظ جلالہ کے ہمزہ وصلی پر زبر لگائی ہوئی ہے۔ حالانکہ وصلا دونوں کا حکم ایک جیسا ہے۔ اگر کوئی شخص ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ کو وصلا پڑھتا ہے تو کیسے پڑھے گا؟ عامی آدمی تو ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ میں وصل کے باوجود لفظ اللہ کے ہمزہ وصلی کو زبردے کر ہی پڑھے گا جو صریح غلطی ہے۔

پاکستانی مصاحف جس حرف کے اوپر کھڑا زبر ہو تو وہاں زبر نہیں ڈالی جاتی مثلاً ﴿مَلِكٌ﴾ حالانکہ کھڑا زبر الف کے قائم مقام ہوتا ہے اور اگر کسی حرف کے بعد الف ہو پھر اس حرف پر زبر ضرور ڈالی جاتی ہے مثلاً ﴿كَمَا﴾ تو اگر الف کی موجودگی میں پیچھے زبر ڈالی جاتی ہے تو کھڑا زبر (جو الف کے قائم مقام ہے) سے پہلے زبر کیوں نہیں ڈالی جاتی۔ ہمارے رائے میں اسے ﴿مَلِكٌ﴾ لکھا جانا چاہئے جیسے صحف مدینہ میں لکھا ہوا ہے۔

پاکستانی مصاحف میں متصل اور منفصل کے ضبط میں فرق رکھا گیا ہے جو ایک مستحسن امر ہے، بالکل اسی طرح ضبط کی تمام کتابوں میں نون ساکن و نون تنوین اور میم ساکن کے ضبط میں بھی غنہ، عدم غنہ اور اظہار ادغام وغیرہ کے اعتبار سے فرق رکھا گیا ہے جس کا ہمارے مصاحف میں لحاظ نہیں رکھا گیا۔ بعض اصحاب خیر نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے اسی مقصد سے تجویدی قرآن چھاپے تاکہ اظہار ادغام اخفاء وغیرہ کو واضح کیا جاسکے۔ ہماری رائے میں اگر مصاحف میں نون ساکن و نون تنوین اور میم ساکن کے مخصوص ضبط کا خیال رکھا جائے تو اظہار ادغام اخفاء وغیرہ کا فرق بڑی حد تک خود بخود واضح ہو جائے گا۔ مثلاً کتب ضبط میں لکھا ہے کہ نون ساکن کے بعد اگر حرف حلقی آئیں تو نون کے اوپر سکون لکھا جانا چاہئے تاکہ نون کو خوب واضح کر کے اظہار کے ساتھ پڑھا جائے وگرنہ نون ساکن کو خالی رکھا جائے۔ مثلاً [مِنْ خَيْرٍ، يَنْوُونَ، مَن يَأْتِ، مِنْ تَحِيَّهَا، مِنْ بَيْنِ] اور اگر نون ساکن کو خالی رکھا جائے اور اگلے حرف پر شد ڈالی جائے تو یہ ادغام تام کی علامت ہے اور اگر اگلے حرف پر تشدید نہ ہو تو یہ ادغام ناقص یا اخفا کی نشانی ہے، یہی معاملہ میم ساکن کا بھی ہے۔ اسی طرح تنوین کی دو صورتیں ہیں: متتالیئین (یعنی اوپر نیچے) اور متتابعین (یعنی آگے پیچھے) متتالیئین کا معاملہ ایسے ہی ہے جیسے نون ساکن کے اوپر سکون ڈال دیا جائے اور متتابعین خالی نون ساکن کی مثل ہے۔

### اغلاظ فواصل کی چند مثالیں

روایت حفص کے مطابق ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ سورۃ الفاتحہ کی آیت ہے جبکہ ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ پر آیت نہیں ہے۔ لیکن ہمارے ہاں پاکستانی مصاحف میں ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ کو آیت شمار نہیں کیا گیا اور ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ پر آیت کا نشان لگانے کی بجائے صرف ۶ نمبر دے کر سورۃ الفاتحہ کی سات آیات پوری کر دی گئی ہیں۔ جو علم عدالائی کی رو سے صریح غلطی ہے۔ علامہ عبدالفتاح القاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والكوف مع ملكٍ يعدد البسملة سواهما أولى عليهم عدله  
”یعنی کوئی اور کسی شمار میں بسم اللہ کو آیت شمار کیا گیا ہے جبکہ ان دونوں شماروں کے علاوہ دیگر شمار پہلے علیہم

پر آیت شمار کرتے ہیں۔ [الفرائد الحسنان فی عدای القرآن، سورۃ الفاتحہ]

● روایت حفص کے مطابق سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۷۳ میں ﴿فَبِعَدَّتْ بِهِمْ عَدَاً أَبَا أَلِيمًا﴾ پر آیت نہیں ہے اور سورۃ النساء کی ۱۷۶ آیات ہیں۔ مجمع ملک فہد کے مطبوعہ مصاحف میں بھی یہاں آیت نہیں ہے، جبکہ پاکستانی مصاحف میں سے بعض میں اس جگہ آیت شمار کی گئی ہے اور دیگر بعض مصاحف میں آیت شمار نہیں کی گئی۔ ہمارے پاس تاج کمپنی کے دو ایڈیشن موجود ہیں اور ان دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ ایک طبع میں یہاں آیت شمار کی گئی ہے اور سورۃ النساء کی مکمل آیات ۱۷۶ کر دی گئی ہیں، جبکہ دوسرے طبع میں یہاں آیت شمار نہیں کی گئی اور سورۃ النساء کی ۱۷۶ آیات کر دی گئی ہیں۔ روایت حفص میں اس مقام پر آیت شمار کرنا علم عد الای کی روشنی میں صریح غلطی ہے۔ الشیخ عبدالفتاح القاضی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں الفراند الحسان، سورۃ النساء میں فرماتے ہیں:

وَذَا أَلِيمًا آخِرًا بِهِ انفراد

● ”یعنی آخری [أَلِيمًا] پر آیت شمار کرنے میں شامی منفرد ہے۔“ جبکہ روایت حفص کو فی شمار کے مطابق ہے۔ شمار آیات میں غلطی کا یہی حال سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۷۳ میں بھی ہے کہ ایک طبع میں [وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ] پر آیت شمار کی گئی، جبکہ دوسرے طبع میں آیت شمار نہیں کی گئی۔ علم عد الای کی رو سے روایت حفص میں یہاں آیت نہیں ہے۔ صاحب فراند الحسان سورۃ الانعام میں فرماتے ہیں:

ك فَيَكُونُ الدِّينِ شَامٍ بَصْرِي

● ”یعنی [فَيَكُونُ] پر شامی اور بصری آیت شمار کرتے ہیں۔“ گویا کہ کو فی شمار میں اس جگہ آیت نہیں ہے۔

## پاروں اور رکوعات کی درستگی

● پاکستانی مصاحف میں چودھواں پارہ ﴿رَبِّمَا يَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ [الحجر: ۲] سے شروع ہوتا ہے اور اس سے قبل سورۃ الحجر کی صرف ایک آیت مبارکہ کو تیرہویں پارے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پاروں کی تقسیم چونکہ اجتہادی ہے لہذا اگر اس پارے کو سورۃ الحجر سے ہی شروع کر دیا جاتا [جیسا کہ مجمع ملک فہد کے مطبوعہ مصاحف میں ہے] تو اس میں آسانی کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورتی میں بھی اضافہ ہو جاتا۔

● جہاں پارہ ختم ہو رہا ہو وہیں رکوع ختم ہونا چاہئے، کیونکہ پاروں اور رکوعات کا مقصد قرآن مجید کو معانی کے مطابق مختلف حصوں میں تقسیم کرنا ہے۔ جب ہم ربع، نصف اور ثلث پر رکوع کے ختم ہونے کا اہتمام کرتے ہیں تو پارہ کے اختتام پر رکوع کا اہتمام کرنا بالاولیٰ ہے۔

● رکوعات وضع کرنے کا مقصد نماز تراویح میں قرآن مجید پڑھنے کو برابر تقسیم کر کے آسان بنانا تھا، چاہئے تو یہ تھا کہ تمام رکوعات میں ایک اعتدال ہوتا اور تمام رکوع باہم تقریباً ایک جیسے ہوتے، جبکہ صورتحال اس سے مختلف ہے، بعض رکوع بہت زیادہ لمبے ہیں اور بعض بالکل ہی چھوٹے ہیں۔

● پاکستانی مصاحف میں سورۃ الواقعة کا پہلا رکوع ﴿لَا صَلَاحَ لِلَّيْمِينِ﴾ [الواقعة: ۳۷] پر ہے، حالانکہ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ لوگوں کا تذکرہ اس سے اگلی دو آیات پر مکمل ہوتا ہے، معنوی اعتبار سے یہ رکوع اس سے اگلی دو آیات ﴿ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ﴾ [الواقعة: ۳۸، ۳۹] پر مکمل ہونا چاہئے تھا۔

## پاکستانی اور سعودی مصاحف میں رموز اوقاف کا فرق

صحیح تحقیقی اور علمی مراجعت نہ ہونے کی وجہ سے پاکستانی مصاحف اور مجمع ملک فہد سے مراجعت شدہ مصاحف

پاکستانی مصاحف

کے رموز اوقاف میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے جس کو دیکھ کر بسا اوقاف عامی آدمی پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ سعودی مصاحف ماہرین فن اور پوری دنیا کے کبار اہل علم اور اصحاب تفسیر پر مشتمل ایک کمیٹی [جن کے نام ہر مصحف کے آخر میں درج ہیں] سے مراجعت شدہ ہیں، لہذا ہم انہیں ایک معیاری اور ماڈل مصحف کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے بطور مثال سورۃ البقرۃ کے پہلے دو رکوع میں رموز کا موازنہ کیا ہے، جو درج ذیل ہے:

کلمات قرآنیہ	رمز مصحف پاکستان	کلمات قرآنیہ	رمز مصحف مدینہ
آلَمْ	ج	ءَامَنَّا	ج
لِّلْمُتَّقِينَ	لا	شَّيْطَانِهِمْ	لا
رَبِّهِمْ	ق	مَعَكُمْ	صلے
سَمِعِهِمْ	ط	بِالْهُدَىٰ	صلے
غُسُوٰةٍ	ز	نَارًا	صلے
بِمُؤْمِنِينَ	م	لَا يَرْجِعُونَ	--
ءَامَنُوا	ج	وَبِرَقٍّ	--
يَشْعُرُونَ	ط	الْمَوْتِ	--
مَرَضٍ	لا	أَبْصُرَهُمْ	--
مَرَضًا	ج	فِيهِ	لا / ق
الْيَمِّ	لا	قَامُوا	ط
فِي الْأَرْضِ	لا	وَأَبْصُرِهِمْ	ط
السُّفَهَاءَ	ط	قلے	

مذکورہ رموز اوقاف کے وسیع فرق سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان رموز کی تعیین میں بہت زیادہ کام ہونے والا باقی ہے جس کیلئے اہل علم کو آگے آنا چاہئے اور اس فریضہ مقدس کو ادا کرنا چاہئے۔ بعض مقامات تو ایسے ہیں کہ جہاں پاکستانی مصاحف میں تو رموز موجود ہے یا دو دو رموز لگا دی گئیں ہیں اور سعودی مصاحف میں سرے سے کوئی رموز موجود ہی نہیں ہے۔ بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں دو متضاد رموز لگائی ہوئی ہیں، مثلاً تاج کمپنی کے مطبوعہ مصحف میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۴ میں ﴿قَالُوا ءَامَنَّا﴾ کے بعد دو متضاد رموز [صلے] اور [ج] لگائی ہوئی ہیں۔ [صلے] کا مطلب ہے کہ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے جبکہ [ج] کی رمز کا مطلب ہے کہ یہاں ٹھہرنا بہتر ہے۔ اب قاری مذکورہ دونوں رموز میں سے کس پر عمل کرے؟ وقف کرے یا وصل؟

### اغلاط اوقاف کی چند مثالیں

● ہر آیت مبارکہ پر وقف کرنا مستحب عمل ہے، کیونکہ نبی ﷺ ہر آیت مبارکہ پر وقف کیا کرتے تھے، جبکہ پاکستانی مصاحف میں ایک غلطی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ متعدد مقامات پر آیات کے گول دائرے کے اوپر وقف نہ کرنے کی علامت لا لکھی ہوئی ہے۔ (اسی طرح روایت حفص کے علاوہ دیگر شماروں کی آیات، جہاں بطور علامت آیت [۵] لکھا ہوتا ہے، اس میں بھی بعض مقامات پر [۵] کے اوپر لاکی علامت لکھی ہوئی ہے۔) حالانکہ ہر آیت پر

- وقف کرنا مستحب عمل ہے، اور اس علامت کے ذریعے مستحب عمل سے روک دیا جاتا ہے۔ اس غلطی کو متعدد مصاحف کے ساتھ ساتھ تاج کبینی کے مطبوعہ مصاحف میں سورۃ الناس کی تمام آیات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔
- پاکستانی مصاحف میں سورۃ اللہ کی چوتھی آیت مبارکہ میں ﴿وَأَمْرًا﴾ کے بعد وقف مطلق کی علامت [ط] لگی ہوئی ہے حالانکہ اس جگہ یہ علامت لگانا بالکل غلط ہے کیونکہ اس کے بعد والا جملہ ﴿حَمَلَةَ الْحُطْبِ﴾ اس سے حال ہے اور فن کی رو سے ذوالحال اور حال کے درمیان وقف کرنا بہتر نہیں، نیز اگر اس جگہ وقف کر دیں تو اس کے بعد والے لفظ کو مبتدایا مبتدا محذوف کی خبر ماننا پڑے گا حالانکہ حال ہونے کی بنا پر وہ منصوب ہے۔
- اسی طرح پاکستانی مصاحف میں ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ [البقرة: ۱۱۶] کے بعد علامت وقف [لا] لکھی ہوئی ہے، یعنی اس جگہ وقف نہ کیا جائے۔ اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے کہ ”انہوں (یعنی) کافروں نے کہا: کہ اللہ نے اولاد پکڑ رکھی ہے۔“ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿سُبْحٰنَہٗ﴾ کہ اللہ تعالیٰ (اس تہمت سے) پاک ہے۔“ گویا کہ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ تک کافروں کا کلام ہے اور اس کے بعد: ﴿سُبْحٰنَہٗ﴾ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اگر اس جگہ وقف نہ کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ شاید [سُبْحٰنَہٗ] بھی کافروں کا ہی کلام ہے۔ جس سے معنی کی قباحت واضح ہو جاتی ہے۔ لہذا اس جگہ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ کے بعد علامت وقف [لا] کی بجائے [قلے] ہونی چاہئے تھی، جس کا مطلب ہے کہ یہاں وقف کرنا اولیٰ ہے۔ تاکہ کفار کی بات اور اللہ تعالیٰ کے جواب میں فرق ہو جائے۔ ہاں البتہ: ﴿مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَہٗ﴾ [مریم: ۳۵] میں [وَلَدٍ] کے بعد علامت وقف [لا] درست ہو سکتی ہے کیونکہ وہ سارا اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے۔
- اسی طرح تاج کبینی کے مصحف میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۳۱ میں ﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّہٗ أَسْلِمْ﴾ کے بعد علامت وقف [لا] لگائی ہوئی ہے، جو وقف نہ کرنے پر دلالت کرتی ہے، حالانکہ معنوی اعتبار سے یہاں وقف کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ [أَسْلِمَ] اللہ کا حکم ہے اور اس کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا جواب ہے۔
- اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۳۶ میں ﴿إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ﴾ کے بعد علامت وقف [ط] لگائی ہوئی ہے، جو وقف مطلق پر دلالت کرتی ہے، حالانکہ معنوی اعتبار سے یہاں وقف لازم کی علامت ہونی چاہئے تھی تاکہ [يَسْمَعُونَ] اور [وَالْمَوْتَى] میں تفریق ہو جائے، کیونکہ مردے سنتے نہیں ہیں۔ مجمع ملک فہد کے مطبوعہ قرآن مجید میں اس مقام پر وقف لازم کی علامت [م] ہی لگی ہوئی ہے۔
- سورۃ البقرۃ: ۲۲۶ میں ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرٰئِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی﴾ کے بعد وقف لازم کی علامت [م] لگی ہوئی ہے، حالانکہ معنوی طور پر یہاں وقف کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ جن سرداروں کا تذکرہ اللہ نے پہلے کیا ہے انہیں کی بات آگے چل رہی ہے، نئی بات شروع نہیں ہوئی کہیں یا لازماً وقف کیا جائے۔
- اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۸ میں ﴿أَنْ ءَاتٰہُ اللّٰهُ الْمُلْکَ﴾ کے بعد وقف لازم کی علامت [م] لگی ہوئی ہے، حالانکہ معنوی طور پر یہاں بھی کسی علامت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جس بادشاہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کیا ہے، اسی کی بات آگے چل رہی ہے، نئی بات شروع نہیں ہوئی کہ لازماً وقف کیا جائے۔
- سورۃ المائدہ: ۲۷ میں ﴿وَأَتْلُ عَلَیْہِمُ نَبَا ابْنِیْ ءَادَمَ بِالْحَقِّ﴾ کے بعد وقف لازم کی علامت [م] لگی ہوئی ہے، حالانکہ معنوی طور پر یہاں بھی کسی علامت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا تذکرہ اللہ نے اس سے پہلے کیا ہے، انہیں کی بات آگے چل رہی ہے، کوئی نئی بات شروع نہیں ہوئی کہ یہاں لازماً وقف کیا جائے۔

حافظ انس نضر، حافظ مصطفیٰ راسخ

- سورة الاعراف: ۱۶۳ میں ﴿وَسَلِّمُهُمُ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاصِرَةً لِّلْبَحْرِ﴾ کے بعد وقف لازم کی علامت [م] لگی ہوئی ہے، حالانکہ معنوی طور پر یہاں بھی کسی علامت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جس بہت سی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کیا ہے، اسی کی بات آگے چل رہی ہے۔
- اسی طرح سورة یونس: ۱۷ میں ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ﴾ کے بعد وقف لازم کی علامت [م] لگی ہوئی ہے، حالانکہ معنوی طور پر یہاں بھی کسی علامت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ نوح علیہ السلام کا تذکرہ اللہ نے اس سے پہلے کیا ہے، انہیں کی بات آگے چل رہی ہے، نئی بات شروع نہیں ہوئی کہ یہاں لازماً وقف کیا جائے۔ واضح رہے کہ مذکورہ پانچوں مثالوں میں مجمع ملک فہد کے مطبوعہ مصاحف میں ان مقامات پر کوئی علامت وقف موجود نہیں ہے۔
- سورة هود: ۶۱ میں ﴿وَالِیٰ تَمُوذُ أَخَاهُمُ صَالِحًا﴾ کے بعد وقف لازم کی علامت [م] لگی ہوئی ہے، حالانکہ معنوی طور پر یہاں بھی کسی علامت کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ جس نبی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کیا ہے، اسی کی بات آگے چل رہی ہے، کوئی نئی بات شروع نہیں ہوئی کہ اس مقام پر لازماً وقف کیا جائے۔ نیز یہاں ایک بات اور قابل غور ہے کہ ایک رکوع پہلے ﴿وَالِیٰ عَادُ أَخَاهُمُ هُودًا﴾ اور ایک رکوع بعد ﴿وَالِیٰ مَدِیْنُ أَخَاهُمُ شُعَیْبًا﴾ کے بعد وقف لازم کی علامت [م] کی بجائے وقف مطلق کی علامت [ط] لگائی ہوئی ہے، حالانکہ مذکورہ تینوں مقامات کا انداز تکلم ایک جیسا ہی ہے، پھر ان کے درمیان رموز وادقاف کا یہ فرق کیوں؟
- مصاحف کے حاشیہ پر بعض ایسی علامات وقف لکھی ہوئی ہیں جن کی استنادی حیثیت واضح کی جانی چاہئے، مثلاً وقف النبی، وقف منزل اور وقف غفران وغیرہ، ان سے مراد اور ان کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

## اچھی کاوش

مجمع الملك فهد لطباعة القرآن الکریم سعودی عرب، دُنیا کا وہ منفرد ادارہ ہے جسے رسم عثمانی، ضبط، علم الفواصل اور رموز وادقاف کے معروف قواعد کے ساتھ قرآن مجید کی طباعت کا اعزاز حاصل ہے۔ سعودی عرب کے اس ادارے کو نہ روایتی حفص کا مستند ترین مصحف چھاپنے کا اعزاز حاصل ہے، بلکہ اس نے دیگر متداول روایات (ورش، قالون اور دوری) میں بھی کروڑوں کی تعداد میں مصاحف چھاپ کر مفت تقسیم کئے ہیں۔

مجمع ملک فہد کی طرز پر یہ مکتبہ دار السلام لاہور نے حال ہی میں رسم عثمانی، علم الفواصل اور رموز وادقاف کے مطابق مصحف طبع کیا ہے جو اس باب میں ایک اچھی اور قابل ستائش کاوش ہے، اگرچہ اس میں علم الضبط کے حوالے سے بہتری کی کافی گنجائش باقی ہے۔ دیگر طباعتی اداروں کو بھی اس اچھی روایت پر عمل کرنا چاہیے۔

## عالم اسلام اور حکومت پاکستان سے اپیل

محقق اہل علم وقرآن کرام اس امر سے تجویبی واقف ہیں اور اس کوتاہی کو بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان میں مطبوعہ مصاحف کے اندر رسم، ضبط، فواصل اور ادقاف کی متعدد اغلاط پائی جاتی ہیں، جن کی تصحیح از بس ضروری اور ذمہ داران پر واجب ہے۔ پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے اپنی کتاب 'قرآن و سنت، چند مباحث' میں اس امر کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ پاکستانی مصاحف کی اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ اس سلسلہ میں ماہنامہ رشد کے قراءات نمبر اول میں قاری رشید احمد تھانوی صاحب کے رسم عثمانی اور پاکستانی مصاحف کی صورت حال نامی مضمون کا مطالعہ بھی مفید رہے گا۔

گیا، جس کے قیام کا مقصد ایک معیاری اور رسم و ضبط کی اغلاط سے پاک قرآن مجید کی طباعت تھا اور اس بورڈ نے محنت سے کام لے کر رسم و ضبط کی اغلاط سے پاک ایک معیاری مصحف چھاپنے کی بجائے ”حلوائی کی دکان پر دادا جی کی فاتحہ خوانی“ کرتے ہوئے قدرت اللہ کمپنی اردو بازار لاہور کے مصحف پر پنجاب قرآن ہاؤس لاہور کا سرورق لگا کر ایک ماڈل مصحف کے طور پر چھاپ دیا ہے۔ اس ماڈل مصحف کی صورت حال بھی دیگر پاکستانی مصاحف سے مختلف نہیں ہے۔ اس میں بھی دیگر پاکستانی مصاحف کی طرح رسم کی متعدد اغلاط پائی جاتی ہیں۔ البتہ اس مصحف کا کاغذ اور جلد دیگر مصاحف کی نسبت معیاری اور مضبوط ہے، جس پر حکومت پنجاب ’مبارکباد‘ کی مستحق ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ طباعت قرآن مجید میں رسم عثمانی (جو کہ تو فیہی اور صحت قراءت کیلئے ایک معیار ہے اور اس کے خلاف قرآن مجید کی کتابت کرنا حرام ہے) ضبط اور اوقاف سمیت تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھا جائے۔

ہماری عالم اسلام سے بالعموم اور حکومت پاکستان سے بالخصوص اپیل ہے کہ وہ مجمع فہد کی طرز پر ماہرین فن پر مشتمل ایک لجنہ مراجعۃ المصحف قائم کرے، جو رسم و ضبط اور رموز اوقاف وغیرہ لازمی امور کو سامنے رکھ کر ایک معیاری مصحف کی تیاری کرے، جسے قانونی طور پر انجمن حمایت اسلام کے مصحف کی جگہ پر معیاری مصحف قرار دیا جائے اور تمام طباعتی اداروں کو اس مصحف کی مطابقت کا پابند کیا جائے، نیز کوئی بھی طباعتی ادارہ اس لجنہ (کمٹی) کی اجازت و سرٹیفکیٹ کے بغیر کسی مصحف کی طباعت نہ کر سکے۔ اسی طرح حکومت کو یہ بھی چاہیے کہ وہ قرآن مجید کی طباعت کرنے والے مطابع اور اداروں کو اس امر کا پابند بنائے کہ کمیٹی کی اجازت کے ساتھ ساتھ وہ صرف اور صرف اعلیٰ معیاری کاغذ اور مضبوط جلدی بندی کے ساتھ ہی مصاحف کے طباعت کر سکتے ہیں۔ اگر حکومتی ذمہ داران یہ عظیم الشان خدمت سرانجام دے دیتے ہیں تو ان شاء اللہ یہ صدقہ جاریہ ہوگا اور روز قیامت ان کیلئے باعث نجات بنے گا۔ اگر حکومت پاکستان کیلئے ایسا ادارہ قائم کرنا یا ایسی کمیٹی تشکیل دینا مشکل ہے تو عالم اسلام کے مرکز سعودی عرب یا مکتبہ دار السلام لاہور، جامعہ لاہور الاسلامیہ اور دیگر علوم القراءت کی تعلیم دینے والے ادارے [جن کے پاس اللہ کے فضل و کرم سے رسم و ضبط کے ماہرین کی ایک جماعت موجود ہے] کے تعاون سے مراجعت کروا کر ایک ماڈل مصحف تیار کر کے تمام طباعتی اداروں کو اسی رسم کے مطابق طباعت قرآن مجید کا پابند کر دیا جائے۔ طباعتی اداروں کو پابند بنانے کا قانون تو موجود ہے، البتہ کمزوری صرف یہ ہے کہ غلطی کو غلطی نہیں سمجھا جا رہا۔

ہم آخر میں پھر واضح کرنا چاہیں گے کہ رسم عثمانی تو فیہی ہے، لہذا اس کے خلاف کتابت قرآن مجید حرام ہے مگر ضبط چونکہ اجتہادی ہے اور اس کو رسم عثمانی جیسا تقدس حاصل نہیں ہے۔ اگر اس میں بہتری کی جاسکے تو بہت اچھا ہے وگرنہ آسانی کی غرض سے انہی علامات کو ہی ’قواعد کے مطابق‘ لگایا جاسکتا ہے، کیونکہ ضبط کے معاملے میں خود سلف صالحین کے ہاں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً ہمزہ وصلی کی علامت کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس پر کونسی علامت لگائی جائے۔ اسی طرح فاء اور قاف کے نقطوں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل مشرق فاء کے اوپر ایک نقطہ اور قاف کے اوپر دو نقطہ لگاتے ہیں، جبکہ اہل مغرب فاء کے نیچے ایک نقطہ اور قاف کے اوپر ایک نقطہ لگاتے ہیں۔ البتہ یہ کوشش ضرور کی جانی چاہیے کہ پوری دنیا میں تمام مطبوع قرآن مجید یکساں ہوں اور ان کا ایک ہی ضبط معروف ہو، نیز تمام لوگوں کو اسی سے متعارف کروایا جائے۔ اور اگر ایسا ممکن ہو جائے تو عوامی علامات ضبط کے بالمقابل اہل فن کے مقرر کردہ علامات ضبط کو اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وما تو فیہی بلا اللہ



## علم الفواصل.....توقیفی یا اجتہادی؟

مقالہ نگار جناب محسن علی نے چند سال قبل شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب سے علوم اسلامیہ میں پروفیسر محمد عبداللہ کی زیر نگرانی ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ موصوف کے مقالہ کا عنوان تھا 'علم الفواصل اور تفسیر و معنی پر اس کے اثرات'۔ زیر نظر مضمون اسی مقالہ کی ایک فصل کا انتخاب ہے جو کہ موضوع کی افادیت کے پیش نظر رشد کے صفحات میں شامل کیا جا رہا ہے۔ [ادارہ]

جس طرح حق تعالیٰ نے قرآن مجید کے سمجھنے، سمجھانے اور یاد کرنے میں آسانی عطا فرمانے کی غرض سے اپنی اس کتاب کو تھوڑا تھوڑا کر کے اور سبع احرف پر نازل کیا۔ اسی آسانی کے لیے اس کو ۱۱۴ سورتوں پر تقسیم فرمایا۔ جن میں کچھ بڑی ہیں، کچھ درمیانی اور کچھ انتہائی چھوٹی حتیٰ کہ تین آیات کی۔ پھر ان سورتوں کو آیتوں پر تقسیم فرمایا اور ان کے چھوٹے چھوٹے حصے بنا دیے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اور زیادہ آسانی پیدا کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے روبرو قرآن مجید کی آیتیں بھی شارکیں۔ اس کو سیکھنے، سکھانے اور یاد کرنے میں مزید آسانی پیدا کرنے کی غرض سے پانچ پانچ اور دس دس آیتوں کے شمار کی تعلیم فرمائی۔ اس بارے میں صحیح احادیث اور آثار بھی وارد ہوئے ہیں۔ جیسا کہ عطاء بن سائب ابی عبدالرحمن سلمی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ہم قرآن کی دس آیات پڑھنے کے بعد اس وقت تک آپ ﷺ سے اگلی دس آیات نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ اس کے حلال اور امر و نہی سے آگاہی حاصل نہ کر لیتے۔ [مسند احمد: ۲۲۳۸۴]

اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو دس آیتیں پڑھاتے تھے پھر جب تک ہمیں ان دس آیتوں کے احکام نہیں سکھا دیتے تھے اس وقت تک دوسری دہائی شروع نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے ان کا کہنا ہے کہ:

”تعلمنا القرآن والعمل جميعاً“ [البیان فی عدای القرآن: ۳۳]

یعنی ہم نے قرآن کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے احکامات کی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

ان سب وسعتوں کے مہیا کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اولاً صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور پھر ان کے ذریعے پوری اُمت کو قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کے ذریعے قرب الہی حاصل کرنے میں آسانی نصیب ہو جائے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو تابعین رضی اللہ عنہم تک اسی طرح پہنچایا جس طرح نبی کریم ﷺ سے سنا تھا۔ جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم عمر بھر کلام الہی کے الفاظ اور اس کے حروف کے نقل کرنے میں مشغول رہے، اسی طرح اس کی آیات کے شمار کی بھی حفاظت کرتے رہے۔ پھر تابعین رضی اللہ عنہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے الفاظ اور آیات کے شمار کی تعلیم حاصل کی۔ ان سے آگے یہ تعلیم آئمہ شمار

☆ ایم فل علوم اسلامیہ، شیخ زاید سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

علم الفواصل..... تو یقینی یا اجتہادی؟

کے ذریعے پھر ہم تک پہنچ گئی۔ ذیل میں آیات کے شمار سے متعلق احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم نقل کیے جاتے ہیں جن سے ہمیں یہ پتہ چلے گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کا کس قدر شوق تھا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آپ ﷺ سے آیات کی تفسیر کی بھی تعلیم حاصل کی۔

### شمار کے بارے میں احادیث نبویہ ﷺ

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز میں ساٹھ آیتوں سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔ یعنی کم از کم ساٹھ اور زیادہ سے سو آیات کی تلاوت آپ ﷺ فجر کی نماز میں فاتحہ کے بعد تلاوت فرماتے تھے۔

[صحیح بخاری، ۵۴۱۰]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جس نے ایک رات میں بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں اسے وہ دونوں کافی ہو جائیں گی۔“

[صحیح بخاری، ۵۰۰۹]

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ نبی کریم ﷺ اس سورت یعنی فاتحہ کی تلاوت فرما رہے تھے سو آپ ﷺ ’بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ العَلَمِین۔ الرحِیم۔ یوم الدین۔ نستعین۔‘ پانچوں میں سے ہر ایک پر ایک انگلی بند کرتے رہے اور نستعین پر پہنچ کر پانچ انگلیاں بند کر لیں۔ پھر المستقیم پر ایک انگلی کھڑی کی جس میں اشارہ تھا کہ یہاں چھ آیتیں ہو گئیں، پھر سورت کے آخر پر ایک انگلی اور اٹھالی جس کے معنی یہ تھے کہ سات آیتیں ہو گئیں۔ [البیان فی عدای القرآن: ۶۳]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”جس نے سورہ کہف کی شروع کی دس آیتیں حفظ کر لیں پھر اس کو دجال نے گھیر لیا تو وہ اُسے نقصان نہیں پہنچا

سکے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کو دجال کے فتنے سے بچا لیا جائے گا۔“ [صحیح مسلم: ۱۸۸۳]

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ دجال کے دجالی فتنے سے اس کو بچائیں گے اور اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”تیس (۳۰) آیتوں نے اللہ کی جناب میں ایک شخص کی سفارش کی یہاں تک کہ اس کو جنت میں پہنچا دیا اور وہ

سورۃ ﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ یَبْدِیْهِ الْمَلٰٓئِکَ﴾ [الملک: ۱] ہے۔“ [جامع الترمذی: ۲۸۹۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت سماعت فرمائی قیامت کے روز وہ آیت اس کے لیے نور ہوگی۔“

[البیان فی عدای القرآن: ۲۳]

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اسم اعظم (یعنی اللہ کا بڑا نام) ان دو آیات میں ہے۔ ﴿وَ الْهٰکُمُ الْیٰہُ وَحْدَ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾

[البقرہ: ۱۶۳-۱۶۴] اور ﴿الْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ [آل عمران: ۲، البیان فی عدای القرآن: ۲۶]



حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے ایک رات میں پانچ سو سے لے کر ایک ہزار آیات تک تلاوت کیں تو اس کے لیے دو قنطار اجر ہے۔ قنطار کے قیراط کی مثال بڑے پہاڑ کی سی ہے۔“ [ایضاً: ۲۸]

حضرت ابو عبد الرحمن کا کہنا ہے کہ جن حضرات نے ہمیں قرآن مجید پڑھایا وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان معلمین نے ہمیں یہ بات بھی بتلائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دس دس آیتیں پڑھاتے تھے پھر جب تک ہمیں ان دس آیتوں کے احکام نہیں سکھا دیتے تھے اُس وقت تک دوسری دہائی شروع نہیں کراتے تھے۔ اسی لیے یہ تینوں حضرات فرماتے ہیں ”تعلمنا القرآن و العمل جميعاً“ یعنی ہم نے قرآن کے الفاظ اور اس کے احکام دونوں چیزیں سیکھی ہیں۔ [البیان فی عدا آی القرآن: ۳۳]

اس روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو آیات کی تلاوت کے ساتھ ساتھ احکام کی تعلیم فرمانا اور آیات کے شمار کا پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک وقت میں دس آیات کی تلاوت فرماتے اور پھر اگلی دس آیات کی تلاوت اس وقت تک نہ فرماتے جب تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پہلی دس آیات کے احکام کو سیکھ نہ لیتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ جب گھر لوٹ کر آئے تو تین حاملہ اونٹنیاں پائے جو نہایت فرہہ ہوں بڑی بڑی۔ ہم نے کہا بے شک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس تین آیتیں کہ ان کو آدمی نماز میں پڑھتا ہے بہتر ہیں اس کے لیے تین اونٹنیوں سے جو بڑی اور موٹی ہوں۔“ [صحیح مسلم: ۱۸۷۲]

شمار آیات کے بارے میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے آثار و احادیث آئی ہیں۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فاتحہ کی آیات کا، سورۃ الملک کی آیات کا شمار بتانا اور سورت کے اوّل یا آخر میں سے کسی خاص مقام کی آیتوں کے مخصوص شمار پر ثواب کی تعیین فرمانا لغو اور بے فائدہ نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ لوگوں کو آیات کا شمار معلوم کرنے کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ ان کو مخصوص آیات کی تلاوت کا ثواب میسر آئے۔ ان سب احادیث سے فواصل کی تعلیم اور اس کے حفظ کی طرف توجہ کرنا معلوم ہوتا ہے، نیز یہ کہ فواصل کا شمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہونا پتہ چلتا ہے جو کہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ فواصل کی تعیین تو قیفی ہے نہ کہ قیاسی۔

### شمار آیات سے متعلق اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ رضی اللہ عنہم نے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر علوم قرآنیہ حاصل کیے اسی طرح آیات کا شمار بھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دس آیات کی قراءت کے ساتھ ساتھ اس کے احکامات بھی سکھاتے اور پھر جب تک ہم ان دس آیات کو سیکھ نہ لیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگلی دس آیات کی قراءت نہ فرماتے۔

[مسند احمد: ۲۲۳۸۴]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شمار کی تعلیم تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی لیکن شمار آیات میں مشہور ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہوئے۔ یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی نقلی نمازوں میں بھی اپنی انگلیوں کے پوروں پر

علم الفواصل..... توفیقی یا اجتہادی؟

آیات کا شمار کیا کرتے تھے تاکہ ان کے ذریعے اجر موعود کو پاسکیں۔

### حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

امام نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نقلی نماز میں قرآن کی آیات کا شمار کیا کرتے تھے۔

[البیان فی عدای القرآن: ۴۱]

### حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز میں آیات کا شمار کیا کرتے تھے۔

[محولہ بالا]

### حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز میں آیات کا شمار کیا کرتے

تھے۔ [البیان: ۴۲]

### حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز میں آیات کا شمار کیا کرتی تھیں۔

[البیان فی عدای القرآن: ۴۳]

مندرجہ بالا تمام روایات جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نماز میں آیات کے شمار سے متعلق آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز میں آیات کے شمار پر ابھارنا تھا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم آیات کے شمار کا نماز میں اس قدر اہتمام فرماتے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نماز کے باہر اس کی تعلیم و تلقین کا اہتمام نہ فرماتے ہوں۔ نماز کے علاوہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا آیات کو شمار کرنا ذیل کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کی آیات کا شمار بھی

کیا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ ایک تلاوت کا اور دوسرا شمار کرنے کا۔ [شرح المحللاتی: ۹۵]

صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے آیات کا شمار دیکھ کر اپنے بعد آنے والوں یعنی تابعین رضی اللہ عنہم کو اس کی تعلیم دی اور اس کو شمار کرنے پر ابھارا۔

### اقوال تابعین رضی اللہ عنہم

تابعین میں سے چوبیس لوگوں کے نام تقریباً ہمارے سامنے آتے ہیں جو آیات کے شمار میں مشہور ہیں ان ائمہ کی نسبت مدینہ، کوفہ، مکہ، بصرہ اور شام کی طرف کی جاتی ہے۔

### اہل مدینہ میں

عروہ بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز، نافع بن جبیر بن مطعم اور یزید بن رومان رضی اللہ عنہم۔ [البیان فی عدای القرآن: ۴۳]

## اہل کوفہ میں

ابو عبدالرحمن السلمي، زر بن حبیش، سعید بن جبیر، شععی، بسیر بن عمرو، ابراہیم النخعی، یحییٰ بن وثاب، خثیمہ بن عبدالرحمن اور عاصم بن ابی الجوزہ رضی اللہ عنہم۔ [البیان فی عدای القرآن: ۴۳]

## اہل مکہ میں

عطاء بن ابی رباح، طاؤس، ابن ابی ملیکہ اور مغیرہ بن حکیم رضی اللہ عنہم۔ [ایضاً]

## اہل بصرہ میں

حسن، ابن سیرین، مالک بن دینار، ثابت البنانی، ابو جابر اور حبیب بن الشہید رضی اللہ عنہم۔ [ایضاً]

## اہل شام میں

کعب الاحبار رضی اللہ عنہم۔ [محولہ بالا]

ان تمام شہروں کے کل آئمہ جو اوپر بیان کیے گئے ہیں چوبیس (۲۴) ہیں۔ جن میں سے چار مدینہ کے، نو کوفہ کے، چار مکہ کے، چھ بصرہ کے اور ایک شام کا۔ ان سب آئمہ سے آیات کا شمار نماز میں اور نماز کے باہر ثابت ہے۔ شععی کی روایت میں ہے کہ فرض نمازوں میں آیات کے گننے میں کوئی حرج نہیں۔ [ایضاً: ۴۷]

اسی طرح کی روایات باقی آئمہ سے بھی مروی ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

عبدالرحمن بن علی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عبدالرحمن سے جو بھی قرآن کریم پڑھتا وہ اس کو قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آیات کے شمار کی بھی تعلیم دیتے۔ [ایضاً: ۴۸]

امام عاصم رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی قرآن کی تلاوت کرتا تو وہ اپنی انگلیوں پر تلاوت کرنے والے کی آیات کا شمار کرتے۔ [ایضاً]

خالد الخزاء ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر نماز میں آیات کا شمار کیا کرتے تھے۔ [ایضاً: ۶۶]

شمار آیات کی تعلیم صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر اپنے مابعد آنے والوں یعنی تابعین رضی اللہ عنہم کو سکھائی اور ان سے آگے پھر شمار آیات کی یہ تعلیم آئمہ سبعہ اور امام دانی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق آئمہ ستہ تک پہنچی جو مندرجہ ذیل ہیں:

① مدنی اوّل ② مدنی اخیر ③ مکی ④ کوفی ⑤ بصری ⑥ شامی۔ [ایضاً: ۶۷]

یہ شمار تعیین اس طرح روشن و ظاہر ہیں جس طرح صبح صادق کی روشنی و ظاہر ہیں۔ نیز جس طرح صبح کی روشنی سے رات کی اندھیری ختم اور ناپید ہو جاتی ہے اسی طرح یہ روایتیں بھی آیات کے شمار اور ان کی تعیین کے بارے میں تمام مشکوک و شبہات کو بالکل رفع کر دیتی ہیں۔

مذکورہ بالا تمام آثار و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علم (علم الفواصل) توقیفی ہے۔ لیکن اگر یہ علم توقیفی ہے تو پھر آئمہ شمار میں آیات کے شمار کے بارے میں اختلاف کیوں ہے؟ اس بناء پر آئمہ کرام کے دو مؤقف سامنے آتے ہیں۔

علم الفواصل ..... تو قیفی یا اجتهادی؟

① جو تمام آیات قرآنیہ کے رءوس کی تعیین کو تو قیفی قرار دیتے ہیں اور اس میں اجتهاد کا کوئی عمل دخل نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ قاری فتح محمد لکھتے ہیں:

”تمام شار تو قیفی ہیں جو نبی کریم ﷺ کے بتانے سے معلوم ہوئے ہیں اور اجتهادی نہیں ہیں جن میں قیاس اور رائے کا دخل ہو۔“ [کاشف العسر: ۵۷]

② جو اکثر آیات کے رءوس کی تعیین کے تو قیفی ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن رءوس آیات کے تعیین کے ایک قلیل حصہ کے قیاسی راجحہادی ہونے کے قائل ہیں۔ یہی مؤقف امام دانی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عبدالکافی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور یہی مؤقف مقالہ نگار کے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ ذیل میں قائلین تو قیفی اور قیاسی دونوں کے مؤقف بیان کیے جاتے ہیں۔

### فواصل کا تو قیفی ہونا

تو قیفی کسے کہتے ہیں اس سے متعلق علامہ جعبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”أما التوقيفي فما ثبت أنه النبي ﷺ وقف عليه دائماً تحققنا أنه فاصلة، وما وصله دائماً تحققنا أنه ليس بفاصلة.“ [حديقة الزهر في عد آي السور (مخطوطة): ۲۲۸]

”جس کلمہ پر رسول اللہ ﷺ کا دائماً وقف کرنا ثابت ہے ہم اس کے فاصلہ ہونے کا یقین کریں گے اور جہاں آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ وصل کیا ہے اس کی نسبت ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ فاصل نہیں ہے۔“

### قائلین تو قیفی کے دلائل

ائمہ کا وہ گروہ جن کا کہنا ہے کہ فواصل کا کلی علم تو قیفی ہے اس میں اجتهاد کا کوئی عمل دخل نہیں۔ وہ اس کے مندرجہ ذیل دلائل بیان کرتے ہیں:

① قرآن مجید میں ایسے کلمات بھی آئے ہیں جو اپنی ظاہری شکل اور اپنے وزن میں ان کلمات سے ملتے جلتے ہیں جن پر سب نے آیت شمار کی ہے۔ لیکن یہ کلمات اجماعاً متروک ہیں اور ان پر کسی نے بھی آیت شمار نہیں کی۔ پس اگر آیات کے مقرر کرنے میں اجتهاد اور رائے و عقل کا ذرا بھی دخل ہوتا تو یہ کلمات آیات میں سے خارج نہ ہوتے۔ کیونکہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ جتنے کلمات بھی آیات کے ہم شکل ہیں ان سب پر آیت شمار کی جاتی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ پس ہم شکل ہونے کے باوجود ان پر آیت نہ ہونا صاف بتا رہا ہے کہ آیات کی تعیین عقل و رائے سے نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے بتانے سے کی گئی ہے۔ کیونکہ عقل تو یہ بتاتی ہے کہ ہم شکل کلمات کا حکم بھی ایک ہی ہونا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ یا تو سب پر آیت ہو یا کسی پر بھی نہ ہو۔ [ماخوذ از کاشف العسر: ۶۴]

قاری رحیم بخش لکھتے ہیں:

”رءوس آیات کے تو قیفی ہونے کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن پاک میں بہت سے کلمات ایسے ہیں جو وزن اور شکل کے اعتبار سے آیتوں کے مشابہ ہیں (اس کو شبہ الفاصله کہتے ہیں) حالانکہ اماموں نے ان کو رءوس آیات میں شمار نہیں کیا نیز ایسے کلمات بھی کافی آئے ہیں جو آیات کے سروں کے ہم شکل نہیں ہیں (اس کو شبہ الوسط کہتے ہیں) جیسے ﴿الذوال﴾ لیکن ان کے شمار کرنے پر اجماع ہے اور ان پر سب ہی نے آیت شمار کی

تو قیفی

ہے۔“ [ہدایات الرحیم: ۳]

② بعض جگہ ایسے کلمات پر بھی آیت شمار کی گئی ہے جن پر کلام اور جملہ پورا نہیں ہوتا یا ان کلمات کا بعد والے کلمات سے قوی درجہ کا تعلق ہوتا ہے۔ اس صورت میں عقل اور اجتہاد کا تقاضا یہی تھا کہ ان پر آیت شمار نہ کی جاتی کیونکہ ظاہر کی رو سے آیت کلام کے ایک حصہ کا نام ہے اور کسی حصہ کا کامل ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ اپنا مطلب بتانے میں بعد والے کلام سے بالکل بے نیاز ہو اور اس کا محتاج نہ ہو۔ ﴿ارَاءَيْتَ الَّذِي يَنْهَى﴾ [علق: ۹۶/۹۶]، ﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَى﴾ [النازعات: ۳۷/۳۷]، ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ [اللیل: ۱۷۹/۱۷۹] مذکورہ بالا کلمات ایسے نہیں، کیونکہ جب جملہ پورا نہیں یا بعد والے کلمہ کا پہلے کلمہ سے تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ یہ کلمات بعد والے کلمات سے بے نیاز ہیں۔ پس جملہ کے کامل نہ ہونے یا بعد والے الفاظ سے قوی تعلق ہونے کے باوجود ان کلمات پر آیت شمار کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ آیات کی تعیین عقل و رائے سے نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے بتانے سے مقرر ہوئی ہے۔ [بشیر الیسر: ۲۳؛ مرشد الخلان: ۱۸]

قاری فتح محمد رقم طراز ہیں:

”ایسے کلمات بھی کافی ہیں جو آیات کے سروں کے ہم شکل نہیں لیکن ان کے شمار کرنے پر اجماع ہے۔“  
[کاشف الغمر: ۱۳۹]

③ دکتور وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

”ولا سبیل لمعرفة أول الآية وآخرها إلا بالتوقيف الشارع فلا مجال فيها للقياس والرأى، بدليل أن العلماء عدوا ﴿المص﴾ آية، ولم يعدوا نظيرها وهو ﴿الم﴾ آية“  
[الموسوعة القرآنية الميسرة: ۶۲۳۶]

”آیت کے اڈل و آخر کو شارع کے وقف کے علاوہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ ہی اس میں قیاس اور رائے کا کوئی عمل دخل ہے، اس کی دلیل علماء کا ’المص‘ پر آیت شمار کرنا اور ’الم‘ پر آیت کا شمار نہ کرنا ہے۔“  
عبدالفتاح قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات جو قرآن مجید کی انیس سورتوں کے شروع میں آ رہے ہیں ان پر صرف کوئی نے آیت شمار کی لیکن ان میں سے تین حروف کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور ان پر آیت شمار نہیں کی ہے۔

① وہ جن کے آخر میں راء ہے۔ مثلاً ’الر‘، ’المر‘

② ’طس‘ جو نمل کے شروع میں ہے۔

③ مقطعات کے وہ حروف جو اکیلے آ رہے ہیں۔ مثلاً ’ص‘، ’ن‘، ’ق‘ وغیرہ۔ سورۃ شورٰی کے ’ق‘ پر حمصی اور کوئی دونوں کے لیے آیت ہے جبکہ باقی مقطعات کو کوئی نے لیا ہے۔ ان کو حمصی نے نہیں لیا۔ باقی پانچوں امام مدنی اول و آخر، سبکی، دمشقی اور بصری ان حضرات نے مقطعات کے کسی حرف پر بھی آیت شمار نہیں کی۔ علماء کے ہاں یہ تفریق اور جدائی آیات کے توفیقی ہونے کی دلیل ہے۔ [بشیر الیسر: ۲۳]

④ اگر آیات اور ان کے شمار توفیقی نہ ہوتے بلکہ عقل و رائے سے مقرر کیے جاتے تو کوئی آیت بھی ایسی نہ ہوتی جو صرف ایک کلمہ والی ہو کیونکہ ایک کلمہ سے کوئی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے کیونکہ صرف ایک کلمہ والی آیتیں بڑی سورتوں میں بھی آئی ہیں جیسے دو مقطعات جن پر آیات شمار کی گئی ہے اور

چھوٹی سورتوں میں بھی موجود ہے۔ جیسے 'الطور، والفجر، والضحی، والعصر' یہ بات نبی ﷺ کے بتانے اور آپ ﷺ سے سننے ہی پر منحصر ہے۔ [کاشف العسر: ۶۹]

نیز یہ کہ پورے قرآن میں کوئی آیت بھی ایسی نہیں جو صرف ایک کلمہ والی ہو نہ بڑی سورتوں میں اور نہ چھوٹی سورتوں میں لیکن صرف ذیل کی تین صورتوں میں ایسی آیات ہیں جو صرف ایک کلمہ والی ہیں۔

① مقطعات میں اور وہ بیس (۲۰) ہیں۔

② ان الفاظ میں جن سے قسم کھاتے ہیں جبکہ وہ دوسری آیتوں کے ہم شکل بھی ہوں۔ ان میں سے چار پر آیت شمار کی ہے۔

③ قسموں کے سوا دوسرے الفاظ میں سے اور یہ پانچ ہیں۔

اس طرح ایک کلمہ والی کل آیات انتیس (۲۹) ہیں ان میں اکثر کو کوئی نے شمار کیا ہے اور بعض میں دوسرے امام بھی شریک ہو گئے ہیں۔ [ایضاً: ۱۰۱]

④ بڑی سورتوں میں چھوٹی آیتیں بھی آئی ہیں۔

⑤ چھوٹی سورتوں میں بڑی آیتیں بھی موجود ہیں۔ [ایضاً: ۱۳۹]

⑥ آیات کے آخری سرے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ سلف آیات کے آخری کلمات پر دو نقطے لگاتے تھے اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ اس کلمہ کے آخری حرف پر آیت ختم ہو گئی ہے۔ اسی طرح نقطوں کا ترک اس بات کی علامت تھی کہ اس کلمہ کے آخری حرف پر آیت کا سرا نہیں ہے۔ اس کی توضیح کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عمل کافی وافی ہے کہ ان حضرات نے انفال و قتال یعنی براءۃ کے درمیان 'بسم اللہ' نہیں لکھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تھی نبی کریم ﷺ اس کے شروع میں 'بسم اللہ' لکھنے کا حکم فرمادیتے تھے جبکہ سورۃ براءۃ کے شروع کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کا کوئی بیان نہیں ملا۔ پس جب ان کو اس بات کا علم نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے اس سورۃ کے اوّل میں 'بسم اللہ' لکھنے کا حکم فرمایا ہے یا نہیں تو اس بارے میں توقف اختیار کر لیا اور 'بسم اللہ' کو ترک کر دیا۔

پس اگر آیات کا ثبوت اجتہاد سے ہوتا تو ان کو براءۃ کے شروع میں ضرورت پیش نہ آتی اور 'بسم اللہ' کو لکھ دیتے نیز وہ حضرات قرآنوں کے مجرد (نقطوں اور حرکتوں تک سے خالی) رکھنے کا پورا اہتمام فرماتے تھے اس کے باوجود بھی آیتوں کے شمار کے لیے ان کے اخیر میں نقطے لگاتے تھے۔ پس یہ عمل واضح دلیل ہے اس پر کہ آیات توفیقی ہیں اور ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نیز آیات کے درمیان کے ان نقطوں میں اماموں کا اختلاف کرنا آیات کے توفیقی ہونے کی یقینی دلیل ہے۔ [ماخوذ از لوايح البدر: ۹۰، ۹۱]

⑦ امام عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے شیخ امام زر بن حبیش کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان عالی نقل کیا ہے کہ ایک بار ہمارا ایک سورت کی آیات میں اختلاف ہو گیا سو بعض نے کہا کہ تم بیس (۳۰) آیتیں ہیں اور بعض اس طرح گویا ہوئے کہ بیس (۳۲) ہیں۔ سو ہم حضور ﷺ کی خدمت بابرکات میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ کے چہرہ انور "فداہ ابي و اُمي" کا مبارک رنگ متغیر ہو گیا (یعنی ناراضگی کے

تفسیر

آثار پیدا ہوئے) آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آہستہ سے کچھ بات فرمائی اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ حضور ﷺ امر فرما رہے ہیں کہ قرآن مجید کو اسی طرح پڑھو، جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے (یعنی جو جو عدد آیات کا جس جس کو بتایا گیا ہے وہ اسی اسی طرح عدد پر قائم رہے)۔

پس اس روایت سے جہاں آیات کا تو قیفی ہونا اور ان کا شمار معلوم ہوا وہاں یہ بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ بعض مواقع ایسے ہیں کہ وہاں بعض نے آیت شمار کی ہے اور بعض نے نہیں کی کیونکہ یہ اختلاف اگر صحیح نہ ہوتا اور یہ تعداد آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی نہ ہوتیں تو آپ ﷺ کسی ایک عدد کو ساقط فرما کر اختلاف کو رفع فرما دیتے۔ [ہدایات رحیم: ۲]

## شمار میں اختلاف کی وجہ

فائلین توفیق آئمہ شمار میں اختلاف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”شمار کے اماموں کے اختلاف سے اس میں شبہ ہوتا ہے کہ اختلاف اجتہاد کی علامت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شمار میں جو اختلاف ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ قراءۃ کی وجہ میں اختلاف ہے۔“ [کاشف العسر: ۱۳۹]

## فواصل کا قیاسی ہونا

جس آیت پر آپ ﷺ نے ایک بار وقف کیا اور دوسری مرتبہ اس پر وصل فرمایا تو اس چیز میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کا وقف کرنا فاصلہ کی تعریف کے لیے تھا یا وقف تام کی تعریف کے واسطے یا یہ بات بتانے کے لیے کہ اس جگہ استراحت (آرام لینا) مقصود ہے اور اس کے بعد وصل کرنا۔ مگر ایسا (یعنی وقف تام یا استراحت) اسی صورت میں سمجھا جائے گا جبکہ وہ مقام فاصلہ کا نہ ہو۔ اسی طرح وصل کرنا کہ وہ مقام فاصلہ ہو مگر وقف تام کے لیے اس کو وصل کر دیا۔ اب یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کلمہ پر فاصلہ ہے یا نہیں اس بات کی تعیین اجتہاد کے ذریعے کی جاتی ہے۔ قیاس کے کہتے ہیں اس سے متعلق علامہ بھیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”فہو ما ألحق من المحتمل غیر المنصوص بالمنصوص لمناسب، ولا محذور في ذلك لأنه لا زيادة فيه ولا نقصان وإنما غايته أنه محل وصل أو فصل“

[حدیقة الزهر فی عدای السور (مخطوطہ): ۲۲]

”قیاس یہ ہے کہ جو احتمال غیر منصوص کسی مناسب امر کی وجہ سے منصوص کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو وہ بھی فاصلہ مانا جائے گا اور اس بات میں کوئی خرابی نہیں ہے اس میں کوئی کمی اور بیشی نہیں ہوتی اور اس کی غرض و غایت محض اس کا محل وصل یا محل فصل ہونا ہے۔“

علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ وقف ہر کلمہ پر الگ الگ بھی جائز ہے اور تمام قرآن کا وصل کرنا بھی جائز ہے لہذا قیاس اس بات کا محتاج ہے کہ وہ فاصلہ کی معرفت کا کوئی طریقہ معلوم کرے۔

[الاتقان فی علوم القرآن: ۲۶۹/۲]

## فائلین قیاسی کے دلائل

فائلین قیاسی کی رائے ہے کہ اس علم کا بہت بڑا حصہ تو ایسا ہے جو توفیقی ہے۔ لیکن ایک قلیل حصہ قیاسی بھی ہے

جس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے کچھ جزئیات منقول ہیں۔ ان سے قواعد کلیہ مستنبط کیے گئے اور انہی کی طرف جزئیات بھی لوٹا دی گئی ہیں۔ جن کے بارے میں نص نہیں آئی۔ تاہم قیاسی کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

① جب حضرت اعمش رضی اللہ عنہ تابعی سے امام حمزہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا سبب ہے کہ آپ نے ﴿إِلَّا خَافِئِينَ﴾ [البقرہ: ۱۱۲/۲] پر آیت شمار نہیں کی تو اس کے جواب میں اعمش رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل بیان کی کہ ہماری قراءت میں ﴿خَافِئِينَ﴾ کے بجائے ﴿خِيفًا﴾ ہے۔ [البیان فی عدای القرآن: ۱۰۹]

مقصود یہ تھا کہ اس قراءت کی رو سے یہ کلمہ پہلی اور بعد والی آیتوں کے شکل اور ان کے وزن پر نہیں حالانکہ قرآن مجید کی اکثر آیتیں شکل و وزن میں متحد ہو کر آئی ہیں۔ اس کے اپنی ما قبل اور مابعد آیات سے شکل و وزن میں متحد نہ ہونے کی وجہ سے حضرت اعمش رضی اللہ عنہ نے اس پر آیت شمار نہیں کی۔

قاری فتح محمد کا کہنا ہے کہ علامہ دانی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

① آیات کے بارے میں مشکلہ اور تناسب والا قاعدہ معتبر بھی ہے اور اماموں نے اس کو استعمال بھی کیا ہے۔  
② جن کلمات پر آیت ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں نص و روایت نہ آئی ہو ان میں اجتہاد کر لینا اور اس کے ذریعہ اسے کا حکم معلوم کر لینا صحیح اور درست ہے۔ [کاشف العسر: ۱۳۶]

ابوایوب انصاری امام اعمش رضی اللہ عنہ اور امام حمزہ رضی اللہ عنہ کے قول سے متعلق فرماتے ہیں:

”آیات کے بارے میں اجتہاد کے جائز اور صحیح ہونے کی ایک دلیل وہ بھی ہے جس کو اعمش رضی اللہ عنہ نے ﴿خَافِئِينَ﴾ پر آیت شمار نہ کرنے کے بارے میں بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں ہماری قراءت ﴿خِيفًا﴾ ہے۔ اس کی رو سے یہاں مشکلہ اور موازنہ کا قاعدہ معدوم ہے اس لیے ہم نے اس کو آیت کا آخری سر شمار نہیں کیا اور اس ارشاد کی بنیاد اس اجتہاد پر ہے جس میں کسی طرح بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے۔“ [لوامع البدو: ۹۱]

② آیات کی تمام جزئیات کے بارے میں نصوص نہیں آئیں (یہ رائے ابن عبدالکافی، علامہ دانی رضی اللہ عنہ اور امام شاطبی رضی اللہ عنہ وغیرہم کی ہے)۔ [مرشد الخلان: ۲۰]

③ شمار میں اماموں کا اختلاف ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہنا ظاہر کے خلاف ہے کہ آیات کا اختلاف قراءت کی وجہ کے اختلاف کی طرح ہے اس لیے کہ قراءت کی وجہ اُمت پر آسانی اور مہربانی فرمانے کے لیے نازل ہوئی ہیں اور شمار کا یہ حال نہیں ہے۔ [کاشف العسر: ۱۳۶]

قاری فتح محمد فرماتے ہیں:

”آیات کے بعض مواقعوں کا اجتہاد سے ثابت ہونا اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لیے کہ اس سے قرآن مجید میں نہ کوئی زیادتی لازم آتی ہے اور نہ ہی بلکہ اس علم کے تمام مسائل وصل و فصل کے مقامات کی تعیین کے لیے ہیں۔“

[کاشف العسر: ۱۴۰]

### تاکلین توفیقی اور قیاسی کے نقطہ نظر میں تطبیق

تاکلین توفیقی اور قیاسی کے نقطہ نظر میں تطبیق بیان کرتے ہوئے عبدالرزاق علی ابراہیم موسیٰ فرماتے ہیں:

”إن هذا العلم بعضه ثبت بالنص وهو العظم وبعضه ثبت بالإجتہاد ولكن لما كان



الإجتہاد فی هذا العلم هو رد الجزئیات التي لم ينص عليها إلى ما نص عليه منها، صح أن يقال: إن هذا العلم نقلی .“ [مرشد الخلان: ۲۱]

”اس علم کا بعض حصہ نص سے ثابت ہے جو بہت زیادہ ہے اور بعض حصہ اجتہاد سے ثابت ہے۔ اس علم میں اجتہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان جزئیات کو جن کے بارے میں نص وارد نہیں ہوئی ہے، ان جزئیات کی طرف لوٹانا جن کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اس لیے یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ علم نقلی ہے۔“

قاری فتح محمد صاحب فرماتے ہیں کہ اس علم (یعنی علم الفواصل) کے دو حصے ہیں:

① وہ جو نص اور روایت سے ثابت ہے اور یہ اکثر ہے۔

② وہ جو اجتہاد کے ذریعے حاصل ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جن جزئیات کے بارے میں نص اور روایت نہیں آئی ان کو ان جزئیات کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جن کے بارے میں نص موجود ہے اور ان ہی سے غیر منصوص جزئیات کا حکم بھی نکال لیا جائے۔ پس چونکہ بغیر نص والی جزئیات کا حکم بھی نص والی جزئیات ہی سے نکالا جاتا ہے اس بناء پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ علم پورے کا پورا توقیفی اور نقلی ہے۔ [کاشف العسر: ۷۰-۷۱]

قاری صاحب اس سے متعلق مزید فرماتے ہیں کہ آیات کے شمار میں اختلاف سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیات کے شارح توقیفی اور نبی ﷺ کے بتائے ہوئے نہ ہوں کیونکہ یہ اختلاف مشاکلہ اور تناسب کی وجہ سے ہے۔ یہ دونوں قاعدے بھی فن کے علماء نے ان آیات سے نکالے ہیں جن پر آیت ہونے کے بارے میں نص و روایت موجود ہے۔

پس ان آیات سے یہ دو قواعد نکال کر ان میں بھی جاری کر دیئے جن کے بارے میں نص و روایت نہیں تھی اور اس ذریعہ سے ان غیر نص والی آیات کو بھی وہی حکم دے دیا جو نص والی آیت کا تھا اور وہ حکم یہ تھا کہ ان پر آیت ہے۔ پس اسی طرح غیر نص والی آیات پر بھی یہی حکم لگا دیا کہ ان پر بھی آیت ہے چونکہ یہ حکم مشاکلہ اور تناسب کے ذریعہ لگا گیا ہے اور یہ دونوں نص والی آیات سے مستنبط ہیں اس بناء پر گویا وہ بغیر نص والی آیات بھی نص والی آیات ہی سے لگ گئی ہیں اور اس طرح سب آیات توقیفی ہو گئیں۔ [ایضاً: ۱۳۸]

حاصل کلام یہ ہے کہ آیات کے فواصل کے شمار میں جو اختلاف ہے اس سے یہ بات ہرگز نہیں نکلتی کہ یہ تمام اجتہادی رقیاسی ہیں۔ اس علم میں جو توقیف ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کے الفاظ اور اس کی آیات اور ان کا شمار یہ تینوں چیزیں خود نبی کریم ﷺ سے سنی ہیں اور یہ اختلاف و اجتہاد توقیف کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آیات کی تعلیم ان کے رؤوس پر وقف کرنے کے ذریعے دی۔ جن رؤوس پر آپ ﷺ نے ہمیشہ وقف کیا ان پر سب آئمہ کے نزدیک فواصل ہیں اور جن پر ہمیشہ وصل کیا ان پر اجماعاً فواصل نہیں۔ آئمہ کے مابین اختلاف اصل میں ان رؤوس کے بارے میں ہوا جن پر ایک مرتبہ آپ ﷺ نے وقف کیا اور دوسری مرتبہ وصل۔ اب آپ ﷺ کے اس وقف اور وصل میں اختلاف ہوا کہ آپ ﷺ نے وقف فاصلہ کی تعلیم کے لیے کیا تھا یا وقف تام یا استزاحت کے لیے؟ اسی طرح وصل کہ اُس پر فاصلہ تھا، جبکہ آپ ﷺ نے وقف تام کی وجہ سے وصل کیا۔ اس اختلاف کی بناء پر آئمہ میں اختلاف واقع ہوا کہ ان آیات کے رؤوس پر فواصل ہیں یا نہیں۔

آپ ﷺ کے وقف و وصل کی تین صورتیں ہیں:

① وہ کلمات جن پر آپ ﷺ نے ہمیشہ وقف کیا ہے ان پر اجماعاً فاصلہ کا اطلاق ہوگا۔

- ۲ وہ کلمات جن میں ہمیشہ وصل کیا ہے یہ اجماعاً متروک ہیں۔
- ۳ وہ کلمات جن پر کبھی وقف کیا ہے اور کبھی ان کو وصل سے پڑھا ہے اس قسم میں اختلاف ہے۔
- اس تیسری صورت کے وقف میں پھر تین طرح کے احتمالات ہیں:
- ① اس لیے کہ یہ آیت کا آخری سرا ہے۔
- ② اس لیے کہ آگے پڑھنے کے لیے سانس میں قوت آجائے۔
- ③ وقف کا طریقہ بتلانے کے لیے ہو کہ کسی حرف پر وقف کس طرح کیا جاتا ہے۔ مثلاً وقف میں حرکت والے حرف کو ساکن اور تاء تانیث سے بدل دیتے ہیں وغیرہ۔
- جس طرح تیسری صورت کے وقف میں احتمالات ہیں اسی طرح وصل میں بھی دو احتمالات ہیں:
- ① یہ بتانے کے لیے ہو کہ یہ آیت کا آخری سرا نہیں ہے۔
- ② اس لیے ہو کہ آیت کا آخری سرا تو ہے لیکن پہلی بار جو وقف کیا تھا وہ روؤس کی تعلیم کے لیے تھا۔ پھر جب آپ ﷺ اس سے مطمئن ہو گئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر فاصلہ کو پوری طرح سمجھ لیا ہے تو پھر وصل کر دیا۔
- پس ان سب احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس پر آیت ہے یا نہیں اور ان احتمالات میں یہ فیصلہ کرنا کہ اس پر فاصلہ ہے یا نہیں اجتہاد قیاس ہی سے ممکن ہے۔ آیات کے روؤس ایسے ہیں کہ وہ نہ تو کئی اجتہادی ہیں اور نہ کئی توفیقی۔ آیات کے روؤس کا ایک بہت بڑا حصہ جس کی تعداد تقریباً چھ ہزار نوے (۶۰۹۰) بنتی ہے ایسے ہیں کہ ان پر سب کا اتفاق ہے جبکہ کل آیات چھ ہزار دو سو (۶۲۰۰) سے کچھ زائد ہیں ان اختلافی روؤس سے عددی لحاظ سے کوئی نسبت حاصل نہیں۔ آئمہ کرام نے ان اختلافی روؤس کی تعیین کے لیے ان آیات سے جن کے روؤس کی بابت نص وارد ہوئی ہے، کچھ قواعد مرتب کیے اور پھر ان قواعد کی روشنی میں اختلافی روؤس کی تعیین ممکن بنائی۔ یہ قواعد انہوں نے چونکہ نص والی آیات سے اخذ کیے تھے اس لیے یہ جزئیات قواعد ان کلیات نص والی آیات کا حصہ بن گئے۔ اس طرح یہ علم سارے کا سارا نقلی کہلانے لگا۔



وَمَا يَنْبَغِي عَلَىٰ

## حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تحقیقی اور تعلیمی مشن

س: تعمیر شخصیت اور علمی رجحانات کا مختصر تعارف کروائیے؟

ج: بچپن سے ہی میں دھیمے مزاج کا حامل ہوں، اگرچہ میرے قابل رشک حافظے کے ساتھ ہر چیز پر توجہ دینے کے مزاج کی وجہ سے میرا شمار بہت ذہین لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ پورے گھر میں میرے حافظے پر بہت اعتماد کیا جانے لگا۔ والد گرامی حافظ محمد حسین امرتسری روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کا روپڑی آدمی بھی تھے۔ لاہور کے تجارتی معاملات میں کسی نے انہیں جعلی چیک دے دیا۔ ایک پنچائیت میں فیصلہ ہوا کہ چیک کی بجائے اصل رقم دی جائے۔ والد صاحب نے اصل رقم لینے کے لیے بڑے بیٹے حافظ عبداللہ حسین کو ملزم کے ہمراہ بھیجا۔ وہ سائیکل بھی لے بھاگا۔ ہمارے پاس Raleigh سائیکل ہوتا تھا جو ان دنوں کوٹائی کے اعتبار سے بہت اچھی سواری سمجھی جاتی تھی۔ وقوعہ یوں ہوا کہ جس شخص نے جعلی چیک دیا تھا، اس نے کہا کہ سائیکل مجھے دو، میں ابھی پیسے لے کر آتا ہوں۔ چھوٹی عمر کی وجہ سے بھائی صاحب نے سائیکل اُسے دے دی۔ وہ سائیکل سمیت غائب ہو گیا۔ کافی دیر بعد بڑے بھائی (حافظ عبداللہ حسین) جب واپس آئے تو انہوں نے والد صاحب کو بتایا کہ وہ تو سائیکل بھی لے گیا ہے۔ والد صاحب نے تھانہ ماڈل ٹاؤن میں ریپٹ درج کروادی۔ ان دنوں پولیس کے حالات کافی بہتر ہوتے تھے۔ پولیس نے ملزم کو سائیکل سمیت پکڑ لیا۔ اب سائیکل ہم نے اپنی تحویل میں لینا تھا۔ پولیس کا مطالبہ تھا کہ آپ رسید لے کر آئیں۔ عام طور پر سائیکلوں کی رسیدیں کم ہی سنبھال کر رکھی جاتی ہیں۔ یہ سائیکل ہم نے رستم سہراب فیکٹری کے ڈائریکٹر جناب محمد یلین (سابق امیر جماعت اہل حدیث پاکستان) کے ذریعے لیا تھا۔ اس سلسلے میں جب ان سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسید تو میں بنا دیتا ہوں لیکن سائیکل کا نمبر چاہئے۔ اب نمبر کسی کو یاد نہیں تھا۔ والد صاحب نے شام کے وقت گھر آ کر ذکر کیا کہ سائیکل تو پولیس نے برآمد کر لیا ہے لیکن نمبر علم نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں نہیں مل سکتا۔ میں بالکل چھوٹی عمر کا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ نمبر مجھے یاد ہے۔ سائیکل کا نمبر گدی کے نیچے ہوتا ہے، جو میں نے اتفاق سے ایک دن پڑھ لیا تھا، میں نے بتایا کہ اس کا نمبر AK23842 ہے۔ چنانچہ والد صاحب نے اسی کے مطابق رسید تیار کر کر سائیکل حاصل کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد میرے ذہن کو گھوٹیلو امور میں رجسٹر کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ ہم عام طور پر دودھ حاصل کرنے کے لیے گھر میں جانور رکھا کرتے تھے، چنانچہ جانوروں کے جتنے بھی معاملات ہوتے، مجھے بتا دیئے جاتے۔ نومولود بچوں کی عمروں کے حساب وغیرہ بھی مجھے آج تک یاد ہیں۔

میں نے سات سال سے بھی کم عمری میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ چونکہ آواز دھیمی ہونے کے باوصف باریک بھی تھی اس لیے جب بعض مجلسوں میں خواتین نے میرا قرآن سنا تو کہنے لگیں کہ کوئی بہت چھوٹی بچی قرآن پڑھ رہی ہے۔ میری اسی ذہانت کی وجہ سے والد صاحب کی خواہش تھی کہ میں اہل عالم دین بنوں۔ وہ اکثر کہا کرتے کہ

☆ فضلاء جامعہ لاہور الاسلامیہ: نعیم الرحمن ناصف، فہد اللہ مراد، مصطفیٰ راسخ، رفعتا مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

تمہاری بڑی بہنوں کے بعد میں نے تمہیں بھی دینی تعلیم مکمل کرانی ہے تاکہ تم چھوٹے بہن بھائیوں کو عالم دین بنا سکو۔ ہم دس بہن بھائی تھے جن میں سے آج سات حیات ہیں۔ والدہ اور والد (رب ارحمہما کما ربیبانی صغیرا) بالترتیب یکم اکتوبر ۱۹۵۴ء اور ۲۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء (بروز جمعۃ المبارک) داغ مفارقت دے گئے۔

میرا تعلیمی دورانیہ تقریباً ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک ہے۔ ان دنوں دینی مدارس اداروں کی شکل اختیار کر رہے تھے لیکن پورا مدرسہ کسی بڑی علمی شخصیت کے گرد ہی گھومتا تھا۔ جب کوئی مشہور شخصیت شیخ الحدیث کی مسند پر بیٹھ جاتی تو طالب علم اس مدرسہ کی طرف رخ کرنے لگتے تھے۔ اگرچہ ہمارے خاندان کی دو معروف علمی شخصیات (حافظ عبداللہ محدث امرتسری روپڑی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ التفسیر حافظ محمد حسین امرتسری روپڑی رحمۃ اللہ علیہ) نے الگ الگ ہرفن کے امام سے وہ علم حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

ہماری خاندانی درسگاہ جامعہ الہمدیث کا باقاعدہ افتتاح ۱۹۵۶ء میں ہوا تو اس میں بڑے بڑے علماء داخل ہوئے جن میں مفتی محمد صدیق (سرگودھا والے)، شیخ الحدیث مولانا محمد کنگن پوری اور مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑی بھی شامل تھے۔ فارغ التحصیل علماء کو ان نصابی کتابوں کی دہرائی کے لیے ایک خاص کلاس بنائی گئی جس کے لیے ہرفن کی ایک اساسی جامع کتاب منتخب کی گئی۔ اس طرح درس نظامی کا خلاصہ فارغ التحصیل علماء کو پوری تحقیق کے ساتھ دوبارہ پڑھادیا گیا۔ فنون کے خلاصہ کے طور پر نحو میں کافیہ، صرف میں اصول اکبری، منطق میں شرح تہذیب، بلاغت میں تلخیص المفتاح اور اصول حدیث کی نخبۃ الفکر کو بطور علم پڑھایا جاتا تھا۔ گویا طرز تدریس میں کوشش ہوتی کہ ہر فن کی ایک کتاب پڑھنے سے ہی اس فن کا عالم تیار کر دیا جائے۔ والد گرامی اسی طرز پر تمام فنون آسان ترین انداز میں پڑھاتے کہ علماء کے ساتھ ساتھ ایک ادنیٰ طالب علم بھی مستفید ہو سکے۔ اندازہ کیجئے کہ نخبۃ الفکر کا مختصر متن ہمیں اس شرح و بسط کے ساتھ سمجھایا گیا کہ شرح نخبۃ اور مقدمہ ابن الصلاح کی ضروری بحثیں بھی شامل ہو گئیں۔

الحمد للہ ان کی توجہ خاص اور دعاؤں کی بدولت مجھے بڑے بڑے علماء کے ساتھ پڑھنے میں کوئی مشکل حاصل نہ ہوتی بلکہ اچھے ذہن و حافظہ کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا کہ ایک بار میں کوئی عبارت دیکھ لیتا تو مجھے کافی حد تک یاد ہو جاتی اور تھوڑی سی توجہ کے بعد بالکل حفظ ہو جاتی۔ مجھے اصول اکبری کی اہم بحثیں، مصدر ثلاثی مجرد کے ۷۰ وزن آج تک ازبر ہیں۔ اسی طرح تخفیف ہمزہ اور تعلیمات کے عربی قواعد بھی اسی کتاب سے یاد ہیں۔ مثال کے طور پر تخفیف ہمزہ کا پہلا قاعدہ یوں ہے:

”الهمزة الساكنة يجوز قلبها بأخت حركة ما قبلها إن لم تكن همزة، وإلا يجب إذا كانت في كلمة، وإلا لم يجب. وشذ الحذف وجوبا في خذ وكل وجوازا في مر، وهو أفصح من أوامر فأممر من ومر فمر.“

اسی طرح اصول اکبری (عربی) میں مصدر ثلاثی مجرد کے جواز ان مجھے یاد ہیں وہ یہ ہیں:

شَعْرَةٌ	شَعْرَةٌ	شَعْرَةٌ	بَشْرٌ	شُكْرٌ	حَمْدٌ
أَنْسَةٌ	رُحْمٌ	سُرَى	كَبِيرٌ	لَعِبٌ	فَرَحٌ
دِلَالَةٌ	دِلَالَةٌ	أَوَامٌ	قِيَامٌ	صَلَاحٌ	كَذِبَةٌ
زُبُوحٌ	رُقُوبٌ	رُقُوبٌ	صَيِّعَةٌ	دَيْبٌ	دِلَالَةٌ

خَطَفَى	نَعْمَى	فِكْرَى	رَعْبَى	الْوَهِيَّةَ	الْوَهِيَّةَ
دِرْيَانَ	شَنْتَانَ	شَنْتَانَ	خَوْزَنَى	خَنْسَرَى	خَيْطَفَى
عَيْشَوَشَةَ	عَلَانِيَةَ	فِرْكَانَ	عِرْفَانَ	فَطْرَانَ	فِرَانَ
خَيْزَلَ	رَفْهِنِيَةَ	بَاقِيَةَ	لِكُنُونَةَ	سُوْدُدَ	دِيْمُوْمَةَ (أصلها) دِيْمُوْمَةَ
أَفْكَلَ	هَجْرَ	عَلَوَزَ	تَيْقُوْرَ	سُوْدُدَ	سُوْدُدَ
مَطْلِعَ	مَطْلِعَ	تَهْلُوْكَ	تَمْشَاءَ	أَزْبِي	إِرْزِيْزَ
تَهْلَكَةَ	مَقْدَارَ	مَقْدَرَةَ	مَقْدَرَةَ	مَقْدَرَةَ	مَهْلِكَ
		مَشْعُوْرَةَ	مَشْعُوْرَ	تَهْلَكَةَ	تَهْلَكَةَ

مصدري مبالغہ کے اوزان ان کے علاوہ ہیں، یہ مبالغہ کے اوزان اور صفت مشبہ کے دوسو سولہ وزن کافی عرصہ تک

مجھے یاد رہے۔

چونکہ بچپن اور ابتدائی جوانی میں پڑھی گئی زیر درس کتابوں کی اکثر عبارتیں مجھے خود بخود یاد ہو جاتیں۔ جیسے بلوغ المرام کے کافی حصے مجھے عرصہ تک یاد رہے۔ (مکتبہ رحمانیہ میں یہ بلوغ المرام، جس کو میں نے مکمل مشکل کر دیا تھا، محفوظ ہے)

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ اپنی خاندانی درسگاہ جامعہ اہل حدیث قائم ہو جانے کے بعد والد صاحب مجھے مسجد قدس، چوک دالگراں (رام گلی نمبر ۵) میں ہمراہ لے جاتے۔ میں نے علومِ آلِیہ کی اساسی کتابیں فارغ التحصیل علماء کے ساتھی کی حیثیت سے پڑھی تھیں جو عربی زبان کے علوم صرف و نحو اور بلاغت کے علاوہ منطق وغیرہ پر مشتمل تھیں۔ ان کے ساتھ علومِ عالیہ میں سے اصول (اصول تفسیر، اصول حدیث و فقہ) کی ابتدائی کتابیں زیادہ تر والد گرامی سے پڑھیں۔ انہی دنوں والد صاحب کی مزمن بیماری سل ووق شدید ہو جانے کے باعث میں ان سے بلوغ المرام، منتقى الأخبار (متن نیل الاوطار) اور الجامع الصحیح للبخاری گھر میں پڑھتا رہا اور کئی چھوٹے بڑے مخطوطے بھی والد صاحب نے مجھے املاء کروائے۔

چونکہ میں بنیادی کتابیں والد گرامی اور اپنے تایا محدث روپڑی سے پڑھ چکا تھا اس لیے والد گرامی کی وفات کے بعد میرے سرپرست محدث روپڑی اور میرے بہنوئی حافظ محمد اسماعیل روپڑی نے مجھے دیگر مکاتب فکر کے اہل علم سے نہ صرف فزہنی کی اجازت دی بلکہ مولانا اسماعیل روپڑی کے دیگر مکاتب فکر کے علماء اور مشائخ سے رواداری اور ان کے بے پناہ عزت و احترام کو دیکھ کر میں ان علماء کا بھی گرویدہ ہوتا رہا۔ نیز استاذین مرحومین کی اس نصیحت کے پیش نظر کہ ہر علم و فن اس کے ماہر سے حاصل کرنا چاہئے، میں نے ماڈل ٹاؤن کے قریب مسلم ٹاؤن لاہور کے بالمقابل جامعہ اشرفیہ کے نئے کیمپس جانا شروع کر دیا جس میں بہت سے علومِ آلِیہ کے علاوہ علومِ عالیہ سے فقہ و اصول بھی کبار اساتذہ سے پڑھتا رہا، جبکہ فقہ الحدیث میں خصوصی طور پر مولانا رسول خان اور مولانا ادریس کاندھلوی رحمہما اللہ کے تبحر علمی سے فیض یاب ہوا۔ اسی طرح سواری مہیا ہو جانے پر جامعہ مدنیہ واقع مسلم مسجد، لوہاری گیٹ۔ لاہور میں ماہر علوم و فنون مولانا شریف اللہ خان وغیرہ سے منطق و فلسفہ، علمِ ہیئت و کلام کی آخری نصابی کتابیں بھر پور توجہ سے پڑھیں۔ اس سے قبل مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میں نے قرآن کریم کا ابتدائی چوتھا پارہ ایک بہت بڑے استاد

قاری سے حفظ کیا تھا۔ یعنی میں اپنے بڑے بھائی حافظ عبداللہ حسین کے ہمراہ قاری فضل کریم کے ماہِ ناز اُستاد قاری کریم بخش کا شاگرد ہوں، جو امرتسر میں پڑھاتے تھے، میں نے وہیں ناظرہ پڑھے بغیر حفظ کی ابتدا کی تھی۔

اگرچہ عم محترم محدث روپڑی نے مجھے والد گرامی کی وفات کے فوراً بعد جامعہ اہل حدیث میں ان کا قائم مقام بنا دیا جس کی وجہ سے نظامت کے ساتھ ساتھ بعض کتابوں کی تدریس کی ذمہ داری بھی اٹھانی پڑی تاہم اسی دوران وقت نکال کر میں دیگر مکاتب فکر کے مشہور مدارس میں بھی پڑھتا رہا۔ علوم عالیہ کے اعلیٰ ترین حصے قرآن و حدیث کی کافی تعلیم میں نے اپنے والد مرحوم سے حاصل کر رکھی تھی خاص طور پر ان کے اساسی ذوق اُصول حدیث و تفسیر کی۔ بعد ازاں فقہ و اصول کا جائزہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہمیں محدث روپڑی کرواتے رہے اور صحیح بخاری بھی میں نے دوبارہ محدث روپڑی سے پڑھی اور مشکوٰۃ سمیت صحاح ستہ کی تکمیل بھی محدث روپڑی اور مولانا محمد عبدہ فیروز پوری وغیرہ سے کی۔ انسان جب مختلف اساتذہ سے پڑھتا ہے یاد دیگر حلقوں میں جاتا ہے تو اثر ضرور قبول کرتا ہے۔ اس حوالے سے مجھ پر زیادہ شوق اس امر کا سوار ہوا کہ میں آزادانہ تحقیق کروں۔ خاص طور پر مولانا رسول خان صاحب جب دورہ حدیث کروارہے تھے تو اس وقت ان کی حدیث کے ساتھ حنفی فقہ کی مطابقت کے لیے بحثیں بہت زور دار ہوا کرتی تھیں جن سے مجھے تقابلی فقہ کا ذوق پیدا ہوا، جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ پہنچ کر پورا ہوا۔

میں اور میرے بڑے بھائی حافظ عبداللہ حسین ایک دفعہ سرگودھا گئے تو وہاں حافظ محمد ابراہیم کبیر پوری سے ملاقات ہوئی وہ اہل حدیث کا بر علماء کا ذکر کرتے ہوئے ان کے امتیازات پیش کرنے لگے۔ جن میں سے مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ہمارے والد گرامی کا تذکرہ کیا۔ کہنے لگے کہ آپ کے والد صاحب کا امتیاز رسوخ فی العلم کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا تھا۔ واقعتاً وہ بہت متقی تھے، کاروباری معاملات میں بھی ان کی احتیاط انتہائی زیادہ ہوتی تھی۔ ہمیں کہا کرتے تھے کہ دینی مدارس میں چونکہ زکوٰۃ و خیرات آتی ہے اس لیے اس میں سے تنخواہ لینے والا اس کا پورا پورا حق ادا کرے، ورنہ یہ انسان کی اولاد کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس بارے میں اتنی احتیاط فرماتے کہ ہم جو کھانا گھر سے لے کر جامعہ اہل حدیث میں پڑھنے جاتے تو ہمیں جامعہ کے چلوہوں پر کھانا گرم کرنے کی اجازت نہ دیتے، کہتے کہ یہ چولہے زکوٰۃ و خیرات سے چلتے ہیں اس لیے ان پر ہمیں کھانا گرم نہیں کرنا چاہئے۔

میں جامعہ اہل حدیث میں اپنی ابتدائی تعلیم کا ذکر کر چکا ہوں کہ میرے سارے ساتھی عمر میں مجھ سے کافی بڑے تھے اس وجہ سے والد گرامی کو فکر ہوتی کہ شاید کوئی اہم شے مجھے پوری طرح سمجھ نہ آئی ہو۔ لہذا وہ جامع قدس سے ماڈل ٹاؤن تک بس میں آتے جاتے مجھے پڑھایا کرتے یا پڑھایا جانے والا سبق دوبارہ سمجھاتے رہتے۔ اس طرح میں ایک ہی سبق تین تین دفعہ پڑھ لیتا۔ اس دوران میں سوالات بھی کرتا تھا، کیونکہ جب انسان کو سمجھ آنے لگے تو وہ سوال زیادہ کرنے لگتا ہے۔ کلاس میں بھی کوئی الجھاؤ والی بحث ہوتی تو میں اس میں کوئی نہ کوئی اعتراض پیش کر دیتا۔ بسا اوقات والد گرامی حوصلہ افزائی فرماتے کہ عبدالرحمن کے سوال میں وزن ہے۔ جس سے میں مغالطے کا شکار ہو گیا کہ میں کوئی بڑی شے ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس مغالطے کے ازالہ کیلئے اس طرح مجھے ہدایت فرمائی کہ اس بارے میں حافظ عبداللہ محدث امرتسری روپڑی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اچھے طریقے سے میری تربیت کی۔ انہیں میرے عنقوان شباب کے تعلق آمیز روایوں

حفظ

سے محسوس ہوا کہ میں اپنے بارے میں عالم و فاضل ہونے کا مغالطہ رکھتا ہوں تو وہ میری اصلاح کیلئے کوشاں ہوئے۔ (اسکا ذکر آگے آ رہا ہے) اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اور ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

میں ذکر کر چکا ہوں کہ میں نے بخاری شریف اپنے والد گرامی سے پڑھنے کے بعد دوبارہ حافظ عبداللہ محدث امرتسری روپڑی رحمۃ اللہ علیہ سے بلاستیعاب پڑھی۔ دونوں بزرگوں کا الگ الگ اسلوب تھا۔ والد گرامی کو صحیح بخاری کے پہلے چھ پارے زبانی حفظ تھے جبکہ مجھے پڑھاتے ہوئے وہ امام بخاریؒ کے منہج تصنیف اور اسلوب استدلال پر زیادہ زور دیتے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کس پائے کے مجتہد عالم ہیں۔ اسی اجتہادی اور اصولی شوق کے پیش نظر بعد ازاں میں نے اپنی Ph.D کے لیے ”أصول الاجتهاد في الجامع الصحيح للإمام البخاري“ موضوع چنا اور اپنے ڈاکٹریٹ کے مذکورہ بالا مقالہ کی تیاری میں مجھے اپنے شیخین مرحومین کے اس دور کی راہنمائی بہت کام آتی رہی۔

میں نے جب محدث روپڑی سے بخاری پڑھی تو میرے ساتھیوں میں دور حاضر کے کئی اکابر اہل علم اور مبلغ شامل تھے۔ جن میں حافظ ثناء اللہ مدنی، مولانا عبدالسلام کیلانی اور سید حبیب الرحمن شاہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کا دھیمہ مزاج تھا اور وہ ڈانٹتے بالکل نہیں تھے۔ عام طور پر ہم ساری کلاس کے بیس، بچپس ساتھیوں کے علاوہ بعض اجل مشہور علماء ان کے درس میں آکر بیٹھ جاتے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ محدث روپڑی کے پرانے شاگرد علامہ محمد یوسف کلکتوی ہمارے بخاری کے درس میں آ بیٹھے تو قرآن مجید کی قرأتوں پر بحث شروع ہو گئی، کیونکہ علامہ صاحب نے دینی جراند میں اشتہار دے رکھا تھا کہ جو شخص ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ صحیح بخاری کی صحیح تشریح کر دے اس کو میں پانچ سو روپے (آج کے لاکھوں برابر) انعام دوں گا۔ اس بحث میں ہم طلبہ نے بھی دلچسپی لی اور سوال و جواب سے کافی ذہن کھلا۔

ہمارے سوالات و جوابات سے روزانہ بخاری پڑھنے کا دورانیہ اس قدر طویل ہو جاتا کہ ہم صبح بیٹھتے اور شام تک بخاری کا سبق چلتا رہتا۔ کتاب الایمان (صحیح بخاری) پڑھتے ہوئے جب یہ ذکر آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویل قبلہ کے وقت والی نماز کون سی تھی؟ تو محدث روپڑی نے ”وأنه صلى أول صلاة صلاها صلاة العصر“ کی مشکل عبارت کی ترکیب شاگردوں سے پوچھی۔ شارحین بخاری اس عبارت کو ترکیب کے اعتبار سے اہم قرار دیتے ہیں۔ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ نے باری باری سارے طلباء سے کہا کہ اس کی ترکیب بتاؤ۔ اپنی باری آنے پر جب میں نے اپنی ترکیب پیش کی تو وہ کہنے لگے کہ یہ ترکیب غلط ہے۔ میں نے کہا: کیسے غلط ہے؟ انہوں نے میری غلطی واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگر یوں ترکیب کریں تو؟ اس پر میں نے صاد کیا، جس پر وہ کہنے لگے: یہ ترکیب بھی غلط ہے۔ گویا اس طرح دو تین دفعہ ترکیبیں مجھ سے کروانے کے بعد جب ہر دفعہ میں تسلیم کر لیتا تو کہتے کہ یہ بھی غلط ہے۔ گویا انہوں نے مجھے باور کرایا کہ اپنے بارے میں مغالطہ نہیں ہونا چاہئے ﴿وفوق كل ذي علم عليم﴾ اس طرح مجھے احساس ہو گیا کہ جس صرف و نحو کی مہارت پر مجھے بہت اعتماد ہے، اس کی حالت بھی پتلی ہے۔ ان کے انداز تدریس کے فوائد میں سے بڑی نعمت جو ہمیں حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ صحیح بخاری کے مشکل اہم مقامات حل ہوتے گئے۔ بڑے محدث اور فقیہ سے اس طرح بخاری پڑھنے سے ہماری سو جہ بوجہ کافی کھل چکی تھی جس کا اندازہ پانچ چھ سالہ جامعہ الہادیث میں تدریس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں طالب علم بن کر ہوتا رہا۔ اتفاق سے محدث روپڑی کے تین شاگرد میرے سمیت حافظ ثناء اللہ اور عبدالسلام کیلانی کلیہ الشریعہ (مدینہ یونیورسٹی)

تشریح

میں متعلم تھے کہ ایک دن جامع بخاری میں مذکور ایک حدیث مدینہ منورہ کے مشہور قاضی شیخ عطیہ سالم کے محاضرہ میں زیر بحث آگئی۔ جس کے راوی عروہ الباری رضی اللہ عنہ ہیں۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ الباری کو ایک دینار دیا تھا کہ بکری خرید کر لاؤ، انہوں نے اس دینار کی جو بکری خریدی وہ رستے میں ہی دودینار میں بک گئی۔ پھر انہوں نے ان دودیناروں میں سے ایک دینار کی بکری دوبارہ خریدی اور ایک دینار واپس بھی لے آئے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیع میں برکت کی دعادی۔ [کتاب المناقب: ۳۶۲۲]

اس حدیث کا متن اگرچہ صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن یہ متن اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی روایت کا متن مع سند ضعیف صحیح بخاری میں کیوں ہے؟ ابن حجر رضی اللہ عنہ بلوغ المرام میں اس حدیث کو ذکر کر کے تبصرہ کرتے ہیں: أخرجه البخاری فی ضمن حدیث ولم یسوق لفظه (امام بخاری نے ایک دوسری حدیث کے ضمن میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے لیکن اس متن کی روایت نہیں کی۔ کیونکہ شیخ محمد ناصر الدین البانی نے ارواء الغلیل تخریج منار السبیل میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور کئی دیگر محدثین نے اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ابن حجر کی غلطی ہے، صحیح بخاری میں یہ روایت سند سمیت موجود ہے۔ مدینہ یونیورسٹی کی ایک کلاس میں جب یہ سوال اٹھا تو مولانا عبدالسلام کیلانی اس بحث کو کشاف روم تک لے آئے۔ جہاں یہ بحث مدینہ یونیورسٹی کے ماہر اساتذہ حدیث کے درمیان دودن تک مسلسل چلتی رہی۔ ہمارا موقف یہ تھا کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ اسے کسی علمی نکتے کی وضاحت کیلئے لائے ہیں کیونکہ یہ حدیث امام بخاری رضی اللہ عنہ کی شرط پر نہیں ہے۔ اس کی سند میں 'حسی' (قبیلہ) مبہم راوی ہے۔ یعنی مبہم نامعلوم شخص ہوتا ہے، ایسے غیر متعین شخص کی توثیق بھی نہیں ہو سکتی۔ شرط پر نہ ہونے کے باوجود اس کا صحیح بخاری میں روایت ہونا الجامع الصحیح پر الزام ہو جائے گا کہ امام بخاری مبہم شخص سے بھی روایت کرتے ہیں۔

ہم اس کی تائید میں ابن حجر کی مذکورہ بالا عبارت پیش کرتے ہیں کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں بلکہ یہاں اس حدیث کے معلول ہونے کا اشارہ ہے۔ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا تبصرہ قابل غور ہے۔ امام بخاری "الخبیر معقود بنو اصبی الخیل الی یوم القیامۃ" کے ضمن میں اس کی جس سند کا ذکر کر رہے ہیں حسن بن عمارہ (راوی) نے اسی سند سے عروہ الباری کی یہ حدیث روایت کر دی ہے جو ان کی غلطی ہے۔ اس کی اصل سند وہ ہے جس کے اندر قبیلہ کے مبہم راوی کا ذکر ہے جو سند ضعیف ہے۔ لہذا عروہ الباری کی یہ معلول حدیث امام بخاری کی مرویات میں شامل نہیں ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ جب اس بحث کا کشاف روم میں اختتام ہوا تو اس بحث میں مدینہ یونیورسٹی کے شریک ہونے والے اُستادہ میں سے جلیل القدر محدث شیخ حماد بن محمد انصاری کہنے لگے: "أستفید منہم أكثر مما یستفیدون منی" (وہ مجھ سے اتنا علمی فائدہ نہیں اٹھاتے جتنا میں ان سے اٹھاتا ہوں) شریک مجلس پاکستانی استاد حدیث مولانا عبدالغفار حسن رضی اللہ عنہ نے ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: "کیف لا! وہم تلامذہ المحدث الكبير الحافظ عبد الله الرویری" اس طرح ہمیں بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ انعام کے طور پر شیخ حماد انصاری نے مجھے تیسیر العزیر الحمید شرح کتاب التوحید جو انہی دنوں طبع ہو کر نئی مارکیٹ میں آئی تھی، اپنے ہاتھ سے عبارت لکھ کر تحفتاً دی۔ آپ اندازہ کریں کہ اس طرح گہرائی کے ساتھ بخاری پڑھنے کا ہمیں کتنا فائدہ ہوا تھا؟ میرے خاندانی اہلحدیث مسلک کی بنیاد کتاب سنت پر ہے۔ مختلف مدارس میں تعلیم پانے کی وجہ سے مجھ میں جو

ح



آزادانہ تحقیق کا رجحان بڑھا، وہ بعد میں کتاب و سنت سے استنباط اور اجتہاد کا مستقل رویہ بن گیا۔ اختلافی جزوی مسائل میں خاص رائے پر زور دینے کی بجائے اندازِ استدلال کی اہمیت کا رجحان بنتا رہا۔ مزید برآں اللہ نے مجھے جو مدینہ یونیورسٹی جانے سے قبل پانچ چھ سال جامعہ اہل حدیث میں پڑھانے کا موقع دیا تھا وہ نہ صرف میری تدریسی زندگی کی کلید بنا بلکہ علوم و فنون میں گہرائی کا باعث ہوا۔ آج کے کئی بڑے شیوخ اس دور میں مجھ سے پڑھا کرتے تھے جن میں قاری محمد یحییٰ رسولنگری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ مجھے اپنی دنیاوی تعلیم کے بعد دینی علوم کی تحصیل کا پہلے دس سال تجربہ ہوا وہی اپنی تدریس اور بیرون ملک تعلیم کے دس سال پختہ ہوتا رہا۔

مدینہ یونیورسٹی کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر مجھے مشہور جامعات اور مختلف معاشروں کو دیکھنے کا بھی موقع ملا، اسی طرح دینی صحافت کے میدان میں اتر کر پاکستان کے علمی اور فکری حلقوں سے واقف ہوا۔ دینی ادارہ کا مہتمم ہونے ساتھ ساتھ علمی صحافت کے علمبردار مجلہ ماہنامہ محدث لاہور سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اہم مذاکروں میں شرکت اور فکری حلقوں میں بھی گھومتا رہا۔ جس سے اندازہ ہوا کہ پاکستان کی علمی فضاء محدود ہے جب کہ ہمارے خاندانی مرکز جامعہ الحدیث کی فضاء اس سے بھی مخصوص تر تھی کیونکہ اس پر روپڑی ثنائی اختلافات کی لہر چھائی ہوئی تھی۔ اس کے اثرات مجھے مدینہ منورہ سے واپس آنے پر زیادہ محسوس ہونے لگے تو میں نے اپنے لیے مدنی نسبت اختیار کر لی۔

والد گرامی ۱۹۵۹ء تک فکری طور پر میری ایک اخلاص بھری آزادانہ تربیت کرتے رہے۔ مثال کے طور پر ان کی جو روش خصوصاً مجھ پر بہت اثر کرتی وہ یہ تھی کہ اپنے دھڑے کی ناجائز حمایت نہیں کرتے تھے، ہر ایک مسئلہ خواہ وہ خطیسی ہو یا فکری، وہ اس میں ایک نئی تلی رائے رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے خاندان کے ساتھ آنکھیں بند کر کے نہیں چل سکتا۔ جہاں حق ہوتا ہے وہاں اس کے ساتھ ہو جاتا ہوں۔

والد گرامی کی رحلت کے بعد ہمارے گھر یلو سرپرست بڑے بہنوئی حافظ اسماعیل روپڑی بنے تو میں نے دیکھا کہ اُن کے اندر بے مثل خطابت کے ساتھ ساتھ رواداری اور ایثار بہت زیادہ تھا۔ ہمارے خاندان کا جو روپڑی اور ثنائی اختلاف تھا اس کے اندر بھی وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے اخلاقیات کے بڑے مداح تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی حافظ اسماعیل روپڑی کے بارے میں اکثر یہ تذکرہ کرتے تھے کہ جب اسماعیل ادھر ہوتا ہے تو اپنے چچا کے ساتھ، اور جب یہاں ہوتا ہے تو میرے ساتھ۔ حافظ اسماعیل روپڑی میں ایثار اتنا زیادہ تھا کہ وہ کسی کو محسوس کرائے بغیر لگا تار (ایک عرصہ تک) ایثار کرتے چلے جاتے تھے جبکہ اسے پتہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ صرف ایثار ہو رہا ہے۔ میں اکثر کھانا اُن کے ساتھ کھاتا تھا۔ جب بھی اُن کے ساتھ کھانا کھاتا تو گوشت کے ٹکڑے میرے آگے کر دیتے تو میں سمجھتا کہ وہ خود گوشت نہیں کھاتے اس لیے گوشت کو میرے آگے کر دیتے ہیں۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ گوشت کھا رہے ہیں تو میں بڑا حیران ہوا۔ حالانکہ یہ ان کا ایثار تھا کہ ایک عرصہ تک مجھے اُن کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے محسوس بھی نہ ہوا کہ وہ مسلسل ایثار کرتے ہیں۔

بہر صورت اپنے ماحول کی یہ چیزیں انسان کو غیر شعوری طور پر تربیت دیتی ہیں۔ جب میں نے رواداری کے یہ انداز دیکھے تو میرا منظرانہ انداز تحقیق روادارانہ افہام و تفہیم میں بدل گیا، اس طرح اس اخلاص کی تربیت ہوتی رہی جو والد گرامی سے مجھے ورثے میں ملا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا تھا کہ میں نے دنیاوی علوم بھی باقاعدہ سکول اور کالج میں داخل ہو کر پڑھے تھے۔ میں عصری علوم سے ریاضی اور سائنس میں بہت تیز تھا۔ امتحان میں میرے تقریباً

۱۰۰ فیصد نمبر آیا کرتے تھے۔ الحمد للہ میں نے سکول و کالج کا بھی ماحول دیکھا، دینی ماحول بھی دیکھا، اس کے علاوہ ناظم مدرسہ ہوتے ہوئے جامعہ اہل حدیث میں آزادانہ تدریس کا موقع ملا، بعد ازاں مجھے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا۔ اس کی فضا بالکل اور تھی کیونکہ وہاں بین الاقوامی ماحول تھا، جو برصغیر کی صورت حال سے یکسر مختلف ہے۔ پاکستان کی فضا تو یہ ہے کہ عوام جو بھی سوچتے ہیں، علماء ان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پاکستان کے عوام جن بڑے بڑے مذہبی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں اُٹھے ہوئے ہیں، علماء ان کی راہنمائی کرنے کی بجائے ان کے ساتھ ہی الجھاؤ میں پڑ جاتے ہیں۔ نیز اپنی رفاہی اور اصلاحی کوششیں بہت کم بروئے کار لاتے ہیں جبکہ سعودی عرب کے اندر زُحمان یہ نہیں ہے۔ وہاں علماء کی تحقیق و بصیرت اصل ہوتی ہے عوام اُن کی راہنمائی پر اعتماد کرتے ہوئے ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ معاشرے کی تعمیر میں ان کے علماء کا بڑا کردار ہے، ایسی علمی فضاء میں تحقیق کا ذوق زیادہ پروان چڑھتا ہے۔

مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ میں فقہ مقارن کے مضمون کے لیے 'بداية المجتهد' داخل نصاب ہے۔ اس کا انداز مجھے بڑا پسند آیا، کیونکہ فقہی مذاہب کے بجائے اول تو علماء کی اجتہادی آراء ذکر ہوتی ہیں پھر ابن رشد ان کے بنیادی اختلافات کا سبب ذکر کرتے ہیں جس کی تفصیل میں جاتے ہوئے وہ کتاب و سنت اور اسلوب استدلال کی بحث کرتے ہیں۔ اس طرح آئمہ فقہاء کی حکمتوں کا تجزیہ بھی کرتے ہیں۔ اختصار کے سبب مذکورہ فقہ مقارن کی کتاب مشکل سمجھی جاتی ہے لہذا میں اپنی کلاس میں 'بداية المجتهد' پڑھنے کے بعد مغرب سے پہلے مسجد نبوی میں اپنے ان ساتھیوں کو دوبارہ پڑھایا کرتا تھا جو کمزور تھے۔

'بداية المجتهد' پڑھانے والے دو استاد خاص طور پر مجھ بہت پسند آئے۔ ایک تو مدینہ منورہ کے مشہور قاضی شیخ عطیہ سالم اور دوسرے شیخ محمد امان اشوبی (جو اصلاً حبشہ کے رہنے والے تھے) شیخ محمد امان اشوبی شیخ ابن باز کے شاگرد خاص تھے جو بعد ازاں جامعہ اسلامیہ کے کلیۃ الحدیث کے ڈین اور اس کے علمی مجلے کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ یہ دونوں استاد جس انداز سے ہمیں فقہ پڑھاتے تھے وہ نبیل الاوطار، فتح الباری اور مغنی ابن قدامة وغیرہ فقہ مقارن کی کتابوں کا خلاصہ ہوتا۔ جبکہ اختلافی مسائل پر وہ کتاب و سنت سے آزادانہ دلائل مہیا کرتے۔ اگرچہ قاضی عطیہ سالم شافعی ہونے کے باوجود امام مالک سے زیادہ متاثر تھے تاہم شیخ ابن باز کی سرپرستی (وائس چانسلر) ہونے کی وجہ سے ان پر بے باک ترجیح کا انداز غالب تھا۔ یہ انداز تحقیق مختلف فقہوں سے وابستہ طلبہ اور علماء میں بہت پسند کیا جاتا، گویا مدینہ منورہ میں شیخ ابن باز اور ان کے تربیت یافتہ استاد ہماری شخصیت کی تعمیر کرتے رہے۔

مدینہ منورہ جانے سے پہلے کئی سال تدریس کر چکا تھا اس لیے میری کافی علمی چٹنگی ہو چکی تھی لہذا میں نصابی کتابوں پر کم توجہ دیتا اور اسلامی تحریکوں کا زیادہ مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ جن میں اخوانی، سلفی تحریک اور تبلیغی جماعت قابل ذکر ہیں، اس طرح جزوی مسائل میں تحقیق کی بنیاد پر فرقہ وارانہ رجحان کی شدت میں کمی واقع ہوئی تو اجتماعی مسائل میں مذکورہ بالا تحریکوں کا آزادانہ جائزہ لینے کا بھی موقع ملا۔ مجھے اخوانی اور سلفی تحریک کی تقابلی کتب کے مطالعہ کا بھی موقع ملا، کیونکہ ان کے بارے میں جماعت کی لائبریریوں اور مارکیٹ میں وافر لٹریچر موجود تھا۔ البتہ تبلیغی جماعت کا گہرائی تک مطالعہ کرنے کے لیے مواد موجود نہ تھا۔ ان کا ایک باضابطہ حلقہ مسجد نبوی ﷺ میں ہوتا تھا جبکہ اُن کا مدینہ منورہ میں مرکز 'مسجد نور' تھا۔ میں تبلیغی حضرات سے اپنے مطالعہ کے لیے تعارفی کتابیں مانگتا تو وہ جواب دیتے کہ یہ

کام دیکھ کر چلنے کا نہیں، چل کر دیکھنے کا ہے۔ ان کے اس اصولی رویے کی پہلے مجھے سمجھ نہیں آتی تھی حتیٰ کہ تبلیغی میرے اصرار کی وجہ سے مجھے مکہ مکرمہ میں اپنے بڑے راہنما حضرت مولانا سعید احمد صاحب کے پاس لے گئے جنہوں نے مجھے سمجھانے کی بجائے تبلیغی جماعت کے ساتھ چل کر رہی دیکھنے پر زور دیا۔ اس طرح مدینہ منورہ میں میری الجھن دور نہ ہو سکی۔ پاکستان واپس آجانے کے بعد میں نے مجبوراً ایک عرصہ ان کے ساتھ چل کر بھی دیکھا۔

۱۹۷۰ء کے پاکستانی انتخابات میں اسلام اور سوشلزم کی تکمیل اور پھر شیخ مجیب الرحمن کی انقلابی تحریک کے بعد بنگلہ دیش کے الگ ہوجانے کی وجہ سے سیاسی حلقوں میں خاصی مایوسی تھپچھانچہ میں نے اس خاموشی میں تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگا کر ان کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کی، جس سے ان کے معاشرے سے خروج (علیحدگی) کی محنت کے علاوہ ان کے فقہی جمود اور اپنے اکابر کی اندھی تقلید پر بڑا دکھ ہوتا۔ میں نے تبلیغی حلقوں میں سائنس کے طلبہ بالخصوص میڈیکل اور انجینئرنگ والوں کو سرگرداں پایا تو پیش کش کی کہ قرآنی فہم بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور تبلیغی نصاب کے ساتھ حدیث کا بھی مطالعہ کریں جس طرح تبلیغی جماعت سے منسلک عام عرب تبلیغی نصاب کی بجائے قرآن اور ریاض الصالحین کا درس دیتے ہیں۔ جب میں نے زیادہ زور دینا شروع کیا تو انہوں نے اپنے اکابرین کی اس خصوصی ہدایت کا عذر پیش کرنا شروع کر دیا کہ ہمیں حدیث و سنت کے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے اکابر دین و شریعت براہ راست روضہ رسول ﷺ سے حاصل کرتے ہیں اس غلط عقیدہ اور تقلید جامد سے میں مایوس ہوا۔ اس طرح تبلیغی حلقوں میں خاطر خواہ کام نہ کر سکا۔

چونکہ میرے خاندان کا مزاج سلفی تھا اور مدینہ یونیورسٹی میں شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی کی وجہ سے فقہ مقارن کا ذوق بن چکا تھا۔ شیخ ابن باز خود کو حنبلی کہلانے کی بجائے 'اثری' لکھتے تھے بلکہ خلجی ممالک میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کی وجہ سے عقیدہ میں سلفی ہونے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے خواہ کوئی فقہ میں آئمہ اربعہ کی طرف منسوب ہو یا ظاہری اور جعفری فقہ کی طرف۔ البتہ عقیدہ میں خیر القرون کے منہج کو اعتدال کی راہ سمجھا جاتا تھا۔

مشہور مقولہ ہے 'الولد سر لابیہ' (اولاد باپ کی صلاحیتوں اور بھیدوں کی حامل ہوتی ہے) میں بھی اپنے والد گرامی شیخ الفیسیر حافظ محمد حسین کے ذوق سے متاثر ہو کر اجتہاد و استنباط کا شوقین بنا۔ چنانچہ اصول فقہ کا گہرا تقابلی مطالعہ میرا پسندیدہ مشغلہ رہا۔ جب صحیح بخاری کی تدریس کا مجھے موقع ملا تو اس کا آخری حصہ بالخصوص الاعتصام بالکتاب و السنۃ، اور کتاب التوحید، بڑی محنت سے پڑھایا کرتا۔ اصول الشریعہ میں مجھے 'الموافقات للشاطیہ' بہت پسند ہے۔ کیونکہ وہ اصول فقہ، مقاصد شریعہ اور قواعد فقہیہ کی نہ صرف جامع ہے بلکہ ان کی گہری توجیہات پر مشتمل ہے۔

امام بخاری نے کتاب و سنت سے تمسک کرتے ہوئے جس طرح فقہ و عقیدہ میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہوئے استدلال کی وسعتوں کا احاطہ کیا ہے وہ اجتہادی بصیرت کا ایک وسیع باب ہے۔ میں بھی اجتہاد و استدلال کی اساس اور جامع خلاصہ سمجھتا ہوں۔ عقیدہ میں اس اسلوب کو سلامتی کا ضامن اور اعتدال کا رو قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسی فکر و منہاج کا حامل ہوتے ہوئے جب مجھے دینی حلقوں کے متروکہ میدانوں معیشت و معاشرت اور سیاست و قانون میں کام کرنے کی اہمیت کا احساس ہوا تو میں نے اسلام کا نمائندہ بننے میں ہی عافیت سمجھی۔ اگرچہ میرے اردگرد میرے سسرال سمیت جماعت اسلامی کے حلقے اور اہل حدیث حضرات مجھے کھینچتے رہے لیکن میں نے یہ تہیہ کر لیا

کہ نہ تو جماعت اسلامی کی طرح عملی سیاست کو اپنا حیطہ نظر بناؤں گا اور نہ ہی بعض اہل حدیث کے مناظرانہ مزاج کی وجہ سے دینی فرقہ وارانہ جھمیوں میں پڑوں گا۔ البتہ تحقیق و صحافت کے میدان میں تمام دینی حلقوں کو ہماری طرف سے پوری سپورٹ حاصل ہوتی رہتی ہے۔ میرے زیر اہتمام جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) کا ترجمان 'رشد' ہو یا مجلس تحقیق اسلامی کا آرگن ماہنامہ 'محدث'، لاہور، اسی فکر و منہاج کے حامل ہیں۔ 'محدث' کی پیشانی پر تقریباً چالیس سال سے یہی لکھا جا رہا ہے: ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ، جبکہ اس کے آخری صفحہ پر تمام گوشہ ہائے حیات میں اس کے فکر و عمل کے خدوخال نمایاں چھاپے جاتے ہیں۔

انسان کو اپنی زندگی میں اعتدال کی پوری کوششوں کے باوجود موافقتوں اور مخالفتوں کا سامنا ضرور ہوتا ہے جس کا رد عمل فطری ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر میں برطانوی سامراج کی سازشوں کے طفیل اہل سنت میں جو بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے نام سے فرقہ بندی میں اضافہ ہوا، میں اسے وحدت امت کے خلاف کاری ضرب سمجھتا ہوں مجھے اپنے اعزہ و احباب کی فرقہ وارانہ وابستگیوں سے چڑسی ہو گئی ہے۔ میں انہیں اسلام کا نمائندہ بنانا چاہتا ہوں۔ اپنی اولاد کے لیے بھی اپنے مشہور علمی خاندان کی روپڑی نسبت پر مدنی، کو ترجیح دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و عمل کی چنگلی عطا کر کے مدینہ والے سے وابستہ کر دے۔

ابھی تک میں نے اپنے مشن کا مثبت ذکر کیا ہے لیکن جب تک کچھ منہ پی رویے بھی سامنے نہ رکھے جائیں، مشن کا نکھار نہیں ہوتا۔ چونکہ میرے سامنے وہ اہل حدیث علماء بھی ہیں جو تقلید کے رد میں اتنی دور چلے گئے کہ انہوں نے حافظ ابن حزم کی ظاہریت اختیار کر لی۔ اسی طرح جامد مقلدین نے فقہ حنفی میں پلک پیدا کرنے کے لیے حیلوں کو اڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ مفتی محمد شفیع (کراچی والے) کہا کرتے تھے کہ تقلید کا مسئلہ شرعی نہیں، مصلحت کا ہے۔

آج کل دنیا Global Village کی صورت اختیار کر کے پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا کے رحم و کرم پر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو گروہی چشمک چھوڑ کر 'سیکولرازم' کے عفریت، کو سامنے رکھنا چاہئے۔ سیکولرازم ہمیں عقیدہ، عبادات اور خاندانی رسوم و رواج میں آزادی کے دھوکے میں ڈال کر لادین اجتماعیت کے سپرد کرتا ہے، جبکہ اسلام نہ صرف خاص عقیدہ و تہذیب کا نام ہے بلکہ پورے اجتماعیات میں اس کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی راہنمائی انسانی بھلائی اور امن و ترقی کی ضامن ہے۔ کاش کہ ہم اس عفریت کو دیکھ سکیں جو حملہ کرتے وقت شیعہ دیکھتا ہے اور نہ سنی!

اسلامی دنیا کا سیاسی نوآبادی کا دور تو گیا، اب اقتصادی نوآبادی کا چلن ہے۔ اس لیے عالمی قوتوں نے سیکولرازم کا دم بھرنے کے باوجود دیگر تمام تہذیبوں کو ملیا میٹ کرنے کا عزم کر رکھا ہے حالانکہ سیکولرازم تہذیبی اقدار اور خاندانی رواج میں مداخلت نہ کرنے کے جھوٹے وعدے دیتا نہیں تھکتا۔ سیکولرازم کا تصور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ وہ Private Sector میں دخل اندازی نہیں کرتا جب کہ اسے صرف اجتماعیت کے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی میدانوں سے غرض ہے جنہیں وہ لادین Public sector کے تابع لانا چاہتا ہے۔

اس وقت عالمی استعمار سموبیل پی ہینٹکلن جیسے مفکرین کے ذریعے Clash of Civilization یعنی تمدن (مادی ارتقاء) سے پسماندہ تمدن (رجعت پسندی) کا تصادم بتاتے ہوئے یہ دعوت دے رہا ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی تہذیبی اقدار کو چھوڑ کر مغرب کی عالمی (بے خدا مادی) تہذیب میں مدغم ہو جائیں، یہی ان کی انسانی ترقی کا راز ہے۔

بہت سے نام نہاد مسلم دانش ور تہذیب (Culture) جسے عربی زبان میں ثقافت، کہتے ہیں اور تمدن (Civilization) جسے عربی زبان میں 'حضارہ' کہتے ہیں، کا فرق نہ کرنے کی وجہ سے اسلام کی تہذیبی اقدار (حجاب و حیا وغیرہ) کے بھی مخالف ہیں تاکہ سیکولرازم کو Private Sector کے سماجی ادارہ (خاندان) میں دخل اندازی کا حق دے سکیں۔ یہی لادینیت اسلامی معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔

خود کو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

فکر و عمل کے میدان میں میری توجہ اگرچہ خاندان اور اسلامی معاشرہ کے تحفظ کی طرف زیادہ ہے، اسی طرح میں معیشت و معاشرت اور سیاست و قانون کو مجلس کی تحقیقات کا محور بنائے ہوئے ہوں۔ کیونکہ ہمارے پیش رو اہل علم و فقہ نے ہمارے عقائد، عبادت اور داخلی عالمی امور میں بہت عمدہ اور تفصیلی تحقیقات پیش کر رکھی ہیں جن پر مشتمل ہمارے فقہی ورثہ میں بیش بہا لٹریچر موجود ہے چنانچہ اسلام کے داخلی نظام Private Sector سے متعلق جزوی مسائل کو سمجھنے کے لیے کسی بھی انصاف پسند کے لیے کتاب و سنت پر ان ائمہ کی آراء کو پیش کر کے راجح شرعی موقف کی تحقیق آسان ہے۔ جبکہ دور حاضر کا بڑا میدان اجتماعیات کا ہے جس میں معاشرت و معیشت کے علاوہ سیاست و قانون کا (Public sector) ہم پر چھایا ہوا ہے جو ہمیں تمدنی ارتقاء کی مخالفت کا طعنہ دے کر ہماری دائمی اور عالمگیر شریعت کو بدل دینا ہی ترقی کا زینہ قرار دیتا ہے لیکن شریعت محمدیہ میں ہم (نئی نبوت کی طرح) کسی تغیر و تبدل کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم تو اپنی تشنگی کا مداوا بمصداق ع شراب کہہ نہ در جام نو! کافی سمجھتے ہیں۔

ہماری الہامی وحی 'قرآن و حدیث' اور ہر زمانہ اور حالات میں پیش آنے والے مسائل پر ہمارے اجل علمائے امت کے اجتہادات بھی کتابی صورت میں تدوین ہوتے رہے ہیں۔ البتہ سیکولر پبلک سیکٹر کے تحت ہمارے جو سیاسی، معاشی اور انتظامی ادارے تشکیل پاتے رہتے ہیں، وہ وحی الہی کی روشنی سے محروم ہیں۔ انہیں شریعت کی راہنمائی میں از سر نو تشکیل دینے کی ضرورت ہے لیکن شریعت محمدیہ سے نابلد ہمارے کئی دانشور سیاسی، معاشی اور قانونی اداروں کو اسلام کے مطابق تشکیل دینے کی بجائے شریعت کی تعبیر نو کے نام سے ان کی ہو بہو مغرب کی طرح تشکیل نو کرنا چاہتے ہیں جو بہت بڑا دھوکہ ہے۔

اسلام بھی اداروں کے لیے قواعد و ضوابط کی پابندی پر زور دیتا ہے اور یہ قواعد و ضوابط اجتماعی مشاورت سے بنائے جانے میں بھی شریعت کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتی لیکن ان کے اندر شرعی اصولوں کی کارفرمائی لازماً ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب اپنے ہاں ایسے اداروں اور ان کی ضابطہ بندی کو "قانون" کی بجائے "نظام" کا نام دیتا ہے۔ یہ قواعد و ضوابط جنہیں شریعت کی روشنی میں Bye-Laws بھی کہا جاسکتا ہے اگر قانون و سزا کے منافی پہلو کو نظر انداز کر کے انہیں عبوری طور پر قانون کے نام سے اختیار کر لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اس پر شریعت کو سپریم لاء قرار دینا ضروری ہے جس طرح کہ سعودی عرب کے دستور کی درج ذیل دفعات کے الفاظ یوں ہیں:

**دستور کا باب اول:** (دفعہ ۱): مملکت عربیہ سعودیہ..... کا دین اسلام ہے اور اُس کا دستور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے..... اور یہی دونوں دستوری نظام اور مملکت کے تمام نظاموں پر حاکم (حادی) ہے۔

(دفعہ ۷): سعودی عرب میں سلطنت کا منبع کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے اور یہی دونوں مملکت کے دستوری

نظام اور دیگر تمام نظاموں پر حاکم (حاوی) ہیں۔

(دفعہ ۴۶:۱) عدلیہ مستقل اختیارات رکھتی ہے اور اُس کے ججوں کے فیصلوں پر شریعت اسلامیہ کے تسلط کے علاوہ کسی اور کا اختیار نہیں ہے۔ (شاہی فرمان نمبر ۱/۹۰ بتاریخ: ۲۷/۸/۱۳۱۲ھ بمطابق یکم مارچ ۱۹۹۲ء)

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شریعت (کتاب و سنت) کی بالادستی قائم رکھتے ہوئے ضابطہ بندی ہو یا قانون سازی یہ ہمارے جدید معاشروں کی تمدنی ضرورت ہے۔ اس حد تک نظام تشکیل دیا جائے یا بالفاظ دیگر پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی کی جائے اس کا نہ صرف کوئی حرج نہیں بلکہ شریعت محمدیہ کی تطبیق و اطلاق میں ابتدائی طور پر ایسی ضابطہ بندی سے بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جبکہ اصل یا بندی کتاب و سنت کی ہونہ کہ ضابطہ بندی کی۔ شرق اوسط کے بہت سے ملکوں مصر و سوڈان سمیت، نے ایسے پیش قیمت مسودے ضابطوں کی صورت میں چھاپ کر نشر بھی کیے ہیں کہ عالم اسلام کی شریعت محمدیہ سے ناواقف بیوروکریسی اور عدلیہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یہ قانون سازی ہماری خالصتاً تمدنی ضرورت ہے۔ تاہم معیشت و معاشرت اور سیاست و حکومت کے جدید اداروں کو شریعت کے ان اصول و قواعد پر مضبوط کرنے کیلئے شریعت کے ماہرین اور سوشل سائنسز کے ماہرین کو مل بیٹھ کر اجتماعی تحقیقی کام کرنا چاہیے، جسے آج کل 'اجتماعی اجتہاد' کا نام دیا جاتا رہا ہے۔ علمی طور پر کیا یہ اجتماعی اجتہاد ہے یا نہیں؟ قطع نظر شرعی اصولوں پر دور حاضر کے متمدن ظروف و احوال میں اداروں کی کیا صورت گری ہوتی ہے وہ جدید دور کا اہم چیلنج ہے۔

یہاں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ دین و شریعت کی اساس وحی الہی پر شعوری ایمان ہے جو سیکولر ازم کی لذت پرستی کا دفاع کر سکے۔ اگر دین و ایمان کی دستوری اساس کے بغیر ہم نے مغرب کے سیکولر نظام کو ہی بنیاد بنا کر متمدن (ترقی یافتہ) بننے کی کوشش کی تو ہمیں شریعت کے روحانی اصول و قواعد سے یا تو ہاتھ دھونے پڑیں گے یا بہت سی نادان ترسیمات کرنی پڑیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے نقشہ پر پہلی اسلامی مملکت 'پاکستان' کے دستور میں جنرل ضیاء الحق کی طرف سے نفاذ شریعت کی کوششوں میں قرار داد مقاصد کو بالادستی دینے کے باوجود Anglo Saxon law کی مجبوریوں نے ابھی تک شریعت محمدیہ کو معطل کر رکھا ہے، جس میں موجودہ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کا شریعت بیخ بھی کوئی مثبت پیش رفت نہیں کرا سکا۔ اور آئندہ کے لیے ایسے procedure سے کوئی اچھی امید بھی نہیں ہے۔

س: تبلیغی جماعت کے نعرے ”چل کر دیکھئے“ پر عمل سے، آپ کو کوئی فائدہ ہوا؟

ج: میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ واقعی چل کر دیکھا ہے۔ مجھے اس سے یہ اندازہ ہوا کہ تبلیغی جماعت کا جو مسجد تک بلانے کا پروگرام ہے وہ اہم ہے۔ مسجد کے بعد جب معاشرے سے نکلنے (خروج) کا میدان آتا ہے تو وہاں دعوتی طریق کار میں افراط و تفریط کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ اسلام میں مسجد کی طرف دعوت بڑی اہم ہے اس کے لیے جو بھی طریق کار اپنایا جائے وہ مفید ہے۔ تبلیغی حلقوں میں دین داری کا اہتمام اور مسجد کے ساتھ وابستگی دو چیزیں ایسی ہیں کہ واقعی بڑی موثر ہیں۔ باقی معاشرے سے کٹنے کے طریق کار میں افراط و تفریط کے تفصیلی تجزیہ کا یہ موقع نہیں ہے۔

س: مجلس تحقیق الاسلامی کے پس منظر کے بارے میں کچھ بتائیے؟

ج: مدینہ منورہ سے جب ہم کچھ لوگ وطن واپس آئے تو ان میں ہم تین ساتھی خاص طور پر بڑے گہرے دوست تھے حافظ ثناء اللہ مدنی، مولانا عبدالسلام کیلانی اور میں، ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اپنی مادر علمی کو مثالی درس گاہ بنائیں۔ جس کے

ساتھ ساتھ ایسا تحقیقی مرکز بھی ہو جو الاعتصام بالکتاب والسنة کے اصول پر (وجی کی روشنی میں) آزادانہ تحقیق کرے۔ اس تحقیقی آزادی اور تدریس کے لیے مثالی درس گاہ بنانے کیلئے ہم مدینہ منورہ میں ہی سوچ و بچار کیا کرتے تھے۔ ہم نے تعلیمی اصلاح کیلئے یہ پروگرام بنایا کہ ثانوی درجہ کی درس گاہ، جو پہلے سے موجود تھی، اس پر تجربہ کریں، اس کا پس منظر یہ ہے کہ والد صاحب کی ایک فیکلٹی رحمانیہ ٹیکسٹائل ملز کے نام سے تھی، اتفاق سے وہ فیکلٹی جل کر ختم ہو گئی اور اس کی نئی تعمیر شدہ جگہ ہمارے پاس موجود تھی تو ہم نے رحمانیہ ہی کے نام سے وہاں درس گاہ قائم کر لی لیکن جہاں تک ادارہ تحقیق کا معاملہ تھا تو اس سلسلہ میں کافی غور و فکر کیا گیا تو ہمارے سامنے ایک اہم سوال یہ تھا کہ تحقیق میں عام طور شخصیت پرستی کی صورت حال پیدا ہوجاتی ہے جو بہت نقصان دہ چیز ہے۔ لہذا تحقیق کے اندر شخصیت پرستی کا عنصر ختم کرنے کیلئے ہم نے 'مجلس' کا لفظ اختیار کیا، کہ اہم مسائل پر تحقیق کیلئے ہماری اجتماعی علمی تحقیقات ہوا کریں گی، اس طرح معروف سکا لرز کو دعوت دے کر ہم اجتماعی طور پر تحقیق کو نکھارا کرتے اس طرح ہماری تحقیقی مجلس کا طریق کار وضع ہوا۔

جب ۱۹۷۰ء میں ہم نے مجلس تحقیق اسلامی کے نام سے کام شروع کیا تو علمی اور اصلاحی مجلہ ماہنامہ محدث کے علاوہ مجلس کا تحقیقی کام کوئی زیادہ تیز رفتار نہیں تھا، ہم بھی زیادہ پختہ کار نہیں تھے لیکن لاہور کی اہم علمی شخصیتوں اور دانشوروں کے ساتھ مجلسوں کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ تحقیقی ادارہ کس انداز اور ڈھب سے سیٹھ کیا جائے، آہستہ آہستہ طریق کار واضح ہوتا گیا۔ "بحث" کی بجائے "تحقیق" کا لفظ شامل کرتے وقت مجھے یہ بھی احساس تھا کہ عربی زبان میں "تحقیق" کے معنی عملی جامہ پہنانے کے ہوتے ہیں۔ جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے: "أرجو أن تحقّق أُملي" (مجھے اُمید ہے کہ آپ میری آرزو پوری کریں گے) میں اکثر سوچا کرتا کہ ہم اجتماعی تحقیق کے ساتھ اپنے تمام منصوبوں کو بھی عملی جامہ پہنائیں گے۔ ان شاء اللہ

عملی طور پر بھی اس مجلس کی نگرانی میں زیادہ تر کام متنوع تدریسی، تحقیقی اور رفاہی اداروں کی تشکیل کا ہوتا رہا ہے۔ اور یہ تمام ادارے مجلس کی اجتماعی مشاورت کے نتیجے میں تشکیل پانے والے فکر و عمل کے تحت وجود میں آتے رہے۔

**س:** مجلس کی ابتدا کا بنیادی فکر اور مشن تو آپ نے واضح فرما دیا۔ ہم اس کی ابتدائی تاریخ بھی جاننا چاہتے ہیں۔

**ج:** مجلس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ہمارے ساتھی حافظ ثناء اللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی رفیقہ حیات ۱۹۷۰ء میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون) میں اور مولانا عبدالسلام کیلانی چند دیگر مخلص احباب کے ساتھ سرہالی کلاں ضلع قصور میں تعزیت کیلئے اکٹھے تھے کہ اسی دوران مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مستقبل کیلئے اجتماعی مشاورتوں کا ذکر چل پڑا کہ ان کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کچھ کیا جائے۔ وہاں یہ طے پایا کہ مدرسہ رحمانیہ گارڈن ٹاؤن لاہور کے ساتھ ایسا تحقیقی ادارہ بھی بنایا جائے جس میں کتاب وسنت کی روشنی میں آزادانہ تحقیق کی جائے۔ الحمد للہ لاہور میں ہی موجود تھی۔ اسے پہلے ہی موجود تھی۔ ابھی مجلس التحقیق الاسلامی کی ماڈل ٹاؤن والی موجودہ وقف عمارت تو تیار نہ ہوئی تھی البتہ ہماری فیکلٹی جس کی دوبارہ تعمیر کے وقت وہاں ایک تعلیمی ادارہ بھی والد گرامی نے قائم کر دیا تھا جو اب مدرسہ رحمانیہ کے نام سے رجسٹرڈ بھی ہو چکا تھا وہیں یہ تحقیقی کام اور علمی آرگن محدث کا دفتر قائم کیا گیا۔ ہماری تحویل میں ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۰ء تک یہاں قذافی سٹیڈیم کے بالمقابل نئے بننے والے ابو ظہبی سنٹر کے رقبہ میں شامل، بارہ کنال جگہ موجود رہی ہے۔

**س:** آپ کے ساتھ اور کون کون لوگ شریک ہوئے؟

**ج:** ہمارے ساتھ بہت سے علمی اور تربیتی مزاج رکھنے والے مخلص علماء اور اساتذہ اپنی سرکاری ملازمتیں چھوڑ کر شریک ہوتے رہے کیونکہ ہم نے ابتداء میں ثانوی درجے تک سکول کی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا اہتمام کر رکھا تھا اس کتاب وسنت اور عصری علوم کے امتزاج پر مشتمل نصاب کی تدریس میں ایسے ہی حضرات شامل تھے جو اپنے تخصصات کے ساتھ بھرپور دینی مزاج رکھتے تھے جن میں پروفیسر ڈاکٹر مزمل احسن شیخ، مولانا عبدالرحمن بنگالی اور ماسٹر حبیب الرحمن اوکاڑوی پیش پیش تھے جبکہ علماء میں بنیادی کردار شیخ ابن باز اور محدث روپڑی کے تلامذہ کا رہا جن میں ہم تین ساتھیوں کے علاوہ مولانا محمد بشیر گوہڑی قابل ذکر ہیں۔

**س:** اس دور میں آپ کے پاس اپنی اجتماعی تحقیقات کے اظہار کا ذریعہ کیا تھا؟

**ج:** میں بتا چکا ہوں کہ ہم نے ۱۹۷۰ء میں ہی ایک ماہوار تحقیقی اور علمی مجلہ محدث شروع کر دیا تھا جس میں اجتماعی فتویٰ کے علاوہ تحقیقی مقالے بھی شائع کیے جاتے۔ مزید براں ہماری کوشش ہوتی کہ ہر بات حوالہ کیساتھ درج کی جائے۔ محدث نام کا تقاضا بھی یہی تھا۔ ہم نے الحمد للہ اب تک اس بات کا التزام کیا ہے کہ محدث میں بقیہ برصغیر فلاں کا انداز اختیار نہ کیا جائے۔ اسی طرح حتی المقدور (ماسوا نا در مضمون کے) کوئی مطبوعہ مواد نشر نہ کیا جائے۔

**س:** آپ کے بنیادی مقاصد کس حد تک پورے ہوئے؟

**ج:** ہم نے جو پروگرام تشکیل دیئے، ان میں ہمارا ساتھ زیادہ تر وہی لوگ دے سکتے تھے جو پاکستانی مدارس میں دینی علوم سے فراغت کے بعد سعودی یونیورسٹیوں میں بھی زیر تعلیم رہے جبکہ پاکستان میں ان کا معاشی مستقبل روشن نہ تھا لہذا سعودی یونیورسٹیوں سے ڈگری حاصل کرنے والوں کا زیادہ رجحان یہ تھا کہ سعودی دارالافتاء کے ملازم کی حیثیت سے دوسرے ملکوں یورپ، امریکہ اور افریقہ وغیرہ میں جا کر کام کریں یہ تمام معاشی شیخ ابن باز کی طرف سے اپنے وطن کے سوا دیگر ملکوں میں مقرر کیے جاتے تھے۔ اس طرح دارالافتاء نے برصغیر پاک و ہند سے فارغ ہونے والے علماء کی ایک بڑی تعداد دنیا بھر میں بھیج دی۔ لیکن ہم تین ساتھیوں نے وطن واپس آ کر اپنے مشن کا کام آگے بڑھانے کا عزم کر رکھا تھا، اس لیے ابتداء میں ہم کوئی تعاقب کیے بغیر واپس آ گئے۔ بعد میں معاشی ضرورتوں کے پیش نظر حافظ ثناء اللہ مدنی اور مولانا عبدالسلام کیلانی تو دارالافتاء سے منسلک ہو گئے۔ لیکن ۱۹۷۸ء میں پاکستان کا دورہ کرنے والے دارالافتاء کے شعبہ برصغیر عربی ممالک کے ڈائریکٹر جنرل شیخ محمد بن قعود اور شیخ ابن باز کے سیکرٹری جنرل شیخ عبدالعزیز ناصر بن باز وغیرہ کی دعوت کے باوجود میں نے آزادانہ کام کرنے کو ترجیح دی۔ پاکستان میں ۱۹۷۰ء سے ہی سوشلزم اور اسلام کی چپقلش چل رہی تھی۔ کیونکہ ”شوکت اسلام“ کا جلوس بھی ۱۹۷۰ء میں ہی نکلا تھا اور اسی سال دسمبر ۱۹۷۰ء میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے عوامی انتخابات ہوئے جن میں مشرقی پاکستان کے آندر مجیب الرحمن اور مغربی پاکستان کے آندر ذوالفقار علی بھٹو کو اکثریت حاصل ہوئی۔ اتفاق یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۷۰ء میں انتخابات ہوئے اور ماہوار محدث کا پہلا شمارہ بھی دسمبر ۱۹۷۰ء کا ہے۔ بنگلہ دیش کے الگ ہوجانے کی وجہ سے نیا پاکستان اور اسکے دستور و قانون کی تشکیل کا موقع تھا۔ سیاسی فضاء غبار آلود اور تناؤ کا شکار تھی۔ حکومتی حلقوں میں بھی کافی نشیب و فراز تھا، کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو ایک سول مارشل لاء کے سربراہ کی حیثیت سے سر اقتدار آئے تھے۔ پیپلز پارٹی نے اسلامی سوشلزم کے نام پر روٹی، کپڑے اور مکان کا نعرہ لگا

باز



کراپنے مخالفین کو دبا رکھا تھا جس میں نفاذ اسلام کیلئے بھی حالات سازگار نہ تھے گویا کافی حد تک نفاذ شریعت کو 'ریورس گیر' لگا ہوا تھا، اس دور میں کافی عرصہ بڑے بڑے سیاستدان بھی عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس وقت پاکستان کے بہت سے یہی خواہ سیاست و قانون کے میدان میں فکری طور پر انفرادی یا اجتماعی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے۔ مجلس تحقیق اسلامی بھی اسی میدان میں مصروف رہی۔ ہمارے سامنے سیاست و قانون کا شرعی تصور تو واضح تھا لیکن جو علمی چیلنج درپیش تھا وہ سیاست و قانون کے تمدنی ارتقاء کا تھا کہ دور حاضر میں متمدن اداروں کی تشکیل کیسی ہونی چاہیے؟ سیاسی طور پر عالم اسلام میں جمہوریت اور سوشلزم کی اسلام کے ساتھ جو پیوند کاری ہو رہی تھی اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اسی طرح حکومتوں کے نظام اسلامی اصولوں پر کیسے استوار کیے جاسکتے ہیں؟ اگرچہ ۱۹۷۳ء کا پاکستانی دستور پارلیمنٹ نے بنایا لیکن اس پر اثر انداز لامحالہ تمام ادارے ہوئے جو علمی تحقیقات اور فکری جائزے پیش کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے رجحانات شریعت کے حق میں نہ ہونے کے باوجود ۱۹۷۳ء کے دستور میں دکھانے کو بہت سی اسلامی دفعات بھی شامل ہو گئیں اور ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں وغیرہ کو غیر مسلم اقلیت بھی قرار دیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۷ء کی نظام مصطفیٰ تحریک کے نتیجے میں جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء لگایا تو اسی تحریک کا دباؤ تھا کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے نفاذ شریعت کے حوالے سے علماء اور مشائخ کے ملک گیر کنونشن بھی کیے جن میں علماء اور مشائخ کو اپنے اعلیٰ مشیران بنانے کے ساتھ ساتھ شریعت کی بالا دستی کے اعلانات بھی ہوتے رہے۔ افسوس ہے کہ یہ اعلانات صرف سیاسی رہے۔ نہ تو علماء کو مشیر بنانے کا نوٹیفیکیشن جاری ہوا اور نہ ہی نفاذ شریعت کے لیے کوئی ٹھوس بنیادیں مہیا ہو سکیں گویا جڑوں کو مضبوط کرنے کی بجائے شاخوں پر کام ہوتا رہا۔ مخالفین تو اس پر بھی چین چین تھے کہ اس طرح دینی حلقوں کو عزت مل رہی ہے۔ سپر قوتوں کی سازش سے عالمی سطح پر مسلمانوں کے دو بلاک بنا کر انہیں تصادم کی راہ پر ڈال دیا گیا۔ اسی بناء پر اسٹیبلشمنٹ کو یہ موقع ملا کہ وہ نفاذ شریعت کی راہ میں فرقہ واریت کو ایک بڑی رکاوٹ بنا دیں تاکہ پاکستان میں اسلام کی عملداری نہ ہو سکے۔

مجلس تحقیق اسلامی نے پیپلز پارٹی کے سات سالہ دور میں جو علمی اور فکری کام کیا تھا، جنرل محمد ضیاء الحق کے ابتدائی دور میں جب شرعی عدالتیں بنانے کے اعلانات ہوئے اور تمام صوبوں کی ہائی کورٹس کو مشروط طور پر ملک میں اسلامی اور غیر اسلامی قوانین کا کنکھارا کرنے کا اختیار ملا تو اسے بروئے کار لانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ اس وقت لاہور اور فیصل آباد کے دینی مدارس میں قاضی کورسز کروائے جا رہے تھے۔ مجلس کی سوچ یہ تھی کہ چار یا چھ ماہ کے مختصر ریفریشر کورسوں سے قانون دانوں کی شریعت کے لیے خاطر خواہ تربیت نہیں ہو سکتی۔ لہذا ہم نے اپنے استاذ محترم شیخ ابن بازؒ، جو ان دنوں سعودی عرب کے مفتی اعظم تھے، کے تعاون سے سعودی یونیورسٹیوں سے سکالرشپ منظور کروائے اور ایسا پروگرام بنایا کہ علماء اور قانون دانوں کو ان کی الگ الگ علمی کمزوریاں دور کر کے مزید تعلیم کے لیے سعودی یونیورسٹیوں میں بھیجا جائے۔ ہم نے اس امتزاجی تعلیم کی غرض سے ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس اور دو سالہ اعلیٰ ڈپلومہ کورس کرانے کا پروگرام بنایا۔ جس کی بنیاد پر انہیں سعودی یونیورسٹیز کے لیے منتخب کیا جاتا تھا۔ یہ پروگرام ہم نے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے تحت 'المعهد العالی للشریعة و القضاء' کے نام سے شروع کیا اور قانون دانوں اور علماء کے لیے الگ الگ کورس ترتیب دیے اگرچہ ان کی کئی کلاسیں اکٹھی بھی ہوتیں تاکہ ان کو باہم قریب

لایا جائے۔ ہمارے پہلے بیچ سچو حضرات کا لرشپ پر سعودی عرب کی مختلف یونیورسٹیوں میں گئے، ان کی تعداد اٹھاون تھی۔ ان کورسوں میں میرے سیکرٹری عطاء الرحمن ثاقب اور خالد سیف شہید بھی برابر شریک رہے۔ اس لیے ان کا داخلہ بھی 'المعهد العالی للشریعة و القضاء' کی طرف سے جامعة الملك سعود میں ہو گیا، جہاں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے عطاء الرحمن ثاقب (شہید) کو جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے چار سالہ اعلیٰ تعلیم کے کورس میں دوبارہ داخل کر دیا۔ لیکن علامہ احسان الہی ظہیر انہیں جامعة الإمام کی طرف سے اپنے معاون خاص کی حیثیت سے پاکستان لے آئے۔

**س:** پہلے بیچ کے ان کورسوں میں کتنے علماء و کلا کو داخلہ دیا گیا؟

**ج:** 'المعهد العالی للشریعة و القضاء' میں داخلہ کے لیے پاکستان بھر سے سات سو کے قریب علماء اور قانون دانوں نے درخواستیں دی تھیں لیکن ہم اتنی بڑی تعداد کے متحمل نہ تھے لہذا ہم نے داخلہ کی سخت شرائط کے تحت مقابلہ کے امتحانات کی طرح پہلے اعلیٰ معیار کا تحریری امتحان لیا پھر کامیاب ہونے والوں میں سے ۲۵۰ کا انٹرویو ہوا جن میں سے ۱۸۷ کا انتخاب کیا گیا۔

**س:** کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مقاصد پورے ہو رہے ہیں؟

**ج:** انسان جب کام شروع کرتا ہے تو بہت زیادہ اُمیدیں رکھتا ہے لیکن جب کام آگے بڑھتا ہے تو اس کی کمزوریوں اور فوائد کا شعور ہونے لگتا ہے کہ اس میں کیا فائدے ہیں اور کیا کمزوریاں ہیں؟ میں نے تجربے سے یہ چیز محسوس کی ہے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت کی بڑی اہمیت ہے۔ جو لوگ شام کی کلاسز پڑھنے کے بعد فارغ ہو گئے ان کی حتی المقدور تربیت نہیں ہو سکی۔ جزوقتی تعلیم میں آپ علم تو سکھا سکتے ہیں مگر طلبہ کی شخصیت کے اندر آپ بہت کم اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

**س:** اپنے قیام سے لے کر اب تک مجلس نے جن علمی منصوبوں پر کام کیا ہے ان کے بارے میں بتائیے؟

**ج:** میرے سامنے دو چیزیں بہت اہم تھیں۔ ایک تو سرمایہ داریت اور سوشلزم کے تقابل سے اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ اور دوسری یہ کہ میں نے محسوس کیا کہ اہل حدیث ایک فرقہ بن گیا ہے۔ اس کے رجحانات 'اہل حدیث کے امتیازی مسائل یا اہل حدیث کی فقہ' تشکیل دینے میں زیادہ خرچ ہو رہے ہیں۔ ابتداء میں، میں نے ارادہ کیا کہ 'محدث' کے دو نمبر نکالے جائیں: ① اہل حدیث نمبر ② اسلامی معیشت نمبر

پہلے نمبر میں ایسے مضامین لکھوائے جائیں جن سے واضح ہو کہ قرون اولیٰ میں دو اجتہادی مکتب فکر 'اہل حدیث' اور 'اہل الرائے' کیسے بنے؟ پھر ان کا تاریخی ارتقاء کن مراحل سے گزرا؟ نیز برصغیر میں 'تحریک اہل حدیث' کیسے چلی؟ اور آج کل مسلک اہل حدیث کیا ہے؟ دوسرے نمبر میں میری خواہش یہ تھی کہ سرمایہ داریت جو سود اور ٹیکس کے دو پہیوں پر چل رہی ہے، اس کے بارے میں اسلامی موقف کھل کر پیش کیا جائے اور حالات حاضرہ میں سرمایہ دارانہ نظام کے پروردہ جو ادارے تشکیل پذیر ہوئے ہیں، انہیں کس طرح اسلامی اصولوں پر استوار کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح سوشلزم جس نے سرمایہ داریت کو معاشی ناہمواری کی بنیاد قرار دے کر اپنے لیے ہمدردی حاصل کی وہ نہ صرف انسانی نفسیات کا ساتھ نہیں دے سکتا بلکہ اپنے دعووں میں حقیقی طور پر کبھی کامیاب نہیں

ہوسکتا۔ یہ دونوں نظام نعروں پر چل رہے ہیں اور انسانی حرص و آز یا اس کے رد عمل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ عوامی تحریکیں نعروں سے کامیاب تو ہو جاتی ہیں لیکن ٹھوس کام کے بغیر عوامی دھکوں کا مداد انہیں کر سکتیں۔ تحریک پاکستان اور ۱۹۷۱ء کی تحریک نظام مصطفیٰ کا حشر بھی ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح اسلام کو صرف تحریک بنانے کی بجائے اس کے اجتماعی نظام ہائے حیات پر بہت کچھ تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ بالخصوص تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی اداروں نے جو شکل اختیار کی ہے، انہیں اسلامی اصولوں پر کس طرح استوار کیا جائے؟

آج کل سیکولرزم اور اسلام کی کشمکش ہے۔ سیکولرزم عقائد، عبادات اور خاندانی رسوم رواج کی حد تک مذہب میں مداخلت نہ کرنے کی بات کرتا ہے۔ لیکن اجتماعیت کے میدان میں سیاست، معیشت اور معاشرت میں دین و شریعت کے حوالے سے بات کرنے کا روادار نہیں حالانکہ تہذیب و ثقافت (Culture) کی تعمیر میں معاشرے کا ابتدائی یونٹ 'خاندانی ادارہ' بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح اسلام ایک جامع دین و شریعت ہے جو پرائیویٹ اور پبلک زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج سیکولرزم اپنا سب سے بڑا دشمن اسلام کو سمجھتا ہے۔

سیکولرزم جن شعبوں کو انسان کی پرائیویٹ زندگی قرار دیتا ہے اس کے بارے میں تمدن (Civilization) کا زیادہ دخل نہیں ہے۔ اگرچہ دنیا کے Global Village بن جانے اور غیر مسلم مخلوط معاشروں کی وجہ سے نئے مسائل ضرور پیدا ہوئے ہیں، جن کی تحقیق کی ضرورت ہے لیکن یہ سب کچھ نہیں ہے۔ البتہ پبلک سیکٹر آج کا بڑا چیلنج ہے، جس میں بہت کچھ تمدنی ارتقاء کی بناء پر تبدیلیاں آرہی ہیں اور نئے ادارے تشکیل پانے کی وجہ سے نہ صرف اسلامی تعلیمات کی گہرائی میں جانے کی ضرورت ہے بلکہ اسلامی اصولوں اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر اجتماعی نظاموں کی ترقی یافتہ شکل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ آج ہم بڑی آسانی سے یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ ہمیں اسلامی خلافت کا احیاء کرنا ہے لیکن اس وقت عالم اسلام ۱۵ ملکوں اور حکومتوں پر مشتمل ہے، اس پر علمی اور تحقیقی کام سے زیادہ عملی مشکلات درپیش ہیں۔

جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہم 'المعهد العالی للشریعة والقضاء' کے تحت علماء اور قانون دانوں کو دو سالہ کورس کرواتے رہے، جس میں کورس ورک کے علاوہ مندرجہ بالا اہم مسائل پر تحقیقی مقالہ جات بھی لکھوائے گئے اور ان کی تکمیل پر ہی فارغ ہونے والوں کو اعلیٰ ڈپلومہ دیا گیا اور مزید تعلیم کے لیے بیرونی یونیورسٹیوں میں بھی بھیجا گیا۔ سعودی اعلیٰ وزارت تعلیم، جامعہ الازھر۔ مصر اور دیگر یونیورسٹیوں نے اُسے خاصی اہمیت دی۔

اس طرح ہمارے علمی منصوبے دامے درمے سخنے آگے بڑھتے رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اتنی پذیرائی دی کہ (جزل پرویز مشرف کی طرف سے انقلاب لانے تک) اعلیٰ عدلیہ کے تعاون سے عدالتی افسران کو بھی مختصر یا لمبے کورس کروانے کا موقع ملتا رہا اور مجلس تحقیق اسلامی نے کئی دیگر اہم علمی اور تحقیقی پروگرام بنائے۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ضیاء الحق نے اپنے دور میں نفاذ شریعت کیلئے جو پیش رفت کی تھی، اس میں سے بعض دستوری تبدیلیاں بھی شامل ہیں۔ جن میں قرارداد مقاصد کو دستور کے دیباچہ سے نکال کر متن دستور میں اس طرح داخل کیا گیا کہ قرارداد مقاصد کو مؤثر قانونی حیثیت حاصل ہو۔ اسی طرح پہلے تمام صوبوں میں ہائی کورٹس کو مشروط طور پر بہت سے ذیلی قوانین کو

شریعت کی روشنی میں جائزہ لینے کا اختیار دیا گیا۔ بعد ازاں اس مقصد کے لیے وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کا شریعت بیچ بنایا گیا۔ ان اعلیٰ عدالتوں میں جب شریعت کی موافقت اور عدم موافقت کے بارے میں علمی بحثیں ہونے لگیں تو اندازہ ہوا کہ قانون دانوں کے لیے ایک بڑا مسئلہ شریعت کے مستند اور علمی ورثہ تک رسائی کا ہے جو ایٹو سیکسن لاء کے تربیت یافتہ حضرات کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے وجود میں آنے سے پہلے لاہور ہائیکورٹ میں جسٹس (ر) بدیع الزمان کا ایک کیس زیر سماعت آیا جس میں ملک بھر سے ۵۳ قانون دان، سکالر اور دینی جماعتوں کے راہنماؤں نے سیاسی جماعتوں کے بارے میں اپنا موقف پیش کیا۔ مجھے خصوصی طور پر عدالتی بیچ کا تعاون کرنے کا بھی موقع ملا۔ میں نے تمام عدالتی بحث اور ریکارڈ کا جائزہ لیتے ہوئے جو بڑی کمی محسوس کی وہ یہ تھی کہ وکلاء حوالہ کے لیے ثانوی یا ثالثی درجے کی کتابیں پیش کرتے۔ اسی طرح علماء بھی جدید اداروں کے نظام سے خاطر خواہ واقف نہ ہونے کی بناء پر عدالت کو زیادہ مطمئن نہ کر سکتے۔

انہی دنوں ایس ایم ظفر صاحب نے مجھے یہ تجویز پیش کی کہ اعلیٰ عدالتوں کے اہم فیصلے قانونی نظائر کے طور پر چھپتے رہتے ہیں حالانکہ ہمارے لیے اس سے اہم تر نظائر اسلامی عدالتوں کے فیصلے ہیں جن کی بنیاد عہد رسالت اور اس سے متصل خلافت راشدہ کا دور ہے۔ لہذا اس کا ایک مجموعہ 'عربی زبان' میں تیار ہونا چاہیے۔ چنانچہ مجلس تحقیق اسلامی کی طرف سے جناب ریاض الحسن نوری نے یہ کام شروع بھی کر دیا لیکن ایس ایم ظفر اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے اسے جاری نہ رکھ سکے۔

بعد ازاں قانون دانوں کی تربیت اور عدالتوں کے اسلامی فیصلوں کو جمع کرنے کا پروگرام دوبارہ اس وقت زیر غور آیا جب 'المعهد العالی للشریعة والقضاء' نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے تعاون سے کچھ خصوصی کورس کرائے جن میں لاہور ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ کے بہت سے حاضر سروس اور ریٹائرڈ ججوں نے بھی شرکت کی۔ جبکہ لاہور، قصور، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ وغیرہ سے ماتحت عدلیہ کی ایک بہت بڑی تعداد شریک کورس رہی۔ انہی دنوں مجلس تحقیق اسلامی کا مذکورہ بالا منصوبہ تشکیل پایا پر ایک سال کام ہوتا رہا اور یہ طے پایا کہ یہ منصوبہ عہد نبوت سے لے کر دور حاضر تک کے فیصلوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ یہ تمام اسلامی فیصلے پہلے اصل زبانوں میں ترتیب دیئے جائیں۔ بعد ازاں انہیں عربی، فرانسیسی، انگریزی اور اردو میں منتقل کیا جائے۔ اس منصوبے میں جسٹس (ر) محمد رفیق تارڑ (سابق صدر پاکستان)، جسٹس (ر) عبدالقدیر چوہدری، جسٹس (ر) خلیل الرحمن خان، جسٹس (ر) قربان صادق اکرام، جسٹس (ر) منیر مغل وغیرہ پیش پیش رہے۔

اس کا نام 'الموسوعه القضائیه' (Encyclopedia of Islamic Judgments) رکھا گیا۔ جس پر مجلس تحقیق اسلامی نے ان تھک کام کیا ہے اور عہد نبوت سے خلفاء راشدین تک الحمد للہ کام مکمل ہو گیا ہے جو آگے جاری ہے۔ اس کی نظر ثانی اور دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کیلئے مجلس کا تعاون سعودی عرب، سوڈان اور مراکش بھی کر رہے ہیں۔ اس کام میں ہمارے پیش نظر زیادہ تر قانون دان ہیں، دیگر اشخاص اور ادارے بھی ان شاء اللہ اس سے کافی فائدہ اٹھائیں گے۔

س: مجلس کے رفقائے کا انتخاب کرتے وقت کن علمی امتیازات کو ترجیح دی جاتی ہے؟

**ج:** یہ فطری امر ہے کہ کوئی شخص یا ادارہ جس طرح کے منصوبے بناتا ہے اسی طرح کے لوگوں سے رابطہ رکھتا ہے، میرا ابتدائی رجحان قانون اور علمی سیاست کی طرف زیادہ تھا اس لیے میں نے جہاں یہ فیصلہ کیا کہ مجھے عملی سیاست میں نہیں اُترنا، وہاں اس میدان میں علمی اور تحقیقی کام کیلئے میری بھرپور کوششیں جاری اور ساری رہیں۔ اس سلسلہ میں قانون اور عدالت سے متعلق مذکورہ بالا حضرات کا تو ذکر ہو چکا لیکن پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر زاور اسلامی ذہن کے دانشور کسی نہ کسی حوالے سے آج تک ہمارے ساتھ مربوط رہے ہیں۔ بلکہ نفاذ شریعت کی علمی تحریک ہو یا مختلف مکاتب فکر کو اکٹھا کرنے کی تحریک ہم اس سلسلے میں اگر پیش رو نہیں تو کسی سے پیچھے بھی نہیں رہتے۔ آج کل دہلی مجلس شرعی کے نام سے اسی کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

**س:** آج کل کن کن منصوبوں پر کام ہو رہا ہے یا مجلس تحقیق اسلامی کے آئندہ پروگرام کیا ہیں؟

**ج:** مجلس کا عظیم منصوبہ 'موسوعہ قضائیہ' تو چل ہی رہا ہے، البتہ معاشی اور معاشرتی میدان بھی ہمارا ملح نظر ہیں۔ معاشیات کے سلسلے میں قوانین کا جائزہ ۱۹۸۵ء تک وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں تھا اس لیے اس میدان میں ۱۹۸۵ء کے بعد ہی ہمیں کام کرنے کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ میری مراد سود سے متعلقہ قوانین ہیں جن کے بارے میں پہلے وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا اور بعد ازاں سپریم کورٹ کے شریعت بنچ نے ۱۹۹۹ء کے اندر اس کے تفصیلی پہلوؤں کو واضح کیا۔ شرعی عدالت کے لیے ہم نے اپنا بھرپور علمی تعاون مہیا کیا اور میں نے خود سپریم کورٹ میں پیش ہو کر سود کی بحث میں حصہ لیا اور اس موقع پر محدث نے اپنا خصوصی شمارہ 'سود نمبر' بھی نکالا۔ سپریم کورٹ (شریعت بنچ) نے سود کے خلاف بڑے اہم نکات پیش کیے تھے لیکن جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے سازش کرتے ہوئے اسے نہ صرف کالعدم کروایا بلکہ یہ کیس دوبارہ وفاقی شرعی عدالت کو ہی بھیج دیا گیا جس کی ابھی تک کوئی نئی سماعت ہوتے بھی نظر نہیں آ رہی۔ آج کل ہم معاشیات کے میدان میں Centre of Excellence for Islamic Economics, Finance and Banking کا تربیتی اور تحقیقی مرکز قائم کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔

اس مرکز کو قائم کرنے کی بنیادی سوچ یہ ہے کہ ہماری تجارت اور بینکاری اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کے لیے رجال کار کو تیار کیا جائے۔ کیونکہ ابھی تک معاشیات کے میدان میں صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے سودی نظام کے ساتھ اسلامی پیوند کاری کا کام شروع کر رکھا ہے۔ یعنی موجودہ بینکاری سسٹم کے مختلف پروگراموں کو حیلے بہانے سے اسلامی قرار دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اسلام کے دعوے دار بینکوں نے شرعی مشیروں کو بھاری مشاہرے دے کر اسی کام کے لیے اپنا ہم نوا بنا رکھا ہے۔ گویا ان کا مقصد سود کا خاتمہ نہیں بلکہ سود کی مختلف شکلوں کے لیے حیلوں سے شرعی تائید پیش کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ سیکولر بینک بھی اسلامی ونڈوز کھول کر اس نفع بخش کاروبار میں شریک ہو رہے ہیں۔ اگرچہ ایسے مشیران خاص حلقوں میں یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ یہ اسلامی بینکاری کا عبوری دور ہے۔ گویا جس طرح جمہوریت اور سوشلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگا کر مسلمانوں نے انہیں اسلامی بنا لیا، اسی طرح اسلامی بینکاری کو رواج دیا جا رہا ہے۔ ہمارے معاشی ماہرین اور قانون دان حضرات شریعت کی ٹھوس تعلیمات اور گہرے مقاصد سے تو واقف نہیں، اس لیے وہ اسے ہی اسلام سمجھ رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس میں وہ لوگ آگے آئیں جو

کتاب وسنت، مقاصد شریعہ اور اسلامی اصول و قواعد کا تقابلی مطالعہ رکھتے ہوں، جن کے معاون وہ لوگ بھی بنیں جو جدید نظاموں سے واقف ہیں۔ واضح رہے کہ اصل شریعت ہے جس کے مطابق اداروں کی تشکیل ہونی چاہیے، نہ کہ اداروں کو اصل قرار دے کر شریعت کی پیوند کاری کی جائے۔

اسلامی بینکاری کے سلسلے میں ہم نے تقریباً دو سال سے کام شروع کر رکھا ہے، جس میں پہلے ہم نے علماء اور بینکار حضرات پر مشتمل ایک بڑا سیمینار کیا۔ اس مذاکرے کے دوران جو اہم پہلو اور نکات اجاگر ہوئے، ہم نے ان پر غور و فکر کے لیے ایک گیارہ رکنی کمیٹی بنا دی جس کے اب تک بہت سے اجلاس ہو چکے ہیں۔ اس کمیٹی کے ارکان حسب ذیل ہیں:

- |                            |                            |                         |
|----------------------------|----------------------------|-------------------------|
| ۱- حافظ ذوالفقار علی       | ۲- ڈاکٹر محمد اکرم میاں    | ۳- جناب محمد ایوب صاحب  |
| ۴- ڈاکٹر محمد عزیز البازمی | ۵- حافظ عاطف وحید          | ۶- ڈاکٹر عبدالواحد صاحب |
| ۷- ڈاکٹر حافظ خلیل احمد    | ۸- پروفیسر محمد آصف انصاری | ۹- مفتی محمد افتخار بیگ |
| ۱۰- حافظ ضیاء اللہ برنی    | ۱۱- حافظ عبدالرحمن مدنی    |                         |

ہماری یہ مستقل کمیٹی اپنے اجلاسوں میں دیگر علماء اور معاشی ماہرین کو بھی دعوت دیتی رہتی ہے، اس طرح جو نکات طے ہو جاتے ہیں ان کی رپورٹ تیار ہونے پر کمیٹی آئندہ اجلاس میں بقیہ نکات یا نئے پیش آنے والے اہم سوالات پر غور و فکر کرتی ہے۔ اس طرح مسلسل کام چل رہا ہے Centre of Excellence for Islamic Economics, Finance and Banking قائم کرنے کی تجویز بھی اسی کمیٹی کی تیار کردہ ہے۔

**س:** جدید حلقوں میں مجلس نے جو کام کیے یا اس کے پیش نظر ہیں، ان کا ایک تعارف تو سامنے آ گیا ہے۔ گذشتہ انٹرویو میں آپ نے قرآن مجید کی متنوع قراءات اور مختلف لہجوں کے بارے میں اپنے منصوبے کا ذکر کیا تھا۔ مستشرقین نے قرآن مجید کے ان لہجوں کے حوالے سے عوام کو قرآن سے بدظن کرنے کی بھی بڑی کوششیں کی ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اگرچہ برصغیر میں مروج روایت حفص کے علاوہ امام نافع کی دونوں قراءتیں جو ان کے شاگردوں وراثت اور قالون سے منسوب ہیں، اسی طرح راجح ہیں اور بعض دیگر ممالک سوڈان وغیرہ میں دوری عن ابی عمرو البصری بھی پڑھی جاتی ہیں۔ آپ قراء کے حلقوں کے علاوہ عام دانشوروں اور عوام کو کیسے مطمئن کریں گے؟

**ج:** دنیائے اسلام میں مروج متنوع قراءات اور روایات کی بناء پر بین الاقوامی سطح پر کئی ادارے کام کر رہے ہیں جن میں مجمع المملک فہد (مدینہ منورہ) بھرپور کام کر رہا ہے۔ لیبیا اور مراکش اپنے ہاں راجح قراءتوں پر تو کام کر رہے ہیں لیکن مصر اور سوڈان نے بین الاقوامی سطح پر بھی کافی کام کیا ہے۔ اس لیے وہاں کے عوام متنوع قراءتوں سے مانوس ہیں۔ البتہ برصغیر پاک و ہند جہاں اچھے بھلے پڑھے لکھے بلکہ ایم۔ اے اسلامیات تک بہت سے جدید تعلیم یافتہ سادہ قرآن بھی نہیں پڑھ سکتے۔ وہاں قراءتوں کا تعارف کافی مشکل ہے۔ اگرچہ برصغیر میں قاری حجتی الاسلام پانی پٹی نے متواتر عشرہ قراءات پر مشتمل قرآن شائع کیا تھا، بعد ازاں پاکستان کے مشہور استاد قاری اظہار احمد تھانوی صاحب نے شام کے تیار کردہ دس قراءتوں والے قرآن مجید کو قراءت

اکیڈمی لاہور کے ذریعے چھپوایا تھا جو تجوید و قراءات کے مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اسی طرح پاکستان کی بیشتر یونیورسٹیاں قرآن سے متعلقہ علوم پر جو تحقیقی مقالے تیار کرواتے ہیں ان میں قراءتوں پر بھی کافی کام موجود ہے جس کی ایک فہرست رشد کے قراءات نمبر حصہ دوم میں شائع ہو چکی ہے۔ ہم نے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے آرگن ماہنامہ رشد کے جوتین ضخیم حصے شائع کرنے کا پروگرام بنایا، وہ اسی تعارف کی غرض سے ہے لیکن مستشرقین کے طفیلی منکرین حدیث نے غلط طور پر یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے کہ ہم من گھڑت قرآن مجید چھاپ کر اختلافات پیدا کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارا ایسا کوئی اشاعتی پروگرام نہیں ہے البتہ اس سلسلہ میں دوسرے ملکوں اور ہماری دانش گاہوں میں جو کام ہوا ہے اس کا تعارف ہم نے ضرور کروایا ہے۔ یا بعض بین الاقوامی اداروں سے ہم علمی تعاون کر رہے ہیں جس میں کویت کا بین الاقوامی ادارہ حامل المسک بھی شامل ہے۔ ایسے شبہات کے ازالہ کے لیے 'رشد' کے موجودہ خاص شمارے (حصہ سوم) میں بھی کئی مضامین موجود ہیں۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کی مہمڈ ثانوی (مدرسہ رحمانیہ) نے تجوید و قراءات کا کام ۱۹۷۷ء میں ہی شروع کر دیا تھا جب کلیہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کے موجودہ نگران اعلیٰ قاری محمد یحییٰ رسولگنری مدرسہ رحمانیہ میں تدریس کے لیے تشریف لائے تھے۔ اسی تعلیمی سال کے اختتام پر مدرسہ رحمانیہ بالمقابل قدانی سٹیڈیم (۲۷۰ فیروز پور روڈ لاہور) میں ایک بڑی تقریب منعقد کی گئی تھی جس میں قاری اظہار احمد تھانوی، حافظ نذر احمد (مؤلف درس قرآن) اور پروفیسر عبدالقیوم (سابق سینئر ایڈیٹر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) نیر صغیر پاک و ہند میں قرآنی قراءات اور قرآنی خدمات کا ایک تاریخی جائزہ بھی پیش کیا تھا۔ اس مذاکرے کے آخر میں قاری اظہار احمد تھانوی نے مدرسہ رحمانیہ سے فارغ ہونے والے حضرات کو اسناد بھی تقسیم کی تھیں، جن میں دو فاضل برادران حافظ عبدالغفار گوندل اور ڈاکٹر حافظ عبدالقادر گوندل بھی شامل تھے۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر عبدالقادر گوندل نے حال ہی میں وزیر داخلہ سعودی عرب سمو لأمیر الملکی نائف بن عبدالعزیز آل سعود کے ہاتھوں ایک بڑا اکیڈمک انعام حاصل کیا ہے جو تقریباً ایک کروڑ پاکستانی روپے کے برابر ہے۔

س: مجلس کے تیسرے انسائیکلو پیڈیا کا بھی تہمتہ کے طور پر ذکر کر دیجیے۔

ج: علمی تحقیقات کے لیے لائبریری کی بنیادی حیثیت ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ لاہور شہر میں مجلس کے پاس ایک دینی اور شریعت کے سارے اہم پہلوؤں پر تصنیفات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن دینی رسائل و جرائد میں جو بہت سے علمی مقالے اور تحقیقات وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں وہ دست بردمانہ کی نظر ہو جاتی ہیں۔ جب موسوعہ فضائیہ کے سلسلے میں دنیا بھر کی لائبریریوں سے ہمارے وفود استفادہ کرتے رہے اور اس طرح سافٹ ویئر کا ایک بڑا ذخیرہ بھی مجلس کی لائبریری میں جمع ہو گیا جو بہت کم کسی اور لائبریری میں موجود ہے۔ تو خیال ہوا کہ برصغیر کی گذشتہ ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں جو علمی فکری تحریکیں اور تحقیقی مقالات شائع ہوتے رہے ہیں، ان کو بھی جمع کرنا چاہیے۔

چونکہ ایک بڑی لائبریری ہونے کے ناطے پنجاب یونیورسٹی اور دیگر دانش گاہوں میں ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والے حضرات بھی اکثر ہم سے رجوع کرتے۔ انہیں بہت دفعہ اپنے موضوع کے حوالے سے

مطبوعہ تصنیفات کی بجائے رسائل و جرائد سے بھی استفادہ کرنا پڑتا ہے جس کے بارے میں انہیں علم نہیں ہوتا کہ کون کون سے عنوانات پر اہل علم خامہ فرسائی کر چکے ہیں؟ اسی طرح متعلقہ رسائل و جرائد بھی میسر نہیں آتے۔ ہم نے اول تو یہ کوشش کی کہ ۱۵۰ سال سے نکلنے والے زیادہ سے زیادہ رسائل اپنی لائبریری میں جمع کر لیں ورنہ دوسری لائبریریوں سے مراجعت کر کے ان رسائل کے تمام اشاریے تیار کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاں ماہ و سال کے فلاں شمارے میں اس موضوع سے متعلقہ کچھ لکھا گیا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے تقریباً سات سو رسائل کا اشاریہ تیار کرنے کا منصوبہ ہے۔ جن میں سے تقریباً ۸۰ رسائل و جرائد کی اشاریہ بندی ہو چکی ہے۔

**س:** آپ نے ایک سوال کے جواب میں ابھی ذکر کیا ہے کہ ہم نے دنیا بھر سے اسلامی ورثہ پر مشتمل بہت سے سافٹ ویئر حاصل کئے ہیں۔ کیا مجلس کی کوئی اپنی ویب سائٹ بھی ہے؟ یا سافٹ ویئر کا کام ہو رہا ہے؟

**ج:** مجلس تحقیق اسلامی، ماہنامہ محدث لاہور اور مجلس سے متعلقہ بہت سے حضرات کی اپنی ویب سائٹس موجود ہیں۔ مجلس تحقیق اسلامی کی اپنی ویب سائٹ کا نام (www.KitaboSunnat.com) ہے۔ جو درج ذیل خدمات انجام دے رہی ہے:

- ✽ اردو زبان میں آن لائن اسلامی لٹریچر پر مبنی بہترین اور مستند مواد
- ✽ موضوعاتی انڈیکس کے ساتھ ہر موضوع پر جدید علماء کی تصانیف و مضامین
- ✽ کتب اور مضامین کی فری ڈاؤن لوڈنگ کی سہولت
- ✽ شرعی راہنمائی کے لیے آن لائن فتویٰ کی سہولت (جو کہ مستقبل قریب کا پروجیکٹ ہے)
- ✽ تلاوت قرآن کریم، نظمیں اور تقاریر و دروس پر مبنی آڈیو، ویڈیو سیکشن (جو تعمیلی مراحل میں ہے اور جلد ہی آن لائن کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ)

✽ مختلف آن لائن اسلامک سافٹ ویئر اور آن لائن لائبریری (اس پر بھی کام جاری ہے)

✽ آن لائن ماہنامہ محدث اور ماہنامہ رشد (مکمل شمارے)

**س:** مجلس کے منصوبوں کو جلد مکمل کرنے کیلئے آپ کو کونسی مشکلات حاصل ہیں؟

**ج:** دنیا مسابقت کا میدان ہے، انسان چاہتا ہے کہ بڑے بڑے مقاصد فوراً پورے ہو جائیں لیکن عملی میدان میں اترنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ انسان صرف وہ کام کر سکتا ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر آ جائے۔ ظاہری طور پر انہیں وسائل بھی کہا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے کچھ تحقیقی اور نشریاتی ادارے تو وہ ہیں جن کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے لہذا ان کے پاس تو وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ البتہ تحقیقی کام کو پرائیویٹ طور پر انجام دینے کے لیے نہ صرف عوام کی اخلاقی حمایت کے ساتھ عام زندگی میں پیش آنے والے لٹریچر کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اہل خیر کی بھرپور معاشی سپورٹ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے نشریاتی ادارے علم و تحقیق کی بجائے اپنے تجارتی مقاصد کو بروئے کار لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ یا تو پہلے سے موجود کتب کو نئے سے نئے پرکشش طباعتی معیار سے چھاپنے کا کام کرتے ہیں یا جلیبی ممالک کے مشہور شیونگ کے پمفلٹوں اور تصنیفات کے ترجموں پر ہی اپنا وقت صرف کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ایسے کاموں کے لیے انہی شیونگ

ماہنامہ محدث



کے ذریعے نہ صرف مالی مدد مل جاتی ہے بلکہ ان کے توسط سے اچھے گیٹ اپ سے چھاپی ہوئی مطبوعات کے بڑے آرڈر بھی ملنے لگتے ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح تحقیق کا ذوق رکھنے والوں کی بھی معاشی مشکلات ہوتی ہیں لہذا ان کے لیے بھی آسانی اسی میں رہتی ہے کہ وہ پہلے سے طبع شدہ تفاسیر و احادیث کی کتابوں کے اردو ترجموں کی پرانی زبان کی نوک پلک درست کر دیں۔ اس طرح انہیں بڑا حق خدمت بھی مل جاتا ہے اور ان کی تیار کردہ کتابیں بھی جلد مارکیٹ میں آ جاتی ہیں۔

مجلس تحقیق اسلامی نے تجارتی مفاد سے قطع نظر جو مذکورہ بالا تحقیقی کام شروع کیے ہیں، ان کے لیے اسے مناسب اہلیت رکھنے والے محققین کی شدید ضرورت رہتی ہے، اسی طرح مجلس تحقیق اسلامی نے اصول تفسیر، حدیث اور فقہ پر اساسی لٹریچر مہیا کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ حدیث کی مشہور دو جلدوں پر مشتمل کتاب تدریب الراوی، کا اردو ترجمہ عرصہ سے تیار ہے جس کی مراجعت بھی کئی اہل علم سے کروائی گئی ہے۔ اسی طرح اصول فقہ کی جامع ترین کتاب 'ارشاد الفحول' (شوکانی) کا ترجمہ اصول فقہ کے مختص استاد مولانا زید احمد سے کروایا گیا جو اب نظر ثانی اور حواشی کے اضافے کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ بہت سے دیگر چھوٹے موٹے کام بھی تیار ہیں جو کسی اشاعتی اور تقسیم کرنے والے ادارے کے تعاون سے ضرورت مندوں تک پہنچ سکتے ہیں۔

س: مجلس کے حالیہ رفقاء کو آپ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ کیا وہ آپ کے خوابوں کی تعبیر بن سکتے ہیں؟

ج:

﴿

نہیں مایوس اقبال اپنی کشت ویراں سے  
ذرا نرم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

میں دینی مدارس بالخصوص جہاں ساتھ ساتھ دنیاوی علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں (جیسے ہماری درسگاہ ہے) اس سے فارغ ہونے والے نوجوانوں کو بڑا قیمتی سمجھتا ہوں۔ لیکن جن مشکلات کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، جب تک وہ نہ پوری ہوں، اس وقت تک ایسے نوجوانوں کو تادیر مطمئن نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ اس عمر میں والدین کی بھی توقع ہوتی ہے کہ نوجوان بیٹا ہمارا سہارا بنے اور نیا گھر بسانے کی آرزو بھی ہوتی ہے اس لیے جب تک کوئی ادارہ ایسے نوجوانوں کو خاطر خواہ معاشی کفالت دے کر انہیں مطمئن نہ کر دے وہ اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ میری ہر دم یہی کوشش ہے کہ میں اپنی معنوی اولاد کو ایسے سازگار حالات مہیا کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ ہماری دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرے اور ہماری آخرت بھی بہتر بنا دے۔ آمین

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار [البقرة: ۲۰۱]

\* ————— \*

## انٹرویو قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ علم القراءات کو نمایاں طور پر متعارف کروانے والی وہ نامور شخصیت ہیں کہ ان کی جھوڑییب سے اب یہ علم پاکستان کے تمام حلقہ ہائے فکر میں بالعموم اور جماعت اہل حدیث میں بالخصوص زندہ ہو گیا ہے۔ آپ کلیۃ القرآن الکریم، مدینہ یونیورسٹی کے نمایاں فضلا میں سے ہیں۔ کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ کے بانی و مؤسس ہیں جن کے اخلاص اور محنت شاقہ کے نتیجہ میں جامعہ لاہور الاسلامیہ تجوید و قراءات کے فروغ میں آج انتہائی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ آپ کی زندگی ایک جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ آپ ۱۹۹۲ء میں کلیۃ القرآن کے افتتاح کے بعد مسلسل درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں۔ ماورادارہ کلیۃ القرآن اور اس سے پھوٹنے والے دیگر تمام کلیات القرآن الکریم کے سینکڑوں فضلا کی تمام تر عملی جدوجہد حقیقی معنوں میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہے۔

آپ کی شخصیت کے مذکورہ اوصاف کی نسبت سے رُشد قراءات نمبر کی حالیہ اشاعت میں ہم آپ کا انٹرویو شائع کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ کسی رسالے میں شائع ہونے والا آپ کا یہ پہلا انٹرویو ہے جو آپ کی شخصیت کی تمام جہتوں سے متعارف کرانے کے اعتبار سے انتہائی جامع ہے۔ انٹرویو پینٹل میں آپ کے شاگرد قاری فہد اللہ مراد (فاضل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور اور بیٹے قاری عثمان مدنی (فاضل کلیۃ القرآن والتربیۃ الاسلامیۃ) شامل ہیں [ادارہ]

**رُشد:** اپنا تفصیلی تعارف کرائیں؟

**قاری صاحب:** میرا نام محمد ابراہیم بن حافظ محمد عبداللہ ہے، میری رجسٹرڈ تاریخ پیدائش یکم فروری ۱۹۶۰ء ضلع قصور کے معروف گاؤں میر محمد کی ہے۔ رجسٹرڈ کا اضافہ اس لیے کیا ہے کہ میرے بڑے بھائی جناب مسعود احمد صاحب نے بعد ازاں مجھے بتایا کہ میرے اندازے کے مطابق آپ کی اصل تاریخ پیدائش ۱۹۵۸ء ہے۔ ہمارا گاؤں میر محمد اس اعتبار سے ایک امتیازی حیثیت کا حامل ہے کہ ضلع قصور میں شاید سب سے پہلے کسی جگہ باقاعدہ مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے تو وہ ہمارا گاؤں ہے۔

آج سے تقریباً ایک صدی قبل ۱۹۰۵ء ولی کامل حافظ محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ (حافظ محمد یحییٰ عزیز رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی) نے اپنے مجلس ساتھیوں حاجی عبدالواحد، حاجی امام بخش المعروف خالد مجاہد، صوفی عبداللہ، مولوی نیک محمد ستوکی، حافظ عیسیٰ کوٹلی رائے ابوبکر، حاجی محمد یعقوب، حاجی حسن محمد (میرے دادا جان) اور دیگر مایہ ناز علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ اس مدرسہ میں مسند تدریس کو رونق بخشی۔ ان میں قاری عزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی مولانا عبدالرحمن، مولانا حافظ محمد جھٹولی اور مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ نے اس پورے علاقے کو فیض یاب کیا۔ ان کے نامور شاگردوں میں مولانا علی محمد سعیدی، مولانا محمد یوسف راؤ خانوالا، مولانا محمد شفیع گھٹلن، ہٹھاڑ اور جماعت المجاہدین کی نشانی

مولانا محمد دین مجاہد شامل تھے۔

**رُشد:** اپنی ابتدائی تعلیم کے متعلق بتائیں؟

**قاری صاحب:** میں نے اپنے دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت قدرے تاخیر سے پڑھائی کا آغاز کیا۔ تقریباً چھ سال کی عمر میں، میں نے اپنی باقاعدہ تعلیم کا آغاز والدِ گرامی حافظ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کیا۔ والدِ گرامی کا یہ معمول تھا کہ وہ ابتدائی قاعدہ، جو ان دنوں یسرنا القرآن ہوا کرتا تھا، خود پڑھاتے اور اس کے بعد ایک پارہ ناظرہ پڑھاتے، آپ اس قدر محنت سے پڑھایا کرتے تھے کہ اس کے بعد بچہ باآسانی ناظرہ قرآن کریم پڑھ جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح مجھے بھی یسرنا القرآن اور تقریباً ایک پارہ والدِ محترم نے پڑھایا اور باقی قرآن کریم ناظرہ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو سنایا۔

**رُشد:** کیا آپ نے سکول کی تعلیم سے ابتدا نہیں کی حالانکہ ہمارے ہاں عموماً پہلے سکول ہی سے ابتدا ہوتی ہے؟

**قاری صاحب:** چند ایام کیلئے سکول گیا تھا لیکن والدِ محترم نے سکول سے ہٹا کر حفظ پر لگا دیا۔ اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔ ہوا یوں کہ والدِ محترم نے بڑے دنوں بھائیوں محترم محمود احمد اور مسعود احمد کو سکول میں داخل کروایا، سکول پڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ باقی وقت حفظ کیا کرتے تھے۔ پرائمری تک تو یوں ہی چلتا رہا اور انہوں نے تقریباً پانچ چھ پارے حفظ بھی کر لیے، لیکن پرائمری کے بعد ہائی سکول ہمارے گاؤں میں نہیں تھا لہذا انہیں پڑھنے کے لیے ہمارے گاؤں سے دور جانا پڑتا جس کی وجہ سے سکول کے ساتھ ساتھ حفظ کرنا خاصا مشکل کام ہو گیا تھا اس وجہ سے انہوں نے حفظ ترک کر دیا اور سکول کی تعلیم جاری رکھی اور میٹرک کے بعد وہ سکول ٹیچر بھرتی ہو گئے۔ والد محترم کو اس کا بڑا دکھ تھا کہ وہ عالم دین نہیں بن سکے اس لیے انہوں نے مجھے چند ہی دنوں بعد سکول سے ہٹا لیا۔

**رُشد:** آپ نے حفظ کب شروع کیا اور آپ کے اُستاد کون تھے؟

**قاری صاحب:** میں نے ۱۹۶۷ء میں تقریباً آٹھ سال کی عمر میں اپنے ہی گاؤں میر محمد میں مدرسہ محمدیہ (المعروف کھجور والی مسجد) میں محترم قاری صدیق الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حفظ شروع کیا۔

**رُشد:** آپ نے قاری صدیق الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو بطور اُستاد کیسا پایا؟

**قاری صاحب:** قاری صدیق الحسن رحمۃ اللہ علیہ ایک انتہائی مشفق اور بہترین منتظم اُستاد تھے۔ میں نے شعبہ حفظ میں ان جیسا اُستاد آج تک نہیں دیکھا۔ یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ ان میں چند خصوصیات ایسی تھیں جو ان کو سب سے ممتاز رکھتی ہیں۔

① مثلاً ہماری کلاس میں تقریباً ۶۰، ۷۰ طلباء تھے آپ ہر ایک طالب علم پر یکساں نظر رکھتے تھے اور انتہائی باریک بینی سے اس کی عادات اطوار کا جائزہ لیتے اور مناسب محل پر اس کی اصلاح بھی فرماتے۔

② طلباء کے سبق، سبقی اور منزل کا بہت اہتمام کرتے مثلاً اگر کسی لڑکے نے صبح سبق یا سبقی نہیں سنایا تو دوپہر میں اس کی چھٹی بند کر دیتے تا وقتیکہ وہ سبق یا سبقی یاد نہ کر لے ایسے ہی کوئی طالب علم منزل نہ سنا پاتا تو عصر کے بعد جب خود چہل قدمی کیلئے نکلنے تو اُسے بھی ساتھ لے لیتے۔ سیر بھی ہو رہی ہے اور ساتھ ساتھ اس کی منزل بھی سنی جا رہی ہے۔

۳) طلباء کی نگرانی اس قدر سختی سے کرتے تھے کہ خود کہیں چلے بھی جاتے تو کلاس اس طرح منہمک ہو کر پڑھتی جیسے خود تشریف فرما ہوں، اس کیلئے ان کا طریقہ کاریہ تھا کہ کسی کام کی غرض سے کہیں جانا ہوتا تو کہہ کر چلے جاتے کہ وہاں جا رہا ہوں، لیکن اچانک پروگرام منسوخ کر دیتے اور کلاس میں آ کر بیٹھ جاتے۔ اس سے طلباء کا تاثر یہ ہوتا کہ قاری صاحب کسی بھی وقت آسکتے ہیں لہذا کھیل کود میں وقت ضائع نہیں کرنا۔

۴) جب کسی طالب کو اس کی غلطی پر سزا دیتے تو فوراً اس کی مختلف طریقوں سے دلجوئی فرماتے، اس کی خدمت کرتے، کھلاتے پلاتے تاکہ اس کے دل میں اُستاد کے خلاف نفرت نہ پیدا ہونے پائے۔

۵) اسی طرح جب کوئی طالب علم درمیان میں ہی پڑھائی چھوڑ کر چلا جاتا تو اس کے پیچھے گھر جاتے اس کو اور اس کے والدین کو سمجھاتے بچھاتے یہاں تک کہ وہ طالب علم خود اور اس کے والدین دوبارہ پڑھائی پر آمادہ ہو جاتے۔

۵) طلباء کی منزلتیں یاد کروانے کا بھی ان کا ایک نرالا انداز تھا، کہ حفاظ کو تہجد کے وقت اٹھا لیتے اور مسجد کی چھت پر ان سے نوافل میں قرآن پڑھنے کا کہتے اور ساتھ ساتھ خود سماعت فرماتے۔ مجھے وہ دن یاد ہیں کہ جب طلباء رات کے پچھلے پہر اس خاموش فضاء کو تلاوت قرآن سے معطر کرتے تھے۔

۷) قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض مواقع پر طلباء سے خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے جس سے ماحول بوجھل نہیں ہوتا تھا۔

۸) جن طلباء کو اللہ رب العزت نے خوش آوازی سے نواز رکھا تھا ان کیلئے خاص اہتمام اس طرح کرتے کہ ان کو باقاعدہ مشق کرواتے غنہ وغیرہ پر نشان لگا کر دیتے اور ان سے باقاعدہ امامت کرواتے تاکہ جھجک ختم ہو اور پڑھنے کا سلیقہ آئے، مجھے بھی دورانِ حفظ کئی مرتبہ نماز کروانے کا موقع دیا گیا۔

۹) ان کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے شاگردوں کو عزت و احترام سے نوازتے۔ ان کی اعلیٰ ظرفی کا ایک واقعہ ہے کہ جب عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کیلئے گئے تو میرے پاس تشریف لائے (میں اس وقت جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں پڑھ رہا تھا۔) میں نے عرض کیا حضرت میں آپ کے سر پر تیل لگا دیتا ہوں، تو فرمانے لگے: شرمندہ نہ کرو، میں نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو اجازت مرحمت فرمادی جب میں فارغ ہوا تو فرمانے لگے آؤ بھئی اب میں آپ کے سر پر تیل لگاتا ہوں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

یقیناً ہمارے سلف ایسی ہی صفات کے مالک تھے۔ اس پر قاری صاحب نے امام نافع رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جہاز رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی سنایا۔ فرماتے ہیں۔ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن جہاز رحمۃ اللہ علیہ دونوں امام ابو جعفر زید بن قعقاع رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پڑھا کرتے تھے۔ بعد میں جب باری تعالیٰ نے امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ منورہ میں مسند امامت پر فائز فرمایا تو امام ابن جہاز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان پر دوبارہ قراءت کرنے کا ارادہ فرمایا تو جب امام ابن جہاز رحمۃ اللہ علیہ ان سے پڑھنے ان کے حلقہ درس میں تشریف لاتے تو سیدنا نافع اپنی مسند سے اٹھتے اور آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتے اور ان کو اپنے ساتھ اپنی مسند پر بٹھاتے۔

اس کے بعد قاری صاحب نے انتہائی تاسف سے فرمایا: کہ آج ہم اپنے اساتذہ خصوصاً حفظ کے اساتذہ میں طلباء کے بارے میں اس قدر خیر خواہی کا جذبہ نہیں پاتے ہمیں چاہئے کہ سبیل قرآن کے ان روشن بیناروں کو اپنے لیے راہنما قرار دے کر ان کے نقش پا کی پیروی کریں تاکہ ہماری تختیوں بھی شمر آور ثابت ہوں اور نور قرآن ہماری کوششوں

سے گھر گھر میں روشنی بکھیرے۔

**رُشد:** دورانِ حفظ کن احباب کی رفاقت آپ کو میسر رہی؟

**قاری صاحب:** میرے حفظ کے ساتھیوں میں سے حافظ محمد شریف صاحب مدیر مرکز التریبۃ الاسلامیہ فیصل آباد، مولانا

حافظ عبدالغفار روپڑی مدیر جامع قدس لاہور اور قاری محمد صادق رحمانی صاحب کلگن پوری شامل ہیں۔

**رُشد:** آپ کی تکمیلِ حفظ کب ہوئی اور ان ایام میں پڑھائی کے علاوہ آپ کن مشاغل کو پسند کرتے تھے؟

**قاری صاحب:** میں ۱۹۷۱ء میں منزل یاد کر کے حفظ سے فارغ ہو گیا تھا۔ باقی رہی پڑھائی کے علاوہ مشاغل کی بات تو

میں گھر سے باہر مشاغل میں دیگر بچوں کی طرح شرکت نہیں کرتا تھا۔ فارغ اوقات میں گھر کے اندر ہی بعض

مشاغل میں منہمک رہتا تھا اور والدین زبردستی مجھے گھر سے باہر جانے کو کہتے تھے، ان میں بعض اوقات میں

گڑیاؤں کے ساتھ بھی کھیلا کرتا تھا لیکن میرا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ یہ تھا کہ کوئی بھی خوبصورت چیز دیکھی تو

اس کا آرٹیفیشل نمونہ تیار کرنا جن میں جو چیزیں ابھی بھی مجھے یاد ہیں وہ یہ ہیں: ان دنوں گھروں میں بیڈوں کا

رواج نہ تھا بلکہ ایک بڑی چارپائی کو ٹیک لگا کر شادی بیاہ کے موقع پر جہیز میں دیا جاتا تھا جسے پلنگ کا نام دیا جاتا

تھا ایسا ہی ایک پلنگ میرے دیکھنے میں آیا جس کی ٹیک میں بہت خوبصورت نقش و نگار تھے جن میں شیشہ کاری کی

ہوئی تھی میں نے اُسے دیکھا تو اُس جیسا کانوں کا خوبصورت ٹیک والا پلنگ تیار کر لیا، ایسے ہی میں نے ایک

مرتبہ مٹی کی مسجد بھی بنائی تھی، ایک مرتبہ تو یوں ہوا کہ ہمارے گاؤں میں ایک بہت خوبصورت گھر تعمیر ہوا تو میں

نے اس جیسا مٹی کا گھر تیار کر دیا جسے بعد ازاں گھر آ کر انہی راج گیروں نے دیکھا اور بہت خوش ہوئے، بعض

نے یہ بھی کہا کہ اس کی بنی ہوئی چیزوں کو صنعتی نمائش میں پیش کیا جائے تو کافی انعام کا حقدار ٹھہر سکتا ہے۔

**رُشد:** حفظ کے بعد آپ نے کیا کیا؟

**قاری صاحب:** حفظ کے بعد میں نے اپنے گاؤں ہی کے مدرسہ محمدیہ میں مولانا حبیب اللہ لکھوی کے پاس کتابیں

پڑھنا شروع کر دیں ایک سال تک وہاں پڑھا جس میں عربی کا آسان قاعدہ اور نحو میر وغیرہ شامل تھیں۔ ان

دنوں جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کی بہت شہرت تھی۔ لہذا ہم تمام ساتھیوں نے وہاں جانے کا پروگرام بنا لیا۔ میرے

والدین بھی اس پر راضی ہو گئے، لیکن جب ماموں جان حافظ یحییٰ صاحب کو علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ چونکہ

ہمارے بالکل قریب راجہ جنگ میں مدرسہ کا آغاز ہو چکا ہے اس لیے بجائے گوجرانوالہ کے آپ کو یہاں پڑھنا

چاہیے۔ بہر حال ہم نے وہاں داخلہ لے لیا اور ایک سال تک حافظ عبدالرشید اظہر اور مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمۃ اللہ علیہما

سے کتب پڑھیں۔

**رُشد:** آپ کو تجوید کا شوق کیسے ہوا اور کب پڑھنا شروع کیا؟

**قاری صاحب:** مجھے خود کو تو تجوید پڑھنے کا کوئی شوق نہ تھا البتہ والد محترم کا شوق تھا کہ مجھے قاری بنائیں۔ ہوا یوں کہ

ہمارے گاؤں میں ایک مرتبہ قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو والد محترم کو پتہ چلا تو مجھے بھی ساتھ

لے کر قاری صاحب کی تلاوت سننے گئے واپسی پر میں ان کے ساتھ ہی تھا تو فرمانے لگے ”میں نے آپدے پُتر

نوں قاری بنانا اے“ (میں نے اپنے بیٹے کو قاری بنانا ہے) میں نے جواباً کہا ”میں تے کوئی نی بننا“ (میں نے تو

نہیں بننا) مجھے آج تک وہ جگہ بھی یاد ہے جہاں والد صاحب نے یہ جملہ کہے تھے) والد محترم نے اپنے اسی شوق کی بنا پر مجھے ایک سال راجہ جنگ پڑھانے کے بعد تجوید پڑھانے کا ارادہ کر لیا اور مجھے قاری صدیق الحسن صاحب کے ہمراہ لاہور میں جامع مسجد لسوڑیوالی میں محترم قاری محمد یحییٰ رسولنگری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھیج دیا۔

**ترشد:** یہ کن دنوں کی بات ہے؟ کیا یہاں آنے کے بعد بھی آپ کے شوق کی وہی حالت رہی؟

**قاری صاحب:** یہ ۱۹۷۴ء کی بات ہے جب میں یہاں داخل ہوا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی قاری یحییٰ صاحب رسولنگری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہو اور اس میں تجوید و قراءات پڑھنے کا شوق پیدا نہ ہو۔

ہوایوں کہ داخلے کے بعد میری رہائش محترم قاری عزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تھی (جو کہ رشتے میں میرے ماموں لگتے ہیں)، وہاں سے صبح روزانہ ان کے ساتھ مسجد لسوڑیوالی جاتا۔ (ان دنوں قاری عزیز صاحب مسجد لسوڑیوالی میں تجوید کے طلباء کو کتب کے چند اسباق پڑھایا کرتے تھے) اور شام کو واپس مسجد رحمانیہ پونچھ روڈ پر ان کے ساتھ ہی آ جاتا۔ اور شام کے بعد قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مشق کرنے کیلئے جایا کرتا۔

**ترشد:** آپ نے تجوید میں کون کون سے اسباق پڑھے ہیں؟

**قاری صاحب:** حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے تجوید میں مفتاح التجوید، تحفۃ الاطفال، فوائد مکبہ اور مقدمہ الجزریہ پڑھی ہیں۔ اس کے علاوہ حدیثی قاری صاحب کو سنایا اور مشق بھی قاری صاحب سے ہی کیا کرتا۔

**ترشد:** آپ نے قاری محمد یحییٰ رسولنگری رحمۃ اللہ علیہ کو بطور استاد کیسا پایا ہے؟

**قاری صاحب:** حضرت قاری صاحب کا پڑھانے کا اپنا ہی اسلوب تھا:

① خصوصاً حدیث اور مشق میں طلباء کو طرزوں سے منع کرتے، زیادہ سے زیادہ تلفظ اور آد پر توجہ دیتے، اگر کوئی طالب علم کسی معیوب طرز آداء پر تلاوت کرتا تو سختی سے منع فرماتے۔ ایک دفعہ میرے ساتھ بھی ایسا ہوا کہ میں نے کسی سے پانی پتی لہجہ سن لیا اور انہیں اس کے مطابق ہی حدیث سننے لگ گیا جس پر شیخ محترم نے مجھے سخت سرزنش کی۔

② آپ ہمیشہ تحقیق کا التزام کرواتے تھے اور یہی سلف و صالحین کا انداز تلاوت تھا۔ حتیٰ کہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق سے پڑھنے کی سند کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ذکر کیا۔ (اس پر قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کی سند بھی سنائی۔)

③ اس کے علاوہ حضرت قاری صاحب کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کے ساتھ آپ والہانہ لگاؤ ہے جب بھی کسی طالب علم یا استاد سے ملاقات ہوتی ہے تو اس سے قرآن ضرور سنتے ہیں۔ اور اچھا پڑھنے والے کی ہر جگہ، محافل ہوں یا نجی مجالس، حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

④ حضرت کا ہمیشہ تلامذہ سے ایک خاص لگاؤ رہا ہے آج بھی طلباء کا ایک جم غفیر آپ کے ارد گرد رہتا ہے اور طلبا آپ کو دیکھ کر اس طرح لپکتے ہیں جیسے اپنے شفیق باپ کو دیکھتے ہی بچے اس سے چمٹ جاتے ہیں۔

⑤ نیز آپ نے طلباء پر خرچ کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا، جن دنوں میں آپ کے ہاں پڑھتا تھا آپ اپنی منخواہ طلباء پر خرچ فرمادیتے تھے۔

⑥ اس کے علاوہ طلباء کے چال چلن اور نظافت و پاکیزگی پر بھی خصوصی نظر رکھتے تھے کبھی طلبا نہا کر نکل رہے ہوتے



تو صابن چیک کرتے کہ آیا نہانے کے بعد صابن صاف بھی کیا ہے یا نہیں۔

② نیز بیت الحلاء، وضو خانے اور مسجد کی صفائی کا بھی خاص خیال رکھتے۔ بعض اوقات خود بھی ان کی صفائی فرما دیتے اور کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

**رشد:** آپ کا حضرت قاری یحییٰ صاحب سے دوران طالب علمی تعلق کیسا تھا؟

**قاری صاحب:** اُستادِ محترم ﷺ مجھ پر بہت زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے اور مجھے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔

① میری آداء کا، جو تجوید میں بنیادی چیز ہے، خصوصی خیال رکھتے اور مجھے بالکل طرزوں میں نہیں پڑھنے دیتے تھے، فرماتے تھے زیادہ تر آداء پر توجہ دو زندگی بھر طرزیں بنتی رہیں گی۔

② اسی خاص تعلق کی وجہ سے مجھے آپ نے حضرت قاری اظہار احمد تھانوی ﷺ سے بھی نائم لے کر دیا۔ میں مسلسل بعد نماز مغرب اُن سے مشق کرتا رہا۔

③ قاری یحییٰ صاحب مدظلہ کے ہاں بہت نایاب تلاوتیں ہوا کرتی تھیں۔ آپ نے اپنی ساری کیٹیں اور ٹیپ ریکارڈ میرے حوالے کر دیا کہ میں ان تلاوتوں کو سنا بھی کروں اور ان کی حفاظت بھی کیا کروں لہذا میں بطریق احسن ذمہ داری انجام دیتا رہا اور میں کوشش کرتا تھا کہ جو بھی تلاوت ملے وہ ریکارڈ کر لوں لیکن ان دنوں ٹیپ ریکارڈ کی سہولت میسر نہ تھی مجھے جو جب خرچ ملتا تھا اُس سے کیٹیں خرید لیتا پھر جب کبھی محترم ماموں جان قاری عزیز صاحب، قاری یحییٰ صاحب سے کوئی تلاوت منگواتے تو ساتھ ٹیپ ریکارڈ بھی منگوا دیتے تھے۔

چونکہ لانے اور لے جانے کی ذمہ داری میری ہوتی تھی اس لیے رات کو میں مسجد رحمانیہ پونچھ روڈ سے ایک اور کیسٹ کا انتظام کر کے ریکارڈ کر لیتا۔ مجھے ایک روز محترم ماموں قاری عزیز صاحب نے بتایا کہ سید ریاض الحسن نوری صاحب کے ہاں کچھ تلاوتیں موجود ہیں جو کہ اسٹیشن کے قریب رہتے ہیں۔ چھٹی کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ ہوا یوں کہ اس روز لائٹ بہت زیادہ جاتی رہی جس سے مجھے خاصا انتظار کرنا پڑتا، بالآخر میں تلاوت ریکارڈ کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن جب میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ عشاء کی نماز کو گزرے کافی وقت ہو چکا ہے آخر کار میں رات کے اندھیرے میں اٹھا مجھے اسٹیشن سے پیدل پونچھ روڈ آنا تھا۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا اور پھر میرے پاس حضرت قاری صاحب کا ٹیپ ریکارڈ بھی تھا لیکن بہر حال مال روڈ وغیرہ پر ہلکی پھلکی ٹریفک اور سٹریٹ لائٹس کی روشنی میں بھاگتا آیا لیکن جب پونچھ روڈ پر پہنچا تو وہاں تو بالکل گھپ اندھیرا تھا کسی طرف کوئی فردو بشر نظر نہیں آ رہا تھا بہر حال میں دل تھام کر پونچھ روڈ پر چلنے لگا اور آخر کار ڈیڑھ گھنٹے کا پیدل سفر کر کے اللہ کر کے مسجد رحمانیہ پونچھ روڈ پہنچا۔

④ اس کے علاوہ مجھ سے اللہ رب العزت نے خدمت قرآن کے سلسلے میں کچھ کام لیا ہے تو اس میں محترم قاری صاحب (کا ان چند آساتذہ میں شمار ہے جن) کی دعاؤں کا بہت زیادہ اثر ہے۔ دورانِ تعلیم آپ اکثر مجھے یہ دُعا دیا کرتے تھے ”میرے ہر دم سے دعا ہے اللہ رکھے تجھے سلامت“

⑤ بعض اوقات جب حضرت قاری اظہار اللہ ﷺ کی زیارت کیلئے جاتے تو مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ ایک دفعہ حضرت قاری صاحب قراءات کے طلباء کو مشق کروا رہے تھے تو آخر میں قاری یحییٰ صاحب کے کہنے پر مجھے بھی

قاری صاحب نے روایت کسائی میں سورۃ القیامۃ کی مشق کروائی۔

⑤ ایک روز آپ اپنے کمرے میں محو مطالعہ تھے کہ آپ کی نظر سے عربی کا ایک شعر گزرا، پیغام بھجوا کر مجھے بلا یا اور فرمانے لگے، ابراہیم! لکھ لو اور ہمیشہ اس پر عمل کی کوشش کرنا، وہ شعر یہ ہے:۔

لقاء الناس ليس يفيد شيئاً سوا الهديان من قيل وقال  
فأقلل من لقاء الناس إلا لأخذ العلم أو إصلاح حال

لیکن آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ آساتذہ میں پڑھانے کا وہ ذوق نہیں ہے جو ہمارے شیوخ میں تھا۔

**رُشد:** تجوید میں آپ کے ساتھ کون کون سے ساتھی پڑھتے تھے؟

**قاری صاحب:** میرے تجوید کے ساتھیوں میں، قاری محمد حنیف بھٹی صاحب، قاری محمد صابر رحمۃ اللہ علیہ، قاری شریف صاحب، قاری محمد اسحاق صاحب میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

**رُشد:** تجوید مکمل کرنے کے بعد آپ نے مزید تعلیم کے لیے کیا لائحہ عمل طے کیا؟

**قاری صاحب:** تجوید کے بعد میرا ارادہ آگے قراءت پڑھنے کا ہی تھا، کیونکہ دوران تجوید میرا قرآن کریم سے ایک خاص لگاؤ ہو گیا تھا، اس لیے میں اسی فن کو پڑھنے کا مشتاق تھا حتیٰ کہ میں نے حضرت قاری صاحب کو روایت شعبہ میں سنانا بھی شروع کر دیا۔ لیکن ماموں جان قاری عزیز صاحب نے فرمایا کہ قراءت پڑھنے کیلئے ایک حد تک گرائمر کی سمجھ بوجھ ضروری ہے لہذا آپ کتب پڑھیں بعد میں قراءت پڑھیں گے۔ جس پر حضرت قاری صاحب مجھے اور قاری حنیف بھٹی صاحب کو جامعہ سلفیہ داخل کرا آئے۔

**رُشد:** جامعہ سلفیہ میں آپ نے کون سی کلاس میں داخلہ لیا اور کتنے سال تک وہاں پڑھا؟

**قاری صاحب:** میں نے پہلے بھی ایک سال میر محمد میں اور ایک سال راجہ جنگ میں ابتدائی کتا میں پڑھی تھیں۔ اس کے بعد تجوید کے ساتھ بھی کچھ اسباق حضرت قاری عزیز صاحب سے پڑھ چکا تھا اس لیے مجھے قاری صاحب نے تیسری کلاس میں داخل کرا دیا۔ یہاں ہم نے ایک سال تک پڑھا، لیکن ہوا یہ کہ سال کے آخر میں جامعہ سلفیہ کے حالات کچھ کشیدہ ہو گئے جس پر حضرت حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب اور چند دیگر آساتذہ نے جامعہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ ہمیں چونکہ حافظ صاحب سے پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن حافظ صاحب جامعہ میں چونکہ آخری سالوں کے طلباء کو پڑھاتے تھے اس لیے ہم نے بھی حافظ صاحب کے ساتھ آنے کا فیصلہ کیا کہ وہاں حافظ صاحب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔ بہر حال ہم نے بساط لپیٹی اور جامعہ اسلامیہ منزل مسجد لاہور کے لیے عازم سفر ہوئے۔ یہاں چوتھے سال میں حافظ صاحب سے مشکوٰۃ شریف اور دیگر کتب پڑھیں۔

ہوایوں کہ سال کے آخر میں دارالافتاء سعودیہ نے آپ کو دوبارہ جامعہ سلفیہ جانے کیلئے کہا جس پر حافظ صاحب کو وہاں جانا پڑا۔ لہذا میں اور قاری حنیف صاحب بھٹی واپس سلفیہ چلے گئے اور باقی ساتھی وہیں رہے۔

**رُشد:** آپ کے ساتھ کون کون سے ساتھی جامعہ سلفیہ چھوڑ کر آئے تھے؟

**قاری صاحب:** ان میں حافظ عبدالرؤف، عبدالرحمان شارجہ والے، مولانا سید یحییٰ شارجہ والے، مولانا قاری محمد حنیف بھٹی، مولانا محمد مبشر مدنی، مولانا سید عبدالرحمان شاہ صاحب کوئٹہ والے اور مولانا عبدالقدیر صاحب (یہ قاری





عبدالحمید صاحب فیصل آبادی کے چھوٹے بھائی تھے۔)

**رُشد:** جامعہ سلفیہ میں آپ نے کتنے سال تعلیم حاصل کی اور مدینہ یونیورسٹی کب گئے؟

**قاری صاحب:** میں نے جامعہ سلفیہ میں چھٹے سال تک پڑھا ہے اور ساتویں سال میں میرا مدینہ نبویہ داخلہ ہو گیا۔ یہ ۱۹۷۹ء کی بات ہے اگرچہ داخلہ کیلئے میں نے اور دیگر ساتھیوں نے تیسرے سال کے بعد بھی کاغذات بھجوائے تھے اس وقت صرف مولانا سید عبدالرحمان شاہ صاحب کا داخلہ ہوا دیگر ساتھی اس سال نہیں جاسکے۔ بعد ازاں پھر جامعہ سلفیہ کی ثانویہ کی سند (ثانویہ چھ سال میں مکمل ہوتا تھا) کی بنیاد پر داخلہ ہوا۔

**رُشد:** جامعہ سلفیہ میں آپ کی تعلیمی پوزیشن کیسی تھی؟

**قاری صاحب:** میری تعلیم میں ایک چیز کی مجھے ہمیشہ کمی محسوس ہوئی ہے وہ یہ کہ میں سکول نہ جانے کی وجہ سے بنیادی املا کی صلاحیت سے محروم تھا اگرچہ میں نے لکھ لکھ کر اس کی کمی تو کافی حد تک دور کر لی تھی، لیکن بہر حال یہ مسئلہ ہمیشہ میرے سامنے رہا ہے اس کی وجہ سے میرے امتحانات پر خاصا اثر پڑا لیکن پھر بھی بجز اللہ رزق بہت اچھا رہا ہے، میں نے ہمیشہ ۸۰ فیصد سے زیادہ ہی نمبر لیے ہیں۔

اس کے ساتھ جو شے میرے لیے ہمیشہ تکلیف کا سبب رہی ہے وہ یہ کہ اساتذہ کلاس میں انہی طلباء پر زیادہ توجہ دیتے ہیں جو بہت زیادہ ذہین ہوں اور جنہیں گرانٹری کی سوجھ بوجھ ہو، زیادہ تر عبارت بھی انہیں سے پڑھوائی جاتی ہے۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ درمیانی سطح کے طلباء دن بدن پیچھے رہتے چلے جاتے ہیں اور ان کا انحصار اپنی ذات کی بجائے ذہین طلباء پر ہو جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ اوّل یوں ہی ہوا کہ ہماری کلاس میں حافظ عبدالرؤف صاحب اور سیدی بیکٹی صاحب قابل ساتھی تھے۔ لیکن جب ہم لاہور آگئے تو جو دیگر طلباء تھے انہیں بھی محنت کا موقع ملا۔ پھر جب میں اور قاری حنیف بھٹی صاحب دوبارہ واپس گئے تو وہ جمیع طلباء ماشاء اللہ اچھے اور معیاری طلباء بن چکے تھے۔ بہر حال ہم نے بھی ہمت باندھی اور گاہے گاہے طلباء کی صف اوّل میں شامل ہوئے۔ آخر کار الحمد للہ چھٹے سال میں جب ابوداؤد پڑھنے کا وقت آیا تو اکثر عبارت میں نے ہی پڑھی ہے اس کے بعد میرا مدینہ یونیورسٹی داخلہ ہو گیا۔ واللہ الحمد!

**رُشد:** جامعہ سلفیہ میں آپ کو کن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کا موقع میسر آیا؟

**قاری صاحب:** جامعہ سلفیہ میں بہت ہی گرامی قدر علماء سے پڑھنے کا موقع ملا ہے جن میں شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق کرپالوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ چھتوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا قدرت اللہ فوق رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالستار احسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا علی محمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالسلام کیلانی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

**رُشد:** جامعہ سلفیہ پڑھتے ہوئے آپ کا خصوصی لگاؤ کن علوم کی طرف تھا؟

**قاری صاحب:** دورانِ تعلیم میرا لگاؤ کسی خاص فن میں زیادہ نمایاں نہیں تھا البتہ حافظ عبدالرشید آلظہر نے مجھے کلیتہً الشریعہ میں داخلہ لینے کے بارے میں کہا (کیونکہ انہوں نے فقہ کے بارے میں کچھ ذہنی آہنگی محسوس کی تھی) لیکن کیونکہ میں ابتداء ہی سے تجوید پڑھتے وقت یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ مجھے قراءت پڑھنی ہیں اور مزید حضرت قاری بیکٹی صاحب نے بھی یہ ترغیب دی بلکہ حکم کی حد تک کہا کہ آپ کلیتہً القرآن میں داخلہ لیں۔ جس کی وجہ

سے میری نظر انتخاب کلیۃ القرآن پر ہی جا کر ٹھہری۔

**ترشد:** مدینہ یونیورسٹی جانے کے بعد بھی کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

**قاری صاحب:** ابتداء میں مجھے دو چیزوں میں خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں ایک یہ ہے کہ مجھے ثانویہ کے آخری سال میں داخلہ ملا جس میں تقریباً سولہ اسباق تھے اور ساتھ میں ۱۰۰ نمبرز کا ایک انگلش کا بھی پیپر تھا جبکہ مجھے انگلش کی سمجھ بوجھ بالکل بھی نہ تھی۔ بہر حال میں کچھ نہ کچھ پڑھتا بھی رہا لیکن زیادہ وقت قرآن پاک پڑھتا رہتا الحمد للہ جب امتحان ہوا تو میں اس میں باعزت کامیاب ہو گیا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ کلیۃ القرآن میں مجھ سے پہلے جو پاکستانی طلباء پڑھ رہے تھے انہوں نے مجھے خاصا خوف زدہ کیا کہ آپ کس کلیۃ میں آگئے ہو، یہ تو بہت مشکل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ جب میں کلیۃ کے پہلے سال میں پہنچا ایک تو ساتھیوں نے پہلے بہت ڈرایا ہوا تھا دوسرا استاد محترم نے 'ءَأَنْذَرْتَهُمْ' کی ساری وجوہ ایک ہی مجلس میں پڑھا دیں تو اس سے مجھے قراءت کے مشکل ہونے کا حقیقی احساس ہوا، لیکن بعد میں جب شیخ عبدالرازق رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی بہترین طریقہ سے ہمیں جمع الجمع کا طریقہ بتایا تو ہماری مشکل حل ہو گئی۔

**ترشد:** مدینہ یونیورسٹی میں کن آساندہ سے پڑھنے کا موقع ملا؟

**قاری صاحب:** کلیۃ کے پہلے سال میں (اصول شاطبیہ) الشیخ عبدالفتاح المرصفی سے پڑھے، اجراء القراءت السبع اور علم الفواصل الشیخ عبدالرازق سے پڑھا اور علم الرسم الدكتور محمد سالم محسن سے پڑھا۔ کلیۃ کے دوسرے سال میں ہمیں اجراء القراءت السبع اور شاطبیہ فضیلة الشیخ محمد ابراہیم الاحضر علی القیم شیخ القراء بمسجد النبوی وأحد أئمتہ پڑھاتے تھے، جبکہ علم الضبط شیخ حبیب اللہ الشنقیطی سے پڑھا۔ تیسرے سال میں شیخ محمود جادو سے مریم الی آخر القرآن اجراء اور شاطبیہ پڑھی۔ جبکہ چوتھے سال میں الدرۃ اور اجراء القراءت الثلاث المتمۃ للعشر شیخ عبدالفتاح المرصفی سے اور الدكتور محمود سیبویہ سے توجیہ القراءت پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کے علاوہ کلیۃ کے دیگر اسباق فضیلة الشیخ الدكتور عبدالعزیز القاری عمید کلیۃ القرآن، دکتر عبدالعزیز عثمان السوڈانی، شیخ محمد ایوب البرماوی، شیخ علی عبدالرحمن الحزلی، الدكتور عبداللہ بن الامام محمد امین الشنقیطی سے پڑھے۔

**ترشد:** کلیۃ کے علاوہ بھی آپ نے قراءت کسی سے پڑھی ہیں یا نہیں؟

**قاری صاحب:** شیخ عبدالرازق کی خصوصی شفقت کی وجہ سے مجھے اجراء وغیرہ میں زیادہ مسئلہ نہیں تھا اس لیے مزید پڑھنے کا کبھی سوچا نہیں تھا۔ البتہ تیسرے سال آخر میں الشیخ المرصفی صاحب کی زیارت کیلئے گیا تو انہوں نے خود مجھے کہا کہ آپ مجھ سے اکٹھی عشرہ شروع کر دیں اور ہفتہ میں دو دن مجھے دے دیئے۔ میں نے شیخ کے کہنے پر شروع کر دیا اور سال کے اختتام تک میں نے سورۃ بقرہ ختم کر لی، لیکن جب چوتھے سال کے شروع میں حج کے بعد واپس گیا تو مجھے انہوں نے کہا کہ آپ پورا ہفتہ پڑھا کرو تیسرے سال میں وقت اس لیے کم ملتا تھا کہ ان دنوں کے شیخ کے پاس شیخ عبدالرحیم البرعی المصری پڑھا کرتے تھے اور اس کے علاوہ شیخ محمد ادریس العاصم بھی تکمیل سبوع کے بعد ثلاثہ پڑھ رہے تھے آخری سال تک مذکورہ دونوں حضرات تکمیل کر چکے تھے اس لیے مجھے

تک

چوتھا سال میں خاصا وقت مل گیا۔ ان دنوں معمولات بہت زیادہ سخت ہوتے تھے مثلاً کلیہ میں باقاعدہ کلاسز لینا اس کے علاوہ مقالہ بھی لکھنا ہوتا اور مزید عصر سے عشاء تک اور بعض دفعہ عشاء کے بعد تک شیخ سے پڑھتا رہتا۔ بہر حال کلیہ کے چوتھے سال میں فیضان الہیہ کی خصوصی برکھا برسی یعنی بحث کی تکمیل بھی ہوگئی پھر شیخ کے ہاں عشرہ کی تکمیل بھی ہوئی اور کلیہ کا اختتام بھی بخیر و خوبی ہو گیا۔ اس کے علاوہ اذاعۃ القرآن میں ریکارڈنگ بھی کرواتا تھا۔

**رشد:** آپ نے عشرہ کی تکمیل کب کی اور ان ساری مصروفیات میں آپ دیگر ذاتی اور شخصی کام کیسے کرتے تھے؟  
**قاری صاحب:** میں نے شیخ عبدالفتاح مرضی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۲۸ شعبان ۱۴۰۲ھ بمطابق ۲۹ مئی ۱۹۸۴ء کو صبح فجر کے بعد قرأت عشرہ کی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ دیگر مصروفیات میں میرے رفقاء نے میری بہت معاونت کی خصوصی طور پر حافظ عبدالرؤف صاحب نے، جس سے مجھے پڑھنے کا وقت میسر آجاتا۔ اللہ تعالیٰ ان جمیع احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

**رشد:** شیخ مرضی سے آپ کے تعلقات کی نوعیت کیسی تھی؟

**قاری صاحب:** شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے میرا آٹھ نو سال تک بڑا ہی اچھا تعلق تھا۔

① بازار میں خرید و فروخت کے لیے جب انہیں جانا ہوتا تو مجھے حکم فرماتے اور میں نے انہیں کہہ رکھا تھا جب بھی آپ کو ضرورت پڑے آپ مجھے ٹیلی فون کر دیا کریں میں گاڑی لے کر آپ کے پاس حاضر ہو جایا کروں گا۔  
 ② جب میرے بیٹے مصعب کی ولادت ہوئی تو میں عقیدہ کا گوشت لے کر ان کے پاس حاضر ہوا تو فرمانے لگے میں اور میری اہلیہ آپ کے گھر آئیں گے میں ایک لحاظ سے بہت شرمندہ ہوا کہ میں نے شیخ کو مشقت میں ڈالا ہے لیکن خوشی بھی تھی شیخ تشریف لائیں گے اور بیٹے کیلئے دعا فرمائیں گے آخر کار شیخ اور ان کی اہلیہ کو اپنی گاڑی میں لے کر آیا اور انہوں نے ساتھ چاول، چینی اور اس طرح کی دیگر اشیاء ساتھ رکھ لیں گھر پہ آ کر بیٹے کو گود میں بٹھایا اور دُعا کی۔

③ جب کبھی مجھے کسی کتاب کی ضرورت پڑتی یا کسی مخطوط جو ان کے پاس ہوتا تو وہ مجھے فوٹو کاپی کیلئے مرحمت فرمادیتے اس لیے ان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے نادر مخطوطات بندہ ناچیز کی لائبریری میں موجود ہیں۔ اور کتاب دینے وقت فرمایا کرتے 'لعل اللہ ینفع بک' اگر آپ کے پاس کتاب موجود نہ ہوتی تو فرماتے 'واللہ واللہ ما عندی الآن، ہو فی مصر' جب چھٹیوں میں مصر جاؤں گا لے کر آؤں گا۔

④ آپ سے جب کبھی کوئی کتاب فوٹو کاپی کیلئے مانگتا تو آپ فرماتے میں محمد (مجھے محمد کے نام سے پکارتے تھے) کو کہوں گا کہ وہ آپ کو فوٹو کرا کے دے گا کیونکہ وہ کتاب کی بہت ہی حفاظت کیا کرتے تھے میں جب فوٹو کرانے کے بعد کتاب واپس کرتا تو کتاب کی جلد بنا کر پیش کرتا تو بہت خوش ہوتے اور دُعا نہیں دیتے۔

⑤ اسی طرح آپ نے جب کبھی اپنی کتاب پر پلاسٹک کور کرانا ہوتا یا کوئی کتاب جلد کرانی ہوتی تو مجھے حکم دیتے اس لیے میں نے آپ کی لائبریری کی جمیع کتب کو پلاسٹک کور چڑھادیا تھا۔

⑥ ان کی اہلیہ محترمہ بھی میرے ساتھ بہت شفقت کرتی تھیں جس روز بھی ان کے ہاں اچھا کھانا پکاتا تو اماں جی شیخ

سے خصوصی طور پر کہتیں 'قل لمحمد يتعش عندنا' اور عام ایام میں شیخ فرمایا کرتے: 'تفضل بالوجود یا محمد!'

⑥ دوران پڑھائی اکثر یہ ہوتا کہ مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا، بعض دفعہ تو مہمان اس قدر آتے کہ پڑھنے کا وقت بالکل میسر نہ آتا جس سے میں قدرے پریشان ہو جاتا تو آپ میری پریشانی کو بھانپ لیتے اور ازراہ شفقت فرماتے: 'یا ابنی زعلان' بیٹے ناراض ہو رہے ہو۔'

⑦ آپ کے انتقال کے بعد 'إنا لله وإنا إليه راجعون' گھر والوں نے مجھے ہی حکم دیا تھا کہ میں شیخ کی لائبریری کو پیک کروں آپ کے بیٹے ہشام نے مجھے کہا جو کتاب آپ لینا چاہتے ہیں وہ لے لو لیکن میں نے مناسب نہ سمجھا۔ البتہ شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی زمانہ طالب علمی کی کا پیاں جو کہ تحریرات طیبہ میں تھیں جن کو بچوں نے ردی میں ہی پھینکا تھا وہ میں نے قبول کر لیں۔ اور بھائی ہشام سے لکھوایا کہ یہ ہم بطور ہدیہ دے رہے ہیں اس وجہ سے کہ کسی وقت کوئی دیکھ کر یہ نہ کہے کہ یہ اس نے شیخ کی لائبریری سے چرائی ہیں۔ مجھے بڑا ہی صدمہ ہے کہ آپ 'الدرہ' کی بڑی ہی قیمتی شرح لکھ رہے تھے کاش کہ اس کی نوٹو کرا لیتا، کیونکہ ابھی تک سننے میں نہیں آیا کہ کتاب چھپ گئی ہے۔ چونکہ میرا شیخ کے ساتھ بڑا ہی گہرا اور طویل عرصہ گزرا ہے اور بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے لیکن طوالت سے بچتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ شیخ کی قبر منور فرمائے اور قیامت کے روز جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اور ہمارا لکھنا پڑھنا ان کیلئے صدقہ جاریہ فرمائے اور ان کی انسانی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین!

**ملاحظہ!** سوال میں صرف شیخ مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلقات کی نوعیت پوچھی گئی تھی ورنہ میرا تعلق جمیع اُستادہ سے بہت اچھا رہا جن میں سے دکتور محمود سیبویہ البدوی (جو کہ کلیہ کی بحث میں میرے مشرف تھے)، دکتور محمد سالم محبسین (جو کہ ایم۔ فل کے مقالہ میں میرے مشرف تھے) اور اسی طرح الشیخ عبدالرافع رضوان اور الشیخ محمود جادو المصری شامل ہیں یہ سب حضرات اپنے فن میں بڑے ہی متمکن تھے۔ اور ہر ایک مجھے بڑی شفقت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ میں ہر ایک کی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار رہتا اور خرید و فروخت کیلئے بھی جاتا رہتا اور اس وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھتے کہ میں نے کلیۃ القرآن کے علاوہ شیخ مصطفیٰ صاحب سے خصوصی اجازہ حاصل کی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بڑی دیرتک إذاعۃ القرآن کیلئے قراءت سبوعہ کی ریکارڈنگ کراتا رہا۔

**ترشد:** کلیۃ میں آپ کی تعلیمی رپورٹ کیسی رہی؟

**قاری صاحب:** کلیۃ میں میری تعلیمی رپورٹ الحمد للہ مناسب رہی ہے۔ پہلے سال میں نے ۹۱ فیصد، دوسرے سال ۸۹ فیصد، تیسرے سال اور چوتھے سال میں ۸۴ فیصد نمبر حاصل کئے۔

**ترشد:** آپ کی تعلیمی رپورٹ بہت زیادہ اعلیٰ نہیں لیکن پھر بھی آپ کا ماجستیر میں داخلہ ہو گیا اس کا سبب کیا ہے؟

**قاری صاحب:** یقیناً جامعہ اسلامیہ میں ماجستیر میں داخلہ ہونا ایک بہت بڑی خوش قسمتی ہے اور مجھے اپنی کم مائیگی کا پورا احساس ہے اور میں ماجستیر میں داخلہ کو اپنی ذہانت و فطانت کا قطعاً شاہکار نہیں سمجھتا بلکہ یہ صرف اور صرف قرآن کی برکت ہے۔ جن دنوں میری کلیۃ سے فراغت ہوئی میں إذاعۃ القرآن میں ریکارڈنگ کرا رہا

بسم اللہ

تھا۔ عمید الکلیہ دکتور ابو مجاہد عبدالعزیز القاری یہ ارادہ رکھتے تھے کہ قرآن کریم کی ریکارڈنگ کسی نہ کسی طرح پوری ہو جائے جس قدر میں دراسات علیا میں داخلہ کا متمنی تھا اس سے بڑھ کر شیخ اس کے خواہاں تھے لہذا انہوں نے ماجسٹیر کی حد تک داخلہ میں خوب محنت کی اس کے علاوہ بھی دیگر جامعات کے عمائدین اور مدیران کے نام مجھے خصوصی تزیئے لکھ دیئے تاکہ میں اگر کسی وجہ سے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ حاصل نہ کر پاؤں تو سعودیہ کی کسی بھی یونیورسٹی میں موقعہ حاصل کر سکوں۔

بہر حال ماجسٹیر کے انٹرویو کا لیٹر موصول ہو گیا۔ جب میں مجلس المقابله کے سامنے پیش ہوا تو وہاں اکابر علماء سعودی عرب تشریف فرما تھے، جن میں محدث کبیر شیخ حماد الانصاری، فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن العباد، فضیلۃ الدکتور عبدالعزیز القاری، شیخ امان اور دیگر آٹھ دس شیوخ موجود تھے۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ سب سے پہلے سوال کون کرے ہر شیخ دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ آخر کار مجھ سے پوچھا گیا کہ پاکستان میں آپ کا کس جامعہ سے تعلق ہے؟ میں نے جامعہ سلفیہ کا ذکر کیا تو تمام شیوخ کی نظریں شیخ عبدالمحسن العباد کی طرف اٹھیں، کیونکہ ان کا جامعہ سلفیہ سے ایک خاص تعلق تھا بہر حال شیخ نے پہلا سوال میری اکیڈمک رپورٹ کے بارے میں کیا۔ میں نے بتایا پہلے سال تو ممتاز رہا ہوں، لیکن باقی تین سال چیدہ آتا رہا ہوں اس پر شیخ نے سوال کیا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ تو میرے بجائے دکتور عبدالعزیز القاری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ انہیں دوسرے سال میں پڑھائی کے علاوہ قراءات عشرہ کی ریکارڈنگ کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی جس سے تعلیمی رپورٹ پر اثر پڑا۔ اس کے بعد شیخ حماد الانصاری نے سوال کیا کہ سورۃ الفاتحہ سے توحید کی اقسام غلاشہ کے دلائل نکالیں۔ اس کے بعد کئی دیگر سوالات کے علاوہ قراءات شاذہ کے متعلق بھی سوال ہوا جس پر پھر دوبارہ دکتور عبدالعزیز القاری نے بحث میں حصہ لیا، انٹرویو کے بعد مجھے کامیابی کی خبر سنائی گئی جس سے میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔

**رشد:** ماجسٹیر میں کن شیوخ سے استفادہ کی سعادت ملی؟

**قاری صاحب:** ماجسٹیر میں ہمیں شیخ ابوبکر الجزائری، تفسیر موضوعی، دکتور عبدالعزیز عثمان سوڈانی، تفسیر تخلیلی، دکتور عبدالعزیز القاری، علوم القرآن، اور شیخ دکتور اکرم ضیاء العمری، مناجح الجحش، پڑھایا کرتے تھے۔

**رشد:** طلباء عموماً خطۃ البحث کے مسئلہ میں کافی مشکلات کا شکار ہوتے ہیں کیا آپ کو بھی ان مراحل سے گزرنا پڑا؟

**قاری صاحب:** یہ مرحلہ واقعی بہت کٹھن ہوتا کہ طلباء انتہائی محنت سے ایک خط تیار کرتے، جبکہ مجلس اُسے رد کر دیتی اور کئی کئی مرتبہ خطۃ البحث تیار کرنا پڑتا۔ بہر حال اپنے موضوع کے متعلق کتب کی ورق گردانی اور اہل فن کی طرف مراجعت اور مکتبات اور رسائل کے استفادہ سے مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اگر طالب علم کیلئے ابتداء ہی سے کسی وسیع المطالعہ کو متعین کر دیا جائے تو اس میں طالب علم کیلئے بہت آسانی ہو سکتی ہے۔

**رشد:** آپ نے بحث کیلئے کس طرح کے موضوع کا انتخاب کیا؟

**قاری صاحب:** یقیناً ماجسٹیر اور دکتورہ کی سطح پر کوئی تحقیقی یا موضوعاتی بحث کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ میرا اس سلسلہ میں موضوعی کے بجائے تحقیقی کام کرنے کا ارادہ تھا جو کہ عموماً مخطوطات پر ہی ہوتا ہے جس کے لیے میں نے علامہ جعبری کی کتاب 'خلاصۃ الأبحاث فی شرح نہج القراءات الثلاث' اساتذہ کے مشورے

سے منتخب کی جو کہ مجلس الجامعہ نے منظور کر لیا اور اشراف کی ذمہ داری دکتور محمد سالم محیسین کے سپرد کی گئی۔  
**رُشد:** بحث کے دوران آپ کو کیا مشکلات پیش آئیں اور کن شیوخ کی معاونت رہی؟

**قاری صاحب:** دوران بحث قراءات کے مشکل مسائل میں حضرت شیخ مرضی سے رہنمائی لیتا اور کتاب چونکہ لغوی اعتبار سے کافی مشکل تھی اس کے لیے دکتور محمود سیبویہ کی مشفقانہ رہنمائی بھی شامل حال رہی۔

اس کے علاوہ جو مجھے سب سے بڑی مشکل پیش آئی وہ یہ تھی کہ دراستہ المؤلف کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا، کیونکہ علامہ جعبری کے حالات پر ایک یمنی طالب علم دستورہ کی سطح پر تفصیلی دراستہ پیش کر چکا تھا۔ اب مشکل یہ تھی کہ اگر اسی ترتیب پر انہی معلومات کو جمع کر دیا جاتا تو یہ واضح سرقہ تھا، اگرچہ میں معلومات تو اس کے علاوہ بھی کافی اکٹھی کر چکا تھا لیکن کوئی ترتیب نہیں سوچ رہی تھی۔ میں نے بارگاہ ایزدی میں التجا کی کہ کوئی سبیل نکالے اللہ رب العزت نے دعا قبول فرمائی اور اس موقع پر مجھے آیت ﴿ اَمِنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یُكْشِفُ السُّوءَ ﴾ [النمل: ۶۲] کا حقیقی مفہوم سمجھ میں آیا۔

ہوا یوں کہ میری نظر سے ابن حجر کی کتاب تغلیق التعلیق گزری اس کی ترتیب مجھے بہت پسند آئی میں نے اسی اسلوب پر اپنی جمع کردہ معلومات کو مرتب کر دیا اللہ کی توفیق سے اس قدر اعلیٰ درجہ مرتب ہو گیا کہ میرے مشرف دکتور محمد سالم محیسین رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کے انداز میں مجھے کہا کہ کیا یہ آپ نے ہی لکھا ہے؟ اور فرمایا کہ اس کی ایک کاپی مجھے بھی دینا۔ بہر حال بتوفیق الہی بحث تیار ہو گئی اور بھلا اللہ درجہ ممتاز میں ماجسیتور پاس کیا۔

**رُشد:** ہماری اطلاعات کے مطابق ماجسیتور میں جو شخص ممتاز نمبروں سے پاس ہو اس کا داخلہ خود بخود ہی دکتورہ میں ہو جاتا ہے آپ کا کیوں نہیں ہوا؟

**قاری صاحب:** جامعہ کا واقعی یہ قانون تھا کہ جو بھی طالب علم ماجسیتور میں ممتاز ہوگا اُسے پی ایچ ڈی میں داخلہ ملے گا لیکن میرے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا جس کی وجہ سے میرا داخلہ نہ ہو سکا۔ ہوا یوں کہ میرا امتحان لینے والوں میں سے داخلی مناقشہ شیخ مرضی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، مناقشہ سے چند روز قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ ذی القعدہ ۱۴۰۹ھ کی بات ہے جس سے میرا مناقشہ گیارہ ماہ لیٹ ہو گیا اور آئندہ سال شوال میں ہوا۔ اس دوران ایک تو ہمارا کام بھی آگے نکل چکا تھا دوسرا یہ ہوا کہ ایک سال لیٹ ہونے کی وجہ سے ادارتی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں جس کی وجہ سے داخلہ نہ ہو سکا۔

**رُشد:** آپ نے القراءات العشر الکبریٰ کب پڑھی تھیں اور کیا آپ نے اس میں اجازت حاصل کی؟

**قاری صاحب:** مناقشہ کے بعد جن دنوں میں پی ایچ ڈی کے داخلہ کیلئے کوشش کر رہا تھا انہی دنوں شیخ عبدالرازق رحمۃ اللہ علیہ سے عشرہ کبریٰ (طیبہ) بھی شروع کر دی۔ جب مجھے یہ حتمی پتہ چل گیا کہ یہاں داخلہ نہیں ہونے والا تو مجھے دکتورہ کے بجائے طیبہ کی فکر زیادہ لاحق ہوئی لیکن جامعہ ہر دم یہی تقاضا کر رہا تھا کہ میں سفر کر جاؤں لہذا میں عمید المکتبات (الدکتور عبدالرحمن بن الشیخ عبدالعزیز امام و خطیب مسجد نبوی) کے پاس گیا۔ انہوں نے کوشش کی اور ساتھ دکتور عبدالرازق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک درخواست لکھی، لیکن مدیر الجامعہ جو کہ پہلے انکار کر چکے تھے میرے سفر پر ہی مصر رہے۔ آخر کار میں عمید المکتبات کی وساطت سے ’مدیر استقدام



والترحیل‘ (جو سفر کے لیے بندوبست کرتے ہیں) کے پاس گیا۔ انہیں جب یہ پتہ چلا کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں اور مخلص بھی ہوں تو انہوں نے مجھے سات ماہ کی رخصت دے دی، اور میں نے سورۃ الانعام کے آخر تک اجراء جمع الجمع کے ساتھ پڑھ لیا۔ اب مدیر استقدام الترحیل بھی مجھے مزید رخصت نہیں دے سکتے تھے، لہذا پھر مدیر کو مشیر گورنر مدینہ کی سفارش کروائی لیکن وہ نہ مانا، البتہ کئی اور جہات سے تدریس کیلئے پیشکش پیش کی گئی۔ جامعہ والے مجھے ’برونائی‘ میں بھیجنا چاہتے تھے۔ جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں رئیس قسم القراءات کی پیشکش تھی اور مدینہ کے قریب ’بدر‘ کے مقام پر ایک مدیر المدرسہ نے کہا کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور ہم خود ہی نقل کفالہ کروالیں گے، لیکن یہ مجھے منظور نہ تھا، کیونکہ میں پاکستان کام کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں وہاں مزید نہ رکا اور ’طیبہ‘ مکمل کیے بغیر واپس لوٹا پڑا، لیکن الشیخ عبدالرازق ؒ نے قراءات عشرہ کبریٰ کا وثیقہ عطا کر دیا اور بڑے ہی قیمتی الفاظ اس میں تحریر فرمادیئے، جس کا میں اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ فرماتے ہیں:

”ونسأل اللہ عزوجل أن یجمعنا بہ علی خیر لیتم هذه الختمة المبارکة أو یرزقه اللہ بمن یرقر علیہ القرآن الکریم کلہ من طریق الطیبہ“.

ثم قال: ”وقد تبین لی من حال الشیخ المذكور أثناء قراءتہ أنه بلغ فی معرفة طرق القراء وتحریرات المحرّین ما یشیر بأنه سیکون — إن شاء اللہ تعالیٰ — من القراء المشهود لهم بالإتقان فی هذا الفن، لذا، أدعو اللہ عزوجل له أن یوفقه لإتمام هذه القراءات وأن یمسر له أمره“

استاذ محترم کی دُعا کا اثر اب ظاہر ہوا، جس کی مدت مدید سے تمنا تھی۔ ویسے تو کلبیۃ القرآن جامعہ لاہور الاسلامیہ میں کئی مرتبہ قراءات عشرہ کبریٰ پڑھانا شروع کیں، لیکن یہ سلسلہ پوری طرح قائم نہ ہو سکا۔ اب عرصہ ایک سال سے بتوفیق اللہ قراءات عشرہ کبریٰ کا اہتمام باقاعدہ طور پر شروع ہو چکا ہے۔ کلبیۃ القرآن والتربیۃ الاسلامیہ میں ۱۳ طلباء پر مشتمل ایک جماعت ایک پارے کا اجراء جمع الجمع بمع تحریرات متولیٰ پڑھ چکی ہے اور کلبیۃ القرآن جامعہ لاہور سے میرے قابل قدر شاگردوں میں سے قاری انس مدنی اور قاری حمزہ مدنی اپنے ہونہار شاگردوں کی معیت میں ہر جمعرات کو مرکز میں آکر قراءات عشرہ کبریٰ پڑھتے ہیں اور تین پارے جمع الجمع کے ساتھ مکمل کر چکے ہیں۔ اسی طرح میرے نہایت ہی قابل قدر شاگرد قاری ریاض احمد جو اس وقت جامعہ سلفیہ میں کلبیۃ القرآن کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، وہ وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں اور کبھی فون کے ذریعے پڑھ لیتے ہیں۔ ایک پارہ انہوں نے بھی مکمل کر لیا ہے۔ اسی طرح میری دو بیٹیاں اور ایک نسبتی بیٹا سید علی القاری قراءات عشرہ کبریٰ کے آغاز میں ہیں۔

اوپر جو تفصیل ذکر کی گئی ہے وہ تو مجھ سے براہ راست پڑھنے والوں سے متعلق ہے، البتہ میری معنوی اولاد نے اس سلسلہ کو بذات خود آگے بڑھانے کا سلسلہ بھی مستقل طور پر شروع کر رکھا ہے۔ قاری انس مدنی اور قاری حمزہ مدنی، جنہوں نے قبل ازیں مجھ سے عشرہ صغریٰ کی اجازت حاصل کر رکھی ہے اور اب محترم قاری محمد ادریس ؒ اور مجھ سے عشرہ کبریٰ پڑھ رہے ہیں، انہوں نے گذشتہ رمضان کے بعد اپنے دو اداروں میں تدریس عشرہ کبریٰ کا آغاز کر رکھا ہے، چنانچہ

جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) میں دونوں عزیز القدر شاگرد ادارۃ الاصلاح کی طرح تدریس عشرہ کبریٰ میں مشغول ہیں اور الحمد للہ اب تک ۲۰ طلباء پر مشتمل ایک کلاس میں طیبۃ النشر کے اصول مکمل پڑھا چکے ہیں اور جمع الجمع کے ساتھ ایک پارہ عملاً تطبیق کے ساتھ پورا کر چکے ہیں، نیز تحریرات طیبہ کے ضمن میں شیخ احمد عبدالعزیز الزیات کی تنقیح فتح الکرمی شرح و توضیح کے ساتھ تقریباً ابتدائی ربع مکمل کر چکے ہیں۔ اسی طرح جامعہ لاہور الاسلامیہ کی نئی شاخ مدرسہ البیت العتیق میں قاری حمزہ مدنی نے بعض اساتذہ و طلبہ پر مشتمل ایک کلاس میں عشرہ کبریٰ کی تدریس کا آغاز کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تینوں اداروں میں اس سلسلہ کو یوں آگے بڑھائے کہ طلبہ تکمیل عشرہ کبریٰ کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کو دیگر مدارس میں بھی شروع کریں۔ واللہ ولی التوفیق

**ترشد:** ہم نے سنا ہے آپ نے مجمع ملک فہد میں کوئی ریکارڈنگ کروائی ہے، اس کی کیا تفصیلات ہیں؟

**قاری صاحب:** یہ ۱۴۰۸ھ کی بات ہے کہ ایک صبح میرا دروازہ کھٹکا میں نے دروازہ کھولا تو دروازے پر شیخ عبدالرحمن حدیفی (امام و خطیب مسجد نبوی ﷺ) کو پایا بہت حیرت ہوئی کہ شیخ صاحب کیسے تشریف لائے ہیں فرمانے لگے کل مجمع آؤ وہاں روایت ورث میں آپ کی ریکارڈنگ کرانی ہے اگلے روز میں وہاں گیا تو وہاں شیوخ کی موجودگی میں میرا ٹیٹ لیا گیا، ٹیٹ کے بعد انہوں نے وزارت کو فائل روانہ کر دی کہ آئندہ روایت ورث کی ریکارڈنگ شیخ محمد ابراہیم باکستانی کرائیں گے۔

**ترشد:** مجمع میں ریکارڈنگ کا طریقہ کار کیا تھا؟

**قاری صاحب:** یہاں ریکارڈنگ کروانا ایک مشکل اور خاصی ہمت والا کام تھا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ورث کیلئے خاصے طویل سانس کی ضرورت تھی۔ اور جو سب سے بڑا مسئلہ تھا وہ یہ کہ دنیا کے کبار قراء کے سامنے پڑھنا ہوتا تھا جن میں ① شیخ العلامة احمد بن عبدالعزیز الزیات اعلیٰ القراء سنداً فی مصر، ② فضیلۃ شیخ عامر بن السید بن عثمان عالم المصری مبرز فی علم التجوید والقراءات جن کے شاگردوں میں شیخ محمد خلیل الحصری، شیخ مصطفیٰ اسماعیل، شیخ عبدالباسط عبدالصمد شامل ہیں ③ الدكتور محمود بن سیبویہ البدری المصری رئیس قسم القراءات بکلیۃ القرآن، ④ فضیلۃ شیخ عبدالفتاح بن السید العجمی المرصفی، ⑤ فضیلۃ الدكتور شیخ محمود بن عبدالخالق جادو المصری، ⑥ فضیلۃ شیخ علی بن عبدالرحمن الحدیفی، شامل تھے۔ مجمع شیوخ آداء میں ہر ایک شے کا پورا اہتمام کرتے اور کسی بھی چیز کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ بہر حال الحمد للہ ساڑھے چار پارے ریکارڈ کروائے جس کا مجھے بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ اس سے آگے کچھ ادارتی پیچیدگیوں کی وجہ سے مزید ریکارڈنگ نہیں ہو سکی۔

**ترشد:** آپ نے بی ایچ ڈی کیلئے دیگر یونیورسٹیوں میں درخواستیں کیوں نہ دیں؟

**قاری صاحب:** میں نے دوسری یونیورسٹیوں میں بھی کاغذات جمع کروائے اور دکتور عبدالعزیز قاری نے باقاعدہ سفارشی لیٹر مدیر جامعہ أم القریٰ کو لکھا، دکتور سیبویہ نے اور اسی طرح بعض اکابر شیوخ نے بہت اعلیٰ تر کیے لکھ کر دیئے لیکن داخلہ نہ ہو سکا۔

**ترشد:** آپ نے تدریس کیلئے جامعہ لاہور الاسلامیہ ہی کو کیوں منتخب کیا؟

**قاری صاحب:** میرے تدریس کے مواقع جامعہ ابی بکر کراچی، جامعہ اسلامیہ العالمیہ اسلام آباد اور جامعہ سلفیہ فیصل



انٹرویو پینل

آباد میں زیادہ تھے اور سعودیہ کی طرف سے مبعوث ہونے کے امکانات تھے۔ لیکن میری خواہش یہ تھی کہ میں اپنے گاؤں کے قریب پڑھاؤں تاکہ اپنے عزیز واقرباء کو بھی دینی تعلیم سے روشناس کرواؤں اور دوسری میری یہ بھی خواہش رہی ہے کہ جہاں حضرت حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب پڑھائیں گے وہیں میں پڑھاؤں گا۔ ان دو اسباب کی وجہ سے میں نے جامعہ لاہور کو ترجیح دی۔

**رشد:** ادارے نے آپ سے کس طرح رابطہ کیا تھا؟

**قاری صاحب:** محترم حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے جب بھی مدینہ منورہ ملاقات ہوتی تو بعد از فراغت جامعہ میں آنے کا کہتے اور جن دنوں میرا وہاں سے آنے کا پروگرام تھا۔ خود مدنی صاحب نے مجھے بذریعہ خط آنے کی دوبارہ دعوت دی اور کہا کہ آپ کے بارے میں وزارت الاوقاف سے بھی بات کر چکے ہیں آپ دکتور حکمی سے مل لیں۔ البتہ مجھے دکتور حکمی سے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، اس کے باوجود میں ۱۹۹۰ء میں جامعہ لاہور الاسلامیہ میں آ گیا۔

**رشد:** کیا یہاں آتے ہی آپ نے باقاعدہ کلیہ کا آغاز کر دیا تھا؟

**قاری صاحب:** جب میں یہاں آیا تو جامعہ میں صرف کلیہ الشریعہ ہی تھا میں مختلف کلاسز میں تجوید کے اسباق پڑھاتا تھا ایک سال تک یہی سلسلہ رہا۔ سال کے آخر میں حضرت قاری یحییٰ صاحب نے بغرض امتحان مجھے سہیوال بلایا اور پوچھا کہ کیا کلیہ القرآن کے سلسلہ میں کوئی پیش رفت ہوئی۔ میں نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے باقاعدہ خط کے ذریعہ توجہ دلائی۔ جس پر رمضان کے شروع میں ہی مجلس الجامعہ کا پہلا اجلاس ہوا۔

**رشد:** پہلی میٹنگ میں کیا طے کیا گیا؟

**قاری صاحب:** اس میں یہ طے ہوا کہ کلیہ کو باقاعدہ جاری کرنے کیلئے کن کن حضرات سے مشاورت کی ضرورت ہے تاکہ باقاعدہ نصاب ترتیب دے کر کلیہ القرآن کا آغاز ہو سکے۔ لہذا یہ طے پایا کہ بنیادی مشاورت میں، حافظ محمد یحییٰ میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ثناء اللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالسلام فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد یحییٰ رسولنگری رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد ادریس العاصم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاری محمد عزیز رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالستار حماد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالغفار اعوان رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا قاری نعیم الحق نعیم کو بلایا جائے اور ان کے علاوہ میٹنگز میں جامعہ کے کبار اساتذہ مولانا شفیق مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالسلام فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ، قاری عبدالکلیم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد رمضان سلفی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا طاہر محمود رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالقوی لقمان رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے۔

**ٹھوڑ!** میں نے ذاتی طور پر بھی محترم مدیر الجامعہ کو خصوصی طور پر جماعت کے چار اراک برقراری اور فن تجوید و قراءات کے ماہرین کا نام پیش کیا تھا تاکہ ہر ایک کلیہ القرآن کو اپنا ذاتی ادارہ سمجھ کر اسکی ترقی کیلئے دعائیں فرماتے رہیں اور سب کے طلباء اتحاد کے ساتھ علوم قرآن کے مشن کو آگے بڑھا سکیں۔

**رشد:** ان مجالس کے ذریعے آپ کوئی لائحہ عمل طے کرنا چاہ رہے تھے یا کلیہ کا خاکہ پہلے ہی آپ کے ذہن میں موجود تھا؟

**قاری صاحب:** الحمد للہ میرے ذہن میں کلیہ القرآن کا خاکہ پہلے ہی موجود تھا، کیونکہ میں مدینہ یونیورسٹی میں پڑھ کر آیا تھا اس لیے میں تو بالکل واضح تھا البتہ مجالس کا یہ مقصد تھا کہ درس نظامی کے مرادجہ نصاب میں کس کس جگہ تبدیلی

کر کے قراءات و علوم القرآن کا نصاب شامل کیا جاسکتا ہے۔ کون سی ایسی کتب یا علوم ہیں جن کے نکلنے سے طالب علم کا کوئی زیادہ نقصان بھی نہیں ہوگا اور ہمارا مقصود بھی حاصل ہو جائے اور وہ آسانہ جو قراءات کی باقاعدہ تعلیم دے رہے تھے وہ یہ بتائیں کہ یہ کام ممکن بھی ہے یا نہیں۔ بہر حال جمیع علماء کرام نے اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ مثلاً قاری بیچگی صاحب کا کہنا تھا کہ یہ کام شروع کرنا بہت مشکل امر ہے کیونکہ تجوید کا ذوق رکھنے والے طلباء اتنا بوجہ برداشت نہیں کریں گے اور قاری ادریس صاحب نے فرمایا کہ شروع تو کیا جاسکتا ہے لیکن جو آسانہ قراءات اور علوم قرآن کے اسباق پڑھائیں وہی درس نظامی کے دیگر اسباق پڑھائیں تاکہ طلبہ میں کسی قسم کی ذہنی کشمکش شروع نہ ہونے پائے۔

بہر حال ان مجالس میں یہ طے پا گیا کہ کن کتب کو چھوڑ کر نئی کتب داخل کی جائیں بالفاظ دیگر وفاق المدارس کے نصاب میں کچھ ترامیم کر کے علوم قرآن مثل تجوید و قراءت سبعہ و عشرہ اضافہ کر کے کلیۃ القرآن کا نصاب طے پا گیا اور الحمد للہ ہم نے نئے سال میں کلیۃ القرآن کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔ جس کا فارغ التحصیل مستند عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر قاری بھی ہوتا ہے اور اب بجد اللہ یہ کلیہ ایک جامع علمی تحریک، شکل اختیار کر چکا ہے اور عام و خاص میں اس کے فضلا کو پذیرائی ملی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مستشرقین اور ان کے فکر کے حاملین کے نام نہاد اصلاحی فکر کے پھیلائے ہوئے غلط نظریات کی بیخ کنی بھی ہو رہی ہے۔

**رشد:** کلیۃ القرآن کے قیام کا مقصد کیا تھا؟

**قاری صاحب:** اگر کلیۃ القرآن کا مقصد آپ چند الفاظ میں سننا چاہ رہے ہیں تو وہ یہ ہے:

- ① عالم غیر قاری اور قاری غیر عالم کا تصور ختم کرنا۔
- ② عوام اور علماء میں یہ شعور بیدار کرنا کہ تجوید القرآن سیکھنا کوئی فن نہیں بلکہ قرآن مجید کی تلاوت نماز کا اہم رکن ہے، اس کی مجرد تلاوت بھی عبادت ہے اور ہر عبادت کے لیے اصول و ضوابط اور مخصوص کیفیات ہوتی ہیں جن کو بجالانے سے ہی عبادت قبول ہوتی ہے۔
- ③ قرآن ٹھیک پڑھنا یہ کسی خاص طبقہ کا امتیاز نہیں بلکہ ہر مسلمان پر شرعی طور پر واجب ہے اور علماء کیلئے تو نہایت ہی ضروری ہے۔

④ تجوید و قراءت پر ادھر ادھر سے جو اعتراض کیے جاتے ہیں کلیۃ کے فضلا ان کا شافی جواب دے سکیں۔

⑤ کلیہ کے فضلا ایسے لوگوں کو راہ راست پر لانے کیلئے پیش خیمہ ہوں جو مستشرقین کے غلط نظریات کے زیر اثر احادیث سے بدظنی کے باعث تنوع قراءت کے معجزہ قرآنی کے منکر ہیں۔

**رشد:** کیا آپ سمجھتے تھے کہ درس نظامی کے ساتھ یہ کام ممکن ہے؟

**قاری صاحب:** یقیناً میں متعین طور پر یہ سمجھتا تھا کہ درس نظامی میں ایسی وسعتیں موجود ہیں کہ جس میں یہ ایڈجسٹ ہو سکتا ہے لیکن اگر کچھ کمی رہ بھی جاتی ہے تو بے شمار فوائد کے حصول کی خاطر اس کمی کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔

**رشد:** کلیۃ القرآن کے قیام میں آپ کو کیا مشکلات پیش آئیں؟

**قاری صاحب:** کلیۃ کے قیام میں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑھا جنہیں ترتیب سے ذکر کرتا ہوں:

① پہلی مشکل یہ پیش آئی کہ کلیۃ القرآن پاکستان کی سطح پر ایک بالکل نیا سیٹ آپ تھا۔ اس لیے طلباء اس میں داخلے سے کتراتے تھے اور ویسے بھی درس نظامی کے ساتھ قراءات کا پورا سلیبس انہیں سنتے ہی غیر معمولی محسوس ہوتا تھا۔ دوسرا یہ کہ شعبہ تجوید و قراءات میں عموماً ایسے طلباء داخلہ لیتے تھے جن کی آوازیں اچھی ہوں اور جن کو اللہ نے یہ خوبی عطا نہیں کی وہ اسے پڑھنا وقت کا ضیاع سمجھتے تھے۔ اس لیے شروع میں طلباء ہی مہیا نہیں ہو رہے تھے جامعہ میں داخلہ کیلئے جب بھی کوئی حافظ طالب علم آتا تو میں طالب علم اور اس کے والدین کو کلیۃ کی افادیت کا احساس دلاتا لیکن پھر بھی پہلے سالوں میں بہت کم داخلہ ہوا۔ اس کی کو اس طرح پورا کیا گیا کہ دیگر کلاسوں میں جو حافظ طلباء پڑھتے تھے انہیں کلیۃ القرآن میں داخل کر لیا گیا، اس سے کچھ طلباء تو میسر آ گئے لیکن ایک مشکل اور کھڑی ہو گئی کہ ان طلباء کے اسباق کو کس طرح سیٹ کیا جائے کیونکہ مختلف کلاسز میں جن اسباق کو ہم ترک کرانا چاہ رہے تھے وہ ایک وقت میں نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے مختلف پیریڈز تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد شفیق مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصی تعاون شامل حال رہا وہ بہت ہی محنت سے پیریڈز کو ترتیب دے کر قراءات کے طلباء کیلئے وقت نکالتے۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

② دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ کلیۃ القرآن اور کلیۃ الشریعہ کی کلاسز کے اوقات ایک وقت پر تھے، لہذا جن پیریڈز میں قراءات کے طلبہ علیحدہ ہو جاتے تھے اس میں ہمارے پاس کوئی کلاس روم نہیں ہوتے تھے اس لیے کچھ کلاسیں ڈائننگ ہال میں ہوتیں کچھ رہائشی ہال میں۔ ان دنوں رہائشی ہال میں نہ تو فرش تھا اور نہ ہی کھڑکیاں تھیں اور خصوصاً ظہر کے بعد جب کلاسز لگتیں تو بہت ہی بُرا حال ہوتا، طلباء شدید گرمی میں نڈھال ہو جاتے۔ اس کا سدباب مدیر الجامعہ جناب حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب نے یوں کیا کہ ان طلباء کیلئے روزانہ تربوز کا اہتمام کیا اور بعد ازاں شربت روح افزا بھی پلایا جاتا رہا۔

③ ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ کلیۃ القرآن کے طلباء کیلئے سکول پڑھنا ممکن نہیں ہوتا تھا، کیونکہ صبح سے مسلسل عصر تک پڑھنے کے بعد دوبارہ بعد از عصر سکول پڑھنا ایک بہت بڑا بوجھ تھا۔ اس کا حل یوں نکالا گیا کہ جو طلباء سکول کے خواہشمند ہوتے انہیں عصر سے ایک گھنٹہ پہلے ہی رخصت دے دی جاتی اور ایک مرتبہ کلیۃ القرآن کے بعض طلباء نے محنت کر کے عشاء کے بعد کلیۃ کے طلباء کیلئے جانثار کالج کے نام سے سکول کا اہتمام کیا۔

④ اس میں ایک مسئلہ طلباء کی منزل کا بھی ہوتا تھا، کیونکہ ہم بغیر کسی امتیاز کے صرف حافظ طلباء کو داخل کر رہے تھے اس لیے منزل کا کوئی خیال نہیں کیا گیا تھا جس کیلئے طلباء کو خاصی محنت بھی کرنا پڑتی اور جب تک حد رکھ کر نہیں ہوتا تھا ہم تجوید کی سند نہیں دیتے تھے۔ اس وجہ سے بعض سینئر طلباء بھی اسناد سے محروم رہے اور ویسے بھی تجوید کے آساتذہ منزل سننے کیلئے بھی تیار نہ ہوتے بہر حال انہیں سمجھا کر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا۔

⑤ ایک بہت بڑی کمی یہ تھی کہ قراءات کے آساتذہ موجود نہ تھے اور میں اکیلا جمع کلاسز کو پڑھانے نہیں سکتا تھا اس کا حل یوں نکالا گیا کہ بعض منتہی کلاسز کے سینئر طلباء کو ابتدائی کلاسز کے اسباق دیئے گئے جن میں قاری سلمان میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد فیاض رحمۃ اللہ علیہ اور قاری صہیب احمد میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے۔ اس پر ہمیں بعض حضرات کی جانب سے یہی کتب ہی ملائے تندر تیز جملے بھی سننے پڑے لیکن اللہ رب العزت کام چلاتے رہے۔

⑥ پھر ایک مسئلہ وفاق کے امتحانات کا بھی تھا کہ طلباء کلیۃ القرآن کا نصاب پڑھتے تھے جس کی وجہ سے وفاق کی بعض کتب کو چھوڑنا پڑتا تھا، ان کی تیاری اور اس کے علاوہ وفاق میں بعض سکول کے مضامین بھی تھے جس وجہ سے ایک وقت میں دو امتحان دینا کہ وفاق کے بھی امتحان دیں اور جامعہ کے امتحانات کی بھی تیاری کریں، ایک مشکل کام تھا اس کیلئے میں ذمہ داران وفاق کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں باقاعدہ نصاب بھی بنا کر دیا۔ انہوں نے اس شرط کے ساتھ منظوری کا وعدہ دیا کہ ہم جماعت کے جمع قراء اور اُکابر علماء کو یہ خط بھیج کر ان سے رائے لیں گے پھر ان کی رائے کے موافق عمل کریں گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ لیکن ان خطوط کا کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا اور بالآخر وفاق سے یہ بات طے پائی کہ جامعہ کی قراءات عشرہ کی سند کے ساتھ آپ ہمارے طلباء کا عالمیہ کا امتحان لے لیں۔ جو انہوں نے منظور کر لیا اور اب (بجز اللہ) وفاق نے کلیۃ القرآن کا ایک باقاعدہ نصاب منظور کر لیا ہے اور پورے طور پر اب کوئی طالب کلیۃ القرآن کا امتحان دے سکتا ہے اور وفاق انہیں تجویذ قراءات سبعہ اور عشرہ کی الگ اسناد بھی جاری کرتا ہے۔

⑦ ایک مشکل یہ بھی سامنے تھی کہ ابتدائی تین کلاسوں تک کلیۃ القرآن اور کلیۃ الشریعہ کے طلباء کے سیکشن ہی علیحدہ ہوا کرتے تھے اور کلیۃ القرآن میں عموماً جو نیز آساتذہ ہی پڑھاتے تھے حتیٰ کہ بعض سینئر آساتذہ دفتر میں کہتے کہ ہمارے پیریڈز کلیۃ الشریعہ میں ہی رکھیں، ایک سال ہم نے مطالبہ کر کے بعض بڑے آساتذہ کے پیریڈز بھی لے لیے لیکن ہوا یوں کہ جامعہ میں طلباء نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ سارے سینئر آساتذہ کلیۃ القرآن والے لے گئے ہیں جسے بہت مشکل سے فرو کیا گیا۔

⑧ کلیۃ القرآن کے ابتدائی سالوں میں یہ مسئلہ خصوصی رہا ہے کہ طلباء تجویذ پڑھنے کے شوق میں کلیۃ القرآن میں داخل ہو جاتے، لیکن جوں ہی تیسرا سال شروع ہوتا تو طلباء کہتے ہم نے قراءات نہیں پڑھنی۔ دو تین سال تک تو ہم نے کرباً اجازت دی لیکن ایک سال یہ ہوا کہ ایک کلاس کے سارے ذہین اور پڑھنے والے طلباء نے کہا کہ ہم نے کلیۃ الشریعہ میں پڑھنا ہے، کیونکہ وہاں سکول پڑھنے کی سہولت موجود ہے اور ویسے بھی پڑھائی ظہر تک ہوتی ہے جس پر مجھے سخت صدمہ ہوا اور میٹنگ کر کے مجلس الجامعہ سے طے کرایا کہ آئندہ جو طالب علم تجویذ پڑھے گا وہ اگر یہاں پڑھنا چاہتا ہے تو کلیۃ القرآن میں پڑھے ورنہ جامعہ کے دروازے اس کیلئے بند ہیں۔ میں اس پر سختی سے کار بند ہو گیا حتیٰ کہ اس وجہ سے میرے بعض قریبی عزیز مجھ سے ناراض ہو گئے اور برسوں مجھ سے بات تک نہ کی، لیکن میں نے اس معاملے میں کسی سے کوئی مصالحت نہیں کی۔

یہ شرط اس لیے لگانا پڑی کہ تجویذ کے بعد قراءات کے سالوں میں کسی طالب علم کے آنے کی توقع نہیں ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ آساتذہ کی ٹیم مکمل ہی کرنی پڑتی تھی چاہے کلاس میں چند طلباء ہی کیوں نہ ہوں۔ اس بارے میں وکیل الجامعہ مولانا عبدالسلام فتح پوری کا تعاون بہت مثالی رہا ہے کہ خود ان کے بیٹے نے یہ کہا کہ میں نے کلیۃ القرآن نہیں پڑھنا اور بھاگ کر چلا گیا انہوں نے فرمایا اگر پڑھنا ہے تو یہی پڑھو گے۔

⑨ ایک مسئلہ جس سے خاصی بے چینی رہی، یہ تھا کہ کلاسز میں حجیت قراءات کے موضوع پر کلیۃ الشریعہ اور کلیۃ القرآن کے طلباء کے مابین بحث شروع ہو جاتی جس پر وہ لے دے ہوتی کہ معاملہ سنبھالنا بہت مشکل

کتاب

ہو جاتا۔ بہر حال الحمد للہ آج فضا یکسر بدل چکی ہے۔

⑤ جامعہ لاہور میں طلباء کلیۃ القرآن کو مشق اور حدیث کا مسئلہ ہمیشہ درپیش رہا ہے کیونکہ باقاعدہ اس کیلئے کوئی جگہ نہ تھی طلباء اگر کھانے کے ہال میں مشق کرتے تو صبح دفتر میں شکایت آجاتی تھی کہ ایک رات یوں ہوا کہ عشا کے بعد میں ہال کے پاس سے گزر رہا تھا تو دیکھا کہ قاری قمر الاسلام مشق کر رہا ہے میں نے اُسے مشق کرانی شروع کر دی اور صبح دفتر جامعہ میں میری شکایت بھی پہنچ گئی کہ ہمیں رات سونے نہیں دیا گیا۔

بہر حال مسائل تو بے شمار تھے لیکن مدیر الجامعہ حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالسلام فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شفیق مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ اور لامحدود تعاون سے اللہ رب العزت کام چلاتے رہے۔

**رُشد:** کلیۃ القرآن کے تحت تحریک تحفظ القرآن والحدیث قائم کی گئی تھی اس کے مقاصد کیا تھے؟

**قاری صاحب:** تحریک تحفظ القرآن والحدیث کے مقاصد میں اوّل مرحلہ میں قراءت قرآنیہ کی محافل، محاضرات، دروس وغیرہ کے ذریعہ سے ترویج و اشاعت، فاضلین کلیۃ القرآن کو معاشرے میں اس طرح سیٹ کرنا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہتر خدمت کر سکیں، مختلف مقامات پر لائبریریاں قائم کرنا اور اس میں خصوصی طور پر قراءت قرآنیہ اور علوم القرآن کے مواد کی فراہمی، اس کے علاوہ فکری محاذ پر برسرِ پیکار ہونے کیلئے طلباء کی اس قدر تیاری کروانا کہ وہ منکرین قرآن و حدیث کو منہ توڑ جواب دے سکیں، جس سے دفاع عن القرآن والسنۃ کی ذمہ داری سے ہم عہدہ برآ ہوں۔ بدعات کی بیخ کنی کرنا، سلف و صالحین کے منہج کو زندہ کرنا اور لوگوں کو اس پر چلنے کیلئے آمادہ کرنا، مسلمانوں میں سے جہالت کے خاتمہ کیلئے صحیح تعلیم کا بندوبست کرنا تاکہ وہ شریعت کی برکات و انوارات سے مستفید ہو سکیں۔

**رُشد:** آپ اپنے ان جمیع مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے؟

**قاری صاحب:** الحمد للہ میں اللہ کا بہت ہی شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے میرے مشن میں کافی حد تک کامیابی سے ہمکنار کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تقریباً ۵۷ فیصد تک کامیاب ہوا ہوں جس میں قراءت کی ترویج کے سلسلہ میں تو اللہ نے خاصی مدد فرمائی باقی رہا اس کے فکری محاذ کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں موجودہ قراءت نمبر کی اشاعتوں کے بعد میں الحمد للہ بہت مطمئن ہوں کہ اللہ نے میرے تلامذہ کو دونوں میدانوں کیلئے چن لیا ہے۔

**رُشد:** کیا آپ کلیۃ القرآن کے علاوہ بھی تجوید قراءت کے متعلق کوئی پروگرام رکھتے ہیں؟

**قاری صاحب:** جی ہاں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

① المعهد العالی للتجوید والقراءات کا قیام (جس کی مدت تعلیم پانچ سال ہو) کیونکہ کلیۃ القرآن کا نصاب و دورانیہ چونکہ وسیع ہے اس لیے وہ طلباء اس سے محروم رہتے ہیں جو صرف تجوید قراءت میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جسے تین مراحل میں تقسیم کیا جائے:

① قسم التجوید والقراءۃ (تکمیل روایت حفص عن عاصم کیلئے) مدت تعلیم ایک سال

② قسم القراءات (تکمیل القراءات العشر الصغریٰ کیلئے) مدت تعلیم دو سال

③ قسم تخصص القراءات (تکمیل القراءات العشر الكبرى کیلئے) مدت تعلیم دو سال

اور ہر قسم میں علوم تجوید و قراءات کے ساتھ درس نظامی کی بھی تعلیم دی جائے۔

**ٹھوڑا!** کلیۃ القرآن الکریم (بحمد اللہ) چونکہ اپنے نصاب اور طرزِ تعلیم کے اعتبار سے پاکستان بھر میں ایک مثالی (درس نظامی کی) درس گاہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ معہد (انشاء اللہ) اپنے نصاب اور طرزِ تعلیم کے اعتبار سے پاکستان بھر میں ایک مثالی (تجوید و قراءات کی) درس گاہ کی حیثیت رکھے گی۔

۲ دینی مدارس و جامعات سے فارغ التحصیل علماء کے لیے المعهد العالی فی التجوید و علوم القرآن الکریم کا قیام (جس کی مدت ایک سال ہو) کیونکہ ہمارے ہاں اکیسہ ہے کہ دینی مدارس و جامعات کے اکثر فضلاء علوم قرآن (مثل تجوید و قراءات، رسم قرآن و ضبط) سے محروم رہتے ہیں تاکہ وہ صحت تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے جملہ علوم و فنون سے واقفیت حاصل کر کے اجر عظیم کا موجب بن سکیں۔ اور علوم تجوید و قراءات کے متعلق دشمنانِ اسلام کے غلط نظریات سے آگاہ ہو سکیں۔

۳ عامۃ الناس (خواتین و حضرات) کیلئے 'تجویدی ڈپلومہ' کا قیام (مدت تعلیم ۲۰ دن) تاکہ ہر مسلمان قرآن کے تلفظ کو درست کر کے (تلاوت قرآن) کی تمام تر فضیلتوں کا مستحق ٹھہر سکے۔ اور اس ڈپلومہ کو (جو کہ آربابِ جماعت و مدارس پر فریضہ کی ادائیگی کیلئے ایک عملی قدم ہے) جماعتی طور پر مختلف شہروں میں متعارف کرایا جائے۔

**رشد:** جامعہ لاہور الاسلامیہ سے مرکزِ ادارۃ الاصلاح منتقل ہونے کے کیا اغراض و مقاصد تھے؟

**قاری صاحب:** اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے کے دھارے کو بھیرنا نوجوانوں کا کام ہے اور جو کام نوجوان کر سکتے ہیں وہ عمر رسیدہ افراد نہیں کر پاتے۔ اس لیے جب نوجوان تیار ہو جائیں تو اُن کو کام کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں۔ اسی نیت سے میں نے مدنی صاحب سے بارہا عرض کی کہ آپ اپنے فرزندان میں سے کسی کو کلیۃ القرآن کی ذمہ داری سونپیں۔ بہر حال حافظ صاحب نے سونپ دی، لیکن میری موجودگی کی وجہ سے وہ کھل کر کام نہیں کر پارہے تھے اور اس قدر محنت نہیں کرتے تھے جس قدر کسی کام کو اٹھانے کیلئے کی جاتی ہے، اور بہت ساری باتیں مجھ پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ میں کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاؤں تاکہ یہاں انہیں کام کا بھرپور موقع میسر آئے، نیز ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عموماً قراءات کے مدارس میں یہ ہوتا ہے کہ ایک معروف اُستاد کی زندگی تک ہی وہ کام ہوتا ہے اور بعد میں وہ ختم تصور کیا جاتا ہے، میں اس تصور کو بھی ختم کرنا چاہتا تھا تاکہ کام اچھی طرح اپنے سامنے چلتا دکھ سکوں۔ باقی ادارۃ الاصلاح جانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گیا کہ کلیۃ القرآن للبنات بھی شروع ہو گیا جہاں سے الحمد للہ ایک کلاس (۱۹ طالبات پر مشتمل) قراءاتِ عشرہ مکمل کر کے فارغ ہو چکی ہے اور اب بھی ۱۹ طالبات قراءاتِ عشرہ جمع الجمع کے ساتھ پڑھ رہی ہیں اور ان شاء اللہ سال کے آخر تک ختم قرآن سعادت حاصل کر لیں گی۔ اس کے علاوہ میری دیرینہ خواہش تھی کہ طلباء کیلئے ایک سٹوڈیو ہو جہاں اچھے پڑھنے والے طلبا کی ریکارڈنگ کی جائے اور اُسے نشر کیا جائے وہ بھی الحمد للہ بن چکا ہے۔ الحمد للہ انہی نیک مقاصد کی خاطر میں مرکزِ ادارۃ الاصلاح منتقل ہوا اور وہاں بھی انتظامیہ سے طے کیا کہ کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لوں گا تاکہ شباب کو کام کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے۔

**رشد:** اب ہم آپ سے کچھ ذاتی نوعیت کے سوال کرنا چاہیں گے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کی شادی کب ہوئی اور



اس میں پسند اور ناپسند کا کوئی دخل تھا؟

**قاری صاحب:** میری شادی ۱۹۸۳ء میں، جب میں مدینہ یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا، دوران تعطیلات میرے ماموں مولانا یعقوب کے گھر ہوئی۔ رہا مسئلہ پسند اور ناپسند کا تو ہمارے خاندان میں ایسی باتوں کو ویسے ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میری نانی محترمہ (والدہ حافظ بیگی میر محمدی رحمۃ اللہ علیہا) کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ میری شادی ماموں کے ہاں ہی ہو۔ جس کے بارے میں وہ وقتاً فوقتاً کہتی رہتی تھیں اور ہم دونوں سے ان کا ایک خاص لگاؤ تھا لیکن قدرت کو منظور نہ تھا کہ وہ اس پر مسرت موقع کو اپنی آنکھوں سے دیکھتیں اور ان کی نگرانی میں یہ سارے امور انجام پاتے۔ وہ ہماری شادی سے کچھ ایام پہلے ہی خالق حقیقی سے جا ملیں۔ نور اللہ مرقدہا وجعل الجنة مثواھا

**رُشد:** آپ کتنے بہن بھائی ہیں اور ان کے مشاغل کیا ہیں؟

**قاری صاحب:** ہم بچہ اللہ دس بہن بھائی ہیں۔ بڑے بھائی محترم محمود احمد صاحب، پھر جناب مسعود احمد یہ دونوں سکول ٹیچرز ہیں۔ تیسرے نمبر پر میں ہوں پھر قاری حسان احمد صاحب، قاری سلمان احمد صاحب اور سب سے چھوٹے قاری صہیب احمد صاحب۔ اسی طرح ہماری ہمیشہ راؤں میں سے جو بڑی ہیں ان کی شادی محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب سے ہوئی، دوسری ہمیشہ ام اسامہ ہیں جن کا نکاح صوفی محمد ابراہیم صاحب سے ہوا جو چند ماہ قبل اللہ کو پیاری ہو چکی ہیں، تیسری ام عمیر ہیں جو محترم محمد سلیم صاحب کے عقد میں ہیں اور چوتھی اور چھوٹی ہمیشہ حضرت حافظ بیگی میر محمدی رحمۃ اللہ علیہا کے فرزند ارجمند جناب حافظ محمد اسماعیل میر محمدی کی شریک حیات ہیں۔

**رُشد:** شادی کے بعد کوئی اہم واقعہ ہوا ہو تو فرمائیں؟

**قاری صاحب:** شادی کے بعد کوئی قابل ذکر واقعہ تو نہیں ہوا البتہ مجھے جادو کی شکایت ہو گئی تھی جو چند ہی ایام میں کافی بڑھ گئی لیکن میں الحمد للہ مسلسل قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہا اور مولانا محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دم بھی کروایا جس سے اللہ رب العزت نے شفا عطا فرمائی۔

**رُشد:** شادی کے بعد آپ کو جلد ہی مدینہ جانا پڑا تو کوئی مشکل تو پیدا نہیں ہوئی؟

**قاری صاحب:** یقیناً شادی کے فوراً بعد ایک لمبے عرصے کیلئے گھر والوں سے دور جانا مشکل کام ہوتا ہے اور ہر انسان اُسے محسوس کرتا ہے لیکن میرے اوپر اللہ رب العزت نے یہ کرم کیا کہ چوتھے سال بہت زیادہ مصروف ہو گیا مثلاً کلیتہ میں آخری سال کی بحث لکھنا، اذاعتہ القرآن کی ریکارڈنگ اور پھر عصر سے رات گئے تک شیخ مرصعی رحمۃ اللہ علیہ سے عشرہ پڑھنا جس سے دیگر امور پر توجہ دینے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اس لیے میرا وہ سال خاصا بہتر گزر گیا۔

**رُشد:** آپ اپنی اولاد کے متعلق کچھ فرمانا چاہیں گے؟

**قاری صاحب:** کیوں نہیں! الحمد للہ اللہ رب العزت نے دس بچے اپنی رحمت کاملہ سے عطا کئے جن میں سے تین بیٹے اور سات بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے قاری مصعب مدنی ہیں جو کہ کلیتہ القرآن کے فاضل ہیں اور آج کل مرکز ادارۃ الاصلاح میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دوسرے قاری عثمان مدنی ہیں وہ بھی کلیتہ القرآن کے فاضل ہیں اور آج کل عشرہ کبریٰ اور اس کے ساتھ سکول بھی پڑھ رہے ہیں۔ تیسرے بیٹے حافظ عویمر ہیں جو

کہ بحمد اللہ کلیۃ القرآن ہی میں پہلے سال کے طالب علم ہیں۔

اسی طرح بڑی بیٹی نے ماشاء اللہ حافظہ قاریہ عالمہ ہونے کے ساتھ ساتھ الہدی انٹرنیشنل کا ایک سالہ کورس اور قراءت عشرہ سورۃ بقرہ تک پڑھ رکھی ہے۔ وہ الحمد للہ شادی شدہ ہے اور اپنے گھر میں الہدی کا انسٹی ٹیوٹ چلا رہی ہے۔ اس سے چھوٹی چار بیٹیاں بھی قراءت عشرہ کی فضیلت، قاریات ہیں اور کلیۃ القرآن میں تدریس کر رہی ہیں۔ چھوٹی دو بیٹیاں ابھی حفظ کر رہی ہیں۔

**ترشد:** آپ نے مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو کیسا پایا؟

**قاری صاحب:** میں حضرت حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے داسے، درسے، سننے ہر قسم کا تعاون کیا تھا۔ انہوں نے ادارہ کلیۃ القرآن کے جمیع معاملات میں مجھے پورے اعتماد کے ساتھ کام کرنے کا موقع دیا ہے اور ہر طرح سے میری مسلسل دلجوئی فرماتے رہے ہیں۔ انہوں نے کسی بھی وقت مجھے مشکل کا شکار نہیں ہونے دیا اور ہر موقع پر میری بات کو بڑی اہمیت دی جو ان کی اعلیٰ ظرفی کی دلیل ہے۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے اور ان کو امت کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

**ترشد:** آپ کے اہم شادگر کون سے ہیں۔ خصوصاً جن کے ذریعہ سے آپ کی تحریک کامیاب آگے بڑھا؟

**قاری صاحب:** قاری صہیب احمد میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ، قاری سلمان میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد فیاض رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالولی صومالی رحمۃ اللہ علیہ، قاری انس نضر مدنی رحمۃ اللہ علیہ، قاری عبید اللہ غازی رحمۃ اللہ علیہ، قاری خالد فاروق رحمۃ اللہ علیہ، قاری قمر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ، قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ، قاری عارف بشیر رحمۃ اللہ علیہ، قاری عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد مصطفیٰ راسخ رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمود احمد رحمۃ اللہ علیہ، قاری فیصل محمود رحمۃ اللہ علیہ، قاری عبدالرشید قمر رحمۃ اللہ علیہ، قاری عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ، قاری ریاض عزیز رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد احمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ، قاری سید محمد علی رحمۃ اللہ علیہ، قاری شفیق الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، قاری فہد اللہ مراد رحمۃ اللہ علیہ اور قاری ابو بکر خان پور رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

**ترشد:** آپ کی تصنیفات کتنی ہیں؟

**قاری صاحب:** اللہ رب العزت نے خالصتاً طلباء کی آسانی کیلئے کچھ کرنے کا موقع دیا ہے جن میں:

- ① القاعدة التجويدية (اردو)
- ② تحفة الصبيان في تجويد القرآن (اردو)
- ③ معين القاري في تجويد كلام البارئ (اردو)
- ④ معين الصبيان في تجويد القرآن (اردو)
- ⑤ مرشد الخلان إلى تجويد كلام الرحمن (اردو)
- ⑥ تحفة القاري (اردو)
- ⑦ زينة القاري (اردو)
- ⑧ جمال البيان في تجويد القرآن (اردو)
- ⑨ المقالة العلمية في أهمية التجويد (اردو و عربی)
- ⑩ مذکرتان في أهمية التجويد وفي بعض أحكام التجويد (عربی)



- ۱۱ المدخل إلى علم الوقف والابتداء (اروو)
- ۱۲ تسهيل الاهتداء في الوقف والابتداء (اروو)
- ۱۳ المدخل إلى علم القراءات والقصيدة الشاطبية (اروو)
- ۱۴ المدخل إلى القصيدة الدرّة المضيئة في القراءات الثلاث (اروو)
- ۱۵ نبذة الضوابط والأداء في قراءات القراء للمبتدئين من الطالبات والطلاب في كلية القرآن الكريم للبنات والأبناء (اروو)
- ۱۶ المختارات من أصول القراءات للمبتدئين من الطلاب والطالبات في كلية القرآن الكريم للبنين والبنات (عربي)
- ۱۷ المدخل إلى علم التحريرات للقراءات وما أثير حولها من شبهات والرّد عليها (عربي)
- ۱۸ المختارات من تحريرات القراءات (عربي)
- ۱۹ الفوائد الجلية في تحرير مسائل الشاطبية (عربي)
- ۲۰ الشمعة المضيئة شرح اتحاف البرية بتحرير الشاطبية (عربي)
- ۲۱ عمدة المباني في اختصار الفتح الرحمن شرح كنز المعاني بتحرير حرز الأمانى
- ۲۲ تجميع التحرير ما في كتاب إرشاد المرید (للشيخ الضباع) (عربي)
- ۲۳ تکمیل النفع في تبويب ما في غيث النفع (من التحريرات) (عربي)
- ۲۴ تقريب التحقيقات ما في كتاب حل المشكلات وتوضيح التحريرات في القراءات (عربي)
- ۲۵ الفوائد الباهرة ما في كتاب الدور الزاهرة (عربي)
- ۲۶ تسهيل المرام في الوقف على الهمز لحمزة وهشام (اروو)
- ۲۷ تحفة الخلان في الوقف على الهمز لحمزة وهشام (اروو)
- ۲۸ المدخل إلى قصيده طيبة النشر في القراءات العشر وتحريراتها (عربي)
- ۲۹ تسهيل التنقيح في قواعد التحرير (من تحريرات الطيبة) (عربي)
- ۳۰ منار السبيل في مسائل التكبير (اروو)
- ۳۱ المققع في التكبير عند الختم من طريق التيسير والحرز (عربي)
- ۳۲ شفاء المرتجل في تحقيق الحال المرتجل (اروو)
- ۳۳ عمدة البيان شرح الفرائد الحسان في عدآي القرآن (عربي)
- ۳۴ مرشد الخلان إلى شرح الإعلان في رسم القرآن (عربي)
- ۳۵ حجية القراءات (عربي)
- ۳۶ مكانة القراءات عند المسلمين ونظرية المستشرقين والملحدین حولها (عربي)
- ۳۷ القراءات والقراء بحث مقدم لنيل الشهادة العالية (الليسانس) (عربي)

- ۳۸) اختصار کتاب (القراءات القرآنیة تاریخها، ثبوتها، حجیتها، أحكامها) (عربی)
- ۳۹) القراءات المتواترة بين النحو القرآني والنحو المألوف مع الردّ على من وقف منها من النحاة موقف المعارضة والتخطئ (عربی)
- ۴۰) تحقیق وتصحیح، مقدمة في كتابة المصاحف وعددها، ورسم القرآن للشيخ رضوان المخلّلاتي (عربی)
- ۴۱) مختصر تاریخ مصحف الشريف للقاضي عبدالفتاح، تحقیق وتصحیح (عربی)
- ۴۲) خلاصة الأبحاث في شرح نهج القراءات الثلاث للجعبري بحث مقدم لنيل الشهادة العالمية الماجستير (عربی)
- رشد:** کیا آپ نے کچھ ریکارڈنگ بھی کروائی ہے؟
- قاری صاحب:** جی ہاں! میری ریکارڈنگ کی کچھ تفصیلات حسب ذیل ہیں:
- ① تسجيل بعض أجزاء القرآن الكريم برواية ورش في مجمع ملك فهد .
  - ② تسجيل المصحف الكامل لفظا لفظا لعامة الناس والمبتدئين في أربعين شريطا لتصحيح الأداء المسمى "المصحف المعلم" .
  - ③ تسجيل جزء ٣٠ وبعض السور بالقراءات العشر المتواترة .
  - ④ تسجيل الحلقات المختلفة بالقراءة السبع تحت إشراف عدّة مشايخ ومنهم الشيخ محمود سبيوه البدوي باسم (دروس من القرآن- إذاعة القرآن- بالمملكة العربية السعودية)
  - ⑤ تسجيل كتاب تحفة القاري في تجويد كلام الباري صوتيا للإفادة العامة .
  - ⑥ تسجيل بعض السور في بعض الروايات مثل رواية خلف عن حمزة ورواية ورش
  - ⑦ تسجيل المصحف الكامل في التروايح عدة مرات .
  - ⑧ تسجيل المصحف الكامل برواية ورش في كلية القرآن الكريم والتربية الإسلامية بإصدار مكتبة دار السلام .



[ ۱ ]

## مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ

گرامی قدر مکرم جناب مولانا عبدالرحمن مدنی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

بندہ کے علم میں آیا ہے کہ آنجناب قرآن کریم کے نسخے مختلف قراءتوں میں شائع کرنے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ اگرچہ بلاشبہ تمام قراءتیں (جو شرائط پوری کرتی ہوں) منزل من اللہ ہیں، اور ان کی قرآنیت ثابت ہے، لیکن اس طرح الگ الگ قراءتوں کے مصاحف کے شائع ہونے سے مجھے اپنے ملک اور ماحول میں عوامی انتشار کا خطرہ معلوم ہو رہا ہے۔ دوسرے ملکوں میں ایسے مصاحف شائع ہوئے ہیں، مگر وہاں وہ قراءتیں متعارف ہیں، مثلاً مغرب کے ممالک۔ لیکن ہمارے ملک میں جہاں یہ یقین عام ہے کہ قرآن کریم میں کہیں زیر زبر کا فرق نہیں ہے اگر اس قسم کے مصاحف شائع ہوں گے تو عوام میں غلط فہمیوں اور شبہات کا سلسلہ شروع ہونے کا اندیشہ ہے۔ ظاہر ہے کہ رسم قرآنی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا، اس میں تمام قراءتوں کی گنجائش پہلے سے موجود ہے۔ اس لئے تحفظ قراءت کیلئے بھی ایسا کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ فقہاء کرام نے جاہل عوام کے مجمع میں دوسری قراءت میں قرآن کریم کی تلاوت سے بھی اس لئے روکا ہے کہ انتشار پیدا نہ ہو۔ امید ہے کہ آنجناب اس پہلو پر ضرور غور فرمائیں گے۔

والسلام

بندہ محمد تقی عثمانی

مکرم و محترم جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا مکتوب گرامی نظر نواز ہوا جس میں آپ نے قرآن کریم کی متنوع قراءت متواترہ کے قرآن ہونے کی بھر پور انداز میں تائید فرمائی ہے اس پر میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

سب سے پہلے تو میں معذرت خواہ ہوں کہ ایک مضمون علالت میں کچھ آفاقہ ہونے پر آپ کے مکتوب گرامی کا جواب لکھ رہا ہوں جو انہی دنوں میرے سامنے آیا ہے۔

درج ذیل چند امور قابل تفتیح ہیں:

میں اپنے ادارہ کی طرف سے آپ کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں مختلف قرآءتوں میں قرآن شائع کرنے کا ہمارا کوئی پروگرام نہیں ہے، اگرچہ یہاں کی یونیورسٹیز، دینی جامعات و مدارس اور ان کے اکا برین عرصہ سے نہ صرف ان قرآءتوں پر کام کر رہے ہیں بلکہ اپنی تلاوتوں سے انہیں متعارف بھی کروا رہے ہیں۔ اس ضمن میں میری ناچیز رائے یہ ہے کہ مختلف قرآءتوں میں قرآن مجید کی اشاعت کے بارے میں بین الاقوامی ادارے اور مذکورہ بالا یونیورسٹیاں اور علمی ادارے جو کام کر رہے ہیں ان کا تعارف کروانا تقاضائے مصلحت ہے۔ ان قرآءتوں کے تعارف کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ علمی سطح پر جو کام موجود ہے اس سے عوام میں قرآءتوں کا تعارف ہو کر یہ واضح ہو جائے گا کہ قرآن کریم میں حرکتوں یا حرفوں کی کمی تبدیلی کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی طرف سے ذرا برابر تبدیلی نہیں ہو سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اختیار موجود ہے اس کی نفی نہیں کی جاسکتی۔

آپ نے رسم عثمانی کی اہمیت کا جو ذکر فرمایا ہے اس کے متعلق آپ کا یہ موقف درست ہے کہ اس میں تمام متواتر قرآءتوں کی گنجائش موجود ہے۔ مزید برآں آپ نے قرآن کریم میں زیر و زبر کا فرق نہ ہونے کا جو ذکر کیا ہے وہ صرف اس حد تک درست ہے کہ قرآن کے بعض مقام ایسے ہیں (جس کا ذکر تاج کمپنی سمیت مختلف اشاعتی ادارے کرتے رہتے ہیں) کہ ان کی تبدیلی سے کفر لازم ہوتا ہے۔<sup>\*</sup> البتہ اپنی طرف سے تو لہجے کی تبدیلی بھی جائز نہیں ہے۔

لیکن متنوع قرآءتوں میں نہ صرف حرکات کا اختلاف، حرفوں کا تنوع اور انداز تلاوت کا فرق موجود ہے بلکہ اس پر آج اُمت کے علماء کا اجماع بھی ہے۔ میں اس طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا تنوع نہ صرف دیگر متواتر قرآءتوں میں موجود ہے بلکہ صرف روایت حفص (جو شرق اوسط سمیت برصغیر پاک و ہند میں مروج ہے) اس میں بھی اجماعی طور پر موجود ہے مثلاً ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ﴾ [الغاشیہ: ۲۲] میں 'ص' کی جگہ 'س' پڑھنا بھی درست ہے اسی طرح سورہ الروم: ۵۴ میں ﴿ضَعْفٌ كَوْضٌ﴾ کے ضمہ کے ساتھ ﴿ضَعْفٌ﴾ بھی پڑھا جاسکتا ہے اور ض' کے فتح کے ساتھ بھی۔ (یہ دونوں حرکتوں کی تبدیلی روایت حفص میں ہی موجود ہے)

بلکہ امام حفص کی تو صرف روایت ہے جب کہ اصل قاری امام عاصم جن سے دو متواتر روایتیں ثابت ہیں۔ ان کے پہلے راوی امام شعبہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مُجْرِبُهَا﴾ (میم کے ضمہ کے ساتھ اور امالہ کی بغیر)، جبکہ دوسرے راوی امام حفص، جن کی روایت ہمارے ہاں راجح ہے، ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مُجْرِبُهَا﴾ (میم کے فتح اور امالہ کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی باتیں زیادہ تفصیل سے لکھوں لیکن ناسازی طبع حائل ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

برادر اکبر جناب مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اور دیگر سب عزة و احباب کے لئے سلام مسنون۔

آپ کا مخلص  
حافظ عبدالرحمن مدنی

☆ مثلاً ﴿أُنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کو أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، ﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ﴾ کو وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ اور ﴿وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ﴾ کو وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔

[ ۲ ]

## شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ

جناب محترم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی صاحب و جناب محترم ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی صاحب حفظہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اما بعد!

خیریت موجود عافیت مطلوب۔ مکتوب گرامی موصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم، عمل، رزق، عمر اور اولاد میں برکت فرمائے نیز نیک مقاصد میں آپ کو فائز المرام اور کامیاب بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

مکتوب میں چند مفتیان کرام، حفظہم اللہ العلام، کا ایک خاص فتویٰ بھی ہے اس سلسلہ میں میرا مشورہ ہے کہ آپ دونوں اور چاروں مفتیان کرام ایک دفعہ ارشاد الفحول سے المقصد الأول فی الكتاب العزیز کی الفصل الثانی اور سیر اعلام النبلاء جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۱ سے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ونحن نقول: نتلو بها وإن كانت لا تعرف إلا عن واحد لكونها تلقیت بالقبول فأفادت العلم، وهذا واقع فی حروف كثيرة، وقراءات عديدة، ومن ادعى تواترها فقد كابر الحس ..... الخ“ ضرور مطالعہ فرمائیں۔

یہ صرف اور صرف الدین النصیحة کے پیش نظر لکھ رہا ہوں، واللہ اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں۔ تمام احباب واخوان کی خدمت میں سلام پیش فرمادیں۔ نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

مولانا عبدالمنان نور پوری

سرفراز کالونی، گوجرانوالہ

محترمی و مکرمی شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی قدر!

آپ کی خدمت عالیہ میں ماہنامہ ’رشد‘ کی طرف سے حجیت قراءات کے مسئلہ پر ایک سوال نامہ ارسال کیا گیا جس کے ساتھ چار مشہور علماء کا فتویٰ بھی لف تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ سوالات کا تفصیلی جواب بصورت فتویٰ ارشاد فرمائیں۔ لیکن اگر مصروفیات اجازت نہ دیں تو فتویٰ ملفوفہ پر تائیدی نوٹ رقم فرما کر دستخط فرمادیں، لیکن آپ کا عزت نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے فتویٰ کے بجائے مزید ایک علمی مسئلہ کی نشاندہی فرمادی ہے لہذا ہم نے ضروری سمجھا ہے کہ اس کی وضاحت پیش کر دیں۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ کی طرف سے شائع شدہ فتویٰ میں موجود ہے کہ قراءات عشرہ متواترہ ہیں جس پر آپ نے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب إرشاد الفحول کے المقصد الأول فی الكتاب العزیز کی فصل ثانی اور سیر أعلام النبلاء جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۱ پر موجود بحث کو دیکھنے کی تلقین فرمائی، ہم اس پر آپ کے ممنون ہیں اور ذیل میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت کا ترجمہ اور مزید جن مقامات پر انہوں نے اس بحث کو ذکر کیا ہے، پیش کرتے ہیں۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار فرمایا ہے کہ قراءات عشرہ میں سے ہر ہر قراءات کے جمیع الفاظ متواتر نہیں ہیں بلکہ بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کی سند تواتر اسنادی کے درجہ تک نہیں پہنچتی۔ آپ إرشاد الفحول میں رقمطراز ہیں:

”اختلف في المنقول آحادا، هل هو قرآن أم لا؟ فقيل: ليس بقرآن، لأن القرآن ما تتوفر الدواعي نقله لكونه كلام الرب سبحانه، وكونه مشتقاً على الأحكام الشرعية، وكونه معجزاً. وما كان كذلك فلا بد أن يتواتر، فما لم يتواتر فليس بقرآن. هكذا قرر أهل الأصول التواتر وقد ادعى تواتر كل واحدة من القراءات السبع وهي قراءة أبي عمرو ونافع وعاصم وحمزة والكسائي وابن كثير وابن عامر دون غيرها. وادعى أيضاً تواتر لقراءات العشر وهي هذه مع قراءة يعقوب وأبي جعفر وخلف، وليس على ذلك إثارة من علم فإن هذه القراءات كل واحدة منها منقولة نقلاً آحاداً، كما يعرف ذلك من يعرف أسانيد هؤلاء القراء لقراءاتهم، وقد نقل جماعة من القراء الإجماع على أن في هذه القراءات ما هو متواتر، وفيها ما هو آحاد ولم يقل أحد منهم بتواتر كل واحدة من السبع فضلاً عن العشر وإنما هو قول قاله بعض أهل الأصول وأهل الفن أخبر بفنهم.

والحاصل أن ما اشتمل عليه المصحف الشريف واتفق عليه القراء المشهورون فهو قرآن، وما اختلفوا فيه، فإن اشتمل رسم المصحف قراءة كل واحد من المختلفين مع مطابقتها للوجه الإعرابي والمعنى العربي فهي قرآن كلها، وإن اشتمل بعضها دون بعض، فإن صح إسناده ما لم يحتمله وكانت موافقة للوجه الإعرابي فهي شاذة ولها حكم أخبار الآحاد في الدلالة على مدلولها وسواء كانت من القراءات السبع أو من غيرها. وأما ما لم يصح إسناده مما لم يحتتمل الرسم فليس بقرآن ولا منزل منزلة أخبار الآحاد أما انتفاء كونه قرآناً فظاهر وأما انتفاء تنزله منزلة أخبار الآحاد عدم صحة إسناده وإن وافق المعنى العربي والوجه الأعرابي فلا اعتبار بمجرد الموافقة مع عدم صحة الإسناد.“

[إرشاد الفحول: ص ۸۷-۸۸، دارالکتب العربی ۱۹۹۹ء]

”اس بارے میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم کے جو الفاظ خبر واحد سے نقل ہوئے ہیں کیا وہ قرآن ہیں یا نہیں؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قرآن نہیں ہے کیونکہ اس میں وہ شرط موجود نہیں ہیں جو قرآن کے لیے ضروری ہیں اس لیے کہ قرآن کلام ربانی، احکام شرعیہ پر مشتمل ایک معجزہ ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ وہ متواتر ہو اگر وہ متواتر نہیں تو وہ قرآن نہیں یہ اصولین کا نقطہ نگاہ ہے لہذا قراءات سبعہ یعنی نافع، ابن کثیر، ابن عمرو، ابن عامر، عاصم، حمزہ اور کسائی رحمۃ اللہ علیہم میں سے ہر ایک متواتر ہے اسی میں ان کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ قراءات عشرہ بھی متواتر ہیں جس میں مذکورہ سات کے علاوہ ابو جعفر، یعقوب اور خلف رحمۃ اللہ علیہم کی قراءات شامل ہے جبکہ اس پر کوئی علمی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک قراءات خبر آحاد سے منقول ہے جس طرح قراءات کی اسناد کے عالم اس سے پوری طرح باخبر ہیں۔ قرآن کی ایک

۹۳۲

جماعت نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قراءت عشرہ میں سے بعض قراءت متواتر ہیں اور بعض خبر واحد کے ذریعہ سے منقول ہیں اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ قراءت سبعہ میں سے ہر ایک متواتر ہے چہ جائیکہ عشرہ کے بارے میں یہ بات کہی جائے اور ہر صاحب فن اپنے فن کے بارے میں زیادہ باخبر ہوتا ہے جیسا کہ بعض اصولیوں نے کہا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جو کچھ مصحف میں موجود ہے اور مشہور قراءت جس پر مشفق ہیں وہ قرآن ہے اور جس میں قراءت کا اختلاف ہو وہ اگر رسم اور لغت عرب کے موافق ہے تو وہ بھی سارا کا سارا قرآن ہے لیکن اگر سند صحیح ہو وجہ عربی کے موافق ہو لیکن رسم مصحف اس کو قبول نہ کرتا ہو تو وہ شاذ ہے تو اس کا حکم دلالت میں خبر آحاد کی مثل ہے برابر ہے کہ وہ قراءت سبعہ میں سے ہو یا ان کے علاوہ لیکن جس کی سند صحیح ہے اور رسم مصاحف سے بھی مخالف ہو اگرچہ نحوی وجہ کے موافق ہو تو نہ تو وہ قرآن ہے اور نہ ہی اس کا درجہ خبر آحاد کا ہے۔“

### امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے ماخوذ نکات

① امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءت کے بارے میں ائمہ کے مذاہب کا تذکرہ کیا ہے کہ بعض علماء کے ہاں قراءت عشرہ ساری کی ساری متواترہ ہیں، جبکہ ایک نظر یہ یہ ہے کہ قراءت کی اسناد تواتر کے درجہ تک نہیں پہنچتی بلکہ خبر آحاد ہیں، ایک جماعت نے قراءت کا اجماع نقل کیا ہے کہ قراءت متواترہ کے ساتھ ساتھ کچھ الفاظ خبر آحاد سے بھی مروی ہیں۔

② امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کا نتیجہ یوں نکالا ہے کہ ہر وہ قراءت جو رسم مصحف کے مطابق ہے اور جمیع قراءت اسکے قرآن ہونے پر متفق ہیں تو وہ بالاتفاق قرآن ہے اور اگر قراءت میں اختلاف موجود ہے لیکن اس کی سند صحیح ہے برابر ہے کہ وہ متواتر ہو یا آحاد، رسم مصحف کے بھی موافق اور لغت عرب سے بھی موافق ہو تو وہ بھی بالاتفاق قرآن مجید ہے۔ البتہ کسی قراءت کی سند صحیح ہے اور وجہ اعرابی کے بھی مطابق ہے لیکن رسم مصحف کے خلاف ہے تو وہ قراءت شاذہ ہے۔ بطور قرآن اس کو قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا درجہ خبر آحاد کی مثل ہوگا جس سے استنباط ہو سکتا ہے۔

دوسری جگہ اپنی کتاب السیل الجرار میں فرماتے ہیں:

”والحق أن القراءات السبع فيها ما هو متواتر وفيها ما هو آحاد وكذلك القراءات الخارجة عنها وقد جمعنا في هذا رسالة حافلة ونقلنا فيها مذاهب القراء، وحكي لنا إجماعهم المروي من طريق أهل هذا الفن: أن المعتبر في ثبوت كونه قرآناً هو صحة السند مع احتمال رسم المصحف له وموافقته للوجه العربي. وأوضحنا أن هذه المقالة، أعني كون السبع متواترة وما عداها شاذاً ليس بقرآن. لم يقل بها إلا بعض المتأخرين من أهل الأصول، ولا تعرف عند السلف ولا عند أهل الفن على اختلاف طبقاتهم وتباين أعصارهم.“

[السيل الجرار: ۲۳۹]

”حق بات یہ ہے کہ قراءت سبعہ میں بعض متواتر ہے اور بعض آحاد ایسے ہی وہ قراءت ہے جو سبعہ کے علاوہ (قراءت ثلاثہ) ہیں۔ اس بارے میں ہم نے ایک باقاعدہ رسالہ بھی تحریر کیا ہے جس میں قراءت کے مذاہب نقل کئے ہیں اور اہل فن کا اجماع بھی نقل کیا ہے کہ قرآن ہر وہ شے ہے جس کی سند صحیح ہو، رسم عثمانی کے موافق ہو اور وجہ عربی کے بھی موافق ہو۔ اس میں یہ بھی وضاحت کی ہے کہ یہ کہنا، کہ قراءت سبعہ متواتر ہیں اور اس کے علاوہ باقی جمیع قراءت شاذ ہیں، یہ بعض متاخرین اصولیوں کے علاوہ کسی نے نہیں کہا، سلف نے اور اہل فن میں سے کسی نے بھی کسی

بھی طبقہ اور عصر میں ایسی کوئی بات نہیں کہی۔“

اسی بحث کو امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الأوطار میں باب الحجۃ فی الصلوٰۃ بقراءۃ ابن مسعود و ابي میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

”والمصنف - رحمه الله - عقد هذا الباب للرد على من يقول: إنها لا تجزئ في الصلاة، إلا قراءة السبعة القراء المشهورين. قالوا: لأن ما نقل أحاديا ليس بقرآن، ولم تتواتر إلا السبع دون غيرها، فلا قرآن إلا ما اشتملت عليه. وقد رد هذا الاشتراط إمام القراءات الجزري، فقال في النشر: زعم بعض المتأخرين أن القرآن لا يثبت إلا بالتواتر ولا يخفى ما فيه لأننا إذا اشترطنا التواتر في كل حرف من حروف الخلاف انتفى كثير من أحرف الخلاف الثابتة عن هؤلاء السبعة وغيرهم. وقال: ولقد كنت أجنح إلى هذا القول ثم ظهر فساده. وموافقة أئمة السلف والخلف على خلاف وقال: القراءة المنسوبة إلى كل قارئ من السبعة وغيرهم منقسمة إلى المجمع عليه، والشاذ غير أن هؤلاء السبعة لشهرتهم وكثرة الصحيح المجمع عليه في قراءتهم تركن النفس إلى ما نقل عنهم فوق ما نقل عن غيرهم. فانظر كيف جعل اشتراط التواتر قولاً لبعض المتأخرين وجعل قول أئمة السلف والخلف على خلافه.

وقال أيضاً في النشر: كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالاً وصح إسنادها فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها، ولا يحل إنكارها، بل هي من الأحرف السبعة التي نزل بها القرآن ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الأئمة السبعة أم عن العشرة أم عن غيرهم من الأئمة المقبولين، ومتى اختلف ركن من هذه الأركان الثلاثة أطلق عليها ضعيفة أو شاذة أو باطلة سواء كانت عن السبعة أو عمن هو أكبر منهم، هذا هو الصحيح عند أئمة التحقيق من السلف والخلف، صرح بذلك المدني والمكي والمهدوي وأبوشامة، وهو مذهب السلف الذي لا يعرف من أحدهم خلافه، قال أبوشامة في ’المرشد الوجيز‘ فلا ينبغي أن يغتر بكل قراءة تُعزى إلى أحد هؤلاء السبعة، ويطلق عليها لفظ الصحة وأنها أنزلت هكذا، إلا إذا دخلت في تلك الضابط، وحينئذ لا ينفرد مصنف عن غيره، ولا يختص ذلك بنقلها عنهم، بل إن نقلت عن غيرهم من القراء فذلك لا يخرجها عن الصحة، فإن الاعتماد على استجماع تلك الأوصاف لا على من تنسب إليه، إلى آخر كلام ابن الجزري الذي حكاها عنه صاحب ’الإتقان‘. وقال أبو شامة: شاع على السنة جماعة من المقرئين المتأخرين وغيرهم من المقلدين أن السبع كلها متواترة أي كل حرف مما يروى عنهم. قالوا: والقطع بأنها منزلة من عند الله واجب ونحن نقول بهذا القول، ولكن فيما أجمعت على نقله عنهم الطرق واتفقت عليه الفرق من غير تكبير فلا أقل من اشتراط ذلك إذ لم يتفق التواتر في بعضها. إذا تقرر لك إجماع أئمة السلف والخلف على عدم تواتر كل حرف من حروف القراءات السبع، وعلى أنه لا فرق بينها وبين غيرها، إذا وافق وجهها عربياً وصح إسنادها ووافق الرسم ولو احتمالاً بما نقلناه عن أئمة القراءتين لك صحة القراءة في الصلاة بكل قراءة متصفة بتلك الصفة سواء كانت من قراءة الصحابة المذكورين في الحديث أو من قراءة غيرهم. وقد خالف هؤلاء

سبع



الأئمة النويري المالكي في 'شرح الطيبة' فقال عند شرح قول ابن الجزري فيها:

فكل ما وافق وجه نحوي وكان للرسم احتمالا يحوي  
وصح إسنادا هو القرآن فهذه الثلاثة الأركان  
وكل ما خالف وجهها أثبت شدوذه لو أنه في السبعة

ما لفظ ظاهره أن القرآن يكتفي في ثبوته مع الشرطين المتقدمين بصحة السند فقط ولا يحتاج إلى التواتر وهذا قول حادث مخالف لا جماع الفقهاء والمحدثين وغيرهم من الأصوليين والمفسرين. وأنت تعلم أن نقل مثل الإمام الجزري وغيره من أئمة القراء لا يعارضه نقل النويري لما يخالفه، لأننا إن رجعنا إلى الترجيح بالكثرة أو الخبرة بالفن أو غيرهما من المرححات قطعنا بأن نقل أولئك الأئمة أرجح. [نبيل الأوطار: ۲۳۸-۲۳۹]

”فرماتے ہیں کہ مصنف رحمہ اللہ کا اس باب کو قائم کرنے کا مقصد ان لوگوں کا رد کرنا ہے جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ قراء سبعہ کی قراءت کے علاوہ کسی کی قراءت نماز میں جائز نہیں ہے اور جو قراءت خبر آحاد سے منقول ہیں وہ قرآن نہیں ہیں۔ متواتر قراءت صرف سبعہ ہیں اور صرف یہی قرآن ہیں حالانکہ اس شرط کا امام القراءات ابن الجزری رحمہ اللہ نے النشر میں رد کیا ہے اور کہا ہے:

”بعض متاخرین کا زعم ہے کہ قرآن صرف تواتر سے ثابت ہوتا ہے جبکہ یہ بات مخفی نہیں کہ اگر ہم نے یہ شرط لگا دی تو بہت سے آحرف اور کلمات ثابتہ (جو ان قراء سبعہ یا ان کے علاوہ سے منقول ہیں) کی نفی ہو جائے گی۔ پھر فرماتے ہیں: میں نے بھی اسی قول کو اختیار کیا تھا پھر جب اس کے فساد اور سلف و خلف کے بارے میں علم ہوا کہ وہ اس کے خلاف ہیں تو میں نے ترک کر دیا۔

نیز فرماتے ہیں: وہ قراءت جو قراء سبعہ اور دیگر کی طرف منسوب ہیں دو طرح سے ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو جمع علیہ اور بعض شاذ ہیں، باقی جو قراءت سبعہ ہیں ان کی شہرت کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ ان میں صحیح اور مجمع علیہ قراءت ہیں اس لیے طبیعت ان کی طرف زیادہ مائل ہے۔

اس کے بعد امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ یہاں غور کرنا چاہئے کہ کس طرح امام ابن جزری رحمہ اللہ نے تواتر کی شرط کو بعض متاخرین کا قول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ سلف و خلف اس کے مخالف ہیں۔

اپنے اس تبصرے کے بعد دوبارہ پھر امام جزری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نشر میں فرماتے ہیں:

”ہر وہ قراءت جو صحیح ہے اس کا رد کرنا جائز نہیں، اس کا انکار کرنا حرام ہے اور وہ ان آحرف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا ہے جن کا قبول کرنا واجب ہے، برابر ہے کہ وہ ائمہ سبعہ یا ائمہ عشرہ کی قراءت ہو یا ان کے علاوہ کسی بھی قابل اعتماد امام سے منقول ہو۔ جب بھی ان اركان ثلاثہ میں سے کوئی رکن فوت ہو جائے تو وہ قراءت ضعیفہ، شاذہ یا باطلہ ہوگی اگرچہ وہ ائمہ سبعہ کی قراءت ہو یا ان سے بھی کسی بڑے امام کی ہو۔ سلف و خلف میں سے محققین کا یہی مذہب ہے جس کی کمی بن ابی طالب رحمہ اللہ، امام دانی رحمہ اللہ، ابوالعباس مہدوی رحمہ اللہ اور امام شامہ رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔“

اس بارے میں امام ابو شامہ رحمہ اللہ ’المُرشد الوجیز‘ میں فرماتے ہیں:

”کسی کے یہ لائق نہیں کہ اس بات سے دھوکہ کھائے کہ قراء سبعہ کی طرف منسوب ہر روایت مطلق طور پر صحیح ہے اگرچہ اسی طرح ہی نازل ہوئی ہو، ہاں اگر اسے اس ضابطہ میں داخل کر دیا جائے اور وہ اس پر پوری اترے تو اُسے درست

قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس وقت اس میں کوئی بھی ناقص کسی دوسرے سے منفرد نہیں ہے اور نہ اس کو خاص کیا جائے گا کہ وہ انہی قراء سبعہ سے نقل کرے بلکہ وہ اس کے علاوہ بھی کسی سے نقل کرے تو درجہ صحت سے وہ کسی طرح بھی نہیں گرتی کیونکہ اعتماد فقط اس پر ہوگا کہ آیا اس میں اوصاف ثلاثہ جمع ہیں؟ نہ کہ اس پر کہ وہ منسوب کس سے ہے۔“

اسی طرح ابوشامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متاخر قراء اور مقلدین میں یہ بات عام طور پر معروف ہے کہ قراءات سبعہ ساری کی ساری متواتر ہیں یعنی ہر ایک حرف جو بھی قراء سبعہ سے مروی ہے وہ درجہ تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔

اور ہم کہتے ہیں قطعی بات یہ ہے کہ اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ وہ منزلۃ، من عند اللہ ہے۔ لیکن اس میں کم از کم یہ شرط ضرور پائی جائے کہ اس کے طرق متفق ہوں اور جمیع علماء کا اس پر اتفاق ہو اور کسی نے اس کے قرآن ہونے کا انکار نہ کیا ہو اگرچہ وہ تواتر کے درجہ تک نہ بھی پہنچتی ہوں۔

امام ابوشامہ رحمہ اللہ کے اس قول کے بعد امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب سلف و خلف کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ قراءات سبعہ کا ہر حرف متواتر نہیں ہے، ان میں اور دیگر قراءات (یعنی عشرہ) میں کوئی فرق نہیں ہے جب وہ وجہ نحوی کے موافق ہو سند صحیح ہو اور رسم مصاحف کے حقیقی یا احتمالی طور پر موافق ہو تو یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر ایسی قراءات کے ساتھ نماز درست ہے برابر کہ وہ مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءات ہو یا ان کے علاوہ کسی اور کی ہو۔ اس مسئلہ میں جمہور ائمہ کی امام النویری الممالکی رحمہ اللہ نے شرح الطیبہ میں مخالفت کی ہے اور ان اشعار:

فکل ما وافق وجہ نحوی وکان لل رسم احتمالا یحوی

وصح إسنادا هو القرآن فهذه الثلاثة الأركان

وکل ما خالف وجہا أثبت شدوذه لو أنه في السبعة

کی شرح میں لکھتے ہیں: امام جزری رحمہ اللہ کے الفاظ جو ظاہر کر رہے ہیں کہ قرآن کے ثبوت کے لیے مذکورہ دو شروط (یعنی وجہ نحوی اور موافقت رسم) کے ساتھ صرف صحت سند کافی ہے تواتر کی ضرورت نہیں ہے یہ ایک نیا قول ہے جو فقہاء، محدثین، اصولیین اور مفسرین کے اجماع کے خلاف ہے۔

اس پر امام شوکانی رحمہ اللہ تبصرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

”کہ اس بات کا آپ کو بخوبی علم ہے کہ نویری کی بات علامہ جزری رحمہ اللہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اگر ترجیح کے اسباب کی طرف بھی رجوع کریں تو امام جزری رحمہ اللہ کے ہم نوا زیادہ لوگ ہیں اور پھر قراءات پر گہری نظر رکھنے والے ائمہ ہیں جو کہ اس کے راجح ہونے کے لیے کافی ہے۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ کی مذکورہ تینوں ابحاث سے درج نکات سامنے آتے ہیں:

① صرف یہ کہنا کہ قراءات سبعہ ہی قرآن ہیں اس کے علاوہ کوئی چیز بطور قرآن قبول نہیں کی جائے گی یہ بات

سراسر غلط ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی قرآن مجید موجود ہے۔

② یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ قراءات سبعہ میں ہر حرف تواتر الاسناد کے درجہ کو پہنچا ہوا ہے بلکہ بعض

احرف (کلمات) سند کے اعتبار سے آحاد بھی ہیں۔

③ ثبوت قراءات کے سلسلہ میں امام شوکانی رحمہ اللہ سو فیصد امام ابن الجزری رحمہ اللہ کے نظریہ پر اعتماد کرتے

ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہر وہ قراءات جو رسم عثمانی کے حقیقی یا احتمالی طور پر موافق ہو لغت عرب کے مطابق ہو اور اس کی سند

صحیح ہو برابر ہے کہ اُسے سندی تو اترا حاصل ہو یا نہ ہو وہ قرآن ہے اور اس کا انکار قرآن کا انکار ہے جو شرعاً ناجائز اور حرام ہے اور یہ نظریہ امام ابن الجزری رحمہ اللہ کا نہیں ہے بلکہ جمیع محقق ائمہ مثلاً امام دانی رحمہ اللہ، مکی بن ابی طالب القیس رحمہ اللہ، ابو العباس المہدوی رحمہ اللہ اور ابوشامہ رحمہ اللہ وغیرہم کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس بارے میں ہماری پہلی گزارش یہ ہے کہ امام شوکانی رحمہ اللہ حجت قراءات کے اسی قدر قائل ہیں جس قدر امام ابن الجزری رحمہ اللہ ہیں اور امام ابن الجزری رحمہ اللہ بالاتفاق قراءات کے امام اور محقق اعظم ہیں اور قراءات عشرہ میں سے ہر ایک قراءت کو حجت اور قرآن تسلیم کرتے ہیں لہذا امام شوکانی رحمہ اللہ کے صرف اس ایک مسئلہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ قراءات سب سے یا عشرہ کا ہر حرف متواتر نہیں ہے بلکہ بعض آحاد بھی ہیں، کوئی آدمی یہ دلیل لے کہ وہ علم تجوید و قراءات میں ائمہ اسلاف سے علیحدہ کوئی رکھتے تھے، تو یہ ان پر بہتان ہے۔ حالانکہ وہ اس مسئلہ میں جمہور علماء اور محقق قراء کے ہی پیرو ہیں اور ان سے ایک قدم بھی آگے بڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ لہذا ان حضرات کو جو امام شوکانی رحمہ اللہ کو بنیاد بنا کر متنوع قراءات کے مسئلہ میں جمہور سلف سے علیحدہ رائے رکھتے ہیں، انہیں اپنے موقف پر نظر ثانی فرمانے کی ضرورت ہے، کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نمائندہ علماء میں کوئی ایسا فرد نہیں جو متنوع قراءات کے سلسلے میں اس قسم کی منفرد رائے رکھتا ہو، حتیٰ کہ اہل تشیع بھی تعبیرات کے اختلاف سے قطع نظر مجموعی طور پر اس مسئلہ میں اہل سنت کے ساتھ ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ رائے کہ وہ صحیح بخاری وغیرہ میں منقول قراءات شاذہ کے بھی قرآن ہونے کے قائل تھے، یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی امام شوکانی رحمہ اللہ تو کیا اہل السنۃ والجماعۃ کے مقتدر پیشواؤں سے بھی کوئی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی، بلکہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس نظریہ کا بذات خود پُر زور رد کیا ہے۔ وہ السیل الجرار میں فرمایا ہے: ”أن المعبر فی ثبوت کونہ قراناً ہو صحۃ السند مع احتمال رسم المصحف لہ و موافقہ للوجه العربی: ثبوت قرآن میں اگر کوئی چیز معتبر ہے وہ یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہو، رسم مصحف میں اس کا احتمال موجود ہو اور وجہ عربی (نحوی) کے موافق ہو۔ لہذا جب تک کسی بھی روایت کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ رسم کی موافقت موجود نہیں ہے تو امام شوکانی رحمہ اللہ کے ہاں بھی قرآن نہیں ہے اور بخاری وغیرہ کی جمیع روایات رسم مصحف کے مخالف ہونے کی وجہ سے بطور قرآن قبول نہیں کی جاسکتیں۔ جیسا کہ ارشاد الفحول میں خود امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اس کی بالکل واضح کھلے اور صریح الفاظ میں صراحت کی ہے اور اُسے غیر قرآن یعنی قراءات شاذہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”فإن صح إسناد ما لم يحتمله وكانت موافقة للوجه الإعرابي والمعنى العربي فهي شاذة .“  
 ”اگر سند صحیح ہو اور وجہ اعرابی معنی عربی کے موافق ہو لیکن رسم مصحف کا احتمال موجود نہیں ہے تو وہ قراءات شاذہ ہے۔“

لہذا امام شوکانی رحمہ اللہ کو بنیاد بنا کر غیر قرآن کا قرآن قرار دینا خود امام شوکانی رحمہ اللہ پر بہت بڑا ظلم ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو ارسال کئے گئے فتویٰ میں جو آپ کے نزدیک بنیادی نقطہ اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ شیوخ نے قراءات عشرہ کو متواترہ کیوں لکھا ہے۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ علماء کے ہاں تواتر کی تعریف میں فرق ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تواتر کی تعریف کی ہے اور وہی عام طور پر معروف ہے، فرماتے ہیں:

”فأما خبر المتواتر فهو ما أخبر به القوم الذين يبلغ عددهم حداً يعلم عند شاهدتهم بمستقر العادة أن اتفاق الكذب منهم محال .“

”خبر متواتر وہ خبر ہے جس کو روایت کرنے والے اتنے زیادہ لوگ ہوں کہ ان کے مشاہدہ سے معلوم ہو کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادتاً محال ہے پھر اسی تعریف کو دیگر مصنفین مزید تہذیب اور تنقیح سے بیان کیا ہے جیسا کہ تیسرے مصطلح الحدیث میں ہے: ”مارواہ عدد کثیر تحیل العادة تواطوهم علی الکذب.“

”متواتر وہ روایت ہے کہ جسے روایت کرنے والے اس قدر زیادہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادتاً محال ہو۔“

[تیسری مصطلح الحدیث: ۱۹]

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف کے بارے میں حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ومن المشهور المتواتر الذي يذكره أهل الفقه وأصوله، وأهل الحديث لا يذكره باسمه الخاص المشعر بمعناه الخاص وإن كان المحافظ قد ذكره، ففي كلامه ما يشعر بأنه اتبع فيه غير أهل الحديث.“

”اور مشہور روایت میں سے متواتر روایت کی تعریف بھی ہے جو فقہاء اور اصولیوں نے ذکر کی ہے، جبکہ محدثین اس خاص نام اور مخصوص معنی کے ساتھ اس کو ذکر نہیں کرتے۔ اگرچہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعریف کو ذکر کیا ہے لیکن ان کے کلام سے یہی مترشح ہے کہ وہ اس مسئلہ میں محدثین کے متبع نہیں ہیں۔“

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے جس نظریہ پر نقد کیا ہے وہ یہ ہے کہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تواتر کو جو عدد رواۃ کے ساتھ مقید کر دیا ہے یہ محدثین کے نقطہ نظر کے خلاف ہے۔

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فلا معنى لتعيين العدد على الصحيح.“ [نزہة النظر: ۱۰]

”صحیح بات یہ ہے کہ تعین عدد کوئی چیز نہیں ہے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے نظریہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وأما المتواتر فالصواب الذي عليه الجمهور: أن المتواتر ليس له عدد محصور، بل إذا حصل العلم عن أخبار المخبرين كان الخبر متواتراً.“

”متواتر کے سلسلہ میں درست رائے وہی ہے جس پر جمهور ہیں کہ متواتر کیلئے کسی تعین عدد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جب کسی خبر سے علم یقینی حاصل ہو جائے وہ متواتر ہے۔“ [مجموع فتاویٰ: ۴۰۱۸]

شیخ الاسلام متواتر روایت کے بارے میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”فلفظ المتواتر يراد به معان، إذ المقصود من المتواتر ما يفيد العلم، لكن من الناس من لا يسمي متواتراً إلا ما رواه عدد كثير يكون العلم حاصلاً بكثرة عددهم فقط. و يقولون: إن كل عدد أفاد العلم في قضية أفاد مثل ذلك العدد العلم في كل قضية وهذا قول ضعيف.“

والصحيح ما عليه الأكثرون أن العلم يحصل بكثرة المخبرين تارةً ويحصل بصفاتهم لدينهم وضبطهم وقد يحصل بقرائن تحتمل بالخبر يحصل العلم لمجموع ذلك وقد يحصل العلم بطائفة دون طائفة وأيضاً بالخبر الذي تلقاه الأئمة بالقبول تصديقاً أو عملاً بموجبه يفيد العلم عند جماهير السلف والخلف.“ [مجموع فتاویٰ: ۴۸۱۸]

”لفظ متواتر سے کئی معانی مراد ہیں جبکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے، لیکن بعض لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ متواتر فقط وہی ہے جس کو عدد کثیر نے روایت کیا ہے اور علم یقینی کا فائدہ صرف اسی خبر سے

کتاب

حاصل ہوگا جس میں رِوَاة کی کثرت ہو۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر وہ عدد جو کسی خاص معاملہ میں علم یقینی کا فائدہ دے ضروری ہے کہ یہی عدد ہر ایک قضیہ میں علم یقینی کا فائدہ دے جبکہ یہ انتہائی ضعیف قول ہے۔

صحیح بات وہی ہے جس پر اکثر اہل علم ہیں کہ کبھی علم یقینی رِوَاة کی کثرت سے حاصل ہوتا ہے، کبھی رِوَاة کی اعلیٰ صفات یعنی ان کے ضبط اور دینداری کی بنیاد پر ملتا، کبھی ایسے قرآن ساتھ مل جاتے ہیں جو اسے علم قطعی کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں، بعض دفعہ ایک جماعت تو علم کا فائدہ دے رہی ہوتی ہے لیکن دوسری نہیں۔ اسی طرح ہر وہ خبر بھی علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے جیسے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے اُسے ائمہ قبولیت صرف تصدیق کر کے عطا کریں یا اس پر عمل کر کے جیسا کہ جمہور سلف خلف کا نقطہ نظر ہے، آخر میں فرماتے ہیں و هذا معنی المتواتر، یہ ہے متواتر کا مفہوم۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس واضح اور دو ٹوک تصریح کے بعد مزید کسی بات کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ تواتر صرف یہ نہیں ہے جو کثرتِ رِوَاة کی بنیاد پر ہوتا ہے بلکہ ہر وہ شے جو قطعیت کا فائدہ دے وہ متواتر ہے اور کثرتِ رِوَاة سے بھی قطعیت کا حصول ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دیگر ذرائع بھی ایسے ہیں جن سے علم قطعی اور یقینی کا فائدہ حاصل ہوگا، خبر کا ہر وہ ذریعہ جس سے علم یقینی اور قطعی حاصل ہو وہ متواتر ہے۔ لہذا جامعہ لاہور الاسلامیہ کے شیوخ نے اپنے فتویٰ میں قراءاتِ عشرہ کے متواتر ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ ما أفاد القطع فهو متواتر، کہ جو بھی چیز قطعیت کا فائدہ دے وہ متواتر ہے اور قرآن کریم کے بارے میں اُمت مسلمہ کا ہر دور میں یہ اجماع رہا ہے اور آج بھی ہے کہ قرآن قطعی الثبوت ہے۔

یہ صرف ہمارا موقف نہیں بلکہ بقول حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ محدثین کا بھی یہی نظریہ ہے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، جمہور سلف و خلف اسی نظریہ کے قائل ہیں اور جو لوگ صرف اس بات کے قائل ہیں کہ تواتر صرف کثرتِ رِوَاة کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے ان کا قول ضعیف ہے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نفی کیوں کی ہے کہ قراءاتِ عشرہ میں سے ہر حرف متواتر نہیں ہے اس سے ان کا مقصود فقط یہ کہ قراءات کا ہر حرف تواتر الاسناد کے درجہ تک نہیں پہنچتا بلکہ بعض احرف سند کے اعتبار سے آحاد ہیں اور ان کے سند کے آحاد ہونے سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کہ وہ قطعی الثبوت نہیں ہیں اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو اُسے اپنے موقف پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ ہمارے نزدیک قرآن کریم کی جمیع قراءات قطعی الثبوت ہیں اور قطعی الثبوت کے بارے میں جمہور اہل الحدیث من السلف والخلف کا نظریہ یہ ہے کہ وہ متواتر ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قاری فہد اللہ مراد

رکن مجلس تحقیق الاسلامی



## مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ میں علوم قرآن

ائمہ اسلاف میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ متعدد کتب کے مصنف ہیں اور اہل علم کے ہاں ان کی آراء کو معتبر خیال کیا جاتا ہے، اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر ان کے نقطہ نظر کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ میں انہوں نے مختلف سوالوں کے جواب دیتے ہوئے متعدد علوم کے ساتھ ساتھ قراءت قرآنیہ کی حجیت، قراءت قرآنیہ سے استدلال، منکرین قراءت کا حکم، قراءات شاذہ کی شرعی حیثیت، ضبط القرآن، رسم القرآن، جمع القرآن، تجوید القرآن، حفاظت قرآن اور آداب تلاوت وغیرہ جیسے موضوعات کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ امام صاحب نے تقریباً چار مختلف مقامات پر حجیت قراءت کے حوالے سے گفتگو کی ہے، جس میں انہوں نے حدیث «أُنزِلَ الْقُرْآنُ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ» [صحیح البخاری: ۴۹۹۲] کی وضاحت، نماز میں قراءت مختلفہ کی تلاوت اور قراءت عشرہ کو جمع کر کے پڑھنے کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے مختلف سوالات کے جواب دیتے ہوئے تقریباً بیس (۲۰) مختلف مقامات پر اپنے موقف کی تائید میں قراءت قرآنیہ سے استدلال کیا ہے۔ رُشد کے گذشتہ شمارہ قراءت نمبر حصہ دوم میں ہم نے ”ائمہ اسلاف اور عرب مفتیان کے فتاویٰ“ نامی مضمون میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حجیت قراءت کے حوالے سے تفصیلی فتاویٰ کا ترجمہ پیش کیا تھا۔ اس مضمون کے چھپ جانے کے بعد استاد القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ نے مجموع فتاویٰ میں موجود علوم قرآن اور قراءت قرآنیہ پر مشتمل احیاء کے حوالے سے تفصیلی مواد ہمیں ارسال کیا جو انہوں نے کچھ عرصہ قبل پورے مجموع فتاویٰ کے مطالعہ سے منتخب کیا تھا۔ اس کو تفصیلاً نقل کرنا تو مشکل ہے، کیونکہ یہ تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اختصار کے پیش نظر مجلس التحقیق الاسلامی کے فاضل رکن قاری محمد مصطفیٰ راسخ نے ان احیاء کا اشاریہ تیار کر دیا ہے تاکہ قارئین براہ راست مجموع فتاویٰ سے استفادہ کر سکیں۔ (اگر اللہ نے موقع دیا تو تفصیلی احیاء بھی ان شاء اللہ بعد میں کبھی شائع کردی جائیں گی)

ہم علوم قرآن سے متعلق ان تمام احیاء کا اشاریہ قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں تاکہ عوام بھی اس بیش قیمت خزینہ سے مستفید ہو سکیں۔ مجموع فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف قراءت قرآنیہ کے عالم تھے بلکہ وہ متعدد فقہی مسائل میں ان سے استدلال بھی کیا کرتے تھے۔ [ادارہ]

☆ پرنسپل کلیۃ القرآن الکریم، مرکز المہدر، بنگلہ بلوچاں، پھول نگر

\* فاضل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور



مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ میں علوم قرآن

## قرآن کی شرعی حیثیت

قرآن کی شرعی حیثیت کے بارے میں بعض گمراہ فرقوں نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے۔ جب کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس گمراہ کن عقیدے کے سامنے بند باندھا اور بے شمار تکالیف کے باوجود یہی نعرہ بلند کرتے رہے کہ قرآن مخلوق نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں قرآن کی شرعی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں اور یہ بحث درج ذیل مقام پر موجود ہے۔ [۷۰/۱۲]

## حفاظت قرآن

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سر لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَكٰفِظُونَ﴾ [الحجر: ۹] ”بے شک ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں حفاظت قرآن کے موضوع پر بھی تفصیلی بحث کی ہے کہ قرآن مجید محفوظ ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا تحریف نہیں ہوئی اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سر لیا ہے۔ حفاظت قرآن کے حوالے سے ان کی بحث درج ذیل مقام پر موجود ہے۔ [۱۰۲/۱۰۰۷۱۲]

## تعریف القرآن

قرآن مجید کی تعریف، قرآن کیا ہے؟ دیگر کتب سماوی سے قرآن کے امتیازات، مصاحف اور صدور میں حفاظت قرآن مجید کا ادب و احترام جیسی اصحاحات مجموع فتاویٰ کے درج ذیل مقامات پر موجود ہیں۔ [۵۷۹/۱۲، ۳۹۱-۳۸۱/۱۲]

## جمع قرآن

قرآن مجید کی جمع کے تین معروف دور ہیں۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، عہد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اور عہد عثمانی رضی اللہ عنہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں قرآن مجید کی تدوین اور جمع کے ان ادوار و خلاصہ پر بھی گفتگو کی ہے اور تینوں ادوار کی کیفیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی یہ بحث درج ذیل مقامات پر موجود ہے۔ [۳۱۹-۳۱۷/۲۱، ۲۶۶-۲۶۵/۲۱]

## اہل قرآن کے فضائل

جس طرح قرآن مجید ایک عظیم الشان کتاب ہے اسی طرح اہل قرآن بھی عظیم المرتبت لوگ ہیں، کیونکہ ان کی نسبت قرآن کے ساتھ ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل قرآن کے فضائل کے بارے میں بھی گفتگو کی ہے۔ ان کی یہ بحث درج ذیل مقام پر موجود ہے۔ [۲۸/۱۶]

## تجوید القرآن

قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنا فرض اور واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً﴾ [المزمل: ۴] ”سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ترتیل سے مراد تجوید الحروف اور معرفۃ الوقوف ہے۔“

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں تجوید القرآن، مخارج الحروف اور ان کی صفات سمیت تمام تر تفصیلات پر بھی بحث کی ہے۔ جس کے لیے درج ذیل مقامات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ [۴۷۷/۳۵، ۳۵۱-۳۵۰/۲۳، ۲۲۵، ۲۲۱/۱۶]

بسم اللہ



## مفترقات

اس طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مجموع فتاویٰ میں قرآن و علوم قرآن سے متعلق متعدد دیگر موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ① بوسیدہ مصاحف کو تلف کرنے کا حکم [۵۹۹/۱۲-۶۰۰]
- ② سورۃ الفاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورۃ الاخلاص کی فضیلت [۲۰۵/۱۷]
- ③ حکم نسخ القرآن بالسنة [۳۹۹-۳۹۷/۲۰]
- ④ الجهر بالبسملة و حکمها في الصلاة [۲۶۴/۲۲-۲۶۷/۲۲-۲۷۰]
- ⑤ البسملة آية أم لا؟ [۳۲۸/۲۲-۳۵۵-۵۰۵/۲۲-۳۳۵]
- ⑥ درود شریف کے الفاظ کا اختلاف [۶۵۱-۶۴۴/۲۲-۶۷۷]
- ⑦ حکم سجدة التلاوة بلا وضوء [۴۸-۴۷/۲۳]
- ⑧ طلب العلم أو تلاوة القرآن أيهما أفضل؟ [۶۷-۵۴/۲۳]
- ⑨ حکم أجرة الإمام [۳۶۷/۲۳]
- ⑩ حکم الصلاة بدون وضوء ناسيا [۳۶۹/۲۳]
- ⑪ حکم كتابة القرآن على الدرهم والدينار وغيرهما [۶۷-۶۶/۲۵]
- ⑫ أي الرجل أفضل بالإمامة؟ [۳۳۱-۳۳۰/۲۳]
- ⑬ من يقرأ الضاد متشابهاً بالطاء فحكم صلاته [۳۵۱-۳۵۰/۲۳]
- ⑭ عدد سجود التلاوة في القرآن [۱۷۷-۱۳۶/۲۳]
- ⑮ حکم التراويح بعد المغرب [۱۲۲-۱۱۲/۲۳]



### علوم قراءات پر تفصیلی اشاریہ جات

معزز قارئین کو اطلاع دی جاتی ہے کہ رشد قراءات نمبر حصہ سوم کی ضخامت بڑھنے کی وجہ سے کتابیات، مخطوطات اور اشاریہ جات وغیرہ سے متعلق بعض مضامین کو، جو تقریباً ۲۵۰ صفحات پر مشتمل تھے، شمارہ ہذا میں شامل نہیں کیا گیا، صرف تبرک کے طور پر مضمون 'مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ میں علوم قرآن' اس شمارہ میں شائع کیا گیا ہے۔ لہذا ادارہ 'رشد' اس قسم کے تمام مضامین کو اپریل اور مئی ۲۰۱۰ء دو ماہ پر مشتمل قراءات نمبر حصہ چہارم کے طور پر شائع کرے گا۔ واضح رہے کہ یہ شمارہ صرف اشاریہ جات پر مشتمل ہوگا جس میں افادہ قارئین کیلئے پچھلے دونوں قراءات نمبر میں موجود اس قسم کے مضامین کو دوبارہ شائع کیا جائے گا۔ نیز تینوں قراءات نمبر کے تمام مضامین کے ذیلی ۱۹۰۰بحاث کا بھی تفصیلی اشاریہ شامل اشاعت ہوگا۔ انشاء اللہ

## مشاہیر قراء کرام کا تذکرہ

اس سلسلہ کا ایک تفصیلی مضمون اسی سے قبل ماہنامہ رُشد قراءات نمبر دوم میں صفحہ ۶۷۶ تا صفحہ ۷۵۵ پر شائع ہو چکا ہے جس میں تمام میادین علم کی علمی شخصیات کی علم تجوید و قراءات کے ساتھ وابستگی کے حوالے سے ایک تحقیقی رپورٹ شائع کی گئی تھی۔ زیر نظر مضمون اگرچہ انتہائی مختصر ہے لیکن اس میں صرف متعدد علوم کے صرف معروف علماء کے علم قراءات سے تعلق پر بحث کی گئی ہے، نیز ان کے حالات زندگی سے بھی بالاختصار پردہ اٹھایا گیا ہے۔

صاحب مضمون شیخ القراء قاری محمد یحییٰ رسولنگری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر ادارہ رُشد کی فرمائش پر قراءات نمبر سوم کیلئے خاص طور پر ترتیب دی ہے۔ آپ کا تعلق ادارہ کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور سے دو طرح قائم ہے۔ اولاً یوں کہ سرپرست ماہنامہ رُشد کے ساتھ مل کر کلیۃ القرآن کی بنیاد رکھنے اور اس کے فروغ کا باعث بننے والے جناب شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میرجمی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خاص شاگرد ہیں۔ ثانیاً خود قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ آج کل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور کے اعزازی رئیس ہیں۔ بہر حال ہم قاری صاحب مدوح کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے قیمتی مصروفیات سے ٹائم نکال کر یہ مضمون ہمیں ارسال فرمایا۔ [ادارہ]

اسلام کی آفاقی تعلیمات ہم تک پہنچنے کا ذریعہ وہ مبارک ہستیاں ہیں جنہوں نے خیر قرون میں اپنے سینوں میں قرآن و سنت کو محفوظ کیا اور زمانے کے حوادث سے بچا کر سو فیصد خالص شکل میں ہم تک پہنچا دیا۔ ان میں سے جن نفوس قدسیہ کے ذریعے قرآن کریم کے حروف و قراءات ہم تک پہنچے ہیں ان کو تاریخ نے قراء کا نام دیا ہے جن میں سب سے جلیل القدر شخصیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہیں، جن کی صفات و خصائل سے کتب بھری پڑی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد موریہ زمانہ کے ساتھ جن لوگوں نے یہ ذمہ داری نبھائی یقیناً وہ بھی اس لائق ہیں کہ ان کے فضائل و مناقب کو جمع کیا جائے اور خوبصورت الفاظ میں ان کا ذکر خیر کیا جائے۔ انہی میں سے چند وہ اشخاص جن کی خدمات کسی طرح بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں ہم ان کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

### ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ

ابوعبید قاسم بن سلام الحراسانی الانصاری البغدادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں ان کی کتب فقہ، لغت اور شعر میں بھی ہیں لیکن آپ فن قراءات بالخصوص رسم قرآن اور اوقاف کے امام مانے جاتے ہیں۔

◉ علامہ ابوعمرو الدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آپ نے علم قراءات، امام کسایی، شجاع بن ابی نصر، اسماعیل بن جعفر اور حجاج بن محمد سے عرضاً و سماعاً حاصل کیا ہے۔

☆ مدیر جامعہ عزیز، ساہیوال، اعزازی رئیس کلیۃ القرآن، جامعہ ہذا، الحمد بیٹ مکتبہ فکر میں علم تجوید و قراءات کے بانی اُستاد

آپ سے بے شمار مخلوق نے قراءات کو نقل کیا ہے۔“

● امام دانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

”آپ اپنے زمانے میں مجمع علوم کے جامع مانے جاتے تھے۔ آپ ثقہ اور عامل بالسنۃ مشہور تھے۔ محدثین میں سے بڑے بڑے علماء آپ کے شاگرد تھے مثلاً امام ابو محمد الدارمی رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر بن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن یحییٰ المرزوسی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن یحییٰ البلاذری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم۔ آپ مقلد نہیں بلکہ ایک مجتہد امام تھے اور امام اللغۃ بھی مانے جاتے تھے۔“

● امام أحمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”میں نے اسحاق بن راہویہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ امام ابو عبید قاسم بن سلام مجھ سے بڑے فقیہ اور عالم ہیں۔“

● امام حسن بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”میں نے اسحاق بن راہویہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم ابو عبید قاسم بن سلام کے محتاج ہیں وہ کسی کے محتاج نہیں ہیں۔“

● امام عباس کہتے ہیں:

”میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ ابو عبید قاسم بن سلام ایسا شخص ہے جو ہر روز ہم سے بھلائی میں بڑھ جاتا ہے۔“

● شیخ عبداللہ بن طاہر فرماتے ہیں:

اسلام میں چار بڑے امام ہیں:

① عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ② امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ③ قاسم رحمۃ اللہ علیہ ④ ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ

یہ چاروں حضرات اپنے اپنے زمانے کے نابغہ روزگار شخصیتیں تھیں۔

امام ابن الانباری فرماتے ہیں:

”امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ رات کے تین حصے کرتے تھے۔ ایک حصہ سونے، ایک تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے اور آخری حصہ نوافل و تسبیحات میں صرف کرتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بے شمار مناقب ہیں۔“

۲۲۴ھ کو مکہ مکرمہ میں آپ نے وفات پائی۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة

### امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی ابو جعفر محمد بن جبیر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری ہے۔ آپ نے ۲۲۴ھ کو آمل طبرستان میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی سال ہے جس سال امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا فانی میں لیل و نہار بسر کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے یعنی ایک امام کبیر روز و شب کی قید سے آزاد اور دوسرا قید ہو جاتا ہے۔

آپ کی طبیعت میں جب حصول علم کی رغبت پیدا ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال تھی یعنی عین جوانی کے ایام میں علم حاصل کرنا شروع کیا۔ لہذا آپ نے سب سے پہلے اسلامی دستور کے موافق قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی آپ کے پہلے شیخ سلیمان بن عبدالرحمن الطلحی ہیں۔ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت آپ نے شیخ یونس بن عبدالاعلیٰ سے پڑھی۔ آپ نے علم حدیث امام ابن ابی الشوارب، امام اسحاق بن اسرائیل، شیخ اسماعیل بن موسیٰ الفراری اور شیخ احمد بن منیع سے حاصل کیا۔

● ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”آپ نے قرآن کریم کی مزید تعلیم بیروت میں شیخ عباس بن ولید سے حاصل کی۔“

● ابو بکر الخطیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”آپ علمی شخصیتوں کے درمیان امام مانے جاتے تھے۔ آپ کا فتویٰ چلتا تھا۔ علماء آپ کی رائے کی قدر کرتے تھے کیونکہ آپ علمی لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتے تھے، اپنے ہم عصروں میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ قرآن کریم کے حافظ، قراءات کے ماہر، شرعی علوم کے فقیہ اور تفسیر قرآن میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ علم حدیث میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ علم الرجال کے ماہر اور ضعیف و صحیح کو جانتے تھے۔ بالخصوص اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم سے آپ خوف واقف تھے۔ آپ نے ہر فن میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔“

● الشیخ ابو محمد الفرغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آپ کے تلامذہ کی ایک بہت بڑی جماعت ہے آپ نے بے شمار کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کی تصنیفات کو پوری زندگی کے ایام پر تقسیم کیا جائے تو روزانہ کے چودہ ورق بنتے ہیں، یہ بہت قلیل اندازہ ہے۔“

الشیخ ابو حامد الأسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ جو فقہ شافعی کے بہت بڑے امام مانے جاتے ہیں، کہتے ہیں:

”اگر آدمی پوری دنیا کا چکر لگائے تو جس جس جگہ بھی جائے گا اُسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر قرآن مل جائے گی۔“

[ماخوذ از معرفة القراء: ۲۱۲]

آپ نے ماہ شوال ۳۱۰ھ بغداد میں وفات پائی۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون۔**

### امام ابو محمد کی بن ابی طالب القیسى الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا مکمل اسم گرامی ابو محمد کی بن ابی طالب بن حموش بن محمد بن مختار القیسى المغربی القیر وانی القرطبی الاندلسی۔ آپ ۳۳۵ھ میں آندلس کے مشہور شہر قیروان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علم قراءات ابی طیب ابن غلبون رحمۃ اللہ علیہ، ابن طاہر و ابی عبداللہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ نیز علی بن محمد الادنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سماع کیا ہے۔

آپ کے ذمیل ابو عمر احمد بن مہدی المقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”علامہ کی بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ علم قراءات اور علوم عربیہ کے تبحر عالم تھے آپ بے پناہ ذہن، اعلیٰ اخلاق کے پیکر، معاملہ فہم اور دین میں انتہائی پختہ تھے۔ آپ اعلیٰ ادا کے مالک مجود عالم تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں آپ نے مصر کا سفر کیا وہاں حفظ قرآن کی تکمیل کی اور بعد ازاں ابن غلبون طاہر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے علم قراءات کی تکمیل کی۔ پھر قیروان واپس تشریف لائے اور یہاں دیگر علوم حاصل کئے۔“

۳۸۲ھ میں پہلا اور ۳۸۷ھ میں دوسرا حج کیا۔ اسی دوران مکہ مکرمہ میں الشیخ احمد بن فراس رحمۃ اللہ علیہ و ابی القاسم عبید اللہ بن السقطی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کیا۔ جب حج سے واپس تشریف لائے تو جامع قرطبہ میں مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ آپ سے خلق کثیر نے علم قراءات اور دیگر علوم میں استفادہ کیا۔ آپ کو اللہ نے وہ شہرت عطا کی کہ ہر خاص و عام آپ کا احترام کرتا تھا، ایک امیر شخص دوران خطبہ مذاق کیا کرتا تھا آپ نے اُسے بدعا دی تو قرطبہ کا فقیر ترین شخص ہو گیا۔

آپ کے زُلماء میں سے معروف ترین لوگ یہ ہیں۔ أصبغ بن راشدین، أصبغ اللخمی، الشیخ علی ابی زید القابسی، الشیخ ابی الحسن القابسی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالعباس المہدوی مذکورہ چاروں حضرات بھی علم قراءات اور ادب میں یکتائے روزگار تھے۔

آپ نے شیخ ابی الحسن القابسی رحمۃ اللہ علیہ سے علم قراءات اور علم حدیث میں استفادہ بھی کیا ہے ان کے علاوہ فقہ مالکی کے مشہور امام ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعلیم لی۔“

● امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”علوم قرآن میں آپ کے عصر میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا اور آپ سید اہل عصرہ کے لقب سے مشہور تھے۔“ آپ نے مذکورہ شیوخ کے علاوہ دیگر حضرات سے بھی استفادہ کیا ہے جس میں ابو جعفر النخاس رحمۃ اللہ علیہ، شیخ مظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ سعید بن اسکن رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ امام دانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعید بن اسکن کے بارے میں فرماتے ہیں: ”آپ قراءتِ نافع میں ورث کے لیے اِمالہ میں مفرد تھے۔ نیز آپ نے شیخ عبد المنعم بن عبید اللہ بن غلبون، ابراہیم بن عبد الرزاق، شیخ ابراہیم بن محمد، شیخ ابن خالویہ اور محمد بن جعفر الفریابی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی استفادہ کیا ہے۔“

اسی طرح آپ مکہ کے پڑوس میں ایک عرصہ تک ٹھہرے رہے تاکہ شیوخِ حرم سے بھی استفادہ کر سکیں، اسی دوران شیخ حرم ابوالحسن احمد بن ابراہیم القبسی سے سند اہل حجاز حاصل کی۔ نیز مکہ میں قیام کے دوران الشیخ ابوزر عبد اللہ بن احمد الہروی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تحصیل علم کیا۔

آپ اس قدر اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے کہ بہت سارے علماء نے آپ کے بارے میں تعریفی کلمات لکھے ہیں۔ شیخ ابو یحیٰ بن اللاندی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے زمیل خاص ابن شق اللیل نے آپ کی مدح میں عجیب و غریب اشعار کہے ہیں۔

### امام ابو عمرو والدانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم مبارک ابو عمرو وسعید بن عثمان الدانی الاموی القرطبی اللاندی ہے۔ آپ کو ابن صیرفی کی کنیت سے بھی جانا جاتا ہے لیکن ابو عمرو والدانی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ معروف ہے۔ آپ ۳۳۷ھ کو پیدا ہوئے اور باقاعدہ تعلیم ۳۸۶ھ سے شروع کی۔ تحصیل علم کے سلسلہ میں آپ نے پہلا سفر قیروان کی طرف کیا یہاں آپ چار ماہ تک ٹھہرے اور مختلف شیوخ سے استفادہ کیا۔ ماہ شوال ۳۸۷ھ میں مصر تشریف لے گئے اور ایک سال یہاں سکونت علمی اختیار کی، اور ذی قعدہ ۳۸۹ھ واپس اُنڈلس تشریف لائے۔ ۴۰۳ھ میں شہر تشریف لے گئے وہاں محلہ سرقطہ میں سات سال تک قیام فرمایا وہاں آپ نے علم قراءت اور دیگر علوم کی تدریس کی اور ہر خاص و عام نے آپ سے فائدہ اٹھایا۔ سات سال بعد آپ پھر دوبارہ قرطبہ لوٹے اور قصہ دانیہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی آپ نے یہاں رہ کر سترہ سال تک علوم قرآن کی ترویج کو فروزاں رکھا اور سینکڑوں شائقین قرآن نے علمی پیاس بجھائی۔

آپ نے علم قراءت الشیخ عبدالعزیز جعفر خواتی الفارسی، شیخ خلف بن ابراہیم بن خاقان، الشیخ ابی الفتح فارس بن احمد، شیخ ابی الحسن طاہر بن غلبون رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیں۔ ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب السبعہ کا سماع ابو مسلم محمد بن احمد اکاتب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا، نیز علم حدیث کا سماع الشیخ احمد بن فراس العبسی رحمۃ اللہ علیہ عبد الرحمن بن عثمان الزاهد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابی مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔

آپ کے معروف تلامذہ میں سے، الشیخ ابوبکر بن الفصیح، ابوالدرداء مفتوح، ابوالحسین یحییٰ بن ابی زید ابوبکر محمد بن المفتوح، ابوالحسن علی بن عبدالرحمن بن الاش، ابوداؤد سلیمان بن نجاح، ابو عبد اللہ محمد بن مزاحم، ابوعلی الحسن بن علی بن مبشر، ابوالقاسم خلف بن ابراہیم اور ابواسحاق ابراہیم بن علی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ خلق کثیر نے آپ سے فہمیں پایا ہے۔

● ابن بنگوال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اعراب وغیرہم کے ماہر تھے اور بلا کے ضابطہ تھے آپ کی کتب کی بہت لمبی فہرست ہے۔“

● علامہ مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آپ مالکی المذہب تھے اور مجیب الدعوات انسان تھے۔ آپ کی مشہور تالیفات میں سے جامع البیان فی القراءات السبع، التیسیر فی القراءات السبعہ، المقنع فی الرسم القرآنی، المکتفی فی الوقف والابتداء، کتاب الإقتصار فی القراءات السبع، المحکم فی نقط المصاحف، التحدید فی علم التجوید شامل ہیں۔ علم قراءات میں عالی السند ہونا بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔ آپ بھی عالی السند ہیں موجودہ دور میں شاید ہی کوئی ایسی سند ہو جس میں آپ کا واسطہ نہ ہو۔ آپ دانی میں یوم الاثنین نصف شوال ۴۴۴ھ کو اللہ کی ملاقات کیلئے سدھار گئے۔“

### امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی ابو محمد قاسم بن خلف بن احمد الریمنی الشاطبی الاندلسی الشافعی ہے۔

۵۳۸ھ کے آواخر میں آپ اپنے آبائی شہر الشاطبہ میں پیدا ہوئے۔ یہی پر الشیخ ابی عبداللہ محمد بن ابی العاص النفری رحمۃ اللہ علیہ سے قراءات پڑھیں اور خوب حفظ کیا۔

بعد ازاں بلنسہ جو شاطبہ کے قریب ہی واقع تھا تشریف لے گئے وہاں الشیخ ابی الحسن بن ہذیل، ابی الحسن بن نعمہ، ابی عبداللہ بن سعادتہ، ابی محمد عاشر بن محمد، ابی عبداللہ بن عبدالرحیم، علیم بن عبدالعزیز اور ابی عبداللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ سے علم قراءات اور علم حدیث پڑھا۔

اس کے بعد آپ سفر حج کے لیے روانہ ہوئے تو مصر کے شہر اسکندریہ میں شیخ ابوطاہر السنلی سے ملاقات ہوئی آپ نے اُن سے سماع حدیث فرمایا۔ حج سے واپسی پر جب آپ مصر پہنچے تو شائقین علوم قرآن و حدیث میں آپ کی آمد کی اطلاع پھیل گئی لہذا مصر کے اطراف و اکناف سے طالبان علوم نبوت جو جو حاضر ہوئے۔ اس بات کا جب حاکم شہر قاضی فاضل کو پتہ چلا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو مدرسہ فاضلیہ کا شیخ مقرر کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے قبول فرمائی۔ اسی زمانہ میں آپ نے اپنے مشہور زمانہ کتاب قصیدۃ الشاطبۃ تحریر فرمائی۔ جب فصحاء بلغاء نے اُسے دیکھا تو اس جیسی پر مغز اور لطیف کلام دیکھ کر مو حیرت ہو گئے۔

شیخ ابوالحسن بن فیروہ، ابوموسیٰ عیسیٰ بن یوسف المقدسی اور شیخ ابوالقاسم عبدالرحمن بن سعید رحمۃ اللہ علیہ آپ کے حافظ کے عجیب و غریب قصے بیان کرتے ہیں اور علماء آپ کو آیۃ من آیات اللہ مانتے ہیں۔

● ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آپ ایک صالح، متقی، معروف اور مقرر کیبیر تھے آپ نے بہترین تصنیف لکھا ہے۔ آپ کے وقت میں مصر میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو آپ سے زیادہ فنون میں ماہر ہو۔“

● ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جب آپ پر بخاری اور مؤطا پڑھی جاتی تو آپ اپنے حافظ سے اس کی تصحیح کرواتے۔“

[معرفۃ القراء الکبار: ۱۱۴/۳]

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے چار مختلف علوم میں قصائد تحریر فرماتے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ یہ اصل میں دیگر کتب کو نظم کیا گیا ہے مثلاً قصیدہ شاطبۃ یہ امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التیسر کی نظم ہے عقیلہ یہ المقنع کی نظم ہے۔ اسی طرح

قاری محمد یحییٰ رسولنگری

آپ امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب البیان فی عدای القرآن کو بھی ناظمۃ الزہر کے نام سے نظم فرمایا ہے۔ نیز ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التہمید کو قصیدہ والیہ میں نظم فرمادیا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور تلامذہ میں سے امام ابوالحسن علی بن محمد السخاوی، ابو عبداللہ محمد بن عمر الکردی، عیسیٰ بن یوسف بن اسماعیل المقدسی، ابو عمرو عثمان بن عمر بن الحجاب، عبداللہ بن محمد بن عبدالوارث رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حرمین کے بعد بیت المقدس کی زیارت کا بہت اشتیاق تھا اور اس کی آپ دعا بھی کیا کرتے تھے۔ جب سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کیا تو آپ وہاں تشریف لے گئے رمضان وہاں گزارا اعتکاف فرمایا بعد از زیارت دوبارہ مصر تشریف لائے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے لیکن رفیق الاعلیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا اور آپ نے ۵۹۰ھ کو اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

### امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام شمس الدین ابی عبدالرحمن محمد بن احمد بن عثمان بن الذہبی دمشقی الشافعی ہے۔

آپ ۶۷۳ھ کو دمشق شام میں پیدا ہوئے یہاں آپ کے دادا نور الدین زنگی کے دور میں آئے تھے اور پھر یہاں ہی کے ہو کر رہ گئے۔

آپ کو اللہ رب العزت نے اتنا علم عطا فرمایا کہ ہم عصور میں سے کوئی بھی آپ کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکا۔ اللہ رب العزت نے ذکا و فہم اور ضبط اس قدر وافر عطا کیا تھا کہ معاصرین میں سے کسی کو اس قدر نہیں ملا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت فہم سے بجز العلوم بنا دیا تھا اس وجہ سے آپ شیخ العلم حامل لواء العلم اور حافظ الحدیث مشہور ہوئے۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کے لیے بے پناہ محبت تھی طلباء آپ کی مجالس میں ذوق و شوق سے شامل ہوتے اور عوام الناس آپ کی مجالس کو اعلیٰ اخلاق اور محبت کا گنجینہ سمجھتے تھے اور گفتگو اس قدر پُر اثر ہوگی کہ جی چاہتا سنتے ہی جائیں۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی باقاعدہ تعلیم کا آغاز بہت بڑے ادیب علاء الدین علی بن محمد الحلبي المعروف البصيص رحمۃ اللہ علیہ سے کیا یہ بہت بڑے خطاط تھے اور بچوں کے بہترین معلم کے طور پر مشہور تھے۔ ان سے بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حفظ قرآن کے لیے مسعود بن عبداللہ الاغازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے قرآن حفظ کرنے کے بعد چالیس مرتبہ قرآن کریم مکمل سنایا۔

مزید علوم دینہ کے حصول کے لیے دیگر شیوخ کے حلقے کی طرف رجوع شروع کر دیا۔ صدر الدین محمد بن عمر بن کبی العثماني سے سب سے پہلے دارالحدیث میں صحیح مسلم کا سماع کیا، اس کے بعد باقاعدہ اہتمام کے ساتھ علم قراءات کی تعلیم شیخ القراء جمال الدین ابی اسحاق ابراہیم بن داؤد الحسقلانی دمشقی المعروف الفاضل رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ یہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جمال الدین ابراہیم بن غالب شاور البدوی الحمیری رحمۃ اللہ علیہ سے اور ابی عبداللہ بن جریئیل المصری رحمۃ اللہ علیہ سے علم قراءات پڑھا اس کے علاوہ دیگر بہت سارے شیوخ سے علم قراءات میں اجازے حاصل کئے۔

علم قراءات میں متفق ہونے کے بعد شیخ محمد بن عبدالعزیز الدمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنی جگہ جامع الاموی میں مستند تدریس پر بٹھا دیا۔

علم قراءات میں دسترس حاصل کرنے کے بعد امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ حدیث اور علوم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر

اس فن کے ماہرین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے جن میں ابی حفص عمر بن عبد المنعم ابن القواس، ابی الفضل احمد بن ہبہ اللہ بن عساکر، یوسف بن احمد الغسولی، اسی طرح مصر میں ابی العباس احمد بن محمد بن عبد اللہ الحلبی المعروف بابن الطاہری، ابی المعالی احمد بن اسحاق الہرقوبی، ابن دقیق العید ابی الفتح محمد بن علی، شرف الدین عبد المؤمن بن خلف الدیماطی، تاج الدین ابی الحسن علی بن حمد بن عبد المحسن الباشمی الغرانی، اسی طرح بعلبک میں تاج الدین عبد الحاق بن عبدالسلام البعلبکی حلب میں مستقر بن عبد اللہ الزینی بعلبک میں زینب بنت عمر الکندیہ نے بھی حدیث میں استفادہ کیا، نائلس میں عماد الدین عبد الحافظ بن بدران النابلسی مکہ میں فخر الدین ابی عمرو عثمان بن محمد التوزی رحمہم اللہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

امام ذہبی رحمہم اللہ حدیث، علوم حدیث، قراءات، علوم قرآن، تاریخ، عقائد، تراجم اور دیگر بے شمار علوم میں ماہر تھے انہوں نے ان جمیع علوم میں تقریباً دو سو کتب تحریر کی ہیں جن کی تفصیلی فہرست الدكتور طہا لسی رحمہم اللہ نے معرفۃ القراء کے شروع میں ذکر کی ہے۔

امام ذہبی رحمہم اللہ نے مطالعہ کی اس قدر زیادتی کی اور اس قدر علمی کام کیا کہ اواخر عمر میں اپنی بیٹائی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ امام ذہبی رحمہم اللہ کے معروف تلمیذ تاج الدین السبکی رحمہم اللہ کہتے ہیں:

”آپ بروز سوموار ۳۱۲ھ یقعدہ ۲۸ھ ہجری میں مدرسہ اُم صالح کے ایک ہال میں اللہ کو پیارے ہوئے۔“ رحمہ اللہ

### شیخ شہاب الدین ابوشامہ رحمہم اللہ

اسم گرامی ابو محمد عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراہیم بن عثمان بن ابی بکر بن عباس المقدسی دمشقی الشافعی۔ آپ بہت بڑے مرقی، ماہر لغت و اعراب، عظیم محدث، نابغہ روزگار، فقیہ اور مایہ ناز مؤرخ تھے۔ آپ ۵۹۹ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمری ہی میں آپ نے قراءات پڑھنا شروع کر دیں اور بہت جلد تکمیل فرمائی۔ آپ نے جلیل القدر قراء و محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے جن میں شیخ علم الدین السخاوی رحمہم اللہ تلمیذ امام شاطبی رحمہم اللہ، امام ابوالقاسم بن عیسیٰ رحمہم اللہ، داؤد بن ملاہب رحمہم اللہ، احمد بن عبداللہ السلمی رحمہم اللہ اور شیخ موفق الدین المقدسی رحمہم اللہ شامل ہیں۔

آپ ابتدا علم قراءات و لغت کی طرف ہی اپنی توجہ مرکوز کئے ہوئے تھے۔ طلب حدیث کا شوق تقریباً چالیس سال کی عمر میں ہوا لہذا سب سے پہلے آپ نے محدث ابی اسحاق بن الجفوعی سے سماع کیا۔ فقہ میں آپ نے فخر بن عساکر رحمہم اللہ، ابن عبدالسلام رحمہم اللہ، سیف الامدی رحمہم اللہ اور موفق الدین بن قدامہ رحمہم اللہ سے تحصیل علم کیا۔ آپ سے علم قراءات شیخ شہاب الدین حسین بن الکفری رحمہم اللہ، محمد بن موفق الدلبان رحمہم اللہ، شیخ شرف الدین احمد بن سیاح الفراری رحمہم اللہ اور ابراہیم بن فلاح الاسکندرانی رحمہم اللہ نے حاصل کیا۔ آپ کے مناقب میں منقول ہے کہ یکتائے روزگار عالم تھے اور آپ نے کئی علوم میں کتب تصنیف فرمائیں ہیں۔ آپ بے حد فہیم، طبعاً منکسر المزاج اور تکلفات کے قائل نہ تھے۔

● تاج الدین الفراری رحمہم اللہ کہتے ہیں:

”شیخ شہاب الدین ابوشامہ مجتہد کے درجہ پر فائز تھے اور بعض اوقات اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ کے زمانہ میں امانت و دیانت اور عفت و پاکدامنی میں آپ کا مثل کوئی نہ تھا۔ آپ کے علمی رُسوخ کا یہ حال تھا کہ آپ

سید



دارالحدیث الاشرافیہ میں تمام عمر تدریس کی مسند صدارت پر فائز رہے اور یہ وہ اعلیٰ منصب تھا کہ جس کے آپ کے بعد امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مستحق ٹھہرے۔“

آپ نے کئی کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے چند اشرہ یہ ہیں۔ شرح کبیر علی حرز الأمانی، آبراز المعانی عن حرز الأمانی، کتاب الرد الی الأمر الاول، اختصار تاریخ دمشق، کتاب فی المبعث، کتاب فی الاسراء، کتاب الروضتین فی الدولتین، النوریہ والصلاصیہ، الذیل علی ذلك، کتاب انکار البداع۔

آپ کو ۱۹ رمضان المبارک ۶۲۵ھ کو شہید کر دیا گیا۔ إناللہ وانا الیہ راجعون۔

### امام ابی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ المعروف بشعلہ

امام ابی عبداللہ محمد بن احمد بن حسن الموصلی المقری الحنبلی المعروف بشعلہ۔ ۶۲۷ ہجری کو اپنے آبائی شہر موصل میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک صالح، زاہد کامل عارف انسان تھے۔ آپ نے علوم قراءات چھوٹی عمر میں سیکھ لیے تھے۔ لہٰذا عربیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

● امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”الشیخ الموصلی ایک محقق فاضل اور علم قراءات میں ماہر تھے۔ علم نحو میں آپ کی نظیر نہ تھی۔ آپ کے استاد شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ ایک روز ابوعبداللہ میرے قریب سو رہے تھے کہ اچانک بیدار ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے ابھی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے ہیں اور میں نے ان سے علم کی دعا چاہی ہے اور آپ نے مجھے ایک کھجور کھلائی اسی وقت سے اللہ رب العزت نے میرے اوپر تمام علوم کے دروازے کھول دیئے۔“

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ شاطبیہ کی ایک بہت ہی عمدہ شرح کنز المعانی فی شرح حرز الأمانی کے نام سے تحریر فرمائی ہے جو کہ اہل علم کے ہاں بہت ہی مقبول ہے۔

آپ ماہ صفر ۶۵۶ ہجری کو اس دنیا عارضی کو چھوڑ کر ابدی کائنات کی طرف سدھار گئے۔

### علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم شریف ابوالفضل عبدالرحمن بن الکمال بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین بن الفخر بن عثمان بن محمد بن خضر بن ایوب بن ناصر الدین محمد بن الشیخ ہام الدین الہمام الخضری الأسیوطی ہے۔ آپ کیم رجب ۸۳۹ھ بروز اتوار بعد نماز مغرب قاہرہ میں پیدا ہوئے۔

جب امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف پانچ سال تھی تو آپ کے والد وفات پا گئے۔ اس وقت آپ نے سورۃ تحریم تک حفظ کیا تھا۔ اس کے بعد آپ یتیمی کی حالت میں پلے بڑھے۔ آپ کے والد نے ’فتح القدير‘ کے مصنف کمال بن ہام کو اپنے بیٹے عبدالرحمن کی تربیت اور سرپرستی کی وصیت کی۔

آپ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ مکمل قرآن کریم حفظ کر لیا۔ اس کے بعد العمدة، المنہاج الفقہی، المنہاج الأصولی اور ألفیة ابن مالک حفظ کیے۔ آپ نے حصول علم کے لیے شام، حجاز، یمن، ہند، مغرب اور بہت سے مصری شہروں کا سفر کیا۔ انہی اسفار کے دوران آپ حج کی سعادت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ زمزم پیتے ہوئے آپ نے جو دعائیں کہیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اللہ مجھے علم حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور

فقہ میں اپنے اُستاد شیخ سراج الدین بلقینی رحمۃ اللہ علیہ جیسا بلند مرتبہ عطا فرما۔  
فنون اور بہت سے علوم میں رتبہ اِمامت کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب 'حسن المحاضرہ' میں ذکر کیا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بالخصوص سات علوم 'تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع میں بہت زیادہ معلومات دی ہیں۔

آپ اپنی کتاب 'الرد علی من أخلد إلى الأرض' میں رقمطراز ہیں:  
"روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک خضر، قطب یا کسی ولی اللہ کے علاوہ حدیث اور عربی کا مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں۔"  
اُن کا یہ دعویٰ عربی زبان کے بارے میں تو تسلیم کیا جا سکتا ہے البتہ حدیث کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ غیر درست ہے، لہذا یہ کہ اس سے متون حدیث کا حفظ مراد ہو یا سخاوی کے علاوہ مراد ہو۔  
نیز انہوں نے لکھا ہے کہ فقہ کے سوا باقی تمام فنون میں ان کے اُستادہ میں سے بھی کوئی ان کے ہم پلہ نہیں ہے البتہ فقہ میں ان کے شیخ کی معلومات وسیع اور زیادہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا حافظ عطا فرمایا تھا آپ نے خود ذکر فرمایا ہے کہ مجھے دو لاکھ احادیث زبانی یاد ہیں۔  
آپ نے قصبہ رضوان میں باب فرویلہ کی جانب پہلے خیمہ میں واقع جامع الکردی کی جگہ موجود مدرسہ محمودیہ کے کتب خانہ سے خوب استفادہ کیا۔ یہ مدرسہ مصر کے شاندار مدارس میں شمار ہوتا ہے۔  
امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو ملکہ اجتہاد اور اس کی تمام ضروری معلومات حاصل تھیں۔ آپ اپنی کتاب 'حسن المحاضرہ' اور 'مسائل الحنفیاء' میں لکھتے ہیں:

"میں اگر ہر مسئلہ کے متعلق نقلی، عقلی دلائل، اس کے اصول و اعتراضات مع جوابات، اس بارے میں مختلف مذاہب کے اختلاف اور ان کے مابین موازنہ وغیرہ کے بارے میں رسالہ لکھنا چاہتا تو اپنی قوت یا طاقت سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل اور توفیق سے لکھ سکتا ہوں۔"

آپ کے مشہور اُستادہ میں سراج الدین البلقینی، شہاب الدین الثارمساجی رحمۃ اللہ علیہ، الشرف المناوی ابو زکریا یحییٰ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محی الدین محمد بن سلیمان رومی حنفی رحمۃ اللہ علیہ، جلال الدین المحلی رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن ابراہیم حنبلی رحمۃ اللہ علیہ، البرہان ابراہیم بن عمر البقاعی رحمۃ اللہ علیہ اور الشمس السیر امی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔  
امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم قرآن، تفسیر اور قراءات کے موضوع پر درجنوں کتب تحریر کیں ان میں سے مشہور اور چنییدہ کتب یہ ہیں:

الإنصاف في تمييز الأوقاف . . شرح حرز الأمانی ووجه التهانی . . الإتيان في علوم القرآن . . لباب النقول في أسباب النزول . . الدر المنثور في التفسير بالمأثور . . أسرار التأويل . . تناسق الدرر في تناسب الآيات والسور . . متشابه القرآن . . تكملة تفسير الجلالين . . الألفية في القراءات العشر .

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ جمعہ کی رات سات روز تک بائیں بازو کے شدید ورم میں مبتلا رہنے کے بعد اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے وفات کے وقت سورۃ یسین کی خود تلاوت فرمائی۔ آپ کی نماز جنازہ الروضہ کی جامع الشیخ احمد اباریقی میں شعرانی نے پڑھائی۔

قاری ابوبکر عاصم

قاری ابوبکر عاصم\*

## شیخ الاسلام حافظ مقری ابو عمر و عثمان الدانی رحمۃ اللہ علیہ

اُمتِ محمدیہ کے بے شمار خصائص اور خوبیاں ایسی ہیں جو دیگر اقوام و اُمم میں کبھی موجود نہ تھیں۔ اس اُمت کی خصوصیات میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس اُمت کے بیٹوں نے اپنے دینی ورثے کو سیکھا اور اس کی حفاظت کیلئے کمر کس لی اور اس کی حفاظت و امانت کا وہ حق ادا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ خادین قرآن و حدیث کی فہرست میں لاکھوں لوگوں کا نام موجود ہے۔ انہیں میں سے ایک علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو یقیناً آیۃ من آیات اللہ تھے۔ اگر انہیں ہر فن کا بے تاج بادشاہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں جہاں جلیل القدر حفاظ حدیث کا ذکر چھیڑا ہے ان میں امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جگہ دی ہے۔ عمدہ اور خوبصورت تعریفی کلمات کے ساتھ امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کے علم اور عمل پر پختہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔

نام و نسب

آپ کا نام عثمان بن سعید بن عثمان دانی، کنیت ابو عمر و اور لقب المقری ہے۔ [تذکرۃ الحفاظ: ۴۹۔ امام ذہبی]

ابتدائی حالات

آپ قرطبہ کے رہنے والے، بلند پایہ حافظ حدیث ہیں اور بنو اُمیہ کی طرف نسبت و لاء کی وجہ سے اُموی کہلاتے ہیں۔

پیدائش

امام صاحب کے مطابق ان کی پیدائش ۳۷۱ھ میں اندلس کے ایک مردم خیز قصبہ دانیہ میں ولایت بلنسیہ کی بربل دریا مشہور آبادی میں ہوئی۔

شہر دانیہ

شہر دانیہ کو جو امتیاز حاصل ہوا دیگر بہت سے شہروں کو نہیں مل سکا، کیونکہ اس عظیم شہر نے بہت سے عظیم ترین ماہرین قراءت کو جنم دیا۔ ان میں سے ایک ابو عثمان سعید بن سلیمان ہذلی (۲۲۱ھ/۱۰۳۰ء) تھے، جو اپنے علم و فضل اور قراءت نافع پر اپنی قدرت اور درک کے سبب نافع اندلس کے لقب سے ملقب تھے۔ انہوں نے علم قراءت ابو الحسن انطاکھی سے سیکھا اور اپنی وفات تک تعلیم و تدریس کے ذریعے اس عظیم فن کی اشاعت و فروغ کا فریضہ انجام دیا۔ امام دانی رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کے سب سے عظیم امام قراءت تھے جو اپنے زمانے میں ابن الصیرنی کہلاتے تھے کہ ان کی کسوٹی پر کھوٹا کھرا الگ ہو جاتا تھا۔

ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو امام، علامہ، حافظ، أستاذ الأستاذین اور شیخ المشائخ المقرئین کہا ہے۔

### ابتدائی تعلیم

۳۸۶ھ میں آپ نے پڑھنا شروع کیا۔

### مشرق کا سفر

۳۹۷ھ میں طلب علم کیلئے بلادِ مشرق کے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں چار مہینے قیروان میں ٹھہرے۔

### مصر کی طرف روانگی

اسی سال شوال میں مصر آئے اور ایک سال یہاں ٹھہرے۔

### حجاز کا قیام

ایک سال حجاز میں اور اسی قدر دیگر مقامات پر قیام کیا۔

### اندلس کی طرف روانگی

حدیث و قراءت کی تکمیل کے بعد فریضہ حج ادا کر کے ۳۹۹ھ میں اندلس واپس آ گئے۔

### سرقسطہ میں قیام

۴۰۳ھ میں دوبارہ تحصیل علم کے لیے نکلے اور سرقسطہ میں سات سال قیام کیا۔

### اپنے وطن واپسی

سرقسطہ میں سات سال قیام کرنے کے بعد آپ قرطبہ تشریف لے گئے اور ۴۱۷ھ میں دوبارہ اپنے وطن دانیہ تشریف لائے۔ آپ کے اپنے قول کے مطابق اس کے بعد میں نے کوئی سفر اختیار نہیں کیا اور گویا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مرتے دم تک یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۸۰/۱۸]

### علوم قرآن و حدیث کا حصول

امام موصوف نے علم حدیث، علم اسماء الرجال، علم قراءات، فقہ و تفسیر غرض تمام علوم میں نمایاں مقام حاصل کیا۔  
 ◉ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف روایات کے مطابق قرطبہ میں عبدالعزیز بن جعفر فارسی، ابوالحسن بن غلبون، خلف بن خاقان مصری، ابوالفتح فارس بن احمد وغیرہ سے قرآن پاک پڑھا اور حجاز، مصر، مغرب اور اندلس جیسے دور دراز ممالک میں جا کر اپنے سب سے بڑے شیخ ابومسلم کاتب احمد بن فارس عبقرسی، عبدالرحمن بن عثمان قشیری، حاتم بن عبداللہ بزاز، أحمد بن فتح بن رسان، عبدالرحمن بن عمر بن فاس مصری، ابوالحسن بن محمد قابلی اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔“ [تذکرۃ الحفاظ: ۷۴۹]

## علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ پر علماء کی شہادتیں

وقال المغامي: كان أبو عمرو والداني مجاب الدعوة، مالكي المذهب .  
”مغامی کہتے ہیں کہ ابو عمرو و مستجاب الدعوات تھے اور مذہباً مالکی تھے۔“ [معرفة القراء الكبار: ۴۰۸]

قال ابن بشكوال:

”كان أبو عمرو أحد الأئمة في علم القرآن وروايته وتفسيره، ومعانيه وطرقه وإعرابه، وجمع في ذلك كله تواليف حسانا مفيدة، يطول تعدادها، وله معرفة بالحديث وطرقه وأسماء رجاله ونقلته، وكان حسن الخط، جيد الضبط من أهل الحفظ والذكاء والتفنن

ديناً فاضلات ورعاً سنياً“ [سير أعلام النبلاء: ۸۰/۱۸]

”ابن بشكوال کہتے ہیں: ”ابو عمرو فن قراءات، ان کی مختلف روایات، ان کی تفسیر، معانی، طرق اور اعراب میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ ان سب مضامین پر انہوں نے بہت اچھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کو حدیث، اسانید اور اسماء الرجال میں بھی معرفت تامہ حاصل تھی۔ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے نیز حفظ، ذکا اور علوم و فنون میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ فاضل، ادیب، متقی، پرہیزگار اور سنت کے پابند تھے۔“

[معرفة القراء الكبار على الطبقات والأعصار: ۴۰۸]

قال الإمام الذهبي:

إلى أبي عمرو المنتهى في تحرير علم القراءات وعلم المصاحف، مع البراعة في علم الحديث والتفسير والنحو وغير ذلك . [سير أعلام النبلاء: ۸۰/۱۸]

”امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علم قراءات کا ضبط ابو عمرو پر ختم تھا اور وہ نحو، تفسیر اور علوم الحدیث وغیرہ میں بھی کمال مہارت رکھتے تھے۔“ [ترجمة المؤلف في جامع البيان: ۷]

الحافظ عبد الله بن محمد خليل رحمه الله قال بعض الشيوخ لم يكن في عصره ولا بعد عصره بمدد أحد يضاهيه في حفظه و تحقيقه . [غاية النهاية في طبقات القراء]

”حافظ عبد اللہ بن محمد بن خلیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض شیوخ نے علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا تو فرمایا حفظ اور تحقیق میں اُن کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی اُن کے مثل کوئی نہ تھا۔“

وكان يقول ما رأيت شيئاً إلا كتبتُه ولا كتبتُه إلا حفظتُه ولا حفظتُه فسنسِه .

”اور ان کا اپنا بیان ہے کہ میں کوئی چیز دیکھتا تو اُسے لکھ لیتا اور جسے لکھ لیتا اُسے یاد کر لیتا اور جسے یاد کر لیتا اُسے کبھی نہیں بھولتا۔“ [غاية النهاية في طبقات القراء: ۵۰۴]

علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ سے جب آثار اور نصوص علماء سے متعلق مسئلہ پوچھا جاتا تو اُس کو تمام متعلقہ اسانید کے ساتھ بیان کرتے اور بغیر سند کوئی بات نہیں کہتے تھے۔ [إيضاح المقاصد شرح عقيلة أتراب القاصد: ۲۵]

حمیدی کہتے ہیں: ابو عمرو بہت علم رکھنے والے محدث تھے اور قرآن حکیم پڑھانے میں سب سے فائق تھے۔

[تذكرة الحفاظ: ۷۹۷]

حافظ ابو محمد بن عبد اللہ حمری کہتے ہیں: ہمارے بعض شیوخ نے علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا تو فرمایا کہ حفظ اور تحقیق میں اُن

کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ [تذکرۃ الحفاظ: ۷۴۹ء]

① محقق امام محمد بن محمد الجزری رحمۃ اللہ علیہ:

”ومن نظر کتبه علم مقدار الرجل وما وهبه الله تعالى فيه فسبحان الفتح العليم ولا سيما كتاب جامع البيان فيما رواه في القراءات السبع وله كتاب التيسير المشهور ومنظومه الاقتصاد أرجوزة مجلد، وكتاب إيجاد البيان في قراءة ورش مجلد، وكتاب التلخيص في قراءة ورش أيضا مجلد لطيف، وكتاب المقنع مجلد في رسم المصحف، وكتاب المحكم في النقط مجلد وكتاب المحتوي في القراءات الشواذ مجلد وكتاب الأرجوزة في أصول السنة مجلد، وكتاب طبقات القراء في أربعة أسفار وهو عظيم في بابہ لعلي أظفر بجميعة إن شاء الله تعالى، وكتاب الوقف والابتداء وكتاب التمهيد لاختلاف قراءة نافع مجلد، وكتاب المفردات مجلد كبير، وكتاب الإمالات مجلد، وكتاب الرءآت لورش مجلد، وكتاب الفتن والملاحم، وكتاب مذاهب القراء في الهمزتين مجلد، وكتاب اختلافهم البيئات مجلد، وكتاب الإمالة مجلد، وكتاب شرح قصيدة الخاقاني في التجويد مجلد، وكتاب التحديد في الإتيان والتجويد مجلد، وغير ذلك وغالب ذلك رأيتہ وملکتہ.“

”میں (جزری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ جو ان کی کتابوں پر نظر ڈالے گا اسے ان (دانی رحمۃ اللہ علیہ) کے علمی مرتبے اور اس ضمن میں ان پر اللہ تعالیٰ کی بخشش کا پتہ چل جائے گا (فسبحان الفتح العليم) ان میں سے خاص طور پر ان کی کتاب جامع البيان جو انہوں نے قراءات سبعہ (سات قراءتوں) پر لکھی ہے، قابل ذکر ہے۔ مشہور و معروف کتاب التيسير ان کی تصنیف ہے اس کے علاوہ ان کی تصنیفات میں ان کی مختصر منظوم کتاب ارچوزہ (۱) مجلد، کتاب إيجاد البيان في قراءة ورش مجلد ہیں۔ کتاب التلخيص في قراءة ورش بھی ان کی ایک نئیس کتاب ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کتابیں کتاب المقنع مجلد رسم المصحف کتاب المحکم في النقط مجلد، کتاب المحتوي في القراءات الشواذ مجلد، کتاب الأرجوزة في أصول السنة مجلد، کتاب طبقات القراء في أربعة أسفار، ضخيم، حجم ان کی تصانیف ہیں۔ خدا کرے کہ میں ساری کتابیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔

إنشاء الله (امام جزری رحمۃ اللہ علیہ) کتاب الوقف والابتداء، کتاب التمهيد لاختلاف قراءة نافع مجلد، کتاب المفردات، ضخيم کتاب، کتاب الإمالات (۲) مجلد، کتاب الرءآت لورش مجلد، کتاب الفتن والملاحم، کتاب مذاهب (۱) القراء في الهمزتين مجلد، کتاب اختلافهم في البيئات مجلد، کتاب الإمالة مجلد، کتاب شرح قصيدة الخاقاني في التجويد مجلد، کتاب التجويد في الإتيان والتجويد مجلد وغيرہ۔ ان میں سے اکثر کتابیں میں نے دیکھی ہیں اور میرے پاس ہیں۔“

### شیوخ امام دانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کتاب المكتفى في الوقف والإبتداء کے محقق ڈاکٹر یوسف عبدالرحمن المرعسلي نے لکھا ہے کہ آپ نے درج ذیل شیوخ سے علم قراءت اور علم حدیث حاصل کیا۔

- ① الشیخ أبو بکر بن خلیل
- ② الشیخ أبو بکر التجیبی
- ③ الشیخ أحمد بن الفتح بن الرسان
- ④ الشیخ أحمد بن فراس المکی العبقيسي

- ⑤ الشيخ أحمد بن محمد بن عمر المصري الجزي
- ⑥ الشيخ أحمد بن محمد بن بدر القاضي ⑦ الشيخ علي حسن بن سليمان أنطاكي
- ⑧ الشيخ أبو بكر حاتم بن عبدالله البزار
- ⑨ الشيخ علي حسن بن محمد بن إبراهيم البغدادي
- ⑩ الشيخ خلف بن إبراهيم بن خاقان المصري الخاقاني
- ⑪ الشيخ خلف بن يحيى
- ⑫ الشيخ أبو عثمان سعيد بن عثمان بن أبو سعيد القزاز
- ⑬ الشيخ أبو حسن طاهر بن عبد المنعم بن غلبون الحلبي
- ⑭ الشيخ أبو المطرف عبد الرحمن بن عثمان القشيري الزاهد
- ⑮ الشيخ أبو محمد عبد الرحمن بن عمر بن محمد المعدل النحاس
- ⑯ الشيخ أبو محمد عبد الرحمن بن عمر بن محمد المالكي
- ⑰ الشيخ أبو القاسم عبدالعزيز بن جعفر بن خواستي الفارسي
- ⑱ الشيخ علي عبدالله بن أبو عبد الرحمن المصاحفي
- ⑲ الشيخ عبد الوهاب بن منير بن حسن خشاب مصري
- ⑳ الشيخ علي عبدالله بن سلمة بن حزم اليحصبي الندلسي
- ㉑ الشيخ أبو الفتح فارس بن أحمد بن موسى المحصي
- ㉒ الشيخ أبو مسلم محمد بن أحمد بن علي
- ㉓ الشيخ أبو عبدالله محمد بن خليفة
- ㉔ الشيخ محمد بن عبدالله بن أبو زنين الفقيه الإبيري
- ㉕ الشيخ أبو الفرج محمد بن عبدالله النجاد
- ㉖ الشيخ علي محمد بن عبد الواحد البغدادي
- ㉗ الشيخ أبو الفرج محمد بن يوسف بن محمد أموى الأندلسي قرطبي المعروف بالنجاد
- ㉘ الشيخ يونس بن عبدالله القاضي . رحمهم الله تعالى

### تلامذہ امام دانی رحمہ اللہ

- ① أبو الحسن بن الورش
- ② أبو إسحاق إبراهيم بن علي الفيسولي
- ③ أبو القاسم أحمد بن عبد الملك بن موسى بن أبو حمزه المرسي
- ④ أحمد بن عثمان بن سعيد (ولده)
- ⑤ أبو عبدالله أحمد بن محمد بن عبدالله بن عبد الرحمن بن عثمان خولاني

- ⑥ حسین بن علی مبشر
- ⑦ خلف بن إبراهيم طليطلي
- ⑧ خلف بن محمد أنصاري
- ⑨ أبو القاسم شيخ بن نمارة
- ⑩ عبدالحق بن أبو مروان بن ثلج أندلسي
- ⑪ عبد الملك بن عبد القدوس
- ⑫ أبو بكر عمران بن أحمد فصيح
- ⑬ أبو عبد الله محمد بن إبراهيم بن إلياس العمى
- ⑭ محمد بن أحمد بن مسعود داني
- ⑮ أبو عبد الله محمد بن عيسى بن فرج تجيبي مغامي طليطلي
- ⑯ أبو بكر محمد بن مخرج
- ⑰ أبو عبد الله محمد بن يحيى بن مراحم أنصاري خزر جي طليطلي
- ⑱ أبو داؤد بن سليمان بن نجاح أموي . مؤلف كتب كثيرة
- ⑲ أبو داؤد مخرج
- ⑳ أبو الحسن يحيى بن إبراهيم بن أبو زيد الواني المرسي المعروف ابن بياز كتاب النبذ (هكذا في التيسير)

## آپ کی تصانیف

● امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آپ ایک سو بیس (۱۲۰) کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے تفسیر، معانی، طرق اور اعراب پر بہت اچھی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اس کے علاوہ آپ نے قراءات، رسم، تجوید اور الوقف والابتداء وغیرہ پر بہت اعلیٰ پائے کی کتب لکھیں۔

المکتفی، کے محقق ڈاکٹر یوسف عبدالرحمن نے آپ کی جن تصانیف کے نام ذکر کیے ہیں وہ یہ ہیں:

- ① اختلاف القراء، تین جلدوں میں ہے۔ بعض نے اس کا نام 'رسالة في اختلاف القراء' ذکر کیا ہے۔
- ② اختلاف القراء في الياءات ایک جلد ہے۔ ③ الادغام الكبير في قراءة القرآن
- ④ الأرجوزة في أصول السنة ⑤ الإشارة بلطيف العبارة
- ⑥ الاقتصاد في رسم المصاحف ⑦ الاقتصاد في القراءات السبع
- ⑧ الاكتفاء في الوقف والابتداء ⑨ الإمالات
- ⑩ الإمالة ⑪ الاهتداء في الوقف والابتداء
- ⑫ إيجاد البيان في قراءة ورش عن نافع ⑬ الإيضاح في الهمزتين



- ٣٢ البيان في عداي القرآن  
١٥ التحديد في ضاعة الاتقان والتجويد
- ٢١ التقريب  
١٤ التعريف في القراءات
- ١٨ التلخيص في قراءة ورش  
١٩ التعريف في القراءات الشواذ
- ٢٥ التهذيب في القراءات  
٢١ التمهيد للاختلاف قراءة نافع
- ٢٢ جامع البيان في عداي القرآن  
٢٢ التنبيه على النقط الشكل
- ٣٣ الرءاء الورش  
٢٥ التيسير في القراءات السبع
- ٢٦ رسالة في رسم المصحف  
٢٤ ذيل المقنع في معرفة رسم المصاحف
- ٢٨ شرح قصيدة الخاقاني في التجويد  
٢٩ رسالة الظاءات في القرآن الكريم
- ٣٠ الفتح الإمامة أبو عمر بن العلاء  
٣١ رسالة في خلاف القراء
- ٣٢ الفتن الملاحم  
٣٣ رسالة في القراءات
- ٣٣ الفتن  
٣٥ طبقات القراء أخبارهم
- ٣٦ الفرق بين الضاد الظاء في كتاب الله  
٣٤ قراءة ابن كثير
- ٣٨ إمالات الرءاءات لورش  
٣٩ إملالات الرءاءات لورش
- ٢١ اللوامع في القراءات  
٢٥ المعنوى في القراءات الشواذ
- ٢١ المحكم في نقط المصاحف  
٢٢ مختصر مرسوم المصحف
- ٢٣ مذاهب القراء في الهمزتين  
٢٣ مفردات القراء السبعة
- ٢٥ مفردة يعقوب في القراءة  
٢٦ الموضح في الفتح الإمامة
- ٢٤ الموضح في القراءة  
٢٨ الموضح المذاهب القراءة
- ٢٩ النقط  
٥٥ ورود حرف الظاء خاصة في كتاب الله
- ٥١ الوقف على كلابلي  
٥٢ الوقف التام
- ٥٣ مسألة عن تأويل الاستثناء السعداء الأشقياء ٥٣ الياءات
- ٥٥ تذكرة الحافظ تراجم القراء السبعة واجتماعهم واتفاقهم في حروف الاختلاف
- ٥٦ الأرجوزة المنبئة على أسماء القراء الرواة أصول القراء
- ٥٤ فهرسة شيوخه (ويقال لها أيضاً فوائد أبي عمرو الداني)
- ٥٨ التنبيه على مذهب أبو عمر بن العلاء في الامامة الفتح بالعلم
- ٥٩ جامع البيان في القراءات السبع طرقها المشهورة الغربية
- ٦٠ تبصره المبتدي و تذكرة المنتهى في القراءات
- ٦١ رسالة في البيان مذهب أبو يعقوب الأزرق
- ٦٢ التلخيص الأصول قراءة نافع بن عبد الرحمن

- ۳۲) المقنع في معرفة رسم خطوط مصاحف أهل الأمصار نقطها  
 ۳۳) المكتفى في الوقف والابتداء أيضا وقف التام الوقف الكافي الحسن في كتاب الله

## تصانیف دانی رضی اللہ عنہ کی مقبولیت

امام ابو عمرو عثمان بن سعید دانی رضی اللہ عنہ کی تین مشہور کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطاء کیا ہے کہ ان تینوں کتابوں کو امام شاطبی رضی اللہ عنہ نے نظم کیا اور وہ تقریباً پوری دنیا کے مدارس میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

① آپ کی کتاب 'التیسیر' کو علامہ شاطبی رضی اللہ عنہ نے منظوم کیا۔ علامہ شاطبی رضی اللہ عنہ اس کو یوں بیان فرماتے ہیں:

وفي يسرها التيسير رمت اختصاره فأجبت بعون الله منه مؤملا  
 ”اور اس قصیدے کے آسان معانی میں، میں نے کتاب تیسیر کے اختصار کا ارادہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس قصیدے نے اس کتاب سے اپنی آرزو کا پھل حاصل کر لیا۔“  
 پھر لکھتے ہیں:

وألغافها زادت بنشر فوائد فلفت حياء وجهها أن تفضلا  
 ”اور اس قصیدے کے مضامین میں بہت سے ایسے ہیں جو علمی فوائد میں تیسیر پر بڑھ گئے۔ لیکن ان فوائد نے شرم کی وجہ سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا ہے کہ کہیں اس قصیدے کو (تیسیر پر) فضیلت نہ دی جائے۔“

یعنی میں نے تیسیر کے مسائل کا اختصار تو کیا ہی ہے ضمناً اشارتی رنگ میں بہت سے علمی نکات بھی شامل کر دیئے ہیں۔ اشارتی طرز بیان اس لیے کہ یہ قصیدہ تیسیر پر فضیلت حاصل نہیں کرنا چاہتا۔

وسميتها حرز الأمانی تيمناً ووجه التهاني فاهنه متقبلا  
 ”میں نے برکت کے حصول کے لیے اس قصیدے کا نام حرز الامانی ووجہ التہانی رکھا۔ پس تو اس کو مبارکباد کہہ کیونکہ وہ مقبول ہے۔“

② عقيلة أنراب القصائد، مصاحف عثمانیہ کے رسم میں امام دانی رضی اللہ عنہ کی کتاب 'مقنع' کا اختصار ہے۔

③ 'ناظمة الزهر في علم الفواصل' اس میں بھی علامہ دانی رضی اللہ عنہ کی 'کتاب البيان في عد آي القرآن' کا اختصار ہے۔

علامہ دانی رضی اللہ عنہ کی تیسیر کے ساتھ علامہ جزری رضی اللہ عنہ نے تین قراءات کی قراءات کا اضافہ کیا اور دس قراءات کی قراءات کو ایک جگہ جمع کر کے اس کا نام 'تجہیر التیسیر' رکھا۔

جیسا کہ علامہ جزری رضی اللہ عنہ الدرۃ میں فرماتے ہیں:

كما هو في تحبير تيسير سبعها فأسأل ربي أن يمن فتكملا  
 ”جس طرح کہ سب سے قراءات کی کتاب التیسیر کے مکملہ میں قراءات ثلاثہ کی کتاب تحبیر میں ہے، میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ احسان فرمائے کہ یہ قصیدہ مکمل ہو۔“

یعنی یہ قراءات ثلاثہ میں نے اپنی تصنیف 'تجہیر التیسیر' کے مطابق نظم کی ہیں۔ تجہیر التیسیر، علامہ جزری رضی اللہ عنہ کی وہ شہرہ آفاق تصنیف ہے جس میں موصوف نے قراءات ثلاثہ کو نشر میں لکھا ہے اور ایک طرح سے یہ علامہ دانی رضی اللہ عنہ کی کتاب 'التیسیر' کا مکملہ ہے جو سب سے قراءات پر نشر میں علامہ دانی رضی اللہ عنہ کی مشہور تصنیف ہے اور

قاری ابو بکر عاصم

مستند مانی جاتی ہے۔ اس طرز پر علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے تین قراءتوں کو مرتب کیا اور کتاب کا مذکورہ نام تجویز کیا۔ تحبیر بمعنی تزیین، گویا جزری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے دانی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسیر کو تزیین حاصل ہوئی۔ اور نظم میں یہ کتاب الدرۃ المضيئة فی القراءات الثلاث، تصنیف فرمائی یہ گویا شاطبیہ کا کلمہ ہے اور نظم کا قافیہ و وزن شاطبیہ ہی کا اختصار فرمایا ہے۔ تحبیر التیسیر، مدتوں سے مخطوط شکل میں چلی آ رہی تھی۔ الشیخ عبدالفتاح القاضی اور الشیخ محمد الصادق قمحاوی کی تعلیق و تصحیح سے مزین ہو کر الحمد للہ مصر میں چھپ گئی ہے۔

[بحوالہ الدراری شرح الدرۃ المضيئة امام القراء حضرت قاری اظہار احمد اتھانوی رحمۃ اللہ علیہ]

### اسناد امام دانی رحمۃ اللہ علیہ

امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کی اسناد کو پڑھنے سے پہلے ان چند سطور کو اچھی طرح پڑھ لیں۔

ہر روایت میں دو دو عنوان آئیں گے پہلا روایتی سند کا اور دوسرا تلاوتی کا۔ سب سے پہلا نام علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ کا ہوگا اور آخری نام امام کا ہوگا اور یہ بھی یاد رہے کہ امام کے شاگرد کو راوی اور راوی کے شاگرد کو طریق اور کسی کو طرق کہتے ہیں پس تلاوتی سند میں جو نام سب سے پہلا ہو اس کو دانی رحمۃ اللہ علیہ کا شیخ سمجھیں اور جو نام راوی مثلاً سیدنا قالون رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پہلے ہو اس کو اس روایت کا طریق تصور کریں گے۔

### امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءۃ سند

### قالون رحمۃ اللہ علیہ کی روایت

### روایتی سند

اس روایت کو ہم سے احمد بن عمر بن جبزی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن احمد بن منیر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن عیسیٰ مدنی قرشی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے قالون نے نافع سے نقل کر کے بیان کیا۔

### تلاوتی سند

میں نے اس روایت میں تمام قرآن اپنے شیخ ابوالفتح فارس بن احمد موسیٰ بن عمران محصی سے پڑھا جو قراءۃ کے معلم تھے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے یہ روایت ابوالحسن عبدالباقی بن حسین معلم قراءۃ سے پڑھی اور انہوں نے کہا کہ میں نے اس میں پورا قرآن ابراہیم بن عمر معلم قراءۃ سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابوالحسن احمد بن عثمان بن جعفر بن جویان معلم قراءۃ سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابوبکر احمد بن محمد اشعث سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابوشیط محمد بن ہارون معلم قراءۃ سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے قالون سے پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے نافع سے پڑھا۔

امام ابو عمرو عثمان الدانی

## ورش ۾ اللہ کی روایت

### روایتی سند

شیخ ابو عبد اللہ احمد بن محفوظ ۾ اللہ جو مصر کے قاضی تھے۔ شیخ احمد بن ابراہیم جامع، شیخ ابو عمر بکر بن محمد بن شہاب۔ شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمن ۾ اللہ۔ سیدنا ورش ۾ اللہ۔ امام نافع ۾ اللہ۔

### تلاوتی سند

شیخ ابوالقاسم خلف بن ابراہیم بن محمد بن خاقان ۾ اللہ جو مصر میں قرآن کے معلم تھے۔ شیخ أبو جعفر أحمد بن أسامة تجیبی، شیخ اسماعیل بن عبد اللہ نحاس ۾ اللہ، شیخ ازرق ابو یعقوب یوسف بن عمر بن یسار ۾ اللہ، سیدنا ورش ۾ اللہ، امام نافع ۾ اللہ۔

## امام ابن کثیر ۾ اللہ کی قراءت کی سند

### قبیل کی روایت

### روایتی سند

شیخ ابو مسلم محمد بن احمد بن علی بغدادی، شیخ القراء ابن مجاہد، سیدنا قنبل، سیدنا قواس ابو الحسین احمد بن محمد بن عوف، سیدنا ابوالاخریط وہب بن واضح، سیدنا اسماعیل بن عبد اللہ قطب ۾ اللہ، سیدنا شبیل بن عباد اور معروف بن مشکان ۾ اللہ، امام ابن کثیر ۾ اللہ یعنی شبیل اور معروف دونوں نے خود امام سے پڑھا ہے۔

### تلاوتی سند

شیخ ابوالفتح فارش بن احمد محمص مقری ۾ اللہ، شیخ ابوالحمص سامری عبد اللہ بن حسین بغدادی ۾ اللہ، امام ابن مجاہد ۾ اللہ، سیدنا قنبل ۾ اللہ۔

## بزی ۾ اللہ کی روایت

### روایتی سند

شیخ محمد بن احمد کانبی ۾ اللہ، شیخ احمد بن موی ۾ اللہ، شیخ مفر بن صمد ضعی کل ۾ اللہ جو مؤذن اور بنی مخزوم کے مولیٰ تھے۔ سیدنا احمد بن ابی بزمہ یعنی بزی ۾ اللہ، شیخ اسماعیل عکرمہ بن سلیمان بن عامر ۾ اللہ، شیخ اسماعیل بن عبد اللہ قطب ۾ اللہ، امام ابن کثیر ۾ اللہ۔ سیدنا بزی ۾ اللہ نے اپنی سند اسی طرح بیان کی ہے یعنی اپنے اور امام کے درمیان دو واسطے بتائے ہیں۔

### تلاوتی سند

شیخ ابوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر بن محمد مقری فارسی ۾ اللہ، شیخ ابو بکر محمد بن حسین نقاش ۾ اللہ، شیخ ابو ربیعہ محمد بن اسحاق ربیع ۾ اللہ، سیدنا بزی ۾ اللہ۔

امام ابو عمرو رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کی سند

ابو عمرو دوری رضی اللہ عنہ کی روایت

روایتی سند

شیخ محمد بن احمد بن علی، شیخ ابو یسٰیٰ محمد بن احمد بن قطن نمبر ایک والے محمد بن احمد کہتے ہیں کہ ہم سے ابو یسٰیٰ نے دوری کی روایت ۳۱۸ھ میں بیان کی۔ سیدنا ابوخلاد بن سلیمان بن خلاد، سیدنا ابو عمرو دوری رضی اللہ عنہ، سیدنا یزیدی رضی اللہ عنہ۔ امام ابو عمرو رضی اللہ عنہ۔

تلاوتی سند

شیخ عبدالعزیز بن جعفر بن محمد بن اسحاق بغدادی فارسی موصوف بطریق ابو عمرو دوری (یعنی عبدالعزیز فارسی دانی کے روایت دوری کے شیخ ہیں سو سی کی روایت کے نہیں) شیخ ابوطاہر بن عبدالواحد بن عمر بن ہشام مقری شیخ عبدالعزیز فارسی نے علامہ دانی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ میں نے اپنے شیخ ابوطاہر بن عبدالواحد سے سیدنا دوری کی روایت میں بہت مرتبہ قرآن پڑھا جن کو میں شمار نہیں کر سکتا۔ سیدنا ابو بکر بن مجاہد موصوف، سیدنا ابوالزعراء عبدالرحمن بن عبدوس۔ سیدنا ابو عمرو دوری۔ سیدنا یزیدی۔ امام ابو عمرو رضی اللہ عنہ۔

ابو شعیب سو سی کی روایت

روایتی سند

خلف بن ابراہیم بن محمد مقری، ابو محمد بن حسن رشیق معدل، ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی (مشہور محدث) ابو شعیب سو سی یزیدی۔ ابو عمرو۔

تلاوتی سند

ابوالفتح فارس بن احمد مقری (دانی کہتے ہیں) کہ میں نے ان سے سو سی کی روایت میں پورا قرآن مثلیں و متقاربین میں سے اول کے اظہار اور ادغام دونوں کے ساتھ پڑھا ہے (ابو احمد سامری) عبداللہ بن حسین مقری، ابو عمران موسیٰ بن جریر نحوی، ابو شعیب سو سی یزیدی، ابو عمرو، ابو عمرو دانی فرماتے ہیں کہ ہمیں ادغام کے قواعد ان دو سندوں کے ذریعے پہنچے ہیں۔ اول محمد بن احمد، ابن مجاہد، ابوالزعراء عبدالرحمن بن عبدوس، ابو عمرو دوری، یزیدی، ابو عمرو۔ دوم دانی کے شیخ ابوالحسن، عبداللہ بن مبارک، جعفر بن سلیمان، ابو شعیب سو سی، یزیدی، ابو عمرو بن علاء۔

امام ابن عامر رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کی سند

ابن ذکوان رضی اللہ عنہ کی روایت

روایتی سند

محمد بن احمد، احمد بن موسیٰ، محمد بن یوسف ثعلبی، عبداللہ بن ذکوان، ایوب بن تمیم، یحییٰ بن حارث زماری، ابن عامر،

مصنف فرماتے ہیں کہ اس روایت کی دوسری سند اس طرح ہے۔

### تلاوتی سند

عبدالعزیز بن جعفر فارسی مقری، ابوبکر محمد بن حسن نقاش، ابو عبد اللہ ہارون بن موسیٰ بن شریک انخفش۔ نقاش کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت میں قرآن انخفش سے مشق سے پڑھا تھا۔ عبد اللہ بن ذکوان۔

### ہشام رضی اللہ عنہ کی روایت

#### روایتی سند

محمد بن احمد، ابن مجاہد، حسن بن ابی مہران جمال، احمد بن یزید حلوانی، ہشام بن عمارۃ، عراق بن خالد مقری یحییٰ بن حارث زماری، عبد اللہ بن عامر۔

#### تلاوتی سند

ابوالفتح (ابو احمد سامری) عبد اللہ بن حسین مقری، محمد بن احمد بن عبد ان مقری، حلوانی، ہشام بن عمارہ (واللہ اعلم)

### امام عاصم رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کی سند

#### ابوبکر کی روایت

#### روایتی سند

محمد بن احمد بن علی کاتب، ابن مجاہد، احمد بن ابراہیم بن عمرو کیسی، ابو عمرو، یحییٰ بن آدم، ابوبکر، عاصم۔

#### تلاوتی سند

ابوالفتح فارس احمد مقری، ابوالحسن عبدالباقی بن حسین مقری، ابراہیم بن عبدالرحمن بن احمد مقری بغدادی، یوسف بن یعقوب واسطی، شعیب بن ایوب صیرفی، یحییٰ بن آدم، ابوبکر، عاصم۔

### اسی روایت کی ایک اور تلاوتی سند

فارس بن حمد، عبد اللہ بن حسین، احمد بن یوسف قافلانی، صیرفی، یحییٰ بن آدم، ابوبکر، عاصم۔

### حفص رضی اللہ عنہ کی روایت

#### روایتی سند

ابوالحسن طاہر بن غلبون مقری، ابوالحسن علی بن محمد بن صالح بن محمد ہاشمی ضریر جو بصرہ میں قراءت کے معلم تھے۔ ابوالعباس احمد بن سہل اشثانی، ابو محمد عبید بن صباح، حفص، عاصم۔

#### تلاوتی سند

ابوالحسن، ہاشمی، اشثانی، عبید بن صباح، حفص، عاصم

امام حمزہ رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کی سند

خلف رضی اللہ عنہ کی روایت

روایتی سند

محمد بن احمد، ابن مجاہد، ادریس بن عبدالکریم، خلف، سلیم، حمزہ۔

تلاوتی سند

دانی رضی اللہ عنہ کے شیخ ابوالحسن طاہر بن غلبون، ابوالحسن محمد بن یوسف بن نہار حرتکی۔ ابن غلبون فرماتے ہیں کہ میں نے حرتکی سے بصرہ میں قرآن پڑھا۔ ابوالحسن احمد بن عثمان بن جعفر بن بویان، ادریس بن عبدالکریم، ابن بویان فرماتے ہیں کہ ابھی تک ادریس نے خلف کی اختیار کردہ دسویں قراءۃ پڑھنی شروع نہیں کی تھی کہ میں نے اس سے پہلے ہی اُن سے خلف کی وہ روایت پڑھ لی تھی جس کو انہوں نے سلیم کے ذریعے حمزہ سے نقل کیا ہے۔ خلف۔ سلیم، حمزہ۔

خلا کی روایت

روایتی سند

محمد بن احمد، احمد بن موسیٰ، یحییٰ بن ہارون مزوق، احمد بن یزید، حلوانی، خلا، سلیم، حمزہ۔

تلاوتی سند

ابوالفتح ضریح، ابوالاحمد سامری، عبداللہ محمد حسین مقبری، محمد بن احمد بن شنبوذ، ابوبکر محمد بن شاذان جوہری مقبری، خلا، سلیم، حمزہ۔

امام کسائی رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کی سند

دوری کی روایت

روایتی سند

ابومحمد عبدالرحمن بن عمر بن محمد بن معدل، عبداللہ بن احمد، جعفر بن محمد بن اسد نصیبی، ابوعمر دوری، کسائی۔

تلاوتی سند

دانی کے شیخ ابوالفتح، عبدالباقی بن حسین، محمد بن علی بن جلدی موصلی، جعفر بن محمد، ابوعمر دوری، کسائی۔

ابوالحارث کی روایت

روایتی سند

محمد بن احمد، ابن مجاہد موصوف، محمد بن یحییٰ، ابوالحارث کسائی۔

تلاوتی سند

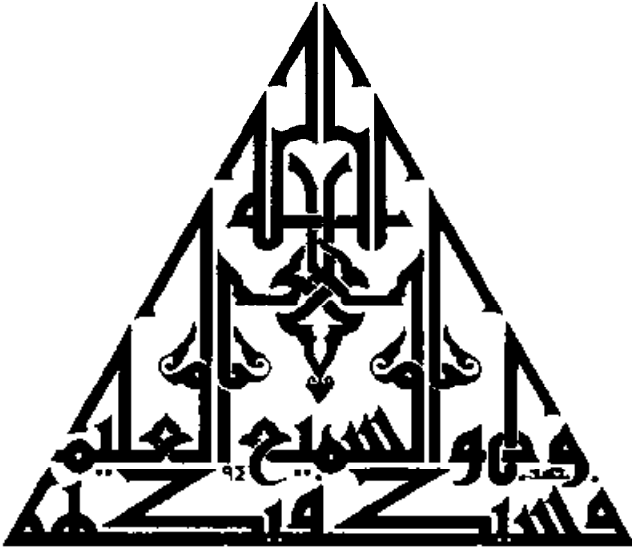
## تلاوتی سند

ابوالفتح فارس بن احمد، ابوالحسن عبدالباقی بن حسین مقری، زید بن علی، احمد بن حسن جو بلطی سے مشہور ہیں۔ محمد بن یحییٰ کسائی صغیر، ابوالحارث، کسائی۔

## آپ ﷺ کی وفات

شیخ الاسلام امام ابو عمر و الدانی ﷺ ۴۱۴ھ میں شوال کے وسط میں پیر کے روز دانیہ میں انتقال فرما گئے اور اسی روز عصر کے بعد دفن کیے گئے۔

حاکم دانیہ نے ان کے جنازے کی قیادت کی اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے جنازے کی متابعت کی۔ اس طرح ۴۱۴ھ کو دنیائے فانی کا علمی چراغ بجھ گیا اور عالم اسلام ایک عظیم محدث و مقری اور صاحب علم و فضل سے محروم ہو گیا۔  
اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَأَعْفُ عَنْهُ وَارْفَعْ دَرَجَاتَهُ فِي جَنَّةِ الْفَرْدَوْسِ . آمین!



تلاوتی سند



فیاض الحسن جمیل الازہری

فیاض الحسن جمیل الازہری\*  
ترجمہ و تلخیص: عمران اسلم\*

## امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علم قراءات میں ان کی خدمات

پاکستان میں انکار قراءات قرآنیہ اور انکار حدیث میں پیش پیش ادارہ 'المورد' کے ڈائریکٹر اور مجلہ 'اشراق' کے مدیر مسٹر جاوید احمد غامدی اپنے کارہائے سیاہ کے اعتبار سے علمی و عوامی حلقوں میں غیر معروف نہیں۔ انہوں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ اسلام کا ہر وہ حکم جو مغرب یا مغرب زدہ افراد کیلئے کسی طرح سے بھی باعث تشویش ہے، اس کا کسی نہ کسی طرح انکار کر دیا جائے۔ ان کا ہر کام شریعت اسلامیہ کی توضیح و تشریح کے بجائے اس کی تحریف و تاویل پر مشتمل نظر آتا ہے۔ حدیث رسول کے بارے میں منفی شبہات پھیلانے کے علاوہ انہوں نے قراءات قرآنیہ کے رد یعنی انکار قرآن کا فریضہ بھی اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ ان کا عام طریقہ واردات یہ ہے کہ سلف صالحین میں سے کسی امام کی عبارتوں سے من چاہا مطلب نکال لیتے ہیں اور اپنے غلط نظریات کے حق میں بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ متواتر قراءات قرآنیہ کے انکار کے ضمن میں بھی انہوں نے اپنے نظریہ کی بنیاد امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پر رکھی ہے اور ان کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ وہ حدیث سبعہ احرف کو تشابہات میں شمار کرتے ہیں چنانچہ مختلف قراءات قرآنیہ کا ثبوت ممکن نہیں۔ زیر نظر تحریر میں مضمون نگار نے مثبت انداز میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ قراءات اور انکی خدمات علوم القراءات کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موضوع پر ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیقی کام کیا جائے تاکہ غامدی صاحب جان سکیں کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نظریہ انکار قراءات کو پیش کرنا انتہائی ناقص مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

واضح رہے کہ یہ مضمون اس سے قبل اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے تحقیقی مجلہ علوم اسلامیہ میں الإمام جلال الدین السیوطی وأهم آثاره في علم القراءات کے زیر عنوان عربی زبان میں شائع ہو چکا ہے، فاضل مترجم نے اسے غامدی تلمیسات کی توضیح کیلئے اردو قالب میں ڈھالا ہے۔ کیا حدیث سبعہ احرف تشابہات میں سے ہے؟ اس موضوع پر شمارہ ہذا صفحہ نمبر ۸۱ پر عمران اسلم کا مضمون اور قراءات نمبر دوم صفحہ ۳۳۷ پر شیخ القراء قاری محمد طاہر جمیلی صاحب کا مستقل مضمون شائع کیا گیا ہے جبکہ قراءات نمبر اول صفحہ ۲۹۴ پر حافظ محمد زبیر کا مضمون 'قراءات متواترہ..... غامدی موقف کا تجزیہ' اس حوالے سے خصوصی طور پر لائق مطالعہ ہے۔ [ادارہ]

نام

آپ کا پورا نام عبدالرحمن بن الکمال بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین بن الفخر بن عثمان بن ناظر الدین محمد بن

\* اللغة العربية و آدابها، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور میں ایم اے کے طالب علم  
☆ فاضل کلبۃ الشریعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ، ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

مارچ ۲۰۱۰ء

امام جلال الدین سیوطی اور علم قراءات

سیف الدین خضر بن نجم الدین ابی الصلاح ایوب بن ناصر الدین محمد بن الشیخ ہمام الدین الہمام الخضری  
الأسیوطی ہے۔ [حسن المحاضرة في أخبار مصر والقاهرة للسيوطي: ۱۵۵/۱]

### کنیت

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابوالفضل ہے جو کہ رئیس القضاة عزالدین احمد بن ابراہیم نے مقرر کی۔  
[النور السافرة: ۵۴/۱]

### ولادت

آپ کی ولادت یکم رجب ۸۲۹ھ بروز اتوار بعد نماز مغرب قاہرہ میں ہوئی۔

### امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا انتساب

'اسیوط' کی طرف نسبت سے آپ 'سیوطی' مشہور ہوئے۔ 'مرصد الاطلاع' میں ہے کہ 'اسیوط' صعيد مصر کے نواح  
میں دریائے نیل کے مغربی کنارہ پر واقع ایک شہر کا نام ہے۔ [حسن المحاضرة: ۱۵۵/۱]  
بعض کتب میں اس شہر کا نام 'سیوط' ہمزہ کے بغیر ذکر کیا گیا ہے۔

### خاندانی پس منظر

آپ کے آباء اجداد کا شمار اہل علم، بااثر اور معزز لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپ کے والد گرامی شافعی مذہب کے  
فقہاء میں سے تھے۔ جب امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف پانچ سال اور سات ماہ تھی آپ کے والد جہان فانی سے  
کوچ کر گئے۔ آپ اس وقت قرآن کریم کی سورۃ تحریم تک حفظ کر چکے تھے۔ اس کے بعد آپ یتیمی کی حالت میں  
پلے بڑھے۔ آپ کے والد نے 'فتح القدیر' کے مصنف کمال بن ہمام کو اپنے بیٹے کی تربیت اور سرپرستی کی  
وصیت کی تھی۔

### تعلیم و تربیت اور اساتذہ کرام

بچپن ہی سے سیوطی پر ذہانت و فطانت کے آثار نمایاں تھے۔ آپ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ مکمل قرآن کریم حفظ  
کر لیا۔ اس کے بعد العمدة، المنهاج الفقہی، المنهاج الأصولی اور ألفیة ابن مالک حفظ کر کے  
۸۶۳ھ میں باقاعدہ طور پر حصول علم میں مشغول ہو گئے اور اپنے دور کے اکثر ماہرین فن سے پڑھا اور ان کی خدمت  
میں طویل عرصہ گزارا۔

### حصول علم کیلئے سفر

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حصول علم کے لیے شام، حجاز، یمن، ہند، مغرب اور بہت سے مصری شہروں کا سفر کیا۔ انہی  
اسفار کے دوران آپ حج کی سعادت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ زمزم پیتے ہوئے آپ نے جو دعائیں کیں ان میں  
سے ایک یہ بھی تھی کہ اللہ مجھے علم حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ میں اپنے اُستاد شیخ سراج الدین  
بلقینی جیسا بلند مرتبہ عطاء فرما۔

## امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مرتبہ

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فنون اور بہت سے علوم میں رتبہ امامت کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب 'حسن المحاضرة' میں ذکر کیا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بالخصوص سات علوم میں بہت زیادہ معلومات دی ہیں، جو یہ ہیں:

”تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع۔“

آپ اپنی کتاب 'الرد علی من أخلد إلى الأرض وجهل أن الإجتہاد فی کل عصر فرض' میں رقمطراز ہیں:

”روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک خضر، قطب یا کسی ولی اللہ کے علاوہ حدیث اور عربی کا مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں۔“

ان کا یہ دعویٰ عربی زبان کے بارے میں تو تسلیم کیا جاسکتا ہے البتہ حدیث کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ غیر درست ہے، الایہ کہ اس سے متون حدیث کا حفظ مراد ہو یا ستاوی کے علاوہ مراد ہو۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ فقہ کے سوا باقی تمام فنون میں ان کے اساتذہ میں سے بھی کوئی ان کے ہم پلہ نہیں ہے البتہ فقہ میں ان کے شیخ کی معلومات وسیع اور زیادہ ہیں۔

اور ہاں اصول فقہ اور علم الجدل والتصریف میں مذکورہ سات علوم سے کچھ کم معلومات ہیں ان کے بعد علم الإنشاء والترسل اور علم المیراث، اس کے بعد علم القراءت ہے جس میں ان کا کوئی اُستاد نہیں اور اس کے بعد علم الطب کی معلومات ہیں۔ [حسن المحاضرة: ۱۵۷/۱]

منطق کے متعلق لکھتے ہیں کہ آغاز میں اس کے متعلق کچھ پڑھا تھا بعد میں اس سے طبیعت اچاٹ ہو گئی اور ابن صلاح کا اس علم کی حرمت کے متعلق فتویٰ پڑھا تو اسے بالکل ترک کر دیا اور اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے مجھے علم حدیث عطا فرمایا۔

منطق کے متعلق آپ نے دو رسالے تحریر فرمائے:

① القول المشرق فی تحریم الإشغال بالمنطق

② صون المنطق والکلام عن فن المنطق والکلام

علم حساب آپ کے نزدیک بڑا مشکل تھا۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب میں حساب سے متعلق کوئی مسئلہ دیکھوں تو وہ میرے لیے اتنا مشکل اور بھاری ہوتا ہے کہ گویا مجھے پہاڑ اٹھانا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا حافظ عطا فرمایا تھا آپ نے خود ذکر فرمایا ہے کہ مجھے دو لاکھ احادیث زبانی یاد ہیں۔

آپ نے قصبہ رضوان میں باب فرویلہ کی جانب پہلے خیمہ میں واقع جامع الکردی کی جگہ موجود مدرسہ محمودیہ کے کتب خانہ سے خوب استفادہ کیا۔ یہ مدرسہ مصر کے شاندار مدارس میں شمار ہوتا ہے۔

’أنباء القمر‘ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس مکتبہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”اس مکتبہ میں موجود بے بہا کتب قاہرہ میں آج کل موجود تمام کتابوں سے زیادہ قیمتی اور مفید ہیں۔ یہ کتابیں وہ ہیں جو اب رہان بن جماعہ نے زندگی بھر جمع کیں اور ان کی وفات کے بعد محمود آستاد نے ان کے ترکہ میں سے یہ کتابیں خرید کر بایں شرف وقف کر دیں کہ ان میں سے کوئی کتاب مدرسہ سے باہر نہ جانے پائے۔“

امام جلال الدین سیوطی اور علم قراءات

یہ کتب خانہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تحویل میں رہا اس وقت اس میں تقریباً چار ہزار جلدیں تھیں۔ آپ نے اس کتب خانہ کی فہرست مرتب کی تھی۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو ملکہ اجتہاد اور اس کی تمام ضروری معلومات حاصل تھیں۔ آپ اپنی کتاب حسن المحاضرہ، الرد علی من أخلد إلى الأراض، طرز العمامة اور مسالك الحنفاء میں لکھتے ہیں:

”میں اگر ہر مسئلہ کے متعلق لغوی، عقلی دلائل، اس کے اصول و اعتراضات مع جوابات، اس بارے میں مختلف مذاہب کے اختلاف اور ان کے مابین موازنہ وغیرہ کے بارے میں رسالہ لکھنا چاہوں تو اپنی قوت یا طاقت سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل اور توفیق سے لکھ سکتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ساتھ آپ بڑے زود نویس، حاضر جواب، صحیح العقیدہ، متواضع، قناعت پسند اور بڑے عبادت گزار تھے۔ اُمراء و ملوک کے تحائف قبول نہ کرتے تھے سلطان غوری نے ایک بار آپ کی خدمت میں ایک غلام اور ایک ہزار دینار پیش کیے۔ آپ نے دینار واپس کر دیئے اور غلام لے کر آزاد کر دیا اور مدینہ نبویہ میں حجرہ نبویہ کا خادم مقرر کر دیا۔ اور بادشاہ کے قاصد سے کہا: تم دوبارہ تحائف اور ہدایا لے کر نہ آنا، ہمیں اللہ نے ان چیزوں سے مستثنیٰ کر رکھا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں کے مطابق فتوے دیئے اور اکثر فنون کے بارے میں شاندار کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے فتاویٰ اور مؤلفات بہت زیادہ معروف ہوئے اور ہر علاقہ کے اہل علم نے انہیں شرفِ قبولیت سے نوازا۔

اس کے بارے میں آپ ’مقامہ مزہریہ‘ میں فرماتے ہیں:

”میں نے سترہ برس تک فتوے لکھے اور چالیس برس کی عمر تک تدریس و افتاء سے متعلق رہا، اس کے بعد معذرت کر کے یہ دونوں کام چھوڑ کر عبادت اور تصنیفات میں مشغول ہو گیا۔“

## آپ کے مشہور آسانذہ کرام

- |  |  |
|--|--|
| ① سراج الدین البلقینی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>            | ② علم الدین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>                              |
| ③ شہاب الدین الشارمساحی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>          | ④ الشرف المناوی ابو زکریا یحییٰ بن محمد <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>  |
| ⑤ تقی الدین الشمسی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>               | ⑥ شیخ محی الدین محمد بن سلیمان رومی حنفی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> |
| ⑦ سیف الدین حنفی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>                 | ⑧ جلال الدین المحلي <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>                      |
| ⑨ احمد بن ابراہیم حنبلی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>          | ⑩ الزین العقبی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>                           |
| ⑪ البرہان ابراہیم بن عمر البقاعی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> | ⑫ الشمس السیر امی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>                        |

## علم قراءات میں امام موصوف کی خدمات

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءات کے موضوع پر بہت سی کتب تصنیف کیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کی پہلی کتاب قراءات کے موضوع پر لکھی۔ جس کا نام ’شرح الاستعاذۃ و البسملة‘ تھا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

زندگی میں سب سے پہلے میں نے جو کتاب تالیف کی اس کا نام ’شرح الاستعاذۃ و البسملة‘ ہے۔ کتاب مکمل

کر کے میں نے علم الدین البقینی کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اس پر تقریظ تحریر کی۔ [شذرات الذهب: ۵۳۸] امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم قرآن، تفسیر اور قراءات کے موضوع پر درجنوں کتب تحریر کیں ان میں سے مشہور اور چنییدہ کتب تصنیفات یہ ہیں:

- ① شرح الاستعاذۃ والبسملة
  - ② الإنصاف فی تمییز الأوقاف
  - ③ الدر النثیر فی قراءۃ ابن کثیر
  - ④ شرح حرز الأمانی ووجہ التہانی
  - ⑤ الإیتقان فی علوم القرآن
  - ⑥ لباب النقول فی أسباب النزول
  - ⑦ الدرّ المنثور فی التفسیر بالمأثور
  - ⑧ أسرار التأویل
  - ⑨ الإکلیل فی إستنباط التنزیل
  - ⑩ تناسق الدرر فی تناسب الآیات والسور
  - ⑪ ترجمان القرآن
  - ⑫ حجاز الفرسان إلی مجاز القرآن
  - ⑬ متشابه القرآن
  - ⑭ مفعمات فی مبہمات القرآن
  - ⑮ مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع
  - ⑯ معترك الأقران فی إعجاز القرآن
  - ⑰ الجواهر فی علم التفسیر
  - ⑱ تناسب الدرر فی تناسب السور
  - ⑲ تکملة تفسیر الجلالین
  - ⑳ النموذج اللیب فی خصائص الحیب
  - ㉑ الألفية فی القراءات العشر
- امام صاحب نے قراءات کے موضوع پر اس کے علاوہ بھی بہت سی کتب تالیف کیں۔ مذکورہ کتب میں سے چند کا تعارف پیش خدمت ہے:

### ① شرح الإستعاذۃ والبسملة

یہ کتاب آپ نے نوعمری میں لکھ ڈالی تھی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے امام صاحب نے اس میں 'تعوذ' اور 'بسملہ' کے الفاظ و احکام پر تفصیلی بحث کی ہے۔ علاوہ ازیں 'تعوذ' اور 'بسملہ' میں قراءات کا اختلاف بیان کرتے ہوئے قراءات میں ان کی چار کیفیات کی وضاحت کی گئی ہے۔

### ② الإنصاف فی تمییز الأوقاف

یہ کتاب بھی قراءات سے متعلق ہے جس میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے وقف کے احکام اور وجوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے وقف کے وقت بعض کلمات قرآنیہ میں قراءات کا اختلاف نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ وقف کی کیفیت اور وقف کے بعد ابتداء کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ ابتداء اور اعادۃ کے احکام کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

### ③ الدر النثیر فی قراءۃ ابن کثیر

علم قراءات پر امام صاحب کی یہ ایک مستقل کتاب ہے۔ جس میں آپ قراءت سبعہ میں سے دوسرے امام، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت کو زیر بحث لائے ہیں۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر قراءت سے مختلف ایک مستقل قراءت موجود ہے۔ مثلاً قراءت میں سے آپ اکیلے ادغام کبیر کے قائل ہیں اور ورش کی طرح آپ نے بعض کلمات میں تقلیل بیان کی

امام جلال الدین سیوطی اور علم قراءات

ہے۔ کتاب میں ورش کی قراءات کی بھی تفصیلی وضاحت موجود ہے۔

### ④ شرح حرز الأمانی ووجه التہانی (شرح شاطبیہ)

’حرز الأمانی ووجه التہانی‘ امام شاطبی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ہے جو دراصل ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ کی کتاب ’التیسیر‘ کی منظوم شکل ہے۔ ’حرز الأمانی ووجه التہانی‘ اور ’تیسیر‘ پر بہت سے علماء کبار کی جانب سے بسیط شروحات لکھی گئی ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے بھی ’قصیدۃ لامیۃ للشاطبی‘ کے نام سے شاطبیہ کی انتہائی شاندار شرح لکھی ہے۔ افادے کے اعتبار سے یہ کتاب نمایاں مقام کی حامل ہے۔ یہ کتاب مخلوط ہے جس کے تین نسخے مل سکے ہیں۔ پہلا نسخہ ۱۲۰، دوسرا ۹۰ اور تیسرا ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ [کشف الظنون: ۵۲۰/۱]

### ⑤ الإیقان فی علوم القرآن

اس کتاب کو علوم قرآن پر مشتمل ایک دستاویز کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس میں امام صاحب نے علوم قرآن کی اسی (۸۰) اقسام کا تفصیلی تذکرہ قلمبند کیا ہے جن میں سے ۲۰ اقسام علم قراءات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ بطور مثال ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

- ① ۲۲ تا ۲۷ ویں قسم تک متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع اور مدرج پر مشتمل ہیں۔
- ② ۲۸ ویں قسم وقف وابتدا کی معرفت پر مبنی ہے۔
- ③ ۳۰ ویں قسم امالہ اور فتح کی وضاحت میں ہے۔
- ④ ۳۱ ویں قسم ادغام، اظہار، انخفاء اور اقلاب پر مشتمل ہے۔
- ⑤ ۳۳ ویں قسم تخفیف ہمزہ کے بارے میں ہے۔
- ⑥ ۳۴ ویں قسم کیفیات قراءات کی وضاحت میں ہے۔
- ⑦ فصل سادس مختلف افراد سے قراءات اخذ کرنے کی کیفیت اور اس کے جمع کرنے پر مشتمل ہے۔

### ۲۲ تا ۲۷ ویں قسم کی مختصر وضاحت

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس بحث میں رقمطراز ہیں کہ قاضی جلال الدین البلقینی رحمہ اللہ نے فرمایا: قراءات، متواتر، آحاد اور شاذ میں منقسم ہے۔ متواتر سے مشہور سات قراءات مراد ہیں، جبکہ آحاد میں بقیہ تین قراءات اور صحابہ کرام کی قراءات ملحق ہے۔ اور شاذ سے مراد تابعین یعنی اعمش رحمہ اللہ، یحییٰ بن وثاب رحمہ اللہ، ابن جبیر رحمہ اللہ اور دیگر کی قراءات ہے۔ امام صاحب کی یہ رائے نظر ثانی کے قابل ہے۔ اس حوالے سے علامہ جزری رحمہ اللہ کا موقف زیادہ صحیح اور واضح ہے جو کہتے ہیں:

ہر وہ قراءت جو لغت عرب کی کسی بھی وجہ سے موافق ہو، مصاحف عثمانیہ سے مطابقت رکھتی ہو اگرچہ احتمالاً ہی اور اس کی سند بھی صحیح ہو تو وہ قراءت صحیح ہے۔ جس کو نہ تو رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ یہ حروف سبعہ میں سے ہے جو بطور قرآن نازل ہوا اور لوگوں پر ان کا قبول کرنا واجب ہے، برابر ہے کہ چاہے یہ آئمہ سبعہ سے منقول ہو، عشرہ سے ہو یا پھر دیگر مقبول آئمہ سے۔ [الإیقان فی علوم القرآن: ۱۹۹/۱]

بسم اللہ

## تینتیسویں قسم کی مختصر وضاحت

امام موصوف اس بحث میں فرماتے ہیں:

ہمزہ کے احکام اس قدر زیادہ ہیں کہ اُن کے احاطے کے لیے مستقل جلد کی ضرورت ہے۔ البتہ مختصراً اہل فن نے فن قراءت میں ان کی چار اقسام بیان کی ہیں:

① **نقل حرکت:** یعنی حرکت ہمزہ کو ماقبل ساکن حرف کی طرف نقل کر دینا اور ہمزہ کو گرا دینا۔ جیسے قَدْ أَفْلَحَ سے قَدْ أَفْلَحَ یہ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ورش کے طریق سے قراءت ہے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ صحیح ساکن پہلا کلمہ کے آخر میں ہو اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں۔ امام ورش نے پورے قرآن میں ایسی مثالوں کو نقل کے ساتھ بھی پڑھا ہے سوائے كِتَابِيَهٗ اِنِّي طَلَنْتُ کے۔ اسے وہ تحقیق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جبکہ دیگر جمع قراء پورے قرآن میں اس جیسی تمام مثالوں کو تحقیق کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔

② **ابدال:** ہمزہ ساکنہ کو ماقبل حرف کی حرکت کے موافق حروف مدہ سے بدل دینا۔ ماقبل حرف پر اگر زبر ہوگی تو الف سے، زیر ہوگی تو یا سے اور پیش ہوگی تو واؤ سے ابدال ہوگا۔ جیسے وَأَمْرٌ أَهْلَكَ سے وَأَمْرٌ أَهْلَكَ، يَوْمٌ مِّنْ يَّوْمِنُونَ سے يَوْمٌ مِّنْ يَّوْمِنُونَ اور جِئْتُمْ سے جِئْتُمْ، یہ امام ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد سوسی کی روایت ہے۔

③ **تسہیل بین بین:** یہ اس صورت میں ہوتی ہے جب ایک ہی کلمہ میں دو ہمزہ آجائیں۔ جب دونوں ہمزہ مفتوح ہوں تو امام نافع رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ اور ہشام رحمۃ اللہ علیہ دوسرے ہمزے کی تسہیل کرتے ہیں اور امام ورش رحمۃ اللہ علیہ دوسرے ہمزہ کا الف سے ابدال کرتے ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ دو ہمزوں کے درمیان ادخال نہیں کرتے جبکہ قالون رحمۃ اللہ علیہ، ہشام رحمۃ اللہ علیہ، ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ ادخال کرتے ہیں۔ باقی جمع قراء دونوں ہمزوں میں تحقیق کرتے ہیں۔ اگر ایک ہمزہ مفتوح اور دوسرا مکسور ہو تو نافع، مکی اور بصری تسہیل کرتے ہیں، قالون اور ابو عمرو ادخال بھی کرتے ہیں باقی جمع قراء تحقیق کرتے ہیں۔ پہلا مفتوح اور دوسرا مضموم ہو جیسے أَوْ بَيْنَكُمْ اس میں نافع، مکی اور بصری تسہیل کرتے ہیں۔ قالون ادخال بھی کرتے ہیں جبکہ باقی جمع قراء تحقیق کے قائل ہیں۔ امام دانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرے ہمزہ کو جو واؤ کی شکل میں لکھا گیا ہے اس سے صحابہ کا یہ اشارہ کرنا مقصود تھا کہ تسہیل بالواؤ ہوگی۔

④ **الاسقاط:** جب دو ہمزے دو کلموں میں ہوں اور متفق الحركات ہوں تو اگر دونوں مکسور ہوں گے تو امام ورش اور قبل دوسرے ہمزہ میں تسہیل بالیاہ کرتے ہیں۔ قالون اور بزی پہلے ہمزہ کو یا ئے مکسورہ سے بدل دیتے ہیں۔ ابو عمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ گرا دیتے ہیں جبکہ باقی تمام قراء تحقیق کرتے ہیں۔ اور اگر دونوں مفتوح ہوں تو ورش اور قبل دوسرے ہمزہ کو تسہیل بالالف کرتے ہیں، قالون، بزی اور ابو عمرو گرا دیتے ہیں باقی تمام قراء تحقیق کرتے ہیں۔ اگر دونوں مضموم ہوں تو ابو عمرو بصری اسقاط۔ قالون، بزی تسہیل اور ورش قبل ابدال کریں گے جبکہ باقی جمع قراء تحقیق۔ اس بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ پہلے ہمزہ کو گرایا جائے گا یا دوسرے کو۔ ابو عمرو کا خیال ہے کہ پہلے کو، جبکہ خلیل کا کہنا ہے کہ دوسرے کو گرایا جائے گا اور اس کا اثر مدہ پہ بھی ہوگا۔

## چوتیسویں قسم

قراءت کی تین قسمیں ہیں:

① **تحقیق:** یعنی ہر حرف کو اس کا مکمل حق دینا۔ مد، تحقیق اور تشدید کو اچھی طرح ادا کرنا اور حروف کی ادا ہنگی میں ہر ہر حرف کو اس قدر نکھار کے ادا کرنا کہ ہر حرف کی علیحدہ علیحدہ سمجھ آئے، اور وقوف کا خیال رکھ کے پڑھا جائے۔ یہ امام حمزہ اور ورش کا طرز تلاوت ہے۔

② **المد:** قدرے تیزی سے تلاوت کرنا یعنی مدود میں قصر کرنا اور سکون اختلاس، ابدال، ادغام کبیر اور ہمزہ کو قدرے جلدی ادا کرنا۔ یہ ابن کثیر رحمہ اللہ، ابو جعفر رحمہ اللہ، ابو عمر رحمہ اللہ، ابو یعقوب رحمہ اللہ کا طرز تلاوت ہے۔

③ **تدویر:** یعنی حد اور تحقیق کے درمیان پڑھنا۔ اکثر قراء کا طرز تلاوت یہی ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ کی تفاسیر تفسیر جلالین اور الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، کا تعارف راقم الحروف کے دوسرے مضمون 'کیا حدیث سببہ آحرف متشابہات میں سے ہے؟' امام سیوطی رحمہ اللہ کے مؤقف کے تجزیہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

## وفات اور مدفن

امام سیوطی رحمہ اللہ نے ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ جمعہ کی رات سات روز تک بائیں بازو کے شدید ورم میں مبتلا رہنے کے بعد اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے وفات کے وقت سورۃ یسین کی خود تلاوت فرمائی۔ آپ کی نماز جنازہ الروضہ کی جامع الشیخ احمد اباریقی میں شعرانی نے پڑھائی۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے مصر العتیقہ کی جامع جدید میں دوبارہ نمازہ جنازہ پڑھی۔ بوقت وفات آپ کی عمر اسیٹھ سال اور دس ماہ تھی۔ آپ قاہرہ میں حوش قوصون میں دفن کیے گئے۔ یہ مقام باب القرافۃ (جو عام لوگوں میں جعفر الصادق کی بیٹی کے نام سے معروف ہے) کے باہر واقع ہے۔ [الکواکب السائرة بأعیان المائة العاشرة: ۲۳۷]

دمشق میں بھی آپ کا ایک غائبانہ نمازہ جنازہ پڑھایا گیا جس میں لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو غسل دینے والے شخص نے آپ کے قمیص اور نمائے کو محفوظ کر لیا جو بعد میں لوگوں نے بھاری قیمت ادا کر کے بطور تبرک اپنے لیے خرید لیا۔ [الکواکب السائرة بأعیان المائة العاشرة: ۲۳۱]

یہ سلطان غوری کو دارو تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر بہت ظلم کیا کرتے تھے لیکن کسی نے بھی آپ کے ترکہ کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ سلطان نے کہا کہ شیخ نے زندگی بھر ہم سے کوئی چیز قبول نہ کی لہذا اب کوئی ان کے ترکہ کو ہاتھ نہ لگائے۔ ان کی قبر پر قیہ تعمیر کیا گیا۔

یاد رہے کہ سیوطی میں مسجد سیدی جلال کے اندر بھی ایک قبر واقع ہے۔ شیخ کا اس قبر سے کوئی تعلق نہیں یہ آپ کے اجداد میں سے کسی کی قبر ہے۔ [تدریب الراوی: ص ۲۹]

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی شہرت کی وجہ سے یہ مسجد آپ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ تیمور پاشا کی تحقیق کے مطابق آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ سیوطی میں جو لوگ آپ کی طرف منسوب ہیں وہ آپ کی نسل میں سے نہیں۔ وہ مسجد کے منتظم یا خدام کی نسل میں سے ہیں۔



ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی

ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی\*  
مترجم: کلیم اللہ حیدر\*

## الشیخ المقري احمد عبدالعزيز الزيات رحمه الله

ماہنامہ رُشد کی قراءات کے فروغ کے حوالے سے خدمات کو اگر علمی فیض کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عالم عرب سے یہ فیض بالخصوص امام القراءات علامہ احمد عبدالعزیز الزیات رحمہ اللہ کے سلسلہ سے جاری ہوا ہے۔ پاکستان میں اگرچہ عرصہ دراز سے علم تجوید و قراءات متعدد سلسلوں سے منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے لیکن اسے تحقیقی رنگ اس وقت ملا جب اصحاب ثلاثہ یعنی شیخ القراء قاری محمد ادریس العاصم، شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی اور شیخ القراء قاری احمد میاں تھانوی رحمہم اللہ مدینہ یونیورسٹی میں عالم عرب کی مشہور علمی و تحقیقی شخصیات سے انتساب علم کر کے پاکستان تشریف لائے۔ تینوں مشائخ کلیۃ القرآن الکریم، مدینہ نبویہ کے نمایاں فضلاء اور وہاں کے مصری اساتذہ کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔

جامعہ الازہر مصر کے تحت معهد القراءات کے بعد سعودی حکومت نے جب جامعہ اسلامیہ، مدینہ نبویہ میں علم القراءات کا اعلیٰ ادارہ کھولنا چاہا تو اس وقت مصر کے کبار اساتذہ کی تدریسی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان کبار اساتذہ کی محنتوں کی بدولت مدینہ یونیورسٹی کا کلیۃ القرآن اور قرآن مجید کی اشاعت کا عظیم ادارہ مجمع ملک فہد وجود میں آیا۔ ان اداروں کی نشوونما میں جن جلیل القدر مشائخ کی خدمات نمایاں رہیں وہ تمام شیخ احمد الزیات رحمہم اللہ ہی کے تلامذہ تھے۔ گذشتہ نصف صدی میں شیخ احمد الزیات رحمہم اللہ علمی اعتبار سے دُنیا کے تمام مشائخ قراءات کے قائد رہے۔ علاوہ ازیں آپ کو یہ خصوصی امتیاز بھی حاصل تھا کہ عصر حاضر سے رسول کریم ﷺ تک قرآن مجید کی متصل اسانید میں سے واسطوں کے اعتبار سے اعلیٰ ترین سند آپ کے پاس تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا بھر کے مشائخ قراءات نے اپنے سلسلہ سند کو عالی کرنے کی غرض سے خاص طور پر آپ سے اجازت قراءات حاصل کیا۔

علامہ الزیات رحمہم اللہ کے حالات زندگی پر مشتمل یہ مضمون انہی کی کتاب شرح تنقیح فتح الکریم پر ڈاکٹر محمد یاسر المزروعی کی تحقیق و تلیق کے مقدمہ سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب وزارت الاوقاف، کویت نے چند سال قبل تدریس عشرہ کبریٰ کے فروغ کیلئے طبع کی ہے۔ [ادارہ]

نام و نسب

آپ کا اسم مبارک فضیلة الشیخ المقري احمد عبد العزيز بن أحمد بن محمد الزيات

\* معروف محقق قراءات، مدیر مشروع رعاية القرآن الکریم وزارت اوقاف، کویت

☆ فاضل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

مارچ ۱۹۷۵ء

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

المصري المدنی القاہری ہے۔ اس کے علاوہ عبد العزیز، أحمد الزیات، أحمد عبد العزیز الزیات اور شیخ الزیات کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی مفید تحریرات اور ایسی تصانیف کے مؤلف ہیں جو نایاب کتب میں شمار ہوتی ہیں۔ بہت کم لوگ اس پائے کی کتب لکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

## پیدائش (ولادت باسعادت)

آپ قاہرہ میں ۱۳۲۵/۲۵/۷ھ بمطابق ۱۹۰۷/۵/۷ء کو پیدا ہوئے۔

## علمی کیفیت (عادات و خصائص)

شیخ قراءت کے بہت بڑے امام تھے۔ اس فن میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ علم، تعلیم، فضیلت و عزت میں آپ خدا تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ دل کے پاکیزہ اور بیدار مغز تھے۔ شیخ موصوف کا شمار علوم شرعیہ اور علوم عربیہ کے ماہر علماء میں ہوتا ہے۔ اللہ نے کثیر تعداد میں لوگوں کو آپ سے نفع پہنچایا۔

شیخ احمد الزیات رحمۃ اللہ علیہ نیک طبع انسان تھے۔ آپ کی شخصیت زہد و تقویٰ کی پیکر تھی۔ آپ ریاء سے بچتے ہوئے جھوٹی شہرت سے کوسوں دور رہنے والے تھے۔ اخلاق حسنہ کے مالک اور فرشتہ صفت انسان تھے۔ آپ کا تعلق ایک شریف خاندان سے تھا۔ قرآن سے اس قدر محبت اور تعلق تھا کہ ہر وقت زبان تلاوت قرآن پاک سے تر رہتی۔

## تعلیم کا آغاز (مرحلہ علمیہ)

جب آپ طلب علم کیلئے موزوں عمر کو پہنچے تو آپ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے آپ نے قرآن حفظ کرنا شروع کیا، کیونکہ تعلیم کی اصل بنیاد ہی تعلیم قرآن ہے اور قدیم و جدید مصر میں بھی یہ رواج عام ہے کہ بچے کی ابتدائی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے کرایا جاتا ہے۔

آپ کیلئے جس مدرسے کا انتخاب کیا گیا اس کا نام جامعۃ الازہر ہے، جو قاہرہ میں واقع ہے۔

## تکمیل قرآن

آپ دس سال کی عمر کو پہنچے تو آپ نے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کر لی اور تکمیل حفظ قرآن کے بعد یہیں دوسرے علوم شرعیہ کو سیکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ قراءت قرآنیہ میں آپ نے قراءت عشرہ صغریٰ شاطبیہ اور دُرّہ کے طریق سے اور قراءت عشرہ کبریٰ طیبیۃ النشر کے طریق سے تخصص حاصل کیا۔ علم قراءت کے حصول کیلئے آپ نے بڑے شیوخ سے شرف تلمذ حاصل کیا جن میں سرفہرست فضیلۃ الشیخ العلامة خلیل غنیم الجنابینی اور فضیلۃ الشیخ العلامة عبدالفتاح الہنیدی ہیں اور آپ کے ان دونوں مشفق اساتذہ نے علم قراءت مصر کے شیخ، اپنے وقت کے علوم قراءت میں سب سے بڑے ماہر العلامة الکبیر شیخ محمد بن أحمد المتولی سے حاصل کیا تھا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان تلامذہ میں ہوتا تھا جو خنقی، مخلص، ادب اساتذہ سے بھرپور اور رِضائے الہی کی طلب کیلئے علم حاصل کر رہے تھے۔ جو کچھ بھی آپ نے حاصل کیا مکمل محنت اور یکسوئی کے ساتھ حاصل کیا۔ اساتذہ کا اس قدر

بسم اللہ

ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزدوی

احترام کرتے کہ ان کے سامنے بولنے کو بھی گستاخی شمار کرتے۔ ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ آپ کے دل میں کبھی بھی کسی بھی اُستاد کے بارے میں بدگمانی پیدا نہ ہوئی۔ اپنے اُستادہ کیلئے ہمیشہ یہ دُعا فرماتے:

”اللهم اغفر لنا ولوالدینا ولأَسَاتِدَتِنَا ولِأَخْوَانِنَا ولِأَخْوَاتِنَا ولِجَمِیعِ الْمُسْلِمِینِ وَالْمُسْلِمَاتِ.“

”اے اللہ میرے والدین، میرے اُستادہ، میرے بھائیوں، میری بہنوں اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔“

## مشائخ عظام

آپ نے علمِ قراءات اور دوسرے علومِ شرعیہ کے حصول کے لیے بے شمار جلیل القدر اور ثقہ قراءِ کرام سے استفادہ حاصل کیا لیکن چند ایک شیوخ سے بالخصوص پڑھا جن کا ذیل میں مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

① شیخ المقری صفی بن ابراہیم السقاء رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مشفق اُستادہ میں سے ایک ہیں جن سے آپ نے علمِ قراءات کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت پر بھی درس لئے۔ شیخ صفی بن ابراہیم، شیخ خلیل الجنابنی کے تلامذہ میں سے ہیں اور شیخ صفی بن ابراہیم ہی وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے شیخ خلیل سے قرآن پڑھا اور حفظ کیا۔ یہ بات اس وجہ سے ذکر کی گئی ہے کہ شیخ الزیات کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے شیخ صفی کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاتا صرف شیخ جنابنی کے تذکرے پر ہی اکتفاء کر لیا جاتا ہے۔

② الشیخ المقری خلیل بن محمد غنیم الجنابنی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے قرآن کریم کو قراءاتِ عشرہ صغریٰ اور کبریٰ میں اوّل قرآن سے سورۃ الدخان کی آیت ﴿وَإِن لَّمْ تَوْمِنُوا لِي فَاَعْتَمِدُوا لَوْنِ﴾ [الدخان: ۲۱] تک پڑھا۔ اور یہاں سے آخر قرآن تک کسی مجبوری کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے۔

③ الشیخ المقری العلامة عبدالفتاح الہندی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے قراءاتِ عشرہ صغریٰ اور کبریٰ پڑھیں اور اس کے ساتھ آپ نے حاصل کردہ علم کو آگے منتقل کرنے کی آپ سے اجازت چاہی۔ جس پر آپ کے استاد نے آپ کے خلوص و محنت کو دیکھ کر اجازت نامہ جاری کر دیا۔

④ شیخ محمد إسماعیل رحمۃ اللہ علیہ علومِ شرعیہ میں حدیث شریف کا علم آپ نے شیخ إسماعیل سے اخذ کیا، جن میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کو بالخصوص پڑھا۔

## شیخ القراء کا علمی دور

آپ چونکہ قرآن اور علومِ قرآن بالخصوص قراءاتِ قرآنیہ کے علامہ اور شیخ تھے اس لیے علومِ قرآن بالخصوص قراءاتِ قرآنیہ کی نشرو اشاعت میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے مشائخ و علماء سے علومِ شرعیہ اور عظیم قراءتِ کرام سے علومِ قراءات کو حاصل کر لیا تو «بَلَّغُوا عَنِّي وَكَلِّمُوا أُمَّةً» [جامع الترمذی: ۲۶۶۹] کے تحت علم کی اشاعت کیلئے کوشاں ہوئے۔ جامعہ ازہر سے ہی آپ نے پڑھانے کی ابتداء کی۔ آپ کی مجلسِ درس کا یہ عالم تھا کہ درس کیلئے مخصوص وقت تو ختم ہو جاتا لیکن بحرِ علم ابھی بھی ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا۔ ابتداءً آپ ازہر شریف اور قرب و جوار میں درس و دروس کی مجالس قائم کرتے رہے۔ اس کے بعد جامعہ ازہر میں ۱۳۳۵ھ الموافق ۱۹۲۵ء کو

خطابت کا آغاز کیا جس میں آپ حکمت اور دانائی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرواتے تھے۔ مصر میں قیام کے دوران آپ نے بہت سی مساجد کو اپنا مسکن بنائے رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی علمی خدمات کو قبول کیا یہی وجہ ہے کہ آپ سے بہت سارے لوگ فیض یاب ہوئے۔ خدمتِ خلق اور رضائے الہی کا اس قدر شوق تھا کہ آپ ہر رات مغرب سے عشاء تک لوگوں کو اکٹھا کر کے وعظ و نصیحت کیا کرتے اور رمضان المبارک میں صلوة التراويح کا بھی خصوصی اہتمام کرایا کرتے اور امامت کے فرائض خود سرانجام دیتے۔ آپ کا انداز یہ تھا کہ جب عشاء کی فرض نماز پڑھ لیتے یا نماز تراویح کی چار رکعات مکمل کر لیتے تو وعظ و نصیحت کیلئے بیٹھ جاتے، کیونکہ آپ جانتے تھے:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الذاریات: ۵۵]

آپ ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھتے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کے ذریعے لوگوں کے دل کھول دے گا اور میری اس تھوڑی سی کاوش سے لوگوں کے دلوں میں اطاعتِ الہی کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ آپ کے درس میں اتنی شیرینی، مٹھاس اور لذت ہوتی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ وعظ و نصیحت سننے کے لیے بے تاب رہتے۔ ۱۹۳۵ء میں جامعہ ازہر میں جو قراءات کا شعبہ لغة العربية کے تحت کھولا گیا اس میں آپ کا بطور اُستاد تقرر کیا گیا۔ اس ذمہ داری کو دلچسپی، محنت اور شوق سے نبھایا۔ دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ جو کچھ اللہ نے اپنی رحمت سے سکھایا ہے وہ دوسروں کو بھی سکھلا دوں اور آپ بخوبی جانتے تھے کہ اصل علم وہی ہے جس سے دوسروں کو نفع پہنچے۔ ہر وقت یہ دعا کیا کرتے تھے:

”اَللّٰهُمَّ! اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا“ [سنن ابن ماجہ: ۹۲۵]

”پروردگارا میں آپ سے نفع بخش علم، پاکیزہ رزق اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں۔“

آپ عرصہ دراز تک جامعہ ازہر میں علم قراءات کے اُستاد رہے۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء سے لے کر ۱۹۸۳ء تک ازہر شریف کے جوار میں پڑھاتے رہے اور طالب علموں کو جمع روایات عشرہ صغریٰ اور کبریٰ، طیبہ، درہ اور شاطیہ کے طریق سے پڑھاتے رہے۔ اور طلباء جوق در جوق علوم کے اس بحرِ ذخار سے اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ علوم شرعیہ اور علوم عربیہ (علم حدیث، فقہ، نحو، صرف اور فن قراءات) میں ڈاکٹر بن گئے۔

آپ کو ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۳ء میں جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامية ریاض میں چار مہینوں کیلئے بطور اُستاد چنا گیا۔ لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دلی خواہش اور تمنا یہ تھی کہ مجھے مدینۃ الرسول اور جوارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کام کرنے کا موقع ملے اس خواہش کی تکمیل کیلئے اللہ کے حضور دعا بھی کیا کرتے تھے۔ آخر اللہ نے آپ کی اس تمنا اور خواہش کو پورا کیا۔ ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹۸۵ء کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کلیۃ القرآن کے شعبہ قراءات میں بطور راہنما اُستاز کے آپ کا انتخاب کیا گیا۔ یہ خبر سنتے ہی آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور جلد مدینہ منورہ کا سفر کیا جہاں آپ نے نئے جوش و ولولے سے علم قراءات کی ترویج و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد آپ کو مجمع الملک فہد کمیٹی کا ممبر منتخب کر لیا گیا۔ یہ ادارہ قرآن کریم کی نشر و اشاعت کا کام کر رہا تھا۔ اس میں آپ کو ساعت کا کام دیا گیا جسے آپ نے مسلسل محنت اور مشہور قراء کرام کی شروط کے مطابق سرانجام دیا۔ اسی دارے میں آپ نے ۱۵ سال بھر پور محنت سے گزارے۔ اور ساتھ ساتھ مشہور قراء کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قراءات قرآنیہ کے علم سے کون و جہان کو روشن کرتے رہے۔ دلی خواہش یہ تھی کہ اسی جگہ پر تعلیم و تعلم کا

۹۷۸

ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی

کام ہوتا رہے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے بلاوا آجائے اور جنت البقیع میں دفن ہو جاؤں لیکن آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ ۲۰۰۱ء میں آپ کو دوبارہ مصر آنا پڑا۔

## طریقہ تدریس اور طلباء پر شفقت و مہربانی کا عالم

آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان تھا کہ اس نے آپ کو تدریس کی تمام حکمتوں سے مالا مال کیا تھا آپ کا پڑھانے کا اسلوب بہت سادہ اور دل میں اترنے والا تھا۔ آپ طلباء کیلئے اس بات کا خصوصی اہتمام کرتے کہ ان کے خارج کی ادائیگی درست ہو اور تلاوت قرآن میں ایک حسن و شہینہ پیدا کرنے کے لیے پریکٹس کروانا، اس کا معمول تھا۔ آپ کا رویہ طلباء کے ساتھ انتہائی مہربانی والا ہوتا اگر کوئی طالب علم آپ کے گھر میں آجاتا تو اس کی بہت زیادہ عزت و تکریم کرتے اور اس سے پیار، محبت اور شفقت والا معاملہ کرتے۔ اور ضرورت کے باوجود کسی بھی طالب علم سے تعلیم پر اجرت نہ لیتے۔ آپ کے تلامذہ میں سے ایک شاگرد بتاتے ہیں کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز کے بعد قراءت قرآنیہ پڑھانے اور سننے کے لیے خصوصی وقت دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کلاس کے دوران ایک طالب علم کو سو یا ہوا پایا جو سورۃ النحل کی یہ آیات ﴿وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ [النحل: ۱۲۲] کی تلاوت کر رہا تھا اس آیت کے اختتام کے بعد اس نے یہ آیت ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ [النحل: ۱۲۷] پڑھی۔

کیونکہ طالب علم سونے کی وجہ سے ﴿وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ [النحل: ۱۲۲] کے بعد والی آیت ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ...﴾ کے ساتھ متعدد آیات چھوڑ کر ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ [النحل: ۱۲۷] والی آیت پڑھ لی۔

جب شیخ نے یہ سنا تو طالب علم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا دوبارہ پڑھو ﴿وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ [النحل: ۱۲۲] طالب علم نے جب شیخ کو یہ کہتے ہوئے سنا تو چونکا ہو کر کہنے لگا کہ اے اُستاذِ کرم کیا ماجرا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں یہ آیت پڑھ ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ...﴾

طلباء کو بہت زیادہ پڑھائی کی ترغیب دیتے اور ان کو شاطیہ، درہ اور طیہ حفظ کرواتے، کیونکہ آپ کا کہنا تھا کہ علم وہ ہے جو سینوں میں ہو۔ اور طلباء کو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ الَّذِي أَنْصَلْنَا بِهَا مَنَ عِبَادِنَا﴾ [فاطر: ۳۲]

”یعنی اللہ نے اپنی کتاب کے وارث اپنے بندوں میں سے جن لیے ہیں۔“

تو میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے یعنی حفظ قرآن کے لیے حفظ قراءت عشرہ و صغریٰ کے لئے۔ جو وہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے تم اس کو سیکھو، پڑھو اور آگے اس کی تعلیم دو۔

## موصوف کی تالیفات و تصنیفات

آپ نے جو بھی کتب لکھیں وہ انتہائی مفید اور نایاب کتب میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کتب سے بے شمار علماء و طلباء

استفادہ کر رہے ہیں اور تاقیامت مستفید ہوتے رہیں گے۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب درج ذیل ہیں۔

### ① تنقیح فتح الکریم فی تحریر أوجه القرآن العظیم

یہ کتاب طیبۃ النشر کے طریق سے ہے۔ کتاب کا انداز انتہائی آسان اور سلیس نظم میں ہے۔ یہ کتاب طیبۃ النشر پر تحریر کی گئی تمام کتب میں سے عمدہ ترین اور مفید ہے۔ اس کے علاوہ اس کو شیخ عامر بن السید عثمان نے اور شیخ ابراہیم السمنودی نے بھی نظم کیا ہے۔

### ② شرح تنقیح فتح الکریم

یہ کتاب مخطوطے کی شکل میں تھی اور جو بھی طالب علم قراءات عشرہ کا علم طیبۃ النشر کے طریق سے پڑھتا وہی اس کو نقل کر دیتا تھا اور اب کلیۃ القرآن کے چوتھی جماعت کے طلباء کو اس کتاب کا درس دیا جاتا ہے۔

### ③ تحقیق عمدۃ العرفان للإمام الأزمری

یہ کتاب آپ کی اور آپ کے محقق شاگرد محمد جابر المصری کی تالیف ہے۔

### شیخ کے تلامذہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوقات میں بے بہا برکت رکھی تھی اس لیے آپ سے علم تجوید و قراءات میں عرب و عجم کے بہت سے ممالک سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ آپ کی عزت و تکریم اور لوگوں میں ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ جہاں بھی آپ کی تشریف آوری ہوتی آپ کو بڑی شان و شوکت اور رفعت و منزلت سے نوازا جاتا۔ دیا مصر اور اس کے علاوہ بہت سے ملکوں کی کثیر تعداد، جن میں خاص طور پر افریقہ، ایشیا، امریکہ وغیرہ کے لوگ شامل ہیں، نے آپ کی شخصیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ جن لوگوں نے تجوید اور قراءات، سب سے عشرہ صغریٰ اور کبریٰ پڑھیں اور اس پر اجازت بھی طلب کی ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کے بدلے میں شیخ کو اچھا صلہ دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے۔

ذیل میں آپ کے نامور تلامذہ کے نام پیش کئے جاتے ہیں:

### أولاً

پہلی قسم ان شاگردوں کی ہے جنہوں نے آپ سے اس وقت قراءات کا علم حاصل کیا جب آپ قراءات کے عہدے پر مقرر ہوئے۔

- ① شیخ قاسم الدجوي رحمۃ اللہ علیہ ازہر شریف کے ماہرین علماء میں سے تھے اور قراءات کے اساتذہ میں سے تھے۔
- ② شیخ عبدالمحسن شطا رحمۃ اللہ علیہ علماء ازہر میں سے تھے اور مدرسہ ازہر شریف میں قراءات کے شیخ تھے۔
- ③ شیخ محمد محمد جابر المصری رحمۃ اللہ علیہ ازہر کے فاضل علماء و مدرسین میں سے تھے۔
- ④ شیخ محمد إسماعیل الہمدانی تخصص قراءات کے مدرس تھے۔
- ⑤ شیخ أحمد الأشموني رحمۃ اللہ علیہ علماء ازہر اور اساتذہ میں سے تھے۔

ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی

۶) شیخ أحمد مصطفى المليجي رحمته اللہ علیہ ان کا شمار جدید علماء میں ہوتا تھا اور یہ بھی علماء ازہر اور مدرسین ازہر میں سے تھے۔

۷) شیخ عبدالحکیم عبداللطیف الحنبلي رحمته اللہ علیہ ازہر میں شعبہ قراءات کے مدرس ہیں۔

۸) شیخ حسن المصري رحمته اللہ علیہ تخصص قراءات کے ممتاز مدرسین میں ان کا شمار تھا۔

۹) شیخ حسنین إبراهيم محمد عفيفي جبريل رحمته اللہ علیہ ازہر کے علماء اور مدرسین میں سے ہیں۔

ثانیاً

دوسری قسم ان شاگردوں کی ہے جنہوں نے آپ کے سعودی عرب جانے سے پہلے پڑھا یعنی ۱۴۰۳ھ سے قبل۔

۱۰) شیخ عبدالفتاح السيد عجمي المرصفي رحمته اللہ علیہ

۱۱) شیخ علی المرزقي رحمته اللہ علیہ ازہر کے جلیل القدر علماء میں ان کا شمار ہے۔

۱۲) شیخ أحمد إسماعيل عطية رحمته اللہ علیہ

۱۳) شیخ أمين الخطيب رحمته اللہ علیہ قراءات کے ان قراء میں ان کا شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے علم قراءات میں تخصص کیا تھا۔

۱۴) شیخ عثمان خليفة رحمته اللہ علیہ

۱۵) شیخ مصطفى خضر رحمته اللہ علیہ علماء ازہر اور مدرسین ازہر میں سے تھے۔

۱۶) الشیخ محمد تمیم الذعبي رحمته اللہ علیہ محض شہر کے رہنے والے تھے اور شیخ القراء ہونے کے ساتھ ساتھ جدید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر بطور مدرس بھی خدمات انجام دیتے تھے۔

۱۷) شیخة الصالحة نفیسه عبدالکریم زیدان رحمته اللہ علیہ قاہرہ سے تھیں۔

۱۸) شیخ فرج ضبة رحمته اللہ علیہ۔ شافعی المسلک تھے اور ازہر شریف کے ممتاز علماء و مدرسین میں ان کا شمار تھا۔

۱۹) شیخ محمد بن ابراهیم بن محمد بن سالم رحمته اللہ علیہ۔ ان کی ایک کتاب بھی ہے جس کا نام فریڈة الدهر فی جمع وتأویل القراءات العشر۔ ممتاز قراء میں سے تھے۔

۲۰) شیخ محمد عبدالقہار الحموي الحلبي۔ مدینہ میں طبیب تھے۔

۲۱) شیخ أیمن بن رشدي سويد دمشقي رحمته اللہ علیہ۔ دمشق شام سے تھے۔

۲۲) شیخ حامد فرغل رحمته اللہ علیہ۔ قاہرہ کے مقرر ہیں۔

ثالثاً

تیسری قسم ان شاگردوں کی ہے جنہوں نے آپ سے اس وقت پڑھا جب آپ مملکت سعودی عرب میں چلے گئے تھے یعنی ۱۴۰۳ھ کے اختتام سے ۱۴۲۰ھ تک۔

۲۳) فضیلة الشیخ ڈاکٹر عبدالعزیز أحمد محمد إسماعيل رحمته اللہ علیہ۔ جامعة الإمام محمد بن سعود میں استاد تھے۔

۲۴) شیخ محمود سبويه بدوي رحمته اللہ علیہ ۲۵) شیخ محمد بن عبدالحمید أبو رواش

۴۶) شیخ محمود عبدالخالق جادو رحمۃ اللہ علیہ۔ قراءات ثلاثہ میں مکمل قرآن پڑھنے کے ساتھ قراءات عشرہ کو بھی بطریق درہ پڑھا۔

۴۷) شیخ عبدالرافع رضوان الشرقاوی ۴۸) شیخ عبدالرزاق بن علیٰ ابراہیم موسیٰ الشیخ رشاد عبدالنواب السبی

۴۹) شیخ عبدالرحیم النابلسی المراكشي۔ ان کا تعلق مغرب سے تھا۔

۵۰) فضیلة الشیخ ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبدالحفیظ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

۵۱) شیخ أحمد بن أحمد سعید۔ اس نے عشرہ صغریٰ شاطبیہ اور درہ کے طریق سے پڑھا۔

۵۲) شیخ المقری أحمد الطنب الفلکی۔ ۱۹۸۵ء میں فوت ہوئے آپ کو مشرقی قراء میں سے مشائخ کا نام دیا جاتا تھا انہوں نے شیخ الزیات سے عشرہ صغریٰ اور قراءات شاذہ پڑھیں۔

۵۳) شاگردوں کی تیسری قسم نے شیخ زیات سے قراءات عشرہ الکبریٰ طیبہ النشر کے طریق سے پڑھا۔

### رابعاً

چوتھی قسم ان شاگردوں کی ہے جنہوں نے آپ سے مکمل قرآن قراءات سبعہ میں شاطبیہ کے طریق سے پڑھا۔

۵۴) شیخ علی بن عبدالرحمن الحدیفی رحمۃ اللہ علیہ۔ مسجد نبوی شریف کے امام اور خطیب ہیں۔

۵۵) شیخ خالد محمد الحافظ۔ مدینہ منورہ میں التریبۃ الاسلامیہ کے لیڈر ہیں۔

### خامساً

پانچویں قسم ان شاگردوں کی ہے جنہوں نے آپ سے مکمل قرآن قراءات ثلاثہ میں درہ کے طریق سے پڑھا۔

۵۶) شیخ عبدالرحیم حافظ۔ انہوں نے مکمل قرآن قراءات ثلاثہ میں درہ کے طریق سے پڑھا اور اسی طرح روایت حفص عن عاصم شاطبیہ کے طریق سے پڑھی۔

۵۷) شیخ ڈاکٹر حازم بن سعید حیدر الکریمی۔ انہوں نے روایت حفص عن عاصم میں طیبہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا اور پھر اجازت بھی لی۔ قراءات ثلاثہ کے ساتھ حدیث شریف کی کچھ کتب بھی پڑھیں اور لغۃ العربیہ میں ألفیہ کی شرح ابن عقیل کو بھی بڑی دلجمعی کے ساتھ پڑھا، کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی علوم شرعیہ اور علوم قراءات قرآنیہ میں ڈاکٹر تھے۔

### سادساً

چھٹی قسم ان شاگردوں کی ہے جنہوں نے آپ سے قراءات عاصم، شعبہ کی روایت سے شاطبیہ کے طریق سے پڑھیں۔

۴۸) راجی عفو الکریم الغنی اور یاسر ابراہیم المرزوعی

### سابعاً

ساتویں قسم ان تلامذہ کی ہیں جنہوں نے آپ سے روایت حفص طیبہ کے طریق سے پڑھی۔

۴۹) شیخ غازی بن بنیدر الحری۔..... ایک بار انہوں نے روایت حفص طیبہ کے طریق سے پڑھنے کے بعد



ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی

- پھر دوبارہ روایت حفص عن عاصم کو روضۃ المعدل اور المصباح کے ضمن میں دوبارہ مکمل قرآن پڑھا۔
- ۴۰) شیخ عبدالحکیم بن عبدالسلام خاطر..... انہوں نے مکمل قرآن روایت حفص عن عاصم کو روضۃ المعدل کے ضمن میں پڑھا۔
- ۴۱) شیخ ابراہیم الأخصر مسجد نبوی کے امام ہیں۔ انہوں نے روایت حفص عن عاصم میں طیبۃ النشر کے بطریق مکمل قرآن کریم پڑھا۔
- ۴۲) شیخ فتحی بن رمضان بن محمد انہوں نے بھی روایت حفص عن عاصم کو روضۃ المعدل اور المصباح کے ضمن میں پڑھا۔
- ۴۳) شیخ عبداللہ بن علی المشفی انہوں نے آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا اور اس کے ساتھ روضۃ المعدل کے ضمن میں طریق طیبہ سے بھی قرآن پڑھا۔
- ۴۴) شیخ حسان بن شیخ محمد تمیم الزعبی الحمصی۔ روایت حفص عن عاصم میں مکمل قرآن طیبۃ النشر کے طریق سے پڑھا۔
- ۴۵) شیخ الطیب ایہاب أحمد فکری۔ انہوں نے المصباح کے ضمن میں روایت حفص عن عاصم میں مکمل قرآن آپ سے پڑھا۔
- ۴۶) شیک علی مبارک العارفی۔ روایت حفص عن عاصم میں طیبۃ النشر کے طریق سے قرآن پڑھا۔

نامنا

- آٹھویں قسم ان تلامذہ کی ہے جنہوں نے روایت حفص میں قرآن کریم شاطبیہ کے طریق سے پڑھا۔
- ۴۷) شیخ سلامۃ کامل جمعۃ پہلی بار علم قراءات پڑھنے کے لیے مدرسہ ازہر شریف میں گئے اور وہاں سے ہی علم قراءات کا آغاز کیا۔ سات سال کی عمر میں مکمل قرآن حفظ کر لیا تھا اور جب آپ کی عمر ۹ سال ہوئی تو اس وقت روایت حفص عن عاصم کو پڑھانے کے لیے شیخ سے اجازت بھی لے چکے تھے۔
- ۴۸) شیخ محمد ایوب محمد یوسف۔ مدینۃ منورۃ میں الجامعۃ الإسلامیہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے روایت حفص عن عاصم کو شاطبیہ کے طریق سے پڑھا۔
- ۴۹) أستاذ بشیر أحمد نور محمد۔ جامعۃ تحفیظ القرآن الکریم مدینۃ منورہ میں استاذ ہیں۔ انہوں نے بھی آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا۔
- ۵۰) الأستاذ ناصر محمد متولی۔ انہوں نے بھی آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا۔
- ۵۱) شیخ فیصل یوسف العلی۔ انہوں نے بھی آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا۔
- ۵۲) شیخ محمد عوض المنفوش۔ آپ کی بیوی نے بھی روایت حفص عن عاصم میں مکمل قرآن شاطبیہ کے طریق سے شیخ زیات سے پڑھا۔

ت

- ۵۳) شیخ ولید محمد العلی۔ انہوں نے بھی آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا۔
- ۵۴) شیخ جزام فلیح الصویلیح۔ انہوں نے بھی آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا۔
- ۵۵) شیخ أنس عبدالله الکندری۔ انہوں نے بھی آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا۔
- ۵۶) شیخ مشاری راشد العفاسی انہوں نے بھی آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا۔
- ۵۷) شیخ أسامه عبدالوهاب المصری انہوں نے بھی آپ سے روایت حفص عن عاصم میں شاطبیہ کے طریق سے مکمل قرآن پڑھا۔
- ۵۸) واحدی السیدات۔ شیخ کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام تھا۔ شیخ الزیات ان پر خصوصی توجہ دیتے۔ انہوں نے ایک بار قرآن مجید ختم کرنے کے بعد پھر دوبارہ پڑھا۔ شیخ نے ان کی اس محنت اور شوق کو دیکھ کر پڑھانے کے لیے اجازت کا سرٹیفکیٹ بھی دیا۔ یہ اس قدر قسمت والے انسان تھے کہ شیخ کی خدمت کے دوران ہی اللہ کو جا ملے۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ (آمین)

## عادات و خصائل

شیخ صاحب زمین پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ اللہ نے آپ کو ہر طرح کی خوبیوں سے نوازا ہوا تھا۔ آپ کے شاگرد علامہ عبدالفتاح المرصفی کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ قراءات عشرہ صغریٰ اور کبریٰ میں ماہرین قراء میں سے تھے۔ آپ نے قراءات میں تخصص کیا ہوا تھا۔ آپ بہت بڑے علامہ، قراءات کے امام، علم و تعلیم میں منفرد، پاکیزہ دل، بیدار مغز، پاکیزہ خیالات کے مالک، علوم شرعیہ اور علوم عربیہ خاص طور پر علم قراءات میں ممتاز قراء اور علماء میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سے کثیر تعداد میں لوگوں کو نفع پہنچایا۔

## قراءات کے میدان میں موصوف کے نامور ساتھی

- شہر مصر میں علم قراءات کے وہ ماہرین جن کو شیخ نے قراءات پڑھانے کا سند نامہ جاری کیا وہ درج ذیل ہیں:
- ۱) فضیلۃ الشیخ محمد علی خلف الحسینی الحداد۔ یہ اپنے وقت کے شیخ اور مصر میں قراءات کے امام تھے۔
  - ۲) علامۃ علی محمد الضباع جو شیخ محمد علی خلف الحسینی کے مصر میں علم قراءات کے جانشین بنے۔
  - ۳) محقق الکبیر شیخ علی بن عبدالرحمن سبیع۔

ان تمام قراء نے پہلے علامۃ شیخ حسن خلف الحسینی سے پڑھا، دوبارہ اُستاد شیخ حسن الکنبی اور شیخ الخطیب الستعار سے پڑھا اور تیسری بار انہوں نے شیخ حسن الجریسی الکبیر

ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی

سے علم قراءت اخذ کیا۔ پھر ان تینوں آئمہ قراءات نے علامۃ الکبیر شیخ محمد بن أحمد المعروف متولی سے قراءات قرآنیہ پڑھیں۔ اس وجہ سے ان کی اسناد متولی پر آ کر اکٹھی ہو جاتی ہیں اور اس طرح یہ ایک دوسرے کے معاصر کہلاتے ہیں، لیکن بعض کی سن وفات میں فرق ہے۔

## نیکی کے کاموں میں رغبت کا عالم

شیخ رحمہ اللہ عالم باعل تھے، اور ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ۱۰] کے تحت ہر مسلمان کے ڈکھ کو اپنا ڈکھ سمجھنے والے انسان تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ شیخ زمین پر فرشتہ نما انسان تھے۔ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کے راستے میں بہت زیادہ خرچ کرنے والے تھے۔ ضعیف، محتاج، غریب، بیوہ کی مدد کرنے والے۔ یتیموں، مسکینوں، ضرورت مندوں اور قریبی رشتہ داروں سے اچھا سلوک کے ساتھ ساتھ ہر کام میں ان کی معاونت بھی کرنے والے تھے۔

آپ نے قاہرہ میں ایک مسجد بنوائی اور اس کے علاوہ ایک طبی مرکز کی بھی بنیاد رکھوائی تاکہ معذور اور ضرورت مند افراد کا علاج معالج ہو سکے۔ یہ طبی مرکز قاہرہ مسجد کے جوار میں تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان اعمال صالحہ کے باوصف بلند مقام عطا کرے۔

## آزمائش و آلام پر صبر کی کیفیت

آپ رحمہ اللہ مصیبت و آزمائش پر بہت زیادہ صبر کرنے والے تھے، کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرة: ۱۵۳] ”اللہ صابر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔“ آپ پر آزمائش کا یہ عالم تھا کہ آپ بچپن ہی میں بینائی کی نعمت سے محروم ہو گئے۔ لیکن تقویٰ اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ کبھی بھی زبان سے شکوہ کے الفاظ نہ نکالتے۔ آپ نے اللہ کے اس فیصلے کو دل و جان سے قبول کیا اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کے طالب ہوئے۔ خدمت قرآن کی برکت کی وجہ سے اللہ نے آپ کے دل کو روشن کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آنکھوں کی روشنی کی کمی کا احساس بھی نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر کہیں کوئی پیغام بھی دینے جانا ہوتا تو آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی۔ جب آپ کی عمر پانچویں دہائی میں داخل ہوئی تو آپ مسلسل غشی اور آنکھوں کی بیماری میں مبتلا رہنے لگے لیکن آپ نے اللہ کی طرف سے دی ہوئی اس مصیبت کو دل و جان سے قبول کیا اور اپنے حوصلے کو پست نہ ہونے دیا۔ جنتی دیر اللہ کی رضا تھی اتنی دیر بیماری میں مبتلا رہے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاء عطاء فرمائی۔ اس بیماری میں آپ کے ۱۵ سال گزرے، لیکن آپ نے صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیا۔ آپ کی بیوی بھی اللہ کی اس رضا پر راضی تھی وہ بھی اس قدر لمبا عرصہ آپ کے ساتھ رہی اور ہمیشہ آپ کی خدمت کرتی رہی۔ ان کے دل میں کبھی یہ بات نہ آئی کہ میں ان کو چھوڑ کر چلی جاؤں، کیونکہ وہ بھی متقی، پرہیزگار اور اللہ کے فیصلوں کو من و عن قبول کرنے والی تھی۔

## اولاد

آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ۵۸ برس کی عمر میں ایک پھول جیسا بیٹا عطا کیا جس کا نام آپ نے محمد رکھا اور اب وہ

مصر میں بچوں کا ڈاکٹر ہے۔ اس کے بعد ۶۰ سال کی عمر میں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام آپ نے فاطمہ رکھا۔ مدینہ منورہ اقامت کے دوران ہی آپ کو اچانک مسلسل دائمی اور پے در پے بیماریوں نے گھیر لیا یہ آزمائش معمولی نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود آپ کی زبان اس کلمہ سے تر رہتی:

﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [یوسف: ۹۰]

”جو اللہ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرنے کے ساتھ آزمائش و آلام پر صبر کرتا ہے کبھی بھی اللہ اس کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔“

## وفات

علامہ احمد الزیات بروز اتوار ۶ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۰۰۳ء کو اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے ﴿إنا لله وانا إليه راجعون﴾ اس وقت آپ کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔

آپ کا جنازہ ازہر شریف میں آپ کے نامور شاگرد شیخ عبدالکحیم عبداللطیف نے پڑھایا۔ آپ کی وفات مسلمین علماء میں سے ایک عالم کبیر کے گم ہونے پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ شیخ ہی وہ ہستی تھے جو قرأت قرآن پر مکمل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے میں طیبۃ النشر کے طریق سے اعلیٰ اسانید بھی رکھتے تھے۔

## آپ کی وفات اور ہماری کیفیت

ہم جب علامہ کی حالات زندگی کو بیان کرتے ہیں تو ہماری آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، کیونکہ آپ کی وفات امت کے لیے ایسے نقصان کی حامل تھی جس کو قیامت تک پورا نہیں کیا جاسکے گا۔ اس کے علاوہ دلوں پر غمزدگی کا عالم ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ إِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا» [صحیح البخاری: ۱۰۰]

## حدیث کا مفہوم

اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر قبض نہیں کریں گے بلکہ علم علماء کے فوت ہو جانے کے ساتھ ہی قبض ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب علماء ختم ہو جائیں گے اور ایسے لوگ باقی رہ جائیں گے جو ان پڑھ اور جاہل ہوں گے پھر لوگ ان سے سوال کریں گے وہ بغیر جانتے ہوئے تقویٰ دے دیں گے جس کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

آخر میں ہم اللہ کے حضور دعا گو ہیں کہ اہل قرآن کی زندگیوں میں، ان کے اوقات میں اور ان کی عمروں میں برکت عطا کرے اور اللہ سے یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ ہمارے شیخ پر بھی بہت زیادہ رحمتیں نازل فرمائے اور اس کے متبادل مسلمانوں کو ایک اور عالم دین اور قراءات کا امام نصیب کرے جو شیخ کی کمی کو پورا کر دے۔ ہم بار بار اللہ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ علامہ کی خدمات قرآنیہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کو موصوف کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین)



## شیخ القراء قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وہ جلیل القدر شخصیت ہیں کہ بلا مبالغہ جن کی خدمات جلیلہ کی بدولت پاکستان میں علم تجوید و قراءات کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت قاری صاحب کی شخصیت اس اعتبار سے انتہائی اعلیٰ مقام رکھتی ہے کہ آج پاکستان میں علم تجوید و قراءات کے فروغ میں سطح اول کے تمام اساتذہ قراء آپ ہی کے تلامذہ ہیں۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ادارہ رشد کے قراءات نمبرز کی مجلس مشاورت میں شامل تمام مکاتب فکر (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی حضرات) کے اساتذہ علمی طور پر آپ سے فیض یاب ہیں۔ اگرچہ ہم نے اہل تشیع میں سے کوئی نمایاں شخصیت مجلس مشاورت میں شامل نہیں کی لیکن اندرون لاہور میں شیعہ حضرات کے قراءات کالج کے ذمہ داران بھی حضرت قاری صاحب سے ہی سند یافتہ ہیں۔

آپ کے ہم عصر اساتذہ میں شیخ القراء قاری محمد شریف اور شیخ القراء قاری حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں لیکن درس و تدریس میں جس طرح آپ کا سلسلہ جاری و ساری ہے شائد ہی کوئی اور شخصیت اس میں آپ کی مماثل ہو۔ اساتذہ کرام اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ مسلک کے اعتبار سے دیوبندی تھے لیکن دیگر مکاتب فکر سے آپ نے کبھی تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔ شیخ القراء قاری محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جب کبھی سفر میں اہل حدیث مسجد آجاتی تو حضرت قاری صاحب فرماتے کہ لو بھئی! اپنی مسجد آگئی ہے، آؤ نماز پڑھیں۔

قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں ایک ماہر فن قاری تھے وہیں جلیل القدر عالم دین بھی تھے۔ علم قراءات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے سے قبل آپ جامعہ اشرفیہ میں جامع ترمذی کا درس دیا کرتے تھے۔ شیخ القراء قاری محمد یحییٰ رسولنگری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات شیخ فرماتے کہ میں پختہ عالم تھا، لیکن سب کچھ چھوڑ کر قرآن اور علوم قرآن سے اپنے آپ کو مختص کر لیا، تو ہم کہتے کہ جناب شیخ! پھر لوگ کبھی قاری اظہار احمد سے واقف نہ ہوتے، جبکہ فقہ وحدیث کے پڑھانے والے تویںکڑوں ہیں۔

قراءات نمبر کے آخری شمارہ میں ہم نے اس احساس کے تحت کہ عرب و عجم میں ایسی شخصیت کے حالات کو قارئین کے سامنے پیش کریں جن کے فیض کی بدولت مجلہ رشد کی قراءات کے حوالے سے متعدد اشاعتیں منظر عام پر آئی ہیں، اس غرض سے برصغیر پاک و ہند میں جس شخصیت کا ہم نے انتخاب کیا وہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات جاننے کیلئے قارئین کو قراءات اکیڈمی لاہور سے مطبوع کتاب سوانح قاری اظہار صاحب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ [ادارہ]

## تھانہ بھون کا مختصر تعارف

حالات و واقعات قلم بند کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس قصبے کا ذکر کیا جائے جہاں حضرت قاری اظہار احمد تھانوی صاحب پیدا ہوئے۔ ان کی جائے پیدائش تھانہ بھون ہے، جو کہ ایک ہندو راجے کے نام سے موسوم ہے۔ اس قصبے میں بہت سے رؤساء اور صلحاء وقت پیدا ہوئے، جن میں نواب عنایت علی خان، حاجی امداد اللہ، حضرت حافظ ضامن علی شہید، حضرت مولانا شیخ محمد، حضرت مولانا فتح محمد خان تھانوی اور مولانا اشرف علی تھانوی شامل ہیں۔ علماء میں ملام محمد صابر تھانوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ امام القراء حضرت قاری عبدالملک صاحب کا بھی تھانہ بھون میں قیام رہا۔

## خاندانی پس منظر

حضرت کے آباؤ اجداد اصلا عرب اور خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاتا ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام حافظ اعجاز احمد تھانوی رضی اللہ عنہ، اور دادا کا نام منشی ابراہیم تھانوی تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام محمودہ بیگم ہے، جو اب بھی حیات ہیں۔ ان کے علاوہ رضیہ بیگم ان کی بہن تھی۔ حضرت قاری صاحب رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی بہن قمر النساء ہیں۔ قاری صاحب کا دوسرے نمبر پر نام ہے اس کے بعد چھوٹی بہن زیب النساء پھر چھوٹے بھائی قاری سرفراز احمد تھانوی تلمیذ خاص حضرت مولانا قاری عبدالملک صاحب ہیں۔ حضرت کی جائے سکونت تھانہ بھون تھی جہاں مسجد پیر محمد والی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف تھانوی کا قیام تھا اور اسے ہی مدرسہ امدادیہ کہتے ہیں۔

## نئے اظہار سے استاذ القراء تک

تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یو پی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، جو ہندوستان کے دیگر مشہور مقامات کے مقابلے میں کم مشہور ہے لیکن جب تحریک جہاد کا نعرہ بلند ہوا تو اس غیر معروف قصبے کا نام سرخیل آزادی کے متوالوں میں سب سے بلند رہا۔ اسی قصبے میں ۹ ذوالقعدہ ۱۳۳۵ھ بروز منگل بمطابق من عیسوی ۱۹۳۵ء دن گیارہ بجے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ”اظہار“ رکھا گیا۔

بچپن میں ننھا اظہار نہایت صحت مند اور موٹا تازہ تھا اور اکثر جب گھر سے دور نکل جاتا تو گھر والے بہت پریشان ہو جاتے اور پھر ڈھونڈ کر واپس لاتے تھے۔

## ابتدائی تعلیم

آپ چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن پڑھنے کی لیے حکیم الامت کی خانقاہ میں قائم کردہ مدرسہ امداد العلوم میں بٹھائے گئے۔ اس کے بعد یہیں سے آپ نے حفظ بھی کیا۔

جب لڑکوں میں اس بات کی شرط لگتی کہ کون مدرسہ میں پہلے آئے گا تو سب سے پہلے قاری صاحب پہنچتے اور مسجد کا دروازہ کھلنے تک دائیں بائیں بنی سہروردی پر بیٹھ جاتے استاد صاحب یہ ذوق و شوق دیکھ کر آپ کو دعائیں دیتے۔

قاری فیاض احمد

حکیم الامت بچوں سے بہت محبت کرتے تھے اس لیے انہوں نے مدرسہ کے اساتذہ کو ہدایت کی ہوئی تھی کہ بچوں کو میرے سامنے بالکل سزا مت دیا کریں۔

قاری صاحب ایک دفعہ دوستوں کے ساتھ ایک ویران گھر میں امرود توڑنے گئے جہاں انہوں نے کالے رنگ کی کھلے بالوں والی عورتیں دیکھیں جو گالیاں دے رہی تھیں، قاری صاحب گھر بھاگ آئے اور تیز بخار ہو گیا۔ قاری اظہار صاحب نے جب پہلی مرتبہ قرآن پاک سنانا چاہا تو رمضان المبارک کے ۱۵ روزے گذر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دن میں ۲، ۲ پارے سنا کر قرآن مکمل کر دیا۔ اور جب قاری صاحب نے پہلی دفعہ قرآن سنایا تو بہت زیادہ مٹھائی تقسیم کی گئی۔

حفظ قرآن کرنے کے بعد ابتدائی تعلیم خانقاہ میں قائم امداد العلوم سے حاصل کی۔ فارسی کا مروجہ نصاب تین سالوں میں مکمل کیا۔ تیسرے سال میں مولانا شریف سے فارسی کی بڑی کتابوں کے ساتھ ساتھ تاریخ، سیرت مبارکہ اور حساب پڑھا، اس دوران خوش خطی بھی سیکھی۔ علاوہ ازیں ابتدائی عربی ہدایۃ الحرۃ، ادب منطق اور فقہ کی ابتدائی کتب کے علاوہ شرح جامی، اصول الشاشی متعدی اور شرح تہذیب وغیرہ مولانا محمد شریف سے مکمل کیں۔ حضرت قاری صاحب نے حکیم الامت سے بھی درس لیا یا کوئی کتاب پڑھی تھی، جو کہ اعزاز کی بات ہے۔

### اساتذہ کا احترام اور ان کی خدمت

قاری صاحب اپنے اساتذہ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابتدائی استاد میر احمد میرٹھی آئے تو قاری صاحب کمر کی تکلیف کے باوجود دو زانو ہو کر بیٹھے۔ مولانا محی الدین بنگالی کو رہائش کا مسئلہ ہوا تو قاری صاحب نے انہیں اپنے گھر میں رہنے کے لئے جگہ دی۔

### مظاہر العلوم کے شب و روز

قاری اظہار صاحب کو حصول علم کا بہت زیادہ شوق تھا، مگر ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال تھا کہ گھر والوں پر بوجھ نہ بنیں۔ چنانچہ مظاہر العلوم کو وظیفہ کی بناء پر ترجیح دی اور داخلہ لے لیا۔ قاری صاحب نے مظاہر العلوم میں پہلے سال شرح وقایہ، نور الأنوار، تعلیم المتعلم، مختصر معانی اور سلم العلوم پڑھیں۔ جبکہ دوسرے دور میں شرح عقائد، مشکوٰۃ، شرح نخبۃ الفکر اور امور عامہ کے علاوہ صحاح ستہ اور فقہ وحدیث کی تمام کتب پڑھیں۔ یہاں قاری صاحب کو بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا جن میں نمایاں مولانا سرفراز احمد تھانوی، مولانا خلیق الرحمن کاندھلوی، عبدالشکور کاندھلوی اور حضرت مولانا صدیق (نحو معانی اور منطق کے مشہور استاد) شامل ہیں۔

قاری اظہار صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ میرے لیے عظمت کا مینار تھے۔ قاری صاحب علم کے اس قدر حریص تھے کہ اکثر تولنج کی درد کے باوجود کبھی حضرت شیخ الحدیث کا درس نہ چھوڑتے۔

اس کے علاوہ قاری صاحب کو فن کتابت میں بھی مہارت حاصل تھی جب آپ کوئی چارٹ لکھتے تو لوگ بے حد تعریف کرتے۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو برص کی بیماری لاحق تھی اس کے بارے میں وہ کہا کرتے تھے کہ شاید انہیں برص اس وجہ

سے ہوا ہے کہ وہ بچپن میں بہت کھٹی چیزیں کھاتے تھے۔  
قاری صاحب حصول پاکستان کی جدوجہد میں پیش پیش رہے اور اس دوران بہت سے معرکے سرانجام دیئے۔  
پھر جب پاکستان بن گیا تو تھانوی صاحب نے یہاں آنے کیلئے جناب مظاہر علی سے جھوٹ بولا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے  
اس جھوٹ کا ساری عمر بچھتاوا رہے گا۔

## آزاد و جی زندگی

جب قاری صاحب کے گھر والے لاہور منتقل ہوئے تو ان کی شادی مظفرنگر کی ایک مہاجر خاندان کی لڑکی سے ہو  
گئی ان کا نکاح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے پڑھایا۔

## اولاد

۱۹۵۶ء میں آپ کے ہاں پہلے بچے کی ولادت ہوئی۔ جس کا نام احمد ندیم رکھا گیا۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک زندہ  
نہیں رہ سکا اور چودھویں دن وفات پا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں دوسرے صاحبزادے مختیار احمد پیدا ہوئے۔ جبکہ ۱۹۵۹ء  
میں عمار احمد، ۱۹۶۱ء میں عمیر احمد، ۱۹۶۳ء میں عزیز احمد اور ۱۹۶۶ء میں نجم الصبح پیدا ہوئے۔ پھر ۱۹۶۸ء میں پہلی بیٹی اور  
۱۹۷۴ء میں دوسری بیٹی کی ولادت ہوئی۔ اس طرح حضرت کے چھ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ جن  
میں سے ماشاء اللہ پانچ صاحبزادے اور دونوں بیٹیاں بقید حیات ہیں۔

## متفرق واقعات

۱۹۵۹ء میں شہید ملت خان لیاقت علی خان (جو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے) کو شہید کر دیا گیا۔ اس زمانہ  
میں قاری اظہار صاحب روزنامہ انقلاب میں کام کرتے تھے۔ قاری صاحب فرماتے ہیں:  
کہ جب مجھے شہادت کی خبر ہوئی، تو یہ بھی پتہ چلا کہ ۱۰ اکتوبر کی شام کو جالندھر سے چلنے والی ٹرین ۱۳ اکتوبر کی  
شام کو لاہور پہنچے گی۔ لہذا اس پر سوار ہوئے اور یہ بڑے مشکل حالات میں ایک بہن کو ساتھ لے کر لاہور پہنچے۔ لاہور  
ریلوے اسٹیشن سے دھولی منڈی انارکلی آئے، وہاں بیس روپے ماہانہ کرائے پر ایک عمارت کے باورچی خانہ میں  
رہائش ملی۔ کھانا بازار سے کھانا پڑتا جس کی وجہ سے بڑی مشکل سے گزارا ہوتا۔ پھر اس عمارت کے مالک کے گھر  
ٹیوشن پڑھانا شروع کر دی۔ ۲۰ روپے فیس مقرر ہوئی۔ ۲۰ روپے کرائے کے کاٹ لیے جاتے۔ اس طرح ۲۰ روپے کی  
آمدن سے بمشکل گذر بسر ہونے لگی۔

ایک دن حضرت قاری صاحب جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں مفتی محمد حسن کے پاس گئے۔ انہیں اپنے حالات سے  
آگاہ کیا اور حضرت مفتی صاحب نے شفقت فرماتے ہوئے مقدس مسجد دھولی منڈی کے نزدیک ایک بلڈنگ کی چابی  
حضرت قاری صاحب کو عنایت فرمادی۔ قاری صاحب نے بہن کو ساتھ لیا اور وہاں پہنچ گئے۔ عمارت کافی عرصہ سے  
خالی تھی اسی لیے گردوغبار سے اٹی ہوئی تھی۔ بہن نے پورے گھر کی صفائی کی اور میرے لئے ایک بیٹھک اور دار  
المطالعہ کے لئے دوسری منزل پر ایک کمرہ صاف کر دیا۔ یہاں پر خوب محفلیں جتیں لوگوں کی خوب آمد و رفت رہتی  
چائے شربت اور دیگر لوازمات سے خاطر تواضع ہوتی رہتی۔

بچپن



قاری فیاض احمد

حضرت کی اہلیہ محترمہ فرماتی تھیں کہ اسی کمرہ میں قاری عبدالوہاب مکی صاحب، قاری صدیق احمد لکھنوی صاحب، حتیٰ کہ قاری عبدالملک صاحب بھی یہاں تشریف لاتے رہے۔ قاری اظہار صاحب شروع اوّل میں مفتی محمد حسن کے کہنے پر جامعہ اشرفیہ میں تدریس کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ رہائش کے قریب مقدس مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض ادا کرتے رہے۔

## عملی زندگی

قاری صاحب نے ۱۹۵۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ”مثنیٰ فاضل“ اور ۱۹۵۴ء میں ”مولوی فاضل“ کا امتحان پاس کیا۔ اور کچھ عرصہ یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے۔ قاری صاحب نے پرانی انارکلی چرچ روڈ پر دارالعلوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی، پھر اسی مدرسہ میں حضرت قاری عبدالملک سے تحصیل فن تجوید و قراءت کے بعد المقری قاری اظہار احمد تھانوی بن گئے۔

استاد القراء مولانا قاری عبدالملک صاحب سے تھانہ بھون میں قاری صاحب کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ قاری اظہار صاحب تا عمر قاری عبدالملک صاحب کے عربی لہجے اور حسن قراءت کو نہ بھول سکے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے سے بہت محبت رکھتے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے تقریباً ایک طرح کے حالات میں اس دارفانی سے کوچ کیا۔ دونوں کی وفات کا وقت ایک تھا اسکے علاوہ دونوں کی نماز جنازہ دو دفعہ پڑھی گئی۔

اک گل کے مرجھانے پر کیا گلشن میں کہرام مچا

اک چہرہ کھلا جانے سے کتنے دل ناشاد ہوئے

قاری صاحب کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے تدریس کے پیشے کیلئے کسی فرقہ کی تخصیص نہیں کی۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء تک مدرسہ اہل حدیث چینی نوالی مسجد میں بطور صدر مدرس کام کیا۔ ۱۹۶۳ء میں چینی نوالی میں مسجد سے علیحدگی اختیار کی اور جامع مسجد اور مدرسہ تجوید القرآن کے شعبہ تجوید کو رونق بخشی۔

قاری اظہار صاحب نے اپنی بقیہ عمر اسی مدرسہ میں تجوید القرآن ہی میں گزاری آپ کی آمد اس مدرسہ کے لئے بہت بابرکت ثابت ہوئی اور آپ سے کسب فیض کرنے والوں نے بہت نام کمایا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جو شخص علم کی دولت سے مالا مال تھا وہ شخص خانگی امور میں انتہائی پریشان رہا۔

## جامع مسجد چوہرہ جی کوارٹر میں امامت و خطابت

ستمبر ۱۹۶۱ء میں حضرت قاری صاحب جامع مسجد چوہرہ جی گورنمنٹ کوارٹر ملتان روڈ لاہور تشریف لائے۔ قاری صاحب نے تیس سال کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد آخری جمعہ پڑھایا اور یہیں پر وفات پائی۔

کرو اللہ کی ہی صرف تم بڑائی

کہ دنیا میں ہے اسی کی بادشاہی

سانحہ ہوا یہ جہان علم و فن میں

”قاری اظہار احمد تھانوی کی جدائی“

## عالمی مقابل حسن قراءت منعقدہ کو الالبور ملائیشیا میں منصفی کے فرائض

۱۹۶۹ء میں حضرت قاری صاحب عالمی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ کو الالبور ملائیشیا میں پاکستان کی طرف سے جج نامزد کر دیئے گئے، نیز دو قاری صاحبان بھی شرکت کے لئے بھیجے گئے۔ ۱۹۷۴ء میں حضرت قاری صاحب حج بیت اللہ کے لئے سعودی عرب گئے وہاں لوگوں نے فرمائش کی کہ تلاوت سنائیں تو انہوں نے الحمد شریف سنائی لیکن ضعیف العمری کی وجہ سے سانس پھول گیا۔

مارچ ۱۹۸۳ء میں عالمی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ مکہ مکرمہ میں حضرت قاری صاحب کو پھر جج بنا کر پاکستان کی نمائندگی کے لئے بھیجا گیا۔ جہاں قاری صاحب کو واپسی پر غلاف کعبہ کا ٹکڑا ہدیہ کے طور پر دیا گیا، جو کہ قاری صاحب کی وفات پر آدھا کاٹ کر آپ کے سینے پر رکھ دیا گیا۔

۱۹۸۵ء میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے جب اسلامی علوم و فنون کو فروغ دینے کے لئے اسلام آباد یونیورسٹی قائم کی تو قاری صاحب کو شعبہ قراءت کے لئے منتخب کیا۔ آپ مسلم شریف اور ہدایہ کی کلاسیں بھی لیتے رہے۔

## تمغہ حسن کارکردگی

۱۴ اگست ۱۹۸۷ء میں حکومت پاکستان نے خدمات کے اعتراف کے طور پر قاری اظہار صاحب کو تمغہ حسن کارکردگی کے لئے نامزد کیا اور ۲۳ اگست ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق مرحوم نے حضرت قاری صاحب کو اس تمغہ سے نوازا۔

## حضرت قاری صاحب کی وفات حسرت آیات

قاری صاحب نے ۱۶ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز سوموار حسب معمول یونیورسٹی میں پڑھایا پھر ان کے شاگرد آگئے۔ شاگردوں کو رخصت کر کے اپنے پرچے بنانے بیٹھ گئے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے آرام کی غرض سے لیٹے۔ ۱۷ دسمبر صبح ان کے بیٹے اور بہو سمجھے کہ شاید تھکاوٹ ہوگئی ہے اس لیے فجر کی نماز پڑھ کر دوبارہ لیٹ گئے ہیں۔ ناشتے کے لئے بھائی اٹھانے گئے تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ حضرت قاری صاحب جہاں فانی سے کوچ کر گئے ہیں، چونکہ بظاہر موت کے اثرات نہیں نظر آ رہے تھے اس لیے بیٹے نے فون پر ڈاکٹر کو بلایا تو ڈاکٹر نے وفات کی تصدیق کر دی۔ فوراً لال مسجد کے خطیب اور جامع مسجد فریدیہ کے مہتمم کو اطلاع کی گئی جنہوں نے غسل دیا اور کفن پہنایا ان کی پہلی نماز جنازہ یونیورسٹی کے سامنے سبزہ زار میں ہوئی۔ پھر لاہور میں چوہدری کوارٹر کے بڑے گراؤنڈ میں دوبارہ نمازہ جنازہ ہوئی۔ لوگوں کا بہت بڑا اٹھام تھا۔ چوک چوہدری کے نزدیک لاہور کے قدیم اور مشہور قبرستان [میانی صاحب] میں قاری صاحب کی آخری آرام گاہ بنی۔ حضرت مولانا ادریس عاصم لاہوری اور مولانا قاری ظہور الحسن نے حضرت قاری صاحب کے جسدِ خاکی کو قبر میں اتارا۔

رنج و غم کی چھا گئی قراءات کی دنیا میں گھٹا

ہر طرف آہ و فغان کی آ رہی ہے یہ صدا

کر گئے اظہار احمد جہاں سے بھی انتقال

جن کے غم میں آج ہے ہر فرد ملت پر ملال

رنج الاول ۳۱ھ

تھے فن تجوید و قراءت کے بلاشبک جو امام  
جن کے دم سے جاری و ساری رہا یہ فیض عام  
حافظوں میں، قاریوں میں، جو تھا موقی آبدار  
ذات جن کی تھی حقیقت میں سلف کی یادگار  
دولت علم و عمل سے جن کا دل تاباں رہا  
جب تک زندہ رہا تو بے گماں شاداں رہا  
کیوں نہ دیں اہل وطن تجھ کو عقیدت کا خراج  
سبھی تو سبھی کے واسطے لاریب تھا نہس مزاج  
آؤ سبحانی کریں مرحوم کے حق میں دعا  
جنت الفردوس میں دے جگہ ان کو خدا  
(مولانا نذیر احمد سبحانی)

### تھانوی صاحب کے اخلاق و عادات

قاری کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ آج ہمارے والد محترم کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً ۲۲ سال ہو گئے ہیں۔  
۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز منگل کا وہ دن ہم سے ہماری محبوب ہستی چھین کر لے گیا۔ قاری صاحب سچے، کھرے اور انتہائی  
سادہ فطرت کے مالک تھے۔ جیسا کہ کسی فلسفی نے کہا ہے:  
”وہ عمر بھر کیوٹ کے درخت کی مانند خوشبو لٹاتا اور اپنے ماحول میں اجالا کرتا رہا اور اسے اس کی خبر تک نہ تھی۔“  
اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے۔

### بقول قاری نجم الصبیح تھانوی قاری صاحب ﷺ کے حالات

حضرت قاری صاحب کے عادات و اطوار کے متعلق ایک بات سب سے پہلے عرض کروں کہ ہر شے اور ہر بات  
کی اچھائی کو قرآن و سنت سے تعبیر دیتے۔  
قاری صاحب ایک اچھے عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے باپ بھی تھے جنہوں نے تمام عمر اپنے بچوں  
کی مالی ضرورتوں اور اخلاقی تربیت کا خیال رکھا۔ بقول قاری نجم الصبیح، قاری صاحب کو قرآن پاک کی تلاوت سے  
عشق تھا اور حسن قراءت کے لئے ہر وقت دوسروں کی اصلاح کرتے رہتے۔ اس کے علاوہ نماز انتہائی مجبوری کے  
عالم میں بھی ترک نہ کی۔ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے۔ انداز خطابت نہایت اعلیٰ تھا۔  
حکیم محمد رمضان الحسن صاحب قاری انظہار احمد تھانوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ علم کے ایک نایاب  
خزانے کے مالک تھے۔ جس کی کمی اب شاید ہی پوری ہو سکے۔ قاری صاحب کو قرآن پڑھنے سے اس قدر لگاؤ تھا کہ  
اچھی قراءت والے لوگوں سے ملنے کے لئے بے چین رہتے۔ ہمیشہ دھیمے لہجے میں بات کرتے اور کھل کر اظہار کرتے  
تھے گویا اسم با مسمیٰ تھے۔ قاری صاحب خود بھی علم کا سمندر تھے اور ان سے سیکھنے والوں نے بھی بہت نام کمایا۔

## قاری محمد فاروق عباسی کے الفاظ

قاری محمد فاروق (قاری اظہار صاحب کے شاگرد) بتاتے ہیں کہ انہیں بہت سے اساتذہ سے پڑھنے کا موقع ملا، مگر قاری صاحب اپنے مخصوص عادات و خصوصیات کی بناء پر سب سے بھاری رہے اور اگر آپ کے تلامذہ پر نظر ڈالیں تو ہر مکتبہ فکر کے حامل قراء نظر آتے ہیں جن میں دیوبندی، اہل حدیث، بریلوی اور اہل تشیع تمام نمایاں ہیں۔ آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ وحدہ لا شریک سے دعا ہے کہ وہ آپ کی خدمات عالیہ کو قبول و منظور فرمائے۔ اور ہمیں آپ کے انداز و اطوار پر خدمتِ قرآن کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

## قاری محمد طیب فقیر

قاری محمد طیب فقیر اپنے دور تلمیذ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قاری صاحب چوبیس گھنٹے اپنی منزل دہراتے رہتے اور مجھے کہتے کہ روزانہ کم از کم ایک سپارہ ضرور پڑھا کرو اور پڑھتے وقت سانس بار بار نہ لو۔ طریقہ تعلیم انوکھا، سمجھانے کا انداز دلنشین اور پڑھانے کا انداز نہایت مشفقانہ ہوتا تھا۔

قاری عنایت اللہ ربانی کا شمیری اظہار حق میں فرماتے ہیں کہ اللہ وحدہ لا شریک اس انبوہ جیفاء میں بعض اوقات ایسی جمیع صفات کی حامل شخصیات پیدا فرماتے ہیں جو بجا طور پر اپنی ذات، علمی مقام، اور اعلیٰ کردار کی بدولت ایک انجمن کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کو چلتا پھرتا مدرسہ علم کہنا زیادہ بہتر ہے۔

مزید فرمایا:

”آپ کی حیثیت و شخصیت محتاج تعارف نہ تھی اور نہ ہے۔ آپ کا علم، عمل، اخلاق، کردار، گفتار، درس و تدریس، تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف، ملساری، مہمان نوازی، شفقت و مہربانی، عبادت و ریاضت اور معاملات غرض ہر ایک پہلو ہم دینی علوم کے طلباء کے لیے عموماً اور ہر ایک نیک صالح انسان کے لئے لازماً قابل تقلید نمونہ تھا۔“

قاری اظہار صاحب سچے عاشق قرآن تھے مالی حالات کمزور ہونے کے باوجود دور دراز محافل قراءت میں شرکت کرتے۔

## قاری محمد عثمان

استاد گرامی کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا ہمارے مدرسے میں قیام اللہ کی بڑی نعمت تھی۔

## قاری محمد اسماعیل گرجا بھی فرماتے ہیں

حضرت قاری صاحب کی شخصیت پورے برصغیر میں منفرد حیثیت رکھتی تھی۔ ایک دفعہ سفر کے دوران میرے دل میں یہ گمان پیدا ہوا کہ شاگرد ہونے کے ناطے سے قاری صاحب مجھے کہیں گے کہ نکٹ لاؤ۔ مگر وہ مجھے ایک بیخ پر بٹھا کر خود نکٹ لینے چلے گئے۔ میں نے آج تک ایسا مشفق استاد نہیں دیکھا۔

## حافظ فیاض احمد فیاض

حافظ فیاض احمد فیاض کی قاری صاحب کے ساتھ علیک سلیک تب سے تھی جب قاری صاحب سوڑیوالی مسجد میں شعبہ تجوید کے استاد تھے۔ حافظ فیاض صاحب کو قاری صاحب کے ساتھ بہت سے تاریخی مقامات پر جانے کا اتفاق

قاری فیاض احمد

ہوا۔ اس دوران قاری صاحب گاڑی میں تلاوت سننے کو ترجیح دیتے اور کبھی کبھار ہلکا پھلکا مزاح بھی کر لیتے تھے۔

### فقیر محمد مسعودی سیالکوٹ

اپنے استاد کے متعلق لکھتے ہیں کہ قاری صاحب کی طبیعت میں استغناء اس قدر تھا کہ ایک مرتبہ فروری ۱۹۹۰ء میں عالمی مقابلہ حسن و قراءت ایران میں آپ کو بطور جج دعوت دی گئی، اسی مقابلہ میں پاکستان کی نمائندگی کے لئے رافم الحروف اور قاری وحید ظفر قاسمی نے شرکت کرنا تھی۔ جب کراچی پہنچے تو وہاں مجھے کا کوئی بندہ نہ تھا جس پر آپ کو شدید ناگواری ہوئی۔ اور فرمانے لگے کہ اگر کوئی دنیا دار امیر ہوتا تو یہ کیسے بھاگے آتے۔ آپ وہاں سے واپسی کا ٹکٹ لے کر اسلام آباد چلے گئے اور تہران کا دورہ، جس کی لوگ شدید خواہش کرتے ہیں، چھوڑ دیا۔

### قاری سمیع الحق جامعہ اسلامیہ

قاری سمیع الحق کو قاری صاحب کے ساتھ ایک ہی ہاسٹل میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ کہتے ہیں کہ ”آپ اپنے کریمانہ اخلاق کی بدولت لوگوں میں نہایت عزت و توقیر کی نظر سے دیکھے جاتے۔ اگر میں کہوں کہ آپ ”کمان خلقہ القرآن“ کی تصویر پیش کرتے تھے تو غلط نہ ہوگا۔ قاری صاحب رافم الحروف کے ساتھ اولاد جیسا کا برتاؤ کرتے تھے اللہ انہیں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ (آمین)

### قاری محمد طاہر

ماہنامہ ”التجويد“ کے مدیر قاری محمد طاہر کو بھی قاری صاحب سے استفادہ کرنے کا موقع ملا انہوں نے اپنے ماہنامہ کے سلسلے میں قاری صاحب سے رائے طلب کی۔ قاری صاحب نے نہ صرف انہیں سراہا بلکہ خود اپنی تحریریں بھی بھجوائیں۔ لکھتے ہیں کہ مرحوم ہمیشہ سفید لباس پسند فرماتے تھے۔ اسے سفید ٹوپی اور کرتا پاجا ہمیں آپ کردار کی جھلک نمایاں ہوتی۔ آپ کا باطن بھی آپ کے کردار سے اجلا تھا۔

### مولانا قاری عبدالحمید صاحب

قاری عبدالحمید صاحب قاری صاحب کے اقوال و فرامین کے متعلق بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ فرمایا: علماء کرام کو دنیا داروں سے بہت بے نیاز ہونا چاہیے۔ بھائی تمہارے پاس دین کی دولت ہے جو روحانی نعمت ہے ان لوگوں کے پاس مادی دولت ہے۔ جو وبال جان ہے۔ اس تقسیم پر حضرت علیؓ کا شعر ہے:

رضینا قسمة الجبار  
لنا علم وللجهال  
مال

ایک دفعہ احقر کو فرمانے لگے: تم لوگ شجر سایہ دار کی مانند ہو، دوسروں کو سایہ دو اور خود دھوپ میں بیٹھو۔

### قاری نورالہی انوار اعوان

قاری نورالہی الریاض میں مدرس القرآن ہیں۔ قاری صاحب کی وفات پر ایک مضمون لکھا۔ مضمون کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ

مقدمہ ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم  
تو نے وہ گنج ہائے گرا نمایاں کیا کیے

۱۷ دسمبر کو جب مجھے قاری صاحب کی وفات کی خبر ملی ایسا لگا کسی نے سائے میں سے اٹھا کر کڑکتی دھوپ میں کھڑا کر دیا ہو۔ جب میں دیار غیر میں ہوتا تو میرے گھر آ کر بچوں کے سر پر دست شفق رکھتے اور انہیں نصیحتیں فرماتے۔ میرے چھوٹے بیٹے ضیاء الرحمن سے انہیں خاص انس تھا اس سے قرآن کا سبق سنتے تھے۔

### پروفیسر قاری محمد سعید اسعد

قاری محمد سعید جامعہ پنجاب نیو کیمپس میں ادارہ تعلیم و تحقیق میں استاد ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک مکمل استاد تھے۔ مجھے قرآن سننے کا بہت شوق تھا۔ جب میں نے اپنے اشتیاق کا ان سے تذکرہ کیا تو انہوں نے مجھے چپینا نوالی میں قرآن سننے کی دعوت دی میں حسب وعدہ مدرسہ ہذا پہنچ گیا۔ حضرت قاری صاحب نے بنفس نفیس سورۃ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ [التکویر: ۱] کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد یونیورسٹی کی ملازمت کو خیر باد کہہ کر اپنے استاد کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کے لئے حاضر ہو گیا۔

تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا  
تیرے عشق نے بنائی میری زندگی فسانہ

### مولانا قاری ابوالحسن سیف اللہ حافظ آبادی

قاری ابوالحسن اپنے استاد کی یاد میں لکھتے ہیں کہ وہ دوران تدریس اکتاہٹ پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے لٹائف علمیہ اور قدرے مزاح بھی فرماتے رہتے۔ حضرت کی محفل خالص علمی لٹائف سے بھر پور ہوتی تھی۔ اور سبق فوراً یاد ہو جاتا تھا۔ حضرت مولانا داؤد غزنوی کی زندگی میں مدرسہ چپینا نوالی میں سالانہ جلسہ تقسیم اسناد و دستار بندی ہوا، جس میں سید غزنوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے۔ جب قراء حضرات نے تلاوتیں فرمائیں تو سید غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے آنسو رواں تھے خصوصاً جب استاذی اختر م حضرت قاری اظہار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تلاوت فرمائی تو بے ساختہ رقت طاری ہو گئی اور آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہو گئی۔ گو حضرت الاستاذ ہم سے جدا ہو گئے مگر ان کے تلامذہ، جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں، خدمت قرآن کے لئے موجود ہیں اور ان کی تصانیف تا قیامت صدقہ جاریہ بنی رہیں گی۔

### قاری محمد خالد محمود

قاری محمد خالد قاری اظہار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ۱۹۸۸ء میں جب قاری صاحب کو تمنغہ حسن کارکردگی عطا ہوا تو لوگوں نے بڑھ کر مبارکباد دی مگر آپ نے جواباً فرمایا بھائی اس تمنغہ کی کیا بات کرنی اصل تمنغہ تو وہ ہے جو روز قیامت اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ بس وہ مل جائے تو کافی ہے۔ پھر کسی چیز کی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ قاری صاحب کے دل کی مراد پوری کرے۔ (آمین)

### قاری نور احمد صاحب

قاری نور احمد لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہفتے والے دن جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی پھلکی بوندی باندی ہو رہی تھی۔ ہم بارہ فارغ التحصیل طلباء تھے حضرت شیخ سندات تقسیم کر رہے تھے اور آنکھوں میں آنسو بھی تھے جب راقم رخصت ہونے لگا تو کہنے لگا جب تو مصلی بچھا کر پڑھانے کے لئے بیٹھے گا تو برداشت اور حوصلے کا مادہ اپنے

اندر پیدا کرنا۔ دیکھ کسی کو ایسی لالچی نہ مارنا کہ ہڈی ہی توڑ ڈالے بلکہ زیادہ زور زجر تو شیخ پر ہی دینا۔  
۱۹۹۱ء میں بعد از اصرار حضرت شیخ کو اپنے ہمراہ اپنے مدرسہ واقع عثمانوالہ قصور لے گیا۔  
پورا گاؤں حضرت شیخ کے استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت نے وہاں تلاوت بھی فرمائی۔ یہ  
حضرت کی کسی بھی محفل میں آخری تلاوت ہے۔ اس کے بعد جلد ہی آپ دار فانی سے کوچ کر گئے۔

### قاری عبدالرشید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

قاری عبدالرشید فاروقی نے تجوید و قراءت کے بعض مسائل قاری صاحب سے دریافت کئے تھے جنہیں انہوں  
نے باضابطہ تحریری شکل میں چھپوایا تاکہ لوگ فیض حاصل کر سکیں۔ یہ قاری صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

### قاری تاج افسر

قاری تاج افسر جو کہ اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں استاد ہیں، لکھتے ہیں:  
”تاریخ کا سوال ہو یا تفسیر کا، حدیث کا ہو یا تراجم کا، قراءت کا ہو یا رسم و فوہاصل کا، قاری صاحب کے جواب میں ایسا  
تسلل ہوتا کہ جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور جو چھوٹے چھوٹے اشکالات ہیں وہ اس کے سامنے ہلکے تھکے اور خس  
و خاشاک کی طرح بہ رہے ہیں۔“  
وہ دن میرے دل و دماغ پر نقش ہے جب پہلا قدم یونیورسٹی میں رکھا، قواعد و ضوابط کے متعلق کچھ نہ جانتا تھا  
چنانچہ حضرت قاری صاحب نے کمال شفقت کے ساتھ ہر مرحلہ پر میری راہنمائی فرمائی۔ قاری صاحب مرحوم نے  
ساری زندگی اپنے عالم ہونے کا اظہار نہیں کیا انتہائی سادہ اور درویشانہ مزاج کے آدمی تھے۔

### قاری احسان احمد دانش

قاری احسان دانش قاری صاحب کی وفات پر نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے قاری  
صاحب کے حکم سے سعودی عرب کیلئے انٹرویو دیا۔ اور آپ کی دعاؤں کے طفیل ریاض پہنچا۔ وہاں پر مجھے اکثر خط بھیجتے  
اور نصیحتیں کرتے۔ پردیس کی صعوبتوں پر صبر کی تلقین کرتے۔ اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین!

### قاری عبدالستار فاضل قراءت عشرہ

قاری عبدالستار کہتے ہیں کہ ان میں دوسروں کے احترام کا جذبہ ہر وقت غالب رہتا تھا۔ راقم نے بار بار دیکھا کہ  
بعض عاقبت ناندیش حضرت شیخ کے متعلق بے سرو پا ہرزہ سرانی کرتے۔ یہ باتیں آپ تک پہنچتیں، لیکن نہایت  
بردباری اور تحمل سے برداشت کرتے اور ان کا جواب نہ دیتے۔ غیبت سے بہت دور رہتے اور اگر کبھی کوئی ایسی بات یا  
کلمات کہنا شروع کرتا جس سے غیبت کی بو آتی ہو تو فوراً موضوع بدل دیتے۔

اللہ تعالیٰ میرے استاد گرامی، شیخ مربی اور ماہر علوم و فنون قرآنی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہمیں ان  
کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

### قاری محمد یحییٰ رسولنگری

قاری یحییٰ رسولنگری بھی قاری صاحب کے شاگردوں میں سے تھے، وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ استاد صاحب  
جامعہ عزیزہ میں بطور ممتحن تشریف لائے اور قاری محمد نور احمد صاحب سے سورۃ طہ سے ابتدائی آیات سن کر بے حد

خوش ہوئے اور عادی کہ اللہ آپ کو ترقی بخشے نیز فرمایا کہ تم نے ابھی تک اپنے لہجہ کو کما حقہ محفوظ کیا ہوا ہے۔

### قاری صاحب کے تلامذہ

قاری صاحب کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے جن میں قاری عبدالشکور صاحب برق حال مقیم جدہ سعودی عرب، الشیخ المقرئ مولانا قاری محمد عزیز صاحب فاضل قراءات سبعہ، الشیخ قاری محمد ادریس عاصم فاضل قراءات سبعہ، قاری محمد سعید چترالوی حال مقیم دہلی، قاری الہی بخش نظامی، قاری عبدالحکیم چترالوی، قاری عبدالباعث سرحدی، فاضل قراءات سبعہ و عشرہ، محترم قاری عبدالرحمن صاحب ڈیروی فاضل قراءات سبعہ و عشرہ، قاری محمد یوسف لکھنؤ، قاری عطاء اللہ ڈیروی، فاضل قراءات سبعہ و عشرہ، قاری محمد امین کیمل پوری، قاری عبدالستار فاضل قراءات سبعہ و عشرہ، قاری عبدالرشید، عبید الرحمن بلتستانی اور قاری بزرگ شاہ فاضل جامعۃ الازہر قاہرہ وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

### قاری محمد ادریس عاصم

مولانا قاری اظہار احمد تھانوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ علم و عمل کا آفتاب تھے جو بھی ان کی مجلس میں آیا ان سے تعلق پر فخر کرتا تھا۔ اور علم کی جھولیاں بھر کے لے جاتا تھا۔

نظر کے نور نے روشن کیا سینے کو  
اب اہل درد ترستے ہیں اس قرینے کو

حضرت الاستاذ کو علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ کا حقیقی جانشین کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، کیونکہ حقیقت میں قاری صاحب ان علماء کے علوم کے وارث ہیں۔ صرف راقم ہی نہیں دنیا بھر کے استاد، جو اپنے فن میں ماہر ہیں، حضرت الاستاذ کی تعریف میں رطب السان ہیں۔

حضرت الاستاذ مارچ ۱۹۸۴ء میں بحیثیت نچ پاکستان کی طرف سے نامزد ہو کر مکہ مکرمہ میں ہونے والے انٹرنیشنل مقابلہ حفظ قرآن والتجوید والتفسیر میں تشریف لے گئے۔ حضرت الاستاذ اپنے مخصوص پاکستانی لباس شیر وانی، شلوار اور جناح کیپ زیب تن کئے مقابلہ کے ہال میں تشریف لائے تو عجیب شان نظر آئی وضع قطع بارعب، باوقار انداز میں تلاوت فرمائی، ایسی عمدہ اور میٹھی آواز کہ دل جکڑے۔ نہ صرف ماہرین فن بلکہ اکابرین بھی آپ کی علمی شخصیت کے معترف تھے۔ جن میں مولانا قاری عبدالعزیز شوقی صاحب، مولانا قاری محمد صدیق لکھنؤ صاحب مدظلہ، مولانا قاری سید حسن شاہ صاحب، مولانا قاری عبدالوہاب مکی، مولانا قاری محمد شریف صاحب شامل ہیں۔ مولانا قاری حسین صاحب کوسیا لکوٹ سے منقذہ محفل قراءات کے احوال لکھنے کا کہا گیا تو انہوں نے فوراً فرمایا:

”بھائی اس کے لئے تو قاری اظہار احمد سے رجوع کرو وہ عالم فاضل آدمی ہیں۔ نہایت ادبیانہ انداز میں محفل کی روئیداد تحریر کریں گے۔“

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر بھی حضرت الاستاذ کی علمی شخصیت کے معترف تھے۔ اکابرین کا ذکر آئے تو سب سے پہلے قاری صاحب کے دیرینہ رفیق الاستاذ القراء حضرت قاری محمد صدیق ہیں۔ قاری صدیق فرماتے ہیں:

”اللہ ان خادین قرآن کو ثواب سے فیض یاب فرمائیں اور دوسرے لوگوں کو ان کے لب و لہجہ کو اپنانے کی توفیق

دے۔ (آمین)



## مولانا قاری عبد الماجد ذاکر صاحب

یہاں ہم محترم عبد الماجد ذاکر صاحب کی تقریرات کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔ جو انہوں نے قاری اظہار احمد تھانوی کی یاد میں منعقدہ تعزیتی اجلاس جو ۱۹ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز جمعرات کو ریاض سعودی عرب میں ہوا۔ جہاں تک ان کی اللہیت تقویٰ اور طہارت کی بات ہے، اس میں وہ بہت اونچے مرتبے پر فائز تھے جس پر ہم صرف رشک اور تمنا ہی کر سکتے ہیں ساتھ ساتھ جہاں تک حضرت موحوم کی خوش خلقی اور کریمانہ اخلاق کی بات ہے اس میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ جو چیز ان کو ممتاز کرتی ہے وہ ان کا عجز و انکسار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنے علوم و فنون سے نوازا وہ اتنے ہی متواضع تھے ہر اس درخت کی مانند جو پھلوں سے لدا ہوا اور اس کی شاخیں زمین پر جھکی ہوں۔

## استاد الحفاظ قاری احمد دین صاحب رحمہ اللہ

قاری احمد دین صاحب مدظلہ العالی قاری صاحب کے رفیق تھے۔ لکھتے ہیں کہ قاری صاحب کو شعر و شاعری کا ذوق بھی تھا ایک روز میں نے چہرہ پر خوشی کے آثار نہ دیکھے تو وجہ دریافت کی جواباً فرمایا:

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف  
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

پھر دوسرا شعر سنایا:

وفا شعار ہمیں تھے اٹھی ہمیں پر نظر  
جو دل معتبر ہوں وہی دکھائے جاتے ہیں

قاری احمد دین صاحب قاری صاحب کی وفات کے متعلق لکھتے ہیں کہ آہ! اپنے رفیق دیرینہ دوست اور زندگی بھر کے ساتھی کومنوں مٹی تلے دبا کر الوداع کہا اور اللہ کے سپرد کر کے چلا آیا۔

## شیخ الفقراء کے اساتذہ کرام

مفتی جمیل احمد تھانوی، شیخ الحدیث مولانا زکریا مدنی، مفتی قاری سعید احمد اجڑاری، علامہ سعید احمد فاروقی، مولانا ظہور الحسن کسلوی، مولانا سعید عبداللطیف، مولانا عبدالرحمن کامہوری، مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا شاہ محمد اسد اللہ صاحب، مولانا امیر احمد کاندھلوی، مولانا قاری عبدالخالق، مولانا قاری عبدالملک، مولانا عبدالرحمن کملی، مولانا قاری عبداللہ کملی۔

## قاری سرفراز احمد تھانوی

قاری سرفراز احمد لکھتے ہیں کہ حضرت قاری صاحب نے پاکستان تشریف لا کر تین مرتبہ رمضان میں قرآن سنایا۔ ایک مرتبہ گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین کے ہاں گورنر جنرل ہاؤس کراچی میں، ایک مرتبہ ٹنڈوالہ پار کے قیام کے دوران وہاں کی مسجد میں اور تیسری اور آخری مرتبہ مدینہ مسجد پرانی انارکلی لاہور کی مسجد میں۔

شیخ القراء قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

وہ مدارس اور ادارے جہاں حضرت شیخ القراء نے تحصیل علم کی  
وہ مدارس جن میں قاری صاحب نے زانوئے تلمذتہ کیے درج ذیل ہیں:

### مدرسہ مظاہر العلوم

یہ وہ مادر علمی ہے جہاں سے شیخ نے نامور علماء حق سے زانوئے تلمذتہ کیے۔ یہاں صحاح ستہ اور علوم حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

### مدرسہ تجوید القرآن

اس مدرسہ سے عرصہ دراز تک ماہر فنون تجوید و قراءت حضرت مولانا قاری المقری عبدالحق سے مشق اور ابتدائی تجوید کے رموز سیکھتے رہے۔

### دارالعلوم اسلامیہ برائے انارکلی پنجاب یونیورسٹی

حضرت شیخ القراء یہاں سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحان پاس کیے۔ وہ ادارے جہاں تدریسی خدمات سرانجام دیں ان میں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور، مدرسہ تعلیم القرآن مکھڈ (ضلع گیملپور)، مدرسہ تجوید القرآن مسجد چینیوالی اہل حدیث لاہور، مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (اسلام آباد)، مدرسہ تجوید القرآن لاہور۔ وہ مساجد جہاں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دیئے، جامع مسجد مقدس (پرانی انارکلی لاہور)، جامع مسجد گورنمنٹ چورجی کوارٹر (ملتان روڈ لاہور)

### حضرت قاری صاحب کی تصنیفی خدمات

### جمال القرآن مع حواشی جدیدہ

تجوید کی یہ کتاب برصغیر پاک و ہند کے تمام دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

### تیسیر التجوید مع حواشی مفیدہ

یہ کتاب قاری عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، جو دینی مدارس میں شامل تھی۔ قاری اظہار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی سے مزین ہونے کے بعد مزید سہل ہو گئی۔

### اشعار مقدمۃ الجزیریۃ و تحفۃ الأطفال کا اردو ترجمہ

ان قصائد کے قراء نے بہت سے تراجم کئے ہیں۔ مگر قاری اظہار احمد تھانوی کا ترجمہ طلباء کے لئے بہت آسان ہے۔

### خلاصۃ التجوید

اپنے نام کی طرح یہ کتاب تجوید کی دوسری کتابوں کی نسبت بہت آسان ہے۔ چالیس اسباق میں پورا فن تجوید آسان انداز میں مرتب کر دیا۔

یہ وہ رسائل ہیں جو عرصہ سے گم گشتہ ہو گئے تھے۔ انہیں دوبارہ شائع کیا گیا تھا۔

### الجواهر النقیہ شرح مقدمة الجزریہ

یہ شرح پچاس سے زائد فی کتب کا نچوڑ ہے جس میں متعلقہ مسائل پر کھل کر بات کی گئی ہے۔

### الحواشی المفہمہ فی شرح المقدمة

شرح شاطبیہ اردو، امانیہ شرح شاطبیہ (اردو)، توضیح المرام فی وقف حمزہ و ہشام (اردو)، تنشيط الطبع فی اجراء السبع محشی (اردو)، الدراری شرح الدرۃ (اردو)، ایضاح المقاصد (اردو)، اخلاق محمدی، پیغام رمضان (اردو)، شجرۃ الاساتذہ (اردو)، تقاریر ابوداؤد شریف (اردو)، المرشد فی التجوید والوقف (عربی)۔  
حضرت قاری صاحب نے سوانح امام جزری اور سب سے احرف نامی دو کتب نامکمل چھوڑی ہیں۔ آخر میں ہم بس اتنا ہی کہیں گے:

علوم قرآن میں بحر ذخار تھے اظہار  
قراءات میں موسم بہار تھے اظہار

وہ حدیث ہو، فقہ ہو یا ادبی محفلیں

ہر میدان کے شہ سوار تھے اظہار

قرآن کے خادم اس قدر پیدا کئے  
علم کے گویا ایک پہاڑ تھے اظہار

حق بات کہنے کا حوصلہ تھا ان میں

جھوٹ کے دل میں مثل خار تھے اظہار

تجوید و قراءات کو زندہ جاوید کر گئے  
موسم گل کا سمجھو نکھار تھے اظہار

قول کے پکے تھے وہ فعل کے سچے تھے وہ

شرافت کا چلتا پھرتا شعار تھے اظہار

میں تو کہوں احمد اس زمانے میں احمد

ہر اچھی بات کا اظہار تھے اظہار

(عزیز احمد تھانوی)



محمود احمد سیاف\*، ارسلان ظفر\*

## اخبار الجامعہ

### قراءات میں انقلابی ارتقائی اقدامات

جامعہ لاہور الاسلامیہ، المعروف جامعہ رحمانیہ، عرصہ دراز سے علمی میدان میں سرگرم عمل ہے اور علم قراءات میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ جامعہ ہذا کے زیر اہتمام درس نظامی اور علوم عصریہ کے ساتھ ساتھ علم قراءات پر خاصی توجہ دی جاتی ہے جس میں روز بروز ارتقاء ہو رہا ہے۔ الحمد للہ یہ جامعہ ہذا کا امتیاز ہے کہ جس کی بدولت ملک بھر میں علم قراءات کی درس و تدریس کا بھرپور آغاز ہو چکا ہے۔

آج علم قراءات کی حجیت کسی جاہل پر پوشیدہ ہو تو ہو، اصحاب علم و دانش خواہ وہ کسی بھی مسلک سے منسلک ہوں قراءات متواترہ کے منزل من اللہ ہونے کے قائل ہیں۔ جس کے لیے ماہنامہ 'رشد قراءات' نمبر حصہ اول و دوم کا مطالعہ موزوں ہے۔ آج علم قراءات میں قاری ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کس پر پوشیدہ ہے؟ کلیۃ القرآن الکریم جامعہ لاہور الاسلامیہ اور بونگہ بلوچان کے بانی ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان بھر میں جہاں بھی علم قراءات کی تدریس ہو رہی ہے اس کا تعلق قاری صاحب سے ضرور ہے۔ "بارک اللہ فی علمہ و عملہ۔"

چنانچہ آج سینکڑوں فاضلین جامعہ لاہور الاسلامیہ ملک بھر میں درس و تدریس میں سرگرم عمل ہیں۔ الحمد للہ۔ اللہ عزوجل نے جامعہ لاہور الاسلامیہ کو یہ شرف بخشا کہ اس علم کی مزید اشاعت کے لیے سرگرم عمل ہو، یہ سلسلہ 'رشد قراءات' نمبر اسی کی ایک کڑی ہے۔ تاکہ علم قراءات کو خواص تک ہی محدود نہ رکھا جائے بلکہ ملک بھر میں اس کی اشاعت و تعارف ہو، اور وہ علم کہ جس کو بے فائدہ جان کر صرف نظر کیا گیا اس کا دوبارہ بھرپور احیاء ہو سکے۔ اللہ انہیں مزید جوش و جذبہ اور استقامت عنایت فرمائے۔ (آمین)

اس کاروان قراءات کو مزید ترقی دینے کے لیے جامعہ لاہور الاسلامیہ میں انقلابی ارتقائی سرگرمیاں جاری ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

### ① قراءات عشرہ کبریٰ قراءات العشر الکبریٰ عن طریق الطیبہ کا اجراء

الحمد للہ پاکستان میں پہلی بار قراءات عشرہ عن طریق الطیبہ کے بعد قراءات عشرہ عن طریق الطیبہ کا اجراء کلیۃ القرآن جامعہ لاہور الاسلامیہ کے زیر اہتمام ہو چکا ہے۔ جس کی سرپرستی اُستاز القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ القراء قاری محمد ادریس العاصم رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں۔ جناب قاری انس نصر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور قاری حمزہ زید مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی کاوش اور دن رات کی محنت بھی شامل ہے۔

## مختصر تعارف قراءات عشرہ کبریٰ

یہاں ہم قارئین کرام کو قراءات عشرہ عن طریق الشاطبیہ اور قراءات عشرہ عن طریق الطیبہ کا مختصر تعارف کرواتے چلیں:

رشد قراءات نمبر کے پہلے شمارہ میں قاری حمزہ زیاد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اہم سوالوں کے جوابات میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ قراءات عشرہ عن طریق الشاطبیہ میں دس قاریوں کی قراءات ہیں پھر ہر قاری سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں اس طرح یہ کل ۲۰ روایات ہو جاتی ہیں۔ پھر ہر راوی کے دو طریق اور پھر ہر طریق سے روایت کرنے والے دو دو راویوں کو بھی جمع کیا گیا ہے جن کی کل تعداد ۸۰ تک پہنچتی ہے۔ اب قراءات عشرہ عن طریق الشاطبیہ میں ۱۰۲ راویوں کی روایات ہیں جبکہ قراءات عشرہ عن طریق الطیبہ المعروف قراءات عشرہ کبریٰ میں ۸۰ طرق (راویوں) کو جمع کیا گیا ہے۔

الحمد للہ قاری انس نضر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور قاری حمزہ زیاد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشوں سے دنیا بھر میں اپنے تعدد روایات کی وجہ سے بہت کم پڑھی جانے والی قراءات، قراءات عشرہ کبریٰ کا اجراء (کلیۃ القرآن جامعہ لاہور الاسلامیہ میں) ہو چکا ہے جس کا مستقل آغاز پاکستان میں پہلی بار ممکن ہوا ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ لاہور الاسلامیہ، کلیۃ القرآن کی پہلی کلاس میں اس سال ۶۵ طلباء کا داخلہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ادارہ کو دن گئی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

## قراءات عشرہ کبریٰ کا مسابقہ

طلباء میں قراءات عشرہ عن طریق جزری رحمۃ اللہ علیہ (عشرہ کبریٰ) کا ذوق اجاگر کرنے کے لیے کلیۃ القرآن کی دو سینئر کلاسز ثانیہ کلیہ اور ثالثہ کلیہ کے مابین ایک مسابقہ منعقد کیا گیا جس کا نصاب تمام قراء کے مکمل اصول و تجزیات پر مشتمل تھا۔ طلباء نے بھرپور ذوق شوق سے اس مسابقہ میں حصہ لیا۔ طلباء کی حوصلہ افزائی کے لیے ان میں تقریباً ۵۰۰۰ کے انعامات تقسیم کئے گئے۔ یاد رہے کہ یہی طلباء اس سے قبل کلیۃ القرآن کے زیر اہتمام عشرہ صغریٰ میں مکمل قرآن پاک کا اجراء کر چکے ہیں۔ (الحمد للہ علی ذالک)

جامعہ لاہور الاسلامیہ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہاں پورے قرآن کا قراءات میں اجراء کروایا جاتا ہے جس سے طلباء میں اجراء کی زبردست مہارت پیدا ہو جاتی ہے۔

## جامعہ لاہور الاسلامیہ کی نئی بلڈنگ

مشہور کہادت ہے کہ پانی اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ انتظامیہ جامعہ ہذا ایک عرصہ سے جامعہ کی توسیع کی خواہش مند تھی مگر کسی موزوں جگہ کا انتخاب نہیں ہو سکا تھا۔ دین کا کام کرنے والوں پر آزمائشوں اور پریشانیوں کا آنا بدیہی امر ہے مگر استقامت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ آسانیاں بھی مہیا فرماتے ہیں۔ الحمد للہ ایک صاحب خیر جناب عتیق احمد خواجہ نے ۱۲ کنال میں البیت العتیق کے نام سے تعمیر شدہ مدرسہ دین کے لیے وقف کرتے ہوئے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے نام لگوادیا ہے تاکہ دین کا یہ کارواں بڑھتا ہی جائے۔ بَارَكَ اللهُ فِيْ دِيْنِهِ وَمَالِهِ وَعِرْضِهِ .

نئی بلڈنگ اور اس کے انتظام و انصرام کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۲ کنال پر محیط ایک خوبصورت مسجد ہے۔ ۳۰ کمرے، ۱۰ دفاتر اور ۱۰ اساتذہ کی رہائشیں موجود ہیں۔

## اصلاحی اقدامات

انتظامیہ نے طلباء کی ضرورت کے پیش نظر وہاں جدید اور بہترین سہولیات مہیا کی ہیں۔ وافر اور صاف پانی کے حصول کے لیے ۶۰۰ فٹ گہرا ٹیوب ویل لگوا یا، جس کی لاگت ۱۲ لاکھ روپے ہے۔ ۳۰۰ طلباء کے لیے چار پائوں کا انتظام کیا گیا ہے، جس پر ۴ لاکھ روپے کی لاگت آئی۔ تمام طلباء کے لیے ۱۰۰ الماریاں بنوائی گئی ہیں، جن پر تقریباً ۸ لاکھ روپے خرچ ہوا۔ جامعہ میں مزید ایک تجوید کے اُستاذ کی تقرری بھی کی گئی ہے جو کہ جامعہ کے ہی فاضل سبعہ عشرہ ہیں۔ اللہ ان سے زیادہ سے زیادہ دین کا کام لے۔ (آمین)

## بین الجامعتین طلباء کی تقسیم اور اس کی انتظامیہ کا تقرر

اب مسئلہ طلباء کی تقسیم کا تھا کہ کن طلباء کو البیت العتیق کیمپس میں بھیجا جائے اور کن کو گارڈن ٹاؤن کیمپس میں ہی رکھا جائے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ طلباء کا تقسیمی عمل ثانوی اور کلیہ کلاسز کے لحاظ سے کیا جائے۔ چنانچہ ثانوی کلاسز کو البیت العتیق کیمپس میں اور کلیہ کلاسز کو گارڈن ٹاؤن کیمپس میں ہی رکھا گیا ہے۔

## انتظامیہ کا تقرر

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) جبکہ قاری حمزہ زیاد المدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ لاہور الاسلامیہ (البیت العتیق) کا مدیر مقرر کیا گیا ہے۔ اور حافظ انس نصر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو مجلس تحقیق الاسلامی ماڈل ٹاؤن میں انچارج کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ اللہ عزوجل انہیں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو مکاحقہ نبھانے کی توفیق عطا فرمائے اور دین کا زیادہ سے زیادہ کام لے۔ (آمین)

## جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) میں اصلاحی پروگرام

قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ جامعہ لاہور الاسلامیہ دین و دنیا کے امتزاج میں اپنی مثال آپ ہے۔ معاملہ تعلیم کا ہو یا جدید سہولیات مہیا کرنے کا جامعہ الحمد للہ کسی بھی میدان میں پیچھے نہیں رہا بلکہ جدید تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس قدر ممکن ہو سکا اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیاتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہا ہے۔

## کلاس رومز کی تجدید

کمپیوٹر کلاسز کے اجراء اور تعلیمی میدان میں تجدید کے ساتھ ساتھ کلاس رومز کو بھی جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جا رہا ہے۔ پرانے تدریسی طریقہ کو بہتر بناتے ہوئے کلاس رومز میں کرسیوں کا اہتمام کیا گیا ہے جس کے لیے انتظامیہ نے طلباء کے لیے ۲۰۰ بہترین کرسیوں اور آسائزہ کے لیے آپیشل ۵۰ کرسیوں کا انتظام کیا ہے۔

## ہاسٹل میں اصلاحی پروگرام

یہاں ہم قارئین کو مطلع کرتے چلیں کہ اس سے قبل جامعہ لاہور الاسلامیہ کے ہاسٹل میں ۱۱ کمروں کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے جس میں کتابوں کے لیے الماریاں مہیا کی گئیں۔ اس کے بعد انتظامیہ طلباء کی سہولت کے پیش نظر Boxes کی جگہ الماریوں کا انتظام کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چار پائوں کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب

طلباء ان سہولیات سے مستفید ہوں گے۔

### جامعہ لاہور الاسلامیہ کا اعزاز

الحمد للہ جامعہ ہذا تعلیمی میدان میں ایک نام رکھتا ہے۔ جس میں اُساتذہ جامعہ کا خصوصی جذبہ اور طلباء کی محنت شامل حال ہے۔ جس کا ثمرہ آج اس صورت میں سامنے ہے کہ وفاق المدارس جامعہ سلفیہ کے زیر اہتمام منعقدہ سالانہ امتحان ۲۰۰۹ء میں ملک بھر میں جامعہ لاہور الاسلامیہ کے طلباء نے چار پوزیشنز حاصل کی ہیں جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

عالیہ میں محمد ارشد قریشی نے ملک بھر میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی ہے جو اب اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ایم فل کی تعلیم حاصل کرنے میں سرگرم ہیں جنہوں نے ایم۔ فل کے انٹرویو میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی ہے۔ الشہادۃ العالیہ میں جامعہ کے دو طلباء نے پہلی اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ قاری خضر حیات نے پہلی پوزیشن حاصل کی جو اس سے قبل جامعہ ہذا کی طرف سے عمرہ کا انعام حاصل کر چکے ہیں۔ حافظ محمود احمد سیاف نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ اسی طرح حافظ عدنان اسحاق نے ثانویہ خاصہ میں تیسری پوزیشن حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان طلباء کے علم و عمل میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی فرمائے۔ (آمین)

جامعہ ہذا کے چار طلباء کا گذشتہ سال مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ ہوا تھا جنہوں نے اپنے پہلے سمسٹر کے امتحان میں نمایاں نمبر حاصل کیے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

دو طلباء کرام حافظ عبدالمنان اور حافظ محمد زبیر نے کلیۃ الشریعہ مدینہ یونیورسٹی میں زبردست نمبر حاصل کئے۔ حافظ عبدالمنان نے ۸۰۰ میں سے ۷۹۶ اور حافظ محمد زبیر نے ۸۰۰ میں سے ۷۹۳ نمبر حاصل کیے جبکہ دو طلباء حافظ احسان الہی ظہیر اور حافظ عبدالباسط نے کلیۃ الحدیث میں نمایاں نمبر حاصل کئے۔ حافظ احسان الہی ظہیر نے ۸۰۰ میں سے ۷۸۷ اور حافظ عبدالباسط نے بھی ۸۰۰ میں سے ۷۸۷ نمبر حاصل کئے۔ ان زبردست کامیابیوں پر جامعہ بارگاہ الہی میں اظہار تشکر کرتا ہے۔ اللہ ان طلباء کرام کو دین حنیف کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ (آمین)

آخر میں ہم اپنے مکرم قارئین سے جامعہ کی مزید ترقی اور سلامتی کی دعا کی اپیل کرتے ہیں کہ اللہ دین کے اس قلعہ کو تاقیامت قائم و دائم رکھے اور اس کا فیض ہمیشہ جاری رکھے۔ (آمین)

### قراءت سبغہ و تجویدی کی اہمیت و ضرورت (جامعہ سلفیہ میں تکمیل قراءت سبغہ و محفل حُسن قراءت)

دینی مدارس میں اسلام کے بنیادی مصادر قرآن و حدیث کی تدریس کے ساتھ ساتھ وہ تمام علوم و فنون بھی پڑھائے جاتے ہیں جو اسلام کے فہم میں مدد و معاون ہوں۔ خاص کر نصوص کی تشریح و توضیح کے لیے مفسرین، محدثین اور فقہاء کی کاوشوں سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض اہم کتب باقاعدہ نصاب کا حصہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کے لیے متنہی اور حماہ جیسی کتب بھی نصاب میں شامل ہیں۔ یہ ساری کتب براہ راست کتاب و سنت کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی اہمیت اور ضرورت سے کوئی ماہر تعلیم انکار نہیں کر سکتا۔

اسلام کا اہم ترین ماخذ قرآن حکیم ہے جس کو سمجھنے کے لیے اس کا صحیح پڑھنا از حد ضروری ہے۔ مدارس میں اس کا اہتمام موجود ہے۔ البتہ مختلف قراءت کی تدریس اور اس کا فہم بہت کم مدارس میں ہے۔ اس کی مختلف وجوہات

ہوسکتی ہیں مثلاً دوسرے فنون کی نسبت فنِ قراءۃ و تجوید بہت مشکل اور محنت طلب ہے۔ اس کے ماہرین اُساتذہ کیمیا ہیں۔ عام زندگی میں مختلف قراءات کا عملی مظاہرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی عوام الناس اُسے سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس میں دلچسپی لیتے ہیں۔

اس کے باوجود علماء کرام اس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کرتے، کیونکہ مختلف قراءات کی تعلیم رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ آپ نے خود اس کی تعلیم دی اور مختلف قراءات پر موافقت فرمائی۔ اس اعتبار سے اس علم کو پڑھنا پڑھانا اور سمجھنا نیز اس کی صیانت و حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ مختلف قراءات سے معانی اور مفہوم کے تنوع کا بھی ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہے جس سے مستفید ہونا ہمارا حق ہے۔ قراءاتِ سبعہ کا علم نہ صرف محفوظ ہے، بلکہ ہر دور میں اس کے ماہرین علماء موجود رہے ہیں جو اس کی بقاء کے لیے کوشاں ہیں اور عملی زندگی میں اس کی تمرین اور مشق بھی کرتے کرتے کرواتے رہتے ہیں۔

پاکستان کے مدارس میں اسلامی علوم کی تدریس کا خاطر خواہ انتظام تو موجود ہے لیکن اکثر مدارس میں اسلامی علوم کو مختلف اقسام میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ ایک ہی نصاب کے تحت سب علوم و فنون پڑھادیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ تقسیم ملحوظ رہے تو پڑھنے اور پڑھانے والوں کو کافی حد تک آسانی مہیا کی جاسکتی ہے۔ اب نصاب میں قرآن حکیم کے چند پاروں کا حفظ تو موجود ہے لیکن باقاعدہ قراءۃ و تجوید کا اہتمام نہیں کیا جاتا، حالانکہ اس کی اشد ضرورت ہے تاکہ طالب علم نے جو پارے حفظ کیے ہیں وہ قواعد تجوید کے مطابق پڑھ سکے اور صحیح مخرج کے ساتھ تلاوت کر سکے۔ اس ضمن میں بعض مدارس نے بہت شوق و ذوق کے ساتھ اہتمام کیا ہے۔ قرآن اور علوم القرآن کی تدریس کے لیے باقاعدہ کلبیۃ القرآن یا کم از کم تجوید و قراءۃ کے نام سے الگ شعبے قائم کیے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی سعودی عرب میں بہت پہلے سے یہ اہتمام موجود ہے۔ دنیا کے ذہین ترین حفاظ کو کلبیۃ القرآن میں پڑھنے کا موقع ملا۔ جنہوں نے اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ تجوید و قراءات سبعہ و عشرہ کی خصوصی تعلیم ماہرین علماء سے حاصل کی اور پھر اپنے اپنے وطن میں اس کا احیاء بھی کیا۔

اس سلسلے میں جامعہ لاہور الاسلامیہ کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ جس میں قرآن اور علوم القرآن کی مکمل تدریس کے لیے الگ کلبیۃ القرآن قائم کیا گیا ہے۔ جس کا چار سالہ نصاب تجوید و قراءات کی مکمل تعلیم کے ساتھ اسلامی علوم کو جاننے کے لیے کافی ہے۔ ممتاز قاری جناب محمد ابراہیم میر محمدی ؒ کی پُر خلوص محنت سے یہ ادارہ پروان چڑھا اور بہت شہرت حاصل کی۔ آپ کے بعد مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی ؒ کے ہونہار فرزند ارجمند جناب قاری حمزہ مدنی ؒ نے مسند تدریس کو رونق بخشی اور کلبیۃ القرآن کو چار چاند لگا دیئے۔ موصوف پوری محنت اور دلچسپی سے دن رات کام کر رہے ہیں اور قراءات سبعہ کے ماہرین تیار کیے جا رہے ہیں۔ توقع ہے کہ یہ ادارہ پہلے سے بڑھ کر علم القراءات کی خدمت سرانجام دے گا۔

اسی طرح اُستاذ القراء قاری محمد ادریس عاصم ؒ عرصہ دراز سے قرآنی علوم کی تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کے ہزاروں تلامذہ مختلف مقامات پر تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود اچھے اور عمدہ قراء کی ضرورت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔



محمود احمد سیاف، ارسلان ظفر

احباب کو یہ جان کر دلی خوشی اور مسرت ہوگی کہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد (جو اسلامی علوم کی تدریس کا ممتاز ادارہ ہے اور پاکستان کے صفِ اوّل کے مدارس میں شامل ہے) نے بھی تجوید قراءات کی اہمیت اور ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آج سے پانچ سال قبل شعبہ تجوید و قراءات کا آغاز کر دیا تھا جن کے بنیادی مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ ایسے رجال کا ریتار کیے جائیں جو ایک طرف تو اسلامی علوم پر مکمل دسترس رکھتے ہوں اور ساتھ ہی علم القراءات سے بھی بخوبی آگاہ ہوں اور یہ تاثر ختم کیا جاسکے کہ ایک قاری قراءات سبعہ سے تو آگاہی رکھتا ہے مگر کوئی دینی مسئلہ بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ایک عالم فتویٰ تو دے سکتا ہے مگر قرآن حکیم کی صحیح تلاوت نہیں کر سکتا۔ بڑی شدت کے ساتھ یہ کمی بھی محسوس کی جاتی تھی کہ شعبہ تحفیظ القرآن میں مساجد کی امامت کے لیے قراء موجود نہیں ہیں۔ لیکن قراء کی کمی کی وجہ سے عام حفاظ سے یہ کام چلایا جاتا ہے جس سے حفظ کرنے والے طلبہ میں مطلوبہ معیار پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ پہلے قرآن حکیم کو صحیح پڑھا جائے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے انتظامیہ اور اساتذہ کرام نے اخلاص اور جذبے کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور قراءات کی تدریس کے لئے کلیہ القرآن الکریم جامعہ لاہور الاسلامیہ کے فارغ التحصیل قراء قاری ریاض احمد اور قاری شعیب عارفی کی خدمات حاصل کیں۔

جامعہ سلفیہ سے قسم تجوید اور قراءات سے فارغ ہونے والے قراء کے اعزاز میں ایک پروقار تقریب تکمیل قراءت سبعہ و محفل حسن قراءت منعقد ہوئی۔ جس میں بطور مہمانانِ خصوصی قاری محمد ادریس عاصم رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ، قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ، قاری صہیب احمد میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ اور قاری عبدالسلام عزیز می رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت کی، جبکہ میاں نعیم الرحمن رحمۃ اللہ علیہ اپنی علالت کے باوجود بطور خاص تشریف لائے اور تلاوت کی سعادت حاصل کی۔ مدیرِ تعلیم جامعہ سلفیہ نے بھی مختصر گفتگو میں شعبہ تجوید و قراءت کے قیام پر روشنی ڈالی اور قاری ریاض احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو بے حد سراہا جبکہ قاری صہیب احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کلیدی خطاب میں قراءات و تجوید کی اہمیت و ضرورت پر مدلل گفتگو کی۔ انہوں نے قراءات سبعہ و عشرہ کے اثبات میں دلائل پیش کیے اور اہل مدارس پر زور دیا کہ وہ باقی علوم کی طرح علم القراءات کی تدریس کا بھی انتظام کریں۔

اس کے بعد قاری نوید الحسن لکھوی رحمۃ اللہ علیہ اور قاری عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے تلاوت قرآن، اور قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف قراءات میں تلاوت کر کے سماں باندھ دیا۔ قاری محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اور قاری محمد ادریس عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مخصوص انداز میں تلاوت کلام پاک کی۔ آخر میں حافظ مسعود عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ناصحانہ گفتگو فرمائی اور رقت آمیز دعا کی۔ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء کی تمنائیں اور آرزوئیں پوری فرمائے اور جامعہ اور اس کے معاونین کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔



## تبصرہ جات ماہنامہ رُشد قراءات نمبر

[۱]

مکرمی و محترمی جناب مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
مجلہ رُشد کی خصوصی اشاعت، قراءات نمبر کے (تین حصے) ایک مستحسن اور عظیم علمی و تحقیقی اقدام ہے۔ جس میں  
بہت ساری ملکی و غیر ملکی قدآور علمی شخصیات کے بہترین مضامین نے رسالہ کی خصوصی اشاعت کو چار چاند لگا دیئے  
ہیں۔ اس کے مضامین و مقالہ جات صدیوں تک پڑھنے اور پڑھانے والوں کیلئے اہم مراجع کی حیثیت رکھیں گے۔  
اس سے قبل اس موضوع پر اتنا عظیم الشان کام نہیں ہوا۔ اللہ اعلم الحاکمین نے یہ توفیق ان کو دی جن کا مسلک اللہ کا  
قرآن اور پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

اس رسالہ میں خصوصاً حجیت و حقانیت قراءات پر ضخیم مضامین علمی خزینہ ہیں اور اس میں منکرین قراءات کو دندان  
شکن جوابات دیئے گئے ہیں۔ نیز سببہٴ احرف پر گراں قدر، وافر اور تحقیقی مواد جمع کیا گیا ہے۔ ہر مکتب فکر کے شناور  
اساتذہ قراءات کے حالات زندگی کو احسن انداز سے موتیوں کی طرح پرو دیا گیا ہے۔ اسی طرح دیگر مضامین کی اہمیت  
بھی اپنی اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

الحمد للہ! نتیجہ قارئین کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کے لیے اور آپ کے قابل  
فرزند ان جناب الدكتور حافظ حسن مدنی ﷺ، جناب القاری انس مدنی ﷺ اور جناب الدكتور القاری حمزہ مدنی ﷺ و دیگر  
معاونین و منتظمین کیلئے ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین یا رب العالمین)

قاری محمد ادریس العاصم

صدر مدرس مدرسہ تجوید القرآن، جامع مسجد لسوڑیوالی، لاہور

[۲]

ماہنامہ رُشد لاہور کے قراءات نمبر کے دو شمارے نظر سے گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں کسی تبصرے کیلئے میں  
اولاً یہ عرض کروں گا (مشک آنست کہ ببوید نہ کہ عطار بگوید) حضرت مولانا عبدالرحمن مدنی کی علمی  
کاوشوں کے تو ہم اول سے معترف ہیں مگر علم قراءات میں (پدر نہ تو اند پسر تمام کند) کا حقیقی مصداق عزیز  
القدر القاری المقری حمزہ مدنی نے جو تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اس کی تعریف کیلئے میں نے عملی قدم اس طرح اٹھایا  
کہ اپنے تلامذہ کو ان شماروں کو خریدنے کی ترغیب دی جہاں جہاں علم قراءات سے متعلق کام ہو رہا ہے وہاں احباب  
سے اصرار کر کے ان شماروں سے استفادہ کی دعوت دی ہے۔

☆ فاضل کلیۃ الشریعہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

1008

حافظ محمد عبداللہ

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ علم قراءت عشرہ متواترہ اور اس کے متعلقہ علوم پر اردو زبان میں ایک بہت بڑا ذخیرہ ماہنامہ 'رشد' کے ان نمبرات کے ذریعہ اہل علم کے سامنے آ گیا ہے۔ ہم طالب علموں کیلئے اس دور میں فن قراءت کی پیاس بجھانے کیلئے آسان اور سہل الحصول ذریعہ ان رسائل میں موجود ہے۔ تمام دینی مدارس بلا تفریق مسلک و مشرب اپنے مدارس، لائبریریوں میں ان قراءت نمبروں کو داخل فرمائیں۔ علم قراءت پر یہ ایک موسوعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی ان مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین!

ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی،

نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

[۳]

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم، أما بعد!

ماہنامہ 'رشد' قراءت نمبر ۲ کا چند چیدہ چیدہ مقامات سے مطالعہ کا موقع ملا۔ الحمد للہ انتہائی مسرت ہوئی کہ تمام مضامین انتہائی محنت اور تحقیق کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور علم قراءت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلہ سے علم قراءت کو کافی فائدہ ہوگا اور اس علم سے لوگوں کی دلچسپی بڑھے گی۔

قراءت نمبر (۱) اور اب قراءت نمبر (۲)، ان میں نہ صرف علم قراءت کی تاریخ کو جمع کیا گیا بلکہ نبی پاک ﷺ سے لے کر آج تک اس علم کے تواتر کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اس علم کی احادیث اور اہمیت کو بھی کافی پُر انداز میں اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس دور میں جبکہ علم قراءت پر مختلف اُطراف سے اعتراضات اٹھائے جا رہے ہیں یہ کاوش انتہائی قابل تحسین اور لائق صدمبارکباد ہے۔ جو اعتراضات اٹھائے جا رہے ہیں ان کے انتہائی محققانہ انداز میں جو جوابات دیئے گئے ہیں ان کو اگر اعتراضات اٹھانے بھی انصاف کا دامن تھام کر پڑھیں گے تو ان کے ذہن بھی بالکل صاف اور مطمئن ہو جائیں گے۔

اس تمام کاوش کا سہرا محترم جناب قاری حمزہ مدنی صاحب، ان کی ٹیم اور معاونین کو جاتا ہے، جنہوں نے نہ صرف اس ضرورت کو محسوس فرمایا بلکہ عملی طور پر قدم بھی اٹھایا اور ماہنامہ 'رشد' کے ذریعہ سے قراءت نمبر کا اجراء فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اُجاب، جملہ معاونین کی علم قراءت سے اس محبت کو قبول فرمائے اور مزید خدمت کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین! والسلام

قاری محمد برخوردار احمد سیدی،

مہتمم جامعہ کرییمہ سیدیہ، لاہور

[۴]

محترم جناب ڈاکٹر حمزہ مدنی صاحب ﷺ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، حق تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین  
خلاصۃ المراد: اس وقت آپ کے رسالہ 'رشد' کے قراءت سے متعلق دو شمارے بندہ کے پاس ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت انکار قراءت کا فتنہ جس طرح پھیلانے لگا ہے، ان دو شماروں میں اس کی سرکوبی کی ایک عمدہ اور اچھی کاوش کی گئی ہے، جس طرح مستشرقین نے قرآن وحدیث میں طرح طرح کے بے سرو پا شبہات پیدا کر کے ان

کو بے وزن کرنے کی ناکام کوشش کی، اسی طرح مستشرقین کے پروردہ تمنا عمادی اور غامدی جیسے لوگوں نے قراءات متواترہ جیسی اُمت کی اجماعی متاع پر نقب زنی کی کوشش ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے ان کے خیالات فاسدہ کو دور کرنے کا انتظام فرما دیا، تمنا عمادی کے 'دلائل' کا پول تو حضرت قاری محمد طاہر رحمہ اللہ نے 'دفاع قراءات' میں اس طرح کھول دیا کہ ہر حقیقت شناس شخص کیلئے سرمہ بصیرت بنا دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

دور حاضر میں غامدی جیسے کورچشموں نے پھر قراءات متواترہ پر بہبودہ اور بیجا اعتراضات کر کے خدام قرآن کی غیرت کو لاکرا۔ الحمد للہ اس کے بھی رد میں قلم اٹھے، اور اتمام حجت کیا گیا، رُشد کے یہ خصوصی شمارے اسی سلسلہ کی کڑی ہیں اور بجز اللہ اس سے قراءات کے متعلق ایک اچھا مواد یکجا ہو گیا ہے اور عربی مواد کا معتد بہ حصہ اُردو میں منتقل ہو گیا ہے، جس سے اُردو داں طبقہ مستفید ہو سکتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کے بعض مضامین سے اختلاف رائے کے باوجود مجموعی طور پر ایک اچھی کاوش ہے، حق تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور مزید کام کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاں تک بعض مضامین سے اختلاف رائے کا معاملہ ہے ان پر تفصیلی کلام پھر سہی، کہ ابھی بستر علالت پر ہوں، تاہم وہ مضمون جس میں آج بھی نئی قراءات ترتیب دینے کا تصور (صدیوں سے اُمت کے اجماعی معمول کے خلاف) پیش کیا گیا ہے۔ خطرناک سمجھتا ہوں کہ اس سے ایک نئے فتنے کا ایسا باب کھلے گا جس کو بند کرنا تصور پیش کرنے والے کے بس میں بھی نہیں ہوگا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک فتنے کا دروازہ بند کرتے کرتے نئے فتنے کا دروازہ کھل جائے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی! والسلام

قاری عبدالملک شہزادہ

شیخ التجوید والقراءات، جامعہ دارالعلوم، کراچی

[۵]

## ماہنامہ رُشد، قراءات نمبر [حصہ اول]

ماہنامہ رُشد ایک علمی جریدہ ہے، جو پچھلے کئی برسوں سے میدان عمل میں ہے۔ اس کی بیس جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ پیش نظر جملہ قراءات نمبر کا حصہ اول ہے۔ جس میں بیس کے قریب انتہائی اہم علمی مضامین شامل ہیں۔ یہ شمارہ ضخیم ہے اور ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں منکرین قراءات کے باطل نظریات کی تغلیط کی گئی ہے اور ایسے مضامین کو بطور خاص شامل اشاعت کیا گیا ہے، جن میں قراءات کی حیثیت اور ان کے جواز کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر محمد اکرم چودھری کا مضمون انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس کا عنوان 'اختلافات قراءات قرآن' ہے اور مستشرقین ہے۔ جس میں آرتھر جیفری کے نظریات پر بحث ہے اور دلائل کے ذریعے ان کے نظریات کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ اسی طرح دیگر اہم مضامین کی فہرست اس طرح ہے:

- \* احادیث مبارکہ میں وارد شدہ قراءات
  - \* قرآن کریم کے متنوع لہجات اور ان کی حجیت
  - \* متعدد قراءات کو ثابت کرنے والی جملہ احادیث
  - \* سب سے مراد اور قراءات عشرہ کی حجیت
  - \* قراءات عشرہ کے اسناد اور ان کا تواتر
  - \* قراءات قرآن کا مقام اور مستشرقین کے شبہات
- مستشرقین کے نظریات کے علاوہ بعض مسلمان مفکرین بھی ہیں کہ قراءات کے بارے میں ان کا ذہن پوری طرح صاف نہیں یا تو وہ مستشرقین کے نظریات سے متاثر ہیں یا پھر اختلاف قراءات کی اصل سے انہیں پوری شناسائی نہیں

اور انہوں نے بھی اپنی تحریروں میں ایسے خیالات کا اظہار کرنے میں باک محسوس نہیں کی، جن سے مختلف قراءات کی اہمیت اور جواز پر تشکیک کا پہلو آ جا کر ہوتا ہے۔ 'رشد' کی موجودہ اشاعت میں ایسے مفکرین کے نظریات پر دو مضامین اہم ہیں۔ پہلا 'مفکر قراءات تنمائی' کے نظریات کا جائزہ از مولانا طاہر رحیمی رحمۃ اللہ علیہ جبکہ دوسرا 'مضمون قراءات کے بارے میں اصلاحی اور عمادی کا موقف' ہے جو پروفیسر رفیق چودھری کے قلم سے ہے۔

اگرچہ 'رشد' میں شامل بیشتر مضامین نشر مکرر ہیں۔ یعنی ایسے ہیں جو پہلے سے طبع شدہ ہیں، لیکن ان تمام مضامین کو یکجا کر کے شائع کرنا اپنی جگہ بڑا اہم کام ہے۔ ہماری دانست میں ان موضوعات پر تحقیق و تفتیش کی مزید ضرورت ہے۔ ماہنامہ 'رشد' نے مذکورہ نمبر شائع کر کے اہل علم کو اس بات کی تحریک دی ہے کہ وہ اپنے قلم کو جنبش دیں اور علم قراءات کے حوالے سے علم کے سمندر میں اتریں اور موتی تلاش کر کے لائیں تاکہ علم قراءات جیسا مقدس علم پاکستان میں بھی اپنی جڑیں مستحکم کر سکے۔ جس کو کئی عشروں کی دھول نے دھنلا کر رکھا ہے۔

ماہنامہ 'رشد' کا مذکورہ قراءات نمبر دراصل قراءات سبعہ کا دفاع ہے اور ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو سبعہ قراءات کو اجتہادی امر خیال کرتے ہیں۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ بڑے واضح ہیں: «أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ» اس فرمان رسول ﷺ کی موجودگی میں اس بات کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی کہ قراءات کو اجتہادی کہا جائے بلکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی عبارت منزل من اللہ ہے اسی طرح قراءات بھی منزل من اللہ ہیں۔ بعض حضرات اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اگرچہ قرآن سبعہ احرف پر نازل ہوا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے تمام قراءات کو ختم کر کے پوری اُمت کو ایک قراءات پر اکٹھا کر دیا۔ یہ خیال کم علمی کی بناء پر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں جبکہ سبعہ احرف کی سند رسول اللہ ﷺ نے دی۔ کوئی بھی صحابی رسول اللہ ﷺ کی بات میں تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ لہذا اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا بذات خود غلط ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کو جمع کرنے کا تعلق ہے تو یہ کام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو سبعہ احرف پر لکھوا کر جمع کیا۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ آذربائیجان اور آرمینیا کے مسلمانوں کے مابین جو تنازعہ مختلف قراءاتوں کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، ہر قبیلہ کسی ایک قراءات کے مطابق تلاوت کرتا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین حضرات نے عملاً ان قراءات کو محفوظ رکھا۔ چونکہ ہر قبیلہ اپنی قراءات ہی کو درست خیال کرتا تھا اور دوسرے قبیلوں کی قراءات کو غلط قرار دیتا تھا، یعنی دوسری قراءات کو غلط سمجھتا تھا۔ یہ اصل غلطی تھی، جس کی درستی کیلئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی عرض کی۔ اَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ بِرَأْسِ كَرَامِ اس اُمت کو سنبھالنے کا بندوبست کیجئے۔ ان الفاظ سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ آرمینیا اور آذربائیجان میں اسی فتنہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا کہ کہیں سبعہ احرف ختم نہ ہو جائیں اور ایک ہی قراءات باقی رہ جائے۔ لہذا اس کا تدارک ضروری تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے منقول تمام قراءاتوں کی حفاظت کا بندوبست کیا جاسکے۔ چونکہ ہر قبیلہ اپنی ہی یعنی ایک ہی قراءات کو درست خیال کر رہا تھا، لہذا اس فتنہ سے بچانا مقصود تھا اور دیگر قراءات کا منزل من اللہ ہونا باور کرانے کی ضرورت تھی اور سبعہ احرف کو محفوظ کرنا ضروری تھا۔ نیز یہ بات قیامت تک کیلئے ثابت کرنا مقصود تھی کہ قرآن صرف ایک قراءات پر نہیں بلکہ سبعہ احرف پر نازل ہوا ہے۔ لہذا ان تمام احرف کی پاسداری ضروری ہے اور صرف ایک قراءات کو تسلیم کرنا درست نہیں ہے۔

اہل علم سے علمی و تحقیقی کام کروانا بذات خود بڑا کٹھن کام ہے۔ علم تجوید و قراءات کے حوالے سے یہ کام اور بھی

دشوار ہے کیونکہ عموماً اس علم کے شناور حضرات قلم کاری سے عاری ہوتے ہیں اور قلم کاری کا تجربہ رکھنے والے قابل قدر حضرات اس علم کی قدر سے محروم ہیں۔ اس حوالے سے اس خالص فنی علم پر اہل علم سے تحقیقی مضامین لکھوانا یقیناً جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ تاہم رُشد کے ذمہ دار حضرات اس جوئے شیر کو لانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے علوم قرآنی کے حوالے سے اس اہم علم کو ماہنامہ رُشد کی شکل میں جمع کر کے انتہائی اہم خدمت سرانجام دی ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ انسان کی ہر کوشش توفیق الہی سے ہوتی ہے۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ کوئی بھی انسانی کوشش تمام تر کامیابیوں کے باوجود کامل و اکمل نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی شخص اپنی کوشش پر اتمام کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ تکمیل و اتمام کی سند صرف اور صرف کلام الہی کو حاصل ہے۔ اس تناظر میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ ماہنامہ رُشد کا مذکورہ نمبر اگرچہ بنیادی طور پر قراءات کے دفاع میں شائع کیا گیا ہے لیکن عجب اتفاق ہے کہ اس میں بعض ایسی تحریریں بھی شامل ہیں، جن سے قراءات کی تنقیص و تردید کا پہلو بھی سامنے آتا ہے یا ان میں متنوع قراءات کی تردید میں مضبوط دلائل بھی مہیا ہوتے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۳۲۵ پر ایک مضمون قواعد نحو پر قراءات قرآنیہ کے اثرات کے عنوان سے ہے۔ یہ مضمون ڈاکٹر نبیل بن محمد ابراہیم کا ہے جس کا اردو ترجمہ سبج الرحمن نے کیا ہے۔ اس کا ذیلی عنوان 'قراءات قرآنیہ کے بارے میں نحویوں کا موقف' اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ نحوی جتنا قراءات قرآن کے بارے میں ایک دوسرے کا رد اور معارضہ کرتے ہیں، اتنا کسی اور علم میں نہیں کرتے، چنانچہ مختلف زمانوں میں قراءات قرآنیہ اکثر نجات کے اختلافات کا نشانہ بنی رہیں وہ انہیں کبھی غلط، کبھی ضعیف اور کبھی صحیح قرار دیتے رہے اور یہ اختلاف طویل ہوتا چلا گیا۔“

پھر مزید لکھتے ہیں: ”قواعد نحو کا مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بعض نحویوں نے قراءات کی تردید کی ہے۔ خاص طور پر ان قراءات کی جو نحوی اعتبار سے مشکل و پیچیدہ ہیں اور اس تردید کا سبب ان کا یہ نظریہ و عقیدہ ہے کہ قراءات دراصل اختیارات قراء ہیں، جو ان کی ذاتی اختراع ہیں نیز یہ رسول اللہ ﷺ سے تو اتر سے منقول نہیں ہیں۔ اس بات کی تائید ابن نمیر کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے زخمری کے تعاقب میں آنے والے قول کے بارے میں اضافوں کے درمیان فاصلہ کرنے والی ابن عامر کی قراءات کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ زَيْنٌ لِّكَيْفِيٍّ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادَهُمْ شُرَكَاءَهُمْ﴾ [الأَنْعَامُ: ۱۳۷] اس آیت مبارکہ میں امام ابن عامر شامی لفظ قتل کو مرفوع اور شرکاءہم کو اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھتے ہیں۔ ابن نمیر نے کہا کہ یہ زخمری کا ظن ہے اور ابن عامر نے اس قراءت کو اپنی رائے سے پڑھا ہے۔“

اسکے علاوہ املائی اغلاط نے رُشد کے حسن کو گہنا دیا ہے۔ کاش یہ اغلاط اتنے خوبصورت علمی اور تحقیقی مجلہ میں نہ ہوتیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ماہنامہ رُشد کی تیاری میں جلد بازی سے کام لیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ فہرست مضامین تیار کرتے ہوئے بھی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور بہت سے مضامین کا فہرست میں تذکرہ سرے سے نہیں ہے۔ مثلاً صفحہ

۲۸۷ سے لے کر ۳۸۹ تک کے تمام مضامین کا فہرست میں ذکر نہیں ہے اور مضامین کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

- ① 'علم قراءات اور قراءات شاذہ' یہ مضمون حافظ انس نصر مدنی کا ہے جو صفحہ ۲۸۷ سے لے کر صفحہ ۳۰۲ تک پھیلا ہے۔
- ② 'قراءات شاذہ تعارف اور شرعی حیثیت' یہ مضمون عمران ایوب لاہوری کا ہے جو صفحہ ۳۰۳ سے ۳۰۷ تک ہے۔
- ③ 'قراءات قرآنیہ میں اختلاف کی حکمتیں اور فوائد' یہ مضمون ڈاکٹر ابو جہاد عبدالعزیز القاری کا تحریر کردہ ہے، جس کا ترجمہ قاری محمد حسین نے کیا ہے۔ یہ مضمون صفحہ ۳۰۸ سے لے کر ۳۲۱ تک پھیلا ہوا ہے۔
- ④ 'مسائل عقیدہ پر قراءات کے اثرات' یہ مضمون ڈاکٹر عبدالکریم ابراہیم صالح کا ہے جس کے مترجم قاری محمد حسین

- ہیں۔ یہ صفحہ ۳۲۲ سے لے کر صفحہ ۳۳۵ تک ہے۔
- ⑤ 'تفسیر قرآن میں قراءات کے اثرات' اس کے لکھنے والے ڈاکٹر نیل بن محمد ابراہیم ہیں۔ ترجمہ محمد عمران اسلم کا ہے۔ صفحہ ۳۳۶ سے لے کر صفحہ ۳۴۴ تک ہے۔
- ⑥ 'قواعد نحو میں قراءات قرآنیہ کے اثرات' یہ مضمون بھی ڈاکٹر نیل بن محمد ابراہیم کا ہے۔ مترجم سمیع الرحمن ہیں۔ یہ مضمون صفحہ ۳۴۵ سے لے کر صفحہ ۳۶۰ تک ہے۔
- ⑦ 'مسئلہ خلط قراءات اور علمی تحریرات کا فنی مقام' یہ مضمون حافظ حمزہ مدنی اور قاری فہد اللہ مراد نے مل کر لکھا ہے۔ صفحہ ۳۶۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۷۷ پر ختم ہوتا ہے۔
- ⑧ 'قرآن کریم کو قواعد موسیقی پر پڑھنے کی شرعی حیثیت' اس مضمون کو قاری فہد اللہ مراد نے لکھا ہے۔ صفحہ ۳۷۸ سے صفحہ ۳۹۱ تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ تمام مضامین اپنے عنوانات کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں لیکن فہرست میں ان آٹھ مضامین کا تذکرہ بالکل نہیں۔ ہم ادب سے عرض کریں گے کہ ان مقامات کی نشاندہی سے ہرگز تنقیص مقصود نہیں، بلکہ حق تنقید کی ادائیگی میں انصاف برتنا ہے، تاکہ نقش ثانی میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور خوب سے خوب تر کی جستجو برقرار رہے۔

ہم ماہنامہ 'رشد' کے تمام کارپردازوں کو اس نمبر کی تیاری پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور بجا طور پر امید کرتے ہیں کہ یہ نمبر شائقین علم تجوید و قراءات کے لیے خصوصاً اور محققین کے لیے عموماً انتہائی گراں بہا نعمت ثابت ہوگا۔

نوٹ: اطلاعاً عرض ہے کہ ماہنامہ 'رشد' کا دوسرا حصہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس پر تبصرہ ان شاء اللہ ماہنامہ التجوید کے اگلے شمارے میں شائع کیا جائے گا۔ قارئین انتظار فرمائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر، ایڈیٹر ماہنامہ التَّجْوِید



[۱]

برصغیر پاک و ہند کو علوم و فنون کی ترویج و ارتقاء میں خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے، یہاں کے علماء نے ادب اور دیگر فنون میں معرکہ الاراء یا داگاریں ورثہ میں چھوڑی ہیں، مثال کے طور پر صاحب 'مشارق الأنوار' علامہ صفحانی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۵ھ) ہی کو لیجئے جن کو اس مٹی نے جنم دیا اور مشرق وسطیٰ میں دوران قیام انہوں نے 'العباب الذاکر' جیسی لغت تصنیف کی جو ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷ھ) کی 'لسان العرب' سے بھی کئی لحاظ سے بہتر تسلیم کی گئی ہے، اسی طرح شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۳۷ء) سے لے کر تاحال علوم حدیث اور شروحات حدیث میں علماء برصغیر کی شاندار خدمات عالم عرب میں بھی اہل علم کے لیے اہم مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

برصغیر کی علمی شخصیات اور کارناموں کی تفصیل علی متقی الہندی کی 'الثقافة الإسلامية في الهند'، آزاد علی بلگرامی کی 'مسحة المرجان'، عبدالحی آکسنی کی 'نزهة الخواطر' اور ڈاکٹر زبیر احمد کی عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، مترجم شاہ حسن رزاقی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ برصغیر میں علوم القرآن میں سے بالخصوص علم القراءات پر نسبتاً کم توجہ رہی ہے، اگرچہ علامہ رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۸ھ) اور ان کے بھتیجوں امام القاری عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۱۹ء) اور

تیسرہ جات ماہنامہ رُشد قراءات نمبر

شیخ القراء عبدالرحمن کبی الہ آباد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۳۰ء) کی مساعی جمیلہ سے قراءات کی روایت اور شفیق حفاظت کا ہندوستان میں رواج ضرور ہوا، نتیجہ ہمارے یہاں جتنے مشاہیر قراء ہیں وہ تقریباً ان ہی حضرات کے تلامذہ اور سلسلہ میں سے ہیں، لیکن ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۴۱ھ) اور حکیم الامت مولانا آشراف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۲ھ) کی تجوید اور قراءات پر چند تصنیفات 'تنشیط الطبع'، 'وجوہ المثنائی'، اور جمال القرآن وغیرہ، قاری ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کی 'شرح سبعة قراءات' اور قاری شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی 'القصيدة الشاطبية' کی اُردو شرح 'عنایت رحمانی' اور 'کاشف العسر شرح ناظمة الزهر' قاری ظہیر الدین اعظمی کی 'احیاء المعانی اور چند رسالوں کے علاوہ کوئی قابل ذکر بنیادی نوعیت کا مواد نہیں ملتا۔

برصغیر کے نامور قراء کے حالات اور خدمات کے تفصیلی مطالعہ کے لیے کرنل قاری مرزا بسم اللہ بیگ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۵ء) کی تالیف 'تذکرہ قاریان ہند' ملاحظہ کریں جو اس حوالے سے انتہائی بیش قیمت معلومات فراہم کرتی ہے۔

اس لحاظ سے ماہنامہ 'رُشد' کے مدیر اور منتظمین قابل مبارکباد ہیں، جنہوں نے اس اہم پہلو پر جو براہ راست قرآنی الفاظ سے متعلق ہے، پر اب تک ہونیوالے کام کو مفاد عامہ کے لیے دلکش ترتیب کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ میرے لیے یہ امر قابل اطمینان اور باعث شکر ہے کہ میں نے علم القراءات کے ایک ایسے پہلو پر قلم اٹھایا جس کا تعلق اس فن کی تاریخ و استناد پر استثنائی آراء کے نقد و تجزیہ کے ساتھ ہے، اس بحرِ ذخار میں پھینکے ہوئے میرے ایک کنکر نے اپنی گرداب میں کئی نوجوان مسلم سکارلز کو لیا، میرے ان عزیز تلامذہ میں سے خاص طور پر محمد فیروز الدین شاہ کھگہ، فرحت عزیز اور حفصہ نسرین نے باقاعدہ طور پر پنجاب یونیورسٹی میں لکھے گئے ایم۔ فل کے مقالات میں اسی موضوع کو قابل بحث نکتہ بنایا اور میرے زیر نگرانی کام مکمل کیا۔ ان تحقیقات کو ماہرین فن اور علم حلقوں میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ میری نظر میں اس فنی موضوع پر ماہنامہ 'رُشد' کی اس قدر سنجیدہ علمی کاوش کے اثرات فن قراءات کی اہم انجاسات سے شناسائی کے لیے انتہائی تاریخ ساز ثابت ہوں گے۔

جناب حافظ عبدالرحمن مدنی اور عزیزم ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی اس عظیم کام کی انجام دہی پر خصوصی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ اس مخلصانہ سعی کو قرآن کریم اور اسکی متنوع قراءات کے ثمرات سے بہرہ مند ہونے کا سبب بنائے۔ آمین!

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری  
وائس چانسلر، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

[۲]

محترم مدیر ماہنامہ رُشد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہنامہ رُشد قراءات نمبر موصول ہوا، رسالہ کے مندرجات دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ قراءات کے حوالے سے برصغیر پاک و ہند کے ماحول میں ایک وسیع خلا موجود تھا جو الحمد للہ ماہنامہ رُشد قراءات نمبر نے کافی حد تک پورا کر دیا ہے۔ مجلہ کا ہر مضمون اپنی جگہ علمی اور تحقیقی مقام رکھتا ہے، لیکن اہل تحقیق کیلئے مقالات اور مخلوطات کے اشاریہ جات والا مضمون بہت مفید ہے۔ مجلہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ اس کا دیگر زبانوں خصوصاً عربی اور انگلش میں ضرور ترجمہ ہونا چاہئے۔ دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

چیمبر مین شعبہ علوم اسلامیہ، ڈائریکٹر سیرت چیمبر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور



[۳]

محترم جناب قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی جانب سے روانہ کردہ ماہنامہ 'رشد' (قراءات نمبر حصہ اول) بہت روز قبل موصول ہوا۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کی یہ کاوش نہایت ہی لائق تحسین ہے۔ اس سے قبل اردو زبان میں ایسی جامع کاوش نہیں کی گئی۔ اس خصوصی شمارے میں قراءت سے متعلق تحقیقی مواد کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ محققین کو اس خصوصی شمارے سے کافی راہنمائی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ادارہ کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

محمد شفیق کوکب کے مضمون 'اشاریہ بر موضوع علم تجوید و قراءات' قارئین کیلئے نہایت کارآمد معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس خصوصی شمارے کے تمام مضامین نہایت ہی قابل قدر علماء و سکا لرحضرات کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ شمارہ ایک ایسی علمی دستاویز ہے جس سے ہر شخص، خاص طور پر جن کو علوم القرآن سے لگاؤ ہے، استفادہ کر سکتا ہے۔ اس خصوصی شمارے کی اشاعت پر شعبہ اسلامیات بلوچستان یونیورسٹی جامعہ لاہور کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔ والسلام!

پروفیسر ڈاکٹر غلام محمد جعفر

صدر شعبہ اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ

[۴]

محترمی جناب مدیر اعلیٰ ماہنامہ 'رشد' لاہور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی طرف سے ماہنامہ 'رشد' کا 'قراءات نمبر' دوم موصول ہوا جس پر میں آپ کا تہ دل سے ممنون ہوں، اس رسالہ کو میں نے جزوی طور پر پڑھا، اس حوالے سے چند معروضات پیش خدمت ہیں:

قرآن مجید علوم کا بیش بہا خزانہ اور گرانقدر مخزن ہے، علوم القرآن میں علم القراءات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن دیگر علوم کی طرح یہ علم بھی قسط الرجال کا شکار ہے۔ علم القراءات کی اس اہمیت کے پیش نظر ادارہ ماہنامہ 'رشد' کی جانب سے اس خصوصی نمبر کی اشاعت اس علم کی بہت بڑی خدمت ہے۔

مجلہ کے عناوین اور مقالات جہاں ایک قاری کو بہت سی علمی معلومات فراہم کرتے ہیں وہاں ایک محقق کو مزید تحقیق کیلئے بہت سے پہلوؤں کی راہنمائی بھی کرتے ہیں۔ ان عنوانات کا انتخاب ادارہ کا علم القراءات سے گہری دلچسپی کا مظہر بھی ہے۔

اس مجلہ کا ہر مقالہ علمی اعتبار سے ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے خصوصاً علم القراءات سے متعلق کتب کی فہرست، بین الاقوامی سطح کی یونیورسٹیوں میں لکھے گئے تحقیقی مقالات کی فہرست اور مخطوطات کی فہرست محققین کے لیے بہت سود مند ہوگی۔ ۹۳۶ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم مجلہ ترین ۵۳۷ مقالات پر مشتمل ہے۔ اس ادارہ سے شائع ہونے والا ماہنامہ 'محدث' تحقیق کی دنیا میں اہم مقام کا حامل ہے، تحقیق کی وہ روایت اس مجلہ کے مقالات میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ بایں وجہ اس مجلہ کو علم القراءات کا انسائیکلو پیڈیا کہنا بے جا نہ ہوگا۔ ادارہ 'رشد' کی جانب سے اس سے قبل بھی متعدد خصوصی نمبر شائع ہو چکے ہیں ان نمبرز میں قراءت کا یہ خصوصی نمبر ایک بہترین علمی اضافہ ہے۔

ڈاکٹر محفوظ احمد

چیرمین اسلامک سٹڈیز ڈیپارٹمنٹ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

[۵]

الحمد لله رب العلمین، والصلاة والسلام على سيد المرسلین، وعلى آله وصحبه أجمعین۔  
دو جلدوں پر مشتمل، ۱۶۰۰ سے زائد صفحات پر محیط ماہنامہ رُشد کا قراءات نمبر دیکھنے کا موقع ملا، جامعہ لاہور  
الاسلامیہ اور مجلس تحقیق الاسلامی کے علماء اور اسکالرز بجا طور پر اس علمی کارنامے پر فخر کر سکتے ہیں۔  
برصغیر میں جہاں قرآن کی تفسیر، تشریح، اور ترجمہ پر کام ہوا، وہاں قراءات پر وہ کام نہیں ہوسکا جو اس علاقے میں  
ہونا چاہئے تھا جبکہ علماء اور قراء کرام کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، اس کے بارے میں رُشد کے فاضل ادارہ نویس نے  
لکھا ہے۔ مثلاً ہمارے ان اداروں (خصوصاً برصغیر پاک و ہند) میں متنوع قراءات قرآنیہ کو بطور نصاب پڑھانے  
سے صرف نظر کیا گیا ہے، بظاہر اس دیدہ دانستہ انماض کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔“ [اداریہ قراءات نمبر جلد اول ص ۲]

قراءات کی افادیت کے حوالے سے ص ۲ پر رقم طراز ہیں:

”یہی قراءات قرآنیہ تفسیر قرآن میں جمل معنی کی وضاحت کر رہی ہوتی ہیں، انہیں قراءات کی بنیاد پر استنباط احکام  
میں ایک فقیہ کو راجح مسلک کا علم ہوتا ہے، یہی قراءات عقیدہ سلف کی توضیح اور نکھار میں مدد و معاون ثابت ہو رہی ہوتی  
ہیں، انہی کی بنیاد پر قرآن کو وہ امتیاز اور اعجاز ملتا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں کفار کو چیلنج کی صورت میں کیا گیا۔“  
قراءات نمبر نے یہی کمی پوری کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قراءات کی اہمیت کا احساس دلایا  
ہے تاکہ جو کمی رہ گئی ہے وہ پوری ہو سکے اور قرآن کریم کا حق ادا ہو سکے۔

یہی ہدف پورا کرنے کے لیے ان شماروں میں تعارف قراءات، حجیت قراءات، کتب قراءات، منکر قراءات کے  
شبہات کا رد، تاریخ قراءات، مباحث قراءات، قراءات کے حوالے سے اعجاز قرآنی، علوم قراءات اور تاریخی کتب  
سے مختلف ادوار میں قراء کرام کا ایک جامع تذکرہ شامل کیا گیا ہے۔

اس کاوش میں جہاں اردو مراجع سے استفادہ کیا گیا وہاں عربی میں موجود مضامین کو بھی اردو کے قالب میں ڈھالا  
گیا۔ مختلف اہل علم سے ان امور پر مضامین لکھوائے گئے۔ اور ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ انکا قراءات کے حوالے سے کئی  
مضامین شامل اشاعت کئے گئے ہیں جس میں منکرین کے اعتراضات کا جائزہ لے کر ان کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔  
اس بھر پور کارنامہ کے باوصف اس میں ایک نقشی کا احساس ہوتا ہے کہ اس میں ان اداروں کا تعارف بھی شامل  
ہونا چاہئے تھا جو کہ عالم اسلام میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اس فن کی ترویج اور اشاعت کا کام کر رہے ہیں۔  
اللہ تعالیٰ حافظ عبدالرحمن مدنی اور ان کے رفقاء کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے نہایت عرق ریزی  
اور جدوجہد سے یہ شمارے تیار کئے اور ان کو اشاعت عام کے لیے نشر کیا، والحمد لله رب العالمین۔

ڈاکٹر سہیل حسن

ادارہ تحقیقات اسلامی، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

[۶]

**جناب سرپرست اعلیٰ مولانا عبدالرحمن مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!**

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت عطا کریں۔ آپ نے علمی کاوش کا سلسلہ جاری رکھ کر امت مسلمہ کی بڑی خدمت  
فرمائی ہے۔ آپ کے ساتھ جو احباب اس کام میں شریک ہیں وہ سارے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مجلہ رُشد کی دو  
جلدیں میرے پیش نظر ہیں۔ ماشاء اللہ جلد اول پر ۱۹ مقامات اور جلد دوم میں بارہ مقامات پر جو عالمانہ اور فاضلانہ

انداز میں مقالات لکھے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت عطا کریں۔  
مجموعی اعتبار سے 'رشد' کا انداز بھی اچھا محققانہ بھی ہے۔ جلد اول میں مولانا اصلاحی صاحب کے بارے میں  
پروفیسر محمد رفیق چودھری صاحب کا مضمون پڑھا اس میں بعض جگہ تنقید میں ایسی زبان استعمال ہوئی ہے جو مناسب  
نہیں۔ تنقید کرتے ہوئے بھی آداب زبان کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ بہر حال مجموعی اعتبار سے یہ دونوں مجلدات وسیع علم  
و معلومات پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کی ٹیم کو مزید ہمت عطا کریں۔ آمین

ڈاکٹر حمید عبداللہ القادر

شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ پنجاب لاہور

[۷]

محترم و مکرم جناب حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ، سرپرست ماہنامہ 'رشد' لاہور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
مجلس تحقیق الاسلامی، لاہور کی طرف سے ماہنامہ 'محدث' لاہور کا تو ایک عرصہ سے قاری ہوں۔ مجلہ مذکور کا ملک  
کے علمی حلقوں میں جو مقام ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

غالباً دو سال سے ماہنامہ 'رشد' نے چند خاص نمبر نکال کر بہت جلد علمی حلقوں میں مقام بنا لیا ہے۔ میرے پیش نظر اس  
وقت 'رشد' بابت ماہ جون اور ماہ ستمبر ۲۰۰۹ء کے قراءات نمبر ہیں۔ ابھی تک سرسری طور پر نظر ڈالی ہے۔ فن تجوید  
وقراءات پر جو مضامین آپ نے جمع کر دیئے ہیں یقیناً یہ ایک اہم دستاویز ہے اگرچہ بعض مضامین پہلے سے مطبوع  
ہیں تاہم ان کا یکجا ہونا بھی خاصے کی چیز ہے کیونکہ یہ خالصتاً ایک نئی موضوع ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ آپ تیسرا  
اور آخری نمبر لانے کی نوید بھی سنار ہے ہیں یقیناً اس میں بھی اسی پائے کے مضامین و مقالات لائیں گے۔ ناچیز کی  
طرف سے ان دو مجلوں کی اشاعت پر آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو مبارک ہو۔ یہ چند سطور بطور 'وصولی' کی رسید سمجھ  
لیجئے۔ ان شاء اللہ فیصلی طور پر بعد میں لکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت عطا فرمائے۔ والسلام مع الإكرام

ڈاکٹر محمد عبداللہ

ایسوسی ایٹ پروفیسر شیخ زاید اسلامک سنٹر، لاہور

[۸]

گرامی قدر مدبر ماہنامہ 'رشد' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
ماہنامہ 'رشد' کی علم القراءات پر دو اشاعتیں موصول ہوئیں۔ ارسال پر شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ حجت قراءات اور  
علوم القراءات کے تعارف کے حوالے سے آپ کی جہود مبارکہ کو قبول فرمائے۔ آمین  
یہ ایک فطری بات ہے کہ ہر زبان کے بولنے والے انداز بیان اور لہجات میں مختلف ہوتے ہیں ایک ہی لغت  
بولنے والے متعدد قبائل میں درج ذیل امور کا اختلاف ناقابل انکار حقیقت ہے۔

① ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا

② حرکات کا اختلاف۔ چنانچہ ایک قبیلہ کسرہ پڑھتا ہے تو دوسرا فتح یا ضمہ۔

③ ایک مثنوی کے متعدد نام، ان وجوہ اختلاف کا مشاہدہ برصغیر کی زبانوں میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

قرآن حکیم جزیرۃ العرب کے متمدن مراکز کے انداز بیان میں اترا جبکہ گرد و نواح میں کئی قبائل آباد تھے جن کے

بولنے کے مذکورہ بالا انداز تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو قبائل عرب سے وفود کی آمد ہونے لگی جن کیلئے متدن مراکز کی زبان غیر معتاد تھی اور ان کیلئے صحیح تلفظ ممکن نہ تھا، مثلاً قبیلہ ہذیل کا حاء کو 'عین' پڑھتے ہوئے 'حتی حین' کو 'عتی عین' پڑھنا، اور قبیلہ حمیر کا لام تعریف کو میم سے بدلتے ہوئے 'الحمد' کو 'امحمد' پڑھنا، 'الصیام' کو 'امصیام' پڑھنا، تو ایسے لوگوں کو اپنے انداز میں تلاوت کی اجازت دے دی گئی البتہ وہ جب درست تلفظ کے عادی ہو گئے تو یہ اجازت منسوخ ہو گئی اور جو کلمات قرآنی فصاحت و بلاغت کے معیار پر پورا اترتے تھے اور انکے ساتھ تفسیری و لغوی فوائد وابستہ تھے ان کو باقی رکھا گیا۔ تقدیم و تاخیر، حروف کی کمی و بیشی، انداز بیان کا تنوع دیگر زبانوں کی طرح عربی میں بھی تھا ان کا سماع جب رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً یا موقوفاً، قولاً یا سکوٹاً و تحسیناً ہوا تو وہ قرآنی اصطلاح میں قراءات کہلانے لگیں۔ اور یہ وجوہ تغیر نقل در نقل اُمت میں چلے آ رہے ہیں اس طرح قراءات کا سلسلہ سماعی ہے آداء اور تلاوت میں قیاس کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ منصوص ہیں۔ اس پر درج ذیل دلائل بڑے واضح ہیں۔

- ① نبی ﷺ کا بار بار جبریل امین ؑ سے اُمت کی تخفیف کی بابت سوال کرنا۔
- ② سیدنا ہشام اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان سورۃ الفرقان میں اختلاف قراءت ہونا اور حضور ﷺ کا دونوں کی تحسین کرنا۔
- ③ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اپنے دو احباب کے ساتھ سورۃ نحل کی وجوہ قراءت میں اختلاف ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا دونوں کی تصدیق کرنا۔

④ رسم قرآنی کا عام عربی رسم الخط سے مختلف لکھنا جیسے دحی مشتق ہے دحو سے اور جب کوئی کلمہ معتل الآخر واوی ہو تو اسکوالف سے بدلا جاتا ہے نہ کہ یاء سے جیسے دعو سے دعا۔ لیکن رسم قرآنی میں دحا کی بجائے دحی، یاء کے ساتھ، لکھا گیا ہے اور یہ کام صف اول کی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہے۔ اس میں قراءت کی بھی رعایت پیش نظر تھی۔ پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس رسم الخط پر اجماع ہے اور اُمت میں اس کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے جو از خود حجت ہیں۔

- ⑤ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ حکمت عملی تھی کہ جہاں رسم الخط میں قراءت مسموعہ کی گنجائش ہو، ان کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نسخ پر ہی لکھا جائے لیکن تقریباً ۴۱ مقامات میں رسم الخط کی یکسانیت میں متعدد قراءات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مختلف مصاحف میں الگ رسم الخط میں لکھا۔ جیسا کہ مصحف مدنی اور شامی میں 'سار عوا' بغیر واؤ کے اور دیگر مصاحف میں واؤ کے ساتھ لکھا ہوا ہے، اور ان مصاحف ستہ پر پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔
- ⑥ اُمت میں قراءات کی نسبت جن مشہور قراءت عشرہ کی طرف ہے وہ تمام کے تمام بالواسطہ یا بلا واسطہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض یافتہ ہیں۔ جن صحابہ رضی اللہ عنہم پر رسول اللہ ﷺ نے 'ما أنا علیہ وأصحابی' [جامع الترمذی: ۲۶۴۱] فرما کر ہی اظہار اعتماد نہیں کیا بلکہ اُمت کو بھی ان کی اتباع کی تلقین کر دی۔

یہ وہ حقائق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءات کا تعلق سماع سے ہے۔ محض لغت سے از خود کوئی وجہ نکال کر اس کو قراءت قرار دینا طبعی غلط اور بے بنیاد ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس اُن کے ذاتی مصاحف تھے جن میں موجود قراءت کو نظر انداز کر دیا گیا تو یہ سوال لاعلمی پر مبنی ہے، دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات لکھنا جانتے تھے وہ حضور ﷺ کی مجلس میں قرآنی متن اور تفسیر دونوں سنتے اور لکھتے تھے اس کے بعد دروازہ اسفار میں چلے جاتے تھے۔ اس طرح وہ مصاحف متن کے اعتبار سے بھی مکمل نہ تھے۔ اور دوسرا یہ کہ ان میں اضافات تفسیر یہ

تبصرہ

حافظ محمد عبداللہ

بھی تھے جو کسی طور اصطلاحی قراءات قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب متن قرآنی کو یکجا کرنے کا فیصلہ کیا تو ظاہر ہے کہ اضافات تفسیر یہ کیلئے اس میں گنجائش نہیں تھی۔ لہذا رسم الخط ایسا اختیار کیا کہ قراءاتِ مسموعہ کی وجوہات پر محیط ہو سکے اور تقریباً ۴۱ مقامات میں ایک رسم الخط کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مختلف مصاحف پر تقسیم کر دیا اور شخصی مصاحف کو جلا دیا کہ اُمت کے اندر اختلاف کا باعث تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ ایک ماہر قاری بھی بھیجا جو لوگوں کو درست انداز میں پڑھا سکے اور محض لغت سے وجوہ قراءات نکالنے کا سد باب ہو سکے۔ اس پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اگلے دور میں انہی قراءات مسموعہ کو مدون کیا گیا اور درس و تدریس نیز تالیف کے ذریعہ اخلاف تک منتقل کیا گیا۔ جن میں تفسیری فوائد کے علاوہ لغوی، نحوی اور اشتقاقیات کے حوالے سے بھی استنباط کیا جاسکتا ہے۔ ایسے اجماعی مسئلے سے انحراف کرنا، نہ صرف کہ کتاب اللہ کو مشکوک بنانے والی بات ہے بلکہ دین اسلام کی اساس کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

میں آخر میں ایک دفعہ پھر اس عظیم الشان کارنامے پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس دینی خدمت و حمیت کو قبول فرمائے اور اس مبارک سلسلہ کو آگے بڑھانے میں آپ کی مدد فرمائے۔ آمین

قاری تاج آفر

شعبہ تفسیر و علوم قرآن، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

[۹]

قابل صدا احترام ڈاکٹر حمزہ مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے آپ سب خیریت سے ہوں اور اللہ کی رضا والے کاموں میں اپنے اوقات گزار رہے ہوں۔ دین کی سمجھ اور خدمت عطا ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ جامع اور علمی ماہنامہ 'رشد' ملا۔ بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے معذور ہوں۔ لیکن ایک نظر دوڑانے سے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ بڑا وقیح علمی اور اسم با مستی رسالہ ہے۔ دُعا ہے کہ اُردو دان طبقہ کیلئے مفید ثابت ہو۔ بڑا قابلِ قدر کام ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر محمد عمر، پشاور یونیورسٹی، پشاور

[۱۰]

مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدا کرے کہ آپ مع اہل و عیال اور اعزہ و احباب بخیر و عافیت ہوں۔ آپ کے ٹیلیفونک اصرار کے زیر اثر 'رشد' کے قراءات نمبر پر نہایت مختصر تبصرہ ارسال خدمت کر رہا ہوں، قبول فرمائیے۔ تیسرے حصے کا شدت سے انتظار کر رہا ہوں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

ماہنامہ 'رشد' کے قراءات نمبر کے دونوں حصے، مجھے فراہم فرما کر، آپ نے از حد شفقت فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان دونوں حصوں کا میں مطالعہ نہ کر پاتا، تو علم کے نہایت اہم حصہ سے محروم ہو کر رہ جاتا۔ میرے نزدیک یہ خاص نمبر، علم قراءات کے حوالے سے انتہائی علمی، از حد قیمتی اور بہت ہی اہم دستاویز ہے۔ میرے علم و مطالعہ کی حد تک، پاکستان میں اس قدر جامع اور دقیق کاوش، اس سے قبل، منظر عام پر نہیں آسکی۔ اس حوالے سے ہمارے سیکولر تعلیمیافتہ حضرات کے قلوب و آذہان میں، جو شوک و شبہات، مستشرقین اور اُن کے مسلم تلامذہ کے قلم سے پیدا کئے گئے ہیں،

ان کے ازالہ کیلئے یہ خصوصی شمارے، اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔

یوں تو ان دونوں حصوں میں، سارے ہی مقالات بہت علمی، قیمتی اور معلومات افزاء ہیں، لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو میری نظر میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حصہ اول میں 'اختلاف قراءات قرآنیہ اور مستشرقین'، 'قراءات قرآنیہ اور مسلم متجددین'، 'قراءات قرآنیہ کا مقام اور مستشرقین کے شبہات'، 'قراءات متواترہ اور ادارہ طلوع اسلام'، 'منکر قراءات، علامہ تنما عمادی کے نظریات کا جائزہ'، 'قراءات کے بارے میں اصلاحی اور غامدی موقف' بہت بلند پایہ اور مُربل شبہات مقالات ہیں، تاہم جس مضمون نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ حافظ محمد زبیر صاحب کا مقالہ 'قرآن اور قراءات قرآنیہ کے ثابت ہونے کا ذریعہ ہے۔ دوسرے حصہ کے مضامین بھی گراں قدر اور انتہائی اہم ہیں۔ مطالعہ قرآن کے دوران، جن امور پر میری نگاہ، بالعموم مرکوز رہتی ہے، وہ صرف ونحو سے متعلقہ نوادرات ہیں یا پھر لغوی تحقیق سے وابستہ قرآنی مفردات ہیں۔ اس پہلو سے، حصہ دوم کے بعض مقالات نے میرے سامنے غور و فکر اور علمی و تحقیق کے نئے راستے کھولے ہیں۔ اسی لحاظ سے، میں جن مقالات سے متاثر اور مستفید ہوا ہوں، ان میں 'نظریہ لُحُو القرآنی، ایک تحقیقی جائزہ'، 'استثنائی نظریہ ارتقاء اور قراءات قرآنیہ'، 'جمع قرآن، پرویزی افکار کا جائزہ'، 'نحوی و لغوی قراء کرام' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس ضخیم اور قیمتی نمبر کی اشاعت پر، میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کی اس عظیم کاوش کو قبول و منظور فرمائے اور عامۃ الناس کیلئے یہ نفع بخش بنادے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد دین قاسمی  
جی سی کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

[ ۱۱ ]

### ماہنامہ رُشد 'قراءات نمبر' [حصہ دوم]

ماہنامہ رُشد کے ذمہ دار حضرات نے علم تجوید و قراءات کے حوالہ سے اپنی مساعی کو وقف کر رکھا ہے۔ ماہنامہ رُشد قراءات نمبر کا یہ دوسرا حصہ ہے۔ حسب سابق یہ بھی خاصا ضخیم ہے اور ۹۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سے بہت ہی قلیل عرصہ قبل وہ رُشد کا حصہ اول شائع کر چکے ہیں۔ موجودہ نمبر میں بھی متعدد اہل علم کے مضامین شامل ہیں۔

ماہنامہ رُشد کا حصہ دوم، نام سے بھی ظاہر ہے پہلے حصہ ہی کا تسلسل ہے۔ اس کی تیاری میں بھی انہوں نے خاصی محنت کی ہے اور بہت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ حصہ دوم کے بیشتر مضامین کا عنوان علم قراءات کے اختلافات، اسباب و علل نیز قراءات کی حجیت ہے۔ جس پر اس علم کے شاور حضرات نے علمی موتیوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یقیناً یہ کوشش انتہائی اہم ہے۔

ماضی قریب میں بعض کوتاہ فہم حضرات کے ذہنوں میں اس سوچ نے جنم لیا کہ مختلف قراءات غلط ہیں، معاذ اللہ! ان میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا قرآن کے نظریہ حفاظت کو متاثر کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک بلکہ جمہور اہل علم کے ہاں مختلف قراءات کا وجود نظریہ حفاظت قرآن کیلئے بذات خود سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ حامل قرآن رحمت للعالمین محمد ﷺ کے نطق سے منقول تمام طرق تلاوت آج تک پوری طرح محفوظ ہیں۔ جب طرق تلاوت اور انداز تلاوت تک محفوظ ہیں تو عبارت میں کمی بیشی از خود بعید از امکان قرار پاتی ہے۔ رُشد کی موجودہ اشاعت کے بیشتر مضامین میں اسی منفی سوچ پر محاکمہ اور مجادلہ کیا گیا ہے اور علمی و تحقیقی بنیادوں پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سب سے اہل حرفت ہیں، محفوظ ہیں۔ ان میں تلاوت نہ صرف جائز بلکہ فرض کفایہ ہے۔

ماہنامہ 'رُشد' کے کارپردازوں کے مطابق وہ ماہنامہ 'رُشد' کی تیسری جلد بھی پیش کرنے کا عزم لیے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ 'رُشد' کا نقش سوم علم تجوید و قراءات کے حوالے سے مزید علمی مباحث کا حصر کرے گا۔ جس سے اس علم کے مزید خفیہ گوشے منور ہوں گے۔ ہماری دانست میں ماہنامہ 'رُشد' نے علم تجوید و قراءات کے حوالے سے مذکورہ نمبر شائع کر کے بڑے اہم فریضہ کو ادا کیا ہے۔ ان خصوصی اشاعتوں سے اہل علم اور تمام لوگوں کی توجہ اس علم کی تحصیل کی طرف راغب ہوگی۔ نیز 'رُشد' میں شائع ہونے والے علمی جواہر پارے تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے سنگ میل ثابت ہوں گے۔ ہم 'رُشد' کے نقش سوم کو نقش دوم اور نقش اول سے روشن تر اور بہتر دیکھنے کے متمنی ہیں۔ جس کے ذریعے 'رُشد' و ہدایت کی روشنی عام ہو اور علم قراءات کے حوالے سے ذہنوں پر چھائی تاریکیاں چھٹ سکیں۔

جناب قاری محمد ابراہیم میر محمدی کے شاگرد رشید ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی اور ان کے دیگر ساتھیوں کی جامعہ لاہور الاسلامیہ کو ایک عالمی ادارہ کی صورت میں ڈھالنے کے لیے کاوشیں انتہائی مستحسن ہیں۔ بہر حال ماہنامہ 'رُشد' کے تمام رُفقاء کو ان قراءات نمبروں کی اشاعت پر بہت مبارک۔ اللہم زد فزد

پروفیسر ڈاکٹر مزمل احسن شیخ

[۱۴]

ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مدیر ماہنامہ 'رُشد' لاہور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہنامہ 'رُشد' لاہور ستمبر قراءات نمبر (حصہ دوم) کی ضخیم جلد کی وصولی پر دلی مسرت ہوئی جب کہ اس سے پہلے آپ قراءات نمبر (حصہ اول) کی اشاعت کا اعزاز بھی پانچے ہیں۔ میری معلومات کی حد تک کوئی بھی دوسرا مجلہ ایسا مفید اور ضخیم سلسلہ شائع کرنے میں آپ کا ہم پلہ نہیں ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

'رُشد' کے حالیہ شمارہ میں بطور ادارہ منفرد مقالے بعنوان 'قرآن مجید کا صوتی جمال اور اسلامی کلچر' کے بعد 'حدیث و سنت' کے تحت ایک، 'حجیت قراءات' کے تحت چھ، 'فناوی جات' کے تحت تین، 'تاریخ قراءات' کے تحت ایک، 'حدیث سبعہ احرف' کے تحت پانچ، 'مباحث قراءات' کے تحت چار، 'اعجاز قرآنی' کے تحت تین، 'تحقیق و تنقید' کے تحت چھ، 'انکار قراءات' کے تحت تین، 'علوم القراءات' کے تحت چار، 'مترقات' کے تحت آٹھ، 'انٹرویوز' کے تحت معلومات سے بھرپور مقالات جیسے 'دوانٹریوز'، 'کتا بیات' کے تحت چار اور 'سیر و سوانح' کے تحت دو قیمتی مقالے شامل ہیں۔ مجموعی طور پر ترقی پزیر علمی و تحقیقی مقالوں کی اشاعت آج کے مادی دور میں انتہائی قابل ستائش کاوش ہے۔ اللہم تقبل تقبل فتقبل عصر حاضر فکری یلغار اور میڈیا وار کا دور ہے۔ غالب تو تین دور حاضر میں مسلمانوں کی ایمانی بنیاد اور فکری اساس قرآن کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پھیلانے سے آگے بڑھ کر ایمان متزلزل کرنے کے درپے ہیں۔ اگر اساس پر ایمان کھولتا ہو تو اس پر تعمیر شدہ شخصیت بھی کھولتی ہوتی ہے۔ ایسی قوم اپنے دفاع کیلئے بھی اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ دعوت قرآن لے کر اقوام عالم کے سامنے کھڑی ہو۔ ان حالات میں قرآن کے بارے مختلف پہلوؤں سے پھیلائے گئے شبہات کا رد اہم ترین عصری ضرورت ہے۔ ان شبہات کی تردید میں تلاوت قرآن کے حوالے سے مسلمانوں میں رائج عشرہ قراءات کو علمی و فنی طور پر تواتر سے ثابت کرنیوالے مقالہ جات اشاعت بڑا کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ اور استشرق کے پھیلائے ہوئے گمراہ کن افکار کی بیخ کنی والے مقالات تو اس شمارے کا سرمایہ افتخار ہیں۔

'رُشد' کا یہ شمارہ انتہائی معلوماتی مواد کے ساتھ ساتھ عمدہ معیار طباعت سے بھی آراستہ ہے۔ کمپوزنگ کی اغلاط ڈھونڈھے سے ملیں گی ایسی عمدہ کاوش پر ماہانہ 'رُشد' کی ادارتی ٹیم لائق صد تعریف و تحسین ہے اور سرپرست اعلیٰ لائق

تبصرہ جات ماہنامہ رُشد قراءات نمبر

صدر مکرم جناب حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ ان کا سایہ مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور اور کلیۃ القرآن الکریم والعلوم الإسلامیہ پر تادیر قائم رہے آمین ثم آمین  
فاضل مدیر! آپ کی توجہ طلب ایک امر کی نشان دہی بھی کی جا رہی ہے کہ مجھے وصول ہونے والی کاپی میں متعدد صفحات نہیں پائے جاتے ہیں اگر یہ ایک کاپی کا مسئلہ ہے تو اس کی تلافی کی کوئی صورت پیدا کریں اور اگر یہ طباعتی کوتاہی تمام تراشعات میں پائی جاتی ہے تو اس کی کڑی نگرانی کی جائے تاکہ ایسے عظیم علمی و تحقیقی کام اکمل ترین شکل میں اہل علم کے ہاتھوں میں یادگار رہیں کیونکہ آپ کی یہ مساعی ایک حوالہ جاتی اہمیت حاصل کرنے والی کاوش ہے۔

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ

پرنسپل، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، سمندری، فیصل آباد

[۱۳]

### رُشد قراءات نمبر (حصہ اول) کے اہم مقالات کا تعارفی جائزہ

ماہنامہ رُشد، قراءات نمبر اردو زبان کے قالب میں علوم القرآن کے انتہائی اہم اور اساسی فن پر متنوع علمی مضامین کا پر مغز مجموعہ ہے، اہل عرب میں تو یہ فن اہل علم کی توجہ کا مرکز ٹھہرا ہے تاہم اس کے برعکس ہمارے ہاں عوام الناس تو ایک طرف، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی قراءات کی حقیقت سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند کے چند مخصوص فکری رجحانات کے حامل نمائندہ اہل علم نے قراءات کے اختلافات کو نجم کا فتنہ قرار دیتے ہوئے اس کی قرآنی حیثیت کا انکار کیا ہے۔

خود مسلم اہل علم میں اس موضوع پر بحث و مباحثہ نے مستشرقین اہل یورپ کیلئے کئی نکات اور سوالات کی گنجائش پیدا کی ہے، اس طرح قراءات کا موضوع قرآن کریم کے متن میں براہ راست صحت و تواتر کے حوالے سے ایک ناڑک حیثیت اختیار کر گیا ہے، جس کو علمی بنیادوں پر سہل انداز میں پیش کرنے کی از بس ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ یہ کام ماہرین فن کا ہے، عام آدمی کو اس سے چنداں مس نہیں ہے، ماہنامہ رُشد کے مدیر اور منتظمین اس حوالے سے واقعتاً مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے اردو زبان میں ایک ضخیم قراءات نمبر شائع کر کے اس اہم ضرورت کو پورا کیا ہے، یہ خصوصی شمارہ بطور حصہ اول چھپا ہے اور دوسرے حصہ کی تیاریاں تکمیل کے مراحل سے گزر رہی ہیں، اس حصہ میں تقریباً تین درجن کے قریب مقالات شامل ہیں، جن میں سے دس مضامین عربی سے اردو میں جبکہ ایک مضمون انگریزی سے اردو میں منتقل کر کے شامل اشاعت کیا گیا ہے، اس شمارہ کے بعض مضامین فنی حیثیت سے انتہائی علمی اور قابل قدر ہیں، اہمیت کے پیش نظر ذیل میں چند اہم مقالات کا تعارفی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اداریہ میں مدارس دینیہ میں تدریس قراءات کی ضرورت اور 'ماہنامہ رُشد' کے قراءات نمبر کی اشاعت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے قراءات کے تفسیر و فقہ پر اثرات، استنباط احکام اور نصوص کے ظاہری تعارض میں اس علم کی افادیت پر بحث کی گئی ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں مدارس دینیہ قراءات کی درس و تدریس پر وہ التفات نہیں دے رہے جو ماضی میں ان کا طرہ رہا ہے، اس ضمن میں منتظمین مدارس سے یہ توقع کی گئی ہے کہ وہ متنوع قراءات کی افادیت کے پیش نظر انکو بطور نصاب شامل کریں گے، تاکہ قرآن کے معانی و مفہام، سلف کے منہج کے مطابق سمجھ آ سکیں، اسی طرح قراءات کو فتنہ عم کھنے والوں کا علمی بنیادوں پر معارضہ ہو سکے، ادارہ میں واضح کیا گیا ہے کہ مغرب



کے سیاسی اور فکری غلبے کے نتیجے میں جب مسلمانوں کے دین و ایمان سے متعلقہ علوم پر بھی مستشرقین نے یلغار کی، تو انہیں محمد ﷺ کی سنت و سیرت کا کمال اور قرآن کی حفاظت کا اعجاز بہت کھٹکا، چنانچہ انہوں نے سیرت رسول ﷺ کے بارے میں شبہات پھیلانے تو دوسری طرف قرآن کی قراءات کو قفۃ عمم بنا کر اشکالات پیدا کر تینی کوشش کی، حالانکہ قراءات کا تنوع قرآن کے اعجاز ہی کا ایک پہلو ہے اور اس میں اختلاف کا تضاد ممکن ہی نہیں [ص ۶]۔

’قرآن کریم کی روشنی میں ثبوت قراءات‘ کے عنوان سے قاری صہیب احمد میر محمدی کی عربی تصنیف جبیرۃ الجراحات فی حجیۃ القراءات کی ایک فصل کا اردو ترجمہ شامل اشاعت ہے، یہ ترجمہ قاری محمد صفدر نے کیا ہے، اس میں قرآنی آیت وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ [الحج: ۷۸] کے تحت ڈاکٹر بصری کی اثر القراءات فی الفقہ الاسلامی ص ۱۱۸ سے نقل کیا گیا ہے کہ ”یہ آسانی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے لہجات عرب کی مناسبت سے قراءات بھی مختلف ہوتیں، کیونکہ انسان بچپن سے بڑھاپے تک جو زبان بولتا ہے اس کو یکساں جھوڑنا یقیناً ایک مشکل کام ہے، مذکورہ آیت ہر قسم کے رفع حرج پر دلالت کرتی ہے۔“ [ص ۹] میری نظر میں یہ استنباط استیناس کے قبیل سے ہے۔ تاہم عمومی نظر میں اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

ایک اہم مضمون ’احادیث مبارکہ میں وارد شدہ قراءات..... ایک جائزہ ڈاکٹر احمد عیسیٰ المعصر اوئی کی کتاب القراءات الواردة فی السنۃ کی کل ۱۹۶ روایات میں سے ان ۲۶ منتخب احادیث کا اردو ترجمہ ہے جن میں برصغیر پاک و ہند میں مروجہ روایت حفص سے دیگر قراءات کا فرق بیان کیا گیا ہے، یہ ترجمہ و انتخاب مجلس التحقیق الاسلامی لاہور کے رکن عمران حیدر نے کیا ہے، یہ مضمون اس لحاظ سے ایک منفرد کاوش ہے کہ اس میں حدیث سبعہ أحراف سے قطع نظر حدیث و سنت کی روشنی میں متنوع نصوص سے ثبوت قراءات کو موضوع بنایا گیا ہے، مختلف کتب احادیث میں قراءات سے متعلقہ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ نبی کریم ﷺ کی طرف یا کسی صحابی کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے کچھ قراءات متواترہ بھی ہیں، کچھ احادیث صحیح اور کچھ ضعیف ہیں، مذکورہ احادیث باعتبار سند درجہ صحت کو پہنچتی ہیں، لیکن رسم عثمانی سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ کتب سنن، قراءات کی توجیہات بیان کرنے کے بجائے صرف جمع احادیث تک محدود رہتی ہیں، تاہم جن تین شرائط پر قراءات کے قبول و رد کا مدار ہے مثلاً ① وہ قراءات صحیح سند سے مروی ہو۔ ② رسم عثمانی کے موافق ہو اگرچہ احتمالاً ہی ہو۔ ③ نحوی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہو۔

وہی قرآنی حیثیت سے معتبر قرار پاتی ہیں، ہمارے زمانہ میں جن قراءات میں یہ تینوں شرائط پائی جاتی ہیں، وہ قراءات عشرہ ہیں، جن کو پوری امت سے تلقی بالقبول حاصل ہے اور صدر اول سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب تک کوئی قراءت نقل تو اترا سے ثابت نہیں ہو جاتی اس وقت تک نہ تو اسے صحیف میں لکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی بطور قرآن کریم اس کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ [ص ۱۹ ملخصاً] مقالہ ہذا میں منتخب ۲۶ سورتوں کی احادیث ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تخریج کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ کے بانی و سرپرست حافظ عبدالرحمن مدنی کا مضمون ’قرآن کریم کے متنوع لہجات اور ان کی حجیت‘ بھی عام فہم انداز میں قراءات کے مسئلہ کو سلجھانے میں انتہائی مفید بیان ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں: ”یہ مختلف لب و لہجے دیکھ کر بعض لوگ اشکال کا شکار ہو جاتے ہیں کہ کیا قرآن مجید میں بھی اختلاف ہے، حالانکہ یہ قرآن پاک کا اختلاف نہیں۔ آسان انداز میں یہ بات یوں سمجھئے کہ دنیا کی ہر زبان کی اندر لب و لہجہ کا اختلاف ہے۔ مثال کے طور پر

آپ اردو زبان کو بھی لے لیں، اس میں ایک لفظ ہے ناپ تول، بعض لوگ اسے ناپ تول کہتے ہیں جبکہ بعض لوگ ماپ تول، اس کے علاوہ ایک لفظ سسر ہے، بعض لوگ اسے سسر اور بعض اسے خسر کہتے ہیں۔ انگریزی زبان کا ایک لفظ ہے شیڈول، بعض انگلش بولنے والے اسے شیڈول اور بعض سیکچول کہتے ہیں۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایک غلط ہے اور دوسرا صحیح۔“ [ص ۴۱]

’احادیث رسول کی روشنی میں ثبوت قراءات‘ فن قراءات کی عالمی شہرت کی حامل مستند شخصیت علامہ عبدالفتاح القاضی کی تصنیف ’باحث فی القرآن الکریم‘ اور قاری صہیب میر محمدی کی ’جیرۃ الجراحات‘ سے ماخوذ ہے، ترجمہ قاری محمد صفر کے ہاتھوں انجام پایا ہے، جس میں تقریباً نو احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسئلہ قراءت کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ متعدد وضاحتیں اور فوائد و تمیہات شامل کی گئی ہیں، واضح رہے کہ اکثر روایات صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ سے منقول ہیں۔

اگلا مضمون بھی قاری صہیب میر محمدی کی مذکورہ تالیف کی دو فصلوں کے اردو ترجمہ پر مشتمل ہے، جس میں ’قراءات کا ثبوت‘ اجماع امت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، یہ ترجمہ قاری محمد صفر نے کیا ہے، اس مقالہ میں علامہ سیوطی، قسطلانی، ابن جزری، ابن نجیم، علامہ زرکشی، امام طبری، ابواسحاق زجاج، ابن خالویہ، امام غزالی، امام خطابی، سبکی اور دیگر رحمہم اللہ کے اقوال سے قراءات کی حجت، ان کے تواتر اور قرآن ہونے کو مصرح کیا گیا ہے، امام ابوشامہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”منزل حروف سبعہ میں سے کسی ایک کا انکار کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کا حکم لگایا ہے۔“ [ص ۶۷]

تاریخ قراءات کے حوالہ سے برصغیر پاک و ہند میں تجوید و قراءات کا آغاز و ارتقاء کے عنوان سے اہم تحریر شامل اشاعت کی گئی، یہ مضمون شیخ القاری اظہار تھانویؒ کے افادات پر مبنی ہے، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے مظالم کی تاب نہ لاتے ہوئے برصغیر پاک و ہند کے بعض معزز خاندانوں نے ہجرت کا منصوبہ بنایا، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرکیؒ نے تھانہ بھون سے اور ردّ عیسائیت کے پاسان حضرت مولانا رحمت اللہ کیروانویؒ نے کیرانہ سے اور جناب محمد بشیر خانؒ، انکے بڑے بھائی اور ان کے خاندان سمیت سترہ افراد نے ہندوستان سے مکہ معظمہ کی طرف ہجرت فرمائی، اللہ تعالیٰ نے علم قراءات کی خدمت کیلئے ان افراد میں سے اکثریت کو قبولیت بخشی، ۱۸۷۶ء میں حاجی امداد اللہ مہاجرکیؒ اور مولانا رحمت اللہ کیروانویؒ نے مل کر مکہ مکرمہ میں ’مدرسہ صولتیہ‘ قائم کیا، جناب محمد بشیر خانؒ کے تین صاحبزادے تھے: بڑا بیٹا عبداللہ، اس سے چھوٹا عبدالرحمن اور سب سے چھوٹا حبیب الرحمن تھا، بشیر خان نے مذکورہ تینوں صاحبزادوں کو مولانا رحمت اللہ کیروانویؒ کی سرپرستی میں دیا، قاری عبداللہ نے مدرسہ صولتیہ ہی میں عظیم قاری ابراہیم سعد بن علی الازہریؒ سے علم قراءت سیکھا، قاری عبداللہ کی کے دوران تدریس مولانا رحمت اللہ نے شیخ ابراہیم سعد سے کہا ”میں سمجھتا ہوں کہ قاری عبداللہ نے بڑی مہارت حاصل کر لی ہے، ہندوستان میں ان کی نظیر و مثال نہیں“ تو اس پر استاد محترم شیخ ابراہیم سعد بن علی الازہریؒ نے فرمایا بل لا نظیر له فی العالم یعنی اس وقت پورے عالم میں اس کی نظیر نہیں ہے، آپ حرم میں نماز تراویح پڑھاتے تھے، جناب بشیر احمد خان کے دوسرے بیٹے قاری عبدالرحمن نے اپنے بھائی قاری عبداللہ سے اس فن کو سیکھا اور مہارت تامہ حاصل کی، ایک دن مولانا رحمت اللہ کیروانویؒ اور مولانا حاجی امداد اللہ مہاجرکیؒ نے باہم مشورہ کر کے متعدد علماء و صلحاء کی موجودگی میں دونوں بھائیوں عبداللہ اور عبدالرحمن کو بلا بھیجا، مولانا رحمت اللہ نے دونوں بھائیوں (یعنی اپنے بھتیجوں) کو مخاطب کر کے فرمایا ’عبداللہ کو تو میں یہاں مدرسہ صولتیہ کیلئے رکھتا ہوں اور عبدالرحمن تم کو حکم دیتا ہوں تم ہندوستان جا کر قرآن کی خدمت کرو اور تجوید و علوم قراءات کی

بشیر خان

ترویج کرو، نیز مصری اور عربی لہجوں کی بھی تعلیم دو جن سے اہل ہند نابلد ہیں، [ص ۷۳] چنانچہ آپ ہندوستان پلٹے اور جامع العلوم کانپور میں تدریسی سرگرمیوں میں مصروف رہے، یہاں آپ سے بہت سے لوگوں نے فیض علمی پایا، جبکہ تیسرے فرزند قاری حبیب الرحمن تھے، جنہوں نے اپنے بڑے بھائی قاری عبداللہ سے فن قراءت سیکھا، انتہائی پرکشش آواز پائی، مدرسہ صولیہ میں تدریس اور حرم میں قرآن سناتے رہے، لکھنؤ میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں بھی تدریسی فرائض سرانجام دئے، اس دور میں قاری محمد حسن سے استفادہ کیا، اس طرح یہ خانوادہ ہندوستان میں علم قراءت و تجوید کو مستقل بنیادوں پر پھیلانے کا سبب بنا، دوسرا خاندان علی گڑھ کے معزز فرزند جیون علی کے دو بیٹوں عبدالحق اور چھوٹے بیٹے عبدالملک پر مشتمل تھا، یہ دونوں بیٹے مدرسہ صولیہ میں پڑھتے رہے اور روایت حفص کی تکمیل کے بعد وطن واپس تشریف لائے، دونوں نے مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے، قاری عبدالحق کے نامور تلامذہ میں سے قاری اظہار احمد تھانوی بھی شامل ہیں، جبکہ استاذ القراء قاری عبدالملک نے ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں تدریس فرمائی، ہندوستان تشریف آوری کے بعد انہیں مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں تدریس علم تجوید و قراءت کی دعوت دی گئی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا، یہیں دوران محفل قراءت مولانا اشرف علی تھانوی جلسہ میں تشریف فرما تھے، قاری عبدالملک کی تلامذت سننے کے بعد خوشی کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ آپ میرے ہاں امداد العلوم تھانہ بھون میں علم تجوید و قراءت میں خدمت سرانجام دیں، آپ کی پانچ یا پندرہ روپے تنخواہ مقرر ہوئی، آپ کی خدمات سے تھانہ بھون میں اس علم کو کافی فروغ ملا، قاری اظہار احمد تھانوی نے آپ سے خوب استفادہ فرمایا، قاری صاحب نے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، دارالعلوم اسلامیہ لاہور، مدرسہ تعلیم القرآن مکھڑ (کیمبل پور)، مدرسہ تجوید القرآن مسجد چیمپینا نوالی الہمدیٹھ لاہور میں فیض رسانی کرنے کے بعد ۱۹۸۱ء میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں ایسوسی ایٹ پروفیسر متعین ہوئے، آپ کے نامور تلامذہ میں قاری یحییٰ رسولنگری، قاری محمد ادریس عاصم اور قاری احمد میاں تھانوی وغیرہ شامل ہیں، آپ نے اس فن پر متعدد کتب بھی تالیف کیں۔

علم تجوید و قراءت میں اہل حدیث قراء کے کردار کے حوالے سے حافظ میاں نذیر حسین محدث دہلوی، حافظ محمد لکھوی، مولانا عبدالستار دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا میر سیالکوٹی، نواب صدیق حسن خان اور حافظ محمد گوندلوی وغیرہ معروف حیثیت رکھتے ہیں، عصر حاضر میں اس فن کی اشاعت و ترویج کے حوالے سے اہل حدیث قراء کرام میں قاری محمد یحییٰ رسولنگری، قاری محمد ادریس عاصم، قاری عزیز احمد اور قاری ابراہیم میر محمدی کے نام قابل ذکر ہیں، غرض یہ مقالہ برصغیر میں علم قراءت کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں ایک عمدہ تعارفی دستاویز ہے، مناسب ہوتا اگر مولانا محمد صدیق ارکانی کا مقالہ 'برصغیر پاک و ہند کے قراء کرام کی سنت' بھی ترتیب کے اعتبار سے ماسبق مقالہ کے ساتھ طبع ہوتا، جس میں واضح کیا گیا ہے کہ سلسلہ سند حدیث کی طرح سند قرآن بھی موجود ہے اور اس ضمن میں شیخ المشائخ قاری محی الاسلام پانی پتی کی تالیف 'شجرہ قراء سبعہ' یعنی قراء سبعہ کی اسانید، شیخ القراء قاری اظہار احمد تھانوی کی 'شجرۃ الاساتذہ' اور مرزا بسم اللہ بیگ کی تالیف 'تذکرہ قاریان ہند' وغیرہ سے مدد لیتے ہوئے فاضل مقالہ نگار نے برصغیر پاک و ہند کے قراء کرام کی تین سندیں تیار کی ہیں اور آخر میں چند مستند مشائخ قراءت کے تلامذہ کی فہرست بھی دے دی ہے تاکہ موجودہ دور کے ہر قاری قرآن کیلئے اپنا سلسلہ متعین کرنا آسان ہو، یہ مضمون اپنی افادیت کے اعتبار سے اس لحاظ سے وقعت کا حامل ہے کہ متواتر طریق پر قراءت کا وجود آنحضرت ﷺ تک پوری حفاظت کے ساتھ پیش کی جاسکتا ہے گو اس قدر عظیم تواتر میں سند کا اہتمام ضروری نہیں رہتا۔

حدیث سبعہ أحراف کے حوالے سے تین مقالات اس مجلہ کی زینت ہیں، پہلا مقالہ مدینہ یونیورسٹی کے شعبہ کلیۃ القرآن کے سابق سربراہ شیخ عبدالعزیز القاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس میں انہوں نے قرآن کی متعدد قراءات کو ثابت کرنے والی حدیث سبعہ أحراف کے متواتر ہونے کو مبرہن کیا ہے، نیز اس کی مختلف اسانید اور متون کی ترویج کرنے والے محدثین کا ذکر کیا ہے، اس حوالے سے دوسرا مضمون ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے سبعہ أحراف کی مراد کی تعین اور قراءات عشرہ کی حجیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، خاص طور پر صحت قراءات کیلئے جو ضابطہ متقدمین سے طے چلا آ رہا ہے اُس پر متاخرین کا یہ اعتراض کہ اس میں تواتر روایت کو شرط قرار نہیں دیا گیا لہذا قراءات کو متواتر کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ کے جواب میں علامہ زرقانی کا قول مناسل العرفان سے نقل کیا گیا ہے، جس میں ہے کہ ”مقبول قراءات کے بارے میں (ضابطہ کے) یہ تین ارکان علم قطعی کا فائدہ دینے میں تواتر کے مساوی ہیں، اس مساوات کا بیان یہ ہے کہ مصحف کے اندر (کتابت شدہ صورت میں) جو کچھ ہے اس پر سب سے بہتر زمانہ یعنی صحابہ کے زمانہ کے ائمہ کا تواتر اور اجماع تھا، پھر جب کسی وجہ کی روایت کی سند صحیح ہو تو قواعد لغت اور مصحف متواتر کی رسم کے ساتھ موافقت روایت کے علم قطعی کا فائدہ پر قرینہ بن جاتی ہے، اگرچہ روایت احاد میں سے ہو، نیز یہ بھی مت بھولو کہ علم حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے خبر واحد علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے، گویا مصحف کے متواتر وثقہ بننے سے بیشتر تو سند میں تواتر کو طلب کیا جاسکتا تھا لیکن متفقہ مصحف کے وجود کے بعد روایت کی صحت و شہرت ہی کافی ہے جبکہ وہ رسم خط اور عربی زبان کے موافق ہو۔“ [ص ۱۳۷]، اس موضوع پر تیسرا مضمون مفتی تقی عثمانی صاحب کی معروف کتاب علوم القرآن کے باب سوم سے ماخوذ، شامل اشاعت ہے، ہمارے مطالعہ کی حد تک غالباً یہ تحریر اس موضوع پر اردو زبان میں سب سے جامع تحریر ہے، مفتی صاحب موصوف کے نزدیک سبعہ أحراف کی سب سے بہتر تشریح اور تعبیر یہ ہے کہ حدیث میں حروف کے اختلاف سے مراد قراءتوں کا اختلاف ہے اور سات حروف سے مراد، اختلاف قراءات کی سات نوعیتیں ہیں، گوان سات نوعیتوں کی تعین میں محققین حضرات کے اقوال میں تھوڑا بہت فرق ہے کیونکہ ہر ایک نے قراءات کی انواع کا استقرار اپنے طور پر الگ الگ کیا ہے، ان میں جن صاحب کا استقرار سب سے زیادہ منضبط، مستحکم اور جامع و مانع ہے، وہ امام ابوالفضل رازی ہیں۔ [دیکھئے ص ۱۳۶]

’مروجہ قراءات قرآنیہ اور مطبوع مصاحف کا جائزہ کے عنوان سے قاری محمد مصطفیٰ راسخ، رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور کا اہم مقالہ ہے، اس میں روایت حفص کے علاوہ ورش، قالون اور روایت دوری پر مشتمل مختلف اکناف عالم سے چھپے ہوئے مصاحف کے نمونہ جات پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ ہمارے دیار میں بھی قراءات کے طلبہ جب مذکورہ روایات کو ادا کرتے ہیں تو ان روایات سے سرمو فرق نہیں آتا، جس سے حفص کے علاوہ دیگر روایات کا تواتر ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی سلمہ کا مضمون ’تعارف علم قراءات..... اہم سوالات و جوابات‘ آسان اسلوب میں قراءات سے متعلقہ اہم اور پیچیدہ مباحث کے حل پر مشتمل ایک وقیع مقالہ ہے، اس مضمون کو پڑھنے سے ایک عام قاری بھی اس مشکل فن کی تاریخی مباحث سے واقف ہو سکتا ہے۔ متقدمین میں کی ابن ابی طالب القنسی کی کتاب ’الابانۃ عن معانی القراءات‘ بھی اسی اسلوب کی حامل ہے، یہ اسلوب زیادہ مفید اور قابل فہم ہے، راقم کے خیال میں اس مضمون کو اس شمارہ کے اولین تعارفی مضامین میں شامل ہونا چاہئے تھا، الغرض یہ مقالہ اس پورے شمارے کا مرکزی اور بیش

قیمت حصہ ہے جو بطور قسط اول شامل ہے۔ قسط دوم اگلے شمارے کا حصہ ہوگی، ہماری تجویز کے مطابق اس مقالہ کو کتابی صورت میں شائع کر کے مدارس و جامعات میں نصاب کا حصہ بنانے کی بھی ضرورت ہے، البتہ اس کی کتابی صورت میں اشاعت سے قبل حوالہ جات و حواشی نیز تنقیح و تحقیق کا مزید اہتمام درکار ہوگا، موصوف ایک جگہ قراءات اور قرآن میں فرق بیان کرتے ہوئے انتہائی جامعیت سے لکھتے ہیں کہ 'قرآن کہتے ہیں ان الفاظ وحی کو جو منزل من اللہ ہیں اور قراءات اسی قرآن کی خبر کو کہتے ہیں' [ص ۲۳۸] اس مقالہ میں قراءات سے متعلق بیس اہم سوالات کے عمدہ جوابات دئے گئے ہیں، بقیہ چالیس سوالات کے جوابات اگلے شمارہ میں شائع ہوں گے۔

اگلا مضمون 'علم قراءات اور قراءات شاذہ' کے عنوان سے حافظ انس نصر مدنی کا تحریر کردہ ہے، جو اس سے قبل نومبر دسمبر ۷۰ء کے اسی مجلہ میں شائع ہو چکا ہے، قراءات کے صحیح ہونے کیلئے جن تین ارکان کا ضابطہ قراء کے ہاں معروف ہے، اگر ان ارکان میں سے ایک رکن بھی رہ جائے تو وہ قراءات شاذہ کہلائے گی، قراءات شاذہ کے چار معروف قراء ہیں: ① حسن بصریؒ ② ابن محیصنؒ ③ یحییٰ الیزیدیؒ ④ امام اعظمؒ

شاذہ قراءات کو نماز میں پڑھنا جائز نہیں ہے البتہ ان کا فائدہ تفسیر و فقہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، تفصیل کیلئے اسلم صدیق صاحب کا مقالہ برائے ایم فل 'قراءات شاذہ اور تفسیر و فقہ پر اثرات' مطبوعہ شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب لاہور، ملاحظہ کیا جائے جو اس جیسے اہم موضوعات پر ایک عمدہ کاوش ہے، اس مضمون کے مندرجات بھی اس مقالہ سے خارج نہیں ہیں، اس سے اگلا مضمون بھی اسی موضوع پر حافظ عمران ایوب لاہوری کا تحریر کردہ ہے، جو سابقہ مضمون سے مختلف نہیں، اچھا ہوتا کہ صرف اسلم صدیق صاحب سے ہی اس موضوع پر ان کے مقالہ سے انتخاب لے کر چھاپا جاتا، وہ زیادہ جاندار مقالہ ہے۔

اگلا مقالہ 'قراءات قرآنیہ میں اختلاف کی حکمتیں اور فوائد' کے موضوع پر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سابق سربراہ ڈاکٹر ابو مجاہد عبدالعزیز القاری کے طویل مقالہ کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ ہے، قاری محمد حسین نے ترجمہ کیا ہے، جو ایک عمدہ ترجمہ ہے، اختلاف قراءات کی حکمتوں اور فوائد میں سے قرآن مجید کے لفظ اور اس کے نقل کو اُمت پر آسان کرنا، اختلافی مذہب میں راجح کی وضاحت کرنا، دو مختلف اوقات کیلئے دو مخالف شرعی حکموں کی وضاحت اور مرد الہی کی تعین میں وہم دور کرنا وغیرہ شامل ہیں، اگلا مضمون بھی قاری محمد حسین کا ترجمہ کردہ ہے، جو جامعہ ازہر کے استاذ ڈاکٹر عبدالکریم ابراہیم صالح کا اہم مقالہ ہے، جس میں انہوں نے مسائل عقیدہ پر قراءات کے اثرات کا جائزہ لیا ہے، یہ مضمون توجیہات قراءات کے ضمن میں مختلف آیات سے مسائل عقیدہ مستنبط کرنے میں ایک اہم کاوش ہے، اسی طرح اس سے اگلے مضمون میں تفسیر قرآن میں قراءات کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے، یہ مضمون ڈاکٹر نیل بن محمد ابراہیم کا ہے جو اس موضوع پر کئی مقالات تحریر کر چکے ہیں، اس کا ترجمہ محمد عمران اسلم نے کیا ہے، اس مضمون میں قرآنی قراءات کے علم نحو پر اثرات کا بھی تفصیلی مواد موجود ہے، واضح رہے کہ اس موضوع پر ۱۹۹۶ء میں ریاض (سعودی عرب) سے شیخ محمد بن عمر سالم بازمول کا مقالہ 'القراءات و اثرها فی التفسیر و الاحکام' بھی دو جلدوں میں چھپ چکا ہے اور اس کے مندرجات بھی اس مضمون سے کافی مماثلت رکھتے ہیں، دلچسپی رکھنے والے حضرات کو بازمول صاحب کے مقالہ کی طرف مراجعت کرنی چاہئے، اس شمارہ میں قراءات سے متعلقہ چند قدیم فی مقالات کو بھی شامل کیا گیا ہے، ان میں مسئلہ خلط قراءات اور علم تحریرات کا فنی مقام خصوصیت سے قابل ذکر ہے، یہ مضمون حافظ حمزہ مدنی اور قاری فہد اللہ کی مشترکہ کاوش ہے، اس میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قاری ایک قراءت

کی تلاوت کرتے ہوئے دوسری قراءات میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ عہد نبوی ﷺ سے لے کر آئمہ قراءات کے زمانہ تک تو اختلاط قراءات کے بے شمار دلائل موجود ہیں جن کے مطابق ماہرین ہمیشہ اپنے اختیارات (Selections) کے مطابق تلاوت کرتے رہے، ”اس بات کی انتہائی سادہ دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کا نزول تو سات متعین اسالیب (سبعہ احرف) پر ہوا ہے، جبکہ وہ قراءات جو امت میں بطور قرآن رائج ہیں وہ سات سے بڑھ کر دس (۱۰)، چودہ (۱۴)، بیس (۲۰) اور اسی (۸۰) وغیرہ کی تعداد میں معروف ہیں۔ دراصل قراءات ثلاثہ ہوں یا قراءات عشرہ، بیس قراءات (روایات) ہوں یا اسی قراءتیں (طرق) یہ سب انداز تلاوت اختلاط سبعہ احرف کے نتیجہ میں وجود میں آئے، سبعہ احرف سے ایسے ترتیبات تلاوت (Sets) اگر سینکڑوں بھی تشکیل دے دیئے جائیں، بشرطیکہ وہ سبعہ احرف سے باہر نہ ہوں تو کوئی حرج کی بات نہیں۔“ [ص ۳۶۷] غرض یہ کہ شروع زمانہ میں تو ہر کوئی سبعہ احرف سے ماخوذ اپنی اختیار کردہ ترتیب سے تلاوت کرتا تھا اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع تھا کہ بیسیوں صاحب اختیار آئمہ تھے جن میں قراء عشرہ بھی شامل ہیں، البتہ اب مسئلہ یہ ہے کہ آیا ان قراءات عشرہ متواترہ میں جو ہم تک پہنچی ہیں ان کا آپس میں اختلاط جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں قراء کے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں، ایک گروہ جس میں امام سخاویؒ اور قسطلانیؒ وغیرہ شامل ہیں ان کے نزدیک ان قراءات عشرہ میں اختلاط جائز نہیں ہے، جبکہ دوسرا گروہ جس میں امام ابوشامہؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ شامل ہیں، کے نزدیک اختلاط قراءات جائز ہے، فریقین کے دلائل کا تجزیہ پیش کر کے مقالہ ہذا میں ایک معتدل موقف اختیار کیا گیا ہے، جس کے مطابق نہ تو علی الاطلاق ممانعت ہی صحیح موقف ہے اور نہ ہی جواز بلکہ فنی امور کی رعایت کرتے ہوئے خلط قراءات میں باعتبار شریعت کوئی حرج نہیں اور جن اہل فن نے اس سے منع فرمایا ہے ان کے پیش نظر بھی بعض فنی امور ہیں جن کی رعایت بہر حال ضروری ہے۔

[دیکھئے ص ۳۶۱ تا ۳۷۳ ملخصاً]

قاری فہد اللہ کا مضمون ’قرآن کریم کو قواعد موسیقی پر پڑھنے کی شرعی حیثیت‘ ایک عمدہ بحث ہے جس میں موسیقی کے قواعد کو بالا اختیار تلاوت قرآنی میں استعمال کرنے کی مذمت اور عدم جواز کو احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے، مصر میں قواعد موسیقی کو ’مقامات‘ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ’اکثر مصری قراء قرآن کریم کو قواعد موسیقی پر تلاوت کرتے ہیں اور مصر میں مقامات یعنی قواعد موسیقی پر قرآن کو پڑھنے کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے کہ قرآن کریم کو کس طرح موسیقی کی دھنوں پر پڑھا جائے۔ اس کی تعلیم کیلئے باقاعدہ درس گاہیں بھی قائم ہیں اور یہ مرض اس قدر بڑھتا جا رہا ہے کہ اس کو انٹرنیشنل سطح پر انٹرنیٹ کے ذریعہ تعلیم دی جا رہی ہے اور بعض ویب سائٹس باقاعدہ اس پر کام کر رہی ہیں۔ جب سے مصری قراء نے اپنے مبارک قدم ارض پاکستان پر رنج فرمائے ہیں، اس وقت سے یہ رجحان بڑھ رہا ہے، چونکہ وہ قواعد موسیقی (مقامات) کے مطابق تلاوت کرتے ہیں جس کا اندازہ وہ حضرات بخوبی کر سکتے ہیں جو ایسی محافل میں شریک رہے ہیں، مثلاً اپنے ہاتھوں اور انگلیوں کو ایک خاص انداز میں حرکت دینا جس طرح کوئی موسیقار پیانو بجاتے وقت کرتا ہے تو انکی دیکھا دیکھی ہمارے حقیقت سے نا آشنا قراء کرام مقامات پر پڑھنے کی کوشش شروع کر دی ہے۔“ [ص ۳۸۳] اس بحث میں راجح موقف وہی ہے جو حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں بیان کیا ہے کہ قرآن کریم کو خوش الحانی اور سرلگا کر پڑھنے کی قسمیں ہیں: ایک وہ خوش الحانی جس کا طبیعت تقاضا کرتی ہے اور بغیر تکلف اور تعلیم زبان پر جاری ہو جائے یعنی جب طبیعت کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو مذکورہ خوش الحانی اور سر خود بخود ہی جاری ہو جائے تو یہ درست اور جائز ہے، اس میں تصنع اور بے جا تکلف کا عنصر بھی نہیں ہوتا جبکہ دوسری قسم وہ خوش

الحانی اور سر ہے جس میں تکلف اور تصنع ہو اور طبیعت کے غیر موافق ہو اور اس میں موسیقی کے مخصوص اوزان کی بالا اختیار پیروی بھی کی گئی ہو، سلف صالحین نے اسکو معیوب قرار دیا ہے [مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: ص ۳۹۱]

قراءات کی حجیت اور ان کے استناد میں شبہات پیدا کرنے میں طبقہ مستشرقین اور چند مسلم متجددین کا اہم کردار ہے، مستشرقین میں آرتھر جیفری نے قرآنی قراءات میں تبدیلیوں اور اختلافات کے مسئلہ کو بہت اچھالا ہے، خصوصاً اس کی کتاب Materials اور کتاب المصاحف کے شروع میں مقدمہ مستشرقین کے ہاں ایک منفرد حیثیت کا کام ہے، جیفری نے صحابہ اور تابعین سے منقول اختلاف قراءات کو مقابل نسخہ جات (Rival Codices) کے عنوان سے پیش کیا ہے اور تقریباً ۶۰۰۰ سے زائد اختلافات قراءات (ثانوی مصادر سے جمع کرتے ہوئے) تحریر کر کے قرآنی مرتبہ کو بائبل کے بالمقابل لاکھڑا کرنے کی کوشش کی ہے، یہ اور اس طرح کے دیگر استثنائی غیر تحقیقی رویوں کی عکاسی ہمارے استاذ ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری کے مقالہ بعنوان 'اختلاف قراءات قرآنیہ اور مستشرقین..... آرتھر جیفری کا خصوصی مطالعہ' سے ہوتی ہے، آپ کا یہ مضمون اصلاً انگریزی میں تھا، جو ۱۹۹۵ء میں AJISS میں Variant Readings of the Text of the Quran ... The Case of Arthur Jeffery کے عنوان سے طبع ہوا تھا، یہ مضمون بلا مبالغہ اصولی طور پر جملہ استثنائی شبہات کا جامع ردّ پیش کرتا ہے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جیفری کی آرا پر جس قدر بھی کام ملتا ہے وہ سب اسی آرٹیکل پر موقوف نظر آتا ہے مثلاً محب الدین سبحان واعظ کی کتاب المصاحف پر تحقیق اور میرے مقالہ 'اختلاف قراءات اور نظریہ تحریف قرآن' مطبوعہ جامعہ پنجاب ۲۰۰۵ء میں جیفری پر بحث اسی مقالہ کو بنیاد بناتے ہوئے کی گئی ہے، اردو ترجمہ علی اصغر سلیمی نے کیا جو فکر و نظر میں طبع ہوا تھا، یہ مضمون مصنف کی اجازت سے وہیں سے لے کر دوبارہ چھاپا گیا ہے، اس کے بعد مسلم متجددین اور قراءات کے حوالے سے میرا مضمون طبع کیا گیا ہے جو کچھ ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ میری مذکورہ بالا کتاب سے ماخوذ ہے، استاذ قاری ابراہیم میر جمہری، قاری صفدر، قاری طاہر رحیمی مدنی اور قاری محمد زبیر کے مقالات میں تمنا عادی، پرویز اور غامدی وغیرہ کے قراءات کے بارے میں موقف کے نقائص بیان کئے گئے ہیں، یہ موقف جمہور قراء و محققین کے رائے سے ہٹا ہوا ہے، اس خصوصی شمارہ میں ایک مضمون 'رسم عثمانی کی شرعی حیثیت اور تبدیلی سے متعلق فتاویٰ جات' کے عنوان سے بھی شامل اشاعت ہے۔ گو مضمون کے مندرجات علمی اور مفید ہیں، تاہم مقالہ نگار نے شروع سے آخر تک بہت سے مقامات حافظ سمیع اللہ فراز کی کتاب 'رسم عثمانی کی شرعی حیثیت' سے نقل کردئے ہیں اور چند مقامات پر فراز صاحب کے الفاظ کو معمولی ردّ و بدل کے ساتھ اپنے خیال کے طور پر بغیر حوالہ تحریر کیا گیا ہے، مثلاً دیکھئے ص ۵۵۳ کی عبارت "اس کتاب لاریب کی جمع و کتابت میں شکوک....." 'رسم عثمانی کی شرعی حیثیت' کے ص ۴۲ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے، نیز بعض مقامات پر کتاب مذکور کا حوالہ ضرور دیا گیا ہے لیکن وہ ناقص اور غیر مکمل ہے، مثلاً ص ۵۵۵ اور ص ۵۶۱ پر جو عبارات موجود ہیں ان میں کتاب مذکور کے ص ۲۹۳ اور ۲۹۴ سے مواد ماخوذ ہے، لیکن حوالہ نہیں دیا گیا۔ میری رائے میں یہ مضمون فراز صاحب سے طلب کیا جاتا تو اصل کے زیادہ قریب اور تفہیم کے اعتبار سے بھی زیادہ مفید ہوتا۔

شمارہ کے آخر میں 'علم تجوید و قراءات کے متعلق رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین کا اشاریہ' بھی ترتیب دے کر شامل اشاعت کیا گیا ہے، جو اہل علم کیلئے اس موضوع پر وسعت مطالعہ کی دعوت ہے۔

تبصرہ جات ماہنامہ رُشد قراءات نمبر

## رُشد قراءات نمبر (حصہ دوم)

ماہنامہ رُشد کے قراءات نمبر دوم کی اشاعت نہ صرف یہ کہ خاص اہل فن کیلئے مفید اور اہم علمی مقالات پر مشتمل دستاویز ہے بلکہ یہ حصہ تو قراءات کی اہم مباحث کی تفہیم کیلئے مبتدیوں کیلئے بھی یکساں طور پر کام کی چیز ہے۔ میں تو اس سلسلہ اشاعت کو خیر دلیل علیٰ فن القراءات سے تعبیر کروں گا۔ یہ شمارہ بھی سابقہ شمارے کی طرح متعدد پہلوؤں پر مشتمل ہے، البتہ بعض مضامین میں مباحث کا تکرار نظر آیا ہے جو شاید اتنے ضخیم کام میں لا بدی ہوتا ہے، مقالہ جات کی فہرست بھی مکمل طور پر ابتدا میں شامل کی گئی ہے جو قابل تحسین ہے۔

جہاں تک ان مضامین پر تبصرے کا تعلق ہے تو ہر مضمون کی ابتدا میں برادر عزیز جناب ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے تحریر کردہ تمہیدی و تعارفی کلمات ہی ان پر جامع و مانع تبصرہ قرار دیئے جانے کے اہل ہیں، تاہم میری نظر میں چند قابل ذکر مضامین میں امام ابو عمرو حفص الدوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۶ھ) کی قراءات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اردو ترجمہ ہے جو مرزا عمران حیدر نے کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر حمزہ مدنی ”اس کتاب کی تخریج و تحقیق کے سلسلہ میں دو محققین کے کیے گئے کام سے استفادہ کر کے حوالہ جات کی تکمیل کی گئی ہے، ان میں سے ایک تحقیقی کاوش تو جمہور یہ مصر کے حالیہ شیخ المقاری ڈاکٹر محمد عیسیٰ المعصر اوی کی ہے، جبکہ دوسری تحقیق شیخ زاید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء نے فرمائی ہے [ص ۱۱۲] اس حوالہ سے یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب ۱۴۰۸ھ میں ڈاکٹر حکمت بشیر یاسین کی تحقیق سے مکتبہ الدار، مدینہ منورہ سے بھی شائع ہو چکی ہے، اسی سلسلہ میں ایک وضاحت اور بھی قابل ذکر ہے کہ علماء نے ایسی قراءات جن کی نسبت آئمہ قراءات کی طرف نہ ہو قراءات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی ہیں لیکن اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہوتا کہ باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ [تفصیل کیلئے دیکھئے محمد بن عمر سالم ہازمول: القراءات وأثرها فی التفسیر والأحكام ہامش ص ۱۹۹] اسی مصنف (امام دوری) کے بارے میں ابن جریر م ۸۳۳ھ نے لکھا ہے

”یہ پہلا شخص ہے جس نے قراءات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع کیں [غایۃ النہایۃ ۱/۲۵۵، مکتبہ الخلیجی، مصر ۱۹۳۲ء] دوسرا اہم مضمون پانی پتی سلسلہ قراءات کے عظیم استاد قاری محمد طاہر رحیمی مدنی کا مضمون ’کیا حدیث سببعہ أحرف متشابہات میں سے ہے؟‘ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، یہ مضمون دراصل راقم کے استاذ حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی کی سوانح ’حیات ترمذی‘ کیلئے قاری طاہر رحیمی نے ایک تفصیلی تعریقی مضمون کے ہمراہ ’ضیافت مدینہ‘ کے عنوان سے بھیجا تھا جس کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ اسی عنوان سے اس کو ’حیات ترمذی‘ کا حصہ بنایا جائے (میں نے اس مسودہ کو اس کی طباعت سے قبل اپنے استاد حضری مفتی عبدالقدوس ترمذی کے توسط سے دیکھا تھا) جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ لغت قریش جامع اللغات ہونے کی حیثیت سے سامنے آچکی تھی لہذا جملہ سببعہ احرف مصاحف عثمانیہ میں موجود ہیں۔

سببعہ احرف ہی کے حوالے سے اہم نکات پر مشتمل قاری حمزہ مدنی کا سلسلہ وار مضمون ’تعارف علم القراءات اہم سوالات و جوابات‘ بڑی خاصے کی چیز ہے، صفحہ نمبر ۳۳۵ تا ۳۵۱ خاص طور پر اس موضوع پر اہم سوالات پر روشنی ڈالنے کیلئے صرف کئے گئے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں:

”کوئی بھی لغت ہو وہ متعدد لہجات، مترادفات اور اسالیب بلاغت وغیرہ کو شامل ہوتی ہے۔ تعدد قراءات کے ضمن میں موجود تقدیم و تاخیر، حرکات و سکنات، غیب و خطاب اور حذف و زیادت وغیرہ کے قبیل کے اختلافات بات کو سمجھانے کیلئے متعدد اسالیب بلاغت سے تعلق رکھتے ہیں، علمائے قراءات کی اصطلاح میں اس قسم کے اختلافات کو

سببعہ



’فرض الکلمات‘ کے نام سے بیان کیا جاتا ہے، لہجوں کے اختلاف کی مثالوں کے ضمن میں امالہ و تکیل، اظہار و ادغام، مد و قصر اور ہمزہ قطعہ میں تحقیق و تسہیل، نقل و ابدال وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے، انہیں قراء حضرات فروش کے بالمقابل اصولی اختلاف کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔“

مزید لکھتے ہیں: ”عرضہ اخیرہ میں مترادفات کا اختلاف منسوخ ہوجانے کے بعد اب سب سے اُحرف کے ضمن میں جو اختلاف باقی بچا ہے وہ لہجوں اور اسالیبِ بلاغت کے اختلافات کی دو نوعیتوں پر مشتمل ہے۔“ [ص ۳۳۰]

اگر تو بات اسی حد تک ہو کہ فروش اور اصول کیلئے بالترتیب اسالیبِ بلاغت اور لہجات کی اصطلاحات استعمال کی جاسکتی ہیں تو دیکھنا پڑے گا کہ یہ فرضی اختلافات یعنی متن قرآنی کی اختلافی روایات، بلاغت کے مختلف اسالیب کے اظہار کیلئے وجود میں لائی گئیں یا اس سے بھی آسانی مقصود تھی جو کہ حدیث سب سے اُحرف سے اغلب طور پر مقصود و مسلم ہے؟ محض اسلوبِ بلاغت کیلئے اختلافی روایات کی اجازت تا حال ذہنی میلان حاصل کرنے سے قاصر رہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مترادفات کی منسوخی کے بعد سب سے اُحرف کے ضمن میں جو اختلاف لہجوں اور اسالیبِ بلاغت کی نوعیتوں پر بچا ہے، خود سب سے اُحرف کی تحدید جو کہ ۶ کے بعد اور ۸ سے پہلے ہے کو متاثر کرتا ہے۔

نیز یہ بھی ملاحظہ رکھا کہ مثلاً حذف و اضافہ والی روایات کے اندر اسالیبِ بلاغت کے اظہار کو مانتے وقت یہ بھی لازم آئے گا کہ ان دو میں سے ایک اسلوبِ زیادہ فصیح اور اولی ہو اور دوسرا نہ ہو جس سے متن کے اندر کسی نہ کسی طرح تنقیص کا پہلو بھی مفہوم ہوتا ہے۔

بہر حال یہ ایک اجتہادی فکر ہے جس میں غلطی کی گنجائش ہے، میرا موقف یہ ہے کہ امام ابو الفضل رازی وغیرہ کی سب سے اُحرف والی رائے ہی سب سے اُحرف کی وضاحت کیلئے جامع اور مناسب تعبیر ہے جو بلاغت کے اسالیب سمیت دیگر انواع کو بھی شامل ہے۔

میں آخر میں ایک بار پھر اس مبارک علمی اور اہم یادگاری سلسلہ قراءات کو پیش کرنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی جناب میں شرف قبولیت بخشے۔

محمد فیروز الدین شاہ کھگہ

اسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی آف سرگودھا



[۱]

محترم جناب مدیر مجلہ ’رشد‘ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رشد کے قراءات نمبر حصہ اول کے تین ماہ بعد آپ نے اس کا دوسرا حصہ بھی شائع کر دیا۔ آپ حضرات کی یہ بڑی ہمت و محنت ہے۔ دوسرے حصے میں بھی قراءات سے متعلق اہم مباحث ہیں مثلاً حروفِ سب سے اُحرف، رسم الخط اور قراء کی تاریخ وغیرہ۔ اب آپ کا ارادہ تیسرا حصہ بھی نکالنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائیں اور اس ضخیم کام کو نافع خلاق بنائیں۔ تفصیلی تبصرہ کرنے کی طاقت نہیں اس لیے مبارکبادی اور ان چند حروف پر قناعت فرمائیں۔ والسلام

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

صدر دارالافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور

[۲]

### مکرمی و محترمی جناب حافظ عبدالرحمن مدنی..... زید محمد کم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی سرپرستی میں شائع شدہ ماہنامہ 'رُشد' کے دو ضخیم قراءات نمبر (حصہ اول و حصہ دوم) یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ میں آپ کا اور ادارہ 'رُشد' کے تمام معزز ارکان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ یہ ایک بہت بڑا علمی تحفہ اور تحقیقی سوغات ہے، جسے آپ حضرات نے نہایت اہتمام اور بہ درجہ غایت محنت کے ساتھ مرتب کر کے شائقین علوم قرآن کو نوازا ہے۔ اس خدمت عظیم کا صلہ آپ کو اور 'رُشد' کے عملہ ادارت کو اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے اور ان شاء اللہ ضرور دے گا۔

قرآن مجید وہ نور، وہ کتاب ہدایت، وہ نطق جبریل اور اللہ تعالیٰ کا وہ آخری بول ہے جسے بہت سے علوم و فنون کے دلاویز اور رُوح پرور مجموعے کی حیثیت حاصل ہے۔ جمع و تدوین، واقعات و قصص، رسم الخط، نزول و ترتیب، اعجاز و ادبیت، فصاحت و بلاغت، اسلوب و انداز، قراءات و تجوید، حسن بیان، نزول علی سبغۃ احرف اور دیگر متعدد علوم ہیں جو اس کے الفاظ و حروف میں پوشیدہ ہیں اور اہل علم نے انتہائی خوب صورتی کے ساتھ ان علوم کی وضاحت کی ہے، کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ! قرآن مجید چونکہ ہمیشہ کیلئے اور ہر زمانے کیلئے ہے، اس لئے ہمیشہ اور ہر زمانے میں اس کے مطالب کی گریں کھلتی رہیں گی اور اس کے معانی کی صراحت ہوتی رہے گی۔ عالی بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے یہ خدمت سرانجام دی اور دے رہے ہیں۔

آپ نے قراءات قرآن سے متعلق جو ذخیرہ معلومات ساڑھے سولہ سو صفحات کی ان دو جلدوں میں جمع کر دیا ہے، وہ اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کو ہمیشہ حوالے کا کام دے گا اور اس سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص 'رُشد' کے ان خاص نمبروں سے استفادہ کرے گا۔ اسی طرح یہ خاص نمبر اس کیلئے 'رُشد' و ہدایت کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوں گے جو ان سے فیض یاب ہوگا۔

اس سے قبل بھی بعض حضرات نے قرآن مجید سے متعلق بعض جرائد کے خاص نمبر شائع کئے ہیں، وہ بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن 'رُشد' کے قراءات نمبر اپنے موضوع میں بہت اہم ہیں۔ میں اس پر آپ حضرات کو بہت بہت مبارک پیش کرتا ہوں۔ میں شکر گزار ہوں کہ یہ نمبر ارسال فرما کر آپ نے مجھے ان سے استفادے کا موقع دیا۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

اخلاص کیش: محمد اسحاق بھٹی

[۳]

### محترم حافظ انس مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مدیر اعلیٰ ماہنامہ رُشد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ ماہنامہ 'محدث' اور 'رُشد' باقاعدگی سے موصول رہے ہیں۔ ان میں شائع شدہ علمی مقالات و مضامین سے استفادے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ جزاکم اللہ ووقفکم مزید توفیق۔ آمین

ماہنامہ 'رُشد' کے قراءات نمبر کے دونوں حصے موصول ہوئے۔ پہلا حصہ زیر مطالعہ ہے۔ آپ کی اور دیگر رفقاء کے کارکی یہ محنت انتہائی قابل قدر ہے۔ قراءات کے موضوع پر اردو زبان میں شاید یہ منفرد مجموعہ ہے جس میں اس سے متعلقہ پر و قیغ معلومات یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس قدر علمی، تحقیقی اور شان دار نمبر پیش کرنے پر میں آپ کو ہدیہ تبریک

حافظ محمد عبداللہ

پیش کرتا ہوں۔ اللہ کریم آپ کو اس پر جزائے خیر عطا فرمائے اور طالبانِ علوم القرآن کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین والسلام!

پروفیسر ابو حمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی  
فاضل مدینہ یونیورسٹی، اندرون قلعہ منکیرہ، ضلع بھکر

[۴]

حبی و سیدی اُخی الکریم علامہ مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت مطلوب و مقصود، مؤقر مجلہ 'رُشد' کے قراءات نمبر دونوں حصے موصول ہو چکے ہیں۔ فشکراً جزیبلاً کرمی! اس اشرف موضوع پر منفرد اور بے مثال کاوش ہے۔ قرآن حکیم کی یہ عظیم الشان خدمت بالیقین آپ کے لئے توشیح مغفرت ہے۔ بمن اللہ تعالیٰ بہت سے اشکال دور ہوئے۔

قراءات سبعہ یا خلط قراءات کی بنا پر اس فن کی مزید صورتوں کے حصول پر مضبوط، مدلل اور مبرہن طُرُق سے اُن کی استنادی کیفیات کی وضاحت الحمد للہ زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبُطْلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ [فصلت: ۴۲، ۴۱]

یہ نمبر بلا ریب اس فن کا بحرِ ذخار ہے جو اباب فن کے ساتھ ساتھ منتہی طلبہ کیلئے کمال رشد و راہنمائی کا سہل الوصول طریق ہے جبکہ علم آگاہی سے ادنیٰ مہارت رکھنے والے اور میرے جیسے بے بضاعت مبتدی بھی اس معزز فن سے بفضل اللہ تعالیٰ مستفید ہو سکیں گے اور اس معظم مجلہ کے ہر مضمون پر الگ الگ کچھ کہنے کی بجائے صرف ایک جملہ پر اکتفا نہایت مناسب ہوگا۔ طارم اعلیٰ کے بے شمار تابندہ ستاروں کا یہ اجتماع، 'فبأبيهم اقتديتم اهتديتم' کا مصداق ہے۔ فجزاكم الله جزاء موفوراً وتقبل بقبول حسن وأنبت نباتا حسنا وجعل سعياكم سعيا مشكوراً.

نیز..... ازیں پیشتر آپ کا عظیم القدر مجلہ 'محدث' ایک عرصہ تک پہنچتا رہا۔ قلب و روح کو تازگی ملتی۔ عالمی سطح کے سر بستہ اسرار و حقائق منکشف ہوتے۔ علاوہ ازیں یہود و ہنود اور نصاریٰ کے ہلاکت خیز اسلام دشمن عزائم اور خطرناک منصوبوں کی نشاندہی 'محدث' کا تاریخی حصہ ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ والسلام!

شیخ الحدیث حافظ محمد اسماعیل

مدیر جامعہ ابراہیمیہ للبنات، جلالپور روڈ، حافظ آباد

[۵]

محترم جناب حافظ انس نضر مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مدیر اعلیٰ ماہنامہ 'رُشد و رفقاء' السلام علیکم ورحمۃ اللہ

أُمید ہے کہ آپ رفقاء کے کار کے ساتھ بخیر و عافیت ہوں گے۔ نہایت ہی معذرت خواہ ہوں کہ جواب دینے میں تاخیر ہوگئی۔ والعفو عند کرام الناس مأمول

جناب والا! طالبانِ علم نبوت کے علمی و فکری مجلہ ماہنامہ 'رُشد' کا 'قراءات نمبر' جون ۲۰۰۹ء اپنی غیر معمولی ضخامت کے ساتھ موصول ہوا۔ مجلہ التراث کیلئے یہ ایک بیش بہا، انمول موتی اور ہدیہ گراں ہے۔ اُمید ہے کہ دوسرا حصہ بھی ارسال فرمائیں گے۔

جناب والا! یہ خصوصی قراءات نمبر اپنے موضوع پر ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا اور ملکی و غیر ملکی فن قراءات کے حذاق و عباقرہ سکالروں کے مضامین اس کے حسین و جمیل ماتھے کا جھومر تھے۔ میں مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں کہ مدارس دینیہ میں قراءات کی تعلیم و تعلم اور قابل شامل نصاب فی الفور بلا ترخی عمل میں آنا چاہئے۔ جس سے ہمارے مدارس ابھی تک محروم ہیں حالانکہ قراءات عاصم جتنی اہم ہے اسی طرح دوسرے قراء کی قراءات بھی قرآن فہمی کیلئے اہم ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں جہالت اس حد تک کہ اگر کوئی امام دوسری قراءات میں نماز پڑھائے تو پیچھے سے غلط پڑھنے کی سوچ میں تصحیح کرنے لگ جائے۔

اس قراءات نمبر کے تمام مضامین عموماً اور بعض مضامین خصوصی طور پر آحرف سبعہ کی طرح کافی و شافی اور تروی الغلیل و تشفی العلیل کے مصداق ہیں۔ علماء کرام نے اتنی باریکی اور عرق ریزی کے ساتھ اس معرکتہ الآراء موضوع کو بیان کیا ہے اور علمائے قراءات کی کاوشوں کو منظر عام پر لائے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر ﴿ءَاَمِنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ [آل عمران: ۷۰] بے ساختہ منہ سے نکلا۔ قرآن مجید کے اس مجبور فن کو پاکستان میں تازہ رکھنے اور زندہ کرنے کا اہتمام کر کے آپ اور کاروان حافظ مدنی نے اُمت اسلامیہ پر غیر معمولی احسان کیا ہے۔

میرے پاس الفاظ و تعبیر نہیں کہ اس پر تجزیہ و تبصرہ کروں۔ ادارہ جامعہ، آساتذہ اور قلم کار حضرات کو صدمہ بار اس کے اصدار و نشر پر مبارکباد۔ دُعا ہے کہ روز قیامت ان تمام خدام القرآن کو قرآن کریم کی سفارش حاصل ہو۔ والسلام!

عبدالرحیم روزی

سیکرٹری مجلہ التراث، جامعہ دارالعلوم ہلہستان غواڑی

[۶]

حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے رفقاء کار حافظ انس نظر مدنی رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ نعیم الرحمن رحمۃ اللہ علیہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ماہنامہ رُشد لاہور کا 'قراءات نمبر' حصہ دوم (۹۳۶) صفحات میں شائع کر کے ایک بہت بڑی علمی خدمات انجام دی ہے۔ اس سے پہلے وہ حصہ اول (۷۲۰) صفحات میں شائع کر کے ملک کے اہل علم و اہل قلم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

مرتبین نے اس نمبر میں جن عنوانات کے تحت مضامین شائع کئے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

\* حجیت قراءات \* فتاویٰ جات \* تاریخ قراءات \* حدیث سبعہ آحرف

\* مباحث قراءات \* اعجاز قرآنی \* تحقیق و تقدیر \* انکار قراءات

\* علوم القراءات \* متفرقات \* انٹرویوز \* کتابیات \* سیر و سوانح

حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے رفقاء کار نے قراءات نمبر شائع کر کے ایک عظیم دینی و علمی خدمت انجام دی ہے اور اس علمی کاوش پر حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے رفقاء مبارکباد کے مستحق ہیں۔ قراءات کے بارے میں تمام متعلقہ امور پر مضامین کا جمع کرنا تمام ادارہ رُشد کے سعی و کوشش اور ان اور مقالہ نگاروں پر ایسے دقیق اور علمی و تحقیقی مضامین کو احاطہ تحریر میں لانا ان کے علمی تجربہ، ذوق مطالعہ اور وسعت معلومات کا ایک زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

قراءات پر دو ضخیم نمبر (صفحات مجموعی ۱۶۵۴) اردو زبان میں شائع کرنا ایک نادر علمی و دینی کاوش ہے۔ اللہ تعالیٰ

کے حضور دُعا ہے کہ وہ مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے رفقاء کے کار کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے اس فیض کو جاری و ساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالرشید عراقی، عراقی گیٹ، سوہدرہ، براستہ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

[۷]

## رُشد قراءات نمبر کا صاحب قرآن کی اُمت پر احسان

حضرت الشیخ قاری محمد ادریس عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا قاری ابوبکر عاصم صاحب کے ہاتھ برادر گرامی قدر قاری حمزہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ رُشد کا قراءات نمبر حصہ اول بھیجا۔

عظیم اسلامی سکاڑھ حضرت حافظ عبدالرحمن مدنی متعنا اللہ بطول حیاتہ کی سرپرستی میں چلنے والے عظیم ادارے مجلس تحقیق اسلامی نے جو مختلف عنوانات پر نمبر نکالے ہیں اُن میں سے سب سے عالی، بہترین، ضخیم اور تعلیمی نمبر یہ قراءات نمبر ہے۔ بلاشبہ انتہائی قیمتی نادر و نایاب تحفہ اور ایک علمی شاہکار کے طور پر یاد رکھا جائے گا اور آنے والی نسلیں اس بحر بے کنار میں غوطہ زن ہو کر موتی چینیں گی۔ علم تجوید و قراءات کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنے والے طلباء، اساتذہ اور مدرسین کیلئے یہ خصوصی اشاعت دستاویز سے کم نہیں ہے۔

میری رائے میں اگر کوئی صاحب فوری طور پر مکمل نہیں پڑھ سکتے تو کم از کم مندرجہ ذیل مضامین ضرور پڑھیں۔

① 'قرآن حکیم کے متنوع لہجات اور ان کی حجیت' از حافظ عبدالرحمن مدنی ② 'مصحف مدینہ کی اہمیت اور تعارف' از قاری محمد ادریس عاصم ③ ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی کا ۳۳ صفحات پر مشتمل مضمون 'تعارف قراءات' ④ قاری رشید احمد تھانوی کا مضمون ⑤ 'قراءات عشرہ کی اسناد اور ان کا تواتر' از قاری صہیب احمد میر محمدی و قاری نجم الصبح تھانوی

اس قراءات نمبر حصہ اول کی ایک اور بہت بڑی امتیازی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں اسلاف قرآن کرام کے تعارف، ان کے اساتذہ کے اسمائے گرامی، ان کے پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تلامذہ کے نام اور تالیفات و تصنیفات کا تذکرہ موجود ہے اور اس طرح ایک بڑی خوبی شائق کو کب صاحب کا اشاریہ بھی ہے جس نے تو مذکورہ شمارہ کو چار چاند لگائیے ہیں۔ اسی طرح آپ کو اس نمبر میں علامہ تمنا عمادی کے قراءات کے بارے ذاتی افکار و نظریات، جاہلانہ مغالطات کے پاکستان میں امین و نقیب امین احسن اصلاحی، جاوید غامدی اور اس قبیل کے اکاڈمک دوسرے منکرین قراءات کے نظریات باطلہ کا قاطع و ساطع رد ملے گا۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بانیان و منتظمین و معاونین کی اس کاوش کو اُخروی زندگی میں کامیابی کا سبب بنائے۔ آمین

قاری عنایت اللہ ربانی کا شیری

\* \* \*

[۱]

قارئین یاد رکھیں کہ علوم اسلامیہ انٹرنیشنل کے پچھلے شمارہ علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا محمد علی جوہر حیات و خدمات نمبر میں اس خصوصی شمارہ کے پہلے حصہ پر تبصرہ شائع کیا گیا تھا۔ موجودہ شمارہ جو کہ حصہ دوم ہے۔ حصہ اول سے زیادہ ضخیم اور علمی اعتبار سے زیادہ فیض ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ماہنامہ رُشد کا قراءات نمبر کے حوالہ سے

تبصرہ جات ماہنامہ رُشد قراءات نمبر

حصہ سوم بھی زیر طبع ہے۔ بلا مبالغہ اس موضوع پر اتنا بڑا کام عالم اسلام کے مجلات میں پہلی مرتبہ کیا گیا ہے۔ اسے فن قراءات پر انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو مناسب ہوگا۔

مجلہ کی مجلس ادارت نے تمام لٹریچر کو چھان کر مطبوعہ و غیر مطبوعہ مضامین کا شاندار مجموعہ تیار کر دیا ہے، میرا خیال ہے اس کی اشاعت کے بعد فتنہ انکار حدیث کی طرح فتنہ انکار قراءات بھی علمی دنیا میں دفن ہو جائے گا۔

مذکورہ شمارہ اس قابل ہے کہ اس کے ایک ایک مضمون پر تجزیہ و تبصرہ پیش کیا جائے۔ مختصر انداز میں اس طرح تعارف کرایا جاسکتا ہے کہ حجیت قراءات کے حوالہ سے چھ مضامین حافظ ثناء اللہ مدنی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مبشر احمد ربانی، صہیب میر محمدی، علی خلف حسینی اور نجم الصبح تھانوی کے شامل ہیں۔

فتاویٰ جات کے حوالہ سے چار مضامین قاری محمد مصطفیٰ راجح، محمد اصغر اور ابوبکر عاصم کے شامل ہیں۔ حدیث سبحة احرف کے مفہوم کی تعیین پر پانچ مضامین ڈاکٹر عبدالعزیز، قاری محمد طاہر رحیمی، محمد ادریس العاصم، تاج افسر اور محمد علی الضباغ کے شامل ہیں۔

مباحث قراءات کے حوالہ سے چار مضامین شامل ہیں۔ جس میں پہلا مضمون چیف ایڈیٹر علوم اسلامیہ (ڈاکٹر صلاح الدین ثانی) دوسرا مضمون چیف ایڈیٹر ماہنامہ رُشد ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی کا ہے، تیسرا مضمون ڈاکٹر عبدالعزیز، چوتھا صہیب میر محمدی کا ہے۔

قراءات قرآن کریم دراصل اعجاز القرآن ہے۔ اس پر تین مضامین ڈاکٹر نبیل محمد، قاری رشید احمد تھانوی اور پروفیسر محمد شمول مصری کے ہیں۔

فن قراءات کے متعلق بعض رواجات پر محققین نے تنقید کی ہے۔ چھ مضامین میں ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ انکار قراءات جو پہلے مستشرقین پھر منکرین حدیث کی جانب سے کیا گیا ہے۔ تین مضامین میں ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ علوم القراءات پر چار مضامین شامل ہیں۔

متفرقات کے عنوان سے مفسر، محدث، فقہاء، ماہرین نحو و صرف قراء کرام کے مختصر حالات پیش کئے گئے ہیں۔ آخر میں تقریباً ۷۰ صفحات پر عہد نبوی تا عہد حاضر تجوید و قراءات پر لکھی گئی کتب کی کتابیات پیش کی گئی ہیں۔ مجلہ کا اختتام سابقہ حصہ اول کے شمارہ پر منتخب خطوط و تبصروں پر ہوتا ہے۔

مجلہ میں بعض مضامین انٹرویو کی شکل میں ہیں جیسے حافظ عبدالرحمن مدنی، ڈاکٹر حمزہ مدنی اور قاری محمد ادریس کے مضامین ان مضامین سے مقصود عوام میں رائج اعتراضات و تصورات کا خاتمہ اور فن قراءات کے حوالہ سے اہل علم کے فہم کو بہتر بنانا ہے۔ بعض مضامین کے مباحث میں تکرار ہے، لیکن اس مسئلہ میں مدبر کو معذور سمجھا جائے، اسلئے کہ تکرار ختم کرنا ممکن نہیں۔ دو مضامین فقہاء و مفسرین کیلئے بہت اہم ہیں، احکام فقہ میں قراءات قرآنیہ کے اثرات اور علم تفسیر پر قراءات کے اثرات۔

مستشرقین کے حوالہ سے مباحث نہ ہونے کے برابر ہیں، فقط فیروز کھگہ نے قلم اٹھایا ہے، اس حوالہ سے حصہ سوم میں مزید مضامین کی ضرورت ہے۔ اس شمارے سے فن قراءات کا ارتقاء اور اُمت کا تعامل و خدمات بخوبی نمایاں ہوتا ہے، میں آخر میں مجلہ کے تمام منتقلین کو اس شاندار کوشش و کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اپنے مضمون قراءات کی حجیت، اہمیت اور اُمت کے تعامل کو شامل اشاعت کرنے پر شکر یہ ادا کرتا ہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، ششماہی علوم اسلامیہ (سیرت النبی ﷺ نمبر) اور گنگی ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[۲]

اس ماہ علمی تحائف میں سب سے اہم تھے، لاہور سے شائع ہونے والے ماہنامہ 'رشد' کے خصوصی شمارے قراءات نمبر کی دوسری جلد ہے..... کلیۃ القرآن الکریم والعلوم الإسلامیة لاہور کا یہ شاہکار ۹۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو زبان میں قراءات کے حوالے سے ہونے والا یہ کام اس دور کا ایک بڑا کام ہے۔ جن حضرات نے فن قراءات پر اس بار لکھا ہے انہوں نے بڑی عرق ریزی سے مقالات مرتب کیے ہیں۔ ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی اور ان کے رفقاء کی یہ کاوش قابل ستائش ہے کہ علوم القرآن اور بالخصوص قراءات قرآن کی جن باتوں کو لوگ بھولتے جا رہے تھے انہیں ایک بار پھر ذہنوں میں تازہ کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض حضرات اسے تحسین کی بجائے تنقید کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے خیال میں ایسا کرنے سے قرآن کریم کے بارے میں بعض شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں، تاہم علم تو علم ہے اور قراءات کے علم سے ناواقفیت اور نا مانوسیت اس تنقیدی نگاہ کا اصل چشمہ ہے۔ آزمنہ ماضیہ میں اسلاف نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے مگر اردو خواں طبقہ کی چونکہ وہاں تک دسترس نہیں اس لیے اس کے بارے میں مختلف خیالات کا پیدا ہونا امر لابدی ہے۔ ندعو اللہ أن یوفقنا بفہم القرآن و علوم القرآن و بفہم القراءات المختلفة المذكورة في السنة المطهرة ..... واللہ ولی التوفیق .

علمی و تحقیقی مجلہ 'فقہ اسلامی' گلشن اقبال، کراچی

[۳]



ماہنامہ 'رشد' کے قراءات نمبر کا حصہ دوم (ستمبر ۲۰۰۹ء) پیش نظر ہے۔ یہ حصہ بھی حصہ اول ہی کی طرح قراءات کے بارے میں معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ اس حصہ کا ادارہ محترم محمد عطاء اللہ صدیقی کا تحریر کردہ ہے جو صاحب طرز ادیب ہیں۔

اس حصہ میں چودہ جامع عنوانات کے تحت ۵۳ مضامین شامل کیے گئے ہیں جو وسیع مطالعہ کا نچوڑ ہیں۔ جامع عنوانات حسب ذیل ہیں:

حدیث و سنت، حجیت قراءات، فتاویٰ جات، تاریخ قراءات، حدیث سبعہ آحرف، مباحث قراءات، اعجاز قرآنی، تحقیق و تنقید، انکار قراءات، علوم القرآن، متفرقات، انٹرویوز، کتابیات اور سیر و سوانح۔

ان جامع عنوانات میں سے ہر ایک کے تحت متعدد مضامین ہیں۔ ان میں عربی مضامین کے تراجم بھی شامل ہیں۔ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون 'قراءات متواترہ کی حجیت' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون 'قرآن مجید میں قراءتوں کا اختلاف' جیسے دقیق مضامین اور قراءات متواترہ کا انکار کرنے والوں کا مدلل اور مسکت جواب ہے۔

فن قراءات کے مختلف پہلوؤں پر لکھے گئے اور بھی بہت سے مضامین شامل اشاعت ہیں۔

قراءات متواترہ کا ثبوت اور اس کے منکر کا حکم از مولانا مبشر احمد ربانی، قراءات متواترہ، سبعہ و عشرہ از قاری صہیب احمد میر محمدی، متنوع قراءات کا ثبوت مصاحف عثمانیہ کی روشنی میں از قاری نجم الصبیح تھانوی، سبع آحرف سے کیا مراد ہے؟ از ڈاکٹر ابو الجاہد عبدالعزیز قاری، حدیث سبع آحرف کا مفہوم از قاری محمد ادریس العاصم، تعارف علم القراءات از ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی، احکام فقہ میں قراءات قرآنی کے اثرات از ڈاکٹر نبیل بن محمد ابراہیم، اس کے چند اہم

تبصرہ جات ماہنامہ رُشد قراءات نمبر

موضوعات ہیں۔

اس کے علاوہ شیخ القراء محمد ادریس العاصم رحمہ اللہ اور حافظ عبدالرحمن مدنی رحمہ اللہ کے انٹرویوز بھی شامل ہیں۔ سابقہ ادوار میں لکھی گئی کتب قراءات کا جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ فقہائے احناف، فقہائے مالکیہ، فقہائے شافعیہ اور فقہائے حنبلیہ کے قراء کرام کے طبقات اور ان کے آسمائے گرامی بھی دیئے گئے ہیں۔

سیر وسوانح کے عنوان کے تحت امام ابوالقاسم شاطبی رحمہ اللہ اور علامہ علی محمد الضباع رحمہ اللہ کے حالات زندگی دیئے گئے ہیں۔ یہ رسالہ رنگا رنگ مضامین کا ایک عمدہ اور خوب صورت گلدستہ ہے۔ ہر لائبریری کی لازماً زینت بننا چاہئے۔

ملک عصمت اللہ قلعوی، ہفت روزہ الاعتصام لاہور

[۴]

شائقین علم قراءات کیلئے بیش قیمت علمی تحفہ: ماہنامہ رُشد لاہور کا قراءات نمبر (حصہ دوم)

معروف مذہبی اسکالر حافظ عبدالرحمن مدنی کے زیر سرپرستی ادارہ جامعہ لاہور الاسلامیہ کے شعبہ کلیۃ القرآن الکریم اور مجلس تحقیق الاسلامی، لاہور کے تعاون سے ماہنامہ رُشد کا قراءات نمبر، (حصہ دوم) شائع ہو چکا ہے۔

خصوصیات

- \* علم تجوید و قراءات پر پچاس سے زائد گراں قدر مضامین۔
- \* اردو زبان میں پہلی مرتبہ علم قراءات کے موضوع پر بیش قیمت مواد کی فراہمی۔
- \* عرب و بحم کے نامور علماء، دانشور اور قراء حضرات کے تحقیقی مضامین کا شاندار مجموعہ۔
- \* انتہائی سنجیدہ انداز میں عقلی و نقلی دلائل سے معترضین و منکرین قراءات کے شکوک و شبہات کا ازالہ۔
- \* علم قراءات پر اندرون و بیرون ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں لکھے گئے ۶۰ سے زائد تحقیقی مقالہ جات کی فہرست۔
- \* دیدہ زیب طباعت، خوبصورت کمپوزنگ، معیاری سفید کاغذ اور فونٹ ٹائٹل۔
- \* ۹۳۶ صفحات پر مشتمل شمارے کی قیمت صرف ۳۰۰ روپے ہے۔

پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث، کراچی

[۵]

زیر تبصرہ ماہنامہ رُشد جامعہ لاہور الاسلامیہ کے طلباء کا ترجمان ہے۔ طلباء اس ماہنامہ کے ذریعے اپنی تحریری صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرتے ہیں۔ طالبان علم و فکر نے ستمبر ۲۰۰۹ء کے شمارے کو خاص نمبر کی حیثیت سے علم کے موٹی چٹنے والوں کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اس طرح کا انداز اس سے قبل چند ایک مجلات نے اختیار کیا لیکن وہ صرف قرآن نمبر تک محدود رہے۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کے طلباء نے قراءات نمبر شائع کر کے ایک کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یہ صرف خصوصی اشاعت تک محدود نہیں بلکہ اپنے موضوع پر رُشد کے اس نمبر کو انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ قرآن حکیم وحی الہی ہے یہ وہ شاہ کلید ہے جو دلوں کے بند دریچوں کو کھول کر ہدایت سے بھر دیتی ہے۔ اس کی حقانیت مجبور کر دیتی ہے کہ بندے نے اپنے دل میں جو تصوراتی خدا اور بت سجا رکھے ہیں، ان کو پاش پاش کر کے اس قرآن کے حروف کو بسالے۔ قرآن نے صرف دلوں کی کاپیا نہیں بلٹی بلکہ ان گنت لوگوں کو ضلالت و گمراہی اور جہنم



کی آگ سے نجات دلا کر جنت کا راہی بنایا۔ کفار مکہ اپنے دوستوں کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ تم جب باہر نکلو تو کانوں میں روئی ٹھونس لینا کہ کہیں محمد ﷺ کی زبان سے وحی الہی سن کر اس کے نہ ہو جانا۔ لیکن حق تو حق ہے یہ اپنے آپ کو منوالیتا ہے۔ قرآن کی تلاوت سے دلوں کو جو سکون ملتا ہے وہ کسی مغنیہ کی خوبصورت آواز میں گائے نغمے، کسی جھگت کے گائے بچھن میں نہیں ہے۔ قاری قرآن کی مترنم آواز کانوں کی راہ سے گزر کر دل میں جب اترتی ہے تو انبساط و نشاط کے عجب جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کے حوالے سے مستشرقین اور دیگر سطحی علم رکھنے والے جہاں خود شکوک و شبہات کا شکار ہوتے ہیں وہیں یہ کئی عام لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ قرآن کی آیات کی قراءت کے مختلف انداز ان کی سمجھ سے بالا ہیں۔

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً یہ قرآن حکیم سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے۔ ماہنامہ ’رشد‘ نے اس حدیث کو بنیاد بنا کر علماء کرام اور قراء عظام کے فتاویٰ جات اور پیش قیمت مضامین کو جمع کر کے یہ قراءت متواترہ کی حجیت، جمع قرآن اور مصاہف عثمانیہ میں قراءت، تعارف علم القراءت، احرف سبعہ اور ان کا مفہوم، حنا بلہ، شوافع، احناف اور مالکی قراء کرام کا تعارف پیش کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں علم تفسیر پر قراءت کے اثرات، دفاع قراءت، جمع قرآن اور پرویزی افکار کا جائزہ جیسے علمی مضامین ’رشد‘ کے اس خصوصی نمبر کا حصہ ہیں۔ قراءت سبعہ و عشرہ کے مطالعہ کے لیے اس سے بہتر علمی ذخیرہ شاید ہی ہو۔ اس خصوصی نمبر کو دو حصوں میں شائع کیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ ۹۲۰ صفحات پر مشتمل گویا ایک ضخیم دستاویز ہے۔ اس کا ہر صاحب علم اور طالب علم کے پاس ہونا ضروری ہے۔ ۹۲۰ صفحات کے اس نمبر کی قیمت ۳۰۰ روپے رکھی گئی ہے اور یہ جامعہ لاہور الاسلامیہ ماڈل ٹاؤن سے دستیاب ہے۔

عبداللہ بخش، ہفت روزہ اہلحدیث، لاہور

[۶]

قرآن کریم ’کلام اللہ‘ ہونے کے ساتھ باری تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جو سات حروف کی صورت میں محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر اُتارا گیا، یہ ساتوں قراءت صحیح، قطعی اور متواتر احادیث سے ثابت ہیں۔ صحیح حدیث (أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ..... الخ) [صحیح البخاری: ۴۹۹۰] کی تائید و توثیق میں ساڑھے سات سو روایات موجود ہیں، اسی وجہ سے اُمت کا اس بات پر اجماع ہے قیمت تک آنے والے مسلمانوں کو قرآن مجید متنوع لغات و لہجات میں پڑھنے کی اجازت ہے۔

عصر حاضر میں یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے قرآن کریم ایک ہی لہجے میں اُترا ہے اور قیامت تک اسی لہجے میں پڑھا جائے گا کیونکہ جب ہم سات قراءتوں میں پڑھنے کی اجازت والی احادیث سنتے ہیں تو علماء کے سوا دنیا دار طبقہ ان قراءتوں میں قرآن کی تلاوت کو مختلف عنوانات اور متنوع انداز میں اشکالات و اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتا ہے۔ اگر آج ہماری مساجد میں مشہور قراءت کو چھوڑ کر بقیہ قراءتوں کی تلاوت شروع ہو جائے تو ۸۰ فیصد نمازی امام پر غلط قرآن پڑھنے کا فتویٰ لگا دیں، یہ تمام صورت حال قرآنی علوم خاص کر قراءت سبعہ کو نظر انداز کرنے کا شاخسانہ ہے، اس حوالے سے عوام و خواص میں شعور اُجاگر کرنے کے لئے ماہنامہ ’رشد‘ نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ماہنامہ ’رشد‘ کے ذمہ داران نے ’قراءت نمبر نکال کر اس موضوع کی تشکی کو دور کر دیا ہے، میری ناقص معلومات کے مطابق اس اہم، پیچیدہ اور علمی موضوع پر اس سے بہتر کام برصغیر پاک و ہند میں نہیں ہوا۔ یہ خاص نمبر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا

تبصرہ جات ماہنامہ رُشد قراءات نمبر

ہے، اُردو زبان میں یہ ایک نادر، علمی اور قابلِ قدر کاوش ہے، اللہ تعالیٰ ماہنامہ رُشد کے ذمہ داران اور جملہ معاونین کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

ماہنامہ آب حیات لاہور

[۷]

ماہنامہ رُشد کا پہلا تعارف حافظ یحییٰ رسولنگری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی حاصل ہوا تھا۔ رسالہ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ دورِ حاضر میں جدید اعتراضات کے جراثیم سے محفوظ و مامون رہنے اور راہِ اعتدال پر باقی رہنے کیلئے کافی وافی رہنمائی اس میں موجود ہے۔ واقعاً اس پُرقتن دور میں رُشد باعثِ رشد و ہدایت ہے کہ جو اپنی بہترین ٹیم کے ساتھ میدانِ عمل میں اُتر کر اس اُمت کے فرزندوں کو کتاب و سنت اور فہمِ سلفِ صالحین سے جوڑنے کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ گویا کہ احباب اور رفقاء رُشد ینفون عنہ تحریف الغالین و تأویل الجاہلین و انتحال المبطلین کے عملی مصداق ہیں اور یقیناً انہی کیلئے طوبیٰ ہے کہ یہی اس کام کیلئے کوشاں ہیں جو حصولِ طوبیٰ کیلئے بنیادی ہے۔ ”الذین یصلحون إذا أفسد الناس من سنتی“

اللہ تعالیٰ تادیر ایسے بیدار مغز احباب و رفقاء کی حفاظت فرمائے اور اُن کی تمام سعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین! خصوصاً اس ماہنامہ کا دو ضخیم جلدوں پر مشتمل قراءات نمبر جو انتہائی قیمتی مضامین پر مشتمل ہے اور علم و درایت اور تعاقبِ فتنہ پرداز، جو از خود فتنہ عجم ہے میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے شائع کرنے والے ادارے کا یقیناً اُردو دانِ طبقے پر بہت بڑا احسان ہے کہ اُردو میں اس قراءات نمبر سے پہلے اس موضوع پر اس قدر مواد دستیاب نہیں ہے۔ احباب اُردو خواں ضرور استفادہ کریں۔

عبدالوکیل ناصر، ہفت روزہ حدیبیہ کراچی، 11 دسمبر 2009ء

\* ————— \*

### رشد قراءات نمبر پر تبصرہ فرمائیں!

محترم قارئین میں جو حضرات ماہنامہ رُشد کی علم قراءات پر خاص اشاعتوں (اول، دوم، سوم) پر تبصرہ کرنا چاہتے ہوں، وہ تبصرہ لکھ کر ادارہ رُشد کو ارسال کریں، ہم اُسے آئندہ کی اشاعت میں شامل کر کے خوشی محسوس کریں گے۔

قرآن مجید نمبر 3

# جامع القرآن

## اجرائے رُشد کے اہداف و مقاصد

▶ طلبائے مدارس میں اردو زبان و ادب کا ذوق سلیم پیدا کرنا تاکہ صحت مند انداز اسلامی صحافت کو فروغ دیا جاسکے۔

▶ تفہیم قرآن و حدیث کے عناوین کو مستقل تحریر کی شکل دینا تاکہ ہر مسلمان کو معرفتِ الہی کی دولت لازوال نصیب ہو سکے۔

▶ ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کو تکمیل ذات اور اصلاحِ غیر کا پیکر بنانا تاکہ امت فریضہ دعوت و تبلیغ سے عہدہ برآ ہو سکے۔

▶ کسی خاص فقہی مکتبہ خیال کے بجائے دینِ اسلام کی ترجمانی کرنا تاکہ وحدتِ امت مرحومہ کو قائم رکھا جاسکے۔

▶ قراءات قرآنیہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین و سنن کی حجیت کو ثابت کرنا تاکہ فتنہ انکار قراءات متواترہ اور فتنہ استخفاف و انکار حدیث کی بیخ کنی کی جاسکے۔

▶ فتنن جدیدہ پر مثبت انداز میں تنقید و تردید کرنا تاکہ فہم عناصر میں فکر صحیح کو پروان چڑھایا جاسکے۔

▶ پیش آمدہ مسائل پر فہم اسلاف کی روشنی میں آزاد اجتہادی رائے دینا تاکہ جمود و تجمد کے مہلک مرض سے محفوظ رہا جاسکے۔

▶ اسلام کی آفاقی تعلیمات کی معتدل اسلوب میں تعبیر کرنا تاکہ مسلکِ اعتزال کا سدباب کیا جاسکے۔

▶ ارتقائے شعور ملی اور احیائے ملتِ اسلامیہ کے لیے جدوجہد کرنا تاکہ اسلامیان کی نشاۃ ثانیہ کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔